رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ : تبلیغ
فون : ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
پروفیسر خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد :- ۷۰ * یوم چہارشنبہ ۱۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق ۵ جنوری ۱۹۸۳ء * شمارہ ۱

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

"دنیا میں" :-

دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک جسمانی جیسے ماں باپ، بہن وغیرہ کے تعلقات، دوسرے رُوحانی اور دینی تعلقات۔ یہ دُوسری قسم کے تعلقات اگر کامل ہو جائیں تو سب قسم کے تعلقات سے بڑھ کر ہو جائیں اور یہ اپنے کمال کو تب پہنچتے ہیں جب ایک عرصہ تک محبت ہی رہے۔ دیکھو! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جماعت صحابہؓ کی تھی اُس کے یہ تعلقات ہی کمال کو پہنچے ہوئے تھے جو انہوں نے نہ وطن کی پرواہ کی اور نہ اپنے مال و مُلک کی اور نہ عزیز و اقارب کی، یہاں تک اگر ضرورت پڑی تو انہوں نے بھیڑ بکری کی طرح اپنے سر خدا کی راہ میں رکھ دیئے۔ وہ شدائد و مصائب جو اُن کو پہنچ رہے تھے اُن کے برداشت کرنے کی طاقت ان کو کیونکر ملی اس میں یہی سِر تھا کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلقات بہت گہرے ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا جو آپ لے کر آئے تھے۔ اور دنیا اور اس کی ہر ایک چیز اُن کی نگاہ میں خدا تعالےٰ کے مقابلے میں کچھ ہستی رکھتی ہی نہ تھی۔"

(الحکم جلد : ۱۷)

دین کے لئے سارے دُکھ اُٹھالو

چاہیئے کہ اسلام کی ساری تصویر تمہارے وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثر سجود نظر آئے اور خدا کی بزرگی تم میں قائم ہو۔ اگر قرآن و حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اس کو قبول نہ کرو اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے توحید پر قائم رہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ اور اپنے مولیٰ حقیقی کے حکموں کو سب پر مقدم رکھو اور اسلام کے لئے سارے دُکھ اُٹھالو۔

(ملفوظات احمدیہ جلد اول صفحہ ۴۵)

قارئین کرام کو نیا سال مُبارک ہو (ادارہ)

عشقِ الٰہی

بہردم از دل و جاں وصفِ یار بکنم
میں ہر دم دل و جان سے اپنے یار کی تعریف کرتا ہوں۔

من آں نیم کہ تغافل ز کارِ خود بکنم
میں وہ نہیں ہوں کہ اپنے کام سے غفلت کروں

بہر زماں بدلم ایں ہوس ہمے جوشد
ہر وقت میرے دل میں یہ شوق جوش مارتا ہے

کہ ہر چہ ہست نثارِ نگارِ خود بکنم
کہ جو کچھ بھی میرے پاس موجود ہے وہ اپنے معشوق پر قربان کردوں

اگرچہ در رہِ جاناں چوں خاک گردیدم
اگرچہ میں محبوب کی راہ میں خاک کی طرح ہو گیا ہوں

دلم تپد کہ فدائیش غبارِ خود بکنم
مگر میرا دل تڑپتا ہے کہ اپنا غبار بھی اس پر فدا کردوں۔

رسید مژدہ کہ ایام نو بہار آمد
مجھے خوشخبری ملی ہے کہ پھر موسم بہار آگیا

زمانہ را خبر از برگ و بارِ خود بکنم
تاکہ زمانہ کو میں اپنے پھلوں اور پتوں کی خبر کردوں

از:- مدیر اعزازی

ہمارا اڑسٹھواں جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۸۲ء

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ہمارا اڑسٹھواں جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۸۲ء بھی خداتعالیٰ کے بے انتہا فضل وکرم سے ہر لحاظ سے کامیاب اور پُر رونق رہا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی جن بے شمار نعمتوں اور افضال سے نوازا ہے ان میں سے ایک نعمت غیر مترقبہ ہمارا یہ جلسہ سالانہ بھی ہے جس کی بنیاد ہمارے امام اور مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے حکمت الٰہیہ کے ماتحت ۱۸۹۱ء میں رکھی تھی۔ اس وقت سے اب تک ہمارا یہ سالانہ اجتماع ہر سال دسمبر کے مہینہ میں منعقد ہوتا ہے جس میں شامل ہونے کے لئے اسلام اور قرآن کی اشاعت کے لئے جنون اور درد رکھنے والے سینکڑوں مرد اور خواتین، بچے، بوڑھے اور جوان دور دراز کے مقامات سے دیوانہ وار چلے آتے ہیں۔ سفر اور سردی کی مشکلات ان کا راستہ نہیں روک سکتیں۔ گھر کے آرام اور راحت کو چند دن کے لئے محض خدا کی رضاجوئی کی خاطر الوداع کہنے کے بعد جو سکون اور طمانیت انہیں پرالی پر بچھے ہوئے بستروں سے حاصل ہوتی ہے اس کی قدر وقیمت کچھ وہی جانتے ہیں۔ ایک سال تک کے لئے بچھڑے ہوئے بھائی بھائیوں سے اور بہنیں بہنوں سے ملتی ہیں۔ مقامات کے فاصلے اور جسمانی رشتوں کی حدود ختم ہو جاتی ہیں۔ پاکستان۔ برطانیہ۔ بھارت، ہالینڈ، انڈونیشیا اور گیانا وغیرہ سے آنے والے سب کے سب رنگ نسل اور زبان کی قیود سے آزاد ایک ہی مرد حیرو روحانی رشتہ میں بندھے نظر آتے ہیں۔ ایسی خلوص۔ پیار اور محبت کبری اخوت کی مثال بہیں کہیں اور نظر نہیں آتی۔

ایسا کیوں ہے۔؟ اس لئے کہ ان سب کے دلوں میں ایک ہی لگن۔ ایک ہی آرزو اور ایک ہی تڑپ ہے کہ اس دور کی مصائب میں گرفتار دُنیا قرآن اور اسلام کے نُور سے منور ہو جائے اور اندھیرو میں بھٹکتی ہوئی انسانیت اس روشنی کی طرف لوٹ آئے جو اُسے امن وسلامتی کی راہ دکھا سکے۔ ہمارے جن بزرگوں۔ نوجوانوں اور احباب وخواتین کو ان جلسوں میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوتی رہی ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس اجتماع میں شامل ہونے والوں کی اجتماعی دعائیں ہیں تو اسی خاطر۔ انفرادی نمازوں میں ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں تو اسی غرض کے لئے۔ اپنے خون پسینے کی کمائی وہ پیش کرتے ہیں تو اسی مقصد کے لئے۔ ان کی تقریروں، تحریروں اور نجی بحث مباحثوں کا اگر کوئی موضوع ہے تو یہی۔ یہ وہ چنگاری ہے جو بانیٔ تحریکِ احمدیت نے اپنی جماعت کے دلوں میں روشن کی اور آپ کی جماعت اس چنگاری سے کفرستان کے ایوانوں کو شعلہ بداماں کرنے میں شب وروز کوشاں ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ ؎

ایں آتشے کہ دامن آخر زماں بسوخت
از بہر چارہ اش بخدا نہر کوثرم

کفر والحاد اور دہریت کی جو آگ اس آخری زمانہ کے دامن کو جلا رہی ہے خدا کی قسم میں اس کے علاج کے لئے نہر کوثر ہوں۔ ہم اس نہر کوثر کو جاری رکھنے کا عہد کر چکے ہیں اس لئے اپنے اردگرد پھیلی ہوئی تمام مشکلات اور خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہر سال اسی فکر اور غم میں مجتمع ہوتے ہیں۔ ؏ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم۔ جب تک زندگی ہے جمع ہوتے رہیں گے اور اپنے اس کام کو وفاداری سے جاری رکھنے کے لئے انشاءاللہ اپنی کوششوں میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دیں گے کیونکہ ؏ ایں است کام دل اگر آید میسرم۔ دُنیا اگر ان "کافروں" کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلعم کے آستانے پر جھک جائے تو اس سے بڑی سعادت اور سرفرازی ان کے لئے اور کیا ہو سکتی ہے۔

کچھ دل کو پگھلانے والے منظر ایسے بھی ہوتے ہیں کہ پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز قرآن کے مختلف زبانوں میں تراجم اور تمام دنیا میں ان کی اشاعت کے لئے اپنی تقریر میں ان الفاظ میں اپیل کرتے ہیں کہ:۔

"میں خدا کے دروازے کا فقیر اور محتاج ہوں اور قرآن کی اشاعت کی خاطر اپنی اس چھوٹی سی جماعت کے سامنے ہاتھ پھیلانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا"

تو جذبات سے مغلوب اس تھرتھرانی آواز پر آپ کی جماعت کے بچے بھی اپنے جیب خرچ سے سارا سال بچائی ہوئی رقم بھی دے ڈالتے ہیں۔ ماں باپ شیر خوار بچوں کے ننھے منھے ہاتھوں میں نوٹ دے کر بازوؤں میں اٹھائے آتے ہیں اور حضرت امیر کے ہاتھوں میں دلواتے ہیں چند ہی لمحوں میں لاکھوں کی رقم جمع ہو جاتی ہے۔ یہ نظارہ دیکھ کر غیر از جماعت لوگ بھی ششدر رہ جاتے اور کہتے ہیں کہ مسجد کے صحن میں چھوٹے سے شامیانے کے نیچے سمٹی سمٹائی ہوئی یہ "قلیل التعداد" جماعت اور اس کا قرآن کے لئے یہ جذبہ اور قربانی! یہ تو وہ "کافری" ہے جس پہ "مسلمانی" کو بھی رشک آنا چاہیئے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم

ہمارا یہ جلسہ سالانہ بھی ایسے ہی پُر تاثیر روحانی ماحول میں بڑے پُرسکون۔ پُرامن اور طمانیت بخش طور پر اختتام کو پہنچا۔ آتے وقت جو خوشی اور مسرت کے آثار چہروں پر دیکھنے میں آئے جاتے وقت ایک دوسرے سے الوداع ہوتے وقت کچھ ایسے احساسات دیکھنے میں آئے کہ یہ ایک سال کی جدائی کیسے گذرے گی۔ بعض دوستوں کی زبان سے یہ بھی سننے میں آیا کہ جی چاہتا ہے یہیں رہ پڑیں۔ دُنیا کے کام بہت کر لئے ہیں۔ ایسا ماحول اور امن وسکون کی جگہ کہیں اور میسر نہیں ہو سکتی۔ درحقیقت یہ بھی جلسہ کی گوناگوں تاثیرات میں سے ایک تاثیر کا اظہار ہے تین دن کے اس قرب اور مجاہدے سے دلوں کے اندر جو نرمی اور تبدیلی پیدا ہوتی ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ بات ہے جو سب کو آئندہ جلسے کے لئے منتظر رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سب بہنوں اور بھائیوں کو زندہ سلامت رکھے اور آئندہ سال دسمبر میں ان سے ملاقات کا پھر موقع نصیب کرے اور ایسے ہزاروں جلسے دیکھنے کے لئے زندہ رکھے۔ آمین!!

——— *** ———

(بقیہ تجدید احیائے دین - آمدہ ص۱۱)

ہی ہیں اور یہ سلسلہ روحانی زندگی کا بجز اسلام اور کسی مذہب میں باقی نہیں رہ گیا۔ اس لئے باقی مذاہب مُردہ ہو چکے ہیں صرف ایک دین اسلام ہی زندہ ہے کہ اسکے کامل پیرو خدا سے کامل تعلق پا لیتے ہیں اور یہ ہونا بھی یوں ہی چاہیئے کہ کامل مذہب کی یہ علامت ہو کہ اسکے کامل پیرو خدا سے مل جائیں۔ پس خدا سے مکالمہ ومخاطبہ بند نہیں ہوا۔ بلکہ وہ تو کامل دین اسلام میں موجود ہے۔ اور یہی اس دین کے کامل وزندہ ہونے کا عظیم ثبوت ہے۔ کامل دین کے ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اسکے پیرو خدا سے تعلق پیدا نہ کر سکیں بلکہ کامل تعلق تو خود کسی کامل دین کا تقاضہ ہے پھر یہ کہ دینِ اسلام ہی صرف ایک ایسا دین ہے جس کے پیروکار خدا سے تعلق پاتے اور روحانی زندگی حاصل کرتے ہیں۔ اب یہ امر واضح ہو گیا کہ کسی

(بقیہ ص۶ کالم ۲ پر)

اپنے گھروں میں بیٹھ کر میری ان باتوں پر غور کریں

فان زللتم من بعد ماجاءتکم البینت فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم۔" (۲۰۷ تا ۲۰۹)

ان کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے آپنے فرمایا کہ :- " لوگوں میں وہ بھی ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم سارے کے سارے فرمانبرداری میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ پھر اگر تم اس کے بعد جو تمہارے پاس کھلے دلائل آ چکے پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

آپنے فرمایا کہ جو آیات میں نے آپکے سامنے پڑھی ہیں ان میں دو باتیں خاص طور پر ہمارے لئے توجہ طلب ہیں۔ ایک "سلم" اور دوسری "کافّہ"۔ "سلم"، صلح۔ امن۔ فرمانبرداری اور مکمل طور پر اپنے آپ کو سونپ دینے کو کہتے ہیں اور "کافّہ" کا مطلب ہے، سب کے سب، یعنی جب تم سب کے سب ظاہر و باطن کے لحاظ سے اسلام میں کلی طور پر داخل ہو جاؤ گے اور تم میں نفاق کا کوئی حصہ باقی نہیں رہے گا تو تم اس صورت میں امن کی حالت میں آجاؤ گے اور تمہیں کسی قسم کا خوف اور حزن نہیں رہے گا۔ اس قسم کے امن اور سلامتی کے مستحق صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو بیچ دیتے اور اپنی خواہشاتِ نفسانی پر موت وارد کر کے اُسے پانے کے لئے اپنا جسم اور اپنی روح۔ اپنا ظاہر اور باطن بلکہ اپنا سبھی کچھ اسے سونپ دیتے ہیں یہ لوگ اسکے بندے ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے ان فرمانبردار بندوں کو اپنی بے انتہا رحمتوں اور افضال کی چادر میں لے لیتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے ہماری راہنمائی اور ہدایت کے لئے اس قسم کی باتیں بار بار قرآن کریم میں کھول کھول کر اور بڑی وضاحت سے مختلف پیرایوں میں بیان فرمائی ہیں ایک دوسری آیت میں یہی مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ اللہ تعالےٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور اموال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔ وہ مؤمنین جنہوں نے اپنی جانیں اور اموال دیکر جنت خرید لی وہ آنحضرت صلعم کے صحابہ کرامؓ ہیں جن کے متعلق قرآن کریم میں آیا ہے اور اللہ تعالےٰ نے خود اُن کے حق میں فرمایا ہے کہ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ ایک مومن کا منتہائے مقصود ہی اللہ تعالےٰ کو پانا ہے اور راستے اس نے اپنے پانے کی راہیں بھی دکھا دی ہیں۔ مومن جو ان راستوں سے اس کو پا لیتے ہیں تو اللہ تعالےٰ اُن سے خوش ہو جاتا ہے اور وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں لیکن اس کی رضا کے حصول کے لئے سلم کی ضرورت ہے یعنی کامل فرمانبرداری اور وفاداری کے ساتھ اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کر دینا۔ اسی میں امن اور سلامتی ہے اس کے بغیر نہ انسان خود امن میں رہ سکتا ہے اور نہ ہی دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون۔ وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور ان کے ایمان میں ذرہ بھر ظلم کی ملونی نہیں ہوتی وہی امن میں ہوتے ہیں اور وہی ہدایت پر ہوتے ہیں۔ ان کا کچھ دین کے لئے اور کچھ دُنیا کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اُن کے وجود۔ ارادے اور جانیں تمام کے تمام اللہ تعالےٰ کے ہو جاتے ہیں اور اس طرح وہ اللہ کی حفاظت میں آجاتے ہیں۔ یہ صرف ایک فرد کے لئے ہی نہیں بلکہ جب مومنوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ بھی اللہ تعالےٰ کی حفاظت میں آجاتی ہے۔ دُنیا کی مشکلات

اللہ تعالےٰ سے فرمانبرداری کا عہد باندھنے کے بعد شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تمہیں اللہ تعالےٰ تک پہنچانے والے راستے سے ہٹا کر اپنے راستہ پر چلانا اور اپنی پیروی کرانا چاہتا ہے۔ اگر تم کھلے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد شیطان کے جھانسے میں آکر راہِ ہدایت سے پھسل کر دور جا پڑے تو پھر یاد رکھو تم اللہ کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکو گے کیونکہ وہ تو غالب اور حکمت والا ہے سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے مگر تم اس کی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔ ایک طرف اللہ تعالےٰ کی اطاعت کا عہد کرنا اور دوسری طرف شیطان کے قدموں پر قدم رکھنا دو مالکوں کا غلام ہونا ہے یہ دو کشتیوں میں سوار ہونا ہے جو سراسر نقصان کا موجب ہوتا ہے منہ سے ایمان کا دعویٰ کرنا اور اعمال میں شیطان کے راستہ پر چلنا ادھوری فرمانبرداری کا کھلا دعویٰ ہے بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق ہے۔ صحابہ کرامؓ کی کامل فرمانبرداری کی مثال ہمارے سامنے ہے ان کے دلوں میں شیطان سے طبعًا نفرت پیدا ہو گئی اور اس کی جگہ خدا کے خوف نے لے لی۔ انہوں نے ایک ہی مالک اللہ کا دامن پکڑ لیا اور مرتے دم تک اُسے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ یہی وہ جماعت ہے جس کے لئے میدان بدر میں آنحضرت صلعم نے بڑی عاجزی اور الحاح سے یہ دُعا فرمائی کہ اے اللہ آج کے دن اگر یہ چھوٹی سی جماعت تباہ ہو گئی تو اس زمین پر تیری عبادت کرنے اور نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ جب آپ سے حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی کہ کیا آپ سے اللہ تعالےٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ نہیں کیا کہ آپ اس قدر ہلکان ہو رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ بے نیاز اور غنی بھی ہے ہو سکتا ہے اس کا وعدہ پورا ہونے میں ہمارا کوئی قصور یا غلطی رکاوٹ بن جائے آنحضرتؐ جیسا عظیم انسان جن کی کامل پیروی انسانوں کو خدا سے ملا دیتی اور اس کے محب بنا دیتی ہے اور آپکے قلب صافی میں اللہ تعالےٰ کی بے نیازی کا اتنا شدید احساس۔ دراصل اللہ تعالےٰ کی بے نیازی کا یہی خوف اور اپنے قصوروں پر اپنی کڑی نظر ہی وہ دو چیزیں ہیں جو انسان کو اللہ تعالےٰ کا فرمانبردار بناتی اور اُسے امن و سکون کی حالت میں داخل ہونے میں مدد دیتی ہیں۔

قرآن کریم میں مسلمانوں کے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم مومن ہوئے لیکن سپین کی تاریخ ہمارے سامنے ہے جہاں مسلمانوں نے تقریبًا آٹھ سو سال تک حکومت کی۔ وہاں بڑے بڑے علماء فضلاء حکما، فلاسفر اور سائنسدان موجود تھے۔ بڑی بڑی تعلیمی درسگاہیں تھیں لیکن جب اللہ تعالےٰ کی ناراضگی آئی تو وہاں ایک مسلمان بھی نہ بچا۔ یہی حال بغداد کا ہوا۔ اللہ تعالےٰ کے سوا ہم اپنی کسی چیز پر بھروسہ نہیں کر سکتے اور یہ بھروسا اور یقین تب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب اللہ تعالےٰ کے ساتھ گہرا تعلق ہو۔ یہی وہ تعلق ہے جسے پیدا کرنے کے لئے اس زمانہ میں حضرت صاحب تشریف لائے تھے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی جو اخلاقی۔ روحانی اور مادی حالت تھی وہ ہم سب جانتے ہیں اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کی خستہ حالی کا نقشہ حضرت صاحب نے اپنے اس فارسی شعر میں کھینچا ہے۔

اے سید الوریٰ مددے وقتِ نصرت است + در گلستان سرائے تو کس باغباں نماند

بڑے بڑے شعراء نے مسلمانوں کی حالت اور اسلام پر اُس زمانے میں مرثیے لکھے مسدس حالی ایک لمبا چوڑا مرثیہ ہے۔ "کثرتِ اعدائے ملت او قلت انصار دیں" کا غم اور فکر حضرت مجدد اعظم مرزا صاحب کو کھائے جا رہا تھا۔ اس اجڑے باغ کی آبیاری کیلئے اللہ تعالےٰ نے آپکو

کھڑا کیا۔ آپ نے اسی کے حکم سے اس غرض کیلئے ایک اصلاح یافتہ جماعت بنائی۔ آپ نے اپنی اس جماعت کو تقوای کی راہوں پر گامزن ہونے اور اپنی دینی۔ اخلاقی اور روحانی زندگی سنوارنے کا حکم دیا تاکہ وہ باقی دنیا کو سنوارنے کے قابل ہو جائے۔ دنیا کی طرف سے اس کی توجہ ہٹا کر دین کی خدمت اسکے سامنے نصب العین رکھا اور یہ عہد لیا کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا" آپ جانتے تھے کہ اگر کسی کا دین سنور گیا تو اس کی دنیا بھی سنور جائے گی لیکن اگر کسی نے محض اپنی دنیا ہی سنوارنے کی کوشش کی تو اس کے پاس نہ دنیا رہے گی اور نہ دین۔ حضرت صاحب اور آپ کی قائم کردہ جماعت کا مقصدِ واحد تمام ادیانِ باطلہ پر دینِ اسلام کا غلبہ ثابت کرنا تھا۔ ہمارے بزرگوں نے ادخلوا فی السلم کافۃ پر عمل کرتے ہوئے اپنے عہد کو نبھایا لیکن آج ہمارے سامنے یہ سوال ہے کہ کیا آج بھی ہماری جماعت میں ادخلوا فی السلم کافۃ کا جذبہ اسی طرح موجود ہے؟ اور کیا یہ سچ ہے کہ جماعت کے کثیر حصہ کو دین کا غم نہیں اور وہ دنیا کی دولت اور عزّت کی فکر میں منہمک ہو گئی ہے۔؟ پہلے سوال کا جواب اگر ہاں میں ہے تو پھر ہمیں کوئی غم نہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر دوسرے سوال کا جواب ہاں میں ہے تو ہمیں اپنا جائزہ لینا اور فکر کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کو کثرت اور قلّت کی کوئی پرواہ نہیں۔ اگر کسی جماعت میں تھوڑے بھی "فی السلم کافۃ" داخل ہوں تو وہ جماعت کامیاب ہو جاتی ہے۔ ان تھوڑوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بہتوں کو بچا لیتا ہے لیکن جب کسی جماعت کا کثیر حصہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے پر کمربستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا جوا پورے طور پر اپنی گردن میں ڈال لے تو کوئی وجہ نہیں کہ غلبہ دین کا وعدہ پورا ہونے کے راستے میں کوئی چیز رکاوٹ بن کر کھڑی ہو سکے کیونکہ قرآن کریم میں جس کی اشاعت کا بیڑہ ہم نے اٹھایا ہے وہ تاثیرات ہیں کہ پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں بشرطیکہ اسکی حامل جماعت کا اپنا عمل اس کے مطابق ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار اور وفادار جماعت ہو۔

ابھی چند دن ہوئے ہمارا جلسہ سالانہ اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم کی وجہ سے بڑی کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ اس کے متعلق جو تاثرات دیکھنے سننے اور پڑھنے میں آتے ہیں اُن سے میرے دل میں ایک نئی اُمید پیدا ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو زندہ رکھنا چاہتا ہے ہمارے لئے بڑی اُمید افزا اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اس بار ہمارے نوجوان کثرت سے اس جلسہ میں شامل ہوئے ہیں اور بڑے جذبے کے ساتھ انہوں نے خدمات انجام دی ہیں یہ ہماری مستقبل کی قیادت اور اُمید ہیں انہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا ہمارے سامنے عہد کیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق دے۔ ہم اس وقت بحیثیت جماعت ایک مشکل دَور سے گذر رہے ہیں۔ ہمارے اردگرد جو حالات ہیں وہ آئے دن تشویشناک صُورت اختیار کرتے جا رہے ہیں اگر میرے بھائیوں کے دل میں اس سے یہ خیال پیدا ہو کہ میں ان کو ڈراتا ہوں تو میں معافی چاہتا ہوں لیکن آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کیونکہ مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے یہ باتیں آپ کے علم میں آتی رہتی ہیں میں اس کا ذکر اس لئے کرتا ہوں کہ ہم جیسے بیکس اور بے بس و مجبور انسانوں کا سہارا سوائے خُدا کے کوئی نہیں ہمیں اس کی طرف جانا چاہیئے۔ حدیث میں ہے کہ اگر انسان خدا کی طرف چل کر آتا ہے تو خدا اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ قرآنِ کریم بھی فرماتا ہے ففروا الی اللہ۔ تم اللہ کی طرف دوڑ کر جاؤ۔ خوف و خطر کی حالت میں مرغی اور انسان کا بچہ بھی اپنی ماں کی طرف بھاگ کر جاتا اور اس کے پروں کے نیچے اور گود میں پناہ لیتا ہے۔ اگر ہم اِن حالات میں اللہ تعالیٰ کی گود میں جو ماں باپ سے بہت بڑھ کر مہربان ہے پناہ لینے کے لئے اس کی طرف دوڑ کر نہیں جاتے تو کبھی بھی ان خطرات اور خوف سے امن میں نہیں آ سکتے۔ اس لئے میں حضرت صاحب کے مقصد کو جاری رکھنے کی خاطر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ یہ غفلت کا وقت نہیں۔ غفلت کو ترک کر دینا چاہیئے یہ اس وقت کی پکار ہے کہ ہمیں اللہ کی طرف آ جانا چاہیئے باہر اگر بدامنی بھی ہو تو اس کے امن میں آ جانے کے بعد مشکلات اور تکالیف میں بھی راحت اور امن ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دُعا سے مصائب دور ہو جاتی ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جلسہ کی آخری تقریر میں مَیں نے دُعا کی تاثیرات کے متعلق آپ کے سامنے کچھ بیان کیا تھا لیکن دُعا بھی وہی مستجاب ہوتی ہے جس کے پیچھے عمل کی زبردست طاقت ہو۔ بغیر عمل کے یہ توقع رکھنا کہ یہ دُعا قبول ہو گی عبث ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

ترجمہ:۔ "ان کے رب نے ان کی دُعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے سے ہو سو جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے میں ضرور اُن کی تکلیفوں کو ان سے دور کر دوں گا اور میں ضرور ان کو باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے بدلہ، اور اللہ ہی کے پاس اچھا بدلہ ہے۔" (آلِ عمران: ۱۹۵) خدا کے راستے میں اپنے گھروں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اذیتیں اٹھانا پڑتی ہیں اور لڑنا اور مرنا پڑتا ہے۔ یہ وہ اعمال ہیں جن کے بعد اللہ تعالیٰ دُعا قبول کرتا ہے۔ یہ اس کے ساتھ تعلق اور اسکی معرفت ہی ہے جو یہ اعمال بجالانے میں انسان کو لذت سے آشنا کرتی ہے اور اس کا بدلہ جنت ہے، یہ گھاٹے کا سودا نہیں اس لئے ہم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ اپنی اصلاح کرے۔ غلط کاریوں سے باز آ جائے اخلاقی کمزوریوں کو دور کرے۔ اللہ کے سامنے گر جائے اور اپنے دل میں اس کے دین کے لئے محبت پیدا کرے۔ اپنا آپ خدا کے سپرد کر دے کیونکہ اسی میں امن ہے۔ اور یہی وہ صُورت ہے جس میں دُعائیں بھی مستجاب ہوتی ہیں۔ مَیں نے اپنی اس اختتامی تقریر میں یہ بھی کہا تھا کہ مجلسِ معتمدین کے فیصلے کے مطابق ہم اس عہد کی پھر تجدید کرنا چاہتے ہیں جو ہم نے حضرتِ اقدس کی دس شرائط بیعت کے تحت آپ سے کیا ہے۔ یہ عہد حضرت صاحب کے ساتھ عہد ہے ہم نے یہ قدم اٹھانے کا اس لئے فیصلہ کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کون لوگ اس عہد کو نبھانے کے لئے تجدید عہد کرتے ہیں میری آپ سے یہ گذارش ہے کہ متحد اور متفقہ طور پر اس عہد میں اس طرح شامل ہو جائیں کہ کوئی بھی اس سے باہر نہ رہ جائے۔ ہمیں ایمانی جوش و جذبہ کے ساتھ آپ کے کامل تعاون کی ضرورت ہے، جماعت کو ٹھوس دینی۔ اخلاقی اور روحانی بنیادوں پر ایک بار پھر سے استوار کرنے کے لئے تلافیٔ مافات کرنا لازمی ہے۔ اس سلسلہ میں مقامی جماعت کی ذمہ داریاں سب سے بڑھ کر ہیں کیونکہ مرکز کے نمونے کا اثر ہماری باہر کی جماعتوں پر بھی پڑے گا۔ اپنے بھائیوں۔ بہنوں اور بچوں سے میری یہ توقع ہے کہ وہ جتنا جلدی ہو سکے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جماعت ثابت کریں۔ افتراق اور انتشار کی راہوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اپنا تمام زور تعمیری کاموں اور دین کی خدمت پر لگائیں۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح اللہ تعالیٰ مفسدوں اور اصلاح کرنیوالوں کو خوب جانتا ہے۔ ہم حسن نیت سے تجدید عہد کا یہ کام آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں اُسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اللہ ہمیں نیکی کے کام کی توفیق دے اور ہمیں ہمارے نفسوں کے سُپرد نہ کرے۔ ہم کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتے جو اس کی ناراضگی کا موجب ہو۔ ہاں اگر کوئی ہمارے ساتھ نہیں چلنا چاہتا تو اس کی مرضی۔ ہم کسی کو مجبور نہیں کر سکتے مگر جس راستے کو اختیار کیا جائے تو اس پر ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ چلنا چاہیئے "نہ اس طرف اور نہ اُس طرف"، اور تذبذب کی حالت میں رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ دنیا کا فائدہ اور نقصان عارضی چیزیں ہیں۔ اللہ کے دین کی خاطر جو موقف اختیار کیا ہے اُس پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہیئے ادخلوا فی السلم کافۃ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس کی تعمیل ضروری ہے کیونکہ اسی میں فائدہ اور امن ہے اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ امام زماں سے غداری ہو گی۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ:۔

میں جو کچھ آپ سے کہنا چاہتا تھا کہہ چکا ہوں اور کچھ باتیں بار بار دہرا بھی چکا ہوں اپنے گھروں میں بیٹھ کر میری ان باتوں پر غور کریں اپنے قول اور فعل کا جائزہ لیں۔ انسان بہت کمزور اور عاجز ہے اس لئے خدا سے ہر وقت ڈرنا چاہیئے کیونکہ اگر وہ ناراض ہو جائے تو اسکی گرفت بھی سخت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ اپنی باہر کی جماعتوں کو میں یہ تاکید کرتا ہوں کہ مرکز سے جو ہدایات ان تک پہنچیں ان کی تعمیل اپنے اُوپر لازم سمجھیں اور پورے جوش اور خلوص کے ساتھ جماعت کی تعمیر میں حصہ لیں۔ وما علینا الا البلاغ

——— * * * ———

از قلم مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن — (سبق ۱۶)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ (البقرۃ۔ ۲۱)

ترجمہ:" اے نسلِ انسانی اپنے رب کی فرمانبرداری کرو جس نے تمہیں پیدا کیا، اور اُن لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم متقی بنو۔"

میں نے پچھلے درس میں اس آیت کے ابتدائی الفاظ "اے نسلِ انسانی اپنے ربّ کی فرمانبرداری کرو" کی تفسیر کی تھی کہ قرآن کریم کا یہ پہلا حکم صرف مسلمانوں یا مؤمنوں کو مخاطب نہیں کرتا بلکہ تمام نسلِ انسانی کو کیونکہ اللہ تعالےٰ نے قرآن حکیم کو نازل فرمایا ہے تمام نسلِ انسانی کے لئے اور رسُول اللہ صلعم کو رسُول بنا کر بھیجا تمام نسلِ انسانی کے لئے تاکہ دُنیا کے لوگ جو مختلف مذہبوں کے بگڑ جانے کی وجہ سے گمراہیوں اور آپس کے مذہبی جھگڑوں بلکہ لڑائیوں میں مُبتلا تھے اب اسلام میں صلح و امن پائیں اور نسلِ انسانی ایک ہو جائے۔ تو نسلِ انسانی کو پہلا حکم وہی دیا گیا جو تمام کائنات کو ہے کہ وہ عاجزی سے فرمانبرداری کرے اپنے ربّ کی۔ چنانچہ تمام کائنات اپنے ربّ کے احکام (بصورت قوانین) کی ایسی عاجزی سے فرمانبرداری کرتی ہے کہ اُس سے بڑھ کر ہو نہیں سکتی۔ خود انسان کا جو مادی یا حیوانی حصہ ہے یعنے جسم وہ بھی اپنے ربّ کے حکموں یعنے قوانین کو بلا چون وچراں مانتا ہے۔ انسانی رُوح جو خُدا نے ہر انسان کے اندر پھُونکی ہے اور جو ہر انسان کی شخصیّت یعنے PERSONALITY کی بنا ہے اُسے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ عالیہ کے ماتحت FREEDOM OF WILL یعنے آزادئ ارادہ وعمل بخشی ہے تاکہ انسان میں اخلاقی اور رُوحانی خوبیاں پیدا ہوں کیونکہ اخلاقی خُوبی یا رُوحانی خُوبی تبھی پیدا ہوتی ہے کہ انسان آزاد ہو کہ وہ جو چاہے کرے یعنے چاہے تو نیکی کرے اور چاہے تو بدی کرے۔ مثلاً اگر جھوٹ بولنے کا امکان یا آزادی نہ ہوتی تو جھوٹ کو چھوڑ کر سچ بولنے کی خُوبی کہاں پیدا ہوتی؟ اگر بد دیانتی کا امکان اور آزادی نہ ہوتی تو دیانتداری خُوبی نہ بنتی۔ اپنے ربّ کی عاجزی سے فرمانبرداری کا حُکم یوں دیا کہ ربّ وُہ ہے جو ادنیٰ حالت سے اعلےٰ حالت کی طرف تدریج لے جاتا ہے۔ انسان کی قوتِ عمل اُن حیوانی جذبات اور خواہشات کی وجہ سے ہے جو اُس کے جسم (جو حیوانوں سے مشترک ہے تبھی ڈاکٹر دوائیاں حیوانوں پر آزمانے کے بعد انسانوں کو دیتے ہیں) سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر انسان کو اللہ تعالےٰ کی ہدایت نصیب نہ ہو تو وہ پھر اپنے حیوانی جذبات اور خواہشات کے کہنے پر چلے گا تب وہ حیوانی سطح سے اُٹھ نہیں سکے گا اور حیوان بنا رہے گا جیسا کہ مغرب میں آج ہمیں نظر آرہا ہے بلکہ انسان حیوان سے بھی نیچے گر جاتا ہے کیونکہ حیوان کبھی خلافِ فطرت افعال نہیں کرے گا مگر مغرب میں اب وہ کھُلم کھُلا اور قانونی اجازت سے ہو رہے ہیں، یا انسان اب DRUGS یعنے منشّیات عام کھا رہے ہے جو اُن کے لئے سخت مضرِ صحت ہیں حالانکہ حیوان کبھی مضرِ صحت چیز نہیں کھاتا کیونکہ اس کی فطرت اُس کی ناک میں نکیل یا گلے کی رسّی کی طرح ہوتی ہے، مگر انسان کو آزادئ عمل یعنے FREEDOM OF WILL دی گئی ہے جس کے صحیح استعمال سے اُس میں اخلاقی اور رُوحانی خوبیاں پیدا ہوسکتی ہیں جیسا کہ میں ابھی بتا آیا ہوں تو انسانی جذبات اور خواہشات کو صحیح استعمال کرنے کا طریق اُن کو اور انسان کو پیدا کرنے والا ہی بتا سکتا تھا اس لئے ربّکم الّذی خلقکم فرمایا یعنے اپنے رب کی فرمانبرداری کرو جس نے تم کو پیدا کیا۔

جس خُدا نے انسان کو پیدا کیا ہے وہی بہترین عِلم رکھتا ہے کہ اُس نے انسان کو کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، اُس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اُس نے انسان کے اندر کیا قوٰی یا طاقتیں رکھی ہیں، ان کا صحیح استعمال کیا ہے، کن باتوں سے انسان کو بچنا چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔ اسی لئے اس کے حکموں کی فرمانبرداری ضروری ہے کیونکہ وہ نہ صرف خالق ہے بلکہ ربّ بھی ہے کہ پیدا کرکے انسان سے یا اپنی دُوسری مخلوق سے علیحدہ نہیں ہوگیا بلکہ ہر آن اس کی ربوبیّت کر رہا ہے یعنے ادنیٰ حالت سے اعلےٰ حالت کی طرف لے جا رہا ہے۔ دُوسری مخلوق تو اپنے ربّ اور خالق کی بلا چون وچراں فرمانبرداری کرکے اُس کی ربوبیّت سے ترقی پاتی اپنی پیدائش کے مقصد کو حاصل کرتی ہے۔ انسان کو اختیار یا آزادئ عمل دیا تاکہ اُس میں اخلاقی اور رُوحانی خُوبیاں بنیں جو بغیر نیکی بدی کے اِمکان اور اختیار کے نہ بن سکتی تھیں جیسا کہ میں ابھی بتا آیا ہوں۔ تو انسان کو بھی اپنے خالق اور ربّ کی عاجزی سے فرمانبرداری کرنی چاہیئے تاکہ اُس کی ربوبیّت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اور ترقی کرتے ہوئے وہ اپنے مقصدِ پیدائش کو پالے جو کہ خود اللہ تعالےٰ کو پانا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ بغیر اللہ تعالےٰ کی اپنی ہر آن کی ربوبیّت اور ہدایت کے ممکن نہ تھا۔ میں نے عاجزی سے فرمانبرداری کا بار بار ذکر کیا ہے جو لفظ عبادت یا عبودیۃ کے اپنے معنیٰ ہیں کیونکہ ربوبیّت یا تربیّت کا پُورا فائدہ وہی اُٹھاتا ہے جو عاجزی سے فرمانبرداری کرے نہ کہ گستاخی سے یا بے ادبی سے یا بد دلی سے۔ اس کی مثال ماں باپ کی ربوبیّت یا اُستاد کی تربیّت ہے۔ وہی بچّہ اُس سے پُورا اور صحیح فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو اپنے ماں باپ یا اُستاد کو اپنا محسن اور خیر خواہ جانتے ہوئے اُنکی عاجزی سے فرمانبرداری کرتا ہے نہ کہ گستاخی یا بے ادبی یا بد دلی سے۔ اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر کون انسان کا محسن اور خیر خواہ ہوسکتا ہے؟

لفظ خلقکم یعنے تم کو پیدا کیا پر مزید غور کی ضرورت ہے۔ انسان کی پیدائش جسمانی بھی ہے اور رُوحانی بھی چنانچہ دُوسری جگہ فرمایا ھو اللّٰہ الخالق البارئ (الحشر ۵۹ آیت ۲۴) وہی اللہ ہے جو مادہ کو پیدا کرنے والا ہے اور رُوحوں کو پیدا کرنے والا ہے اب آپ انسان کی جسمانی تخلیق کو لے لیجئے تو کوئی دو انسان کبھی بھی ایک نہیں ہوئے۔ سَر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے تلوؤں تک ہر انسان علیحدہ اور واحد شخصیت ہے۔ آج سائنس نے پتہ لگایا ہے کہ کسی دو انسانوں کے بھی سَر کے بال ایک جیسے نہیں ہوتے چنانچہ لندن میں کسی چور کی ٹوپی جلدی میں رہ گئی۔ اس میں جو اس کا بال تھا وہ بعد میں جب چور پکڑا گیا تو اُس کے بالوں سے بالکل عین مطابق ہونے کی وجہ سے عدالت نے اُسے اُس مکان میں چوری کے جرم میں سزا دی جس میں وہ ٹوپی رہ گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنسدانوں نے آن کر گواہی دی کہ کسی دو انسانوں کے بال بالکل ایک جیسے نہیں ہوتے۔

دُوسری طرف کسی دو انسانوں کے پیر کے تلوے ایک جیسے نہیں ہوتے تبھی تو کھوجی TRACKERS کے مجرم کے پیر کے نشانوں پر اس کا پتہ ڈھونڈ نکالتے ہیں کسی دو انسانوں کے انگلی کے انگوٹھے کے نشان ایک جیسے نہیں ہوتے اسی لئے عدالتیں انگوٹھے کے نشانوں پر جو کسی کاغذ پر ہوں فیصلہ دیدیتی ہیں کسی دو انسانوں کے جسم کی خوشبو تک ایک جیسی نہیں ہوتی۔ اسی لئے BLOOD HOUND کُتّے مجرم کے کسی کپڑے کے سنگھائے جانے کے بعد اُس کا پیچھا کر کے دور دراز فاصلہ تک اس کو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ اور اب تو سائنس نے پتہ نکالا ہے کہ کسی دو انسانوں کے CELLS یعنے وہ اجزاء جن سے وہ بنا ہے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ الغرض اس خلّاق العظیم نے جس کا نام اللہ ہے اس چند روزہ زندگی کے انسانی جسم میں بھی ہر شخص کی اپنی خصوصیت اور پہچان بنائی ہے تو روحِ انسانی جو ہمیشہ رہنے والی ہے وہ کہاں ایک جیسی ہو سکتی تھی۔ ہر انسان کی رُوح اپنی استعدادوں اور دُوسری باتوں میں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

تو ربوبیت جہاں ہر جسم کی اپنی اپنی طرز کی ہوتی ہے وہاں روح کی بھی جو انسان کے اندر رہ کر "نفس" کہلاتی ہے اس کی علیحدہ علیحدہ تربیت ہو کر وہ انسان ایک علیحدہ شخصیت یا PERSONALITY بنتا ہے۔ تو اس باطنی یا رُوحانی تربیت یعنے نشوونما کے لئے اشد ضروری ہے کہ وہ رُوح اپنے خالق اور ربّ کی فرمانبردار بن کر اُس روحانی مقصد کو حاصل کرے جس کے لئے اُسے پیدا کیا گیا ہے۔ اسی لئے فرمایا اس آیت میں جس پر میں یہ درس دے رہا ہوں کہ ہر انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے رب کی عاجزی سے فرمانبرداری کرے کیونکہ اُس نے نہ صرف اُسے پیدا کیا ہے بلکہ وہی اس کی ربوبیّت کر کے اُسے وہ انوکھی ہستی بنا سکتا ہے جس مقصد کے لئے اُسے پیدا کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا والذین من قبلکم یعنے اسی اللہ نے جس نے تمہیں پیدا کیا تمہارے باپ دادوں کو بھی پیدا کیا تھا۔ انسان کی ایک عجیب کمزوری ہے کہ مذہب کے معاملہ میں وہ اندھادُھند اپنے باپ دادوں کی تقلید کرتا ہے بلکہ فرمانبرداری کرتا ہے اور خود سوچ کر اپنے لئے صحیح فیصلہ نہیں کرتا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ آج اگر عیسائی، عیسائی ہیں تو اس لئے کہ اُن کے باپ دادا عیسائی تھے۔ ہندو، ہندو ہیں تو اس لئے کہ باپ دادا ہندو تھے چاہے وہ مذہب اُن کو صحیح معلوم دے یا نہیں۔ اسی طرح تمام قوموں کا حال ہے آج ہر طرف GENERATION GAP "جنریشن گیپ" کا شور ہے کہ ہر دو نسلوں میں جو فرق ہوتا ہے اُسے بہانہ بنا کر اولاد ماں باپ کی فرمانبرداری نہیں کرتی کہ وہ اور تھے ہم اور ہیں مگر مذہب کے معاملہ میں یہی لوگ ماں باپ کے مذہب پر اندھادھند قائم ہیں اور اسے نہیں چھوڑتے چاہے اس پر اُن کا عمل باقی نہ رہا ہو۔ تو فرمایا کہ تمہارے باپ دادوں کو بھی اُس نے ہی پیدا کیا تھا اور اُن کی بھی تمہاری طرح رہنمائی کی تھی۔ اگر وہ ہر قسم کے شرک یا غلط عقائد میں مبتلا ہو گئے تو یہ ان کا قصور تھا۔ مثلاً فرمایا کان النّاسُ امّۃً واحدۃً قف فبعث اللہ النبیّین مبشرین ومنذرین ص وانزل معھم الکتٰب بالحق لیحکم بین النّاس فیما اختلفوا فیہ ط (البقرۃ ۲ - ۲۱۳) یعنے سب انسان ایک ہی جماعت ہیں۔ پس اللہ نے نبیوں کو بھیجا خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور اُن کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب اُتاری تا کہ لوگوں میں ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔ یعنے اللہ تعالےٰ نے تمام نبیوں کے ساتھ ایک ہی تعلیم اُتاری تا کہ لوگ جو پہلے بھی اختلاف کرتے تھے اُن میں فیصلہ کرے۔ آگے فرمایا کہ باوجود خدا کی ہدایت کے لوگوں نے پھر اختلاف کرنا شروع کر دیا۔ یہ کہ ان تمام نبیوں کو ایک ہی تعلیم دے کر بھیجا گیا تھا واضح فرمایا۔ وما ارسلنا من قبلک من رسولٍ الّا نوحی الیہ انّہٗ لآ الٰہ الّآ انا فاعبدون (الانبیاء ۲۱ - ۲۵) "ترجمہ:- اور تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو میری فرمانبرداری کرو"۔

تو اس آیت میں جس پر میں آج درس دے رہا ہوں فرمایا کہ تمہارے باپ دادوں کو بھی میں نے ہی پیدا کیا تھا اور وہی تعلیم دی تھی جو آج تم کو دی جا رہی ہے۔ تو اگر انہوں نے اختلافاتِ مذاہب پیدا کر لیا یا میری ہدائیت کی پرواہ نہ کی تو تم کیوں اپنے آپ کو برباد کرتے ہو۔ آخر میں فرمایا کہ لعلکم تتّقون۔ یعنے اگر ہم تمہیں ہماری فرمانبرداری کو کہہ رہے ہیں تو اس لئے کہ تم تقوٰی اختیار کر سکو۔ یہ اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدائیت یعنے اس کی کتاب کی فرمانبرداری نہ کرے گا وہ پھر جو اس کا دل چاہے گا کریگا یعنے اپنے جذبات یا خواہشات کی اتباع کرے گا اور وہ انسان کی عقل پر پردہ ڈال کر انسان کو ہر قسم کی نقصان دہ اور تکلیف پہنچانے والی چیزوں میں مبتلا کر دیتے ہیں بالفاظ دیگر گناہوں اور بدیوں میں۔ اس کی مثال ہمارے سامنے یورپ اور امریکہ میں ہے کہ انجیل میں جیسی کیسی بھی ہدایت تھی اگر عیسائی لوگ اُس پر عمل کرتے تو کیا وہ بدیاں اور گناہ کبیرہ جو آج ان ملکوں میں کھُلم کھُلا کر رہے ہیں کرتے؟

عام طور پر انسان کے ہر عمل کا اچھا پہلو بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی۔ کب کوئی اچھا عمل بُرا بن جاتا ہے۔ یہ انسان اپنے جذبات اور خواہشات کی رَو میں فیصلہ نہیں کر سکتا مثلاً دولت کی تلاش فی نفسہٖ بُری نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اُسے اپنا فضل کہا ہے اور کہا ہے کہ اسے تلاش کرو مگر دولت کمانے میں کب جا کر بُرائیاں پیدا ہو جاتی ہیں یہ انسان دولت کی طلب اور ہوس میں محسوس نہیں کرتا۔ یا دولت کما کر نیک کاموں میں بھی لگائی جا سکتی ہے اور بُرے کاموں میں بھی۔ تو نیکی اور بدی کی تمیز دولت مند خود نہیں کر سکتا۔ یہ تو کسی تیسری اور اعلیٰ ذات کا کام ہے جو سبحان ہے یعنے غلطیوں اور عیبوں سے پاک ہے۔

تقوٰی کے ایک معنے حقوق کو پورا کرنا ہے۔ تو کس کے کس پر کیا حقوق ہیں یہ فریقین نہیں طے کر سکتے۔ مثلاً مردوں اور عورتوں کے درمیان حقوق کے بارہ میں ہمیشہ جھگڑا رہا ہے اور ان پر کبھی اتفاق نہیں ہو سکا۔ اسی لئے قرآن حکیم نے بالتفصیل مردوں عورتوں کے حقوق کو بیان فرمایا ہے۔ تو ان حقوق کو جان کر ان کو پورا کرنا بھی تقوٰی ہے اور حقوق کا فیصلہ سوائے اس احکم الحاکمین کے کوئی اور نہیں کر سکتا جس نے مرد اور عورتوں دونوں کو پیدا کیا ہے تا کہ وہ مل کر رہ سکیں اور اُن کے ایک دوسرے پر حقوق مقرر فرمائے۔

اس درس کو ختم کرنے سے پہلے میں بتا دوں کہ پچھلے دونوں درسوں میں اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری پر زور تھا۔ تو انسان کے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح فرمانبرداری کرو؟ سو اس کا جواب اگلی آیات میں ہے کہ اس قرآن کریم کی فرمانبرداری میں اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری ہے۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ تجدید احیائے دین آمدہ صٓ)

نئے دین کا بعد اسلام کے قائم نہ ہونا مگر دینِ اسلام کے کامل پیروان کا خُدا سے تعلق قائم ہونا تو ایک دوسرے کے لازم و ملزوم اصول ہیں نہ کہ ایک دوسرے کے متضاد مگر زمانہ کی بدقسمتی ہے کہ ان دونوں اصولوں کو ایک دوسرے کا متضاد سمجھ لیا گیا یعنی یہ سمجھ لیا گیا کہ جو شخص دین اسلام کو کامل یقین کرے وہ سلسلہ مکالمہ کو بھی بند یقین کرے ورنہ خدا سے وحی و الہام پانے کا مطلب یہ ہوگا کہ دین اسلام کامل نہیں اسی طرح غلطی سے یہ بھی سمجھا گیا کہ جو شخص بعد رسول اللہ صلعم کے آپ کی برکت سے خُدا سے ہمکلامی کا مدعی بنے تو وہ دین اسلام کو کامل دین یقین نہیں کرتا اور نہ ہی قرآن کریم کو خاتم الکتب اور رسول اللہ صلعم کو خاتم النبیین قرار دیتا ہے حالانکہ ایسا ہرگز ممکن نہیں۔ * * *

اڑسٹھواں جلسہ سالانہ ۱۹۸۲ء — مختصر روئیداد

جلسہ خواتین احمدیہ منعقدہ مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۲ء بروز ہفتہ

اجلاس اوّل:-

۲۵ دسمبر ۱۹۸۲ء کا دن خواتین کے لئے مختص تھا۔ اس جلسہ میں انگلینڈ، ہالینڈ اور اندرونِ پاکستان کی خواتین نے شرکت کی، پہلا اجلاس ۹ بجے صبح سے ۱۱-۳۰ تک محترمہ بیگم عطاء اللہ صاحب مندوب ہالینڈ کی صدارت میں منعقد ہوا اور محترمہ زکیہ شیخ صاحبہ نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔ جلسہ کا آغاز محترمہ طاہرہ جنجوعہ صاحبہ کی تلاوت قرآن پاک اور اس کے ترجمہ سے ہوا۔ شاہدہ جنجوعہ و شمائلہ صاحبہ اور ایک دوسری بچی نے حضرت صاحب کا کلام ترنم اور خوش الحانی سے پیش کیا اور محترمہ نگین ملک صاحبہ نے حضرت مجدد صد چہاردہم کے ملفوظات "بیعت" کی اہمیت کے بارے میں پڑھ کر سنائے۔ اس کے بعد محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ صدر تنظیم خواتین احمدیہ نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں پھر اکٹھے ہونے کا موقع عطا فرمایا۔ موصوفہ نے وضاحت کی کہ یہ روحانی جلسہ ہے۔ اور روحانی تجربہ کے لئے ہم یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس شدت کی سردی میں گھر بار کو محض دین کے لئے چھوڑ کر آنا اور مصائب سفر برداشت کرنا بڑا مبارک اقدام ہے۔ میں اندرون ملک اور بیرون ملک سے تشریف لانے والی اپنی بہنوں اور بچیوں کو اپنی اور تنظیم خواتین احمدیہ کی طرف سے خوش آمدید کہتی ہوں اور دُعا کرتی ہوں کہ خدا تعالےٰ آپ کو جلسہ کی برکات سے مالامال فرمائے"۔

محترمہ زبیدہ محمد احمد صاحبہ نے اپنی تقریر کا آغاز سورۃ رعد رکوع ۳:۱۳۔ افمن یعلم انما انزل الیك من ربك الحق کمن ھو اعمیٰ ط انما یتذکر اولوا الالباب ٥ ...... وما الحیاۃ الدنیا فی الاٰخرۃ الا متاع ٥ کی تلاوت سے کیا اور فرمایا کہ یہ اجتماع جس میں ہم اکٹھے ہوئے ہیں اس کی ایک خاص غرض ہے اور ایک مقناطیسی کشش ہمیں اس جگہ کھینچ لائی ہے اور ایک روحانی رشتہ ہے جس میں ہم سب بندھے ہوئے ہیں۔ یہ جلسہ سالانہ اسی روحانی تعلق کی عکاسی کرتا ہے۔ اور اس روحانی رابطے کا مظہر ہے۔ جلسہ سالانہ کا ہر سال انعقاد ہوتا ہے۔ اچھی بات کا بار بار ذکر کرنا۔ اچھی بات کو دلوں میں راسخ کر دینا ہے۔ حضرت مجدد صد چہاردہم نے یہ جلسہ سال میں ایک مرتبہ رکھا ہے اس لئے آپ کا ارشاد ہے کہ "اس جلسہ سالانہ کو عام جلسوں کی طرح خیال نہ کریں بلکہ یہ خدا کے حکم سے مقرر کیا گیا ہے"۔ اس جلسہ کی ظاہری غرض باہم میل جول ہے۔ ذرائع آمد و رفت میں بے حد سہولتیں حاصل ہونے کے باوجود کاروبارِ حیات میں مصروفیت کی وجہ سے جلسہ میں آنا پھر بھی مشکل ہوتا ہے۔ بہرحال یہ چار دن غنیمت ہیں کہ ہمیں مل بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔ صالحین کی صحبت میسر آتی ہے۔ عالموں کی باتیں سنتے ہیں۔ جس سے ایمان میں تازگی پیدا ہوتی اور دلوں کو تقویت ملتی ہے۔ ہم آزمائش کی وقت سے گذر رہے ہیں۔ ہم جب اکٹھے ہوتے ہیں تو ہمارے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں کہ ہم اکیلے مشکلات میں مبتلا نہیں بلکہ سب کے ساتھ ہیں۔ اور خدا بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اس سے نہ ہمارا ایمان کمزور ہوتا ہے اور نہ ہی حوصلہ پست ہوتا ہے۔ بلکہ ہمارا یقین اس بات پر اور پختہ ہوتا ہے کہ حضرت اقدس اپنے دعوٰے میں سچے ہیں۔ اور یہ جلسہ اس غرض کو بھی پورا کرتا ہے۔ ہم ان عقائد کا کھل کر اظہار کرتے ہیں۔ اور لوگ اس کو اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔ اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ جس سے اُن کی غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں۔ اس جلسہ میں ہمارا شامل ہونا اور ہمارے بچوں کا شامل ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ بڑے ہو کر رسمی احمدی نہ ہوں بلکہ اُن کے اندر ایک یقین ہو۔ موصوفہ نے نماز پنجگانہ میں شرکت پر زور دیا اور خصوصیت سے نماز فجر اور اس کے بعد درس قرآن میں شرکت کی اہمیت واضح کی۔ آپ نے مالی قربانی پر زور دیا اور بتایا کہ یہ مالی قربانی کا نور ہوگا جو قیامت کے دن ہمارے آگے آگے چلے گا۔ آپ نے وحی ربانی کو روحانی پانی سے تشبیہ دی اور بتایا کہ جس طرح بدنِ انسانی میں ۷۰ فیصد پانی ہے یعنی زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ وجعلنا من المآء کل شیء حی اسی طرح وحی کے پانی کے بغیر روحانی زندگی ممکن نہیں۔ اس لئے قرآن پاک کا جاں بخش چشمہ ہی زندگی بخش سکتا ہے۔ آپ نے بتایا کہ ہر صدی ہجری کے سر پر مجدد مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ اور چودھویں صدی ہجری حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد زماں ہو کر آئے اور انہوں نے وہ چشمہ روحانیت جاری کیا جس سے آپ کے سب ساتھی سیراب ہوئے اور ایمان باللہ و بالرسول کو تازگی ملی۔ ان کو مجدد وقت نے اشاعت قرآن اور تبلیغ اسلام پر لگا دیا ان کی وساطت سے ہم بھی مجاہد اور مبلغ دین ہیں۔ ہمیں اپنی ظاہری زندگی کو ان کے نمونہ کے مطابق بنانا چاہیئے۔

مقررہ موصوفہ نے فرمایا کہ جلسہ سالانہ ہمیں اس عہد کی یاد دلاتا ہے جس عہد کا ذکر سورۃ رعد کی ان آیات میں ہے جو میں نے تلاوت کیں۔ وہ عہد بیعت ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ میں دین کو دُنیا پر مقدم کروں گا۔ اور ان آیات میں فرمایا ہے کہ "جو لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے۔ اور جو اسے جوڑتے ہیں جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ جوڑا جائے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور بُرے حساب کا خوف رکھتے ہیں اور جو اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور اس میں سے جو ہم نے دیا ہے چھپ کر اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور بُرائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں انہی کے لئے آخر کار انجام اچھا ہے"۔ آپ نے بتایا کہ اللہ کے ساتھ عہد کو پورا کرنا صبر و استقامت کو چاہتا ہے۔ خدا ہمیں صبر و استقامت کی توفیق دے کہ ہم خدا کی رضا جوئی کے لئے کام کرتے رہیں۔ آمین!!

محترمہ پروین چودھری صاحبہ اوکاڑہ نے "انسانِ کامل و معراج النبیّ صلے اللہ علیہ وسلم" کے موضوع پر پُر مغز تقریر فرمائی۔ موصوفہ نے بتایا کہ کمال جُہد مسلسل کو چاہتا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی جُہد مسلسل ہے۔ یوں آپ زندگی کے ہر پہلو میں مکمل اور کامل ہیں معراج کا لفظ اس بلندی کا تصور پیش کرتا ہے جس کے بعد کوئی علو متصور نہیں ہو سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے معراج کمال کے حامل ہیں۔ یہ آپ کے کمال کا کرشمہ ہے کہ اہل عرب جس فسق و فجور میں مبتلا۔ کفر و شرک، شراب، جوا، قتل و غارت کے رسیا۔ بُرائی کی دلدادہ قوم کو اعلیٰ اخلاق سے مزیّن کر کے انہیں مہذب اقوام کا امام بنا دیا۔ آپ نے صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں تبدیلِ اخلاق کا یہ معجزہ دکھایا۔ آپ کے دو اسم مبارک ہیں ایک محمدؐ اور دوسرا احمد صلے اللہ علیہ وسلم اور محمدؐ کے نام کو اللہ تعالےٰ نے یہ عظمت دی ہے کہ وہ کلمہ طیبہ کا حصہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے محبوب پر درود بھیجا جائے۔ صلے اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالےٰ نے اپنی محبت کا معیار اپنے رسول صلعم کی اتباع کو قرار دیا ہے۔ ہجرت اخلاق و اعمال کی تربیت کے لیۓ اور کمالِ انسانی کے حصول کے لئے نہایت ضروری چیز ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جملہ انبیاء کو ہجرت کرنا پڑی۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے جُدا ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اہل و عیال کو وادیٔ غیر ذرع میں چھوڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سمیت مصر سے ہجرت کی۔ حضرت عیسےٰ کو ہجرت کرنا پڑی۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم جو محسن انسانیت

ہیں کو مکہ چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا۔ یہ اُن کے کمال کی دلیل ہے۔ اور انسانِ کامل صرف ایک ہے۔ اور وُہ حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ آپ نے اہل عرب کی اصلاح میں ایک بے نظیر کامیابی حاصل کی جس کا اپنوں اور غیروں کو اعتراف ہے۔ آپ تمام اقوام عالم کے لئے پیغمبر ہیں۔ آپ نے نسلِ انسانی کی درستی کا درس دیا اور عملی نمونہ پیش فرمایا۔ فطرتِ انسانی کی تمام شاخوں کی تربیت کی۔ آپ ہر قسم کے کمال کے جامع ہیں۔ آپ خدا کے محبوب رسُول ہیں۔ آپ سدرۃ المنتہٰی سے بھی آگے نکل گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی پیچھے رہ گئے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلّم خدا کے قریب تر ہو گئے۔ یہ کمال کسی اور نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

محترمہ نسیمہ شیخ صاحبہ نے نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے حضور ہدیۂ نعت ترنم سے پیش کیا جس کا مطلع یہ ہے ؎

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنّا تمہیں تو ہو + ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دُنیا تمہیں تو ہو

محترمہ طاہرہ فضل احمد صاحبہ نے "تحریکِ احمدیت میں خواتین کا حصہ" کے عنوان سے خواتینِ احمدیہ کی دینی خدمات اور مساعی کا ذکر نہایت مؤثر انداز میں کیا اور بتایا کہ جب میں نے اپنے اس موضوع کے بارے میں غور شروع کیا تو میری آنکھوں کے سامنے اُن بزرگ خواتین کے مقدس چہرے آگئے جنہوں نے اپنے مردوں کے ساتھ مل کر کام کیا۔ اور اپنے مردوں کا ساتھ دیا۔ ہماری خالاؤں اور بہنوں نے مالی قربانیاں دیں۔ مسجد برلن کی تعمیر کے لئے جب چندہ کی اپیل کی گئی تو ان خواتین نے اپنے زیورات تک اتار کر خدا کی راہ میں دیدیئے۔ حالانکہ عورت زیورات کی دلدادہ ہوتی ہے۔ لیکن اُن خدا کی بندیوں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا تھا۔ عمدہ نمونہ پیش کیا۔ محترمہ بیگم ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ۔ بیگم مرزا یعقوب بیگ صاحب، بیگم مولٰنا محمد علی صاحب۔ خدا ان مرحومین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ انہوں نے بے نظیر دینی خدمات انجام دیں۔ ہماری ان خواتین نے نوجوان بچوں اور بچیوں میں دینی شعور پیدا کیا۔ سکول اور کالج کی طالبات کی گوٹلز ینگ گرلز ایسوسی ایشن" قائم کی جو جلسوں کے دوران مہمانوں کی خدمات سرانجام دیتی تھیں۔ سفید شلوار قمیص اور دوپٹہ استعمال کرتی تھیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ والنٹیر ہیں۔ بیگم شاہنواز صاحبہ نے ان بچیوں کی خدمات کو پسند کیا۔ جب خالدہ ادیب خانم کے اعزاز میں جلسہ کے موقع پر میزبانی کے فرائض کو اس احسن طریق پر ادا کیا کہ انہوں نے کہا" یہ بچیاں قوم کے لئے قابلِ فخر ہیں۔ دستکاری کی نمائش کی بنیاد رکھی اور اس سے جو آمدنی ہوتی اسے اشاعتِ دین کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ نہ صرف اندرونِ ملک تنظیم خواتین سے عورتوں کو فعال بنایا بلکہ محترمہ رضیہ مددعلی صاحبہ تنظیم کی صدر اور زکیہ شیخ صاحبہ نے ہالینڈ میں خواتین کی شاخ قائم کی۔ ان تمام واقعات و حالات سے واضح ہے کہ خدا کے فضل سے یہ بڑی فعال تنظیم ہے۔

محترمہ جمارتے نذر صاحبہ ایم اے نے تحریکِ احمدیت میں بیعت کیوں؟ کے موضوع پر بڑی مدلل اور فاضلانہ تقریر فرمائی۔ زبان وادب پر پوری قدرت کیوجہ سے آپ کی تقریر بڑی مؤثر اور جاذب توجہ تھی۔ بعض سامعین وسامعات کے مطابق فاضل مقررہ نے اپنی تقریر کے موضوع کا حق ادا کردیا۔ آپ چوہدری سید احمد مرحوم ومغفور کی صاحبزادی ہیں جن کی ساری اولاد اور خاندان کا دینی جوش و ولولہ قابلِ رشک ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:۔

"میرے موضوع تحریکِ احمدیت اور بیعت کے الفاظ تشریح طلب ہیں۔ تحریکِ احمدیت کے بانی حضرت مجدد زماں مامور من اللہ ہیں۔ انہوں نے یہ جماعت خدا کے حکم سے بنائی عیسائیت۔ ہندومت۔ آریہ سماج وغیرہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم پر اور دینِ اسلام پر اعتراضات کرتے تھے یعنی دشمنانِ اسلام دینِ حق پہ طرح طرح سے حملے کر رہے تھے۔ اور مسلمان خود بھی حقیقی توحید کے تصوّر سے بے خبر ہوتے جا رہے تھے اور طرح طرح کے شرک وکفر و بدعات میں مبتلا ہو چکے تھے۔ دوسری طرف عیسائیت دنیاوی ترقی کی بلندیوں پر تھی۔ عیسائی سب جگہ حکمران تھے مسلمان محکوم ومغلوب تھے۔ حضرت عیسٰی بن مریم کا آسمان پر اٹھایا جانا اور زندہ موجود ہونا عیسائیت کو اسلام پر برتری دیتا تھا۔ ان حالات میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ نے جو خدا کی طرف سے مامور تھے کہا کہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلّم آخری رسُول (اور نبی) ہیں۔ اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا خواہ وہ نیا ہو یا پرانا۔ ہاں حضرت محمد صلعم کی اتباع کرنے پر انسان شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کو پا سکتا ہے۔ ؎

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم + اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

حضرت مجدد دوراں نے یہ عقیدہ دیا کہ قرآن پاک زندہ کتاب حضرت محمد رسول اللہ زندہ رسول اور خُدا زندہ خُدا ہے۔ باقی کوئی مذہب کتاب اور نبی زندہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی کتب محرف ومبدّل ہیں۔ اور انبیاء کی تاریخ بھی محفوظ نہیں ہے تو تحریکِ احمدیت دینِ اسلام کی حفاظت احیاء اور اشاعت کے لئے قائم کی گئی ہے۔ اور خُدا کے حکم سے قائم ہوئی ہے۔ اور افرادِ جماعت سے مامورِ وقت نے عہد لیا ہے کیونکہ عہد کی پابندی کے بغیر آدمی کوئی اہم کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ اور اس عہد کا نام بیعت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں حضور نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے عقبہ اولٰی اور عقبہ ثانیہ میں اہل مدینہ سے بیعت لی اور صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک درخت کے نیچے بیعت لی جس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ حضورؐ نے مرد وخواتین سے فتح مکہ کے بعد بیعت لی۔ بعد ازاں خلفائے راشدین بیعت لیتے تھے۔ علماء وصلحاءِ امت کا بھی بیعت لینے کا دستور ہے۔ اس دستور کو مدنظر رکھتے ہوئے خدا کے حکم سے حضرت مجدد وقت نے یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو بیعت اور شرائطِ بیعت کا اعلان کیا اور واضح کیا ان شرائط پر عمل کرنے والا ہی میری جماعت کا فرد ہے۔ اور اصل غرض اس کی یہی ہے کہ دینِ اسلام پر پوری طرح عہد کی پابندی سے عمل کیا جائے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھا جائے۔ تاکہ اسلام کی اشاعت وتبلیغ ہو اور اس کا ایک عملی نمونہ بھی ہو۔ اس لئے تحریکِ احمدیت میں بیعت نہایت ضروری ہے"

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ کا خطاب

حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ خدا کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ میں پھر حاضرِ خدمت ہوں موصوفہ نے تسلی دی کہ آپ لوگوں کے ساتھ اللہ تعالٰے کی مدد رسولؐ کی روحانیت اور مجدد کی دُعا ہے۔ جو سکون یہاں ملتا ہے کہیں اور نہیں ملتا۔ میں اپنی بہنوں کو مغربی دنیا کی باتیں سنانا چاہتی ہوں۔ وہاں مادی ترقی کا زور ہے اور وہ لوگ خُدا کے فضل سے دور ہیں۔ وہاں رہ کر ہی اندازہ ہوتا ہے کہ چراغِ احمدیت سے جو روشنی وہاں پھیل رہی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے، اگر حضرت مولانا محمد علی رح نے احمدیہ بلڈنگس میں بیٹھ کر جو خدمات انجام دیں تو حضرت خواجہ کمال الدین نے انگلینڈ میں ووکنگ مشن قائم کیا۔ لیکن وہ ہمارے مسلمان بھائیوں کی نامہربانی سے ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۲ء تک مساعی ہوتی رہی اب خدا کے فضل وکرم سے اُمید کی کرن چمکی ہے۔ اور خداتعالٰے نے ہر لحاظ سے ایک مثالی مرکز انگلینڈ میں عطا کر دیا ہے۔ ویمبلے نامی جگہ میں مشن ہاؤس لندن قائم کیا گیا ہے۔ جس کا افتتاح حضرت امیر قوم نے ۲۷۔ اگست ۱۹۸۲ء کو کیا تھا۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ مرکز کا نام احمدیہ انجمن کے نام سے نہ ہو اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلام کے علاوہ کوئی اور فرقہ ہے۔ لیکن جہاں ۷۲ فرقے موجود ہیں وہاں ایک اور سے کیا فرق پڑتا ہے اور کہا گیا کہ احمدی کہلا کر اور مرزا صاحب کا نام لے کر شخصیت پرستی کے مرتکب ہو گئے۔ مسلمانوں میں شخصیت پرستی آگئی ہے۔ پیروں کے ہاتھ چومتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو مرزا صاحب کی قبر پر جاتے ہیں۔ لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے پیروں کے تبرک اٹھائے پھرتے ہیں لیکن ہمارا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تو آپ کا پیغام۔ کام اور اسلام کا نام زندہ کرنے کے لئے زندہ ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اسلام کو پھیلانے کا جذبہ ہم میں پیدا کیا۔ ہم مرزا صاحب کا نام نہیں پھیلاتے

بلکہ اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو پھیلانے کے لئے ہی یہ جماعت قائم ہوئی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ مٹی اور کھجوروں سے بنی ہوئی مسجد نبوی سے نورِ اسلام کی شعاعیں پھیل کر اکنافِ عالم کو منور کر گئیں۔ قادیان کی دور افتادہ بستی سے یہی نور چمکا۔ اسی نور کو مولانا محمد علی رح نے احمدیہ بلڈنگس کی چھوٹی سی جگہ سے پھیلایا۔ اب انگلینڈ میں آپ کا کام شروع ہو چکا ہے۔ اپنے آپ کو احمدی کہلوانے میں شرم محسوس نہ کریں بلکہ اپنے عمدہ نمونہ سے اپنے بچوں میں احمدیت کا رنگ پیدا کریں۔"

ان کے بعد محترمہ زاہدہ جنجوعہ صاحبہ نے کلام امام سے

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے + کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے، ترنم سے سنایا

محترمہ نائیلہ صاحبہ ہالینڈ نے اپنے خطاب میں کہا کہ اسلام کی صحیح تصویر ہم نے اسی آئینہ احمدیت سے دیکھی اور یہ نور ہم نے احمدیت سے ہی لیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس جلسہ میں شامل ہونے کا موقع عطا کیا۔ ہماری جماعت کی شاخیں ہالینڈ میں پانچ شہروں میں قائم ہیں۔ ہمارے ہاں روزۂ رمضان اٹھارہ اُنیس گھنٹے کا ہوتا ہے۔ ۹ بجے سورج نکلتا ہے اور ۱۰ بجکر تین منٹ پر ختم ہوتا ہے۔ ہم سب لوگ روزہ مسجد میں افطار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے بچے بھی نمازوں میں شامل ہوتے ہیں۔ مستورات مہینہ میں ایک بار ضرور میٹنگ کرتی ہیں۔ آپس میں نہ ملیں تو حالت خراب ہو جائے۔ ہماری لڑکیاں جو ڈچ زبان سمجھتی ہیں بڑے بوڑھوں کو ڈاکٹروں کے پاس لے جاتی ہیں کیونکہ وہ ڈچ زبان نہیں سمجھتے۔ یوں ہمارے بچے بڑوں کی مدد کرتے اور ان کی خدمت کرتے ہیں۔ بچوں کو دینی تعلیم دیتی ہیں۔ غرضیکہ دینی اور دنیاوی امور میں مل کر کام کر رہے ہیں۔ جو خوش آئند ہے۔

محترمہ رضیہ مددعلی صاحبہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:۔

عزیز بہنو! جب دو بہنیں آپس میں ملتی ہیں جنہیں حضرت مجدد صد چہاردہم کی بیعت کرنے کی توفیق ملی تو یہ ایک دلپذیر نظارہ ہے۔ پاکستان اور بیرون ملک لندن اور ہالینڈ سے بہنوں کو آنے کی توفیق ملی ہے۔ یہ خدا کا بڑا فضل ہے ورنہ کتنی بہنیں ہیں جن کی ملاقات نہ ہو سکے گی. کیونکہ جہاں زندگی ہے وہاں موت بھی ہے۔ کتنے چہرے تھے جو ہم میں پہلے موجود تھے اور اب کے سال وہ موجود نہیں ہیں۔ جیسا کہ مولانا مصری صاحب کی بیگم صاحبہ۔ مصری صاحب کا خاندان تحریکِ احمدیت کی جان تھا۔ بیگم مصری صاحبہ نہیں ہیں تو اُن کی بچیاں بھی ہم میں موجود نہیں ہیں۔ یہ امر باعثِ دُکھ ہے۔ موصوفہ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ سال میں مہینے آتے اور جاتے رہتے ہیں لیکن یہ ماہ ربیع الاول ہے یہ تاریخِ انسان کے چہرے کا روشن نشان ہے۔ ابھی میری پیاری بچی پروین چوہدری نے رحمۃ للعالمین۔ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی بیان کئے ہیں۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع اللہ تعالےٰ کا اتباع ہے۔ نبی پاکؐ اللہ کے محبوب ہیں اور اللہ تعالےٰ آپؐ پر خود بھی درود بھیجتا ہے اور ہمیں حکم دیتا ہے کہ میرے رسول پر درود بھیجو اور ہم عشقِ رسولؐ میں اطاعتِ حکم خدا میں حضور صلعم پر درود بھیجتے ہیں۔ اللّٰھم صلّ علےٰ سیّدنا محمّد و علیٰ آل سیّدنا محمّد و بارک وسلّم۔ حضرتِ اقدس تو عشقِ آنحضرت صلعم میں کھوئے ہوئے تھے اور از خود رفتہ تھے۔ چنانچہ آپ کے نغمات سے آپ کی کتب بھری ہوئی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم + گر کفر این بود بخدا سخت کافرم

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا + نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے

ما مسلمانیم از فضلِ خدا + مصطفیٰ مارا امام و پیشوا

ہست او خیر الرسل خیر الانام + ہر نبوت را بروشد اختتام

غرضیکہ حضرت مرزا صاحب کا کلام عشقِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے بھرا ہوا ہے۔ اور اُن کا ایمان ہے ہر نبوت نبی یا پُرانی آپؐ پر ختم ہو گئی ہے۔ وہ اس خیال کا تردید کرتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ ابنِ مریم آسمان سے اُترے گا کیونکہ مسلمانوں کے ہادیٔ کامل کے بعد عیسےٰ یا کسی دیگر نبی کی کیا ضرورت ہے، قرآن شریف اللہ کی کتاب ہے اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم اللہ کے کامل رسول ہیں۔ اور انسانوں کے لئے کامل نمونہ ہیں۔ مقررہ موصوفہ نے بتایا کہ فرشتے نافرمان نہیں ہوتے ان کے اندر یہ قوت ہی نہیں کہ خدا کی نافرمانی کر سکیں۔ لیکن حضرت انسان کو احسن تقویم میں بنایا ہے۔ اور علم بیان دیا عقل و فہم دی۔ اور تمام کائنات کو اس کا مسخر کر دیا چاند سورج ستارے اور تمام ارض کو اس کی خدمت میں لگا دیا۔ خُدا نے انسان کو صحیح فطرت پر پیدا کیا ہے۔ تاکہ وہ امن و سلامتی سے رہ سکے۔ لیکن انسان نے اس فطرت صحیحہ سے ہٹ کر ایک دُوسرے کو تباہ کرنے اور فساد فی الارض کا کام اپنا لیا آخر کار انسان کو سلامتی اور امن کے لئے ی۔ این۔ او کا ادارہ قائم کرنا پڑا۔ جس کے ذریعہ امن و سلامتی کی راہ تلاش کی جائے خُدا نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے یعنی آزادی FREEDOM عطا کی ہے۔ اور اختیار و ارادہ بھی بخشا ہے۔ اب آزمائش یہ ہے کہ جو چاہے بن جاؤ۔ جہاں تک راہِ حق میں مشکلات کا معاملہ ہے تو وہ آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم کی ۱۳ سالہ مکی زندگی میں کتنی مشکلات سے آپ کو دوچار ہونا پڑا۔ آپ کا بائیکاٹ ہوتا ہے اور آپ شعب ابی طالب میں محصور رہتے ہیں۔ طائف گئے تو لوگوں نے آپ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ مسلمان ہجرت کر کے حبشہ جاتے ہیں تو ابوسفیان اور اس کے ساتھی وہاں بھی پیچھا کرتے ہیں اور حضورؐ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اے مکہ تُو مجھے بہت عزیز ہے۔ لیکن ظالم مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔ مدینہ میں بھی چین نہیں۔ اہل مکہ کی یلغاریں۔ یہودی۔ عیسائی اور منافق اہل مدینہ کے گرد و نواح کے گروہ مسلسل پریشان رکھتے ہیں۔ اور بدر۔ اُحد۔ احزاب کی جنگیں ہوتی ہیں۔ عمرہ کے ارادے سے مکہ جاتے ہیں تو روک دیا جاتا ہے اور آپ ۱۴ سو جان نثاروں کے ساتھ صلح حدیبیہ کر کے واپس آئے۔ بالآخر آپؐ مکّہ کو فتح کرتے ہیں تو یہ مشکلات کا دور ختم ہوتا ہے ۔۔۔۔ حضرت مرزا صاحب نے جلسہ مذاہب عالم میں اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسلام کا بول بالا ہوگا ۔۔۔۔ قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔ اور حضرت مجدد صد چہاردہم نے اس حکم الٰہی سے یہ جماعت تیار کی ہے جس کا کام اشاعتِ دین ہے۔ آپ نے قادیان میں اشاعتِ اسلام کالج قائم کیا اور حصول دین کے لئے لوگوں کو قادیان میں اکٹھا کیا ۔۔۔۔ اور بتلایا کہ اسلام کا نبی زندہ نبی ہے اور بتایا کہ خُدا مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور میری وحی وحیٔ نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت ہے جو اتباع حضور صلے اللہ علیہ وسلّم میں روشنی اکنافِ عالم میں اسلام کی روشنی پھیلا رہی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ قرآن کے ساتھ جہاد کرو۔ اور اشاعتِ دین کو جہادِ اکبر فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے جنگ تبوک سے واپسی پر فرمایا تھا رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ یورپ میں تبلیغ اسلام میرا کام ہے۔ اور یا اس کا جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔

حضرت صاحب کے کام کی تکمیل اور اشاعتِ اسلام ہی ہماری غرض ہے۔ حضرت صاحب کی تالیفات جو تحقیق سے پُر ہیں حق کی راہ دکھلانے والی ہیں۔ اور کثرت سے ان ملکوں میں پہنچی ہیں۔ دشمن اسلام کو مٹانے کی کوششیں کر رہے ہیں اس لئے جلد اور کثرت سے اور مفت دُنیا میں یہ تصنیفات تقسیم ہونا ضروری ہیں۔ مجیدہ شریف صاحبہ نے کیا مزیدار بات کہی ہے "تیرے دتے وچوں دینا تے کی جاندا اے تیرا" تو خُدا کی عطا کردہ دولت سے خرچ کرو۔ ایسا کرنے سے خُدا تمہیں محسن بناتا ہے اور فرماتا ہے۔ کہ جو لوگ دن رات ظاہر اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں تو غم و حزن سے محفوظ رہیں گے اور فرماتا ہے کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ تو فرما دیجیئے کہ جو تمہاری حاجات سے زائد

بچ رہے۔ خدا کسی پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ چنانچہ آپ بھی خدمتِ اسلام کے لئے دامے درمے آگے بڑھیں۔ اور اس اپیل پر خواتین نے دل کھول کر چندہ دیا۔

محترمہ خورشید راجہ صاحبہ نے مسنون دُعائیں پڑھیں اور دُعاؤں کے ساتھ یہ پہلا اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

نمائشِ دستکاری

پہلے اجلاس کے اختتام پر دست کاری کی نمائش ہوئی جس کی انچارج محترمہ ناصرہ ملک صاحبہ اور سیکرٹری محترمہ صفیہ جاوید صاحبہ ہیں ان کی زیر ہدایت شعبۂ دست کاری تقریباً سارا سال دستکاری کی تیاری میں مصروف رہتا ہے۔ اور کافی دستکاری تیار کراتا ہے۔ لاہور کے علاوہ بھی دُوسرے شہروں سے خواتین دست کاری تیار کر کے لائی ہیں۔ اس سال بھی اوکاڑہ۔ بدوملہی وزیرآباد۔ سیالکوٹ۔ پشاور۔ اور کراچی سے دست کاری لائیں۔ جو نمائش میں رکھی گئیں۔ اس شعبہ سے تقریباً روپے کی رقم وصول ہوئی ہے۔ دستکاری کے علاوہ خواتین نے کھانے پینے کے سٹال بھی لگائے تھے جس کی آمدنی مرکزی فنڈ میں دی گئی۔

دُوسرا اجلاس

کھانے اور نماز کے وقفہ کے بعد دوسرا اجلاس ۲½ بجے سہ پہر زیر صدارت محترمہ اختر نذیر صاحبہ منعقد ہوا۔ اور سیکرٹری کے فرائض محترمہ عصمت خالد صاحبہ نے سرانجام دیئے۔ اس اجلاس کا آغاز محترمہ آمنہ عبدالغنی صاحبہ آف بدوملہی نے تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ نعت رسولِ مقبول محترمہ مدیحہ نمائلہ نے پیش کی۔ بعد ازاں ہر جماعت کی سیکرٹری صاحبہ نے اپنے پورے سال کی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی۔ بدوملہی سے محترمہ مجیدہ ماسٹر اللہ بخش صاحب محترمہ رشیدہ ظفر صاحبہ سیالکوٹ محترمہ عصمت خالد صاحبہ لاہور۔ محترمہ پروین چوہدری صاحبہ اوکاڑہ سے اپنی اپنی رپورٹیں پیش کیں۔ جن کا خلاصہ یہ تھا کہ کن کن ذرائع سے جماعت کی مضبوطی اور جماعت کے بچوں اور بچیوں کی تربیت کی گئی اور مرکزی انجمن اور مقامی جماعت کے افراد کی کس طرح اعانت دینی اور دُنیاوی رنگ میں کی گئی۔

محترمہ مجیدہ اللہ بخش صاحبہ بدوملہی نے اپنی تقریر میں صاحب صدر، معزز سامعات اور بچیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ ۱۹۷۴ء کا سال ہمارے لئے سخت آزمائش اور کٹھن مشکلات کا دور تھا مگر مصائب میں صبر اور استقامت دکھانے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اس بے نیاز کے فضل و کرم کا بادل ہم پر جھوم کے برسا۔ اس کے کرم کے طفیل ایک نئی اور مصائب کی بھٹی میں پڑ کر پالنے کا سونا بنی ہوئی قیادت ہمیں میسّر ہوئی یعنی اس ابتلاء کے افق سے آسمانِ احمدیت پر ایک مہتاب اُبھرا جس کی چاندنی سے دلوں میں اُمید کی روشنی پھیل گئی۔ یعنی ہمارے موجودہ امیر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ایبٹ آباد سے لاہور منتقل ہو گئے۔ جن کی جاندار اور روحانی برکتوں سے بھرپور قیادت کے فیض اثر سے بیرون ممالک کی جماعتیں زندہ ہو گئیں۔ آپ کے انفاسِ پاکیزہ سے اندرون ملک ہمارے حوصلے بلند ہو گئے۔ میں یہ تصور کر کے خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت امیر ایدہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کو لمبی زندگی عطا فرمائے تاکہ ہماری جماعت مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے۔ آمین!

مجلسِ مذاکرہ

احمدی بچیوں میں دینی شعور پیدا کرنے اور ان کے اندر خود اعتمادی اور اپنے مسلک سے مضبوط تعلق استوار کرنے کے لئے ہر سالانہ جلسہ پر مذاکرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے چنانچہ امسال بھی حسب دستور مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا۔ اس مذاکرہ کا عنوان "احمدیت تاریخِ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہے" تھا یعنی احمدیت اسلام سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ تاریخِ اسلام کا یہ ایک روشن حصہ ہے اور احمدیت اسی اسلام کی داعی ہے جو حضرت نبی کریم صلعم نے ۱۴۰۰ سال پہلے عرب میں پیش فرمایا تھا۔ ہمارے اعتقادات و اعمال وہی ہیں جو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے دیئے ہیں۔ چنانچہ اس مذاکرے میں ساجدہ رحمٰن۔ مدیحہ رسول۔ رفعت عزیز، نسرین جاوید۔ شمائلہ غفور اور سلیمہ ملک نے حصہ لیا۔ ہر بچی کا انداز بیان۔ طرز۔ دلائل جُدا جُدا تھے۔ لیکن تمام تقاریر کا مقصد اور نکتہ نظر ایک تھا یعنی ہمارے عقائد وہی ہیں جو اسلام نے پیش کئے۔ خدا۔ اس کے رسول صلعم پر ایمان۔ ملائکہ۔ کتب۔ قیامت حشر پر ایمان۔ اس بات پر محکم ایمان کہ حضور صلعم خاتم النبیین ہیں اور حضرت مجدد صد چہاردہم نے زندہ خدا پر ایمان کو پختہ کیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی زندگی خدمت اسلام میں گذری وہ اعتقاداً اور عملاً نبی اکرم صلعم کے شیدائی اور عاشق تھے۔ احمدیت کا مقصد صرف اشاعتِ اسلام ہے جس کو وہ اب تک کر رہی ہے۔ اور اقوامِ عالم میں اسلام کو سربلند کرنے کی خواہاں ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی ایمانی اور اخلاقی حالت کو سدھارنا بھی ان کے پیشِ نظر ہے۔ اور پھر اس بات کا جائزہ تبلیغ اسلام میں نوجوان نسل کا کتنا حصہ ہے اور وہ کیا مفید کام سرانجام دے رہے ہیں۔ مذاکرے کے اختتام پر محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ نے شرکاء مذاکرہ میں کتب تقسیم کیں۔ اور محترمہ رضیہ مددعلی صاحبہ نے اختتامی کلمات میں فرمایا کہ عورت بیٹی۔ بہن۔ اور ماں ہوتی ہے اور ماؤں کے وجود سے قوموں کی بقا ہے ایک مسلمان پر اسلام جو ذمہ داریاں عائد کرتا ہے اور ارکانِ اسلام کی ادائیگی کے لئے جو امور ایک مسلمان پر فرض ہوتے ہیں وہ جب احمدیت اختیار کرتا ہے تو یہ ذمہ داری زیادہ ہو جاتی ہے اور احمدیت کے چراغ کو ملکوں ملکوں میں ہم نے روشن کرنا ہے۔ ہمیں اپنے آپ کو دین کے لئے تیار کرنا چاہیئے۔ دُعا کی گئی اور یوں یہ اجلاس برخاست ہوا۔

* * *

اخبارِ احمدیہ

سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی طبیعت خدا تعالےٰ کے فضل سے اچھی ہے نئے سال کے اس پہلے پندرھواڑے میں آپ کی مصروفیت زیادہ رہی۔ بیرون ملک سے آمدہ احباب و خواتین نے وطن واپسی کے موقع پر ملاقاتیں کیں اور حضور کے ارشادات سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہونے کی کوشش کی۔ آپ کی روح پرور اور ولولہ انگیز اور دلپذیر اور امام الزماں کے مقدس مشن کی کامیابی پر محکم یقین سے بھرپور شخصیت سے سب دوست ایک نئی زندگی اور نئی تڑپ لے کر وطن واپس گئے۔ نیز احباب جماعت کی باہمی محبت و مواخات اور مخلصینِ جماعت کے مالی ایثار کے شاندار نمونے بھی انکے ازدیادِ ایمان کا موجب ہوئے ——— سرینگر سے آمدہ جناب راجہ محمد یوسف تاثیر اور جناب محمد صادق بٹ صاحب نے اپنے تاثرات کا یُوں اظہار فرمایا کہ "آج ہم اپنے پیارے روحانی مرکز سے گھر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ ہمیں ہر دوست کی پُرخلوص محبت نے متاثر کیا۔ مگر حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی دلآویز اور سحر انگیز روحانی شخصیت سے ملاقات کی خوشبو اور مہک ہمیں ہمیشہ معطر رکھے گی ان کی ہمارے آرام و آسائش پر ذاتی توجہ اور شفقت و احسان نے ہمیں شرمسار کر دیا۔ تاثیر صاحب نے جلسہ کی ایک نشست کی صدارت کی اور تقریر بھی فرمائی۔ ان کا ایک مضمون "کشمیر میں احمدیت" قارئین کرام اگلے اشاعت میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

احباب کرام، مولا کریم، قادرِ مطلق اور اپنے معبودِ حقیقی کے آستانے پر اس دُعا کے ساتھ جھکے رہیں کہ خدا تعالےٰ حضرت امیر ایدہ اللہ کو اپنی خاص الخاص نعمتوں اور فضلوں کے سائے میں رکھے اور اشاعت اسلام و قرآن کی خاطر استحکام جماعت کی مساعیٔ جمیلہ میں انہیں اپنے فرشتوں کی تائید سے نوازے اور ہر گام پر حامی و ناصر ہو۔ آمین!

از قلم: مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، لندن

تجدید احیائے دین

انسانی اعمال قرآن وحدیث اور سنّت رسولؐ کے مطابق سنوارنا

تکمیل کے لئے تجدید لازم ہے۔ اور تجدید کے مفہوم میں یہ شامل ہے کہ دین و ہدایت عمل ختم ہو جائے تو اُسے دوبارہ قائم کرنا۔ اگر دین مکمل ہو چکا تو تجدید کی کیا ضرورت ہے؟ دین علم وکتب کی صورت میں اور دین یقین قلوب وعمل زندگی شکل میں، دین اسلام مکمل صورت میں قرآن کریم اور سنتِ رسولؐ کی شکل میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہے مگر قلبی یقین اور عملی زندگی کی صورت برعکس ہے۔ پس تجدید کے صحیح معنی یہ ہیں کہ یقین و اعمال کو قرآن وحدیث کے مطابق سنوارا جائے۔ علم وہدایت کو یقین وعمل میں تبدیل کرنے کے لئے ایک کامل نمونہ دین کی حاجت ہے، اس لئے اسلام کے کامل دین میں بعثتِ مجددین کی ضرورت ہے۔ دین کی بنیادیں خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی صفاتِ کاملہ پر یقین استوار ہیں۔ اور خدا کی ہستی کا حتمی ثبوت محض علم وعقل سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ یقینِ کامل کے لئے خدا کا بندہ سے تعلق کا ہونا ضروری ہے۔ اگر خدا کا تعلق منقطع ہو جائے تو دین کے امور محض سنی سنائی باتیں یا دل خوش کن قصے بن کر رہ جاتے ہیں۔ جن کے پیچھے نہ تو قلبی یقین ہوتا ہے اور نہ ہی عملی زندگی کا نمونہ۔ اس لئے دین ایک مُردہ یعنی جسم بے جان روح ہو کر رہ جاتا ہے۔

سلسلۂ مجددین نے اسلام میں سلسلۂ انبیاء کی جگہ لے لی ہے۔ یعنی ہدایت وشریعت یا وحی نبوّت تو بند وختم ہے مگر مکالمۂ الٰہیہ جاری وساری ہے۔ حدیث شریف میں مرکوز ہے کہ پہلی اُمتوں میں انبیاء مبعوث ہوا کرتے تھے مگر اب یہ سلسلہ تو منقطع وبند ہے۔ البتہ ایسے بندگانِ خدا مبعوث ہوا کریں گے جو خُدا سے ہمکلامی کا شرف رکھتے ہوں مگر نبوّت کے درجہ پر فائز نہ ہوں۔ بلکہ نبیٔ کامل کے متبع وخادم ہونے کی حیثیت سے اُسکے دین وشریعت کا احیاء کرنے والے ہوں۔

قرآن کریم نے بھی یہ وعدہ مومنین کاملین کو عطا فرمایا۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض ؕ جس طرح پہلی اُمتوں میں خلفاء ہوتے رہے اسی طرح اُمتِ محمدیہ میں بھی خلفاءِ رسولؐ مبعوث ہوا کریں گے۔ شریعت وہدایت کی بناء ظاہر اقوال وافعال پر ہے لیکن حقیقی وکامل نجات کا انحصار خدا تعالیٰ کی نہاں در نہاں اور حواسِ خمسہ سے محسوس ہونے والی ذات سے بالاتر ہستی کے یقین پر ہے۔ لازم نہیں کہ جو شخص کلمہ گو اور مُسلمان ہو وہ خدا پر حقیقی وقلبی ایمان بھی رکھتا ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ بیان موجود ہے۔ ترجمہ:۔ "بدو لوگ یہ دعوٰے کرتے ہیں کہ وہ مومن ہیں۔ ان سے کہدو کہ تم یہ کہو کہ ہم مُسلمان تو ہو گئے ہیں لیکن مومن کہلانے کے مستحق نہیں ہوئے۔ کیونکہ ایمان تمہارے دلوں میں ابھی راسخ نہیں ہوا۔" اس آیت سے یہ امر بالکل صاف ہو گیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے وقت میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو اگرچہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے مگر تاہم اُن کے دِلوں میں ایمان نے ابھی گھر نہ کیا تھا۔ اس سے یہ مسئلہ بکلّی حل ہو گیا کہ کلمہ گو اسلام میں داخل ہے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اُسے دینِ اسلام سے خارج کرے لیکن ہر کلمہ گو مومن کہلانے کا حقدار نہیں۔

چودہویں صدی میں دو متضاد قسم کے فتنے پھیل رہے تھے۔ سائنس کی تعلیم نے اسلام پر سے ایمان کو متزلزل کر دیا کیونکہ سائنس کے نظریات کی بناء حواسِ خمسہ کی شہادت پر ہے اور ظاہری حواس خدا کا وجود دکھلانے سے قاصر ہیں۔ خُدا پر یقینی ایمان نہ رہا۔ نہ ہی مادی تہذیب کے فروغ نے اسلام کے ارکان وہدایات کی پیروی کو ضروری سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام پر سے ایمان ویقین اُٹھ گیا اور کئی ایک نے اسلام کے بنیادی اصولوں میں ترمیم واصلاح کا جواز نکال لیا۔ اس طرح قرآن وسنت رسولؐ کو کامل درجہ نہ دیا گیا تو مجدد صد چہار دہم کا پہلا کارنامہ یہ تھا کہ دینِ اسلام یعنی قرآن وسنّت کو ہمیشہ کے لئے کامل ہدایت تسلیم کرایا۔ لیکن اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہونے کا احتمال تھا کہ جب ہدایت و شریعت کامل محفوظ موجود ہے تو پھر خُدا سے تعلق یا مکالمہ الٰہیہ کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ امر کہ کامل ہدایت خُدا سے تعلق یا تکلّم الٰہیہ کے سلسلہ کو منقطع وختم کر دینے میں بھی اسی قدر خطرناک عقیدہ ہے جو دین کی اصل رُوح وحقیقت کو ختم کر دیتے ہیں۔ اس زمانہ سائنس ومادی ترقی کا تو مطالبہ ہی یہ ہے کہ اگر دین کی بنیادیں خدا کے کلام کرنے پر منحصر ہیں تو پھر آج وہ کیوں کلام نہیں کرتا؟ کیوں خدا تعالیٰ اپنے زندہ وجود کا ثبوت آج اپنے مکالمہ ومخاطبہ سے نہیں دیتا۔؟ جب انسان اپنی عقل وعلم سے خدا کی ذات وصفات پر یقینِ کامل پا نہیں سکتا تو پھر یقینی ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ اس دہریت و مادیت کے زمانہ میں اپنے مکالمہ سے اپنی زندہ ہستی کا ثبوت پیش کرے۔ پس اس زمانہ کے دو زبردست مگر بظاہر متضاد مطالبے یہ تھے۔ اولاً یہ کہ خدا اپنی زندہ ہستی کا ثبوت اپنے مکالمہ ومخاطبہ سے دے اور کوئی ایسا انسان آج کھڑا ہو جو یہ کہے کہ خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ آؤ میں تمہیں ایسے نشاناتِ خدائی اپنے وجود میں دکھلانے کے لئے تیار ہوں مگر دُوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ دین اسلام کو مکمل وغیر متبدل ثابت کیا جائے۔

چنانچہ آپ نے تکمیل دین وختمِ نبوت حضرت خیر الانامؐ کو پُر زور دلائل سے ثابت کیا۔ کہ دین اسلام کی شکل میں کامل ومکمل اور محفوظ دین موجود ہے، نہ قرآن کریم کے بعد کسی ہدایت وشریعت کی حاجت اور نہ آنحضرت صلعم کی نبوّت کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت لاحق ہے۔ ضرورت ہے تو اس امر کی کہ ان دونوں دینی ذرائع کی طرف صدق دل سے رجُوع ہو یعنی آپ کا اولین مقصد یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے زندہ وجود پر اپنے ذاتی تعلق سے شہادت پیش کریں کیونکہ اس زمانہ میں مادیت ودہریت کے زیرِ اثر مُسلمان تعلق باللہ اور مکالمہ الٰہیہ سے منکر ہو کر دین سے بے تعلق ہوتے جا رہے تھے۔ دینِ اسلام کے قیام کے لئے آج جس قدر حاجت ان دو بنیادوں کو قائم کرنے کی لاحق پڑی تھی کسی اور اصُول کی اسقدر وضاحت کی نہ تھی۔ چنانچہ یہی کچھ ایک مصلحِ وقت کے تقاضہ سے آپ نے کیا۔ آپ کی تحریروں میں یہی دو پہلو زیرِ بحث نظر آئیں گے۔ قرآن ونبوتِ محمدیہ پر تکمیل دین اور خدا تعالےٰ کے وجود پر اس سے ذاتی تعلق کی شہادت اور ان دونوں اصولوں کے انشراح و صدر سے قبول کرنے میں جو وساوس پیدا ہوتے تھے اُن کو دُور کرنا۔ چنانچہ جب کبھی کسی شخص کے دِل میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا کہ تیرہ سو برس کے بعد اب ضروریات وقت بدل جانے کے باعث اسلام کے اصولوں میں بھی کچھ تبدیلی ہونا چاہیئے تو آپ فوراً اس کی تردید کرنے لگ جاتے کہ قرآن کے مکمل محفوظ اور آنحضرتؐ کے کامل تاریخی نمونہ کے پیشِ نظر کسی نئے دین یا دینِ اسلام میں کسی تبدیلی کی ہرگز کوئی حاجت نہیں۔ وحی نبوّت بند وختم ہے۔ حضرت جبرائیل تب سے وحی نبوت لانے سے روک دیا گیا جس روز یہ آیت نازل ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی پس نہ کسی نئے دین کی حاجت ہے نہ کسی نئے یا پُرانے نبی کے آنے کی ضرورت،

لیکن جب کسی شخص کے دل میں یہ وسوسہ اُٹھتا کہ دین کے کامل ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب خدا تعالےٰ کا تعلق اپنے بندوں سے منقطع ہو کر دین محض ظاہر ارکان کی پابندی کے بجز اور کچھ نہیں رہ گیا۔ تو آپ فوراً اس غلط نظریہ کی تردید کرنے لگ جاتے۔ یعنی یہ کہ خدا تعالےٰ کی زندہ ہستی کا ثبوت بندوں سے اس کی ہمکلامی اور اس کی طرف سے تازہ بشارات ونشانات

(بقیہ صـ۲ کالم ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

جالینوس کے قلم سے،

آیئے "لاتحزن" کو اپنا شعار بنائیں

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حزن و ملال ایمان کی شان کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار مومنوں کا ذکر کر کے " وھم لا یحزنون" فرمایا ہے کہ ان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ خدا کی طرف سے بشارات کے باوجود حزن اور خوف میں مبتلا ہوں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ حزن کرنا حکماً منع فرمایا گیا ہے جس قوم کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیات ہوں اور واضح اور بیّن بشارات ہوں کہ حق ہمیشہ غالب رہے گا اور ناحق کو اگر وقتی طور پر برتری حاصل ہوئی ہے۔ تو اسے دوام حاصل نہیں ہو سکتا وہ قوم کیسے حزن کا شکار ہو سکتی ہے۔

بجائے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے میں اس جگہ کلام الٰہی کے چند مقامات کا ذکر کرتا ہوں جس سے یہ امر واضح ہو جائے گا کہ حزن اور ملال اور خوف میں مبتلا ہونا ایک مومن کی قطعاً شان نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرماتا ہے:۔

(۱) " یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مضبوطی سے قائم رہے ان پر فرشتے نازل ہو کر یہ خوشخبری دیتے ہیں کہ تم خوف نہ کرو اور نہ ہی حزن میں مبتلا ہو اور بشارت پاؤ اس جنّت کی جس کا تم کو وعدہ دیا گیا ہے۔" (سورۃ حٰم سجدہ آیت ۳۰)

(۲) " یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر استقامت اختیار کی ان پر کوئی خوف نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی انہیں یہ زیب دیتا ہے کہ وہ حزن کریں۔" (الاحقاف ۱۳)

ایمان حزن اور خوف سے نجات دلاتا ہے۔

اس بات کے ثبوت میں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکامات پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ وہ حزن اور خوف سے نجات پا جاتے ہیں۔ فرمایا:۔

" یقیناً وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور جو لوگ یہود۔ نصاریٰ اور صابی ہیں جو بھی ان میں سے اللہ تعالیٰ پر یوم آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک اعمال بجا لائے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ہی ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ حزن کا شکار ہوں گے۔" (البقرۃ ۶۲)

اس سلسلہ میں وضاحت کے لئے چند واقعات ہدیۂ قارئین کر رہا ہوں جس سے اس مضمون کے عنوان کا تقاضا زیادہ آسانی سے سمجھ میں آ سکے گا۔ وباللہ التوفیق

اوّل:۔ غارِ حرا میں حضورؐ کی یارِ غار کو نصیحت:۔ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:۔

" اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے تو خدا نے تو اس کی اس وقت مدد فرمائی تھی جب کافروں نے اسے (مکّہ) سے نکال دیا تھا اور وہ دو میں سے ایک تھا جبکہ دونوں غار میں تھے اور اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ " حزن مت کر و یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔" پس اللہ تعالیٰ نے اس پر سکینت نازل فرمائی اور اس کی اس فوج سے مدد کی جس کو تم نہیں دیکھ پائے اور اللہ تعالیٰ نے انکار کرنے والوں کے پروگرام کو زیر کر دیا اور خدا کی بات تو سدا ہی بلند رہتی ہے۔" (التوبہ ۴۰)

دوم:۔ حضرت اُمّ عیسٰیؑ کو الہامی نصیحت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت یوں الہام ہوتا ہے۔

" پس زچگی کی تکلیف (مریم کو) کھجور کے تنے کے پاس لے گئی۔ اور مریم نے کہا کہ اے کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور میرا نام و نشان نہ رہا ہوتا۔ پس فرشتے نے اُسے اُس کے قریب سے (ڈھلوانی سے) آواز دی کہ " تو ہرگز حزن نہ کر"" (سورۃ مریم ۲۴)

سوئم:۔ حضرت اُمّ موسٰیؑ کو بذریعہ وحی نصیحت:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد یوں وحی نازل ہوتی ہے۔

" اور ہم نے موسیٰؑ کی والدہ کی طرف وحی نازل کی کہ تو (موسیٰ کی) اس کی پرورش کر اور جب تو اس کے بارہ میں خطرہ محسوس کرے تو اس کو دریا میں ڈال دینا اور خوف اور حزن کو اپنے پاس بھی پھٹکنے نہ دینا ہم اس کو تیرے پاس واپس لے آئیں گے اور اسے رسولوں میں سے بنائیں گے۔۔۔۔۔ پس ہم نے لوٹا دیا موسیٰ کو اس کی والدہ کے پاس تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور حزن نہ کرے۔" (القصص ۷۔ ۱۳)

چہارم:۔ خدا کے دوستوں کے بارہ میں خدائی اعلان۔

" یہ بات سن رکھو کہ جو اللہ تعالیٰ کے دوست ہوتے ہیں ان پر کوئی خوف طاری نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ حزن میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور تقویٰ کی راہ پر چلتے ہیں انکے لئے اس دنیاوی زندگی کے بارے میں بشارات ہیں اور اخروی زندگی میں بھی خدا تعالیٰ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے اور نہ تجھ کو حزن میں مبتلا کریں ان کی باتیں یقیناً تمام عزت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ سمیع وعلیم ہے۔" (سورۃ یونس ۶۴، ۶۵)

مندرجہ بالا مقام پر " ولا یحزنك قولھم" فرما کر اللہ تعالیٰ نے حضور صلعم کو بھی حزن سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کافروں کی زیادتی اور دشمنی دیکھ کر حزن کرنے سے یوں منع فرماتا ہے:

" اور نہ تجھے حزن میں مبتلا کر دیں وہ لوگ جو کفر اختیار کرنے میں جلدی کرتے ہیں یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔" (آل عمران ۱۷۶)

قرآن پاک کی بیان کردہ مندرجہ بالا الٰہی ہدایات کس شدّت سے ان لوگوں کو نصیحت کر رہی ہیں جو ایمان کی راہوں پر قدم زن ہیں۔ اور ان کی زندگی کے لمحات رضائے الٰہی کے لئے صرف ہوتے ہیں۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے وہ شب و روز اپنے آپ کو مصروف رکھتے ہیں۔ اور خدا کے پیغام کو اور اس آب حیات کو جو ان کے پاس امانت ہے پیاسی دنیا تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے اور اپنے اموال اور اوقات کو اس کی راہوں میں خرچ کر رہے ہیں۔ کہ وہ کسی وقت بھی خوف اور حزن کا شکار نہ ہوں۔ وہ یہی سمجھیں کہ حق کے مخالفوں نے انہیں مجبور کر دیا ہے کہ وہ ایک غار میں علیحدگی کی زندگی اختیار کریں۔ مگر وہ حق بات کہنے اور پھیلانے سے کبھی دریغ نہ کریں گے وہ یقین رکھیں گے کہ اس علیحدگی کے غار میں بھی انہیں خدا کے پیارے رسول حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز آ رہی ہے کہ:۔

" لا تحزن انّ اللہ معنا "

* * * *

باہتمام ریاض حسین الحمدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۵ جنوری ۱۹۸۳ء — شمارہ نمبر ۱

جلد ۷۰ * یوم چہارشنبہ ۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۲ جنوری ۱۹۸۳ء * شمارہ ۱ - (۲)

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے

" یاد رہے کہ اصل مدعا جس پر اس سلسلہ کی بلا انقطاع چلنے کی اُمید ہے وہ یہی انتظام ہے کہ سچے خیر خواہ دین کے اپنی بضاعت اور اپنی بساط کے لحاظ سے ایسی سہل رقمیں ماہواری کے طور پر ادا کرنا اپنے نفس پر ایک حتمی وعدہ ٹھہرا لیں جن کو بشرطیکہ پیش آنے کسی اتفاقی مانع کے بآسانی ادا کر سکیں۔ ہاں جس کو اللہ جلّ شانہٗ توفیق اور انشراح صدر بخشے وہ علاوہ اس ماہواری چندہ کے اپنی وسعت، ہمت اور اندازہٗ مقدرت کے موافق یکمشت کے طور پر بھی مدد کر سکتا ہے اور تم اے میرے عزیزو! میرے پیارو! میرے درختِ وجود کی سرسبز شاخو! جو خدا تعالےٰ کی رحمت سے جو تم پر ہے میرے سلسلۂ بیعت میں داخل ہو اور اپنی زندگی اپنے آرام اپنا مال اس راہ میں فدا کر رہے ہو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میں جو کچھ کہوں تم اسے قبول کرنا اپنی سعادت سمجھو گے اور جہاں تک تمہاری طاقت ہے دریغ نہیں کرو گے۔ لیکن میں اس خدمت کے لئے معین طور پر اپنی زبان سے تم پر کچھ فرض نہیں کر سکتا تا کہ تمہاری خدمتیں نہ میرے کہنے کی مجبوری سے بلکہ اپنی خوشی سے ہوں۔ میرا دوست کون ہے؟ اور میرا عزیز کون؟ وہی جو مجھے پہچانتا ہے۔ مجھے کون پہچانتا ہے؟ صرف وہی جو مجھ پر یقین رکھتا ہے کہ میں بھیجا گیا ہوں۔ اور مجھے اسی طرح قبول کرتا ہے جس طرح وہ لوگ قبول کئے جاتے جو بھیجے گئے ہوں۔ دُنیا مجھے قبول نہیں کر سکتی کیونکہ میں دُنیا میں سے نہیں ہوں مگر جن کی فطرت کو اس عالم کا حصہ دیا گیا ہے وہ مجھے قبول کرتے ہیں اور کریں گے۔ جو مجھے چھوڑتا ہے وہ اس کو چھوڑتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جو مجھ سے پیوند کرتا ہے وہ اس سے کرتا ہے جس کی طرف سے میں آیا ہوں۔ میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور وہ اس روشنی سے حصہ لے گا۔ جو شخص وہم اور بدگمانی سے دُور بھاگتا ہے وہ ظلمت میں ڈال دیا جائیگا۔ اس زمانہ کا حصن حصین میں ہوں جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا مگر جو شخص میری دیواروں سے دُور رہنا چاہتا ہے ہر طرف اس کو موت درپیش ہے! اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔ مجھ میں کون داخل ہوتا ہے وہی جو بدی کو چھوڑتا اور نیکی کو اختیار کرتا ہے اور کجی کو چھوڑتا اور راستی پر قدم مارتا ہے اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا اور خدا تعالےٰ کا ایک بندہ مطیع بن جاتا ہے۔ ہر ایک جو ایسا کرتا ہے وہ مجھ میں ہے اور میں اُس میں ہوں۔ مگر ایسا کرنے پر فقط وہی قادر ہوتا ہے جس کو خدا تعالےٰ نفسِ مزکی کے سایہ میں ڈال دیتا ہے۔ تو وہ ایسا ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ گویا اس میں کبھی آگ نہیں تھی۔ تب وُہ ترقی پر ترقی کرتا ہے۔"

(فتح اسلام)

مضمون نگار احباب کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ موجودہ مسائل پر قرآن حکیم کی روشنی میں مضامین لکھیں۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ۔ اس کی افادیت اور حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ مجدد صد چہاردہم کے اسلام پر پیدا کردہ علم کلام اور اسکی صداقت پر بالکل جدید اور سائینٹیفک اسلوب میں مضامین تحریر فرمایئں اور بھیجیں۔ ان کے مضامین شکریہ کے ساتھ شائع کئے جایئں گے۔ (ادارہ)

رپورٹ :- مولانا شفقت رسول خاں صاحب ،

جلسہ سالانہ ۱۹۸۲ء احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی مختصر روئیداد

مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۲ء پہلا اجلاس

پروگرام کے مطابق محترم میاں ظہور احمد صاحب لاہور کی زیر صدارت اس نشست کا آغاز جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب پشاور کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ تلاوت کے بعد جناب عنایت الرحمٰن صاحب شیخ محمدی نے حضرت اقدس کا کلام ترنم سے سنایا :-

"اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار + اے مرے پیارے مرے محسن مرے پروردگار"

جناب یاسین صاحب انڈونیشین طالب علم نے ملفوظات حضرت اقدس پڑھ کر سنائے۔ زاں بعد صاحب صدر نے مختصر خطاب فرمایا۔ اور کہا بھائیو اور بہنو! یہ جلسہ عام نہیں ہے یہ ایک دینی غرض کے لئے اجتماع ہے جس میں شمولیت کے لئے آپ نے شدید سردی میں گھروں کو چھوڑا اور اس سہ روزہ مجاہدہ میں شریک ہوئے۔ جماعت منتظمین جلسہ اور اپنی طرف سے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسان بہتری اور بھلائی چاہتا ہے لیکن اس کے لئے جادۂ استقامت پر قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور عمل میں کمی رہ جاتی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ پورے عمل کو اپنائیں اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور آپ جلسہ کے شروع ہونے کے وقت سے پانچ دس منٹ پہلے تشریف لانا ضروری سمجھیں تاکہ کوئی تقریر سننے سے نہ رہ جائے۔ آپ کو پورے SCESSION کو سننا چاہیئے تاکہ سفر کی تکالیف اٹھانے کا مقصد پورا ہو ورنہ یہ تکلیف بے فائدہ ہوگی۔ یہ وہ جلسہ ہے جس میں نہ دنیاوی باتوں کا تعلق ہے نہ سیاسی (POLITICAL) جلسہ ہے بلکہ یہ واحد جلسہ ہے جو اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور مدافعت کے لئے منعقد ہوتا ہے اس لئے ہماری جماعت کے ہر ایک فرد کو اس میں پوری دلچسپی لینی چاہیئے تاکہ آپ اراّئے جذبے اور شوق سے کام کر سکیں۔ جناب صدر نے اس بات کو بڑی عجیب اور ایک لطیفہ قرار دیا کہ وہ شخصیت جس نے اس صدی میں اپنی تحریریں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ثابت کرنے میں وقف کر دیں اُسے "مدعی نبوت" قرار دیا جا رہا ہے۔ لیکن ایسا ہوتا چلا آیا ہے حضرت مسیح ناصری کو بھی جو کہ توحید کے داعی تھے اس کے ماننے والوں نے اُسے خدا کا بیٹا قرار دیا ہے۔ حضرت مسیح ابن مریم کے تقریباً ۶۰۰ سال بعد حضرت نبی کریمؐ تشریف لائے جو کہ بین الاقوامی نبی ہیں۔ اور حضورؐ کے ۱۴۰۰ سال بعد حضرت مرزا صاحب حدیث مجدد کی رُو سے مجدد و مہدی بن کر تشریف لائے اور آپ نے خدا کے حکم کے تحت ایک جماعت کی بنیاد رکھی جیسا کہ ارشاد و لتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر جس کی غرض یہ ہے کہ اب حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا خواہ نیا ہو یا پرانا۔ کامل اور آخری دین صرف اسلام ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی اور اسی مکمل دین کی اشاعت کے لئے یہ جماعت کھڑی ہوئی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس مقدس مشن کو پورا کرنے کی توفیق بخشے۔

امیر قوم حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا افتتاحی خطاب

آپ نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا :- میں نے وہ دُعا پڑھی ہے جو آپ روزانہ نمازوں میں پڑھتے ہیں جس کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی۔ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب اس سے ابتداء ہوتی ہے۔ اس سے بہتر کوئی دُعا نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جلسہ کے افتتاح کے لئے میں نے اسی دُعا سے اپنی بات کو شروع کیا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کئی دنوں سے کہ میں آپ سے اپنے بھائی بہنوں اور بچوں سے کہوں کہ آپ نماز میں اپنے دل میں یہ احساس پیدا کریں کہ ہم ایک بہت بڑے احکم الحاکمین کے سامنے موجود ہیں۔ ہم نہایت عاجز ہیں۔ کمزور ہیں۔ وہ تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ ہم محتاج ہیں۔ وہ غنی ہے۔ بادشاہ ہے۔ آپ میں سے کچھ لوگ صاحب علم و فضل و مال ہیں۔ لیکن پھر بھی اس کے محتاج ہیں۔ اللہ غنیؐ و انتم الفقراء اور فرمایا ہے یایھا الناس انتم الفقراء واللہ غنی حمید۔ اپنی اسی حیثیت کا احساس اور یہ تصور باری تعالےٰ کا اپنے ذہنوں میں حاضر رکھیں۔ پوری توجہ سے۔ میں بہت کمزور ہوں کوشش کروں گا کہ اپنی بات پوری کر سکوں۔ میں جس عاجزی کی طرف بلاتا ہوں وہ یہ کہ ہم بے سروساماں بے نوا، بے یار و مددگار ہیں۔ اس کے سوائے کوئی مددگار نہیں پاتے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایک اور سال من حیث الجماعت دین کی خدمت کرنے کی توفیق بخشی۔ ایک بار پھر اکٹھے ہونے کا موقع عنایت فرمایا...... (مکمل خطاب ۲۹ دسمبر ۸۲ء کے شمارہ میں صفحہ ۳ پر شائع ہو چکا ہے)

جناب شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ کی تقریر :-

آپ نے "امام الزماں کی شناخت" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے من مات بغیر امام فقد مات میتۃ الجاھلیۃ کے حوالے سے کہا۔ مامور (یعنی حضرت مرزا صاحب) کہتا ہے "مجھ میں کوئی گمراہی نہیں۔ میں جہانوں کے رب کی طرف سے آیا ہوں۔ تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں۔ تقوٰی کرو تاکہ تم پر رحم ہو"۔ لیکن لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ان جیسے شخص کے ذریعہ یہ نعمت آئی۔ مقرر موصوف نے لوگوں کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ "عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جب ہم خدا کو مانتے ہیں اس کی کتاب اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں تو کسی اور کو ماننے کی کیا ضرورت ہے"۔ بے شک یہ بہت اہم بات ہے لیکن امام کو بھی تو خدا ہی بھیجتا ہے۔ اور رسول صلعم نے اس کو ماننے کی بڑی تاکید کی ہے۔ ہاں یہ ضروری بات ہے کہ امام کو شناخت کیسے کیا جائے؟ اور اس کی پہچان کیا ہے؟ اس لئے کہ لوگوں کو سچی خوابیں بھی آتی ہیں۔ اور الہام کا دروازہ کبھی بند نہیں اور بڑے بڑے بزرگ ہوئے ہیں اگر محض یہ شرائط ہی امام کے لئے کافی ہوتیں تو ہر ایک مومن امام ہوتا۔ اور یہ بات عقل سے دُور ہے۔ مقرر موصوف نے نبی اکرمؐ کے زمانے میں ایک کاتب وحی کو نور نبوت کے قریب ہونے کی وجہ لکھنے سے پہلے ہی قرآنی آیت کا القاء ہو جانے سے کاتب اپنے آپ کو حضور صلعم کے برابر سمجھنے لگا۔ تو یہ بات اس کے لئے ہلاکت کا باعث بن گئی۔ ایسے ہی حضرت اویس قرنی ملہم تھے لیکن امام وقت نہیں تھے۔ اور لوگ اندھی تقلید سے اپنے معمولی پیشواؤں کو امامت کے درجہ پر فائز تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اپنا دعوٰی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کی شناخت کے لئے واضح علامات ہوں۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے اس موضوع پر تفصیلی واقعات اور دلائل دیئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"جب دُنیا میں کوئی امام آتا ہے تو ہزارہا انوار اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ نیک استعدادیں جاگ اُٹھتی ہیں۔ لوگوں میں سچی خوابیں اور الہامات بھی اس کے نور کا پر تو ہوتے ہیں۔ غور و فکر کے ذریعہ تفقہ کی استعداد بڑھ جاتی ہے۔ غیروں سے مباحثات کرنے والوں کو استدلال اور اتمام حجت کی طاقت بخشی جاتی ہے۔ اور یہ انتشار روحانیت اور نورانیت کا نتیجہ ہوتی ہے

(بقیہ صفحہ ۶، صفحہ ۸)

زاہد عزیز نوٹنگھم۔ انگلستان

جلسہ سالانہ کے متعلق میرے تاثرات

(انگریزی سے ترجمہ: مدبر اعزازی)

جناب ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب نے جلسہ سالانہ کے متعلق انگریزی مضمون میں اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں جس کا اُردو ترجمہ قارئین کے استفادہ کے لئے پیغام صلح میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا سالانہ جلسہ جو حال ہی میں ۲۵ تا ۲۸ دسمبر ۱۹۸۲ء منعقد ہوا ہے دراصل یہ پہلا جلسہ ہے جس میں مجھے پورے طور پر شامل ہونے کا موقع نصیب ہوا ہے اس موقع پر انگلستان سے لاہور آنے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے اس جلسہ پر آنے کے لئے میری پوری مدد اور حوصلہ افزائی فرمائی جس کی بدولت میں چار ہزار میل کا سفر طے کر کے اس عظیم تاریخی تقریب میں شامل ہو سکا۔

اس جلسہ کی ان روحانی تاثیرات کے متعلق جو اس میں شمولیت کی سعادت حاصل کرنے والوں کے دلوں میں خدا کے دین کی خدمت کے لئے نیا جوش وجذبہ اور ولولہ پیدا کر دیتی ہیں میں ایک عرصہ سے پڑھتا اور سنتا چلا آیا تھا لیکن بذاتِ خود اس اجتماع میں شمولیت کے تجربہ سے ناآشنا ہونے کیوجہ سے میں اس اثر کو محسوس نہ کر سکتا تھا اور نہ ہی یہ جانتا تھا کہ اس کا اظہار کیسے ہوتا ہے اس لئے میں کھلے دل ودماغ اور بغیر کسی ذہنی تحفظ کے آیا تھا۔

یہاں پر یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ اس جلسہ کی بنیاد بانی تحریک احمدیت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد صد چہاردہم نے ۱۸۹۲ء میں خود اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی اور اس کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس جلسہ کی غرض اور مقصد دلوں میں خدا کی ہستی پر زندہ ایمان اور یقین پیدا کرنا اس تحریک سے تعلق رکھنے والے افراد کے درمیان باہمی رشتہ اخوت کو مضبوط کرنا۔ تقاریر کے ذریعہ ایک دوسرے کے علم اور معرفت میں اضافہ کرنا اور یورپ وامریکہ کے رہنے والوں کو اسلام کی روحانی قوت اور اقدار سے آشنا کرنے کے لئے تدابیر سوچنا ہے۔ ان مقاصد کے پیش نظر ہمارا یہ جلسہ دوسری کانفرنسوں کے مقابلے میں ایک بے نظیر حیثیت کا حامل ہے کیونکہ اس کے پس پشت قطعاً کوئی سیاسی محرکات اور مقاصد نہیں۔ حضرت مولانا محمد علیؒ نے صحیح طور پر اسے روحانی تزکیہ کے لئے تین دن کا مجاہدہ قرار دیا۔

نمازیں:۔ چونکہ جلسہ کے ایام میں نمازیں اور دیگر عبادات اس اجتماع کی ایک نہایت اہم خصوصیت ہے اس لئے لوگوں کے قیام کا انتظام تحریک کے نئے مرکز اور جلسہ کے مقام دارالسلام ۵ عثمان بلاک میں ہی کیا جاتا ہے تاکہ وہ ساڑھے پانچ بجے صبح کی باجماعت نمازمیں آسانی سے شامل ہو سکیں۔ یہاں میں ذرا ہٹ کر یہ اضافہ کر دوں کہ دارالسلام لاہور کے مضافات میں ایک وسیع اور کھلے خطہ زمین پر واقع غیر گنجان آبادی ہے جو متعدد عمارات مثلاً ایک وسیع صحن والی بڑی مسجد، لائبریری۔ رہائشی مکانات۔ جماعت کے مرکزی دفاتر۔ قبرستان اور کچھ گھروں پر مشتمل ہے۔ ان عمارات کے درمیان میدان اور راستے بھی ہیں۔ جلسے کے تین دنوں میں میرا قیام بھی دارالسلام میں ہی تھا۔ فجر کی اذان انڈونیشیا سے آنے والے ہمارے بھائی یاتیمین جو مرکز میں دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں اپنی خوبصورت اور سحر کن آواز میں ساڑھے پانچ بجے دیتے ہیں لیکن اس سے پہلے ہی بہت سے لوگ تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہو چکے تھے۔ کچھ تو مسجد میں تہجد کی نماز ادا کرتے اور کچھ اپنی اپنی قیام گاہوں پر۔ رات کے اس وقت بھی دارالسلام کی بستی تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر نصب کی ہوئی برقی ٹیوبوں کی روشنی سے جگ مگ جگ مگ کر رہی ہوتی تھی۔ یہ تہجد گذار لوگ جو سردی میں اتنا سویرے اپنے گرم بستروں سے الگ ہو کر بڑی عاجزی سے اپنے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور اُن کی سجدہ گاہیں آنسوؤں سے تر ہوتیں وہ دنیا کے مال ودولت، عزت واقتدار اور جاہ وثروت کے لئے نہیں بلکہ غلبۂ اسلام اور تحریک احمدیت کے اس مقصد عظیم کی کامیابی کے لئے سسک سسک کر دعائیں کرتے۔ ان کے سجدے اتنے لمبے ہوتے کہ ان پر نہ ختم ہونے کا گمان ہوتا۔

فجر کی اذان کے تھوڑے ہی وقت کے بعد دارالسلام کی بڑی مسجد نمازیوں سے بھر جاتی۔ میں نے ان نمازیوں میں ایسے تین معذور بزرگوں کو بھی دیکھا جو دوسروں کے سہارے کے بغیر چل پھر بھی نہیں سکتے تھے لیکن وہ بھی کسی نہ کسی طرح ½ ۵ بجے صبح کی نماز ادا کرنے کے لئے پہنچ جاتے اور بیٹھ کر نماز پڑھتے۔ یہ کیسی کشش اور دل کی کیفیت تھی جو انہیں مجبور کر کے مسجد کی طرف کھینچ لاتی۔ یہ بات کسی صادق کی معیت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور خدا پر زندہ ایمان ہی دلوں میں یہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ باجماعت نماز میں اُنیس بیس سال کے لڑکوں اور ان سے ذرا بڑی عمر کے نوجوانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی شامل ہوتی جو جماعت کی زندگی کے لئے بڑی امید افزاء علامت ہے صبح کی نماز حضرت امیر ہی پڑھاتے تھے۔ فجر کی نماز کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قیام کی حالت میں حضرت امیر بڑے سوز وگداز اور اپنے مخصوص عاجزانہ انداز میں وہ دعائیں مانگتے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مشکلات اور مصائب کے وقت اپنے اللہ سے مدد کے لئے گڑگڑا کر کیں اور ہر دُعا کے بعد ساری جماعت بلند آواز میں آمین کہتی۔ کسے معلوم کہ ان بے بس ومجبور اور ہر دنیوی سہارے سے محروم عاجز انسانوں کی آمین سے فرشتوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آجاتے ہوں۔ اور وہ بھی ان کے ساتھ آمین کہتے ہوں۔ کیونکہ یہ دُعائیں اللہ سے اسلام اور جماعت کی مدد۔ اس سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی مانگنے اور بیماروں کی شفا کے لئے ہوتی تھیں۔

جلسہ کے دوران میں صبح کی نماز کے علاوہ باقی نمازیں بھی باجماعت ادا کرنا لازمی ہے کھانے کے بعد یا اس سے ذرا پہلے ظہر اور عصر کی نمازیں اور ساڑھے پانچ بجے شام کو مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کی جاتی تھیں۔ میں نے جلسہ کے نماز والے پہلو کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے کیونکہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید سے ہی اپنے کام میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں اور یہ تائید اور نصرت ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق سے ہی حاصل ہو سکتی ہے جس کا نماز ہی ایک بڑا ذریعہ ہے۔

تقاریر:۔ ۲۵ دسمبر کا دن خواتین کے جلسہ کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے بعد اڑھائی دن ہمارا عام جلسہ جاری رہا۔ ان میں سے پورے دو دن تین تین اجلاس ہوئے یعنی صبح۔ بعد از دوپہر اور شام کو۔ تیسرے روز صبح ایک ہی اجلاس ہوا۔

ہر اجلاس کا آغاز سُریلی آواز میں کی گئی تلاوتِ قرآن سے ہوتا جس کے بعد ایک مختصر نظم اور حضرت اقدس کے ملفوظات سنائے جاتے۔ ملفوظات کے بعد مختلف تقاریر ہوتیں جن کا اعلان سٹیج سیکرٹری پروفیسر خلیل الرحمٰن کرتے۔ سارے جلسے کے دوران میں کی جانے والی تقاریر کا معیار بہت بلند تھا۔ ان تقاریر کے مختلف موضوعات کا تعلق عام طور پر اسلام سے اور خاص طور پر ہماری تحریک سے تھا۔ تبصرہ کے لئے محض چند ایک تقاریر کا انتخاب کرنا ممکن نہیں لیکن اتنا ہی

کہہ دینا کافی ہے کہ بعض تقاریر اس قدر روح پرور تھیں کہ سامعین کے ذہنوں میں ایک عرصہ تک گونجتی رہیں گی۔

مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۲ء

حضرت امیر نے اپنی افتتاحی تقریر میں جماعت کی مادی وسائل سے محرومی اور بے چارگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسے حالات میں ہمیں اپنے اللہ سے مدد کے لئے عاجزی سے التجا کرنی چاہیئے اس کرۂ ارض پر اٹھنے والی تمام الٰہی تحریکیں مادی وسائل سے ہمیشہ محروم رہی ہیں۔ اس میں بھی اس کی یہ حکمت پوشیدہ رہی ہے کہ وہ ان کے مخالفین کے خلاف اپنا پوشیدہ طاقتور ہاتھ دکھا کر کمزوروں کو طاقتوروں پر غالب کر کے دکھاتا رہا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اسکی طاقت کا کیسے علم ہوتا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں ؎ اسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کندوں کو، اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی طاقت کا کیسے علم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو تو یہ مادی وسائل ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس لئے ہمیں اپنے اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کرنا چاہیئے اور اسی کے ہاتھ کو ڈھونڈھنا چاہیئے۔ اسی اجلاس میں جناب چوہدری فتح محمد عزیز صاحب نے اپنی فصیح و بلیغ اور نہایت مدلل عام فہم تقریر میں یہ ثابت کیا کہ صرف جماعت احمدیہ لاہور ہی وہ جماعت ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو غیر مشروط طور پر خاتم النبیین تسلیم کرتی ہے اس کے مقابل پر کوئی دوسری جماعت اپنے اعتقادات سے یہ ثابت نہیں کر سکتی۔ اس تمام تقریر کے دوران میں سامعین اس طرح خاموش بیٹھے رہے جیسے ان پر کسی نے جادو کر دیا ہو۔ اسی دن شام کے اجلاس میں کراچی سے تشریف لانے والے راجہ محمد بیدار صاحب نے اپنی تقریر میں جماعت کے سامنے یہ مقصد رکھا کہ تحریک احمدیت کی کامیابی کے لئے یہ لازمی ہے کہ جماعت کا ہر ایک فرد نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرے۔

مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۲ء

عام جلسہ کے دوسرے دن یعنی ۱۲/۸۲، ۲۷ کو حضرت امیر نے "ہمارا کام قرآن کریم اور رحمۃ للعالمین کے نور کو دنیا میں پھیلانا ہے" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ اپنی تقریر کے آخر میں آپ نے قرآن کریم کے دوسری زبانوں میں نئے تراجم اور ان کی طباعت واشاعت کے لئے اپیل کی۔ سامعین میں چھوٹی چھوٹی پرچیاں تقسیم کی گئیں تا کہ وہ ان پر اپنے چندہ کی رقم لکھ دیں اور چیک یا نوٹ ان کے ساتھ منسلک کر سکیں۔ یہ پرچیاں جمع کی جائیں اور حضرت امیر ہر ایک کی پرچی کے ساتھ منسلک یا اس پر لکھی ہوئی رقم کا اعلان کرتے۔ یہ کام ایک بڑے منظم طریقہ پر بڑی خوبی کے ساتھ سرانجام ہوا۔ ایک عجیب منظر یہ دیکھنے میں آیا کہ بہت چھوٹے چھوٹے بچے بھی سٹیج پر بھاگ بھاگ کر جاتے اور اپنے جیب خرچ سے جمع کی ہوئی رقم یا اپنے ماں باپ سے لئے ہوئے روپے حضرت امیر کے ہاتھ میں دینے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔

اسی دن شام کے اجلاس میں جناب شیخ شریف احمد صاحب نے جو پشاور کے رہنے والے ہیں۔ "ہمارا ماضی اور نئی نسل کو ہمارا پیغام" کے عنوان سے حاضرین کو خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنے جسق پذیر انداز میں اس موضوع پر جو کچھ بیان کیا وہ سامعین کے دلوں میں اتر گیا۔ آپ نے صرف ماضی میں اپنی شاندار کامیابیوں کی تفصیل بیان کرنے کی بجائے اس بات پر زور دیا کہ موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق ہم اپنے ماضی کی عظیم الشان روایات اور کامیابیوں کی روشنی میں اپنے مستقبل کا فکر کریں اور اسے بہتر طور پر سنوارنے کے لئے اپنی کوششوں کو ہر لحاظ اور ہر جہت سے تیز تر کر دیں۔ شیخ صاحب کے دل میں احمدیت کے لئے بڑا جوش اور جذبہ ہے۔ انہوں نے اپنی آنے والی نوجوان نسل سے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں اور آپ نے اس کی صحیح منزل دکھانے کے لئے بڑی محنت سے کام لیا ہے۔

شبان الاحمدیہ

اس جلسے کا ایک اور نمایاں اور نہایت حوصلہ افزا پہلو جس کا میں خاص طور پر ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں یہ تھا کہ اس میں تقریباً دس سے بیس سال کی عمر تک کے بچے اور نوجوان کثرت سے شامل ہوئے جنہوں نے بطور رضا کار اپنے مہمانوں کی خاص طور پر وسیع شامیانوں کے نیچے طعام گاہ میں کھانا کھلانے میں اور دیگر ہر لحاظ سے بڑی خوشدلی اور خوش اسلوبی سے خدمت انجام دی۔

شام کو شبان الاحمدیہ کا اجلاس زیر صدارت ڈاکٹر جمیل الرحمٰن صاحب منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں نوجوان احمدی مقررین نے آنحضرت صلعم کی سیرت طیبہ۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صد چہار دہم کے مشن اور اللہ تعالےٰ کی ہستی پر تقریریں کیں۔ یہ تقریریں سن کر میں تو حیران رہ گیا کیونکہ نوجوانوں سے میں اتنے اعلےٰ معیار کی توقع نہیں رکھتا تھا لیکن پروگرام شروع ہوئے تھوڑے ہی وقت کے بعد مجھے یہ احساس ہو گیا کہ ان کی یہ تقریریں بڑی عالمانہ تھیں جب مقررین اپنی تقریروں میں قرآن کریم کی آیات کا حوالہ دیتے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ قرآن کریم اور عربی زبان پر اچھا خاصا عبور رکھتے ہیں۔

احمدیت کے متعلق ان کے علم اور اس سے گہری عقیدت کی میں ایک مثال بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ایک نوجوان نے سامعین میں حضرت اقدس کی دو کتب "کشتی نوح" اور "الوصیت" تقسیم کرنے کا اعلان کیا۔ اس نوجوان کے ان کتب کے انتخاب سے معلوم ہوتا تھا کہ ان دو کتب میں حضرت صاحب نے اپنی جماعت کو جو تعلیم دی ہے اور اپنے بعد اس کی رہنمائی کے لئے جو اصول بیان فرمائے ہیں ان پر ہماری نوجوان نسل کی گہری نظر ہے۔ اور انہیں ان کی اہمیت کا شدید احساس ہے۔ انہوں نے "الوصیت" تو تقسیم کی لیکن دوسری کتاب "کشتی نوح" کافی تعداد میں مہیا نہ ہو سکی۔

میں نے نوجوانوں کی سرگرمیوں کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا ہے۔ اس کی چند ایک وجوہات ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں ان نوجوانوں کے جوش و جذبہ۔ عقیدت۔ علم۔ ایثار اور خلوص سے بے حد متاثر ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بیرون ملک ہماری جماعت کے متعلق یہ سراسر غلط اور بے بنیاد تاثر پھیلایا گیا ہے کہ پاکستان کی احمدیہ جماعت میں تو صرف بوڑھے مرد اور عورتیں شامل ہیں۔ جیسا کہ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے فرمایا ہے یہ حقیقت ہے کہ آج سے نو دس سال قبل جلسہ میں شریک ہونے والے ایک غیر ملکی نمائندے نے کہا کہ مجھے تو وہاں پچاس سال سے کم عمر کے لوگ نظر نہیں آئے۔ اور پھر پوچھا کہ تمہاری مستقبل کی قیادت کہاں ہے اگر وہ نمائندہ آج اس جلسہ میں شریک ہوتا تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا کہ یہاں ہمارے سامنے بیس سال سے کم اور چالیس سال کی عمر تک کے نوجوان اور احباب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اسے بتانے میں فخر محسوس کرتا کہ دیکھو اور خوب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھو یہ ہماری مستقبل کی قیادت اور ہماری آرزوئیں ہیں۔ خدا کے فضل سے میرا سر فخر سے بلند ہو گیا کیونکہ یہ خوش نما منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خواہ مخواہ کے اعتراضوں، تنقیدوں، نکتہ چینیوں اور دوسروں کا مذاق اڑانے سے اللہ تعالےٰ کے مشن کو آگے بڑھانے والوں کا کچھ نہیں بگڑتا اگر کچھ نقصان ہوتا ہے تو انہی کا جو اس قسم کی بے فائدہ باتوں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔

مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۲ء ۔۔۔ آخری اجلاس

اختتامی اجلاس میں ہمارے بزرگوں کی بڑی عمدہ اور اعلےٰ تقریریں ہوئیں۔ محترم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری نے جن کی تحریک احمدیت کے لئے بڑی طویل خدمات ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر بہت اعلےٰ اور بصیرت افروز تقریر کی۔ آپ کا انداز بیان بڑا پیارا اور دلنشیں ہے جس سے سامعین کے اوپر جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔

اللہ کرے زور بیاں اور زیادہ۔

جناب مرزا صاحب کے بعد ہمارے ہالینڈ کے مبلغ مولانا عبدالرحیم جگو نے اپنے مختلف ممالک کے دورہ کے جو انہوں نے جماعت احمدیہ لاہور کے اراکین کی تلاش میں کیا دلچسپ حالات سنائے آپ نے بتایا کہ پاکستان سے باہر دنیا میں پچاسی (۸۵) یا نوے (۹۰) ایسے شہر ہیں جن میں لاہوری احمدی موجود ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کچھ ایسے شہر ہیں جہاں اگرچہ احمدی تو نہیں لیکن احمدیت کا چرچا ضرور ہے۔

محترم جناب نصیر احمد فاروقی نے اپنی تقریر میں اس بات پر خاص طور پر بہت زور دیا کہ ہمیں باہر کے ممالک کی لائبریریوں میں اپنی مطبوعات کے سیٹ مفت بھیجنے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ یہ بھی ہماری تبلیغ کا ایک نہایت مؤثر اور کارگر ذریعہ ہے

اب میں اس مبارک اجتماع کے اختتامی حصہ کی طرف آتا ہوں۔ جو اس کا نقطۂ عروج تھا اور یہ حضرت امیر کی اختتامی تقریر تھی آپ نے اپنی اس تقریر میں قرآن کریم میں مذکور مختلف انبیاء علیہم السلام کی ان دعاؤں کا ذکر کیا جو اپنی مشکلات، مصائب اور مخالفین کے ظلم و ستم سے نجات کیلئے اللہ تعالےٰ سے کرتے رہے ہیں۔ یہی دُعائیں ہر زمانہ میں ان ستم رسیدوں کے پیروکار اور الہٰی تحریکات کے لوگ کرتے چلے آئے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہمیں بھی اس زمانہ میں ان دعاؤں کی سخت ضرورت ہے۔ اپنی تقریر میں آپ نے ان اقدامات کا بھی ذکر کیا جو جماعت کی تنظیم کو بہتر خطوط پر چلانے کے لئے زیر غور ہیں۔

آخر میں حضرت امیر اور حاضرین نے اللہ تعالےٰ کے حضور میں ایک لمبی عاجزانہ دُعا کی۔ یہ دُعا اتنی مؤثر تھی کہ آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ یہ آنسو دراصل اللہ تعالےٰ کے حضور میں اپنی عاجزی اور بے بسی کے اظہار کے لئے بہائے گئے چند قطرے تھے جو شاید اللہ تعالےٰ کی رحمتِ بے پایاں کو اپنے اندر جذب کرلیں۔ یہ سب کچھ خود بخود اور بے اختیاری کے عالم میں ہوا۔ اس میں کوئی تکلف اور بناوٹ نہ تھی کسی کو اپنے دل اور آنکھوں پر اختیار نہ تھا۔ یہ قرآن اور اسلام سے عشق اور انہیں دنیا میں پہنچانے کے غم میں ہوا۔ قرآن کریم بھی خدا کا اور اسلام بھی خدا کا پھر ہم اس کے بغیر کس کے سامنے اپنا یہ دکھ اور غم لیجاتے اور کس کے سامنے آنسو بہاتے حاضرین کی اس حالت اور آنکھوں کی راہ امڈ کر آنے والے ان کے دلی جذبات کیوجہ سے اللہ تعالےٰ کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ یہ دُعائیں اس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت اور اس ورثہ کی حفاظت کے لئے تھیں جو ہمیں اپنے بزرگوں سے ملا ہے اور اس خوف سے تھیں کہ کہیں ہماری کمزوریوں کی وجہ سے یہ بیش قیمت اثاثہ ہمارے ہاتھوں سے چھن نہ جائے۔ ہماری یہ پکار اس لئے بھی تھی کہ کہیں ہم ان مشکلات اور مصائب کیوجہ سے جو ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اپنی بے چارگی اور کم مائیگی کے احساس سے مغلوب ہوکر اپنی ہمت اور حوصلہ ہار نہ دیں۔

ان تمام نامساعد حالات کے باوجود ہمیں اس جلسہ میں روشنی اور اُمید کی بہت بڑی کرن نظر آئی ہے۔ ہمارا یہ عزم ہے کہ ہم نے اس چراغ کو ہر طوفان اور آندھی میں جلتے رکھنا ہے۔

آخر میں مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اللہ تعالےٰ کی مدد آچکی ہے اور یقیناً یہ روشنی ہر آنے والے دور میں تاریکیوں کو اجالوں میں بدلتی رہے گی جہاں تک میرا تعلق ہے میں شروع میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس جلسہ کے اثر کے متعلق کسی ذہنی تحفظ کے بغیر اور کھلے ذہن کے ساتھ آیا تھا۔ یہ بالکل سچ ہے کہ اس جلسہ میں وہ تاثیرات پائی جاتی ہیں جو ہمارے اندر نئی رُوح پھونکتی۔ ہمیں روحانی بلندی عطا کرتی۔ ہمارا تزکیہ نفس کرتی اور ہمیں ایک رشتہ اخوت میں منسلک کرتی ہیں۔

ارشاداتِ خداوندی!

- "اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔"
- "اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

احمدی جماعت کے لئے لائحہ عمل

حضرتِ اقدس کا ایک ارشاد ہے۔

"اللہ تعالےٰ کسی کی پرواہ نہیں کرتا مگر صالح بندوں کی۔ آپس میں اخوت اور محبت پیدا کرو اور درندگی ۔۔۔۔۔ اور اختلافات کو چھوڑ دو ہر ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے مطلقاً کنارہ کش ہو جاؤ کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ پس ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دے۔ اللہ تعالےٰ سے ایک سچی صلح پیدا کرلو اور اس کی اطاعت میں واپس آجاؤ۔ اللہ تعالےٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے اور اس سے بچنے والے وہی ہیں جو کامل طور پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کر کے اس کے حضور میں آتے ہیں۔

تم یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ کے فرمان میں تم اپنے تئیں لگاؤ گے اور اس کے دین کی حمایت میں مشغول ہو جاؤ گے تو خدا تمام رکاوٹوں کو دور کر دے گا اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسان عمدہ پودوں کی خاطر کھیت میں سے ناکارہ چیزوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور اپنے کھیت کو خوشنما درختوں اور بار آور پودوں سے آراستہ کرتا اور ان کی حفاظت کرتا اور ہر ایک ضرر اور نقصان سے ان کو بچاتا ہے۔ مگر وہ درخت اور پودے جو پھل نہ لائیں اور گلنے اور خشک ہونے لگ جائیں۔ ان کی مالک پرواہ نہیں کرتا کہ کوئی مویشی ان کو آکر کھا جائے یا کوئی لکڑہارا ان کو کاٹ کر تنور میں پھینک دے۔ سو ایسا ہی تم یاد رکھو کہ تم اللہ تعالےٰ کے حضور میں صادق ٹھہرو گے تو کسی کی مخالفت تمہیں تکلیف نہ دے گی پر اگر تم اپنی حالتوں کو درست نہ کرو اور اللہ تعالےٰ سے فرمانبرداری کا ایک سچا عہد نہ باندھو تو پھر اللہ کو کسی کی پرواہ نہیں۔

ہزاروں بھیڑیں اور بکریاں روز ذبح ہوتی ہیں پر اُن پر کوئی رحم نہیں کرتا اور اگر ایک آدمی مارا جائے تو اتنی باز پُرس ہوتی ہے۔ سو اگر تم اپنے آپ کو درندوں کے مانند بیکار اور لاپروا بناؤ گے تو تمہارا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ چاہیئے کہ تم خدا کے عزیزوں میں شامل ہو جاؤ تاکہ کسی دباؤ کو یا آفت کو تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ کیونکہ کوئی بات اللہ تعالےٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں ہوسکتی۔ ہر ایک آپس کے جھگڑے اور جوش اور عداوت کو درمیان سے اُٹھا دو کہ اب وہ وقت ہے کہ تم ادنےٰ باتوں سے اعراض کر کے اہم اور عظیم الشان کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔" (الحکم ۲۰۔ ۲۷ مئی ۱۸۹۸ء)

شکر کا مقام

"انسان پر جو مصیبت آتی ہے کبھی گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے انسان شکر کرے کہ قیامت کو مواخذہ نہ ہوگا۔ دوم ممکن تھا اس سے بڑھ کر مصیبت میں گرفتار ہوتا۔ سوم۔ مالی نقصان کی بجائے جانی نقصان ہوتا۔ جو ناقابلِ برداشت تھے۔ چہارم یہ بھی شکر کا مقام ہے کہ خود زندہ رہے کیونکہ خود زندہ نہیں تو پھر تمام مال و اسباب وغیرہ کی فکر لغو ہے۔"

(خطبہ جمعہ ۴۔ نومبر ۱۹۰۹ء از حضرت مولانا نورالدینؓ)

(بقیہ آمد کا صفحہ ۲ سے آگے)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت ہزاروں راہب اور اہل کشف تھے جو حضورؐ کی آمد کی بشارت دیتے تھے لیکن جب معبوث ہوئے تو انہوں نے قبول نہ کیا۔ ایسے ہی پہلے یہ لوگ نصرت دین کے لئے ان کی آمد کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ عرب کے بعض ربانی علماء حضورؐ کی جلد آمد کی خبر دیتے تھے اور یہ کہ آسمان سے ایک نیا سلسلہ قائم ہونے کی بشارت دیتے تھے لیکن جب وہ نبیؐ آ گئے تو خود بینی اور تعصب نے اکثر کو ہلاک کر دیا۔ ان حالات میں دیکھنا یہ ہے کہ اس منصب امامت پر فائز ہونے والے کی شناخت کیا ہے جس سے وہ دوسرے اہل کشف و کرامات سے ممتاز ہو۔ وہ علامات درج ذیل ہیں

۱:۔ روحانی تربیت

امام کی روحانی تربیت کا اللہ تعالیٰ خود متولی ہوتا ہے اور دقیق سے دقیق اعتراضات کا خدا سے قوت پا کر ایسی عمدگی سے جواب دیتا ہے کہ جس کے ماننے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ یعنی بسطۃ فی العلم کا حامل ہوتا ہے (۲) اس کی اخلاقی قوت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ قرآنی معارف کے بیان میں بے مثال ہوتا ہے۔ اختلاف کی صورت میں حق اس کی طرف ہوتا ہے۔ آزمائشوں اور مصائب سے بے دل نہیں ہوتا اور اسے نصرت الٰہی حاصل رہتی ہے۔ اس کے صدق و وفا کی دعاؤں سے ملاء اعلیٰ میں ایک شور پڑ جاتا ہے۔

آپ کے علمی کارنامے:۔

آپ نے کم و بیش ۸۰ کتابیں لکھی ہیں۔ سورۃ فاتحہ کی تفسیر بے نظیر فرمائی ہے۔ براہین احمدیہ ایسی کتاب لکھی جس میں خدا کی توحید اور رسول صلعم کی نبوت کو مضبوط دلائل سے پیش کیا۔ ہزاروں روپے انعام رکھا کہ کوئی ان دلائل کو توڑے لیکن آج تک کوئی انعامی رقم کو حاصل نہ کر سکا۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب صاحب کے یہ جملے جو انہوں نے اپنی کتاب "تعلیمات اسلام" اور مسیحی اقوام" میں رقم کئے ہیں: "اس زمانہ میں دجالیت کے استیصال کے لئے چھوٹی موٹی روحانیت تو کیا بڑی ولایت بھی کافی نہ تھی۔ عام مجدد دین اور ارباب ولایت اپنی پوری روحانیت کی طاقتوں سے بھی اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکتے تھے جب تک کہ اس کے ساتھ نبوت کی پاور POWER شامل نہ ہو۔ تو پھر شکست دجالیت کی صورت بجز اس کے کیا ہو سکتی تھی کہ دجال اعظم کو نیست و نابود کرنے کے لئے ایک ایسا خاتم المجددین آئے جو خاتم النبیینؐ کی غیر معمولی قوت کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہو"، قابل غور ہیں۔

مندرجہ بالا عبارت میں بیان کردہ اوصاف کی حامل شخصیت حضرت مرزا صاحب ہی ہیں کیونکہ آپ کے علمی جواہر ریزے دلآویز، بصیرت افروز اور اخلاق پرور ہیں۔ آپ نے ہی مالی اور قالی دلائل سے اعلان کیا کہ آج زندہ خدا کو پانے کی راہ صرف زندہ اسلام ہے اور محمد صلعم ہی وہ زندہ رسول اور قرآن مجید وہ کتاب ہے، جن کی پیروی اور فیضان سے خدا کا وصال ہوتا ہے۔

آپ نے اپنے عقائد کے بارے میں مسجد دہلی میں اعلان فرمایا کہ "تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے۔ جو اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے، مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاءؐ کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا ہوں"۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی اس کتاب کو عصر حاضر کا ایک علمی شاہکار کہا ہے۔ حضرت اقدس کی تصنیف سراج منیر کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کتاب کے طبع کرنے کے اخراجات مسلمانوں نے مہیا نہ کئے تو ہم ان کے ہم عصر علماء اسلام کو بھی حضرت اقدس کے تبحر علمی کا اعتراف تھا۔ آپ نے نہ صرف علمی طور پر اسلام کا غلبہ ثابت کیا بلکہ عملی طور پر اسلام کو اپنانے کی تاکید کی۔ آپ نے فرمایا کہ مذہب کی جڑ سچائی ہے۔ آپ نے دعا پر زور دیا اور بتایا کہ دعا ایک مقناطیسی قوت ہے جو خدا کے فضل کو جذب کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ادعونی استجب لکم۔ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ آپ کو نماز کو توجہ اور خشوع و خضوع سے پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ یعنی عملاً بھی خدا سے تعلق کو مضبوط بنانے کی طرف رہنمائی کی ہے۔

حضور نے اتحاد بین المسلمین پر بڑا زور دیا ہے اور صرف کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو مسلمان کہلانے کے لئے کافی سمجھا ہے۔

آپ نے ایمان باللہ، ایمان بالرسالت، ایمان بالقرآن کو قدر مشترک قرار دیا ہے مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دی اور اشاعت دین اسلام کا جذبہ بیدار کیا جس کا آج ہر طرف چرچا ہے۔ آج مغرب کے مفکرین متاثر ہو کر لکھتے ہیں:۔

"اسلام مذہبی اور سیاسی طور پر دنیا میں ایک عظیم طاقت بن کر ابھرا ہے"

گویا حضرت اقدس کی تعلیمات سے یورپی اقوام میں بھی اسلام قبول ہوتا جا رہا ہے اور یہی بڑا کام ہے۔

جناب چوہدری فتح محمد عزیز صاحب گجرات کا خطاب

"جماعت احمدیہ لاہور کی امتیازی خصوصیات" کے موضوع پر چوہدری صاحب نے قرآن پاک کی آیت ماکان محمد ابا احد من رجالکم ــــــ شیء علیما۔ کی تلاوت کر کے فرمایا کہ جو گذارشات میں پیش کروں گا ممکن ہے زیادہ نئی اور مزیدار نہ ہوں۔ کیونکہ پیدائش سے لے کر آج تک ہم انہیں سنتے چلے آئے ہیں۔ میری معروضات ان لوگوں کے لئے ہونگی جو غیراز جماعت ہیں۔ جماعت احمدیہ لاہور یقیناً بعض خصوصیات میں تمام مسلمانوں سے منفرد ہے۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ جماعت حضرت رسول اکرم صلعم کی ختم نبوت پر بلا شرط ایمان رکھتی ہے۔ یہ الٹی بات کہہ رہا ہوں کہ یہ درست یقین ہی نہ کریں گے۔ کیونکہ ہم پر تو الزام آتا ہے۔ ہمیں سوسائٹی سے اس لئے کاٹا گیا ہے کہ اس جماعت کے افراد کا ایمان ختم نبوت پر نہیں ہے۔ مگر میں سٹیج پر کھڑا ہو کر کہتا ہوں کہ ہماری سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ ہے کہ ہم ختم نبوت پر کامل اور غیر مشروط ایمان رکھنے والے ہیں۔ ہم خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتے ہیں اور ہمارے دل گواہ ہیں کہ ہمارا ختم نبوت پر ایمان غیر مشروط ایمان ہے کسی اور مسلمان جماعت کا نہیں ہے یہ مسئلہ اس زمانہ کی پیداوار ہے اس لئے اس زمانہ میں اس مسئلہ نے بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے نبی کے آنے کی ضرورت کیا ہے؟ اور ختم نبوت سے مراد کیا ہے؟ قرآن پاک کی رُو سے اور عقلی لحاظ سے نبوت کیوں ختم ہو گئی ہے؟ انبیاء علیہم السلام کی غرض یہ تھی کہ دنیا کو اللہ کی ہدایت پہنچائیں۔ یہ خدا کی ربوبیت اور رحمانیت کا تقاضا تھا اور انسانوں کے نفوس کی تکمیل کے سامان بہم پہنچانا تھا۔ وہ انبیاء کے ذریعے ہدایات بھیجی جاتی رہیں اور حضرت آدمؑ سے لے کر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تک آتی رہیں۔ اور انبیاء کرام انسانی استعدادوں کے مطابق انسانوں کی تربیت فرماتے رہے۔ اور ہر شخص جو نبی ہوتا وہ صرف ایک قوم تک محدود ہوتا تھا۔ ہر آنے والا نبی مبعوث ہوتا تھا جبکہ ساری نسل انسانی کو ایک کنبہ بنانے کا وقت آ گیا تو ضروری ٹھہرا کہ ایک ہی پیغام ہو اور وہ پیغام ہر لحاظ سے مکمل اور تمام ہو۔ اور وہ پیغام حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر اترا۔ اور آپ کو حکم ہوا۔ کہ قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا اے انسانو میں تم سب کی طرف رسول ہوں۔ کافۃ للناس بھی فرمایا اور آپ کو رحمۃ للعالمین قرار دیا اور یہ نبوت تمام انسانوں تمام جہانوں اور تمام زمانوں کے لئے ہے۔ اب جو شخص مسلمان ہوگا وہ نہ صرف اپنے نبی پر ایمان لائے گا بلکہ وہ سابق انبیاء پر بھی ایمان لائے گا اور سابقہ کتب کو منزل من اللہ جانے گا جیسا کہ ارشاد ہے۔ یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے جس پر ایمان لانے کی ضرورت ہے۔ ورنہ من قبلک کے علاوہ من بعدک ضرور ہوتا۔

قرآن آخری وحی ہے اور نبی اکرم صلعم آخری نبی ہیں۔ کل اٰمن باللّٰہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ۔ تمام انبیاء کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے خواہ نوحؑ یا ابراہیمؑ یا موسیٰؑ یا عیسےٰؑ ہوں۔ لیکن حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر کامل نبی ہیں۔ آپ کی تعلیم مکمل ہے۔ دین مکمل ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اور یہ دین تمام صداقتوں کا حامل ہے بلکہ وہ اکمل صورت میں آگئیں اور اس کی حفاظت بھی خدا کے ذمہ ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک ۱۴۰۰ سال سے اب تک محفوظ ہے۔ نعمت مکمل اور پوری ہوچکی ہے اب کسی نئے نبی کی ضرورت بھی نہیں۔ اب نبی اکرم روحانی باپ ہیں اور آپ کی ابوت روحانی جاری ہے لیکن ابوت نسلی ختم ہوگئی کیونکہ آپ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔

روحانی سلسلہ میں آپ خاتم النبیین ہیں۔ اور آپکے بعد مسیح ناصری کی آمد کا مسئلہ حضرت مرزا صاحب نے خدا سے خبر پاکر کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت ہوگئے ہیں صاف کردیا۔ اور قرآن پاک کی تیس سے زائد آیات سے ثابت کردیا کہ حضرت مسیح ناصری فوت ہوگئے ہیں۔ وہ اب نہیں آسکتے۔ اور حضور صلعم ہی آخری نبی ہیں۔ ہدایت کامل ہوچکی ہے۔ اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔ کیونکہ کسی نبی کے آنے سے مہر نبوت ٹوٹتی ہے۔ دوسری طرف مسیح ابن مریم نبی تھے ان کی نبوت سلب کرنا بھی کفر ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ حضرت مسیح نبی ہوکر نہیں آئیں گے غلط ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے دلائل سے اس خیال کی تردید کی ہے کیونکہ خدا کا نبی کبھی کسی اور نبی کا اُمتی نہیں ہوسکتا۔ نبی اور اُمتی باہم متباتن اور ضدین ہیں۔ نبی براہِ راست نبوت حاصل کرتا ہے آئین میں ہمیں خاتم النبیین کا منکر قرار دینے سے پہلے نبی کی تعریف کرنا ضروری تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

نبی کی تعریف

نبی وہ ہے جو براہِ راست نبی ہو جو کسی کا تابع نہیں ہوتا۔ وہ مطاع ہوتا ہے وہ اپنی ہی پیروی کرتا ہے وہ کسی اور کی تعلیم کا پابند نہیں ہوتا۔ جب تک وہ سابقہ وحی میں ترمیم و تنسیخ نہ کرے اس پر عمل نہیں کرتا۔ جب تعلیم موجود ہو تو نبی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نبی کے لئے لازمی ہے۔ کہ وہ لوگوں تک اپنی نبوت پہنچائے۔ لہٰذا حضرت عیسٰےؑ کسی صورت میں واپس نہیں آئیں گے۔

مقرر موصوف نے حیرت کا اظہار کیا کہ ہم پر الزام ہے کہ ہم ختم نبوت کے قائل نہیں ہم تو نبی اکرمؐ کے بعد کسی نئے یا پرانے نبی کے آنے کے قائل نہیں۔ ہم تو احادیث کی تاویل کرتے ہیں جن میں نبی اللہ کا یا مسیح ابن مریم کا لفظ ہے۔ حضرت مسیح ابن مریم کی آمد کا پرچار تو خود کیا جاتا ہے اور ختم نبوت کا منکر ہمیں ٹھہرایا جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ تمام مسلمانوں میں سے ختم نبوت پر غیر مشروط ایمان صرف جماعت احمدیہ لاہور ہی رکھتی ہے۔

مقرر موصوف نے فرمایا کہ یہ روشنی کا زمانہ ہے آج سے نوے سال پہلے آپ یعنی حضرت مرزا صاحب کا صبح و شام مضامین۔ کتب غرضیکہ ہر چیز ریکارڈ ہوتی تھیں ان کے پیروکار خواندہ لوگ تھے۔ ان حالات میں مرزا صاحب کا مقام کیا تھا معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ریکارڈ موجود۔ ذہین عالم اور تعلیم موجود ہے۔

آپنے حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے۔

سمیت نبیًا من اللّٰہ علی وجہ المجاز لا علی وجہ الحقیقۃ اس لئے ہماری جماعت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ختم نبوت پر غیر مشروط ایمان رکھتی ہے۔

دوم مسئلہ کفر و اسلام

تکفیر بین المسلمین یا "کلمہ طیبہ کا" "یہ وہ کلمہ ہے جو تمام تفرقے ختم کردیتا ہے۔

گوجرانوالہ میں ایک مجلس ہوئی کہ مسلمانوں کے اندر اتحاد ہونا چاہیئے لیکن اتحاد کے لئے سب کے لئے مسلمہ تجویز پیش نہ ہوسکیں۔ لیکن حضرت اقدس نے یہ تجویز اتحاد بین المسلمین کے لئے دی ہے کہ جو شخص کلمہ طیبہ کا اقرار کرے وہ مسلمان ہے۔ اور دائرہ اسلام میں آجاتا ہے۔ اور تمام حقوق و فرائض کا حقدار ہوجاتا ہے جس کا کوئی مسلمان حقدار ہوتا ہے۔

سر فضل حسین مرحوم نے حضور سے آخری ملاقات کی اور پوچھا کہ آپ دوسرے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ آپنے جواب میں فرمایا کہ ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے۔ مولانا محمد علیؒ نے ایک دفعہ فرمایا ہم تو تمہارے اماموں کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار رہیں تم تو خود ہم سے نفرت کرتے ہو اور خاتم النبیین کے اور کلمہ کے منکر کہتے ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے

اسلامی معاشرہ

جناب مرزا محمد لطیف شاہد صاحب نے "اسلامی معاشرہ" کے موضوع پر قرآنی آیت تبارک الذی جعل فی السماء بروجًا ۔۔۔۔۔ انھا سآءت مستقرًا ومقامًا کی تلاوت سے شروع کیا۔ آپنے اسلام کے لغوی معنے خالص۔ پاک۔ بےعیب۔ صلح وامان اور سلامتی بتائے۔ اور لفظ معاشرہ کی تشریح میں بتایا کہ یہ عربی زبان کے باب مفاعلۃ سے ہے اور اس باب کا خاصہ ہے کہ اس میں فریقین کی شرکت ضروری ہوتی ہے اس لئے اسلامی معاشرہ سے مراد ہے کہ " اسلام کی وہ ہدایات یا تعلیم جو اس نے اجتماعی زندگی گذارنے کے متعلق دی ہے۔ اس پر عمل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا معاشرہ۔

مقرر موصوف نے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی موجودہ حالت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ آج اس معاشرے کی برائیاں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ اس کو اسلامی معاشرہ کہنا خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ جن مفاسد کو اسلام مٹانے آیا تھا وہ یہاں زندگی کا معمول بن چکی ہیں یعنی قتل و غارت گری۔ بداخلاقی۔ بدعات و سیآت کا بازار گرم ہے۔ اور حد یہ ہے کہ مسلمان ممالک آپس میں ہی دست و گریبان ہیں۔ ان کے باہمی کشت و خون کے حالات پڑھ کر شرم آنے لگتی ہے۔

مقرر موصوف نے دانشوروں کے حوالہ سے بتایا کہ وہ کہتے ہیں "اخلاق سے عاری ملک اس وقت ہر اس برائی میں مبتلا ہے جو نظام عصبی کے لئے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہے اس سے بڑھ کر اور کیا برائی ہوگی کہ انسان انسان سے محبت نہیں کرتا۔ عزت نہیں کرتا۔۔۔۔ باہمی اعتماد اور ایک دوسرے کی خدمت کا تصور بھی ختم ہوگیا ہے۔ آپنے مزید کہا کہ کچھ لوگ درد دل کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

جی تو چاہتا ہے سچ بولیں + کیا کریں حوصلہ نہیں ہوتا
رات کا انتظار کون کرے + آجکل دن میں کیا نہیں ہوتا

یہ تو عامۃ الناس کی حالت ہے۔ اس معاشرہ میں علماء کا کردار کیا ہے؟ اس بارے میں ماہنامہ چٹان لاہور ۲۳ جون ۱۹۷۵ء کے حوالے سے بتایا کہ " مدیر چٹان نے معاشرہ ڈوب رہا ہے۔ کا انتباہ کرتے ہوئے اس کا مختصر سا نقشہ کھینچتے ہوئے علماء سے ایک سوال کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

" دوسرا سوال علمائے کرام سے ہے جن کے شب و روز نے معاشرہ کو خدا کے خوف سے محروم کردیا ہے۔ ہمارے علمائے کرام تو دین کی آڑ میں سیاست کے رسیا ہوکر رہ گئے ہیں یہ لیل و نہار ہے تو یہ معاشرہ ڈوب کر رہے گا۔ ہم نے ایک مرنے والی قوم کی تمام نشانیاں اختیار کرلی ہیں۔"

ایک اور صاحب نے لکھا ہے:۔

ء جلسہ سیرت میں جھگڑے عالمانِ دین حق + دل میں تھا بغض و نفاق لب پہ نام مصطفٰےؐ
بزم کفر و شرک میں اسکی ہنسی اڑتی رہی + کس قدر مسجد میں تھا پاس پیام مصطفٰےؐ

مقرر موصوف نے ان مایوس کن حالات میں اسلامی معاشرہ کے امتیازی اوصاف کو اپنانے پر زور دیا اور ان اوصاف کی یوں تشریح کی۔

اسلام ایک عالمگیر دین ہے۔ اس کا تعلق قوم۔ ملک رنگ و نسل سے نہیں ہے۔ اور اسلامی سوسائٹی میں داخل ہونے کے لئے پہلا قدم کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور رسول اکرم صلعم کی نبوت کا اقرار کر لینا ہی مسلم معاشرے کا رکن بننے کے لئے کافی ہے۔ اور علمائے اسلام نے مسلمان کی شرعی تعریف یہ کی ہے

"اسلام کا اصطلاحی شرعی مفہوم اظہار اطاعت و تسلیم اور حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت سے تمسک ہے۔"

آپ نے بتایا کہ اسلامی معاشرت انسان کو مہذب بناتی ہے اور گنوارپن دور کرتی ہے۔ حضور صلعم نے فرمایا ہے بازار میں کھلے ہتھیار لے کر نہ چلیں۔ فحش کلامی نہ کریں۔ کسی کے گھر بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ گھر میں اونچی کلام نہ کریں۔ جس سے پڑوسیوں کو تکلیف ہو۔ اسی طرح عجمی طور طریقے اپنانے سے روکا ہے۔ سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے اور مردوں کو ریشمی لباس کے استعمال سے منع فرمایا اور کردار کی تعمیر اور باطنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے پر بڑا زور دیا ہے۔

فاضل مقرر نے بتایا کہ اسلام نے اسلامی معاشرہ کو حقیقی کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ہدایات دی ہیں۔ چنانچہ ماں باپ کا مقام بیان کیا ہے یعنی اللہ تعالےٰ سے شرک کے بعد بڑا گناہ ماں باپ کی نافرمانی ہے۔ بچوں کے اکرام کا بھی حکم ہے۔ پڑوسیوں کے حقوق متعین کئے ہیں اسلامی معاشرہ کو درج ذیل خصائص دیگر معاشروں سے ممتاز کرتے ہیں

۱:۔ مساوات:۔ رنگ و نسل۔ قبیلہ ذات کو ترک کر کے صرف تقوٰی کو فضیلت کا معیار مقرر کیا ہے۔

۲:۔ بنیادی ضروریاتِ زندگی میں سب برابر ہیں۔

۳:۔ انسانی حاکمیت کی جگہ خدا تعالےٰ کی حاکمیت قائم کر کے سب انسانوں کو عدل و انصاف کی سہولت مہیا کی ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے مذہبی رواداری اور آزادیٔ ضمیر کا اعلان کیا دوسرے اہلِ مذاہب کی عبادت گاہوں کا تحفظ کیا۔ اسلام نے داخلی طور پر جذبۂ اخوت اسلامی پر بڑا زور دیا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم صلعم نے مدینہ میں مواخات قائم کی اور انصار و مہاجرین کو بھائی بھائی بنا دیا۔ تو انہوں نے یعنی انصار نے اپنا آدھا آدھا مال اپنے مہاجر بھائیوں کو پیش کر دیا۔

حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کے موقعہ پر آخری خطاب فرماتے ہوئے فرمایا تھا۔ اسلام ہر مسلمان کو ضمانت دیتا ہے کہ اس کی جان۔ مال۔ آبرو اسی طرح قابل احترام ہے جس طرح آج کا دن۔ آج کا مہینہ اور یہ شہر محترم ہے۔ اپنے غلاموں اور ملازموں سے عمدہ سلوک کرو۔ عورتوں کے ساتھ بہتر برتاؤ کرو کیونکہ ان کے تم پر حقوق ہیں اور تمہارے ان پر حقوق ہیں۔

فاضل مقرر نے وضاحت کی کہ اسلامی معاشرہ آج اگر پیدا ہوگا تو جیسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمدہ نمونہ سے پیدا کیا تھا ویسے ہی حضورؐ کے غلام مجدد صد چہاردہم کی پاکیزہ تعلیم۔ اطاعت اور فرمانبرداری کے نتیجہ میں پیدا ہوگا۔

(باقی آئندہ)

* * *

حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کا سالمیتِ پاکستان کے بارے میں ارشاد

"ہم سب مسلمان ایک خدا، ایک کتاب، اور ایک رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہم سب کو مل کر ایک قوم ہونا چاہیئے۔ جب تک ہم متحد ہیں سربلند اور طاقتور ہیں۔ اگر متحد نہیں تو کمزور و خوار ہونگے۔"

۱۷۔ اپریل ۱۹۴۸ء کو گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں قبائلی جرگہ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"دیکھیئے ہم مسلمان اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر چلنے ہیں ہم سب اسلامی اخوت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اس اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ حقوق، عزت اور مرتبہ میں سب برابر ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر اتحاد کا ایک خاص اور گہرا احساس پایا جاتا ہے نہ صرف یہ کہ ہم میں سے اکثر مسلمان ہیں بلکہ ہماری اپنی تاریخ ہے، رسمیں ہیں اور رسمیں ہیں اور احساسِ شعور ہے ہمارے سوچنے سمجھنے کے طریق ہیں۔ ہمارا اپنا نقطہ نظر ہے۔۔۔۔ ہم سب ایک خدا ایک کتاب اور ایک رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہم سب کو مل کر ایک قوم ہونا چاہیے آپ نے ایک پرانا قول سنا ہوگا کہ اتحاد میں قوت ہے، جب تک ہم متحد ہیں سربلند اور طاقتور ہیں اگر متحد نہیں تو کمزور اور خوار ہونگے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان حتی الامکان یہ کوشش کرے کہ آپس میں کامل اتحاد و اتفاق پیدا ہو۔"

* * *

جالینوس کے قلم سے۔

رضائے الٰہی کی راہیں

★ دنیا کی چمک دمک، جاہ و جلال اور مال و اسباب بعض دفعہ قلب انسانی پر اس قدر اثر انداز ہوتے ہیں کہ وہ ان میں کھو کر اپنے خالق اور مالک اور اصل رازق کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ وہ یہ یکسر بھلا دیتا ہے کہ اسکی پیدائش کی غرض و غایت کیا ہے اور اس کے ذمہ کیا کیا فرائض ہیں۔ جن کو وہ بھولتا چلا جا رہا ہے۔ وہ گناہ کی لذتوں میں گم ہو کر ان حالات میں درجہ بدرجہ بہتا چلا جاتا ہے۔ جو بالآخر اس سے منکرات اور فواحش کا ارتکاب کرا دیتے ہیں۔ اور اسوقت نہ وہ حقیقت کو دیکھتا ہے۔ نہ سچائی کو سنتا ہے اور نہ حق و صداقت کی عظمت کو سوچنے کی اہلیت پاتا ہے۔ اور گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا اور ضلالت کی گہرائی میں غوطے کھانے لگ جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"ان کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں ہیں۔ ان کے کان ہیں مگر وہ اُن سے سنتے نہیں ہیں۔ وہ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کے ذکر سے غافل ہیں" (الاعراف: ۱۷۹)

★ اس کے بالمقابل بعض لوگ جو اپنے پروردگار کے خاص بندے ہوتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں۔ اس کی عطا کردہ قوتوں۔ اور اس کے ودیعت کئے ہوئے اعضاء اور حواس کو جائز جگہ پر استعمال کرتے ہیں۔ اور ہر دم اپنے رازق اور خالق کے احکامات کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ اور وہ خیر و شر میں۔ فلاح اور ناکامی میں اور دُنیا و آخرت میں خوب فرق جانتے ہیں اور انہیں خوب علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے احکامات مختلف اوقات میں بیشتر انبیاء کے ذریعے بنی آدم کے لئے نازل فرمائے ہیں ان کا مقصد کیا ہے۔ اور جن انبیاء کی تعلیم و تبلیغ کے لئے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ان کے نقوشِ قدم پر چلے اور وہ نیکی کی تلقین کرتے رہے۔ برائی سے روکتے رہے اور ہر آن اور ہر لحظہ اپنے خدا کی خوشنودی کے تابع رہے۔ انہی لوگوں کے متعلق قرآن کریم میں ان کی شان بیان کی گئی ہے۔

"اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیئے جو بھلائی کی طرف دعوت دے اور نیکی کی تلقین کرتی رہے۔ اور بُری باتوں سے روکتی رہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہوں گے" (آل عمران ۱۰۴)

★ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و فہم اس لئے عطا کیا ہے کہ وہ خیر و شر میں اور اچھے اور بُرے میں تمیز کر سکے مگر انسان جانتے بوجھتے سیدھا اور اچھا راستہ چھوڑ کر گناہ کی گندگی میں محض نفسانی خواہشات کا غلام بن کر پھنس جاتا ہے اور ان افعال سے جو اس سے سرزد ہو رہے ہوتے ہیں بالکل اندھا ہو جاتا ہے۔ اور وہی دنیا جو اس کے لئے عبرت کا مقام ہے جس سے اُسے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور جس کی برائیوں کو دور کرنے کے لئے اسے اس گروہ کا ساتھ دینا چاہیئے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اس کے بجائے وہ دنیا کی چکا چوند سے اندھا ہو کر ان وادیوں میں بھٹکتا رہتا ہے جو اسے اس کے پروردگار سے۔ اس کی رضامندی سے اس کی خوشنودی سے۔ اس کے پیار سے دُور لے جاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"جو لوگ آخرت کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے ہم ان کے اعمال کی خوبصورتیاں ان کو دکھاتے ہیں تو وہ ان میں ہی بھٹکنے لگ جاتے ہیں" (النحل: ۴)

پھر فرمایا۔

"پس کیا جسے اس کا بُرا کام خوبصورت دکھائی دیتا ہے وہ اسے اپنے لئے بہتر سمجھتا ہے۔ پس یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے جس کو چاہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ پس تیرا دل ان لوگوں کی حالت پر افسوس نہ کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ حرکتیں کر رہے ہیں" (الفاطر: ۸)

★ ایسے لوگ جو خدا کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور جو مختصر سی زندگی اس نے عطا کی ہے۔ بجائے اس میں کوئی اچھے کام کرنے کے، عبرت کا سبق سیکھنے کے، اور اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے محفوظ رکھنے کے لئے جو ایسے نافرمان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے وہ خدا کی آواز کی طرف نہیں آتے اور دنیا کی دلدل میں پیہم دھنستے چلے جاتے ہیں وہ آخر کار اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد بنتے ہیں۔ اور جزا و سزا کے دن تو ان کے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو گی۔ کلام پاک میں ایسے لوگوں کے بارے میں آتا ہے:۔

"جو ہمارے ذکر سے منہ پھیرے گا اس کے لئے زندگی تنگ و تاریک ہو جائے گی اور ہم اسے روز قیامت اندھا اُٹھائیں گے اور وہ سوال کرے گا کہ اے میرے مولا! مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہے میں تو اچھا بھلا دیکھنے والا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔ تیرے پاس ہمارے واضح نشانات آئے تو تو نے انھیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا گیا ہے۔ اور جو شخص زیادتی کی راہ پر چلتا ہے اور اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتا ہم اس کا یہی حشر کیا کرتے ہیں۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت سخت اور تا دیر قائم رہنے والا ہے" (سورۃ طٰہٰ ۱۲۴۔۱۲۷)

★ اور اس امر کو وہ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ جن کے گھر اموال اور اسباب سے بھرے ہوتے ہیں سامانِ تعیش اور آرائش و زینت کی چیزوں کی کمی نہیں ہوتی پیسے کی ریل پیل ہوتی ہے۔ عیاشی کے تمام سامان موجود ہوتے ہیں۔ مگر ان سب کے باوجود ان کے دل بے چینی اور گھبراہٹ سے لبریز ہوتے ہیں۔ انہیں دماغی اور قلبی سکون اور چین ایک پل کو نصیب نہیں ہوتا۔ اور وہ مختلف عوارض جسمانی اور روحانی میں اپنے آپ کو مبتلا پاتے ہیں۔

کاش وہ اس سے واقف ہو جائیں کہ انسان کوئی جانور نہیں ہیں کہ صرف خواہشات نفسانی کا محتاج ہو۔ اور اس کا مقصد صرف کھانا اور پینا اور لباس اور اشیائے زینت سے اپنے گھروں کو بھرنا ہو۔ یہ تو صرف انسان کی جسمانی اور دنیاوی ضروریات ہیں اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کو جسم دیا ہے اس طرح اسے روح عطا کی ہے۔ اور جس طرح جسم کی بعض حاجات ہیں ایسے ہی رُوح کی بھی بعض حاجات ہیں جن کو پورا کرنا بھی اس کا فرض بنتا ہے۔ اور اس رُوح کی پاکیزگی اور بلند مقام کے لئے بھی بعض لوازمات ہیں جسے پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

اس رُوح کی پاکیزگی کے لئے خوراک کہاں سے آئے اس کے تین ذرائع بتلائے گئے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

اول :۔ سب سے پہلے رُوح کی پاکیزگی کے لئے خوراک مہیا کرنے کا منبع قرآن کریم ہے جیسے آنحضرت صلعم کا فرمان ہے۔ "قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا دسترخوان ہے

پس اسکے دسترخوان سے سبق سیکھو "

دوئم :۔ جس ذاتِ اقدس پر یہ قرآن کریم نازل ہوا اس کی زندگی اور حیاتِ مقدسہ کے ایک ایک لمحہ کو اپنے لئے مشعل راہ بناؤ۔ فرمایا :۔

" اور تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں پاک نمونہ موجود ہے "

سوئم :۔ تیسرا ذریعہ اس سے آگے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا ہے۔

" تم پر لازم ہے کہ تم عمل کرو میری سُنّت پر اور میرے خلفا کی سنت پر جو سب کے سب ہدایت یافتہ ہیں "

اور فرمایا :۔ " میرے ساتھی ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پا جاؤ گے "

* درحقیقت مندرجہ بالا تینوں امور کا اصل تو قرآن کریم کا وہ نُور ہے جسے ہدایت اور روشنی کے ساتھ خدا نے بنی آدم کے لئے اپنے فضل سے نازل فرمایا کیونکہ رسول صلعم نے، صحابہ کرامؓ نے اور بعد میں آنے والے اولیاء ابدال و اقطاب نے۔ محدثین مجددین۔ اولیائے امت نے، سب نے ہی قرآن کریم کو اپنا راہنما مانا اور اسی پر ہی عمل کیا ہے اور قرآن کریم ہی وہ شمع روشن ہے جس کے ذریعہ تمام کائنات روشن ہوئی۔ اور اس کتاب کے نور اور علم سے عقول و قلوب میں زندگی اور حیاتِ تازہ پیدا ہوتی ہے۔

* بصیرت کو کون روشنی بخشتا ہے۔ قلوب کو اطمینان کی نعمت سے کون مالا مال کرتا ہے۔ عقلوں کی صحیح راہ پر رہنمائی کون کرتا ہے۔ یہ صرف اور صرف خدا کا کلام ہے جس کے متعلق خدا تعالےٰ نے خود فرمایا ہے۔

ا :۔ " اے لوگو تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے۔ اور تم پر ہم نے بہت واضح نور کو نازل کیا ہے " (النساء ۱۷۴)

ب :۔ " اور اس طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے رُوح کو نازل کیا۔ تجھے کیا خبر تھی کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اسے ایسا نور بنایا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کی طرف لاتے ہیں۔ (الشوریٰ ۵۲)

ج :۔ " یاد رکھو کہ خدا کے ذکر (قرآن کریم) کے ذریعہ ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے "

* جو لوگ خدا تعالےٰ کے بیان کردہ مندرجہ بالا طریقوں پر چل کر اپنی زندگیوں کو سنوارتے ہیں ان کے لئے اُخروی زندگی میں تو انعامات کے وعدے دیئے گئے ہیں مگر اس دنیا میں بھی کشائش اور فراخی کے وعدے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ ایسے لوگوں پر اپنے ہر قسم کے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے۔ فرماتا ہے :۔

" اور جو خدا تعالےٰ کے لئے تقویٰ کی راہوں پر چلے گا۔ خدا تعالےٰ خود اسکے لئے سامان پیدا فرمائے گا اور اسکو ان ذرائع سے رزق عطا فرمائے گا جن کا وہ وہم و گمان بھی نہیں کرسکتا۔ اور جو شخص اللہ تعالےٰ پر کامل بھروسہ رکھتا ہو تو وہ خود بھی اس کا ہو جاتا ہے " (الطلاق : ۲۔۳)

اس جگہ پر ایک شرط اور ایک جزا بیان کی گئی ہے۔ وھو ھذا :

شرط :۔ اللہ تعالےٰ کا تقویٰ :۔ جس میں اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اسکے احکامات کی مکمل تابعداری، اس کے منع کئے گئے راستوں سے کنارہ کش ہونا۔ اس کی رضا کی راہوں پر گامزن ہونا۔ اور اسکی ناراضگی کی باتوں سے کوسوں دور بھاگنا شامل ہیں جب انسان ایسے طریقہ زندگی کو اپنائے گا تو یہ عناصر انسان کی رُوح کے لئے وہی کام کریں گے جو پانی اور ہوا انسان کے جسم کے لئے کرتے ہیں۔ جیسے جسم کو پانی اور ہوا سے تقویت اور غذائیت پہنچتی ہے۔ ایسے ہی ان امور سے اس کی رُوح کو پاکیزگی اور تر و تازگی ملے گی۔ اور پھر ایسے لوگوں کو یہ بھی وعدہ دیا گیا ہے کہ خدا ہر آن اُن کے ساتھ ہوگا۔ فرمایا

" یقیناً اللہ تعالےٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور وہ لوگ جو احسان کرتے ہیں۔ (النحل ۱۲۸)

جزاء :۔ تقویٰ اور اطاعت الہیٰ کے نتیجہ میں یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ متقیوں کو خدا تعالےٰ ایسے ذرائع سے رزق عطا فرماتا ہے جو اُن کے وہم میں کبھی نہیں آ سکتے۔ یعنی جہاں سے حاصل کرنے کی وہ قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہی اس ذریعہ سے انہیں اُمید ہوتی ہے بلکہ غیب سے سامان ہوتے ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے حضرت مریمؑ کے ذکر میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے :۔

" جب کبھی حضرت زکریا (حضرت مریم کے پاس) ان کے پاس محراب میں آتے تھے تو ان کے پاس رزق موجود پاتے تھے۔ تو پوچھتے تھے اے مریم یہ سب کچھ کہاں سے آیا ؟ تو آپ فرماتیں یہ سب کچھ خدا نے دیا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جسے چاہے بغیر حساب کے رزق عطا فرماتا ہے۔ (آل عمران ۳۷)

پس اگر ہم خدا کی خوشنودی اور رضا کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور رُوح کی نشو و نما اور پاکیزگی اور تقویت کے خواہش مند ہیں تو ہمیں تقویٰ اور توکل کی راہ پر گامزن ہو کر اس پر ثابت قدم رہنا ہوگا۔ کیونکہ اسی طریق کو خدا تعالےٰ نے طریق صواب بتلایا ہے۔ اور ساتھ ہی دُنیا اور آخرت کے رزق کا ایک ذریعہ بیان فرمایا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

—— ••• ——

ھدیۂ نعت

تیرے منہ کی ہے قسم میرے پیارے احمدؐ
تیری خاطر سے یہ سب بار اُٹھایا ہم نے

تیری اُلفت سے ہے معمور میرا ہر ذرّہ
اپنے سینہ میں یہ اِک شہر بسایا ہم نے

صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجّت پامال !
سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے

نُور دکھلا کے ترا سب کو کیا ملزم و خوار
سب کا دل آتشِ سوزاں میں جلایا ہم نے

نقشِ ہستی تیری اُلفت سے مٹایا ہم نے
اپنا ہر ذرّہ تری راہ میں اُڑایا ہم نے

تیرا میخانہ جو اِک مرجعِ عالم دیکھا
خُم کا خُم مُنہ سے بصدِ حرص لگایا ہم نے

(حضرت مجدد صدِ چہاردہم)

باہتمام ریاض حسین الحدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۸۳ء - جلد ۷۰ شمارہ (۲)

جلد:- ۷۰ یوم چہار شنبہ ۴/۱۱ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹/۲۶ جنوری ۱۹۸۳ء شمارہ ۳/۴

ملفوظات حضرت مجدد صد چہار دہم

انسان کا اعلےٰ کمال خدا تعالےٰ کا وصال ہے

اگرچہ مختلف الطبائع انسان اپنی کوتاہ فہمی یا پست ہمتی سے مختلف طور کے مدعا اپنی زندگی کے لئے ٹھہراتے ہیں اور فقط دنیا کے مقاصد اور آرزوؤں تک چل کر ٹھہر جاتے ہیں مگر وہ مدعا جو خدا تعالےٰ اپنے پاک کلام میں بیان فرماتا ہے یہ ہے وما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون یعنی میں نے جنّ اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے پہچانیں اور میری پرستش کریں۔ پس اس آیت کی رُو سے اصل مدعا انسان کی زندگی کا خُدا کی پرستش اور خدا کی معرفت اور خدا کے لئے ہو جانا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو وہ مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اپنی زندگی کا مدعا اپنے اختیار سے آپ مقرر کرے کیونکہ انسان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ ہی اپنی مرضی سے واپس جائے گا بلکہ وہ ایک مخلوق ہے اور جس نے اُسے پیدا کیا اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلےٰ قوٰی اس کو عنایت کئے اس نے انسان کی زندگی کا ایک مدعا ٹھہرا رکھا ہے۔ خواہ کوئی انسان اس مدعا کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر انسان کی پیدائش کا مدعا بلاشبہ خُدا کی پرستش اور خدا کی معرفت اور خدا میں فنا ہو جانا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ ذالک الدین القیم فطرۃ اللہ الّتی فطر الناس علیھا۔ یعنی وہ دین جس میں خدا کی معرفت صحیح اور اس کی پرستش احسن طور پر ہے وہ اسلام ہے اور اسلام انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے۔ اور خُدا نے انسان کو اسلام پر پیدا کیا اور اسلام کے لئے پیدا کیا ہے۔ یعنی یہ چاہا ہے کہ انسان اپنے تمام قوٰی کے ساتھ اس کی پرستش اور اطاعت اور محبت میں لگ جائے

اسی وجہ سے اس قادر کریم نے انسان کو تمام قوٰی اسلام کے مناسب حال عطا کئے ہیں ان آیتوں کی تفصیل بہت بڑی ہے۔ اب ہم مختصر طور پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کو جو کچھ اندرونی اور بیرونی قوٰی دیئے گئے ہیں یا جو کچھ قوتیں عنایت ہوئی ہیں اصل مقصد اُن سے خدا کی معرفت اور خدا کی پرستش اور خدا کی محبّت ہے۔

سچی خوشحالی کا حصول

انسان دُنیا میں ہزاروں شغلوں کو اختیار کر کے پھر بھی بجز خدا کے اپنی سچی خوشحالی کسی میں نہیں پاتا۔ بڑا دولت مند ہو کر، بڑا عہدہ پا کر، بڑا تاجر بن کر بڑی بادشاہی تک پہنچ کر، بڑا فلاسفر کہلا کر آخر ان دنیوی گرفتاریوں سے بڑی حسرت کے ساتھ جاتا ہے اور ہمیشہ دل اس کا دنیا کے استغراق سے اس کو ملزم کرتا رہتا ہے۔ اور اس کے مکروں اور فریبوں اور ناجائز کاموں میں کبھی اس کا کانشنس اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ ایک دانا انسان اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس چیز کے قوٰی ایک اعلےٰ سے اعلےٰ کام کر سکتے ہیں اور پھر آگے جا کر ٹھہر جاتے ہیں وہی اعلےٰ کام اس کی پیدائش کی علتِ غائی سمجھی جاتی ہے۔

* * *

ارشادِ باری تعالےٰ :-

"اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں"

مکرم جناب چوہدری ریاض احمد صاحب

صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور

کا مکتوب

معزز احباب سلسلہ و قابلِ احترام خواتین احمدیہ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امسال مقامی جماعت احمدیہ لاہور کی جنرل باڈی نے اس عاجز کو صدارت کے عہدے کے لئے منتخب کیا جس کے لئے میں سب احباب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں ناچیز اپنے آپ کو اس اہل نہیں سمجھتا لیکن چونکہ یہ ذمہ داری مجھ پر ڈال ہی دی گئی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے مجھے اسے نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

مقامی جماعت احمدیہ لاہور ایک بڑی فعال جماعت ہے جس میں دین کی خدمت کا جذبہ روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ امید کرتا ہوں کہ آپ سب کے تعاون سے انشاء اللہ اس سال ہم اپنے پروگراموں کو بہتر طور پر عملی جامہ پہنا سکیں گے۔ پورے سال کا پروگرام حسب ذیل مرتب کیا گیا ہے۔ اگر آپ کے خیال میں اس سے بہتر کوئی تجویز قابل عمل ہو تو اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

۱۔ رابطہ اجلاس نمبر ۱

مسجد دارالسلام میں مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارک بوقت ½۱۰ بجے صبح ایک اجلاس کا اہتمام کیا جائے گا جس میں حضرت امیر قوم احباب جماعت سے خطاب فرمائیں گے اجلاس کے بعد احباب کی خدمت میں ظہرانہ پیش کیا جائے گا اور اس اجلاس میں شامل ہونے کے لئے دور سے آنے والے احباب کو کرایہ آمد و رفت دیا جائے گا۔ ایک کارڈ چھپوایا جائے جس کی CONTRIBUTION کے لئے -/۲ روپے فی فرد مقرر کئے جائیں۔ کھانا کھانے کے لئے صرف وہی احباب شامل ہو سکتے ہیں جن کے پاس یہ کارڈ ہو۔

۲۔ رابطہ اجلاس نمبر ۲

لاہور چھاؤنی میں ۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء بروز بدھ کو رکھا جائے اور اس اجلاس کے لئے سید سلطان علی شاہ صاحب سے گفتگو کی جائے۔

۳۔ رابطہ اجلاس نمبر ۳: مسجد مسلم ٹاؤن میں ۲۲۔ اپریل بروز جمعۃ المبارک منعقد ہوگا نمازِ جمعہ کے بعد احباب کی خدمت میں چائے اور بسکٹ پیش کئے جائیں گے۔

۴۔ رابطہ اجلاس نمبر ۴ مسجد احمدیہ بلڈنگس میں ۲۶ مئی ۸۳ء بروز جمعرات بوقت ۵ بجے شام منعقد ہوگا۔ اول یوم مسیح موعود منایا جائیگا بعد ازاں چائے اور دیگر مشروبات پیش خدمت ہونگے۔

۵۔ رابطہ اجلاس نمبر ۵ کوٹھی گلبرگ میاں فضل احمد صاحب میں ۱۱ ستمبر بروز اتوار بوقت ۵ بجے شام منعقد ہوگا۔

۶۔ رابطہ اجلاس نمبر ۶، ۱۳ اکتوبر ۸۳ء بروز جمعرات بوقت ۵ بجے شام مسجد دارالسلام میں ہوگا۔ یوم محمد علیؒ منایا جائیگا اور بعد ازاں کھانا پیش کیا جائیگا۔

۷۔ رابطہ اجلاس نمبر ۷ مسجد دارالسلام میں ۱۴ نومبر ۸۳ء بروز سوموار منعقد ہوگا۔

۸۔ " " " نمبر ۸ " " " ۱۷ دسمبر ۸۳ء بروز ہفتہ منعقد ہوگا۔

درس قرآن مجید

محترم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب ہر سوموار کو مسجد دارالسلام میں درس قرآن مجید دیتے ہیں۔ ہمارے محترم بزرگ جناب فاروقی صاحب اپنے قیمتی وقت میں سے ہر ہفتہ ایک گھنٹہ ہمارے لئے نکالتے ہیں۔ ہمیں ان کا حد درجہ شکر گذار ہونا چاہیئے شکرگذاری کے اظہار کا بہترین طریق یہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس درس میں شامل ہو کر اپنی عاقبت سنواریں اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو عملی طور پر پورا کر کے دکھائیں۔

بچوں کا پروگرام

ہمارے نونہال جس دلچسپی سے اس پروگرام کو پسند کرتے اور اس میں حصہ لیتے ہیں یہ بات ہمارے لئے باعث اطمینان ہے۔ ہمارے محترم مرزا محمد لطیف صاحب نہایت ہی دلکش انداز میں بچوں کو سیرت النبیؐ اور حضرت مجدد زماں کی زندگی کے واقعات کو بچوں کے ذہن نشین کراتے ہیں۔ آیئے ہم کوشش کریں کہ ہمارے سب بچے اس میں شامل ہو کر اپنے دینی شعور کو اجاگر کریں۔ یہی ایک طریق ہے کہ ہمارے موجودہ حالات اور زمانے کی جملہ خرافات سے اپنے تئیں بچا سکیں۔ یہ پروگرام مہینہ میں صرف ایک بار ہوتا ہے، جسے اب دو یا تین بار ہونا چاہیئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس بارہ میں اپنی تجاویز لکھ کر بھیجیں۔

محمد علی میموریل ڈسپنسری

محمد علی میموریل ڈسپنسری آپ لوگوں کے عطیات اور مرکزی انجمن کی امداد سے چل رہی ہے۔ ڈسپنسری ہر روز دو گھنٹہ کے لئے کھلی رہتی ہے جس میں ایک مستند ڈاکٹر صاحب خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ گذشتہ چھ ماہ کے دوران مریضوں کی تعداد اوسطاً ۵ سے ۶ تک رہی، اخراجات کے لحاظ سے مریضوں کی تعداد حوصلہ شکن ہے۔ ہماری تجویز کردہ پلان برائے میڈیکل سنٹر مرکزی انجمن نے ناقابل عمل قرار دیدی ہے۔ لہٰذا مقامی جماعت کی مجلس انتظامیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ موجودہ ڈسپنسری کا انتظام ختم کر دیا جائے اور اسے پہلی شکل پر دوبارہ چلنے دیا جائے جس میں ڈاکٹر کی بجائے ماسٹر اصغر علی صاحب کو انچارج بنا دیا جائے۔ امید ہے آپ اس سے اتفاق کریں گے۔ بصورت دیگر اپنی مفید آراء سے آگاہ کریں مشکور ہوں گا۔

تجدید بیعت

بیعت فارم آپ تک پہنچ چکا ہوگا۔ براہ کرم اسے پہلی فرصت میں پُر کر کے دفتر مقامی جماعت میں جمع کروا دیں۔ نیز ۱۵ سال سے کم عمر کے تمام بچوں اور بچیوں کے کوائف بمعہ عمر فارم پر درج کر کے ساتھ لف کر دیں۔

والسلام۔ (چوہدری) ریاض احمد

سالانہ رپورٹ ۱۹۸۲ء

یہ رپورٹ جلسہ سالانہ ۸۲ء میں پیش کی گئی تھی اور طبع کروا کر تقسیم بھی کی گئی تھی اگر کسی دوست کو نہ ملی ہو تو ایک کارڈ لکھ کر حاصل کر سکتا ہے۔

دفتر معتمد اشاعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

ایک وفات:۔ علی پور ضلع مظفر گڑھ سے مکرم ظہور احمد صاحب ولد قاضی نذیر محمد صاحب مرحوم یہ افسوسناک اطلاع دیتے ہیں کہ ہماری والدہ رضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں مرحومہ بہت نیک اور پابند صوم وصلوٰۃ تھیں۔ احباب سلسلہ سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

— *** —

مصائب کا فلسفہ

خطبہ جمعہ مورخہ ۲۸؍۱؍۸۳ فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ بمقام جامع دارالسلام ۔ ۵۔ عثمان بلاک ۔ نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ الحدید کی آیات ۲۰ تا ۲۳ " اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب و لھو و زینۃ و تفاخر بینکم و تکاثر فی الاموال والاولاد ۔۔۔۔ واللہ لا یحب کل مختال فخور " تلاوت کیں اور ان کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ناپائیداری۔ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لانے والوں اور اس سے مغفرت طلب کرنے والوں کے لئے جنت، انفرادی اور اجتماعی مصائب کے نزول کا ذکر فرمایا ہے۔ آیت ۲۰ میں دنیا کی زندگی کے ناپائیدار اور عارضی ہونے کی طرف انسانوں کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ جان لو دنیا کی جس زندگی پر تم ریجھ گئے ہو اور اسے ہی تم نے اپنی زندگی کا واحد مقصد سمجھتے ہوئے اپنی ساری توجہ کا مرکز بنا لیا ہے وہ زندگی محض ایک کھیل اور تماشا ہے۔ زیب و زینت کے سامان۔ آپس میں فخر کرتے اور مال اور اولاد کی ایک دوسرے کے مقابلے میں کثرت چاہنے کے سوا اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ اس کی مثال تو اس بارش کی طرح ہے جو جب برستی ہے تو کھیتوں میں طرح طرح کا سبزہ اُگتا اور بڑھ کر لہلہاتے ہوئے فصل کی صورت اختیار کر لیتا ہے جسے کسان دیکھ کر خوش ہوتا ہے لیکن تھوڑی ہی مدت بعد یہ سبزہ اور لہلہاتی ہوئی فصلیں خشک ہو جاتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے چورا چورا ہو جاتی ہیں۔ کسان اس غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ اس کے کھیت اسی طرح ہمیشہ کے لئے سرسبز و شاداب اور اس کے دل کو لبھاتے رہیں گے لیکن اس کی آنکھوں کے سامنے وہ اس طرح ویران ہو جاتے ہیں جیسے نہ ان پر کبھی بارش برسی تھی اور نہ ان میں کوئی سبزہ اُگا تھا۔ یہ ہم سب کا تجربہ ہے اور ہر روز ہم ایسا ہوتا دیکھتے ہیں لیکن اپنی غفلت کی وجہ سے اس سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرتے اور ایک دھوکے میں مبتلا رہتے ہیں کہ یہ زیب و زینت کے سامان۔ مال اور اولاد میں تکاثر کا لالچ اور ان پر فخر یہی سب کچھ ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ ان ساری باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم خدا کو بھول جاتے ہیں۔ اس کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ دنیا کے ساز و سامان میں ہی اطمینان اور تسکین حاصل کرنے کی خاطر اس دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوششوں میں منہمک اور ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہیں جس کا صلہ عذاب شدید کی صورت میں ملتا ہے۔

دنیا کو مزرعۃ الاخرہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں جو کچھ بویا جائے گا وہی آخرت میں کاٹا جائے گا۔ یعنی اس دنیا میں ہمارے جیسے اعمال ہوں گے۔ ان کے مطابق آخرت میں ان پر نتائج مترتب ہوں گے دنیا کی کھیتی میں انسان اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے دنیا کی ان دلچسپیوں سے ہٹ کر جو اس سے دور کرنے والی ہیں اعمال صالحہ کا بیج بھی بو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضا کا موجب ہوتے ہیں۔ اس کھیتی پر کبھی زوال نہیں آتا۔ وہ ہمیشہ تر و تازہ۔ سرسبز و شاداب اور لہلہاتی رہتی ہے۔ دراصل یہی بامعنی اور بامقصد زندگی ہے جس کی طرف انسان کو دھیان دینا چاہیئے۔ اسی لئے اکیسویں آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس دھوکے میں مبتلا نہ رہو کہ اس دنیا کی زندگی میں ہی تمہارے لئے راحت و آرام اور سکون کا سامان ہمیشہ موجود رہے گا بلکہ تم اپنے رب کی مغفرت کی طرف ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو تاکہ تمہاری زندگی جنت کی زندگی بن جائے ایسی جنت کی جس کی فراخی آسمان اور زمین کی فراخی کی طرح ہے۔ یہ جنت صرف انہی لوگوں کو مل سکتی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے اور ان کی اطاعت کو اپنے اُوپر لازم کر لیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے وہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

مصائب کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا اس کے باوجود کہ انسان اپنے آرام کے لئے ہر طرح کا سامان فراہم کرنے میں لگا رہتا ہے لیکن وہ مصائب سے بچ نہیں سکتا۔ اور نہ ان سے بھاگ کر کہیں جا سکتا ہے۔ یہ مصائب انفرادی بھی ہوتی ہیں۔ جو انسان کی اپنی ذات تک محدود رہتی ہیں مثلاً دکھ بیماری کسی قسم کا حادثہ۔ مال و متاع کا ضیاع اپنے کسی قریبی یا عزیز کا جُدا ہو جانا وغیرہ اور اجتماعی بھی ہوتی ہیں جن سے ساری قوم یا ملک متاثر ہوتا ہے۔ مثلاً عالمی جنگیں وبائیں۔ اور زلزلے وغیرہ یہ قضا و قدر کے امتحانات ہوتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی مصیبت زمین میں نہیں پہنچتی اور نہ تمہاری اپنی جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں ہوتی ہے اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ تاکہ تم اس پر غم نہ کھاؤ جو تم سے جاتا رہا۔ اور نہ اس پر اتراؤ جو تمہیں دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی متکبر فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا

ان امتحانات میں ایک دنیا دار اور ایک مومن کا ردّعمل بالکل مختلف ہوتا ہے۔ دنیا دار انسان مصیبت کو اپنے لئے سزا سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ اور گلہ کرنے لگ پڑتا ہے۔ آہ و زاری اور واویلا کرنے لگ جاتا ہے کہ مجھ پر یہ مصیبت کیوں آئی لیکن اس کے مقابلے میں ایک مومن یہ کہتا ہے لن یصیبنا الا ما کتب اللہ ۔ ہمیں کوئی ایسی مصیبت نہیں پہنچی جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے پہلے سے نہ لکھ رکھا ہو۔ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اپنے لئے ترقی درجات کا ذریعہ جانتا ہے اپنی زندگی کو بامقصد زندگی بنانے کی طرف رجوع کرتا ہے مومن چونکہ مصائب کے فلسفہ سے آگاہ ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ انہیں بڑی خوشی سے برداشت کر جاتے اور اطمینانِ قلب پاتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اسی لئے بہت بڑے بڑے امتحانوں سے گذرنا پڑا اور سب سے بڑھ کر مصائب ہمارے آنحضرت صلعم کو پیش آئیں اور یہی آپ کی بے نظیر عظمت کی علامت ہے۔ مصائب آگ کی بھٹی کی طرح ہوتی ہیں جن سے مومن سونے کی طرح کندن ہو کر نکلتا ہے۔ کمزوریوں اور گناہوں کی ساری میل کچیل دھل جاتی ہے کیونکہ جب انسان کسی دکھ درد اور مشکل میں مبتلا ہوتا ہے۔ تو اس کا دل نرم ہو جاتا ہے اور دل کی یہ نرمی اُسے خدا کے دروازے پر لے آتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ اس کی مغفرت کے لئے آہ و زاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ ذوالفضل

العظیم ہونے کی وجہ سے اُس پر اپنا فضل کرتا ہے۔ مومن ہر حالت میں خوش رہتا ہے اس کا کوئی نقصان ہو جائے تو بھی اُسے کوئی غم نہیں ہوتا۔ اور کچھ مل جائے تو اس پر اتراتا نہیں اس کا دل ہر حالت میں مطمئن رہتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح کا واقعہ بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ وہ بہت بڑے تاجر تھے ایک مجلس میں انہیں کسی نے یہ خبر سنائی کہ جس جہاز میں ان کا مال تجارت تھا وہ ڈوب گیا ہے آپ نے تھوڑے توقف کے بعد فرمایا الحمد للہ۔ پھر کچھ دنوں بعد آپ کو یہ خبر پہنچی کہ وہ خبر غلط تھی جہاز صحیح سلامت ہے۔ آپ نے پھر کچھ دیر کے بعد فرمایا۔ الحمد للہ۔ ایک شخص نے جو ان دونوں موقعوں پر آپ کی خدمت میں حاضر تھا متعجب ہو کر پوچھا کہ آپ نے جہاز کے ڈوبنے کی خبر سن کر بھی الحمد للہ فرمایا اور اس کے صحیح سلامت ہونے پر بھی۔ کیوں؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے دونوں دفعہ اپنے دل کی حالت پر غور کیا تو اسے مطمئن پایا اس لئے دونوں دفعہ الحمد للہ کہا۔ مومن کے دل کی ہر حال میں یہی حالت ہوتی ہے۔

ہمارا یہ زمانہ بڑی مصیبتوں کا زمانہ ہے۔ اس کے متعلق آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ آخری زمانہ میں میری امت پر مصائب کا دروازہ کھل جائے گا جسے کوئی بند نہیں کر سکے گا اس وقت تمہیں یہ آیت سامنے رکھنی چاہیئے اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

"ما اصاب من مصیبۃٍ فی الارض... الخ

یہی وہ آخری زمانہ ہے جس میں مسلمانوں پر مصائب اور مشکلات کا دروازہ کھول دیا گیا ہے اور وہ بند ہونے میں نہیں آتا۔ ان کا علم ہم سب کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہوتا رہتا ہے۔ ایک قوم اپنے اعمال بد کیوجہ سے مصائب میں گرفتار ہو جاتی ہے آنحضرت صلعم ایسے موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر یہ تیری کسی بڑی ناراضگی کیوجہ سے نہیں تو کوئی پرواہ نہیں۔ ہر مومن کو ایسے وقت میں اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لینا چاہیئے کہ اُسے جو مشکلات پیش آ رہی ہیں کہیں وہ اسکے اعمال کے اچھا نہ ہونے کیوجہ سے تو نہیں۔ ہمیں بھی اس وقت باہر سے اور اندر سے مصائب کا سامنا ہے اس لئے ہمیں بھی اپنے دلوں کو ٹٹول کر اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیئے اگر ہم دیانتداری سے سمجھیں کہ ہمارے اعمال میں کچھ کمی ہے تو انہیں درست کریں۔ اللہ تعالےٰ سے مغفرت چاہیں اس کے سامنے عاجزی سے گر کر معافی مانگیں اور اسی کے دروازے پر اپنا سر رکھیں کیونکہ اللہ تعالےٰ مغرور۔ متکبر اور شیخی خورے کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اُسے کسی کے ہنر۔ طاقت اور دولت کی کوئی پرواہ نہیں اگر وہ اس سے ڈر کر زندگی گذارنے والا نہیں اور تقوے کی راہ اختیار نہیں کرتا۔ یہ بھی نہیں سوچنا چاہیئے کہ مصیبتیں صرف ظالموں پر ہی آتی ہیں۔ نہیں یہ نیکوں پر بھی آتی ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ تم اس فتنہ سے اپنا بچاؤ کر لو جو تم میں سے ظالموں کو ہی خاص طور پر نہیں پہنچے گا۔ اللہ کے ساتھ تعلق سے ہی انسان فتنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ ہمیں ان آیات کو اپنے سامنے رکھنا چاہیئے ان میں آنحضرت صلعم کے فرمان کے مطابق ہمارے لئے ہدایت ہے۔ اور ابتلاؤں میں صبر سے کام لینے کے لئے یہ بڑا موثر نسخہ ہے۔ مصائب میں صبر کرنے والوں کے لئے کامیابی کی خوشخبری ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم تمہیں خوف۔ بھوک۔ اموال کے نقصان۔ پھلوں کے ضائع ہو جانے اور تمہارے عزیزوں کی جُدائی کے ذریعے آزماتے رہیں گے۔ ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو مصائب میں صبر کرتے اور کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں گی اور یہی کامیاب ہوں گے۔

یہ زندگی عارضی ہے اس میں انسان کو بڑے بڑے غم اور صدمات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ کوئی جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی اس کی جدائی کا غم شدید ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ آسمانی مرہم سے زخموں کو مندمل کر کے اس غم کو مٹا دیتا ہے۔ آنحضرت صلعم کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے۔ آپ کو اپنی زندگی میں اپنے عزیزوں کی اموات سے بہت سے صدمات برداشت کرنے پڑے۔ اپنے بیٹے کی وفات پر آپ کو بھی بہت غم ہوا اور آپ رو پڑے اور فرمایا کہ اے ابراہیم ہم تیری جُدائی سے بہت مغموم ہیں لیکن ہم اپنی زبان سے سوائے اس کے جس سے ہمارا رب راضی ہو کچھ نہیں کہیں گے کیونکہ ہم بھی اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ حضرت اقدس نے بھی اپنے بیٹے مبارک احمد کی وفات پر فرمایا تھا۔ ع "بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر"

آج ہماری ایک بہن ہم سے جُدا ہو گئی ہیں۔ ان کے اقربا کو ان کی جدائی سے بہت غم اور صدمہ ہوا ہے۔ لیکن مجھے ذاتی طور پر اس کا بہت صدمہ ہوا ہے۔ میں نے اس غم کو اپنے دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا ہے۔ اس کی جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جگہ لینے والا کوئی نہیں۔ ہم میں سے جو بھائی یا بہن چلی جاتی ہے اس کی جگہ لینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ نماز کے بعد ہم سب اپنی اس بہن کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور اس کے لئے دعائے مغفرت اور اس کے پسماندگان کے لئے صبر و استقامت کی دُعا کریں گے ٭٭٭

اطاعتِ امیر اور جماعت کی

شیرازہ بندی

جماعت کی شیرازہ بندی اطاعت امیر میں ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے میری اطاعت کی پس درحقیقت صحیح معنوں میں اُس نے اللہ تبارک و تعالےٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری فرمانبرداری نہ کی (وہ میری ہی نہیں بلکہ) اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری سے بھی دست کش ہو گیا جس نے امیر قوم کی فرمانبرداری کی گویا اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے امیر کی فرمانبرداری سے انکار کیا (یقیناً) وہ میری فرمانبرداری سے نکل گیا۔ لاریب امیر بمنزلہ ڈھال کے ہے جس کی قیادت میں قتال (یا اعلائے کلمۃ اللہ) کیا جاتا ہے اور اُسی کی قیادت میں ہر قسم کا بچاؤ حاصل ہوتا ہے بس اگر وہ تقویٰ اللہ کا اور عدل و انصاف کا حکم کرے تو اس کے (امیر کے) لئے بہت بڑا اجر ہے۔ اگر تقویٰ اللہ اور عدل و انصاف کے سوا حکم کرے تو گناہ کا مرتکب ہوگا۔"

(ماخوذ)

از قلم مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن ـــــ سبق نمبر ۱۸

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ
وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ
تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ ج
اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ۝ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ط کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْھَا مِنْ ثَمَرَۃٍ رِّزْقًا
قَالُوْا ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِہٖ مُتَشَابِھًا ط وَلَھُمْ فِیْھَآ اَزْوَاجٌ
مُّطَھَّرَۃٌ وَّھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرۃ۔ آیات ۲۳ تا ۲۵)

ترجمہ:۔ اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر اُتارا ہے تو ایک سُورت اس جیسی لے آؤ اور اپنے مددگاروں کو بلا لو سوائے اللہ کے اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے اپنا بچاؤ کر لو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اور اُن لوگوں کو خوشخبری دیدو جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے ہیں کہ اُنکے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب کبھی اُن کو اُن میں سے کوئی پھل رزق دیا جائیگا کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا۔ اور انہیں ملتا جلتا ہوا رزق دیا جائیگا اور اُن کے لئے ان میں پاک ساتھی ہوں گے اور وہ انہی میں ہمیشہ رہیں گے۔

٭٭٭

آج کی تین آیات میں سے پہلی آیت جس میں شک کرنیوالوں کے اس شک کا جواب آسان مگر منہ توڑ دیا ہے کہ آیا قرآن کریم اللہ تعالےٰ سے بذریعہ وحی نازل ہوا یا نہیں اس پر مفصل بحث میں نے پچھلے درس میں کی تھی۔ ایک شک اور ہے جو پیدا ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آیا قرآنِ حکیم کی تمام تعلیمات قابلِ عمل ہیں یا نہیں خصوصاً دُنیا میں رہ سہہ کر۔ اگر ایک شخص راہب بن گیا ہے یا نن یا سادھو یا فقیر یا بھکشو تو اس کے لئے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اکثر دینی تعلیمات پر عمل کر سکے مگر دُنیا کے جھگڑوں میں پڑ کر آیا قرآنِ کریم کی تمام تعلیمات پر عمل ہو سکتا ہے؟ اس کا بھی جواب اسی آیت میں لفظ عبدنا میں دیدیا جس میں رسول اللہ صلعم کو اپنے عبد کامل بنایا یعنے وہ بندہ جو عاجزی سے فرمانبرداری میں کامل تھا۔ حضور صلعم نے قرآن کریم کے تمام احکامات پر عمل کر کے دکھا دیا کہ وہ سب دُنیا کے کام کاج کرنے کے باوجود جو حضور کرتے تھے آپ قرآن کریم پر سو فیصد عمل پیرا بھی تھے۔ حضور پر جو دنیاوی ذمہ داریاں تھیں وہ کسی اور پر کیا ہونی ہیں؟ بطور خاوند، بطور باپ، بطور رشتہ دار، بطور روزی کمانے والے کے جو اکثر دنیاداروں کی مصروفیات ہوتی ہیں وہ حضورؐ کی بھی تھیں۔ پھر بطور بادشاہِ وقت، بطور قانون ساز جس کا کام صبح سے لیکر شام تک تھا کہ شریعت کے احکام اور قوانین ایسے اعلےٰ دے کہ قیامت تک وہ قابلِ عمل اور مفید مطلب ہوں، بطور قاضی آپؐ کو مقدمات اور جھگڑے بھی چکانے پڑتے تھے۔ پھر میدانِ جنگ میں سپہ سالار کے بوجھل فرائض بھی حضورؐ کے ہی ذمہ تھے، کوئی بیمار ہو تو حضورؐ نے عیادت اور مزاج پُرسی میں کبھی کمی نہیں کی، کوئی فوت ہوا ہے تو اُس کے جنازہ میں شامل ہو رہے ہیں۔ اور دین کے متعلق معلومات حاصل کرنیوالے اور سوالات کرنیوالے تو دن رات آتے تھے۔ الغرض انسان حیران ہوتا ہے کہ ایک آدمی نے کس طرح یہ سب کام کیئے۔ ان دُنیاوی، ملکی اور قومی مصروفیات میں اور دُنیا میں رہ کر حضورؐ نے قرآن کریم کے تمام احکامات پر بھی عمل کر کے دکھا دیا کہ وہ قابل عمل ہیں، اس حد تک کہ قرآنِ کریم نے حضورؐ کو یہ سرٹیفکیٹ دیا کہ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ یعنے جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی بھی اطاعت کی۔ ادھر آپؐ کی وفات کے بعد جب کچھ نوجوان حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے اور کہا کہ حضورؐ کے اخلاق ہم کو سنائیں تو اس پاک خاتون نے جواب دیا کان خلقہ القرآن یعنے آپ کے اخلاق قرآن کی عملی تصویر تھے۔ قرآن کو پڑھو۔ یہی حضورؐ کے اخلاقِ عالیہ تھے۔ تو وہ شک کہ دوسرے مذاہب کی بعض بظاہر خوبصورت تعلیمات دُنیا میں رہ کر قابلِ عمل ثابت نہیں ہوئیں تو کیا قرآن کی تعلیمات کا بھی یہی حال ہے بے بُنیاد ہے۔

ایک اور شک ہے جو اس بیسویں صدی میں آکر لوگوں کے دل میں بعض وقت پیدا ہوتا ہے بلکہ بعض وقت زبانوں پر بھی آجاتا ہے کہ قرآن کی تعلیمات آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے کے حالات میں ٹھیک ہوں گی مگر آج قابلِ عمل نہیں۔ تو اس کا جواب حضورؐ کے خلیفہ اور مجدّد وقت اور مہدیٔ دوراں یعنے حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے نمونہ سے دیا کہ قرآن اور سنّت پر سو فیصدی عمل کر کے دکھا دیا کہ وہ آج بھی اسی طرح قابلِ اطاعت ہیں جس طرح پہلے تھے اور آج بھی اُن پر چل کر اس دہریت اور لامذہبی کے زمانہ میں حضرت مرزا صاحب نے خدا کو پالیا جو کہ انسان کا مقصد پیدائش ہے۔ اور وحی و الہام جو ہمیشہ سے خدا کو پانے کا ثبوت رہے ہیں مگر ہمیشہ سے لوگوں کے دلوں میں شک کا باعث ہوتے انہیں پاکر حضرت مرزا صاحب نے ان کی صداقت کا زبردست ثبوت دیا اور آپ نے بڑے زور و شور سے بار بار کہا کہ آج خدا کو پانا صرف قرآن اور سنتِ نبویؐ پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔ اور دوسرے دینیوں کو چیلنج دیا کہ تم بھی خُدا سے ملانے کے دعویدار ہو تم میں کوئی ہے جس نے واقعی خُدا کو پالیا جو میں نے قرآن کریم اور سنّتِ نبویؐ پر عمل کر کے پالیا؟ مگر اس چیلنج کے جواب میں کوئی نہ بولا۔

اب ایک اور سیدھا سادہ مگر زبردست ثبوت قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا سُنیئے۔ یہ چیلنج دینے کے بعد اگر قرآن اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بلکہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم نے خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کیا ہے تو یہ تو ایک اُمّی انسان ہے، تم سارے جہان کے عالم و فاضل اور ادیب خواہ اُس زمانہ کے ہوں یا اس بیسویں صدی کے ہوں مِل مِلا کر ایک چھوٹی سی چھوٹی سُورت (جو قرآن میں تین چار آیات کی ہیں) اس کی مثل لے آؤ۔ تو یہ چیلنج دینے کے ساتھ ہی کیا زبردست پیشگوئی کی جو سوائے قادرِ مطلق اور عالم الغیب خدا کے کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ وان لم تفعلوا ولن تفعلوا یعنے "اور اگر تم نہ کر سکو اور تم ہرگز، ہرگز نہ کر سکو گے"۔ اللہ، اللہ کس تحدّی اور شان کی مگر سیدھی سادی پیشگوئی ہے جو ایک جاہل انسان اور ایک عالم و فاضل کو اُس زمانہ میں اور آج بھی یقینی شہادت دیتی ہے کہ یہ کلام اللہ تعالےٰ جو عالم الغیب اور زبردست قدرتوں والا ہے اُس کے سوا کسی کا نہیں۔ نہ اُس زمانہ میں، نہ آج کوئی اس پیشگوئی کو غلط ثابت کر سکتا ہے تو ان آسان فہم مگر قطعی اور یقینی شہادتوں کے بعد اگر کوئی قرآن کے بارہ میں شک

کرتا ہے تو فرمایا:۔ فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکٰفرین۔ یعنے تو پھر تم اس آگ سے اپنا بچاؤ کر لو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو انکار کرنیوالوں یا ناشکر گذاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ یہ پتھر اس آگ میں کیوں ہوں گے؟ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ مشرکین عرب کے بُت ہوں گے۔ تو بتوں کا کیا قصور۔ اگر انسانوں نے انہیں گھڑ کر پوجنا شروع کر دیا؟ یا بُت اگلے جہان میں کہاں ہونگے؟ اور بہر حال فتح مکہ کے وقت رسول اللہ صلعم نے سب بُت توڑ کر چکنا چور کر دیئے تھے۔ اس لئے یہ معنی غلط ہیں۔ صحیح معنی دو اور ہیں اور مجھے دونوں پسند ہیں۔

حجارۃ عربی زبان میں جہاں پتھر کو کہتے ہیں وہاں پتھر دل انسان کو بھی کہتے ہیں۔ اور ان معنوں میں یہ لفظ آگے آیا ہے۔ اسی سُورت بقرۃ کی آیت ۷۴ میں ثم قست قلوبکم من بعد ذٰلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ۔ یعنے "پھر تمہارے دل اس کے بعد سخت ہو گئے سو وہ پتھروں کی طرح ہو گئے بلکہ سختی میں اس سے بھی بڑھ کر ہو گئے۔" ہم خود اُردو زبان میں کہتے ہیں "تو انسان ہے یا پتھر"۔ پھر عربی میں لفظ حجر ہیبت ناک انسان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ وہ لیڈر تھے جو لوگوں میں اپنی ہیبت پھیلا کر حق سے روکتے یا حق کے خلاف جنگ و جدل کے لئے اُکساتے تھے بلکہ اب بھی ہوتے ہیں۔ تو فرمایا کہ عوام الناس یا اُن کے لیڈر خواہ مذہبی ہوں یا دُنیاوی جو حق کی مخالفت میں بڑا حصہ لیتے ہیں وہ سب اس آگ کا ایندھن ہونگے۔ لفظ ایندھن بتاتا ہے کہ دلوں میں حق کی مخالفت یا ہوا و ہوس کی آگ جو بھڑکتی ہے وہی آخرت میں بھڑک کر جہنم کی آگ بن جائے گی۔ سورۃ الھمزۃ ۱۰۴ میں آتا ہے نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ انھا علیھم مؤصدۃ فی عمد ممددۃ (آیات ۶ تا ۹) یعنے اللہ کی جلائی ہوئی آگ اول تو دلوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ وہی ان پر بلند ستونوں میں بند کر دی جائے گی۔ آج پتھر کے بُت پوجنے والے کم ہیں مگر ہوا و ہوس یعنے اپنے جذبات اور خواہشات کی عبادت یعنے فرمانبرداری کرنے والے وہ تمام لوگ ہیں جو خدا کی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ جو خدا کی فرمانبرداری نہیں کرتا وہ پھر اپنے دل کے جذبات اور خواہشات کی کریگا جن کی فطرت آگ ہے۔ یہی آگ پہلے انسانوں کے دلوں میں سلگتی یا ظاہر ہوتی ہے۔ بعد میں اسی دنیا میں جنگوں کی تباہی میں یا آخرت میں جہنم میں وہ بھڑک کر آگ کے ستون بن جائے گی۔ قرآن ہوا ہوس کی آگ کو جو انسان کے اندر ہوتی ہے قابو میں لاکر مفید بنانے کو آیا تھا جیسا کہ انجن یا ہوائی جہاز یا راکٹ کی آگ قابو میں ہو تو مفید اور ترقیات کا باعث ہے۔ بے قابو ہو تو انسان کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ تو جو قرآن کو رد کریگا وہ پھر اپنی اس اندرونی آگ پر قابو نہ پا سکے گا جو بعد میں بھڑک کر جہنم کی آگ بن جاتی ہے۔ جو لوگ اپنے جذبات اور خواہشات کے غلام ہیں اُن کے دلوں کی حالت تو قرآن کے فقرہ ھل من مزید (اور، اور، اور) کی آگ، چاہے وہ دولت ہو یا اقتدار، یا شہوت) میں بخوبی بیان کی گئی ہے۔ اس کے برعکس جو اس قرآن پر ایمان لاکر تقوٰی اختیار کرتے ہیں یعنے گناہوں اور بدیوں سے اپنے آپ کو روکتے اور اپنے نفس کو پاک کرتے ہیں اُن کے دل میں ٹھنڈک اور اطمینانِ قلب پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ وہ دل کی جنت ہے جو ہر متقی اور مومن انسان کو اسی دُنیا میں نصیب ہو جاتی ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم نے فرمایا ہے کہ ولمن خاف مقام ربہٖ جنتٰن یعنے جو اس وقت سے خوف کرتا ہے جب وہ اپنے رب کے آگے جوابدہی کے لئے کھڑا ہوگا دو جنتیں ہیں۔ اب ظاہری جنت تو اکثر متقیوں کو اس دنیا میں نہیں ملتی۔ مگر جو چیز ضرور مل جاتی ہے وہ دل کی جنت اور اطمینانِ قلب ہے۔ مرنے کے بعد وہ ظاہری جنت میں بھی ہوگا آج کل کے نوجوان جو مغرب زدہ ہیں وہ دل کی جنت کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ اگر انسان کے دل میں اطمینان اور بے فکری ہے تو وہ جنت میں ہے چاہے باہر باغ اور نہریں نہ ہوں۔ مگر جس کے دل میں جہنم کی آگ بھڑک رہی ہو وہ اسی دُنیا میں جہنم میں ہے چاہے باہر باغ اور نہریں ہوں۔ آج کی آخری آیت میں یہی خوشخبری دی ہے اُن لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لئے باغ ہونگے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ لفظ ایمان خود امن سے ہے جس کے معنی انسان کے قلب کا اطمینان پا جانا ہے۔ اور لفظ جنت کے معنی ہیں وہ چیز جو ظاہری حواس سے مخفی ہو۔ تو یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ قرآن پر ایمان لاکر عمل صالح کرنے سے انسان کے دل میں جنت پیدا ہو جاتی ہے جو ظاہری حواس سے مخفی ہوتی ہے مگر دراصل اس انسان کو اسی دنیا میں جنت میں داخل کر دیتی ہے جو مرنے کے بعد ظاہری جنت کی شکل اختیار کرے گی۔ پھر فرمایا کہ جب کبھی ان کو کوئی پھل رزق دیا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا۔ یعنے جن کے دل اس دُنیا میں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں وہ اپنے ایمان اور اعمالِ صالحہ سے وہ روحانی لذتیں پاتے ہیں جو اگلے جہان میں اُن پھلوں کی ہوں گی جو ان کو بطور رزق وہاں دیا جائیگا۔ تو چونکہ یہاں کی روحانی لذتیں وہاں کے ظاہر کے پھلوں میں ہوں گی اسی لئے وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں پہلے بھی مل چکا ہے۔ اسی مشابہت کی وجہ سے فرمایا واتوا بہٖ متشابھا یعنے انہیں ملتا جلتا رزق دیا جائیگا۔ یعنے اس دنیا کی روحانی لذتیں اگلے جہان کے پھلوں کی شکل اختیار کر کے انہیں دی جائیں گی۔ میں پھر کہوں گا کہ روحانی لذّت کی حقارت نہ کریں۔ دراصل تمام لذتیں ہیں ہی روحانی۔ اسی لئے جب آدمی مرجاتا ہے اور اس کی رُوح اس کے جسم کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے تو ہزار حلوے اس کے مُنہ میں رکھو اُسے کوئی لذّت نہیں آئے گی۔ یا ہزار عمدہ موسیقی کے نغمے سناؤ اس کو کوئی احساس نہ ہوگا۔ اس لئے جسم انسانی محض ذریعہ ہے جس سے رُوحِ انسانی لذت یا دُکھ پاتی ہے۔ ورنہ تمام لذّات اور دُکھوں کو محسوس کرنے والی چیز رُوحِ انسانی ہے۔ اگر رُوح سُکھی ہے تو انسان سکھی ہوتا ہے۔ رُوح دُکھی ہو تو انسان دُکھی ہوتا ہے ایک ایماندار انسان ممکن ہے بھوکا سوئے اور ایک بے ایمان شخص کے میز پر ہزاروں نعمتیں ہو سکتی ہیں مگر ایماندار کے دل کی بے فکری جنت ہے اور بے ایمان کے دل کا فکر اور خطرہ جہنم ہے۔ ظاہری سامان اور جسمانی نعمتیں ہوں یا نہ ہوں انسان کا اصل سُکھ اُس کی روحانی لذت پر منحصر ہوتا ہے۔

آگے دو چیزوں کا ذکر فرمایا پاکیزہ بیوی (یا شوہر) کا وہاں ساتھ ہوگا اور انسان جنت میں ہمیشہ رہے گا۔ انسان اکیلا ہو تو کبھی مزہ نہیں اور بہترین جوڑا مرد و عورت کا ہی ہے کہ ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتے اور محبت والفت اور تسکین مرد و عورت کے ساتھ میں ہی ہے مگر جوڑا موجود ہونا خالی کافی نہیں۔ فرمایا پاکیزہ جوڑا ہوگا۔ اگر کسی مرد کی عورت ناپاک یا بدچلن ہو تو وہ کتنی بھی خوبصورت ہو وہ بجائے باعثِ راحت ہونے کے باعثِ عذاب بن جاتی ہے اسی طرح مرد ناپاک اور بدچلن ہو تو وہ کتنا ہی خوبصورت اور دلکش ہو عورت کی زندگی حرام ہو جاتی ہے اور وہ ہر وقت کے جہنّم میں ہوتی ہے۔ دوسری بات ہمیشگی ہے۔ دنیا کے کتنے ہی باغ عمدہ ہوں نہریں ہوں مگر اگر عارضی قیام ہو تو مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔

آخری بات یہ عرض کروں کہ نیک اور متقی انسان کا دل جنت میں ہوتا ہے اور اس کے اعمال سے دوسروں یعنے مخلوق خدا کی بھلائی اور فیض کی نہریں بہتی ہیں۔ یہ بھی اس دنیا کی جنّٰتٍ تجری من تحتھا الانھار کا نقشہ ہوتا ہے۔ آخرت میں دل کی جنّت باہر کے باغ بن جائیں گی اور فیض یا فائدہ کی نہریں ظاہر میں نہریں بن کر اس کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گیں۔ (باقی آئندہ)

حدیثِ نبویؐ:۔

"نیکی کی دعوت دینے والا نیکی کرنیوالے کی حیثیت رکھتا ہے۔" (ترجمہ حدیث)

رپورٹ مولوی شفقت رسول خاں صاحب

تلخیص و تصحیح :- نائب مدیر

جلسہ سالانہ ۸۲ء کی مختصر رُوئیداد مورخہ ۲۶ دسمبر اجلاس دوم

مؤرخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۲ء کا دُوسرا اجلاس

جناب صاحبزادہ محمد احمد صاحب کی صدارت میں مولوی شفقت رسول خاں کی تلاوت قرآن کریم سے شروع ہوا۔ جناب مظہر رسول صاحب ڈرائیچ آف ملتان نے حضرت صاحب کا کلام "وہ زبان لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار" ترنم سے سنایا۔ نظم کے بعد جناب ملک ظفر اللہ خان صاحب آف راولپنڈی کا خطاب ہوا۔

موصوف نے قرآن پاک کی آیت یاایھاالذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ میری تقریر اگرچہ موضوع کی پابندی سے آزاد ہے مگر ہر احمدی کی تقریر کا موضوع اتباع رسول اور صحبت صادقین کی افادیت ہوتی ہے اس لئے میری تقریر کا محور بھی یہی ہوگا۔ حضرت امام وقت نے فرمایا ہے۔

ایں چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم + یک قطرۂ زبحر کمال محمد است

علامہ اقبال کہتے ہیں :-

غواص محبت کا اللہ نگہبان ہو + ہر قطرہ دریا میں دریا کی ہے گہرائی

اس لئے اگر آپ اللہ تعالےٰ کے پیارے بنناچاہتے ہیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔ کہ وہ ہادی کامل ہیں حقیقی پیروکار وہی ہوں گے جو اپنے متبوع نبی کے ہر قول و فعل کی پیروی پوری جدوجہد سے کریں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی محبت کو اتباع رسول صلعم سے مشروط کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یعنی ان سے کہہ دیں کہ اگر تم خُدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا تم سے محبت کرے۔ اسی لئے حضرت مجدد صد چہاردہم قرآن مجید کی اس مذکورہ آیت کو پیش کر کے فرماتے ہیں۔ سو میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے خدا کے برگزیدوں کو دی گئی۔ اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو میں نے جو کچھ پایا۔ اس کی پیروی سے پایا اور میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی صلعم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پاسکتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ سعدی نے سچ کہا ہے :- ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا + تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

بُرد مہرآں شاہ سوئے بہشت + حرام است بر غیر بوئے بہشت

مقرر موصوف نے کہا کہ ہمارے ایک بزرگ اور مشہور شاعر احمدیت خاں مرتضیٰ خاں صاحب مرحوم و مغفور نے کیا خوب کہا ہے ؎

رات مجھ کو کہہ رہا تھا ایک مرد باخدا + جز محمدؐ کی غلامی کے خُدا ملتا نہیں۔

اس لئے جب تک انسان غلام احمد نہ بن جائے خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔

مقرر موصوف نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس دنیا میں آنے کی سب سے بڑی غرض اور ان کی تعلیم اور تبلیغ کا عظیم الشان مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ خدا کو شناخت کریں پس اس وقت بھی رشد و ہدایت کا خدا نے ایک سلسلہ قائم کیا ہے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں:-

"میں دنیا کو بتانا چاہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ نے کیا ہے بلکہ اس خدا کو دکھانا چاہتا ہوں۔ نیز گناہ سے بچنے کی راہ کی طرف راہبری کرتا ہوں۔ میں کسی کے سبب سے اپنے اوپر اعتراض نہیں لینا چاہتا ایسا شخص جو میری جماعت میں ہو کر میرے منشاء کے موافق نہ ہو وہ خشک ٹہنی کی طرح ہے۔ اس کو اگر باغبان کاٹے نہیں تو کیا کرے خشک ٹہنی دوسری سبز شاخ کے ساتھ رہ کر پانی تو چوستی ہے مگر وہ اس کو سرسبز نہیں کر سکتی بلکہ وہ دُوسری شاخ کو بھی لے بیٹھتی ہے۔ پس ڈرو میرے ساتھ وہ نہ رہیگا جو اپنی اصلاح نہ کریگا"۔

اگر آپ لوگ ان باتوں پر عامل ہونے کی کوشش نہیں کرنا چاہتے تو پھر مجھے بتلاؤ کہ میرے پاس آنے سے کیا فائدہ اور کیا مطلب۔ اس مخفی تبدیلی نہیں چاہتا بلکہ نمایاں اور ظاہری تبدیلی کی ضرورت ہے۔ تاکہ مخالف شرمندہ ہوں اور لوگوں کے دلوں پر تمہارے نور ایمان کی روشنی پڑے۔ تزکیہ نفس کا علم حاصل کرو۔ ضرورت اسی کی ہے ہماری یہ غرض ہرگز نہیں کہ مسیح کی حیات و وفات پر جھگڑے و مباحثے کرتے رہیں۔ یہ ادنیٰ سی بات ہے اسی پر بس نہیں یہ تو ایک غلطی تھی جس کی ہم نے اصلاح کر دی لیکن ہمارا کام اور ہماری غرض ابھی اس سے بہت دور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تم اپنے اندر ایک تبدیلی پیدا کرو اور بالکل ایک نئے انسان بن جاؤ اس لئے تم میں سے ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس راز کو سمجھے اور اپنے اندر ایک ایسی تبدیلی پیدا کرے کہ وہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں"۔

دل کی پاکیزگی کا گُر فرماتے ہیں :-

"دل کی پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اہل اللہ کی صحبت میں نہ بیٹھے اس کی محبت کی توفیق نہیں مل سکتی۔ جب تک اولاد انسان یہ یقین نہ کرے کہ وہ ایک مرنے والی ہستی ہے۔ یہی ایک بات ہے جو اسے صادق کی صحبت کی توفیق عطا کرتی ہے حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کے لئے نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ پیدا کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر واعظ یہ ہے کہ وہ کونوا مع الصادقین کی حقیقت کو سمجھ لے۔ اسوقت تک اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھنا چاہیئے جب تک دل مسلمان نہ ہو جائے ؎

دل ہے مسلمان نہ تیرا نہ میرا + تو بھی نمازی میں بھی نمازی

اور دل مسلمان نہیں ہوتا جب تک وہ لہو ولعب سے لذت حاصل کرتا ہے اس کے مسلمان ہونے کا وہی وقت ہے جب وہ دنیوی حیثیت سے دل برداشتہ ہو گیا ہو اور دنیا کی لذتیں تلخ دکھائی دیں۔ پھر دل میں خدا کی طرف کشش پیدا ہوتی ہے اور اللہ کی یاد میں لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور نماز میں لذت آنے لگتی ہے۔

نماز کیا ہے ؟ نماز رب العزت سے دُعا ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا نہ ہی عافیت اور خوشی کا سامان مل سکتا ہے۔ نمازوں میں لذت اور ذوق خدا کے فضل سے پیدا ہوتا ہے۔ اپنے خدا کو راضی کرنے پر زور دیا ہے اس کے لئے لوگوں سے مداہنت سے روکا ہے۔ اگر تم لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش کرو گے تو نہیں اس میں مایوسی ہوگی اور اگر خدا راضی ہو جائے تو انسان اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔

دُعا ایک موثر ہتھیار ہے

حضرت اقدس نے فرمایا ہے کہ تمہارا ہتھیار دُعا ہی ہے۔ دُعا میں اللہ تعالےٰ نے

بڑی برکتیں رکھی ہیں۔ خداتعالیٰ نے مجھے بار بار یہی فرمایا ہے کہ جو کچھ ہوگا دُعا ہی کے ذریعہ سے ہوگا۔ ہمارا ہتھیار تو دُعا ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی ہتھیار میرے پاس نہیں۔ دنیا میں جس قدر گناہ اور معصیت ہے تم اس کو وعظ اور تدبیر سے دور نہیں کرسکتے۔ اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے ہر ایک حیلہ بیکار ہے۔ صرف دُعا کے ساتھ تم ان مشکلات کو دور کرسکتے ہو۔ خدا نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اس زمانہ میں لوگوں کے خیالات کو نیکی اور پاکیزگی کی طرف پھیرنا ایک بڑا انقلاب چاہتا ہے۔ یہ خُدا کے ہاتھ میں ہے۔ کہ اتنا بڑا انقلاب پیدا کرے۔ راتوں کو اُٹھ کر دُعائیں کرو۔ عام لوگوں کی عادت ہے کہ صرف دنیا کے لئے دعائیں کرتے ہیں وہ دنیا کے کیڑے ہیں۔ اصل دُعا دین کے واسطے ہے۔ اور اصل دین دُعا ہی ہے۔ یہ خیال نہ کرو کہ ہم گناہگار ہیں ہماری دُعا کیوں کر قبول ہوگی۔ انسان خطا کرتا ہے مگر دُعا کے ساتھ آخر نفس پر غالب آجاتا ہے۔ اور نفس کو پامال کر دیتا ہے ...... اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دُعا کرتے رہو وہ حلیم ہے اور غفور رحیم ہے۔ مزید فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ مخفی ہے مگر وہ اپنی قدرتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ دُعا کے ذریعہ سے اس کی ہستی کا پتہ لگتا ہے۔ کوئی بادشاہ ہو یا شہنشاہ کہلائے ہر شخص پر ضرور ایسے مشکلات پڑتے ہیں جن میں انسان بالکل عاجز رہ جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ اس وقت دُعا کے ذریعہ سے مشکلات حل ہوسکتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ جب خداتعالیٰ کسی سے پیار کرتا ہے تو اسے کچھ دیتا ہے۔ انبیاء کے معجزات ان ہی مصائب کے زمانہ کی دُعاؤں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ خداتعالیٰ کا آپریشن ہے جو ہر صادق کے لئے ضروری ہے۔

بیعت کے بارے میں فرمایا،

دھوکا مت کھاؤ کہ ہم بیعت کرچکے ہیں۔ جب تک تم اس کی حقیقت تک نہیں پہنچتے نری بیعت کسی کام کی نہیں۔ اور بیعت کا اصل مقصد خداتعالیٰ سے ہی تعلق پیدا کرنا ہے جب تک یہ حاصل نہ ہو کچھ بھی نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ ہمارے ساتھ تعلق رکھنے میں پاکیزگی اور طہارت شرط ہے۔ نرا تعلق کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ میرے ہاتھ پر توبہ کرنا ایک موت کو چاہتا ہے تاکہ تم نئی زندگی میں ایک اور پیدائش حاصل کرو۔ بیعت اگر دل سے نہیں تو اس کا کچھ بھی نتیجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ میری بیعت سے دل کا اقرار چاہتا ہے نہ زبان کا۔ پس جو شخص مجھے سچے دل سے قبول کرکے اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس کے تمام گناہوں کو ضرور بالضرور بخش دیتا ہے۔ اور وہ ایسا ہوجاتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے بے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ تب فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں اگر کسی گاؤں میں ایک بھی ایسا نیک بندہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس ایک نیک بندے کی خاطر اور رعایت سے اُس سارے گاؤں کو تباہی اور بربادی سے محفوظ کرلیتا ہے۔ لیکن جب تباہی آتی ہے تو پھر سب پر پڑتی ہے لیکن پھر وہ خدا اپنے بندوں کو کسی نہ کسی طرح سے بچا لیتا ہے۔ سنت اللہ یہی ہے۔

ہے سر راہ پہ کھڑا نیکوں کی وہ مولا کریم + نیک کو کچھ غم نہیں گو بڑا گرداب ہے۔

پس جو شخص مجھ سے سچی بیعت کرتا ہے اور سچے دل سے میرا پیرو بنتا ہے اور میری طاعت میں محو ہوکر اپنے تمام ارادوں کو چھوڑتا ہے وہی ہے جو ان آفتوں کے دنوں میں میری روح اس کی شفاعت کرے گی۔ سو اے وے لوگو جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقوای کی راہوں پر قدم مارو گے سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو خوف اور حضور سے ادا کرو اور بدی کو بیزار ہوکر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقوے سے خالی ہے۔

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے + اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے۔

مقرر موصوف نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ تقوای کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ مع الذین اتقوا یعنی خداتعالیٰ کی معیت بتا دیتی ہے کہ یہ متقی ہے حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

”کیونکہ وہ ہمارے ساتھ ہو؟ اس کا اس نے بار بار یہی جواب دیا ہے کہ تقوای سے۔

مقرر موصوف نے توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ سو اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ۔ بغیر عمل کے باتیں ہیچ ہیں۔ اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقوای یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خداتعالیٰ کی طرف قدم اٹھاؤ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر

صحبت صادقین

اخلاص اور نفس کا تزکیہ نہیں ہوسکتا جب تک کسی مزکی انسان کی صحبت میں نہ رہے اسی ضمن میں مولوی حسن علی صاحب مسلم مشنری کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ اپنی کتاب تائید حق میں لکھتے ہیں کہ مجھے ۱۸۹۳ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ وہاں حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب سے ملاقات ہوئی جو بے نظیر عالم و مفسر قرآن پاک تھے۔ انہوں نے انجمن کے جلسہ میں چند آیات کی تفسیر بیان فرمائی تو مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ میں نے کھڑے ہوکر کہا کہ مجھے فخر ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اتنے بڑے عالم اور مفسر کو دیکھا۔ میں نے ان سے تنہائی میں سوال کیا کہ مرزا صاحب سے جو آپنے بیعت کی ہے اس میں کیا نفع دیکھا ہے۔ جواب دیا کہ ایک گناہ تھا جس کو میں ترک نہیں کرسکتا تھا۔ جناب مرزا صاحب سے بیعت کرلینے کے بعد وہ گناہ نہ صرف چھوٹ گیا بلکہ اس سے نفرت ہوگئی مولوی حسن علی صاحب نے بیعت کرلینے کے بعد فرمایا کہ :” مردہ تھا زندہ ہوچلا ہوں۔ گناہوں سے نجات ملی۔ قرآن پاک کی جو عظمت اب میرے دل میں ہے حضرت پیغمبر صلعم کی عظمت جو میرے دل میں ہے وہ اب سے پہلے نہ تھی۔ یہ سب کچھ حضرت مرزا صاحب کی صحبت کی وجہ سے ہوا۔

مقرر موصوف نے حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب مرحوم کی سیرت کے چند اقتباسات سنائے اور آپنے شبان الاحمدیہ سے سیرت مرزا ایوب بیگ مرحوم کے مطالعہ کی تحریک کی۔

مرزا یعقوب بیگ مرحوم لکھتے ہیں کہ ” میں ایک متقی نوجوان کے حالات سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں اس سے غرض یہ ہے کہ طالب حق لوگوں کو معلوم ہو کہ اس تھوڑی سی عمر اور تھوڑی سی صحبت سے ایک سعید فطرت انسان روحانیت میں کہاں تک ترقی کرسکتا ہے (مرزا ایوب بیگ مرحوم) نے کل ۲۵ سال عمر پائی اور صرف آٹھ سال حضرت امام الزماں سے تعلق رہا۔ انہوں نے طالب علمی بھی کی۔ مگر اکثر فرصت کا وقت حضرت اقدس کی صحبت میں گذرا۔ اس سے کیا پھل پایا اور کیسی تبدیلی ان کے اندر رونما ہوئی کہ وہ نور علی نور ہو گیا۔ چنانچہ حضرت امام وقت نے خود اس کی نسبت تحریر فرمایا کہ وہ اولیاء اللہ کی صفات اپنے اندر رکھتا تھا۔ وہ ایک شیشہ تھا جو منہ تک عطر سے بھرا ہوا تھا۔ یہ رنگ مرحوم میں محض صحبتِ صادقین سے پیدا ہوا۔

جناب زاہد عزیز صاحب آف لندن کا خطاب

موصوف کی تقریر کا موضوع ”یورپ میں مذہبی رجحانات“ تھا۔ انہوں نے بتایا کہ دراصل میرا موضوع ” سائینٹیفک ایجادات اور سلسلہ احمدیہ“ ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتب میں احادیث کے حوالے سے دجال کے نشانات بیان فرمائے ہیں اور بتایا ہے کہ دجال اور یاجوج ماجوج یہ یورپین اقوام ہیں۔ حدیث میں ہے کہ دجال نہایت حیرت انگیز کرشمہ دکھلائے گا۔ وہ زمین پر آسمان سے بارش کرے گا۔ گویا کہ آسمان و زمین کا نظام اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے پاس مادی اور جسمانی کنٹرول ہوگا۔ جس سے وہ مسلمانوں کے ایمانوں کو کمزور کردے گا۔ سائنس کی ترقی سے اسے دُنیا پر کنٹرول حاصل ہوگا اور وُہ

خیال کرے گا اب ہر چیز پر میرا قابو ہے۔ خدا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے۔ اس وقت حضرت مسیح موعود کا کام وساوس کو دور کر کے ایمانوں کو زندہ کرنا ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا اب انسان کو دنیا پر کنٹرول حاصل ہے یا نہیں۔ سائنس اور ٹکنالوجی کا یہ نکتہ سمجھنا نہایت ضروری ہے تو پھر ہم قرآن اور سائنس کے تعلق کو سمجھ سکیں گے۔ سائنسدان قدرت کے چند اصولوں پر تجربہ اور مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کے نتائج کے ضمن میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور اس کی جانب قرآن پاک نے فرمایا۔ وجعل لکم السمع والابصار والفواد ہم نے تمہیں سننے کو کان دیکھنے کو آنکھ سوچ بچار کے لئے عقل دی ہے لیکن تم اس کو استعمال نہیں کرتے۔ پھر فرمایا:

یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ

الف سنۃ مما تعدون ہ وہ اس امر کی تدبیر آسمان سے زمین کی طرف کرتا ہے پھر وہ اس کی طرف چڑھ جائے گا ایک دن میں جس کا اندازہ ایک ہزار سال ہے اس سے جو تم گنتے ہو۔ گویا یہ ایک ہزار سال کی SETBACK یعنی اے مسلمانوں یہ جو تم ہزار سال پیچھے پڑ گئے ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے سمع۔ بصر اور عقل سے کام نہیں لیا۔ انسٹرومنٹس ہی تمام ایجادات کی بنیاد ہے ہوائی جہاز۔ ٹی وی۔ ریڈیو وغیرہ ان سب کی ایجاد کی بنیاد قوانین قدرت کے استعمال سے واقفیت پر ہے۔ یہ قوانین انسان نے نہیں بنائے بلکہ ان قدرتی قوانین کو دیکھ کر عقل سے کام لے کر استفادہ کرتا ہے اور اپنی ضرورت کے مطابق ایجاد کی طرف بڑھتا ہے۔ سورۃ واقعہ میں ارشاد ہے۔

ترجمہ:۔ "کیا تم نے وہ پانی دیکھا جو تم پیتے ہو۔ کیا تم اس کو بادل سے اتارتے ہو یا ہم اسے اتارتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اسے کھاری بنا دیتے تو کیوں تم شکر نہیں کرتے۔ کیا تم نے آگ کو دیکھا جو تم روشن کرتے ہو۔ کیا تم اس کا درخت پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔"

اگرچہ کشتیاں اور جہاز انسان نے تیار کئے ہیں لیکن تحریک اور اس کے اسباب تو خدا نے ہی مہیا کئے ہیں۔ انسان نے جب ہوائی جہاز کی ایجاد کی تو اس نے پرندوں کی طرف دیکھا اور جہاز کو پرندوں کی طرح ڈیزائن کیا۔ اب آخر اس کی یہ صورت بن گئی ہے۔ ان کے انجن پیٹرول سے چلتے ہیں چونکہ تیل اور پیٹرول مسلمان ملکوں میں ہے تو اب اہل یورپ اس خیال میں ہیں کہ ایسے انجن بنائے جائیں جن میں پیٹرول کی ضرورت نہ پڑے لیکن ہر چیز کی ترقی کے لئے توانائی (انرجی) کی ضرورت ہے یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ تیل مسلمان ملکوں کو دیا ہے۔ تو ہر چیز کی دریافت کے لئے مشاہدہ، تجربہ کے بعد ہوتی ہے۔ بعض چیزیں اتفاقیہ طور پر دریافت ہو گئیں۔ مثلاً انسان کو مقناطیس کا علم تھا لیکن اس کے ساتھ الیکٹرک کا علم نہیں تھا۔ چونکہ کمپاس یا قطب نما کی سوئی ہمیشہ شمالاً جنوباً ہوتی ہے۔ ارشمیدس ایک دفعہ تجربہ کر رہے تھے اور بجلی اس کا رخ بدل رہی تھی اس سے الیکٹرو میگنٹ تعلق پیدا ہوا ریڈیو وغیرہ بھی بجلی اور مقناطیس کے تعلق سے کام کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کو علم خدا عطا کرتا ہے ـ ـ ـ ـ ـ سائنس کی ایجادات غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ V.C.R. پر تصاویر ریکارڈ ہوتی ہیں۔ اور ٹیپ ریکارڈ پر آواز ٹیپ ہوتی اس طرح انسان کے جملہ اعمال خدا کے ہاں بھی ریکارڈ ہو رہے ہیں اور اس پر نتائج مرتب ہونگے اس لئے چاہیئے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں اور جدید علوم بھی حاصل کریں اور قرآن پاک کا مطالعہ حضرت امام وقت کی نظر سے کریں تاکہ دین اور دنیا میں رہنمائی حاصل ہو۔

جناب راجہ محمد بشیر صاحب کراچی کا خطاب

جناب زاہد عزیز صاحب کے قرآن اور سائنسی علوم کی بہترین توضیح کے بعد جناب راجہ محمد بشیر صاحب نے "سابقت فی الخیرات" کے موضوع پر تقریر کی قرآن پاک کی آیات

الحق من ربك فلا تكونن من الممترين ـ ـ ـ ـ فاستبقوا الخيرات .... ان الله على كل شئ قدير ہ (البقرۃ ۔) یہ حق تیرے رب کی طرف سے پس تو ہرگز جھگڑنے والوں میں سے نہ ہو۔ اور ہر ایک کے لئے ایک طرف ہے جدھر وہ منہ کرتا ہے۔ پس نیکیوں کو ایک دوسرے سے بڑھ کر کرو۔ جہاں کہیں تم ہوگے اللہ تم کو اکٹھا کریگا بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

فاضل مقرر نے فاستبقوا الخیرات کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ الحق کے معنے ہیں کسی واقعہ کا ٹھوس صورت میں حقیقت بن کر سامنے آنا جیسے ویحق الحق بکلمتہ خدا اپنی باتوں سے حق کو ثابت کرتا ہے یعنی خدا تعمیری قوتوں کے نتائج کو برقرار رکھتا ہے جو ٹھوس شکل میں موجود رہتے ہیں۔ اور حق کے یہ معنے بھی ہیں کہ کسی چیز کا اس طرح موجود۔ واقع اور ثابت ہو جانا کہ اس سے انکار نہ ہو سکے۔ اور الممترین کے متعلق حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی نے لکھا ہے کہ اس امر میں جھگڑا کرنا جس میں تردد ہو۔ ایک اور مقام پر ہے ان الذین یمارون فی الساعۃ وہ لوگ جو الساعۃ یعنی موعود گھڑی کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ شک تردد میں ہیں۔ فاستبقوا الخیرات یعنی نیکی اور خوشگواری پیدا کرنے والے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لو اور ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ مقرر موصوف نے وضاحت کی کہ انسان کے لئے عمل اور جد و جہد کا جذبہ مسابقت ہی ہے یعنی وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہتا ہے اور یہ مسابقت کا جذبہ ہی وہ مہمیز ہے جس سے انسان دیوانہ وار سعی و عمل میں مصروف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس جذبہ کی رعایت سے تحریک کرتا ہے کہ تم ذاتی مفاد کے بجائے بھلائی کے کاموں میں دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ اس سے نہ صرف جذبہ مسابقت کی تسکین ہوگی بلکہ معاشرہ بھی اصلاح یافتہ ہو جائے گا اور ارشاد ہے سابقوا الی مغفرۃ من ربکم اپنے رب کی مغفرت کی طرف ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔

موصوف نے کہا کہ نیک کاموں کا جذبہ قوموں کی ترقی کا موجب ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نیکی پھیلانے والے گروہ کو ایک دوسرے پر اعتماد ہوتا ہے۔ اور اعتماد و اتحاد کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ نیکی اور بھلائی پھیلانے والے لوگوں پر لوگ بھروسہ کرتے ہیں۔ اس سے باہمی محبت بڑھتی ہے اور قوم ترقی کرتی ہے۔ لیکن اگر یہ جذبہ کم ہو جائے یا ناپید ہو جائے تو اس سے اعتماد برقرار نہیں رہتا اور اتحاد ناممکن ہوتا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہے کہ فاستبقوا الخیرات صرف نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ مقرر موصوف نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اسلام نے نیکیوں میں سبقت کرنے کو رواج دیا ہے جس کا لازمی نتیجہ اعتماد۔ باہمی اتحاد اور محبت ہے۔ لیکن حرص و ہوس کا نتیجہ عداوت اور دشمنی ہوتا ہے نیکی میں سبقت سے حسد پیدا نہیں ہوتا جو کہ ایک بڑی برائی ہے۔ لیکن مادی منفعت کے اندر مسابقت کرنے میں حسد کا پیدا ہونا لازمی ہے اس لئے جب کوئی شخص مال و دولت میں بڑھ جاتا ہے تو اس کی حرص و ہوس بڑھنے کے ساتھ اس کے ساتھ اس کے عزیز و اقارب میں حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن نیکیوں کی دوڑ میں ایسا نہیں ہوتا۔ سید عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ ہے کہ ان سے ان کے شاگردوں نے اپنے ایک ساتھی کی شکایت کی کہ ہم رات کو نفل پڑھتے رہے اور وہ سویا رہا۔ انہوں نے کیا ہی خوب فرمایا کہ اس وقت جب تک تم نفل پڑھ رہے تھے اور وہ سو رہا تھا تو تم اس سے بہتر تھے۔ اب جب تم نے اس کی غیبت کی وہ تم سے بہتر ہے۔ مدعا یہ ہے کہ نیکی کے اظہار سے تکبر پیدا ہوتا ہے جو نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔

اس سائنسی دور کا انسان کہہ سکتا ہے کہ مذہب انسان کو اندھا دھند تقلید کا درس دیتا ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم جو کچھ کہتا ہے اس کو مدلل پیش کرتا ہے

اور ہر بات کو علی وجہ البصیرت ماننے کے لئے کہتا ہے۔ وہ اندھی تقلید کے خلاف ہے۔ قرآن پاک ایسے دلائل دیتا ہے تردد و شک کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ آج مسلمان کی عملی حالت ظاہر کر رہی ہے کہ وہ اب "ایہہ جہان مٹھا اگلا کس ڈٹھا" کو سامنے رکھ کر عملی حالت سے دور ہو گیا ہے۔ اس لئے حضرت اقدس مجدد صد چہاردہم نے جو جماعت تیار کی تھی جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے سے نیکیوں میں بڑھیں اور حضرت اقدس نے اسلامی تہذیب کو عملاً جاری کیا۔ یہ قرآن پاک پر عمل کی حامل تھی کیونکہ ان کے نزدیک سے

یک قدم دوری ازاں روشن کتاب + نزد ما کفر است و خسران و تباب

اور اس عقیدہ نے حضرتِ اقدس کے ساتھیوں کو بلند مقامات پر فائز کر دیا۔

پاکستان مملکت خداداد مسلمانوں کو ملی لیکن اس کا ردعمل عجیب ہے کیونکہ انگریزی دور میں جو کچھ اخلاق تھے وہ بھی بگڑ گئے ہیں۔ ہمارے دل و دماغ میں قرآن نہ سما سکا۔ نیتوں میں فتور آ گیا۔ اور زندگی کا مقصد صرف مادی ترقی کا حصول بن کر رہ گیا ہے۔ اب ہم مال و اسباب میں اقتدار و اختیار میں ایک دوسرے سے بڑھنا چاہتے ہیں۔ اور پاکستان کے حصول کا مقصد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ تعجب ہے کہ جھوٹ کو جس کو خدا نے حرام قرار دیا ہے مصلحت آمیز بنا کر جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ کیا یہ دین کے ساتھ مذاق نہیں ہے۔ فاضل مقرر نے مزید کہا۔ حضرتِ اقدس کے فرمودات غور طلب ہیں وہ فرماتے ہیں۔ "میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن ہو اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی محبت رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اسوہ حسنہ پر کاربند ہو۔ اور اصلاح اور تقوٰی کے راستے پر چلنے والی ہو ایسی جماعت کے ذریعہ سے دنیا ہدایت پائے۔ اور خدا کا منشاء پورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پوری نہ ہوئی تو اگر دلائل اور براہین سے ہم نے دشمنوں پر غلبہ بھی پا لیا تو پھر بھی ہماری کوئی فتح نہیں۔ کیونکہ ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہیں ہوگی۔ تو گویا ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ دلائل و براہین کی فتح کے نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور دشمن بھی اپنی کمزوری محسوس کرنے لگا ہے۔ لیکن جو ہماری بعثت کی غرض ہے اس کے متعلق ابھی تک جماعت میں بہت کمی ہے پس یہ خیال جو مجھے آج کل کھا رہا ہے اور اس قدر غالب ہو رہا ہے کہ کسی وقت بھی مجھے نہیں چھوڑتا۔

فاضل مقرر نے کہا کہ ایسی جماعت جس کے قیام کا مقصد روزِ ازل سے ہی فاستبقوا الخیرات تھا کی جانب توجہ ضرورت سے کم ہے۔ فاضل مقرر نے کہا کہ "اب میرے نزدیک بنیادی کام یہ ہے اور وہ یہ کہ ہماری جماعت کا ایک ایسا اعلیٰ اور ممتاز نمونہ ہو جیسے حضرت اقدس کے زمانہ میں تھا اور اس وقت جماعت کے افراد کا نمونہ ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ تھا جیسے کہ بعض اہلِ نظر نے اعتراف کیا ہے۔

خدا نے مومنوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے والذین لا یشھدون الزور یعنی وہ لوگ کبھی جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور یہی حضرتِ اقدس مرزا صاحب کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ وہ مصلحت آمیز جھوٹ کو عین جھوٹ ہی مانتے تھے

فاضل مقرر نے آخر میں کہا کہ آپ نیکیوں میں سبقت کریں۔ اس سے اعتماد پیدا ہوگا اور اعتماد سے اتحاد بڑھے گا۔ اور پھر اتحاد سے باہمی محبت کا جذبہ پروان چڑھے گا۔ اب ہماری ترقی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے وہ ہے نیکیوں میں سبقت، اور حضرت مسیح موعود کا نمونہ سامنے رکھیں۔ صداقت کے بیان میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہونے دیں اشاعت اسلام اور قبولِ اسلام کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کا عملی نمونہ ہے اس لئے عمدہ نمونہ پیش کرو اور اس کے لئے فاستبقوا الخیرات ہی ایک راستہ ہے۔

مؤرخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۲ء بروز پیر

پہلا اجلاس

مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۲ء کو پہلا اجلاس جناب شیخ عمر فاروق صاحب کی صدارت میں جناب ملک غلام علی صاحب شیخ محمدی کی تلاوتِ قرآن پاک سے شروع ہوا۔ جناب فاروق احمد صاحب سفید ڈھیری نے حضرت مجدد صد چہاردہم کا منظوم کلام "حمد و ثنا اسی کو جو ذات جاودانی ہمسر نہیں ہے اس کا کوئی نہ کوئی ثانی" نہایت خوش الحانی سے سنایا۔ جناب زاہد جنجوعہ نے حضرت اقدس مرزا صاحب کے ملفوظات پڑھ کر سنائے جس میں آپ نے فرمایا ہے ان الدین عند اللہ الاسلام۔ اسلام اپنے ارادوں سے کھوئے جانا اور خدا میں گم ہو کر اپنے آپ کو محو کر دینا ہے۔ جب انسان کو ایسی آنکھیں ملتی ہیں جو خدا کے نور سے دیکھتی ہیں اور ایسے کان جو اس کے حکم کو سنتے ہیں دل و دماغ خدا کی رضا کے تابع ہوتے ہیں تو خدا انسان کے قریب ہوتا ہے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید

جناب مولانا بشیر احمد منظور صاحب راولپنڈی نے کنتم خیر امۃ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنے خطاب قرآن پاک کی آیت کنتم خیر امۃ اخرجت للناس ۔۔۔ تؤمنون باللہ سے استدلال کے بعد کہا کہ حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا جب ظہور ہوا تو بحر و بر میں فساد برپا تھا۔ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں امن ہو۔ جہالت کا دور دورہ تھا خصوصاً عرب کے ملک کی اونٹ کی طرح کوئی کل سیدھی نہ تھی صدیوں سے جنگ و جدل میں مصروف۔ اتحاد کی نعمت سے ناآشنا۔ تمدن و تہذیب سے بیگانہ اخلاق فاضلہ سے نامانوس۔ اُن کی طرف حضرت رسول اکرم صلعم مبعوث ہوئے تاکہ وہ ان کو نکھار دیں۔ ان کانٹوں کو پھول بنا دیں۔ دنیا جانتی ہے کہ حضورؐ نے نہ صرف ان کو حکیمانہ اصول بتلائے اور سکھائے بلکہ ایسی جلا بخشی کہ دنیا ان کے اخلاقی جلووں سے دنگ رہ گئی۔ وہ لوگ حبشہ میں گئے۔ قیصر و کسریٰ کے پاس پہنچے وہ لوگ حیران رہ گئے کہ کیا یہ وہی قوم ہے جس کے سابقہ حالات سے ہم آگاہ ہیں۔ اور اب یہ ہمیں تہذیب و تمدن سکھانے آئے ہیں۔ اور یہ ہم سے کچھ مانگنے نہیں آئے بلکہ ہمارے تاج و تخت پر ان کی نظر ہے؟ یہ سب خوبیاں حضرت رسول اللہ صلعم کی تربیت کی وجہ سے تھیں حضور صلعم کے اول مخاطب یہی لوگ تھے اور ان کو حضورؐ نے اخلاق کی بلندیوں پر فائز کر دیا۔ بظاہر جو بات ناممکن تھی ممکن بنا دی۔ جو اُمی تھے دنیا کے اُستاد بن گئے۔ قرآن مجید میں ہے۔

لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون۔ (الاعراف ۱۷۹)

ان کے دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں کان ہیں ان سے سنتے نہیں۔ وہ چارپایوں کی مانند ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی غافل ہیں۔ یہ لوگ رسول صلعم کے مخاطب تھے آپؐ نے ان کو غور و تدبر کی دعوت دی اور فرمایا کہ ہر ذرہ خدا کے حکم کے تابع ہے۔ چاند، سورج، زمین اس کے حکم تابع میں کام کئے ہوئے ہیں۔ سورج روشنی نہ دے تو ہماری زندگی کا چراغ بجھ جائے۔ ہوا نہ ہو تو جاندار دم گھٹ کر مر جائیں۔ اور یہ زمین و آسمان تمہارے لئے مسخر کر دیئے ہیں اور یہ تمہاری خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ یعنی سورج، چاند، پانی، ہوا سے ہماری زندگی ہے اگر یہ نہ رہیں گے تو ہم بھی نہیں رہیں گے۔ یہ چیزیں ہماری خادم بنا دی گئی ہیں۔ تو پھر آخر ہماری زندگی کا بھی کوئی مقصد ہے اور وہ ہے وما خلقت الجن والانس

الا لیعبدون۔ یعنی یہ ساری کائنات تمہارے لئے اور تم خدا کے لئے ہو یعنی اس کی عبادت اور فرمانبرداری کے لئے۔ ان اللّٰہ ربّی و ربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم ۔ بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ اسی کی عبادت کرو اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ جب وہ انسان کو پکارتا ہے تو یہ صحرا میں آواز کی طرح نہیں بلکہ انسان کو حقیقت سے آگاہ فرماتا ہے۔ وہ عبادت کرتا ہے تو صرف باتیں ہی نہیں کرتا بلکہ کردار کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ صرف گفتار کا غازی بننے سے بات نہیں بنتی۔ امنوا سے مراد صرف اقرار باللسان ہی نہیں بلکہ عمل بالارکان بھی ضروری ہے۔ فرمایا کہ میرے حکموں پر عمل کر کے دکھاؤ۔ خدا ہمارا مقصود بھی ہے معبود بھی ہے محبوب بھی ہے۔ اور محبت کا کمال یہ ہے کہ خدا کی محبت سب سے زیادہ شدید ہو۔ والذین امنوا اشد حبًا للّٰہ۔ خدا نے والدین سے حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے اور ان کی اطاعت کو ضروری ٹھہرایا ہے لیکن خدا کے احکام کے مقابلہ میں اطاعت صرف اللہ ہی کی ہے ماں باپ کی نہیں۔ خدا کو سب پر ترجیح دو۔ تمام گناہ معاف ہو سکتے ہیں لیکن شرک نہیں۔ ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء، کوئی محبوب یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کا عاشق کسی اور سے بھی عشق کرے۔ ایک دل میں دو محبتیں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ خدا کی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ کسی اور کو بھی معبود و محبوب مانا جائے اسی لئے فرمایا ہے قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین وبذٰلک امرت وانا اول المسلمین۔ کہہ دے خدا میرا محبوب ہے۔ میری نماز۔ میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے اور میری رضا خدا کی رضا ہے۔ پھر فرمایا ہے۔ اگر تم مجھے اپنا محبوب بناتے ہو تو میری صفات اپنے اندر لاؤ اور خدا کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگین کرو۔ تخلقوا باخلاق اللّٰہ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نبی اکرم صلعم کے اخلاق کے بارہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کان خلقہ القرآن۔ یہی وجہ ہے حضور کی صفت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

حریصٌ علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔ حضور صلعم تمہارا دکھ نہیں دیکھ سکتے اور تمہاری بھلائی کے خواہش مند ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ رسول صلعم سراسر رحمت اور پیار ہیں۔ مخلوق سے بڑا پیار کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضور صلعم کے ذریعہ صحابہ رضؓ کو کنتم خیر امۃ کے مقام پر فائز فرمایا۔ اور ان کے اندر یہ جذبہ پیدا کر دیا کہ وہ جہاں جاتے رحمت بن کر جاتے۔ میدان بدر میں ایک صحابی زخمی پڑے تھے ان سے پوچھا گیا تمہاری آخری خواہش کیا ہے وہ کمزور جسم کو گھسیٹ کر حضور صلعم کے قدموں پر سر رکھ دیتا ہے اور جان نکل جاتی ہے۔ "رخ تو دیدہ باشم و تو در دیدہ باشی" جنگ اُحد میں یہ مشہور ہو گیا کہ نبی اکرم شہید ہو گئے تو مدینہ کی عورتیں بے چین ہو کر نکل آئیں ایک عورت نے لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ تیرا باپ۔ شوہر۔ بھائی شہید ہو گئے ہیں اس نے کہا کہ مجھے نبی اکرمؐ کی بات بتائیے تو بتایا گیا کہ بخیریت ہیں تو اس خاتون نے کہا کہ اگر وہ زندہ ہیں تو ہمیں کچھ پرواہ نہیں ہے۔

فرمایا تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر تمہارا یہ وصف ہے کہ تم نیکیوں کا حکم دینے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہو۔ کیونکہ بدی کے مٹنے سے ہی اسلام پھیلتا ہے۔ قل ھذہٖ سبیلی۔ یہ میرا راستہ ہے اور میں اس کی طرف تمہیں بلاتا ہوں یعنی اس راہ کا کامل عرفان اور اس کی صحت کا یقین ہی پیروی کی راہ کھولتا ہے۔ جبر سے ایسا ممکن نہیں۔ ہر قوم کا اپنا ایک نشان ہوتا ہے۔ اقوام متحدہ (U.N.O) میں ہر قوم کا جھنڈا ہوتا ہے۔ لیکن ہر قوم اپنے ہی جھنڈے کی وفادار ہوتی ہے۔ ہمارے نبی اکرم صلعم نے خدا کی کبریائی کا جھنڈا بلند کیا۔ اور جب تک یہ جھنڈا بلند نہ ہوگا امن اور سلامتی قائم نہیں ہو سکتے۔ خدا کی کبریائی کا چھوڑنا ایک شرک بھی ہے۔ اور شرک کو خدا معاف نہیں کریگا۔ ہمیں خدا کی کبریائی کا جھنڈا بلند کرنا ہے۔ جنوبی افریقہ کے جنرل اسمتھ نے ۱۹۴۵ء میں سان فرانسسکو میں حقوق انسان لکھے جو چند صفحات پر مشتمل ہیں اور بڑی خوبصورت باتیں لکھی ہیں۔ لیکن جنوبی افریقہ میں ان پر جس طرح عمل ہوتا ہے اس کے متعلق ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ قوانین اور باتیں انسانوں کے لئے لکھی ہیں گویا سیاہ رنگ کے افریقی اس کی نظر میں انسان ہی نہیں۔ لیکن اسلام نے کیا عمدہ تصور پیش کیا ہے قریش نسب پر بڑا فخر کرنیوالی قوم تھی جب جنگ بدر میں مبارزت کے لئے انصار نکلے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے قبائل وہ لوگ آئیں جو قریشی ہیں اور ہمارے ہم مرتبہ ہیں حضرت بلال حبشی جو ایک غلام تھا مسلمان اس کو ہمارا آقا کہتے ہیں۔ یہ کنتم خیر امۃ کا مقام ہے، اس زمانے میں حضرت مرزا غلام احمد مجدد صد چہار دہم نے ہم سے عہد لیا کہ دین کو دنیا پر مقدم کریں گے ۔ ۔ ۔ اس لئے ہمیں دین کا حامل اور دین کا عملی پیکر بننا چاہیئے۔ کیونکہ دوسروں کی راہنمائی کے لئے خود اپنی زندگی کو اسوۂ رسول صلعم کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ اس لئے اخوت وائتماد پیدا کریں اور انانیت کو چھوڑ دیں۔ تو یہ جماعت سربراہی کر سکے گی اور خدا کا ساتھ میسر ہوگا۔

اخبارِ احمدیہ

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بخیریت ہیں۔ احباب سلسلہ آپ کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی دعائیں جاری رکھیں تا وہ مولا کریم اپنے خاص فضل سے حضور کی احیائے اسلام، اشاعت قرآن اور استحکام جماعت کی دن رات کی کوششوں اور دل گداز دعاؤں کو جلد مستجاب فرمائے اور طلوع شمس من مغربھا کا ایمان افروز نظارہ ہمیں اپنی زندگی میں دکھا دے۔

ایک افسوسناک خبر

ہماری جماعت کے ایک جواں ہمت بزرگ محترم محمد الرحمٰن صاحب سیکرٹری جماعت نیلا گنبد لیڈی ریڈنگ ہسپتال کے شعبہ INTENSIVE CARE میں تقریبًا دو ہفتہ بیہوش رہنے کے بعد وفات پا گئے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون
احباب سلسلہ مرحوم کی بلندیٔ درجات کے لئے دعا فرمائیں۔
بیرونی جماعتوں سے نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے (مفصل آئندہ)

* **درخواستِ دعا اور عطیہ**

محترمہ اہلیہ صاحبہ لالہ محمد عرفان صاحب باورچی مہمان خانہ احمدیہ بلڈنگس نے مفت اشاعت قرآن کریم کی مد میں مبلغ یک صد پچھتر روپے عطیہ دیا ہے۔ وہ بزرگانِ جماعت سے اپنے بیٹے کی کامیابی کے لئے دعا کی درخواست کرتی ہیں۔

* **سانحۂ ارتحال**

نہایت افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ جناب ناصر احمد صاحب ایڈیٹر لائٹ کی اہلیہ صاحبہ محترمہ مورخہ ۷/۸ جنوری کی درمیانی شب میو ہسپتال میں انتقال کر گئیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کا جنازہ دارالسلام کی جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ نے پڑھایا اور تدفین کے بعد دعا فرمائی مرحومہ بڑی بردبار خوش مزاج، نیک سیرت اور خادم سلسلہ خاتون تھیں مرحومہ کے اقربا مرد و خواتین کافی تعداد میں سیالکوٹ وزیر آباد۔ گوجرانوالہ اور دوسرے مقامات سے آکر تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے۔ مرحومہ نے چار بچے سوگوار چھوڑے ہیں۔
پیغام صلح :- ہمیں اس صدمہ میں اپنے بھائی محترم ناصر احمد صاحب سے دلی ہمدردی ہے اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

جالینوس کے قلم سے :-

انسانِ کاملؐ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

جب ہم تاریخ عالم پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں بنی نوعِ انسان میں بڑی بڑی ہستیاں اور ان کی زندگیاں ان کے اعمال اور ان کے کارہائے نمایاں نظر آتے ہیں مگر تمام قابلِ ذکر وجود اپنے اپنے زمانہ ہی کے اعتبار سے نمایاں لگتے ہیں۔ جیسا کہ ابتدائے تخلیق کائنات میں لوگ غاروں میں رہتے تھے اپنے جسموں کو درختوں کے پتوں سے ڈھانکتے تھے اور ایسے دور بھی نظر آتے ہیں جبکہ انسان جانوروں کے ساتھ زندگی گذارتا تھا۔ رضائے الٰہی میں یہی نظر آتا ہے کہ آہستہ آہستہ ہی انسان نے تہذیب کے لمبے سفر کو طے کرنا تھا۔ مختلف اوقات اور ادوار میں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تہذیب وتمدن، اخلاق و عادات اور زندگی گذارنے کے طور طریقے سکھائے اور غلط راستہ پر چل نکلنے سے باز رکھنے کے لئے اور دھوپ اور چھاؤں میں تمیز کرنے کے لئے اپنی جانب سے راہ نما اور استاد بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا اور جس قوم میں جو برائی دیکھی اس قوم کی طرف اس برائی کو خصوصاً اور باقی بنیادی برائیوں کو عموماً دور کرنے کے لئے اپنے نائبین اور خلفاء کو مبعوث فرماتا رہا۔

جب انسانی تہذیب کی تکمیل کا وقت آیا اور وقتی اور علاقائی تعلیمات کا دور ختم ہوا اور اللہ تعالیٰ نے پسند کیا کہ اب انسان اس قابل ہو گیا ہے کہ وہ مکمل تعلیم اور تربیت کے معراج کو برداشت کر سکے۔ تب اس نے ایک ایسے انسان کو چنا جو اس کی طرف سے کامل، مکمل اور آخری تعلیم کو لے کر آوے اور ضروری تھا کہ اس نوع کی تعلیم کو قیامت تک کے لئے قائم کرنے والا انسان بھی اپنے اوصاف، اخلاق، عادات، اعمال، افعال۔ اطوار اور کردار میں خود کامل ہو اس امر کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل شریعت کے ساتھ دنیا کے روحانی مرکز مکہ میں ایک انسان کامل کو مبعوث فرمایا۔

اس عظیم شخصیت کو ایسے ماحول میں پیدا کیا جہاں تمام انواع کی برائیاں اور خرابیاں پائی جاتی تھیں ایسے صبح وشام، شب وروز اور لیل ونہار میں جہاں گمراہی کے اندھیرے کے سوا کچھ نہ تھا ایک ایسے کامل وجود کو کھڑا کیا جو ایک نرالی اور روحانی عظمت لے کر پیدا ہوا۔ بچپن سے ہی اس کی گھٹی میں نیکی، اخلاقِ عالیہ اور ہمدردیٔ بنی نوعِ انسان کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جس ماحول میں فاسد خیالات اور اخلاقی امراض کے کیڑے جنم لے رہے تھے اور خدائے واحد لاشریک کے سوا تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش ہو رہی تھی وہاں ایک ایسے انسان کو پیدا کیا جس نے خدائے واحد کی طرف ساری قوم کو آواز دی اور جس کو اللہ تعالیٰ نے عالمین کے لئے رحمت قرار دیا۔ اگر ہم تاریخ کے دریچوں میں جھانک کر دیکھیں تو دنیا کی تمام عظیم ہستیوں کے مقابل ہمیں آپؐ کے وجود میں وہ روشنی اور ہدایت نظر آئے گی جو کہیں اور نہیں ملتی۔ آپ نے ولادت سے ہی اپنے خدا کے سوا کسی بت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ جوانی کے زمانہ میں جب آپ کے قرب وجوار میں شراب مٹکوں کے حساب سے لنڈھائی جاتی تھی۔ اس ام الخبائث کو نہیں چھوا۔ آپ پر بھی جوانی کے ایام آئے مگر جو امور جوانوں سے سرزد ہو جاتے ہیں آپ میں ان کا شائبہ اور ایک رتی برابر چیز بھی نظر نہیں آتی۔ آپ کی زندگی ایک کورے کاغذ اور شفاف آئینہ کی طرح نظر آتی ہے۔ جس میں برائی نام کی کوئی چیز نہیں ملتی۔

آپ کو ہم کسی پہلو سے بھی دیکھ لیں ہر قسم کی عظمت آپ میں اپنی نمایاں شان سے جلوہ گر نظر آتی ہے۔ آپ نے اپنے کردار اور عمل سے سب مخالفتوں کا دلیرانہ مقابلہ کیا۔ جو دوسروں سے کہا پہلے ایسا کر کے دکھایا اور آپ کے وجود میں جب ایک مکمل تصویر ایک کامل انسان کی نظر آئی تو اپنے اور بیگانے آپ کی عظمت کے خود بخود قائل ہو گئے اور آپ کا پیغام مکہ سے نکل کر عرب میں پھیلا اس کے بعد عرب و عجم سے نکل کر دور دراز ملکوں میں بسنے والے بنی آدم آپ کی تعلیم اور آپ کے پیغام کے گرویدہ ہو گئے۔ اور آپ نے اخلاقِ عالیہ کے متعلق جہاں پیروی کرنے والوں کو دعوت دی وہاں نہ ماننے والوں کو چیلنج دیا کہ لاؤ اگر دنیا میں اتنے اخلاقِ عالیہ کا اور کوئی مالک ہے۔ آپ نے فرمایا:-

"میں اخلاق کی بلندیوں پر پہنچانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں"

آیئے ہم بعض صورتوں میں آپؐ کے کردار کا جائزہ لیتے ہیں کہ مختلف اوقات اور مختلف رنگوں میں آپ نے ہمارے لئے کیا سبق ارشاد فرمایا ہے۔ اور مختلف حالات میں کس قسم کا پاک اور نیک نمونہ ہمارے لئے چھوڑا ہے جس نمونہ پر چل کر ہم اپنی عاقبت کو سنوار سکتے ہیں۔

(۱) صداقت اور امانت

آپ بچپن سے ہی ہر قسم کی برائیوں سے دور رہتے تھے۔ حق بات کہنے اور سچ کی تلقین کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ سوائے سچ کے کچھ نہ کہتے تھے۔ حتیٰ کہ تمام اہل مکہ میں صادق اور امین کے نام سے آپ کا چرچا ہو گیا اور آپ کو آپ کے نام سے پکارنے کی بجائے ان دو ناموں سے ہی آپ کو پکارا جانے لگا۔ اپنے اور غیر سب ہی آپ کے پاس امانتیں رکھواتے آپ سے اپنے اختلافات کا فیصلہ کرواتے اور مشکل مقام پر آپ کو ہی فیصلہ کیلئے کہتے۔

جب از سرِ نو خانہ کعبہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا اور پھر سے حجرِ اسود کو اس کے اصل اور صحیح مقام پر رکھے جانے کا وقت آیا تو عرب کے قبائل میں شدید اختلاف رونما ہو گیا اور قریب تھا کہ اسی ایک وجہ سے اہل مکہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے مگر وہ آپ کی لیاقت مہارت اور حسنِ تدبر اور معاملات میں آپ کا بعید النظر ہونا ہی کام آیا اور مکہ کے ایک رئیس اور عمر رسیدہ شخص ابو امیہ جس کی سب لوگ بہت عزت کرتے تھے نے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو باب صفا سے پہلے حرم میں داخل ہو وہی ہمارا منصف ہو گا اور اس کا فیصلہ سب کے لئے قابلِ قبول ہو گا۔ جب انہوں نے آپ کو آتے دیکھا تو سب بیک آواز ہو کر پکار اٹھے کہ وہ تو صادق اور امین آ گیا ہے وہی فیصلہ کرے گا۔ اور آپ نے فرمایا کہ ایک چادر لاؤ۔ اور اس میں آپ نے اپنے ہاتھ سے حجرِ اسود کو رکھ دیا اور تمام قبائل کے رئیسوں سے کہا کہ تم چاروں کونوں سے اسے اٹھاؤ اور اس کے بعد حضور نے اپنے ہاتھ سے حجرِ اسود کو اٹھا کر اس کے مقام پر رکھ دیا اور جنگ کے بادلوں کی جگہ امن کے نور نے لے لی۔

(۲) بہادری اور شجاعت۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر فولادی دل عطا کیا تھا کہ کبھی اس دل میں خدا کے خوف کے سوا کسی کا خوف نہیں آیا۔ سفر میں حضر میں امن میں جنگ میں ہر حالت میں آپ نے شجاعت کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ ایسا نہیں کیا کہ جیسے لیڈرانِ قوم اور رہبرانِ قبائل قوم کو جنگ کی آگ میں جھونک کر خود اپنے نعمت کدوں میں سکھ کی نیند سو جاتے ہیں آپ نے ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے آگے ہو کر دشمن کا مقابلہ کیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور سے بڑھ کر بہادر کسی کو نہیں پایا۔ جنگ کے شعلے کتنے بھی بھڑکیں ہم نے دشمن سے قریب تر حضورؐ

کے سوا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ ایک جنگ کے موقعہ پر کفار میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ حضور کا وصال ہو گیا ہے اس موقعہ پر آپ نے بلند آواز سے نعرہ لگایا۔

"یعنی میں میدان میں موجود ہوں۔ نبی ہونے کے لحاظ سے بھی اور عبدالمطلب کی اولاد ہونے کے تعلق سے بھی میں میدان سے نہیں ہٹ سکتا۔"

۳۔ وسیع القلبی اور سخاوت :۔

آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ کے پاس نوّے ہزار درہم آیا اور آپ جب تک گھر نہیں گئے جب تک آپ نے سب کا سب ضرورت مندوں میں تقسیم نہ کر دیا۔ آپ کے در سے کبھی کوئی سوالی واپس لوٹ کر نہیں گیا۔ اور آپ نے تو خدائی تعلیم ہی یہ دی کہ "جب کوئی مانگنے والا آئے تو اُسے خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ" اور آپ نے فرمایا کہ تم ضرورت مندوں کی حوائج کو پورا کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو اور یہ فرمایا کہ :۔

"جو شخص اپنے بھائی کی حاجت دُور کرتا ہے اسے دس سال کے اعتکاف کا ثواب دیا جاتا ہے۔"

آپ کے متعلق ایک شاعر کا قول ہے کہ آپ نے لا (نہیں) کا لفظ کبھی استعمال نہیں کیا۔

"ما قال لا قط الّا فی تشهدہٖ"

"آپ نے کبھی لا کا لفظ نہیں استعمال کیا سوائے کلمہ شہادت کے۔ اور اس کے بعد شاعر کہتا ہے :۔

"لولا التشهد کانت لاءہٗ نعم"

اگر کلمہ شہادت نہ ہوتا تو آپ کی یہ "نہیں" بھی "ہاں" میں تبدیل ہو جاتی۔

(۴) شدتِ حیاء

ہمارے ہاں یہ کہا جاتا ہے کہ حیاء عورت کا زیور ہے۔ مرد کے حیادار ہونے کا تصور قریب قریب غائب ہوتا جا رہا ہے۔ مگر آپ کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ آپ اسطرح حیا کرتے تھے جس طرح کوئی کنواری اپنے دوپٹہ میں حیا کرتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ سے اس قدر حیا کرتے تھے کہ کوئی ایسا کام یا ایسا عمل سرزد نہ ہو جائے جس سے وہ ناراض ہو جائے اور قرآن کریم کی تعلیم میں نہ صرف عورتوں کو غضِ بصر (نیچی نگاہیں رکھنا) سے کام لینے کا حکم دیا بلکہ مردوں کو بھی یہی حکم دیا کہ وہ اپنی نظروں کو نیچا رکھیں۔ آپ کو خدا سے اس لئے حیا تھی کہ وہ ناراض نہ ہو جائے۔ لوگوں سے اس لئے حیا تھی کہ وہ کسی فعل پر عیب جوئی نہ کریں۔ اور اپنے آپ سے اس لئے حیا تھی کہ علیحدگی میں بھی ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے جو اگر بر سرِ عام ہو تو اچھا نہ لگے۔

۵۔ عزم۔ جرأت اور ہمتِ عالیہ

آپ کے دل میں کبھی یہ خوف نہیں گذرا کہ وہ بتوں کے پجاریوں کو خدائے واحد لاشریک کی طرف بلا رہے ہیں تو اس کا ردّعمل کیا ہوگا۔ جبکہ دشمن طاقتور۔ کمینہ اور ظالم تھا۔ آپؐ نے سارے اہلِ مکہ کو جمع کیا اور ببانگِ بلند خدا کا کلام ان کو سنا دیا اور ہر چہ بادا باد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ کبھی یہ نہیں سوچا کہ خدا کا پیغام ان لوگوں کو پہنچانے پر یہ لوگ مجھ سے کیا سلوک کریں گے۔

آپ پر مکہ میں ہجرت کے وقت تک اور ہجرت کے بعد مدینہ میں اپنے دفاع کے دوران میں بڑے بڑے مشکل مقام آئے مگر آپ نے ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

جب اہلِ مکہ آپ کے پیغامِ توحید سے تنگ آ گئے تو آپ کے چچا ابو طالب جو آپ کے محافظ اور مددگار تھے ان کے پاس سب اکٹھے ہو کر آئے اور کہا کہ اگر آپ نے اپنے بھتیجے کو اعلانِ توحید سے باز نہ رکھا اور بُتوں کی شان میں بُرا بھلا کہنے سے نہ روکا تو ہم آپ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیں گے۔ تو حضرت ابو طالب نے آپؐ کے سامنے یہ معاملہ رکھا تو آپ کیا جواب دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا :۔

"میرے چچا۔ خدا کی قسم اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر تو پھر بھی میں خدا کا پیغام پہنچانے سے باز نہیں رہ سکتا۔ میں زندگی بھر اس فریضہ کو ادا کرنے کی قسم کھاتا ہوں۔"

یہ وہ عزم تھا جس نے پیغامِ خداوندی کی ابتداء کی اور جو یہ عزم لے کر کھڑا ہو تو اس کا ساتھ تو تمام کون و مکان میں بسنے والے اور آسمان پر بسنے والے فرشتے بھی یک قدم ہو جاتے ہیں۔ اور ایسا ہی ہوا کہ اس عزم کی بنیاد پر قائم ہونے والا ایمان ایک روز "انا فتحنا لک فتحاً مبیناً" کی نوید لے کر آیا۔ اور آپؐ اور آپ کے صحابہؓ نے مکہ مکرمہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہو کر "جاء الحق و زهق الباطل" کا نعرہ لگایا۔

۶۔ دشمنوں کے لئے دردمند دل :۔

آپ کی اخلاقی بلندی۔ وسیع القلبی کے دشمن تب بھی قائل تھے اور اب بھی قائل ہیں۔ آپ کو خدا کا حکم تھا۔ ادفع بالتی احسن

دشمن کی سازشوں اور کارگذاریوں کا مقابلہ کرتے وقت بھی حسنِ اخلاق کا دامن نہ چھوڑنا یہی فتح کی کنجی ثابت ہوا۔ جتنی جتنی مصائب اور تکالیف آتی رہیں اتنی ہی آپ کی عالی ظرفی کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ آپ کو طائف میں پتھروں سے زخمی کر دیا گیا مگر آپؐ نے یہی فرمایا کہ :۔

"اے میرے پروردگار میری قوم کو ہدایت عطا فرما کہ یہ میرے مقام سے آشنا نہیں ہیں۔"

آپ کی راہوں میں ایک بڑھیا گند اور کانٹے بچھاتی تھی مگر اس کی غیر حاضری کی وجہ سے آپ ایک روز اس کی عیادت کو جاتے ہیں کہ مبادا آج وہ بیمار ہو۔ ایسی عالی حوصلگی اور وسیع القلبی اور کہاں ہے۔ یہ صرف اور صرف اس انسانِ کامل کا طرّہ امتیاز ہے جو تمام عالم کی راہ نمائی کے لئے مبعوث کیا گیا۔ اور جسے خدا نے "وما ارسلناک الّا رحمۃ للعالمین" کا مقام عطا فرمایا۔ آپ نے فتح مکہ کے وقت کس قلبی وسعت کے ساتھ اپنے جانی دشمنوں کو "لا تثریب علیکم الیوم" کہہ کر معاف کر دیا۔

(۷) صبر اور ثابت قدمی میں بے مثال

آپ نے مکی زندگی میں جس طرح حالات کا مقابلہ صبر اور ثابت قدمی سے کیا کہ دشمن بھی اس سے حیران تھے۔ کہ آپ کو کس قدر طاقتور قوای عطا کئے گئے ہیں۔ آپ کو قتل کرنے کی سازشیں ہوتی ہیں۔ اور آپ اپنے کام میں محو خدا تعالیٰ سے لو لگائے رکھتے ہیں۔ آپ کی پیشانی پر کسی نے بل نہیں دیکھا۔ اپنوں سے ملتے یا غیروں سے سدا خندہ پیشانی سے ملتے۔ اپنوں کی تربیت کرنا ہو یا غیروں کی ہدایت کبھی ناراضگی چہرے پر نہیں آئی۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور آپ سے اپنے قرضہ کا مطالبہ کیا جس کی مدت پوری نہ ہوئی تھی۔ اور آپ سے بدکلامی سے پیش آنے لگا۔ حضرت عمر بن خطابؓ آپ کے ہمراہ تھے اور قریب تھا کہ وہ اس یہودی کو اس کی بدتمیزی کا سبق سکھاتے لیکن یہاں بھی اس مردِ کامل اور روحانی وجود کی اخلاقی بلندی۔ نفسی پاکیزگی اور بلند حوصلگی کام آئی اور حضرت عمرؓ سے فرمایا :۔

"اے عمر میں اور یہ یہودی تم سے کسی اچھی بات کی توقع رکھتے ہیں تمہارا فرض ہے کہ تم مجھے ادائیگی کے بہتر طریق اور یہودی کو تقاضا کرنے کے آداب سے باخبر کرتے"

حضرت عمرؓ کا یہ سننا تھا کہ تمام غصہ کافور ہو گیا اور جب اس یہودی نے آپ کے یہ اخلاقِ کریمانہ ملاحظہ کئے تو بولا۔ آپ اتنے بلند اخلاق ہیں اور آپ کی صحیح تصویر یہ ہے جو میں آج دیکھ رہا ہوں۔ اپنا ہاتھ بڑھایئے اور یہودی نے بلند آواز سے کہا :۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وانّک رسول اللّٰہ

۱۸- بُردباری اور تواضع میں کمال:

آپ جہاں روحانی طور پر تمام دنیا کے استاد تھے وہاں مکّہ اور مدینہ والوں کے لئے آپ کا مقام بادشاہوں جیسا تھا مگر آپ اس قدر حلیم الطبع اور خاکسار مزاج تھے کہ کبھی بڑائی کا احساس تک نہیں ہوا۔ آپ اپنی محفل میں دنیاوی طور پر کم درجہ والوں کو اپنے نزدیک جگہ دیتے ان کو ان کے گھروں پر جاکر ملتے۔ ان کے مریضوں کی بیمار پرسی کرتے اور کبھی اس بات کو محسوس نہیں کیا کہ مجھے راستہ میں کسی بیوہ مسکین یا غلام نے دامن تھام کر کسی کام کے لئے روک لیا ہے۔ راستہ میں ہی کھڑے ہوئے کسی مسکین کی فریاد سن رہے ہیں۔ آپ کے قلب صافی کو کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ میں اپنے آرام کے لئے کسی حاجت مند اور ضرورت مند کی فریاد سے بے رخی کروں۔ نہ تکبر نہ ریا۔ نہ بے جا فخر۔ نہ نمائش ایسی کوئی چیز کبھی کبھی آپ کے پاس سے نہ گذری تھی۔ مکہ کے رؤساء کو اعتراض تھا کہ ہم آپ کی مجلسوں میں کیسے آویں جب وہاں غلاموں اور ان کے نزدیک کم درجہ کے لوگوں کی پذیرائی ہے مگر حضور نے فرمایا کہ جو ہدایت کے طالب میرے پاس آتے ہیں انہیں اپنے سے دُور اور الگ کیسے کر سکتا ہوں۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ یا اپنے گھر میں اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کبھی عار محسوس نہیں فرمایا۔ ایک غزوہ کے موقع پر آپ کے صحابہ ایک بکرا لائے کہ اسے ذبح کریں گے تو ایک نے کہا یا رسول اللّٰہ میں اسکو ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں اسکی کھال اتاروں گا۔ تیسرے نے کہا میں اس کا گوشت پکاؤں گا۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں آگ جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کر کے لاؤں گا آپ کے صحابہؓ نے عرض کی کہ آپ تکلیف نہ فرمائیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ:-

"اللّٰہ تعالیٰ کو وہ شخص سخت ناپسند ہے جو اپنے بھائیوں میں اپنے لئے ممتاز مقام چاہے"

آپ کی ذات تمام اوصاف کی حامل تھی اور آپ کو مجموع جمیع صفات کاملہ قرار دیا گیا۔ اور اس وجہ سے آپ کو آج بھی راہبران عالم میں ایک ممتاز اعلیٰ اور بلند مقام حاصل ہے۔ آپ کی عظمت اور جلال کو آج بھی تمام دنیا سلام کرتی ہے۔ اور اسلامیان عالم کی زبانیں اور قلوب آپ پر ہر لمحہ درود بھیجتے رہنے کو سعادت دارین یقین کرتے ہیں۔ دراصل آپ کے بلند اخلاق اور فضائل اور خصائل حسنہ تھے جنہوں نے گڈریوں کو قوموں کا راہنما بنا دیا۔ اور بتوں اور پتھروں کی عبادت کرنے والوں کو خدائے واحد لاشریک کے آستانے پر لا کھڑا کیا۔ اللّٰہ تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ مومنوں کو اگر روحانی بلندی حاصل کرنا ہے۔ تو وہ آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنائیں وہاں آپ پر شب و روز درود بھیجتے رہنے کو بھی اپنی عاقبت کے لئے بہترین توشہ قرار دیا۔ اور خدائی ارشاد ہے کہ:-

"یقیناً اللّٰہ اور اس کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں پس اے مومنو! تم بھی آپ پر درود و سلام بھیجتے رہا کرو"۔

اور یہ اولیاء اللّٰہ کا تجربہ ہے کہ جس نے روحانیت کے اس بحر ذخار سے ایک قطرہ بھی حاصل کر لیا اس کی دُنیا اور آخرت دونوں کی بہتری کی ضمانت مل جاتی ہے۔ ایک بہت بڑے ولی اللّٰہ نے اپنی کل ولایت اور مقام کو "یک قطرہ ز بحر کمال محمدؐ است" قرار دیا ہے۔

— ** —

ارشاد باری تعالیٰ:-

"اور اللّٰہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو"

(مولانا محمد علیؒ)

حضرت امیر مرحوم کا — پیغام —

نوجوانانِ قوم کے نام

میں ایک بات اپنے نوجوان دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ لوگ احمدی قوم کی روایات کو زندہ رکھیں۔ احمدی جماعت دین کو دنیا میں پھیلانے۔ قرآن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دو۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزت کا اور کوئی کام اس دنیا میں نہیں۔

یہ وہ کام ہے جس کے لئے خدا انبیاء اور صلحاء کو کھڑا کرتا رہا ہے۔ دُنیا میں اور بھی بے شمار کام ہیں لیکن خدا اور کسی کام کے لئے انبیاء کو نہیں بھیجتا۔

سو ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ اس زمانے میں جب کہ مسلمانوں نے تبلیغ دین کے کام کو پس پُشت ڈال دیا ہے۔ اللّٰہ تعالےٰ نے ہماری جماعت کو دین کے پھیلانے کے لئے چُن لیا ہے۔ جہاں ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے وہاں عاجزی اور گریہ کا مقام بھی ہے۔ کہ جس کام کے لئے اللّٰہ تعالےٰ نے اتنے بلند لوگوں کو چُنا تھا اس کے لئے اس زمانے میں ہم ناکارہ اور نالائق لوگوں کو موقع دیا ہے۔

سو خُدا سے توفیق مانگو کہ تم اس کسوٹی پر پورے اترو۔ میں پھر اپنے نوجوان دوستوں سے کہوں گا اور بار بار کہوں گا کہ اپنی قوم کی روایات کو زندہ رکھو۔ اسلامی اخلاق و آداب کی پابندی کرو۔ قرآن کو پڑھو سنو۔ اس پر غور اور عمل کرو۔ اسلامی احکام کے احترام کو اپنا شعار بناؤ۔ ایک دن آئے گا کہ تم اپنے ایک ایک بزرگ کے جسم کو اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفن کرو گے۔ تمہارے پیچھے آنے والے تمہارے جسموں سے بھی یہی کریں گے۔

اے میرے نوجوان دوستو!

میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ کہیں اپنی روایات کو دفن نہ کر دینا۔ ان کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا۔ تاکہ لوگ نہ کہیں کہ یہ قوم مرتی چلی جاتی ہے

پیغام صلح ۳۰ نومبر ۱۹۴۰ء

رپورٹ: زاہد جنجوعہ سینئر نائب صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور

اجلاس شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور بر موقع جلسہ سالانہ ۸۲ء

جلسہ سالانہ کے موقع پر شبان الاحمدیہ کا اجلاس مورخہ ۲۷ دسمبر ۸۲ء ۷ بجے شب زیر صدارت جناب ڈاکٹر کیپٹن جمیل الرحمٰن منعقد ہوا۔ گذشتہ دو سالوں کے برعکس اس بار شبینہ اجلاس میں جلسہ گاہ پوری طرح سے بھر گئی۔ جماعت کے ایک نہایت ہی قیمتی وجود حافظ محمد ادریس صاحب گجراتی مرحوم و مغفور کے صاحبزادے محترم بنیاد اللہ صاحب کی خوش الحان تلاوت کلام پاک سے کاروائی کا آغاز کیا۔ فہمیدہ ضیاء نے منظوم کلام پیش کیا۔ نعمان حفیظ نے حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی کے حالاتِ زندگی سنائے۔ چودھری ایاز احمد کی نظم پر حاضرین مجلس نے کھل کر داد دی۔ ارسلان خان نے سورۃ النصر پڑھی۔ اور محترم بزرگ عبدالباری صاحب ایڈوکیٹ پشاور کے ننھے صاحبزادے نے سورۃ الفلق سنائی۔

جلسہ سالانہ کو کامیاب بنانے کے لئے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد صاحب ایدہ اللہ تعالےٰ کی زیر نگرانی شبان الاحمدیہ نے جو رابطہ مہم چلائی تھی اس کے ایک فعال رکن اور شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور کے جوائنٹ سیکرٹری محترم چوہدری تنویر احمد صاحب نے اپنے مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں "تاثرات" بیان کرتے ہوئے بتلایا کہ ہر جگہ احباب جماعت نے ہمیں بے حد گرمجوشی سے اپنے سینے سے لگایا اور اخوت و محبت کے بے شمار روح پرور مظاہرے دیکھنے میں آئے۔ دراصل امام زمانہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی کی بعثت کی غرض بھی یہی تھی کہ مسلمانوں میں بھائی چارے کی بنیاد پر ایک جماعت تیار کی جائے۔ حضرت اقدس سے جن لوگوں نے بھی تعلق خاطر قائم کیا وہ بتدریج برادرانہ اخوت میں تبدیل ہو گیا ایک بار حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم و مغفور رات دیر سے قادیان پہنچے اور آتے ہی اپنے ہمراہ بچوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لئے ایک دودھ والے کی دوکان کا رخ کیا لیکن آپکے وہاں پہنچنے سے پہلے ایک شخص سارا دودھ خرید چکا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب بچوں کی بھوک کیوجہ سے بے حد پریشان ہوئے۔ گھر واپس آئے تو حضرتِ اقدس گرم دودھ کا برتن دستِ مبارک میں لئے آموجود ہوئے۔ اور فرمایا کہ مجھے آپ کی آمد کی خبر ہوئی تو خیال پیدا ہوا کہ بچے ساتھ ہیں۔ اس لئے ان کے لئے دودھ لایا ہوں۔ یہ حضرت اقدس کی شخصیت کا کمال اور جذب تھا کہ اس زمانہ کی مشہور و معروف اور نامور ہستیاں آپکے گرد جمع ہو گئیں جن میں حضرت مولٰنا نورالدین اعظم۔ حضرت مولانا محمد احسن امروہوی۔ حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹی اور حضرت مولٰنا محمد علی رح بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

محترم چوہدری تنویر احمد صاحب نے حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف اور حضرت اقدس کے مابین روحانی تعلق کا بطور خاص ذکر کیا اور حضرت صاحبزادہ صاحب کے واقعہ شہادت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وفورِ جذبات سے اشکبار ہو گئے۔ ان بھیگی آنکھوں نے حاضرین مجلس کے قلوب میں حرارتِ ایمان بیدار کرنے کے لئے مہمیز کا کام دیا اور جلسہ گاہ میں روحانی سماں بندھ گیا اور ان تاثرات کا اسقدر گہرا اثر ہوا کہ تمام پروگرام گہری دلچسپی اور انہماک سے سنا گیا۔ بعدہٗ خاکسار نے تشہد و تعوذ کے بعد پہلی وحی سورۃ العلق کی ابتدائی آیات مبارکہ کی تلاوت کے بعد سیرۃ النبی کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے بتلایا کہ کس طرح حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا اور مکّہ میں اسے کیسی کس طرح کی مشکلات درپیش رہیں۔ ان حالات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مثالی صبر و استقلال اور استقامت کا ثبوت دیا اور بالآخر یہ سختیاں اور جبر و تشدد ہجرت کا باعث بنیں۔ اس کے باوجود بھی کفار نے مسلمانوں کو سکون سے رہنے نہ دیا اور ان پر پے در پے جنگیں مسلط کی گئیں۔ ہر مرحلہ پر تائیدِ ایزدی اہل اسلام کے شاملِ حال رہی اور بالآخر حضرت نبیِ آخر الزمان محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک فاتح کی حیثیت سے اپنے آبائی شہر میں داخل ہوئے۔ لیکن آپ کا برپا کردہ انقلاب اس لحاظ سے مثالی اور بےنظیر تھا کہ کسی بھی طرح کی انتقامی کاروائی کی بجائے لا تثریب علیکم الیوم کی نوید سنائی گئی۔ آپکے حالاتِ زندگی وانک لعلیٰ خلقٍ عظیم پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی کے فرمان کی روشنی میں کان خلقہ القرآن۔ یہ ایک ایسا مبارک ذکر ہے جس کی حفاظت خود اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے۔ اور آپ کی سیرتِ طیبہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اس طرز زندگی کو اسوہ حسنہ قرار دیا۔ ہم اپنی زندگیوں کو اسوہ رسول صلعم کے سانچے میں ڈھال کر دینی، دنیاوی اور اُخروی کامیابیوں کے وارث بن سکتے ہیں۔

ازاں بعد خان زادہ اختر علی خاں صاحب نائب صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور نے سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ ـــ انہٗ ھو السمیع البصیر ○ کی آیات تلاوت کرنے کے بعد بعثت مجدد صد چہاردہم کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے بتلایا کہ ہم ایک ایسے امام کے پیروکار ہیں جن کی آمد کی خبر حضرت رسول کریم صلعم نے دینے کے بعد تاکید فرمائی کہ اگر اس امام کا زمانہ پاؤ تو اسے تک میرا سلام پہنچا نا خواہ تمہیں برف کے تودوں پر سے گھٹنوں کے بل گھسٹ کر ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ حضرت امام مہدی کی بعثت کی علامات میں سے سورج اور چاند گرہن ایک ایسی علامت ہے جس پر شیعہ اور سنّی کتب متفق ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رح کے استاد حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں۔ یہ ایک ایسی علامت ہے کہ جب سے زمین و آسمان وجود میں آئے ہیں ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ ہم ازحد خوش قسمت ہیں

باری تعالےٰ پر راسخ ایمان پیدا فرمایا۔ اور اسلام کی حقانیت اور خلاف اسلام عقائد و نظریات کے مقابل ایک بے نظیر اور جدید علم کلام پیدا کیا اور ایک اصلاح یافتہ جماعت کی بنیاد ڈالی جس نے اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ پیش کیا۔ اس مادہ پرستی کے دور میں زندہ خدا پر ایمان پیدا کرنا اور مشکلات کا حل بذریعہ دعا اس جماعت کا امتیازی نشان ہے۔ اس لئے شبان اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلیں۔

فاضل مقرر نے ۱۹۰۴ء کے جلسہ سالانہ میں حضرت اقدس کی تقریر کا ایک اقتباس پڑھ کر سنایا کہ آپکے دل میں جماعت کے اندر اصلاح و تقوٰی پیدا کرنے کے لئے کس قدر درد تھا۔ اس ضمن میں حضرت اقدس نے اصلاح جماعت کے لئے حضرت رسول کریم صلعم کے متعین کردہ اصولوں پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین فرمائی۔ اس بصیرت افروز خطاب کے بعد شبان الاحمدیہ کے درویش منش مجاہد اور نائب صدر محترم عبدالعزیز صاحب نے "ہمارا ماضی حال اور مستقبل" کو موضوع سخن بنایا۔ آپنے حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی

کی بعثت سے پیشتر کے حالات کو "ہمارا ماضی" کا پس منظر بنایا اور بیان کیا کہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی کی بعثت سے مسلمانوں کے دور ادبار و نکبت میں تبدیلی آنا شروع ہوئی اور عیسائی پادریوں کے مقابل اسلام کو بے شمار میدانوں میں کامیابیاں حاصل ہونا شروع ہوئیں کیونکہ جماعت احمدیہ نے اپنے علم کلام اور عمل کے ذریعے عیسائیت کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روک دیا اور یورپ میں بھی پرچم اسلام بلند کیا۔ لیکن بعض حالات کی وجہ سے جماعت احمدیہ کی اس علمی اور روحانی برتری کو کچھ صدمات اٹھانا پڑے۔ اس لئے ہم جماعت کے "حال" سے کافی حد تک غیر مطمئن رہے تاہم ۱۹۷۴ء کے بعد سے جماعت رو بہ اصلاح ہے اور اب نئی قیادت کے زیر اثر اصلاح و تقویٰ اور روحانی بیداری کے آثار واضح طور پر نظر آ رہے ہیں۔ اگر شبان کی دینی تربیت اور تیاری کے لئے منظم طور پر کوشش کی جائے اور ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس میں باقاعدہ مبلغین تیار ہوں اور وہ اپنی زندگیوں کو خدمت دین کے لئے وقف کر ڈالیں تو پھر ہمارا مستقبل یقیناً زیادہ خوش آئند ہو گا۔

اس پُر مغز خطاب کے بعد جماعت کے فدائی اور شبان الاحمدیہ کی تنظیم نو کے بانی صدر محترم شیخ حفیظ الرحمان صاحب نے سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الاخلاص کی تلاوت کے بعد "دلائل ہستی باری تعالےٰ" پر اظہار خیال کرتے ہوئے واضح کیا کہ ان سورتوں میں اس بزرگ و برتر ہستی کے اوصاف بیان ہوئے ہیں جس کا وجود علمی و عقلی طور پر آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ زمانہ قدیم کے لوگ اللہ تعالےٰ کے وجود سے منکر ہونے کی بجائے حقیقی خدا کو چھوڑ کر مختلف آفاقی قوتوں، اپنے جیسے انسانوں اور مختلف بتوں کو خدا مان کر ان کی عبادت کرتے تھے مگر دورِ حاضر میں لوگ ہستی باری تعالےٰ کے سرے سے ہی منکر ہو گئے ہیں اور اسے انسانی ذہن کی اختراع قرار دیتے ہیں۔ اس نظریہ کی بنیاد ڈارون، نطشے، ہیگل، برگساں، کارل مارکس اور فرائڈ کا فلسفہ ہے۔

فاضل مقرر نے بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں تک صحیح علم انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ پہنچا۔ آپ نے حضرت اقدس کی عبارت کی روشنی میں واضح کیا کہ اگر یہ مقدس ہستیاں اور بزرگ وجود نہ ہوتے تو صراطِ مستقیم کا پانا ناممکن اور محال تھا۔ صدہا نشانات اور معجزات کے ذریعے اللہ تعالےٰ کے وجود کا ثبوت فراہم ہوا۔ انبیاء کرام خدا کی صورت دیکھنے کا آئینہ اور اُسی کی قوتوں کا مظہر ہوتے ہیں۔ فاضل مقرر نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے دلائل اپنے موقف کی تائید میں پیش فرمائے۔ حضرت خاتم الانبیاء رسول کریم صلعم نے عرب کے فصیح و بلیغ شعرا کے مقابل قرآن کریم کے اعجازی رنگ کو اپنے دعویٰ کی دلیل بناتے ہوئے استدلال فرمایا کہ کسی بھی انسان کا اس کی مانند ایک ہی آیت بنانے سے عاجز اور قاصر رہنا ایک بزرگ و برتر ہستی کے وجود کا نشان ہے۔ محترم شیخ صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے ہستی باری تعالےٰ پر قیاسی اور یقینی دلائل پیش فرمائے اور حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی کی پیشگوئی کہ "اللہ تعالےٰ بڑے زور دار اور واضح طور پر علوم جدیدہ کی جہالتیں ثابت کرے گا" کی پیشگوئی سنا کر حاضرین مجلس کے ایمانوں کو تقویت پہنچائی۔ آپ نے جلسہ مذاہب عالم میں حضرت مجدد صد چہار دہم کا مضمون بالا رہنے اور آپ کی پیشگوئیوں میں سے لیکھرام پشاوری کی ہلاکت، عبداللہ آتھم کے انجام اور ڈاکٹر ڈوئی کی ناکامی اور اپنی ذات اور جماعت پر فتوائے تکفیر جاری ہونے کے حالات و نتائج کے بارے میں جو پیشگوئی فرمائی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ یہ واضح اور روشن دلائل ہستی باری تعالےٰ کا وجود ثابت کرتے ہیں۔

محترم ارجمند صادق صاحب (سابق سیکرٹری جنرل احمدیہ ینگ مینز ایسوسی ایشن) شبان الاحمدیہ میں جماعتی زندگی اور روحانی بیداری کے لئے بے حد تڑپ رکھتے ہیں آپ نے جلسہ سالانہ سے پیشتر ڈیڑھ ماہ تک اپنی مصروفیات میں سے قیمتی وقت نکال کر خدمت دین کے لئے شب و روز ایک کئے رکھے۔ آپ نے بھی حاضرین مجلس کو اپنی دلی تڑپ سے آگاہ فرمایا۔ اور شبان کو حضرت اقدس کی کتب پڑھنے کی ترغیب دی۔ اور اپنی طرف سے حاضرین میں "الوصیت" تقسیم کی اور ساتھ ہی فرمایا کہ اس کتاب کو اپنے ہاتھ میں لینے سے پہلے ہر معزز دوست دل میں یہ عہد کرے کہ وہ اس کتاب کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس کے مندرجات پر عمل کرے گا۔ اس کتاب میں دی گئی تعلیم میں ہماری انفرادی اور اجتماعی مشکلات کا حل موجود ہے۔

رات بھیگ چکنے کے باوجود سامعین کرام اپنی نشستوں پر جمے ہوئے تھے۔ صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ محترم کیپٹن ڈاکٹر پروفیسر جمیل الرحمٰن صاحب نے اپنے صدارتی کلمات میں اختصار سے کام لیا۔ اور تمام مقررین کو مبارکباد پیش کی اور تقریروں کے معیار اور تیاری پر دلی اطمینان کا اظہار کیا۔ اور فرمایا کہ چار سال پیشتر بالکل ہی نوعمر اور نیم پختہ شبان ہمارے ہاتھ لگے لیکن مسلسل محنت اور کوشش کا نتیجہ ایک پکے ہوئے پھل کی صورت میں دیکھ کر ہمارا دل باغ باغ ہو رہا ہے۔ اب جماعت اس کے شیریں ثمرات سے متمتع ہو گی۔ اس کے بعد آپ نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا کہ اب تقریروں کی بجائے عمل پر زیادہ زور دیا جائے گا اور آئندہ کے لئے جو قیادت سامنے آئے گی اس کے لئے ہم ایک خاکہ مرتب کر چکے ہیں اور وہ یقیناً اس پر عمل پیرا ہو گی اور اگر کام میں تساہل یا غفلت سے کام لیا گیا تو باز پرس کی جائے گی۔

صدر محترم نے شبان کو اتفاق و اتحاد اور مثالی احمدی بننے کی تلقین و ہدایت فرمائی اور اس بات پر زور دیا کہ وہ اپنی زندگی اسلامی خطوط پر گذاریں گے۔ اور جماعت احمدیہ کی علمی و روحانی میراث سے فائدہ اٹھائیں گے۔ صاحب صدر نے جماعت احمدیہ لاہور کے ایک قیمتی وجود محترم بزرگ شیخ شریف احمد صاحب سے "اختتامی دعا" کی درخواست فرمائی۔ آپ نے مائیک کے سامنے آ کر شبان کی اس کامیاب نشست پر دلی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور شبان میں دینی بیداری کی تحریک پر بے حد خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ ایسے شبان درخشاں مستقبل کے ضامن ہیں۔ آپ نے بالکل مختصر الفاظ میں شبان کو بعض قیمتی نصائح بھی فرمائیں اور حاضرین جلسہ کی خدمت میں گذارش کی کہ ایسے صالح اور پاکیزہ خیالات رکھنے والے شبان کی کامیابی کے لئے بارگاہ رب العزت میں ہاتھ اٹھا کر پوری توجہ اور الحاح سے دعا کی جائے۔ کہ ہم نے اپنے ان عزیزوں سے جو توقعات وابستہ کئے بیٹھے ہیں اللہ تعالےٰ انہیں اس پر پورا اترنے کی توفیق اور سعادت بخشے چنانچہ ایک لمبی دعا کے بعد رات دس بجے یہ ایمان افروز نشست بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک

— * * * —

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ جنوری ۱۹۸۳ء — جلد ۷۰ شمارہ ۳/۴

جلد ۔ ۷۰ * یوم چہار شنبہ ۸ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ ۔ بمطابق ۲ فروری ۱۹۸۳ء * شمارہ ۵

ارشادات حضرت مجدد صد چہار دہم

صدق اور اطاعت ہی کامیابی کا اصل ذریعہ ہے

متقی کے ساتھ چونکہ اللہ تعالیٰ کی معیت ہوتی ہے اس لئے دشمن پر بھی متقی کا رعب ہوتا ہے مگر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سچا تقویٰ کبھی حاصل نہیں ہو سکتا جب تک انسان صادقوں اور مردان خدا کی صحبت اختیار نہیں کرتا اور خدا تعالیٰ کے فرستادوں کی اطاعت میں ایک فنا اپنے اُوپر طاری نہیں کر لیتا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور صادقوں کے ساتھ رہو۔ اُن کی معیت سے قوت پکڑو۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی پوری حقیقت متقی ہونے کے بعد کھلتی ہے اور تقویٰ اللہ کی حقیقت اُس وقت تک متحقق نہیں ہو سکتی جب تک ایک فانی مرد کی پاک صحبت میں رہ کر فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف صحبت میں رہنا ہی چنداں مفید اور کارگر نہیں ہوتا بلکہ صادقوں کی صحبت اختیار کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی اطاعت اختیار کی جائے۔ چنانچہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔ یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم یعنی اللہ اور اس کے رسول اور ملوک کی اطاعت اختیار کرو۔ اطاعت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر سچے دل سے اختیار کی جائے تو دل میں ایک نُور اور رُوح میں ایک لذت اور روشنی آتی ہے۔ مجاہدات کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر اطاعت کی ضرورت ہے مگر ہاں یہ شرط ہے کہ سچی اطاعت ہو اور یہی ایک مشکل امر ہے۔ اطاعت میں اپنے ہوائے نفس کو ذبح کر دینا ضروری ہوتا ہے۔ بدوں اس کے اطاعت ہو نہیں سکتی اور ہوائے نفس ہی ایک ایسی چیز ہے جو بڑے بڑے موحدوں کے قلب میں بھی بُت بن سکتی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کیسا فضل تھا اور وہ کس قدر رسول اللہ صلعم کی اطاعت میں فنا شدہ قوم تھی۔ یہ سچی بات ہے کہ کوئی قوم قوم نہیں کہلا سکتی اور ان میں ملّیت اور یگانگت کی روح نہیں پھونکی جا سکتی جب تک کہ وہ فرمانبرداری کے اصول کو اختیار نہ کرے۔ اور اگر اختلاف رائے اور پھوٹ رہے تو پھر سمجھ لو کہ یہ ادبار اور تنزّل کے نشانات ہیں مسلمانوں کے ضعف اور تنزّل کے منجملہ دیگر اسباب کے باہم اختلاف اور اندرونی تنازعات بھی ہیں پس اگر اختلاف رائے کو چھوڑ دیں اور ایک کی اطاعت کریں جس کی اطاعت کا اللہ نے حکم دیا ہے پھر جس کام کو چاہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے اس میں یہی تو سر ہے اللہ تعالیٰ توحید کو پسند فرماتا ہے اور یہ وحدت قائم نہیں ہو سکتی جب تک اطاعت نہ کی جائے۔ پیغمبر خدا رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں صحابہ بڑے بڑے اہل الرائے تھے خدا نے اُنکی بناوٹ ایسی ہی رکھی تھی وہ اصول سیاست سے بھی خوب واقف تھے کیونکہ آخر جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرام خلیفہ ہوئے اور اُن میں سلطنت آئی تو انہوں نے جس خوبی اور انتظام کیساتھ سلطنت کے بارگراں کو سنبھالا ہے اس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ ان میں اہل الرائے ہونے کی کیسی قابلیت تھی مگر رسول کریمؐ کے حضور اُن کا یہ حال تھا کہ جہاں آپ نے کچھ فرمایا اپنی تمام رائیوں کو اُس کے سامنے حقیر سمجھا اور جو کچھ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا اسی کو واجب العمل قرار دیا۔ ان کی اطاعت میں گمشدگی کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کے وضو کے بقیہ پانی میں برکت ڈھونڈتے تھے آپؐ کے لب مبارک کو متبرک سمجھتے تھے اگر اُن میں یہ اطاعت تسلیم کا مادہ نہ ہوتا تو وہ اس قدر مراتب عالیہ کو نہ پاتے۔

(تقاریر حضرت مسیح موعود ص ۱۷۹ تا ص ۱۸۰)

چشم روشن کن ز خاکِ اولیاء

مقام اولیاءؒ سے متعلق مولانا رُومؒ کے چند اشعار

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خُدا ✣ او نشیند در حضورِ اولیاء

جو شخص خُدا کے دربار میں باریابی چاہتا ہے وہ اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھتا ہے

خاک شو در پیشِ شیخ باصفا ✣ تا ز خاکِ تو بروید کیمیا

باصفا شیخ کے سامنے خاک کی مانند عاجز بن جا۔ تاکہ تیری خاک کیمیا کا اثر پیدا کر لے

گر تُو سنگِ خارۂ مَرمَر شوی ✣ چُوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

تُو سخت سنگِ مَرمَر ہی کیوں نہ ہو۔ جب کسی اہلِ دل کی خدمت میں پہنچے گا تو گوھر بن جائے گا

پیرِ کامل صورتِ ظلّ اِلٰہ ✣ یعنی دیدِ پیر دیدِ کبریا

کامل مُرشد ظلِّ الٰہی ہوتا ہے۔ یعنی پیر کے دیدار میں صفاتِ خداوندی کا عکس ہے

پیر را بگزیں کہ بے پیرے سفر ✣ ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

کسی مُرشد کا دامن پکڑ کیونکہ کسی آسمانی راہنما کے بغیر سفر خطرات سے بھرا ہوا ہے

ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد ✣ او ز غولاں گمرہ و در چاہ شد

جو مُرشد کے بغیر راستے پر چل پڑا، اُسے شیاطین گمراہ و ہلاک کر دیتے ہیں۔

گر نہ باشد سایۂ پیر اے فضول ✣ پس ترا سرگشتہ دارد بانگِ غول

اے ناقص عقل انسان اگر تجھ پر مرشد کامل کا ہاتھ نہ ہو گا تو باطل کی طاقتیں تجھے غلط راہ پر ڈال دیں گی

چُوں تو کردی صُورتِ مرشد قبول ✣ ہم خدا آمد بذاتش ہم رسولؐ

جب تُو نے مرشد کا رنگ و روپ اختیار کر لیا تو خُدا اور رسُولؐ کے رنگ میں رنگا گیا

پیر باشد معدنِ علمِ لدن ✣ پیر باشد قادر بر لفظِ کن

مُرشد عِلم لدنی کی کان ہوتا ہے۔ مُرشد لفظ کُن پر قدرت رکھتا ہے

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ✣ گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

اس کی بات دراصل اللہ کی بات ہوتی ہے۔ گو وہ بظاہر انسان کی زبان سے ادا ہوتی ہے

یک زمانہ صحبت با اولیاء ✣ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اللہ کے ولیوں کی صحبت میں گذرا ہوا مختصر زمانہ سو سال کی مخلصانہ عبادت سے بہتر ہے

چشم روشن کن خاکِ اولیاء ✣ تا بہ بینی ز ابتداء تا انتہاء

اولیاء کے پاؤں کی خاک سے آنکھوں کا نور حاصل کر تاکہ تجھ پر ابتدا سے انتہا تک کے بھید آشکار ہو جائیں

ہر ولی را نوحؑ کشتی باں شناس ✣ صحبتِ ایں خلق را طوفاں شناس

دُنیا کی محبت کو طوفان سمجھ اور ہر ولی کو اس طوفان میں حضرت نوحؑ کی طرح ناخدا یقین کر

چُوں شوی دور از حضورِ اولیاء ✣ در حقیقت گشتۂ دور از خُدا

جب تو اولیاء کے حضور سے دُور ہو گیا۔ تو دراصل تُو خدا کے حضور سے دُور جا پڑا

انبیاء و اولیاء را حق بداں ✣ سِرّ پنہانی بتو گفتم عیاں

میں تمہیں یہ راز کھول کر بتا رہا ہوں کہ انبیاء و اولیاء کو حق ہی سمجھو

تا توانی ز اولیاء رو بر متاب

جہاں تک ہو سکے اولیاء اللہ سے منہ نہ موڑ

جہد کن واللہ اعلم بالصّواب

کوشش کئے جا اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال سے آگاہ ہے۔

* * * * * * *

ازقلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب، لاہور

درسِ قرآن سبق نمبر ۱۹

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَہَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّہِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا ۙ وَّ یَہْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَہْدَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ ۪ وَ یَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ۚ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ہُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ٭ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىہُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ ہُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ (البقرۃ ۲۔ ۲۶ تا ۲۹)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ اس بات سے شرم نہیں کرتا کہ کوئی سی مثال بیان کرے مچھر کی یا اس سے بڑھ کر۔ تو جو لوگ ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔ اور وہ جنہوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں اللہ نے اس مثال سے کیا چاہا ہے؟ اللہ بہتیروں کو اس (قرآن) سے گمراہ قرار دیتا ہے اور بہتیروں کو اس سے ہدایت دیتا ہے اور وہ سوائے فاسقوں کے کسی کو گمراہ قرار نہیں دیتا وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو اس کے پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں، اور اُسے کاٹتے ہیں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ جوڑا جائے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم مُردہ تھے پھر اُس نے تمہیں زندگی دی پھر وہی تم کو موت دے گا پھر تم کو زندہ کرے گا۔ وہی تو اللہ ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارے لئے پیدا کیا پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں ٹھیک سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ اس رکوع کے پہلے حصہ میں ان لوگوں کو جو یہ شک کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے یا نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم نے خود بنا کر خدا کی طرف منسوب کیا ہے یہ جواب دیا تھا کہ اگر یہ انسان کا کلام ہے تو تم بھی اس جیسا بنا لاؤ چاہے سارے جہان کو اپنی مدد کے لئے بلا لو اور چاہے تو اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کے مقابلہ پر بنا لو۔ وہ چیلنج تو کسی نے قبول نہیں کیا مگر یہ کہنے لگے کہ اس قرآن میں کیا خاص بات ہے اس میں تو چھوٹی چھوٹی مثالیں ہیں۔ عرب لوگ مچھر کو اس کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے حقارت کے لئے بطور مثال کے کہتے تھے۔ اغلباً ان کا روئے سخن ان دو مثالوں کی طرف ہے جو قرآن نے یُوں دی ہیں کہ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کارساز بنا لیتے ہیں ان کی مثال مکڑی کی دی کہ وہ اپنا گھر بنانے کے لئے کیا جال تنتی ہے (العنکبوت ۲۹۔ ۴۱) مگر وہ کیا کمزور گھر ہوتا ہے کہ ایک ہوا کا جھونکا آئے تو اڑ جاتا ہے۔ یعنے شرک کا جال تو بہت محنت سے گھڑا جاتا ہے مگر وہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ حق کے ایک جھونکے سے ٹوٹ کر ختم ہو جاتا ہے۔ یا دوسری جگہ یہ مثال دی ہے کہ خدا کے سوا جو معبود بنائے گئے وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے بلکہ مکھی اُن سے کچھ لے جائے تو اُسے بھی واپس نہیں لاسکتے (الحج ۲۲۔ ۷۳) تو اعتراض کرنے والوں نے طنزاً یہ کہا کہ یہ کیا اللہ کا کلام ہے جس میں مکڑی اور مکھی کی سی حقیر مثالیں دی گئی ہیں۔ تو فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ باتیں حق ہیں اور انسان کی ربوبیت کے لئے یعنے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف لانے کے لئے دی گئی ہیں (انہ الحق من ربھم) تو حق بات جو انسان کو شرک جیسی گھٹیا بات سے اُٹھا کر توحید جیسی اعلیٰ بات کی طرف لائے وہ کتنی ہی چھوٹی ہو نہایت ضروری اور مفید ہوتی ہے۔ ایمان انسان کے اندر وہ روشنی پیدا کرتا ہے جس سے انسان اِن باتوں کو جان سکتا ہے مگر جن لوگوں نے کفر کیا (اور کفر کے معنے ہی ہیں ڈھانپ لینے کے یعنے انہوں نے اپنی عقل پر پردہ ڈال لیا ہوتا ہے) وہ اِن باتوں کو سمجھ نہیں سکتے اور اس لئے اعتراض کرتے ہیں۔ ورنہ کتنی آسان اور عام فہم مثالیں ہیں جو شرک کی لغویت کو نہایت مؤثر طریقہ سے واضح کرتی ہیں۔

آگے جو الفاظ آئے ہیں اس پر بھی اعتراض کرنے والے اعتراض کرتے ہیں یضل بہٖ کثیراً جس کا ترجمہ وہ یُوں کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ اس قرآن سے بہتروں کو گمراہ کرتا ہے۔ اب یہ معنی تو وہی کرے گا جس کی عقل پر پردہ اس قدر ہو کہ وہ سارے قرآن سے اندھا ہو کر یہ بات کرتا ہے کہ قرآن تو اھدنا الصراط المستقیم میں ہدایت کی دُعا کے جواب میں فرماتا ہے ذالک الکتٰب لاریب فیہ ھدًی للمتقین اور قرآن میں بار بار کہیں اسے ھدًی للناس بتایا کہ تمام نسل انسانی کے لئے ہدایت ہے یا ھدًی ونور یعنے یہ کتاب نہ صرف مکمل ہدایت ہے بلکہ وہ باطنی روشنی ہے جس میں تم چل کر ٹھوکر کھا نہیں سکتے، گمراہ ہو نہیں سکتے۔ اس کے برعکس شیطان کے لئے آیا ہے انہٗ عدوٌّ مضلٌّ مبین یعنے شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے جو گمراہ کرتا ہے (القصص ۲۸۔ ۱۵) ولقد اضلّ منکم جبلًّا کثیراً یعنے یقیناً شیطان نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا (یٰسٓ ۳۶۔ ۶۲) کہیں فرمایا کہ قیامت کے دن کافر لوگ کہیں گے ربنآ ارنا الذین اضلّنا من الجن والانس یعنے اے ہمارے رب ہمیں دکھا ان کو جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا جنّ (یا جنّوں) اور انسانوں میں سے تا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے ڈال کر روندیں (حٰمٓ السجدۃ ۴۱ - ۲۹) اس لئے اضلال کا لفظ گمراہ کرنے کے معنوں میں صرف شیطان یا شیطان منش لوگوں کے لئے آتا ہے۔ اضلال کے دُوسرے معنے ہیں گمراہ پانا یا گمراہ قرار دینا۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے ان النبیّ صلے اللہ علیہ وسلم اَتٰی قومًا فاضلّھم یعنے نبی کریم صلعم ایک قوم پر آئے تو انہیں گمراہ پایا۔ سوائے عقل کے اندھے کے کوئی وہاں معنی گمراہ کرنے کے نہیں کرسکتا۔ یا مثلاً کسی کا اونٹ گم ہو گیا تو اس نے کہا اضللت البعیر اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ میں نے اپنے اونٹ کو گمراہ کر دیا بلکہ یہ معنی ہیں کہ میرا اونٹ گمراہ ہو کر گم گیا یا مثلاً عربی کے ایک شعر میں شاعر کہتا ہے کہ میں شراب پیتا رہا۔ یہاں تک کہ اضلّنی صدیقی میرے دوست نے مجھے گمراہ قرار دیا۔ تو اضلال کے جو معنی گمراہ پانا یا گمراہ قرار دینا ہے اُنہی معنوں میں یہاں آیا ہے۔ کہ اللہ اس قرآن کے ذریعہ بہتوں کو گمراہ قرار دیتا ہے اور بہتیرے ہیں جو اس قرآن کے ذریعہ ہدایت پا لیتے ہیں۔ یعنے یہ اس قرآن کی خوبی ہے کہ جو گمراہ ہیں انہیں آگاہ کرتا ہے یا متنبہ کرتا ہے اور ان میں سے بہتیرے ہدایت کو اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ کون لوگ ہیں جنہیں یہ گمراہ قرار دیتا ہے۔ وہ فاسق لوگ ہیں۔ فاسق وہ ہوتا ہے جو شریعت کی حدود یعنے روکوں سے آگے نکل جاتا ہے۔ ہر مذہب نے شریعت دی اور اسلام کی شریعت تو تفصیلاً ہے اور مکمل ہے۔

تو جو لوگ ان شریعت کی حدوں یا روکوں کو پسند نہیں کرتے اور اُن سے آگے نکل جاتے ہیں وہ فاسق ہیں۔ مثلاً شریعت نے کہا ہے کہ مال حلال طریقوں سے کماؤ۔ تو جو حرام بھی کھا لیتا ہے وہ فاسق ہے۔ تو ایک تو ایسے لوگ ہیں جنہیں قرآن گمراہ قرار دیتا ہے کہ انہوں نے خدا کی بنائی ہوئی راہ پاکر اُسے کھو دیا۔

دوسرے وہ لوگ فاسق بنائے "جو خدا کے عہد کو توڑتے ہیں بعد اس کے کہ اُسے پختہ کیا گیا" یہ عہد کیا ہے؟ قرآن نے خود بتایا ہے: واذ اخذ ربّك من بنيٓ ادم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم علىٓ انفسهم ج الست بربكم ط قالوا بلىٰ ج شهدنا ج ان تقولوا يوم القيٰمة انّا كنّا عن هذا غٰفلين ٥ او تقولوا انّما اشرك اٰباؤنا من قبل وكنّا ذرية من بعدهم ج افتهلكنا بما فعل المبطلون (الاعراف۔ ۱۷۲ - ۱۷۳) "اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اپنے پر گواہ ٹھہرایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں، ہم گواہ ہیں۔ (یہ اس لئے کیا کہ) ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن کہو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔ یا یہ کہو کہ وہ تو ہمارے باپ دادا تھے جنہوں نے ہم سے پہلے شرک کیا اور ہم ان کے پیچھے ان کی اولاد تھے تو کیا تو ہم کو اس وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو حق کو باطل کرنے والوں نے کیا۔" اس عہد یا رشتہ کو جو بنی آدم میں سے ہر ایک مرد و عورت کی پیدائش کے قبل اس کی فطرت میں رکھا جاتا ہے۔ عہد فطرت کہتے ہیں۔ یعنے انسان کی فطرت میں گواہی ہے یا رشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ فطرت میں گواہی ہم نے اس لئے رکھی ہے کہ تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھکر یہ نہ کہو کہ ہمیں تو اللہ کا پتہ نہ تھا۔ میں شروع کے درسوں میں بہت سی مثالیں دے آیا ہوں دہریوں کی (جی ہاں اس زمانہ میں کمیونزم کے سربراہوں کی) کہ کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا بے اختیار اقرار کر چکے ہیں۔ دوسری بات جو اس عہد میں ہے وہ خدا کی توحید ہے کہ انسانی فطرت ایک ہی خدا کو چاہتی ہے اسی لئے بے اختیاری میں یا حالت بیقراری میں وہ ایک ہی خدا کو پکارتی ہے۔ اگرچہ دوسرے اوقات میں زبان سے شرک پر ایمان رکھتے ہوں۔ تو فرمایا کہ خدا کی توحید پر بھی تمہاری فطرت میں گواہی ہے تاکہ قیامت کے دن تم شرک کو اپنے باپ دادوں کے سر تھوپ کر اپنی خلاصی نہ چاہو۔ اس عہد کے بارہ میں مزید فرمایا من بعد میثاقه یعنے اس عہد فطرت کی توثیق کے بعد یا اسکو پختہ کرنے کے بعد اُسے فاسق لوگ توڑنے کا جرم کرتے ہیں۔ یہ توثیق یا پختہ کرنا ہے وحی الہٰی کا جو آ کر خدا کی ہستی اور اسکی توحید دونوں کی توثیق کرتی ہے۔

فسق کی بدتر مثال اگلے الفاظ میں دی ویقطعون ما امر الله به ان يّوصل کہ بدتر فاسق وہ ہیں جو اسے کاٹتے ہیں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ اُسے جوڑا جائے۔ وہ کیا ہے؟ وہ وہی خدا اور انسان کا رشتہ یا تعلق ہے تمام انبیاء کو بھیجا گیا کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں اور اس طرح ان کے ٹوٹے ہوئے تعلق کو دوبارہ جوڑیں۔ رسول اللہ صلعم کی بابت کئی جگہ آیا ہے، اختصار کی خاطر ایک جگہ سے سنیئے۔ وداعيًا الى الله باذنه یعنے تجھے بھیجا ہے اللہ کی طرف بلانے کے لئے اسکے حکم سے۔ ایک اور جگہ فرمایا قل هٰذه سبيلي ادعوا الى الله کہدے کہ یہ ہے میرا رستہ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق مولانا روم نے ایک شعر میں باندھا ہے ؎ تو برائے وصل کردن آمدی یعنے تو آیا ہے لوگوں کو اللہ سے ملانے کے لئے۔ تو لوگوں کے رشتہ یا تعلق کو اللہ سے جوڑنے کی بجائے اُسے توڑنے والے کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں دہریت کو پھیلاتے ہیں جو کہ آج کل کمیونزم اور دوسری تحریکات میں وسیع پیمانہ پر ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے اُن کا ذکر تھا جو خود دہریہ ہیں اور انہوں نے اپنے عہد فطرت کو جو خدا سے انہیں باندھتا تھا توڑ دیا۔ وہ بھی بُرا ہے مگر اس سے بدتر یہ ہے کہ دوسروں کو بھی دہریہ بنایا جائے جسکا یہاں ذکر ہے۔

خُدا سے تعلق جو خدا پر ایمان کو قائم کرتا ہے اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان خُدا سے خوف کھا کر بدیوں اور دوسروں کے حقوق مارنے سے بچ جاتا ہے۔ جب اس تعلق کو توڑ دیا جائے تو پھر انسان مادر پدر آزاد ہو کر جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ چاہے وہ گناہ ہوں یا دوسروں پر زیادتیاں اور ظلم ہوں۔ اس سے دنیا میں فساد پھیلتا ہے۔ یہ فاسقوں کی آخری اور بدترین قسم ہے جس کا ذکر یہاں ویفسدون فی الارض میں فرمایا کہ وہ دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں۔

ان عہدوں کو توڑنے کی مختلف قسموں اور اس کے نتیجہ میں زمین میں فساد پھیلانے کا نظارہ اس زمانہ میں مغربی اقوام میں نظر آتا ہے۔ پہلے تو انہوں نے عہد شریعت کو توڑا یوں کہ شریعت کو لعنت قرار دے کر اس سے اپنی خلاصی کر لی۔ پھر وہ خود دہریہ ہوئے۔ پھر کمیونزم اور مغرب کی دوسری تحریکات نے دوسروں کو دہریہ بنانے کی زبردست مہم چلائی۔ کمیونزم تو خیر کھلم کھلا دہریت کو پھیلانے کی تحریک ہے جس نے اربوں انسانوں کو دہریہ بنا دیا مگر کمیونزم کے علاوہ یورپ اور امریکہ سے آواز اٹھی اور کھلم کھلا کہا اور لکھا گیا بلکہ ساری دنیا میں پھیلایا گیا کہ نعوذ باللہ خُدا اوّل تو تھا ہی نہیں اور اگر تھا بھی تو اب نعوذ باللہ مر گیا ہے۔ اس قسم کے مادر پدر آزاد ہو جانے کی وجہ سے آج دنیا میں بدعملیاں، بدکاریاں، دوسروں کے حقوق غصب کرنا، کمزوروں کی حق تلفی کرنا یا اُن پر ظلم کرنا اب عام ہو گیا ہے۔ اس عالمگیر دہریت کی فضا کو درست کرنے کے لئے قرآن نے خدا کی ہستی کے زبردست دلائل دیئے ہیں۔ فرمایا کیف تکفرون بالله وكنتم امواتًا فاحياكم تم اللہ کا کس طرح انکار کرتے ہو جب تمہاری ہستی اس پر گواہ ہے کہ تم نیست یعنے بالکل نہ تھے پھر اُس نے تم کو زندگی جیسی بیش بہا نعمت بخشی۔ انسان غور نہیں کرتا کہ جس دن وہ پیدا ہوا تھا اس سے سال بھر قبل وہ کچھ نہ تھا۔ تو اُسے نیست سے ہست کس نے کیا؟ اتنا بڑا کام کہ زندگی جو بالکل نہ تھی اُسے پیدا کرنے والا کون ہے کیونکہ انسان خود تو ہرگز نہیں۔ ماں باپ محض ذریعہ ہیں ورنہ وہ کہاں خود بیٹھ کر بچے کو گھڑتے ہیں یا اس میں جان ڈالتے ہیں۔ پھر فرمایا ثم يميتكم پھر وہ تم کو موت دے گا۔ کون مرنا چاہتا ہے مگر انسان اس معاملہ میں بالکل بے بس ہے۔ کوئی ذات اُس سے بالا اور برتر ہے جو اُسے مارتی ہے باوجود اس کی اور دوسروں کی انتہائی کوشش کے کہ وہ نہ مرے۔ مگر قرآن عجیب پُر رحمت کتاب ہے کہ فرمایا کہ گھبراؤ مت مرنے کے بعد تم پھر زندگی دیئے جاؤ گے اور اللہ کی طرف سے جہاں سے تم آئے تھے پھر لوٹائے جاؤ گے۔ پھر انسان کو توجہ دلائی کہ هو الّذي خلق لكم ما في الارض جميعا وہی تو اللہ ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔ انسان ان میں سے کسی چیز کا بھی پیدا کرنے والا نہیں۔ اگر کسان کھیت میں بیج ڈالتا ہے تو بیج اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ زمین بمعہ اپنی عجائبات کے اس کی بنائی ہوئی ہے۔ پانی دیتا ہے تو اُسے کون پیدا کرتا ہے؟ زمین میں بیج کو کون پھاڑتا ہے اور اس سے عجیب و غریب نعمتیں پیدا کرتا ہے؟ جواب صرف ایک ہے۔ اللہ۔ پھر فرمایا کہ ثم استوىٓ الى السّمآء فسوّٰهن سبع سمٰوٰت پھر اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں سات عمدہ آسمان بنائے جس میں کہ مرنے کے بعد کی زندگیوں اور کبھی نہ ختم ہونے والی ترقیات کا ذکر ہے۔ آج کے ترقی یافتہ انسانوں کو اپنی علمی ترقیات پر گھمنڈ ہے اسی لئے آخری بات فرمائی وهو بكل شيءٍ عليم وہ ہر چیز کا کامل علم رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس نے یہ زمین اور اُسکے اندر جو کچھ ہے اُسے بنایا وہ ان تمام کا بہترین علم رکھتا ہے کہ اس نے انہیں کیا عجیب غریب بنایا ہے اور جہاں تک اگلی زندگیوں اور سات آسمانوں کا تعلق ہے ان کا علم تو صرف وہی جانتا ہے۔ تو زمین کے تمام علوم بتانے والا بھی اللہ ہے جو انہیں انسان کو سکھاتا ہے بذریعہ القاء یا الہام جیسا کہ اگلے رکوع میں ذکر آئیگا اور جو باطنی یا روحانی یا اگلی زندگیوں اور آسمانوں کے متعلق علوم ہیں انہیں بھی اللہ ہی وحی کے ذریعہ سے انسان کو دیتا ہے۔

(باقی آئندہ)

ماسٹر محمد عبد اللہ صاحب امریکہ

مکتوب امریکہ

صاحب مضمون

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میری واپسی کی تاریخوں میں التوا در التوا ہوتا رہا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں انجمن کے سالانہ جلسہ میں شمولیت کے قابل ہو گیا۔ یہ جلسہ ہر لحاظ سے کامیاب تھا مہمانوں کی تعداد گذشتہ سالوں سے بڑھ گئی تھی۔ نظم و نسق قابل تعریف تھا۔ نوجوان والنٹیر اپنے شمولیت نہیں ہو سکی تھی لیکن ان کا جلسہ کے پنڈال میں دن بھر بیٹھے رہنا اور خاموشی سے تقاریر کو سننا۔ چندہ کی اپیل کرنا اور اسکو کامیاب بنانا۔ دستکاری کی نمائش کرنا۔ اور اسکی فروخت میں دلچسپی لینا۔ ظاہر کر رہا تھا کہ خواتین اپنے اجلاس کو کامیاب بنانے میں مردوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ جلسہ کے ایام میں خاکسار مسٹر اور بیگم مہر محمد گل کا مہمان تھا۔ اور ان کے مکان پر دیگر مہمان بھی تھے اس کے باوجود بیگم مہر گل محمد اور ان کی دختر جلسہ کی شال میں اشیاء خوردنی رکھنے کی تیاری میں مصروف تھیں یہ سٹال ایک بڑے پنڈال میں لگائے گئے تھے۔ حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی تقریر کا آخری حصہ چندہ کی اپیل پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد چندہ کی رقوم کی وصولی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ خدا کی شان اس سیشن کے صدر جناب میاں عمر فاروق صاحب آف کراچی تھے۔ ان کی صدارتی تقریر مالی جہاد پر تھی۔ اس پر خود عمل کرنے کے لئے انہوں نے اعلان کیا کہ وہ اپنی طرف سے ایک لاکھ روپیہ حضرت اقدس کی کتب کی اشاعت کے لئے اور ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ جماعت کی ترقی اور بہبودی ممبران کے لئے دیتے ہیں۔ اس پر حضرت امیر کی تقریر کا یہاں تک اثر ہوا کہ پنڈال کے تمام کونوں سے رقوم چندہ کی بارش شروع ہو گئی۔ کھانے کا انتظام لاہور کے مشہور ڈاکٹر وحید احمد صاحب کے قابل ہاتھوں میں تھا آپ اپنے قیمتی اوقات کھانے کی نگرانی پر خرچ کر رہے تھے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو مذاقاً مخاطب ہو کر کہا ڈاکٹر صاحب بہتر ہوتا اگر آپ ایپرن پہن لیتے ایسے موقعوں پر اگر کھانا کی تیاری کسی ڈاکٹر کی زیر ہدایت ہو تو مہمان ایسی بیماریوں سے بچ سکتے ہیں جو عام طور پر کھانے سے ہوتی ہیں جلسہ میں ان اصحاب کی موجودگی جو انڈونیشیا۔ ہالینڈ۔ انگلینڈ۔ امریکہ۔ انڈیا اور کشمیر جیسے دور دراز ممالک سے زر کثیر خرچ کر کے صرف جلسہ کی شمولیت کے لئے آئے تھے پاکستان میں رہنے والے ان احمدیوں کے لئے سبق آموز تھی جو جلسہ کی شرکت سے محروم رہے تھے۔ آخری دن کی شام کو مندرجہ بالا ممالک کے مندوبین کی دعوت طعام جناب ملک اعجاز الٰہی صاحب نے اپنی کوٹھی واقع گلبرگ کی۔ اس دعوت میں جماعت کے دیگر احباب بھی تھے۔ جس سے مجلس کی رونق بڑھ گئی تھی۔ یہ دعوت میرے لئے الوداع کی آخری جھلک تھی۔ کیونکہ میں نے دس بجے شب لاہور ائیر پورٹ پر پہنچنا تھا۔ چوہدری جاوید احمد صاحب کو بیرونی ممالک کے مہمانوں کی ضیافت اور مہمان نوازی میں قدرتی طور پر دلچسپی ہے۔ ان کی موٹر کار جلسہ کے ایام میں مہمانوں کی ٹرانسپورٹ کے لئے ایک شٹل کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ آپ اس خدمت کے لئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔ مجھے لاہور ائیر پورٹ پر پہنچانے اور ہوائی جہاز پر سوار کرانے کی پیشکش آپ کی طرف سے ہوئی دارالسلام پہنچ کر چوہدری جاوید احمد صاحب کی معیت میں ٹھیک وقت پر ائیر پورٹ پہنچ گیا۔ دارالسلام سے روانگی کے موقعہ پر دو انڈونیشین طالب علموں کی معیت بھی مجھے حاصل ہو گئی۔

لاہور سے کراچی پونے گیارہ بجے رات کی فلائیٹ تھی لیکن یہ فلائیٹ ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ ہو گئی۔ اس لئے مجھے دو اڑھائی گھنٹے لاہور ائیر پورٹ کے لاؤنج میں انتظار کرنی پڑی۔ پاکستان ائیر لائن نے مسافروں کی تواضع چائے اور پیسٹری سے کر کے ہماری بے چینی کو دور کیا۔ اس مسافروں کی سہولت اور آرام کا خیال رکھا جاتا تھا۔ میں اس نظام کو دیکھ کر یہ محسوس کر رہا تھا کہ اب میں مغربی ملک کے کسی ائیر پورٹ پر آ گیا ہوں۔ اگرچہ مجھے دو دفعہ پلین بدلنا پڑا لیکن ہر ایک ائیر پورٹ پر میری سہولت کے سامان پیدا ہوتے گئے۔ سولہ گھنٹے کی فلائیٹ کے بعد ہمارا پلین نیو یارک پہنچا۔ نیو یارک کی سردی کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے محمد نواز صاحب ڈرائیور حضرت امیر ایدہ اللہ کی معرفت ایک اوورکوٹ سستے داموں خرید لیا تھا اور اسے لاہور ائیر پورٹ جاتے ہوئے پہن بھی لیا تھا لیکن نیو یارک میں جاڑے کے آثار نمودار نہیں تھے اوورکوٹ پہننے کی ضرورت امریکہ میں پیش نہ آئی۔ البتہ جب گھر پہنچا تو گھر والوں نے بتایا کہ یہ لیڈیز کوٹ کہاں سے لائے ہو۔ خوب ہنسی ہوئی میں نے کہا میں نے جتنی قیمت اس پر خرچ کی ہے اتنا کام میں نے پاکستان میں ایک دن کے اندر اس سے لے لیا تھا۔ جہاں لوگ تمیز نہیں کر سکتے کہ کوٹ لیڈیز کا ہے یا جنٹس کا۔ گھر پر میرے لئے تمام افراد فیملی متفکر تھے ہر ایک کو یہی توقع تھی کہ میں نومبر میں واپس آ جاؤں گا۔ دو تین ماہ کی بجائے چار ماہ ہو گئے۔ دوست احباب بھی تشویش میں تھے۔ سب نے میرے پہنچنے پر اظہار اطمینان کیا۔ مقامی احمدیہ جماعت نے گذشتہ ماہ یوم النبی صلعم کے منانے کا انتظام ایک ہال میں کیا ہوا تھا۔ طعام کا انتظام بھی اچھے پیمانہ پر کیا گیا تھا۔ جناب کیپٹن (ریٹائرڈ) عبد الواحد صاحب آف نیاور مہمان خصوصی تھے۔ ان کی تقریر کے علاوہ ڈاکٹر جہانگیر مہدانی۔ مسٹر مسعود اختر ایڈووکیٹ۔ مسٹر یوسف بے کی تقاریر آنحضرت صلعم کی لائف پر ہوئیں۔ صدارت جلسہ کے فرائض ظفر اقبال عبد اللہ صاحب نے سر انجام دیئے۔

اس تقریب پر تو خاکسار حاضر نہ ہو سکا تھا۔ البتہ ۳۱ دسمبر کو جمعۃ المبارک میں شمولیت کی سعادت حاصل ہو گئی۔ خطبہ جناب کیپٹن عبد الواحد صاحب نے نہایت فصیح اردو زبان میں دیا آپکا اوپن ہارٹ اپریشن اوہایو میں ہو گیا تھا اسکے بعد آپ کیلیفورنیا سٹیٹ میں آ گئے اور انہوں نے عزیزی ظفر اقبال عبد اللہ کے ہاں مع بیگم صاحبہ ٹھہرنا مناسب خیال فرمایا۔ یہاں کی آب و ہوا زیادہ سرد نہیں ہے۔ اس لئے آب و ہوا کے لحاظ سے ان کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ آپ کا خطبہ ۴۵ منٹ جاری رہا جسے ہر ایک نے نہایت دلچسپی سے سنا۔ جناب کیپٹن واحد صاحب جوان ہمت بزرگ ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ مختلف ممالک کا دورہ کر کے اپنی جماعتوں کے احباب سے ملاقات کریں چنانچہ اگلے ہفتہ آپ ونیکور۔ کینیڈا وہاں کی جماعت کے صدر جناب محمد یسین غنی ساہو خان کی دعوت پر جا رہے ہیں۔ واپس آ کر آپ سرینام۔ گیانا ہالینڈ اور لندن کا دورہ کرتے ہوئے واپس لاہور پہنچیں گے۔ خدا آپکا حامی و ناصر ہو۔

***

جلسہ سالانہ ۱۹۸۲ء (خواتین) میں ۔ محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ کی تقریر کا مکمل متن

لا تقنطوا من رحمة الله

عزیز بہنو! اور پیاری بیٹیو! السلامُ علیکم!
یہ بھی اللہ تعالےٰ کا خاص فضل واحسان ہے اور میری خوش قسمتی ہے کہ میں پھر آپ سب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

میں اگر آپ سب کی خدمتِ اسلام اور مرکز کے کام کی تعریف کروں تو یہ سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہوگی۔ آپ کے ساتھ اللہ کی مدد۔ اور اللہ کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی برکت اور ایک مجدّد کی دُعائیں ہیں۔ اس مرکز میں آکر اور آپ سب سے مل کر جو خوشی اور دلی سکون واطمینان ملتا ہے وہ کیسے بیان ہو؟ سو میں آپ کو یہاں سے دور، سات سمندر پار مغربی دنیا کی دو چار باتیں سنانا چاہتی ہوں۔

یہ دنیا ترقی اور سائنس کی ایجادوں اور علم وہنر کی راہوں پر بہت آگے نکل گئی ہے لیکن یہ سب دنیاوی اور مادی ترقی کا زور ہے۔ وہاں کا عام انسان اللہ کے وجود اس کے واسطے اور تعلق سے ٹوٹ کر رہ گیا ہے۔ دنیا کے عالم، دین کے جاہل بن گئے ہیں اور وہاں رہ کر ہی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جو احمدیت کا چراغ چودہویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہمارے ہاتھوں میں دے گئے ہیں اور اللہ کے فضل سے اس کو ہاتھ میں لے کر جو کام ہماری یہ لاہور کی جماعت کر رہی ہے وہ اپنی سچائی کی دلیل آپ ہے۔
اس جماعت کی ابتدائی تاریخ ہی یہ ہے کہ جب یہاں حضرت مولانا محمد علی رح اپنے گنتی کے چند ساتھیوں کے ساتھ لاہور میں اس چھوٹی سی جماعت کی بنیاد رکھنے اور اشاعتِ اسلام اور قرآن کا نام وکام زندہ کرنے کے لئے کوشاں تھے تو ان کا ایک نڈر اور صاحب ہمت وحوصلہ ساتھی حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم اسلام کا پیغام لئے انگلینڈ پہنچے اور انگلینڈ میں دنیا کا سب سے پہلا اسلامی مشن انہوں نے ووکنگ میں قایم کیا۔ اور جس طرح وہ مشن کامیاب اور مشہور ومعروف ہوا وہ اس انجمن کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ لیکن جہاں غیروں میں اسلام کا نام اس مشن نے چمکایا وہاں اپنوں کا بھلا ہو کہ تعصب اور حسد نے خود مسلمانوں کے ہاتھوں اس مشن کا خاتمہ کر دیا۔ اور ساٹھ سال کے بعد ہماری جماعت کو انگلینڈ اور مغرب میں بے سروسامانی اور حیرانی وپریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۹۶۸ء سے لے کر ۱۹۸۲ء تک چودہ سال کی یہ لمبی داستان میری اپنی آنکھوں دیکھی اور سر پر گذری آپ بیتی ہے۔ میں اس وقت اس کو سنا کر آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ بلکہ یہ خوشخبری لے کر آپ کی خدمت میں آئی ہوں کہ آخر یہ تاریکی کا دور گذر کر اب پھر اللہ کے فضل واحسان، بزرگوں اور آپ سب کی دُعاؤں سے اُمید کی ایک کرن چمکی ہے۔ اور ہمیں دوبارہ اللہ نے ایک گھر انجمن کے مشن کے لئے عطا فرما دیا ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ رب العالمین

لندن جیسے بین الاقوامی اہم اور عظیم الشان شہر میں اس کے ایک اچھے اور بارونق علاقے ویمبلے نامی میں اب ایک مکان انجمن کے نام پر خرید لیا گیا ہے۔ اور اس میں اللہ کے فضل سے ہمارے مبلغ اور ہمارا سامان ٹھکانے سے آلگا ہے۔ اس گھر میں لندن مشن کی افتتاح کی کیفیت تو آپ سب نے میری تحریری رپورٹ میں ملاحظہ کی ہوگی۔ اس کے دوران اور اس کے بعد بھی اکثر ہم پر جس اعتراض کا میں نے زور دیکھا وہ یہ ہے کہ عام مُسلمان اور افسوس یہ ہے کہ خود ہمارے بعض نوجوان یہ کہتے ہیں کہ کام تو کرو مگر احمدیت کا نام چھوڑ دو۔ گویا دل میں قائل ہیں کہ ہم لوگ اشاعت اسلام اور قرآن کے لئے پُراثر اور مفید کام کر رہے ہیں۔ لیکن جس رہبر کی رہنمائی اور جس ہستی کی کوشش اور تجویزوں سے یہ کام شروع ہوا اور چل رہا ہے اس کا نام نہ لو۔ اس کا ذکر نہ کرو۔ اپنا احمدیت کا نعرۂ امتیاز اُڑا دو۔

یہاں دُنیا کے معمولی کاموں کے لئے بھی کوئی ڈیڑھ اینٹ کی کمیٹی بنتی ہے تو اس کو سب سے پہلے کوئی نام دیا جاتا ہے۔ گمنام رہ کر تو دنیا کی تاریخ میں نہ کوئی سلطنت۔ بادشاہت۔ فوج نہ کوئی کمپنی انجمن یا ادارہ حدیہ کہ قصہ کہانی فلم یا ڈرامہ آج تک بنا ہے نہ بن سکتا ہے۔ یہ نام تو ہمارے رہبر نے ہمیں پہچان کے لئے دیا ہے۔ جب حضرت مرزا صاحب نے یہ نام اپنی جماعت کے لئے تجویز فرمایا تو میں نے سنا ہے کہ جب بھی بعض لوگوں نے عرض کی کہ حضرت بہتّر فرقے تو اسلام میں پہلے موجود ہیں۔ آپ نے ایک اور بڑھا دیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر ماننے کوئی نئی بات تو نہ کی جہاں بہتّر ہیں وہاں ایک اور سہی۔ وہ بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کے نام اور کام کیلئے ایک جماعت کی پہچان ہے۔ ورنہ مذہب یا عقیدہ کچھ بھی نیا نہیں۔ چنانچہ ہمارے مشن کی ایک میٹنگ میں جب ایک صاحب بہت اصرار سے احمدیت کا نام مٹانے پر زور دے رہے تھے تو ان کو کہا گیا کہ چلیئے اگر احمدیت کے نام کو اڑا دیں تو آپ یہ گارنٹی دیتے ہیں کہ باقی بہتّر فرقوں کے نام بھی ختم ہو جائیں گے اور ہمارے سمیت سب فرقے صرف مسلمان کے نام سے بلائے جائیں گے۔ تو فرمانے لگے کہ یہ تو ممکن نہیں بس آپ لوگ اپنے کو اہل سنت والجماعت کہلواؤ شیعہ نہ بنو۔ سبحان اللہ۔ اہل سنت والجماعت بھی تو ایک فرقہ ہے۔ اور ہمارا عقیدہ اُنہیں والا ہے۔ مگر کام کس نام سے کریں گے۔ فرقے کی خاطر نہیں بلکہ کام کی خاطر ہمیں احمدیت کا خطاب ملا ہے تاکہ دنیا جان جائے کہ یہ اسلام کے مبلغوں اور سپاہیوں کی جماعت ہے۔ ایک دوسرے صاحب نے اعتراض کیا کہ آپ لوگ احمدی کہلا کر اور حضرت مرزا صاحب کا ذکر کر کے شخصیت پرستی کرتے ہیں۔ میرا جواب یہ تھا اور یہ ہے کہ "ہم شخصیت پرستی نہیں حق پرستی کرتے ہیں"۔ افسوس تو یہ ہے کہ شخصیت پرستی اسلام میں آگئی ہے۔ یہ سب پیروں کے مُرید شخصیت پرستی نہیں تو کیا کرتے ہیں کہ اُن کے ہاتھ پاؤں چومتے۔ قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے۔ ان سے منتیں مرادیں مانگتے ہیں۔ میں کسی اور کے لئے جواب دہ نہیں ہوں لیکن اپنی لاہور کی جماعت کے لئے کہتی ہوں کہ ہم میں سے کتنے ہیں؟ جو حضرت مرزا صاحب کے مزار پر کبھی گئے ہوں۔ یا وہاں کی خاک یا نشانیاں اور تبرک لے کر رکھنے یا دکھانے پھرتے ہوں۔
اس مردِ خدا نے اسلام کو از سرِ نو تازہ کیا۔ اللہ اس کے رسولؐ اس کی کتاب کا کلمۂ حق پڑھا اور ہم اس کے اس پیغامِ حق اشاعتِ اسلام وقرآن کو لے کر دور دراز ملکوں میں نکل گئے۔ قادیان بہت پیچھے رہ گیا۔ آپ کا دنیاوی وطن۔ آپ کا خاکی نشان سب ہم سے چھوٹ گیا۔ لیکن آپ کا کام۔ آپ کا پیغام۔ آپ کی رُوح کی تڑپ سب اس احمدیت کے نام سے زندہ ہے۔ اور خدا کے فضل سے یہ اُنکی

امانت صحیح معنوں میں لاہور کی اس چھوٹی سی جماعت کے پاس ہے۔ ہم یہ محسن کشی کیسے کر سکتے ہیں۔ کہ جس اسلام کے بیٹے نے یہ اسلام کو اُجاگر کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور تحریر و تقریر سے اس نور کو دنیا میں پھیلانے کا جذبہ ہم میں پیدا کیا۔ دنیا اور مذہب کے اُلجھے ہوئے راستوں میں سے اس سیدھے راستے کی نشان دہی ہمارے لئے کی ہم اس نبی رسالت کا کلمہ کسے پڑھاتے ہیں۔ اس وقت حضرت مرزا صاحب کی رُوح تو ضرور خوش ہوتی ہوگی۔ لیکن اُن کے نام کا کلمہ ہم نہیں پڑھاتے۔ میری اس بات کو کوئی سخت ترین احمدیت کا دشمن کبھی غلط ثابت نہیں کرسکتا اور میں اس پر خدا کو گواہ ٹھہراتی ہوں ہم تو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا دین پھیلانے اور بھٹکی ہوئی مخلوق کو اپنے خالق سے ملانے کے لئے ملک بہ ملک سرگردان پھرتے ہیں۔ ہمارے دل کی تسلی اور جمعیت خاطر اسی سرگردانی اور پریشانی میں ہے۔ تو میری اس بات کا مدعا اور حاصل یہ ہے کہ اگرچہ خدا کے فضل سے مغرب کے دل یعنی لندن میں ہمیں ایک ٹھکانہ مل گیا ہے اور وہاں اس جماعت کے مشن کی دوبارہ ابتداء ہوگئی ہے۔ لیکن اس ایک منزل کے طے ہو جانے سے نہ تو آپ کا راستہ طے ہوگیا ہے اور نہ آپ خدا کے سامنے سبکدوش ہوگئے ہیں۔ اینٹ پتھر کی عالیشان عمارتیں اور محل بے رُوح چیزیں ہیں۔ کچی مٹی اور کھجور کی ٹہنیوں سے بنی ہوئی مسجد نبویؐ دنیا کے کامل ترین انسان اور عظیم آخری نبی محمد رسول اللہ صلعم کا ٹھکانہ بنی اور وہاں سے اسلام کی تبلیغ کا نور چمکا۔ اور ایک عالم کو پُر نور کر گیا۔

اسلام کی تاریخ دیکھ لو بادشاہوں کے نہیں بلکہ دنیا کے درویشوں اور فقیروں کے حصے میں یہ نعمت مقدر ہوئی کہ وہ اشاعت اسلام کا کام کریں۔ موجودہ زمانہ میں قادیان کی کچی تنگ گلیوں سے اور احمدیہ بلڈنگس کی چھوٹی سی بے حیثیت بستی سے یہ آواز حق دوبارہ بلند ہوئی۔ یہ برکت گارے مٹی۔ اینٹ پتھر۔ سنگ مرمر یا سنگ موسیٰ کی نہیں بلکہ بزرگوں کی سعی اور کام کی تھی۔ تو آپ کا کام ایک لندن مشن کے لئے مکان مل جانے سے ختم نہیں بلکہ شروع ہوا ہے۔ مسلمانوں میں تعصب اور ضد کی وجہ سے اور خود آپ کی جماعت میں بعض افراد کی کم ہمتی اور ڈر کی وجہ سے آپ کے مددگار کم اور دشمن زیادہ ہیں۔ خدا کے لئے ہماری جماعت کے ماں باپ اپنی اولاد کو اسلام کے نام اور احمدیت کے کام سے اتنی روشناسی تو کروا دیا کریں کہ جب ان کی یہ اولاد غیر ممالک میں جائے تو اپنے کو احمدی بتانے میں شرم اور عار محسوس نہ کرے بلکہ اس نام کی اہمیت کو سمجھیں اور مقدم رکھیں۔ جان لیں کہ ایک احمدی نہ صرف مسلمان بلکہ خادم اسلام ہے۔ جب باہر کے لوگ احمدیت پر اعتراض کرتے ہیں تو مجھے افسوس ہوتا ہے لیکن جب ہمارے اپنے نوجوان احمدیت کو کم اہمیت دیں اور دنیا داری میں پھنس جائیں تو یہ فکر کی بات ہے اور ہمیں اس کا علاج سوچنا اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ ہر ایک احمدی ماں باپ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ باہر جا کر تبلیغ اسلام کریں لیکن مرد ہو یا عورت ہر ایک احمدی اپنے گھر کے اندر اپنی اولاد کو تبلیغ اسلام اور حق پرستی کے قابل بنا سکتا ہے۔ بظاہر یہ کام بہت مشکل اور کٹھن نظر آتا ہے کیونکہ کسی دُوسرے انسان یہاں تک کہ اپنی اولاد پر کبھی آناً فاناً اثر ہوتا نظر نہیں آتا اور بات کہنی بے کار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر آپ اپنی ذات سے نمونہ بن جائیں۔ آپ کا عمل آپکے کلام کی تصویر ہو تو آپ آہستہ آہستہ یہ رنگ بچوں پر بھی چڑھ جائے گا۔ بس خدا کی رحمت اور نصرت پر بھروسہ کرکے اس نیک کام میں لگے رہیں۔ خُدا کی رحمت سے مایوس اور بد دل ہونا ایک مسلمان کے شایان شان نہیں چنانچہ اس صدی کے ابتدائی دور کی ایک مشہور قومی شاعرہ محترمہ ز۔ خ۔ ش کے ان پر جوش

ان وعداللہ حقٌ یاد رکھ

یہ خدا کا وعدہ ہے کہ حق پھیل کر رہے گا۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو یہ توفیق دے کہ ہم اس حق کے پھیلانے والے بنیں۔ آمین!

—— *** ——

گذارشِ احوالِ واقعی

درسِ قرآن مجید

قرآن کریم کے معارف کو سمجھنا۔ سمجھانا اور اس نُور سے اپنے سینوں کو منور کرنا ہماری جماعت کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اور ہم لوگ فخر سے یہ کہتے رہے ہیں ؎

" قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے "

اور فرمایا۔ " قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے "

قرآن کے رموز و نکات اور معارف بیان کرنے والے ہماری جماعت نے پیدا کئے جو سال ہا سال درس دیتے رہے۔ احباب سلسلہ بھی جوق در جوق شمولیت کرتے۔ جوان بوڑھے بچے سب کھچے چلے آتے اور سرشار ہو کر لوٹتے۔ اسی سلسلہ کی کڑی آج بھی ہمارے درمیان موجود ہے۔ اور وہ ہیں جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب جو ہر سوموار نماز مغرب سے ایک گھنٹہ قبل درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ درس کیا ہوتا ہے، جو شامل ہوتے ہیں وہی جانتے ہیں کہ ہم کس قدر محظوظ ہوتے ہیں اور وہ ۴۵ منٹ کس تیزی سے گذرتے ہیں! اپنے علم میں کس قدر اضافہ ہوتا ہے وہ وہی جانتا ہے جو درس میں شمولیت کرتا ہے۔ اس رُوح پرور مجلس میں علم و عرفان کا ایک دلآویز بیان ہوتا ہے جس سے سامعین بے حد محظوظ ہوتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روح کی تازگی کا سامان مہیا کیا جا رہا ہے۔ اس سے وہی افراد لطف اندوز ہوتے ہیں جو اپنا وقت نکال کر اس مجلس میں رونق افروز ہوتے ہیں ایسی مجلسیں دینی اداروں کی یادگار نشستیں ہوتی ہیں ان میں حاضری ازدیاد ایمان کا موجب ہوتی ہے اس سلسلہ کا ایک تکلیف دہ پہلو یہی ہے کہ وہ بستی یعنی " دارالسلام " جسکی مسجد میں یہ رُوح پرور مجلس منعقد ہوتی ہے اسکے ارد گرد سب احمدی آباد ہیں اور انکی طرف سے جوش و ولولہ میں اہل انکاری سے دکھ ہوتا ہے، دیکھنے میں آیا ہے کہ دارالسلام میں آباد احمدی افراد کی پوری تعداد درس میں شامل نہیں ہوتی حالانکہ ہفتہ کے بعد صرف ۴۵ منٹ اس کار خیر کے لئے دینا بڑی بات نہیں ہے۔ اب آپ ہی اندازہ لگایئے کیا ہم اس طرۂ امتیاز کو برقرار رکھ رہے ہیں۔ کیا ہم اپنے گھروں میں اور مسجد کے زیر سایہ بلا وجہ درس کیطرف سے پیٹھ پھیرے ہوئے نہیں۔ کیا ہمارا یہ رویہ حضور صلعم کو پسند ہوگا۔ کیا ہم اپنے آپ سے یہ پوچھنے کی تکلیف گوارا کریں گے کہ درس قرآن ہو! احمدی ہوں!! اور یہ حاضری ہو!!! دیوار بدیوار ہم بیٹھے ہوں اور ٹس سے مس نہ ہوں۔ خدارا سوچیئے اور ان قیمتی اقدار کو مٹی میں نہ ملایئے۔ ہم نے اپنے مرشد سے وعدہ کیا ہے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے پھر یہ بے وفائی کہیں ایسا نہ ہو کہ ؎

جب اپنے عہد پہ قائم نہ رہ سکے ہم ۔ خدائے پاک کے وعدے بھی ٹلتے جاتے ہیں

اپنے قول و عمل پر نظر ثانی فرمایئے۔ شکریہ۔

خیر اندیش (میاں) فضل احمد۔ لاہور

رپورٹ:۔ مولوی شفقت رسول خاں

تلخیص و تصحیح:۔ نائب مدیر

(بقیہ ۲۷ دسمبر گذشتہ سے پیوستہ)

جلسہ سالانہ ۱۹۸۲ء کی مختصر روئیداد

سالانہ رپورٹ:۔

جناب میاں بشیر احمد ملٹو صاحب کی تقریر کے بعد جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے اپنی سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ طبع شدہ رپورٹ تھی۔ احباب سے کہا گیا کہ وہ خود رپورٹ لے کر مطالعہ فرمائیں (یہ رپورٹ اب بھی صیغہ نشر و اشاعت سے طلب کرنے پر دستیاب ہو سکتی ہے)

صدر اجلاس کا خطاب

جناب شیخ عمر فاروق صاحب نے فرمایا کہ میں اس عزت افزائی پر شکر گزار ہوں۔ آپ نے کہا کہ حق و باطل کے معرکے ہمیشہ سے دُنیا میں موجود رہے ہیں۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کی ہمیشہ نصرت فرمائی ہے۔ ہمیں کبھی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ یقیناً وہ ہماری مدد فرمائے گا۔ آپ نے زور دیا کہ ہمیں اپنی عملی زندگی کو قرآنی احکام کے مطابق بنانا چاہیئے تاکہ تقولون مالا تفعلون کے مصداق نہ ہوں۔ خدا نے اپنے وعدہ کو پورا کرنا ہے اور وہ ضرور پورا کرے گا۔ اللہ تعالےٰ نے مجدد زماں سے وعدہ فرمایا ہے کہ تمہیں ہی فتح حاصل ہوگی۔ مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ مشکلات کا آنا ایمان کی مضبوطی کے لئے ضروری ہے۔ موصوف نے فرمایا کہ ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے ہمیں جماعت سے وابستگی کی توفیق بخشی۔ کیونکہ یہ خدا کا کام ہے اور اٹل ہے۔ ؎

بمفت ایں اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے ھوالذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ یہی الفاظ حضرت اقدس کو الہام ہوئے یعنی اسلام سب ادیان پر غالب آئے گا۔ جلسہ مذاہب عالم میں بھی اسلام پر مضمون کو برتری حاصل ہوئی اور حضرت مجدد صد چہار دہم کا مضمون سب پر بالا رہا۔ آپ نے مزید بتایا کہ ماہ ستمبر ۱۹۸۲ء کو ایک یہودی وفد نے کشمیر کا دورہ کیا کہ وہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی قبروں کا پتہ لگائیں چنانچہ انہوں نے کشمیری راہنما غلام محمد سے ملاقات کی۔ ایک صاحب ذکریا ادریس کا مضمون شائع ہوا ہے کہ اسلامی عقیدہ یہی صحیح ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت ہو گئے ہیں اور وہ کشمیر میں دفن ہیں۔ ان سب باتوں سے حضرت اقدس کے دعاوی کی تصدیق ہوتی ہے آپ نے ھل ادلکم علیٰ تجارۃ کی آیت تلاوت کی اور توجہ دلائی کہ ہر ایک فرد اپنی وسعت کے مطابق تھوڑا یا بہت راہِ خدا میں خرچ کرے۔ حضرت مجدد صد چہاردہم نے فرمایا ہے کہ اس سے ہماری دنیا بھی سنورتی ہے اور آخرت بھی اور ہم خدا کے دین کے انصار بھی ہیں اس لئے ہمیں خدا کی نصرت کے حصول کے لئے عمل سے بھی مظاہرہ کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مقرر موصوف نے دو لاکھ بیس ہزار روپے کے عطیہ کا اعلان فرمایا۔

تقریر اور اپیل حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

آپ کی تقریر کا عنوان "ہمارا کام قرآن کریم اور رحمۃ للعالمینؐ کے نور کو دنیا میں پھیلانا ہے" تھا۔ آپ نے سورۃ نور کی آیات اللہ نور السمٰوات والارض۔۔۔۔۔۔ واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب ○ (نور: ۳۵ تا ۳۸) تلاوت فرما کر فرمایا کہ ان آیات میں ایک لطیف مثال سے حضور صلعم کے نور قلبی صافی کا اظہار فرمایا ہے کہ حضور صلعم کا دل ایک نور تھا اور جب اس پر قرآن پاک کے نور کا نزول ہوا تو نورٌ علیٰ نور ہو گیا۔ خدا کی ذات مبدء الانوار ہے جیسا کہ حضرت امام زماں نے فرمایا ہے: ؎

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا ✦ بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

اس نور کی کرنیں (جو آنحضرت صلعم اور قرآن پاک کے توسط سے بڑی نعمت کے طور پر ہمیں ملا ہے) مکے اور مدینے کے لوگوں پر پڑیں تو اُن کا درجہ بلند کر دیا۔ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع اور ان گھروں کو رفعت نصیب ہوئی اور ان لوگوں کو جو ان گھروں میں بستے تھے کایا پلٹ گئی سب کے سب اس نور کے اقتباس سے نور ہو گئے۔ ان کی زندگیوں کا نقشہ یہی ہے کہ خدا کی یاد ان کا دن رات کا مشغلہ ہے۔ دُنیا کے کاروبار اُن کو خدا سے غافل نہیں کر دیتے۔ اس وقت مغربی دنیا بھی صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے نور سے تاریکی سے نکلی۔ اس دور میں مغربی دنیا بالکل درندوں جیسی زندگی بسر کرتی تھی جس میں روشنی نہیں تھی۔ صلحاءِ امت سے انہیں یہ نور پھیلا مگر پھر نور پھیلانے والوں پر سستی طاری ہو گئی اور حالت یہ ہو گئی کہ لم یبقیٰ من القراٰن الا رسمہ و لم یبقیٰ من الاسلام الا اسمہ اس وقت خدا تعالےٰ نے ایک شخص کو بھیجا جس نے آپ کو حدیث مجدد کا مصداق قرار دیا۔۔۔۔ وہ عاشق قرآن تھا۔ وہ عاشقِ رسول تھا۔ اس کی نظمیں اور تحریریں آپ لوگ پڑھتے ہیں اس کے دل میں عشقِ قرآن اور عشقِ رسول صلعم کی آگ اور روشنی تھی۔ وہ آگ اتنی تیز تھی کہ اس کے پاس بیٹھنے والوں پر بھی اس کی روشنی پڑی اور اُن کے دلوں میں وہی آگ روشن ہو گئی۔

حضرت امیر قوم کی تقریر بڑی اہم تھی جو موصول ہونے پر شائع کی جائیگی انشاءاللہ

دُوسرا اجلاس

کھانے اور نماز کے وقفہ کے بعد دوسرا اجلاس جناب ڈاکٹر نعمان الہٰی ملک صاحب آف امریکہ کی صدارت میں ہونا تھا لیکن وہ تشریف نہ لا سکے تو ان کے بجائے جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب آف سان فرانسسکو امریکہ کی صدارت میں اس نشست کا آغاز ہوا۔ جناب عبدالعزیز فاروقیہ کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ حضرت صاحب کا منظوم کلام "اک نشاں ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد" جناب چوہدری محمد حیات صاحب نے ترنم سے سنایا۔

صدر اجلاس کا خطاب

جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب آف سان فرانسسکو نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا۔ سامعین! السلام علیکم! میں منتظمین جلسہ کا شکر گذار ہوں کہ اس عاجز کو اس جلسہ کی صدارت کا اعزاز بخشا۔ بندہ اس کے لئے تیار ہو کر نہیں آیا تھا۔ آپ نے کہا اگر ہم بیرونی ممالک میں جائیں تو وہاں پابندیٔ وقت کا احساس ہوتا ہے وہاں ہر آدمی وقت کی پابندی کو فرض سمجھتا ہے۔ اگر قوم کا لیڈر آٹھ گھنٹے بھی تقریر کرتا ہے تو ممبر ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ پوری توجہ سے بیٹھے سنتے ہیں۔ کوئی ان کو پرچی

نہیں دیتا کہ بیٹھ جایئے بلکہ سامعین غور سے سنتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں جس سے مقرر کو حوصلہ ہوتا ہے۔ بلالی مسلمان لیڈر عالی جاہ محمد سے ۱۹۷۴ء میں میری ملاقات ہوئی۔ تو میں نے اپنی انجمن کی اشاعت اسلام کی مغرب میں کوششوں کا ذکر کیا اور کہا کہ یورپ والے مسلمان ہوں یا نہ ہوں ہمارا فرض ہے کہ اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لوگ اسلام سے متاثر ہوئے اسی طرح جرمنی۔ سرینام۔ ٹرینیڈاڈ۔ فیجی میں لوگ کیسے پیدا ہوئے۔ اگر لندن کے ہمارے مبلغ گیا نہ جاتے تو وہاں جماعتیں پیدا نہ ہوتیں۔ لہٰذا جو کام بھی کیا ہے وہ نہایت عمدہ اور موزوں ہے۔ اب اگر وہاں مشنری نہ ہوتے تو جو لوگ وہاں پر بس رہے ہیں ان کی تربیت نہ ہو سکتی۔ اب جو مسلمان جا رہے ہیں اگر مشن نہ ہوں تو اُن کے بچے لامذہبی کا شکار ہو جائیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بعدہٗ جناب یاسین صاحب طالب علم انڈونیشیا نے "وفات حضرت مسیح علیہ السلام" کے عنوان سے اُردو زبان میں ایک نہایت عمدہ تقریر کی۔ جو سامعین کو بہت پسند آئی۔ ۔ ۔ ۔

جناب شیخ شریف احمد صاحب پشاور کا خطاب

آپ نے "ہمارا ماضی اور نئی نسل کو ہمارا پیغام" کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ آپ نے اپنی تقریر کا آغاز قرآن پاک کی آیات واوفوا بعهد الله اذا عٰهدتم ۔ ۔ ۔ ۔ ماكنتم فيه تختلفون ۰ (النحل: ۹۱ تا ۹۲) کی تلاوت سے کیا اور بتایا کہ ہمارا ماضی شروع ہوتا ہے جس دن حضرتِ اقدس نے دعوٰی مجددیت کیا اس بات کا پس منظر یہ ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی سیاسی۔ روحانی اور اخلاقی حالت گر چکی تھی۔ حکومت چھن چکی تھی۔ ہمارے علماء معمولی باتوں پر دنگا فساد پر تیار ہو جاتے تھے یہ باتیں ایمان کو متزلزل کئے دیتی تھیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جو کچھ رہا سہا تھا وہ بھی جاتا رہا۔ یورپین اقوام نے ایشیاء اور مڈل ایسٹ میں اپنی کالونیاں قائم کر لیں اور مسلمانانِ عالم کے اذہان کو ماؤف کرنے کی کوشش کی۔ پادریوں کی فوجیں ایشیا اور افریقہ پر چڑھ دوڑیں اور اسلام کے چہرے کو داغدار کر کے دکھانا شروع کیا جس سے خود مسلمان بھی متنفر ہونے لگے۔ پادریوں نے اسلام پر حملے کئے۔ اور عیسائیت کا لٹریچر پھیلایا۔ جس سے لاکھوں مسلمان عیسائی ہو گئے لیکن علماء اور دانشور خاموش تھے۔ اور مولٰنا حالی نے مسلمانوں کی حالت پر مرثیہ کہا۔ مسلمانوں کو اگر کوئی روشنی نظر آتی تھی تو وہ اسرائیلی مسیح کا دو ہزار سال سے آسمان پر ہونا تھا اور چودہویں صدی میں اس کا نزول تھا۔ چنانچہ مسیح کی آمد کے لئے دُعائیں کی گئیں دعا قبول ہوئی۔ خدا نے مسیح محمدی کو بھیجا لیکن اس کو شناخت نہ کر سکے اور بدستور اب تک منتظر ہیں۔ لیکن جو مسیح خُدا نے کھڑا کیا اس کی بچپن سے جوانی تک اپنے ہاتھوں سے تربیت فرمائی۔ ان کے شب و روز قرآن پاک کی تلاوت۔ مسجد میں سجدہ ریزی اور اسلام کی سربلندی کے لئے ہر لمحہ مصروف وہ فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول تھے۔ فنا فی القرآن تھے۔ غرضیکہ ان کا تن من دھن خدا اور اس کے رسُول اور قرآن کے لئے تھا۔ عیسائیت کا اسلام پر سب سے بڑا حملہ مسیح ابن مریم کا آسمان پر زندہ ہونا تھا اور یہ کہ مسیح ہی نجات دلا سکتا ہے۔ حضرتِ اقدس نے "براہین احمدیہ" لکھی جس میں جملہ مذاہب پر دینِ اسلام کی برتری کا مدلّل دعوٰی کیا۔ اور آپ نے عیسائیت کے باطل عقیدہ پر ضرب کاری لگائی۔ اور خدا سے علم پا کر قرآن پاک سے، حدیث اور تاریخی حقائق سے ثابت کیا کہ مسیح ابنِ مریم فوت ہو گیا ہے۔ آپ نے ہر رنگ میں مسیح کی وفات کو ثابت کر دیا۔ آپ نے بڑا پُر زور لٹریچر پیدا کیا۔ حضرت امیر مولانا محمد علی مرحوم۔ خواجہ کمال الدین حضرت امیر مولٰنا صدر الدین جیسے عالم آپ کے متبع تھے جنہوں نے حضرتِ اقدس کے خیالات کو انگریزی زبان میں منتقل کیا۔ اور اسے دُنیا کے کناروں تک پہنچا دیا۔ حضرت مولانا محمد علیؒ نے لاہور میں بیٹھ کر یورپ کی اقوام پر قلمی اور علمی یورشیں کیں۔ تفسیر قرآن انگریزی۔ ریلیجن آف اسلام۔ دی نیو ورلڈ آرڈر لکھیں۔ مقرر موصوف نے ان کی کتب کے مطالعہ پر زور دیا

ایک موقع پر محمد علی جوہر نے کہا کہ خواجہ صاحب باکمال مبلغ ہیں کیونکہ انہیں صرف زبانی باتیں نہیں کیں بلکہ عملی نمونہ پیش کیا۔ حضرت خواجہ کمال الدین کی تبلیغ لندن سے لارڈ ہیڈلے جیسے عظیم انسان حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ لیکن یہاں پادریوں کے پیچھے غریب غربا اور خاکروب ہی چڑھے۔

احمدیت نے یورپین اقوام کے اذہان بدل دیئے ہیں۔ حضرت مولٰنا عبدالحق ودیارتھی جیسی عظیم شخصیت جو عبرانی۔ سنسکرت۔ زرتشتی۔ انگریزی زبان کے سکالر تھے یہ سب احمدیت کا شاندار ماضی ہے۔ ۱۹۷۴ء کے بعد خیال کیا جاتا تھا کہ یہ جماعت مٹ جائے گی لیکن خُدا نے اسے قائم رکھا ہے اور یہ قائم رہے گی۔ کیونکہ یہ خُدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے یہ قوم قرآن پاک کے تراجم کروا رہی ہے۔ ہمارے بچے۔ بڑے۔ مرد، عورتیں دین کی خدمت کا بے مثال جذبہ رکھتے ہیں۔ آپ نے نوجوان نسل سے اپیل کی کہ وہ دین کو سیکھیں اپنے بزرگوں کے ورثہ کو حاصل کریں۔ اس کے لئے علم کے حصول میں پوری کوشش کریں۔ علم دو ہی ہیں۔ علم بدن اور علم دین اس لئے علم صحت و توانائی حاصل کرو اور علم دین حاصل کرو۔ اور اس کو دنیا تک پہنچاؤ۔ اور کوشش کرو کہ تمہارا مستقبل ماضی کی طرح روشن بن جائے اور تم علم میں عمل میں ایک فعال حیثیت کے حامل ہو۔

جناب چوہدری شکر اللہ خان منصور کا خطاب

آپ کی تقریر کا عنوان تھا "ما مسلمانیم از فضل خدا" آپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اس موضوع کا مطلب ہے کہ ہم اراکین جماعتِ احمدیہ لاہور خدا کے فضل سے مسلمان ہیں۔ اگر اس بات کو STATEMENT یعنی بیان سمجھا جائے تو ایک قسم کے تعجب کا احساس ہوتا ہے کیونکہ ہم تو قرآن و سنت کے مطابق تمام اجزاء دین پر کامل ایمان رکھتے اور تمام ارکان اسلام پر کاربند ہونے کے قائل ہیں۔ خدا کا پسندیدہ دین صرف اسلام کو مانتے ہیں ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه پر ایمان رکھتے ہیں۔ حضور صلعم کو خاتم النبیین آخری نبی قرآن پاک کو آخری کتاب، ہدایت شریعتِ اسلامیہ کو آخری شریعت مانتے ہیں اور اس جماعت کا مقصد وحید صرف تبلیغ اسلام اور اشاعتِ قرآن ہے پھر اس STATEMENT کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ۱۹۷۴ء تک اس موضوع کی اہمیت اور نوعیت اور تھی۔ کیونکہ اس وقت ہر فرقہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتا آیا تھا ان کی قانونی حیثیت کچھ نہ تھی۔ لیکن ۱۹۷۴ء میں پاکستان کے سب فرقوں نے باہمی اختلافات کے باوجود نیشنل اسمبلی کے ذریعے ہمارے خلاف سیاسی اور آئینی اتفاق کر لیا۔ ان دنوں احمدیوں کے خلاف پروپیگنڈہ کا نیا انداز اختیار کر لیا۔ اور کئی اقدامات کئے گئے ہیں۔ حضرت امیر قوم نے خطبہ میں بتایا تھا کہ ہم ان دنوں ناگوار حالات سے گذر رہے ہیں۔ مخالف ایسی قانونی صورت پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ ہم کو مسجدوں میں نمازوں سے روکا جا سکے۔ تبلیغ اسلام بند کرنے کے لئے دباؤ ڈالا جا سکے۔

تیسرا اجلاس

یہ اجلاس زیرِ صدارت جناب راس محمود صاحب آف لندن منعقد ہونا تھا لیکن وہ تشریف نہ لا سکے تو جناب الٰہی بخش صاحب ہالینڈ نے اس کی صدارت فرمائی اور اس اجلاس کی کاروائی مولانا عبدالرحمٰن صاحب کمبھی کی تلاوت قرآن پاک سے ہوئی۔

جناب حامد الرحمٰن صاحب کی تقریر

جناب حامد الرحمٰن صاحب نے "اسلام کا معاشی نظام" کے موضوع پر سورۃ حدید کی درج ذیل آیات کی روشنی میں تقریر کی۔ لقد ارسلنا رسلنا بالبينٰت ۔ ۔ ۔ ۔ قوي عزيز (اسلام کا معاشی نظام) پر انگلش میں تقریر کی تھی اور بعد میں (اسلام کا معاشی نظام) اردو زبان میں کی۔ آپ نے بتایا کہ مذاہب صرف انسان اور خُدا کے

درمیان کا معاملہ ہے۔ دنیا کے لئے معاشرتی۔ معاشی نظریات موجود ہیں۔ یہ سب باتیں دراصل مغربی تہذیب کے تاثر سے ہیں لیکن اسلام کے نظریہ معاشی میں ان خیالات کی کوئی جگہ نہیں ہے یہ خیالات مذہب میں مغربی فلسفہ سے در آئے ہیں۔ اس لئے اسلامی فلسفہ اور اسلامی تعلیمات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عیسائی مذہب رومی سلطنت کے زیر سایہ پیدا ہوا وہ یہودی حکمران تھا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام صرف روحانی و اخلاقی حالت کی اصلاح کے لئے آئے اس لئے انہوں نے دنیاوی امور کے لئے کوئی اصول پیش نہ کئے۔ جب عیسائی مذہب پھیلا تو بازنطینی کلچر بُت پرستی۔ مادہ پرستی تہذیب کا دور دورہ تھا۔ اس لئے عیسائی مذہب میں ہے کہ کوئی چادر لیتا ہے تو اس کو چوغہ بھی دیدو۔ ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف کر دو۔ اور ایک عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ صلیب پر چڑھ کر [illegible] گناہ کا کفارہ [illegible] کی گئی [illegible] کو جلا دیا کہ ان کے خیالات مذہب کے مخالف ہیں۔ حتیٰ کہ لوگوں کو مذہب سے نفرت ہو گئی۔ سائنسی ترقی کے دور میں سرمایہ داری نظام قائم ہوا۔ یہ نظام عوام کی ترقی کے لئے روک بن گیا۔ اور خیال ہوا کہ مذہب استحصالی نظام پیش کرتا ہے۔ مذہب ایسی طاقت ہے جو ترقی کی راہ میں حائل ہے لیکن اسلام کی تعلیم اور حضور صلعم کے اسوہ حسنہ نے عربوں کا معاشرہ خود بنایا اور اسکے اصول بنائے۔ قرآن اور حدیث میں کسی مسئلہ کا حل نہ ہو تو اجماع ہے۔ اسلام نہ صرف روحانی نظام پیش کرتا ہے بلکہ اسلامی سلطنت اور دنیاوی نظام کی بھی رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام میں معاشی نظریہ موجود ہے۔ اسلام سائنسی ترقی میں حائل نہیں ہے۔ اسلام نے حلال۔ حرام۔ جائز ناجائز کا معیار مقرر کیا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ خدا کی حدود ہیں ان سے نہ بڑھو۔ عدل کا نظام ہے۔ انصاف قائم کرو۔ شوریٰ کا نظام قائم کیا۔ شاہ ولی اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر معاشی نظام منصفانہ نہ ہو تو ارتکاز زر پیدا ہوتا ہے۔ اسلامی نظام عدل میں سب انسان یکساں ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع کا خطبہ قابل غور ہے۔ حضرت نبی اکرم صلعم صرف واعظ نہ تھے بلکہ انہوں نے ایک معاشرہ قائم کیا۔ اس کا معاشی نظام قائم کیا۔ سیاسی عدل۔ کوئی حاکم و محکوم نہیں۔ کیونکہ کونوا عباد اللہ اخوانا۔ آج تین نظام دنیا میں ہیں سرمایہ داری کمیونزم سوشلزم لیکن اسلام انفرادی آزادی کو قائم کرتا ہے۔ حضور صلعم نے اپنے پاس اتنی رقم ہی نہیں رکھی جس پر زکوٰۃ لازم ہو۔ اسلام کا نظام رضاکارانہ نظام ہے۔ سُود ختم۔ زکوٰۃ خیرات۔ وراثت۔ جائز ذرائع آمدنی کا اختیار کرنا۔ اور یہ کہ بنیادی ضروریات کا مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ یہ اسلامی معاشی نظام خیر و برکت کا باعث ہے اور امن و سکون اور راحت کا علمبردار ہے۔

جناب ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب کا خطاب

آپ نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی اور کہا کہ قرآن پاک کی تلاوت سے میرے دل کو تسکین ملتی ہے میری پسندیدہ دعائیں قرآنی آیات ہیں۔ اور قرآن پاک کے الفاظ میرے دل کے سکون کا باعث بنتے ہیں۔ حالات نے کچھ مشکلات پیدا کیں لیکن تسلی کا باعث یہ بات رہی کہ خدا کی مدد ساتھ ہے۔ سب سے زیادہ موثر ذریعہ قرآن پاک کی تلاوت ہے۔ یہ سورہ دن میں کئی مرتبہ پڑھی جاتی ہے۔ اور دل کے سکون کا باعث بنتی ہے۔ کون اسلام میں داخل ہے اور کون خارج بلیٰ من اسلم وجہہ للّٰہ وھو محسن ۔۔۔۔ وھم لا یحزنون۔ اس میں ایک اصول بتادیا ہے کہ خُدا کے حضور جھکنا اور خالصتاً جھکنا صداقت کی نشانی ہے۔ ان اللہ مع الصابرین۔ صبر کرنے والوں کو خدا کا ساتھ ملتا ہے۔ اذا سئلک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان خدا بندے کی بات کا جواب دیتا ہے۔ ادعونی استجب لکم مجھے پکارو میں سنتا ہوں۔ جماعت کے مصائب کب ختم ہوں گے قل اللّٰھم مٰلک الملک ۔۔۔ بیدک الخیر۔ یہ باتیں خدا کے اختیار میں ہیں حسبی اللہ و علیہ یتوکل المتوکلین۔ میرے لئے میرا خدا کافی ہے۔ اور توکل کرنے والا اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کی آیات پر غور و خوض کی دعوت دی اور قرآن پاک ہر لمحہ ساتھ رکھنے کی ہدایت کی۔

جناب الٰہی بخش صاحب صدر اجلاس کا مختصر خطاب،

آپ نے بتایا کہ وہ پہلی مرتبہ جلسہ میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اور کہا کہ خدا کی راہ پر [illegible] اچھی طرح [illegible] پر خیر و خوبی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

—————— * * * * ——————

اخبارِ احمدیہ :۔

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں۔ احباب سلسلہ حضرت ممدوح کی صحت و عافیت والمبی زندگی کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

* **آہ چوھدری فضل حق صاحب**

احباب جماعت کو اس خبر سے صدمہ ہوگا کہ ہماری جماعت کے ایک نہایت اہم اور فعال رُکن جناب چوہدری فضل حق صاحب ریٹائرڈ انکم ٹیکس کمشنر دل کا دورہ پڑنے سے اچانک وفات پا گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

مرحوم نے ریٹائرڈمنٹ کے بعد بھی بڑی مصروف زندگی گذاری۔ دارالسلام کی بیشتر عمارتیں مرحوم نے بنوائیں۔ جس کام کو اپنے ذمہ لیا خوش اسلوبی سے نبھایا۔ مشکل سے مشکل وقت میں بھی خندہ بلب رہنا ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اعزہ کو صبر کی توفیق دے۔ سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبرستان دارالسلام میں تدفین عمل میں آئی۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

* **قرارداد تعزیت**

ممبران شبان الاحمدیہ مرکزیہ کو اپنے معتمد رفیق اور اعزازی سرپرست جناب ناصر احمد صاحب کو اپنی شریک حیات کی وفات کا جو صدمہ پہنچا ہے ہمیں اس کا انتہائی دُکھ ہے اور ہم اللہ جلّ شانہٗ کے حضور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالےٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

شریک غم

سیکرٹری شبان الاحمدیہ لاہور

جالینوس کے قلم سے ۔

وکان الانسان کفوراً

قرآن کریم میں انسان کی ناشکر گذاری کی داستان

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اس دنیا میں اول تو بغیر کچھ محنت کئے ہی ہزاروں نعمتیں عطا کی ہیں ۔ اور اگر وہ تھوڑی بہت محنت کرے تو اس کا بدلہ اُسے دوگنا چوگنا اور بعض دفعہ کئی گنا زیادہ ملتا ہے مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اتنے فضلوں کے باوجود بھی وقلیل من عبادی الشکور خدا کا شکر ادا کرنے والے پھر بھی بہت تھوڑے ہوتے ہیں ۔ اکثریت ایسی ہے جو کئی رنگ میں ناشکری کرتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن کریم میں انسان کو اس کی اوقات یاد دلائی ہے کہ وہ ذرا اپنی اصلیت کو یاد کرے کہ وہ کیا ہے ۔ اور کس چیز سے وجود میں آیا ہے اور کون اسے عدم سے وجود میں لایا ہے پھر بھی اپنے پیدا کرنے والے کے احسانوں کی شکر گذاری اختیار کرنے کے بجائے کیوں وہ ناشکری کا راستہ اپناتا ہے ۔ وہ فرماتا ہے :

" یقیناً ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا ہے ۔ ہم اس کو آزماتے ہیں اور ہم نے اس کو سننے والا اور دیکھنے والا بنایا ہے ۔ اور ہم نے اس کے لئے صحیح راہ کی نشاندہی کی ہے ۔ خواہ وہ شکر کرنیوالا بن جائے خواہ ناشکر گذار " (سورۃ دھر)

باوجود اس کے کہ انسان شکر کرنیوالوں پر خدا کی رحمتوں اور فضلوں کو دیکھتا ہے اور ناشکر گذاروں کا انجام بھی ملاحظہ کرتا ہے اس کے بعد بھی غلط راہ کو اپناتا ہے جب کہ خدا نے سماعت اور بصارت کی قوت عطا کر دی ہے ۔ کہ وہ اچھے اور بُرے کی تمیز کر سکے ۔ اللہ تعالیٰ نے دُوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ دراصل ابتلاء آنے پر ہی ایک انسان کا پتہ لگتا ہے ۔ کہ وہ اس آزمائش میں پُورا اترتا ہے ۔ یا نہیں ۔ ذرا غور کیجئے فرمایا :- " اور انسان کو جب اس کا رب آزماتا ہے تو اس کو بہت کرم اور نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عزت دی ہے اور بعض دفعہ جب اسکو آزماتا ہے تو اس پر کچھ رزق کی تنگی لاتا ہے ۔ تو وہ کہتا ہے کہ اللہ نے مجھے ذلیل کر دیا ہے ۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ تم یتیموں کی عزت نہیں کرتے مسکینوں کو کھلانے کی طرف توجہ نہیں کرتے اور دی گئی چیزوں کو خوب اڑاتے ہو اور مال سے جی بھر کر محبت کرتے ہو ۔ یاد رکھو جب زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا ۔ ۔ ۔ اور اس روز جہنم دکھائی جائے گی اس روز انسان کو خدا یاد آئے گا مگر جب یاد آنے کا کیا فائدہ اور انسان کہے گا کہ کاش میں نے اپنی زندگی سے کچھ آگے کیلئے رکھا ہوتا "

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ بگڑے ہوئے لوگوں کے لئے مصلحین بھیجتا ہے اور ان کے ذریعہ یہ کہتا ہے کہ اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم ۔ یاد کرو کہ میں نے تم پر کتنے احسان کر رکھے ہیں تو کیوں تم میرے بھیجے ہوئے پیغام پر لبیک نہیں کہتے ۔ اور کیوں مختلف حیلوں اور بہانوں سے خدا کے پیغام کو ٹھکراتے ہو ۔ اور جب کہ خدا واضح طور پر شکر گذاری پر اپنی طرف سے مزید انعامات نازل کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور نافرمانی اور ناشکر گذاری کرنے پر عذاب کی وعید دیتا ہے کہ لئن شکرتم لازیدنکم و لئن کفرتم ان عذابی لشدید ۔

اس کے باوجود خدا کا پیغام مختلف طریقوں سے رد کرنیوالوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن کریم میں فرمایا ہے ۔ جن طریقوں اور بہانوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں نافرمانی کرنے والوں کے سلسلہ میں بیان فرمایا ہے ان میں سے چند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اگر یہ طریق نہ اپنایا جائے اور خُدا کے پیغام کو کھلے دل سے قبول کر کے صحیح راستہ پر قدم زن ہوا جائے تو وہ نہ صرف اس دنیا میں اپنی نعمتوں کے خزانے اپنے بندے کے لئے کھول دیتا ہے بلکہ آخرت میں بھی نعماء کا وعدہ کرتا ہے ۔

اول :- اندھی تقلید اور آباؤ اجداد کی پیروی کا بہانہ

گذرے ہوئے لوگوں کے فاسد خیالات اور باطل معتقدات پر قائم رہنے کا بہانہ پیش کیا جاتا ہے ۔ اور باوجود معجزات اور خارق عادت واقعات کو دیکھنے کے یہی کہا جاتا ہے کہ ہم تو اپنے بڑوں کی تقلید کریں گے اور اس پیغام کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں گے ۔ اب بھی بعض مسیحی اور یہودی عالم ایسے موجود ہیں جو اسلام کی حقانیت اور بانیٔ اسلام علیہ السلام کی صداقت کے قائل ہیں ۔ مگر اپنے آباؤ اجداد کے طریق کو ترک کر کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں ۔ ایسے لوگوں کا ذکر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے ۔

(۱) قوم عاد کا حضرت ھود علیہ السلام کو جواب

" انہوں نے کہا کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہم ایک خدا کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے آباؤ اجداد پوجتے تھے ان کو چھوڑ دیں " (الاعراف - ۷۰)

(۲) قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام کو جواب

" انہوں نے کہا کہ اے صالح ہم کو تو تجھ سے اس سے پہلے بہت سی اُمیدیں وابستہ تھیں کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ ہم ان کی عبادت نہ کریں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے " (ھود - ۶۲)

(۳) قوم مدین کا حضرت شعیبؑ کو جواب

" انہوں نے کہا کہ اے شعیب کیا تیری نمازیں تجھ کو یہی کہتی ہیں کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء عبادت کرتے تھے " (ھود - ۸۷)

(۴) حضرت ابراھیمؑ کو قوم کا جواب

" جب انہوں نے اپنے باپ سے اور قوم سے کہا کہ یہ تصویریں کیا ہیں جن کی طرف تم لوگ جھکے رہتے ہو ۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے " (الانبیاء - ۵۲)

نیکی اور تقوای کی راہ اختیار نہ کرنے کی وجوہ میں سے ایک تو تقلید ہے جو اندھا دھند کی جاتی ہے کہ سوچنے سمجھنے یا معجزات کو پرکھنے کی کیا ضرورت ہے ۔ بس آنکھیں بند کر کے اسی موقف پر قائم رہو جس پر ہمارے بڑے قائم تھے خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں ۔

ایک دوسرے مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل نے قوم کو قائل کیا کہ یہ بُت عبادت کے لائق نہیں ہیں، عبادت کے قابل صرف اللہ تعالےٰ کی ذات ہے جو واحدہٗ لاشریک ہے مگر دلائل کا کوئی جواب نہ بن پڑنے پر یہی کہا کہ ہم اپنے بزرگوں کا مذہب اور طریق کیسے ترک کریں۔ ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

"اور ان کو ابراہیمؑ کا قصہ سُنا کہ جب اس نے اپنے باپ سے اور قوم سے کہا کہ یہ کیا چیزیں ہیں جن کو تم پوجتے ہو تو انہوں نے کہا کہ یہ بُت ہیں ہم انہیں کو اپنی ضروریات پیش کرتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا یہ سُن لیتے ہیں؟ یا تم کو کوئی نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا اور سنا ہے۔" (الشعراء - ۶۹)

(۵) مکہ والوں کا آنحضرت صلعم کو جواب

"اور جب اُن سے کہا گیا کہ جو خدا تعالےٰ نے نازل فرمایا ہے اس کی اتباع کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ خواہ اُن کے آباء کوئی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی ہدایت کے راستہ پر ہوں۔" (البقرۃ - ۱۷۰)

عمومی رنگ میں مختلف قوموں کے انسانوں کی ناشکر گذاری کے اس بہانہ کا ذکر اللہ تعالےٰ یوں بیان فرماتا ہے۔

"اور اسی طرح ہم نے جب کبھی کوئی ڈرانے والا کسی بستی میں بھیجا تو اس کے آسودہ حال لوگوں نے یہی بہانہ پیش کیا کہ ہم نے اپنے آباء کو اس طریق پہ پایا ہے اور ہم ان کے ہی نقشِ قدم پر چلیں گے۔" (الزخرف ۲۳)

ناشکرے انسان کی ڈھٹائی کا اندازہ لگائیے کہ بُرائی کرنے پر اور واضح طور پہ بے حیائی کے ارتکاب پر بھی یہی بہانہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ نیکی کی تلقین پر اسے سچے دل سے مان لیا جاوے اور غلط اور بے حیائی کے افعال کو ترک کر دیا جائے ایک ہی جواب دیا جاتا ہے۔

"اور جب وہ فحش افعال کے مرتکب ہوتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا بھی یہی کیا کرتے تھے اور اللہ نے ہمیں یہی کرنے کو کہا ہے اُن سے کہہ دے کہ اللہ تعالےٰ تو کبھی بھی بدی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کیا تم خُدا کے خلاف وہ بات کہتے ہو جس کا تم کو علم نہیں ہے۔" (الاعراف - ۲۸)

دوم:۔ ذمہ داری قبول کرنے سے پہلوتہی

انسان کو مساویانہ طور پر اللہ تعالےٰ نے تمام قویٰ عطا فرما دیئے ہیں۔ دیکھنے کے لئے سننے کے لئے۔ سوچنے کے لئے۔ غور کرنے کے لئے تمام طاقتیں اس کی عطا کردہ ہیں اور یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ اب موقع ہے اس زندگی میں کہ تم ان سے کام لو۔ تم کو آنکھیں دی ہیں ان سے دیکھو۔ تمہیں کان دیئے ہیں ان سے سنو۔ تم کو دل دیئے ہیں ان سے عقل سے کام لو۔ اور ان جانوروں کی طرح نہ بنو جن کو یہ چیزیں دی گئی ہیں مگر طاقتیں نہیں دی گئیں کہ وہ سوچ سمجھ سکیں۔

غور و خوض اور سمجھ بوجھ اور تحقیق کرنے کے متعلق ایک مثال کلامِ الٰہی سے پیش کی جاتی ہے۔ جہاں غلطی کرنے سے پہلے سوچ لینے کے متعلق حکم دیا گیا ہے فرمایا:

"اے مومنو! جب تم خدا کے رستہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو مسلمانوں کی طرح سلام کرے اس کو یہ مت کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔ کیا تم دنیاوی مال و دولت حاصل کرنا چاہتے ہو۔" (النساء - ۹۴)

یہاں پر ایمان لانے والوں کو بھی یہ سبق دیا ہے کہ کسی ایسے شخص کو کافر کہہ دینا یا اس کے عدمِ ایمان کا فیصلہ صادر کر دینا تمہارا کام نہیں ہے۔ کلمہ پڑھ لینا تو بہت اونچی بات ہے۔ صرف اگر تم کو کوئی سامنے سے آنے والا السّلام علیکم مسلمانوں کی طرح کہہ دے تو تم اس پر کفر کا فتویٰ صادر نہ کر دو۔ کیونکہ جب اس جُرم کی سزا ملے گی تو کوئی عذر یا بہانہ قابلِ سماعت نہ ہو۔ جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور صلعم نے خالد بن ولیدؓ کے ایک کافر کے کلمہ پڑھ لینے پر بھی قتل کر دینے پر فرمایا:۔ "کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟"

جب روزِ قیامت سچ اور جھوٹ کھل کر سامنے آجائے گا تو اس روز گرفت سے بچنے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور اپنے اعمال کا حساب دینے کا وقت ہوگا تو اس وقت انسان ایک اور راہ اختیار کرے گا اور عیوب اور ناشکر گذاری کی ذمہ داری خود قبول کرنے سے اس طرح انکار کرے گا:۔

"جب وہ سارے وہاں جمع ہو جائیں گے تو ان کے پچھلے اپنے اگلوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب ان لوگوں نے ہمیں گمراہی کی راہ پہ ڈالا تھا ان کو آگ کا دگنا عذاب دے تو خدا فرمائے گا کہ ہر ایک کو ہی کئی گنا عذاب ملے گا۔" (الاعراف ۳۸)

"اور وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے تو اپنے بڑوں اور سرداروں کی اطاعت کی تھی اور انہوں نے ہی ہمیں سیدھے راہ سے بھٹکا دیا تھا۔ اے ہمارے رب ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت ڈال۔"

اس دنیا میں انسان اپنے سرداروں اور لیڈروں کی اتباع بعض دنیاوی اغراض کے حصول کی خاطر کرتا ہے۔ اور ان کے پیچھے لگ کر حق کے خلاف صف آرا ہو جاتا ہے اور دنیاوی فوائد حاصل کرتا ہے مگر جب خدا سے آمنا سامنا ہوگا اور وہاں جا کر اس قسم کی حرکات کا جوابدہ ہونا پڑے گا تو کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ دو تین اور مثالیں اس قسم کی قرآن کریم سے دی جاتی ہیں کہ قرآن پاک ایک ایسا کلام ہے جو خود اپنی وضاحت فرماتا ہے۔

(۱) "اور کافر لوگ کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں جن و انس میں سے ان لوگوں سے ملا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تا کہ ہم انہیں اپنے پاؤں تلے روندیں تا کہ وہ ذلیل ہو سکیں۔" (فصّلت - ۲۹)

(۲) "اور تُو دیکھے گا کہ جب ظالم لوگ اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے ایک دُوسرے سے باتیں کریں گے اور کمزور لوگ برسرِ اقتدار لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے تو وہ بڑے لوگ کمزور لوگوں کو جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تم کو حق بات کے قبول کرنے سے باز رکھا تھا بلکہ تم خود ہی مجرم ہو۔ مگر کمزور لوگ ان کو جواب دیں گے کہ تمہاری دن رات کی سازشیں ہی تھیں جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ تعالےٰ کا انکار کریں اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرائیں۔" (سبا - ۳۱ - ۳۳)

* * *

باہتمام ریاض حسین الحیدرہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر:۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲ فروری ۱۹۸۳ء — جلد ۷۰ شمارہ ۵

جلد:- ۷۰ * یوم چہار شنبہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ بمطابق ۹ فروری ۱۹۸۳ء * شمارہ:- ۶

ملفوظات حضرت مجدد صد چہار دہم

بیعت کی اصل غرض

بیعت کا سلسلہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے شروع ہوا اور حضور نے اسلام میں نئے داخل ہونے والوں کے علاوہ کئی مواقع پر صحابہ کرامؓ سے دوبارہ بیعت لی۔ حضورؐ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے ہاتھوں پر بیعت ہوئی۔ پھر یہ سلسلہ اولیاء اللہ کے ہاتھ پر رشد و ہدایت کے لئے بیعت کا رنگ اختیار کر گیا۔ حضرتِ اقدس اس بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے ظاہر کچھ چیز نہیں۔ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کرے گا۔ دیکھو میں یہ کہہ کر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو۔ دعا کرو۔ تا تمہیں طاقت ملے۔ جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے۔ قمار بازی سے بدنظری سے اور خیانت سے، رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا جو اُس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امورِ معروفہ میں جو برخلاف قرآن نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا اور ان کی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص اس عہد کو جو اُس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔"

(کشتی نوح صہ ۳۷ تا صہ ۳۹)

---

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ کا ایک تاکیدی ارشاد

۱۔ قرآن مجید کے نور کو دنیا کے کناروں تک پھیلاؤ کہ یہی جہادِ کبیر ہے۔

۲۔ تزکیہ نفس کے لئے نماز کا قیام اور انفاق فی سبیل اللہ لازم ہے۔

(خطبہ جمعہ ۲۸/۱)

رپورٹ: مولوی شفقت رسول خاں صاحب

تلخیص و تصحیح: نائب مدیر

جلسہ سالانہ ۱۹۸۲ء کی مختصر روئیداد

(مورخہ ۲۸ دسمبر ۸۲ء بروز منگل آخری اجلاس)

یہ ہمارے جلسہ سالانہ ۱۹۸۲ء کا آخری دن تھا جس کی صدارت جناب میاں نشاط احمد صاحب ملتان نے کرنا تھی لیکن وہ تشریف نہ لا سکے اور سری نگر سے آمدہ مکرم راجہ محمد یوسف تاثیر صاحب کی زیر صدارت اجلاس کی کاروائی شروع ہوئی۔ قرآن پاک کی تلاوت انڈونیشین طالبعلم جناب یاتمین صاحب نے کی۔ جناب محمد اعظم علوی صاحب نے اپنا منظوم کلام سنایا۔ اس کے بعد جناب مرزا مسعود بیگ صاحب نے "پاک محمد مصطفےٰ نبیوں کا سردار" کے موضوع پر ایمان افروز تقریر فرمائی۔ آپ نے بتایا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی یہاں ہمیشہ بیان ہوتے رہتے ہیں بچے بھی حضور صلعم کی زندگی کے بارے میں جانتے ہیں لیکن میں حضورؐ کی وہ خصوصیات بیان کروں گا جو آپؐ کو تمام انبیاء سے ممتاز کرتی ہیں۔

اول خدا نے آپؐ کو وہ کامیابیاں عطا فرمائیں جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں ہوئیں۔ حضور صلعم بڑے کامیاب پیغمبر تھے۔ یہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اہلِ یورپ کا اعتراف ہے۔ محمدؐ دنیا کی مذہبی شخصیتوں میں سب سے بلند انسان تھے۔ عرب تو کیا ساری دنیا کی حالت ظہر الفساد فی البر والبحر کی کیفیت تھی۔ عرب جاہلوں کا ملک تھا بلکہ وہ لوگ جہالت پر فخر کرتے تھے حضورؐ نے ان کی کایا پلٹ دی۔ وہ سب حیوانوں سے انسان بن گئے۔ شراب کا حکم آنے پر شراب پانی کی طرح گلیوں میں بہا دی۔ چنانچہ مستشرقین کو ماننا پڑا کہ محمدؐ کامیاب شخصیت ہے۔

دوم دیگر تمام انبیاء محدود علاقہ کے لوگوں کے لئے تھے حضور صلعم تمام دنیا کے لئے سراجًا منیرًا بنا کر بھیجے گئے۔ اور دیگر تمام بتیاں گُل ہو گئیں۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ پہلے انبیاء اخلاق کے ایک پہلو کو نمایاں کرتے تھے جیسے حضرت موسیٰؑ کی جوانمردی۔ ہارونؑ کی نرمی۔ یشوع کی جرنیلی۔ حضرت یحییٰؑ کی سادگی۔ سلیمانؑ کی شان و شوکت۔ مسیحؑ کی فروتنی۔ حضرت موسیٰؑ کا جلال۔ عیسٰیؑ کا جمال۔ آپؐ میں یہ خوبیاں اجتماعی رنگ میں موجود ہیں۔ آپؐ منظہر اتم ہیں۔ ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری + آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

چوتھی خصوصیت ایک قوم کو سنوارنا ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے زندگی بھر میں صرف ۱۲ حواری پیدا کئے ان میں سے ایک نے تیس روپے لے کر آپ کو پکڑوا دیا۔ لیکن آپؐ نے اپنے صحابہ کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جو آپؐ کے فدائی اور عاشق تھے۔ حضرت موسٰیؑ کی قوم نے کہا کہ تو اور تیرا خدا جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ حضور صلعم کی قوم دیکھئے جب آپ جنگِ احد میں دشمن کے نرغہ میں آ گئے تو صحابہؓ نے آپؐ کے گرد دیوار بنا لی تاکہ آپ کو تیر نہ لگیں اور تیروں کی طرف پیٹھ کر دی تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہم بچنے کی کوشش کریں اور تیر حضورؐ کو لگ جائے۔ آپ کی امت آپؐ پر فدا تھی۔ آپ نے تمام اقوام کو ایک کر دیا۔

ایک اور خصوصیت یہ کہ آپؐ نے مکہ فتح کیا اور اہلِ مکہ مغلوب ہو کر پیش ہوئے تو آپ نے پوچھا کس سلوک کی توقع رکھتے ہو۔ ابوسفیان نے حضورؐ کو ۲۱ سال تک تکلیف دی تھی اس نے کہا آپ رؤف رحیم ہیں اخی الکریم ابن الکریم ہیں۔ تو آپ نے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم۔ حضورؐ کے دل کو لوگوں سے انتقام لینے میں نہیں معاف کر دینے سے ٹھنڈک ہوتی تھی۔ ہندہ کو جس نے آپ کے چچا حضرت حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا معاف کر دیا۔ ابوسفیان کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ معافی کا ٹھیکیدار بنا دیا۔

ہماری جماعت کا عشقِ قرآن

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک سے عشق کرنیوالی پہلی جماعت ہے قادیان میں حضرت مولنا نورالدینؓ دن میں پانچ دفعہ درسِ قرآن دیتے تھے۔ ۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ نے احمدیہ بلڈنگس میں درس دینا شروع کیا تو اس درس میں مولانا ظفر علی خاں صاحب تک آتے تھے۔ اس کے بعد تین مسجدوں میں درس ہونے لگا۔ مولوی غلام مرشد صاحب شیرانوالہ میں احمد علی صاحب سنہری مسجد وغیرہ میں ہونے لگا۔ احمدیہ جماعت کی یہ خصوصیت تھی۔ جناب مرزا صاحب نے توجہ دلائی کہ اب یہ خصوصیت کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس زمانے کے شبان احمدیہ۔ مرزا یعقوب بیگ مرحوم۔ سید محمد حسین شاہ صاحب کالج میں پڑھتے تھے انہوں نے انجمن فرقانیہ بنائی اور اس انجمن نے سیرت نبی کریمؐ کے جلسے شروع کئے۔ ورنہ مسلمانوں میں بارہ وفات منائی جاتی تھی اور نعت خوانی وغیرہ ہوتی تھی۔ حضورؐ کی زندگی سے واقفیت بہم نہیں پہنچائی جاتی تھی۔ درج ذیل قسم کے اشعار سے عقیدت کا اظہار کیا جاتا تھا ؎

تیری سواری یا نبی حد عرش سے بریں اتے گئی اے + دیکھ کے جلوہ طور دا مولا موسیٰ نوں ہوش نہ رہی آ

ہماری اخباروں "لائٹ" اور "پیغام صلح" میں حضورؐ کے حالات شائع ہوتے تھے PROPHET OF ISLAM ۱۹۲۸ء میں یوم ولادت پر لکھ کر تمام نو مسلموں کو تقسیم کیا گیا۔ ہماری جماعت اس وقت سے آج تک کچھ نہ کچھ شائع کرتی رہتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے ہر کتاب میں آپؐ کے قصیدے لکھے ہیں "مقام محمد مصطفٰیؐ" چھاپ کر ۱۰۰۰ وکلاء اور دانشوروں کو بھیجی گئی ہے۔ ۲۸ دسمبر کو محامد نبی اکرمؐ شائع کی گئی ہے وہ تقسیم کی جا رہی ہے۔ حکومت پاکستان کل بروز بدھ ۲۹ دسمبر کو بسلسلہ عید میلاد النبیؐ چھٹی کر رہی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے ۸۰ کتابیں لکھی ہیں جب لکھتے لکھتے طبیعت زور پر آتی تو حضور صلعم کے قصائد لکھنا شروع کر دیتے۔ عربی فارسی۔ اردو۔ میں قصائد موجود ہیں۔ میں چند ایک اشعار سناؤں گا جن سے آپ کی قلبی کیفیت کا پتہ ملتا ہے۔ ؎

نقشِ ہستی تیری الفت سے مٹایا ہم نے + اپنا ہر ذرہ تیری راہ میں اڑایا ہم نے

مورد قہر ہوئے آنکھ میں اغیار کی ہم + جب سے عشق اس کا تہ دل میں بٹھایا ہم نے

ز عشاق فرقان و پیغمبریم + بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

زندگانی چیست جاں کردن براہ تو فدا + رستگاری چیست در بند تو بودن مُرد وار

آپ نے بتایا کہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۲ء حضرت خواجہ کمال الدین کا یوم وفات ہے۔ حضرت خواجہ صاحب اور حضرت مولانا محمد علی رح یہ بے نظیر لوگ تھے۔ خواجہ صاحب نے "کامل نبی" کتاب لکھی آپ نے ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء میں وفات پائی (ان کے لئے مغفرت کی دعا کی گئی) مارماڈیوک پکتھال نے بھی حضرت مولانا محمد علی اور خواجہ صاحب مرحومین کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ لارڈ ہیڈلے جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے لشپنز کے سامنے تقریر کی۔ آپ کی تقریر سنی تو وہ حیران رہ گئے۔ آپ نے کہا کہ آج کا دن تجدید عہد کا دن ہے۔ ہم نہ صرف بیان کریں بلکہ عمل بھی کریں آپ نے کیپٹن عبدالواحد صاحب کے لئے۔ جماعت کی کامیابی کے لئے۔ حضور صلعم کی امت کی حفاظت کے لئے دعا مانگی۔

(بقیہ صفحہ ۵ و ۶ پر)

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن — سبق نمبر ۲۰

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ (سورۃ البقرۃ۔ آیات ۳۰ تا ۳۲)

ترجمہ:۔ اور جب تیرے رب نے فرشتوں کو کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کیا تو اُس میں اُسے بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ فرمایا میں یقیناً وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور آدم کو سب کے سب نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا مجھے ان کے نام بتاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو تمام علم والا ہے حکمت والا ہے۔

اگرچہ یہ آیات سیدھے سادے الفاظ میں بظاہر ایک واقعہ کا ذکر کرتی ہیں مگر اُن کے اندر ایک اہم اور بنیادی مضمون مخفی ہے، اور اس کو واضح کرنا اس لئے مشکل ہے کہ ظاہر پرست لوگ ظاہری الفاظ کو بخوبی نہ سمجھتے ہوئے ایک غلط تاثر اس قدر عام طور پر پھیلا چکے ہیں کہ وہ لوگوں کی طبیعتوں میں جڑیں پکڑ چکا ہے اور ایک غلط تاثر کو جو جڑیں پکڑ چکا ہو لوگوں کے دلوں سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چونکہ وہ غلط تاثر اسلام کے بنیادی عقیدوں کے بارہ میں نہیں اس لئے میں اسے نہ چھیڑتا اگر اس میں بعض اہم بنیادی مضامین نہ ہوتے جن کی طرف اشارہ میں بار، بار بعد کے درسوں میں مجبوراً کروں گا۔ بہرحال ایک غلط تاثر کو دور کرنا ویسے بھی ہر شخص کا فرض ہے۔ اس لئے میں اس رکوع کی تفسیر پہ ہاتھ ڈالتا تو ہوں مگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق مانگتے ہوئے کہ وہ مجھے اس رکوع کو سمجھنے اور سمجھانے میں اپنی ذرّہ نوازی سے میری راہنمائی فرمائے۔ آمین

ہر درس پر ۵ منٹ کی بندش کی وجہ سے میں نے پورا رکوع نہ تو لکھا ہے نہ اس کا ترجمہ کیا ہے۔ مگر سننے والے اس واقعہ کا جو اس رکوع میں مذکور ہے جانتے ہونگے۔ نہ جانتے ہوں تو سورۃ البقرۃ کا رکوع ۴ (آیات ۳۰ تا ۳۹) پڑھ لیں بمعہ عام ترجمہ کے۔ عام تاثر یہ ہے کہ گویا ایک محفل سی تھی جس میں اللہ تعالیٰ، فرشتے، حضرت آدم و حوّا۔ ابلیس یا شیطان سب موجود تھے۔ آمنے سامنے وہ باتیں ہوئیں اللہ تعالیٰ میں اور فرشتوں میں، بعد میں حضرت آدم میں اور اللہ تعالیٰ میں، اور بالآخر شیطٰن میں اور اللہ تعالیٰ میں اور حضرت آدم میں جو اس رکوع میں مذکور ہیں۔ اس آپس کی گفت و شنید میں فرشتوں نے نعوذ باللہ خدا کے آدم کو خلیفہ بنانے پر اعتراض کیا کہ کیا تو اس زمین میں اُسے بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک فرشتوں نے خلیفہ کے عہدہ پر اپنا حق جتانے کے لئے کہا کہ ہم جو ہیں تیری تسبیح اور حمد اور تقدیس کرنے

والے۔ پھر ایک بہت غلط خیال یہ ہے کہ جب فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم کو سجدہ کریں تو شیطان بھی مخاطب تھا کیونکہ بقول ان کے شیطان معلّم الملکوت یعنی فرشتوں کا اُستاد تھا۔ پھر شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو وہ اپنی زبان سے کلام کے رنگ میں تھا۔ اگر فرشتوں نے زبانی اعتراض کی گستاخی کی تو شیطان نے زبانی انکار کی۔ نعوذ باللہ من ذالک

اصل میں غلط تاثرات عربی کے لفظ قَالَ کو بخوبی نہ سمجھنے سے پیدا ہوئے ہیں دوم یہ سمجھنے سے کہ اس رکوع کے تمام واقعات ایک ہی محفل میں نہیں تو کم سے کم اُوپر تلے ہوئے حالانکہ قرآن کریم کی یہ طرز ہے کہ کسی مضمون کی جو ضروری باتیں ہوں انہیں ایک دوسرے کے بعد بیان فرمایا جاتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ باتیں فوراً ایک دوسرے کے بعد ہوئیں مثلاً سورۃ مریم ۱۹ کے پہلے رکوع میں حضرت زکریا کو ایک بیٹے یحییٰ کی خوشخبری دیئے جانے کا ذکر ہے۔ اور اس کے معاً بعد آتا ہے یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ یعنے اے یحییٰ اس کتاب کو جو تجھے دی جاتی ہے مضبوطی سے پکڑ۔ اب دونوں واقعوں کے درمیان کم سے کم چالیس سال کا ضرور وقفہ تھا۔ تو قرآن کریم ہر موضوع کی ضروری باتوں کو ایک دوسرے کے بعد ذکر فرماتا ہے مگر اس سے یہ غلطی نہ کھانی چاہیئے کہ وہ واقعات معاً ایک دُوسرے کے بعد ہوئے۔ حضرت آدم کے وہ واقعات جن کا اس رکوع میں ذکر ہے اُن کے بارہ میں غلط فہمی کی وجہ صرف واقعات کو مسلسل سمجھ لینے سے نہیں ہوئی بلکہ اس سے زیادہ لفظ قَالَ کے جو بار، بار آتا ہے پورے مفہوم کو نہ سمجھنے سے ہوئے۔

قَالَ جو لفظ قول سے نکلا ہے اس کے معنی زبان سے کہنے کے ضرور ہیں مگر اس کے علاوہ اپنے دل میں سوچنے کے یا محسوس کرنے کے بھی ہیں جیسے کہ قرآن کریم میں خود آتا ہے ویقولون فی انفسھم لولا یعذبنا اللہ (المجادلۃ ۵۸ - ۸) "اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا"۔ پھر لفظ قال زبان حال یعنے اپنی حالت سے کسی بات کو ظاہر کرنے کے لئے بھی آتا ہے مثلاً آسمان اور زمین کا اپنے رب کی فرمانبرداری میں آجانے کے لئے قرآن فرماتا ہے کہ قالتا اتینا طائعین (حٰم ۴۱ - ۱۱) "اُن دونوں نے کہا ہم دونوں خوشی سے حاضر ہوتے ہیں"۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت یا تسخیر سے ایک فعل کے ہونے پر بھی لفظ قال آتا ہے جیسے کہ فرمایا قلنا یٰنار کونی بردًا و سلٰمًا علیٰ ابراھیم یعنے ہم نے کہا کہ اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ عرب لوگ لفظ قول سے تمام افعال کا معنی ادا کر لیتے تھے اگرچہ زبان سے کچھ بھی نہ کہا گیا ہو۔ مثلاً قال بیدہٖ جس کے معنی ہیں اُس نے اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا اگرچہ اُس پکڑنے کے فعل کے لئے لفظ قال آیا ہے۔ اسی طرح قال برجلہٖ یعنے وہ پیدل چلا گیا۔ یہاں چلنے کے لئے لفظ قال آیا ہے۔ قال بالماء علی یدہٖ اُس نے پانی ہاتھ پر ڈالا جہاں لفظ قال پانی کو ڈالنے کے معنوں میں آیا ہے۔ یا قال بثوبہٖ اُس نے کپڑا اٹھا لیا

الغرض یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لفظ قال جو موجودہ رکوع میں بار، بار آتا ہے اُس کے یہ معنی نہیں کہ وہ تمام باتیں زبان سے آمنے سامنے کی گئیں بلکہ دل میں خیال آنے، یا اپنی حالت سے کسی بات کو ظاہر کرنے یا اپنے ردعمل یا

RE - ACTION سے کسی بات کو ظاہر کرنے ان تمام معنوں میں لفظ قال کا استعمال ہوتا ہے۔ ایک وغلط خیال عام ہے کہ حضرت آدم اور اماں حوّا کو اس جنت میں پیدا کیا گیا تھا جو آسمانوں میں اگلی زندگی میں اللہ تعالےٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے تیار کی ہے حالانکہ اس رکوع میں پہلی آیت سے ہی واضح ہے کہ حضرت آدم کو اس زمین میں رکھا گیا تھا جیسا کہ شروع کے الفاظ واذ قال ربك للملٰئكة انی جاعلٌ فی الارض خلیفة سے ظاہر ہے۔ ان عربی الفاظ کے معنے ہیں "اور جب تیرے ربّ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں"۔ اگلی زندگی کی جنّت کے لئے تو قرآن حکیم میں صاف طور پر آیا ہے کہ و ماھم منھا بمخرجین (الحجر ۱۵- ۴۸) یعنے جو اُس جنت میں داخل ہونگے وہ اس میں سے کبھی بھی نکالے نہیں جائیں گے۔ اس لئے جس جنت میں حضرت آدم اور اماں حوّا کو رہنے سہنے کا موجودہ رکوع میں ذکر ہے اور جس سے وہ عارضی طور پر نکالے گئے تھے وہ اسی دنیا کی جنت تھی۔ دوسری جگہ صاف آیا ہے ولمن خاف مقام ربه جنّتٰن (الرحمٰن ۵۵- ۴۶) یعنے جو اپنے ربّ کے آگے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اس کیلئے دو جنتیں ہیں جس کے معنے پر اتفاق ہے۔ کہ اس سے مُراد ایک تو اس دُنیا کی جنّت ہے اور دوسری آخرت کی جنت۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ یہ خیال کہ حضرت آدم اور اماں حوّا اگلے جہان کی جنت میں رکھے گئے تھے اور بعد میں وہاں سے نکالے گئے تھے بالکل غلط خیال ہے۔ اس دنیا کی جنت کیا ہے اس کا ذکر میں اسی رکوع کی تفسیر میں کر دوں گا جہاں اس جنت کا ذکر آئے گا۔

دو اور باتوں کا ذکر کر کے میں اس ابتدائی بحث کو ختم کر دوں گا۔ ایک تو یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نسلِ انسانی کی ابتداء ایک میاں بیوی سے ہوئی جن کا نام آدم و حوّا تھا۔ حضرت آدم کا ذکر قرآن حکیم میں خود موجود ہے۔ حضرت حوّا کا نام احادیث میں مذکور ہے۔ اور جس واقعہ کا ذکر موجودہ رکوع میں ہے وہ انہی دونوں کو پیش آیا۔ قرآن حکیم نے آگے تمام نسلِ انسانی کو مخاطب کرتے ہوئے ان دونوں کو ابویکم (الاعراف۔ ۲۷) تمہارے ماں باپ کہا ہے۔ آج خود سوچنے سمجھنے والے سائنس دان بھی یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ نسلِ انسانی ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئی جس کا سب میں بڑا ثبوت یہ ہے کہ ظاہری اختلافات مثلاً قد، رنگ، ناک نقشے وغیرہ کے علاوہ اندر سے تمام انسان خواہ وہ کہیں کبھی ہوں بالکل ایک ہیں۔ اور یہ ناممکن تھا اگر نسلِ انسانی ایک ماں باپ سے پیدا نہ ہوئی ہوتی۔ رہا ظاہری اختلافات تو وہ ایک ماں باپ کی ایک وقت کی اولاد میں بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً میرے اپنے ماں باپ کے آٹھ بچے تھے چھ لڑکیاں اور دو لڑکے۔ ہم میں سے کوئی دراز قد ہے تو کوئی درمیانہ قد والا اور کوئی پستہ قد یعنے قد میں چھوٹا۔ کوئی گورا ہے تو کوئی سانولا کوئی بادامی اور کوئی کالا کسی کے ناک نقشے موٹے ہیں تو کسی کے باریک۔ تو نسلِ انسانی جو دور دراز کے علاقوں میں پھیل گئی جہاں کے موسم۔ آب و ہوا، خوراک، حالات زندگی مختلف تھے تو ہزار ہا سال کے اندر اُن میں اگر قد، رنگ اور ناک نقشوں میں اختلاف پیدا ہو گئے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ شروع میں ہماری زمین ایک جگہ تھی پھر زلزلوں اور زمین کی ہلچل نے اسے مختلف براعظموں میں بانٹ دیا۔ یہ آج سائنس کا انکشاف ہے تو نسلِ انسانی کا ہر براعظم میں ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تو اگرچہ حضرت آدم اور اماں حوّا سے تمام نسل انسانی کی ابتدا ہوئی اور جس واقعہ کا موجودہ رکوع میں ذکر ہے وہ انہی دو کو پیش آیا مگر یہ واقعہ ان سے خاص نہیں بلکہ ان کے ذکر میں تمام نسلِ انسانی کا ذکر ملحوظ ہے۔ اس بات کو قرآن حکیم نے خود واضح کر دیا ہے۔ جب فرمایا یٰبنی اٰدم لا یفتننکم الشیطٰن کما اخرج ابویکم من الجنة (الاعراف۔ ۲۷) یعنے اے آدم کی اولاد شیطان تم کو آزمائش میں یا دُکھ میں نہ ڈالے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا تھا۔ اسی طرح اگر موجودہ رکوع میں آدم کو زمین میں خلیفہ بنانے کا ذکر ہے تو دوسری جگہ فرمایا تمام نسل کو مخاطب کرتے ہوئے ھوالذی جعلکم خلٰئف الارض (الانعام۔ ۱۶۶) یعنے وہی تو خُدا ہے جس نے تم سب کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا۔ اور ایک اور جگہ فرمایا و یجعلکم خلفآء الارض (النمل ۲۷- ۶۲) تم سب کو زمین میں اپنا خلیفہ بناتا ہے۔ اور سیاق و سباق یعنے پچھلی اور اگلی آیات کو دیکھا جائے تو وہاں بھی تمام نسلِ انسانی کا بحیثیت مجموعی ذکر ہے۔ پچھلے رکوع کی آخری آیت میں فرمایا جو کہ دوسری جگہ بار، بار دوہرایا گیا ہے ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا یعنے وہی تو خدا ہے جس نے سبھی کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا ہے تو ساری نسل انسانی اللہ تعالےٰ کی اس زمین میں جانشین ہے۔ نہ کہ کوئی ایک انسان۔ پچھلے رکوع کو ختم فرمایا وھو بکلّ شیءٍ علیم یعنے وہ ہر چیز کا بہترین علم رکھنے والا ہے تو اپنے علم کا بھی جانشین اُس نے کسی ایک شخص کو نہیں بنایا بلکہ تمام نسل انسانی کو۔ اسی لئے آگے جہاں آدم کو تمام نام سکھانے کا ذکر آئیگا تو میں بتاؤں گا کہ اس سے مراد بنی آدم کو تمام علوم سکھانے سے ہے۔ اسی طرح اگر فرشتوں کے آدم کے علم کیوجہ سے اس کے آگے سجدہ کرنے یعنی فرمانبرداری کرنے کا آگے ذکر آئے گا تو میں بتاؤں گا کہ اس میں بنی آدم کے دنیاوی علوم میں ترقی کر کے تمام کائنات کی قوتوں کو اپنا فرمانبردار کر لینے کا ذکر ہے کیونکہ فرشتے کائنات کی ہر طاقت یا قوت کے انچارج ہوتے ہیں۔ یہ نظارہ تو ہم آج دیکھتے ہیں کہ کس طرح انسان نے علوم کی ترقی سے زمین کی تمام طاقتوں یا قوتوں پر اختیار حاصل کر لیا ہے۔ اسی طرح اسی رکوع میں آگے جو ھبوط یعنے اعلےٰ مقام سے گر پڑنے کا ذکر ہے تو وہاں بھی فرمایا کہ قلنا اھبطوا منھا جمیعًا یعنے ہم نے حکم دیا کہ تم سب کے سب اس اعلےٰ حالت سے نکل جاؤ۔ اسی طرح آدم کے خون بہانے یا فساد کرنے کا ذکر ہے۔ تو دنیا میں اس وقت کا اکیلا آدم کس کا خون بہا سکتا تھا یا کس سے فساد کر سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ تمام نسلِ انسانی مراد ہے۔ الغرض حضرت آدم اور حوّا کے ذکر میں ہم سب کا ذکر ہے اور جب تک ہم اس کو اچھی طرح ذہن نشین نہیں کر لیتے ہم اس رکوع کے اہم ظاہر اور باطن کے علوم اور ہدایت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

(باقی آئندہ)

***

مکتوب تعزیت

برادرم محمد الرحمٰن کو مرحوم لکھتے ہوئے میرا ہاتھ کانپ رہا ہے۔ دل ڈوب رہا ہے کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔ بعد نماز فجر ۳۰ کو ان کے انتقال کی خبر موصول ہوئی بجلی کا جھٹکا سا لگا۔۔۔ تقدیر الٰہی سے جماعت ایک پُرعزم باعمل اور مخلص دیانتدار ممبر سے محروم ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں نے مرحوم کو بہت قریب سے دیکھا۔ تقریباً آٹھ برس اکٹھے کام کیا مرحوم اپنی ذمہ داریوں کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھاتے تھے۔ مقامی جماعت پشاور کے تمام حسابات زیادہ بیماری سے پہلے ہی میرے سپرد فرما گئے شاید اُن کی باطنی حِس نے اپنے وقتِ آخر کو محسوس کر لیا تھا۔ مرحوم نے بڑی صالح اولاد اپنی یادگار چھوڑی ہے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

غمزدہ (مولوی) عبد الرحمٰن امام مسجد احمدیہ پشاور

(بقیہ آمدہ صہ ۲ سے آگے)

مولانا عبدالرحیم جگو صاحب کا خطاب

جناب سیکرٹری صاحب کی تقریر کے بعد مولانا عبدالرحیم جگو صاحب نے سورۃ العصر کی تلاوت کے بعد "بیرونی جماعت ہائے احمدیہ" کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ نے کہا میں جناب علوی صاحب کی نظم سے بے حد متاثر ہوا ہوں میں آج سے ۴۹ سال پہلے اس جماعت میں شامل ہوا۔۔۔۔ حضرت اقدس نے فرمایا تھا کہ لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں۔ یہ لوگ خدا کا دین دنیا میں پھیلانے آئے تھے۔ وہ اب بھی زندہ ہیں۔ لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ وہ زندہ جاوید ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔

گیانا میں جناب رشید صاحب محمد یسین صاحب جماعت میں شامل ہوئے اور جماعت بن گئی۔ ہندوستان میں بمبئی۔ مدراس۔ انڈمین میں جماعت ہے۔ انڈونیشیا میں سوکارتو میں جماعت عمدہ کام کر رہی ہے۔ لوگ قرآن پاک اور ریلیجن آف اسلام پڑھ رہے ہیں۔ انڈونیشیا میں ۱۴ جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ کیلی فورنیا میں تین جگہ جماعت ہیں۔ کینیڈا میں یاسین ساہو صاحب ہیں۔ انگریزی میں قرآن پڑھ رہا ہے۔ میں نے کیلی فورنیا سے کتابیں بھجوا دی ہیں۔

اوک لینڈ میں عبداللہ صاحب ہیں۔ لندن میں آپ کی جماعت ہے۔ ہالینڈ میں جماعت ہے۔ ہیگ میں جماعت ہے۔۔۔ آج پانچ جماعتیں ہیں۔ بنگلہ دیش گیا۔ سنگاپور میں بہت احمدی ہیں۔ بنکاک گیا۔ ہانگ کانگ میں کچھ لوگ احمدی ہیں۔ آپ نے بتایا کہ ساری دنیا کے مختلف ملکوں میں ۸۰ یا ۹۰ جماعتیں ہیں۔ باہر کی دنیا میں آپ کی جماعت کا بہت چرچا ہے لوگ آپ کی کتب سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور آپ کے مخالف بھی استفادہ کرتے ہیں۔ محاورہ ہے گوشت سے نفرت شوربے سے پیار۔ آپ نے تسلی دی کہ آپ گھبرائیں نہیں اپنی کمزوری دُور کریں۔ ایک وقت آئے گا کہ ہمارا ہی چرچا ہوگا۔ اور کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ ہم تھک جاتے ہیں لیکن آپ نے ان لوگوں میں ایک جذبہ پیدا کر دیا ہے وہ جاگ اٹھے ہیں کام کر رہے ہیں۔ ہمارا مرکز لاہور میں ہے اور اس مرکز سے ہمیں دلی لگاؤ اور پیار ہے۔

جناب محمد یوسف ننا منیو صاحب کا خطاب

مولانا عبدالرحیم جگو صاحب کی معلومات افزا تقریر کے بعد صدر جلسہ نے خطاب فرمایا آپ نے السلام علیکم کے بعد کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ملاقات کی سالہا سال سے جو تمنا تھی وہ پوری ہو گئی۔ ناامیدی کی وجہ سے خدا سے ہی رابطہ تھا۔ خدا نے ہماری بے بسی پر ترس کھا کر یہ موقع عنایت فرما دیا۔ آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھ کر مسرت ہو رہی ہے۔ مجدد احمدیت حضرت مولانا محمد علی رح۔ خواجہ کمال الدین مرحوم۔ مولانا صدرالدین مرحوم، خدا ان کے درجات بلند کرے۔ ہم جنت ارضی جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ آرام کر رہے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ سری نگر میں مدفون ہیں۔ حضرت مسیح موعود کا ایک مقام کسر صلیب ہے اور ہمارا یہ تعلق مٹانے سے مٹ نہیں سکتا۔ کشمیر میں تین مقامات پر جماعتیں ہیں۔ جماعتوں نے اپنے اعلیٰ جذبہ سے احمدیہ لٹریچر پھیلا رہے ہیں۔ مولانا محمد علی رح کی تفسیر یہاں کشمیری زبان میں کر رہے ہیں۔ آپ نے تجویز کیا کہ ہندوستان میں پبلشنگ ہاؤس قائم کریں کیونکہ وہاں پر تبلیغ کا بڑا وسیع میدان ہے۔ ہم کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کا خطاب

"آپ نے "ایک درد بھرے دل کی دُعا" کے عنوان پر تقریر فرمائی اور قرآن کی آیات و ایوب اذ نادیٰ ربہٗ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین ۔۔۔۔ انی کنت من الظالمین ۔ (الانبیاء ۸۳ تا ۸۷) تلاوت کر کے فرمایا۔

دُعا خدا کو مدد کے لئے پکارنا ہے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنے لیکچر ۱۹۰۴ء میں دُعا کے موضوع پر فرمایا ہے۔ پکارنا فطرت ہے۔ بچہ ماں کو رو کر پکارتا ہے۔ ماں خشک کپڑے پہناتی ہے اور گیلے پن سے بچاتی ہے۔ جب بڑا ہوتا ہے تو گھر سے باہر نکلتا ہے تو باپ کی ضرورت پڑتی ہے۔ سیر کرانے کے لئے۔ اور جب دُنیا میں قدم رکھتا ہے تو حاکم کی طرف جانا پڑتا ہے۔ پٹواری تحصیلدار، تھانیدار وغیرہ وغیرہ سینکڑوں افسروں کے پاس جانا پڑتا ہے۔ ان سب سے مایوس ہو جاتا ہے۔ بچے کے رونے سے ماں پریشان ہو جاتی ہے۔ اور اس کی چھاتیوں میں دودھ اتر آتا ہے۔ اب مائیں دودھ ہی نہیں پلاتیں۔ اور وہ اب نائلون پہنا دیتی ہیں اور گیلے وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتیں۔ اسی لئے بچوں کے اندر نافرمانی کا رجحان ہے بہرحال آج کل اولاد سے پوچھو تو وہ ماں باپ کے شاکی ہیں۔ جنریشن گیپ ہے۔ ماں باپ اولاد میں کیڑے نکالتے ہیں۔ اولاد باغی ہو گئی ہے۔ حکام رشوت مانگتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے۔ قل اعوذ برب الناس یہ شیطان ہے جو ہمارے اندر راہ پائے ہوئے ہے۔ خدا ہی تمہارا اصل حاجت روا ہے۔ اصلی بادشاہ خدا ہے۔ خدا نظر نہیں آتا مگر جب انسان پر مصیبت پڑتی ہے۔ تو عقل اس کی راہنمائی کرتی ہے کہ اس کائنات کا کوئی مالک ہے۔ یہ بات اُسے حق الیقین تک پہنچا دیتی ہے۔ انسان خدا کو پکارتا ہے مگر کب پکارتے ہیں؟ جب وہ کسی مصیبت میں پھنستا ہے۔ جس کو حق الیقین نہیں کہ خدا رحیم ہے وہ کیسے پکارے گا۔ امن یجیب المضطر۔ میں نے تجربہ کیا ہے کہ امریکن۔ انگریز۔ آسٹریلیا میں لوگوں نے سب نے لکھا ہے۔ فلاں مصیبت کے وقت بے اختیار ہو جاتا ہے اور خدا کو پکارتا ہے۔ حضرت صاحب نے اذا سئلک عبادی ۔۔۔۔ لعلھم یرشدون استدلال کیا ہے کہ خدا دُعا قبول کرتا ہے۔ حالت اضطرار کے علاوہ انبیاء اور اولیا اپنی زندگی کی قبولیتِ دعا کی اس قدر مثالیں پیش کرتے ہیں کہ لوگ انکار نہیں کر سکتے۔ فلیستجیبوالی ولیئو منوابی۔ میرا حکم مانو اور مجھ پر ایمان لاؤ۔ جب بندہ خدا کو پکارتا ہے تو خدا سنتا ہے۔ پنجابی کی ایک ضرب المثل ہے "سخی کولوں شوم چنگا جیہڑا ترت دے جواب" خدا دُعا سنتا ہے نافرمانی کرنا اور خُدا سے نہ مانگنا گستاخی ہے۔ صالح بندے صبر کرتے ہیں۔ تکلیف کی نوعیت کے مطابق انسان پکارتا ہے۔ جس قدر تکلیف ہوگی اسی قدر وہ خدا کو پکارے گا۔ کسی کی اصلاح کا کام بڑا مشکل ہے۔ حضرت نبی اکرمؐ کے ذمہ بڑا کام تھا ایک بدترین قوم کی اصلاح پھر تمام دنیا بھر کی اصلاح۔ رسول اللہ صلعم غار حرا میں جاتے اور وہ یہ جگہ ہے جہاں اترنا بھی بڑا مشکل کام ہے۔ آپؐ ہمیشہ وہاں تشریف لے جاتے اور آپؐ کے ذمہ یہ مشکل کام ڈالا گیا تو آپ ہمیشہ زندگی بھر خدا کے حضور گریہ وزاری کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خُدا نے فرمایا لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین حضورؐ کا درد دل تھا کہ سارا عرب مسلمان ہو گیا۔ حضرت امیر نے ایک نکتہ بیان فرمایا ہے حضورؐ نے گریہ وزاری کی تو ان کی ساری قوم مسلمان ہو گئی۔ اور پھر دنیا میں اسلام پھیل گیا۔ اگر آپ اپنے دل میں درد پیدا کریں گے تو تمام عیسائی مسلمان ہو جائیں گے۔ حضرت مرزا صاحب کو اس قدر درد دل تھا کہ آپ نثر لکھتے ہوئے نظم لکھنے لگ جاتے تھے۔

کون روتا ہے کہ جس سے آسماں بھی رو پڑا
زلزلہ آیا زمیں پر اس کے چلّانے کے دن
شور کیسا ہے تیرے کوچے میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا
مجھ کو دے اک فوق عادت اے خدا جوش و تپش
جس سے ہو جاؤں میں غم میں دین کے اک دیوانہ وا[ر]

وہ لگادے آگ میرے دل میں ملت کے لئے
شعلے پہنچیں جس کے ہر دم آسمان تک بے شمار

اے خدا تیرے لئے ہر ذرہ ہو میرا فدا + مجھکو دکھلادے بہار دیں کہ میں ہوں اشکبار
خاکساری کو ہماری دیکھ اے دانائے راز + کام تیرا کام ہے ہم ہو گئے اب بے قرار
اک کرم کر پھیر دے لوگوں کو فرقاں کیطرف + نیز دے توفیق تا وہ کچھ کریں سوچ اور بچار

حضرت اقدس کے پاس بیٹھنے والوں نے آپ کے دل کی بیقراری کو دیکھا اُن میں مولانا محمد علیؒ مرحوم بھی تھے۔ میں آٹھ سال تک ان کے گھر رہتا رہا۔ ڈلہوزی میں بھی ان کے ساتھ رہا ان کی گریۂ شب سے میری آنکھ کھل جاتی تھی۔ میری نظر میں ان کی ایک تحریر آئی ہے۔ اے خدا تیرا دین بڑی بے کسی کی حالت میں ہے۔ دنیا کے پاس سونے چاندی کے ڈھیر ہیں لیکن تیرے دین کے لئے کچھ نہیں دیتا۔ تثلیث اور کفارے کے عقیدہ کو مٹانے کے لئے۔ دینِ حق بے کسی کی حالت میں ہے۔ پر دلے تو بہت ہیں لیکن اپنے آپ کو جلا دینے والے کم ہیں۔ اے خدا ہمیں توفیق دے کہ تیرے دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچا ئیں۔ یہ ایک چھوٹا سا گروہ ہے جو دنیا کی نظر میں حقیر ہے۔ اے خدا ان کے دل میں درد پیدا کر دے۔ اے خدا نصرتوں کی ہوا چلا اور رحمتوں کے دروازے کھول دے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ کا ترجمۃ القرآن اور ان کی اسلام پر کتاب ریلیجن آف اسلام۔ یہ کتابیں دُنیا میں پھیل رہی ہیں۔ یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم ان کتب کی ترسیل نہ کر سکیں۔ قرآن پاک۔ ریلیجن آف اسلام۔ ٹیچنگ آف اسلام۔ سیرت خیر البشر۔ نیو ورلڈ آرڈر۔ ہمیں ان کتب کو بلا مانگے دنیا کی لائبریریوں میں بھیجنی چاہئیں۔ پندرہ سوسیٹ بنا کر باہر بھیجے گئے ہیں۔ ایک صاحب باہر سے تشریف لائے اور کہنے لگے آپ لوگ کسرِ نفسی میں مبتلا ہیں۔ لیکن آپ تو دنیا کے اندر معروف ترین ہیں۔ اس تفسیر میں نور ہے۔ یہ نور حضرت اقدس مجدد صد چہاردہم نے ان کے دل میں پیدا کیا ہے۔ دنیا کے اندر مولانا محمد علی کی کتب سے انقلاب آرہا ہے۔ اب صرف آپ ہی کا لٹریچر مقبول ہے۔ دنیا کے اندر اب یہ عقائد نا قابل قبول نہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا یا اسلام انسانوں کو لونڈی غلام بناتا ہے۔ قتل مرتد وغیرہ کی تردید صرف یہی لٹریچر کرتا ہے دیگر لوگوں کی کتب اپیل نہیں کرتیں۔ اس کے بعد چندہ کی اپیل کی گئی اور احباب نے خوب دل کھول کر اشاعت اسلام کے لئے چندہ دیا۔

شبان الاحمدیہ سے حلف وفاداری

حضرت امیر قوم ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے شبان الاحمدیہ سے حلف وفاداری کے موقعہ پر مختصر خطاب فرمایا۔ اور اظہار مسرت کیا۔ اور ان کے افعال و کردار پر اطمینان کا اظہار فرمایا۔ اور ان الفاظ میں حلف لیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلے علیٰ رسولہ الکریم

(۱) میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اس خانۂ خدا میں اس امر کا حلف اٹھاتا ہوں کہ ایک مثالی احمدی کی طرح کام کروں گا۔

(۲) احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام اور شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے احکامات اور ہدایات کی تعمیل کروں گا۔

(۳) شبان الاحمدیہ کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لوں گا۔ سونپے گئے کام کو پورا کروں گا۔ اور اپنے اندر احساس ذمہ داری پیدا کروں گا۔ منواتر ایک دوسرے کی اصلاح اور ایک دوسرے کو اپنی ذمہ داری یاد دلاؤں گا۔ ذاتی اختلاف کو پس پشت ڈال کر اسلام کے کاموں کو سرانجام دوں گا۔

اختتامی خطاب و دعا:۔ حلف وفاداری کے بعد حضرت امیر قوم سیدنا ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اختتامی خطاب فرمایا۔ آپ نے قرآن پاک کی آیات ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا ۔ ۔ ۔ علی القوم الکافرین اور ربنا اننا سمعنا بعضکم من بعض تلاوت فرما کر فرمایا کہ یہ دُعائیں پڑھی ہیں۔ پہلی البقرہ کی آخری اور دوسری آل عمران کی اختتامی آیات ہیں۔ یہ دونوں لمبی سورتیں ہیں ان دونوں کا مضمون ایک دوسری کی تکمیل کرتا ہے۔ ان میں انسان کی زندگی کی کامیابی کے لئے تمام وہ امور بیان کر دیئے گئے ہیں۔ جن پر چل کر کامیاب ہوتا ہے۔ یہ سورۃ البقرۃ کے شروع ہی میں فرما دیا اولئک ھم المفلحون۔ یہ فلاح پانے والے کون ہیں۔ آل عمران کے اختتام پر فرمایا لعلکم تفلحون تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ ان کے مضامین کامیابی کے لئے ہدایات ہیں ھدًی للمتقین بڑی لمبی دُعاؤں سے اس سورۃ کا خاتمہ کیا ہے۔ فانصرنا علی القوم الکافرین منکرین کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

مسلمان کی زندگی کا مقصد ہی کفر کے خلاف ہونا ہے۔ سورہ آل عمران میں یہ دُعا ہے ہمیں وہ دے جو تُو نے رسولوں سے وعدہ کیا ہے۔ ان کی زندگی کی غرض خدا کی طرف جھکنا ہوتا ہے۔ اور خدا کا وعدہ فتح و نصرت ہوتا ہے۔ فرمایا فاستجاب لھم ربھم اُن کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ کفر کے مٹانے کے حق میں ان کی دُعا کی قبولیت ضروری ہے۔ ان کی دعاؤں کے ساتھ عمل بھی شامل ہوتا ہے۔ عمل عامل منکم یعنی تم میں سے عمل کرنے والے کا عمل ضروری ہے۔ جدوجہد اور سعی کی ضرورت ہے۔ ایمان کے ساتھ کوشش وسعی بڑا مشکل کام ہے کسی پیغمبر کی زندگی بھی سکھی نہ تھی۔ اس کے باوجود خدا کے حضور جھکتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ باقی تمام انبیاء کو جو دکھ دیا گیا ان سے بڑھ کر مجھے دُکھ دیا گیا۔ کیونکہ آپ کے ذمہ بڑا کام تھا۔ تیرہ سالہ مکی زندگی کی تفصیل آپ جانتے ہیں۔ اس میں صرف ۲۵۰ مسلمان ہوئے۔ پھر مدینہ جاتے ہیں وہاں آپ کے خلاف سنگین سازشیں ہوتی ہیں۔ ۱۰ سالہ مدنی زندگی بھی کوشش کی زندگی ہے۔ لیکن آپ مایوس نہیں ہوئے اس کوشش کے ساتھ جس انداز سے دُعا کرتے ہیں وہ حدیث میں منقول ہے وہ بڑی ہی دردناک ہے۔ انما اشکو وحزنی الیک ضعف قوتی میں تیرے آگے شکایت کرتا ہوں۔ میری قوت کمزور ہے۔ قلۃ حیلتی۔ میں بے سرو سامان ہوں۔

ان مصائب کے بعد بیس سال کے بعد کوشش کامیاب ہوتی ہے۔ اس کے ثمرات آج بھی موجود ہیں۔ سورۃ انبیاء میں آپ جانتے ہیں کہ تمام انبیاء حضرت لوطؑ۔ نوحؑ۔ داؤدؑ سلیمان کا ذکر کیا ہے۔ ان کی مشکلات ان کے دشمن تھے۔ ان پر امتحان آئے ہیں حضرت یونسؑ کی دُعا ہے۔ یہ سب انبیاء کی دُعا ہے۔ خدا نے ان کی دُعا کو سُن لیا۔

ایسی دعاؤں کو خدا ہمیشہ قبول کرتا ہے کیونکہ ان کی دعائیں دین کے لئے تھیں۔ فرمایا کذلک ننجی المؤمنین۔ آپ حضرت اقدس مرزا صاحب کی دُعا اور زاری اور فریاد سُن چکے۔ بزرگوں کی دُعائیں کل سن لیں۔ مولانا محمد علیؒ اور ان کی رات کی تاریکی میں ان کی زاری کو سنا اور دیکھا۔ یہ جماعت ان کی دعاؤں کی برکت سے قائم ہے۔ اس کا فضل اور دُعائیں لازم و ملزوم ہیں۔ دُعا کے ساتھ عمل کی ضرورت ہے۔ کوشش کریں اور خدا کے حضور گریں تو کامیابی ضروری ہو گی۔ مرد ہو یا عورت وہ سب کی دعاؤں کو سُنتا ہے۔ شرط عمل ہے۔ ہمارا مقصد اسلام کا بول بالا کرنا ہے کوئی نبی ناکام نہیں ہوا اور حضورؐ تو کامیاب ترین نبی ہیں۔ اور یہ اللہ کا وعدہ تھا ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ اس زمانے میں اظہارِ دین سب سے بڑا کام ہے۔ اور اس وقت اظہار دین میری جماعت کے ہاتھوں

(بقیہ صفحہ ۸ کالم ۲ پر)

ازقلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب۔ لاہور

"کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے"

دو دن ہوئے یعنے سات فروری کو صبح میرے گھر کے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور میں نے سنا تو انجمن کے دفتر سے فون تھا کہ "چوہدری فضل حق صاحب وفات پا گئے ہیں اور آج ۳ بجے سہ پہر جنازہ کی نماز اور تدفین دارالسلام میں ہوگی۔" میں نے بے اختیار پوچھا کہ "کون چوہدری فضل حق صاحب؟" کیونکہ مجھے اپنے اس مکرم دوست کی بیماری یا کسی مہلک مرض کا بالکل علم نہ تھا۔ اس سے دو تین دن پہلے وہ میرے ہاں تشریف لائے، حسب دستور ہنستے مسکراتے آئے اور ان کی شکل یا بات چیت سے بالکل مجھے شک تک نہ ہوا کہ وہ صرف دو تین دن کے مہمان ہیں۔ اس لئے ان کی اچانک وفات کی خبر کو میرے دل اور دماغ نے فوراً قبول نہ کیا۔ اگر کوئی شخص سخت بیمار ہو اور صاحب فراش ہو جائے تو انسان ایک رنگ میں موت کے امکان کے لئے تیار ہو جاتا ہے مگر یوں چلتا پھرتا آدمی اچانک نہ رہے تو انسان کو یقین نہیں آتا۔

دارالسّلام

چودھری صاحب موصوف کو میں پہلے نہ جانتا تھا۔ جب میں ریٹائر ہو کر لاہور آیا تو وہ دارالسلام کی بستی کو بسانے میں لگے ہوئے تھے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اُن میں کیا قوتِ عمل تھی! گویا ان میں بجلی بھری ہوئی تھی۔ اس وقت یہ علاقہ زیادہ آباد نہ تھا۔ مگر کس تندہی سے چودھری صاحب موصوف نے اس بستی کو آباد کیا۔ دارالسلام کالونی چودھری فضل حق صاحب کی زندہ یادگار ہے اور رہے گی۔ میں اس بات کو اس لئے تحریر میں لا رہا ہوں کہ آنے والی نسلیں چودھری صاحب موصوف کی اس زندہ جاوید خدمت کو بھول نہ جائیں۔ اس کے نقشے بنوانا، انہیں پاس کرانا، اور انجمن کے اپنے مکانات بنوانا یہ چودھری صاحب کی ہمت، بھاگ دوڑ اور تندہی کی مرہون منت ہیں۔ اس بستی میں جو رہ رہے ہیں یا آئندہ رہیں گے اگر ان کے سر پہ چھت ہے اور اس زمانہ میں جبکہ مکان ملنا از بس مشکل اور مہنگا ہے ان کا ایسی خوشگوار بستی میں ٹھکانہ ہے تو اگر وہ چودھری صاحب موصوف کے احسان کی نہ کبھی قدر کریں اور ان کے لئے دعائے مغفرت نہ کبھی کریں تو مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر خدمتِ انسانی اور خدمتِ قومی و دینی کا قدردان ہے وہ ضرور ان کو اس کا اجر دے گا۔ آمین!

مرکزی مسجد

انجمن کے رہائشی مکانات بنوانے کے علاوہ چودھری صاحب موصوف کی ایک خدمت دینی ہے جو اُن کے لئے بہت بڑے اجر کا باعث ہوگی۔ وہ ہے مرکزی مسجد کی تعمیر جو ماشاء اللہ اتنی وسیع ہے کہ جلسہ سالانہ پر موسلا دھار بارش بھی ہو رہی ہو تو جماعت کے مرد و زن اس کے اندر سما کر جلسہ کو جاری رکھتے ہیں۔ اس مسجد میں جتنی نمازیں پڑھی جائیں گی، جتنے جمعہ کے خطبے یا درس قرآن کی محفلیں ہونگیں اور جتنے جلسۂ سالانہ کے اجتماعات یا دوسرے دینی اجلاس ہونگے اُن کا ثواب بھی چودھری فضل حق صاحب مرحوم و مغفور کو پہنچے گا۔ اسی طرح جو لوگ انجمن کے ہوسٹل میں مہمان ہوتے ہیں یا دوسرے قومی کام وہاں ہو رہے ہیں ان کے ثواب میں بھی چودھری صاحب موصوف کا حصہ ہوگا۔

ایک تاریخی خدمت

پہلے جب جلسہ سالانہ احمدیہ بلڈنگس میں ہوتا تھا تو جماعت کے اجتماع کے موقعہ پر مہمانوں کو ٹھہرانے کے لئے مسلم ہائی سکول، احمدیہ بلڈنگس کی عمارت ہمیشہ کام آتی تھی۔ مگر جب سکول سارے قومی تحویل میں چلے گئے تو احمدیہ بلڈنگس میں مہمانوں کو ٹھہرانے کے لئے سخت دقّت پیش آئی۔ اُس مخمصہ میں جبکہ مجلس منتظمہ الجھی ہوئی تھی تو ایک میٹنگ میں ایک پرجوش آواز اٹھی "جلسہ دارالسلام میں کیجئے میں اس کا انتظام کردوں گا۔" وہ آواز چودھری فضل حق صاحب کی تھی۔ اور وہ جوش میں کھڑے ہو گئے تھے۔ ممبران اس انقلابی تحریک پر کچھ حیران ہو کر سوچ میں پڑ گئے مگر میرے دل میں یہ احساس ہوا کہ یہ ایک صحیح اقدام ہوگا۔ چنانچہ میں نے اس تجویز کی پُرزور تائید کی اور اللہ تعالےٰ نے سب حاضر ممبران کے دلوں کو اس کے لئے کھول دیا۔ سو فیصلہ تو ہو گیا مگر میرے دل میں دھڑکن سی ہر وقت لگی رہی کہ چودھری صاحب موصوف نے ایک بہت بڑی ذمہ داری اپنے اُوپر لی ہے اور شہر سے اتنی دُور ایک نئی جگہ میں جلسہ کرنے کی راہ میں جو عملی دقتیں ہیں ان کو سوچ کر میرا دل خائف تھا۔ میں نے دبی زبان سے چودھری صاحب موصوف سے کہا کہ آپ نے ایک بہت مشکل کام اپنے ذمہ لیا ہے اس لئے خیال رکھنا کہ خاطر خواہ انتظامات بروقت ہو جائیں۔ مگر چودھری صاحب موصوف کے دل میں کوئی خوف و خطر بالکل نہ تھا۔ انہوں نے مضبوط آواز میں فرمایا "آپ فکر نہ کریں سب انتظامات انشاء اللہ ہو جائیں گے۔"

پھر بھی میں وقتاً فوقتاً خبر رکھتا رہا کہ انتظامات کیسے چل رہے ہیں ایک دن میں دارالسلام گیا تو جلسہ کے لئے کرسیاں آ رہی تھیں۔ میں نے چودھری صاحب موصوف سے پوچھا "چودھری صاحب کتنی کرسیاں منگوائی ہیں؟" تو انہوں نے فرمایا۔ "چھ سو"۔ میں نے کہا "چودھری صاحب کیوں ہنسی کروانے لگے ہو اتنے آدمی کہاں ہونگے اور جلسہ گاہ خالی پڑی دیکھ کر دیکھنے والوں پر کیا بُرا اثر پڑے گا"۔ کہنے لگے "جلسہ گاہ میں تو صرف اڑھائی سو کرسیاں رکھواؤنگا باقی ریزرو میں ہوں گیں"۔ تو میں نے کہا کہ "آدھی سے زیادہ ریزرو میں؟" تو وہ حسب عادت مسکرا کر چُپ ہو رہے۔ اور میں بھی چپ رہا۔ مگر جب جلسہ ہوا تو اللہ تعالےٰ نے ایسی برکت ڈالی کہ نہ صرف ساری کرسیاں لگ گئیں بلکہ لوگ پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ میں دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اور سمجھ نہیں آتی تھی کہ اتنے لوگ کہاں سے آ گئے۔ اتفاق یہ ہے کہ مکرمی میاں ظہور احمد صاحب جو ان دنوں دارالسلام کمیٹی کے چیئرمین تھے انہیں بھی یہی اچنبھہ ہوا۔ مگر اس جلسہ کے بارہ جو مضمون انہوں نے پیغام صلح میں لکھا وہ بہت دلچسپ تھا۔ انہوں نے لکھا کہ جس طرح غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرف آنکھوں پر کیا کہ مسلمانوں کی تعداد اصل تعداد سے بڑھا چڑھا کر دشمنوں کو دکھا دی کچھ ایسا ہی تصرف اس جلسہ پر بھی ہوا اور حاضرین کی تعداد اتنی

دکھائی دیتی تھی کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ کچھ ایسی ہی بات ہوئی ہوگی ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی تعداد کیسے دیکھنے میں آئی۔

چودھری صاحب اور دارالسلام میں جلسہ کرنے کے فیصلہ پر بہت کچھ لے دے بھی جلسہ سے پہلے کی گئی۔ اس لئے جلسہ شروع ہوا تو انتظام کرنے والے ایک رنگ میں بد دل ہو گئے ہوئے تھے۔ اور رنگ میں بھنگ یوں بھی پڑی کہ اچانک بادل آ گئے۔ دسمبر کا مہینہ تھا اور سخت ٹھنڈی ہوا اور بونداباندی شروع ہو گئی۔ شامیانہ کے مستول (بانس) ہوا کے زور سے اکھڑنے لگے اور بجلی FUSE (بند) ہو گئی یوں معلوم ہوتا تھا کہ جلسہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اُس وقت ایسا نظر آنے لگا کہ جن لوگوں نے اس جلسہ کی مذمت کی تھی ان کی بات پُوری ہو گی۔ چونکہ دارالسلام میں جلسہ کرنے کے خیال کی میں نے بھی پُر زور تائید کی تھی اس لئے میرے دل میں سخت اضطراب پیدا ہوا اور جو بھی دُعائیں یاد تھیں وہ سب کر ڈالیں۔ مجھ گنہگار کی دُعائیں کس قابل تھیں۔ شاید اس محفل میں کوئی نیک بندے تھے جن پر اللہ تعالےٰ نے رجوع برحمت فرمایا اور جلسہ نہ صرف جاری رہا بلکہ نہایت کامیاب رہا۔ اس کا سہرا چودہری فضل حق صاحب کے سر ہے اور صرف اُن کے سر پر سجا۔ اللہ تعالےٰ نے اس مردِ خدا کی غیر معمولی تائید غیبی فرمائی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

یہ ۱۹۷۲ء کی بات تھی۔ اس کے بعد دس اور جلسۂ سالانہ دارالسلام میں اللہ کے فضل سے ہوئے اور کامیاب رہے۔ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ اُس نے نعم البدل جگہ ہمیں عطا فرمائی۔ اللہ تعالےٰ اس میں برکت ڈالے اور یہاں سے بہت سے دینی فیض اور خدمتِ اسلام کے کام ہوں۔ اور اس کالونی کی بنیاد ڈالنے والے اور اس کے لئے جدوجہد کرنیوالے چودھری فضل حق صاحب مرحوم کی رُوح پر اللہ تعالےٰ اپنے بہت سے افضال اور رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

۱۹۷۲ء کے بعد بھی تقریباً ہر سال ہی جلسہ کے انتظامات میں چودھری صاحب موصوف پیش پیش کام کرنے والوں میں رہے۔ اب ان کی جگہ خالی ہے۔ اے اللہ تُو ہی اس کمی کو پُورا کر سکتا ہے ورنہ ہم بہت کمزور انسان ہیں اور سخت قحط الرجال کے شکار ہیں۔ ہم پر رحم فرما۔

وفات کے وقت بھی چودھری صاحب انجمن کے دو تعمیری کاموں میں اپنی حسب سابق مستعدی سے لگے ہوئے تھے۔ اللہ تعالےٰ ہی سے استدعا ہے کہ وہ ہماری مدد فرمائے۔ آمین!

دینداری

بے پناہ قوتِ عمل کے علاوہ چودھری صاحب مرحوم نہایت دیندار انسان تھے میں چونکہ پہلے مسلم ٹاؤن کی مسجد میں اور اب دارالسلام میں درس قرآن دیتا ہوں اس لئے میں سالہا سال کے تجربہ کی بنا پر گواہی دیتا ہوں کہ اگر چودھری صاحب موصوف لاہور میں ہوتے تھے یا بخیریت ہوتے تھے تو وہ اپنی بیگم صاحبہ محترمہ کے ساتھ (جو ماشاءاللہ حافظِ قرآن ہیں) ضرور اور باقاعدہ آتے تھے۔ قرآن کے چند عشّاق میں سے وہ بھی تھے اور عاشقِ قرآن کتنا خوش نصیب انسان ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

اسی طرح کوئی جمعہ، کوئی عید نہ ہوتی تھی جس میں یہ نیک جوڑا باقاعدہ نہ آتا ہو۔ اور تو اور صبح کی نمازوں میں جو مونہہ اندھیرے ہوتی ہیں خواہ سردی ہو یا گرمی بادل ہو یا بارش یہ قابل رشک جوڑا دُور سے آکر دارالسلام میں باجماعت نماز ادا کیا کرتا تھا۔ اس کی شہادت حضرت امیر (ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب) ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے چودھری صاحب کی وفات پر افسوس کرنے والوں میں تشریف لا کر دی۔ اور ایک اور بات انہوں نے فرمائی کہ چودہری صاحب کی وقت کی پابندی ایسی تھی کہ انسان اپنی گھڑی کا وقت اس سے ٹھیک کر سکتا تھا۔

اور یہ وقت کی پابندی چودھری صاحب موصوف نے وفات کے بعد بھی نبھائی۔ ان کی نمازِ جنازہ اور تدفین کا وقت تین بجے سہ پہر مقرر تھا۔ تین بجنے میں دو منٹ تھے اور میں دارالسلام کے داخل ہونے کے دروازہ پر پہنچا تو دیکھا کہ چودھری صاحب کا جنازہ بھی میرے ساتھ ہی داخل ہو رہا ہے!

دارالسلام کا قبرستان جس کی بنیاد چودھری صاحب مرحوم و مغفور رکھنے والے تھے اس نے آج انہیں پُرسکون جگہ میں آرام کی نیند سُلا دیا۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اگلے جہان میں بھی دارالسلام میں سُکھ اور عزت کی زندگی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

—— * * * * ——

بقیہ جلسہ سالانہ کی مختصر رُوئیداد (آمدہ صفحہ ۶)

ہوگا یہ بہت بڑا سوال ہے کہ کام میری جماعت کے ہاتھوں سے ہوگا۔ کیا ہم وہ جماعت ہیں؟ ہمیں اپنے دلوں کو ٹٹولنا چاہیئے۔ مامور خُدا نے ہم سے عہد لیا ہے۔ جو بھی جماعت میں آتا ہے وہ عہد کر کے شامل ہوتا ہے ہر وقت عہد آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہیئے۔ یہ بڑا بوجھ ہے جو اٹھایا گیا ہے اتنی بڑی دلیری کہ وہ دین کو دُنیا پر مقدم رکھے گا۔ تو کیا ہم واقعہ میں ایسا کرتے ہیں اگر جواب اثبات میں ہے تو یقیناً ہم ہی وہ جماعت ہیں ورنہ نہیں۔ اس کام کو تو دنیا نہیں مٹا سکتی۔ خدا کی ناراضگی مٹا سکتی ہے۔ عددی قلت سے نہ گھبرائیں۔ یہ چھوٹی جماعت ہی شاید خدا کو زیادہ پسند ہو اور کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله۔ خدا کا بندہ ایک ہوتا ہے پھر لوگ اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ آپ نے جگو صاحب اور تاثیر صاحب کی باتیں سنی ہیں انشاءاللہ جماعت کا مستقبل روشن ہے جماعت کا دُنیا کے کونے کونے میں چرچا ہے نفس کی اصلاح اور عہد کی پابندی استوار کریں۔

اس کے بعد آپ نے دُعا فرمائی جس میں تمام خواتین و حضرات شامل ہوئے اور اس دُعا پر اس مبارک اجتماع کا اختتام ہوا ٭٭

اخبارِ احمدیہ

- سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں۔ احباب جماعت حضور کی صحت وعافیت اور درازیٔ عمر کے لئے اپنی دُعائیں جاری رکھیں۔
- مولانا عبدالرحیم جگو صاحب ہالینڈ سے اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"میں جلسہ سالانہ ۸۲ء میں شمولیت کے بعد مختلف ممالک سے ہوتا ہوا واپس وطن پہنچ گیا ہوں برفباری کے باعث سردی زیادہ ہے تاہم جذبہ تبلیغ اسلام کی حرارت باہر کی سردی پر غالب ہے اور میں نے آتے ہی کام شروع کر دیا ہے۔ کیونکہ خدمت دین کے کام کا سردی گرمی سے کیا تعلق؟ مرکز سے بھیجے گئے کورس کے مطابق جناب جہانگیر زیر تعلیم ہیں اور کئی دوست بھی حصہ لے رہے ہیں۔ توقع ہے کہ لوترخت سے بھی ایک طالبعلم دینی تعلیم کے حصول کے لئے مرکز لاہور میں بھیجا جائیگا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ سے دُعا کی درخواست ہے۔

- تعلیم قرآن:۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے لاہور میں تشریف لاتے ہی جامع احمدیہ دارالسلام میں بچوں کے لئے قرآن کریم کی ناظرہ تعلیم کا بندوبست فرما دیا تھا چنانچہ بہت سے بچے اب تک قرآن کریم کی ناظرہ تعلیم مکمل کر چکے ہیں ابھی ابھی اعجاز احمد (عمر دس برس) ولد چوہدری محمد حیات صاحب اور کاظم وحید عمر ۱۱ برس اور ذکی الدین پسر چوہدری ضیاء الرحمٰن صاحب نے قرآن کریم ختم کیا ہے۔ اس خوشی میں کاظم وحید کی والدہ محترمہ نے مبلغ یکصد روپیہ کا عطیہ اشاعت قرآن فنڈ میں خزانہ انجمن میں جمع کرایا ہے۔

٭٭ نائب امام راجہ محمد افضل صاحب

تقریر محترمہ بیگم محمد احمد صاحبہ برموقع جلسہ سالانہ

ہمارا جلسہ سالانہ

الذین یوفون بعھد اللہ ولا ینقضون المیثاق - - - - - -

- - - - - - - - وما الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا متاع

معزز حاضرین!

اللہ کے فضل وکرم سے آج ہم پھر ایک اجتماع کی شکل میں اس جلسہ گاہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہ ایک مقناطیسی کشش ہے جو ہمیں اس طرح کھینچ کر یہاں لاتی ہے۔ جس طرح ایک مقناطیس لوہے کے بکھرے ہوئے ذرات کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور ہم سب ایک روحانی رشتہ میں ایک دوسرے سے بندھے یہاں جمع ہوتے ہیں۔

آج میں آپ کے سامنے اس جلسہ سالانہ کی اہمیت کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں۔ جو کچھ میں آپ کے سامنے بیان کروں گی وہ کوئی نئی باتیں نہیں ہیں۔ آپ بخوبی انہیں جانتے ہوں گے۔ لیکن اچھی بات کا بار بار ذکر ذہن میں گہرا نقش بٹھا دیتا ہے۔ جس سے فائدہ ہوتا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس جلسہ میں سال میں ایک مرتبہ جماعت کے تمام افراد کا جمع ہونا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ اس جلسہ کو عام جلسوں کی طرح مت سمجھیں۔ اس کا منعقد کرنا اللہ کے حکم سے ہے۔ اس لئے اس میں شمولیت اپنے لئے لازمی سمجھنی چاہیئے۔ اور سال میں یہ چار۔ پانچ روز ہم دنیا کے دھندوں کو چھوڑ کر اللہ کے لئے خاص کرلیں۔

ایک ظاہری غرض جو اس طرح اکٹھے ہونے سے پوری ہوتی ہے وہ باہمی میل جول ہے آپس میں ایک رابطہ قائم ہوتا ہے۔ جو صرف ذاتی میل جول سے بڑھتا ہے۔ جلسہ سالانہ اس غرض کو پورا کرتا ہے۔ آجکل کی مصروف اور بھاگ دوڑ کی زندگی میں باہمی میل ملاپ کا وقت کہاں رہ گیا ہے۔ اگرچہ دنیا ذرائع آمدورفت کی وجہ سے سکڑ کر چھوٹی ہوگئی ہے لیکن طرز زندگی ایسی ہوگئی ہے کہ اس سے انسانوں کے درمیان باہم فاصلے طویل ہوگئے ہیں۔ ہم یہاں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ محبت اور اخوت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے احوال کا علم ہوجاتا ہے۔ جو باہمی تقویت کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن جلسہ سالانہ کی اصل غرض اس ظاہری غرض سے کہیں بڑھ کر ہے۔

ان تین چار دنوں میں ہم ایسی مجالس میں شرکت کرتے ہیں جہاں علم وحکمت کی باتیں ہوتی ہیں۔ اپنے عالم بزرگوں کی تقاریر اور دوسری ایسی باتیں سنتے ہیں جن سے نہ صرف ہمارا ایمان تازہ ہوتا ہے بلکہ دلوں کو وہ تقویت ملتی ہے جسے حاصل کرنے کی ضرورت آج سے زیادہ اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔

ہم جن حالات سے گذر رہے ہیں ان کی تفصیل میں جانے کی میں ضرورت نہیں سمجھتی۔ لیکن یہ وقت ہمارے لئے خصوصاً بہت آزمائش کا ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی دل شکنی اور حوصلہ شکنی کی بات یا واقعہ پیش آتا رہتا ہے۔ اس سے دل بجھنے لگتے ہیں اور حوصلے بھی پست ہوسکتے ہیں۔ لیکن جب ہم جلسہ سالانہ کے موقع پر ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو وہ بلند حوصلہ جس کے مالک ہمارے پیر و جوان سبھی ہیں ایک دوسرے میں بجلی کی طرح سرایت کر جاتا ہے۔ ہم میں سے کم حوصلہ رکھنے والے بھی جب یہ دیکھتے ہیں کہ ہم اکیلے نہیں ہیں۔ ہم ایک ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے اور وہی دلوں میں ہمت اور حوصلہ پیدا کرنے والا ہے تو ہمارے اندر پھر سے تقویت کا یہ احساس پیدا ہونے لگتا ہے۔ کہ چاہے حالات کچھ بھی ہوں ہم مایوس نہیں ہونگے۔ نہ تو زندہ خدا اور زندہ نبی پر ہمارا ایمان کمزور ہوگا اور نہ ہمارے ان عقائد میں کوئی لغزش آئے گی کہ حضرت مرزا صاحب چودھویں صدی کے مجدد ہیں۔ ہمارا یہ پورا یقین ہے کہ مجدد زماں اپنے دعوے میں سچے ہیں اور ہم حق پر ہیں۔

جلسہ سالانہ اس غرض کو نہایت عمدگی سے پورا کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس موقع پر ہم تمام دنیا کے سامنے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم کیا ہیں۔ اور ہمارے عقائد کیا ہیں یہ الگ بات ہے کہ لوگ کانوں سے تو سنتے ہیں لیکن ان کے دل بند ہیں۔ جلسہ میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کو سننے کے لئے دعوت عام ہوتی ہے۔ یہ مجالس کسی بند کمرہ میں نہیں ہوتیں۔ ہر خاص وعام ان میں شمولیت کرسکتا ہے۔ لیکن لوگ ڈر اور تعصب کی بناء پر سننا نہیں چاہتے۔ اس لئے یہ کمزوری ہم میں نہیں وہ خود ہی اسکا شکار ہیں۔

جلسہ میں شمولیت نہ صرف بڑوں کے بلکہ ہمارے بچوں کے لئے بھی نہایت ضروری ہے۔ بچوں کو جلسہ میں ساتھ لانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ بھی جان لیں اور ان کے چھوٹے چھوٹے ذہنوں اور دلوں میں بھی یہ باتیں بیٹھ جائیں۔ اور وہ بھی اپنے آپ کو پہچان جائیں کہ ہم کون ہیں اور کیوں ہیں؟ بڑے ہو کر صرف رسمًا احمدی نہ کہلائیں کیونکہ ان کے والدین احمدی ہیں۔ بلکہ ان کے اندر ایک یقین واثق پیدا ہوجائے کہ سچائی کا راستہ اور صراط مستقیم یہی ہے۔

جلسہ کے ایام میں پانچوں نمازیں باجماعت پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے تو ہر مسجد میں نمازیں باجماعت ہی پڑھی جاتی ہیں لیکن اندرون ملک اور بیرون ملک سے آئے ہوئے جماعت کے تمام لوگوں کا باجماعت نمازیں پڑھنا کچھ اور ہی اہمیت رکھتا ہے۔ جب سب مل کر اللہ کے حضور پانچ وقت حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس سے کہتے ہیں ایاک نعبد وایاک نستعین تو یقینًا اللہ کے حضور یہ اجتماعی التجا ضائع نہیں جاسکتی۔ جب سب مل کر اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کو یاد کرتے ہیں تو اس عبادت کا لطف اور مقام عالم محسوسات سے بلندتر ہوتا ہے۔ جس کی لذت آپ خود ہی محسوس کرسکتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر فجر کی نماز اور باجماعت دعائیں اپنے اندر ایک خاص اثر رکھتی ہیں۔ صبح کی نماز کا اللہ تعالیٰ کے حضور ایک خاص مقام ہے۔ قرآن کریم میں اس کا خاص طور پر یہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ اس نماز کے وقت دونوں وقت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان نمازوں میں شمولیت جلسہ سالانہ کی ایک خاص کشش ہے۔ اس طرح کی نمازیں گھروں میں بیٹھ کر کہاں نصیب ہوتی ہے۔ یہ ایام تو خوش نصیب لوگوں کو میسر آتے ہیں۔ اور جو ہم میں سے نماز کے معاملہ میں کوتاہی کرتے ہیں وہ بھی ان کا اثر لئے بغیر واپس نہیں جاتے۔ ان کی قدروقیمت ان لوگوں کو زیادہ معلوم ہے جو کہ باہر کے ملکوں میں رہتے ہیں اور مرکز سے دور ہیں۔

ایک اور خصوصیت جو جلسہ میں ہے وہ یہ ہے کہ اس کی برکت سے ہمارے دل کھل جاتے ہیں۔ ہم اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ مال تو خرچ

ہو ہی جاتا ہے۔ ہم دن رات اپنی ضروریات پر پیسہ بے دریغ خرچ کرتے ہیں لیکن جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے وہ اصلی بچت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس مال کو جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے مومنوں کا نور کہا ہے۔ جو کہ قیامت کے دن ان کے آگے آگے جائے گا۔ اس جلسہ کی برکت سے ہم اپنے لئے تھوڑا تھوڑا نور جمع کرتے ہیں۔ یقین جانیئے کہ اس سے بڑھ کر ہمارے لئے اور کوئی بھلائی نہیں۔ جلسہ کے ایّام میں جب چندہ کی اپیل کی جاتی ہے تو جس جذبہ کے تحت لوگ اپنے مال پیش کرتے ہیں وہ ان پر محض اللہ کا فضل ہوتا ہے اور اس نظارہ سے کوئی شخص بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہر شے کی زندگی پانی سے ہے وجعلنا من الماء کل شیءٍ حیّ۔ چاہے انسان ہوں یا حیوان یا جمادات سب پانی سے زندہ ہیں۔ انسان کے جسم میں تقریباً ۷۵ فیصد پانی ہی ہوتا ہے۔

اگر پانی نہ ملے تو تمام زندہ چیزوں کی زندگی جلدی ختم ہو جائے۔ اس کا مشاہدہ بھی ہم کرتے رہتے ہیں۔ خشک اور مردہ زمین بارش کے بعد کس طرح زندہ ہو جاتی ہے۔ پھر پھلتی اور لہلہاتی ہے۔ یہی حال ہر زندہ شئے کا ہے۔ پیاس کی شدت کو ہم سب جانتے ہیں۔ جس طرح ہماری جسمانی زندگی کی نشوونما پانی سے ہے اس کے متوازی ایک اور زندگی جارہی ہے۔ اور وہ ہماری روحانی زندگی ہے۔ اس زندگی کے لئے جس پانی کی ضرورت ہے وہ بھی آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اور وہ ہے وحی کا نزول جو کہ بارش کی طرح آتی ہے اور اس سے اللہ تعالےٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ کہ اس سے مُردہ چیزیں زندہ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اللہ کی وحی کے نزول سے رُوح زندگی پاتی ہے۔ مردہ انسان اور مردہ قومیں زندہ ہوتی ہیں۔ ازل سے اللہ تعالےٰ کے پیغمبر یہ رحمت دنیا کو روحانی زندگی دینے کے لئے پہنچاتے رہے ہیں لیکن یہ سب سے بڑھ کر یہ روحانی رحمت اور برکات دنیا کو نبی کریم صلعم پر اللہ تعالےٰ کی وحی اور کلام یعنی قرآن کے نزول سے عطا ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلعم کو اللہ تعالےٰ رحمۃ للعالمین فرمایا ہے۔

نبی کریم صلعم کے زمانہ میں تو آپؐ کے صحابہ کرام کی روحانی زندگی اتنی اعلیٰ اور ارفع تھی کہ اس کی مثالیں دنیا میں بہت کم ہیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ دین کا خوبصورت چہرہ گرد آلود ہو جاتا ہے! اسلام کے خوبصورت چہرے کو گرد سے صاف کرنے کے لئے نبی کریم صلعم کے بعد ہر صدی کے سر پر مجددین مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ تا کہ اللہ کا وعدہ کہ اسلام ہی آخری اور مکمل دین ہے پورا ہو اور اسلام اپنی صحیح صورت میں ہمیشہ قائم رہے۔ چودھویں صدی میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی اسی وعدہ کے مطابق اور اسی مدعا کو پورا کرنے کے لئے مبعوث ہوئے اور انہوں نے روحانی زندگی کے لئے وہی چشمہ جاری کیا جس کی وقت کو ضرورت تھی اس آسمانی پانی سے مردہ انسانوں میں جان پڑی اور حضرت صاحب کی جماعت کے اکابر روحانی طور پر اس قدر بلند ہو گئے کہ اللہ ان سے کلام کرنے لگا۔ اور انہوں نے اپنی زندگی میں اللہ کو پالیا۔ یہ جماعت حضرت صاحب کا جاری کیا ہوا چشمہ ہے۔

جلسہ سالانہ میں آنے کی اہم ترین غرض یہ ہے کہ ہم چشمہ کے پاس آتے ہیں اور اپنی تشنگی بجھاتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں اگر کوئی میل بیٹھ گئی ہو تو آبِ رواں سے دُھل جاتی اور صاف ہو جاتی ہے۔ ہمارا ایمان پھر سے تر و تازہ ہو جاتا ہے۔ ہم اپنی بساط کے مطابق اس چشمہ سے فیض حاصل کر کے واپس جاتے ہیں۔

اگرچہ بظاہر ہم دنیا کے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں لیکن اس آبِ رواں کی لذّت اور رُوح کی تازگی ہماری زندگی پر اثر انداز ضرور ہوتی ہے۔ ہمیں اپنی کوتاہیوں کا احساس ہونے لگتا ہے اور جب ہم بار بار اس چشمہ سے پانی پیتے ہیں تو پھر ممکن نہیں کہ ہمارے اندر وہ صفات پیدا نہ ہوں اور ہم وہ کام نہ کر سکیں جن کے لئے ہم اس جماعت میں شامل ہوئے ہیں اور وہ کام اشاعتِ اسلام ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی جگہ اپنے رنگ میں ایک مبلغ اور مجاہد ہے۔ مبلغ کا کام دین کی تبلیغ ہے۔ اور اس کے پہنچانے کا ایک طریق۔ جس پر ہر ایک عمل کر سکتا ہے اپنے نمونہ سے۔ چنانچہ جب ہماری روحانی زندگی تازگی حاصل کرتی ہے تو ہماری ظاہری زندگی بھی نمونہ بن جاتی ہے۔ اور یہ سب کچھ اس سرچشمہ سے حاصل ہوتا ہے۔

جہاں اس قدر جلسہ سالانہ سے مستفید ہونے کے سامان ہیں وہاں جلسہ سالانہ ہمیں ایک عہد کی یاد دہانی بھی کرواتا ہے۔ اور اس کی تکمیل کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے۔ ایک عہد جو ہم سب نے یا ہمارے والدین نے جماعت میں داخل ہوتے وقت کیا اور اس کی وجہ سے احمدی بنے۔ وہ بیعت ہے۔ اور اس عہد کا لب لباب یہ ہے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے یہ وعدہ ہم نے حضرت مرزا غلام احمد سے نہیں اللہ سے کیا ہے۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم جو تجھ سے عہد کرتے ہیں وہ اللہ سے عہد کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ جو لوگ اپنے عہدوں کو پورا کرتے ہیں یا توڑتے ہیں ان کے متعلق ان آیات میں جو میں نے شروع میں پڑھی ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن کے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسکو جوڑتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور بُری طرح حساب لئے جانے سے خوف کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی رضا جوئی کے لئے صبر کرتے ہیں۔ اور نماز عمدگی سے پڑھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔ اور بدی کا مقابلہ نیکی سے کرتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جن کے لئے اس گھر کا انجام نیک ہے۔

آپ نے دیکھا یہ تمام باتیں عین ہمارے لئے ہیں۔ یہ نمونہ ہماری زندگیوں کا ہونا چاہیئے یہی عہد ہم اللہ سے کرتے ہیں۔ جس وقت ہم اس جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر دیکھے کہ وہ اس عہد کو پورا کرنے کی کوشش کہاں تک کر رہا ہے۔ اور جن باتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ انہیں کہاں تک مضبوط کر رہا ہے۔ ہمارا شمار کہیں ان لوگوں میں تو نہیں جس کے متعلق اگلی آیات میں اللہ نے فرمایا ہے۔

اور جو لوگ اللہ کا عہد اس کو پختہ کر کے توڑتے ہیں اور جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے۔ اسکو توڑ دیتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں یہ لوگ ہیں جن کے لئے پھٹکار ہے اور ان کے لئے بُرا انجام ہے۔

اللہ جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اور اس ادنیٰ زندگی پر خوش ہیں اور ادنیٰ زندگی آخرت کے مقابلہ میں تھوڑا سا سامان ہے۔

اللہ تعالےٰ کے ساتھ کیا ہوا اقرار توڑنا اس ادنیٰ زندگی کو حاصل کرنے کی غرض سے انسان کرتا ہے۔ اور سب کچھ تو اللہ کے اختیار میں ہے۔

اللہ تعالےٰ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کرنا بہت صبر اور استحکام چاہتا ہے۔ اس کے لئے مصائب اور مشکلات کا راستہ ہے۔ لیکن اس گھر کا نیک انجام اسی میں ہے۔

اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان لوگوں میں سے بنیں جو اللہ تعالےٰ سے اقرار کر کے اسے پورا کرتے ہیں۔ اور توڑتے نہیں۔ نہ زمین میں فساد کرتے ہیں اور اللہ کی رضا جوئی کے لئے صبر کرتے ہیں۔ آمین!

* * * *

حدیثِ نبویؐ :-

"نیکی کی دعوت دینے والا ایسا ہے جیسے نیکی کرنے والا"

جالینوس کے قلم سے،

اللہ کا تقویٰ ـــ امتحانوں سے بچ نکلنے کا واحد راستہ

اللہ تعالیٰ ایک مومن کو بہت سی آزمائشوں اور امتحانات میں سے گذار کر اسکے ایمان کو پرکھتا ہے۔ جیسے ایک جوہری سونے کو آگ میں گذار کر اسے کندن بناتا ہے۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر ایک مومن کو آزمانے کے طریقے بیان کئے ہیں کبھی اسے مخالفتوں اور عداوتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کبھی اُسے حق کی مخالف قوتوں سے برسرپیکار ہونا پڑتا ہے۔ کبھی اس کا اپنا نفس اس سے جنگ کرتا ہے۔ ایسے ہی خارجی اور اندرونی دشمن اسے خدا کی راہ میں متواتر جہاد سے باز رکھنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اور مومن کا سب سے بڑا دشمن شیطان مختلف قسم کے ہم رنگ زمین دام بچھا کر اس کی راہیں روکنے کی سعی ناتمام کرتا رہتا ہے۔ اور بہت سے ایسے مقام آتے ہیں جہاں اگر کامل ایمان اس کی ڈھال نہ بن جائے تو اس کے ڈگمگانے کے بہت امکانات ہوتے ہیں مگر ایک مستقل مزاج اور سچے اور پکے ایمان پر قائم ہونے والا محض خدا کے فضل سے اپنی منزل کی طرف گامزن رہتا ہے اور اس کے پائے استقلال میں کسی مقام پر لغزش نہیں آتی۔ چونکہ وہ خدا کا دامن تھامے ہوئے ہوتا ہے اس لئے ایسے امتحان اور آزمائش کے وقت اس کا حقیقی محافظ اللہ تعالیٰ اس کے دامن کو محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ اس کا وعدہ ہے کہ "تم میرے ذکر کو بلند کرنے میں لگے رہو میں بھی ہر مقام پر تم کو یاد رکھوں گا۔"

"قرآن کریم میں آزمائشوں سے بچنے کا واحد طریق اللہ تعالیٰ کا تقویٰ بیان کیا گیا ہے۔ تقویٰ کے بہت وسیع معانی ہیں۔ اور بہت سے معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مگر اختصار سے اگر اس کا مطلب بیان کیا جاوے تو یہی ہے کہ "تقویٰ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ماننا اور ان پر عمل کرنا اور نواہی سے باز رہنا ہے۔"

اس مضمون میں صرف اُن آزمائشوں کو ذکر کیا جانا مقصود ہے جن کا تعلق ازواج اموال اور اولاد سے ہے۔ یہ تین چیزیں ایک انسان کو جہاد فی سبیل اللہ سے باز رکھنے میں اگر انسان ان کو دین پر فوقیت دے تو بہت بڑا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اگر یہ تین گروہ ایک مومن کے کندھے سے کندھا ملا کر اعلائے کلمۃ اللہ میں پوری طرح شامل نہ ہوں تو اسے بہت بڑی آزمائش سے گذرنا پڑتا ہے۔ اور ایک مومن کو اگر ان سے جنگ کرنی پڑے تو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر یوں بیان فرمایا ہے۔

ترجمہ "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو دیکھو تم کو تمہارے اموال اور تمہاری اولاد خدا کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔" (المنافقون - ۹)

پھر فرمایا ہے:۔

ترجمہ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یقیناً تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ پس ان سے ہوشیار رہو اگر تم عفو، درگذر اور معاف کرنے سے کام لو تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ یقیناً تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔ پس جتنا بھی تم سے ممکن ہو سکے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔"

(التغابن - ۱۵)

ایک دوسرے مقام پر مالوں اور اولاد کو " زینۃ الحیٰوۃ الدنیا" قرار دیا گیا ہے خدا تعالیٰ کے بیان سے یہ مُراد ہرگز نہیں ہے کہ سو فیصد لوگ، ان دشمنوں کا سامنا کرتے ہیں۔ بلکہ مُراد یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے ورنہ ہمیں بے شمار مثالیں ایسی ملیں گی جہاں اولاد اپنے والدین کی طرح نیک بخت اور خدا کے دین کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے والی ہو گی۔ بیویاں اپنے خاوندوں کے دوش بدوش جہاد میں شریک ہوں گی اور مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں کوئی باک محسوس کرتی ہوں گی۔ اور جو لوگ قرآن کریم کی تعلیم کو حرز جان بناتے ہیں وہ اس فرمانِ رسول کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھتے ہیں کہ انسان شادی کرتے وقت دین کو ترجیح دے اور اولاد کی تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے۔ اور مالوں کو بے شک جمع کرے مگر حلال طریق سے جمع کرے اور حلال راستوں پر خرچ کرے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا ہی فرمان ہے کہ دنیا کی زینتوں کو مومن کے لئے حرام نہیں کیا گیا۔ حرام صرف یہ ہے کہ اس کے منع کئے ہوئے راستوں سے زینتیں حاصل نہ کی جاویں اور ممنوع مقامات پر ان کو خرچ نہ کیا جاوے۔

اس مقام پر جہاں مال۔ اولاد اور ازواج کو فتنہ (آزمائش کا ایک ذریعہ) قرار دیا گیا ہے وہاں تقوٰے اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور متقیوں کا بہت بڑا مقام بیان کیا گیا ہے۔ اور قرآن کریم کو " ھدًی للمتقین " قرار دیا گیا ہے۔ اور متعدد مرتبہ قرآن کریم میں ہر مشکل مقام سے عزت اور احترام کے ساتھ بچ کر گذر جانے کو تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور تقویٰ اختیار کرنے والے کے راستہ سے تمام مشکلوں کو دور کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اور جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے اور اس کو رزق عطا فرماتا ہے۔ اس طریق سے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کر سکتا۔" (الطلاق - ۲)

تقویٰ بہت سے معانی میں کلام الہٰی میں استعمال ہوا ہے۔ چند مقامات اور اس کے معانی کا بیان ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ تقویٰ بمعنے خشیت اللہ :۔ فرمایا:۔

"اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے۔ اور پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورتوں کو پھیلا دیا۔" (النساء - ۱)

قرآن کریم میں سورۃ شعراء میں اور بعض دوسرے مقامات پر تمام انبیاء کی زبان سے اپنی اپنی قوموں کو مخاطب کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے۔ الا تتقون یعنی کیا تم کو خوف خدا نہیں ہے۔ اور ایسے ہی ایک مومن کے لئے اللہ تعالیٰ نے زندگی کے سفر میں بہتر زادِ راہ تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ فرمایا:۔

"اور زادِ راہ لے لیا کرو اور یقیناً سب سے بہتر زادِ راہ خدا تعالیٰ کا تقویٰ ہے۔"

اس کا یہی مطلب ہے کہ ایک مومن کو زندگی کے سفر میں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیئے۔ مبادا اس کا کوئی حکم ماننے میں کوتاہی ہو جائے یا اس کے منع کئے ہوئے کسی راستہ پر قدم نہ پڑ جائے۔ کیونکہ ہر انسان کو جیسے اپنے سفر کے لئے اپنا زادِ راہ خود لینا ہوتا ہے کوئی دوسرا اُسے نہیں دیتا ایسے ہی اپنے اعمال میں انسان کو جزا و سزا دلوا سکتے ہیں۔ کسی کے عمل کی جزا یا سزا دُوسرے کو نہیں دی جا سکتی۔

فرمایا:-

"اور اس روز سے ڈرو جس روز کوئی نفس ایک دوسرے کے کچھ بھی کام نہیں آسکے گا۔"

(۲) تقویٰ بمعنے ایمان:-

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں آتا ہے کہ آپ نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اے فرعون کی قوم کیا تم تقویٰ اختیار نہ کرو گے" یعنی خدا کے پیغام پر ایمان نہ لاؤ گے

مومنوں کو آزمانے کے سلسلہ میں فرمایا:-

"یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقوےٰ میں کامل ہونے کے لئے امتحان میں ڈالتا ہے۔"

اور مومنوں کی مستقل مزاجی کا ذکر کر کے فرمایا۔

"اور انہوں نے تقویٰ کی بات کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔

(۳) تقویٰ بمعنے توبہ: فرمایا:

"کیا ہی اچھا ہوتا کہ بستیوں والے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے۔"

یعنی گذشتہ اعمال سے توبہ کر کے آئندہ سے خدا کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے لگ جاتے اور خدا کے رسول کا ساتھ دیتے۔

(۴) تقویٰ بمعنے اطاعت و فرمانبرداری: فرمایا۔

"ان لوگوں کو ڈراؤ کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے میرے۔ پس میرا تقویٰ اختیار کرو۔"

پھر فرمایا:-

"کیا اللہ تعالیٰ کے غیر کا تم تقویٰ کرو گے۔" ایسے ہی فرمایا

"اور میں ہی تمہارا رب ہوں پس میرا تقویٰ اختیار کرو۔"

ان تمام مقامات پر تقویٰ کے معنے یہی ہیں کہ میری کامل تابعداری۔ اطاعت اور فرمانبرداری کرو اور جو کوئی بھی میری راہ سے تم کو دُور لے جانے کی کوشش کرے اس کی اطاعت نہ کرو کہ غیراللہ کی بتلائی ہوئی راہیں خدا کی طرف نہیں لے جاتیں۔

(۵) تقویٰ گناہوں کو چھوڑنے کے معنے میں

اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں راہِ راست اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ دینی امور میں ہیر پھیر اور تاویل سے کام لے کر من مرضی کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بعض قومیں ایسی تھیں جو خود احکام الٰہی کی تاویل کر کے غلط راہیں اختیار کرتے تھے اور مومن بھی کہلانا چاہتے تھے اور اپنی مرضی کے طریق بھی اپنائے رکھنا چاہتے تھے جبکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اجمالی اور تفصیلی ہر قسم کے احکامات موجود تھے۔ ان کے لئے فرمایا:

"اور گھروں میں ان کے دروازوں کے راستہ سے داخل ہوا کرو اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔"

دین میں انہیں راستوں سے داخل ہونا اور قیام رکھنا چاہیئے جو راستے خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ دین میں دیواریں پھلانگ کر آنے کی اجازت قرآن کریم نے نہیں دی ہے اس کے بہت وسیع معنے ہیں اور غور کرنے والوں کے لئے بہت میدان ہے۔

(۶) تقویٰ بمعنے اخلاص جس تقویٰ کا دل سے تعلق ہے اور جس کو صرف خدا ہی جانتا ہے وہ انسان کا اخلاص ہے۔ فرمایا:-

"فانہا من تقوی القلوب"

پس یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔ انسان دنیا سے چھپ کر جو چاہے کر سکتا ہے مگر دلوں کا حال تو صرف خدا جانتا ہے۔ اور اس کے پاس اخلاص کے ناپ تول کے پیمانے موجود ہیں۔ وہ دلوں کے تقویٰ اور اخلاص کو وہی احسن طریق سے جان سکتا ہے کہ وہ علّام الغیوب ہے۔

تقویٰ کا موضوع اس قدر اہم اور اس کا بیان اس درجہ وسیع ہے کہ اس کے لئے جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ چند اقوال پر بس کرتا ہوں۔ اور دین کی راہ کے ہمسفروں سے بھی عرض کرنا مقصود ہے کہ یہ نہ دیکھیں "کہ کون کہہ رہا ہے یہ دیکھیں کہ کیا کہہ رہا ہے" اور نصیحت کی بات اگر دیوار پر بھی لکھی ہو تو وہ ایک صداقت ہے۔ اسے مان لینے میں حرج نہیں ہے۔ کہ بیویاں۔ اموال۔ اور اولاد کی آزمائش میں پورا اترنا صرف تقویٰ سے ممکن ہے۔ اور تقویٰ کا مفہوم مختلف معانی میں حسب توفیق بیان کیا گیا ہے اب چند ثقہ اقوال درج کئے جاتے ہیں کہ یہی ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ اور انہی اقوال سے ہم اپنی راہوں کو منور کر سکتے ہیں۔

(۱) قرآنِ کریم۔

"یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو نیکیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔"

"تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو تم میں سے تقویٰ میں سب سے آگے ہے۔"

(۲) حدیثِ رسولؐ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:-

"جو پسند کرتا ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز بنے اُسے چاہیئے کہ تقویٰ اختیار کرے۔ جو پسند کرتا ہے کہ تم میں سے سب سے زیادہ طاقت ور بنے اُسے چاہیئے کہ اللہ پر توکّل کرے۔ جو پسند کرتا ہے کہ تم میں سے سب سے زیادہ غنی بنے تو اُسے چاہیئے کہ جو اس کے پاس ہے اس سے بڑھ کر اس کو یقینی سمجھے جو خدا کے پاس ہے۔"

(۳) حضرت امیرالمؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کا قول:-

"تقویٰ یہ ہے کہ انسان گناہوں پر اصرار کو چھوڑ دے اور غرور کو چھوڑ کر اطاعت قبول کرے۔"

(۴) حضرت حسنؓ کا قول:-

"تقویٰ یہ ہے کہ تُو خدا کے سوا کسی اور پر تکیہ نہ کرے اور تو یہ یقین کرے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آتے ہیں۔"

(۵) حضرت ابراہیم اَدھم کا قول

"تقویٰ یہ ہے کہ مخلوقِ خُدا تیری زبان میں کوئی عیب نہ پائے اور فرشتے تیرے اعمال میں کوئی نقص نہ دیکھیں اور اللہ تعالیٰ تیری پوشیدہ زندگی میں کوئی عیب محسوس کرے۔"

(۶) علّامہ واحدیؒ کا قول:-

"تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح تُو اپنے ظاہر کو مخلوقِ خدا کے لئے اچھا بناتا ہے اسی طرح اپنے اندرونے کو خدا کے لئے خوبصورت بنا۔"

باہتمام ریاض حسین المجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس براندرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر:- ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۹ فروری ۱۹۸۳ء ۔ جلد ۷۰ ۔ شمارہ ۶

جلد: ۷۰ * یوم چہار شنبہ ۲ جمادی الاوّل ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۶ فروری ۱۹۸۳ء * شمارہ: ۷

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

اسلام کی فتح کے دن نزدیک ہیں

اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے

"اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بیدل نہیں ہونا چاہیئے کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے۔ جیسا کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور اسلام فتح پائے گا۔

حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں، کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کیساتھ چڑھ چڑھ کر آویں مگر انجام کار اُن کے لئے ہزیمت ہے۔ میں شکر نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلےٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے جس علم کی رُو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفۂ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علوم مخالفہ کی جہالتیں ثابت کر دے گا۔ اسلام کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے۔ جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہی ہیں۔ اس کے اقبال کے دن نزدیک ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کی فتح کے نشان نمودار ہیں یہ اقبال روحانی ہے اور فتح بھی روحانی تا باطل علم کی مخالفانہ طاقتوں کو اس کی الٰہی طاقت ایسا ضعیف کرے کہ کالعدم کر دیوے۔ میں متعجب ہوں کہ آپ نے کس سے اور کہاں سے سن لیا اور کیونکر سمجھ لیا کہ جو باتیں اس زمانہ کے فلسفہ اور سائنس نے پیدا کی ہیں وہ اسلام پر غالب ہیں۔ حضرت خوب یاد رکھو کہ اس فلسفہ کے پاس تو صرف عقلی استدلال کا ایک ادھورا سا ہتھیار ہے اور اسلام کے پاس یہ بھی کامل طور پر اور دُوسرے کئی آسمانی ہتھیار ہیں۔ پھر اسلام کو اس کے حملہ سے کیا خوف۔ پھر نہ معلوم کہ آپ اس قدر اس فلسفہ سے کیوں ڈرتے ہیں اور کیوں اس کے قدموں کے نیچے گرے جاتے ہیں اور کیوں قرآنی آیات کو تاویلات کے شکنجہ پر چڑھا رہے ہیں۔ افسوس کہ جن باتوں سے ایک بات کو بھی ماننا اس امر کو مستلزم ہے کہ اسلام کے سارے عقائد سے انکار کیا جائے۔ ان باتوں کا ایک ذخیرہ کثیرہ آپ نے مان لیا ہے۔"

(آئینہ کمالات اسلام)

مضمون نگار حضرات کیخدمت میں درخواست ہے کہ

وہ موجودہ مسائل پر قرآن حکیم کی روشنی میں مضامین لکھیں۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ۔ اسکی افادیت اور حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ مجدد صد چہاردہم کے اسلام پر پیدا کردہ علم کلام اور اسکی صداقت پر بالکل جدید اور سائینٹیفک اسلوب میں مضامین تحریر فرمائیں اور بھیجیں۔ ان کے مضامین شکریہ کے ساتھ شائع کئے جائیں گے۔

(ادارہ)

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور،

ایک امریکن نو مسلم کا دلچسپ خط

امریکہ کی ریاست پینسلو پنیا کے شہر گرینز برگ سے ایک امریکن مسٹر سیموئیل مانرو کا مندرجہ ذیل خط مورخہ ۲۷۔جنوری ۱۹۸۳ء انگریزی زبان میں ہماری انجمن کے جنرل سیکرٹری صاحب کو موصول ہوا ہے جس کا ترجمہ احباب کی دلچسپی کے لئے شائع کرتا ہوں:

"میرے عزیز اسلامی بھائی ۔ السّلامُ علیکم

میں یہ خط احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے متعلق اطلاعات وصول کرنے کے لئے لکھ رہا ہوں ۔ میں مولانا محمد علی کی دو تصانیف یعنے اُن کا انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن کریم اور کتاب دی ریلیجن آف اسلام عرصہ پانچ سال سے پڑھتا رہا ہوں ۔ میں ۱۹۷۲ء میں اسلام لایا تھا ۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مولانا محمد علی کی تصانیف اسلام کے متعلق علم حاصل کرنے اور اس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ایسی روشنی بخشتی ہیں جو کسی اور لٹریچر میں جو میں نے اسلام کے متعلق پڑھا ہے نہیں ملتی ۔ مگر اب میں مصنف کے متعلق اور اس کی تحریک (جماعت) کے متعلق مزید علم حاصل کرنا چاہتا ہوں ۔ یہ علم میں صرف اپنے لئے نہیں حاصل کرنا چاہتا بلکہ ۴۳ ۔ اور دوستوں کے لئے بھی جو مجھ سے توقع رکھتے ہیں کہ میں انہیں اسلام کی تعلیم دوں ۔......

میں ہوں آپ کا بے حد شکر گذار

سیموئیل مانرو جونیر"

ان صاحب کو متعلقہ لٹریچر بھیجا جا رہا ہے ۔ میں اس خط کو بطور مشتے نمونہ از خروارے شائع کر رہا ہوں تاکہ احباب کو خوشی ہو کہ ہمارا شائع کردہ لٹریچر کس قدر اشاعتِ اسلام کا کام کر رہا ہے اور کس قدر پسند کیا جا رہا ہے ۔

احباب کو یاد ہو گا کہ پچھلے جلسہ سالانہ پر میں نے تحریک کی تھی کہ اسلام پر جو بیش بہا لٹریچر ہمارے پاس موجود اور جس کے لئے دنیا پیاسی ہے اُسے آٹھ کتابوں کے سیٹوں کی صورت میں دُنیا کی لائبریریوں میں جہاں انگریزی سمجھی جاتی ہے بھیجا جائے کیونکہ وہاں ہی سنجیدہ قسم کے لوگ اور طالبِ حق آتے ہیں ۔ احباب اور محترم خواتین نے قریبًا ایک لاکھ روپے اس غرض کے لئے عطا فرمائے جس کی جزا انہیں اللہ تبارک وتعالےٰ ہی دے سکتا ہے ۔ مگر اُس سے قریبًا ۴۰۰ سیٹ ہی جا سکیں گے ۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کی زمین بہت وسیع ہے اور نورِ حق کی تلاش عالمگیر ہے ۔

جن احباب اور خواتین میں اسلام کا درد ہے اور مخلوقِ خُدا کو گمراہی سے بچانے کا غم ہے اُن سے میں پھر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے دلوں کو کھولیں ۔ بقول حضرت مجدد صد چہارم اگر ہم اپنی جائیدادیں بیچ کر بھی دیدیں تو بھی اس راہ میں کم ہے ۔ بزبانِ حضرت اقدسؑ

ایک عالم مر رہا ہے تیرے پانی کے بغیر

پھیر دے اے میرے مولا اسطرف دریا کی دھار

* * *

جب کھل گئی سچائی پھر اس کو مان لینا

اِسلام سے نہ بھاگو راہِ ھُدیٰ یہی ہے

اے سونے والو جاگو شمس الضحےٰ یہی ہے

مجھ کو قسم خُدا کی جس نے ہمیں بنایا

اب آسماں کے نیچے دینِ خدا یہی ہے

وہ دلستاں نہاں ہے کس رہ سے اُسکو دیکھیں

ان مشکلوں کا یارو مشکل کُشا یہی ہے

باطن سیہ ہیں جن کے اس دیں سے ہیں منکر

پر اے اندھیرے والو دل کا دیا یہی ہے

دُنیا کی سب دکانیں ہیں ہم نے دیکھی بھالیں

آخر ہوا یہ ثابت دارالشفاء یہی ہے

سب خشک ہو گئے ہیں جتنے تھے باغ پہلے

ہر طرف میں نے دیکھا بُستاں ہرا یہی ہے

دُنیا میں اُس کا ثانی کوئی نہیں ہے شربت

پی لو تم اس کو یارو آبِ بقا یہی ہے

اسلام کی سچائی ثابت ہے جیسے سُورج

پر دیکھتے نہیں ہیں دشمن بلا یہی ہے

جب کھل گئی سچائی پھر اُس کو مان لینا

نیکوں کی ہے یہ خصلت راہِ حیا یہی ہے

جو ہو مفید لینا جو بد ہو اُس سے بچنا

عقل و خرد یہی ہے فہم و ذکا یہی ہے

ملتی ہے بادشاہی اس دیں سے آسمانی

اے طالبانِ دولت ظلِّ ہما یہی ہے

سب دیں ہیں اک فسانہ شرکوں کا آشیانہ

اس کا جو ہے یگانہ چہرہ نما یہی ہے

سو سو نشاں دکھا کر لاتا ہے وہ بُلا کر

مجھ کو جو اُس نے بھیجا بس مدعا یہی ہے

کرتا ہے معجزوں سے وہ یار دیں کو تازہ

اسلام کے چمن کی بادِ صبا یہی ہے

یہ سب نشاں ہیں جن سے دیں اب تلک ہے تازہ

اے گرنے والو دوڑو دیں کا عصا یہی ہے

کس کام کا وُہ دیں ہے جس میں نشاں نہیں ہے

دیں کی مرے پیارو زرّیں قبا یہی ہے

* * *

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درس قرآن — سبق نمبر ۲۱

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ۝ (البقرۃ ۲ ۔ آیات ۳۰ تا ۳۲)

ترجمہ:۔ اور جب تیرے رب نے فرشتوں کو کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کیا تُو اُس میں ایسی (مخلوق) بنائے گا جو اس میں فساد کرے اور خون گرائے ۔ اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ فرمایا میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور آدم کو سب کے سب نام سکھائے پھر اُن کو فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تُم سچے ہو۔ انہوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا۔ بیشک تو کامل علم والا حکمت والا ہے۔

مَیں نے پچھلے درس میں اس رکوع کے بارہ میں جو بحث بطور تمہید کی تھی اُس کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ لفظ قالَ جو اس رکوع میں بار بار آتا ہے اُس کے معنی صرف زبان سے کہنا نہیں بلکہ زبانِ حال سے یعنے اپنی حالت سے کسی بات کا ظاہر کرنا یا اپنے فعل سے کسی بات کو ظاہر کرنا بھی آتے ہیں ۔ یا دل میں جو خیال گذرے اس کے لئے بھی لفظ قال آتا ہے۔

۲۔ قرآن کریم میں جن واقعات کا ذکر آتا ہے وہ ضروری نہیں کہ تسلسل سے یا بیک وقت واقع ہوئے ہوں بلکہ اُن کے درمیان لمبی مُدت کے وقفے بھی ہو سکتے ہیں۔

۳۔ آدم اور حوّا کے واقعہ میں تمام نسل انسانی کے باطنی حالات مضمر ہیں۔ جب تک اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین نہ کر لیا جائے ہم اس رکوع کو بخوبی نہ تو سمجھ سکیں گے نہ اس سے فائدہ اور ہدایت پا سکیں گے ۔

۴۔ نسلِ انسانی کی دُنیاوی اور دینی خلافت یعنے اللہ تعالےٰ کے دنیاوی علوم اور قدرت سے انسان کو حصہ ملنے اور دینی یعنے روحانی اور اخلاقی علوم الٰہی سے انسان کو حصہ ملنے اور یُوں انسان کی دُنیاوی اور دینی بھلائی اور ہدایت کے پیچیدہ اور مشکل بلکہ دقیق مضمون کو ایک نہایت عام فہم واقعہ کے رنگ میں اس خوبی سے قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ ایک عام آدمی بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور ایک عالم اس کی گہرائیوں میں اُتر کر اُس سے بہت سے باطنی راز اور حقائق معلوم کر سکتا ہے۔

پچھلے رکوع کو اللہ تعالےٰ نے اس بات پر ختم فرمایا تھا کہ زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اس نے انسانوں کے لئے پیدا کیا ہے ۔ پھر وہ آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا جہاں انسانوں کی اگلی زندگی ہے تو انہیں نہایت عمدہ سات آسمان بنا یا۔ چونکہ زمین کی ہر چیز اللہ تعالےٰ نے پیدا کی ہے اس لئے اس کا مکمل علم اُسے ہی ہے۔ وہ ہی انسانوں کو اس علم میں سے حصہ دے سکتا ہے ۔ اور جہاں تک اگلے جہانوں کا تعلق ہے ان کا علم تو بہر حال اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو نہیں جس نے انہیں بنایا ہے اور اس علم میں سے بھی وہی جاہے تو انسان کو جتنا ضروری سمجھے علم دے اور ان تمام علوم کو دینے کا ذریعہ وحی والہام ہے ۔ اور انسان کی اس زمینی زندگی اور اس کی آسمانی زندگیوں میں یہ تعلق ہے کہ انسان کی زمینی زندگی وہ فرش ہے ، بنیاد ہے جس پر اس کی آسمانی زندگیوں کی عمارت تعمیر ہوتی ہے جیسا کہ پچھلے رکوع کے شروع میں فرمایا تھا۔

موجودہ رکوع میں جو واقعہ کے رنگ میں ہے مندرجہ ذیل زبردست رازوں پر سے آج سے ۱۴۰۰ سال قبل پردہ اٹھایا جبکہ اُس زمانہ میں ان رازوں میں سے کوئی بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا ، اور آج بھی لوگوں کی آنکھیں اُن سے اندھی ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو قرآن کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انسان کی ظاہری اور باطنی زندگی کے رازوں کو دیکھ سکتے ہیں ۔

۱۔ انسان اس زمین پر اللہ تعالےٰ کا خلیفہ ہے ۔

۲۔ انسان واحد مخلوق ہے جسے اللہ تعالےٰ نے اختیار دیا ہے کہ وہ جو چاہے کرے ۔ انگریزی میں اسے FREEDOM OF . WILL کہتے ہیں حیوانات اور پرندے اور اُن سے اُتر کر جو بھی جاندار مخلوق ہے مثلاً درخت اور سبزیاں وہ اللہ تعالےٰ کے قوانین میں جکڑے ہوئے ہیں ۔ فرشتے تک یفعلون ما یؤمرون یعنے جو اللہ تعالےٰ انہیں حکم دیتا ہے اُسے بلا چُون وچراں پُورا کرتے ہیں ۔ صرف اللہ تعالےٰ فعال لما یرید یا یفعل ما یرید ہے کہ جو چاہے کرتا ہے ۔ اپنی اس صفت میں سے اُس نے انسان کو بھی نوازا ہے کہ اُسے اختیار ہے کہ جو چاہے کرے ۔

۳۔ اس اختیار کو اگر وہ غلط استعمال کرے تو انسان زمین میں فتنہ و فساد مچاتا ہے اور خُون بہاتا ہے ۔ اگر صحیح استعمال کرے تبھی وہ صحیح رنگ میں اللہ تعالےٰ کا اس زمین میں خلیفہ بنتا ہے۔

۴۔ انسان کو صحیح معنوں میں خلیفہ بنانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے جو زمین اور اس کی ہر دولت اور نعمت کا خالق ہے اور اپنی تمام مخلوق کا مکمل علم رکھتا ہے انسان کو اپنے علم میں سے حصہ دیا۔ یہ علم بطور وحی والہام انسان کو ملا ۔ وحی کے معنی اشارۂ سریع یعنے انسان کے قلب میں تیز اشارہ کے ہیں ۔ اسی ذریعہ سے شائیں کے تمام علوم انسان کو ملے۔

۵ ۔ اس علم کے نتیجہ کے طور پر انسان کو اس زمین کی طاقتوں پر قدرت بھی ملی جس کا نظارہ ہم اس زمانہ میں بخوبی دیکھ سکتے ہیں ۔ فرشتے جو ہر طاقت اور ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور انچارج کے ہیں ۔ ان کا انسان کو سجدہ کرنا انہی معنوں میں ہے کہ قدرت کی ہر طاقت انسان کی فرمانبردار ہوتی جا رہی ہے

۶ ۔ تمام مخلوق میں صرف ایک ہستی ہے جو انسان کی فرمانبردار نہیں اور وہ شیطان ہے۔

۷۔ انسان کو اس دنیا میں جنت کی حالت میں رکھا گیا ہے اور اسے متنبہ کر دیا گیا کہ شیطان کی طرح وہ اللہ تعالےٰ کا نا فرمانبردار نہ بنے ورنہ وہ اپنا ہی نقصان کرلیگا۔

۸۔ مگر آدم اور حوا کی طرح اکثر مرد و زن بدقسمتی سے شیطان کے بہکانے میں آجاتے ہیں۔ اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ کے دنیاوی علوم یعنے سائنسز (SCIENSES) میں ترقی کرکے اور اس کے نتیجہ میں قوائے فطرت یعنے نیچر کی طاقتوں پر قدرت حاصل کرکے مغربی اقوام نے بھی شیطان کی طرح ابیٰ واستکبر کیا یعنے اللہ تعالےٰ کا انکار اور نافرمانبرداری اور اس کی وجہ وہ تکبر ہے جو علوم میں ترقی اور اس کے نتیجہ میں نیچر کی طاقتوں پر قدرت حاصل ہونے سے اُن میں پیدا ہوگیا۔ ان کی اتباع میں آج اکثر دنیا اللہ تعالےٰ کی فرمانبردار نہیں رہی۔

۹۔ اس کے نتیجہ میں انسان اُس ظاہری اور اس سے بڑھ کر باطنی جنت سے نکل گیا جس میں اُسے پیدا کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ اس کھوئی ہوئی جنت کو انسان صرف اُس وحی و الہام کی فرمانبرداری کرکے دوبارہ حاصل کرسکتا ہے۔ جو انسان کو بچانے کے لئے وقتاً فوقتاً الہامی کتابوں کی شکل میں نازل ہوتا رہا مگر چونکہ وہ کتابیں کھوئی گئیں یا ان میں تحریف اور ردّ و بدل ہوگیا اس لئے اب قرآن کو مکمل ہدایت بنا کر اور خُدائی ہاتھوں میں محفوظ کرکے نسلِ انسانی کے لئے بھیجا گیا ہے۔ قرآن وہ نُور یعنے باطنی روشنی ہے جو انسان کے تمام باطنی امور جن میں شیطان اور نیکی و بدی اور صحیح راستہ اور غلط راستہ غرض ہر باطنی بات کو واضح کرتی ہے اور انسان کو بتاتی ہے کہ کس طرح وہ اپنے گمراہ کرنے والے شیطان کو اپنا اور اللہ تعالےٰ کا فرمانبردار کرسکتا ہے اور اس طرح دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی جنت کو پاسکتا ہے خواہ وہ اس دنیا میں دل کی جنت ہو یا آخرت کی ظاہر اور باطن کی جنت۔

اِن عظیم الشان مضامین اور باطنی رازوں کو ایک دلچسپ واقعہ کے رنگ میں بیان فرما کر قرآن حکیم نے عوام الناس کے لئے ان باطنی رازوں کو سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ وہ واقعہ تھا حضرت آدم اور اماں حوا کا۔ مگر جیسا کہ میں پچھلے درس میں قرآن کے حوالے سے بتا آیا ہوں اس کا مضمون تمام نسل انسانی پر بھی صادق آتا ہے۔ اس سے پچھلے رکوع کو اس مضمون پر ختم فرمایا تھا کہ تم اللہ کا کس طرح انکار کرتے ہو جبکہ اس نے تمہیں جو مردہ تھے یعنے کوئی زندگی نہ رکھتے تھے نہ صرف نیست سے ہست کیا بلکہ زندگی جیسی نعمت بخشی اور تمہیں موت دے کر دوبارہ زندگی دے گا جو ابدی ہوگی۔ پھر زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے بنایا۔ پھر آسمانوں میں تمہاری اگلی زندگی کو سات آسمانوں میں رکھا یعنے یہ کہ مرنے کے بعد بھی انسان کی اخلاقی اور رُوحانی ترقی ہوتی رہے گی اور اس زمین میں جو کچھ ہے اس کو پیدا کرنے والے کا علم یقینی طور پر کامل ہے۔ نہ صرف ان تمام چیزوں کے متعلق بلکہ اس کے متعلق بھی کہ اس زمینی زندگی کو کس طرح گذارا جائے تاکہ اس سے صحیح بنیاد پڑے آسمانی زندگیوں کے لئے جن کا کامل علم بھی ان کو پیدا کرنے والے کو ہی ہے۔

اب اس رکوع میں پہلے انسان کی زمینی زندگی کو لیا۔ اُس کا حال سُنیئے:۔

واذ قال ربّك للملٰٓئكة انی جاعلٌ فی الارض خلیفة ۔ اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں سے کہنا اس لئے ضروری تھا کہ وہ کائنات کی ہر طاقت اور ہر چیز پر اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ انچارج ہیں۔ ملٰٓئکة ملك سے ہے جس کے معنی ہیں اس نے اختیار حاصل کیا یا چارج لیا۔ تو فرشتوں کے اہم فرائض میں سے کائنات کی ہر چیز اور ہر طاقت کا انچارج ہونا ہے۔ ملٰٓئکة کے ایک دوسرے معنی (اس کا مصدر اَلك سے لیکر جس کے معنے ہیں بھیجنا) یہ ہیں کہ وہ خُدا کے پیغامبر بنا کر کبھی بھیجے جاتے ہیں جیسے کہ مثلاً حضرت جبرئیل خدا کی الہامی کتابوں کو لے کر آتے رہے یا دوسرے بعض فرشتے بھی رسالت یعنے پیغامبری کے لئے مثلاً وحی ولایت کو لے کر بھیجے جاتے ہیں مگر رسالت یا پیغامبری کا کام چیدہ فرشتوں کا ہے۔ عام طور پر اور اکثر فرشتوں کا کام خدا کی مخلوق پہ اور ہر قانونِ الہٰی پر جو اس کائنات میں کام کر رہا ہے۔ اور ہر چیز پر خدا تعالےٰ کی طرف سے انچارج ہونا ہے۔ تاکہ اللہ تعالےٰ کی منشاء اور احکام کے مطابق یہ کائنات چلتی رہے اب چونکہ اللہ تعالےٰ کی مشیت نے یہ چاہا کہ زمین میں انسان کو پیدا کیا جائے اور اُسے اللہ تعالےٰ کا خلیفہ یا نائب یا قائمقام بنایا جائے تو فرشتوں کو جن پر کبھی انسان نے نیابت یا ایک رنگ میں حکومت کرنی تھی جیسا کہ میں آگے چل کر اسی رکوع کی متعلقہ آیت سے انشاء اللہ بتاؤں گا تو فرشتوں کو اس اہم فیصلہ کی اطلاع دینا ضروری تھا۔

کس قدر انسان پر احسان پر احسان اللہ تعالےٰ کے ہیں۔ نہ صرف انسان کو نیست سے ہست کیا بلکہ زمین کی تمام کی تمام نعمتیں انسان کے لئے بنائیں اور اب فرمایا کہ انسان کو اس زمین میں اپنا نائب اور حکمران بنایا جس کو اللہ تعالےٰ کے علم اور قدرت میں سے حصہ ملنا تھا اور اختیار دیا جانا تھا۔ کائنات کی کسی اور مخلوق کو FREEDOM OF WILL حاصل نہیں یعنے یہ کہ وہ جو چاہے کرے بلکہ یہ صفت جو صرف خدا کی تھی کہ یفعل ما یرید یا فعال لما یرید یعنے جو چاہے کرے اب انسان کو بھی بطور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کے ملنی تھی۔ اسی بات کو جان کر فرشتوں کے دل میں وہ خیال گذرا جس کا کہ اس آیت کے اگلے الفاظ میں یوں ذکر ہے۔

"قالوا اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفك الدمآء یعنے کیا تو اُسے بنائے گا جو زمین میں فساد کرے اور خون گرائے گا۔ یعنے یہ خطرہ ہے کہ انسان اپنے اختیار کا صحیح استعمال نہ کرے اور یُوں زمین میں فساد پیدا ہو اور خون بہایا جائے اگرچہ اِن الفاظ میں فرشتوں کے لئے قالوا آیا ہے جس کے معنے عام طور پر کئے جاتے ہیں کہ انہوں نے کہا، مگر میں وہ معنی نہیں اختیار کرتا اس لئے کہ قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی جناب میں بغیر اجازت کے بات کرے یا وہ بات کہے جو کہ درست نہیں اور وہ کبھی اعتراض کے رنگ میں جس میں گستاخی کا پہلو بھی ہو۔ قرآن دوسری جگہ فرماتا ہے۔

ربّ السمٰوٰت والارض وما بینهما الرحمٰن لا یملكون منه خطابًا ۚ یومَ یقومُ الرّوحُ والملٰٓئكة صفًا ۖ لا یتكلمون الا من اذن له الرحمٰن وقال صوابًا ○

(النبأ ۷۸۔ ۳۷ تا ۳۸)

یعنے اللہ تعالےٰ "آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان جو کچھ ہے اس کا رب ہے جو بے انتہاء رحم والا ہے۔ اس سے کوئی بات کرنے کا وہ اختیار نہیں رکھتے۔ جس دن انسانوں کی روحیں اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے وہ کوئی بات نہ کرسکیں گے سوائے اس کے جسے رحمان اجازت دے اور وہ درست بات کرے۔"

اسی لئے میں نے یہاں قالوا جو فرشتوں کے لئے آیا ہے اس کے معنے اُن کے دل میں خیال گذرا کے کئے ہیں۔ جو جائز معنے ہیں جیسا کہ میں پچھلے درس میں

بتا آیا ہوں۔ مگر چونکہ فرشتے جانتے تھے کہ اللہ تعالےٰ دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے اس لئے انہوں نے فوراً کہا۔

ونحن نسبّح بحمدك ونقدّس لك یعنے انہوں نے اپنے دلوں میں اُس خیال کے گذرنے پر (جو وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالےٰ سے مخفی نہ تھا) فوراً معذرت کی کہ ہم تجھے بے عیب اور تعریفوں والا جانتے ہیں یعنے ضرور تیرا یہ فیصلہ بے عیب اور تعریفوں والا ہوگا۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا:۔

قال انی اعلم مالا تعلمون یعنے اللہ تعالےٰ نے فرمایا " میں وہ علم رکھتا ہوں جس کا تم علم نہیں رکھتے " یعنے انسان کی اخلاقی اور رُوحانی تربیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے اختیار دیا جائے کہ وہ جو چاہے کرے ۔ ورنہ جو فعل مجبوراً کیا جائے اُس کی نہ تو خوبی ہوتی ہے نہ بُرائی۔ خوبی تو تب پیدا ہوتی ہے کہ انسان کو اختیار تھا کہ وہ بدی کرے مگر اُس نے بدی نہ کی یا نیکی کی۔ رہا فساد اور خون خرابہ تو اس کی ذمہ داری انسان پر ہوگی اور وہ اس کی سزا پائے گا اگر اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں اور یُوں اس کی اصلاح ہوگی۔ اور جو مظلوم ہوں گے ان کو اس کا نیک اجر دیا جائے گا جس طرح کہ مثلاً بیماری بذات خود بُری چیز ہے مگر اس سے انسان میں صبر اور قوت برداشت پیدا ہوتی ہے اور بیماری کو صبر اور تحمل سے سہنے کا انسان کو اجر ملے گا۔ یہاں تک کہ رسُول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ شدید بیماریاں انسان کو شہادت کا مقام عطا کرتی ہیں۔

(باقی آئندہ)

* * *

احمدی جماعت کے لئے لائحہ عمل

حضرت اقدس کا ایک ارشاد ہے۔

" اللہ تعالےٰ کسی کی پرواہ نہیں کرتا مگر صالح بندوں کی۔ آپس میں اخوت اور محبت پیدا کرو اور درندگی ۔۔۔۔ اور اختلافات کو چھوڑ دو ہر ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے مطلقاً کنارہ کش ہو جاؤ کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ پس ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دے ۔ اللہ تعالےٰ سے ایک سچی صلح پیدا کر لو اور اس کی اطاعت میں واپس آجاؤ۔ اللہ تعالےٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے اور اس سے بچنے والے وہی ہیں جو کامل طور پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کر کے اس کے حضور میں آتے ہیں۔ سو ایسا ہی تم یاد رکھو کہ تم اللہ تعالےٰ کے حضور میں صادق ٹھہرو گے تو کسی کی مخالفت تمہیں تکلیف نہ دے گی پر اگر تم اپنی حالتوں کو درست نہ کرو اور اللہ تعالےٰ سے فرمانبرداری کا ایک سچا عہد نہ باندھو تو پھر اللہ کو کسی کی پرواہ نہیں۔

ہزاروں بھیڑیں اور بکریاں روز ذبح ہوتی ہیں پر اُن پر کوئی رحم نہیں کرتا اور اگر ایک آدمی مارا جائے تو اتنی بازپُرس ہوتی ہے۔ سو اگر تم اپنے آپ کو درندوں کے مانند بیکار اور لاپرواہ بناؤ گے تو تمہارا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ چاہیئے کہ تم خدا کے عزیزوں میں شامل ہو جاؤ تاکہ کسی وبا کو یا آفت کو تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوسکے۔ کیونکہ کوئی بات اللہ تعالےٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں ہوسکتی۔ ہر ایک آپس کے جھگڑے اور جوش و عداوت کو درمیان سے اُٹھا دو کہ اب وہ وقت ہے کہ تم ادنےٰ باتوں سے اعراض کر کے اہم اور عظیم الشان کاموں میں مصروف ہو جاؤ " (الحکم ۲۰ ۔ ۲۷ مئی ۱۸۹۸ء)

کلام الامامؑ

ایک مُسلمان جسے تائید اسلام کیلئے خُدا نے بھیجا۔

جو شخص ایک نبی متبوع علیہ السلام کا متبع ہے اور اس کے فرمودہ پر اور کتاب اللہ پر ایمان لاتا ہے اس کی آزمائش انبیاء کی آزمائش کی طرح کرنا ایک قسم کی ناسمجھی ہے کیونکہ انبیاء اس لئے آتے ہیں کہ تا ایک دین سے دُوسرے دین میں داخل کریں اور ایک قبلہ سے دوسرا قبلہ مقرر کرا دیں اور بعض احکام کو منسوخ کریں اور بعض نئے احکام لاویں لیکن اس جگہ تو ایسے انقلاب کا دعوٰی نہیں۔ وہی اسلام ہے جو پہلے تھا۔ وہی نمازیں ہیں جو پہلے تھیں وہی رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو پہلے تھا۔ اور وہی کتاب کریم ہے جو پہلے تھی۔ اصل دین میں سے کوئی ایسی بات چھوڑنی نہیں پڑی جس سے اس قدر حیرانی ہو۔ مسیح موعود کا دعوٰے اس حالت میں گراں اور قابل احتیاط ہوتا کہ جب اس دعوٰے کے ساتھ نعوذ باللہ کچھ دین کے احکام کی کمی بیشی ہوتی۔ اور ہماری عملی حالت دُوسرے مسلمانوں سے کچھ فرق رکھتی۔ اب جب کہ ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں صرف ما بہ النزاع حیات مسیح اور وفات مسیح ہے اور مسیح موعود کا دعوٰی اس مسئلہ کی درحقیقت ایک فرع ہے۔ اور اس دعوٰے سے مُراد کوئی عملی انقلاب نہیں اور نہ اسلامی اعتقادات پر اس کا کچھ مخالفانہ اثر ہے۔ تو کیا اس دعوٰی کے تسلیم کرنے کے لئے کسی بڑے معجزہ یا کرامت کی حاجت ہے۔ جس کا مانگنا رسالت کے دعوٰے میں عوام کا قدیم شیوہ ہے۔ ایک مسلمان جسے تائید اسلام کے لئے خدا نے بھیجا۔ جس کے مقاصد یہ ہیں کہ تا دین اسلام کی خوبیاں لوگوں پر ظاہر کرے اور آجکل کے فلسفی وغیرہ الزاموں سے اسلام کا پاک ہونا ثابت کر دیوے۔ اور مسلمانوں کو اللہ اور رسول کی محبت کی طرف رجوع دلاوے کیا اس کا قبول کرنا ایک منصف مزاج اور خدا ترس آدمی پر کوئی مشکل امر ہے ؟

مسیح موعود کا دعوٰے اگر اپنے ساتھ ایسے لوازم رکھتا جن سے شریعت کے احکام اور عقائد پر کچھ مخالفانہ اثر پہنچتا تو بے شک ایک ہولناک بات تھی لیکن دیکھنا چاہیئے میں نے اس دعوٰے کے ساتھ کس اسلامی حقیقت کو منقلب کر دیا ہے۔ کون سے احکام اسلام میں سے ایک ذرہ بھی کم یا زیادہ کر دیا ہے۔ ہاں ایک پیشگوئی کے وہ معنی کئے گئے ہیں جو خدا تعالےٰ نے اپنے وقت پر مجھ پر کھولے ہیں۔ اور قرآن کریم ان معنوں کی صحت کے لئے گواہ ہے۔ اور احادیث صحیحہ بھی ان کی شہادت دیتے ہیں۔ پھر نہ معلوم کہ اس قدر کیوں شور و غوغا ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام)

ہاں طالب حق ایک سوال بھی اس جگہ کر سکتا ہے اور وہ یہ کہ :۔

مسیح موعود کا دعوٰے تسلیم کرنے کے لئے کون سے قرائن موجود ہیں کیونکہ کسی دعوٰے کی صداقت کو ماننے کے لئے قرائن تو چاہیئے۔ خصوصاً آجکل کے زمانہ میں جو مکر اور فریب اور بد دیانتی سے بھرا ہوا ہے۔ اور دعاوی باطلہ کا بازار گرم ہے ؟ اس سوال کے جواب میں مجھے یہ کہنا کافی ہے کہ مندرجہ ذیل امور طالب حق کے لئے بطور علامات اور قرائن کے ہیں۔

اول وہ پیشگوئی رسول اللہ صلعم کی جو تواتر معنوی تک پہنچ گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہر ایک صدی کے سر پر وہ ایسے شخص کو مبعوث کرے گا جو دین کو پھر تازہ کر دے گا۔ اور اس کی کمزوریوں کو دور کر کے پھر اپنی اصلی حالت اور قوت پر اسکو لے آویگا۔ اس پیشگوئی کے رُو سے ضرور تھا کہ کوئی شخص اس چودہویں صدی پر بھی اللہ تعالیٰ کیطرف سے مبعوث ہوتا اور موجودہ خرابیوں کی اصلاح کے لئے پیش قدمی دکھلاتا سو یہ عاجز عین وقت پہ مامور ہوا ۔۔۔۔۔ (آئینہ کمالات اسلام)

یادِ رفتگاں

ع خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

میرا بھائی محمد الرحمٰن مرحوم

(مدیر اعزازی)

قارئین کرام نے میرے بھائی محمد الرحمٰن کی وفاتِ حسرت آیات کی اندوہناک خبر پیغامِ صلح میں پڑھ ہی لی ہوگی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ آپ ۲۔ اور ۳ر فروری کی درمیانی رات کو تقریباً ایک ماہ کی علالت کے بعد اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اللّٰہ تعالےٰ آپ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

صوبہ سرحد سے باہر بہت ہی کم احبابِ جماعت یہ جانتے ہیں کہ محمد الرحمٰن کون اور کس کردار اور شخصیت کے مالک تھے۔ اگر قرآن کریم کے اس معیار کو "ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقٰکم" سامنے رکھ کر بھائی محمد الرحمٰن کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو میرے نزدیک وہ بڑے قد و قامت کے مالک تھے۔ ہو سکتا ہے میں اُن کے ساتھ اپنے تعلقاتِ قلبی سے مغلوب ہو کر ذرا مبالغہ سے کام لے لوں لیکن جن لوگوں نے بھی انہیں قریب سے دیکھا ہے وہ میرے ساتھ ضرور اتفاق کریں گے کہ ان کی زندگی بچپن سے لے کر آخری وقت تک مسلسل تگ و دو اور جد و جہد کی زندگی تھی لیکن انہوں نے مشکلات اور مصائب کے سامنے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے۔ وہ ہنستے ہنساتے روزگار رہے۔ اپنوں بیگانوں کی سختیاں اور ایذائیں جھیلیں لیکن نہ دوستوں کا گلہ کیا اور نہ زمانے کی شکایت۔ خطرات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ میرا بھائی محمد الرحمٰن جسے مرحوم لکھتے ہوئے نوکِ قلم سے بھی آنسو ٹپکتے ہیں پیار، محبت، اخلاص اور ہمدردی کا پیکر تھا۔ ان کی ساری زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح میرے سامنے ہے جس کے سارے واقعات ایک ایک کر کے فلم کی طرح میری آنکھوں کے سامنے سے گذرتے جا رہے ہیں۔ احمدیت کی خاطر انہیں جو قربانیاں دینی پڑیں اور جس عزم و حوصلہ اور ہمت و جرأت مندی سے انہوں نے حالات کا مقابلہ کیا وہ قابلِ رشک اور قابلِ تقلید ہے۔ مجھ ایسا کمزور انسان اس قسم کے ناساعد حالات کے سامنے سپر انداز ہو جاتا لیکن محمد الرحمٰن ان طوفانوں میں ایک چٹان کی طرح ثابت قدمی سے کھڑا رہا اور مخالفت کی تند و تیز لہریں اس سے ٹکراتی اور سر پٹکتی ہوئی واپس ہوتی رہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صدی چہاردہم نے جب سے دل میں گھر کر لیا وہ آپ کے عشق میں سرشار رہے۔ عشقِ مسیح وقت کی یہ آگ آپ کو قریہ بقریہ لئے پھرتی رہی کہ شاید کسی اور کا دل بھی اس کی روشنی سے منور ہو جائے اور زمانے کے اس نجات دہندہ کے دامن سے وابستگی اوروں کے لئے بھی گناہوں سے مخلصی کا ذریعہ بن جائے۔ ہم پیدائشی احمدی ہیں۔ احمدیت کی روح سے ناآشنا۔ لیکن انہوں نے احمدیت کو ایک قیمتی ہیرا سمجھ کر بڑی قیمت دے کر خریدا تھا۔ اور ایک جوہر شناس جوہری کی طرح اس کی قدر و قیمت کو جانتے تھے۔ احمدیت کے لئے جو جوش و جذبہ میں نے اُن میں دیکھا وہ اگر حضرت صاحب کے زیرِ سایہ تربیت پانے والوں میں ہو تو ہو لیکن آج وہ بہت کم لوگوں میں نظر آتا ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ نسبتاً مفقود ہے۔

بھائی محمد الرحمٰن مرحوم کی پُر آشوب زندگی کا مختصر سا خاکہ یوں ہے۔ آپ غالباً ۱۹۱۲ء (صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں) ضلع مانسہرہ کے ضلعی صدر مقام مانسہرہ (ہزارہ ڈویژن) سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر جانب غرب واقع موضع جلو میں پیدا ہوئے۔ آپ نے پرائمری تک تعلیم پرائمری سکول دیب گراں میں جو موضع جلو سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر جانب شمال واقع ہے حاصل کی اور اس کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول مانسہرہ میں پانچویں جماعت میں داخل ہوئے۔ ابھی آپ آٹھویں جماعت میں ہی تھے کہ آپ کو احمدیت سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ آپ نے چھپ چھپ کر احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ آپ نے کچھ دینی تعلیم اپنے والد صاحب سے جو مروجہ دینی تعلیم میں خاصی دسترس رکھتے تھے حاصل کی تھی۔ قرآن کریم اور احادیث با ترجمہ پڑھی تھی اور فقہ ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ مسائل کے سمجھنے میں اچھی سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ آپ کو اللّٰہ تعالےٰ نے ذہانت سے نوازا تھا۔ جوں جوں وہ احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ کرتے گئے آپ کا دل توں توں اس طرف کھنچتا رہا اور آخر کار آپ نے احمدیت قبول کر لی۔ پہلے تو چھپتے چھپاتے رہے لیکن تا کجے۔ آخر کار آپ کے والد کو اس کا علم ہو گیا اور احمدیت سے تائب کرانے کے لئے آپ پر وہ ستم ٹوٹے کہ خدا کی پناہ۔ مار پیٹ سے آپ کے سفید جسم پر سُرخ اور نیلے لمبے لمبے نشان پڑ جاتے لیکن آپ تائب نہ ہوئے اور آخر کار آپ کو گھر سے نکال دیا گیا۔

ہمارے دو بزرگوں حضرت مولانا محمد یحیےٰ اور حضرت مولانا محمد یعقوب کیوجہ سے دیب گراں اُن دنوں ہزارہ میں احمدیت کا مرکز تھا۔ ہمارے یہ دونوں بزرگ جو حقیقی بھائی تھے بے کس اور بے سہارا بچوں کو مرغی کے بچوں کی طرح اپنی شفقت کے پروں کے نیچے لے لیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب بھائی محمد الرحمٰن کے پھوپھا بھی تھے چنانچہ احمدیت اور اس تعلق کیوجہ سے وہ دیب گراں آ گئے۔ اس دوران میں آپ مڈل سٹینڈرڈ کا امتحان جو اُن دنوں میں محکمانہ تعلیمی بورڈ کا امتحان ہوا کرتا تھا پاس کر کے نویں جماعت میں داخل ہو چکے تھے لیکن ان ناخوشگوار واقعات کی وجہ سے آپ کا ایک قیمتی سال ضائع ہو گیا۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں مجھے بھائی محمد الرحمٰن اور ہمارے ایک تیسرے ساتھی فضل الٰہی مرحوم کو ہمارے بزرگوں نے مسلم ہائی سکول بدوملہی میں داخل کرا دیا۔ میں اور فضل الٰہی مرحوم ۷ویں جماعت میں اور محمد الرحمٰن نویں جماعت میں داخل ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں آپ نے میٹرک پاس کیا۔ وہ بڑا اقتصادی اور معاشی بدحالی کا دور تھا۔ بے روزگاری کی وجہ سے ملازمت ملنا مشکل ہی نہیں قریب قریب ناممکن تھا۔ دفتروں کے ہر دروازے "کوئی آسامی خالی نہیں ہے" لکھا ہوتا تھا۔ گریجوایٹ اور ایم۔ ایس سی۔ ایم اے ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے اس لئے ۱۹۳۴ء کا سال بھی بے کاری میں گذر گیا۔ اعلےٰ تعلیم کے مواقع بھی کم تھے۔ اللّٰہ تعالےٰ نے میرے بھائی کی مدد کی اور وہ معلمی کی تربیت کے لئے منتخب ہو گئے۔ اس کے لئے بھی ہمارے بزرگوں نے بڑی کوشش کی چنانچہ ۱۹۳۵ء میں آپ ٹیچرز ٹریننگ سکول پشاور میں داخل ہو گئے۔ میں ان دنوں تھرڈ ایئر بی ایس سی میں اسلامیہ کالج پشاور میں پڑھ رہا تھا۔ احمدیت کے لئے آپ کے اندر اس قدر جوش اور جذبہ تھا کہ آپ نے وہاں ینگ مینز احمدیہ ایسوسی ایشن کی جسے آجکل شبان الاحمدیہ کہتے ہیں بنیاد ڈالی۔ مجھے زبردستی اس کا صدر بنا دیا اور خود اس کے سیکرٹری بنے۔ خزانچی ہمارے ایک اور دوست غلام ربانی بنائے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد الرحمٰن ہی اس کی روحِ رواں تھے۔ اس ایسوسی ایشن کا دوسرا نام محمد الرحمٰن تھا۔ آپ کی قیادت میں ہم نے سفید ڈھیری شیخ محمدی۔ بازید خیل اور رکگا والا کے مقامات پر جلسے کئے۔ ہمارے بزرگ ہماری حوصلہ افزائی فرماتے اور ان جلسوں کے اخراجات برداشت کرتے ہر جلسے میں قریباً ڈھائی تین سو کی تعداد ہوتی۔ غیر از جماعت لوگ بھی شامل ہوتے۔ تقریروں کے لئے مرکز سے بھی بزرگوں کو بلایا جاتا۔ ہماری ان سرگرمیوں کو حضرت مولانا محمد علیؒ نے بھی بہت سراہا۔ ہمارا سب کے پیچھے میرے بھائی کی رُوح کام کرتی تھی۔ وہ سراپا احمدیت تھے۔ یہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا

وہ اپنی تعلیم کا جس پر ان کے مستقبل کا دار و مدار تھا قربان کر کے صبح و شام اسی میں مصروف رہتے۔ ٹریننگ سکول کے طلباء نے احمدیت کی وجہ سے ان کا بائیکاٹ کیا۔ انہیں نکلوانے کی سر توڑ کوششیں کیں لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے ساتھ تھی۔ کوئی بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

۱۹۳۶ء میں تربیت کی تکمیل کے بعد آپ محکمہ تعلیم صوبہ سرحد میں بطور ٹیچر مقرر ہو گئے۔ یہ کہنا کہ آپ پیدائشی اُستاد تھے مبالغہ نہ ہو گا۔ ضلع ہزارہ (اب ڈویژن) ایک ایسا بدنصیب اور بدقسمت ضلع ہے جس میں احمدیت کے خلاف شروع سے ہی شدید نفرت اور تعصب رہا ہے۔ لڑائیاں جھگڑے اور مقدمات بھی ہوتے رہے ہیں۔ آپ اس ضلع کے متعدد سکولوں میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے ہیں آپ ایک ذہین، محنتی اور نہایت دیانت دار اور فرض شناس استاد تھے جس کی وجہ سے آپ ہر جگہ نیک نام رہے۔ آپ کے شاگرد جن میں ہندو، سکھ اور مسلمان بھی شامل تھے آپ کا بہت احترام اور عزت کرتے تھے۔ سب جانتے تھے کہ آپ احمدی تھے لیکن آپ کی خوبیاں انہیں مجبور کر دیتی تھیں کہ آپ کے ساتھ ادب سے پیش آئیں۔ ایک دو مقامات پر مسجد کے مولویوں نے آپ سے مناظرہ کیا۔ جب ہار گئے تو لوگوں کو اشتعال دلایا لیکن انہی لوگوں میں سے آپ کی حمایت کرنے والے بھی اللہ تعالیٰ نے کھڑے کر دیئے۔ اور ایسا بھی ہوا کہ مولوی وہ گاؤں چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

۱۹۴۶ء میں آپ ڈپٹی جیلر تعلیم منتخب ہو گئے۔ صوبہ سرحد کی تین بڑی جیلوں ہری پور، پشاور اور ڈیرہ اسماعیل خاں میں قیدیوں کو تعلیم دینے کا انتظام تھا۔ انہی تین جیلوں میں آپ وقتاً فوقتاً اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کی زیر نگرانی کئی قیدیوں نے۔ مڈل، میٹرک، ایف اے اور بی اے کے امتحانات پاس کیئے۔ آپ زیادہ تر توجہ ان کی دینی اور اخلاقی تعلیم پر دیتے۔ پشاور جیل میں میں نے ایک دفعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہ جرائم پیشہ قیدی جن میں چور، ڈاکو اور قاتل شامل ہوتے ہیں ایک شفیق باپ کی حیثیت سے آپ کی عزت کرتے۔ ڈپٹی جیلر تعلیم کی سفارش پر قیدیوں کو قید میں معافی ملتی ہے۔ اس کے لئے آپ کو طرح طرح کے لالچ دیئے جاتے۔ ترغیب و تحریص سے کام لیا جاتا لیکن آپ نے اپنی دیانت داری پر کبھی حرف نہیں آنے دیا۔ وہی جو تھوڑی بہت تنخواہ ملتی اُسی سے اپنے بال بچوں کے سارے اخراجات پورے کرتے۔ صبر اور قناعت کی دولت سے آپ مالامال تھے۔

"جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ اس کے لئے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوتا" کے آلہٰی فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ آپ کی ضروریاتِ زندگی کا خود ہی کفیل ہوتا رہا۔ آپ کی بیگم نے جو بہت نیک، صابرہ اور قانعہ خاتون ہیں زندگی کے ہر مرحلہ میں آپ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ ماں باپ کی نیکی اور متقیانہ معاشرت نے ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ ان کے دو بیٹے کیپٹن جمیل الرحمٰن جو شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے صدر رہے ہیں اور عبدالغفور ڈاکٹر ہیں۔ ایک بیٹی ایم۔ ایس سی اور دو ایم۔ اے ہیں۔ ایک سب سے چھوٹی بیٹی کی شادی تعلیم مکمل کرنے سے پہلے ہی ہو گئی تھی وہ میرے بھائی احمد صادق کی بہو ہیں۔ یہ سب ہی بہت نیک بچے اور بچیاں ہیں۔

ملازمت کے دوران میں اور اپریل ۱۹۷۲ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کا وقت پشاور میں ہی گذرا کیونکہ آپ نے وہیں رہائش اختیار کر لی تھی۔ آپ اپنی وفات کے وقت تک جماعت پشاور کے سیکرٹری رہے۔ جس دیانت داری، محنت اور خلوص سے جماعت پشاور کی خدمت آپ نے کی ہے میں الفاظ میں اس کا عشر عشیر بھی بیان نہیں کر سکتا۔ انہیں جنون کی حد تک احمدیت سے عشق تھا اس لئے یہ جنون انہیں آرام اور چین سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ ہر سال وہ پشاور میں جلسہ منعقد کرتے۔ تمام صوبہ سرحد اور مرکز کو اس میں شمولیت کی دعوت دیتے۔ اخراجات کے لئے ہر ایک احمدی کے پاس جاتے۔ سارے انتظامات کا بوجھ اپنے سر پر لے لیتے۔ جماعت کے نوجوانوں کا اپنا ہاتھ بٹانے کے لئے تعاون حاصل کرتے۔ جن جلسوں میں مجھے شامل ہونے کی توفیق ملی میں نے دیکھا وہ بڑے کامیاب رہے۔ لاہور کے سالانہ جلسہ کا سماں نظر آتا۔ یہ سارا کام وہ ملازمت کے ساتھ ساتھ کرتے۔

جہاں آجکل مسجد اور مہمانخانہ ہے وہ ایک کچا مکان تھا جو حضرت مولانا غلام حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وقف کیا تھا۔ محترم ڈاکٹر عبدالعزیز خاں صاحب جو آجکل مسلم ٹاؤن میں قیام پذیر ہیں پشاور جماعت کے صدر تھے اور محمد الرحمٰن سیکرٹری۔ ان دونوں کی سر توڑ کوششوں سے یہ مکان ایک پکی عمارت میں تبدیل ہوا جس کا ایک حصہ مسجد ہے اور ایک حصہ مہمانخانہ۔ اس عمارت کے در و دیوار محمد الرحمٰن کی محنت شاقہ کی یادگار ہیں۔ ان کی تعمیر میں ان کا پسینہ شامل ہے۔ یہ صوبہ سرحد میں ہماری جماعت کا نہایت قیمتی مرکز ہے

وفات سے کوئی ۲ ماہ قبل آپ کو ایک حادثہ پیش آیا۔ آپ کے داماد عبدالحکیم خاں تنولی مرحوم وفاقی حکومت اسلام آباد میں ڈپٹی سیکرٹری تعلیم تھے۔ عبدالحکیم خاں مرحوم کی بیگم جو ایم۔ ایس سی کیمسٹری میں ڈاکٹریٹ کے لئے آسٹریلیا گئی ہوئی تھیں عبدالحکیم خاں اچانک وفات پا گئے۔ ان کی بیگم واپس آ گئیں بھائی محمد الرحمٰن اپنی بیٹی کے پاس اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ آپ سحری کے بعد خاموشی سے پشاور جانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ بس کے اڈہ پر پہنچے تو پشاور کی بس پر سوار ہونے کے لئے جا رہے تھے کہ ایک پرائیویٹ بس نے جو الٹ سمت میں آہستہ آہستہ جا رہی تھی آپ کو ٹکر مار دی۔ آپ کی بینائی بہت کمزور ہو چکی تھی اس لئے آپ اس بس کو حرکت کرتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔ آپ نیچے گر گئے اور آپ کی ٹانگ کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹ گئی۔ اس تکلیف سے آپ چھ ماہ بیمار رہے ذیابیطس کے مریض تھے۔ ہڈی نہ جڑ سکی اور اس کے ساتھ ساتھ اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی گئیں جن کی وجہ سے آپ کو لیڈی ریڈنگ ہسپتال کے انٹنسو کیئر یونٹ میں داخل کرا دیا گیا۔ جہاں قریباً ۲۵ دن بے ہوش رہنے کے بعد ۴۔ اور ۳، فروری ۱۹۸۳ء کی درمیانی رات کو وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں ایبٹ آباد سے پشاور آپ کو دیکھنے کے لئے گیا۔ وہی اُن سے میری آخری ملاقات تھی۔ اس ملاقات کے دوران میں کسی بات پر مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا "تُو تو میرا بہت پیارا بھائی ہے"۔ ان کے یہ الفاظ زندگی بھر میرے کانوں میں گونجتے اور مجھے آپ کے پیار کی یاد دلاتے رہیں گے۔ ممکن ہے ان کی جدائی کا زخم مندمل ہو جائے۔ لیکن اس کی کسک باقی رہے گی بھائی انتظار کریں میں بھی ایک نہ ایک دن آپ سے آملوں گا۔

اِک دن یہی مقام تمہارا مقام ہے

اے حُبِّ جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں ❊ اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں

دیکھو تو جا کے اُن کے مقابر کو اِک نظر ❊ سوچو کہ اب سلف ہیں تمہارے گئے کدھر

اک دن یہی مقام تمہارا مقام ہے ❊ اک دن یہ صبح زندگی کی تم پہ شام ہے

اک دن تمہارا لوگ جنازہ اٹھائیں گے ❊ پھر دفن کر کے گھر میں تاسف سے آئیں گے

اے لوگو عیشِ دُنیا کو ہرگز وفا نہیں ❊ کیا تم کو خوفِ مرگ و خیالِ فنا نہیں

سوچو کہ باپ دادے تمہارے کدھر گئے ❊ کس نے بُلا لیا وہ سبھی کیوں گذر گئے

وہ دن بھی ایک دن تمہیں یار و نصیب ہے ❊ خوش مت رہو کہ کوچ کی نوبت قریب ہے

* * * *

(دُرِّ ثمین)

از قلم:- راجہ محمد یوسف تاثیر - جنرل سکرٹری - باری پورہ کشمیر

تحریک احمدیت اور ریاست جموں و کشمیر ہند

تمنا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جاؤں
اگر کچھ ہو سکے تو خدمت اسلام کر جاؤں

دنیا میں جس جگہ بھی اسلام پھیلا یہ خدا رسیدہ بزرگوں کی روحانیت اور قوت قدسی ہی کا نتیجہ تھا۔ آنحضور صلعم کے صحابہ کرام دنیا کے مختلف علاقوں میں جاکر تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے کر اپنے اخلاق اور پاک نمونہ سے عوام الناس کو اسلام کے قریب لانے میں کامیاب ہوئے۔ حضور پر نور صلعم کے بعد مجددین اور اولیاء کرام نے اس تبلیغی فریضہ کو نہایت احسن طریقہ پر انجام دیا خدا کے یہ اولیاء کرام اپنی روحانیت قوت قدسی کی بدولت اپنے گرد وسیع حلقہ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح۔ حضرت معین الدین اجمیری رح حضرت مجدد الف ثانی رح۔ حضرت داتا گنج بخش اور کشمیر میں حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رح اور دیگر خدا رسیدہ بزرگان نے اسلام کی خدمت حضور صلعم کے نمونہ پر کی ہے۔ لاکھوں بندگان خدا کو گمراہی سے نکال کر راہ راست پر قائم کرنے کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے برعکس ظاہری علماء نہایت خوش کن الفاظ۔ لچھے دار تقریر اور زور دار وعظ کرنے کے ماہر ہوتے ہیں لیکن خدائی تعلق یا روحانیت سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے وہ اس قدر کامیابی حاصل کرنے میں ہمیشہ ناکام رہتے ہیں۔

حضور پر نور صلعم دنیا ئے جہان کے لئے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں نہ نیا اور نہ ہی پرانا۔ حضور صلعم نے اُمت کو بشارت دی ہے کہ اللہ تعالے اس اُمت میں ہر صدی کے بعد دین کی تجدید کے لئے مجدد مبعوث فرماتا رہے گا۔ یہ مشہور حدیث ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رض کی روایت سے درج ہے۔ اس حدیث نبویؐ کے مطابق پہلی صدی میں حضرت عمر بن عبدالعزیز اور اسی طرح حضرت سید عبدالقادر جیلانی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ حضرت معین الدین چشتیؒ حضرت مجدد الف ثانی وغیرہ اور تیرہویں صدی میں حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ مجدد مبعوث ہوئے مجددین امت کی فہرست متعدد کتابوں خصوصاً حجج الکرامہ میں موجود ہے ٹھیک چودہویں صدی میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی رحمۃ اللہ علیہ مجدد مبعوث ہوئے۔ اس وقت کے مشہور اخبار وکیل میں ایک بہت بڑے عالم دین نے ان الفاظ میں اس رجل عظیم کی وفات کے موقعہ پر لکھا ہے :-

" وہ شخص (مرزا صاحب) بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے ۳۰ سال تک زلزلہ اور طوفان رہا جو شور قیامت ہو کر خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظر عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جاوے تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک (تحریک احمدیت) جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست و پائمال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔" (اخبار وکیل)

اس آنے والے موعود مجدد الوقت کی نسبت آپ کے اور آپ کی جماعت کے اشد ترین مخالف جماعت اہل حدیث کے چوٹی کے عالم مولوی محمد حسین بٹالوی کی زبان اور قلم سے اللہ تعالے نے کیا جاری کرایا۔ فرماتے ہیں۔

" مولف براہین احمدیہ (مرزا صاحب) کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مولف صاحب ہمارے ہم وطن ہی نہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی اور شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب بھی ہیں۔" (اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۶ مولوی محمد حسین بٹالوی)

" اور اس کا مولف (مرزا صاحب) بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔" (اشاعۃ السنہ جلد ۶ صک)

قرآنی ارشاد فقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہٖ افلا تعقلون (یونس ۱۶) کے مطابق مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب اور دیگر متعدد بلند پایہ آدمیوں کی شہادت اس موعود مجدد الوقت کی صداقت کو ببانگ دہل غور و توجہ کرنے کی اپیل کرتی ہے۔

صداقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے + خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

آمدم برسر مطلب اس فتح نصیب جرنیل۔ رجل فارس۔ خادم دین محمد مصطفےٰ صلعم کی آواز دنیا کے کناروں میں پہنچنے کے ساتھ ساتھ جموں و کشمیر میں بھی پہنچی بقول حضرت اقدس

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج + جس کی فطرت نیک ہے آئیگا وہ انجام کار

حضرت اقدس مجدد دوران کے ساتھی حضرت مولانا نورالدین اعظم۔ مبلغ اسلام فاتح انگلستان حضرت خواجہ کمال الدین بھی اکثر جموں و کشمیر خصوصاً حضرت مسیح علیہ السلام کے آخری مسکن کشمیر میں قیام فرماتے تھے۔ ان حضرات کی پاک صحبت اور روحانیت سے جموں و کشمیر میں سعید الفطرت اصحاب احمدیت میں شامل ہو گئے۔ حضرت امیر نا مدار مفسر قرآن مجدد احمدیت مولانا محمد علی رح حضرت امیر الحاج صدرالدین حضرت مناظر اسلام و دیار کفر اور حضرت مرزا مظفر بیگ ساطع فاتح جزائر فیجی بھی جموں و کشمیر تشریف لے جاتے تھے۔ ان حضرات کی نیم شبی دعاؤں۔ روحانیت اور قوت قدسی سے جموں۔ بھدرواہ۔ سرینگر وغیرہ میں جماعتیں قائم ہوئیں۔ صحبت صالح ترا صالح کند کے اصول پر دین کو دنیا پر مقدم کرنے والوں کی خاصی تعداد جموں و کشمیر میں پیدا ہوئی۔

خاکسار کے دادا راجہ محمد فیروزالدین خاں صاحب جاگیردار ذیلدار باری پورہ کشمیر اور خاکسار کے والد صاحب مرحوم راجہ محمد عبداللہ خاں ذیلدار باری پورہ جن کے حضرت مولانا نورالدین صاحب اور خواجہ صاحب کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے بیان کرتے تھے کہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سرینگر کے مقام اسلام پر جو لیکچر ہوتے تھے ان میں کثیر التعداد لوگ

عام مسلمان۔ ہندو سکھ وغیرہ شمولیت کرتے تھے۔ وکیل بیرسٹر: جج صاحبان اور دیگر علم دوست حضرات جوق درجوق شامل ہوتے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب کے ساتھ ایک نومسلم لارڈ ہیڈلے کشمیر آئے حضرت خواجہ صاحب نے جلسہ عام میں اس کا تعارف کرایا۔ لوگوں پر رقت طاری ہوئی۔ ان حضرات کے اعزاز میں مسلمانان کشمیر نے ایک عظیم الشان جلوس کا اہتمام کیا۔ حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی رحمۃ بمقام سرینگر قلمدان پورہ ایک عالیشان مسجد کی سنگ بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی اسی جامع احمدیہ قلمدان پورہ میں آج احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کا صدر دفتر ہے۔ الغرض دیگر علماء کرام بھی اپنے وعظ پر در خطابات سے علم دوست حضرات کو مستفید فرماتے رہے۔

برصغیر پاک ہند میں ریاست کشمیر جسے "جنت ارضی" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ اس وادی میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ استراحت فرما رہے ہیں۔ واللہ اعلم

ان کے علاوہ یقینی طور پر بغیر کسی شک و شبہ کے حضرت عیسےٰ علیہ السلام شہر سرینگر کے ایک قدیم محلہ خانیار میں آسودہ ہیں۔ اس کے متعلق مصدقہ تاریخی شہادت موجود ہے۔ اور اس کی نشاندہی ایک گمنام گاؤں کے رہنے والے اسی مجدد الوقت نے دی جس کی مکمل تفصیل آپ کی کتاب "مسیح ہندوستان میں" دیکھی جاسکتی ہے۔ ازاں بعد متعدد تحقیقات کرنے والوں نے مختلف کتابیں اس کی تائید میں اردو انگریزی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قدرتی طور پر ہماری سرزمین کشمیر اور تحریک احمدیت کو باہم چولی دامن کا تعلق ہے۔ خاکسار نے ابتداء میں تمہیدی طور پر یہ عرض کی تھی کہ دنیا کے جہان میں جہاں اور جس جگہ بھی اسلام پھیلا اور اسلامی جماعتیں قائم ہوئیں وہ خدا رسیدہ مبلغین کی روحانیت۔ قوت قدسی اور ان کی نیم شبی دعاؤں کے ہی ثمرات ہوتے ہیں۔ یہ اظہر من الشمس ہے کہ ان بلند پایہ مجاہدین اسلام کی دعاؤں اور نیک نمونہ کا ہی یہ اثر تھا کہ جموں و کشمیر میں علم دوست۔ سعید الفطرت حضرات اس تحریک احمدیت کے ساتھ وابستہ ہوئے۔ تقسیم ہند کیوجہ سے جموں و کشمیر و ہندوستان میں خصوصیت کے ساتھ احمدیہ جماعتوں پر بھی اثر پڑا تقسیم کے وقت تمام ہند و پاک میں ایک افراتفری کا عالم پیدا ہوا۔ ہندوستان و کشمیر کے اکثر احمدی حضرات پاکستان ہجرت کر کے چلے گئے ۔۔۔ لیکن بھدرواہ صوبہ جموں میں ماسٹر عبد الکریم۔ مرحوم لطیف صاحب اور عبد الرحمٰن صاحب وغیرہ اپنی مسجد کی برکت سے اور اسی طرح سری نگر میں بھی چند بزرگ الحاج شیخ صاحب کی رفاقت اور خصوصاً مسجد قلمدان پورہ کی برکت سے اس مشعل کو قائم۔ گو مرکز کے کٹ جانے اور کوئی رابطہ نہ ہونے کیوجہ سے سری نگر یا بھدرواہ والے بھی باہمی رابطہ قائم نہ کرسکے البتہ مساجد کیوجہ سے اپنا وجود قائم رکھنے میں کامیاب ہوئے۔

جموں شہر میں مستری یعقوب علی مرحوم (جو تحریک حریت کے مجاہد بھی تھے) اور دیگر بزرگوں نے جو شاندار مسجد پیر مٹھا جموں شہر تعمیر کی تھی سال ۴۷ء میں ان حضرات کی ہجرت کیوجہ سے اس جامع احمدیہ پیر مٹھا جموں کو چند مسلم اور غیر مسلم خاندانوں نے بطور رہائش استعمال کیا۔

پیغام صلح سال ۴۷ و ۴۸ء کے پرچوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پونچھ (جموں و کشمیر) میں احمدی جماعت موجود تھی اور سال ۴۷ء میں متعدد افراد بیعت کر کے شامل جماعت ہوئے تھے لیکن ہم ان کو حضرات سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ مرکزی انجمن کے قدیمی ریکارڈ سے اس بارے میں رہنمائی ہوسکتی ہے۔

خاکسار نے اپنے دادا راجہ محمد فیروز الدین خاں صاحب جاگیردار ذیلدار علاقہ یاری پورہ کا اس سے قبل ذکر کیا ہے ان کو حضرت مولانا نورالدین صاحب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے۔ وفاۃ الیقین کتاب میں میرے دادا راجہ صاحب مذکور کا ذکر بھی ایک جگہ آیا ہے۔ ان دوستانہ تعلقات کیوجہ سے میرے دادا صاحب اور والد صاحب مرحوم نے حضرت مجدد الوقت اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے "پاک ممبران" کی کتابوں کی لائبریری گھر میں رکھی تھی۔ اخبار پیغام صلح۔ ینگ اسلام بھی ان کے نام جاری تھے بلکہ خاکسار کے گھر پہ حضرت اقدس۔ حضرت مولانا محمد علی۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ لارڈ ہیڈلے کے خوبصورت اور نورانی فوٹو بھی موجود تھے۔ خاکسار طالب علمی کے زمانہ سے ان کتابوں اور اخبارات کا مطالعہ کرتا تھا ہمارے علاقہ یاری پورہ کشمیر میں ابتداء سے قادیانی احمدی۔ اہل حدیث اور حنفی جماعتیں قائم ہیں لہٰذا مذہبی بحث و مباحثہ تبادلہ خیالات عام طور پر دوستانہ ماحول میں ہوا کرتا ہے۔

خاکسار (محمد یوسف تانترے) کو مذہبی تبادلہ خیال کرنے میں خاصی دلچسپی تھی۔ والدین بھی مذہبی آدمی تھے اور گھر کا تمام ماحول مذہبی تھا۔ اس لئے میں قادیانی استدلال کے مقابل جماعت احمدیہ لاہور کا استدلال پیش کرتا تھا اور نماز میں جامع حنفیہ میں پڑھا کرتا تھا۔ غالباً جب نویں جماعت میں پڑھتا تھا حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت نے آنریری مبلغین کے طور پہ کام کرنے کی اپیل کی میں نے بھی یہ اعلان اخبار پیغام صلح میں پڑھ کر حضرت امیر مرحوم کی خدمت میں بطور آنریری مبلغ کام کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے منظور فرما کر اخبار پیغام صلح میں بطور آنریری مبلغ خاکسار کا نام درج کرایا۔ حضرت مولانا عزیز بخش صاحب جوائنٹ سیکرٹری نے ایک بنڈل مفت لٹریچر بھیجدیا۔ میں اب باضابطہ آنریری مبلغ اپنے ہم خیال طالب علم دوستوں میں تقسیم کرتا رہا۔ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی وفات کے بہت مدت بعد ڈاک کا سلسلہ قائم ہوا۔ اور میں نے حضرت مولانا صدرالدینؒ کی خدمت میں تحریری بیعت فارم بھیجدیا۔ آپ نے بیعت فارم منظور فرما کر اس کی تحریری اطلاع بھیجدی بیعت کے بعد خاکسار اپنی لیاقت اور طاقت کے مطابق نہایت سرگرمی سے تبلیغ کرتا رہا تقریباً سال ۱۹۶۲ء۔ ۶۳ء تک چند نوجوان ٹیچر تجارت پیشہ وغیرہ کو شمولیت جماعت کرانے میں کامیاب ہوا۔ جب دس پندرہ افراد کی جماعت قائم ہوئی تو خاکسار نے اپنے ایک دوست الحاج محمد صادق بٹ صاحب صوفی پورہ شوپیاں کے ساتھ رابطہ قائم کیا ان کو جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ یہ صاحب ایک احمدی غلام حسن خاں صاحب مرحوم سری نگر کی صحبت میں کافی عرصہ رہ چکے تھے۔ قدرتی طور پر انہوں نے ایک سعید الفطرت انسان کی طرح جماعت احمدیہ میں شمولیت کی لہٰذا ہم نے جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یاری پورہ قائم کی تھی۔ اس کے ساتھ محترم بٹ صاحب بھی منسلک ہوگئے۔ اسی طرح آہستہ آہستہ صوفی پورہ میں متعدد آدمی شامل جماعت ہوئے۔ جب یاری پورہ اور اس کے ملحقہ دیہات میں متعدد نوجوان شامل جماعت ہوئے تو صوفی پورہ میں علیحدہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام صوفی پورہ کے نام سے قائم کی گئی۔ چونکہ گاؤں میں جماعت میں شامل ہونے والے افراد با اثر تھے اس لئے گاؤں کی مسجد میں نماز جمعہ کا اہتمام کرایا گیا۔

دوسری جانب خاکسار نے سرینگر۔ بھدرواہ اور جموں وغیرہ کے دوستوں کے ایڈریس دریافت کر کے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کر دیا ایڈیٹر صاحب روشنی سے اس سے قبل ہی رابطہ قائم کیا تھا۔ خاکسار نے مرکزی انجمن لاہور کے جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں خطوط ارسال کئے کہ بھارت میں بسنے والے احمدی دوستوں کے ایڈریس بھیجدیئے جائیں بہرحال ادھر ادھر سے دو تین دوستوں کے ایڈریس دستیاب ہو کر خط و کتابت کا سلسلہ جاری کیا۔ عبدالرزاق صاحب بمبئی نے جموں و کشمیر کا دورہ کیا۔ باہمی مشورہ کے بعد یہ طے ہوا کہ ہم متحد ہو کر آل انڈیا لیول پر ایک انجمن کی تشکیل دے کر کام کو اچھی طرح جاری رکھ سکیں گے رزاق صاحب نے بھی کچھ ایڈریس مہیا کئے۔ بمبئی سے پندرہ روزہ الحکم جاری ہوا۔ جماعتوں اور افراد میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ کچھ مدت بعد ایسے حالات پیدا ہوئے کہ پندرہ روزہ الحکم بند کرنا پڑا۔

بہرحال ہم اپنے ارادہ اور فیصلہ پر قائم رہے اور ہم نے پہلی احمدیہ کانفرنس بمقام مسجد احمدیہ قلمدان پورہ سرینگر منعقد کی جس میں مندرجہ ذیل جماعتوں سے نمائندگان نے شمولیت کی

۱۔ یاری پورہ اننت ناگ کشمیر (۲) شوپیاں کشمیر (۳) متعلقہ جماعت سرینگر کشمیر

(۴) بھدرواہ صوبہ جموں۔ (۵) جموں خاص۔ (۶) آکولہ مہاراشٹر

(۷) امراوتی مہاراشٹر۔ بہار۔ کراکت جونپور۔ سہارنپور وغیرہ سے نیک خواہشات کے تحریری پیغامات ملے۔

کافی بحث و مباحثہ کے بعد "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کا صدر دفتر جامع احمدیہ قلمدان پورہ سرینگر کشمیر اور سب آفس یاری پورہ کشمیر مقرر کیا گیا مجلس معتمدین اور مجلس منتظمہ (عاملہ) منتخب کئے گئے۔ آئین کے چند مدات باتفاق رائے پاس کئے گئے سال سنہ ۱۹۷۰ء سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) ہند ہر سال ماہ اگست میں سہ روزہ سالانہ اجلاس منعقد کرتی ہے۔ باضابطہ سالانہ رپورٹ کو اجلاس میں پیش کیا جاتا ہے۔ پہلے ہر سال کے بعد جماعتوں اور احمدیہ انجمن ہند مذکور کا انتخاب ہوا کرتا تھا اب مجلس معتمدین احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) ہند نے ہر تین سال کے بعد تمام مقامی جماعتوں اور احمدیہ انجمن ہند کے انتخاب کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اس وقت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہند کے صدر چوہدری غلام مصطفٰی صاحب جموں کشمیر سے الحاج شیخ عبدالصمد صاحب نائب صدر اول اور صوبہ جموں سے ماسٹر عبدالکریم صاحب بھدرواہ نائب صدر دوئم۔ جنرل سیکرٹری خاکسار (محمد یوسف تانیز یاری پورہ) جوائنٹ سیکرٹری محمد علی سرینگر سیکرٹری نشرواشاعت ڈاکٹر ترین صاحب اور خزانچی الحاج محمد صادق بٹ صوفی پورہ منتخب ہوئے ہیں۔

نئے مسجد کی تعمیر

سال ۱۹۷۱ء میں یاری پورہ قصبہ کے پُرفضاء مقام پر ایک عالیشان جامع احمدیہ دو منزلہ تعمیر کی گئی۔ خدا کے فضل و کرم سے یاری پورہ کی جماعت ہر لحاظ سے ترقی کی طرف گامزن ہے ہر سال کوئی نہ کوئی تعلیم یافتہ نوجوان شامل جماعت ہوتا ہے۔ الغرض دن رات کی محنت سے ایک فعال جماعت قائم ہو گئی ہے۔ اسی طرح صوفی پورہ میں ایک جماعت قائم ہوئی ہر اس جماعت کی بھی اپنی مسجد ہے جس میں پنجگانہ نمازوں کے علاوہ نماز جمعہ بھی ادا کی جاتی ہے احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند (لاہور) کے سالانہ اجلاس مندرجہ ذیل مقامات پر منعقد کئے گئے۔

(۱) جامع احمدیہ قلمدان پورہ سرینگر

(۲) جامع احمدیہ یاری پورہ کشمیر

(۳) اور ایک سال قبل بمقام صوفی پورہ میں بھی اجلاس منعقد کیا گیا۔

۲۲ سال بعد احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام (لاہور) ہند نے سخت تگ و دو اور ناسازگار حالات کے ہوتے ہوئے مسجد پیر مٹھا جموں کا ایک حصہ نماز کے لئے ایک ناجائز قابض سے آزاد کرایا۔ سال ۱۹۴۷ء کے بعد تقریباً ۲۲ سال بعد اس خانہ خدا میں پھر صدائے اللہ اکبر بلند ہونے لگی۔ بدقسمتی سے مستورات کے نماز ادا کرنے کا ایک حصہ ابھی تک ایک ملنگ کے قبضہ میں ہے اور اس کے متعلق مقدمہ چل رہا ہے۔ اس مسجد کی جائیداد یعنی دوکانات بھی چند غیر مسلم افراد کے قبضہ میں ہیں۔ جن سے اوقاف جموں کرایہ وصول کرتی ہے اس مسجد کی دوسری منزل پر احمدیہ انجمن ہند نے دو تین کمرے جدید تعمیر کئے ہیں۔ چونکہ مقامی انجمن کے قبضہ میں ہیں مسجد مذکور میں جناب چوہدری غلام مصطفٰی صاحب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند خطبہ جمعہ کے علاوہ نماز با جماعت پڑھاتے ہیں۔ موسم سرما میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کے زیر اہتمام ایک دو بار احمدیہ کانفرنس منعقد کی گئی جس میں اپنی جماعت کے علاوہ مسلم و غیر مسلم احباب نے شمولیت کی۔

الغرض سخت مشکلات اور نامساعد حالات میں ہم نے احمدیت اور اسلام کی ترقی و غلبہ کے لئے آل انڈیا لیول پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہند کا قیام عمل میں لا کر بکھرے ہوئے دوستوں کو ایک سٹیج پر جمع کرنے میں تھوڑی بہت کامیابی حاصل کی ہے۔ سال ۱۹۷۰ء سے یاری پورہ اور صوفی پورہ میں نئی جماعتیں وجود میں آئی ہیں۔

گذشتہ سالانہ جلسہ منعقدہ یاری پورہ کے موقعہ پر بمقام یاری پورہ حضرت مولانا محمد علی میموریل ہال کا رسم افتتاح کو انجام دیا گیا۔ اس ہال میں ایک لائبریری قائم کرنے اور ایک شوروم قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ چھوٹے چھوٹے پمفلٹ ہماری یہ انجمن شائع کرتی رہتی ہے۔ قرآن شریف کا ہندی ترجمہ کرنے کا کام بھی جاری ہے۔ جموں و کشمیر سے باہر ہندوستان میں ہمارے کچھ احباب مختلف مقامات پر رہتے ہیں۔ کراکت جونپور میں ایک جماعت موجود ہے لیکن معلم نہ ہونے کی وجہ سے جمود میں ہے۔ ہماری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند کے پاس اس قدر مالی وسائل نہیں ہیں کہ ہم اس میں کچھ مدد کر سکیں البتہ کوشش جاری ہے۔ ہندوستان میں محمد جنید اظہر صاحب اکولہ مہاراشٹر میں اور جناب رمزی صاحب جودھپور انڈیا میں قلمی جہاد میں مصروف ہیں۔ جناب رزاق صاحب بمبئی میں کام کر رہے ہیں۔ پروفیسر غلام مرتضٰی بیگ ناندگاؤں میں اور رحمبہ میں غلام نبی صاحب اکیلے اس مشعل کو تھامے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس جموں و کشمیر میں پانچ جماعتیں موجود ہیں۔ ہر ایک جماعت کی مسجد اور دیگر جائیداد موجود ہے۔ ذرائع آمد معقول نہ ہونے اور کوئی مبلغ و معلم نہ ہونے کی وجہ سے چند مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے۔ - - - - - - - - - -

یہ ہے مختصر روئیداد تحریک احمدیت اور جموں و کشمیر ہند کی۔

اللہ تعالےٰ سے التجا ہے کہ وہ حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کو لمبی صحت و عافیت والی زندگی عطا فرمائے اور دنیا میں آپ کی اور ہماری زندگی میں ہمیں غلبہ اسلام کا نظارہ دکھائے۔ آمین ؎

یہی ہے تاثیر کی دُعا اے خُدا + ہو اسلام کا بول بالا سدا

* * *

اطاعتِ امیر اور جماعت کی

شیرازہ بندی

جماعت کی شیرازہ بندی اطاعت امیر میں ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے میری اطاعت کی (یعنی صحیح معنوں میں) اس نے اللہ تبارک و تعالےٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری فرمانبرداری نہ کی (وہ میری ہی نہیں بلکہ) اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری سے بھی دست کش ہو گیا جس نے امیر قوم کی فرمانبرداری کی گویا اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے امیر کی فرمانبرداری سے انکار کیا (یقیناً) وہ میری فرمانبرداری سے نکل گیا۔ لاریب امیر بمنزلہ ڈھال کے ہے جس کی قیادت میں قتال (یا اعلائے کلمۃ اللہ) کیا جاتا ہے اور اسی کی قیادت میں ہر قسم کا جہاد حاصل ہوتا ہے پس اگر وہ تقوی اللہ کا اور عدل و انصاف کا حکم کرے تو اس کے (امر کے) لئے بہت بڑا اجر ہے اگر تقوی اللہ اور عدل و انصاف کے سوا حکم کرے تو خسارہ کا مرتکب ہوگا۔"

(نسائی۔ کتاب البیعۃ)

مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، لندن

بین الاقوامی مسیحی کانفرنس اور قیام امن عالم

مذہب ہی ایک ایسی قوت ہے جو دنیا میں صلح و مفاہمت کی فضا پیدا کر سکتی ہے

حال ہی میں بھارت کے دارالخلافہ نئی دہلی سے ایک بین الاقوامی مسیحی کانفرنس کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں بائیس ممالک سے ساٹھ پادر حضرات نے شرکت کی۔ مسیحی زعماء نے اس زبوں حالی کا نقشہ پیش کیا جو تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک میں رونما ہے۔ انہوں نے بتلایا کہ خود بھارت کے ملک میں ۵۰ فیصد آبادی کی اقتصادی حالت پستی کے ادنیٰ معیار سے بھی گری ہوئی ہے۔ اس کا اصل باعث انہوں نے یہ بتلایا کہ ملک کے بجٹ کا معتد بہ حصہ غربا کے طبقہ کے معیار کو بلند کرنے کی بجائے فوجی برتری اور ایٹمی ہتھیاروں کی فراہمی پر صرف کیا جا رہا ہے۔ اس کانفرنس نے دنیا کی چوٹی کی حکومتوں سے استدعا کی ہے کہ وہ اپنے فوجی مصارف کو نصف کر دیں۔ مزید اس نے دنیا کی جملہ مسیحی اقوام سے استدعا کی ہے کہ وہ دنیا کے اخلاقی ضمیر کو بیدار کریں کہ دنیا بھر کو ایٹمی ہتھیاروں سے کس قدر خطرہ در پیش ہے۔

دنیا کو جو خطرہ ایٹمی جنگ سے پیش آنے والا ہے اُسے اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی جنگی ہتھیاروں کی باہمی دوڑ سے حکومتوں کے بجٹ میں جو غیر متوازن صورت حال پیدا ہو گئی ہے وہ بھی دنیا کی تباہی و بربادی کے لئے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی۔ کہ تیسری دنیا کے غربا عموماً بیماری، پسماندگی، غربت۔ اور جہالت کی جس چکی میں پس رہے ہیں وہ قابل بیان نہیں۔

ان کے علاوہ ایٹمی جنگ کے خوف و ہراس کا اثر عام طور پر اور بالخصوص نازک مزاج طبقہ نسواں پر بہت بُری طرح پڑ رہا ہے۔ چنانچہ خود برطانیہ اور مغربی یورپ میں ایک بڑا طبقہ اس امر کا حامی ہو چکا ہے کہ مغربی حکومتوں کو یک طرفہ طور پر ایٹمی ہتھیاروں میں کمی کر دینا مناسب ہے مگر ان کے مقابل ایک دوسرا سیاست دان طبقہ مخالفت کر رہا ہے۔ جس کا یہ کہنا ہے کہ اپنے آپ کو یک طرفہ کمزور کر دینا مخالف کو صلح و مفاہمت کی بجائے اسے جارحیت پر مزید لیر کر دینے کے مترادف ہے۔ بھارت کے صدر نے آخر پر یہ ریمارکس دیئے کہ "مذہب ہی ایک ایسی قوت ہے جو دنیا میں صلح و مفاہمت کی فضا پیدا کرنے میں ممد ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اسے صحیح طور پر استعمال نہیں کیا گیا"، لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ دین کو صحیح طور پر زندگی میں استعمال کرنے کی بجائے اُسے محض اعتقادی رنگ میں محصور اور بطور تبلیغ کے ہی کافی سمجھا گیا ہے۔

مثلاً آیئے! ہم یہ دیکھیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مشن کا لب لباب کیا تھا؟ حضرت مسیح کی تعلیم کا خلاصہ تو یہی کچھ تھا کہ دنیا پرستی کی بجائے خدا پرستی اختیار کی جائے۔ ذرائع و اسباب پر بھروسہ کرنے کی بجائے اخلاق اور خدا پر توکل ہو۔ لیکن آجکل کی سیاست اس کے عین برعکس واقع ہوئی ہے۔ جس کا سارا بھروسہ برتر و اعلیٰ ترین ایٹمی ہتھیاروں کی فراہمی پر آرہا ہے۔ اس صورت میں مسیح کی تعلیم پر خود مسیحی اقوام نے کیا عملی نمونہ پیش کیا ہے؟ مسیحی دنیا تو آج تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دفاعی جنگی کاروائیوں پر معترض رہی ہے۔ لیکن انہوں نے خود بزعم خویش بُرائی کا مقابلہ نیکی سے کرنے کی کون سی مثال پیش کی ہے۔ اور اب بھی کہاں پیش کر رہی ہے؟ اس کا اپنا عمل تو یہ ہے کہ ہر مسیحی قوم و ملک دُوسرے جملہ ہمسایہ اقوام سے زر و دولت اور فوجی ہتھیاروں میں بڑھ جانا چاہتا ہے؟ تم اپنے عمل سے کیا یہ ثابت نہیں کر رہے کہ جس تعلیم کو تم فخریہ پیش کرتے ہو وہ ناقابل عمل اور متروک ہو چکی ہے؟

خدا تعالےٰ کی ہستی نہایت انصاف پسند اور اعمال پر نتائج مترتب کرنیوالی ہے۔ اُسے محض معتقدات پر اور زبانی ایمان کے دعوؤں اور نام رکھوانے سے کچھ غرض نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ ارشاد موجود ہے کہ :-

لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب، من یعمل سوء یجز بہ ولا یجد من دون اللہ ولیا ولا نصیرا (النساء ۱۲۳)

ترجمہ :- اے مسلمانو یاد رکھو! نہ تو تمہاری من مانی خواہشات کے مطابق اور نہ ہی اہل کتاب کی من مانی آرزوؤں کے مطابق کچھ حاصل ہو گا بلکہ جو کوئی بھی بُرائی پر عمل پیرا ہو اُسے ضرور اس کا نتیجہ بھگتنا ہو گا۔ اس قانون خداوندی کے مقابل کسی کی نصرت و اعانت نہ ہو گی

تو اب کس طرح کوئی قوم خواہ کسی نام سے موسوم ہو کیوں کر اس قانون سے بچ سکتی ہے؟ جو اقوام ہمہ تن مصروف تو بڑھ چڑھ کر جنگی تیاریوں میں رہیں مگر اُمید اور دُعا یہ کریں کہ عالم میں امن قائم ہو اُن کی یہ آرزو کیسے پُوری ہو سکتی ہے؟

ناقابل تسخیر اخلاقی و روحانی اسلحہ کی فتح

حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے سچے پرستار اور پیغامبر تھے انہوں نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ میں تمہیں ساری تعلیم راستی ابھی بتلا نہیں سکتا کیونکہ تم میں اس کی برداشت کی طاقت نہیں مگر میرے بعد ایک رسول بنام احمد یا تسلی دہندہ آئے گا جو رُوح حق سے بولے گا۔ اس پر تم ایمان لانا اور وہ تمہیں جملہ صداقت کی راہیں کھولے گا (دیکھو یوحنا باب ۱۶) قرآن کریم میں اس پیشگوئی کا ذکر بزبان حضرت عیسٰیؑ یوں آیا ہے :-

ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہٗ احمد (سورۃ صف)

"میں تمہیں اپنے بعد آنے والے رسُول احمدؐ کی بابت خوشخبری دیتا ہوں۔"

اب دیکھنا یہ ہے کہ بدی کا مقابلہ نہ کرنا اگر یہ عالمگیر قابل عمل ہے تو مسیحی اقوام کہاں تک اس پر عمل پیرا ہیں؟ کیونکہ قرآن کریم نے تعہدی کی سزا کی تعلیم کو اس طرح کامل کیا کہ فرمایا

جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ

"دیکھو بُرائی کی سزا اس کی مثل سزا دینا ہے۔ لیکن اگر اصلاح معافی سے ہوتا دیکھو تو معافی کا طریق کار بہترین اور خدا کے نزدیک اجر دینے والا ہے۔"

اب دُنیا کے حالات کیا ہیں؟ مسیحی اقوام مقابلہ کی پوری تیاریوں بلکہ بڑھ چڑھ کر تیاریوں میں مصروف ہیں مگر گرجا گھروں میں پادر حضرات بھجن اس تعلیم کے گاتے ہیں کہ دشمن سے محبت کرو اور داہنی گال پر تھپڑ کھا کر بائیں گال بھی آگے پیش کر دو۔ کیا یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے تمسخر نہیں؟ جب تم یہ فخر کرتے ہو کہ بدی کے مقابل عدم سزا کا نظریہ اعلےٰ و برتر ہے تو اسے عمل میں کیوں نہیں لاتے؟ ایک جہان کو اپنی جنگی تیاریوں میں مبتلائے عذاب کئے ہوئے ہو مگر اعتراض اس پر کرتے ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حفاظت جان و ایمان کی خاطر دفاعی اقدامات بھی کیوں کئے؟ اب خدا تعالےٰ نے تمہارے پر ایسے حالات وارد کر دیئے ہیں کہ بجز اسلامی تعلیم پر عمل کے تمہیں کوئی دیگر چارۂ کار نہیں رہا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر عملاً کسی نے دشمن سے محبت کا سبق دیا تو وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں صلح حدیبیہ کا واقعہ اس امر کے بیّن ثبوت کے لئے کافی ہے۔ آپ ایک خواب کی بناء پر کعبہ میں حج کے لئے چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں مگر حدیبیہ کے مقام پر دشمن نے روک لیا اور حج کے دینی فریضہ کی ادائیگی جو قریش مکہ میں دشمن کے لئے بھی جائز ہوا کرتی تھی میں روک بن گئے۔ آپ نے اپنے ایلچی بھیجے کہ ہم لوگ تو صرف حج کی ادائیگی کے لئے آتے ہیں جو ان ایام میں دشمن بھی بجا لاسکتا ہے مگر دشمن اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ تو آپ نے اس بے سروسامانی کے عالم میں مشہور بیعتِ رضوان صحابہ کرامؓ سے لی۔ اب کفار نے جو یہ عزم دیکھا تو جو بائے صلح ہوئے۔ مگر شرائط صلح ایسی تجویز کیں جن سے شکست مترشح ہوتی تھی۔ چنانچہ ان میں سے دو شرائط یہ تھیں۔

(۱) اس سال مسلمان بغیر حج کئے واپس چلے جائیں۔

(۲) اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مکہ آجائے تو اُسے واپس نہ کیا جائے گا مگر اس کے برعکس اگر کفار کا کوئی آدمی مدینہ چلا جائے تو مسلمان اُسے واپس کر دیں گے۔

آپؐ نے ایسی غیر منصفانہ شرائط کو منظور کر لیا حالانکہ ابھی کچھ عرصہ قبل مرنے مارنے پر عہد لے چکے تھے۔ نیز اسی وقت ابوجندل مسلمانوں کے کیمپ میں اپنے زخم دکھلانے آئے اور کفار کے مظالم سے بچنے کے لئے پناہ مانگی مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ حدیبیہ کے مطابق پناہ دینے سے معذرت کی۔ اس پر مسلمانوں کی آنکھوں میں خون کے آنسو آگئے۔

بہرحال قابلِ غور بات یہ ہے کہ حدیبیہ ایسی ناقابلِ قبول صلح کو آنحضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں قبول کیا؟ اس لئے کہ عدم صلح کی صورت میں طرفین کی عام خونریزی کا خطرہ تھا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ کس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یکطرفہ ناجائز شرائط کو قبول کر کے ایک بہت بڑے قتل سے قوم کو بچالیا۔ مخلوق خدا پر رحم اور دشمن کی دشمنی کے مقابل معافی و مفاہمت کی اس سے بڑھ کر کیا کوئی مثال ہوسکتی ہے۔ تو اُسے پیش کیا جائے؟

اور قرآن کریم میں اسی وقت ایسی منصفانہ صلح کو فتح مبین کے خطاب سے پکارا گیا۔ انا فتحنالک فتحاً مبیناً۔ واقعات میں بھی یہ شکست نما صلح، فتح مُبین ثابت ہوئی۔ ڈیڑھ برس بعد جب آپؐ فتح مکہ کے عزم پر روانہ ہوئے تو قریباً دس گنا صحابہ کرامؓ آپ کے ہمرکاب تھے۔ یہ مسلمان کہاں سے آگئے؟ یہ اسی ناقابل قبول صلح کا نتیجہ تھے! اسلحہ جنگ کی برتری اور تعداد و نفری کی زیادتی کی بجائے اخلاقی اور روحانی ہتھیاروں نے غلبہ و فتح کے لئے کیسا عمدہ کام کیا! یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یقین و ایمان ان ہتھیاروں کی کامیابی پر بہت بڑھا ہوا تھا جس پر آپ نے اپنے وقار و عزت کو قربان کر کے صلح حدیبیہ قبول کی: کیا مسیحیت کا یہ عملی نمونہ مسیحی اقوام کے لئے مشعلِ راہ نہیں بن سکتا؟

ــــــــ ****ــــــــ

اخبار احمدیہ

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز بخیریت سے ہیں احباب سلسلہ حضرت ممدوح کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور اپنی دُعائیں جاری رکھیں۔

* وفات

دارالکتب اسلامیہ کے معاون چوہدری انیس احمد صاحب کی اہلیہ محترمہ وفات پاگئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ نے چند بچے اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

ہمیں اس صدمہ میں انیس صاحب سے دلی ہمدردی ہے۔ بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

* جماعت راولپنڈی کے صدر کی قرارداد تعزیت

مورخہ ۴/۲/۸۳ بعد از نماز جمعہ جماعت راولپنڈی کے صدر کا محترم محمد الرحمٰن صاحب پشاور کی وفات پر ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا جس میں مرحوم کی دینی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کر کے ان کی وفات کو قومی نقصان قرار دیکر اُن کے پسماندگان سے گہری ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔

مرحوم نے دینی جوش و جذبہ سے سرشار اولاد اپنی یادگار چھوڑی ہے۔ جو اُن پر خدائے پاک کا خاص فضل ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کے جنت میں درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

فضل حق سیکرٹری جماعت صدر
۲۷/۸ کھنہ روڈ مسلم ٹاؤن راولپنڈی

مکتوب تعزیت

ماسٹر محمد عبداللہ صاحب امریکہ

آج صبح عزیزی ظفر اقبال عبداللہ کی زبانی جناب محمد الرحمٰن صاحب پشاور، جناب چوہدری فضل حق صاحب لاہور اور بیگم ناصر احمد صاحب تینوں کی فوتیدگی کی ہوشربا خبر سن کر دل کو شدید صدمہ پہنچا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دُعا ہے مولا کریم ان سب کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ ایک قومی نقصان ہے جسکی تلافی اللہ تعالےٰ کے فضل ہی سے ممکن ہے۔

محترم محمد الرحمٰن صاحب جماعت پشاور کا ستون اور شبان الاحمدیہ کی تربیت کا بہترین ذریعہ تھے سلسلہ کی وہ ایک ایسی روشن قندیل تھے جس کی روشنی میں نوجوان اپنی دینی خدمات کے خطوط متعین کرتے تھے ـــــ چودہری فضل حق صاحب کی قدر و قیمت کا اندازہ ہمیں جلسہ سالانہ کے دوران میں اور اسکے چند روز قبل ہوتا تھا کہ کس طرح آپ اس عُمر میں نوجوانوں کی طرح مہمانوں کی آرام و آسائش کا خیال رکھتے تھے آپکی جواں مردانہ ہمت، جوش و خروش اور استقلال سے یہ اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ آپ اسقدر جلد ہم سے ہمیشہ کیلئے جُدا ہوجائیں گے۔ چودہری صاحب کی وفات سے جو نقصان انجمن کو پہنچا ہے اسکی تلافی ہونی مشکل نظر آتی ہے۔

بیگم صاحبہ ناصر احمد کی بے وقت وفات ہماری انجمن کے مخلص اور محنتی کارکن کو ایسے وقت میں جبکہ اُن کی رفیقہ حیات برسوں ناصر احمد صاحب کے اسلامی امور میں معاون ہوسکتی تھیں اور اُنکی شریک کار ہوسکتی تھیں افسوس ہے کہ وہ ان سے جُدا ہو کر گھر کے ماحول میں ایک بھاری خلا چھوڑ گئیں۔ بیگم صاحبہ ناصر احمد کی مہمان نوازی کا اندازہ ہمیں تب ہوا تھا جب ۱۹۷۵ء میں عزیزہ فریدہ اُن کی چند دنوں کے لئے مہمان تھیں۔ اہلیہ صاحبہ اور عزیزہ فریدہ کو بیگم صاحبہ ناصر احمد صاحب کی وفات کی خبر سن کر صدمہ پہنچا ہے۔ افسوس ہے وہ اپنے بچّوں کو سوگوار چھوڑ کر اس جہان سے رخصت ہوگئیں۔ اسی طرح ہمیں جناب محمد الرحمٰن صاحب کی بے وقت اور اچانک وفات کا احساس ہے۔ خداوند کریم انکو جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔ آمین!

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اُردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۸۳ء ـــــ جلد ۷۰، شمارہ ۷

جلد: ۷۰ * یوم چہار شنبہ ۹ جمادی الاول ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲۳ فروری ۱۹۸۳ء * شمارہ ۸

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے

تمام نبوتیں اور رسالتیں قرآن کریم اور آنحضرت صلعم پر ختم ہیں

دلی ایمان سے سمجھنا چاہیئے کہ نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین

اس آیت کا انکار کرنا یا استخفاف کی نظر سے دیکھنا درحقیقت اسلام سے علیحدہ ہونا ہے۔ جو شخص انکار میں حد سے گزر جاتا ہے جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں ہے اسی طرح وہ بھی ایک خطرناک حالت میں ہے۔ جو ...... اعتقاد میں حد سے گزر جاتا ہے

جاننا چاہیئے کہ خدا نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے۔ ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے۔ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء اور قرآن شریف خاتم الکتب ہیں اور اللہ کے نام کی قرآن شریف میں یہ تعریف کی گئی ہے۔ کہ اللہ وہ ذات ہے جو رب العالمین اور رحمان اور رحیم ہے۔
جس نے چھ دن میں زمین اور آسمان بنایا اور ایک آدم کو پیدا کیا اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب سے آخر میں محمد مصطفیٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے ......

"اے تمام وہ لوگو! جو زمین پر رہتے ہو! اے تمام وہ روحو! جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت دیتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی)

* * *

راتوں کو اٹھ اٹھ کر گریہ و زاری کرو

خدا تعالیٰ بڑا کریم ہے۔ اس کی کریمی کا بڑا گہرا سمندر ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اور جس کو تلاش کرنے والا اور طلب کرنے والا کبھی محروم نہیں رہا اس لئے تم کو چاہیئے کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں مانگو اور اس کے فضل کو طلب کرو ...... جب انسان اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر گر پڑتا ہے تو الوہیت کا کرم جوش میں آتا ہے اور ایسے شخص پر رحم کیا جاتا ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل)

جلسہ سالانہ ۱۹۸۲ء (مستورات) میں محترمہ بیگم طاہرہ فضل احمد صاحبہ کی تقریر

محترمہ صدر صاحبہ و معزز خواتین ۔ السّلامُ علیکم!

جب میں نے اپنے موضوع "تحریکِ احمدیت میں خواتین کا حصہ" کے متعلق سوچنا شروع کیا تو دسمبر کے اس سرد موسم میں ایک عجیب سی حرارت میرے دل و دماغ میں سرایت کر گئی اور یہ شعر دماغ میں گھومنے لگا ۔

ہاں دکھا دے اے تصوّر پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

آنکھوں کے سامنے وہ نورانی اور مسکراتے ہوئے چہرے گھومنے لگے ۔ اُن بزرگ احمدی خواتین کے جو کہ صحیح طور پر وحسن اولٰئک رفیقًا ثابت ہوئیں یقینًا یہ وہ فرشتہ خصلت خواتین تھیں جنہوں نے صحیح معنوں میں اپنے مردوں کے ساتھ مل کر دوش بدوش دین کی خدمت کا وہ کام کیا جو انشاءاللہ تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ چمکتا رہے گا ۔ ان قابلِ قدر بزرگ خواتین نے ہر طرح اور ہر رنگ میں اپنے مردوں کا ساتھ دیا ۔ ہر قسم کی تکالیف جو پیش آئیں ان کو خوشی سے برداشت کیا اور بڑھ چڑھ کر مالی قربانیاں پیش کیں ۔ جو واقعات میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے کے ہیں اُن کے متعلق میں نے اپنی محترم خالاؤں اور بہنوں سے کچھ معلومات حاصل کی ہیں سب سے پہلے جو واقعہ یاد آتا ہے وہ اس عظیم الشان مالی قربانی کا ہے جو ان خواتین نے مسجد برلن کے لئے دی ۔ مسجد کا ہال تو چندوں سے بن گیا تھا ابھی مینار باقی بننے کہ انجمن کو فنڈز کی سخت کمی ہو گئی ۔ اُس وقت حضرت امیر مولانا محمد علی مرحوم نے فرمایا کہ جماعت کی خواتین اپنا ایک اجتماع منعقد کریں کیونکہ وہ اُن سے کچھ کہنا چاہتے ہیں ۔ سو میکلوڈ روڈ پہ واقع بشیر بادشاہ ہال میں یہ تاریخی اجتماع ہوا ۔ ایک کونے میں ایک چارپائی کھڑی کر کے پردے کا انتظام کیا گیا اُس کے پیچھے تشریف فرما ہو کر حضرت امیر مرحوم نے تقریر فرمائی جس میں انہوں نے اپنی بہنوں اور بیٹیوں سے اپیل کی کہ وہ مسجد برلن کی تکمیل کے لئے اپنا کچھ زیور چندہ میں دیں ۔ مانگنے والا بھی اللہ کا مومن بندہ اور دینے والے بھی اللہ کی راہ میں قربانی کے جذبے سے سرشار، پھر اللہ تعالےٰ نے بھی اس اپیل کو وہ شرفِ قبولیت بخشا اور سننے والوں کے دل یوں کھولے اور حاضرین نے اس طرح لبیک کہا کہ سبحان اللہ ۔ سب سے پہلے حضرت امیر کی اپنی بیوی نے کڑوں کی جوڑی اتار کر پیش کی ۔ اُس کے بعد تو یُوں لگتا تھا کہ زیور کی بارش ہو رہی ہے ۔ خالہ سعیدہ بیگم مرحومہ اپنی چادر پھیلا کر کھڑی تھیں اور شمع اسلام کی ان پروانہ خواتین میں سے کوئی اپنی چوڑیاں کوئی کڑے کوئی گلوبند اور کوئی انگوٹھیاں اتار اتار کر ان کی جھولی میں ڈال رہی تھیں ۔ اس وقت کسی کو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہ آیا کہ یہ گلوبند میرے جہیز کا ہے یا بری کا ۔ یہ میری ماں کی یادگار ہے یا میاں کا تحفہ ۔ بس ہر دل میں یہی لگن تھی کہ کہیں میں پیچھے نہ رہ جاؤں اور اس طرح دیکھتے دیکھتے خالہ سعیدہ بیگم کی جھولی بھر گئی اور محدود وقت کی چند مٹھی بھر فدائی خواتین نے وہ قربانی دی جس کی نظیر مشکل ہی ملے گی ۔ کیونکہ عورت کو زیور بہت پیارا ہوتا ہے ۔ اور جس چیز سے جتنی زیادہ محبت ہو اس کو جدا کرنا اتنا ہی زیادہ مشکل ہوتا ہے ۔ پر جس محفل کا خطیب بھی عاشقِ اسلام اور سامعات بھی عاشقِ اسلام ہوں اس میں ہیچ ہو جائے وہ ممکن ہے دیارِ مغرب میں اس خانہ خدا کے مینار آج بھی اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ خدا کی محبت اگر دلوں میں ہو تو باقی سب محبتیں اُس کے آگے ہیچ ہو جاتی ہیں ۔ چونکہ یہ باہمت اور باعمل خواتین ہر وقت سوچتی رہتی تھیں کہ وہ کس طرح بہتر اور فعال طریق سے تحریکِ احمدیت میں بھرپور حصہ لے سکتی ہیں تو یہ قرار پایا کہ وہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی ایک زنانہ شاخ قائم کریں ۔ اس طرح ہماری احمدیہ انجمن خواتین اسلام وجود میں آئی ۔ اس کی پہلی صدر محترمہ بیگم صاحبہ سید محمد حسین شاہ مرحومہ وائس پریذیڈنٹ محترمہ بیگم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحومہ اور سیکرٹری بیگم مولانا محمد علی مرحومہ تھیں ۔

مردانہ جلسہ سالانہ تو حضرت صاحب کے وقت سے چلا آتا ہے اور لاہور آ کر بھی یہ جاری رکھا گیا پردے کے پیچھے خواتین بھی سن لیتی تھیں پر دین کی خدمت کا جوش ان کے دلوں میں موجزن تھا وہ صرف سننا نہ چاہتی تھیں بلکہ سنانا بھی چاہتی تھیں اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ مردوں کے جلسہ سے ایک روز قبل عورتوں کا جلسہ بھی کیا جائے ۔ یہ جلسہ مسلم ہائی سکول لاہور کے صحن میں ہوتا تھا اور اس سٹیج سے ہماری بزرگ خواتین اور بچیاں تحریکِ احمدیت کے متعلق نہایت ہی جامع ۔ مدلّل اور پُر جوش تقریریں کرتیں بلکہ ہماری دعوت پر اس وقت کی مشہور تعلیم یافتہ غیر احمدی خواتین بیگم شاہنواز ۔ لیڈی عبدالقادر ۔ مس خدیجہ فیروزالدین وغیرہ نہ صرف آ کر تقریریں کرتیں بلکہ صدارت بھی کرتیں اور ہمارے عقائد اور خدمتِ اسلام کے کام کو سراہتیں اور چندے بھی دے جاتیں ۔ جلسہ سالانہ کے دنوں میں ہماری اُن تھک بی بیاں صبح اور رات کو برابر باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کے کمروں میں جاتیں اور دیکھتیں کہ ان کو کوئی تکلیف تو نہیں ۔ کھانا ٹھیک پہنچ رہا ہے وغیرہ وغیرہ ۔ ہماری جماعت کی خواتین کو نوجوان نسل کی دینی تربیت اور عملی کارکردگی کے جذبہ کا بہت فکر تھا ۔ انہوں نے اس بات اور ضرورت کو محسوس کیا کہ نوجوان نسل میں دینی دلچسپی پیدا ہو اور جماعت کے استحکام کے لئے عملی طور پر ان کو شعور حاصل ہو ۔ تاکہ وقت آنے پر وہ اپنی صلاحیتوں کو بلا جھجک عمل میں لا سکیں ۔ چنانچہ انہوں نے سکول اور کالج کی لڑکیوں کی اپنی سرپرستی میں ایک ایسوسی ایشن بنائی جس کا نام ینگ گرلز احمدیہ ایسوسی ایشن رکھا گیا ۔ اس کے اغراض و مقاصد یہ تھے کہ لڑکیاں خود تیاری کر کے تقریریں کریں اور اپنی بزرگ خواتین کے ساتھ جماعت کے کاموں میں ہاتھ بٹائیں اور اس کا سب سے زیادہ مظاہرہ سالانہ جلسے ۔ دستکاری کی نمائش اور کھانے پینے کے سٹالوں پر ہوتا ۔ جلسہ کے دوران مہمانوں کو بٹھانا اور آگے پیچھے ان کے چھوٹے موٹے کام کرنا غرضیکہ نہایت خوش اسلوبی سے یہ تمام فرائض ادا کرتیں ۔ اُن موقعوں کے لئے اپنے لئے سفید شلوار کرتا اور قرمزی دوپٹے کا یونیفارم تیار کرتیں تاکہ سب آسانی سے پہچان لیں کہ یہ والنٹیئرز لڑکیاں ہیں ۔

اپنے ماہانہ اجلاس میں اکثر غیر احمدی خواتین کو بھی بطور CHEIF GUEST بلاتیں چنانچہ ایسے ایک موقعہ پر بیگم شاہنواز مرحومہ نے ان بچیوں کی تقاریر سن کر اور ایسوسی ایشن کی کارکردگی دیکھ کر فرمایا کہ "یہ میرے خواب کی تعبیر ہے" اور ایک بار جب محترمہ خالدہ ادیب خانم ترکی سے تشریف لائی ہوئی تھیں اُن کے اعزاز میں لاہور کی خواتین نے ایک RECEPTION دیا ۔ اور اُن سب کی درخواست پر احمدیہ ینگ گرلز ایسوسی ایشن نے میزبانی کے فرائض ادا کئے جس سے سب خواتین اور CHEIF GUEST بہت متاثر ہوئیں اور کہا کہ یہ بچیاں قوم کے لئے قابلِ فخر ہیں ۔

اور ایک اور نہایت ہی فعال INSTITUION جس کی ہماری بزرگ خواتین نے بنیاد ڈالی وہ دستکاری کی نمائش ہے ۔ ان کا یہ خیال تھا کہ احمدی خواتین اور بچیاں سال بھر میں اگر ایک ہفتہ میں ایک گھنٹہ اس بات کے لئے وقف کر دیں کہ وہ اپنے ہاتھ سے کوئی چیز بنا کر سالانہ جلسہ کے موقع پر لائیں گی اور ان چیزوں کی فروخت سے جو رقم اکٹھی ہو گی وہ اشاعتِ اسلام کے لئے دی جائے ۔ اس طرح گھر بیٹھے ہم لوگ اس نیک کام میں حصہ لے سکتے ہیں اور ہماری ذاتی کاوش سے کافی روپیہ اکٹھا ہو سکتا ہے ۔ بیچ میں جب جماعت پر

(بقیہ صفحہ ۵ کالم ۱ پر)

مرتبہ:۔ مُدیر اعزازی

اللہ تعالےٰ کے نزدیک دین اسلام کا مقصد

خطبہ جمعہ فرمودہ سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز بتاریخ ۱۸-۲-۸۳ - بمقام جامع دارالسلام۔ ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن۔ لاہور

تشہد اور تعوذ اور سورۃ الماعون " ارئیت الذی یکذب با لدین .... الذین ھم یرآءون و یمنعون الماعون " کی تلاوت کے بعد آپؐ نے اس کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

کیا تو نے اُسے دیکھا ہے یعنی اس کی حالت پر غور کیا ہے جو دین کو جھٹلاتا ہے یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ پس اُن نمازیوں کی حالت پر افسوس اور اُن کے لئے تباہی ہے جو اپنی نمازوں کی رُوح اور حقیقت سے غافل ہیں اور دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور دوسروں کی بھلائی کی خاطر ادنیٰ سے ادنیٰ چیزوں کو استعمال کرنے سے اپنے ہاتھوں کو روکتے ہیں۔

دین کا لفظ قرآن کریم میں جزا و سزا کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے " ملٰک یوم الدین " لیکن زیادہ تر مذہب کے متعلق آیا ہے جیسے ان الدین عند اللہ الاسلام کہ دین اللہ تعالےٰ کے نزدیک صرف دین اسلام ہی ہے یا جیسے " الیوم اکملت لکم دینکم آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا ہے۔ اس دین اسلام کو جھٹلانے۔ اسے اپنی زبان سے یا عملاً حقیر جاننے والا کون ہے۔ یہ کوئی مشرک۔ کافر یا اللہ تعالےٰ سے منکر کوئی بے دین دہریہ نہیں بلکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والا اور نماز پڑھنے والا ہے۔ یہ دین کا مدعی ہے جس کے لئے " ویل " کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی بربادی کے ہیں اور یہ افسوس کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ مسلمان بھی ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے تو پھر اس کے لئے قرآن کریم نے بربادی۔ ہلاکت اور اس کی حالت پر افسوس کا اظہار کیوں کیا ہے۔ اس کی وجہ اللہ تعالےٰ نے اگلی آیات میں بیان فرما دی ہے کہ وہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ وہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کے ادنیٰ ادنیٰ کاموں میں بخل سے کام لیتا ہے۔ اس میں نسل انسانی کے لئے جذبہ ہمدردی مفقود ہے۔

اللہ تعالےٰ کے نزدیک دین کا مقصد صرف عبادات بجالانا نہیں بلکہ اس کے دو حصے ہیں۔ آدھا حصہ اللہ تعالےٰ کی عبادت اور آدھا یتیموں اور مسکینوں کی خبرگیری ہے۔ قرآن کریم میں ان دونوں کا ذکر اکٹھا آتا ہے۔ اکثر مقامات پر یتیموں اور مسکینوں کی خبرگیری کا ذکر پہلے آتا ہے اور عبادات کا بعد میں مثلاً سورۃ البلد میں ہے " وما ادرٰک ما العقبۃ فک رقبۃ او اطعٰم فی یوم ذی مسغبۃ یتیماً ذا مقربۃ۔ او مسکینا ذا متربۃ۔ ثم کان من الذین اٰمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمۃ۔ اور تجھے کیا خبر ہے کہ یہ اونچی گھاٹی کیا ہے۔ یہ اونچی گھاٹی کسی گردن کا آزاد کرنا۔ بھوک کے دن قریبی یتیم کو یا مٹی سے ملے ہوئے مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔ پھر ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لاتے اور ایک دُوسرے کو صبر اور رحم کی نصیحت کرتے ہیں۔ یہاں یتیم۔ مسکین اور کسی کی گردن چھڑانے کا ذکر پہلے کیا ہے اور ایمان اور اس کے ساتھ دُوسری باتوں کا بعد میں۔ اسی طرح سورۃ الضحٰی میں آنحضرت صلعم کو اور آپ کے ذریعے ہمیں مخاطب کر کے پہلے فرمایا ہے فاما الیتیم فلا تقھر۔ واما السائل فلا تنھر۔ یتیم پر سختی نہ کر اور سوال کرنے والے کو نہ جھڑک۔ اور بعد فرمایا واما بنعمۃ ربک فحدث اور اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرتا رہ۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ انا وکافل الیتیم کھا تین۔ قیامت میں مَیں اور یتیم کی خبرگیری اور کفالت کرنے والا ان دو انگلیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے اور آپؐ نے یہ فرماتے وقت اپنی دو انگلیاں آپس میں ملا کر دکھائیں۔ آنحضرت صلعم نے یہ فرما کر دین کے اس حصہ کو بہت بڑی اہمیت دی ہے۔ اور اس حصہ پر عمل کرنے والے کو اس بلند مقام کی خوشخبری دی ہے کہ وہ روز حشر آپؐ کے ساتھ ہوگا۔ آپ کے قدموں میں ہونے سے بڑا عزت اور شرف کا اور کیا مقام ہو سکتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کسی کی اور کیا خوش قسمتی اور خوش نصیبی ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلعم کا اپنا عمل اس پر اس وقت سے تھا جب آپ کو اللہ تعالےٰ نے ابھی نبوت کے مقام پر بھی کھڑا نہیں کیا تھا۔ جب آپ کو یایھا المدثر قم فانذر کہہ کر اللہ تعالےٰ نے تمام نسل انسانی کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا تو آپؐ اس بھاری ذمہ داری کے خوف سے کانپ اُٹھے۔ اس حالت میں حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے آپ کی دوسری بہت سی خوبیوں کا ہی ذکر فرمایا۔ آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔

مسلمانوں نے جب تک دین کے اس نہایت اہم حصہ پر پورے طور پر عمل کیا وہ دنیا میں شان و شوکت اور اقتدار کے مالک رہے لیکن جب انہوں نے دولت اور اقتدار کے نشے میں اس طرف سے غفلت برتی۔ غریب طبقہ کی خبرگیری اور کفالت کو نظرانداز کر دیا بلکہ اس کا استحصال کرنا شروع کر دیا تو وہ ذلت اور ادبار کا شکار ہو گئے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے طبقاتی کشمکش اور نفرت کو جنم دیا جس کے نتیجے میں نیا فلسفہ کمیونزم پیدا ہوا۔ سرمایہ داری میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئی۔ اور کثرت روٹی کی محتاج رہ گئی۔ کمیونزم نے معاشی انصاف و مساوات کا نعرہ لگا کر غربا کی حمایت حاصل کی لیکن انہیں دہریہ بنا دیا۔ اسلام ان دونوں اقتصادی نظریات میں توازن قائم کرتا ہے۔ وہ امیر کو امیر اور غریب کو غریب نہیں رہنے دیتا۔ قرآن کریم نے اس تفریق کو مٹانے کے لئے اکثر مقامات پر مختلف پیرایوں میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے ہماری توجہ ہٹ گئی ہے اسلام نے تو نابینا کا درجہ بھی بہت بلند کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ جنہیں ہم بڑے لوگ کہتے اور سمجھتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ وہ امراء کے طبقہ سے پیدا ہوئے ہوں۔ ہر نبی کا ساتھ دینے والے اکثر غریب ہی ہوتے ہیں۔ اپنے نبی کی بتائی ہوئی تعلیم پر چل کر وہ بڑے بن گئے۔ آج اپنی جماعت پر نظر ڈال کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جو کل چھوٹے اور غریب تھے آج بڑے اور امیر بن گئے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک اگر تنہائی میں اپنی پہلی اور پچھلی حالت پر غور کرے تو اس پر یہ بات واضح ہو جائیگی کہ کل وہ کیا تھا اور آج کیا ہے۔ اور کیوں ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے احسن کما احسن اللہ الیک تم بھی احسان کرو جس طرح اللہ تعالےٰ نے تم پر احسان کیا ہے۔ ھل جزآء الاحسان الا الاحسان۔ احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور یہ احسان یہ ہے کہ ہم اپنی پہلی غریبی۔ مسکینی اور یتیمی کی حالتوں کو یاد کر کے اپنی جماعت کے غربا۔ مساکین اور

اور بنیادی کو ڈھونڈیں اور اُن کی خبر گیری کریں۔ اس کے بغیر ہمارا دین نامکمل رہے گا۔ اور ہماری دوسری عبادات پر بھی ویل للمصلین کے الفاظ صادق آئیں گے۔ ہماری جماعت کے ایک مخیر انسان نے اس کی بنیاد رکھ دی ہے۔ جماعت کی ترقی۔ استحکام اور اتحاد کے لئے یہ نہایت لازمی ہے کہ جماعت کے دوسرے صاحب ثروت احباب بھی اس میں دل کھول کر حصہ لیں۔ یہ اللہ تعالےٰ کو قرض دینا ہے اور جو اللہ تعالےٰ کو قرض دیتا ہے وہ اُسے کئی گنا کر کے واپس کرتا ہے جس دوست کا میں نے ذکر کیا ہے اُس نے جتنی رقم دی ہے اس کے بدلے فوراً ہی اُسے اس سے اڑھائی گُنا رقم مل گئی ہے۔ یہ راز کہ خدا واقعی کئی گنا کر کے واپس کر دیتا ہے اُس پر کھل گیا ہے۔ یہ بڑی نفع بخش تجارت ہے۔ صحابہ کرام پر بھی یہ راز منکشف ہو گیا تھا۔ انہوں نے جتنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا اُس سے بڑھ چڑھ کر اللہ تعالےٰ نے انہیں اسی دنیا میں دے دیا یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں یہاں اتنا کچھ مل گیا ہے کہ شاید آگے نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلعم کے ذریعے مومنوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ ھل ادلکم علیٰ تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ۔۔۔۔۔ ذالک الفوز العظیم (کیا میں تمہاری رہنمائی ایسی تجارت کی طرف کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم اس راز سے واقف ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ تمہیں جنت اور پاکیزہ مکانوں۔ جنت عدن میں داخل کرے گا۔ یہی بڑی کامیابی ہے) یہ ایسی تجارت ہے جس میں نفع ہی نفع ہے۔ خسارے کا کوئی احتمال نہیں۔ اپنی قوم میں سے غربت۔ جہالت اور بیماری کو ختم کرنا بہت بڑا جہاد ہے۔ ہماری جماعت کو عالم صحت مند اور مضبوط بنانا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس نے اشاعت اسلام اور اشاعت قرآن کا بار امانت اپنی خوشی سے اپنے سر اٹھایا ہے۔ جماعت کے افراد کی ہر رنگ میں خبر گیری اور تعلیم ہمارے فرائض میں داخل ہے۔

دین کا دوسرا حصہ جس کا ذکر ان آیات میں آیا ہے وہ عبادت الٰہی یا نماز ہے لیکن یہ وہ نماز نہیں جس سے نمازی غافل ہوتے ہیں۔ اور جس کے لئے ہلاکت۔ بربادی اور افسوس ہے۔ یہ وہ نماز ہے جس میں ایک حقیقت اور رُوح ہوتی ہے۔ اور جو انسان کو خدا سے ملاتی ہے۔ اسی قسم کی نماز کو الصلوٰۃ معراج المومن کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ اس کے مفہوم کا حضرت صاحب کے ملفوظات میں بڑا دلکش بیان ہے۔ آپ نے قیام۔ رکوع اور سجود کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ قیام کی حالت میں انسان سب سے پہلے اللہ تعالےٰ کے سامنے عاجزی سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا اور اس کی تسبیح اور تحمید کرتا ہے۔ اس کے یہ نام الرحمٰن۔ الرحیم۔ اور مالک یوم الدین لے کر اس سے مدد طلب کرتا ہے۔ اس سے انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلانے اور گمراہوں کے راستے سے بچانے کی دُعا مانگتا ہے۔ یہ دُعا مانگ کر دراصل وہ انبیاء۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور صالحین کی معیت طلب کرتا ہے۔ یہ ساری دعائیں سورۃ فاتحہ میں موجود ہیں جو ایک کامل دُعا ہے۔ یہ سب کچھ مانگنے کے لئے وہ اپنی مزید عاجزی کے اظہار کے لئے رکوع میں چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے سامنے جھک کر سبحان ربی العظیم تین بار کہتا ہے یعنی میرا رب پاک اور بڑی عظمت کا مالک ہے۔ جو میں اس سے مانگ رہا ہوں وہ مجھے سب کچھ عطا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اُسے کوئی روکنے والا اور ٹوکنے والا نہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر اپنا عجز و انکسار اور تذلل دکھانے کے لئے وہ سجدے میں گر کر سبحان ربی الاعلیٰ کہتا ہے۔ میرا اللہ جس کے سامنے میں اس حالت میں گرا ہوا ہوں جس سے آگے گرنے کی اور کوئی حالت نہیں ہو سکتی بہت ہی پاک اور بہت ہی بلند ہے۔ اس سے بلند دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ غرض جو کچھ وہ اپنی زبان سے کہتا ہے اُسے اپنی ظاہری حالت سے بھی دکھاتا ہے۔ وہ اپنی زبان سے بھی مانگتا ہے اور اپنے جسم کی حرکات و سکنات سے بھی طلب کرتا ہے۔ ہر رکعت میں دو سجدوں کے درمیان قعدہ میں وہ یہ دُعا بھی مانگتا ہے کہ اے اللہ میری حفاظت فرما۔ مجھ پر رحم کر۔ مجھے ہدایت دے۔ مجھے ہر لحاظ سے عافیت سے رکھ۔ مجھے دنیوی اور روحانی رزق عطا فرما۔ میری کمزوریوں اور خامیوں کو پورا کر اور میرا درجہ بلند کر۔ نماز میں وہ کون سی چیز باقی رہ جاتی ہے جو اللہ تعالےٰ سے مانگی جائے۔ اس لئے یہ شروع سے آخر تک ایک مکمل دُعا ہے۔ آخر میں جب انسان التحیات میں بیٹھتا ہے تو آنحضرت صلعم پر درود بھیجتا ہے کہ یہ ساری بھلائیاں ہمیں آپ کے ذریعے ملیں اور آپ ہی کے ذریعے ہمیں تمام انعامات دنیوی اور روحانی حاصل ہو سکتے ہیں۔ آنحضرت صلعم پر سلام بھیجتا۔ آپ کے لئے رحمت اور برکت طلب کرتا ہے پھر اپنے اور اللہ تعالےٰ کے صالح بندوں کے لئے سلامتی کی دُعا کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی توحید اور آنحضرت صلعم کی رسالت کی شہادت دیتا ہے اور آخر میں اپنے لئے، اپنے والدین اور سارے مومنوں کے لئے اللہ تعالےٰ کی مغفرت طلب کرتا ہے۔ لیکن یہ ساری دعائیں اس وقت اپنے اندر اثر پیدا کرتی ہیں جب انسان کی رُوح بھی ساتھ دے اور انسان جو کچھ زبان سے کہتا ہے اس کا مطلب و مفہوم سمجھ کر اور اس کی حقیقت سے واقف ہو کر نماز ادا کرے۔ اسی کا نام قیام نماز ہے۔ اللہ تعالےٰ نے پڑھنے کا نہیں اقیموا الصلوٰۃ کا حکم دیا ہے یعنی نماز کو قائم کرو۔ اسے گرنے نہ دو۔ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق قیام یہ ہے کہ نماز ادا کرنے والا یہ سمجھے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اگر ابھی اُسے یہ مقام حاصل نہیں ہوا تو اس سے کم تر مقام یہ ہے کہ نماز ادا کرنے والا یہ سمجھے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ احسان کی تعریف ہے جو آنحضرت صلعم نے فرمائی ہے۔ نماز میں جب انسان دُوسروں کے لئے دُعا کرتا ہے تو اس کے دل میں دوسروں کے لئے ہمدردی اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر نماز ایسی نہیں تو پھر ایسی نماز کے لئے ویل ہے۔ دین کا مغز یہ ہے کہ اطاعت لامر اللہ و شفقت علیٰ خلق اللہ۔ اللہ تعالےٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی مخلوق پر شفقت۔ اللہ کرے ہماری نمازیں ایسی ہو جائیں اور ہم ان دو اصولوں کو اپنے سامنے رکھ کر خود بھی ان پر عمل کریں اور اپنے بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت بھی انہی کے مطابق کریں۔

حضرت صاحب کے نماز کے متعلق ملفوظات سن کر دل میں تڑپ پیدا ہوئی۔ آج صبح کی نماز میں نمازیوں کی تعداد کم تھی۔ جس پر مجھے بہت افسوس ہوا۔ نماز ذرا لمبی ہو گئی لیکن اس میں یہ احساس پیدا ہوتا نظر آیا کہ ہم خدا کو دیکھ رہے ہیں۔ نماز کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق کا واحد ذریعہ ہے غفلت اور لاپرواہی ہلاکت کا موجب ہے۔ اپنی زندگیوں کو سنوارنا ہماری آج کی اشد ضرورت ہے۔ ہمیں اللہ تعالےٰ کی ویسی پسندیدہ جماعت بن جانا چاہیئے جیسی حضرت صاحب بنانا چاہتے تھے۔ آپ کی بعثت کا مقصد آپ کے اپنے الفاظ میں ایک متقی جماعت پیدا کرنا تھا جو صحابہ کرام کے نقش قدم پر ہو اور آخرین منھم کی مصداق ہو۔

میں بار بار آپ کو ان باتوں کی یاد دہانی اس لئے کراتا ہوں کیونکہ ہم حضرت صاحب کی بتائی ہوئی قدروں کو فراموش کر چکے ہیں اور جنہیں اپنی جماعت میں قائم کرنے کے لئے میرے دل میں درد پیدا ہوتا ہے۔ حضرت صاحب کے ساتھ دلی وابستگی اور وفاداری ہمارے لئے از بس ضروری ہے آپ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ساری دنیا ہمارے خلاف

مکرم چوہدری شکر اللہ خان منصور ایڈووکیٹ

سوال و جواب

سوال:۔ جماعت احمدیہ لاہور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مجدد صد چہاردہم مانتی ہے۔ چودھویں صدی کے خاتمہ پر دیگر صدیوں کے مجددوں کی طرح اس صدی کے مجدد کا زمانہ بھی جب ختم ہو گیا تو اب اُس کے نام پر ایک الگ جماعت کے وجود اور اس کے بقاء کا جواز کیا ہے؟

جواب:۔ بلاشک حضرت مرزا صاحب شرع اسلام کے مطابق نہ نبی تھے اور نہ یہ جماعت آپ کو نبی مانتی ہے۔ آپ چودھویں صدی میں منجانب اللہ عہدۂ مجددیت پر مبعوث کئے گئے تھے لیکن سالقہ صدیوں کے مجددین اور آپ کے مابین بلحاظ کام اور حیثیت کے نمایاں فرق ہے مثلاً:۔

۱۔ آپ مجدد اعظم تھے۔ سالقہ صدیوں کے مجددین کو ممالک دُنیا کے کسی خاص حصہ اور دین اسلام کی کسی شاخ کے بارے اصلاح و ارشاد کے لئے مبعوث نہیں کیا گیا لیکن حضرت مرزا صاحب کو تمام ممالک دنیا میں کل غیر الاسلام ادیان و مذاہب کے بالمقابل دینِ اسلام کی ہر شاخ کے لحاظ سے اس کی حقیقت۔ برتری اور افضلیت ثابت کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا (شاخ سے مراد اصول و عقیدہ ہے) جیسا کہ آپ نے تمام ادیان و مذاہب کے پیروکاروں کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے اُن کی بطالت اور اسلام کی صداقت کو ثابت کر کے دکھایا۔

۲۔ آپ مسیح موعود اور مہدی معہود تھے جن کے ذریعے دُنیا کے کل ادیان و مذاہب پر آخری زمانہ میں غلبۂ اسلام مقدر تھا لیکن جنگ و قتال کے ذریعہ نہیں کہ یہ تعلیم اور روح اسلام کے منافی ہے بلکہ عقلی دلائل۔ روحانی برکات اور آسمانی نشانات کے ذریعہ سے جیسا کہ اس لحاظ سے آپ نے ہر مذہب و ملّت پر دین اسلام کو غالب کر کے دکھایا۔

۳۔ آپ خاتم الخلفاء تھے۔ آئندہ ہر خلیفہ اور مجدد جو دعوت و ارشاد دین کے لئے منجانب اللہ مبعوث ہوگا آپ کے علمِ کلام میں بیان کردہ دلائل عقلیہ۔ برکات روحانیہ اور نشانات سماویہ سے استفادہ کرے گا۔ آپ کے علمِ کلام میں اسلام کے خلاف ہر اعتراض کی تغلیط اور غیر الاسلام کے مذاہب کے ہر منافیٔ اسلام اصول و عقیدہ کی مدلل تردید کی گئی ہے۔ اور حقیقتِ اصول و عقائدِ اسلام کے بارے تمام دنیا پر اتمام حجّت کی گئی ہے۔

پس آپ کے مجدد ہونے، مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے اور خاتم الخلفاء ہونے سے ثابت ہے کہ آپ کے علمِ کلام میں دین اللہ اسلام کی جو تفسیر و تعبیر بیان کی گئی ہے وہی اسلام کی اصل اور صحیح تفسیر اور تعبیر ہے۔ اسی کے ذریعہ دنیا کے انسان غیر الاسلام اصول و عقائد کی بطالت اور مضرت پر مطلع اور اُن سے بیزار ہو کر اسلامی اصول و عقائد کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس طرح دنیا میں امن و امان قائم ہو سکے گا۔ اور انسانیت فلاح پائے گی۔

اندریں صورت حضرت مرزا صاحب کے علمِ کلام کے ابقاء اور اس میں پیش کردہ صحیح تعلیم کی اشاعت کے لئے متفق الخیال اور متحد العقیدہ انسانوں کی ایک الگ جماعت کے وجود۔ اُس کے قیام و بقاء کی اشد ضرورت ہے۔ اس غرض سے جماعتِ احمدیہ لاہور بنام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام قائم ہے۔ اور اسے قائم رہنا چاہیئے۔

آپ کے کام اور حیثیت کا اندازہ الفاظِ ذیل سے ہوتا ہے جو آپ نے کل غیر الاسلام ادیان و مذاہب کے پیروکاروں کو مخاطب کر کے تحریر فرمائے۔

"بالآخر میں پھر ہر ایک طالبِ حق کو یاد دلاتا ہوں کہ وہ دینِ حق کے نشان اور اسلام کی سچائی کے آسمانی گواہ جس سے ہمارے نابینا علماء بے خبر ہیں جو مجھ کو عطا کئے گئے ہیں۔ مجھے بھیجا گیا ہے تا میں ثابت کروں کہ ایک اسلام ہی ہے جو زندہ مذہب ہے، اور وہ کرامات مجھے عطا کئے گئے ہیں جن کے مطالعہ سے تمام غیر مذاہب والے اور ہمارے اندرونی اندھے مخالف بھی عاجز ہیں۔ میں ہر یک مخالف کو دکھلا سکتا ہوں کہ قرآن شریف اپنی تعلیموں اور اپنے علوم حکمیہ اور اپنے معارف دقیقہ اور بلاغت کاملہ کی رُو سے معجزہ ہے۔ موسٰی کے معجزہ سے بڑھ کر اور عیسےٰ کے معجزات سے صدہا درجہ زیادہ۔ میں بار بار کہتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ قرآن اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم سے سچی محبت رکھنا اور سچی تابعداری کرنا انسان کو صاحب کرامات بنا دیتا ہے اور اسی کامل انسان پر علومِ غیبیہ کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دنیا میں کسی مذہب والا روحانی برکات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میں اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بجز اسلام تمام مذہب مُردے اُن کے خُدا مُردے اور خود وہ تمام پیرو مردے ہیں اور خدا تعالےٰ کے ساتھ زندہ تعلق ہو جانا بجز اسلام قبول کرنے کے ہرگز ممکن نہیں ہرگز ممکن نہیں۔ اے نادانو! تمہیں مردہ پرستی میں کیا مزہ ہے؟ اور مردار کھانے میں کیا لذّت! آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ زندہ خدا کہاں ہے اور کس قوم کے ساتھ ہے۔ اسلام اس وقت موسٰی کا طور ہے جہاں خدا بول رہا ہے وہ خُدا جو نبیوں کے ساتھ کلام کرتا تھا اور پھر چپ ہو گیا آج وہ ایک مُسلمان کے دل میں کلام کر رہا ہے۔ کیا تم میں سے کسی کو شوق نہیں کہ اس بات کو پرکھے۔ پھر اگر حق کو پاوے تو قبول کر لیوے۔"

لیکن مخالفین اسلام کو مقابل پر آنے کی ہمت نہ ہوئی جو آیا ذلت و ہزیمت سے دوچار ہوا۔ اسی بناء پر یہ اظہارِ حقیقت آپ کی طرف سے سپرد قلم ہوا ؎

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے ؛ کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشان دکھلائے ؛ یہ ثمر باغ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا ؛ نُور ہے نُور اُٹھو دیکھو سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا ؛ کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے ؛ ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند ؛ ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

اور اسی کا نام ہے غلبہ علیٰ کل الادیان۔

سوال:۔ جب کہ ستمبر ۱۹۷۴ء میں پاکستان نیشنل اسمبلی نے آئینی ترمیم کے ذریعے جماعتِ احمدیہ لاہور کو غیر مسلم اقلیتوں میں شمار کر دیا تو اس جماعت کے ارکین کو اس فیصلہ کے مطابق خود کو غیر مسلم تسلیم کرنے سے انکار کیوں ہے؟

جواب:۔ ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ آئینی ترمیم میں ایسا کیا گیا ہے اور نہ آئینی SENCTION سے انکار ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس ترمیم میں قرآن و حدیث کے مفہوم و شرائط کی بجائے سیاسی مقاصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ شرعاً حجت و سند نہیں اور قرآن و حدیث کی رُو سے ہم مُسلم ہیں جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:۔

پہلی وجہ:۔ نبوت اور ختم نبوت امور دینیہ ہیں۔ ان کا آئینی ترمیم مذکور میں جو مفہوم وضع کیا گیا ہے یا اس کا سمجھا جاتا ہے یہ ہے کہ:۔

"کسی بھی قسم کی یا کسی بھی معنی اور مفہوم میں نبوت کو باقی قرار دینا یا نبی ہونے کا اقرار کرنا ختم نبوت کا انکار اور دعوٰی نبوت کا ارتکاب ہے۔"

لیکن ختم نبوت کا یہ مفہوم ان الفاظ میں —(۱) قرآن کریم کی کسی آیت میں بیان نہیں اور (۲) نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی کسی حدیث میں مذکور نہیں — اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ جب کسی مسئلہ کی وضاحت قرآن وحدیث میں نہ پائی جاتی ہو تو مسلمانوں کا اجتماعی اجتہادی فیصلہ بھی شرعی حجت و سند کا درجہ رکھتا ہے۔ اراکین نیشنل اسمبلی پاکستانی جمہور مسلمانوں کے نمائندہ تھے۔ ان اراکین کا فیصلہ گویا پاکستانی جمہور مسلمانوں کا فیصلہ ہے۔ اس لئے شرعی حجت و سند کا حکم رکھتا ہے — لیکن جن افراد کا اجتہادی فیصلہ شرعی حجّت و سند کا حکم رکھ سکتا ہے اُن کے لئے قرآن و حدیث کی رُو سے بعض ضروری شرائط ہیں۔ مثلاً یہ کہ (۱) وہ راسخون فی العلم والدین ہوں اور (۲) قول و عمل و کردار میں بے داغ ہوں۔

اب جس نیشنل اسمبلی نے یہ فیصلہ کیا وہ وزیراعظم بھٹو کی حکومت کے دوران قائم ہوئی تھی۔ اور اس کے اراکین کی بہت بھاری اکثریت پیپلز پارٹی کے ممبروں پر مشتمل تھی اور پیپلز پارٹی کی اسی قیادت نے یہ فیصلہ کیا جیسا کہ ملک کے ایک مقتدر اخبار نے انہی دنوں یُوں لکھا:۔

"قادیانی مسئلہ جس قدر اہم تھا اُسی قدر نازک بھی تھا۔ سابقہ حکومتوں میں سے کسی کو یہ ہمت نہ پڑی تھی کہ اس پر حکم لگائیں — یہ کام ظلوم و جہول پیپلز پارٹی کی قیادت کو حاصل ہوگیا۔" (نوائے وقت ۱۷۔ اکتوبر ۷۴ء)

پیپلز پارٹی کی یہ قیادت بھٹو صاحب۔ اس کے گورنروں۔ وزیروں۔ قومی و صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں پر مشتمل تھی۔ جن کے متعلق خود مسلمانوں کی اپنی رائے اس طرح سے ہے۔

"بڑی مدت کے بعد یہ حدیثِ غریب اور قصۂ عجیب سامنے آیا کہ تائیدِ اسلام ایک ایسے شخص کے ہاتھوں ہوگئی جو ایک دنیا دار آدمی ہے۔ مذہبی تعلیم کم ہے جسے اسلامی فقہ کی باریکیوں کو سمجھنے کے لئے نہ تیار کیا گیا اور نہ کسی نے اس مقصد کے لئے اُسے پڑھایا۔ جس کی تربیت بھی ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جس کا ماحول سیاسی زیادہ تھا اور دینی کم۔ اور جس کے ساتھ جو لوگ بھی لگے ہوئے تھے وہ بھی کچھ دینی تعلیم کے ماہر نہیں ہیں۔" (نوائے وقت۔ ۱۷۔ اکتوبر ۷۴ء)

"یہ پیپلز پارٹی کے انٹ شنٹ لوگ۔ یہ دنیا دار اور نیم دراز — منہ پھٹ۔ منہ زور منہ دراز لڑکے جو مساجد میں صرف عید کے روز جاتے ہیں اور نماز صرف اپنے ماں باپ کے جنازوں کی پڑھتے ہیں۔ یہ نیم اشتراکی۔ نیم سرمایہ دار، نیم کمیونسٹ اور نیم مسلمان کم عمر چھوکرے جو ملک کی سیاست میں دخیل ہیں خواہ کسی نیت سے سہی وہ کام کر گئے جو کسی بڑے سے بڑے جیّد عالم، فقیہہ اور کسی مطلق العنان سُلطان سے بھی نہ ہو سکا۔"

(نوائے وقت ۱۶۔ اکتوبر ۷۴ء)

الغرض یہ ہیں قول و فعل اور کردار میں بے داغ اور علم دین میں راسخ وہ افراد جنہوں نے نبوت اور ختم نبوت ایسے اہم امور دینیہ کے مفہوم کے بارے وہ اجتہادی فیصلہ کیا۔ مقام غور ہے کیا ایسے افراد کا فیصلہ خدا اور رسُولِ خدا کے نزدیک شرعی حجّت و سند کا حکم رکھ سکتا ہے۔ ایسے افراد کے فیصلہ کو قرآن و حدیث کی رُو سے شرعی طور پر حجت و سند قرار دینا حدیثِ غریب اور قصۂ عجیب کا شاہکار بے شک ہے۔

دُوسری وجہ:۔ آئینی ترمیم میں جماعت احمدیہ لاہور کو اس بنا پر غیر مُسلم قرار دیا گیا ہے کہ یہ جماعت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو دینی مصلح مانتی ہے — دینی مصلح کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں (اول) کوئی ایسا شخص جو دین میں کوئی تبدیلی یا کمی بیشی کر کے اسے بہتر کر دینے کا مدعی ہو — یہ جماعت اس مفہوم میں آپ کو ہرگز مصلح نہیں دینی۔ (دوم) ایسا شخص جو دین کی تائید۔ تصدیق اور حمایت کے ذریعے خدمتِ دین کرنے والا ہو — اس مفہوم میں یہ جماعت آپ کو بے شک دینی مصلح مانتی ہے — لیکن ایسا دینی مصلح ماننے میں اس جماعت کے اراکین ہی منفرد نہیں بلکہ حضرت مرزا صاحب کے زمانہ کا اور بعد کا مقتدر مسلم پریس اور بڑے بڑے مسلم اکابرین مخالفینِ اسلام کے بالمقابل دینِ اسلام کی تائید۔ تصدیق اور حمایت کا فرض سرانجام دینے کی بناء پر آپ کو عظیم خادم اسلام ہونے کی حیثیت سے اور عظیم خادم اسلام ہونے کے معنوں میں دینی مصلح مانتے۔ کہتے اور قرار دیتے رہے ہے۔ جیسا کہ:۔

"اخبار وکیل امرتسر، اخبار انقلاب لاہور، اخبار کرزن گزٹ دہلی۔ اخبار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ دہلی۔ اخبار صادق الاخبار ریواڑی۔ اخبار تہذیب نسواں۔ اخبار زمیندار لاہور ۱۹۰۸ء اور رسالہ نگار لکھنؤ ۱۹۶۰ء — کے ایڈیٹران و مالکان مولانا ابوالکلام آزاد مولانا عبداللہ العمادی۔ مولانا عبدالمجید سالک۔ مرزا حیرت دہلوی۔ سید مولانا وحیدالدین مولوی بشیرالدین شمس العلماء مولانا ممتاز علی۔ مولوی سراج الدینؒ اور علامہ نیاز فتحپوری کے بیانات سے ثابت ہے — اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کی تقریر علی گڑھ یونیورسٹی ۱۹۱۱ء شمس العلماء سید میر حسن صاحب سیالکوٹی کے بیان مندرجہ اخبار الحکم ۱۹۳۴ء۔ خواجہ غلام فرید صاحب سجادہ نشین چاچڑاں۔ پیر صاحب نواب بہاولپور کے ارشادات مندرجہ اشارات فریدی حصہ سوم اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے ترجمۃ القرآن کے دیباچہ طبع اوّل کے دیباچہ نویس کے اعتراف سے مبرہن ہے۔"

جب یہ سب اکابر حضرت مرزا صاحب کو عظیم خادم اسلام ہونے کی حیثیت سے مصلح دین ماننے اور قرار دینے کے باوجود پکے مسلم اصل داخل اسلام رہتے ہیں تو جماعتِ احمدیہ لاہور کے اراکین اس بناء پر کس طرح غیر مُسلم ہو سکتے ہیں؟

تیسری وجہ:۔ جماعتِ احمدیہ لاہور کو اس بناء پر غیر مُسلم قرار دیا جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب دعوٰی نبوت کرتے تھے اور یہ جماعت آپ کو مجدد دین اور مامور من اللہ مانتی ہے۔ حالانکہ ختم نبوت کے بعد دعوائے نبوت کرنیوالا کاذب۔ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور اس کے معتقدین بھی۔ بلا شک اس جماعت کے اراکین مانتے اور اس بات پر کامل یقین و ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلّم پر نبوت ختم ہوگئی ہے اور آپ کے بعد ہر مدعی نبوت کاذب و کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے خود اپنی تحریروں میں بار بار لکھا ہے — لیکن آپ دعوائے نبوت نہیں کرتے تھے۔ آپ کے خلاف یہ الزام آپ کی بعض اُن تحریروں کی بناء پر لگایا جاتا ہے جن میں آپ نے ختم نبوت کو تشریعی نبوت اور کامل نبوت سے مخصوص کر کے جزئی اور ناقص طور پر

۱۔ ایک قسم کی نبوت یعنی مکالمہ الہیہ برنگ مبشرات یا اطلاع علی الاخبار غیب کو امت میں باقی اور جاری قرار دیا ہے۔ اور

۲۔ ان معنوں میں خود نبوت کا اقرار کیا ہے۔

لیکن ختم نبوت کو تشریعی نبوت اور کامل نبوت سے مخصوص کرنے۔ مکالمہ الہیہ مبشرات یا اطلاع علی الغیب کے معنوں میں ایک قسم کی نبوت کو امت محمدیہ میں باقی و جاری قرار دینے اور ان معنوں میں اقرار نبوت کرنے میں حضرت مرزا صاحب نے کوئی نئی بات نہیں کی ہے بلکہ

اُمت محمدیہ کے اکثر اکابر بزرگانِ دین اولیاء۔ صوفیاء اور علمائے عظام و کرام یہی عقیدہ رکھتے اور اسی طرح بیان کرتے رہے ہیں۔ مثلاً:۔

۱۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ انبیاء کو نبی کا نام دیا گیا مگر ہمیں (یعنی اولیاء کو) نبی کا لقب دیا گیا ہے اس لئے ہمیں لانبیاء الاولیاء کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

۲۔ شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی اور امام عبدالوہاب الشعرانی نے لکھا کہ تشریعی نبوت ختم ہو گئی ہے مگر نبوت عامہ۔ نبوت مطلقہ۔ نبوت غیر تشریعی اُمت میں باقی و جاری ہے۔ (فتوحات مکیہ۔ فصوص الحکم۔ الیواقیت والجواہر)

۳۔ مولانا روم اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں کہ کاملینِ اُمت کو نبوت حاصل ہوتی ہے اور پیر کامل یا امام الوقت اپنے وقت کا نبی ہوتا ہے۔

۴۔ صاحب تفسیر رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ نبوت تشریع ختم ہو گئی مگر نبوت عامہ اُمت میں جاری و باقی ہے۔

۵۔ صاحب تفسیر نیشاپوری لکھتے ہیں کہ نبوت کے اجزاء میں ایک جُز ہے جسے نبوت مطلقہ یا نبوت غیر تشریعی کہتے ہیں۔ اس نبوت کا دروازہ بند نہیں یہ نبوت اولیاء اللہ کو حاصل ہوتی ہے۔ صرف تشریعی نبوت کا دروازہ بند ہے۔

۶۔ عارف ربانی سید عبدالکریم الجیلانی بن ابراہیم لکھتے ہیں تشریعی نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے۔ اولیاء اللہ مقام نبوت رکھتے ہیں مگر اُن کی نبوت سے مُراد قربِ الٰہی اور اطلاع علی الغیب ہے۔ (انسان کامل مطبوعہ مصر مطبع الازہر)

۷۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید دہلوی فرماتے ہیں کہ اُمت محمدیہ میں ایسے کامل لوگ ہوں گے جنہیں انبیاء کے ساتھ مشابہت ہو گی اور وہ ظلِ رسالت ہوں گے۔ عہدۂ نبوت ختم ہو گیا مگر امامت کے عہدے سے مقرر ہوئے جو رسالت کے ظل ہوں گے اور اسی موقعہ سے علوم غیبیہ حاصل کریں گے جس سے انبیاء حاصل کرتے تھے۔ (مقدمہ تمہید صراطِ مستقیم صلا) اور فرماتے ہیں کہ خلیفہ راشد حکمی نبی ہوتا ہے۔

(منصب امامت فارسی)

۸۔ جناب مولوی بدیع الزمان فروزانفر اُستاد معظم دانشگاہ تہران۔ ایران مولانا روم کی مثنوی کے معنے کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مُرشد کامل اپنے وقت کا نبی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ صاف طور پر نبی کا نُور ہے۔ (احادیث مثنوی)

۹۔ مولانا عبدالعلی صاحب اپنی شرح مثنوی مولانا روم میں لکھتے ہیں۔ مقام نبوت مطلق امت میں باقی ہے۔ یہ نبوت اولیاء اللہ کو حاصل ہوتی ہے۔ انہیں انبیاء الاولیاء کہا جاتا ہے اس نبوت کا مراد اخبار غیب کا منجانب اللہ حاصل ہونا ہے۔ (بحرالعلوم دفتر پنجم)

۱۰۔ مولوی محمد نذیر صاحب عرشی نقشبندی مجددی اپنی شرح مثنوی مولانا رُوم میں لکھتے ہیں کہ صدیقیت سے اُوپر اور رسالت سے نیچے ایک اور درجہ ہے جسے نبوت عامہ کہتے ہیں جو اُمت میں باقی ہے۔ (مفتاح العلوم)

۱۱۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ رسالت تشریعی اور نبوت تشریعی ختم ہو گئی ہے مگر ولایت کبھی ختم نہیں ہو گی اسے نبوت تعریفی کہا جاتا ہے۔ (التنبیہ الطربی)

۱۲۔ شیخ الاسلام پاکستان مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی کتاب الشہاب صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں کہ شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی نے اپنی خاص اصطلاح میں ولایت اور محدثیت کو نبوت غیر تشریعی کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

۱۳۔ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صدر جمیعۃ العلماء ہند دہلی لکھتے ہیں کہ محدّث پر خدا کا کلام خاص الہام کے ذریعے آتا ہے اور وہ ادنیٰ درجہ کا نبی ہوتا ہے۔ (حاشیہ کتاب مجالس الابرار)

۱۴۔ حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں کہ انبیاء پر خدا کا کلام کبھی روبرو اور ہمکلامی کے رنگ میں ہوتا ہے کبھی یہ مرتبہ انبیاء کے متبعین غیر انبیاء کو بھی ملتا ہے جس کسی شخص کے ساتھ اللہ تعالےٰ اس طرح کثرت کے ساتھ ہمکلام ہو اُسے محدّث کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان سب بزرگانِ دین اور علمائے کرام نے (۱) ختم نبوت کو تشریعی نبوت اور رسالت تشریعی کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ (۲) ایک قسم کی نبوت باسم نبوت عامہ۔ نبوت مطلقہ۔ نبوت بغیر تشریع کو باقی و جاری قرار دیا ہے اور (۳) اس لحاظ سے اولیاء اللہ و محدّثین پر نبی نام و لفظ کا اطلاق جائز قرار دیا ہے۔

ہمارے یہ مسلمان ان بزرگوں اور علماء کو ختم نبوت کے منکر اور دعوٰی نبوت کے مرتکب نہیں سمجھتے نہیں کہتے اور نہیں قرار دیتے۔ بلکہ زمانۂ حال کے بڑے بڑے جیّد اور قدآور علماء اُن کی ان تحریروں کی اسطرح تشریحیں اور توجیہیں کرتے ہیں :۔

۱۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں

"(شیخ اکبر نے) اس عبارت میں نبوت کے انقطاع کا حکم کر دیا جواب یہ ہے کہ شیخ اپنی اصطلاح میں مطلق اخبار عن العلوم کو نبوت عامہ کہتے ہیں اور اس نبوت کے احکام مثل نبوت مشہورہ کے نہیں ہوتے حتیٰ کہ اس کے علوم بھی قطعی نہیں ہوتے (الحل العقوم لعقد فصوص الحکم صفحہ ۱۰۹)

شیخ اکبر جس نبوت و رسالت کو عام کہتے ہیں وہ بھی بمعنی لغوی ہے یعنی اخبار و تبلیغ نہ بمعنی حقیقی جس کو شیخ نبوت تشریع سے تعبیر کرتے ہیں" (کتاب مذکور صفحہ ۱۰۱)

۲۔ مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دیوبند لکھتے ہیں :۔

"شیخ نے ان دونوں عبارتوں میں ٹھیک اُسی عقیدہ کا اظہار کیا ہے جو جمہور اُمت اور تمام صوفیا کی زبانی آپ سُن چکے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد عہدہ جلیلہ نبوت کسی کو عطا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جس چیز کا نام عرف شرع میں نبوت ہے وہ بکلی منقطع ہو چکی ہے البتہ کمالات نبوت آپ کی اُمت کے افراد میں بہ نسبت اُمم سابقہ کے بھی زیادہ موجود ہیں۔ اس کا انکار نہ علماء ظواہر کرتے ہیں اور نہ صوفیا کرام۔

ان عبارتوں سے شیخ کے اُس کلام کی مُراد بھی حل ہو گئی جو فتوحات کے بعض دوسرے مقامات میں درج ہے۔ کہ نبوت بغیر تشریع کے باقی ہے۔ کیونکہ اس کلام کو ان عبارتوں کے ساتھ جوڑنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے کمالاتِ نبوت اور مبشرات اور ولایت کو نبوت بغیر تشریع فرمایا ہے۔ ان عبارتوں میں صاف اعلان فرما دیا کہ جو نبوت بغیر تشریع ہو وہ نبوت نہیں کہلاتی بلکہ نبوت کا اطلاق اُس وقت درست ہوتا ہے جب تمام اجزاء نبوت جن میں تشریع بھی شامل ہے مکمل موجود ہوں۔ شیخ کے کلام میں جب ایک طرف یہ تصریح موجود ہے کہ تشریع اجزائے نبوت میں سے ہے اور دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ نبوت بغیر تشریع باقی ہے تو اس کا حاصل سوا اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ کامل نبوت باقی نہیں بلکہ اجزائے نبوت باقی ہیں۔ جن کو نہ شرعاً نبوت کہا جا سکتا ہے اور نہ عرفاً اور نہ خود شیخ اکبر کی اصطلاح میں۔

ابھی خود شیخ کی زبانی معلوم کر چکے ہیں کہ غیر تشریع نبوت، نبوت نہیں بلکہ بعض اجزاء نبوت ہیں الغرض جس کی بقاء کے وہ قائل ہیں وہ نبوت نہیں اور جو نبوت ہے اُس کی بقاء کے وہ قائل نہیں۔ یہی تمام اُمت کا اجماعی عقیدہ ہے اور اسی پر ایمان واجب ہے۔

۳۔ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ لاہور لکھتے ہیں :۔

"شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ نبوت ختم ہوگئی۔ البتہ اس کے اجزاء اور کمالات اور مبشرات باقی ہیں اور نبی اور نبوت کا اطلاق اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ نبوت کے اجزاء جن میں تشریعی احکام بوحی ملکی بھی داخل ہیں علی وجہ الکمال متحقق نہ ہوں اور تشریعی احکام بوحی ملکی نبی اور مقام نبوت کے لئے لازم ہیں۔ بغیر تشریع نبوت متحقق نہیں ہو سکتی۔ نبوت کا اصل دارومدار تشریع پر ہے جب تشریع نہ ہو تو نبوت بھی نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ شیخ کے نزدیک غیر تشریعی نبوت نبوت ہی نہیں بلکہ اجزاء نبوت ہیں جن کو اصطلاح صوفیاء میں ولایت کہا جاتا ہے۔

ولایت اور شریعت دونوں نبوت و رسالت کے دو شعبے ہیں اس لئے شیخ اکبر نے شعبۂ ولایت کو غیر تشریعی نبوت کے عنوان سے اور شعبۂ شریعت کو تشریعی نبوت کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ اولیاء امت پر نبوت کے شعبۂ ولایت کا انعکاس ہوا جس کو شیخ اکبر نبوت غیر تشریعی کے نام سے موسوم کرتے ہیں" (مسک الختام فی ختم نبوت ص ۷۱-۶۲)

۴۔ مولانا عبد الرشید صاحب صدر المدرسین جامعہ اہلحدیث چوک دالگراں لاہور لکھتے ہیں :۔

"ان عبارتوں سے صوفیاء کرام کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ وہ جملہ انبیاء کو تشریعی نبی کہتے ہیں اور اولیاء امت کا نام انہوں نے غیر تشریعی نبی رکھا ہے۔ یہ صوفیاء کی اصطلاح ہے اور یہ اصول مسلمہ ہے ولا مناقشۃ فی الاصطلاح ولکل ان یصطلح۔"

(ختم نبوت و نزول عیسٰی بن مریم ص ۴۷)

۵۔ علامہ خالد محمود صاحب ایم اے لکھتے ہیں۔

"ان عبارتوں سے واضح ہوا کہ شیخ نے کمالات نبوت اور مبشرات کو نبوت بغیر تشریعی فرمایا ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ شریعت نے انہیں نبوت نہیں کہا یعنے جو نبوت بغیر تشریع ہو وہ نبوت نہیں کہلاتی بلکہ نبوت کا اطلاق اسی وقت درست ہوتا ہے جب تمام اجزائے نبوت جن میں تشریع بھی داخل ہے مکمل موجود ہوں۔ پس اگر غیر تشریعی نبوت کو باقی بھی کہا جائے تو اس کا معنٰی یہی ہوگا کہ سچے خواب اور مبشرات باقی ہیں"۔

(عقیدۃ الامت فی معنی ختم نبوت ص ۸۳)

"جہاں تک کمالات نبوت کا تعلق ہے اس میں مولانا روم کا وہی عقیدہ ہے جو حضرت مجدد الف ثانی کا ہے کہ کمالات نبوت غیر انبیاء کو بھی ملتے ہیں۔ لیکن اس سے مقام نبوت کا وہم نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا روم تو ہر متبع سنت پیر و مرشد کو مجازاً نبی کہتے ہیں۔" (کتاب مذکور ص ۱۱۲)

ہمیں بزرگان دین موصوفہ کے اقوال و تحریرات میں اقرار نبوت کی ان تشریحات اور توجیہات سے مکمل اتفاق ہے۔ ان تشریحات کو بالکل صحیح، درست اور معقول اور مدلل سمجھتے ہیں ـــــ لیکن کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے بھی اپنے اقرار نبوت کی لفظاً و مفہوماً بالکل یہی تشریح بار بار اپنی تحریروں میں کی ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں۔

۱۔ "کامل نبوت جو وحی شریعت کی حامل ہوتی تھی وہ منقطع ہو چکی ہے لیکن وہ نبوت جس میں سوائے مبشرات کے کچھ نہیں وہ قیامت کے دن تک باقی ہے۔ ہماری کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت جزوی کے دروازے ہمیشہ کے لئے کھلے ہیں۔ اور اس نوع میں کچھ نہیں سوائے مبشرات اور منذرات کے، اور وہ نبوت جو تامہ کاملہ ہے جو اپنے اندر سارے کمالات وحی کو رکھتی ہے سو اس کے منقطع ہونے پر ہم ایمان لا چکے ہیں اس دن سے جب

یہ آیۃ ما کان محمدٌ ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیّین"

(توضیح مرام ص ۱ ترجمہ از عربی ۱۸۹۱ء)

۲۔ "ابتداء سے میری نیت میں جس کو اللہ جل شانہٗ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکلّم مراد لئے ہیں" (اشتہار ۳۔ فروری ۱۸۹۲ء)

۳۔ "ہم خادم دین اسلام ہیں اور یہی ہمارے ظہور کی علت غائی ہے۔ نبی اور رسول کے الفاظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں۔ رسالت لغت عرب میں بھیجے جانے کو کہتے ہیں اور نبوت یہ ہے کہ خدا سے علم پا کر پوشیدہ حقائق و معارف کو بیان کرنا سو اسی حد تک مفہوم کو ذہن میں رکھ کر دل میں اس کے معنے کے موافق اعتقاد کرنا مذموم نہیں ہے مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں۔ یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالےٰ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہوشیار رہنا چاہیئے کہ اس جگہ بھی یہی معنے نہ سمجھ لیں۔" (مکتوب اخبار الحکم ۱۷۔ اگست ۱۸۹۹ء)

۴۔ "یہ کہنا کہ نبوت کا دعوٰی کیا ہے کس قدر جہالت کس قدر حماقت اور کس قدر حق سے خروج ہے اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعوٰی کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸ ۱۹۰۷ء)

۵۔ "میری نبوت سے اللہ تعالےٰ کی مراد سوائے کثرت مکالمہ مخاطبہ کے اور کچھ نہیں اور اللہ تعالےٰ کی لعنت اس شخص پر ہو جو اس امر سے اوپر کچھ ارادہ کرے۔ ہمارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور ان پر مرسلین کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اور اُن کے بعد سوائے کثرت مکالمہ کے اور کچھ باقی نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے میرا نام نبی مجازاً رکھا گیا حقیقی طور پر نہیں۔"

(حقیقۃ الوحی الاستفتاء ضمیمہ ص ۶۴ ۱۹۰۷ء)

۶۔ "میں ان معنوں میں نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں ـــ کسی کی مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے سو میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنے ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیشگوئی کرنیوالا"

(خط بنام اخبار عام ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء)

(بقیہ ص ۵ کالم ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اُردو بازار لاہور سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۸۳ء - جلد ۷۰ شمارہ نمبر ۸

جلد ۷۰ * یوم چہار شنبہ ۱۶ جمادی الاول ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲ مارچ ۱۹۸۳ء * شمارہ ۹

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

جو میرے ہیں وہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے

اے نادانو اور اندھو مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا۔ جو میں ضائع ہو جاؤں گا کس سچے وفادار کو خدا نے ذلت کے ساتھ ہلاک کر دیا جو مجھے ہلاک کرے گا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو کہ میری روح ہلاک ہونے والی روح نہیں اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔ مجھے وہ ہمت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا میں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا؟ کبھی نہیں چھوڑے گا۔ کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا؟ کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہونگے اور حاسد شرمندہ اور خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ میں اس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی اور مجھے اس کی عزت و جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو۔ اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلاء سے اس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں اگرچہ ایک ابتلاء نہیں کروڑ ابتلاء ہوں۔ ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔ ؎

من نہ آنستم کہ روز جنگ بینی پشت من + آں منم کاندر میاں خاک و خوں بینی سرے

پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا تو مجھ سے الگ ہو جائے۔ مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پُرخار بادیہ در پیش ہیں جن کو میں نے طے کرنا ہے پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اٹھاتے ہیں جو میرے ہیں وہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے۔ نہ مصیبت سے نہ لوگوں کے سب و شتم سے نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے اور جو میرے نہیں وہ عبث دوستی کا دم مارتے ہیں کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائیں گے اور ان کا پچھلا حال ان کے پہلے سے بدتر ہوگا کیا ہم زلزلوں سے ڈر سکتے ہیں؟ کیا ہم خدا کی راہ میں ابتلاؤں سے خوفناک ہو جائیں گے؟ کیا ہم اپنے پیارے خدا کی کسی آزمائش سے جدا ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہو سکتے مگر محض اس کے فضل اور رحمت سے پس جو جدا ہونیوالے ہیں جدا ہو جائیں۔ ان کو وداع کا سلام لیکن یاد رکھیں کہ بدظنی اور قطع تعلق کے بعد اگر پھر کسی وقت جھکیں تو اس جھکنے کی عنداللہ ایسی عزت نہیں ہوگی جو وفادار لوگ عزت پاتے ہیں کیونکہ بدظنی اور غداری کا داغ بہت ہی بڑا داغ ہے۔

———— * * * * ———— (انوار الاسلام)

محمد علی میموریل فری ڈسپنسری

خدا ترس مخیر دوستوں کے لئے حصول ثواب کا ذریعہ — مقامی جماعت احمدیہ کے زیر انتظام احمدیہ بستی "دارالسلام" نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں یہ فری ڈسپنسری اہالیان بستی کے علاوہ گرد و نواح کے مریضوں کو طبی امداد پہنچا رہی ہے۔ دکھی انسانیت کی خدمت کا سلسلہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے۔ ڈسپنسری کو ایک مستند قابل اور تجربہ کار ڈاکٹر کی خدمات حاصل ہیں جو روزانہ ۳ بجے بعد دوپہر سے پانچ بجے تک نہایت انہماک سے مریضوں کو دیکھتے ہیں۔ اور دوا تجویز کرتے ہیں جو مفت دی جاتی ہے۔ اس کار خیر کی وسعت کے ساتھ ساتھ اخراجات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے آپ بھی دست کرم بڑھائیں اور ثواب دارین حاصل کریں۔ آپ کے عطیات اگر مستقل صورت میں ماہانہ آئیں تو مفید تر ہو سکتے ہیں ورنہ جیسے آپ مناسب سمجھیں۔

عطیات بھیجنے کا پتہ

چوہدری ریاض احمد صدر مقامی جماعت احمدیہ دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۱۶

فریدہ چوہدری

میرے پیارے ابّاجی!

سلامت باشید !!

ہر چند کہ آپ کو میری اس دُعا کی ضرورت نہیں رہی مگر میرے قلم کو آپ کے لئے اس دُعا کو لکھنے مشکل تھا وُہ آپ نے کیسے سرانجام دیا۔ آپ کو تو ایک ہی دُھن تھی۔ آپ دارالسلام کو آباد دیکھنا چاہتے تھے۔

اباجی! آپ کو دارالسلام بہت پیارا تھا۔ کیا اسی لئے آپ نے وہاں اپنا دائمی گھر بنالیا؟

اباجی ہم سب آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ خاص طور پر امی۔ بس یقین ہی نہیں آتا کہ آپ وفات پا چکے ہیں آپ نے تو کبھی ایک لمحے کیلئے بھی تھکاوٹ کی شکایت نہ کی اور ہم بھی آپ کے گھنے سائے میں ایسے بے خبر سوئے کہ خبر تک نہ ہوئی کہ کب آپ چپ چاپ چل دیئے۔ آپ تو ایک مضبوط قلعہ تھے آخر موت نے کیسے شگاف ڈالے، آخر کیسے تسخیر کرلیا؟

ساری عمر آپ ہمارے لئے دوسروں کے لئے، کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہے رجانی دفعہ اتنی بھی مہلت نہ دی کہ ہم خداحافظ ہی کہہ لیتے۔ اتنا بھی انتظار نہ کیا کہ شکریہ ہی ادا کر لیتے۔ آخر ایسی بھی کیا جلدی تھی کچھ تو خبردار کرتے کہ ہم اپنی کوتاہیوں کی، لاپرواہیوں کی معافی ہی مانگ لیتے۔ یقین نہیں آتا کہ ہماری چھوٹی چھوٹی خوشیوں پہ خوش ہونے والا باپ خاموش ہو چکا ہے۔ کیا آپ کبھی اپنی پیاری بیٹی کو خط نہیں لکھیں گے، کبھی فون اٹھا کر "ہاں جی" نہیں کہیں گے، کبھی میرے گھر میں داخل ہو کر مجھے گلے نہیں لگائیں گے، یقین نہیں آتا۔

اباجی آپ کی ساری اولاد محض آپ کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ سب جہاں جہاں بھی ہیں اپنے میدان کے درخشاں ستارے ہیں۔ خدا کرے آپ کی جلائی ہوئی روشن قندیلیں ہمیشہ ہمارے اندر جلتی رہیں۔

آپ کا ہر بچہ آپ کی طرح جھوٹ اور بناوٹ سے نفرت کرے۔ آپ کا ہر بچہ آپ کی طرح اہلِ علم اور اہلِ قلم سے محبت کرے اور کبھی کسی دولت مند سے مرعوب نہ ہو۔ خدا کرے آپ کا ہر بچہ آپ کی طرح ساری زندگی سر اٹھا کر صراطِ مستقیم پر چلتا رہے۔ آمین۔

ضروری اعلان:-

آئندہ انتخابات معتمدین کا اہتمام ۸۔ اپریل ۸۳ء بروز جمعۃ المبارک کیا جائیگا جن افراد نے مرکز سے بھیجے گئے فارم پُر کرکے ابھی تک نہ بھجوائے ہوں ۲۵ مارچ ۸۳ء قبل دوپہر تک مرکز میں بھجوا دیں تاکہ انتخابات میں حصہ لے سکیں۔

(کنوینر انتخابی کمیٹی)

گذارشِ احوالِ واقعی

"لمحۂ فکریہ"

... ۲۴ جنوری کو حضرت امیر قوم [illegible] ڈاکٹر سعید احمد [illegible] کے [illegible] تک ہیں۔ اور جماعتِ احمدیہ کو مبلغین اسلام کی عالمی تنظیم اور عیسائیت کا مدمقابل ادارہ سمجھتے ہیں لیکن امریکن رسالہ TIME کی ۲۷ دسمبر کی اشاعت میں "دی نیو مشنری" کے عنوان سے عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا جائزہ درج ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس وقت دُنیا بھر میں دو لاکھ بیس ہزار عیسائی مشنری موجود ہیں۔ یہ مشنری تبلیغ عیسائیت کے ساتھ ساتھ دُنیاوی تعلیم، صحت اور زراعت کے شعبوں میں بھی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ایک عیسائی مشنری نے "ماؤ" کے زمانہ میں چین میں ایک کروڑ بائیبل کے نسخے پھیلانے کا منصوبہ بنایا اور "منیلا" میں بیٹھ کر اس طرح چین کے کمیونزم نظام میں نقب لگائی۔ اس کی روئیداد حیران کن ہی نہیں مسلمانوں کے لئے عموماً اور ہمارے لئے (جماعت احمدیہ کے لئے) بالخصوص ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ غورطلب بات یہ ہے کہ وہ جذبہ جس سے عیسائی کام کرتے ہیں کیا ہم میں موجود ہے؟ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں عیسائی مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ انہوں نے تبلیغ کے ساتھ ساتھ رفاہی ادارے بھی قائم کئے ہیں۔ کلکتہ میں مادر تھریسیا نے جذامیوں کے لئے جو مرکز قائم کیا ہے اس کی دُنیا بھر میں شہرت ہے۔ اور اس خدمت کی بدولت اس نے نوبل پرائز بھی حاصل کیا ہے۔ اس مرکز میں لاعلاج مریض بھی لائے جاتے ہیں اور مادر تھریسا انہیں گلے سے لگالیتی ہیں اُن کا عقیدہ ہے:- "یہ بھوکا مسیح ہے جسے ہم کھلاتے ہیں۔ یہ ننگا مسیح ہے جسے ہم کپڑے دیتے ہیں۔ یہ بے پناہ مسیح ہے جسے ہم پناہ اور ٹھکانہ دیتے ہیں"

ہمارے ہاں عیسائی مشنریوں پر پابندی لگانے کے مطالبے تو ہوتے ہیں مگر اپنے اندر اسلام اور تبلیغ اسلام کے لئے وہ خلوص و جذبہ اور اَن تھک محنت پیدا کرنے کی طرف توجہ نہیں جس سے عیسائی مشنری سرشار ہیں۔ تحریک کا جواب تحریک سے دیا جا سکتا ہے پابندیوں سے نہیں۔ آپ اس طرف بھی دیکھئے کیا جماعت احمدیہ بھی اپنے عہدوں پر قائم ہے یا نہیں؟ ہم نے اپنے امام سے عہد کیا تھا کہ "ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے اور دین اسلام اور قرآن کو دنیا کے کناروں تک پہنچائیں گے"۔ اگر ہم قائم نہیں تو کہیں ایسا نہ ہو ؎

جب اپنے عہد پہ قائم نہ رہ سکے بندے
خُدائے پاک کے وعدے بھی ٹلتے جاتے ہیں۔

(میاں) فضل احمد

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن — سبق نمبر ۲۳

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ ص وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَھُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ لا وَّھُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ط کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِھِمْ ج فَاللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ○ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا ط اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ط لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○

(البقرۃ۲۔ آیات ۱۱۳ تا ۱۱۵)

ترجمہ:۔ اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی (سچائی) پر نہیں۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی کسی (سچائی) پر نہیں۔ حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح انہی کے قول کے مانند وہ لوگ کہتے ہیں جو علم نہیں رکھتے۔ سو اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں میں فیصلہ کریگا جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے کہ ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے۔ اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کو مناسب نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دُنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ اور اللہ کے لئے ہے مشرق ہو یا مغرب۔ پس جدھر تم متوجہ ہوگے اُدھر ہی اللہ کی توجہ بھی ہوگی۔ اور اللہ بہت دینے والا علم رکھنے والا ہے۔

یہ سورۃ البقرۃ کے چودھویں رکوع کی ابتدائی تین آیات ہیں۔ یہ رکوع چودھویں کے چاند کی طرح مکمل نور ہے۔ اس میں چودھویں صدی کے مجدّد کے زمانہ کے حالات اور اسلام کے تاریخی انقلاب کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق بخشے کہ میں اس عظیم الشان رکوع کو کما حقہٗ سمجھ سکوں اور سمجھا سکوں۔

آپ حیران ہوئے ہونگے کہ جو آیات میں نے پڑھی ہیں ان میں تو یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر ہے۔ مُسلمانوں یا اسلام کا اس سے کیا واسطہ؟ بہت بڑا واسطہ ہے جیسا کہ میں ابھی عرض کروں گا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ سورۃ فاتحہ میں یہ دُعا تھی کہ ہم کو سیدھے راستہ پر لے کر چل، اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام کیا نہ اُن کا جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ اُن کا جو گمراہ ہوئے۔ اس دُعا کے معنی تو بہت وسیع ہیں جیسا کہ میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر آیا ہوں مگر رسُول اللہ صلعم نے مغضوب علیھم و لا الضّآلین کی تفسیر میں خاص طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر فرمایا۔ حضور صلعم نے قرآن کریم کے ہی ماتحت یہ تفسیر فرمائی کیونکہ سورۃ بقرۃ کے شروع میں ہی یہودیوں کے بارہ میں آیا ہے وبآء و بغضب من اللّٰہ (البقرۃ۲۔ ۶۱) یعنی "اور وہ اللہ کے غضب کے نیچے آگئے"۔ اور سورۃ المائدۃ ۵ کی آیت ۷۷ میں عیسائیوں کے غلو کرنے یعنی ایک انسان کو خُدا کا بیٹا بلکہ خُدا بنا لینے اور یُوں خود گمراہ ہو جانے اور بہت دنیا کو گمراہ کرنے کا ذکر ہے جو کہ ضآلین کے معنی ہیں۔ جہاں رسُول اللہ صلعم نے مغضوب علیھم اور ولا الضّآلین کی تفسیر میں یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر فرمایا وہیں آپؐ نے اپنی اُمّت کو بھی خبردار کیا کہ تم میں سے بھی بہت لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کے نقشِ قدم پر چلیں گے اس لئے ان قوموں کی غلطیوں سے بچنا۔ مگر افسوس ہے کہ ہم نے حضور صلعم کی اس تنبیہہ کی طرف توجہ نہیں دی۔ آیئے دیکھیں کیسے؟

جو آیات میں نے اس درس کے شروع میں پڑھی ہیں اُن میں فرمایا کہ یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی سچائی پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی کسی سچائی پر نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ الہامی کتاب ایک ہی ہے جو وہ پڑھتے ہیں۔ وُہ کیسے؟ وہ ایسے کہ بائبل کا بیشتر یعنے بڑا حصہ تورات ہے۔ اس لئے تورات یہودیوں اور عیسائیوں میں مشترک کتاب ہے۔ اس سے پچھلے رکوع میں آیت ۱۱۱ میں فرمایا تھا وقالوا لن یّدخل الجنّۃ الّا من کان ھودًا او نصٰرٰی یعنے یہودی کہتے ہیں کہ یہودیوں کے سوا کوئی جنّت میں داخل نہ ہوگا اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ گویا یہودیوں اور عیسائیوں کی دو غلطیوں کا ذکر فرمایا۔ اول یہ کہ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو جنّتی سمجھتا ہے اور دُوسرے کو جہنّمی یعنے ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو اتنا اچھا سمجھتا ہے کہ گویا وہ جنت کا حقدار ہے۔ اور دُوسری غلطی یہ کہ ان دونوں میں سے کسی کو دوسرے میں کوئی خُوبی نظر نہیں آتی۔ جیسا آج کے درس کی ابتدائی آیت میں فرمایا کہ "اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی سچائی پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی کسی سچائی پر نہیں"۔ یہ انسانی کمزوریاں عام ہیں اول یہ کہ اپنے آپ کو پاک وصاف اور بے گناہ سمجھنا اور دوسروں کے عیبوں کو دیکھنا۔ دوئم یہ کہ دوسروں میں کوئی خوبی نہ دیکھنا یعنے اختلافِ رائے کی وجہ سے اس قدر اندھے ہو جانا کہ دوسرے کی کوئی کبھی خوبی نظر نہ آئے۔ تو جب یہ دو کمزوریاں عام ہیں تو یہودیوں اور عیسائیوں کو کیوں نام لے کر ان کا الزام دیا۔ اس کا جواب وھم یتلون الکتٰب کے الفاظ میں موجود ہے کہ ان میں تورات مشترک کتاب ہے جس کو دونوں مانتے اور پڑھتے ہیں۔ ایک مشترک کتاب کے ہوتے ہوئے اتنی تنگدلی!

اس میں مُسلمانوں کے لئے کیا سبق ہے؟ وہ یہ کہ یہودی مذہب اور عیسائی مذہب تو دو علیحدہ علیحدہ نبیوں یعنے حضرت مُوسٰیؑ اور حضرت عیسٰیؑ سے منسوب ہیں۔ اور اُن کی کتابوں میں صرف تورات ہی مشترک ہے انجیل نہیں۔ مگر مُسلمان تو بالکل ایک نبی کی اُمّت ہیں اور اُن کی کتاب بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○ الحمد للّٰہ ربّ

العٰلمین سے لے کر والنّاس تک بالکل ایک ہے۔ تو ایک خُدا، ایک رسولؐ، ایک کتاب، ایک قبلہ رکھنے والے مُسلمان اگر یہودیوں اور عیسائیوں کی اتباع کرنے لگیں تو کس قدر قابلِ افسوس بات ہے! کیا مُسلمانوں میں یہودیوں کی طرح بہتّر (ستّر اور دو) فرقے نہیں ہوگئے ؟ کیا مسلمانوں میں ہر ایک فرقہ صرف اپنے آپ کو جنّتی نہیں سمجھتا اور دوسروں کو جہنمی جس طرح یہود کے ۷۲ فرقے یا یہودی اور عیسائی ایک دُوسرے کو سمجھتے ہیں ؟ کیا مسلمانوں میں یہ حالت نہیں کہ ایک فرقہ کو دوسروں میں بالکل کوئی خوبی نظر ہی

[illegible]

رسّی خدا کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین پر لٹکی ہوئی ہے۔ یعنے جو اس کتاب کو تھامے گا اور اُس پر عمل کرے گا وہ اخلاقی اور روحانی ترقی کرتا آسمان پر پہنچ جائے گا۔ تو قرآن نے فرمایا کہ قرآن پر سب جمع ہو جاؤ۔ اگر کوئی اختلاف پیدا ہو تو اس کا فیصلہ قرآن سے کرو۔ مُسلمانوں میں جتنے فرقے پیدا ہوئے ہیں اگر وہ قرآن سے اپنے اختلافات کا فیصلہ چاہتے تو ہرگز فرقے نہ بن جاتے۔ الغرض بسم اللہ سے والنّاس تک ایک ہی کتاب کو پڑھنے کے باوجود مسلمانوں میں کیوں اتنی تنگ دلی پیدا ہوگئی کہ اُن کے فرقوں کو ایک دُوسرے میں کوئی خوبی نظر ہی نہیں آتی اور وہ اپنے سوا باقیوں کو گمراہ بلکہ کافر تک کہنے لگ گئے۔ اس بات کی پیشگوئی بھی اس کلام پاک نے خود کر دی جب فرمایا کہ کذٰلک قال الّذین لا یعلمون مثل قولھم یعنے یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ہی کہتے ہیں یا کہیں گے وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے۔ مفسرین نے ان الفاظ سے دُوسرے مذاہب کو لیا ہے جو یہودی اور عیسائی مذہب سے پہلے ہوتے تھے۔ مگر جہاں پہلوں کا ذکر آگے اسی رکوع میں آیت ۱۱۸ میں آتا ہے وہاں من قبلھم کے الفاظ بڑھا دیئے ہیں کہ ان سے جو پہلے ہوتے تھے انہوں نے بھی اسی طرح وہ بات کہی تھی جو وہاں مذکور ہے کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔ یہاں چونکہ الفاظ من قبلھم نہیں ہیں تو صاف اشارہ ہے کہ یہ یہود اور عیسائیوں کے بعد آنے والے لوگ بھی شامل ہیں جو کہ مُسلمانوں کے سوا کون ہیں ؟

اگلے الفاظ آزادیٔ ضمیر یا مذہبی آزادی کا اس دُنیا کے لئے چارٹر CHARTER ہیں۔ فاللّٰہ یحکم بینھم یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون یعنے "سو اللہ اُن کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ کریگا جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے"۔ اختلاف مذاہب یا اختلاف عقائد کا فیصلہ اللہ تعالےٰ خود قیامت کے دن فرمائے گا۔ اس دُنیا میں کسی کو اختیار نہیں کہ وہ دوسروں کو گمراہ یا کافر بناتا پھرے۔ اس مکمل مذہبی آزادی کیوجہ سے ہی اس دُنیا میں اللہ تعالےٰ لوگوں کو محض عقائد کی بنا پر نہ تو موت دیتا ہے نہ اس سے کم تر کوئی سزا۔ قرآن پاک میں جہاں قوموں کو اس دُنیا میں سزا کا ذکر ہے تو صرف دو حالات میں۔ اول تو جب کوئی خدا کا نبی یا مامور آتا ہے اور اس کے دشمن اُسے یا اُس کے مشن کو تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ تعالےٰ اصلاح کا کافی موقعہ دینے کے بعد اُن دشمنوں کو ہلاک کر دیتا ہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرے تو خود نبی یا مامور یا اُس کا مشن تباہ ہو جائے۔ یہ ہلاکت اُن کے عقائد کیوجہ سے نہیں ہوتی بلکہ نبی یا مامور اور اس کے مشن کو ہلاکت سے بچانے کے لئے۔ دوئم جب کسی قوم کی بدعملی اس قدر بڑھ جائے کہ اس کیوجہ سے زمین میں امن قائم نہ رہ سکے یا دُوسروں کی زندگی حرام ہو جائے تو اللہ تعالےٰ ایسے بدکار لوگوں کو یا تو سزا دیتا ہے اور اگر وہ اس سے بھی باز نہ آئیں تو پھر ہلاک کر دیتا ہے مگر یاد رہے کہ یہ اُن کی بدکاریوں یعنے بُرے اعمال کیوجہ سے ہوتا ہے نہ کہ عقائد کی بناء پر۔

[illegible]

یہود اور عیسائیوں نے بے شک تنگدلی کا مظاہرہ کیا کہ ایک دوسرے میں بالکل کوئی خوبی نہیں دیکھ سکتے تھے حالانکہ تورات دونوں میں مشترک کتاب تھی مگر یہودی اور عیسائیوں نے اپنی عبادت گاہوں سے ان کو نہیں روکا جو اُن سے عقائد میں اختلاف رکھتے تھے۔ بلکہ اس صدی میں تو ہم نے خود دیکھا ہے کہ گرجوں میں غیر عیسائی لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ آن کر اپنے عقائد یا مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ یہ تو مسلمانوں نے کیا کہ ایک فرقہ نے باقیوں کو اپنی مسجدوں میں آنے سے روکا بلکہ اس پر لڑائی جھگڑے ہو گئے۔ ہاتھ کہاں باندھا یا ولا الضاآلین کہا یا ولا الدّآلین یا آمین اُونچی کہی یا دل میں اس پر مسجدوں میں لڑائی جھگڑے ہو گئے اور جس فرقہ کی مسجد تھی اس کے غیر کو مارکوٹ کر نکال دیا گیا۔ مسلمانوں میں تکفیر کا مرض تو پُرانا تھا۔ حضرت علی رضؓ کے زمانہ میں خوارج کے فتنہ میں پہلی دفعہ تکفیر شروع ہوئی۔ مگر تب یا بعد میں یہ نہیں ہوا کہ مسجدوں سے ایک دوسرے کو روک دیا گیا۔ یہ تو تیرہویں صدی ہجری کے آخیر میں اور چودھویں صدی ہجری کے شروع میں آن کر حالت ہو گئی تھی کہ مسجدوں کے باہر لکھا جانے لگا کہ وہ کس فرقہ کی مسجد ہے اور باقیوں کو روک دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسوں سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے کیونکہ مسجدیں تو اس لئے بنی تھیں کہ اللہ کو اُن میں یاد کیا جائے۔ اور جو اس سے لوگوں کو روکتا ہے وہ اُن کو ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور ویران تو مسجدیں ہو گئیں۔ اسی کو شاعرِ مشرق نے یوں لکھا ہے کہ "مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے"۔ اور حالی نے مسدس میں کس قدر دردناک نقشہ کھینچا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ مسجدوں سے روکنے والے جنھیں چاہیئے تو یہ تھا کہ مسجدوں میں نہ داخل ہوتے مگر اللہ سے خوف کرتے ہوئے اُنہوں نے مسجدوں کو گویا اپنا گھر بنا لیا ہے نہ کہ خدا کا گھر کہ جس کو چاہیں داخل ہونے کی اجازت دیں اور جس کو چاہیں نہ اجازت دیں۔ فرمایا کہ ایسے لوگ دُنیا میں بھی ذلیل ہو جائیں گے اور آخرت میں اُن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

آگے عجیب الفاظ آتے ہیں۔ فرمایا "اور اللہ کے لئے ہی ہے مشرق ہو یا مغرب۔ پس جدھر تم متوجہ ہو گے اُدھر ہی اللہ کی بھی توجہ ہو گی۔ اور اللہ بہت دینے والا، علم رکھنے والا ہے"۔ سبحٰن اللہ و بحمدہٖ سبحٰن اللہ العظیم کیا زبردست پیشگوئی ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے کی گئی اور کس طرح وہ حرف بحرف پُوری ہوئی۔ فرمایا کہ مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی۔ اسلام پہلے مشرق میں

پھیلا چاہے وہ مشرق وسطیٰ MIDDLE EAST ہو یا ایشیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تہذیب اور تمدّن اور علم کا گہوارہ مشرق ہی تھا۔ اسلام وُہ مذہب نہیں کہ جاہلوں یا نیچ اقوام کو اُن کی جہالت کا فائدہ اُٹھا کر منوایا جا سکے۔ یہ اندھیرے کی طرف نہیں جاتا بلکہ روشنی کی طرف جاتا ہے۔ سو آج سے چودہ سو سال پہلے یورپ اور امریکہ میں تو تاریکی تھی۔ اور تہذیب و تمدن اور علوم کی روشنی مشرق میں تھی اسلئے اسلام اُس زمانہ میں مشرق کی طرف ہی گیا۔ آج اس کے برعکس علوم اور سائنس کی ترقیات مغرب میں ہیں۔ مشرق میں چونکہ وہ مذہبی تنگدلی آگئی تھی کہ ایک دُوسرے کو مسجدوں تک سے روکا جانے لگا تو اللہ تعالےٰ نے چودھویں صدی کے مجدد یعنے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی جماعت کے ذریعہ سے اسلام کا رُخ مغرب کیطرف موڑ دیا۔ آپ ہی نے اسلام کو وہ معقولیت اور علم اور روشنی کا مذہب بنا کر پیش کیا کہ آج علمی دُنیا صرف اسی کو قبول کر سکتی ہے۔ یورپ میں ہزاروں اور امریکہ میں لاکھوں بلالی مُسلمان بھائی اسی جماعت کے قرآن کے ترجمہ و تفسیر اور لٹریچر کو پڑھ کر مسلمان ہو چکے ہیں۔ اور اسلام کے مغرب میں پھیلنے کے آثار دن بدن روشن ہو رہے ہیں۔

حضور نبی کریم صلعم نے فرمایا تھا کہ آخری زمانہ میں سُورج مغرب سے طلوع کریگا۔ قرآن پاک نے حضورؐ کو ہی سراجًا منیرًا یعنے روشن یا نُور والے سورج کا نام دیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ مادی سُورج بھی مشرق میں پہلے طلوع کرتا ہے۔ اور جب ہم کہتے ہیں کہ مغرب میں غروب ہو گیا تو دراصل اُس وقت سُورج مغرب میں طلوع کر رہا ہوتا ہے۔ اس لئے انسان قرآن اور رسول اللہ صلعم کے صدقے اور قربان ہو جائے کہ دونوں کی پیشگوئیاں کس خوبی سے چودہ سو سال کے بعد پوری ہو رہی ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

آخری الفاظ ہیں انّ اللہ واسعٌ علیم، اللہ بہت دینے والا علم رکھنے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس نے مشرق میں ۸۰، ۹۰ کروڑ مُسلمان تمہیں دیئے تو مغرب میں وہ اس سے بھی بڑھ کر دے گا اور وہ علم رکھتا ہے کہ کہاں کہاں سعید روحیں ہیں جو اسلام کو قبول کریں گی۔ ہمارا کام ہے کہ ہم مغرب کیطرف منہ موڑیں بلکہ فرمایا کہ جدھر بھی تم اپنا مونہہ کرو گے اللہ تعالےٰ کی توجہ بھی اُدھر ہی ہو گی۔ اس سے بڑھ کر حوصلہ اور ہمت بڑھانے والا وعدہ کیا ہو سکتا ہے۔ کمی ہے تو ہماری کوشش کی ہے۔

اس رکوع کے اگلے الفاظ میں اللہ کے بیٹا ہونے کے عیسائی عقائد اور دُوسرے اعتراضات کا جو مغرب میں کئے جاتے ہیں مثلاً وحی و الہام پر اُن کا جواب دیا ہے۔ یہ صاف اشارہ ہے کہ اس رکوع میں اسلام کے مغرب میں ہی جانے کا ذکر ہے۔ فسبحٰن اللہ وبحمدہٖ سبحٰن اللہ العظیم۔ قرآن بھی کیا عجیب کتاب ہے۔ (باقی آئیندہ)

ارشاداتِ خُداوندی

"اور جو تمھیں السّلامُ علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں"

حدیثِ رسُول صلعم

"جو شخص مجھے ان باتوں پر عمل کی ضمانت دے مَیں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ بولو تو سچ بولو۔ کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ بدنظری سے بچو۔ بدکاری سے بچو۔ عہد کو پُورا کرو۔ امانت میں خیانت نہ کرو۔"

دُعا کی برکات

اےکہ گوئی گر دعا ہا را اثر بُودے کجاست + سوئے من بشتاب بنمائم تراچوں آفتاب
ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرتہائے حق - قصہ کوتاہ کن ببیں از ما دعائے مستجاب

دُعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق مجاذبہ ہے۔ یعنے پہلے خداتعالےٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پھر بندہ کے صدق کی کشش سے خداتعالےٰ اُس سے نزدیک ہو جاتا ہے۔ اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خداتعالےٰ کی طرف کامل یقین اور کامل اُمید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے۔ پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے۔ اور قوت جذب جو اسکے اندر رکھی گئی ہے وہ خداتعالےٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جل شانہٗ اس کام کو پُورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں مثلاً اگر بارش کے لئے دُعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دُعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قحط کے لئے بددعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دُعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہٖ تعالےٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے۔ جو طرف مؤید مطلوب ہے۔ خداتعالےٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں۔ بلکہ اعجاز کے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دُعا ہی ہے کہ جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیائے کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دُعا ہے۔ اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔ وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے۔ اور دنیا میں ایک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا۔ اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بے کس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اللّٰھم صلّ وسلم وبارک علیہ وآلہ بعدد ھمّہٖ وغمّہٖ وحزنہٖ لھٰذہ الامّۃ وانزل علیہ انوار رحمتک الی الابد۔"

(برکات الدّعا)

اخبارِ احمدیہ:-

سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں احباب جماعت حضرت ممدوح کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

از قلم: مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب لندن

حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم کی تبلیغ و اشاعتِ دینِ اسلام کی انقلاب آفریں خدمات

اسلام کی چنگاری کس نے روشن کی تھی؟ زیرِ نظر مضمون میں اُس کمی کو دور کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

گذشتہ سال (۲۹ دسمبر) کے الینوع میں ایک بصیرت افروز اور فکر انگیز مقالہ الحاج داؤد احمد مبلغ برما کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ اس میں نہایت بصیرت افروز حقائق خواجہ صاحب کی تبلیغی مساعی کے بارہ میں شائع کئے گئے ہیں اور نوجوانوں کو آپ کی زندگی کے حالات دوہرا کر اور آپکے نمونہ پر چل کر جوش و ولولہ اشاعت حق پیدا کرنے کی دعوت ہے اس کے کچھ حالات زندگی بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ادارہ کی طرف سے مضمون کی ابتدا میں یہ فقرہ بھی تحریر ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے قلب میں تبلیغ اسلام کی چنگاری حضرت مجدد صد چہار دہم نے روشن کی تھی۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کی سوانح عمری اور آپ کے انقلاب آفریں کارناموں کی داستان مکمل نہیں ہوتی جب تک اس امر پر اُن کی اپنی تحریرات سے پوری روشنی نہ ڈالی جائے۔ ان سطور میں راقم الحروف نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ آپ کے حالات کے اس پہلو کی وضاحت کی جائے کہ حضرت خواجہ صاحب کے سینہ میں اسلام کی حقانیت کے بارہ میں ایسے ولولہ انگیز عزائم اور ایسے بلند جذبات کس نے پیدا کئے؟

حضرت خواجہ صاحب خود عیسائیت کا شکار ہوتے ہوئے پھر عیسائیوں کو دعوت اسلام دینے والے کیسے بنے؟

جیسے مضمون نگار نے بیان فرمایا ہے حضرت خواجہ صاحب فارمن کرسچین کالج کے طالبعلم تھے اور یہ زمانہ اُنیسویں صدی کے آخر کا، عیسائیت کے فروغ کا بہترین دور تھا۔ خواجہ صاحب مرحوم عیسائی اساتذہ کے زیر اثر آچکے تھے اور اس کا انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ میں عیسائی ہونے کو تیار تھا کہ کسی دوست نے میری خوش قسمتی سے مجھے یہ تحریک کی کہ میں عیسائی ہونے سے قبل حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے ملاقات کروں۔ چنانچہ عیسائیت کا بپتسمہ لینے سے پہلے میں نے حضرت اقدس سے ملاقات کی تو میرا نظریہ ہی انقلاب پذیر ہو گیا جب واپس کالج میں آیا تو اساتذہ و لواد حضرات میرے اندر انقلاب کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ آپ کی تعلیم کا زمانہ اُنیسویں صدی کا آخری زمانہ رہا یعنی ۱۸۹۰ء تا ۱۸۹۸ء ہے انہی ایّام میں قادیان کی گمنام بستی سے ایک انسان نے دنیا میں یہ تہلکہ مچا رکھا تھا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور اس نے اپنے الہام سے اسلام کی حمایت اور غلبہ کا مجھے یقین دلایا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب ایک نہایت زیرک اور انسانوں کی اندرونی سرشت سے واقفیت رکھنے والے حکیم شخص تھے۔ ملاقاتوں اور حضرت اقدس کی تصنیفات کے مطالعہ سے خواجہ صاحب کے دل میں حضرت اقدس کے منجانب اللہ صادق ہونے کے متعلق کوئی ادنیٰ سا شک و شبہ نہ رہا۔ تو آپ نے حضرت اقدس کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے جماعتِ احمدیہ میں شمولیت اختیار کر لی۔

مفصلہ ذیل سطور میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور خود خواجہ صاحب کے اپنے اعترافات اور جماعت احمدیہ میں شمولیت سے یہ امر روز روشن کی مانند عیاں کیا گیا ہے کہ اگر خواجہ صاحب مرحوم حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب کی صداقت پر ایمان و یقین نہ رکھتے اور آپکے ہی طریق کار کے مطابق اپنے پروگرام کو نہ نباتے تو یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ خواجہ صاحب ان عالی و انقلابی خدمات دینِ اسلام کے قابل ہو سکتے۔ بلکہ مجھے احباب کرام کو یہ یقین دلانا ہے کہ خواجہ صاحب کی خدماتِ اسلام ان کے مرشد کی پیشگوئیوں کی تحریک سے ہی معرضِ وجود میں آئیں اور ان تمام امور کا برملا اعتراف خواجہ صاحب نے اپنی متعدد تحریروں میں کیا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب کی زندگی کے ابتدائی بیس سال ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۲ء تک جیسے میں نے عرض کیا ہے۔ حضرت اقدس کے مخلص مرید و شاگرد بن گئے بلکہ جماعت احمدیہ میں خود حضرت اقدس نے ان کو چوٹی کا مقام بخشا۔ چنانچہ ۱۹۰۲ء میں قادیان سے رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" بڑی آب و تاب سے نکلا تو خواجہ صاحب کی توجہ اپنے وکیلانہ پیشہ کی جانب نہ تھی۔ آپ پشاور میں پریکٹس کرتے تھے۔ "ریویو آف ریلیجنز" کے مضامین عمدہ و فوقیت تعلیم اسلام پر اس قدر عالی اور عمدہ اور زبردست نکلے کہ ایک دو سال میں ہی اس رسالہ کی دھاک مسلم و غیر مسلم دنیا میں بیٹھ گئی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ کلکتہ کے ایک عیسائی رسالہ نے لکھا کہ ریویو کے ایڈیٹر کوئی انگریز ہیں جن کو مرزا صاحب نے چھپا رکھا ہے اُس نے لکھا کہ یہ بات بھی حضرت مرزا صاحب کی آنحضرت صلعم کی اس کارروائی کی (نعوذ باللہ) پیروی میں ہے کہ جو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی شامی عیسائی کو خفیہ رکھ کر اس سے قرآن کریم کی تعلیم لیا کرتے اور لکھوایا کرتے تھے (العیاذ باللہ) جب کلکتہ کے رسالہ میں یہ صریح بہتان و افتراء شائع ہوا تو مجبوراً ریویو میں اس کے جواب میں یہ اعلان نکلا کہ اس رسالہ کے ایڈیٹر حضرت مولانا محمد علی صاحب اور اسسٹنٹ ایڈیٹر خواجہ کمال الدین صاحب ہیں۔ ہاں۔ کلکتہ کے رسالہ نے اپنے اتہام کا قیاس اس امر پر رکھا کہ ریویو کے مضامین کی انگریزی زباندانی ایسی سلیس و بامحاورہ انگریزی ہے جسے کوئی دیسی شخص لکھنے پر قادر نہیں۔

حضرت خواجہ صاحب مرحوم نے حضرت اقدس مرزا صاحب پر مقدمات کی پیروی کا اعزاز حاصل کیا۔

خواجہ صاحب مرحوم پریکٹس تو پشاور میں کرتے مگر آپ کا قلبی تعلق قادیان سے اسقدر غالب تھا کہ جب کبھی بھی کوئی معاندہ مخالفین حضرت اقدس پر دائر کرتے تو خواجہ صاحب

اسکی وکیلانہ پیروی کی خاطر قادیان آموجود ہوتے۔ پشاور کی پریکٹس بھی موقوف اور دیگر اخراجات بھی اس کے علاوہ خواجہ صاحب کو برداشت کرنا پڑتے۔ اب جائے غور ہے کہ ایسی والہانہ خدمت بجز عشق ومحبت کے کیسے میسر آتی ہے سبحان اللہ عظیم حضرت خواجہ صاحب نہ صرف حضرت اقدس کے مخلص مرید تھے اور احمدیہ جماعت کے اعلیٰ رکن، بلکہ وہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے ایک جاں نثار اور عاشق زار فدائی بن چکے تھے . . . . . .

مجھے اس وقت ان روئے واقعات صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کی انقلاب آفریں تحریک خدمت واشاعت اسلام آپکے مرشد وآقا حضرت مرزا صاحب کی توجہ و دعاؤں کا نتیجہ تھی اور خواجہ صاحب خود بھی یہی یقین کرتے تھے۔

سلسلہ احمدیہ کے مقدس بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو جب ۱۹۰۵ء میں اپنی وفات قریب ہونے کے پے در پے الہامات ہوئے تو آپنے ایک رسالہ بنام "الوصیت" تحریر فرمایا جس میں یہ بتلایا کہ آپ کی وفات کے بعد سلسلہ کے انتظام وکاروبار کے انصرام کی صورت کیا ہونا چاہیئے؟ ۱۹۰۶ء میں حضرت بانی سلسلہ نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی تشکیل کی یعنی چودہ اشخاص کو اس کے ممبر نامزد کر گئے۔ اور ضمیمہ الوصیت میں اس انجمن کے قواعد وضوابط خود اپنے ہاتھوں سے تحریر کئے۔ چنانچہ خواجہ صاحب مرحوم کا نام نامی ان چودہ منتخب ونامزد افراد میں آپنے خود رکھا۔

بانئے سلسلہ کی وفات سے ایک ماہ قبل کے واقعات

حضرت اقدس کو اپنی وفات کے بہت سے الہام ہو چکے تھے۔ انہی میں سے بعض کے ارشادات کی بناء پر بانی سلسلہ اپنی وفات سے ایک ماہ قبل لاہور آگئے تھے۔ پھر اقامت بھی احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ میں فرمائی کئی روز خواجہ صاحب مرحوم کے مکان "عزیز منزل" کو بھی اپنی اقامت سے عزت بخشی۔ یہاں پر جو ایک واقعہ ہوا اس کا بیان خود خواجہ صاحب کی تحریر سے پڑھیئے۔

"انہوں نے اپنے کام کے لئے وہ جگہ تجویز کی جہاں آپکے غلام خواجہ کمال الدین کا مکان ہے جس کے لئے حضرت اعلیٰ کو یہ الہام ہوا انی احافظ کل من فی الدار۔ یہ الہام میری موجودگی میں ہوا۔ حضرت کے ورود لاہور سے دوسرے یا تیسرے دن ہوا۔ . . . یہ عصر کا وقت تھا اور آپ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور میں پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ پر غنودگی طاری ہوئی کچھ دیر بعد آپ نے آنکھ کھولی اور فرمایا کہ یہ الہام ابھی ہوا ہے اور تم کو مبارک ہو تمہارے گھر کے متعلق ہے۔" ("اندرونی اختلاف سلسلہ کے اسباب" مصنفہ خواجہ کمال الدین) جو شخص چاہے خواجہ صاحب کی یہ تحریر اُن کی کتاب میں پڑھ لے۔

اس تحریر سے حضرت مرزا صاحب اور خواجہ صاحب مرحوم کے باہم تعلقات پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ خواجہ صاحب مرحوم اپنے آپ کو اپنے مرشد کا غلام اور مرشد کو منجانب اللہ خدا کا ملہم صادق تسلیم کرتے ہیں۔

اس واقعہ کے ضمن میں خواجہ صاحب مرحوم کے برادر خورد خواجہ عبدالغنی صاحب سیکرٹری مسلم مشن ووکنگ راقم الحروف سے اکثر یہ بیان کرتے کہ حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اس مکان پر پھولوں کی بارش ہوتے دیکھا ہے اور وہ یہ بھی بجا طور پر خوشی وفخر سے راقم کو بتلایا کرتے کہ کس طرح اس الہام کے مطابق پھولوں کی بارش اس مکان پر ہونے کا دل خوش کن نظارہ اہالیانِ لاہور نے اس وقت دیکھا جب لارڈ ہیڈلے اور خواجہ کمال الدین ۱۹۲۷ء میں حج کی واپسی کے بعد ہندوستان کے دورے پر لاہور تشریف لائے اور اہلِ لاہور نے نہایت گرمجوشی اور خوشی سے ان کو خوش آمدید کہا اور اس مکان پر پھولوں کی بارش کی اور پھولوں کے ہار پہنائے۔

بانی سلسلہ کی وفات مئی ۱۹۰۸ء میں لاہور احمدیہ بلڈنگس میں ہی واقع ہوئی جس کے بارہ میں آپ کو الہاماً اطلاع بھی ہو چکی تھی۔ اس کے بعد جماعت احمدیہ کے سربراہ مولانا نورالدین صاحب کو تجویز اور منظور کیا گیا۔ یہ تجویز اور اس کی منظوری میں جو سعی کی گئی وہ بھی تمامتر خواجہ کمال الدین مرحوم کا حصہ تھا۔ جیسے مضمون نگار نے تحریر فرمایا ہے ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۲ء تک خواجہ صاحب مرحوم نے ہندوستان کے شہروں بالخصوص علی گڑھ کے دورے فرمائے۔ دین اسلام کے محاسن اور تعلیم فرقان کی صداقت کو بیان کرنے کا جو موثر ودلپذیر انداز بیان خواجہ صاحب کو حاصل تھا وہ ان کا منفرد وخداداد ملکہ تھا۔ جب آپ مجمع کو مخاطب فرماتے تو کیا مجال کہ سامعین مسحور ودم بخود نہ ہوں۔ آپ ایک جادو بیاں مقرر اور مسحور کن خطیب تھے۔ آپکے کلمات دلوں کی گہرائیوں میں اتر جاتے۔ چنانچہ اسی لئے آپکے مرشد حضرت مرزا غلام احمد کو آپ کی نسبت یہ الہام ہوا "حسن بیان" ــــ آپ ایسے قادرالکلام اور مسحور کن ومدلل خطیب تھے بالخصوص دینِ اسلام کی صداقت، فرقانِ حمید کی تعلیم کے غلبہ کے مضامین پر آپ کا ثانی شاید ہی کوئی پیدا ہو۔ یہی آپ کی جادو بیانی اور مخاطبین کے قلوب کے خیالات کو بھانپ کر ان کو قریب تر لانے کی حد درد قابلیت تھی۔ جو ووکنگ مسلم مشن کی بے مثل کامیابی کی ضامن ثابت ہوئی۔

کیسے ناسازگار وناساعد حالات میں آپ نے ۱۹۱۲ء میں تن تنہا اپنے مغربی مشن کا افتتاح کیا؟ اگر میں اس واقعہ کا کچھ ذکر کردوں جو آپ کی وفات پر حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج لاہور میں زیر صدارت ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب بار ایٹ لاء صدر انجمن حمایت اسلام جنوری ۱۹۳۳ء میں منعقد ہوا اور جس میں یہ عاجز موجود تھا۔ قارئین کرام صدر صاحب کے ریمارکس سے کچھ اندازہ کر سکیں گے۔ اپنے آخری صدارتی ریمارکس میں کچھ یوں فرمایا۔

"جب خواجہ صاحب ۱۹۱۲ء میں انگلستان تشریف لے گئے تو میں اسوقت وہاں پر بیرسٹری کی تعلیم پا رہا تھا۔ میں نے جب یہ خبر سُنی کہ خواجہ صاحب بغرض تبلیغ اسلام انگلستان آئے ہیں تو میں سناٹے میں آگیا۔ تبلیغ اسلام اور انگلستان؟ میں نے اس گھبراہٹ میں اپنے دوستوں سے یہ استدعا کی کہ وہ خواجہ صاحب کے پاس جائیں۔ ان کو اس کام سے باز رکھیں کہ وہ اپنی مساعی کو مت ضائع کریں۔ یہاں دین کی طرف کون متوجہ ہوگا؟ اور پھر دینِ اسلام کی جانب؟ اگر خواجہ صاحب کا دماغ صحیح ہے تو انہیں یہ بات ماننے میں تامل نہ ہونا چاہیئے۔ ہاں! اگر دینِ اسلام کی تبلیغ کا ایسا ہی جنون خواجہ صاحب کے سر پر سوار ہے تو وہ کسی مشرقی ملک کا انتخاب کریں۔" پھر خلیفہ صاحب نے یُوں خطاب کیا۔

"اُس وقت تو میں نے ان خیالات کا اظہار کیا تھا مگر اس تعزیتی جلسہ میں مجھے اپنے غلط ہونے اور خواجہ صاحب کے صحیح ہونے کا اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کیونکہ خواجہ صاحب نے تن تنہا اس قلیل عرصہ بیس سال میں اسلام کے بارہ وہ ذہنی انقلاب پیدا کر دکھایا ہے کہ اس کی مثال تاریخ اسلام میں شاید ہی کہیں ملے۔ دُعا فرماویں کہ خواجہ صاحب کی رُوح پُرفتوح پر اللہ تعالےٰ اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرمائے۔ آمین۔"

صاحب مضمون الحاج داؤد احمد صاحب نے اس موضوع کو نہایت احسن وبرجستہ طور پر بیان فرمایا ہے۔ مجھے صرف یہ توجہ دلانا مقصود ہے کہ جب عام واعلےٰ تعلیم یافتہ مسلمان اسوقت اس قسم کے خیالات وجذبات رکھتے تھے جن کا کچھ ذکر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے کیا تو اب سوال یہ ہے ایسی مایوسی اور شکستہ ذہنیت کو خواجہ صاحب کے قلب میں کس نے تبدیل کیا؟ آخر زمین وآسمان کا یہ نمایاں فرق خواجہ صاحب کے دل میں کیسے گھر کر گیا؟ اس کا ذکر بھی خواجہ صاحب کی اپنی تحریر سے مطالعہ کیجیئے۔

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

از:۔ جناب ڈاکٹر ظفر احمد صاحب ایف آر سی ایس (لندن)

صبر و تحمل اور خدمت گذاری کا نمونہ سلمہ بھابھی

چینی قول ہے کہ درخت کی صحیح پیمائش اس وقت ممکن ہوتی ہے جب وہ گر جاتا ہے اسی طرح ایک انسان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ اسوقت ہوتا ہے جب وہ ہم میں موجود نہیں رہتا۔

کیا خبر تھی کہ ہمارے چھوٹے سے خاندان میں سلمہ بھابھی کا مسکراتا چہرہ زندگی کی بیس بہاریں بھی دیکھنے نہ پائے گا اور سب کی آنکھوں کا یہ تارا اور میرے بھائی ناصر احمد کا پیارا ساتھی، ۲۷ جنوری کی ڈھلتی ہوئی رات کو ٹوٹ کر ۲۸ جنوری کو بعد از نماز جمعہ بستی دارالسلام کی خاک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

سلمہ بھابھی حضرت شیخ نیاز احمد صاحب کی نواسی اور سیالکوٹ چھاؤنی کے ہمارے نہایت ہی محترم بزرگ شیخ برکت اللہ صاحب مرحوم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ عبادت گذاری اور مہمان نوازی کا نیک اور نہایت ہی قابلِ قدر ورثہ تو گویا وہ اپنے ساتھ لے کر آئی تھیں آج سے تقریباً بیس سال پیشتر سیالکوٹ چھاؤنی کی کھلی فضاؤں سے سلمہ بھابھی احمدیہ بلڈنگس تشریف لائیں اور نادر منزل کی پرانی عمارت کی نچلی منزل میں ازدواجی زندگی کی ابتداء کی۔ یہ چھوٹا سا گھرانہ جس کا سب سے بڑا اثاثہ خدمتِ دین تھا سلمہ بھابھی کا مسکن بنا اور انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے خدمتِ دین کی عظیم احمدی روایات کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اپنی نیکی۔ خدمت گذاری اور عبادت گذاری سے ان کو مزید پروان چڑھایا۔ ان خصوصیات کیوجہ سے جلد ہی سلمہ بھابھی عزیز و اقارب اور جماعتی حلقہ میں ہر دلعزیز ہوگئیں احمدیہ بلڈنگس میں سلمہ ناصر کا گھر مہمان نوازی کی اعلٰے روایات کا مظہر تھا۔ عام طور پر اور خصوصاً جلسہ سالانہ کے موقع پر سلمہ بھابھی جس مستعدی، خلوص اور فراخدلی سے مہمانوں کی خدمت اور تواضع کرتی تھیں وہ قابلِ رشک تھا۔ بیرونی ممالک سے آنے والے مہمانوں کی آؤ بھگت میں سلمہ بھابھی میرے بھائی ناصر احمد کے ساتھ پیش پیش رہتیں۔ مجھے اپنی ملازمت کے سلسلہ میں اکثر لاہور سے باہر رہنا پڑتا ہے۔ اس لئے مجھے اس بات کا صحیح صحیح اندازہ نہ تھا کہ بیرونی ممالک خاص طور پر ٹرینیڈاڈ، ہالینڈ اور انگلستان میں سلمہ بھابھی کتنی ہر دلعزیز تھیں اب ان کی وفات پر تعزیتی تاریں، خطوط اور ریزولیوشنز کو پڑھ کر حیران رہ گیا کہ احمدیہ بلڈنگس کے ایک فلیٹ میں رہنے والی اس سیدھی سادی خاتون نے قلیل آمدنی اور چھوٹے گھر کے باوجود مہمان نوازی اور خدمت گذاری کے ایسے عظیم اور ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں جن کی صدائے بازگشت آج بھی سمندر پار کے ممالک سے آ رہی ہے۔

سلمہ بھابھی ہر ایک کے دکھ سکھ میں ضرور شریک ہوتیں۔ جماعتی کاموں میں سلمہ بھابھی حسبِ استطاعت حصہ لیتیں اور خواتین کے اجلاسوں میں نہایت باقاعدگی سے نہ صرف خود شریک ہوتیں بلکہ احمدیہ بلڈنگس کی دوسری خواتین کو ساتھ لے کر پہنچتیں۔

جنوری ۱۹۷۸ء میں سلمہ بھابھی نے انگلستان کا سفر صرف اس لئے اختیار کیا کہ وہ اپنے جیٹھ اقبال احمد صاحب کی طویل بیماری میں ان کی دیکھ بھال کر سکیں۔ آپ نے انگلستان میں بھائی جان کی جس جانفشانی اور بے لوث طریق پر خدمت کی اس نے وہاں کے انگریزوں کو بیحد متاثر کیا اور وہ مجھ سے پوچھتے تھے کہ تارکین وطن تو اس ملک میں محض تلاش معاش کے لئے یا پھر سیر و تفریح کے لئے آتے ہیں۔ کیا پاکستان میں ایسی بھی خواتین ہیں جو اپنے عزیزوں کے علاوہ سسرال والوں کے لئے ایثار اور قربانی کرتی ہوں۔ نامساعد حالات میں وہ کبھی نہ گھبراتیں بیماری کے آخری ایام میں موت سے بے خوفی اور خدا پر بھروسہ ان کے ایمان کی عظمت کا پتہ دیتے ہیں۔ بیمار آدمی کو تو خود حوصلہ اور صحت یابی کے یقین کی ضرورت ہوتی ہے لیکن سلمہ بھابھی اپنے ارد گرد پریشان چہرے دیکھ کر خدا پر بھروسہ کی تلقین کرتیں شگفتگی اور مسکراہٹ ان کی شخصیت کی ایک اہم صفت تھی۔ جگر کی تکلیف دن بدن بڑھ رہی تھی اور اس کیوجہ سے معدہ خراب رہنے لگا۔ پانچ چھ دوائیاں بدلی گئیں لیکن معدہ کو کوئی آرام نہ آیا بلکہ تکلیف بڑھتی گئی۔ میرے بھائی ناصر احمد سخت پریشان ہو گئے۔ لیکن سلمہ بھابھی نے گھبراہٹ کے ان لمحات میں بھی شگفتگی کا دامن نہ چھوڑا اور اپنی بیٹی نگینہ کو کہنے لگیں کہ کیا تم لوگوں کو وہ شعر یاد نہیں کہ ؎ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

وسائل کی کمی نے سلمہ بھابھی میں کبھی احساس کمتری پیدا نہ ہونے دیا وہ ہر جگہ ہر محفل میں نہایت پُر وقار اور اعتماد کا مظاہرہ کرتیں۔ کردار کی یہ عظمت اور بلندی ان کے گہرے مذہبی لگاؤ اور دینی ہمت کا آئینہ دار ہے سلمہ بھابھی سیالکوٹ اور وزیرآباد کی اس معروف شیخ برادری کی بیٹی تھیں جس کا ہر فرد پرہیزگاری۔ دیانت۔ محنت۔ ایثار انسانیت اور خدمت کے قیمتی اقدار سے مالا مال ہے اور جس کے مرد اور خواتین نے اسلام اور احمدیت کی خدمت اور قربانی میں قابلِ رشک نمونے قائم کئے ہیں۔ ۲۷ جنوری کو سارا دن بارش ہوتی رہی لیکن ۲۸ جنوری جمعۃ المبارک کو بارش رک گئی اور کبھی کبھی ہلکی سی دھوپ بھی نکل آتی سینکڑوں لوگوں نے دارالسلام کی وسیع مسجد میں سلمہ بھابھی کی نماز جنازہ میں شرکت کی حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے اپنے خطبہ جمعہ میں بہت ہی موثر انداز میں اس کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو مختلف طریق پر آزمائش میں ڈالتا ہے سلمہ بھابھی کی بے وقت موت بھی یقیناً ایک کڑی آزمائش ہے۔ جمعہ کی رات کو پھر بارش ہوتی رہی لیکن صبح کو موسم پھر کافی خوشگوار ہو گیا۔ گو آسمان پر بادل ابھی تک چھائے ہوئے تھے ہوا کے خنک جھونکے خشک اور زرد پتوں کو زمین پر بکھیر رہے تھے ہم علی الصبح قبرستان فاتحہ کے لئے گئے تو مرحومہ کی قبر پر رکھے ہوئے تمام پھول اسی طرح تازہ اور خوشنما نظر آ رہے تھے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ سلمہ بھابھی نے ان گلوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگین کر لیا ہے اور ہمیشہ کیطرح پُرمسرت طریق پر ہمیں خوش آمدید کہہ رہی ہیں اور میرے دل نے گویا یہ محسوس کیا کہ وہ اپنے بچوں کو یہ پیغام دے رہی ہیں:۔ "اے میرے نہایت ہی پیارے اور بچو! تم اپنی کٹھن زندگیوں کو ان ناہموار۔ پُرخطر اور فلک بوس پہاڑوں کی مانند بنانا جو خوبصورت وادیوں اور سرسبز اور لہلہاتے کھیتوں کے لئے سرچشمہ حیات ثابت ہوتے ہیں تم اپنی پُرخلوص اور بے لوث خدمات کو ضرورتمند اور دکھی انسانیت پر اسطرح نچھاور کرنا جس طرح شام کا سکوت دن کے ہنگاموں کو سکون اور راحت بخشتا ہے۔ تم اللہ تعالٰے سے خطرات سے محفوظ رہنے کیلئے نہیں بلکہ خطرات کا بہادری سے مقابلہ کرنے کی قوت کے لئے دعا مانگنا۔ اپنے دل کے درد کے سکون کے لئے نہیں بلکہ اسے برداشت کرنے کے لئے حوصلہ کی دعا مانگنا۔ زندگی

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

کلام الامام

حُسن و خُلق و دِلبری بر تو تمام

اے خدا اے چارۂ آزارِ ما — اے علاج گریہ ہائے زارِ ما
اے خدا۔ اے ہمارے دُکھوں کی دوا۔ — اور اے ہماری گریہ و زاری کا علاج
اے تو مرہم بخشِ جانِ ریشِ ما — اے تو دلدارِ دلِ غم کیشِ ما
تُو ہماری زخمی جان پر مرہم رکھنے والا ہے — اور تو ہمارے غم زدہ دل کی دلداری کرنے والا ہے
از کرم برداشتی ہر بارِ ما — وز تو از بار و بر اشجارِ ما
تُو نے اپنی مہربانی سے ہمارے سب بوجھ اُٹھا لئے ہیں — اور ہمارے درختوں پر میوہ اور پھل تیرے فضل سے ہے
حافظ و ستّاری از جود و کرم — بے کساں را یاری از لطفِ اتم
تُو ہی مہربانی اور عنایت سے ہمارا محافظ اور پردہ پوش ہے — اور کمال مہربانی سے بےکسوں کا ہمدرد ہے
بندۂ درماندہ باشد دل تپاں — ناگہاں درماں برآری از میاں
جب بندہ مغموم اور درماندہ ہو جاتا ہے — تو تُو فوراً وہیں سے اُس کا علاج پیدا کر دیتا ہے
عاجزے را ظلمتے گیرد براہ! — ناگہاں آری بروصد مہر و ماہ
جب کسی عاجز کو رستے میں اندھیرا گھیر لیتا ہے — تو یکدم اس کے لئے سینکڑوں سورج اور چاند پیدا کر دیتا ہے
حُسن و خُلق و دلبری بر تو تمام — صحبتے بعد از لقائے تو حرام
حُسنِ اخلاق اور دلبری تجھ پر ختم ہیں — تیری ملاقات کے بعد پھر کسی سے تعلق رکھنا حرام ہے
آں خردمندیکہ او دیوانہ است — شمع بزم است آنکہ او پروانہ است
وہ عقلمند ہے جو تیرا دیوانہ ہے — اور وہ شمعِ بزم ہے جو تیرا پروانہ ہے۔
ہر کہ عشقت در دل و جانش فتد — ناگہاں جانے در ایمانش فتد
ہر وہ شخص جس کے جان و دل میں تیرا عشق داخل ہو جائے — تو اس کے ایمان میں فوراً جان پڑ جاتی ہے
عشقِ تو گردد عیاں بر روئے او — بُوئے تو آید ز بام و کُوئے او
تیرا عشق اُس کے چہرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے — اور اس کے مکان اور کوچہ سے تیری خوشبو آتی ہے
صد ہزاراں نعمتش بخشی ز جود — مہر و مہ را پیششں آری در سجود
تو اس کو اپنے کرم سے لاکھوں نعمتیں بخشتا ہے۔ — سورج اور چاند کو اس کے سامنے سجدہ کرواتا ہے
خود کُنی و خود کنانی کار را — خود دہی رونق تو آں بازار را
تُو آپ ہی کام کرتا ہے اور آپ ہی کرواتا ہے — اور آپ ہی اس بازار کو رونق دیتا ہے
خاک را در یکدمے چیزے کُنی — کز ظہورش خلق گیرد روشنی
مٹی کو تو یکدم ایک قیمتی چیز بنا دیتا ہے — تاکہ اس کے ظہور سے مخلوقات روشنی حاصل کرے
بر کسے چوں مہربانی مے کُنی — از زمینی آسمانی مے کنی
جب تُو کسی پر مہربانی کرتا ہے — تو اُسے زمینی سے آسمانی بنا دیتا ہے
صد شعاعش میدہی چو آفتاب — تا نماند طالبِ دیں در حجاب
اس کو آفتاب کی مانند سینکڑوں شعاعیں بخشتا ہے — تاکہ متلاشیٔ دین اندھیرے میں نہ رہے۔
تا زِ تاریکی برآید عالمے — تا نشاں یابند از کویت ہمے
تاکہ ایک عالم اندھیرے سے نکل آئے — تاکہ لوگ تیرے کُوچے کا پتہ لگا لیں

———— * * * ————

جالینوس کے قلم سے

اسلام کے پیغام میں حقوقِ انسانی کا تحفظ

تہذیب اور تمدن کے عروج کے زمانہ میں حقوقِ انسانی کی بات کرنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ اس دور میں تھا جب کہ تہذیب پر جہالت، گمراہی اور کبر و غرور کی گرد جم گئی تھی۔ جب وہ زندہ اور مردہ کی پہچان ہی عنقا ہو گئی تھی۔ لوگ زندہ خدا کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے پتھر کے بتوں کو اپنا خدا اور اپنا مشکل کشا اور روزی رساں یقین کرتے تھے۔ عورت کی کوکھ سے جنم لینے والا انسان اس درجہ درندہ ہو چکا تھا کہ وہ عورت ذات کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتا تھا۔ قبائل و شعوب اور رنگ و نسل کا عفریت اپنے پھن پھیلائے انسانیت کو نگل جانے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ نیکی اور تقوٰی کا درس سننے کے لئے کان تیار نہ تھے صداقت اور حقانیت کو دیکھ کر اُسے تسلیم کرنے سے آنکھیں انکاری تھیں اور عقول و قلوب اس قدر زنگ آلود ہو چکے تھے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے پیغام کو آمنّا و صدّقنا کہنا تو دور کی بات ہے اس کے صدق و کذب میں تمیز کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہ پاتے تھے اور تقلید کا یہ عالم تھا کہ آباؤ اجداد کی غلط روشوں کو اندھا دھند تسلیم کرتے چلے جا رہے تھے اس اندھیری اور ظلمات سے بھرپور رات میں چودھویں رات کے چاند کی مانند خدا کا پیغام نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پہلے سارے عرب کو اس نور سے منور کر دیا اور اس کے بعد وہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں دنیا کے کناروں تک پھیل گیا۔ لوگ ایسے بھی تھے جو دلیل نہ مانگتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"، اور کچھ ایسے بھی تھے کہ پیغام کی صداقت کو دل سے تسلیم کرتے مگر اس کا ساتھ دینے کے لئے اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے سے گریزاں تھے۔

اسلام کے اس عالمگیر پیغام میں "انسانی حقوق کے تحفظ" کے وہ تمام سامان اور ہدایات موجود ہیں جن کو ڈھونڈنے کے لئے آج کا مہذب انسان دَر دَر کی اور کوچہ کوچہ کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ کاش وہ عصبیت اور عداوت کی پٹی اپنی آنکھوں سے اتار کر خدا تعالیٰ کے پاک کلام "قرآن مجید" میں ان تمام ہدایات کو غائر نظر سے دیکھے جو خدا تعالیٰ نے آج سے چودہ صدیاں قبل ہی ہدایت اور رہنمائی کے لئے نازل فرما دی تھیں۔

اس موضوع پر قلم اٹھانا دراصل کسی بڑے عالم قرآن کا کام ہے۔ مجھ جیسا کم علم انسان اس پر تفصیل سے روشنی نہ ڈال سکے گا۔ تاہم اس ذکر سے ایک سامانِ دعوت فراہم کر رہا ہوں بہت ممکن ہے کہ اصحاب بصیرت اپنی فرصت کے لمحات میں اس پر غور کریں اور جو ہدایات ایک انسان کی جان، عزت اور مال کے تحفظ کے لئے قرآن مجید میں دی گئی ہیں۔ اس سے عالم کو روشناس کرانے کے لئے کمر ہمت باندھیں کہ اس دسترخوان سے جو بھی کھائے گا وہ نہ صرف سیر ہو گا بلکہ اس جذب روحانیت سے اس کی دنیا اور آخرت سپھل ہو جائے گی۔

سب سے پہلے میں اس اعلانِ عام کا ذکر کرتا ہوں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے دسویں سال ۹ ذی الحجہ کو مقام عرفات پر بیان فرمایا۔ اس فرمان پر جس قدر غور کیا جائے وہ کم ہے۔ ساری انسانیت کا محسنِ اعظمؐ کس طرح ابنِ آدم کے حقوق کا تحفظ اور اُس کے طریقے بیان فرماتا ہے۔ آپ نے فرمایا:-

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک دُوسرے کے خون، ایک دوسرے کے اموال، ایک دوسرے کی عزتیں حرام کی ہیں آج کے دن کی تقدیس کی طرح، اس مہینے کی عظمت کی طرح۔ اس بلد الامین کی پاکیزگی کی طرح، پس آج کے دن تم امانتیں ادا کرو۔ اسکو جو اس کا حقدار ہے۔ اے لوگو! تمہارا باپ ایک تھا اور تمہارا پروردگار بھی ایک ہے۔ تم سب آدم کی نسل سے ہو اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا کسی عربی کو غیر عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے تقوٰی کی وجہ سے۔"

یہ تھا تمام دنیا کو ایک اخوت اور محبت کے رشتہ میں منسلک کر دینے والا پیغام آسمانی جس سے تمام نوع کے اختلافات اور تفرقوں کی تمیز کو یکدفعہ فراموش اور ختم کر کے ایک بندھن میں باندھنے کے سامان کئے گئے تھے۔

اسلام نے صرف دعوٰی ہی نہیں کیا کہ ہم تمام بنی آدم ایک ہی نسل سے ہیں اور بھائی بھائی ہیں بلکہ اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک ایسا ضابطۂ حیات قرآن مجید کی شکل میں بطور صحیفۂ آسمانی کے ہمارے سامنے رکھا جس میں اس راستہ پر چلنے کے لئے تمام ہدایات بدرجہ اتم موجود ہیں اور اس صحیفے کو ایک کامل اور مکمل اور آخری پیغام خداوندی کا نام دیا اور فرمایا:-

"آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور تمہارا دین اسلام ہونے پر میں راضی ہوا۔" (المائدہ - ۳)

آیئے ذرا بعض آیات قرآنی پر نظر ڈالیں جن سے آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل پیش کئے گئے تحفظ حقوق انسانی کے بین الاقوامی اعلان کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔

۱۔ شرافت ہی معیارِ عزت ہے۔

قرآن کریم کی زبان میں شریف انسانوں۔ باکردار اور خوش خصال افراد کے لئے "صاحب تقوٰی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور تمام اُونچ نیچ اور چھوٹے بڑے کی تمیز اور پرکھ کا معیار تقوٰی کو قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا ہے۔

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دُوسرے کو پہچانو (اور یاد رکھو) تم میں سے (خدا کی نظر میں) عزت والا وہی ہے جو پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔" (الحجرات - ۱۳)

اور ایک انسان کی کرامت اور عزت کا اس قدر پاس کیا ہے کہ فرمایا

"اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بہت باعزت بنایا ہے۔" ولقد کرمنا بنی آدم

اس سے واضح ہے کہ بنی آدم میں سے ہر کوئی جو تقوٰی اختیار کرے وہ کرامت اور عزت کا مقام پا سکتا ہے۔

۲۔ علم اور پاکیزگی مقصد انسانیت ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے۔ کہ انسان دو چیزوں سے بلند شمار کیا جا سکتا ہے یا اُسے ان چیزوں کی وجہ سے بلندیوں کو چھونے کے مواقع میسر آ سکتے ہیں اور وہ دو چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ ایمان اور اعمال صالحہ یا ۲۔ حصول علم

اور رحمت للعالمین کی بعثت کا مقصد بھی یہی بیان کیا ہے۔ وہ فرماتا ہے:۔

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں پر احسان کیا ہے جب ان میں اُنہی میں سے رسول مبعوث فرمایا تاکہ وہ ان پر اس کی آیات کو پڑھے اور ان کو پاکیزگی کا سبق دے اور کتاب اور حکمت کے علوم سے آشنا کرائے۔ جب کہ وہ پہلے واضح گمراہی میں بھٹک رہے تھے۔" (آل عمران - ۱۶۴)

اسی مضمون کو دوسری جگہ فرمایا:۔

"جس طرح ہم نے تم میں سے ہی تمہارے پاس رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیات پڑھتا ہے اور تم کو پاکیزگی عطا کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کا علم دیتا ہے اور تم کو وہ کچھ سکھلاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔" (البقرۃ - ۱۵۱)

اس ضمن میں حضرت ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام اور ان کے "اپنے باپ کے رنگ میں رنگین" بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دُعا کا ذکر بھی قرآن کریم میں کیا گیا ہے جو مسلمان کہلانے والے ہر باپ اور بیٹے کے لئے ایک درس ہے۔ دونوں باپ بیٹے یوں دُعا فرماتے ہیں۔

"اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا۔ اور ہماری نسل میں سے ایک فرمانبردار قوم پیدا کر اور ہمیں ہماری قربانیوں کا پھل دکھا۔ اور ہماری توبہ قبول فرما کہ تو تواب رحیم ہے۔ اے ہمارے رب پھر ان میں انہی میں سے ایسا رسول پیدا فرما جو ان پر تیری آیات پڑھے اور انہیں کتاب کا اور دانائی کا علم دے اور انہیں پاکیزگی بخشے یقیناً تو عزیز و حکیم ہے۔" (البقرۃ ۱۲۸ - ۱۲۹)

۳ - سربراہ کا معلمِ اخلاق و فاضلہ ہونا۔

حدیث شریف میں سربراہوں کے لئے ایک بندھا ہوا اصول بیان کیا گیا ہے جس سے سربراہ کی ذمہ داری معلوم ہوتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"تم میں سے ہر کوئی راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کے متعلق جواب دہ ہوگا۔"

اگر قوم کا سربراہ قوم کے اعمال اور افعال کا جواب دہ ہے تو استاد اپنے شاگردوں کا۔ باپ اپنی اولاد کا۔ راجہ اپنی پرجا کا۔ اور کمانڈر اپنی فوج کا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس ذمہ داری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"انما بعثت معلما"

میں معلم اور مدرس کر کے مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور فرمایا کہ "میں اخلاق کی بلندیوں پر انسان کو پہنچانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں" "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق"

اور کسی قوم میں کیا عجیب مثل مشہور ہے کہ معاشرہ مچھلی کی مانند ہے اور جب اس میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو پہلے اس کا سر بدبودار ہوتا ہے۔ اور عربی میں تو ایک کہاوت بن گئی ہے کہ "لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں"۔ جیسا راجہ ویسی پرجا۔

۴ - انسانی جان کا قتل حرام ہے۔

اسلام میں جہاں دُوسرے کا قتل ممنوع قرار دیا گیا ہے وہاں اپنی جان پر بھی ایک انسان کی ملکیت کا تصور ختم کیا ہے کہ جہاں تم دُوسروں کو قتل نہیں کر سکتے وہاں خودکشی یعنی اپنے آپ کو قتل کرنا بھی حرام ہے۔

ا:۔ دُوسرے کو قتل کرنا

اگر قرآن کریم کے اس حکم پر عمل ہو تو انسانیت جن ہیبت ناک جرائم میں آج گرفتار ہے اُن سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ فرمایا:۔

"مت قتل کرو کسی دوسری جان کو جس کو خدا تعالےٰ نے حرام قرار دیا ہے سوائے حق کے رستہ میں" (بنی اسرائیل - ۳۳)

حدیث شریف میں آتا ہے:۔

"انسان اس کے رب کی عمارت ہے لعنتی ہے وہ جو اُسے گراتا ہے۔"

ب:۔ خودکشی کرنا:

قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

"اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالےٰ تم پر بہت رحم کرنیوالا ہے۔" (النساء ۲۹)

نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

"جو کوئی پہاڑ پر سے اپنے آپ کو گراتا ہے پس اُس نے اپنے آپ کو قتل کیا اور وہ جہنم میں جائیگا اور جس نے زہر پی لیا اور پھر مر گیا تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور سدا کے لئے وہ دوزخ میں رہے گا۔"

۵:۔ رزق کا حلال اور طیّب ہونا ضروری ہے:۔

آج دُنیا میں دولت کی چھینا جھپٹی کا دور دورہ ہے۔ ہر کوئی جائز اور ناجائز ذرائع سے دُوسرے کی دولت پر قبضہ کرنے کی کوشش میں ہے۔ یا ایسے ذرائع اختیار کرتا ہے جن سے وہ دولت مند ہو جائے۔ خواہ وہ ذرائع غلط ہوں مگر اسلام نے ہر دُوسرے انسان کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ اور رزق کو حاصل کرنے کے لئے سب کے لئے دروازے کھلے رکھے ہیں۔ اور راستے متعین کئے ہیں۔ مگر شرط یہی رکھی ہے کہ اگر تباہی اور بربادی کے راستہ سے بچنا چاہتے ہو تو جائز راہوں سے حلال اور طیب رزق پیدا کرو۔ فرمایا:

وآتو البیوت من ابوابھا۔ گھروں میں دروازوں کے رستہ سے آؤ۔ نیز فرمایا:۔

"وہی ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرمانبردار بنایا پس اس کی اطراف میں چلو پھرو اور اس کے رزق سے کھاؤ پیو اور اس کی طرف ہی جاؤ گے۔"

(الملک ۱۵)

دُنیا کی تمام نعماء کو جائز طریق سے جمع رکھنا اور اُن سے فائدہ اٹھانا ایک انسان کے لئے جائز قرار دیا ہے شرط صرف یہ ہے کہ ظلم اور تعدی۔ زیادتی اور جور کا راستہ اختیار نہ کیا جائے۔ فرمایا:۔

"اے لوگو! جو کچھ بھی زمین میں ہے اس میں سے حلال اور طیّب کو کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔" (البقرۃ - ۱۶۸)

اعلےٰ قسم کا لباس زیب تن کرنا۔ خوش پوشاک ہونا۔ صاف ستھرا رہنا اور اپنے جسم کو پُرکشش بنانا یہ سب کچھ اگر خدا تعالےٰ کے حلال اور طیّب رزق سے ہو تو اس کی قطعاً مخالفت نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"اے بنی آدم مسجدوں کے پاس اپنی زیب و زینت کا ضرور خیال رکھا کرو۔"

(الاعراف ۳۱)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کا ایک قول ملاحظہ فرمایئے آپ فرماتے ہیں:۔

"یقیناً اللہ تعالےٰ خود خوبصورت ہے اور خوبصورتی سے محبت کرتا ہے اور وہ خود پاک صاف ہے اس لئے نظافت کو بہت پسند کرتا ہے۔"

۶ - اسلام میں حقوقِ ملکیت کا جواز

اگر انسان جائز ذرائع سے کماتا ہے اور خُدا تعالےٰ کے بیان فرمودہ ذرائع پر اپنی حسب استطاعت خرچ بھی کرتا ہے تو ایسے مال اور جائیداد کو جمع کرنے کے اسلام خلاف نہیں ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس کے حکم سے جمع کرے اور اس کے حکم سے خرچ کرے نہ غلط

راہوں سے کمائے نہ غلط راہوں پر گنوائے۔ ایک حدیث درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

"ایک شخص حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! اگر ایک شخص مجھ سے میرا مال چھینتا ہے تو کیا کروں۔ آپ نے فرمایا تو اپنا مال اس کو ہرگز نہ دے۔ اس نے عرض کی اگر وہ لڑائی پر آمادہ ہو جائے تو کیا کروں آپ نے فرمایا اس سے لڑائی کر۔ اس نے عرض کی اگر وہ مجھے قتل کر ڈالے تو آپ نے فرمایا تو جنت میں جائے گا اس نے عرض کی اگر میں اسے اس حالت میں قتل کر دوں تو آپ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا۔"

۷۔ علوم ارضی و سماوی میں تحقیق

علم کے حصول کے لئے اسلام نے یہ ہدایت دی ہے کہ ایک مومن کو علم کے حصول میں مقدرت سے بڑھ چڑھ کر کوشش کرنی چاہیئے۔ س لئے اُسے عقل و شعور بخشا ہے۔ چھے بُرے کی تمیز کا ملکہ عطا کیا ہے۔ اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اور بار بار فرمایا ہے کہ زمین و آسمان میں تدبر و فکر کر دیہ بہت وسیع میدان ہے۔ اور دنیا میں سفر کر کے عبرت کے سامان ڈھونڈو اور خدا کی رضامندی اور ناراضگی کے نشانات ملاحظہ کرو۔ آسمان کی بلندیوں اور سمندر کی پہنائیوں کا ذکر کر کے انسان کو اس کی چھان بین کرنے کا بار بار سبق دیا ہے۔ فرمایا:۔

"اور اس نے مسخر کیا ہے تمہارے لئے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان میں جو کچھ بھی ہے سب کے سب کو۔" (الجاثیہ۔ ۱۳)

۸۔ رحم کو ناشانِ انسانیت ہے۔

خدا تعالےٰ کی صفت رحمانیت اور رحیمیت کا تذکرہ متعدد مرتبہ قرآن کریم میں کیا گیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ فرمایا ہے۔

"اور ہم نے تجھ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے رحم کا سبق ہر موقعہ پر اپنے ماننے والوں کو دیا ہے۔ آج دُنیا میں حقوق انسانی کے سلب ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ایک انسان دُوسرے انسان کے خون کا پیاسا ہے اور رحم اور عفو و درگذر کا مادہ مفقود ہو چکا ہے۔ اگر قرآن کریم کے بیان کردہ اس اصول کو مدنظر رکھ لیا جائے تو انسانیت کا تحفظ ممکن ہے حضور صلعم نے ایک فقرہ میں اسے یُوں بیان فرمایا ہے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ فرمایا:۔

"جو زمین والوں پر رحم نہیں کرتا آسمان والا بھی اُس پر رحم نہیں کرے گا۔" نیز فرمایا

"صرف بدبخت سے ہی خدائی رحمت سلب کیا جاتا ہے۔"

قرآن کریم میں بیان کردہ حقوق انسانی کے تحفظ کا مضمون بہت طویل ہے۔ مندرجہ بالا امور پر ہی غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام میں انسان کو کس قدر احترام۔ کس قدر عزّت کس درجہ برتری۔ حفاظت اور کرامت عطا کی گئی ہے۔ اگر انہی چند امور پر عمل ہو جائے تو دنیا سے جنگ و جدل اور فتنہ پردازیوں کے بادل چھٹ کر رحمت کا مینہ برس سکتا ہے۔

——— *** ———

* فرمانِ الٰہی

"اور جو تمہیں السّلامُ علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔"

"اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

* فرمانِ رسولؐ

"تم میں بہتر وُہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔"

بقیہ صبر و تحمل اور خدمت گذاری کا نمونہ (آمدہ ص ۸)

میں خدا کے سوا کسی مددگار پر نہیں بلکہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے کی قوت کے لئے دعا مانگنا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اپنی کامیابی میں ہی محسوس نہ کرنا بلکہ اپنی ناکامی اور محرومی میں بھی اسی کی رضا چاہنا۔ میری تم سے جُدائی محض جسمانی ہے تمہاری کامیابی کا ہر قدم میری روح کو مسرت بخشے گا۔

خدا کرے کہ ہم سلمہ سجا بھی کی طرح زندگی کے نشیب و فراز میں خدا پر بھروسہ کرنے کو اپنا شعار بنائیں اور لوگوں کی خدمت کو اپنا نصب العین بنائیں۔ اے خُدا تو مرحوم پر اپنی رحمتیں نازل فرما اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما۔ آمین!

بقیہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحبؒ کی تبلیغ ... (آمدہ ص ۵)

ووکنگ مسلم مشن آسمانی احمدیہ تحریک کی ایک بازگشت

اس میں شک نہیں کہ کسی تحریک کی کامیابی میں اس کے بانی کی اعلےٰ قابلیتوں و صلاحیتوں کو کافی دخل ہوتا ہے مگر قرآن کریم نے ہمیں یہ بتلایا ہے کہ جو تحریک بالخصوص مطلقاً دین اسلام کے احیاء کی ہو وہ بجز خدا تعالےٰ کے خاص فضل و تائید کے کامیاب نہیں ہوتی وما اصابك من حسنة فمن الله۔ اور یہ مغربی ممالک میں اسلام کی تحریک کا تمام تر انحصار خُدائی منشاء کے مطابق ہوا۔ چنانچہ یہ محض ذوقی بات نہیں بلکہ مفصلہ ذیل واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ کی تو بلند بانگ ندا ابتداء سے ہی یہی تھی کہ آپکی خدائی بعثت کا مقصد اس زمانہ میں احیائے دین اور ترقی دینِ اسلام کے بجز اور کچھ نہیں۔ چنانچہ آپ کا یہ الہام بھی ہے:۔

"یحیی الدین ویقیم الشریعة"

دین کا احیاء اور شریعت اسلام کا مقام ——— پھر یہ الہام بھی متعدد بار ہوا جو فرقانی آیت کی بازگشت ہے۔ ھوالذی ارسل رسوله بالھدی ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ خدا کا دستارہ دین حنفہ اسلامیہ کو دیگر تمام ادیان پر غالب کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ نیز ایک طویل بیان میں حضرت مرزا صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر آپ کی تحریک سے دینِ اسلام، فرقانِ حمید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و عظمت و عزت قائم نہیں ہوتی تو آپ کا یہ سارا کاروبار عبث، ضائع اور مردود ہے۔ اب قابل غور بات ہے کہ خواجہ صاحبؒ نے اپنی جس تحریک مغرب میں اشاعتِ اسلام کا بیڑا ایسے ناممکن حالات میں اُٹھایا تھا یہ کوئی اتفاقی بات نہ تھی کہ خواجہ صاحب کے دل میں موجزن ہو گئی اور آپ کی مساعی حسنہ سے پروان چڑھ گئی۔

——— *** ———

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۲ مارچ ۱۹۸۳ء ——— جلد ۷۰ شمارہ ۹

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں
وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اَور کا وقت
مَیں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۳۷۳۷

مدیرِ اعزازی
پروفیسر خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید ۔ وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردیگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۔ پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے ۔ ایک پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد: ۷۰ * یوم چہار شنبہ ۲۳ جمادی الاول ۱۴۰۳ھ بمطابق ۹ مارچ ۱۹۸۳ء * شمارہ: ۱۰

ارشاداتِ حضرت مجددِ صد چہار دہم

اللہ تعالےٰ نے مجھے بھیجا ہے اور وہ عنقریب میری مدد کریگا

اور خدا تعالیٰ کی عادت اس کے اولیاء اور برگزیدوں میں اس طرح پر جاری ہوتی ہے کہ وہ اپنے ابتداء امر میں دُکھ دیئے جاتے ہیں۔ اوباش آدمی اُن پر مسلط کئے جاتے ہیں پس وہ اوباش ان کو گالیاں دیتے ہیں اور بد زبانی کرتے ہیں اور ٹھٹھا کرتے ہوئے کافر ٹھہراتے ہیں اور افتراء کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور طرح طرح کی باتیں اُن کے حق میں کہتے ہیں اور اُن کے بعض بعض کو طرح طرح کے مکروں اور تدبیروں سے اکساتے ہیں اور جھوٹ اور فریب سے کوئی چیز بھی اُٹھا نہیں رکھتے اور جرأت کے ساتھ افتراء کرتے ہیں۔ اور ارادہ کرتے ہیں کہ اُن کے نور کو بجھا دیں اور اُن کے گھروں کو خراب کر دیں اور ان کے درختوں کو جلا دیں اور اُن کے پھلوں کو ضائع کر دیں اور اسی طرح ایک دوسرے کی پشت پناہ ہو کر کرتے ہیں اور ارادہ کرتے ہیں کہ ان کو اپنے پیروں کے نیچے کچل دیں اور تلوار کے ساتھ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور سب ذلیلوں سے زیادہ ذلیل کریں۔ پس جس وقت توہین اور ایذاء کا امر کمال کو پہنچ گیا اور جو ابتلاء خدا کے ارادہ میں تھا وہ ہو چکا پس اُس وقت خدا تعالےٰ کی غیرت اس کے دوستوں کے لئے جوش مارتی ہے اور خدا اُن کی طرف دیکھتا ہے اور ان کو مظلوم پاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ ظلم کئے گئے اور گالیاں دیئے گئے۔ اور ناحق کافر ٹھہرائے گئے اور ظالموں کے ہاتھ سے دُکھ دیئے گئے پس وہ کھڑا ہوتا ہے تاکہ اُن کے لئے اپنی سنت پُوری کرے اور اپنی رحمت کو دکھلائے اور اپنے نیک بندوں کی مدد کرے پس اُن کے دلوں میں ڈالتا ہے تاکہ پورے طور پر خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوں اور صبح و شام اس کی جناب میں تضرع کریں اور اس طرح اس کی سنت اُس کے مقربین کیلئے جاری ہے۔ پس آخر کار دولت اور مدد اُن کے لئے ہوتی ہے اور خدا تعالےٰ اُن کے دشمنوں کو شیروں اور پلنگوں کی غذا کر دیتا ہے اور اسی طرح مخلصوں میں سنت اللہ جاری ہے وہ ضائع نہیں کئے جاتے اور برکت دیئے جاتے ہیں اور حقیر نہیں کئے جاتے اور بزرگ کئے جاتے ہیں اور تعریف کئے جاتے ہیں۔ اور بدگوئی نہیں کئے جاتے اور لوگ ان کی طرف دوڑتے ہیں اور چھوڑے نہیں جاتے۔ آگ میں داخل کئے جاتے ہیں مگر نہ ہلاک کرنے کے لئے۔ اور دریا میں داخل کئے جاتے ہیں مگر نہ ہلاک کرنے کے لئے بلکہ ابتلاء کے وقت خدا ان کے نوروں کو ظاہر فرماتا ہے۔ پھر اُن کے دشمنوں کو قسما قسم کی رُسوائی سے ہلاک کرتا ہے۔ پس ایک ساعت میں اس تمام عمارت کو تباہ کر دیتا ہے جو ایک دن میں بنائی گئی تھی۔ پس دشمنوں کے قولوں سے ان کو بری کرتا ہے اور اُن کے بہتانوں سے ان کو منزہ کرتا ہے اور ان کے لئے وہ کام کرتا ہے کہ ان کے دیکھنے سے خلقت حیران رہ جاتی ہے اور وہ امور نازل کرتا ہے جن کی ہیبت سے دل کانپ جاتے ہیں اور ہر ایک امر ہیبت ناک حملہ کے ساتھ ظاہر فرماتا ہے اور دشمنوں کے کاروبار کو بالکل اُلٹا دیتا ہے اور ظالموں کو دکھلاتا ہے کہ وہ جھوٹے تھے اور متواتر تائیدوں کے ساتھ اور پے در پے امدادوں کے ساتھ مدد کرتا ہے۔ اور بلیّات پر اپنی تلوار کھینچتا ہے پس جانو کہ اس نے فساد زمانہ کے وقت مجھے بھیجا ہے۔ اور وہی اس گھر کا مالک ہے اور وہ عنقریب میری مدد کریگا اور شریروں کی تہمتوں سے مجھے بری کر دے گا۔

(حجۃ اللہ)

* * * *

درسِ قرآن پر ایک سوال

جناب محمد اسلم رانا صاحب "مرکز تحقیق مسیحیت"، شاہدرہ (لاہور) نے مندرجہ ذیل تحریر ہمیں لکھ کر بھیجی ہے جو مع جواب شائع کی جاتی ہے۔

"میاں نصیر احمد فاروقی کے درس قرآن کا "پیغام صلح" میں باقاعدگی کے ساتھ چھپنا قرآنی علوم کے طلبہ کے لئے روح افزا ہے۔ اس درس کی ۱۸ ویں قسط پیغام صلح کے شمارہ بابت ۱۹۔ ۲۶ جنوری ۸۳ء میں چھپی ہے۔ موصوف سورۃ لبقرہ کی ۲۴ ویں آیت میں مذکور جہنم کی آگ میں جلنے والے پتھروں کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:۔

"یہ پتھر اس آگ میں کیوں ہوں گے؟ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ مشرکین عرب کے بُت ہوں گے تو بُتوں کا کیا قصور۔ اگر انسانوں نے انھیں گھڑ کر پوجنا شروع کر دیا؟ یا بُت اگلے جہان میں کہاں ہونگے؟ اور بہرحال فتح مکہ کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے سب بُت توڑ کر چکنا چُور کر دیئے تھے اس لئے یہ معنی غلط ہیں۔"

اس ضمن میں گذارش ہے کہ مفسرین کا ان پتھروں سے عرب اور دیگر اقوام کے بُت مُراد لینا بھی درست ہے کیونکہ جب مشرکین کے ساتھ جہنم کی آگ میں اُن کے معبود بھی جلیں گے تو ان معبودوں کی ذلالت اور بے وقعتی اور انبیاء کرام کی تعلیم کی عملی تشریح دیکھنا بھی اُن کے لئے سوہان رُوح اور ذہنی اذیت کا باعث اور یُوں ایک گونہ عذاب ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ "یہ بُت اگلے جہان میں کہاں ہوں گے"، "وہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن "توڑ کر چکنا چُور کر دیئے تھے"۔ تو جو قادر خُدا تعالےٰ قیامت کے دن انسانوں کی چورا اور مٹی ہڈیوں سے پھر انہیں زندہ کھڑا کر دینے کی طاقت رکھتا ہے اس کے لئے "چکنا چور" پتھروں کے ٹکڑے جوڑ کر سوال وجواب اور عذاب کے لئے بُتوں کو پھر سے بنا سنوار دینا اس کے حضور کیا مشکل ہے؟ اور قیامت کے دن ایسا ہونے کا بیان کلام حکیم میں صاف اور واشگاف الفاظ میں مذکور ہے۔ سورۃ الفرقان میں فرمان خداوندی ہے۔ ویوم یحشرھم وما یعبدون من دون اللہ (مکمل کالمہ کے لئے دیکھیں سورۃ الفرقان آیات ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹) "اور جس دن وہ انہیں اکٹھا کریگا اور ان کو بھی جس کی وہ اللہ کے سوائے بندگی کرتے ہیں"۔

اُمید ہے کہ یہ چند سطور پیغام صلح کی وساطت سے قارئین کرام تک پہنچ جائیں گی اور وہ صحیح صورتِ حال سے واقف ہو سکیں گے۔"

جواب منجانب نصیر احمد فاروقی

محترم جناب محمد اسلم رانا صاحب کے تبصرہ نے مندرجہ ذیل باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے:۔

(۱) آیات ۲۳ و ۲۴ (سورۃ لبقرہ) میں قرآن کریم کے بارہ میں شک کرنے والوں کو یہ چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر قرآن کریم اللہ تعالےٰ کا نازل شدہ نہیں بلکہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم نے خود گھڑ کر اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کیا ہے (یعنے یہ انسانی کلام ہے) تو تم بھی تو انسان ہو بلکہ دنیاوی علوم میں بہت بڑھ چڑھ کر ہو تم بھی اس جیسی ایک سُورت ہی گھڑ کر لے آؤ۔ چاہے اس کے لئے تمام دُنیا کے مددگاروں کو بلا لو۔" پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور تم نہ کر سکو گے تو اس آگ سے اپنا بچاؤ کر لو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔"

اب یہاں صاف ذکر ان لوگوں کا ہے جو قرآن کریم کو منجانب اللہ نہیں مانتے بُت پرست مشرکوں کا نہیں۔

(۲) پھر بھی اس کی تفسیر کرنی کہ وہ مشرکوں کے بُت ہوں گے جو جہنم میں ڈالے جائیں گے اس میں نقص یہ ہے کہ بے جان پتھروں کا کیا قصور ہے اگر انہیں انسان نے گھڑ کر پوجنا شروع کر دیا؟ بلاقصور اُن پتھروں کو آگ میں ڈالنا جس کا یہاں بطور سزا ذکر ہے میرے دل کو تو صحیح تفسیر نہیں معلوم دیتی۔

(۳) اوّل مخاطب اہل عرب تھے اور ان کے پتھر کے بُتوں کو تو رسول اللہ صلعم نے فتح مکہ کے وقت توڑ کر چکنا چور کر دیا تھا۔ یہ کہنا کہ وہ دُوسرے مشرکوں کے بُت ہونگے اور مشرکین عرب کے لئے بطور سوہان روح واذیت اُن کے ساتھ آگ میں ڈالے جائیں گے، اُن مشرکین عرب کے لئے کیسے سوہان رُوح ہو سکتے ہیں؟ بلکہ وہ تو یہ فخر کر سکیں گے کہ ہمارے دیوتا اچھے تھے جو اس آگ سے بچ گئے۔ دوسروں کے دیوتا سچے نہ تھے اس لئے آگ میں ڈالے گئے جبکہ ہمارے بُت (جنہیں بقول محمد اسلم رانا صاحب اللہ تعالیٰ چکنا چُور کیا جانے کے باوجود جوڑ توڑ کر دوبارہ وجود میں لا سکتا تھا) سچے تھے تبھی اس آگ سے بچ گئے۔ سورۃ الفرقان کا جو حوالہ رانا صاحب نے دیا ہے وہاں بے شک معبودانِ باطلہ کا ذکر ہے مگر میں اپنے درسوں میں واضح کر آیا ہوں کہ عبادت کے معنٰی فرمانبرداری کے ہیں نماز کے لئے لفظ صلوٰۃ قرآن حکیم میں آتا ہے سو ما یعبدون من دون اللہ کے معنی وہ مذہبی یا قومی لیڈر ہیں جن کی لوگ اللہ کو چھوڑ کر فرمانبرداری کرتے ہیں۔ وہ گمراہ کرنے والے لیڈر ضرور دوبارہ زندہ کر کے سزایاب ہونگے۔

(۴) بہرحال سُورۃ لبقرہ کی زیرِ غور آیات مبارکہ میں ذکر شرک کا نہیں (جو بُتوں کو بیچ میں لایا جائے) بلکہ قرآن کریم کو منجانب اللہ نہ سمجھنے کا ہے۔

(۵) اس لئے میری تفسیر نہ صرف بہتر ہے بلکہ وہی صحیح ہے کہ یہاں پتھروں سے مُراد پتھر دل لوگ یا دوسرے مذاہب کے لیڈروں (خواہ وہ مذہبی رہنما ہوں یا مستشرقین ہوں جنہوں نے قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے پر اعتراض کر کے اپنے عوام کو گمراہ کرنے میں نمایاں حصہ لیا) اُن سے ہے۔ اس تفسیر کی تائید میں لُغت کی تائید میں نے اپنے درس مذکورہ بالا میں دی تھی۔

اُمید ہے کہ محترم محمد اسلم رانا صاحب مجھ سے اتفاق کریں گے۔

خاکسار

نصیر احمد فاروقی

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن — سبق ۲۴

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ٥ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ٥ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ٥ۙ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ٥ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ٥

(البقرۃ۲ - ۱۵۳ تا ۱۵۷)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر اور دُعا (یا نماز) کے ساتھ مدد مانگو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُنہیں مُردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم محسوس نہیں کرتے۔ اور ضرور بالضرور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے۔ اور صبر کرنیوالوں کو خوشخبری دو۔ وہ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور ہم اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ ہیں جن پر اُن کے ربّ کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے۔ اور یہی وہ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔

اِن آیات میں مصیبتوں اور ان میں صبر کے اہم مضامین کا ذکر ہے اور اس لئے مَیں نے ضروری سمجھا کہ انہیں اپنے درس میں شامل کر لوں۔ قرآن حکیم نے مصیبتوں کے اہم مضمون پر یہ روشنی ڈالی ہے کہ یہ تین طرح سے انسان پر آتی ہیں۔

(۱) اوّل یوں کہ جب کوئی نبی آتا تھا اور جب کہ نبی نہیں آتے تو مجدّد یا مأمور آتا ہے تو اُس کی یا اُس کا ساتھ دینے والوں کی سخت مخالفت ہوتی ہے اور انہیں ہلاک تک کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ الغرض کسی نہ کسی صُورت میں حق کو قبول کرنیوالوں پر مصیبتیں آتی ہیں۔

(۲) دوئم اللہ تعالےٰ تقدیر کے رنگ میں مصیبتیں بھیجتا ہے جو حالت خوف یا بھوک یا مالوں، جانوں اور انسان کی محنت کے پھلوں کے ضائع ہو جانے کے رنگ میں آتی ہیں۔

(۳) سوئم انسان کی بدعملیوں یا غلطیوں یا غفلت کی وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں جیسا کہ آگے قرآن حکیم نے فرمایا ہے وما اصابکم من مصیبۃٍ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیرٍ ؕ (الشوریٰ ۴۲ - ۳۰) یعنے جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور (ابھی تو اللہ) بہت کچھ معاف کرتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی مصیبت کا علاج علاوہ صبر کے توبہ اور استغفار ہے اور اپنی اصلاح ہے۔

اِن تینوں قسم کی مصیبتوں میں بعض وقت فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسلئے تقوٰی اور احتیاط کا یہی تقاضہ ہے کہ جو بھی مصیبت آئے اُس میں علاوہ صبر کے توبہ اور استغفار اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ ضرور کی جائے کیونکہ اگر مصیبت انسان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی نہیں تو بھی اُس کے آنے کا ایک بڑا مقصد انسان کی اصلاح اور اس کی اخلاقی اور روحانی تکمیل ہوتا ہے جس طرح کہ آگ میں ڈال کر سونے کو صاف کیا جاتا ہے وہی اثر مصیبتوں کا ہے۔ ایک بے دین انسان مصیبت کو ایک اتفاقی امر یا حادثہ سمجھتا ہے اور اس لئے بے صبری اور بے قراری دکھاتا ہے، شراب یا کسی اور نشہ سے اس مصیبت کو بھُولنے کی ناکام کوشش کرتا ہے اور بعض وقت خودکُشی تک کر لیتا ہے۔ مگر قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ ما اصاب من مصیبۃٍ الا باذن اللہ (التغابن ۶۴ - ۱۱) یعنے کوئی بھی مصیبت ہو وہ نہیں آتی مگر اللہ کے حکم سے، اُس کی اجازت سے۔ اس لئے مصیبت کو حوصلہ اور صبر سے برداشت کرنا چاہیئے اور توبہ اور استغفار اور اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے مبادا وہ مصیبت اپنی کوئی شامتِ اعمال ہو۔ مگر مصیبت پڑنے پر مدد کے لئے پُکارنا انسانی فطرت ہے۔ اور چونکہ ہر مصیبت اللہ تعالےٰ کے حکم یا اجازت سے آتی ہے اس لئے اُس سے مدد مانگنا عین فطرت ہے۔ آیئے دیکھیں کہ وہ مدد کس طرح مانگنی چاہیئے۔

مصیبتوں کی پہلی صُورت جس کا ذکر میں اُوپر کر آیا ہوں وہ وہ ہیں جو خدا کے مامور کو یا حق کو قبول کرنے سے آتی ہیں۔ تو چونکہ حق کو قبول کرنے والے بدقسمتی سے ہمیشہ تھوڑے اور کمزور ہوتے ہیں اور اُن کے مخالفین تعداد اور طاقت میں بہت بڑھ چڑھ کر ہوتے ہیں اور وہ اُن کی ایذاء بلکہ ہلاکت پر تُلے ہوتے ہیں تو حق کا ساتھ دینے والوں کو مدد مانگنے کی ضرورت بلکہ تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ اور اُن کا مددگار سوائے اللہ کے کون ہوتا ہے۔ اسی لئے فرمایا (آج کے درس کی پہلی آیت میں) کہ ہماری مدد ضرور مانگو مگر صبر کے ساتھ۔ یعنے مصائب اور تکالیف میں صبر کرنا بجائے خود اللہ تعالیٰ کی مدد کو لانے والا ہے۔ پھر بھی انسان کی فطرت میں مدد کے لئے پکارنا ہے۔ اسلئے فرمایا کہ دُعا یا نماز کے ذریعہ سے اللہ کو پکارو۔ اگر حق پر ایمان لانے والوں کو صبر کی تاکید فرمائی تو اس لئے کہ حق کو قبول کرنے سے جو مصیبتیں آتی ہیں وہ انسان کے زبانی ایمان کو اس کے دل میں لے جا کر میخ کی طرح ٹھوک دیتی ہیں۔ بلکہ انسان کے رگ و ریشہ میں ایمان سرایت ہو جاتا ہے بشرطیکہ انسان مصیبتوں کو جھیل لے مگر اپنے ایمان پر ڈٹا رہے۔ اور اگر ایسے شخص کو نماز یا دُعا کے ذریعہ اللہ کو پکارنے کی اجازت دی تو اس لئے کہ نماز اور دُعا سے جو انسان اور اللہ تعالےٰ کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور مصیبتوں کے لمبا ہونے میں مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے وہ مصیبتوں کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔ اس لئے کہ حق تو آتا ہی ہے بندوں کو خُدا سے ملانے کے لئے۔ پھر خُدا کے آگے

گرنے سے جو انسان کا دل ہلکا ہوتا ہے اور اُسے بالآخر لذّت اور سرور دینے لگتا ہے وہ اس دُنیا اور آخرت کی سب سے اعلےٰ نعمت ہے۔

توباوجود صبر اور اللہ کو پکارنے کے اگر مصیبتیں نہ ٹلیں تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ انسان کے ساتھ نہیں یا اُس کی دُعائیں رائیگاں گئیں۔ اس لئے دوسرا یا انّ اللّٰہ انسان کی بی حرت افزائی "ہے لئے کے حلاں صفات خاص کرنے کا موقعہ کو ۔۔۔۔ سے بڑھ کر کون صبر کرنیوالا ہو سکتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے آگے اُس کی ہستی کا انکار آج دُنیا کی بڑی آبادی کر رہی ہے جو کمیونسٹ یا اشتراکی ملکوں میں آباد ہے بلکہ یورپ اور امریکہ میں تو آواز اُٹھی جسے تمام دُنیا میں پھیلایا گیا کہ خُدا یا نعوذ باللہ تھا ہی نہیں یا تھا تو اب مر گیا ہے۔ جو یہ گستاخی اور بے ادبی نہیں کرتے وہ شرک کر کے ایک اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے بُت یا ایک جانور یعنے گائے یا ایک خدا کی مخلوق بلکہ مُردہ انسان کو خُدا بنا کر پُوجتے ہیں۔ وہ بھی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ پھر خُدا کی آنکھوں کے آگے کیا گندے سے گندہ گُناہ اور بدکاریاں اور خرابیاں کی جاتی ہیں مگر وہ کس حوصلہ اور صبر سے سہتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو دنیا کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی اور انسان کو اپنی اصلاح اور نجات کا موقعہ کبھی نہ ملتا۔ تو صبر تو اللہ تعالےٰ کی عظیم الشّان صفت ہے اور اسکو حاصل کرنے کا موقعہ مصیبتوں میں صبر کرنے سے ملتا ہے۔

حق کو قبول کرنیوالوں میں سے بعض کو قتل تک کر دیا جاتا ہے۔ تو کیا وہ ناکام رہے یا ضائع ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ فرمایا کہ انہیں مُردہ مت کہو کیونکہ انہوں نے تو وہ اعلیٰ اور ابدی (یعنے ہمیشہ رہنے والی) زندگی پالی کہ اس سے بہتر زندگی ممکن ہی نہیں۔ وہ تو اس دُنیا کے دُکھوں، بیماریوں۔ فاقوں، غموں سے نجات پاکر ابدی جنّت میں فوراً چلے گئے۔ وہ تو قابل رشک لوگ ہیں۔

دوسری قسم مصیبتوں کی وہ ہیں جو بطور تقدیر یا امتحان اللہ تعالےٰ کی طرف سے آتی ہیں از قسم خوف کی حالتوں کے، یا فاقوں اور تنگی ترشی کے، یا مالوں اور جانوں اور انسان کی محنت یا کوششوں کے پھلوں کے ضائع ہو جانے کے۔ ایسی مصیبتوں کے لئے فرمایا کہ وہ بطور ابتلاء کے آتی ہیں۔ ابتلاء کے معنی جب اللہ تعالےٰ فاعل یعنے اُسے بھیجنے والا ہو یہ ہیں کہ وہ انسان کی مخفی حالتوں یعنے خوبیوں یا کمزوریوں کو ظاہر کر لے کے لئے آتی ہیں۔ مثلاً اگر انسان پر مصیبت آئے اور وہ اس سے بچنے یا نجات حاصل کرنے کے لئے جھوٹ بول لے یا رشوت کھالے یا چوری کر لے یا وعدہ خلافی کر لے وغیرہ وغیرہ تو اس طرح یہ کمزوریاں جو اس کے اندر مخفی تھیں اس آزمائش نے آن کر ظاہر کر دیں تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لے پہلے اس سے کہ موت آکر اُسے اُٹھا لے اور آگے جہنم کے سوا اس کا کوئی علاج نہ ہو۔ اس کے برعکس جو اِن مصیبتوں پر جو تقدیر کے رنگ میں آتی ہیں صبر کرے تو اس کے کیرکٹر میں ایسی اعلےٰ خُوبیاں پیدا ہوتی ہیں جو پہلے نہ تھیں۔ یہ اس کی مخفی خوبیوں کا ظاہر ہونا ہے۔ جس طرح کہ درخت کے اندر وہ پھل اور پھول مخفی ہوتے ہیں جو پھاڑ کر اُس کے اندر سے نکالے جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے کیریکٹر کو جو خوشنما پھل اور پھول لگتے ہیں وہی ہیں جو آگے آخرت میں جاکر اُسکی جنت کے خوشنما پھل اور پھول کی شکل اختیار کریں گے۔

اسی لئے فرمایا وبشر الصّٰبرین یعنے تقدیری مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔ خوش خبری کیا ہے وہ ذکر ابھی آگے آئیگا۔ اُس سے پہلے صابر کی تعریف کی کہ وہ کون ہیں۔ فرمایا وہ لوگ جنہیں جب کوئی تقدیری مصیبت آئے تو وہ کہتے ہیں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون یعنے ہم تو اللہ کا مال ہیں۔ وہ جو چاہے ہم سے معاملہ کرے جب ہم پر ہونگ ۔۔۔ فرمایا ۔۔۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت نصیب ہوتی ہے۔ مغفرت ہے اللہ کی پناہ۔ کن چیزوں سے؟ انسان کے گناہوں، کمزوریوں، غفلتوں کے بُرے نتائج یا سزا سے یا اُن کے دوبارہ سرزد ہونے سے کیونکہ انسان جب کوئی گناہ یا کمزوری یا غفلت کرتا ہے تو اس کا اعادہ یعنے دوبارہ ہو جانے کا خطرہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے مثلاً اگر کوئی چوری کرے تو اس کے لئے دوبارہ چوری کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

توصابر انسان نہ صرف اللہ تعالےٰ کی پناہ میں آجاتا ہے بلکہ فرمایا کہ اس پر خدا کی روحانی نعمتیں (رحمۃ) نازل ہوتی ہیں۔ روحانی نعمتیں اصل نعمتیں ہیں۔ کیونکہ دُنیاوی نعمتیں تو انسان کی زندگی میں ہی یا مرنے پر ضرور ختم ہو جاتی ہیں۔ روحانی نعمتیں اُس کی رُوح کے ساتھ اگلی ہمیشہ کی زندگی میں جائیں گیں۔ اور وہاں جاکر وہ ظاہری نعمتوں کی شکل بھی اختیار کرینگیں جیسا کہ میں جنت کے ذکر میں اپنے ایک پچھلے درس میں عرض کر آیا ہوں۔

ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا صابر کے لئے جو سب سے بڑی ہے "اور وہی ہیں جو ہدایت پائیں گے"۔ سورۃ فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم کی دُعا کی تفسیر میں میں بتا آیا ہوں کہ یہ ہدایت خود اللہ تعالےٰ کو پانے کی ہے جس کو پانا کہ انسان کی زندگی یا پیدائش کا مقصد ہے، اور اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں جو انسان کو مل سکے۔ تو فرمایا کہ ایسے لوگ اس سیدھے راستہ پر ہدایت پائیں گے جو انہیں اس دُنیا میں اللہ سے ملا دے گا جیسا کہ نبیوں اور صدیقوں اور اولیاء اللہ کو مل جاتا ہے اور یہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ مصیبتیں اُٹھاتے ہیں مگر جنہیں یہاں نہ بھی ملا وہ بہر حال ہیں سیدھے راستہ پر جو بالآخر اُس کو ہر مقصود تک پہنچا دے گا۔ اس لئے میرے دوستو مصیبتوں سے نہ گھبراؤ بلکہ اُن پر صبر کر کے خُدا کو پاؤ۔

(باقی آئندہ)

* * *

نہیں وہ اُسکی عالی بارگاہ تک خود پسندوں کو

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولا سے گندوں کو

کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

وہی اُس کے مقرّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں

نہیں رہ اس کی عالی بارگاہ تک خود پسندوں کو

یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اس سے قربت کو

اسی کے ہاتھ کو ڈھونڈھو جلاؤ سب کمندوں کو

* * *

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ ۸۲ء میں جناب محمد یوسف تاثیر کی تقریر

کلمۂ شہادت، درود و دُعا اور سُورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

عزت مآب حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالےٰ، بزرگان دین اور معزز خواتین و حضرات

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آج احمدیہ انجمن کے اس روحانی بابرکت اجلاس کی صدارت کے لئے مجھ ناچیز کو منتخب کر کے میری عزت افزائی کی گئی ہے۔ یہ حضرت امیر قوم کی ذرہ نوازی اور شفقت کی ایک نشانی ہے دوسری طرف مجھ عاجز کے لئے فخر کا مقام ہے کہ اس جلسہ کی بنیاد حضرت اقدس نے ڈالی تھی اُسکی ایک نشست کی صدارت کا مجھے اعزاز حاصل ہوا ہے۔ اور یہ بھی حضرت صاحب کی صداقت کی نشانی ہے کہ اللہ کریم نے مجھ عاجز کو آپ کی شناخت کی توفیق ملی ہے۔ اسی شناخت کی بدولت میرا یہاں آنا اور حضرتِ اقدس کے شاگردوں کی صحبت میں بیٹھنے والوں" لاہور کے پاک ممبران" کی موجودگی میں عاجز کو صدارت کا موقع ملنا دراصل یہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند کے جملہ ارکین کی حوصلہ افزائی اور عزت افزائی ہے۔ الحمد للّٰہ

معزز بزرگانِ دین

اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے خاکسار کو آپ ایسے بزرگوں سے ملاقات کا موقعہ بخشا۔ سالہا سال سے دل میں یہ تمنا تھی کہ کاش کوئی ایسا موقعہ آئے کہ میں بھی اپنے روحانی مرکز کی زیارت سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو راحت پہنچا سکوں نہ معلوم کتنی آہیں کتنی حسرتیں کتنی بے قراریاں آج تک ہماری ہمسفر رہیں۔ ہم نے اپنے روحانی مرکز لاہور کے پاک ممبران کے جائے مقام پر آنے کی بار بار کوشش کی لیکن کامیابی ایک بار بھی نہ ہو سکی۔ ناکامیوں کے اس طویل سلسلے نے ہمارے قلب و ذہن کو جو اذیت پہنچائی اس کا صحیح علم تو بس ایک خدا کو ہی ہے۔ لگتا ہے ہماری اس بے کلی اور بے بسی پر ترس کھا کر ہمارے مولا کریم نے ملاقات کی یہ راہ نکال دی۔ الحمد للّٰہ۔ جو خوشی ایک جاں بلب پیاسے کو پانی پی کر ہو سکتی ہے اُس سے کہیں زیادہ مجھے اپنے تئیں آپ بزرگوں کے درمیان پاکر ہو رہی ہے۔ جن بزرگوں کو آج تک نام سے یا تحریروں سے جانتا تھا انہی حضرات کو اپنی آنکھوں کے سامنے پاکر بے پناہ مسرت ہو رہی ہے۔ جن حضرات سے صرف غائبانہ تعارف تھا انہیں رُوبرو دیکھ کر عجیب انبساط محسوس کر رہا ہوں۔ کاش ملاقات کی یہ گھڑیاں طویل سے طویل تر ہو جائیں۔ اسی خوشی اور مسرت کے موقع پر مجدد احمدیت حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب۔ حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب اور ان حضرات کے دوسرے ساتھی اور رفقاء کی جُدائی اور ان حضرات کی یاد ستاتی ہے اللہ کریم ان حضرات کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!

حضرات! میں برصغیر ہند و پاک کے اُس خطۂ زمین سے آیا ہوں جسکو "جنت ارضی" نام پانے کا شرف حاصل ہے۔ اس وادی میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام شہر سرینگر کے قدیم ترین محلہ خانیار میں آسودہ خواب ہیں۔

احادیثِ نبویؐ میں مسیح موعود کا سب سے بڑا کام کسرِ صلیب آیا ہے۔ الحمد للہ اس معاملے میں بھی ہماری ہی سرزمین نے سب سے بڑھ کر تعاون پیش کیا ہے۔ تو گویا تحریک احمدیت اور کشمیر کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ تعلق مٹانے سے مٹ نہیں سکتا۔ آج کے بدلے ہوئے حالات میں بھی ہماری سرزمین تبلیغ و اشاعت کے وہ کارنامے انجام دے سکتی ہے جو دوسری جگہوں کے رہنے والوں کے لئے ناممکن ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مرکز ہم کمزوروں کی غیر معمولی اہمیت کو تسلیم فرمائے اور بلاد غرب کے مشنوں کی طرح ہند مشن کی ترقی و استحکام کی طرف بھی توجہ کرے۔ ہم لوگوں نے کافی غور و خوض کے بعد ہند مشن کا ہیڈ کوارٹر کشمیر مقرر کیا ہے کیونکہ جموں و کشمیر میں تمام ہندوستان کے مقابلے میں ہمارے افرادِ جماعت کی تعداد کافی ہے۔ اس وقت کشمیر میں تین جماعتیں سرینگر۔ یاری پورہ اور صوفی پورہ۔ جموں میں کھدر واہ اور جموں میں قائم ہیں۔ ہر جماعت کی اپنی مساجد ہیں۔ ہمارے بزرگ اسلاف کو اس غیر معمولی قدر و منزلت کا پورا احساس تھا انہوں نے اپنے اعلےٰ کردار صالح اعمال اور تبلیغی جد و جہد کی بدولت احمدیت کا نور گھر گھر پہنچایا شاید ہی کوئی علمی گھرانہ ایسا ہو جہاں احمدیہ لٹریچر داخل نہ ہوا ہو۔ کچھ عرصہ پہلے ایک ذمہ دار بزرگ نے حضرت بل سرینگر میں واقع مدینۃ العلوم کے سابق پرنسپل مولوی عبدالکبیر صاحب مرحوم کے بارے میں گواہی دی کہ ایک روز وہ اُن سے ملے اس وقت مولوی صاحب موصوف قرآن پاک کا درس تیار کر رہے تھے سامنے حضرت امیر مولانا محمد علی صاحبؒ کی شہرہ آفاق تفسیر بیان القرآن کھُلی پڑی تھی۔ بزرگ سے رہا نہ گیا انہوں نے پوچھ ہی لیا قبلہ یہ تو مرزائی تفسیر ہے علماء کا اس کے متعلق نہایت خراب فتوای ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے تبسم فرما کر کہا یہ سچ ہے کہ یہ ایک مرزائی کی تفسیر ہے لیکن اختلافی امور کے علاوہ اس میں بہت کچھ ہے۔ یہی حال ہندوستان کے دیگر مقامات کا ہے۔ گاندھی جی سے کسی نے سوال کیا آپ کو اسلام کے بارے میں اسقدر ٹھوس معلومات کیونکر حاصل ہوئے ہیں؟ انہوں نے لکھا ہے کہ اس بارے میں میرا گائیڈ ڈاکٹر محمد علی ہے ان کا ترجمہ انگریزی قرآن میرے زیر مطالعہ رہتا ہے گاندھی جی مولانا محمد علی جوہر کو مولانا محمد علی اور حضرت امیر قوم کو ڈاکٹر یعنی علامہ محمد علی کہہ کر تمیز کیا کرتے۔

آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت نہرو کی جیل ڈائری شائع ہوئی ہے ایک مقام پر انہوں نے اپنے زیر مطالعہ کتب کی فہرست دی ہے۔ اس میں سرفہرست حضرت مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمۃ القرآن کا نام درج ہے۔ ہندوستان کے ایک اور وزیر اعظم جناب مرار جی ڈیسائی کو ایک مرتبہ جماعت اسلامی سے وابستہ کسی جج صاحب نے عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمۃ القرآن ہدیتاً پیش کیا مرار جی صاحب نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا۔ میرے خیال میں اس ترجمہ قرآن سے کہیں افضل مولانا محمد علی کا ترجمۃ القرآن ہے میں دونوں کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ یہ کوئی معمولی خراجِ تحسین نہیں۔ ہندوستان کے نامور مسلمان علماء حضرت مولانا محمد علی کے علم الکلام کا نام لے کر استفادہ کر چکے ہیں۔

دیوبند کے مفتی مولانا ظہیر الدین مفتاحی نے اپنی تصنیف "اسلام کا نظام امن" میں حضرت امیر مرحوم کی اُردو تفسیر بیان القرآن سے استدلال کیا ہے۔ جمعیۃ العلمائے ہند کے سابق نائب صدر مولانا اخلاق حسین قاسمی نے اپنے کتابچہ "مودودی صاحب کی تفسیری غلطیاں" میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کو بطور استشہاد پیش کیا ہے۔

جماعتِ اسلامی کے ہندی مترجم جناب فاروق خاں نے اپنے ہندی ترجمۂ قرآن کے پہلے ایڈیشن کے مقدمہ میں اس بات کا واضح الفاظ میں اقرار کیا تھا کہ انہوں نے اپنے

ترجمۃ القرآن کی تدوین میں حضرت مولانا محمد علی کے ترجمۃ القرآن سے استفادہ کیا ہے۔ اور بعد کے ایڈیشن سے اب یہ عبارت خارج کر دی گئی ہے۔

اسی صاحب نے ایک اور کتاب "عقیدۂ آخرت اور ہندو روایات" تالیف کی ہے یہ کتاب حضرت مولانا ودیا رتھی صاحب کی شاہکار تصنیف "ویدوں کا بہشت" کا چربہ ہے لیکن مصنف نے علامہ ودیا رتھی صاحب کا نام لینا اخلاقی فرض نہ سمجھا

غرض انسان کہاں تک گنوا تا چلا جائے احمدی علم کلام۔ ہمارے بزرگوں کی ان تھک کاوشوں کا ہی ثمر ہے۔ افسوس کہ تقسیم ہند کے بعد تبلیغ و اشاعت کی یہ سرگرمیاں برقرار نہ رہ سکیں جماعتوں کا مرکز سے رابطہ منقطع ہو گیا اور وہ کمزور پڑ گئیں۔ بعض مقامات سے کچھ انفرادی سرگرمیاں ہوتی رہیں یا اب بھی ہو رہی ہیں۔ لیکن سابقہ تابندہ روایات کے مقابلہ میں یہ ہیچ ہیں حصول مُراد کے پیش نظر ہی ہم نے نامساعد حالات کے باوجود احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) ہند کا قیام سال ۱۹۷۰ء میں عمل میں لائے لیکن بعض مشکلات کے سبب تبلیغ واشاعت کے میدان میں زیادہ پیش رفت نہ کی جا سکی۔ اس ضمن میں مرکز کے تعاون کی زبردست ضرورت ہے۔

ایک بزرگ کے رؤیا کی تعبیر

پچھلے دنوں اخبار پیغام صلح میں مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کا ایک رؤیا چھپا تھا جس میں انہوں نے تقسیم ہند سے قبل کی ایک مشہور ٹرین کو امرتسر میں رُکا دیکھا۔ ٹرین رُکنے کی وجہ انجن کی خرابی بتائی گئی لیکن بعض اہل خرد مسافر حضرات نے یک زبان ہو کر یہ رائے دی کہ نہیں اگر ٹرین کے اگلے ڈبے میں بیٹھے مردمومن لوگوں کو صرف اپنی زیارت کا شرف دے دے تو ٹرین خود بخود چالو ہو جائے گی۔ چنانچہ اُس مرد مومن کے جھانکنے کی ہی دیر تھی کہ ٹرین دوبارہ سرگرم عمل ہو گئی۔ قبلہ فاروقی صاحب نے اس عجیب رؤیا کی تعبیر کے لئے درخواست کی تھی میں نے رؤیا پر غور کیا۔ یہ رؤیا سچ مچ نہایت مبارک رؤیا ہے۔ اس میں کئی کوتاہیوں کئی ذمہ داریوں کی کماحقہ عکاسی کی گئی ہے۔ رؤیا کا ایک ایک حرف معنی خیز ہے۔

۱۔ لفظ امرتسر کا مطلب آب حیات کا سرچشمہ، اس ایک لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ معاملہ مادی نہیں بلکہ بات روحانی کارواں کی ہو رہی ہے۔ (۲) یہ خیال کہ ٹرین رکنے کا سبب انجن میں خرابی ہے بالآخر غلط ثابت ہوا یہ بات ٹرین کے امرتسر والے سٹیشن پر رُکے ہونے سے اخذ ہوتی ہے۔ (۳) انجن سے مُراد مرکزی انجمن ہے جو باقی جماعتوں کو اپنے ساتھ لے کر چلتی ہے۔ رؤیا سے یہی اخذ ہوتا ہے۔ کہ ہمارے مرکز میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے کوئی نقص نہیں ہے! (۴) حضرت امیر مولانا محمد علیؒ آج بھی دورحاضر کے اولین اور سابقوں کے سرخیل ہیں یہ بات اگلے ڈبہ میں ہونے سے صاف عیاں ہے۔ (۵) سربراہی کے باوجود حضرت امیر مرحوم عوام سے مستور ہیں حضور کے علیہ السلام کی خوشہ چینی ہر چھوٹے بڑے عالم دین نے کی ہے اور کرتے ہیں لیکن حضور کا نام لینا وہ سب سے بڑا گناہ سمجھتے ہیں عوام کو اس سے آگاہ کرنا ہمارا فرض ہے۔ (۸)۔ (۸) حضرت امیر مرحوم کے سامنے مخالف علماء کا چڑھایا ہوا نفرت و تکفیر کا پردہ چاک کر دیجئے جماعت پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام پانے کی اہل بن جائے گی اور لوگ انشاء اللہ پھر سے حسب سابق آپ کے روحانی کارواں میں شامل ہونے لگ جائیں گے ہندوستان والوں پر بھی احمدیہ علیہ السلام کی قدر و منزلت آشکارہ ہونے لگ گئی ہے چنانچہ ہندوستان کی متعدد فرمیں حضرت مولانا مرحوم کی کتاب ریلیجن آف اسلام کے فوٹو آفسٹ چھپوا کر مونیوں کے بھاؤ بیچ رہی ہیں۔ اور تو اور حضرت اقدس کی مشہور تالیف "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے انگریزی ایڈیشن کا REPRINT چالیس پچاس روپے میں فروخت کیا جا رہا ہے۔

اور آخر پر ایک خاص لفظ بیان کروں گا میں نے اس پر غور کیا ہے آپ بھی اور یہ انصاف پسند کو غور کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ ہمارے مُسلم عالم دین فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ اس امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے۔ ۷۲ فرقے ناری یعنی غلطی پر ہونگے صرف ایک فرقہ ناجی راہِ راست پر ہوگا۔ موجودہ وقت میں بقول علمائے اسلام تمام فرقوں نے یکجہتی سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ۷۲ فرقے راہِ راست پر ہیں اور ایک فرقہ مرزا صاحب کے ماننے والے کافر غیر مسلم ہیں۔ آپ خدا را غور فرماویں کہ حضور نبی کریم صلعم کا فیصلہ یہ ہے صرف ایک فرقہ ناجی یا راہ راست پر ہے اور ۷۲ فرقے ناری یا غلطی پر ہیں۔ اس کے برعکس علماء فرماتے ہیں نہیں ایک فرقہ غیر مُسلم اور باقی ۷۲ فرقے مُسلم!

مہربانی کر کے غور فرماویں کس کا فیصلہ صحیح ہوگا۔ عوامی علماء واسمبلی کا یا حضور پرنور صلعم کا؟ علاوہ اس کے آپ کو بخوبی علم ہے میں خُدا کے فضل و کرم سے احمدی مسلمان ہوں اور خصوصیت کے ساتھ آئینِ ہند کی رُو سے بھی مسلمان ہوں لیکن آپ آئین کی رُو سے ایسے نہیں ہیں۔ میں بحیثیت جنرل سیکرٹری و نمائندہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ تعالےٰ اور مرکزی انجمن کے معزز ممبران منتظمہ و معتمدین کو جُملہ اراکین احمدیہ انجمن ہند اور اس سے وابستہ تمام جماعتوں اور افراد کی طرف سے السلام علیکم و نیک خواہشات پہنچاتا ہوں۔ اور آپ حضرات اس سے غالباً واقف ہوں گے کہ کشمیری روایت کے مطابق اپنے سربراہِ جماعت کی عزت افزائی کے لئے دستار بندی وغیرہ کی جاتی ہے۔ خاکسار کشمیر سے ایک حقیر سا تحفہ اپنے محبوب امیر قوم ایدہ اللہ تعالےٰ کے لئے لایا ہے یہ محض عقیدت و محبت کے پیش نظر یہ معمولی تحفہ حضرت امیر کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں اُمید ہے از راہِ شفقت قبول فرمائیں گے۔ والسلام

* * * *

حقیقتِ اسلام

واضح ہو کہ اگرچہ قرآن کریم نے حقیقت اسلامیہ کی تحصیل کے لئے بہت سے وسائل بیان فرمائے ہیں مگر در حقیقت ان سب کا مآل دو قسم پر ہی جا ٹھہرتا ہے اوّل یہ کہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی مالکیت تامہ اور اس کی قدرت تامہ اور اسکی حکومت تامہ اور اسکے علم تام اور اسکے حساب تام اور نیز اس کے واحد لاشریک اور حي قیوم اور حاضر و ناظر و ذوالاقتدار اور ازلی ابدی ہونے میں اور اسکی تمام قوتوں اور جمیع جلال و کمال کے ساتھ یگانہ ہونے میں پورا پورا الیقین آجائے یہاں تک کہ ہر ایک ذرہ اپنے وجود اور اس تمام عالم کے وجود کا اس کے تصرف اور حکم میں دکھائی دے۔ اور ھوالقاھر فوق عبادہٖ کی تصویر سامنے نظر آئے اور نقش راسخ بید ہٖ ملکوت السمٰوٰت والارض کا جلی قلم کے ساتھ دل میں لکھا جائے یہاں تک کہ اسکی عظمت اور ہیبت اور کبریائی تمام نفسانی جذبات کو اپنی قہری شعاعوں سے مضمحل اور خیرہ کر کے اُن کی جگہ لے لے اور ایک دائمی رعب اپنا دل پر جما دیوے اور اپنے قہری حملہ سے نفسانی سلطنت کے تخت کو خاک مذلت میں پھینک دیوے.... (کلام الامام)

ضروری اعلان

آئندہ انتخابات معتمدین کا اہتمام ۸ اپریل ۸۳ء بروز جمعۃ المبارک کیا جائیگا جن افراد نے مرکز سے بھیجے گئے فارم پُر کر کے ابھی تک نہ بھجوائے ہوں وہ ۲۵ مارچ ۸۳ء قبل دوپہر تک مرکز میں پہنچا دیں تاکہ انتخابات میں حصہ لے سکیں۔

(کنوینر انتخابی کمیٹی)

نوجوانانِ جماعت سے ایک اہم خطاب

(از حضرت امیر مرحوم مولانا محمّد علی)

وکذالک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھدآء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا (البقرۃ ۲ : ۱۴۳)

ترجمہ :۔ اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلےٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے پیشرو بنو اور رسُول تمہارا پیشرو ہو۔

آج کا دن ہمارے لئے بڑی خوشی کا دن ہے۔ جمعہ تو یُوں بھی مسلمانوں کے لئے عید کا روز ہے لیکن گذشتہ تین دنوں میں ہم نے جو باہمی اُلفت ومحبت کے اور قربانیوں سے نہ تھکنے والے نظارے دیکھے ہیں اُن سے ہمارے ایمان میں ترقی ہوئی ہے جو اور کسی طرح اس زمانے میں میّسر نہیں آسکتی۔ مجھے اُمید ہے کہ انشاءاللہ ان قربانیوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ نوجوانوں کے لئے جو ابھی زندگی کی منزل میں داخل ہوتے ہیں سب سے پہلے ضرورت یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی مقصد ہو۔ اور مقصد بلند ہونا چاہیئے۔

مقصد کی بُلندی وپستی کا اثر خداداد استعدادوں پر

اصل میں اللہ تعالےٰ نے انسان کے اندر جو استعدادیں رکھی ہیں وہ مقصد کی بلندی یا پستی کے مطابق ہی اچھا یا بُرا نشو و نما پاتی ہیں۔ اگر مقصد بلند اور اچھا ہو تو استعدادیں اچھی نشو ونما پاتی ہیں اور اگر مقصد پست ہو تو استعدادیں بھی دبی کی دبی رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ غور کر کے دیکھ لیجئے کہ جن لوگوں نے اپنے سامنے کوئی بلند مقصد رکھا ان کی استعدادیں بھی ترقی پاگئیں اور جنہوں نے اپنے سامنے کوئی پست مقصد رکھا کوئی ترقی نہ کر سکے۔ اور پستی میں پڑے رہے۔ نوجوان جو زندگی کی منزل میں داخل ہوتا ہے ضرورت ہے کہ اس کے سامنے کوئی بلند مقصد ہو۔

قرآن کریم کا پیش کردہ بلند مقصد

قرآن کریم نے وہ بلند مقصد ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔ وکذالک .... علیکم شھیدًا" اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلےٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے پیشرو بنو اور رسول تمہارا پیشرو ہو"۔ یعنی جس طرح رسول تمہارا پیشرو ہے اسی طرح تم تمام لوگوں۔ تمام اقوام عالم کے پیشرو بن جاؤ۔

امام وقت نے اسی بلند مقصد کی طرف بُلایا ہے۔

یہ ایک بہت ہی بلند مقصد ہے اور یہی وہ مقصد ہے جس کی طرف امام وقت نے بھی ہمیں بلایا ہے کہ تم صحیح راستہ دکھانے والے بن جاؤ۔ مسلموں اور غیر مسلموں سب میں اعلائے کلمۃ اللہ کرو۔ یہ اعلےٰ سے اعلےٰ مقصد ہے۔ جو انسان اپنے سامنے رکھ سکتا ہے جن لوگوں کو دنیا اپنا مسلّمہ پیش رو یعنی پیغمبر مانتی ہے اور جن کی سب سے زیادہ عزت کی جاتی ہے وہ ایسی ہستیاں ہیں جنہوں نے اس کام کو اپنا مقصد بنایا۔ عیسائی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اپنا پیشرو مانتے ہیں۔ ہندو رام چندر جی کو اور سکھ بابا نانک کو اور مُسلمان حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو دنیا کا سب سے بڑا انسان مانتے ہیں۔ ان تمام پاک ہستیوں کا کام لوگوں کو صحیح راستہ دکھلانا اور اعلائے کلمۃ اللہ ہی تھا۔

سو معلوم ہوا کہ یہی وہ بلند سے بلند مقصد ہے جو انسان اپنے لئے تجویز کر سکتا ہے۔ سو میں اپنے نوجوانوں کو خوشخبری سنانا چاہتا ہوں کہ یہی بلند مقصد ان کے سامنے رکھا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ وہ اس کے لئے پُوری کوشش اور جدوجہد کریں۔ آجکل اکثر لوگوں کے سامنے اپنے ملک اور قوم کی بہتری کا مقصد ہے لیکن یہ تمام مقاصد پست اور ادنیٰ ہیں۔ اس بلند ترین مقصد کے مقابل جو قرآن۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم اور پھر اس زمانہ میں امام وقت نے ہمارے سامنے رکھا۔ یہ کسی خاص ملک یا قوم کی بہتری اور فلاح تک محدود نہیں بلکہ اس میں دُنیا کی تمام قومیں آجاتی ہیں۔

آپ اس راستہ پر پڑ چکے ہیں اور اس کی کچھ منزلیں طے بھی کر لی ہیں

دُوسری بات میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ صرف یہی نہیں کہ آپ لوگوں کے سامنے ایک بلند مقصد رکھ دیا گیا ہے بلکہ اس کے لئے راستہ بھی صاف کر دیا ہے۔ اور صرف راستہ ہی صاف نہیں کیا بلکہ اس کی کچھ منزلیں بھی طے کر لی ہیں جس کی وجہ سے ہماری ہمتیں بلند ہوئی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ سمجھتا ہوں کہ اب تک جو کچھ ہم نے کیا ہے وہ سمندر میں سے ایک قطرہ کے برابر ہے۔ ہمارے سامنے بہت بڑا مقصد ہے اور نہایت عظیم الشان اور مشکل کام ہے۔ ساری دنیا میں خُدا کے نام اور اس کے آخری پیغام یعنی قرآن کریم کو پہنچانا۔ ساری دُنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ کرنا۔ خدا کے بندوں کو خُدا کے آگے جھکانا لیکن بہرحال آپ اس راستہ پر پڑ چکے ہیں اور اس کی کچھ منزلیں بھی طے کر لی ہیں اس سے آپ لوگوں کی ہمّت بندھنی چاہیئے کہ آئندہ ہم لوگ اس کام کو کر لیں گے۔

اس مقصد کے لئے پُورا وقف ہونے کی ضرورت

تیسری بات اس سلسلہ میں مَیں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ کوئی مقصد دنیا میں حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آپ کو پُوری طرح اس کے ساتھ وابستہ اور وقف نہ کیا جائے اور اس مقصد کے ساتھ زبردست محبّت نہ ہو۔

حصولِ مقصد کے لئے انتھک محنت کی ضرورت ہے۔

چوتھی ضرورت حصولِ مقصد کے لئے یہ ہے کہ انسان اس کے لئے محنت کرے اور وہ محنت بھی اس قدر زبردست ہو کہ محنت کرنے سے تھکے نہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ضروریات ہیں وہ بھی میں ابھی بیان کروں گا۔

ہر ایک بیعت کرنیوالا خُدا کی فوج کا سپاہی ہے۔

آپ نوجوان ہوں یا قوم کے دُوسرے لوگ یہ سب دراصل فوج کے سپاہیوں کے طور پر ہیں۔ جو شخص بیعت میں داخل ہو جائے وہ اسی طرح پر ہے جس طرح فوج میں بھرتی ہو جائے بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ کئی چیزیں درمیان میں ایسی آجاتی ہیں جو اس جماعت کے خدمت دین کے کام میں شرکت میں روکاوٹ ڈالتی ہیں۔ مثلاً حضرت مجدد صدچہار دہم کا ماننا۔ یہ ان کی کم فہمی ہے۔ یہ روکاوٹ نہیں بلکہ نہایت ضروری چیزیں ہیں۔ خُدا کے نام کو بلند کرنا جس ایمان اور محبت کو چاہتا ہے۔ یہ ایمان اور محبت وہی شخص پیدا کر سکتا ہے جس کو خُدا نے کھڑا کیا ہو۔ جس کے اپنے دل میں ایک زبردست آگ مشتعل ہو۔ جس کی چنگاریاں دوسروں کے سینوں میں بھی آگ بھڑکا دیں۔ سو دراصل آپ سب خدا کی فوج کے سپاہی ہیں۔

سپاہی کے لئے جرنیل کی فرمانبرداری اور ڈسپلن ضروری ہے

مگر کوئی فوج قدم آگے نہیں بڑھا سکتی جب تک کہ وہ ایک حکم کے ماتحت کام کرنے والی نہ ہو۔ آپ کی فوج کی کمانڈ میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بھی ایک بڑی بھاری ذمہ داری ڈالدی ہے اگر میں اس ذمہ داری کو ادا کر دوں تو یہ ایک بڑا بلند مقام ہے۔ یہ اس کی بہت مہربانی ہے لیکن یاد رکھو کوئی شخص جرنیل نہیں بن سکتا جو پہلے سپاہی نہ بنے اور سپاہی بننے کیلئے سب سے اول ڈسپلن اور فرمانبرداری کی ضرورت ہے۔

آئیندہ کے لئے یہ بار نوجوانوں کے کندھوں پر آنے والا ہے

جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ ہم لوگ اپنی عمر کی آخری منزلوں میں ہیں۔ آئیندہ کے لئے یہ سارا بار آپ کے کندھوں پر آنے والا ہے۔ اور میں تو اپنی عمر کی اتنی منزلیں طے کر چکا ہوں کہ مجھے جب ایک برس مزید ملتا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض فضل ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے اپنی اُمت کے لئے ساٹھ اور ستر سال کے درمیان اوسط عمر بیان فرمائی ہے اور میرے پیارے ساتھی خواجہ کمال الدین مرحوم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم۔ یہ سب باسٹھ باسٹھ ترسیٹھ ترسیٹھ سال کی عمر میں اپنے مولا سے جا ملے میں ۶۲ سال کی عمر میں ۱۹۳۸ء میں جب سخت بیمار ہوا تو بظاہر یہ پیغام آ گئے جانے کے لئے ہی تھا خدا نے اپنی کسی مصلحت کے تحت خدمت دین کا کچھ اور کام کرنیکا موقع دے دیا۔ یہ بھی اس کی عنایت اور کرم ہے۔

پہلے اعتماد قائم کرو پھر پوری طاقت و ہمت سے شرکت کرو۔

تو میں آپ نوجوانوں کو خصوصیت سے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس راستہ میں چلنے کی کچھ شرطیں ہیں۔ راستہ آپ کے سامنے ہے منزل آپ کے سامنے ہے۔ صرف کچھ ہمت اور قربانی کی ضرورت ہے۔ خوب یاد رکھو اگر فوج کا ہر ایک فرد جرنیل بننے کی کوشش کرے تو کام نہیں ہوگا۔ آپ پہلے اعتماد کریں مجھ پر۔ اپنی انجمن پر اگر آپ کو معلوم ہو کہ یہاں کوئی اچھا کام ہو رہا ہے اور اچھے اور بہترین مقصد کے لئے ہو رہا ہے۔ اور ہم لوگ دیانتداری سے اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ تو پھر آپ کا فرض ہے کہ پوری طاقت اور ہمت سے اس کام میں شرکت کریں اور اس کے معاون بنیں۔ باقی رہا کمزوریوں کا معاملہ سو کمزوریاں میرے اندر بھی موجود ہیں۔ اور میرے دوستوں کے اندر بھی موجود ہیں۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی کام اچھا ہو رہا ہے اگر نظر آئے کہ کام اچھا ہو رہا ہے تو کمزوریوں کو نظر انداز کر دو۔ سب انسانوں میں کمزوریاں ہوتی ہیں کمزوریوں کا مجھے اعتراف ہے۔ لیکن دیکھ لو کام نہایت ضروری اور بے نظیر ہو رہا ہے، شاید میری جگہ کوئی اچھا اور لائق اور زبردست رہنما ہوتا تو ترقی کی منزلیں بہت تیزی کے ساتھ طے ہوتیں۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے بعد آپ کو اچھا رہنما دے جس کی رہنمائی میں آپ کی قوم ترقی کی منازل جلد جلد طے کرے۔ ساری دنیا میں اسلام کی روشنی پھیل جائے۔

نوجوانوں سے تین چار ضروری باتیں

اس وقت میں تین چار باتیں نوجوان دوستوں سے خاص طور پر کہنا چاہتا ہوں۔ آپ انہیں غور سے سنیں۔

پہلی بات:۔ قرآن کریم اور دیگر دینی لٹریچر کو پڑھو!

پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے اور معانی و مفہوم کے ساتھ پڑھنے کو اپنی زندگی کا ایک ضروری مقصد اور روزانہ پروگرام بنالیں۔ خواہ آپ ایک رکوع یا آیت ہی پڑھیں مگر اس میں ناغہ نہ ہونے دیں۔ ایک بچہ ایک سطر بھی روزانہ قرآن مجید پڑھے تو چار پانچ سال میں وہ قرآن کریم ختم کر سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ اسی طرح حدیث اور سیرت نبوی صلعم۔ تاریخ اسلام اور حضرت صاحب کی کتابیں پڑھیں۔ ضرورت ہے کہ ہمارا ایک ایک نوجوان قرآن کریم سے واقف ہو۔ حدیث سے واقف ہو اور تاریخ اسلام سے واقف ہو اور حضرت اقدس کی کتابوں اور سلسلہ کے دوسرے لٹریچر سے واقف ہو۔ اسلئے آپ سب باقاعدہ کوشش کریں اور ایک پروگرام بنالیں۔ میں کوشش کروں گا ان چیزوں کے خاص خاص ضروری حصے ترتیب وار باقاعدگی کے ساتھ اخبار میں نکلتے رہیں۔

دوسری بات میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ سب نماز کے پابند ہو جائیں۔ نماز خدا کے آگے گرنا اور جھکنا اسلام کا ایک نہایت ضروری رکن ہے۔ اور ہم عاجز بندوں کا ایک بہت بڑا ہتھیار ہے مجھے یہ دیکھ کر رنج ہوتا ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں وہ پابندی نظر نہیں آتی جو ہونی چاہیئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے سارے نوجوان نماز کے پوری طرح پابند نہیں ہیں۔ ان میں اللہ کے فضل سے بڑے بڑے پابند نماز اور تہجد خواں ہیں لیکن نوجوانوں کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جو دنیا کے زہریلے اثرات کیوجہ سے نماز کا پوری طرح پابند نہیں اور اسکی طرف سے غافل ہے۔ میں نوجوانوں سے درخواست کروں گا کہ وہ ابھی سے نماز تہجد کی پابندی کی عادت ڈالیں اور اس عادت کو اسی عمر میں راسخ کریں سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کا عادی بنانا چاہیئے۔ والدین اس کے لئے ذمہ دار ہیں۔ جو والدین شروع ہی سے اس طرف توجہ نہیں کرتے اور بچوں کو غلط لاڈ پیار میں رکھتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں بہت بعد جا کر جب بچہ جوان ہوتا ہے اور اس کی اصلاح مشکل ہو جاتی ہے اس وقت والدین کو سمجھ آتی ہے کہ لاڈ پیار نہ تھا بلکہ بچے کے ساتھ دشمنی تھی اس لئے حدیث میں آتا ہے کہ بچے کو سات سال کی عمر میں ہی نماز کی عادت ڈالو۔

— * * * * —

اخبارِ احمدیہ

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بخیریت ہیں اور حضور نماز فجر کے بعد باقاعدہ درس قرآن دے رہے ہیں۔ احباب سلسلہ اس پیکر لطف و احسان و کرم اور قافلہ صدق و صفا کے سالار اعظم کی اشاعت اسلام اور استحکام جماعت کی کوششوں میں کامیابیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

وفات:۔ کرناٹک (بھارت) سے افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ ہماری جماعت کے ایک سرگرم ممبر مولوی بڈھن خاں صاحب انتقال کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ایک عالم باعمل بزرگ تھے کینڑی زبان میں کئی کتابوں کے مصنف اور ایک ماہوار دینی رسالے کے مدیر تھے غربأ و مساکین کے ہمدرد اور محتاجوں کی خفیہ مالی امداد آپکا شعار تھا شب بیدار اور تہجد گذار تھے۔ آپکے ذریعہ متعدد غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ مرحوم نے اپنے پیچھے چھ لڑکے پانچ لڑکیاں اور ایک بیوہ کو سوگوار چھوڑا ہے۔ ہمیں ان کے داماد حسین امام صاحب باگیواڑی (اطلاع دہندہ) اور اُن کے جملہ خاندان سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت اور جنت میں اُن کے درجات بلند فرمائے۔ بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔ جامع احمدیہ دارالسلام میں نماز جمعہ ۱۱/۳/۸۳ جنازہ غائبانہ پڑھا گیا۔

— * * * —

جالینوس کے قلم سے :-

کائنات کا حُسن اور قرآن کریم کا حُسنِ بیان

* قرآن کریم اُس دور میں نازل ہوا جب اہل عرب کو اپنی فصاحت اور بلاغت اور قادرالکلامی پر بڑا ناز تھا اور ادباء شعراء اور فنونِ لطیفہ کے ماہرین عربی زبان میں نئے نئے اسالیب بیان کیا نظم میں اور کیا نثر میں ایجاد کر رہے تھے۔ ایسے وقت میں قرآن کریم نے تمام اہلِ زبان کو یہ چیلنج دیا کہ اگر تم اس کلام کو کلام بشر سمجھتے ہو تو لاؤ اس جیسی نظیر لاکر دکھاؤ۔ اس جیسی فصاحت اور بلاغت سے بھرپور آیات بناکر پیش کرو اور ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی کردی کہ تم ایسا کبھی نہ کرسکو گے۔

* اس چیلنج کو تین رنگوں میں اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اور منکرین کلام الٰہی پر اتمام حجت کے لئے انہیں بار بار بلایا ہے کہ اگر تم اسے کلام خداوندی تسلیم نہیں کرتے تو اس جیسا کلام پیش کرو۔

۱۔ قرآن کریم کی مثال لاکر دکھاؤ

جب کفار نے یہ کہا کہ یہ سب اساطیر الاولین ہیں اور خود بنا کر پیش کی جا رہی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دعوت دی اور فرمایا :-

"ان سے کہدو کہ اگر تمام جنّ و انس بھی جمع ہو جاویں کہ اس قرآن کی مثال پیش کریں تو وہ اس کی مثال نہ لاسکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد کے لئے کھڑے کیوں نہ ہو جاویں"

۲۔ قرآن جیسی دس سورتیں لاکر دکھاؤ

پھر تحدّی کے ساتھ انہیں کلام الٰہی کے صادق ہونے کے متعلق بیان فرماتے ہوئے دعوت دی کہ اگر تم اس جیسا سارا قرآن نہیں لاسکتے تو چلو اس جیسی دس سورتیں ہی اس فصاحت اور بلاغت اور حسنِ بیان کے ساتھ لاکر دکھاؤ اور اس کے لئے جس سے بھی مدد لینا چاہو لے لو۔ فرمایا

"کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے ان آیات کو خود گھڑ لیا ہے۔ ان سے کہہ دو کہ تم اس جیسی دس سورتیں اپنی طرف سے بناکر پیش کرکے دکھاؤ اور جس کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنی مدد کے لئے بلاسکتے ہو بلالو اگر تم اس بات میں سچے ہو"

۳۔ قرآن جیسی ایک سورت ہی لاکر دکھاؤ

دشمنانِ اسلام اور کلام الٰہی کے منجانب اللہ ہونے سے انکار کرنے والوں کو مزید تحدی کے ساتھ ان پر اتمام حجت کرتے ہوئے اس قدر مہلت دی کہ اچھا تم ایک سورۃ ہی اس جیسی پیش کرکے دکھادو۔ فرمایا

"کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے انہیں خود بنا لیا ہے پس وہ اس جیسی ایک سورۃ ہی لاکر دکھادیں" اور فرمایا :-

"اگر تم اس کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے شک کرتے ہو تو تم اس جیسی ایک سورۃ ہی لاکر دکھاؤ اور اپنے مددگاروں کو خدا کے مقابلہ پر بلالو اگر تم واقعی سچ کہتے ہو"

* خداتعالےٰ نے اپنے کلام میں کائنات کی حقیقتوں کو جس حُسن اور جمال سے بیان فرمایا ہے وہ اسی کو زیب دیتا ہے۔ اور اس میں کیا شُبہ ہے کہ اس کی صداقت اور حقانیت کے سامنے کسی کو بھی ٹھہرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ممکن تھی۔ اور اس قدر تحدّی اور دعوے کے باوجود کوئی بھی قرآن جیسی، یا اسکی دس سورتوں جیسی یا ایک سُورۃ جیسی ہی کوئی مثال اس کے مقابل پہ لاکر دکھاتا۔

جب سورۃ کوثر نازل ہوئی تو اُسے لکھ کر خانہ کعبہ پر لٹکا دیا گیا جب اُسے ایک چوٹی کے شاعر اور عرب کے ایک فصیح و بلیغ عالم نے پڑھا "انا اعطینٰك الکوثر۔ فصل لربّك وانحر۔ انّ شانئك هوالابتر۔ تو وہ اس کے آگے یہ عبارت لکھنے پر مجبور ہوگیا کہ "ما هٰذا قول البشر" کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اور صداقت خداتعالےٰ کی وحدانیت اور اس کی توحید ہے جس پر کلام الٰہی نے اپنی بنیادیں استوار کی ہیں اور اس تمام کائنات کا حسن اور جمال اس کی ترتیب موسموں کی تبدیلی۔ دن رات کا آنا جانا۔ سورج چاند خشکی تری۔ سمندر اور پہاڑ سب پکار پکار کر بزبانِ حال یہ آواز دے رہے ہیں کہ ہم سب کو پیدا کرنے والی ذات واحد اور لاشریک ہے۔ اس کا نظم و ضبط یہ گواہی دے رہا ہے کہ ایک ہی ذات کے مضبوط ہاتھ میں اس کُل کائنات کی باگ ڈور ہے۔ اس توحید کے سبق کو اللہ تعالےٰ کے کلام میں جس خوبصورتی اور فصاحت و بلاغت سے بیان کیا گیا ہے اس کی ایک مثال ہی دشمنانِ اسلام کے تمام باطل دعاوی کے لئے کافی ہے۔ وہ فرماتا ہے :-

"کہو وہ اللہ ایک ہے۔ وہ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ وہ پیدا ہوا ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوگا۔ اور نہ ہی اُس جیسا کوئی اور ہے"

اس واضح اور بیّن حقیقت کو بہت سے مقامات پر اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے اور توحید کی دعوت دے کر تمام باطل اور جھوٹے خداؤں سے دُور رہنے کی تلقین کی ہے۔ فرمایا :- "اور تمہارا وہ معبود اکیلا ہے۔ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے وہ رحمان اور رحیم ہے"

اس بنیادی صداقت کا ذکر متعدد بار کیا گیا ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے سوا دُوسری بے جان چیزوں کی عبادت کرنے والوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا اور وہ اس بارے میں خاموش رہے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کی توحید نے انہیں اپنا جلوہ دکھایا اور عرب و عجم کو اسلام کی روشنی سے منور کرتے ہوئے توحید کے جھنڈے تلے جمع کردیا۔ اور وہ تمام اصنام پاش پاش ہوگئے جن کو گمراہی کے اندھیروں میں مشرکین نے اپنا خدا جان لیا تھا۔

کلام الٰہی نے آسمانی حسن و جمال کا بیان بڑے اچھوتے انداز میں فرمایا ہے اور اسکے حسنِ نظام کو اپنی توحید کے لئے بطور دلیل کے پیش کیا ہے۔ فرمایا :-

۱:- "اور ہم نے آسمان میں بُرج بنائے ہیں اور ہم نے اسے دیکھنے والوں کے لئے بہت بازینت بنایا ہے"

۲:- "اور ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے روشن کیا ہے"

جمالیات اور حُسن اور خوبصورتی سے دلچسپی رکھنے والا ایک انسان اس حقیقت سے

بے خبر نہیں رہ سکتا کہ ستاروں کی جگ مگاہٹ اور اُن کی رنگا رنگ کی خوبصورت دُنیا صبح و شام کے جلوے۔ سُورج کا ایک آب و تاب سے طلوع ہونا اور تمام رُوئے زمین اور مشرق و مغرب کو منور کرنے کے بعد غروب ہو جانا۔ چاندنی رات کا لازوال حُسن اور اس کے بعد اندھیری راتوں کے گہرے سائے، صاف اور شفاف آسمان کا نکھرتا ہوا نُور اور اس کے بعد سیاہ اور گھرے ہوئے بادلوں کی سیاہی اور ان کی گھن گرج اور آسمان و زمین کے نظام میں ہر لحہ برپا ہونے والے انقلابات اور ایک اُفق سے دُوسرے افق تک پھیلے ہوئے آسمان اور زمین میں پیدا ہونے والے تغیر و تبدل۔ ان سب میں کس ذات کا جلوہ پوشیدہ ہے اور یہ کس کے اشارے سے ایک نظام میں بندھے ہوئے ہیں۔ ہر دیکھنے والی آنکھ اور غور و فکر کرنے والا دل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ محض اور محض ایک خُدا اور صرف ایک خُدا کا برپا کردہ نظام ہے جو رب العالمین ہے اور خالق السموٰت والارض ہے جس کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور زبان پہ یہ کلام پاک جاری ہو جاتا ہے

لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کُنت من الظالمین

چونکہ زمین و آسمان کے حسن میں ہی خالقِ حقیقی کا حُسن پنہاں ہے اس لئے بار بار اس کے ذکر سے جمالِ الٰہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:۔

"ہم نے قریب کے آسمان کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا ہے"

ان کے حسن نظم اور ترتیب کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

"کیا وہ لوگ اپنے اُوپر پھیلے ہوئے آسمان کے بارے میں غور و فکر نہیں کرتے کہ ہم نے کس طرح اس کو بنایا ہے اور پھر اس کو زینت عطا کی ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی نقص نظر نہیں آتا۔"

اگر کوئی دیدۂ بینا ہو اور اپنی نگاہوں کو دوڑائے تو آسمانی نظام خدا تعالےٰ کی توحید کے سبق کے لئے ایک درسِ اول کی حیثیت رکھتا ہے اور جب وہ آسمان کی بلندیوں۔ اس کی مضبوط بنیادوں اس کے اندر پیدا کئے گئے سورج چاند ستاروں اور حسن و جمال اور زینت کو دیکھے گا جس میں اُسے کوئی نقص نظر نہ آئے گا تو وہ خود بخود پکار اُٹھے گا کہ اس سارے نظام کو چلانے والی ایک عظیم ہستی ہے۔ اور وہ واحد اور لاشریک ہے۔

پھر محض آسمانی حُسن اور جمال کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ وہ آسمان جو حسن اور جمال زمین کو عطا کرتا ہے اور بارانِ رحمت سے زمین کو حسین و جمیل صورت بخشتا ہے۔ اس کا ذکر بھی بہت اچھوتے انداز میں فرمایا ہے۔ وہ فرماتا ہے۔

"وہی ذات ہے جس نے آسمان سے پانی کو نازل کیا پھر ہم نے اس سے ہر چیز کی نباتات پیدا کی اور اسے سبزہ زار بنائے جن سے تہ بہ تہ دانے نمودار ہوتے ہیں اور انگور، انار اور زیتون کے باغات پیدا کئے ہیں ملتے جُلتے اور جُدا جُدا۔ ان کے پھلوں پر غور کرو جب وہ پھل دار ہوتے ہیں اور اُن کی پرورش پر۔ اور اس میں ایمان لانے والوں کے لئے بہت سے نشانات ہیں"۔

قدرت کے حسین مناظر اور کھیتیاں۔ باغات۔ پھولوں۔ پھلوں۔ سبزہ زاروں اور رنگا رنگ کے گلشنوں اور قسما قسم کے ان قدرتی شاہ پاروں سے کس طرح ایک حسین و جمیل ماحول جنم لیتا ہے اور یہی حسن و جمال خدائے واحدہٗ لاشریک کی ہستی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس کی ذات کی طرف راہنمائی کرنے والے کمالات خداوندی ہیں۔ وہ ان خوبصورتیوں کا ذکر حُسن بیان کے ساتھ یُوں کرتا ہے۔

"اور اس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی نازل فرمایا اور ہم نے اس سے ایسے ایسے باغات پیدا کئے جو خوبصورتی اور حُسن کی ایک مثال ہیں"

پھر اس رنگا رنگ کی پیداوار میں ہر چیز کے لئے ایک جوڑا پیدا کر کے ان کی پیدائش کو ایک لازوال زندگی اور حیاتِ طیبّہ بخش کر انہیں بے مثال اور ابدی بنا دیا تاکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس گلشنِ عالم کو حسن و جمال سے تابندگی بخشتے رہیں۔ فرماتا ہے۔

"اور زمین کو ہم نے بچھایا ہے اور اس میں ہم نے پہاڑ قائم کئے ہیں اور پھر ہم نے اس میں ہر چیز کے خوشنما جوڑے پیدا کئے ہیں"

انواع و اقسام کے پھل پھُول جو انسانی رُوح کو مسرت و شادمانی سے سرشار کرتے ہیں اور رُوح کی غذا مہیّا کرتے ہیں انہیں وجودِ باری تعالےٰ کے لئے گواہ بناتے ہوئے عقلمندوں کے لئے راہ نمائی کا باعث بنایا۔ وہ فرماتا ہے:۔

"یہ بصیرت عطا کرنے والے اور نصیحت حاصل کرنے کے ذرائع ہیں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب کے تابعدار بندے ہیں"

اگر ایک انسان محض آسمان کے جلووں اور زمین کی پیدا کردہ خوبصورتیوں اور مناظرِ قدرت پر نظر کرے تو اس میں اُسے یقیناً خدا تعالےٰ کے حُسن و جمال کا نور پوشیدہ و پنہاں نظر آئے گا۔ کہ اس کا نور سُورج چاند ستاروں میں ہے۔ اس کا نور ہر پھل اور ہر پھول اور اس کی پتّی میں ہے۔ اس کا نُور ابر اور باد و باراں میں ہے۔ اس کا نور اندھیروں اور روشنیوں میں ہے۔ اس کا نور بجلی اور اس کی چمک میں ہے۔ وہ ہر کہیں ہے۔ جہاں چاہو اُسے دیکھ لو۔ تلاش کرنے والے کو وہ خود مواقع میسّر کرتا ہے۔ کاش ہم اس کے نُور کو دیکھ کر اُسے پہچان سکیں۔ کہ وہ نورِ اعلیٰ نور وجود کس طرح ہر چیز میں جلوہ گر ہے۔ ؎

جمال و حسن قرآں نُورِ جاں ہر مُسلماں ہے۔

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

***

ارشادِ امیر

محبّت کے جوہر کو ترقی دو۔

ہمیں قرآنی اصول پر ایک کنبہ بنانے کی ضرورت ہے۔ بیوی۔ بھائی۔ بہن۔ والدین۔ اور اولاد جب ایک گھر کے اندر رہتے ہیں تو وہ ایک دُوسرے کی تکلیف محسوس کرتے ہیں اور اس کو دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تم ساری جماعت کو ایک کنبہ سمجھو اور اپنی ہمدردی بیوی۔ بھائی۔ بہنوں، والدین اور اولاد تک محدود نہ رکھو بلکہ تمام افرادِ جماعت کو اسمیں شریک کر لو۔ ان اصولوں پر بنی ہوئی جماعت صحیح طور پر رحماء بینہم کا نقشہ ہوگی غرضیکہ اپنی جماعت کو ایک کنبہ کی شکل دو ایک کو تکلیف پہنچے تو دوسرا اُسے ضرور محسوس کرے اس سلسلہ میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ محبت کے جوہر کو ترقی دو۔ اللہ تعالےٰ نے انسان میں ایک بڑی خوبی رکھی ہے اور اس میں ایک زبردست جوہر ودیعت کیا ہے وہ خوبی اور جوہر محبت کا جوہر ہے اسکو پرورش کرنے اور ترقی دینے کی ضرورت ہے۔۔۔ لوگ محبت کی صفت کی پرورش کی طرف بہت کم راغب ہوتے ہیں۔ اگر محبت کے جوہر کو ترقی دی جائے تو یہی دُنیا بہشت بن سکتی ہے اگر انسان کے دل میں دوسروں کے لئے محبت پیدا ہو جائے تو پھر اس کے لئے بھی لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہو جاتی ہے۔۔

***

محترمہ زمرد فاضل رمضان صاحبہ، ہالینڈ

آہ! سلمیٰ

بعض ستارے اس قدر روشن اور نمایاں ہوتے ہیں کہ اس دنیا کی تاریکی کو دور کرنے اور مسافروں کی راہنمائی کرنے میں نمایاں حصہ لیتے ہیں لیکن بہت سے ستارے ایسے بھی ہوتے ہیں جو بہت کم نظر آتے ہیں اور دیکھنے والوں کو عام نظر نہیں آتے لیکن پھر بھی روشنی پھیلانے میں حصہ لیتے ہیں۔

میری پیاری بہن اور میری پیاری بھابھی سلمیٰ (کیونکہ ناصر احمد کو میں نے ہمیشہ اپنا بھائی کہا ہے) صبر و وفا کی تصویر مہمان نوازی کی نادر مثال۔ دین کو دُنیا پر مقدم کرنے والی ہستی کی اس دُنیا سے رحلت کی خبر نے مجھے بے قرار کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس کی زندگی کے چند حصے جو میرے سامنے ہیں اُن کے لکھنے کو میرا جی بار بار چاہ رہا ہے سلمیٰ سسرال اور میکے دونوں طرف سے نیکی و شرافت اور خدمتِ اسلام و خدمت انسانیت کا وافر حصہ ورثہ میں لے کر پیدا ہوئیں۔ یہ حضرت شیخ نیاز احمد صاحب مرحوم کی نواسی تھی جو حضرت مجدد صد چہار دہم کے ساتھی تھے۔ سلمیٰ مولانا آفتاب الدین احمد مرحوم کی بہو تھیں جنہوں نے زندگی خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر دی تھی۔ اور ناصر احمد صاحب کی بیوی تھیں جن کی زندگی اسلام کے لئے وقف ہے۔

سلمیٰ شادی سے پہلے ناز و نعم میں پلی ہوئی ایک لڑکی تھی۔ شادی کے بعد وہ ایک مثالی بیوی بنی اُس نے اپنی زندگی کو بالکل اسی طرح ڈھال لیا جیسے اس کے سسرال کی سادہ اور خدمتِ اسلام والی زندگی تھی۔ سلمیٰ کے والدین مرحوم و مغفور بھی بے حد نیک، صوم صلوٰۃ کے پابند اور ارکانِ دین پر چلنے والے تھے۔ سلمیٰ خود نماز روزہ کی پابند۔ بچوں کی اچھی تربیت کی خواہش مند ہر وقت ایک خاموش جہاد میں مصروف رہتی۔ عموماً شادی کے بعد گھر عورت کی مرضی کے مطابق چلنے لگتا ہے مگر سلمیٰ نے اپنے گھر کو اپنے شوہر کے مزاج کے مطابق چلایا۔

بیرون ملک کا کوئی ایسا مہمان شاید ہی نظر آئے جو اُن کے چھوٹے سے گھر میں نہ گیا ہو عام انسانی فطرت ہے کہ اپنے حالات اور مکانیت کو دیکھ کر مہمانوں کو دعوت دی جاتی ہے مگر اُن کے دلوں کو خدا نے اتنا وسیع کر رکھا تھا اور کر رکھا ہے کہ کہیں بھی تنگی کا عکس نظر نہیں آیا۔ میرا تو کچھ نہ پوچھیئے۔ میں نے سکول کی زندگی سے اب تک گرمی کی شدید دھوپ میں سے لوٹ کر تو اس گھر کی ٹھنڈک کو ہمیشہ محسوس کیا۔ مہمان اُن کے گھر پہنچ کر اتنا سکون محسوس کرتا کہ جیسے اس کا اپنا گھر ہو۔ ۱۹۸۱ء کے جلسہ میں بیرونی جماعتوں کے بعض مہمانوں نے اُن کے گھر میں قیام کیا اور بے حد خوش رہے۔ ابھی ۸۲ء کے جلسہ سالانہ میں ہالینڈ کے لوگ گو اُن کے گھر میں نہ ٹھہرے پھر بھی اُن کے چھوٹے سے صحن میں مہمانوں کی تصویر مع میاں بیوی بچوں کے ساتھ مجھے ملی معلوم نہ تھا وہ اتنی جلدی ہم سے جُدا ہو جائے گی۔ ہالینڈ میں جس نے سُنا دم بخود رہ گیا۔ غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی گئی اور سب نے بے حد اظہارِ افسوس کیا۔

ایک اور واقعہ جس کا ذکر کرنا میں ضروری سمجھتی ہوں بھائی ناصر احمد کو اپنے مرحوم بھائی اقبال احمد کی بیماری کے سلسلہ میں لاہور چھوڑ کر انگلینڈ جانا پڑا۔ بیوی بچے بھی ساتھ تھے مگر سلمیٰ مرحومہ کو یورپ کا ماحول ایک آنکھ نہ بھایا۔ اس دُنیا کی جنت کو جہاں ایک متوسط طبقے کے انسان کے لئے بہت کشش ہوتی ہے کہ تھوڑی سی محنت کے بعد خوشحال گھرانوں کی طرح گذر بسر کر سکیں گے۔ بچوں کی اعلےٰ مفت تعلیم ہوگی خالص غذا ہوگی مگر یہاں روحانی غذا کی کمی اس نے شدت سے محسوس کی اور واپس وطن لوٹ گئی تاکہ ناصر احمد بھی اپنے کام کو یعنی خدمت سلسلہ کو جاری رکھ سکیں۔

واپسی پر ہالینڈ بھی چند روز کے لئے آئے۔ انہیں دنوں یوترخت جماعت نے شب برات کے جلسہ کا انتظام کر رکھا تھا جہاں مجھے اور ناصر احمد کو تقریر کا موقع دیا گیا۔ اختتام پر یوترخت جماعت کے صدر جناب ایوب حسن محمد صاحب نے ہم دونوں کو ایک ایک سو گلڈر دیئے میرا انکار تو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا مگر یہ خاندان سفر میں ہونے کی وجہ سے مالی مشکلات کے پیشِ نظر لے سکتے تھے مگر فوراً سلمیٰ بہن نے اسے اشاعت اسلام کے کھاتے میں ڈلوا دیا۔

ع خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں۔

طبیعت میں ذرہ بھر لالچ نہ تھا۔ ہالینڈ میں آنے کی بھی خاص غرض یہ تھی ایک تو ہالینڈ کے سب احمدیوں سے اور جماعتوں سے ملنا اور دُوسرا برلن مسجد کی زیارت کیونکہ انہیں دنوں ایک فدسیر کے طور پر برلن مسجد جا رہا تھا سلمیٰ بہن کی شدید خواہش تھی کہ ہم برلن مسجد بھی دیکھیں کہ: ع یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے

کہاں کہاں پہنچ کر اسلام کا جھنڈا لہرا چکے ہیں۔ اور خُدا نے اُن کی وہ خواہش پوری کر دی۔ بس کہاں تک لکھوں۔ اس مضمون کو اس دُعا پر ختم کرتی ہوں۔

"اے مولا کریم مرحومہ کو جنت الفردوس کے بلند مقام میں جگہ عطا فرمانا اور اس کے شوہر کو صبر جمیل اور معصوم بچوں کا خود حامی و ناصر ہونا۔ آمین ثم آمین"

* * *

مولانا محمدؐ علی فری ڈسپنسری

خُدا ترس مخیّر دوستوں کے لئے حصولِ ثواب کا ذریعہ۔

مقامی جماعتِ احمدیہ کے زیر انتظام احمدیہ بستی "دارالسلام"، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں یہ فری ڈسپنسری اہالیان بستی کے علاوہ گرد و نواح کے مریضوں کو طبّی امداد بہم پہنچا رہی ہے۔ دُکھی انسانیت کی خدمت کا یہ سلسلہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے۔ ڈسپنسری کو ایک مستند، قابل اور تجربہ کار ڈاکٹر کی خدمات حاصل ہیں جو روزانہ ۳ بجے بعد دوپہر سے پانچ بجے تک نہایت انہماک سے مریضوں کو دیکھتے ہیں اور دوا تجویز کرتے ہیں جو مُفت دی جاتی ہے۔

اس کارِ خیر کی وسعت کے ساتھ ساتھ اخراجات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے آپ بھی دستِ کرم بڑھائیں اور ثواب دارین حاصل کریں۔ آپ کے عطیات اگر مستقل صورت میں ماہانہ آئیں تو مفید تر ہو سکتے ہیں۔

عطیات بھیجنے کا پتہ

چوہدری ریاض احمد صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور

دارالسلام ۵۔ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

* * *

ترجمہ: محمد شریف چوہدری

بلادِ غیر میں اسلام پر احمدیہ لٹریچر کی مقبولیت اور طلب

اقصائے عالم سے آمدہ خطوط کی جھلک

"میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" (الہام حضرت مجددؑ صدی چہاردہم)

۱۔ قاہرہ میں مقیم لائبیریا کے سفارت کار جناب عباس دین منو با تحریر کرتے ہیں۔

پیارے بھائی۔ السّلامُ علیکم

لائبیریا میں نئی قائم شدہ اسلامک آرگنائزیشن کے بحیثیت ممبر میں آپ کے بین الاقوامی ادارہ سے بغرض حصول دینی عربی کتب لٹریچر چند سطور ہدیۂ نذر کر رہا ہوں اسوقت اس تنظیم کے زیر اہتمام سترہ پرائمری سکول ہیں جہاں بچوں کو انگریزی اور اسلامیات کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ ہمارے ادارہ کے چیپٹرمین (جن کا پتہ درج ذیل ہے) کو زیادہ سے زیادہ کتب رسالہ جات بھیج کر عنداللہ ماجور ہوں۔ نیز مجھے بھی ارسال کردہ کتب کی تفصیل سے آگاہ کریں پیشگی شکریہ۔

۲۔ انجمن ینگ مسلم برادر ہُڈ نائیجیریا کے جنرل سیکرٹری رقمطراز ہیں:۔

ہم نے اپنی نوجوان نسل کی دینی تربیت کے لئے ایک تنظیم تشکیل دی ہے جس کا اولین مقصد "جہاد" ہے تاکہ نوجوان اپنے جان و مال کو اللہ کی راہ میں قربان کر سکیں اس مقصد کے پیشِ نظر آپ کے ادارہ اشاعت اسلام سے رجوع کر رہا ہوں کیونکہ اسوقت دُنیا میں صرف آپ ہی کا ایک ادارہ ایسا ہے جو فروغ دین و اشاعت اسلام کا اہم فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ لہٰذا آپ اپنی قیمتی کُتب بطور تحفہ ارسال کر دیں ہم آپ کے بے حد شکر گذار ہوں گے انگریزی ترجمۃ القرآن اور مکمل قرآن کے ریکارڈ کیسٹ ضرور بھجوائیے اس بارے میں اگر کوئی کُتب موجود ہو تو وہ بھی ارسال کر دیں۔ مکرر شکریہ،

۳۔ سرینگر کشمیر سے مرزا ذوالفقار بیگ صاحب تحریر کرتے ہیں۔

آپ کا مرسلہ قیمتی کُتب کا پیکیٹ مورخہ ۲/۲/۸۳ء موصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ۔ قبل ازیں آپ کی طرف سے جو خط ملا تھا اس میں آپ نے ۲ کتب کا ذکر کیا تھا لیکن مجھے صرف دو کُتب "تفسیر قرآن کریم انگریزی اور ٹیچنگز آف اسلام" ہی موصول ہوئے ان قیمتی اور مقدس کُتب کے لئے دوبارہ شکریہ۔ جماعت کے تمام احباب کی خدمت میں سلام عرض کر دیں جن کی مساعی جمیلہ کی بدولت اسلام کے نور کی روشنی تاریک دنیا میں پھیل رہی ہے۔

۴۔ جکارتہ انڈونیشیا سے جناب آر کلدن لکھتے ہیں۔

پیارے بھائی۔ السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عیسائیت اسلام کا زبردست حریف ہے۔ ہمارے ملک میں عیسائیوں کے مختلف فرقے اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ پھیلانے میں مصروف ہیں اور دین اسلام کے خلاف گہری سازشیں کر رہے ہیں۔ انڈونیشیا میں عیسائیت کے گمراہ کن پروپیگنڈہ کو روکنے کے لئے میری خواہش ہے کہ احمدیہ تحریک لاہور نے عیسائیت کے رَد میں جو لٹریچر شائع کیا ہے اس کو جمع کروں اور اپنی زبان میں ترجمہ کر دوں تاکہ ہمارے لوگ عیسائیت کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائیں اور ان کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔

۵۔ نائیجیریا سے کے۔ اے جمو صاحب اپنی درخواست بعنوان "مفت انگریزی قرآن" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

پیارے بھائی۔ السلامُ علیکم!

مجھے انگریزی تفسیر قرآن کریم مصنفہ حضرت مولانا محمد علی رح کی اشد ضرورت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے اور اس مقدس کتاب کا ایک نسخہ ارسال کر کے عنداللہ ماجور ہوں گے اور میری حوصلہ افزائی کریں گے۔ دعاگو ہوں اللہ تعالےٰ جماعت احمدیہ کو دین کا ایک مضبوط قلعہ بنا لے۔ اور ہمیں دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۶۔ نائیجیریا سے عبدالعزیز شافی تحریر کرتے ہیں:

پیارے بھائی۔ السّلامُ علیکم!

آپ کا مرسلہ ۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء کا خط موصول ہوا۔ کُتب جو آپ نے بعنایت خاص ارسال کی ہیں ابھی تک نہیں ملیں اُمید ہے عنقریب مل جائیں گی۔ اور میرے لئے روحانی مسرت کا باعث ہوں گی۔ کتب جن کی فرمائش کی تھی وہ یہ ہیں۔ پنجسورہ مسلم پریئر بک۔ اسلامک سوشل جسٹس۔ دوبارہ ملتمس ہوں کہ اگر آپ نے یہ کتب نہیں بھیجیں تو جلد از جلد روانہ کر کے شکریہ کا موقع دیں۔

۷۔ عبدالغنی یاسین حسن نائیجیریا سے رقمطراز ہیں۔

مکرمی جناب۔ السلامُ علیکم!

آپکا ۹ دسمبر ۱۹۸۲ء کا گرامی نامہ ملا۔ انگریزی تفسیر بیان القرآن جو آپ نے بطور تحفہ ارسال کی ہے میرے لئے باعث صد افتخار و انبساط ہے۔ آٹھ کتب کا سیٹ جو آپ لائبریریوں کو بھجواتے ہیں میری اپیل ہے کہ مجھے بھی ایک سیٹ بھجوا دیں۔ حسب ارشاد اپنے شہر کی لائبریری کا پتہ بھیج رہا ہوں۔ اس کے بعد مزید لائبریریوں کے پتے بھی ارسال کروں گا۔"

باہتمام ریاض حسین الحیدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۹ مارچ ۱۹۸۳ء ۔ جلد ۷۰ شمارہ ۱۰

جلد: ۷۰ * یوم چہار شنبہ ۳۰ جمادی الاول ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۸۳ء * شمارہ ۱۱

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

صرف اقرار کافی نہیں عملی رنگ سے اپنے آپ کو رنگین کرنا چاہیئے

اسی لئے اللہ تعالےٰ نے آزمائشوں کا سلسلہ رکھا ہے تا اس کے ذریعہ سے مومن کا امتحان لے

"میں نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نے جو تعلق مجھ سے پیدا کیا ہے (خدا تعالےٰ اس میں برکت ڈالے) اس کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کی فکر میں ہر وقت لگے رہیں۔ لیکن یاد رہے کہ صرف اقرار ہی کافی نہیں جب تک عملی رنگ سے اپنے آپ کو رنگین نہ کیا جاوے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ أحسب النّاس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنّا وھم لا یفتنون ــــ

* ــــ یعنی کیا انسانوں نے گمان کر لیا ہے کہ ہم اٰمنّا ہی کہہ کر چھٹکارا پالیں گے اور کیا وہ آزمائش میں نہ ڈالے جائیں گے سو اصل مطلب یہ ہے کہ یہ آزمائش اسی لئے ہے کہ خدا تعالےٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا ایمان لانے والے نے دین کو ابھی دنیا پر مقدم کیا ہے یا نہیں۔ آج کل اس زمانہ میں جب لوگ خدا تعالےٰ کو اپنے مصالح کے خلاف پاتے ہیں یا بعض جگہ حکام سے ان کو کچھ خطرہ ہوتا ہے تو وہ خدا کی راہ سے انکار کر بیٹھتے ہیں ایسے لوگ بے ایمان ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ فی الواقعہ خدا ہی قادر مطلق ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا تعالےٰ کی راہ بہت دشوار گذار ہے اور یہ بالکل سچ ہے کہ جب تک انسان خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنی کھال اپنے ہاتھ سے نہ اتار لے تب تک وہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں مقبول نہیں ہوتا ــــ

* ــــ ہمارے نزدیک بھی ایک بے وفا نوکر کسی قدر و منزلت کے قابل نہیں۔ جو نوکر صدق اور وفا نہیں دکھلاتا وہ کبھی قبولیت نہیں پاتا۔ اسی طرح جناب الٰہی میں وہ شخص پرلے درجے کا بے ادب ہے جو چند روزہ دنیوی منافع پر نگاہ رکھ کر خدا تعالیٰ کو چھوڑتا ہے۔"

(ملفوظات جلد ہفتم ص ۲۹)

کلام الامام

فروغِ نُورِ عشق اوز بام و قصرِ ما روشن

بدہ از چشم خود آبے درختانِ محبت را — مگر روزے دہندت میوہ ہائے پُر حلاوت را

محبت کے درختوں کو اپنی آنکھوں کے پانی سے سیراب کر تاکہ ایک دن وہ تجھے شیریں میوے دیں

مہ اسلام در باطن حقیقت ہا ہمے دارد — کجا باشد خبر زاں مہ گرفتارانِ صورت را

اسلام کا چاند اپنے اندر بہت سی حقیقتیں رکھتا ہے۔ ظاہر بینوں کو اس چاند کی خوبیوں کی کیا خبر ہو سکتی ہے

من از یار آمدم تا خلق را ایں ماہ بنمایم — گر امروزم نمے بینی بہ بینی روزِ حسرت را

میں اس یار کی طرف سے آیا ہوں کہ مخلوقات کو یہ چاند دکھاؤں۔ اگر آج تو مجھے نہیں دیکھے گا تو ایک روز حسرت کا دن دیکھے گا

گر از چشمِ تو پنہاں ست شانم دم مزن باری — کہ بد پرہیز بیمارے نہ بیند روئے صحت را

اگر میری شان تیری آنکھوں سے پوشیدہ ہے تو کبھی خاموش رہ کہ بد پرہیز بیمار تندرستی کا منہ نہیں دیکھتا

چوں چشم حق شناس و نورِ عرفانت نہ بخشیدند — نہادی نام کافر لاجرم عشاقِ ملّت را

چونکہ تجھے معرفت کی آنکھ اور نورِ عرفان نہیں دیا گیا اس لئے تُو نے عاشقانِ اسلام کا نام کافر رکھ دیا ہے۔

بحمد اللہ کہ خود قطع تعلق کرد ایں قومے — خدا از رحمت و احساں میسر کرد خلوت را

الحمد للہ کہ اس قوم نے خود ہی مجھ سے قطع تعلق کر لیا اور خدا تعالیٰ نے مہربانی اور کرم سے خلوت میسر کر دی

چہ میسوزی ازاں قربے کہ با دلدار میدارم — اگر زورے ست در دستت بگرداں رزقِ قسمت را

تو اس قرب کی وجہ سے جو مجھے دلدار سے حاصل ہے کیوں جلتا ہے اگر تیرے ہاتھ میں زور ہے تو قسمت کے رزق کو بند کر دے

اگر خواہی رہِ مولیٰ ز لافِ علم خالی شو — کہ رہ ندہند در کویش اسیرِ کبر و نخوت را

اگر مولا کی راہ چاہتا ہے تو علم کی شیخی ترک کر کہ اس کے کوچہ میں اسیرِ کبر و نخوت کو گھسنے نہیں دیا جاتا

نمے باید مرا یک ذرّہ عزت ہائے ایں دنیا — منہ از بہرِ ما کرسی کہ ماموریم خدمت را

مجھے ذرّہ بھر دنیا کی عزت درکار نہیں ہمارے لئے کرسی نہ بچھا کہ ہم تو خدمت پر مامور ہیں

فروغِ نورِ عشق او ز بام و قصرِ ما روشن — مگر بیند کسے آں را کہ میدارد بصیرت را

اس کے نورِ عشق کی تجلّی سے ہمارے بام و قصر روشن ہیں لیکن اسے وہی دیکھتا ہے جو بصیرت رکھتا ہو

بخاک انگیزیٔ شاں بر ضیائے خود نمے ترسیم — نہاں کے ماند آں نورے کہ حق بخشید فطرت را

جو میری روشنی پر خاک ڈال رہے ہیں اس کا مجھے خوف نہیں بھلا وہ نور کب چھپ سکتا ہے جو خدا نے میری فطرت کو بخشا ہے

(دُرِّ ثمین)

* * * * * * *

ضروری اعلان

آئندہ انتخابات معتمدین کا اہتمام ۸۔ اپریل ۸۳ء بروز جمعۃ المبارک کیا جائیگا۔ جن افراد نے مرکز سے بھیجے گئے فارم پُر کر کے ابھی تک نہ بھجوائے ہوں وہ ۲۵ مارچ ۱۹۸۳ء قبل دوپہر تک مرکز میں پہنچا دیں تاکہ انتخابات میں حصہ لے سکیں۔

(کنوینر انتخابی کمیٹی)

اخبارِ احمدیہ

- سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں اور حسبِ معمول خدماتِ دینیہ میں مصروف ہیں احباب جماعت حضرت ممدوح کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔
- تقریبِ شادی: ۱۱ مارچ ۱۹۸۳ء کو عزیز خیام ظفر ابن شیخ ظفر اللہ صاحب کی تقریب نکاح ہمراہ عروسہ شیخ بنت محترم اصغر شیخ صاحب سیالکوٹ چھاؤنی میں منعقد ہوئی اس خوشی میں دولہا کی والدہ محترمہ رشیدہ ظفر صاحبہ نے مبلغ دو صد (۲۰۰) روپیہ اشاعت اسلام فنڈ میں مرحمت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق کو جانبین کے لئے مبارک اور مثمر بثمرات حسنہ بنائے۔ آمین!!

پاکیزگی، پاکیزہ اخلاق، ایمان اور اچھے اعمال کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی

خطبۂ جمعۃ المبارک فرمودہ سیدنا حضرت امیرِ قوم ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز، بتاریخ ۴ مارچ ۱۹۸۳ء بمقام جامع احمدیہ دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سُورۃ النحل کی آیت من عمل صالحا من ذکرٍ او انثٰی وھو مومن فلنحیینہٗ حیوٰۃً طیبۃً ج ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں نے آپ کے سامنے سورۃ النحل کی آیت ۹۷ پڑھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہے ہم یقیناً اسے ایک پاک زندگی میں زندہ رکھیں گے اور ہم انہیں بہترین اعمال کا جو وہ کرتے تھے اجر دیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے بڑی فصاحت کے ساتھ یہ بیان فرمادیا ہے کہ جہاں تک اعمال کی جزا کا تعلق ہے مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں اور یہاں مومن مردوں اور مومن عورتوں کے اعمال صالحہ کی جس جزا کا ذکر ہے وہ حیاتِ طیبہ یعنی پاکیزہ۔ صاف ستھری اور بے داغ زندگی ہے جو انہیں اس دُنیا میں بھی ملے گی اور آخرت میں بھی۔ اب ہمارے سامنے یہ ایک نہایت اہم سوال ہے کہ اچھی اور پاکیزہ زندگی جس کا اس آیت میں ذکر ہے کس طرح حاصل اور بسر ہو سکتی ہے۔ یہ سوال صرف آج کا ہی نہیں بلکہ گذشتہ زمانوں میں بھی لوگوں کے سامنے پیدا ہوتا رہا ہے۔ اور وہ بھی اپنے اپنے زمانوں میں اپنی اپنی طرزِ زندگی اور ضروریات زمانہ کے مطابق اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ نظریۂ زندگی یا حیوٰۃ ہر دور میں مختلف رہا ہے لیکن سب میں ایک قدرِ مشترک معیارِ زندگی رہا ہے یعنی ظاہری زندگی کی زیب و زینت۔ آرام و آسائش اور دیگر مختلف قسم کی سہولتیں جس سے جسم کو خوشی اور راحت حاصل ہو۔ ہمارے اپنے زمانہ میں اسی قسم کے معیارِ زندگی کے لئے سخت دوڑ دھوپ اور ایک دُوسرے سے آگے نکلنے کے لئے روز و شب تگ و دو ہو رہی ہے۔ ہر کوئی اس فکر میں مُبتلا ہے کہ اسے اچھا سے اچھا کھانے۔ اچھے سے اچھا پہننے اور رہائش کے لئے اچھے سے اچھا مکان ملے۔ اس کے لئے حلال و حرام کی تمیز اُٹھ گئی ہے۔ دولت کے حصول میں جائز و ناجائز ذرائع میں کوئی فرق باقی نہیں رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ملک میں لاقانونیت۔ افراتفری۔ بے اطمینانی۔ حرص و ہوس اور اسلام کی تعلیم سے برگشتگی کا دور دورہ ہے۔ یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اور یہ ہمارا دن رات کا تجربہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم نے دُنیا میں اچھی زندگی گزارنے اور اپنے معیار کو بلند کرنے کے لئے زیب و زینت اور خور و نوش یا اچھی رہائش کے حصول کو ہرگز منع نہیں فرمایا جیسے کہ اس آیت میں "قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہٖ والطیبٰت من الرزق ط قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیمۃ ط" ذکر ہوا ہے کہ کہہ دے کس نے اللہ کی زینت کو جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے اور کھانے کی سُتھری چیزوں کو حرام کیا ہے۔ کہہ وہ دُنیا کی زندگی میں اُن لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان لائے۔ قیامت کے دن خالص (اس کے لئے) خوبصورت لباس پہننا اور پاکیزہ کھانا کھانا حرام نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ جائز اور حلال طریق پر حاصل کیا گیا ہو کسی پر ظلم اور اس کا استحصال کر کے اپنے لئے پیدا نہ کیا گیا ہو۔ رسولوں کو بھی یہ حکم ہے کہ یاایھا الرسل کلوا من الطیبٰت واعملوا صالحاً ط اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ اور بھی کئی مقامات پر پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ روٹی کا مسئلہ جس کے لئے ساری دنیا پریشان ہے اسلام نے اس طرح حل کردیا ہے۔ اگر دنیا کی توجہ اس طرف ہو جائے کہ حلال اور پاکیزہ کمانا اور حلال اور پاکیزہ کھانا ہے تو اس لحاظ سے دنیا امن میں ہو جائے۔ یہ باہمی رقابت اور چپقلش ختم ہو جائے ہر قوم اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے کے لئے دوسری قوم سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی ہے یہی مسابقت قوموں کو دو عالمی جنگوں میں مبتلا کر کے دُنیا کے امن و سکون کو تباہ کر چکی ہے اور اس وقت دُنیا بڑے خطرناک ایٹمی دور سے گذر رہی ہے۔ اور دن بدن تباہی کے دہانے کی طرف بے تحاشا دوڑ رہی ہے۔ اسے صرف ایک چنگاری دکھانے کی ضرورت ہے جس کے نتیجے میں تباہی و بربادی کا جو سماں ہو گا اس کا تصور بھی بڑا ہولناک ہے۔ یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ یہ قوموں کی ترقی کے سامانوں کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا فقدان ہے۔ جو اس زندگی کو جنت میں بدل سکے۔

دنیا کی زندگی کا دوسرا سامان خوبصورت لباس ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں آیا ہے کہ یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سوأتکم وریشاً ط ولباس التقوٰی ذٰلک خیرٌ اے بنی آدم! بے شک ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے عیبوں کو ڈھانکے اور زینت ہو۔ اور تقوٰی کا لباس ہی بہتر ہے۔ ظاہری لباس کتنا ہی سادہ کیوں نہ ہو لیکن اس کے ساتھ تقوٰی ہو تو وہ اس خوبصورت لباس سے ہزار درجہ بہتر اعلیٰ اور افضل ہے جو لباسِ تقوٰی سے عاری ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کسی کی شکل و صورت خوبصورت لباس اور مکان اور اس کے حسب و نسب کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔ اس کے نزدیک ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم کے مطابق وہی معزز ہے جو متقی ہے اور جس کے اعمال صالحہ ہیں۔ آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کرام رضہ کا کھانا پینا اور لباس تک سادہ ہوتا تھا لیکن وہ نہ صرف اپنے زمانے کے بلکہ آئندہ زمانوں کے بھی معزز ترین انسان ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کے معیارِ زندگی کے مطابق لباسِ تقوٰی زیبِ تن کیا ہوا تھا۔ جس کی پوری پوری رعایت انہوں نے زندگی بھر مدنظر رکھی۔

تیسری چیز جو انسانی ضروریات میں بہت اہمیت رکھتی ہے وہ مکان ہے۔ مکان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کلوا من رزق ربکم واشکروا لہٗ ط بلدۃ طیبۃ و ربٌّ غفور۔ اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو اچھا شہر اور (اس کا) بخشنے والا رب ہے۔ سبا کے رہنے والوں کو یہ حکم تھا کہ تم اللہ کا شکر کرو۔ یعنی کھانے پینے اور رہنے سہنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے تمہیں جو رزق اور خوبصورت مکان دیئے ہیں اس کی ان نعمتوں کے لئے تم اس کا شکر بجالاؤ یعنی اس کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرو اور تقوٰی کی راہوں پر چلو لیکن جب انہوں نے اس فرمانِ الٰہی سے اعراض کیا تو سیلاب نے انہیں تباہ کر کے سبا کو ایک ویران صحرا میں تبدیل کر دیا۔ جہاں باغات کی جگہ تلخ میووں والی جھاڑیاں۔ جھاؤ اور

اور تھوڑی سی بیریاں اُگ آئیں۔

اچھے اعمال کے بدلے میں یہ خوبصورت ٹھکانے دنیا میں ہی نہیں ملتے ان کا وعدہ آنے والی ہمیشہ کی زندگی کے لئے بھی ہے ویدخلکم جنٰت تجری من تحتھا الانہار ومساکن طیبۃ فی جنت عدن۔ اور وہ تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور پاکیزہ ٹھکانوں میں ہمیشہ رہنے والی جنت میں۔

یہ کھانا پینا۔ اچھا لباس اور اچھا گھر اور زیب وزینت کے دوسرے سامان ہمارے ظاہری حواس کی لذّت کی تسکین کے عارضی سامان ہیں۔ یہ مومن کا مقصودِ حیات نہیں اس کو تو وہ سامان چاہیئیں جن سے دل میں راحت اور اطمینان پیدا ہو اور جن سے اس کی رُوح کو لذت حاصل ہو۔ اور طیبٰت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ طیب کا مطلب ہے جو گندگی۔ پلیدی اور فسق و فجور سے پاک اور صاف ہو۔ ایمان اور پاکیزہ اعمال سے مزین ہو۔ آنحضرت صلعم کو بھی یہ حکم ہوا ہے کہ وثیابك فطھر والرجز فاھجر۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی سے دُور رہ یعنی آپ کا ظاہر و باطن ہر قسم کی گندگی سے پاک اور صاف ستھرا ہو۔ اس کے بغیر خُدا سے جو خود پاک اور صاف ہے تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلعم نے اپنے ماننے والوں کو یہ دُعا سکھائی ہے اللھم نقنی عن خطایای کما ینقی الثوب الابیض من الدنس۔ اے میرے اللہ مجھے خطاؤں سے اس طرح پاک صاف کر دے جس طرح سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ظاہری نجاستوں سے بھی پاک ہو اور باطنی پلیدیوں سے بھی پاک ہو۔ اس کے اندر یہ پاکیزگی۔ پاکیزہ اخلاق۔ ایمان اور اچھے اعمال کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ جس انسان کو یہ مقام حاصل ہو جائے اس کا خاتمہ بالخیر ہوتا ہے۔ اس کے متعلق خود قرآن کریم فرماتا ہے کذالك یجزی اللہ المتقین الذین تتوفٰھم الملٰئکۃ طیبین یقولون سلم علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون (النحل ۳۲)

اسی طرح اللہ متقیوں کو جزا دیتا ہے جن کی جانیں فرشتے قبض کرتے ہیں (درآنحالیکہ) وہ پاک ہیں۔ (وہ) کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو۔ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ اس کا بدلہ ہے جو تم کرتے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم کے حوالے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانوں کو جسمانی لذات سے محروم نہیں کیا مگر ان کو روحانی لذّات کے مقابلے میں ادنیٰ مرتبہ دیا ہے کیونکہ اول الذکر اسی دنیا کی زندگی تک محدود ہیں اور مؤخر الذکر دائمی ہیں۔ جو اس زندگی میں بھی ملتی ہیں اور آنے والی ہمیشہ کی زندگی میں اس سے بہتر شکل وصورت میں ملیں گی۔

کھانا۔ لباس۔ اور نادر زرورگار عمارات زندگی کے لوازم ہیں لیکن دوسرا حصہ جو رُوحانی زندگی سے تعلق رکھتا ہے زیادہ اہم ہے۔ اللہ تعالٰے نے اس کو زیادہ اہمیت دی ہے کیونکہ اس سے حیاتِ طیبہ ملتی ہے جو قلب و روح کی حقیقی راحت کا دوسرا نام ہے۔ یہ راحت جسمانی لذات سے نہیں مل سکتی۔

دوسروں کی خیرخواہی اور اصلاح کی خاطر زبان سے نکلی ہوئی اچھی اور پاکیزہ باتیں بھی اللہ تعالٰے کے ہاں شرف قبولیت پاتی ہیں۔ الیہ یصعد الکلم الطیب اسی کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں لیکن والعمل الصالح یرفعہ لیکن درجات کی بلندی صرف اعمالِ صالحہ کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس والذین یمکرون السیات لھم عذاب شدید ومکراولئك ھو یبور۔ جو لوگ بری مخفی تدبیریں کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کی مخفی تدبیریں ملیا میٹ ہو جائیں گی۔ ایک ہی آیت میں ایک طرف اچھے اعمال والوں کی کامیابیوں اور دوسری طرف بُرے اعمال والوں کی ناکامیوں اور پستیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ مقامِ فکر ہے اللہ تعالٰے نے انسانوں کی کامیابی اور ناکامی کے طریقے بیان کر دیئے ہیں اب انسان کو اختیار ہے کہ جو راہ وہ اپنے لئے منتخب کرے کر سکتا ہے لیکن اس کے نتائج کو اپنے سامنے ضرور رکھنا چاہیئے۔ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن اس سے سبق حاصل نہیں کرتے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا اس وقت ترقی یافتہ۔ ترقی پذیر۔ پسماندہ قوموں اور تھرڈ ورلڈ (تیری دُنیا) میں بٹی ہوئی ہے جن میں سے ہر ایک قوم اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ جس قدر وہ مادی لحاظ سے آگے بڑھتی ہے اسی قدر وہ خدا سے دور ہو جاتی ہے۔ مادی ترقیات کی یہ بلندی اللہ تعالٰے کی نظر میں پستی ہے کیونکہ وہ ایمان اور عملِ صالحہ سے خالی ہے اس کا انجام ہاویہ میں گرنا ہے۔ اما من خفت موازینہ فامہ ھاویہ۔ جس کے نیک اعمال کا وزن ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ جلتی ہوئی آگ ہوگا۔ اس آگ کی جلن ھل من مزید کی صورت میں اسی دُنیا میں شروع ہو جاتی ہے۔ اس آگ کو بجھانے اور ٹھنڈا کرنے کے لئے جو انسان مبعوث ہوا وہ فرماتا ہے۔ ؎

این آتشے کہ دامنِ آخر زماں بسوخت

از بہر چارہ آتش بخدا نہرِ کوثرم

یہ آگ جو اس آخری زمانہ کے دامن کو جلا رہی ہے خدا کی قسم اس کے علاج کے لئے میں نہر کوثر ہوں۔ یہ علاج آپ نے ان چند الفاظ میں بیان کر دیا کہ :-

"میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔"

آپ نے ترکِ دُنیا کا وعدہ نہیں لیا۔ بلکہ یہ اقرار کرنے کو فرمایا کہ جب اور جہاں دنیا کا دین کے ساتھ تصادم ہوگا میں دین کا ساتھ دوں گا۔ حضرت صاحب نے یہ عہد اپنی جماعت سے لیا ہے ہمیں اب غور کرنا ہے کہ کیا ہم اس اقرار پر اپنے اعمال و کردار کے ذریعے پورے اُتر رہے ہیں؟ ہمیں یہ بھی سوچنا ہے کہ ہم حیوٰۃ طیبہ حاصل کرنے کے لئے کیا اور کتنی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے آپ سے یہ سوال پوچھنا ہے کیونکہ اس عہد کی وجہ سے ہم پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو ہم نے اپنی خوشی سے اپنے اوپر ڈالی اور قبول کی ہے۔ اس ذمہ داری سے ہم اسی وقت عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جب ہماری اپنی زندگیاں پاکیزہ ہوں۔ یہ پاکیزگی جیسا کہ میں بتا آیا ہوں دنیا کے مال و دولت کی فراوانی اور جسمانی لذات کے حاصل کرنے سے نہیں بلکہ پاکیزہ اعمال سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ ہمیں ہر وقت اس بات کو مدنظر رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ ورنہ جس اعلےٰ اور ارفع مقصد کی خاطر حضرت صاحب نے یہ جماعت قائم کی ہے۔ وہ ہرگز حاصل نہ ہو سکے گا اور اس میں ہماری خدانخواستہ ناکامی باعث ندامت ہوگی۔ اللہ تعالٰے ہمیں اس سے بچائے۔ آمین!

از قلم مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درس قرآن — سبق ۲۵

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا (البقرۃ ۲ ۔ ۱۶۸)

ترجمہ:۔ "اے لوگو اُس سے جو زمین میں ہے حلال اور پاکیزہ (چیزیں) کھاؤ"

مَیں نے اس درس کے لئے اسلام میں خوراک کے متعلق جو احکام ہیں اُن کو چُنا ہے اس لئے کہ بعض مغرب زدہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں سوال یا اعتراض کرتی ہیں کہ فلاں چیز کیوں حرام ہے؟ تو خوراک کے متعلق جو احکام ہیں وُہ یہ ہیں:۔

۱۔ زمین میں جو کچھ ہے وہ کھاؤ بشرطیکہ وہ حلال اور طیّب ہو۔ حلال کے معنی وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالےٰ نے حلال بتائی ہیں، یا حلال طریقہ سے کمائی گئی ہوں یعنے اللہ تعالےٰ اور ملک کے قانون کے خلاف طریقوں سے نہ کمائی گئی ہوں۔ سو اللہ تعالےٰ نے تو تمام چیزیں حلال ٹھہرائی ہیں سوائے چند کے جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔ جو حلال کی ہیں اور وہ دنیا کی تقریبًا تمام چیزیں ہیں سوائے گنتی کی چار پانچ چیزوں کے۔ مگر وہ حلال طریقہ سے کمائی ہوئی ہونا ضروری ہے یعنے خُدا نے اور ملک نے جن کمائی کے طریقوں سے روکا ہو اُن سے بچنا ضروری ہے۔

(۲) دوسرا عام قانون یہ ہے کلوا واشربوا ولا تسرفوا (الاعراف ۷ ۔ ۳۱) یعنے کھاؤ اور پیو مگر زیادتی نہ کرو۔ ہم میں سے اکثر ضرورت سے زیادہ کھاتے ہیں اور اکثر بیماریاں اسی زیادتی کے باعث پیدا ہوتی ہیں خصوصًا وزن بڑھ جانے کی وجہ سے۔ زیادہ کھانے کی بُرائی تو اکثر لوگوں کو معلوم ہے۔ مگر زیادہ پینے سے چاہے وہ پانی ہو یا چائے کافی وغیرہ صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ چائے کافی زیادہ پینے سے تو ڈاکٹر بھی روکتے ہیں مگر عام لوگوں کو اس کا علم نہیں کہ پیاس سے زیادہ پانی پینے سے بھی وزن بڑھتا ہے اور جس طرح زمین کو ضرورت سے زیادہ پانی لگے تو اس میں سیم اور تھور جیسی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، انسان کو بھی اپنے جسم کو اتنا ہی پانی دینا چاہیئے جتنا کہ پیاس مانگے۔ پیاس میں بے قابو ہو کر زیادہ پانی پینا بھی اچھا نہیں۔

(۳) تیسری عام بات یہ فرمائی یایھا الذین اٰمنوا لا تحرّموا طیّبٰت ما احل اللّٰہ لکم (المائدہ ۵ ۔ ۸۷) یعنے اے لوگو جو ایمان لائے ہو طیّبٰت جن کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے اُن کو اپنے لئے حرام نہ کرلو۔ طیّبٰت جن کا ذکر پہلے بھی حلال چیزوں کے ساتھ آچکا ہے کیا ہیں؟ طیبٰت کے معنی ہیں پاکیزہ یا پسندیدہ۔ ایک چیز جو حلال ہے وہ بعض حالات میں پاکیزہ یا ستھری یا پسندیدہ نہیں ہوتی۔ مثلًا بکری کا گوشت جو حلال کئے ہوئے جانور کا ہو حلال ہے مگر اگر وہ سڑ جائے تو اب وہ طیب نہیں رہا۔ چینی یا شکر حلال ہے مگر ذیابیطس کے مریض کے لئے وہ طیب نہیں۔ یا لوگوں کی فطرتی پسندیدگی کا بھی قرآن اور اسلام نے احترام کیا ہے۔ مثلًا اگر کوّا حلال جانور ہے مگر بعض لوگ اس کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتے تو ان سے اصرار کرنا کہ ضرور کھاؤ کیونکہ حلال ہے ٹھیک نہیں۔ عرب لوگ اسلام سے پہلے "گوہ" جو کہ LIZARD کے خاندان کی بڑی شئے ہے کھایا کرتے تھے۔ اسلام نے اسے حرام نہیں کیا مگر رسول اللہ صلعم کے پاس جب ایک شخص پکا کر لایا تو آپؐ نے خود کھانا پسند نہیں کیا تو حلال چیزوں میں سے جو پاکیزہ ہوں یعنے گلی سڑی نہ ہوں یا ڈاکٹر نے منع نہ کیا ہو بے شک کھاؤ بشرطیکہ تمہاری طبیعت اُسے پسند کرتی ہو۔ اس آیت میں جو میں نے ابھی پڑھی تھی یہ فرمایا کہ حلال اور طیّب چیزوں کو اپنے اُوپر حرام نہ کرلیا کرو تو یہ اُس طریق سے روکا ہے جو بعض مذہبوں میں ہے اور اب بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی بعض پیر فقیر بطور چلّہ یا نفس کو مارنے کے لئے بتاتے ہیں کہ بعض حلال اور طیب چیزوں کو چھوڑ دو۔

(۴) اب ہم آتے ہیں اُن چیزوں کی طرف جو اللہ تعالےٰ نے حرام کی ہیں۔ وہ بنیادی طور پر چار ہیں۔ اوّل مُردار، دوئم خون، سوئم سؤر کا گوشت، اور چوتھے وہ جس پر اللہ کے سوائے کسی دوسرے کا نام لیا گیا ہو۔ جیسا کہ فرمایا انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللّٰہ (البقرۃ ۲ ۔ ۱۷۳) "اللہ نے تم پر حرام کیا ہے صرف مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور جسے اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اسکی تفصیل آگے سورۃ المائدہ ۵ ۔ آیت ۳ میں آتی ہے جہاں فرمایا کہ مُردار میں صرف وہ جانور نہیں جو فطرتی یا طبعی موت مرے ہوں بلکہ وہ بھی جو گلا گھُٹ کر مرا ہو (جیسے کہ ایک بکری رسّی تڑانے یا ڈر کر بھاگنے میں رسّی کا پھندا لگ جانے سے گلا گھٹ کر مرجاتی ہے) یا چوٹ لگ کر مرا ہوا جانور یا سینگ لگ کر مرا ہوا جانور یا وہ جسے درندوں نے کھایا ہو سوائے اسکے جسے تم مرنے سے قبل ذبح کرلو۔ گویا ذبح کرنے سے جو خون بہہ کر گوشت کو پاک کرلیا جاتا ہے وہ وہاں ممکن نہ ہوسکا ہو۔ اور یہ بھی تشریح فرمائی کہ اللہ کے نام کے سوا جن جانوروں کو ذبح کیا جائے اُن میں وہ بھی شامل ہیں جو بتوں کے آگے ذبح کئے جائیں۔

(۵) اب ہم ان چار قسم کی حرام چیزوں پہ بحث کریں گے تاکہ اُن کی حُرمت کا فلسفہ ظاہر ہو۔ پہلے تو مُردار کو لے لیجئے۔ جو جانور مردہ ہے وہ ظاہر ہے کہ وہ کسی بیماری سے مرا ہوگا۔ اسلئے اسکو کھانا سخت خطرہ کو مول لینا ہے۔ دوئم بہت ممکن ہے کہ وہ جانور سڑ گیا ہو یا اس کا گوشت بگڑ گیا ہو اگرچہ انسان کو بظاہر معلوم نہ ہو۔ ذبح کرنے میں تقریبًا تمام خون بہہ کر نکل جاتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ جانور فورًا بے ہوش ہو جاتا ہے اور تکلیف کو محسوس نہیں کر رہا ہوتا مگر اس کا دل چل رہا ہوتا ہے اور خون کو پمپ کر رہا ہوتا ہے جو بہہ کر نکل جاتا ہے۔ جس جانور کو ذبح نہ کیا گیا ہو اس کے اندر خون رہ جاتا ہے اس لئے اس جانور کا گوشت جلد بگڑنے لگ جاتا ہے۔

خوراک کا اثر نہ صرف اخلاق پر پڑتا ہے جس کا ذکر میں آگے کروں گا بلکہ تعجب کی بات ہے کہ انسان کی شکل و صورت پر بھی۔ مثلًا جانوروں میں جو مردار خور ہیں مثلًا گِدھ یا لگڑ بگڑ (HYENAS) ان کی شکل بھی مکروہ ہوتی ہے۔ اسی طرح مجھے بمبئی پریذیڈنسی میں ۵ اسال نوکری کرنے کا موقعہ ملا تو میں نے وہاں دیکھا کہ جو نیچ قومیں مثلًا ڈھیڈ وغیرہ مُردار کھاتے ہیں اُن کی نہ صرف عادتیں اور اخلاق گر گئے تھے بلکہ اُن کی شکل و شباہت بھی مکروہ ہو گئی تھی۔ بہرحال مردار کھانے سے صحت

پر بُرا اثر پڑنے کا جو خطرہ ہوتا ہے کہ خدا جانے وہ جانور کس بیماری سے مرا اور اس کا گوشت بگڑ تو نہیں گیا اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

۶۔ اب ہم آتے ہیں خون پر۔ سائنس کی تحقیقات نے اس بات کو اب ثابت کر دیا ہے کہ جتنے جراثیم (GERMS) یا وائرس یا مختلف قسم کے زہر ہیں وہ خون کے ذریعہ انسان کے جسم میں گردش کرتے ہیں۔ بیماریوں کے جراثیم یا دوسری قسم کی مُضر چیزوں کے علاوہ خود انسان کے اندر جو فاسد مادے یا نقصان دہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور جنہیں انسان کا جسم پھیپھڑوں یا گُردوں یا آنتوں (پاخانے) کے ذریعہ سے یا چمڑے کے مسام کے ذریعہ سے خارج کرتا ہے۔ وہ اُن تک خون کے ذریعہ سے ہی پہنچائے جاتے ہیں۔ اس لئے خون کھانا سخت مضرِ صحت ہے۔ پھر گوشت کی نسبت خون جلد سڑتا ہے۔ اسی لئے گوشت جس کے اندر خون رہ گیا ہو جلد سڑتا ہے۔ تو خون علیحدہ کھانا بہت ہی مضرِ صحت ہے۔ آپ یہ سن کر حیران ہوتے ہوں گے کہ کیا کوئی لوگ ایسے ہیں جو خون کو بذاتِ خود کھاتے ہوں۔ ایسے ضرور ہیں مثلاً گور کھے یا سکھ لوگ۔ چونکہ خوراک کا اثر اخلاق پر بھی پڑتا ہے اس لئے خون کھانے والے لوگوں میں خونخواری ضرور آجاتی ہے جس کا تجربہ اُن لوگوں کو ہے جن کو ایسی قوموں سے مقابلہ کرنے کا موقعہ پڑا ہو۔ جو لوگ خون کو علیحدہ نہیں کھاتے بلکہ گوشت میں رہنے دیتے ہیں اُن میں بھی بہ نسبت ذبیحہ کھانے والے مسلمانوں یا یہودیوں کے خونخواری زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لئے مسلمان سپاہی مہذب سپاہی ہے بہ نسبت غیر مُسلم سپاہیوں کے۔ جانور جو خون پیتے ہیں مثلاً شیر وغیرہ وہ بھی اپنی خونخواری میں مشہور ہیں۔

(۷) اب لیجئے سؤر کو۔ سؤر کو یہودی مذہب نے بھی حرام کیا ہے اور حضرت یسوعؑ نے بھی سؤروں میں ناپاک روحوں کو داخل کیا تھا۔ سؤر کے گوشت کی طبّی بُرائیاں اب آہستہ آہستہ معلوم ہو رہی ہیں۔ یہ نہ صرف ثقیل ترین گوشت ہے بلکہ بہت سی بیماریوں کو پھیلانے والا بھی ہے جو بیماریاں کہ پکانے سے دور نہیں ہو جاتیں مگر سب میں بڑی بات یہ ہے کہ خوراک کا اثر اخلاق پر بھی پڑتا ہے اور سؤر کے اخلاق میں ایک خاص برائی یہ ہے کہ یہ واحد جانور ہے کہ جو اپنی مادہ یا جنسی تعلقات (SEX) کے بارے میں کوئی غیرت نہیں رکھتا۔ نہ صرف یہ کہ اگر کوئی اور سؤر اس کی مادہ سے جنسی تعلق قائم کرے تو یہ بُرا نہیں مانتا بلکہ یہ اتنا دیّوث جانور ہے کہ اور سؤروں کو بھی ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس کی مادہ سے جنسی تعلقات (SEX) کو قائم کریں۔ اور سؤر کھانیوالی قوموں میں جو بے غیرتی آگئی ہے وہ آج یورپ اور امریکہ میں ظاہر ہے۔ یہ بات کہ خوراک کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے اس کی تصدیق اب بعض سائنسی تجربات نے کی ہے جو امریکہ میں ہوئے ہیں اور جن کا ذکر مشہور عالم رسالے "ریڈرز ڈائجسٹ"، کے جنوری ۱۹۷۳ء کے نمبر میں ہے کہ خوراک کے ذریعہ ایک جانور کی خصلت دوسرے جانور میں چلی جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ انسان میں بھی چلی جاتی ہے۔

(۸) آخری جانور وہ حرام ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیکر اُسے ذبح کیا گیا ہو یا مارا گیا ہو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تمام زندگی (LIFE) کو پیدا کرنیوالا اللہ تعالےٰ ہے اسلئے زندگی یعنے جان لینے کا حق صرف اللہ تعالےٰ کو ہے۔ اب انسان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اللہ تعالےٰ سے پوچھ کر یا اسکی اجازت لے کر جانور کو ذبح کرنا۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے انسان کے لئے آسانی پیدا فرما دی کہ اگر تم کسی جانور پر میرا نام لے لو تو وہ میری طرف سے اجازت کے مترادف ہو گا۔ جو خدا کے سوا کسی اور کا نام لیتا ہے مثلاً بُت کا یا پیر فقیر کا وہ اُس بُت یا پیر کو اس جانور کا پیدا کرنیوالا اور مالک اور جان لینے کا حقدار بناتا ہے جو شرک ہے۔ اسی شرک کی بنا پر وہ جانور بھی حرام ہے جو کسی بُت کے آگے ذبح کیا گیا ہو۔ توحید کے بارہ میں اسلام نے کمال کر دیا ہے کہ جس بات سے ذرہ سا بھی شرک پیدا ہونے کا احتمال ہو اُسے منع فرما دیا۔

(۹) مذکورہ بالا چار چیزوں کو حرام کرتے ہوئے قرآن حکیم نے صرف اُس شخص کو معذور سمجھا ہے جو حالت اضطراری میں ہو۔ جیسا کہ فرمایا فمن اضطر غیر باغ ولا عادٍ فلا اثم علیہ ط ان اللہ غفور رحیم (البقرۃ ۔ ۱۷۳) یعنے جو شخص حالتِ اضطرار یعنے سخت مجبور ہو جائے اور نہ تو وہ خواہش رکھتا ہو نہ ضرورت سے بڑھنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے مثلاً اگر انسان کی جان خطرہ میں ہو بھوک کیوجہ سے یا دشمن کے مجبور کرنیکی وجہ سے (جیسا کہ بعض غیر مسلمانوں نے مسلمانوں کو مجبور کیا) تو اس پر گناہ نہیں بشرطیکہ وہ خود ان حرام چیزوں کی طرف رغبت نہ کرنے والا ہو اور نہ مجبوری سے زیادہ کھائے۔ اس کا معاملہ اللہ تعالےٰ کی مغفرت اور رحمت کے نیچے ہے۔

(۱۰) حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تمام جانور جو چیرنے پھاڑنے والے ہیں یا پنجوں سے پھاڑ کر کھاتے ہوں وہ بھی منع ہیں مثلاً شیر یا بھیڑیا یا کتّا یا گِدھ اور چیل وغیرہ۔ قرآن کریم میں آیا ہے ما ینطق عن الھویٰ ہ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ یعنے یہ رسولؐ اپنی خواہشِ نفس سے کوئی دینی بات نہیں کہتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی خفی سے کہتا ہے اسلئے اس قسم کے جانوروں کا کھانا بھی منع ہے۔

(۱۱) پانی کے اندر رہنے والے تمام جانور حلال ہیں جیسا کہ فرمایا احل لکم صید البحر (المائدہ ۵ ۔ ۹۶) اور انہیں حلال کرنیکی یعنے ذبح کرنیکی ضرورت نہیں۔ (بخاری ۱۱ : ۷۲) ان میں سے بعض میں خون ہوتا ہی نہیں اور اگر ہوتا ہے تو بہت تھوڑا ہوتا ہے اس خون کی تاثیر بھی مختلف ہے۔

(۱۲) شکار خواہ وہ کتوں یا شکاری پرندوں کے ذریعہ سے ہو وہ جائز ہے (المائدہ ۵ ۔ ۴) بشرطیکہ اس پر اللہ کا نام لے لیا جائے۔ سو اگر ذبح کرنے کا موقعہ نہ ہو تو کُتّے یا شکاری پرندہ کو چھوڑتے ہوئے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ لینا جائز ہے۔ یہی فتویٰ بندوق یا تیر سے شکار کرنے پر ہے۔

(۱۳) اہل کتاب کا کھانا کھا لینا جائز ہے (المائدہ ۵ ۔ ۵) اگر شک ہو کہ انہوں نے ذبح نہیں کیا یا خدا کا نام نہیں لیا تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کھانا کھاتے ہوئے تم خود بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ (بخاری ۲ : ۷۲) اہل کتاب میں تمام قومیں شامل ہیں جنکے ہاں کتاب ہو مثلاً عیسائی۔ یہودی۔ ہندو یا پارسی وغیرہ۔

(۱۴) تمام وجوہ کے علاوہ جو میں نے دی ہیں اگر اللہ تعالےٰ نے تمام کھانے پینے کی چیزیں حلال کر دی ہیں سوائے چند کے تو اُن ہی حرام چیزوں کو کھانے پینے پر اصرار کرنا یہ تو محض خُدا سے بغاوت کرنا ہے۔ جو شیطان کے ورغلانے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۶۸ میں خبردار کیا گیا ہے۔ آخر فرمانبرداری انسان کس طرح سیکھے گا اگر کچھ چیزوں سے روک کر اُسے فرمانبرداری کا موقعہ نہ دیا جائے۔ اگر ایک شخص آپکو ہزاروں لاکھوں کھانے پینے کی چیزیں دے مگر کہے کہ یہ چار پانچ چیزیں نہ کھانا تو اگر کوئی شخص اصرار کرے کہ نہیں میں نے یہی کھانی ہیں تو یہ سوائے بغاوت اور سرکشی کے کیا ہے جو کہ شیطن کے ورغلانے کا نتیجہ ہے۔ پھر میں نے تو حرام چیزوں کی وجہ یعنے برائی بھی عرض کر دی ہے (باقی آئندہ)

تقریر بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۸۲ء
مکرم مرزا محمد لطیف شاہد صاحب

اسلامی معاشرہ

تبٰرک الذی جعل فی السمآء بروجًا وجعل فیھا سراجًا وقمرًا منیرًا
---------- انھا ساءت مستقرًا و مقامًا۔

معزز حضرات! میری تقریر کا عنوان ہے۔ اسلامی معاشرہ
اسلامی معاشرے سے مراد یہ ہوگا کہ اسلام کی وہ ہدایات یا تعلیم جو اس نے باہم زندگی گذارنے کے متعلق دی ہیں ان پر عمل کرنے کے نتیجہ میں جو معاشرہ پیدا ہوگا وہ اسلامی معاشرہ کہلائے گا۔

موجودہ دور میں اس موضوع کو خاص طور پر بیان کرنے اور اُن صفات و اعمال کو جو قرآن مجید اور حضرت نبی کریم صلعم نے ارشاد فرمائی ہیں ان کو عملی رنگ میں مسلمانوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ظاہری حالت تو یہ ہے کہ اجتماعی رنگ اور انفرادی حالت میں جو مسلمان افراد اور ممالک نمونہ پیش کر رہے ہیں ان کو دیکھ کر رُسن کر انسان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ملکی اخبارات اٹھا کر دیکھیں تمام وہ مفاسد جن کو مٹانے اسلام آیا۔ اب دوبارہ شدت سے عود کر آئے ہیں۔ انسانی خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ اخلاق باختہ لوگ نظر آتے ہیں۔ جدھر دیکھو مسلمانوں کا خون بے سبب و بے گناہ بہایا جا رہا ہے۔ مسلمان ممالک میں بعض ایسے بھی ہیں جن میں قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ جن چیزوں کا اسلام نے قلع قمع کیا تھا وہ دوبارہ بڑی تیزی کے ساتھ ابھر رہی ہیں۔ اور بعض لوگ جو حالات و واقعات پر گہری نظر رکھتے ہیں وہ کہہ رہے ہیں۔

اخلاق سے عاری ملّت اس وقت ہر اس برائی میں مبتلا ہے جو نظام عصبی کے لئے سمّ قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے بڑھ کر انسان سوزی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ انسان، انسان سے محبت نہیں کرتا۔ اور جب محبت نہیں کرتا تو اس کی عزت بھی نہیں کرتا۔ اس صورتحال نے معاشرے کو ایسے حالات کی گرفت میں دے دیا ہے کہ باہمی اعتماد اور ایک دوسرے کے خیال و خدمت کا تصور بھی ختم ہو گیا ہے۔

حالات کا مدبرانہ جائزہ نہ لیا گیا تو اس مملکت خداداد میں نفاذ شریعت سے کہیں پہلے آدھی سے زیادہ آبادی دماغی توازن سے محروم ہو جائے گی۔ اور جن کے دلوں میں زیادہ جوش پیدا ہوتا ہے وہ دوسرے رنگ میں قوم کا مرثیہ الاپتے ہیں۔ ؎

جی تو چاہتا ہے کہ سچ بولیں + کیا کریں حوصلہ نہیں ہوتا
رات کا انتظار کون کرے + آجکل دن میں کیا نہیں ہوتا

جُدا ہیں اب پروئے تھے جو تُو نے ایک رشتے میں
جو اپنے تھے ہوئے وہ دشمن جاں یا رسولؐ اللہ
مسلمانوں میں ہو جائے اخوت کی فضا پیدا
یہی ہر دل کی دھڑکن کا ہے ارماں یا رسولؐ اللہ
شب تاریک کے پردے سے ہو نورِ سحر پیدا
نوائے درد، اشک غم میں ہو یارب اثر پیدا

مسلمان علماء کا کردار

جلسہ سیرت میں جھگڑے عالمان دین حق
دل میں تھا بغض و نفاق اور لب پہ نام مصطفٰےؐ
بزم کفر و شرک میں اس کی ہنسی اُڑتی رہی
کس قدر مسجد میں تھا پاس پیام مصطفٰےؐ

حضرات! یہ حالات تقاضا کرتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ کے چند امتیازی اوصاف بیان کئے جائیں۔ اور جب تک یہ پیدا نہیں کئے جائیں گے ساری کوششوں کا نتیجہ صفر ہوگا۔ اور مسلسل ان سے روگردانی سے جس مقام پر پہنچیں گے اس کو بیان کرنے سے ڈر لگتا ہے
پہلی بات یہ ہے۔ اسلام ایک عالمگیر دین ہے۔ یہ کسی خاص قوم۔ ملک یا رنگ و نسل کا مذہب نہیں ہے۔ تمام بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے یہ نازل ہوا ہے۔ اور اپنی وسعت اور ہمہ گیری اور گہرائی کے لحاظ سے اس کا دروازہ ہر انسان کے لئے کھلا ہے۔ اس کا ممبر اگر ایک طرف قریشی ہے تو حبشہ کا رہنے والا بلال بھی ہے۔ اگر سعد انصاری اس کے ممبر ہیں تو صہیب رومی کے حقوق بھی اس میں محفوظ ہیں۔

اس سوسائٹی کا ممبر بننے کی شرائط

صرف کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرنا پہلی شرط ہے۔ جونہی کسی نے اللہ تعالےٰ کی توحید اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا وہ اس کا ممبر بن گیا۔ بخاری میں ایک حدیث آتی ہے۔ حضرت مقداد بن عمرو کندی نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اگر میری کسی کافر سے مڈبھیڑ ہو جائے اور وہ حملہ کر کے میرا ہاتھ کاٹ دے اور میرے وار سے بچنے کے لئے درخت کی اوٹ میں ہو کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرے تو کیا میں اس کے اس اعلان کے بعد بھی اس سے لڑائی جاری رکھ سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ اب اگر تو اس سے لڑتا ہے تو یاد رکھ تو کافر ہو گا اور وہ مسلمان! (بخاری جلد ثالث۔ کتاب المغازی)

پس اللہ تعالےٰ کی توحید اور رسالت پر ایمان لانے سے ایک انسان مسلم معاشرہ کا رکن بن جاتا ہے۔ ذرا مسلمان کی تعریف کی مزید وضاحت کر دوں۔
علمائے اسلام و لغت نے مسلمان کی شرعی تعریف یہ کی ہے۔
الاسلام من الشریعۃ اظہار الخضوع واظہار الشریعۃ والتزام لما اتی بہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم وبذالک یحقن الدم ویندفع المکروہ (لسان عرب) یعنی اسلام کا اصطلاحی شرعی مفہوم اظہار اطاعت و تسلیم، اظہار شریعت اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے تمسک ہے۔

اسلام ایک کامل و مکمل ضابطہ حیات پیش فرماتا ہے۔ اس نے وہ تمام اصول بیان فرمائے ہیں جو انسانیت کے لئے بمنزلہ اساس ہیں۔ لہٰذا جہاں وہ ہمیں معاشرہ کا ایک مہذب فرد بننے کی تعلیم دیتا ہے وہاں وہ ہمیں بڑی صراحت سے یہ بھی انتباہ کرتا ہے کہ تمہاری تمام تر توجہ اور انہماک دنیا کے لئے نہ ہو جائے ورنہ اللہ تعالےٰ سے غافل ہو جاؤ گے اور تمہارا آئینہ دل زنگ آلود ہو جائے گا۔ اور نورانیت میں تکدر پیدا ہو گا۔

فرمایا: الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا ---------- یوم القیامۃ وزنا (کہف) اسلامی معاشرت انسان کو مہذب بناتی ہے اور گنوار پن کو

دور کرتی ہے ہمارے ہادی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ بازار میں کھلے ہتھیار لے کر نہ چلیں فحش کلامی نہ کریں۔ ایسے مکان پر نہ سوئیں جس کی منڈیر نہ ہو۔ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ اور کسی کے گھر کی بیرونی دیوار سے اندرون خانہ جھانک کر نہ دیکھیں۔ گھر میں اتنی اونچی آواز سے کلام نہ کریں جس سے پڑوسیوں کو تکلیف ہو۔ اپنے گھر کا کوڑا کرکٹ گلی میں نہ پھینکیں اور راستوں پر بیٹھنا اور اونچی آواز سے بھی بولنے سے منع فرمایا۔

اسی طرح معاشرت کے بارے میں فرمایا۔ اے مسلمانو! عجمی طور و اطوار اختیار نہ کرنا اس سے دنیاوی انہماک پیدا ہو کر دل پر زنگ لگتا ہے۔ ہمیشہ مسلمانوں کو درست در کار دل بیدار ہونا چاہیئے۔ سونے چاندی کے برتن اور مرد کے لئے ریشمی کپڑے اور بھڑکیلے لباس سے منع فرمایا۔ الغرض اسلامی معاشرہ میں کردار کی تعمیر اور باطنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے پر بڑا زور دیا گیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب حجۃ البالغہ کے باب آداب معاشرت میں فرماتے ہیں

"ملوک عجم قیصر و کسریٰ کے طور و اطوار سے منع فرمایا کیونکہ وہ دنیاوی مشاغل میں پرلے درجے کا انہماک رکھتے ہیں۔ اور اس فانی حیات میں مطمئن تھے۔ یہ طریق اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے اس لئے شارع علیہ السلام کی یہ کوشش تھی کہ مسلمانوں کو اس قسم کی زندگی اور لوازم سے بچایا جائے کیونکہ اس کا نتیجہ اُن عجمی اقوام کے حق میں یہ ثابت ہوا کہ انہوں نے خدائے پاک کو جو ان کا رب تھا یکسر بھلا دیا۔ دنیاوی ترقی ان کا واحد نصب العین ہو گیا۔ دنیاوی تعیشات کے وہ انتہائی دلدادہ تھے اس لئے ضروری تھا کہ ان اقوام نے عیش پرستی کے متعلق جو تنعمات اختیار کئے ان میں سے موٹی موٹی باتیں مسلمانوں کے لئے حرام کر دی جائیں جیسے ریشمی کپڑے (مردوں) کے لئے دغیرہ وغیرہ۔

حضرات! اسلام ہر طرح سے کامل دین ہے جس میں معاشرہ کے تمام ترکیبی عناصر کے بارے میں مفصل تفاصیل موجود ہیں۔ اور اسلامی معاشرہ کو حقیقی کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ہدایات دی ہیں۔ باپ کا کیا مقام ہے حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ سے شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ماں باپ کی نافرمانی ہے۔ اسلام نے ہمیں بتلایا کہ بہترین معاشرہ وہ ہے جس میں اولاد کی تکریم کی جائے۔ پڑوسی کے بارے میں اس قدر تاکید فرمائی کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں "مجھے خیال ہوا کہ شاید پڑوسی کو رشتے داروں کی طرح وارث بھی قرار دیا جائے گا۔" اسلام نے ہمیں بتلایا ہے کہ اسلامی معاشرہ وہ ہے جس میں مزدور کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دی جائے اور ساتھ ہی مزدور کو بھی سمجھایا کہ تم خدا کے حضور تب شرف پا سکتے ہو جب خدا کے حق کے ساتھ اپنے آقا کا حق بھی ادا کرو۔ اسلام نے ہمیں بتایا کہ اسلامی معاشرہ میں شہری کے کیا فرائض ہیں۔ اسلام نے ہمیں معاشرہ کے کمزور افراد کے حقوق سے بھی آگاہ کیا اور ہمیں خبردار کیا کہ اگر تم اپنے ان خاک آلودہ بھائیوں کو اٹھانے کی کوشش نہیں کرو گے تو تمہارے نظام معاشرہ میں خلل واقع ہو جائے گا۔

اسلامی معاشرہ کی ابتداء مدینہ سے ہوئی جس میں انصار و مہاجرین اور اہل کتاب کو ایک تنظیم کی شکل دی گئی۔ اور ایک ایسا معاشرہ قائم فرمایا جو دنیا بھر میں مندرجہ ذیل خصائص کی وجہ سے امتیاز رکھتا ہے۔

(۱) مساوات۔ رنگ نسل۔ قبیلہ اور ذات پات کو ترک کر کے تقوےٰ کو فضیلت کا معیار مقرر کیا
(۲) بنیادی انسانی ضرورتوں میں سب کے ساتھ برابری کا سلوک۔
(۳) انسانی حاکمیت کی جگہ خدا کی حاکمیت قائم کر کے سب انسانوں کے لئے عدل و انصاف کی سہولت مہیا کرنا۔

اسلام نے مذہبی رواداری اور آزادئ ضمیر کا اعلان کیا۔ دوسرے مذاہب کی عبادتگاہوں کے تحفظ کا یقین دلایا اور معاشرتی زندگی کی ایسی تنظیم کی جو افراط و تفریط سے محفوظ ہے اسلامی معاشرہ رنگ و نسل اور علاقے سے تعصّبات سے بالا ہے۔ اسلام میں ذات پات کی کوئی تمیز نہیں۔ چنانچہ گورے کو کالے پر یا عربی کو غیر عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ اور نہ قبائل و شعوب کی بنا پر کسی کو کسی پر برتری ہے۔ یہ تو محض تعارف کے لئے ہے۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک صرف تقوےٰ ہی باعث فضیلت ہے۔ فرمایا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اور فرمایا یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک وجود سے پیدا کیا۔ اس آیت سے نسلِ انسانی کی وحدت کی طرف توجہ دلائی۔ اسلام نے داخلی طور پر جذبہ اخوت اسلامی پر بڑا زور دیا ہے۔ تاکہ صالحہ معاشرے کے قیام و استحکام میں مدد ملے۔ فرمایا انما المؤمنون اخوۃ سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ حضرت نبی کریم صلعم فرماتے ہیں لا تقاطعوا۔ ولا تدابروا ولا تباغضوا۔ ولا تحاسدوا وکونوا عباد اللہ اخوانا۔ دیکھنا (اے مسلمانو) آپس میں کبھی قطع تعلق نہ کرنا۔ اور نہ کبھی منافقوں کا شغل اختیار کرنا۔ ایک دوسرے کو پیٹھ نہ دکھانا۔ اور باہمی بغض و حسد بھی نہ کرنا۔ اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔

احباب کرام! حضرت امام الزمان کیا خوب فرماتے ہیں — اب تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہوئی ہے جس میں امیر و غریب۔ بچے۔ جوان بوڑھے ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ پس غریبوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے معزز بھائیوں کی قدر کریں اور عزت کریں اور امیروں کا فرض ہے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں۔ ان کو فقیر اور ذلیل نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھائی بھائی ہیں۔ گو باپ جُدا جُدا ہوں مگر تم سب کا روحانی باپ ایک ہی ہے۔ اور وہ ایک درخت کی شاخیں ہیں۔ اخوت کی یہ روح معاشرے کے تمام اعمال و مظاہر میں منعکس ہے۔ اس سے وہ مساوات پیدا ہوئی جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک شامی امیر جبلہ بن الایہم غسانی مسلمان ہوا۔ وہ ایک بار خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ اچانک ایک بدوی کا اس کی چادر کے گوشے پر پاؤں جا پڑا۔ جبلہ نے طیش میں آکر اس بدوی کے منہ پر زوردار تھپڑ مارا معاملہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے فرمایا! وہ بدوی بھی امیر جبلہ کے اسی طرح کا تھپڑ مارے۔ اس پر جبلہ نے پندار امارت میں کہا کہ ہم تو وہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی کے ساتھ پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ٹھہرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا! جاہلیت میں ایسا تھا مگر اسلام نے شاہ و گدا اور پست و بلند کو ایک کر دیا ہے۔ جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا ہی مذہب ہے جس میں اعلےٰ و ادنیٰ کا امتیاز نہیں تو میں اس سے باز آتا ہوں مگر حضرت عمرؓ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔

اسلامی اخوت کے مظاہرے

ایک صحابی جس نے ناز و نعمت میں زندگی گزاری تھی جب مکہ سے ہجرت کرنے لگے کفارِ مکہ نے کپڑے تک اتروا لئے کہ یہ یہیں کی کمائی ہے۔ تم مدینہ نہیں لے جا سکتے چنانچہ وہ لنگوٹی زیب تن کر کے مدینہ آ گئے۔

مدینہ میں مؤاخات

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو حضرت سعد بن ربیع کا بھائی بنایا گیا تھا۔ حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ اب یہ تمہارے بھائی ہیں۔ انھوں نے تو حد ہی کر دی۔ چراغ لے کر ڈھونڈھو دنیا کی تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملے گی۔ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا آپ میرے بھائی ہیں۔ میرا نصف مال آپ کا ہوگا۔ اور دیکھو میری دو بیویاں ہیں ایک کو میں طلاق دے دیتا ہوں۔ جب عدت گذر جائے تو تم اس سے نکاح کر لینا۔ (ترمذی)

(باقی آئندہ)

بسلسلہ نفاذِ اسلام

نفاذِ اسلام کے عمل کو تیز تر کرنے کی تدابیر

اب ہمارے سامنے آخری غور طلب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ نفاذِ اسلام کے عمل کو تیز تر کرنے کے لئے کیا کیا جانا چاہیئے یا کیا کیا جاسکتا ہے۔ اس کا جواب دو طریقے سے دینا ممکن ہے ایک یہ کہ موجودہ حکومت اور انتظامیہ کی خوبیوں اور خامیوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بعض اقدامات تجویز کئے جائیں یعنی موجودہ صورت حال میں جو کچھ ممکن ہے اس کا تذکرہ کیا جائے۔ اس سوال کا جواب دینے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کچھ اصولی گزارشات پیش کی جائیں اور یہ عرض کیا جائے کہ نفاذِ اسلام کے حقیقی تقاضے کیا ہیں۔ پہلے ہم موخر الذکر زاویہ سے اس سوال کا جواب عرض کریں گے۔

کسی بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح اور اسے تعلیماتِ اسلام کے مطابق ڈھالنے یا دوسرے لفظوں میں تجدید واحیائے دین کا کام اولاً انبیاء کے کرنے کا ہے اور نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد مجددین اور مصلحین یہ فریضہ ادا کرسکتے ہیں۔ اس کے لئے مجددین کی کیوں ضرورت ہے؟ یہ محض عقیدہ کی بات نہیں بلکہ احیائے اسلام کا فریضہ ہے ہی اس قدر گراں بار اور جانگسل ہے کہ کسی چھوٹے مذہبی وسیاسی لیڈر یا کسی حکمران کے لئے اس سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں بشرطیکہ آپ اس کام کی مشکلات سے آگاہ ہوں۔ یہ پورے معاشرہ سے لڑنے اور جمے ہوئے حقوق یافتہ طبقات کی مخالفت مول لینے اور غیر اسلامی طور طریقوں سے جنگ کرنے کے ہم معنی ہے۔ صحیح اور سچے خطوط پر تجدید واحیائے دین کا ہمہ جہتی کام کبھی بھی کھیل یا مذاق نہ تھا لیکن دورِ حاضر میں جبکہ مسلمان معاشرے صدیوں کے انحطاط اور تہذیبِ مغرب کے عالمگیر اور ہمہ جہت تسلط کی وجہ سے افقی اور عمودی بگاڑ کی گرفت میں ہیں نفاذِ اسلام کا کام اور بھی مشکل ہوگیا ہے۔ اگرچہ جدید ذرائع ابلاغ اور نظریات کے آزادانہ سفر اور تبادل کی وجہ سے انسانوں کے اذہان تک پہنچنا ایک خاص مفہوم میں پہلے کے مقابلہ پر آسان بھی ہوگیا ہے اور سیاسی ومعاشی دائروں میں طویل تجربات کے بعد انسان بعض صداقتوں کے قریب تر بھی پہنچ گیا ہے نیز وہ بعض تعصبات اور مفادات کا اسیر ہونے کے باوجود کچھ دوسرے تعصبات سے نسبتاً آزاد بھی ہوچکا ہے۔ اس لحاظ سے اصلاح کے عمل میں کچھ آسانیاں بھی پیدا ہوچکی ہیں لیکن بحیثیت مجموعی کسی معاشرہ کو تعلیماتِ اسلام کے مطابق ڈھالنا آج بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا کسی بھی دور میں رہا ہے۔ تاریخ اسلام میں تجدید دین کی پہلی کوشش حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کی تھی۔ حکمران خاندان اور طبقہ نے ان کی جس طرح مخالفت کی اور آخر کار دو اڑھائی سال بعد انہیں جس طرح راہ سے ہٹا دیا گیا اس سے تاریخ کا کوئی طالب علم بے خبر نہیں۔ بعد کے زمانوں میں بھی جس جس مصلح نے جس قدر اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے اُسے اُسی قدر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

ان مصلحین کی کامیابی یا ناکامی سے قطع نظر یہ ایک حقیقت ہے کہ معاشرہ کی اصلاح کا بیڑہ اٹھانے والوں نے سب سے پہلے اپنی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ اپنے سامنے صرف رضائے الٰہی کا مقصد رکھا۔ تمام دنیاوی آلائشوں سے اپنے فکر ونظر اور عمل وکردار کو پاک کیا۔ فقر و درویشی کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنایا اور جن لوگوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا ان کے اندر بھی یہی صفات پیدا کیں اسلام کے لئے کام کرنے کی راہ میں انسان پہلا قدم بھی نہیں اُٹھا سکتا جب تک وہ پہلے اپنی ذات کی نفی نہ کرے۔ اپنے دل سے دنیا کی محبت نہ نکال پھینکے اور جنت کے بدلہ میں اپنے خالق سے اپنی جان کا سودا نہ کرلے اور ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی کی زندہ تصویر نہ بن جائے۔ مصلحین کی زندگی میں اس طرح کا انقلاب آئے بغیر اسلام کا کام تو نہیں ہوسکتا۔ ویسے آپ کسی بھی مسلک اور فلسفۂ زندگی کیلئے کام کرنا چاہیں وہ آپ سے ایثار اور اخلاص اور تبتّل کا مطالبہ تو بہرحال کریگا خود اس زمانہ میں جن لوگوں نے کسی نظریہ اور نظام کے لئے کام کیا ہے انہیں اپنے عمل سے اس کی شہادت دینی پڑی ہے کہ وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ زمانہ حال میں سب سے نمایاں اور قریبی مثال چینی کمیونسٹوں کی ہے جنھوں نے اپنے ملک میں ایک نظام برپا کرنے کے لئے جو تاریخی اور عہد ساز جد وجہد کی اس کے دوران اُوپر سے نیچے تک انہوں نے اپنے مسلک اور فلسفہ کے تقاضوں کی پوری پاسداری کی اور اپنے مقصد سے لگن اور عشق کا پورا ثبوت دیا۔ آج کے دور میں اسلام کے لئے کوئی کام کرنا چاہے اور وہ اسلام کو ایک انقلابی اور نجات دہندہ قوت کے طور پر بھی سمجھتا اور پہچانتا ہو اُسے اپنی جد وجہد کے مقاصد اور اہداف کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو تو ناگزیر ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنی ذات اور اپنے نفس اور اپنے مقاصد کی طرف توجہ کرے اور کھوٹ اور آلائش اور دنیا طلبی اور جاہ پرستی کے ہر شائبہ سے نجات حاصل کرے کہ اس کے بغیر دعوت الی اللہ کی منزل کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھایا جاسکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس دَور میں نفاذِ اسلام کے لئے ایک عمر فاروق کی ضرورت ہے۔

صدر ضیاء الحق نے پچھلے دنوں کہا تھا کہ انہیں مشورہ دیا گیا ہے کہ معاشرہ کی اصلاح درّۂ عمر کے بغیر ممکن نہیں۔ بلاشبہ آج بھی عُمر کے دُرّے کی ضرورت ہے لیکن سیرت فاروق کا نمایاں ترین وصف فقر اور عشق ہے۔ جب تک فقرِ عمر کی جھلک کسی مصلح یا مدعی اصلاح کے اندر پیدا نہ ہو جب تک وہ نفی ذات ... کی لذت سے آشنا نہ ہو۔ نہ اس کا دُرّہ کوئی کام کرسکتا ہے نہ وعظ اور نہ قانون۔ اسلام اپنی رُوح کے لحاظ سے انسانوں کو اوپر اٹھانے ان کے درمیان عدل قائم کرنے، ان کی زنجیریں کاٹنے، زیر دستوں کو زبردستوں کے غلبہ سے نجات دلانے اور مسلمانوں کو بھائی بھائی بنانے کا پیغام ہے۔ ایک مصلح کا پہلا کام ظلم کا تدارک اور غیر معمولی اُونچ نیچ کو ختم کرنا ہوگا۔ اس کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ خود مخصوص مفادات نہ رکھتا ہو اور حقوق یافتہ طبقات کے ساتھ اس کا حلیفانہ تعلق نہ ہو۔ دورِ حاضر میں جو شخص یا جو جماعت اسلام کے لئے کام کرنا چاہے سب سے پہلے اُسے اپنے فکر ونظر اور عمل وکردار کی طرف توجہ کرنا چاہیئے۔ اس کے اندر حنیفیت کی صفت پیدا ہونی چاہیئے اسکی جد وجہد کے خطوط اور اس کے اہداف اس بات کی گواہی دیں کہ وہ جس فلسفہ اور جس نظام کو رائج اور نافذ اور برپا کرنے کی مدعی ہے اسکے ارکان کے اندر اسکی روح کارفرما ہے جب تک کسی معاشرہ میں ایسی ایک جمعیت اور قیادت فراہم نہ ہو اسلام کے نفاذ کے لئے ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکتا۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور)

جالینوس کے قلم سے

"کچھ تو خوفِ خُدا کرو لوگو"

انسان کی ناشکری اور تکبّر کا ذکر قرآن مجید میں

اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں انسان کی پیدائش کی اصل غرض و غایت یہی بیان فرمائی ہے کہ وہ خدا کی کامل تابعداری کرے اور صرف اس کی عبادت کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالےٰ نے انسان کو اس قدر اختیار دے رکھا ہے کہ وہ خواہ نیکی کے رستہ پر چلے یا بدی کو اختیار کرے مگر خبیث اور طیب میں تمیز کرنے کے لئے عقل سلیم عطا فرمائی ہے۔

ایسے انسان جو خدا تعالےٰ کے اس اختیار سے ناجائز فائدے اٹھاتے ہیں اور خدا کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے گمراہی اور ہلاکت کا راستہ اپناتے ہیں ان کو ان کے انجام بد سے بار بار ڈرایا گیا ہے۔ اور تاریخ عالم میں رونما ہونے والے انقلابات اور گذرنے والے فرعونوں اور قارونوں کا ذکر کر کے یہ بات واضح کی گئی ہے۔ کہ بالآخر نیکی کی راہ اختیار کرنیوالے ہی خدا کو عزیز ہوتے ہیں۔ جو لوگ خدا تعالےٰ کی طرف سے افضال اور نعماء کے ملنے پر مختلف راہیں اپناتے ہیں ان کا ذکر ذیل میں قرآن کریم کے حوالوں سے کیا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم کو ذکر حکیم اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ دانائی کی باتیں ایک بہت بڑی حکمت والی مقتدر ہستی کی بیان کردہ ہیں اس سے نصیحت حاصل کرنا ہر اس شخص کا فرض ہے جس کے گلے میں خدا تعالےٰ کی عبودیت کا طوق ہے

پہلی قسم

ایسے انسانوں کی ہے جو خدا تعالےٰ کی نعماء کی ناشکری کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی طرف صرف اس وقت تک ہی جھکتے ہیں جب تک آزمائش کا دور رہتا ہے۔ جب ذرا سی مہلت ملتی ہے تو پھر وہی پہلے والا راستہ اپنا لیتے ہیں۔ اس راستہ کو اکثریت کا راستہ بیان کیا گیا ہے اور ان کا ذکر یوں آیا ہے:۔

ان الانسان لربّہ لکنود (العادیات - ۶)

کہ انسان اپنے رب کا بہت احسان فراموش ہے۔ دوسرا راستہ تھوڑے لوگوں کا بیان کیا گیا ہے جو سدا اس کے احسانوں اور فضلوں کو یاد کرتے اور اس کا ہر حال میں شکر ادا کرتے چلے جاتے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔

وقلیلٌ من عبادی الشکور

میرے شکر گذار بندے ہمیشہ ہی اقلیت میں ہوتے ہیں۔ اور وہ سدا خدا کے در پر جھکے رہتے ہیں۔ اور کوئی بھی امتحان اور آزمائش اُن کے پائے استقلال میں لغزش کا باعث نہیں بنتی۔ ایسے لوگوں کی ذیل میں چند اقسام درج کی جاتی ہیں جو خدا تعالےٰ کی مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور قدم قدم پر اس کو دھوکا دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

۱۔ تکلیف آنے پر خدا کو یاد کر لیا بعد میں بھول گئے۔ جیسے فرمایا:۔

الف:۔ "اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو یاد کرتا ہے۔ اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے۔ اور جب ہم اس سے تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو ایسے گذر جاتا ہے گویا اُس نے تکلیف آنے پر ہمیں یاد ہی نہ کیا ہو"

(یونس - ۱۲)

ب:۔ "اور جب تم کو سمندر میں کوئی مصیبت آگھیرتی ہے تو سوائے اس کے تم کس کو یاد کرتے ہو اور جب وہ تم کو اس سے نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو تم اس سے منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بہت ہی ناشکر گذار ہے" (بنی اسرائیل - ۶۷)

ج:۔ "اور جب ہم انسان پر اپنی نعمتیں نازل کرتے ہیں تو وہ ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور دوسری طرف کو چلا جاتا ہے اور جب اُسے کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر لمبی لمبی دُعائیں کرتا ہے۔" (حٰمٓ سجدہ - ۵۱)

۲۔ بعض ایسے انسان ہوتے ہیں کہ جب تکلیف آئے تو خدا کو یاد کر لیا اور جب مصیبت کے بادل چھٹ جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم از خود نعمتیں پیدا کر سکتے ہیں جو کچھ ہمیں مل رہا ہے وہ سب ہماری اپنی صلاحیتوں کا پیدا کردہ ہے۔ جیسے فرمایا:۔

"جب انسان کو کوئی مشکل پیش آتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اس کو نعمتیں عطا کر دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ سب کچھ اپنے علم کی بنیاد پر حاصل کیا ہے۔"

(الزمر - ۴۹)

اس قسم کے لوگ قرآن کی زبان میں قارون کہلاتے ہیں جس کو خُدا نے بہت آسائشیں اور مال و دولت دے رکھا تھا اس نے یہی خیال کیا کہ نہ یہ مال کبھی ختم ہو گا اور نہ زندگی ختم ہو گی اور یہ مال اُسے ہر قسم کی آفت سے بچانے پر قادر ہے۔ اس سرگزشت کو اللہ تعالےٰ نے یُوں بیان فرمایا ہے:۔

"قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا۔ اس نے قوم پر زیادتی کی۔ ہم نے اس کو اس قدر خزائن دے رکھے تھے کہ ان کی چابیاں اٹھانے کے لئے بھی ایک طاقتور جتھے کی ضرورت تھی۔ جب اُسے اس کی قوم نے کہا کہ زیادہ غرور مت کر۔ خدا کو غرور کرنے والے پسند نہیں ہیں اور اس مال سے آخرت کے سامان کر اور دنیا میں بھی حصہ حاصل کر اور جس طرح خُدا نے تجھ پر احسان کئے ہیں تو بھی لوگوں پر احسان کر اور ملک میں فساد نہ کر۔ خدا فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے میرے علم کا پیدا کردہ ہے۔ وہ نہ جانتا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے اس سے پہلے اس سے بھی زیادہ طاقت والوں اور زیادہ مال والوں کو ہلاک کر دیا ہے" (القصص - ۷۶ - ۷۸)

اس نوع کے لوگوں کا انجام بتلا دیا کہ:۔

"پس ہم نے اس کو اور اس کے گھر بار کو زمین میں دھنسا دیا اور کوئی گروہ نہ تھا جو خُدا کو چھوڑ کر اس کی مدد کو آتا" (القصص - ۸۱)

۳۔ اور بعض ایسے انسان ہوتے ہیں کہ جو تکلیف آنے کے وقت خُدا کے در پہ واپس نہیں آتے اور نہ صرف یہ کہ خدا کے فضلوں اور احسانوں کے منکر ہو جاتے ہیں بلکہ خُدا کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں بغاوت اور فساد کا دروازہ کھول دیتے اور خُدا کی راہ پر چلنے والوں کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔

الف:۔ "اور جب ہم لوگوں کو مصیبت اور تکلیف کے بعد آسائش دیتے ہیں تو وہ ہمارے نشانات کے بارہ میں چالبازیاں کرتے ہیں۔" (یونس ۲۱)

ب:۔ "جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور اچھی اور موافق ہوائیں چلتی ہیں اور خوش ہوتے

ہوکہ اچانک طوفان آجاتا ہے اور ہر طرف سے موجیں گھیر لیتی ہیں ۔۔۔۔۔ اور جب خدا اس سے نجات دیتا ہے تو وہ ملک میں بغاوت کرتے ہیں جن کا انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا "

(یونس ۲۲ - ۲۳)

دُوسری قسم :- ایسے لوگوں کی ہے کہ جو اس قانون خداوندی کا سِرے سے انکار کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ عُسر کے بعد یُسر کیوں لاتا ہے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ انسان کو راحت بھی اسکے امتحان کے لئے لائی جاتی ہے اور مصیبت بھی اس کی آزمائش کے لئے ہوتی ہے اور صحیح طریق یہی ہے کہ مصیبت میں خدا کو یاد رکھے اور خدا سے ہی اسے دور کرنے کے لئے کہے اور آزمائش میں بھی خدا کو نہ بھول جائے۔ اس قسم کے لوگ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ جو ایک کج فہمی اور کم عقلی کا اظہار ہے۔ ان کا ذکر یُوں فرمایا ہے ۔

ا :- " اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کے مزے چکھاتے ہیں تو وہ خوب خوش ہوتے ہیں اور جب ان کی خود کردہ کوئی مصیبت نازل ہو جاتی ہے تو وہ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں " (الروم ۳۶)

ب :- " جب ہم انسانوں پر رحمت کے حالات نازل کرتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور جب کوئی ایسی مصیبت آتی ہے جو اُن کے اعمال کے نتیجہ میں آتی ہے تو انسان ناشکر گذار ہو جاتا ہے " (الشوریٰ ۴۸)

ج :- " انسان بہتری مانگنے میں کبھی تھکاوٹ محسوس نہیں کرتا اور اگر کوئی کبھی تکلیف کا وقت آجاتا ہے تو مایوس اور قنوطیت اختیار کرتا ہے "

(حٰمٓ سجدہ - ۴۹)

تیسری قسم :- ایسے انسانوں کی ہے جنہیں صرف اپنے نفس سے رغبت ہوتی ہے اور صرف اپنی ذات میں غرق رہتے ہیں ۔ دوسروں سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا ۔ مال ۔ عزت اور اولاد کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ ان پر اپنے نفس اور ذات کی محبّت اس درجہ غالب ہوتی ہے کہ خُدا کے دین کا اور اس کی راہ میں کچھ کر گذرنے کا کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آتا۔ اُن کے متعلق فرمایا ہے :-

ا :- " لوگوں کو خوبصورت لگتی ہے عورتوں میں شہوات کی لذت ، اور اولاد ، ڈھیروں ڈھیر سونا اور چاندی اور گھوڑے اور جانور اور کھیتیوں کی محبّت " (آل عمران ۱۴)

یہ لوگ نہ ہی دوسروں کے لئے ایسی چیزیں چاہتے ہیں اور نہ ہی دوسروں پر خرچ کرتے ہیں ایسے لوگ مال و دولت کی محبت میں ہر گھڑی مست رہتے ہیں۔

ب :- " اور تم جائیدادوں کو خوب کھاتے ہو اور مال سے خوب بڑھ چڑھ کر محبت کرتے ہو "

(الفجر ۱۹ ، ۲۰)

" اور یہ انسان مال کی محبّت میں بہت شدت اختیار کر گیا ہے " (العادیات ۸)

ج :- ایسے لوگ جو زندگی کو صرف مال و زر کو جمع کرنے کا ایک ذریعہ یقین کرتے ہیں اور مادیت کو ہی زندگی کا اصل منتہا و مقصود سمجھتے ہیں ۔ ان کے انجام کا ذکر بھی اللہ تعالےٰ نے بہت ہیبت ناک انداز میں فرمایا ہے :-

" اے مومنو ! بہت سے علماء اور راہب لوگوں کے مالوں پر ہاتھ صاف کرتے ہیں غلط طریقوں سے ، اور خدا کی راہ میں رکاوٹ کا ذریعہ بنتے ہیں " (التوبہ ۳۴)

د :- " وہ لوگ جو چھپاتے ہیں جو کتاب میں اللہ تعالےٰ نے نازل فرمایا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور خدا تعالےٰ اُن سے روزِ قیامت بات تک بھی نہیں کریگا ۔ اور ان کو پاک بھی نہیں کریگا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہوگا (البقرۃ ۱۷۴)

اللہ تعالےٰ سے انحراف میں مال و دولت کا کردار

قرآن کریم میں بار بار مال و دولت میں دھنس جانے کو دین سے انحراف کا ایک ذریعہ بتلایا گیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مال سے بیحد محبت انسان کو خُدا سے اور اسکے مقاصد سے دور لے جاتی ہے ۔ کیونکہ مال کی کثرت جو نتائج پیدا کرتی ہے وہ بہت خطرناک ہیں ۔ جیسے :-

ا :- ناانصافی دھوکہ اور ملاوٹ :-

" ہلاکت ہے کم تولنے والوں کے لئے کہ جب وہ لوگوں سے تلواتے ہیں تو پورا تلواتے ہیں اور جب لوگوں کو تول کر اور وزن کر کے دینے کی باری آتی ہے تو بے ایمانی سے کام لیتے ہیں " (سورۃ المطففین)

ب :- بُخل اور کنجوسی خدا کی راہ میں دینے سے ہچکچاہٹ اور دوسروں کو گمراہ کرنا ۔

" یقیناً اللہ تعالےٰ اکڑ کر چلنے والوں اور غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا جو لوگ خود بھی بُخل سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی بُخل پر آمادہ کرتے ہیں " (النسآء ۳۷)

ج :- تمام دولت سمیٹ لینے کی حرص

جس انسان کو ایک بار دولت سمیٹنے اور لالچ کرنے کا چسکہ ہو جائے تو پھر وہ چاہتا ہے کہ وہ ساری دنیا کی دولت سمیٹ کر اپنا گھر بھر لوں چاہے جائز طریق سے یا ناجائز طریق سے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

" ان سے کہہ دے کہ اگر تم میرے رب کے تمام خزانوں کے بھی مالک ہو جاؤ پھر بھی تم کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے ہمیشہ خوف ہی آتا رہے گا اور انسان بہت ہی کنجوس واقع ہوا ہے " (بنی اسرائیل - ۱۰۰)

فرعون کا انجام

ایسے لوگوں کے ضمن میں اللہ تعالےٰ نے فرعون کا ذکر فرمایا ہے :-

" اور فرعون نے قوم میں یہ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم کیا یہ مصر کا ملک میرا نہیں ہے اور یہ دریا میرے نہیں ہیں ۔ کیا تم غور نہیں کرتے " (الزخرف ۵۱)

اور یہاں تک کہہ دیا کہ :-

" انا ربکم الاعلیٰ " میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں "

پھر تمام دُنیا نے دیکھا کہ کس طرح فرعون کو اللہ تعالےٰ نے ایک نبی کو ہلاک کرنے کی کوشش میں سمندر میں غرق کیا تو اسکی کیا چیز کام آئی ۔ نہ مال ۔ نہ دولت نہ فوج نہ اولاد کوئی چیز کام نہ آئی ۔ اور اپنے سر پُر غرور سمیت اس دنیا سے ذلیل ہو کر چلا گیا ۔

ان تمام فرامین الہٰی سے مقصد یہ ہے کہ انسان جب غرور اور گمراہی کے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے مال و جاہ اور قوت و طاقت کے بل بوتے ہوا سے باتیں کر رہا ہوتا ہے تو اُسے خُدا اور اس کا ذکر اور اسکی ہدایت کا خیال کبھی نہیں آتا ۔ خدا تعالےٰ اس قسم کے واقعات سے انسان کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے ۔ کہ وہ اس نور کو دیکھے جو اللہ تعالےٰ نے ہدایت کے لئے روشن کر دکھایا ہے وہ اس سلامتی کی راہوں پر چلے جو خدا کی رضا کی طرف اُسے لے جاتی ہیں ۔ وہ اپنی آنکھوں سے غفلت اور شیطانی چالبازیوں اور گمراہی کے پردے اُٹھا دے تاکہ وہ صراطِ مستقیم کی طرف آسکے ۔ وہ یہ کبھی نہ بھولے کہ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا خدا نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے ۔ اسے اختیار دیا ہے اس اختیار اور اعتماد سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اور تمام بنیادی گمراہیوں سے کنارہ کشی کر کے خُدا کے در پر چلا آوے کہ یہیں پر اس کے لئے آرام ۔ آسائش اور ابدی سکون اور راحتوں کے سامان ہیں ۔

* * *

از جناب شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ:۔

بے ثباتی دُنیا

؎ چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے + ہر کوئی مجبور ہے حکم خدا کے سامنے

اس مقام فنا سے کُوچ ایک تلخ حقیقت ہے لیکن ناگزیر جس سے فرار ممکن نہیں۔ ناگزیر کو قبول کر لینا ہی دانشمندی ہے بے بسی کا یہ عالم کہ موت ہر لحظہ ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ ہماری خوش فہمیاں اور غفلتیں اسکو ٹال نہیں سکتیں۔

جہاں زندگی خُدا کی عطا ہے موت بھی اُسی ذاتِ خداوندی نے مقدر کر دی ہے۔ وماکان لنفسٍ ان تموت الا باذن اللہ کا فرمان موجود ہے۔ اور کتاب مجلہ کی قید بھی کل نفسٍ ذائقۃ الموت کا الہٰی قانون جاری ہے۔ کوئی بھی اس سے مستثنےٰ نہیں۔ الم نھلک الاولین ثم نتبعھم الآخرین۔ اولین رخصت ہو گئے اور آخرین بھی اُن کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔ جارج برنارڈ شاہ ایسے مفکر نے بھی اسے ABNOR MAL کہا کسی نے موت کو بے وقت کہا اور کسی نے غیر معمولی۔ گویا زندگی NOR MAL ہے اور موت ABNORAMAL کیا کوئی اپنے لئے یہاں لامتناہی زندگی چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ غیر معمولی ہوگا اسکے نتائج کا اندازہ لکھنے سے بہتر سوچنے سے ہو سکتا ہے۔ شاعر نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے

ع مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا۔ وقت اور بے وقت پر کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی بمشیت ایزدی کو ہی تسلیم کرنا چاہیئے۔ صبر ہی ہے جو ایسے صدمات کو برداشت کرنے کی طاقت دیتا ہے۔ ایک صبر تو وقت کے ساتھ آجاتا ہے کہ وقت تمام زخموں کا مرہم ہے۔ اور ایک صبر جو افضل ہے وہ رضا بالقضا کا نتیجہ ہے۔ حضرت مجدد صد چہارد ہم نے فرمایا ہے اگر اللہ چاہتا تو انسان کو ایک حالت میں رکھ سکتا تھا لیکن بعض امور اور مصالح ایسے ہوتے ہیں کہ انسان پر عجیب غریب اوقات اور حالتیں وارد ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک ہم وغم کی حالت بھی ہے جس کے عجیب غریب قدرتیں اور اسرار ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ؎

اگر دنیا بیک دستور ماندے + بسا اسرار ہا مستور ماندے

جن لوگوں کو ہم وغم نہیں پہنچا اور جو اس وجہ سے اپنے آپ کو بڑا ہی خوش قسمت اور خوشحال کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ فطرتِ انسانی تکلیف بھی چاہتی ہے تاکہ اسکے جملہ قوای کی تکمیل ہو جائے۔ ابتلاء سے رضا بالقضا اور صبر کی توفیق بڑھتی ہے۔ اگر حوصلہ اور صبر کھو یا جائے تو بہت کچھ کھو دیا۔ آرزو چلی جائے تو قریب قریب سب کچھ کھو دیا لیکن روح اگر مر جائے تو سب کچھ مٹ جاتا ہے۔

ایک مدبر نے بستر مرگ پر ہونے کی حالت میں لکھا۔ "میں پارسا اور پرہیز گار نہیں لیکن ایک چیز ضرور سیکھی ہے کہ خُدا کے معاملات میں کبھی جرح نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر ایسا ہو کر رہنا ہے تو صرف تیری مرضی سے ہوگا" اس نے اس پر اپنی توجہ مرکوز کی اور بڑا سکون محسوس کیا۔ اور عہد کیا کہ اگر بچ گیا تو اچھی زندگی گزارے گا۔ عظیم لوگوں کی زندگیوں سے سبق لینا چاہیئے۔ اور اپنے جذبات کو سنوارنا چاہیئے۔ ایک مفکر نے لکھا ہے کہ میرا جذبہ خواہ غم اور بے کسی کا ہو خواہ جوشِ طرب کا کبھی تنہا نہیں۔ لاتعداد رفیق جنھیں وہ جانتا بھی نہیں میرے پاس کھڑے میرے ساتھ ماتم یا مسرت میں شریک ہیں۔ یہ میرے گمنام اور بے نشان دوست ہیں جو میری پیدائش سے ہزار ہا سال پہلے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

بے شک منزل سب کی ایک ہے مگر مقام اپنا اپنا ہے اور ارشاد ربانی ہے خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم احسن عملاً یہ دنیا ایک آزمائش اور امتحان گاہ ہے غم ایک فطری جذبہ ہے۔ لیکن اس کے اظہار میں ضبط اور تحمل سے کام لینا چاہیئے۔ یہ کوئی ایک دن کا غم تو نہیں۔ اب اس غم سے سمجھوتہ کرنا ہے۔ ناگزیر کو قبول کرنا ہے۔ ایمانی قوت سے انسان راہِ حق میں پیش آنے والی تکالیف پر غالب آ سکتا ہے۔ حضرت امام نے فرمایا:۔ ہر ایک قدم جو صدق اور حق کے لئے اٹھایا جائے اسکے لئے بڑا ثواب ہے اور اس کا اجر ہے مگر عالم ثواب مخفی عالم ہے۔ جس کو دنیا دار کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ تعالےٰ باوجود آشکارا ہونے کے نہاں در نہاں ہے اور الغیب اس کا نام ہے۔ اسی طرح ایمان بالغیب بھی گو مخفی ہوتا ہے مگر عامل کی عملی حالت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

ایمان سے سچی قوت اور شجاعت پیدا ہوتی ہے۔ قناعت اور صبر کی حالت پیدا ہوتی ہے اسلاف کی تاریخ سے بھی اسکی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ اسلام مُردہ مذہب نہیں اسکی برکات ہمیشہ اسکے ساتھ ہیں۔ خبریں زمانہ گذرنے کے ساتھ قصہ کے رنگ میں ہو جاتی ہیں۔ اس لئے مشاہدہ کی ضرورت ہے۔ خدا کی طرف سے جو مامور آتے ہیں جہاں وہ لوگوں کو خدائے حیّ وقیوم کی ہستی کا یقین دلاتے ہیں اسکی عظمت دلوں میں بٹھاتے ہیں اُن کی اپنی زندگیاں ایک نمونہ کا کام دیتی ہیں۔ وہ دنیا کی لذتوں اور آسائشوں پر فریفتہ نہیں ہوتے۔ ان کی آنکھ وہ کچھ دیکھتی ہے جو عام آنکھ نہیں دیکھتی۔

آنچہ تو در آئینہ بینی عیاں + پیر اندر خشت بیند بیش ازاں

اس زمانہ کے امام نے بھی خدا پرستی کا دعویٰ اور معیار محض سجدوں اور قیام پر نہیں بلکہ اس حقیقت پر رکھا کہ خدا کی محبت اس درجہ پر پہنچے کہ اپنا وجود درمیان سے اٹھ جائے ہر ایک قوت اس کی ذات سے وابستہ ہو اور اس کے درد میں لذت اور اسکے بغیر دل کو قرار نہ ہو۔ یہ پرستش ہے اور یہی ولایت جس کے آگے کوئی درجہ نہیں۔ آپ کی زندگی پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ آخرت ہی پیشِ نظر تھی۔ لباس اور رہائش نہایت سادہ۔ مکان کے بارہ میں فرمایا:۔ اینٹوں اور پتھروں پر روپیہ صرف کرنا عبث ہے اتنا کام کرو جو چند روز بسر کرنے کے لئے گنجائش ہو۔ آپ کے مکان کے لئے نجار تختے رندہ سے صاف کر رہا تھا حضرتِ اقدس نے روک دیا کہ یہ محض تکلیف ہے۔ فرمایا ہمیں کسی مکان سے کوئی انس نہیں اپنے مکانوں کو اپنے دوستوں کے لئے مشترک جانتے ہیں۔ بڑی آرزو یہ ہے کہ مل کر چند روز گزارا کر لیں۔ ۔۔۔۔۔۔۔

مامور زمانہ نے فرمایا سچی خوشحالی کا سرچشمہ خُدا ہے۔ اگر تم خدا کے ہو جاتے ہو تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہوگے اور خدا تعالےٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔ اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے غمگین ہو جاتے ۔۔۔۔

باہتمام ریاض حسین الحبدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد:- ۷۰ ★ یوم چہارشنبہ ۷ جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء ★ شمارہ : ۱۲

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردھم

ایمان کامل کا مزا ہم وغم ہی کے دنوں میں آتا ہے

بیعت کی اصل غرض یہ ہے کہ خداتعالےٰ کی محبت میں ذوق و شوق پیدا ہو اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو کر اس کی جگہ نیکیاں پیدا ہوں۔ جو شخص اس غرض کو ملحوظ نہیں رکھتا اور بیعت کرنے کے بعد اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا کرنے کے لئے مجاہدہ اور کوشش نہیں کرتا جو کوشش کا حق ہے اور پھر اسقدر دُعا نہیں کرتا جو دُعا کرنے کا حق ہے تو وہ اس اقرار کی جو خداتعالےٰ کے حضور کیا جاتا ہے سخت بے حرمتی کرتا ہے۔ اور وہ سب سے زیادہ گنہگار اور قابل سزا ٹھہرتا ہے پس یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ بیعت کا اقرار ہی ہمارے لئے کافی ہے اور ہمیں کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ مثل مشہور ہے جو ئندہ یابندہ جو شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کے لئے کھولا جاتا ہے اور قرآن شریف میں بھی فرمایا گیا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبلنا یعنی جو لوگ ہماری طرف آتے ہیں اور ہمارے لئے مجاہدہ کرتے ہیں ہم اُن کے واسطے اپنی راہ کھول دیتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر چلا دیتے ہیں لیکن جو شخص کوشش ہی نہیں کرتا وہ کس طرح اس راہ کو پا سکتا ہے۔ خدایابی اور حقیقی کامیابی اور نجات کا یہی گُر اور اصول ہے انسان کو چاہیئے کہ خداتعالےٰ کی راہ میں مجاہدہ کرنے سے تھکے نہیں۔ نہ درماندہ ہو اور نہ اس راہ میں کوئی کمزوری ظاہر کرے۔

تم لوگوں نے اس وقت خداتعالےٰ کے حضور میرے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کی ہے ایسا نہ ہو کہ یہ توبہ تمہارے لئے باعث برکت ہونے کی بجائے لعنت کا موجب ہو جائے۔ کیونکہ اگر تم لوگ مجھے شناخت کر کے بھی اور خداتعالےٰ سے اقرار کر کے کبھی اس عہد کو توڑتے ہو تو پھر تم کو دوہرا عذاب ہے کیونکہ عمداً تم نے معاہدہ کو توڑا ہے دُنیا میں جب کوئی شخص کسی سے عہد کر کے اسے توڑتا ہے تو اسکو کس قدر ذلیل اور شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ وہ سب کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ پھر جو شخص خداتعالےٰ سے عہد اور اقرار کر کے توڑے وہ کس قدر عذاب اور لعنت کا مستحق ہوگا۔

پس جہاں تک تم سے ہو سکتا ہے اس اقرار اور عہد کی رعایت کرو اور ہر قسم کے گناہوں سے بچتے رہو۔ پھر اس اقرار پر قائم اور مضبوط رہنے کے واسطے اللہ تعالےٰ سے دعائیں کرتے رہو وہ یقیناً تمہیں تسلی اور اطمینان دے گا۔ اور تمہیں ثابت قدم کریگا کیونکہ جو شخص سچے دل سے خداتعالےٰ سے مانگتا ہے اسے دیا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو میرے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے واسطے قسم قسم کے ابتلاء اور مشکلات پیش آئیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دیکھو صحابہ رضؓ کو کچھ تھوڑے ابتلاء پیش آئے تھے انکو اپنا وطن، مال و دولت، اپنے عزیز رشتہ دار، سب چھوڑنے پڑے لیکن انہوں نے خداتعالیٰ کی راہ میں ان چیزوں کو مری ہوئی مکھی کے برابر بھی نہیں سمجھا۔ خداتعالےٰ کو اپنے لئے کافی سمجھا۔ پر خُداتعالےٰ نے بھی ان کی کسقدر قدر کی اس سے وہ خسارہ میں نہیں رہے بلکہ دنیا و آخرت میں انہوں نے وہ فائدہ پایا جو اس کے بغیر انہیں مل سکتا ہی نہیں تھا۔ اسلیئے اگر کوئی ابتلاء آئے تو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ ابتلاء مومن کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ اسوقت رُوح میں عجز و نیاز اور دل میں ایک سوزش اور جلن پیدا ہوتی ہے جس سے وہ خُدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسکے آستانہ پر پانی کی طرح گداز ہو کر بہتا ہے۔ ایمان کامل کا مزا ہم وغم ہی کے دنوں میں آتا ہے۔ (ملفوظات جلد ہفتم)

پیغامِ صلح لاہور مورخہ ۲۳ مارچ ۸۳ء ص ۲

کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں

دیکھتا ہوں اپنے دل کو عرشِ ربّ العالمیں ✤ قرب اتنا بڑھ گیا جس سے ہے اُترا مجھ میں یار

دوستی بھی ہے عجب جس سے ہو آخر دوستی ✤ آملی اُلفت سے اُلفت ہو کے دو دِل پر سوار

دیکھ لو میل و محبت میں عجب تاثیر ہے ✤ ایک دل کرتا ہے جھک کر دوسرے دل کو شکار

کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں ✤ طے کریں اس راہ سے سالک ہزاروں دشتِ خار

اس کے پانے کا یہی اے دوستو اِک راز ہے ✤ کیمیا ہے جس سے ہاتھ آجائے گا زر بے شمار

تیرِ تاثیرِ محبت کا خطا جاتا نہیں ✤ تیر اندازو! نہ ہونا سست اسمیں زینہار

ہے یہی اک آگ تا تم کو بچاوے آگ سے ✤ ہے یہی پانی کہ نکلیں جس سے صدہا آبشار

اس سے خود آکر ملے گا تم سے وہ یارِ ازل ✤ اس سے تم عرفانِ حق سے پہنو گے پھولوں کے ہار

وہ کتابِ پاک و برتر جس کا فرقاں نام ہے ✤ وہ یہی دیتی ہے طالب کو بشارت بار بار

جن کو ہے انکار اس سے سخت ناداں ہیں وہ لوگ ✤ آدمی کیونکر کہیں جب ان میں ہے حمقِ حمار

کیا یہی اسلام کا ہے دوسرے دینوں پہ فخر ✤ کر دیا قصّوں پہ سارا ختم دیں کا کاروبار

مغزِ فرقانِ مطہّر کیا یہی ہے زہدِ خشک ✤ کیا یہی چوہا ہے نکلا کھود کر یہ کوہسار

منہ کو اپنے کیوں بگاڑا نااُمیدوں کی طرح ✤ فیض کے در کھل رہے ہیں اپنے دامن کو پسار

کس طرح کے تم بشر ہو دیکھتے ہو صد نشاں ✤ پھر وہی ضد و تعصب اور وہی کین و نقار

بات سب پوری ہوئی پر تم وہی ناقص رہے ✤ باغ میں ہو کر بھی قسمت میں نہیں دیں کے ثمار

دیکھ لو وہ ساری باتیں کیسی پوری ہو گئیں ✤ جن کا ہونا تھا بعید از عقل و فہمِ و افتکار

نیک ظن کرنا طریقِ صالحانِ قوم ہے ✤ لیک سو پردے میں ہوں اُنسے نہیں ہوں آشکار

(کلام الامام)

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن ـــ سبق نمبر ۲۶

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ج وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ج وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

(البقرۃ ۲ ۔ ۱۷۷)

ترجمہ:۔ بڑی نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو ۔ لیکن بڑا نیک وُہ ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر ۔ اور مال کو دے اس کی محبت کے باوجود (اپنے) رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنیوالوں کو جن کی گردنیں دبی ہوئی ہوں ، اور نماز کو قائم کرے اور زکوٰۃ دے ، اور اپنے عہدوں کو پُورا کرنیوالے جب وہ عہد کریں اور صبر کرنیوالے تنگی میں اور دُکھ بیماری میں اور مقابلہ کے وقت ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اپنا ایمان) سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں ۔

اس سبق میں پہلی یہ بات قابلِ غور ہے کہ لیس البرّان تولّوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب یعنے وہ "یہ تو کوئی بڑی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو" سے کیا مراد ہے ؟ اکثر بلکہ تمام مفسرین نے اس کے معنے تحویلِ قبلہ کے لئے ہیں یعنے مدینہ آکر مسلمانوں کا قبلہ جو پہلے بیت المقدس تھا اُسے پھر کر مکّہ معظمہ کی طرف کر دیا گیا تھا ۔ تو مفسرین نے وہ معنی لئے ہیں کہ بذاتِ خود اس میں کوئی بڑی نیکی نہیں کہ تمہارا چہرہ کدھر تھا اور اب کدھر کر دیا گیا بلکہ بڑی نیکی ان باتوں میں ہے جن کا ذکر آگے آتا ہے مگر اس معنی میں مندرجہ ذیل نقص ہیں ۔

۱ ۔ تحویلِ قبلہ سے مضمون جوڑنے کے لئے مفسرین کو چار ، پانچ رکوع پہلے جانا پڑا ہے ۔ حالانکہ بیچ میں جو رکوع ہیں اُن میں دُوسرے مضمون آ گئے ہیں اور جیسا کہ میں عرض کروں گا اس سے معًا قبل کے رکوع سے اس رکوع کا مضمون نہایت عمدہ تعلق رکھتا ہے ۔

۲ ۔ جہاں تحویلِ قبلہ کا ذکر ہے وہاں اسکو اتنی اہمیّت دی گئی ہے کہ رسُول اللہ صلعم کو انفرادی طور پر اور مسلمانوں کو بحیثیتِ مجموعی ملا کر پانچ دفعہ اُوپر تلے حکم آئے ہیں کہ تم جہاں کہیں بھی ہو تو نماز کے وقت اپنا مونہہ خانہ کعبہ کی طرف کرو ۔ اور قبلہ کی اتنی اہمیّت ہے کہ مسلمانوں کو حدیث میں اہلِ قبلہ کہہ کر رسُول اللہ صلعم نے حکم فرمایا کہ لا تکفروا اھل قبلتک یعنے اپنے اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرو ۔ گویا کہ قبلہ کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھنا اہلِ اسلام کا امتیازی نشان ہے اور مُسلمان ہونے کے لئے یہ گواہی یا نشانی کافی ہے ۔ تو قبلہ کی اس اہمیت کی روشنی میں یہ سمجھنا کہ "یہ تو کوئی بڑی نیکی نہیں" صحیح نہیں ۔

۳ ۔ اگر ہم وہ معنی لیں جو مفسرین لے لئے ہیں تو وہ جغرافیائی سمت کے لحاظ سے بھی صحیح نہیں ۔ آیت زیرِ غور مدینہ منوّرہ میں اُتری تھی ۔ قبلۂ اول یعنے بیت المقدس وہاں سے شمال کو ہے اور قبلۂ آخر یعنے خانہ کعبہ وہاں سے جنوب کو ہے ۔ تو آیت " یہ تو بڑی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف " خود مدینہ کے مُسلمانوں پہ لگانا بھی ٹھیک نہیں بیٹھتا کُجا یہ کہ ہم اسکو مسلمانوں پر عام طور پر لگائیں جو کہ خانہ کعبہ کی ہر سمت میں تھے اور اب بھی ہیں خواہ وہ عرب کے اندر ہوں یا دُوسرے ممالک میں ۔

دراصل مشرق اور مغرب معروف نام ہیں جن میں دُنیا بٹی ہوئی ہے ۔ انگریزی میں بھی EAST اور WEST کے الفاظ مشرق کے ملکوں یا لوگوں کے لئے یا مغرب کے ملکوں یا لوگوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں ۔ اب ہم نسلِ انسانی کی تاریخ کو دیکھتے ہیں تو تمدن و تہذیب شروع میں مشرق میں تھا ۔ نہ صرف یہ کہ تمام مذاہب کی ابتدا مشرقی ملکوں سے ہوئی اور تمدن و تہذیب کی بنیاد دراصل مذہب پر ہوتی ہے جو اعلےٰ اخلاق کو سکھلانے والا ہوتا ہے بلکہ ابتدائی دور میں بڑی ، بڑی سلطنتیں بھی مشرق میں تھیں علوم اور سائینسز SCIENCES جیسی کیسی بھی تھیں مشرق میں ہی تھیں ۔ اچھا لباس ۔ اچھا رہنا سہنا ، شاعری ، ادب یعنے لٹریچر ، اچھے آدابِ محفل سب مشرق میں تھے ۔ اُن دنوں میں یورپ اور امریکہ جنگلی یا نیم جنگلی حالت میں تھے ۔ اُنیسویں صدی عیسوی میں کایا پلٹ گئی ۔ نہ صرف مغربی قومیں سیاسی اور فوجی طریقہ پر دنیا پر چھا گئیں بلکہ انہوں نے علوم و فنون خصوصًا سائینسز SCIENCES میں ایسی حیرت انگیز ترقیات کیں کہ ساری دُنیا خصوصًا اہلِ مشرق کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں ۔

اُنیسویں صدی عیسوی ہی وہ زمانہ تھا کہ نہ صرف مشرقی سلطنتوں کا زوال ہوا بلکہ مذہبی بنیادیں جن پر تمدن و تہذیب کی عمارت کھڑی ہوتی ہے وہ بھی کھوکھلی ہو گئیں ۔ دوسرے مذاہب تو خیر شرک پیدا ہو جانے اور اپنی مذہبی کتابوں کے کھوئے جانے یا بگڑ جانے کیوجہ سے پہلے ہی سے کھوکھلے ہو گئے تھے مگر اسلام میں نہ صرف توحید موجود تھی بلکہ قرآن پاک اپنی پُوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھا ۔ مگر انیسویں صدی میں مُسلمان مذہبی پیشواؤں کا طریق وہ تھا (الّا ما شاء اللہ) جس کا نقشہ اس سے پچھلے رکوع میں کھینچا گیا ہے یا مولانا الطاف حسین حالی کی مشہور مسدس میں کھینچا گیا ہے ۔ قرآن اور سنت کو چھوڑ کر مُسلمان مذہبی پیشوا (الّا ما شاء اللہ) فقہ کے مسئلوں میں اُلجھ گئے اور اس سے قدامت پسندی لازمًا اُن میں آ گئی ۔ قرآن حکیم اور رسول اللہ صلعم کی وسعتِ قلبی اور روشن خیالی کی جگہ تنگ نظری آ گئی اور مُسلمان بہتّر (۷۲) فرقوں میں بٹ کر چھوٹے چھوٹے مسائل پر آپس میں شدید اختلافات بلکہ لڑائی جھگڑوں میں پڑ گئے ۔ اس کے نتیجہ میں مُسلمان تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے بد دل ہو کر یا تو عیسائی ہونے لگا یا کم سے کم مغرب کا دلدادہ ضرور ہو گیا ۔

اب ہم قرآن حکیم کے الفاظ کو دیکھتے ہیں کہ فرمایا "یہ کوئی بڑی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق کی طرف موڑو یا مغرب کی طرف" انسان کا چہرہ جدھر ہو اُدھر ہی وہ دیکھتا ہے اور دُوسری طرف نہیں دیکھتا۔ اُدھر ہی انسان جاتا ہے۔ اُدھر ہی اس کی توجہ ہوتی ہے۔ اُدھر ہی سے وہ سیکھتا ہے اور اُدھر سے جو بات آئے اُسے سنتا یا اُسے سیکھتا ہے۔ پہلے زمانہ میں جب مشرق تہذیب اور تمدن کا گہوارہ تھا تو ساری دنیا کا رُخ اسی طرف تھا۔ انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں لوگوں کا رُخ مغرب کی طرف ہو گیا نہ صرف اس لئے کہ حاکم وقت مغرب سے آئے تھے اور وہ اپنے تہذیب و تمدّن کو باقی دنیا پر مسلّط کرنے کی پُوری کوشش کر رہے تھے بلکہ اس لئے بھی کہ اہلِ مغرب کی علمی اور سائینٹیفک حیرت انگیز ترقیات نے تمام دُنیا کی آنکھیں چکا چوند کر دی تھیں۔

خود برصغیر میں لوگ دو پارٹیوں میں بٹ گئے۔ کچھ تو وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ مشرقی تہذیب و تمدن ہی اچھا ہے اور مغربی تہذیب و تمدن میں کوئی خوبی نہیں اور کچھ لوگ اس کے برعکس مغربی تہذیب و تمدن کے ایسے دلدادہ ہو گئے کہ جو بات مغرب سے آئے یا جو کام اہلِ مغرب کرتے تھے اُسے ہی وہ ٹھیک اور قابلِ تقلید سمجھتے تھے۔ وہ مذہب سے دُور ہو چکے تھے اُن بُری باتوں کی وجہ سے جن کا ذکر اُوپر آ چکا ہے خصوصًا اس لئے کہ سائینس کی حیرت انگیز ترقیات نے جہاں لوگوں کے دل موہ لئے تھے وہاں انیسویں صدی اور بیسویں صدی عیسوی کے بیشتر حصہ میں مغربی سائینس لوگوں کو دہریت اور لامذہبی کی طرف زور سے کھینچ کر لے گئی۔ مذہب سے دور جا پڑنے کے باوجود انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے آپ کو سنوارنا چاہتی ہے۔ مذہبی تعلیمات سے اگر نہیں تو مغرب کی لامذہبی تمدن و تہذیب سے ہی سہی۔

قرآنِ پاک کی انصاف پسندی بھی کمال کی ہے۔ جہاں پہ کہ مشرق کے دلدادہ مغرب کی تہذیب میں کوئی خوبی نہ دیکھ سکتے تھے اور مغرب کے لوگ مشرق کی تہذیب کو دقیانوسی اور ناقابلِ عمل سمجھتے تھے، قرآنِ پاک نے فرمایا کہ مشرقی تہذیب ہو یا مغربی ان میں چھوٹی، چھوٹی خوبیاں تو ضرور تھیں یا ہیں مگر اعلےٰ نیکیاں نہیں ہیں۔ مثلاً مغربی تہذیب میں "تھینک یو" (THANK YOU) بات، بات پر کہنا یا اسی قسم کی چھوٹی، چھوٹی خوبیاں ضرور ہیں مگر اعلےٰ نیکیاں یہ نہیں۔ اور ان اعلےٰ نیکیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مغربی تہذیب کا ملمع یعنے سطحی چمک دمک جلد ہی مات ہو گئی اور آج یورپ امریکہ میں بدکاری، خلاف فطرت افعال، ننگا پن، شراب خوری اور دوسری منشیات کا دور دورہ ہے۔ جرائم بڑھ رہے ہیں۔ خانگی زندگی برباد ہو چکی ہے۔ نوجوان نسل باغی ہو گئی ہے۔ اسی طرح مشرق کی مختلف تہذیبیں بعد میں آن کر ہر قسم کی بُرائیوں میں پڑ گئی تھیں۔ تو اعلےٰ اخلاق اور اعلےٰ خوبیاں دنیاوی تہذیبوں یا انسانوں کے بنائے ہوئے تمدنوں میں نہیں بلکہ اُن باتوں میں ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم اسی جگہ فرماتا ہے۔

ان میں سب میں پہلی اور بنیادی بات ہے من اٰمن باللّٰہ یعنے جو اللہ پہ ایمان لاتا ہے۔ اللہ پہ ایمان لانے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ خُدا ہے بلکہ یہ کہ اُس نے جہاں اس تمام کائنات کو بیکار نہیں بنایا بلکہ نہایت اعلےٰ مقاصد کیلئے بنایا ہے وہاں انسان کو جو اس کائنات کا شاہکار (MASTER PIECE) ہے اور اس دنیا میں اللہ تعالےٰ کا خلیفہ ہے اُسے تو یقینًا اعلےٰ ترین مقصد کے لئے بنایا گیا ہے۔ وہ مقصد کیا ہے؟ اللہ تعالےٰ کو پانا اور اس کا قُرب حاصل کرنا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کو تو وہی پا سکیں گے یا اس کا قرب حاصل کر سکیں گے جو اس کے رنگ میں رنگین ہوں گے۔ اسی لئے قرآن نے دوسری جگہ فرمایا صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ ونحن لہ عٰبدون "اللہ کا رنگ اور اللہ سے بڑھ کر کس کا اعلیٰ رنگ ہو سکتا ہے اور ہم تو اس کی عاجزی سے فرمانبرداری کرنیوالے ہیں"۔ اسی بات کو رسول اللہ صلعم نے یُوں فرمایا کہ تخلقوا باخلاق اللّٰہ "اللہ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو"۔ کس طرح؟ اس کے احکام کی جو قرآنِ پاک میں ہیں عاجزی سے فرمانبرداری کر و جیسا کہ فرمایا ونحن لہ عٰبدون۔ اللہ تعالےٰ کا رنگ اس کی صفات ظاہر کرتی ہیں اور وہی اعلےٰ ترین اخلاق ہیں۔

میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں الحمد للّٰہ کی تفسیر میں بتا آیا ہوں کہ عمدہ صفات یا قابلِ تعریف خوبیوں کا تصور انسان کے دماغ میں اللہ تعالےٰ کی صفات کا علم پا کر ہی ہوا ورنہ انسان کا دماغ تو وہی ہے جو جانوروں کا ہے اور ایک مادی چیز ہے۔ اس میں اعلےٰ اخلاقی اور روحانی خوبیوں کا تصور خود بخود پیدا ہونا ناممکن تھا اگر اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ سے انسان کو اپنی صفات کا علم نہ دیتا۔ اور چونکہ یہ وحی حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی اس لئے ہزارہا سال کے عرصہ میں اللہ تعالےٰ کی صفات ہی انسان کے ذہن میں اخلاقی خوبیاں یا قدریں بن گئیں۔ جو علم قرآن شریف نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا دیا ہے وہ کسی اور الہامی کتاب میں آج نہیں ملتا اس لئے کہ یا تو دوسری الہامی کتابیں ضائع ہو گئیں اور ان کے صرف مختلف ترجمے جو صدیوں بعد کئے گئے ملتے ہیں یا تحریف سے وہ کتابیں بگڑ گئیں۔ قرآن پاک واحد الہامی کتاب ہے جو نزول کے ساتھ ساتھ لکھی گئی اور متفقہ طور پر آج بھی محفوظ ہے۔ بہرحال حسن تفصیل سے اللہ تعالےٰ کی صفات قرآن کریم میں ہیں کسی اور الہامی کتاب میں نہیں چاہے وہ کسی رنگ میں آج موجود ہو جس کا دل چاہے مقابلہ کر کے دیکھ لے۔

تو انسان نے اگر اس دنیا میں اللہ تعالےٰ کی خلافت کرنی ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ اس سے اُسی اعلےٰ اخلاقی اور روحانی قدروں سے خلافت چاہتا ہے جن صفات کا وہ خود مالک ہے۔ اور اگر آخرت میں انسان کو اللہ تعالےٰ کا قرب یا وصال نصیب ہونے کی تمنا ہے تو بھی ظاہر ہے کہ جو جتنا اللہ تعالےٰ کے رنگ میں رنگین ہو گا یعنے اللہ تعالےٰ کی صفات کو اپنے اندر رکھتا ہو گا اتنا ہی وہ اللہ تعالےٰ کے قریب ہو سکے گا۔

اور اللہ تعالےٰ کی صفات وہ اعلےٰ اخلاقی اور روحانی خوبیاں رکھتی ہیں کہ ان پر جس تمدن و تہذیب کی بنیاد ہو گی اُس سے اعلےٰ کسی تمدن و تہذیب کا تصور کرنا ممکن ہی نہیں۔ (باقی آئندہ)

* * * * *

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب لندن

احیاء وغلبہ اسلام کی عالمگیر تحریک

راہ نجات سائنسی ارتقاء اور نو ایجادات اسلحہ جات کی بجائے فرقانی ایمان و ایقان اور علم و عرفان سے وابستہ ہے

ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ وکفٰی باللہ شھیدا۔

ترجمہ:- وہی ذات بابرکات ہے جس نے اپنے رسول (محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت و حق دے کر مبعوث فرمایا تاکہ اس نظریۂ حیات کو دیگر تمام ادیان پر غلبہ دلائے اور اس امر پر خدا تعالےٰ کی (واقعاتی) شہادت ہی کافی ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت کے تحت چودھویں صدی میں جب اہل اسلام اپنی پست حالی و بے بسی اور انتہائی مایوسی و ناامیدی کا شکار ہو چکے تھے ایک مرد خدا نے یہ آواز بلند کی کہ خدا تعالےٰ کی مشیت و منشاء کے ماتحت اُسے خدا تعالےٰ نے چودھویں صدی کا مجدد مبعوث کیا ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنی زندگی میں جہاں کہیں بھی کسی دوسرے نظریہ حیات یا دین سے مقابلہ پیش آیا وہاں اسلام ہی کے اصولوں کی سربلندی و صداقت ثابت کر دکھلائی۔ اسی لئے مسلمانوں نے برملا اعتراف کیا کہ وہ خادم اسلام ہے جس نے کبھی بھی شکست کا منہ نہیں دیکھا۔ حضرت اقدس کی معرکۃ الآرا کتاب براہین احمدیہ پر بھی جو ریویو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کیا وہ یہی تھا کہ تیرہ سو سال میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں جملہ ادیان کے بطلان کو بذریعہ دلائل عقلیہ ثابت کیا گیا ہو۔ اگر کوئی دوسری ایسی کتاب ہے تو پیش کی جائے۔ پھر مقابلہ میں دس ہزار روپے کا انعام بھی رکھا جو اس زمانہ میں بہت بڑی رقم تھی۔ پھر ۱۸۹۶ء میں جو جملہ مذاہب کا ایک مذاکرہ قائم ہوا تو وہاں بھی دین اسلام کے نمائندہ کی حیثیت سے جو آپ کا مضمون پڑھا گیا اس میں بھی اسلام اور قرآن حکیم کی تعلیم کی ایسی عارفانہ و عالمانہ ترجمانی کی گئی کہ آپ کے بعد ایک غیر مسلم لیکچرار نے اپنے لیکچر کی ابتدا میں ہی یہ دیا کہ بس اس پر دیجئے کہ کل جس اسلام کو مرزا صاحب نے اس جلسہ میں جس صورت میں پیش کیا اگر مسلمان اس کے مطابق بن جائیں تو پھر ان جیسا اور کون ہو سکتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے نہ صرف اپنی زندگی میں اپنے عالی علم کلام، تقاریر و مباحث کے ذریعہ دین اسلام کا ایسا سکّہ بٹھا دیا کہ سب لوگ حیران و ششدر ہو کر رہ گئے بلکہ آپ کی زندگی کے بعد بھی آپ کے پیروؤں نے عالمگیر پیمانہ پر تبلیغ و اشاعت اسلام کی ایسی داغ بیل ڈالی کہ مغرب کے تاریخ دان اس امر کے معترف ہیں چنانچہ ڈاکٹر ہائینس لکھتے ہیں کہ "احمدی دنیا میں سب سے بڑے مبلغ اسلام ہیں" اور فری لینڈ ایبٹ اپنی کتاب "اسلام اور پاکستان" میں رقمطراز ہیں۔

"جماعت احمدیہ نے دیگر ادیان کے رد میں جو دلائل پیش کئے ہیں وہ زمانہ گذرنے پر تمام و کمال اس سلسلہ کے اشد ترین مخالفوں نے قبول کر لئے ہیں۔ اپنے جوش تبلیغ اور عیسائیت پر پے در پے کثیر الاشاعت حملوں کی وجہ سے اس جماعت نے مسلمانوں کے دلوں میں مضبوط ایمان پیدا کر دیا ہے۔ اس تحریک نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ ایمان و یقین پیدا کر دیا ہے کہ یورپ کی موجودہ طاقت و قوت کا سرچشمہ عیسائیت ہرگز نہیں اور دنیا کا سچا دین صرف اسلام ہے"۔

اسی قسم کے ریمارکس مسٹر ایڈورڈ مارٹینیر نے اپنی کتاب "FAITH اور پاور" میں جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے دیئے ہیں۔ یعنی یہ کہ مسلمان اقوام میں گذشتہ چند سالوں سے جو انقلابی تحریکیں پیدا ہوئی ہیں اس کا اصل باعث وہ اندرونی انقلاب ہے جو ان کے قلوب میں پیدا ہوا ہے۔ اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم خدا تعالےٰ کی سچی کتاب ہے اور جو اصول اس کتاب حکیم نے تعلیم کئے ہیں انہی سے نجات انسانی وابستہ ہے اب مسلمان اقوام کا رُخ رجوع الی القرآن والسنۃ کی طرف ہو چکا ہے وغیرہ۔

اسی طرح ٹی وی پر آجکل جن مذاکرات کو پیش کیا جا رہا ہے اُن سے بھی یہی تاثر نمایاں ہے کہ کس طرح دین اسلام کے عالی اصولوں کی صداقت واقعات سے ثابت ہوتی چلی جا رہی ہے۔ چنانچہ ٹی وی پر دو مذاکرات کا چرچا زیادہ تر دیکھنے و سننے میں آتا ہے ایٹمی ہتھیاروں میں تخفیف کی تجویز یعنی امریکہ اور روس میں مفاہمت اور گذشتہ سال اسرائیل کا لبنان پر قتل عام اور اسکی رپورٹ۔ یہ دو معاملات نہایت اہم و عظیم ہیں۔ نیز اسلامی نقطۂ نگاہ سے بھی عظیم نتائج کے حامل ہیں۔ سب سے زیادہ مقدم و قابل توجہ بات یہ ہے کہ آج سے ایک صدی پیشتر سائنسی ترقیات و ایجادات پر جو فخر و ناز کیا جاتا تھا وہ غرور آج کہاں ہے؟ سائنسی قوت اور آلات حرب میں دو چوٹی کی طاقتیں آج سرد جنگ میں کیوں مبتلا ہیں۔ کس طرح برملا آج یہ اعتراف حقیقت کرنے پر دنیا مجبور ہو چکی ہے کہ اگر ان حکومتوں میں مفاہمت نہ ہوئی تو نسل انسانی تباہی و بربادی کے کنارے پر کھڑی ہے ایٹمی ہتھیاروں اور میزائلوں کی جنگ اگر چھڑ گئی تو آناً فاناً عالمگیر پیمانہ پر انسانی نسل کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اسوقت سب سے بڑا سوال یہ آ رہا ہے کہ ان مہلک ہتھیاروں پر پابندی کیسے عائد کی جائے؟ کوئی طاقت بھی تخفیف کے لئے پہلا قدم اُٹھانے کو تیار نہیں مبادا دوسری طرف کا پلڑا بھاری نہ ہو جائے۔ صدر ریگن نے ایک تجویز زیرو پوائنٹ پیش کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اب سے بعد کوئی طرف ان آلات حرب میں اضافہ نہ کرے مگر اسے روس منظور کرنے پر تیار نہیں۔ لیکن ان تمام مذاکرات میں یہ اصول تسلیم کیا جا رہا ہے کہ اخلاقی نظریہ کے بغیر چارہ کار نہیں۔ ایک طبقہ مغرب میں ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو یک طرفہ تخفیف کا حامی ہے مگر کثیر رجحان اس کا قائل نہیں کیونکہ ان کا موقف یہ ہے کہ یک طرفہ کمی کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مخالف اور دلیری پکڑ لے گا اور اب جو دباؤ اس پر اسے جنگ سے روک رہا ہے وہ ہٹ کر صلح کی بجائے اُسے جنگ کے لئے مزید جرأت پیدا ہو جائیگی یعنی مخالف کے مقابل کمزوری دکھلانا اسے حملہ کی خود دعوت دینا ہے۔ اگر یہ اصول صحیح مانا جائے اور اس میں شک نہیں کہ ظالم و مفسد گروہ کے مقابل کمزوری دکھلانا اپنی تباہی کو خود اپنے ہاتھوں مول لینا ہے۔ جو عیسائی اقوام یہ بات کہا کرتی تھیں کہ ابتدائی اسلامی جنگیں جو سراسر دفاعی نوعیت کی تھیں کیوں کی گئیں ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے یہ موقف کافی ہے۔ جب آنحضرت صلعم نے ہر طریقہ سے جنگ سے گریز اختیار کی حتیٰ کہ اپنے وطنوں اور گھروں کو ترک کر کے جلاوطنی یا ہجرت بھی قبول کی

لیکن وہاں بھی دشمن نے چین نہ لینے دیا بلکہ مسلح ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہو گئے تو اس صورت میں اپنی آزادیٔ ضمیر اور حقوقِ انسانیت کی برقراری کا اور کون سا طریقہ باقی رہ گیا تھا؟ اگر اب بھی دفاع نہ کیا جاتا تو انسانیت کیسے باقی رہ سکتی تھی؟ خدا تعالیٰ ان دو عظیم طاقتوں کی باہمی آویزش سے دنیا کو یہی سبق دینا چاہتا ہے کہ جب ظلم و فساد کی انتہا ہو جائے تو اس وقت اپنی مدافعت میں کھڑے ہو جانا سب سے بڑی نیکی ہے۔ اگر فساد کا مقابلہ نہ کیا جائے تو انسانیت ختم ہو جائے

پس انسانی حقوق، انصاف و آزادی کی برقراری کا عین تقاضا یہی تھا کہ آنحضرت صلعم نے ظلم کی تلوار کے برخلاف تلوار اٹھائی۔

موجودہ حالات سے یہ بھی سبق حاصل ہوتا ہے کہ ذہنی ارتقاء اور سائنسی ایجادات کی بھرمار ہی راہِ نجات نہیں کیونکہ ترقی یہ دوڑ لامتناہی ہے۔ اسکی روک تھام طمانیت اور قناعت کے اخلاقِ حسنہ سے ہی ممکن ہے۔ جس کا تدارک نفسانی ہوا و حرص سے ممکن نہیں بلکہ خدا پر ایمان اور مخلوقِ خدا کی بہبود کی خاطر قربانی و خدمت کے جذبات میں مضمر ہے۔ چنانچہ اب مغربی مادی ترقی نے انسان پر یہی رازِ فطرت منکشف کیا ہے۔ دولت و ثروت کی فراوانی اور اقتدار و حکومت کی بھڑکتی ہوئی آگ انسانی قلب میں تسکین و طمانیت پیدا کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ بلکہ وہ تو اس آگ کے بھڑکانے کا بہترین محرک ہے۔

صبرا میں نہتے و بے گناہ عورتوں اور بچوں کا جو قتلِ عام اسرائیل نے گذشتہ سال روا رکھا تھا اس پر تحقیقاتی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں اسرائیل کی حکومت کی مذمت کی گئی ہے بالخصوص اس کے وزیرِ دفاع کو برخاست کیا گیا ہے۔ یہ ظلم و قتل اپنی نوعیت میں ایسا ہے کہ اس سے انسان کپکپا جاتا ہے۔ اور شاید دنیا کی تاریخ میں ایسی ہولناکی و سفاکی کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں۔ مسلمان حکومتوں کا ان حالات میں کیا فرض تھا؟ لیکن نہ صرف سب ہمسایہ حکومتیں خاموش ہیں بلکہ یا تو باہمی جنگ و تباہی کا کھیل کھیل رہی ہیں اور یا اپنے عیش کوشی و سہل انگاری میں مگن ہیں۔ وہ لوگ جو یہ کہنے کے عادی تھے کہ بانیٔ احمدیت نے سیفی جہاد کو ملتوی قرار دے کر اسلام کے ایک اہم رکن پر خطِ تنسیخ پھیر دیا ہے۔ اب کہاں ہیں؟ اس سے بہتر کوئی اور موقع جہاد کا پیش آ سکتا ہے۔ اس سے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی صداقت ہوتی ہے کہ لا یدان الا حدٍ لمقتنا لھم۔ ان سے جنگ کرنے کی کسی کو طاقت نہ ہو گی۔ مگر جو حالات حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں تھے وہ اب نہیں رہے آپ نے تو یہ فرمایا تھا وجوہ الجھاد معدومۃ فی ھٰذہ الزمن و ھٰذہ البلاد جہاد یعنی جنگ کرنے کی شرائط قرآنی اس وقت ان ممالک میں موجود نہیں اگر اسلامی حکومتیں اس وجہ سے جہاد کا اعلان نہیں کرتیں کہ ان کو پورا علم ہے کہ مغربی قوت کے برخلاف طاقت کا مقابلہ ممکن نہیں تو پھر کیا انہوں نے اپنے عمل سے بانیٔ احمدیت کے موقف کو درست نہیں مان لیا؟

بہرحال ہر مسلمان کے لئے یہ امر قابلِ غور ہے کہ جب مفاتن و مفاسد کی انتہا ہو چکی اور قربِ قیامت کی جملہ علامات ظاہر ہو چکیں جیسے کہ مولانا ابوالحسن ندوی صاحب نے بھی اعتراف کیا ہے کہ قرآن و حدیث کی رو سے دجالی اقوام یہی مغربی حکومتیں ہیں تو پھر یہ عجیب معاملہ ہے کہ فساد تو تمام و کمال ظاہر ہو چکے مگر موعودہ مصلح معالج خدا کی طرف سے مبعوث نہ ہوا۔ زیادہ تر تعجب تو یہ ہے کہ کسی جھوٹے نے بھی اس صدی کا مجدد ہونے کا دعویٰ نہ کیا۔ اگر کیا تو اسی مردِ خدا نے جس نے اپنی زندگی میں غلبۂ اسلام کر دکھایا اور جس کی جماعت نے اس کے بعد فتحِ دین کے کام کو جاری رکھا۔ عبرت کا مقام ہے کہ انگلستان میں جہاں تک مسجد ووکنگ پر احمدیہ جماعت کا قبضہ رہا تو تب تک غلبۂ اسلام کی تحریک زوروں پر رہی لیکن دوسروں کے قبضہ کے بعد وہ تحریک ختم ہو گئی۔ کیا اس سے یہ بات اظہر من الشمس نہیں ہو جاتی کہ غلبہ و فتحِ اسلام کی تحریک کی محرک و منبع جماعت یہی احمدیہ جماعت ہی ہے؟ گویا تبلیغِ اسلام اور جماعتِ احمدیہ لاہور لازم و ملزوم ہیں۔

* * *

مبلغِ اسلام الحاج

عبدالرحیم جگو صاحب یوٹریخت ہالینڈ

تازہ مکتوب

مرحوم و مغفور چوہدری فضل حق صاحب کی اچانک وفات اور مرحومہ سلمیٰ بیگم ناصر احمد صاحب کا جواں سالی میں داغِ مفارقت دے جانے کے سانحوں پر اظہارِ رنج و ملال کے بعد رقمطراز ہیں "جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی آرائش اور آرام کے لئے دنیا میں طرح طرح کے سامان پیدا فرمائے ہیں اسی طرح ایک انجام بھی مقرر فرمایا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

دیگر ہماری تبلیغی مساعی حسبِ معمول جاری ہیں۔ آجکل یہاں پر عیسائی دانشوروں (علماء) کا ایک گروہ جو "کونسل و چرچز" کے نام سے مشہور ہے آیا ہوا ہے اور اسلام پر ایک "سمپوزیم" لگائے ہوئے ہے جو تین دن کے لئے ہے مجھے اس میں شمولیت کے لئے خاص طور پر دعوت نامہ بھیجا گیا ہے تو میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ یہ پروگرام اسلام کے خلاف نہیں بلکہ اسلام کی حقیقت عیسائیوں کے سامنے پیش کرنے کا مقصد ہے۔ چنانچہ خاکسار چند افراد کے ساتھ اس مجلس میں شامل ہوا۔ جلسہ کا افتتاح ایک پادری مسٹر BOUMA نے کیا اور بتایا کہ عیسائی قوم آج تک اسلام سے دور رہی ہے۔ اسلام کی مخالفت محض ناواقفیت کی بنا پر ہے جو یکطرفہ ہے۔ ہمارا یہ جلسہ تین دن تک جاری رہے گا جس میں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت اظہارِ خیالات ہوگا۔

(۱) اسلام کا تعارف (۲) دوسرے دن: اسلام اور مسلمان ہالینڈ میں (۳) ہم مسلمانوں کے ساتھ کس طرح اس وطن میں رہ سکتے ہیں۔

پادری صاحب کا یہ بیان سن کر مجھے بے حد مسرت اور حیرانی ہوئی۔ انہوں نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے لے کر اسلام کے قائم ہونے اور دنیا میں پھیل جانے کی نہایت خوبصورت تصویر کھینچی جس میں سوائے تعریف کے کوئی نفرت کا پہلو نہ تھا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مردوں کی ناگاہ زندہ وار

یہ سب حضرت اقدس نفوسِ قدسیہ اور عالمگیر علمِ کلام کے اثرات ہیں جو دنیا کے اطراف میں نمایاں ہو رہے ہیں۔ احمدیت کے بارہ میں انہوں نے یہاں تک کہا کہ یہ واحد جماعت ہے جو اسلام کو صحیح رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔" آئندہ پوری رپورٹ ارسالِ خدمت کروں گا۔ والسلام

* * *

گاہے گاہے باز خواں

آج دنیا میں پھر ظلم و فساد کا دور دورہ ہے

نفس پرستی، بندوں کو خدا سے دُور لے جا رہی ہے۔

تم خدا تعالیٰ کی طرف اسی تیز رفتاری سے بڑھو جس تیز رفتاری سے لوگ خدا سے دُور جا رہے ہیں

سخت ترین تاریکی کا زمانہ

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جو حالت فساد کی دنیا میں پیدا ہوئی۔ وہ آج تمام دنیا میں مسلم ہے۔ کہ وہ زمانہ ایک سخت ترین تاریکی کا زمانہ نظر آتا ہے۔ شرک۔ بُت پرستی۔ توہم پرستی۔ یہ تو خیر عقائد سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں مگر اعمال کے رنگ میں دنیا بدترین حالت تک پہنچ چکی ہے۔ ظلم اور استبداد کا دور دورہ تھا۔ کمزوروں اور غریبوں کے حق کو دنیا میں پہچانا نہیں جاتا تھا اس کے لئے دلوں میں درد پیدا نہ ہوتا تھا۔ بلکہ طاقتور اور دولت مند جہاں تک ممکن تھا غریبوں اور بے کسوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے اور یہ حالت ساری دنیا کی تھی۔ اخلاق کی پستی اور فواحش کا ارتکاب کھلا نظر آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا اور خدا کے درمیان کوئی بڑا سخت پردہ حائل ہو گیا ہے۔ اور دُنیا خدا سے دُور بھاگی جا رہی ہے۔

حضرت نبی کریم صلعم کا پیدا کردہ انقلاب

اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے۔ اور وہ ایک شخص پر اپنی رُوح نازل فرما کر دنیا کی ان بیماریوں کا علاج کرتا ہے کس قدر زبردست انقلاب ہے۔ جو محض اللہ تعالیٰ کی اس روح کے نزول کی وجہ سے پیدا ہوا۔ کون سی طاقت ایسی تھی جو ان بدیوں کا علاج کر سکتی۔ صرف وہ رُوح جو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس نے آہستہ آہستہ اول ملک عرب میں اور اس کے بعد اس کے ذریعہ سے تمام دُنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔

توحید کا شور بلند ہو گیا۔ ظلم اور استبداد کی جگہ رحم اور غریبوں اور بے کسوں کی حق رسی نے لے لی۔ طاقت ور اور کمزور کو یکساں کر دیا گیا۔ دولت مند اور غریب میں فرق مٹا دیا گیا۔ بڑا عظیم الشان انقلاب ہے۔

پیغمبر یا مصلح کی رُوح اس کے پیروؤں میں سرایت کر جاتی ہے

پھر وہ انسان اور دیگر اسی قسم کے انسان جن پر خدا کی رُوح نازل ہوتی ہے وہ آخر انسان ہوتے ہیں۔ اپنی زندگی کا پیمانہ ختم کر کے اپنے مولا کی طرف چلے جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ رُوح جو پیغمبر یا مصلح پر نازل ہوتی ہے وہی رُوح اگر اس کی امت کے اندر سرایت نہ کر جائے تو پھر بھی کام نہیں چل سکتا۔ سو وہ رُوح ان کے پیروؤں کے اندر سرایت کر جاتی ہے۔

ظلم و استبداد کو مٹانا مذہب کی ایک بھاری غرض ہے۔

میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق [illegible] کا ایک چھوٹا سا خطبہ ہے جو نہایت جامع ہے۔ اسی خطبہ میں یہی لفظ ہیں کہ:

"تم میں سے قوی تر انسان میرے نزدیک کمزور ترین ہے۔ یہاں تک کہ میں وہ حق جو اس کے ذمہ ہے اس سے لے لوں۔ اور تم میں سے کمزور ترین انسان میرے نزدیک قوی ترین ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اُسے دلا دوں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جہاں خدا کا نام بلند کرتے تھے دوسری طرف استبداد اور ظلم کو مٹاتے بھی تھے۔ یہ لفظ بتاتے ہیں کہ دنیا میں استبداد کا دور دورہ نہ رہنے کو مذہب کی عظیم الشان اغراض میں سے ٹھہرایا۔

صحابہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ یہ رُوح تمام دنیا میں پھیلی نیکی کا دور دورہ شروع ہوا۔ اور صرف مسلمانوں پر نہیں بلکہ غیر مسلموں پر بھی اس کا اثر ہوا۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیم غیر مسلموں پر بھی اثر کر گئی۔

آج پھر ظلم و فساد کا دور دورہ ہے

ظھر الفساد فی البرّ و البحر۔ آج پھر ہم کو اسی کا نظارہ نظر آتا ہے۔ کہا جائیگا کہ آج کی دنیا میں شرک نہیں۔ بُت پرستی نہیں ممکن ہے کہ آج پتھروں کے بنائے ہوئے بُتوں کی پوجا نہ ہو مگر یہ سچ ہے کہ آج بھی شرک اور بُت پرستی عام ہے۔ کہیں ملک اور وطن بُت بنا ہوا ہے۔ کہیں طاقت بُت بنی ہوئی ہے۔ کہیں مال اور دولت بنا ہوا ہے۔ یہ بُت ہیں جن کی آج پوجا ہو رہی ہے۔ اور وہ یورپ کی مادی تہذیب۔ وہ کیا چیز ہے۔ وہ در حقیقت ان تمام بتوں کی پوجا ہے خدا کی عبادت چھوڑ کر اس کا نتیجہ آج ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ آج دنیا میں پھر ایک طرف شرک پھیلا ہوا ہے۔ تو دوسری طرف ظلم کا دور دورہ ہے۔

مسلمان سب سے زیادہ کسمپرسی کی حالت میں ہیں۔

طاقتور کمزور کو کھانے اور دولت مند غریب کا خون چوسنے کے لئے تیار ہیں۔ دنیا میں یہ آپ کو صاف نظر آ جائے گا۔ ہاں یہ بھی نظر آتا ہے کہ اس ظلم اور استبداد کے دور دورہ میں مسلمان سب سے بڑھ کر کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ یہ کیوں ہے؟ بما کسبت ایدی الناس خدا ظلم نہیں کرتا مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ہاتھوں سے کیا ہے۔ اور اسی کا نتیجہ آج بھگت رہے ہیں۔

اسلام کا بے مثال کارنامہ

مسلمانوں کی ایک برادری بنائی گئی تھی اور یہ برادری کا بنانا۔ ایک عالمگیر برادری کا بنانا اسلام کے عظیم الشان کارناموں میں سے تھا۔ ملک، زبان، رنگ، نسل جن سے کوئی برادری نہیں بن سکتی ان سب حد بندیوں کو توڑ کر ایک سچے اخوت کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ ۔۔۔۔۔

ہماری جماعت کے قیام کا مقصد

خُدا نے ہماری اس جماعت کو کھڑا کیا۔ کس غرض کے لئے؟ اس غرض کے لئے کہ دنیا جو خُدا سے دور جا رہی ہے اُسے خدا کی طرف واپس لایا جائے۔ کتنا بڑا کام ہے۔ ایک بے کس جماعت جن کی تعداد کچھ نہیں، جس کے پاس مال نہیں۔ ایک طرف وہ ہے اور دوسری طرف دنیا اپنے سارے ساز و سامان سے خُدا سے دور جا رہی ہے۔ [illegible] تم بھی زیادہ ہمت اور کوشش سے کام کرو۔

ــــ ٭٭٭ ــــ

جالینوس کے قلم سے

سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے، مدد مانگو تو اسی سے

(کلام الٰہی کے موتی)

حدیث شریف میں آتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا۔

"اے لڑکے میں تجھے چند باتیں بتلاتا ہوں۔ (۱) اگر تو انہیں یاد رکھے گا تو اللہ تعالیٰ تیری حفاظت فرمائے گا (۲) اگر تو ان پر عمل کرے گا تو تو خدا کو اپنے سامنے پائے گا۔ یاد رکھ کہ:۔ اوّل :۔ جب تو سوال کرے تو خدا کے سوا کسی اور سے سوال نہ کر

دوم :۔ جب تو مدد مانگے تو صرف خدا سے ہی مدد مانگ

اور دیکھ اگر ساری دنیا بھی مل کر تجھے کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو خدا کو منظور ہے اور اگر سب تیرے خلاف ہو کر تجھ کو نقصان دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے سوائے اس کے جو خدا کی رضا میں ہے"

(۱) سب سے پہلی بات حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے کلام میں یہ ہے کہ اگر تو ان باتوں کو یاد رکھے گا تو خدا بھی تجھے یاد رکھے گا اور تیری حفاظت فرمائے گا۔ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ہمارے کسی اچھے یا بُرے عمل سے نہ خدا کو فائدہ ہوتا ہے نہ نقصان۔ ہماری عبادات سے نہ اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے نہ انکار سے اس کا مرتبہ کم ہوتا ہے جیسے کہ اس نے فرمایا۔

"جو شکر بجا لائے گا وہ صرف اپنے نفس کے لئے شکر بجا لاتا ہے اور جو انکار اور ناشکری کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ بہت غنی اور حمد والا ہے"

اگر ہم خدا کی حمد اور صفت بیان کرتے ہیں تو اس میں ہمارا اپنا فائدہ ہے جیسا اس کا ارشاد ہے:۔

"تم میرا ذکر کرتے رہو (مجھے یاد رکھو) میں بھی تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو"

خدا سے رحمت اور فضل کے اُمید دار لوگوں کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا بہت ضروری ہے۔ اُس نے فرمایا ہے:۔

"اور تم میرے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ کیا گیا عہد پورا کروں گا"

اور ہم جو بھی اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں دراصل ایک قرض ہے جو خدا کو دیتے ہیں اور یہ قرض ہمیں کئی گنا ہو کر اُخروی زندگی میں واپس ملے گا اور کسی غنی کو قرض دینے سے زیادہ ملنے کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ اور خُدا تو سب جہان سے زیادہ غنی ہے۔ اس نے فرمایا ہے

"کتنا اچھا ہے وہ شخص جو خُدا تعالےٰ کو نیکیوں کا قرض دیتا ہے"

اگر ہم انفاق فی سبیل اللہ یا جہاد فی سبیل اللہ کے امور میں خُدا کے دین کا ساتھ دیتے ہیں اور دُنیا کو چھوڑ کر دین کو اہمیت اور فوقیت دیتے ہیں تو یہ دینِ خداوندی کی نصرت ہے۔ اور اس نصرت کے بدلہ میں خُدا کا وعدہ ہے۔

"اگر تم خُدا کی نصرت کرو گے تو وہ بھی تمہاری نصرت فرمائے گا"

خُدا تعالےٰ کی حفاظت دو طرح کی ہے اور وہ ہماری نصرت اور حفاظت ان طریقوں سے فرماتا ہے:۔

اوّل :۔ دُنیاوی ذرائع میں نُصرتِ الٰہی

اپنے خالق کی اطاعت اور اسکے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلنے سے یقیناً خُدا تعالےٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اور جو اسکے لئے دین کو دُنیا پر مقدم رکھتا ہے خُدا خود اس کا اس کی جان کا۔ اولاد کا۔ اہل و عیال کا۔ اس کے مال و منال کا محافظ ہو جاتا ہے۔ یا والدین کے ذریعے سے اولاد کے لئے دُنیاوی ذرائع پیدا کر کے اُن کے لئے آسانیاں پیدا فرماتا ہے اور جو والدین لائق اور قابل ہوں وہ ضرور اپنی اولاد کے لئے بہتر حالات پیدا کر کے ہی اس دُنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ایک جگہ نیک اور صالح والدین کا ذکر قرآن کریم میں یُوں کیا گیا ہے۔

"اور وہ دیوار شہر میں رہنے والے دو یتیم بچوں کی تھی جس کے نیچے اُن کے لئے خزانہ دفن کیا گیا تھا کیونکہ اُن کے والدین بہت نیک اور قابل تھے"

دوئم :۔ ایمانی اور دینی زندگی میں حفاظتِ الٰہی

اگر کوئی مومن خُدا کے بتلائے ہوئے راستہ پر گامزن رہتا ہے تو وہ یقیناً زندگی میں اسے دین پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ اور اس کی موت ایک مومن کی موت ہوتی ہے۔ اور مومن کو ہر دم اس بات کا ہی خیال رکھنا چاہیئے کہ کیا وہ خُدا کی نگاہ میں مومن ہے یا نہیں۔ دُنیا کی نگاہیں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی کہ ظاہر میں انسان کچھ نظر آتا ہے مگر خدا تعالےٰ کے نزدیک اس کا بہت بلند مقام ہے کیونکہ قلوب کی اہمیت کو صرف خُدا ہی جان سکتا ہے۔ جیسے وہ فرماتا ہے:۔

"ہو سکتا ہے کہ تم کو کوئی چیز اچھی معلوم نہ ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور بہت ممکن ہے کہ بعض چیزیں تم کو اچھی لگیں اور وہ اچھی نہ ہوں اور اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے تم کوئی قطعی علم نہیں رکھتے"

دوسری بات حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس قول میں یہ ہے کہ اگر تو ان باتوں کو یاد رکھے گا تو خدا ہر دم تیرے سامنے رہے گا۔ اس سے یہ بات قطعی ہے کہ خُدا تعالےٰ کی معیّت اس بندے کو حاصل ہوتی ہے جو خُدا کے فرمانوں کو قبول کرتا اور اُن پر عمل کرتا ہے۔ اور "سامنے" اس لئے کہا کہ ترقی اور آگے بڑھنے کی جدوجہد میں خُدا کی معیّت حاصل ہوتی ہے۔ غیر صالح امور میں خدا تعالےٰ ساتھ نہیں دیتا اس کا ارشاد ہے۔

"یقیناً اللہ تعالےٰ اُن کے ساتھ ہے جو تقوٰی کی راہ اختیار کرتے ہیں اور محسنوں میں سے ہیں"

پھر انبیاءؑ جو اعمالِ حسنہ کی معراج پر ہوتے ہیں اُن سے خُدا نے معیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے۔

اللہ تعالےٰ حضرت موسٰیؑ اور ہارونؑ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:۔

"تم نے ڈرنا نہیں میں جو تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ میں سب کچھ سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں"

— اور حضرت موسٰے علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

" یہ یقینی امر ہے کہ میرا رب میرے ساتھ ہے اور وُہ مجھے سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔"

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے غارِ ثور میں حضرت ابوبکر رضؓ سے فرمایا:۔

" غم کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یقیناً اللہ تعالےٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔"

— جو دو باتیں حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے اس حدیث میں روایت کی گئی ہیں وہ توحید کی بنیاد ہیں اور جو لوگ مسلمان کہلوا کر بھی بہت سی حرکات سے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اُن کے لئے ان میں سبق ہے۔

اوّل:۔ سوال کرو تو صرف اللہ تعالےٰ کی ذات سے۔ جو کچھ بھی مانگنا ہو تو صرف خُدا تعالےٰ سے مانگو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اگر تجھے اپنی جُوتی کے لئے تسمہ کی ضرورت ہو تو بھی صرف خُدا سے مانگ کسی اور کے آگے دستِ سوال دراز نہ کر اور اللہ تعالےٰ نے سب کچھ صرف خُدا سے مانگنے کے متعلق تعلیم دی ہے۔ فرمایا:

" اور صرف اللہ تعالےٰ سے ہی اس کے فضلوں کو مانگو۔"

اور پھر فرمایا:۔

" اور تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں قبول کرونگا۔"

اور حضورؐ کو ارشاد فرمایا:۔

" اور جب میرا بندہ میرے بارے میں پوچھے تو (کہہ دے) میں بہت قریب ہوں۔ میں پکارنے والے کی پکار کو جب وہ مجھے بُلائے تو ضرور سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔"

— اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ میرے در سے آج تک کوئی خالی ہاتھ واپس لوٹا ہے؟ حدیث قدسی میں یوں کلامِ خُدا درج ہے کہ:۔

"کون ایسا ہے کہ جس نے مجھے پکارا ہو اور میں نے قبول نہ کیا ہو؟ کون ہے ایسا جس نے مجھ سے مانگا ہو اور میں نے نہ دیا ہو؟ کون ہے ایسا جس نے مغفرت مانگی ہو اور میں نے اُسے نہ بخشا ہو؟ اور جبکہ میں سب رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہوں۔"

دوم:۔ مدد مانگو تو صرف اللہ تعالےٰ کی ذات سے کسی اور کو اپنا مددگار نہ سمجھو اور یقین رکھو کہ وہی مدد کرنیوالا ہے۔ کوئی انسان اپنے لئے نفع یا نقصان کا مالک نہیں ہے اس لئے ہمیں سورۃ فاتحہ میں جو ہم دن میں متعدد بار پڑھتے ہیں یہی تعلیم دی گئی " ایّاکَ نعبد وایّاکَ نستعین۔"

"ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔"

اور مدد مانگنے کے ذرائع بتلاتے ہیں کہ " اور مدد مانگو صبر اور نماز کے ساتھ۔"

واستعینوا بالصبر والصّلوٰۃ۔

— یہ ہیں وہ کلام کے موتی جو ہماری راہ نمائی کرتے ہیں اور ہماری راہوں کو روشن رکھتے ہیں۔ اور مبارک ہیں وہ لوگ جو توحید کو مضبوطی سے تھامتے اور شرک سے اجتناب کرتے ہیں۔

" اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

— ارشادِ خداوندی —

جماعت احمدیہ لاہور کی فتحمندی کا یقین

" جتنا مجھے یقین ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو کوئی بڑی سے بڑی طاقت ہلا نہیں سکی اُتنا ہی مجھے یقین ہے کہ کوئی شخص اس جماعت کو گرا نہیں سکتا۔ جب تک ایسے لوگ جماعت میں موجود ہیں جن کے آنسو رات کو بہتے ہیں ...... اور میں سنانا چاہتا ہوں ایسے (شک کرنے والے) لوگوں کو خواہ وہ جماعت کے اندر ہوں یا باہر کہ جب تک راتوں کو اُٹھ کر رونے والا ایک گروہ اس جماعت کے اندر موجود ہے۔ اسوقت تک یہ جماعت اپنی روحانی قوت کے ساتھ دنیا کو فتح کرتی رہے گی۔" (خطبہ جمعہ حضرت مولانا محمد علیؒ)

سیرتِ اسلاف

" معاشی مساوات اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ" اول اول جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے سامنے خراج وزکوٰۃ کا مال آیا۔ تو انہوں نے سب پر برابر برابر تقسیم کر دیا اور چھوٹے بڑے آزاد۔ غلام۔ مرد وعورت سب نے سات سات درہم سے کچھ زیادہ پائے۔

دوسرے سال اس سے زیادہ مال آیا اور ہر شخص کو بیس بیس درہم ملے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فضل وبرکت کو دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا کہ:

" آپ نے تمام لوگوں کو برابر کر دیا حالانکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے فضائل ان کی ترجیح کی سفارش کرتے ہیں۔"

لیکن انہوں (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ) نے صاف صاف کہہ دیا کہ فضائل کا ثواب تو خُدا دے گا جہاں تک معاش کا معاملہ ہے اس میں مساوات ہی بہتر ہے۔

(کتاب الخراج)

مکتوبِ تعزیت:

مکرم محمد حسین صاحب کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ سے لکھتے ہیں:

کہ پیغامِ صلح کا تازہ شمارہ ابھی موصول ہوا جس میں یہ اندوہناک خبر پڑھی کہ مرحوم و مغفور مولانا آفتاب الدین احمد کے فرزند ناصر احمد کی اہلیہ صاحبہ کا میو ہسپتال میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ناصر احمد کے لئے یہ صدمہ عظیم ہے۔ ان ایام آزمائش میں اللہ تعالیٰ ان کو استقامت عطا فرمائے۔ اور اہلیہ کی جُدائی کے غم پر اُنھیں صبر جمیل عطا کرے اور مرحومہ کی روح پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

ایک ضروری اعلان

۸۔ اپریل ۱۹۸۳ء کی تاریخ انتخابات معتمدین ناگزیر وجوہات کی بناء پر ملتوی کی جاتی ہے اس سلسلہ میں آئندہ تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائیگا۔

(کنوینر انتخابی کمیٹی)

تقریر مکرم مرزا محمد لطیف شاہد صاحب

بر موقع جلسہ سالانہ ۱۹۸۲ء

اسلامی معاشرہ

احباب کرام!

قرآن مجید نے اسلامی معاشرے کے لئے جس ماحول کی تشکیل کی اس سے بعض خاص صفات کا انسان سامنے آتا ہے۔ یہ صفات دو لفظوں میں یوں بیان کی جا سکتی ہیں۔ (۱) متقی اور (۲) صالح۔ متقی سے مراد وہ انسان ہے جو اللہ تعالےٰ کے خوف سے گناہ کی ہر شکل سے اجتناب کرے اور صالح سے مراد وہ انسان ہے جو تمام اعمال صالحہ بجالانے کی سعی کرے جن سے حیات میں پاکیزگی، معاشرے میں نیکی اور زندگی کے نیک مقاصد کو ترقی نصیب ہو۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک تاریخی۔ عالمگیر۔ قیام امن کا علمبردار۔ حریت و مساواتِ انسانی کے منشور کا اعلان فرمایا جس میں ہر مسلمان پر اس کے ابنائے جنس کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کا سبق دیا۔ فرمایا:۔

ایھا الناس ان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام۔ الیٰ ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا وکحرمۃ شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا وانکم ستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم۔

واقعی! اس خطبہ میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ ہمارے لئے آبِ حیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یہ آپ کی اپنی حیاتِ طیبہ کی آخری وصیت ہے۔ آجکل ہر مجلس، مذاکرہ۔ کانفرنس میں جو اصلاحِ معاشرہ، اسلامی معاشرہ کے نام سے منعقد کی جاتی ہے اس خطبہ حجۃ الوداع کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں اسلام ہر مسلمان کو ضمانت دیتا ہے کہ اسکی جان مال۔ عزت و آبرو اسی طرح قابلِ احترام ہے جس طرح خدا کا گھر بیت اللہ قابلِ احترام اور امن کی جگہ ہے۔ لیکن یہ بات کہنے کو تو بڑی آسان ہے کہ اسلامی معاشرہ ہر انسان کو جان و مال۔ عزت کی حفاظت و احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن عملاً ایسا کیوں نہیں۔ وہ اس وجہ سے ہے کہ ہم قرآن مجید و اسوہ حسنہ رسولؐ کے صرف قال سے پابند ہیں حال سے نہیں۔ ہم جب کسی مقام کے مسلمانوں کو سہمے ہوئے یا خستہ حال پاتے ہیں تو ہم انہیں یہ سناتے ہیں:۔

”آج زلزلوں سے ڈرتے ہو کبھی تم خود ایک زلزلہ تھے۔ آج اندھیرے سے کانپتے ہو کیا یاد نہیں رہا کہ تمہارا خود ایک اُجالا تھا۔ وہ تمہارے ہی اسلاف تھے جو سمندروں میں اُتر گئے۔ پہاڑوں کی چھاتیوں کو روند ڈالا۔ بجلیاں آئیں تو ان پر مسکرا دیئے۔ بادل گرجے تو قہقہوں سے جواب دیا۔ صرصر اٹھی تو رُخ پھیر دیا۔ آندھیاں آئیں تو اُن سے کہا کہ تمہارا راستہ یہ نہیں ہے۔

لیکن آج! یہ ایمان کی جانکنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے آج خود اپنے ہی گریبانوں کے تار بیچ رہے ہیں اور اللہ تعالےٰ سے اس درجہ غافل ہو گئے ہیں جیسے اس پر کبھی ایمان ہی نہیں تھا۔

حضرات! یہ حالت کیوں ہوئی۔ کہ آج تمام ذرائع ابلاغ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں لیکن نتیجہ صفر۔ اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کی داغ بیل کی بنیاد ہی غلط رکھی گئی ہے۔ کہتے ہیں۔ خشتِ اول چوں نہد معمار کج۔ تا ثریا مے رود دیوار کج۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے اسلامی معاشرہ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔؟ میرا جواب یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ اس معاشرہ کو کہتے ہیں جس کی چمک صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں جلوہ گر ہے اسلامی معاشرہ اُن احکام کی پیروی سے وجود پذیر ہوتا ہے جو قرآن مجید اور اسوۂ رسول صلعم میں دیئے گئے ہیں۔ اسلامی معاشرہ اس معاشرہ کو کہتے ہیں جس کی نشاندہی بزرگانِ دین اور اولیاء کرام اور بزرگانِ امت کی زندگیوں میں ہمیں ملتی ہے۔

ایک مادہ پرست تو کہے گا کہ مال و دولت کی فراوانی سے! لیکن کیا آج دنیا کے خزانے سمٹ کر اسلامی ممالک کے قبضہ میں نہیں آ چکے۔ آج مسلمان دنیا میں سب سے زیادہ امیر قوم ہے۔ یہودیوں کے بنک۔ امریکہ کے خزانے۔ یورپ میں دولت کی ریل پیل۔ ڈالروں۔ پونڈوں۔ ینوں۔ مارکوں وغیرہ کی فراوانی مسلمانوں کی بلیک گولڈ اور دوسری طبعی پیداواروں کے مقابلہ میں یکسر بے حقیقت ہے!

پس اگر مال و دولت ہی اسلامی معاشرے کے قائم کرنے کی شرط ہے تو یہ شرط مسلمان پوری کر چکے ہیں۔ لیکن اسلامی معاشرہ تو مسلمانوں کی عملی زندگیوں و اعمال کے سامنے عرق خجالت میں ڈوب رہا ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ حکومت کا دبدبہ اور سیاسی طاقت کے ذریعہ اسلامی معاشرہ کو قائم کیا جا سکتا ہے۔ واقعات نے اس کی بھی تغلیط کر دی ہے۔ دنیا کی ایک تہائی سے زیادہ حکومتیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ جغرافیائی اور فوجی STERATEGEY سڑے ٹے جی پر اگر قبضہ کر لیا جائے تو اسلامی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔ لیکن حقائق نے اس کے بطلان کو بھی کھول کر سامنے رکھ دیا ہے۔

دنیاوی تعلیم کو بھی ایک ذریعہ اسلام معاشرے کے قیام کا ایک ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ سرسید احمد خاں نے اسی نقطہ نگاہ سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی بنیاد رکھی لیکن ایک صدی کی کوششوں کے بعد اسلامی معاشرے کے قیام کا خواب ہنوز شرمندۂ تعبیر ہے۔

غرض یہ تمام چیزیں ہرگز مقصود بالذات نہیں۔ گو کسی قدر اسلامی معاشرہ کے قیام میں ممد و معاون ضرور ہیں۔

اسلام خدا کا دین ہے۔ اس کی بنیاد شریعت پر ہے۔ خدا کے کلام پر ہے۔ اللہ تعالےٰ کے الہام پر ہے۔ آسمانی وحی پر ہے۔ اگر اسلامی معاشرہ سچ سے دنیا میں قائم ہو سکتا ہے تو انہی ذرائع سے قائم ہو گا۔ جن ذرائع سے یہ پہلے قائم ہوا تھا۔ پہلے قرآن کریم کی تعلیم پر حقیقی رنگ میں عمل پیرا ہو کر اور حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ آپ کی تربیت اور آپ کے نمونہ اور آپ کی سعی مشکور سے یہ معاشرہ قائم ہوا تھا۔ وہ صحابہ عباد الرحمٰن بن گئے۔ الذین یمشون علی الارض ھوناً۔ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں۔ واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً اور جب جاہل انہیں خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام۔ والذین یبیتون لربھم سجداً وقیاماً۔ اور وہ جو رات گذارتے ہیں۔ اپنے رب کے آگے سجدہ کرتے اور کھڑے ہو کر۔ ہمیشہ خدا تعالےٰ سے ڈرتے ہیں۔ مال کے خرچ سے اسراف نہیں کرتے۔ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہیں کرتے کسی کو قتل نہیں کرتے۔ ناپاک فعل نہیں کرتے کبھی جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ لغو افعال سے پرہیز کرتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ سے دُعا کرتے ہیں ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماماً

ان آیات میں اسلامی معاشرہ کا وہ عملی نمونہ پیش کیا گیا ہے جن کے علمبردار اصحاب النبیؐ

تھے۔ یہ آیات صحابہ رض کے کردار کی نشان دہی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سپرد ایک عظیم الشان امانت سپرد کی ہے۔ فرمایا:۔
انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ انہ کان ظلوما جھولا۔ وہ ہے القرآن الحکیم! جس میں اسلامی معاشرہ کو قائم کرنے کی ہدایات فرمائی ہیں۔۔۔۔

اسلامی معاشرہ! آج اگر پیدا ہوگا حضرت امام مہدی کی پاکیزہ تعلیم۔ اطاعت اور فرمانبرداری کے نتیجہ میں۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی۔ وھو یدفن معی فی قبری! یعنی آخری زمانہ میں جب کہ دین عملاً مٹ چکا ہوگا۔ دنیا فسق وفجور میں مبتلا ہو چکی ہوگی۔ اسلامی اقدار ھباءً منثوراً ہو چکے ہوں گے۔ ظلمت و تاریکی کا دور دورہ ہوگا۔ اور اسلامی معاشرہ کے نشان تک مٹ چکے ہوں گے اسوقت حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت ثانیہ پھر اسلام کا احیاء کرے گی۔ اسلامی اقدار کو قائم کریگی بے دینی۔ جہالت اور تاریکی کا قلع قمع کرے گی۔ اور انسانیت پاکیزگی کے انوار سے جگمگا اٹھے گی اور حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے خادموں کو کھڑا کیا جائے گا۔ جس کا سب سے بڑا اور اہم مقصد یہ ہوگا۔ یحیی الدین و یقیم الشریعۃ کہ وہ شخص دین اسلام کو پھر سے زندہ کرے گا۔ اور شریعتِ اسلامیہ کو استحکام بخشے گا۔ اور اسلامی معاشرہ کو پھر سے قائم کر دے گا۔

پس یہی اور صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ دنیا میں پھر سے اسلامی معاشرہ قائم ہو سکے۔ اور صرف اور صرف آپ کی ہی جھولی میں وہ پھل ہیں جن کی لذت آشنا دنیا ہو جائے تو وہ اسلام کی چہکار کو پھر سے مشاہدہ کرلے گی۔

اسلام ضرور زندہ ہوگا۔ دنیا ضرور اس پستی سے اُبھرے گی۔ احکام اسلامیہ کی یقینًا پیروی کی جائے گی۔ شریعتِ اسلامیہ بہر طور قائم ہوگی۔ اسلامی معاشرہ یقینًا قائم ہو کر رہے گا۔ لیکن کس طرح! امام وقت کے دامن سے دامن وابستہ کر کے۔ مہدی زماں کی متابعت اختیار کر کے۔ ان کے خزائن ومعارف کو دنیا میں پھیلا کر۔ اور ان راہوں پہ چل کر جن کی نشاندہی اس بطل جلیل نے فرمائی ہے۔

حضرات! حضرت امام وقت کا ایک نام بزبانِ فیض ترجمان صلے اللہ علیہ وسلم سے مہدی معہود بھی آیا ہے جہاں مسیح موعود کے نام کی یہ غرض ہے کہ وہ کسرِ صلیب کرے اور خنزیر صفت طبائع کو کاٹ کر رکھ دے۔ وہاں مہدی کے نام سے یہ غرض ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی لائی ہوئی شریعت آپکے قائم کردہ دین اور آپ کی پھیلائی ہوئی معاشرت کو از سرِ نو استحکام دے۔

یہ الہٰی وعدہ ہے جو بہر صورت پورا ہو کر رہے گا۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں سورج اپنا نور چھوڑ سکتا ہے۔ زمین کی گردش رک سکتی ہے۔ لیکن خدائی وعدہ پورا ہونے سے ٹل نہیں سکتا۔ اسی کی طرف حضرتِ اقدس کا وہ کشف اشارہ کرتا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں آؤ ہم ایک نیا آسمان اور نئی زمین بنائیں۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہے جمع کر وسب لوگوں کو دینِ واحد پر۔ اس طرح یہ دنیا دینِ واحد پہ جمع ہوگی اور سب ایک معاشرت کا حصہ بنیں گے۔ جسے اسلامی معاشرت کہا جاتا ہے۔ وہ معاشرت نہ مشرقی ہوگی نہ مغربی۔ اس کا تعلق نہ صرف عربوں سے ہوگا نہ عجمیوں سے۔ بلکہ وہ ہمہ گیر ہوگی۔ عالمگیر ہوگی۔ اور مشرق و مغرب کو اپنے دامن میں سمیٹے گی۔ اور دنیا اس وقت نجات پائے گی جب اس راہ پہ گامزن ہو جائے گی۔

مگر اس کے لئے ہمیں اپنی جانوں کی قربانی دینی ہوگی۔ اپنے مال اس راہ میں لٹانے ہونگے۔ ہر قسم کی کمزوریوں کو تج دینا ہوگا۔ اور بنیان مرصوص ہو کر۔ بن کر۔ کفروالحاد۔ بے دینی خُدا سے دوری۔ اور اپنے گھڑے ہوئے بُتوں اور ازموں کو چھوڑنا ہوگا۔ اس کے بغیر صبح صادق نمودار نہیں ہو سکتی۔

مبارک ہیں جو اس وقت کو قریب تر لانے میں کوشاں ہیں۔ کہ انہیں آسمان پر عزت دی جائے گی۔ مبارک ہیں جو اس اسلامی معاشرہ کو قائم کرتے ہیں۔ اپنے قول وفعل میں مطابقت پیدا کریں گے کہ آسمانی نُور انہیں پہ اُترے گا۔ مبارک ہیں جو مہدی معہود کے اس مشن میں دامے درمے قدمے سخنے حصہ لیں گے کہ وہی آسمانی بادشاہت کے وارث بنیں گے۔

میری دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ سب کو جو اس موعود کی روحانی اولاد ہیں اور مہدی معہود کے دامن سے دامن وابستہ کئے ہوئے ہیں اس کام کو سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ آپکے ساتھ ہو آپ کی نسلوں کے ساتھ ہو۔ اور آپکے گھروں کو نور سے بھر دے۔ جو آسمان سے نازل ہو اور دنیا کو روشنی سے جگمگا دے۔ آمین!

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

* * * *

اخبارِ احمدیہ

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں۔ البتہ طبیعت میں ضعف ابھی باقی ہے۔ اور صبح کے درسِ قرآن کا سلسلہ ملتوی چلا آرہا ہے۔ احباب جماعت آپ کی صحت وعافیت والی لمبی زندگی کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

جس بستی میں یا قریہ میں ایسے بابرکت مقدس اور اللہ کے پیارے لوگ رہتے ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان کی صحبت سے دلوں پر سے گناہوں کے داغ دھل جاتے ہیں۔ ان کی پُرسوز دعاؤں سے گناہگاروں کی بخشش ہوتی ہے۔ نیز لوگوں کو ان کے پاس بیٹھ کر خیر وبرکت حاصل ہوتی ہے۔ ان کے انفاسِ قدسی دلوں کے پاتال تک اثر کرتے ہیں ان کے قرب سے توبہ استغفار کی ترغیب ہوتی ہے۔ جو خوش نصیب بھی قلبِ سلیم لے کر ان کے پاس آتا ہے نفس کی شرارت سے پاک عظمت وبرکت لے کر جاتا ہے بقول علامہ اقبال؛ ؎ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

سانحہ ارتحال

فیجی میں جناب شوکت علی صاحب کے بھائی موٹر کار کے حادثہ میں فوت ہوگئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

پیغام صلح:۔ ہمیں اس حادثہ میں جناب شوکت علی اور ان کے خاندان سے دلی ہمدردی ہے۔ بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔ جامع احمدیہ دارالسلام میں بعد نماز جمعہ حضرت امیر ایدہ اللہ نے جنازہ غائبانہ پڑھایا۔

* * *

جلد ۷۰ ★ یوم چہار شنبہ ★ شمارہ : ۱۴/۱۵

ارشاداتِ حضرت مجدد صد چہاردہم

اپنے دلوں میں انکسار، اخلاص اور صفائی پیدا کرو

اے میرے دوستو جو میرے سلسلۂ بیعت میں داخل ہو خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے اسی سنّت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے ہر ایک طرف سے کوشش ہو گی کہ تم ٹھوکر کھاؤ۔ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی اور ہر ایک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دیگا وہ خیال کریگا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے۔ اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ۔ سو تم اس وقت سن رکھو کہ تمہارے فتحمند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل تمسخر کی باتیں کرو یا گالی کے مقابل پر گالی دو۔ کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو۔ ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا تعالےٰ کی لعنت کے ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں۔ اگر خدا ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا۔ ہم کیونکر خدا تعالےٰ کو راضی کریں۔ اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا ہے کہ تقوٰی سے۔ سو اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ۔ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں۔ اور بغیر عمل کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقوٰی یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالےٰ کی طرف قدم اٹھاؤ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔

سب سے اول اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ۔ کہ ہر ایک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہو گی اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضا۔ ہر ایک نور اور اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے۔ سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردّی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینک دیتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردّی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دیوے اور پھر تم کاٹے جاؤ۔"

★ ★ ★

بیاد ڈپٹی محمد الرحمٰن مرحوم و مغفور پشاور

از جناب محمد انور ایم۔ اے نائب امام لندن مشن

ڈپٹی صاحب مرحوم

انہیں میں بھی جانتا تھا

نام تو اُن کا محمد الرحمٰن تھا۔ مگر وہ جماعت ہائے سرحد میں اکثر ڈپٹی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ یہ نام اُن کے عہدہ ملازمت کی بناء پر تھا۔ یہ نہایت متحرک شخصیت اب بھی میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے اُن کی زندگی کا مختصر مگر جامع خاکہ جس رقت انگیز اور پُراثر انداز میں میرے مشفق و محترم جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب نے کھینچا ہے اُس سے جہاں ڈپٹی صاحب مرحوم کے ساتھ گذرے ہوئے بعض لمحات جاگ اُٹھے ہیں۔ وہاں محترم پروفیسر صاحب سے دُوری نے بھی ایک عجیب اضطرابی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ آج جمعۃ المبارک کا دن ہے۔ میں "دارالسلام" کے حصۂ مسجد میں نمازِ جمعہ کی تیاری میں کھڑا ہوں۔ اور یادوں کے اس طوفان کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہا ہوں۔ جو اس وقت زیادہ ہی شدت سے اُبھر کر آنسوؤں میں ڈھل گیا ہے۔ خوشی و غم کے واقعات اپنوں سے دور کیا کر گذرتے ہیں وہ اہلِ دل اور اہلِ حال ہی جانتے ہیں۔

ڈپٹی صاحب سے میں اچھی طرح ۱۹۶۳ء میں پشاور متعارف ہوا تھا۔ یہ میرے بی۔ ایڈ میں داخلے کا سال تھا۔ گو اس وقت تک بلکہ سال بعد تک بھی میں جماعت میں باقاعدہ طور پر شامل نہیں ہوا تھا۔ اس وقت یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم دس پندرہ احمدی طالبعلم تھے۔ جنہوں نے باہم مل کر اپنی ایک فعال جماعت بنالی تھی۔ اس جماعتی تشکیل کو ڈپٹی صاحب مرحوم کی پوری سرپرستی حاصل تھی۔ وہ اکثر یونیورسٹی کا دورہ کرنے اور ہر طالبعلم سے ملنے اُس کے ہاسٹل تشریف لے جاتے۔ کچھ وقت اس کے ساتھ گذارتے۔ اس کے مسائل دریافت کرتے اور ہر طرح اس کی حوصلہ افزائی فرماتے۔

ڈپٹی صاحب نہایت خلیق اور ملنسار ہونے کے علاوہ سلجھی ہوئی مزاحیہ طبیعت کے مالک تھے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ ہر ایک کو اپنے قریب کر لیتے تھے۔ یونیورسٹی کا ان کا دورہ ہمارے لئے مزید جوش اور تقویت کا باعث ہوتا تھا۔ ان سے مل کر دلی خوشی ہوتی تھی۔ اب بھی یُوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے ہاسٹل ہے اور دروازہ پر دستک ہوئی ہے۔ اُٹھے۔ دروازہ کھولا تو سامنے مسکراتی ہوئی شخصیت ڈپٹی صاحب کی ہے۔ جو گلے ملتے ہی اپنے مخصوص دھیمے دھیمے لہجے میں پوچھ رہی ہے سناؤ کیا حال ہے۔ کیسے گذر رہی ہے۔

یہ اسی سال کا واقعہ ہے کہ مرکز سے اس وقت کے سیکرٹری جناب کرنل سعید احمد صاحب مرحوم و مغفور جو اپنے رفقاء کے ساتھ پشاور کے دورہ پر تشریف لائے ہے تھے کو یونیورسٹی جماعت کے دورہ کی بھی درخواست کی گئی۔ جو انہوں نے بکمال شفقت منظور فرمائی۔ اس دعوت کے انتظام و انصرام کا سہرا بھی کافی حد تک ڈپٹی صاحب کے سر تھا۔ انہوں نے جماعتِ پشاور کی خصوصی مہربانی سے نہ صرف مالی طور پر ہماری استعانت فرمائی بلکہ اپنے مشوروں اور رہنمائی سے بھی نوازتے رہے۔

میرے تعلقات اُن سے ۱۹۶۴ء کے بعد زیادہ گہرے ہونے شروع ہوئے تھے۔ اپنی ملازمت کے مسائل کے سلسلے میں مجھے گاہے گاہے پشاور اپنے نظامت تعلیم کے دفتر جانا پڑتا تھا۔ دوسری طرف اُن کے ایبٹ آباد آنے کے مواقع بڑھ گئے ویسے تو وہ اپنے قرابت داروں کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے مگر وہ بات کلیتہً ذاتی نوعیت کی ہو جاتی تھی۔ اب ہم سب کے یکجا ہونے اور مل بیٹھنے کی وجوہات اور تھیں۔ ایبٹ آباد کی مسجد تعلیم و تربیت کے علاوہ قلب و روح کے سکون کا ایسا مرکز بن گئی تھی۔ جہاں ہر ایک کھنچ کر آتا تھا۔ سمر سکول کے علاوہ جلسے اور دیگر تقریبات نے سب کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت ساتھ گذارنے کے مواقع پیدا کرتے تھے۔ "دارالسعید" ہر خاص و عام کے لئے چشمہ شفا تو تھا ہی۔ پر اپنوں کے لئے تو اس کی بانہیں لپک لپک جاتی تھیں۔ میرا تو دارالسعید اکثر آنا جانا تھا۔ وہاں مجھے ہر طرح کی شفقت اور سرپرستی حاصل تھی۔

چنانچہ ڈپٹی صاحب کے ساتھ میرے روابط بڑھنے کے ساتھ اُن میں گہرائی بھی آتی گئی۔ ایبٹ آباد اُن کے ساتھ محفل ہماری نہایت قابلِ احترام شخصیت جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب (جن سے مجھے بڑی حد تک عقیدت بھی ہے) کے ہاں ہوتی تھی۔ بعض دیگر قابلِ قدر شخصیتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ گھنٹوں باتیں ہوتیں گفتگو اکثر تحریکِ احمدیت کے مختلف ادوار۔ بزرگوں کے واقعات، غیر مذاہب پر اسلام کی برتری کے مناظروں کی ایمان افروز داستانیں اور ذاتی واقعات زندگی پر مشتمل ہوتی تھی۔

جب کبھی مجھے پشاور جانے کا اتفاق ہوتا تھا مجھے ان سے ملنے کی بے چینی رہتی تھی۔ کبھی کبھی وہ خود ہی تشریف لے آتے تھے۔ گرمیوں کے دن پشاور مسجد میں بیٹھے پشاوری چائے یا قہوہ کا دور چلتا رہتا اور باتیں ہوتی رہتیں۔ پھر وہ مجھے ساتھ لئے پشاور کی تنگ اور مصروف سڑکوں سے ہوتے ریڑھوں تانگوں اور رکشوں سے بچتے بچاتے اپنے گھر لے جاتے اور گفتگو کا سلسلہ چلتا رہتا۔ احمدیت کے ساتھ ان کی محبت جنون کی حد تک تھی۔ اور اس کی صداقت پر وہ حق الیقین کے مرتبہ پر قائم تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حق کے مقابل پر ابتلاء کو ہنس کر گلے لگایا۔ انہوں نے جس تندہی اور خوش اسلوبی سے عرصہ دراز تک جماعت پشاور کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ وہ انہی کا حصہ تھا۔

مزید براں! ان کا دیگر جماعتہائے پشاور سے برابر رابطہ رہتا تھا۔ جماعت کے مفاد کی خاطر ان کی راہ میں کوئی چیز حارج نہ ہو سکتی تھی۔ وہ ہر جگہ جاتے تھے اور ہر بھائی سے آگاہ رہنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ مجھے اب بھی وہ پشاور کی گرمیوں کی دھوپ میں چلتے نظر آتے ہیں۔ مجال ہے کبھی اُن کے ہونٹوں سے کسی کاہلی یا تھکان کا اظہار ہوا ہو۔ بلاشبہ وہ راہِ صداقت کا ایک انتھک مسافر تھا اللہ اس کے درجات بلند فرما کر اپنے مقرب بندوں میں داخل فرمائے۔ آمین!

آج سوچتا ہوں۔ تو احساس ہوتا ہے کہ واقعی جماعتیں ایسے ہی منچلے دیوانوں اور ایثار پیشہ وجودوں کی مساعی سے قائم رہتی ہیں۔ وجود چلے جاتے ہیں۔ اپنا اثر اور یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ ڈپٹی صاحب چلے گئے۔ وہ اب نظر نہیں آئیں گے

(بقیہ صفحہ [illegible])

ازقلم:۔ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درس قرآن
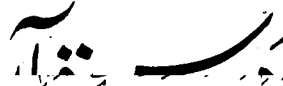
لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥

(البقرۃ ۲ - آیت ۱۷۷)

ترجمہ:۔ یہ تو کوئی بڑی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیر و۔ لیکن بڑا نیک وہ ہے جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور یوم آخر پر اور فرشتوں پر۔ اور کتاب پر اور نبیوں پر۔ اور مال کو اس کی محبت کے باوجود دیتا ہے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور اُن کی گردنیں چھڑانے میں جو دبی ہوئی ہیں۔ اور نماز کو قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہے۔ اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف اور دُکھ میں اور مقابلہ کے وقت۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اپنے ایمان کو) سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں۔

اس آیت کے پہلے حصّہ کی تفسیر میں نے پچھلے درس میں کی تھی جس میں میں نے بتایا تھا کہ یہاں مضمون اسلامی تہذیب اور تمدن کا ہے۔ تہذیب و تمدن پہلے مشرق (EAST) میں تھے تو لوگوں کا منہ اُدھر تھا اور ادھر سے وہ انہیں سیکھتے تھے۔ اب مغرب نے اپنے تمدن و تہذیب کا بہت ڈھنڈورا پیٹا اور دُنیا کے لوگوں کے چہرے مغرب کی طرف ہو گئے۔ اور ایک وقت تھا کہ جو بات مغرب (WEST) سے آئے اُسے لوگ اندھا دُھند اختیار کرتے تھے اور مشرقی تہذیب و تمدن کی ہر بات کو دقیانوسی یا غلط سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے تھے جو مغرب کی ہر بات کو غلط یا ناروا سمجھتے تھے اور مشرق کی لکیر کے فقیر تھے۔ مگر انسانی تہذیب اور تمدن جہاں کا بھی ہو وہ ہمیشہ سطحی ہوتا تھا جو جلد بگڑ جاتا تھا جیسا کہ ہم مغربی تہذیب و تمدن کے ننگا ہونے کو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

اس لئے قرآن کریم نے یہاں فرمایا ہے کہ انسانی تہذیبوں میں خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی چھوٹی چھوٹی اچھی باتیں تو ہوتی ہیں مگر بڑی خوبیاں یا نیکیاں نہیں ہوتیں۔ بلکہ اعلےٰ نیکیاں جو اصل تہذیب کی بنیاد ہیں وہ اللہ پر

[illegible]

صفات کا وحی کے ذریعہ علم دیئے جانے سے انسان نے اپنا تصور اعلےٰ نیکیوں کا قائم کیا۔ تو اللہ تعالےٰ پر ایمان لاکر انسان اس کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کا خواہش مند ہو جاتا ہے جس کی تفصیل میں نے پچھلے درس میں بتائی تھی۔ پھر آخرت کے دن کے حساب کا خوف اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی میں سُکھی رہنے کی خواہش بھی انسانوں کو بدیوں سے بچاتی اور نیکیاں کراتی ہے۔ اس لئے اس پر ایمان کو دُوسرے نمبر پر رکھا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے انسان کو اعلےٰ نیکیوں کی ترغیب دینے کے لئے جو سامان کئے ہیں اُن میں فرشتے ہیں جو باطن میں انسان کو نیکی کی ترغیب دیتے رہتے ہیں اس لئے فرشتوں پر ایمان کو تیسرے نمبر پر رکھا۔ فرشتوں پر ایمان لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے باطن میں نگاہ رکھے اور جب کوئی نیکی کی تحریک ہو تو اُسے فرشتہ کی اور اللہ کی طرف سے تحریک سمجھ کر اُس پر فوراً عمل کرے۔ فرشتہ چونکہ باطن میں ہوتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس کی تحریک کی طرف کماحقہٗ انسان توجہ نہ کرے تو اللہ تعالےٰ نے انسان کی مدد کیلئے اپنی کتاب اُتاری جو سیاہ و سفید (BLACK AND WHITE) میں بتاتی ہے کہ کیا بدیاں ہیں جن سے بچنا چاہیئے اور کیا نیکیاں ہیں جنہیں اختیار کرنا چاہیئے۔ اس لئے کتاب پر ایمان لانے کو چوتھے نمبر پر رکھا۔ پھر انسان کے آگے اعلےٰ نمونہ نیکیوں کا قائم کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے نبی بھیجے جو اپنے عمل سے ثابت کرتے رہے کہ خدا کی کتاب کی تعلیم میں کوئی ایسی بات نہیں جو قابلِ عمل نہ ہو۔ الفاظ صرف نصیحت ہوتے ہیں۔ عملی نمونہ ایک زندہ چیز سامنے ہوتی ہے۔ اس لئے نبیوں پر ایمان کو آخر میں رکھا۔ اب اللہ تعالےٰ کی کامل ترین اور محفوظ ترین کتاب صرف قرآن ہے اور اس پر مکمل عمل جو رسول اللہ صلعم نے کر کے دکھایا وہ سنّت اور احادیث میں ایسا موجود ہے کہ آپ کی سیرت ہمارے سامنے جیتی جاگتی موجود ہے۔

تو اسلام کی تہذیب اور تمدن کی بنیاد مذکورہ بالا روحانی اور باطنی امور پر ہے۔ اب آیئے اس دنیا کی زندگی کے ساز و سامان پر۔ دُوسرے مذاہب نے تو دنیا اور اُس کے ساز و سامان کو روحانی اور اخلاقی قدروں (VALUES) کے منافی سمجھا اور ترغیب دی کہ دنیا کو ترک کر کے راہب بن جاؤ یا نن بن جاؤ یا سادھو یا بھکشو۔ مگر اس طرح نہ تو دُنیاوی ترقیات ہو سکتی ہیں اور نہ نسلِ انسانی باقی رہ سکتی ہے اگر سب شادی بیاہ چھوڑ دیں جیسا کہ تارک الدنیا لوگ کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اسلام کے ذریعہ ہمیں بتایا کہ اس نے دنیا اور اس کے سامانوں کو بھی بیکار نہیں بنایا۔ مثلاً مال کو لے لیجیئے۔ ساری دُنیا اس کو کمانے میں صبح سے لے کر شام تک بلکہ راتوں کو جاگ کر بھی لگی رہتی ہے۔ اور دُنیاوی تہذیبوں کی بنیاد بھی مال کمانے پر رہی ہے۔ مثلاً آج سرمایہ داری

یا CAPITALISM ہو یا اشتراکیت COMMUNISM دونوں کی بنیاد مالِ دُنیا پر ہے۔ مگر دونوں مال کو صرف اپنے لئے کمانے پر مبنی ہیں۔ اسی سے لالچ، طمع، حرص، ہوس، نفس پرستی، چوری، بد دیانتی اور تمام بُرائیاں اور جرائم پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن نے جہاں مال کو حلال طریقوں سے کمانے پر زور دیا ہے وہاں اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے ضُروری اخراجات پورا کرنے کے بعد دوسروں پر خرچ کرنے پر زور دیا ہے جس کی تفصیل اسی آیت میں ہے۔ تبھی انسان حیوانیت کی سطح سے اُوپر اُٹھتا ہے ورنہ صرف اپنے لئے یا اپنی بیوی بچوں کے لئے ہر چیز کو رکھنا تو حیوان کی خاصیت ہے۔ اسی لئے سرمایہ داری نظام CAPITALISM ہو یا اشتراکی (کمیونزم) دونوں میں آج ہم حیوانیت کو غالب آتا دیکھتے ہیں۔

آج کی آیت جو زیرِ غور ہے اُس میں فرمایا واٰتی المال علیٰ حبّہٖ جس کے معنی دو طرح ہو سکتے ہیں۔ اول تو حبّہٖ کی ضمیر کو اللہ تعالےٰ کی طرف لیا جائے تو اس طرح معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو حاصل کرنے کے لئے وہ مال کو دُوسرے حاجت مندوں پر خرچ کرتے ہیں۔ یعنے جس طرح اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو مال و دولت دیتا چلا جاتا ہے وہ بھی اللہ کی مخلوق کو مال دے کر اللہ تعالےٰ کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرتے ہیں اور یوں اللہ تعالےٰ کی محبت حاصل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ مگر دوسرے معنے یوں بنتے ہیں کہ حبّہٖ کی ضمیر مال کی طرف لی جائے۔ اور میری حقیر رائے میں یہاں یہ معنیٰ زیادہ اچھے لگتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالےٰ نے مال کی محبّت انسان کے دل میں پیدا کی ہے ورنہ انسان دنیا کی جدوجہد اور ترقیات میں کہاں پڑتا تو اس مال کی محبّت کے باوجود وہ اُسے دوسروں پر خرچ کرتے ہیں یعنے اپنے دل پہ یا اپنی حیوانی خواہش پر چھُری پھیرتے ہیں اور مال کو دوسروں کو بھی دیتے ہیں۔

مال تو حکومت بھی لے لیتی ہے خصوصًا کمیونزم میں مگر اس مال کو دینے میں انسان میں وہ اعلےٰ خوبیاں نہیں پیدا ہوتیں جن پر اسلامی تہذیب و تمدن کی بُنیاد ہے انسان ہمدردی اور دوسروں پر رحم یہ بہت اعلےٰ خوبیاں ہیں۔ اور چونکہ انسان کا اپنے رشتہ داروں سے خونی رشتہ ہوتا ہے اس لئے ان سے ہمدردی یا اُن پر رحم آنا نہ صرف فطرتی بات ہے بلکہ اُن سے ہمدردی نہ کرنا یا اُن پر رحم نہ کرنا انتہائی سفّاکی اور سخت دلی اور نفس پرستی ہے۔ اس لئے رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے کو سب پر مقدم کیا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ ان کا حق ہے تمہارے مالوں میں واٰت ذاالقربیٰ حقّہٗ (بنی اسرائیل ۱- ۲۶) رشتہ دار کو ان کا حق دو جو جتنا نزدیک ہے یا جتنا حاجت مند ہے اُتنا ہی اس کا حق زیادہ ہے۔ دنیا داروں اور مال کی پرستش کرنے والوں یعنے مال کو صرف اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے لئے سمجھنے والوں (جو حیوانی سطح ہے) کا ہمیشہ یہ کہنا ہوتا ہے کہ گورنمنٹ دُوسروں کو سنبھالے۔ کوئی گورنمنٹ اسے پورا نہیں کر سکتی۔ اور اگر کرے گی تو لوگوں سے مال لے کر ہی۔ مگر اس میں نہ تو انسان کے اندر دوسروں کی ہمدردی نہ رحم کے اعلےٰ جذبات نشوونما پاتے ہیں اور نہ کوئی ثواب ہے۔ اسلام نے فرمایا ہے کہ تم اپنی اپنی جگہ اپنے رشتہ داروں اور دوسرے حاجت مندوں کو سنبھالو۔ تم ان کے حالات بہتر سمجھتے ہو نہ کہ کوئی سرکاری کارندہ۔ اور تم اپنے اندر انسانی ہمدردی اور رحم کے اعلےٰ جذبات یا اعلےٰ نیکیاں پیدا کرو۔ پھر آپس میں محبت بھی اسی طرح بڑھتی ہے۔

رشتہ داروں کے علاوہ جن پر انسان کو رحم آتا ہے یا اُن سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے وہ ہیں یتامیٰ (جو یتیم کی جمع ہے) اور مساکین۔ یَتم کے معنیٰ کٹ جانے کے ہیں۔ وہ بچّے جن کے ماں باپ مر گئے وہ اپنے ماں باپ سے کٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح لفظ یتامیٰ قرآن حکیم میں بیواؤں کے لئے بھی آتا ہے کہ وہ بھی اپنے خاوندوں سے کٹ جاتی ہیں۔ یتیمی یا بیوگی اکثر موت کے غم کے علاوہ مالی مشکلات کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ہر صحیح النفس انسان کو یتیم یا بیوہ پر رحم آتا ہے اور اُس سے ہمدردی ہوتی ہے۔ تو فرمایا کہ عملی ہمدردی یا رحم یہ ہے کہ اُن کے ذرائع آمدنی جو کٹ گئے اس کی تلافی تم کرو۔ یہ لمبی مدت بھی ہو سکتی ہے مگر دُوسروں کے دُکھ میں شریک ہو جانا بہت اعلےٰ نیکی ہے۔

مسکین وہ غریب ہیں جو مثلاً لولے، لنگڑے، اندھے، بیمار یا غربت کے مارے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ خود نہیں کما سکتے یا امداد کے محتاج ہوتے ہیں۔ ایک درزی جو اتنا غریب ہے کہ سینے کی مشین نہیں خرید سکتا اسکو مشین خرید کر دینا یا کسی غریب طالب علم کو وظیفہ دیکر تعلیم دلانا یہ سب مسکین کی مدد کرنا ہے۔ اور یہ انسانی ہمدردی اور رحم کی اعلےٰ خوبیاں انسان کے اندر پیدا کرتا ہے۔

باقی آئندہ

***

تعزیتی قرارداد

ہم جملہ کارکنانِ انجمن اپنے نہایت ہی محترم ساتھی کارکن اور مرکز میں دفتر کے روحِ رواں محمد اعظم علوی صاحب کی اچانک وفات حسرت آیات پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں محمد اعظم علوی صاحب نے آج سے تقریبًا ۴۰ سال پیشتر شعبہ مفت اشاعت میں کلرک کی حیثیت سے ملازمت کی ابتداء کی لیکن جلد ہی اپنی خداداد قابلیت، علمی اور انتظامی صلاحیت، لگن اور بے لوث خدمت کے جذبہ کی بدولت ترقی کرتے گئے اس چالیس سال کے عرصہ میں انہوں نے لائبریرین منیجر دارالکتب اسلامیہ۔ اڈیٹر انجمن اور دیگر کئی فرائض انجام دیئے۔ گذشتہ ۲۵ سال سے وہ مسلسل دفاتر انجمن کے سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے شب و روز مصروفِ عمل رہے۔ دفتر ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ وہ انجمن کے جملہ کاموں سے نہ صرف واقف تھے بلکہ اکثر و بیشتر ان کاموں کی نگرانی بھی کرتے۔ ان کی ذہانت۔ حوصلہ۔ ادبی لیاقت، اور قوتِ برداشت قابلِ رشک تھے۔ ایک رنگ میں وہ خود ایک انجمن تھے۔ اور انجمن کی جملہ سرگرمیوں اور کارگذاریوں کی نوک پلک سنوارنے میں ان کو ملکہ حاصل تھا وہ نہایت بلند پایہ ادیب تھے قلم برداشتہ لکھتے اور شعر کہتے تھے افسوس ہے کہ ان کی ادبی صلاحیتیں دفتریت کی نظر ہو گئیں اور یہ گوہر نایاب دفتر کی فائلوں میں ہی ضائع ہو گیا۔ محمد اعظم علوی صاحب کی موت ہمیں ایک نہایت قابل ہمدرد. غریب پرور ساتھی سے محروم کر گئی۔ ہماری دلی دُعا ہے کہ خدا مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کے جملہ لواحقین خاص طور پر ان کے پیارے بیٹے ارشد علوی کو اس عظیم اور اچانک صدمہ کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین!

اخبارِ احمدیہ

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں البتہ موسمی اثرات کے باعث طبیعت میں کچھ اضمحلال ہے۔ اسی لئے حضور نمازِ فجر کے بعد درس قرآن ابھی تک دوبارہ شروع نہیں فرما سکے احباب جماعت اس نورانی شمع ہدایت و عرفان کی پُر برکت لمبی زندگی کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

از جناب ملک ظفراللہ خاں صاحب راولپنڈی

تقریر بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۸۲ء

ہ این چشمہ رواں کہ بخلقِ خدا دہم + یک قطرہ ز بحر کمالِ محمدؐ است (امام وقت)

ہ غواصِ محبت کا اللہ نگہباں ہو + ہر قطرۂ دریا میں دریا کی ہے گہرائی (اقبال)

تم اللہ تعالے کے پیارے بننا چاہتے ہو تو رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو وہ ہادی کامل وہی رسول ہیں جنہوں نے وہ وہ مصائب اٹھائیں کہ دنیا اپنے اندر نظیر نہیں رکھتی ایک دن بھی آرام نہ پایا۔ اب پیروی کرنے والے بھی حقیقی طور سے وہی ہونگے جو اپنے متبوع کے قول و فعل کی پیروی پوری جدوجہد سے کریں متبع وہی ہے جو سب طرح پیروی کریگا اور سنت گذار کو اللہ تعالے پسند نہیں کرتا بلکہ وہ تو اللہ تعالے کے غضب میں آوے گا۔ یہاں جو اللہ تعالے نے رسول کریم صلعم کی پیروی کا حکم دیا ہے تو سالک کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ اول رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مکمل تاریخ دیکھے اور پھر پیروی کرے۔ (ادارہ)

ہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے۔

حضرت مجدد صد چہاردہم قرآن مجید کی مذکورہ آیت کو پیش کرکے فرماتے ہیں۔ سو میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولی فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو میں نے جو کچھ پایا اس کی پیروی سے پایا اور میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی صلعم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفتِ کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے۔ اللہ تعالے نے اپنا کسی کے ساتھ پیار کرنا اس بات سے مشروط کیا ہے کہ ایسا شخص آنحضرت صلعم کی سچے دل سے پیروی کرے۔

اس بات کی تائید اور ثبوت میں شواہد پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

سعدیؒ نے سچ کہا ہے۔

محال است سعدی کہ راہ صفا + تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

بر و مہران شاہ سوئے بہشت + حرام است بر غیر بوئے بہشت

ہمارے ایک بزرگ خاں مرتضےٰ خاں صاحب نے کیا خوب کہا ہے۔ ہ

رات مجھ کو کہہ رہا تھا ایک مردِ باخدا + جز محمدؐ کی غلامی کے خدا ملتا نہیں

جب تک انسان غلام احمد نہ بن جائے خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ انبیاء کے اس دنیا میں آنے کی سب سے بڑی غرض اور ان کی تعلیم اور تبلیغ کا عظیم الشان مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ خدا تعالے کو شناخت کریں۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں۔

"پس اس وقت بھی خدا تعالے نے ایک سلسلہ قائم کیا ہے اور مجھے اس نے مبعوث فرمایا ہے۔ تو میرے آنے کی غرض بھی وہی مشترک غرض ہے جو سب انبیاء کی تھی یعنی دنیا کو بتانا چاہتا ہوں کہ خدا تعالے کیا ہے بلکہ اس خدا کو دکھانا چاہتا ہوں۔ نیز گناہ سے بچنے کی راہ کی طرف راہبری کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

"میں کسی کے سبب سے اپنے اوپر اعتراض نہیں لینا چاہتا۔ ایسا شخص جو میری جماعت میں ہو کر میرے منشاء کے موافق نہ ہو وہ خشک ٹہنی ہے اسکو اگر باغبان کاٹے نہیں تو اور کیا کرے۔ خشک ٹہنی دوسری سبز شاخ کے ساتھ رہ کر پانی تو چوستی ہے مگر وہ اس کو سرسبز نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ دوسری شاخ کو بھی لے بیٹھتی ہے پس ڈرو میرے ساتھ وہ نہ رہے گا جو اپنا علاج نہ کریگا۔"

یہ ایک یقینی بات ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اور اپنے ابنائے جنس کے لئے ہمدردی کا جوش نہیں پاتا وہ بخیل ہے۔ اگر مجھے ایک رستہ معلوم ہو جس پر چلنے سے بھلائی اور خیر ہو تو میرا فرض ہے کہ میں پکار پکار کر لوگوں کو بتاؤں اس امر کی پرواہ نہیں ہونی چاہیئے کہ کوئی اس پر عمل کرتا ہے یا نہیں۔ ہ

غم نہیں اس کا اگر کوئی ہم آواز نہیں + ہم تو آواز پہ آواز دیئے جاتے ہیں

اگر ایک شخص بھی زندہ طبیعت کا نکل آوے اور ہمارے کہنے پر عمل کرنیوالا ہو تو وہ بھی کافی ہے۔

اگر آپ لوگ ان باتوں پر عامل ہونے کی کوشش نہیں کرنا چاہتے تو پھر مجھے بتلاؤ کہ میرے پاس آنے سے کیا فائدہ اور کیا مطلب۔ میں مخفی تبدیلی نہیں چاہتا بلکہ نمایاں اور ظاہری تبدیلی کی ضرورت ہے تا مخالف شرمندہ ہوں اور لوگوں کے دلوں پر تمہارے نور ایمان کی روشنی پڑے اور دشمن تم سے ناامید ہو جاویں۔ تزکیہ نفس کا علم حاصل کرو ضرورت اسی کی ہے۔ ہماری یہ غرض ہرگز نہیں کہ مسیح کی حیات وفات پر جھگڑے اور مباحثے کرتے پھرو یہ ادنیٰ سی بات ہے اسی پر بس نہیں۔ یہ تو ایک غلطی تھی جس کی ہم نے اصلاح کر دی لیکن ہمارا کام اور ہماری غرض ابھی اس سے بہت دور ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اپنے اندر ایک تبدیلی پیدا کرو اور بالکل ایک نئے انسان بن جاؤ۔ اس لئے تم میں ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس راز کو سمجھے اور اپنے اندر ایک ایسی تبدیلی پیدا کرے کہ وہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں۔"

اب جب کہ یہ حال ہے کہ دل کی پاکیزگی کا حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ حاصل نہیں ہو سکتی جب تک خدا کی طرف سے آئے ہوئے پاک انسان کی صحبت میں نہ بیٹھے اس کی صحبت کی توفیق نہیں مل سکتی جب تک اولاً انسان یہ یقین نہ کرے کہ وہ ایک مرنے والی ہستی ہے۔ یہی ایک بات ہے جو اُسے صادق کی صحبت کی توفیق عطا کرتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ جب اللہ تعالے کسی بندہ کے لئے نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ پیدا کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر واعظ یہ ہے کہ وہ کونوا مع الصادقین کی حقیقت کو سمجھ لے۔ اصل بات یہ ہے کہ دل اللہ کے اختیار میں ہے وہ جس وقت چاہتا ہے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے اور اسکو سمجھ آجاتی ہے کہ سچا سرور اور خوشحالی اسمیں ہے کہ خدا کو پہچانا جاوے۔ دیکھو میں

اس وقت یہ بات تو کر رہا ہوں مگر میرے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ دلوں تک اسکو پہنچا بھی دوں۔ یہ خدا ہی کا کام ہے جو دلوں کو زندہ کرتا ہے اور بیدار کرتا ہے باقی تمام جوارح۔ آنکھ۔ ہاتھ وغیرہ ایسے ہیں جو انسان کے اختیار میں ہیں مگر دل اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اسوقت تک اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھنا چاہیئے جب تک دل مسلمان نہ ہو جائے۔

؎ دل ہے مسلماں نہ تیرا نہ میرا + تو بھی نمازی میں بھی نمازی

اور دل مسلمان نہیں ہوتا جب تک وہ لہو ولعب سے لذت حاصل کرتا ہے پھر دل میں ایک کشش پاتا ہے اور اللہ کی یاد میں لذّت حاصل کرتا ہے اور ایسی محبت اسے نماز میں ہو جاتی ہے جیسے کسی اپنے عزیز کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور یہ ہے اصل جڑ ایمان کی مگر یہ انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم اس بات کا نمونہ نہیں بتا سکتے اور نہ الفاظ میں اسکو سمجھا سکتے ہیں۔ کیونکہ الفاظ حقیقت کے قائمقام نہیں ہو سکتے۔ جب یہ حالت آتی ہے تو پھر انسان اپنی گذشتہ زندگی پر حسرت اور افسوس کرتا ہے کہ وہ یوں ہی ضائع ہو گئی۔ کیوں پہلے ایسی حالت مجھ پر نہ آئی۔

نماز کیا ہے؟

نماز کیا چیز ہے؛ نماز اصل میں رب العزّت سے دُعا ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ نہ عافیت اور خوشی کا سامان مل سکتا ہے جب خداتعالے اس پر فضل کریگا اس وقت سے اسکو نمازوں میں لذت اور ذوق آنے لگے گا جس طرح لذیذ غذاؤں کے کھانے سے مزہ آتا ہے۔ اسی طرح پھر گریہ و بکا کی لذت آئے گی اور یہ حالت جو نماز کی ہے پیدا ہو جائے گی اس سے پہلے جیسے کڑوی دوا کو کھاتا ہے تاکہ صحت حاصل ہو اسی طرح اس بے ذوقی نماز کو پڑھنا اور دُعائیں مانگنا ضروری ہے اس بے ذوقی کی حالت میں یہ فرض کر کے کہ اس سے لذت اور ذوق پیدا ہو گا۔ یہ دُعا کرے۔

کہ اے اللہ تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں کیسا اندھا اور نابینا ہوں اور میں اسوقت بالکل مردہ حالت میں ہوں میں جانتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے بعد مجھے آواز آئے گی تو میں تیری طرف آجاؤں گا اسوقت مجھے کوئی روک نہ سکے گا لیکن میرا دل اندھا اور ناشناسا ہے تو ایسا شعلۂ نور اس پر نازل کر کہ تیرا اُنس و شوق اس میں پیدا ہو جائے تو ایسا فضل کر کہ میں نابینا ہوں نہ اُٹھوں اور اندھوں میں نہ جا ملوں۔ جب اس قسم کی دُعا مانگے گا اور اس پر دوام کرے گا تو وہ دیکھے گا کہ ایک وقت اس پر آئے گا کہ اس بے ذوقی کی نماز میں ایک چیز آسمان سے اس پر گرے گی جو رقت پیدا کر دے گی۔

نصیحت

مَیں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے نفسوں کا مطالعہ کرو ہر ایک بدی کو چھوڑ دو لیکن بدیوں کا چھوڑ دینا کسی کے اپنے اختیار میں نہیں۔ اس واسطے راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر تہجد میں خدا کے حضور دعائیں کرو وہی تمہارا پیدا کرنے والا ہے۔ پس اور کون ہے جو ان بدیوں کو دور کر کے نیکیوں کی تم کو توفیق دے۔ بعض لوگ کم ہمت ہوتے ہیں تم ایسے مت بنو۔ کئی خطوط میرے پاس آتے ہیں وہ لکھتے ہیں ہم نے بہت نماز، وظیفہ کیا مگر کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ ایسا آدمی جو تھک جائے وہ نامرد اور مخنّث ہے یاد رکھو جو جلد گھبرا جائے وہ مرد نہیں کسی کی پرواہ نہ کرو خواہ جذبات نفسانی پہلے سے بھی زیادہ جوش ماریں۔ پھر کبھی مایوس نہ ہو۔ یقیناً خدا رحیم وکریم ہے اور حلیم ہے وہ دُعا کرنیوالے کو ضائع نہیں کرتا تم دُعا میں مصروف رہو اور اس بات سے مت گھبراؤ کہ جذبات نفسانی کے جوش سے گناہ صادر ہو جاتا ہے۔ وہ خدا سب کا حاکم ہے وہ چاہے تو فرشتوں کو بھی حکم کر سکتا ہے کہ تمہارے گناہ نہ لکھے جائیں۔ دیکھو

تمہارا ہتھیار دُعا ہی ہے۔

دُعا میں اللہ تعالے نے بڑی برکتیں رکھی ہیں۔ خداتعالے نے مجھے بار بار بذریعہ الہامات کے یہی فرمایا ہے کہ جو کچھ ہو گا دُعا ہی کے ذریعہ سے ہو گا۔ ہمارا ہتھیار تو دُعا ہی ہے اسکے سوا اور کوئی ہتھیار میرے پاس نہیں۔

دُنیا میں جس قدر پاپ گناہ اور معصیت ہے تم اسکو وعظ اور تدبر کے ساتھ دور نہیں کر سکتے۔ اس کو دور کرنے کے لئے ہر ایک حیلہ بیکار ہے۔ صرف دُعا کے ساتھ تم ان مشکلات کو دور کر سکتے ہو۔ خدا نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اس زمانہ میں لوگوں کے خیالات کو نیکی اور پاکیزگی کی طرف پھیرنا ایک بڑا انقلاب چاہتا ہے یہ خُدا کے ہاتھ میں ہے کہ اتنا بڑا انقلاب پیدا کرے۔ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دعائیں کرو۔ عام لوگوں کی عادت ہے کہ صرف دُنیا کے لئے دُعائیں کرتے ہیں وہ دنیا کے کیڑے ہیں اصل دعا دین کے واسطے ہے۔ اور اصل دین دُعا میں ہے۔ یہ خیال نہ کرو کہ ہم گنہگار ہیں ہماری دُعا کیونکر قبول ہو گی انسان خطا کرتا ہے مگر دُعا کے ساتھ آخر نفس پر غالب آجاتا ہے اور نفس کو پامال کر دیتا ہے۔ کیونکہ خداتعالے نے انسان کے اندر یہ قوت بھی فطرتاً رکھ دی ہے کہ وہ نفس پر غالب آجائے۔ دیکھو پانی کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ وہ آگ کو بجھا دے بس پانی کو کتنا ہی گرم کرو اور آگ کی طرح کر دو پھر بھی جب وہ آگ پر پڑے گا تو ضرور ہے کہ آگ کو بجھا دے جیسا کہ پانی کی فطرت میں برودت ہے ایسا ہی انسان کی فطرت میں پاکیزگی ہے ہر ایک شخص میں خداتعالے نے پاکیزگی کا مادہ رکھ دیا ہوا ہے۔ اس سے مت گھبراؤ کہ ہم گناہوں میں ملوث ہیں۔ گناہ اس میل کی طرح ہے جو کپڑے پر ہوتی ہے اور وہ دور کی جا سکتی ہے۔ تمہارے طبائع کیسے ہی جذبات نفسانی کے ماتحت ہوں خداتعالے سے رو رو کر دعا کرتے رہو تو وہ ضائع نہ کرے گا وہ حلیم ہے اور غفور رحیم ہے۔ فرمایا:

اللہ تعالے مخفی ہے مگر وہ اپنی قدرتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ دُعا کے ذریعہ سے اس کی ہستی کا پتہ لگتا ہے۔ کوئی بادشاہ ہو یا شہنشاہ کہلائے ہر شخص پر ضرور ایسے مشکلات پڑتے ہیں جن میں انسان بالکل عاجز رہ جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ اسوقت دُعا کے ذریعہ سے مشکلات حل ہو سکتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب خداتعالے کسی سے پیار کرتا ہے تو اُسے کچھ دُکھ دیتا ہے۔ انبیاء کے معجزات ان ہی مصائب کے زمانہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ

خداتعالیٰ کا اپریشن ہے جو ہر صادق کے لئے ضروری ہے۔

بیعت کے بارے میں فرمایا۔ یہ دھوکا مت کھاؤ کہ ہم بیعت کر چکے ہیں جب تک تم اس کی حقیقت تک نہیں پہنچتے نری بیعت کسی کام کی نہیں۔ اور بیعت کا اصل مقصد خداتعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرنا ہے جب تک یہ حاصل نہ ہو کچھ کبھی نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ ہمارے ساتھ تعلق رکھنے میں پاکیزگی اور طہارت شرط ہے نرا تعلق کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ میرے ہاتھ پر توبہ کرنا ایک موت کو چاہتا ہے تاکہ تم نئی زندگی میں ایک اور پیدائش حاصل کرو۔ بیعت اگر دل سے نہیں تو اس کا کچھ بھی نتیجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ میری بیعت سے دل کا اقرار چاہتا ہے نہ زبان کا پس جو شخص مجھے سچے دل سے قبول کر کے اپنے گناہوں سے سچّی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس کے تمام گناہوں کو ضرور بالضرور بخش دیتا ہے۔ اور وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے بے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ تب فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر کسی گاؤں میں ایک بھی ایسا نیک بندہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس ایک نیک بندے کے لحاظ اور رعایت سے اس سارے گاؤں کو تباہی اور بربادی سے محفوظ کر لیتا ہے لیکن جب تباہی آتی ہے تو پھر سب پر پڑتی ہے لیکن پھر بھی وہ خدا اپنے نیک بندوں کو کسی نہ کسی طریق سے بربادی سے بچا لیتا ہے سنت اللہ یہی ہے ؎

ہے سرِ راہ پہ کھڑا نیکوں کی وہ مولا کریم + نیک کو کچھ غم نہیں گو بڑا گرداب ہے

پس جو شخص مجھ سے سچی بیعت کرتا ہے اور سچے دل سے میرا پیرو بنتا ہے اور میری اطاعت میں محو ہو کر اپنے تمام ارادوں کو چھوڑتا ہے وہی ہے جو ان آفتوں کے دنوں میں میری روح اس کی شفاعت کریگی سو اے وے لوگو جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اسوقت تک میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقوٰی کی راہوں پر قدم مارو گے سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو خوف اور حضور سے ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقوٰے سے خالی ہے میرا ایک شعر ہے

؎ ہر ایک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے +٠ اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

اور چاہیئے کہ تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کے پاک کرنے سے روح القدس سے حصہ لو بجز روح القدس کے حقیقی تقوٰی حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہمارے مخالف جو ہیں وہ بھی متقی ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں مگر ہر چیز اپنی تاثیرات سے پہچانی جاتی ہے۔ نرا دعوٰی ٹھیک نہیں۔ اگر لوگ متقی ہیں تو پھر متقی ہونے کے جو نتائج ہیں وہ ان میں کیوں نہیں۔ نہ مکالمہ الٰہی سے مشرف ہیں نہ عذاب سے حفاظت کا وعدہ ہے۔ تقوٰی ایک تریاق ہے جو اسے استعمال کرتا ہے تمام زہروں سے نجات پاتا ہے مگر تقوٰی کامل ہونا چاہیئے۔ تقوٰی کی کسی شاخ پر عمل پیرا ہونا ہے ایسا ہے جیسے کسی کو بھوک لگی ہو اور وہ ایک دانہ کھائے۔ ظاہر ہے کہ اس کا کھانا نہ کھانا برابر ہے ایسا ہی پانی کی پیاس ایک قطرہ سے نہیں بجھ سکتی۔ یہی حال تقوٰی کا ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ خداتعالیٰ کی معیت بتا دیتی ہے کہ یہ متقی ہے۔ خداتعالیٰ کی طلب میں جو شخص پوری کوشش نہیں کرتا وہ بھی کافر ہے۔ ہر ایک چیز کو جب اس کی حد مقررہ تک پہنچایا جاتا ہے تب اُس سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسے اس زمین میں چالیس یا پچاس ہاتھ کھودنے سے کنواں تیار ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص صرف چار پانچ ہاتھ کھود کر چھوڑ دے اور کہہ دے کہ یہاں پانی نہیں ہے تو یہ اس کی غلطی ہے اصل بات یہ ہے کہ اس نے حقِ محنت ادا نہیں کیا۔ پھر ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

ہم کیونکر خداتعالیٰ کو راضی کریں اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو۔ اس کا اس نے بار بار یہی جواب دیا ہے کہ تقوٰی سے۔ سو اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں۔ اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں سو تقوٰی یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خداتعالیٰ کی طرف قدم اٹھاؤ۔ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

صحبتِ صادقے

رسم و عادت کی غلامی سے انسان اسی وقت نکل سکتا ہے جبکہ وہ ایک عرصہ دراز تک صادقوں کی صحبت میں رہے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلے۔ تزکیہ اخلاق اور نفس کا نہیں ہو سکتا جب تک کہ کسی مزکی نفس انسان کی صحبت میں نہ رہے۔

مولوی حسن علی صاحب مسلم مشنری

انہیں مجدد کی تلاش تھی آخر کس طرح انہیں وہ گوہرِ مقصود ملا۔ اپنی کتاب تائیدِ حق میں لکھتے ہیں:۔

۱۸۹۳ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں مجھ کو شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ یہاں پر میں اُس عالم و مفسرِ قرآن سے ملا جو اپنی نظیر اس وقت ہند کیا بلکہ دور دُور تک نہیں رکھتا یعنی مولوی حکیم نورالدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں ۱۸۸۷ء کے سفر پنجاب میں بھی حکیم صاحب ممدوح کی بڑی تعریفیں سُن چکا تھا۔ غرض حکیم صاحب نے انجمن کے جلسہ میں قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت کر کے اُن کے معنی و مطالب کو بیان کرنا شروع کئے کیا کہوں اُس بیان کا مجھ پر کیا اثر ہوا حکیم صاحب کا وعظ ختم ہوا اور میں نے کھڑے ہو کر اتنا کہا کہ مجھ کو فخر ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اتنے بڑے عالم اور مفسر کو دیکھا اور اہل اسلام کو جائے فخر ہے کہ ہمارے درمیان میں اس زمانہ میں ایک ایسا عالم موجود ہے میری خواہش تھی کہ جناب مولوی حکیم نورالدین سے ملاقات کرتا لیکن مولوی صاحب ازراہِ کرم خود اس خاکسار سے ملنے آئے میں نے اُن سے تنہائی میں سوال کیا کہ مرزا صاحب سے جو آپ نے بیعت کی ہے۔ اس میں کیا نفع دیکھا ہے جواب دیا کہ ایک گناہ تھا جسکو میں ترک نہیں کر سکتا تھا جناب مرزا صاحب سے بیعت کرنے کے بعد وہ گناہ نہ صرف چھوٹ ہی گیا بلکہ اُس سے نفرت ہو گئی"

جناب مولوی نورالدین صاحب کی اس بات کا مجھ پر ایک خاص اثر ہوا حکیم صاحب فرماتے رہے کہ قادیان چل لیکن میں نہ گیا۔ (تائیدِ حق صفحہ ۶۴ - ۶۵)

آگے چل کر مولوی صاحب فرماتے ہیں۔

" پوچھو کہ مرزا صاحب سے مل کر کیا نفع ہوا۔ اجی بے نفع ہوئے کیا میں دیوانہ ہو گیا تھا کہ ناحق بدنامی کا ٹوکرا سر پہ اٹھا لیا اور مالی حالت کو سخت پریشانی میں ڈال دیا کیا کہوں کیا ہوا مردہ تھا زندہ ہو چلا ہوں۔ گناہوں کا ذکر کرنا اچھا نہیں (جن سے نجات ملی)۔ قرآن کریم کی جو عظمت اب میرے دل میں ہے حضرت پیغمبر خدا صلعم کی جو عظمت اب ہے پہلے نہ تھی یہ سب مرزا صاحب کی بدولت ہے۔ گو میرا جسم بھاگلپور یا بنگالہ میں ہوتا ہے لیکن میری رُوح قادیان ہی میں ہے۔ فالحمد للہ علٰی ذالک

(تائیدِ حق صفحہ ۶۷)

اعتذار:۔ جناب محمد اعظم علوی پبلشر پیغام صلح و لائٹ کی ناگہانی وفات کے باعث نئے پبلشر کی منظوری تک اخبار کی اشاعت کا التوا لازمی تھا۔ اس جبری التوا پر ہم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ ملتوی اشاعتوں کے بھیجنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

از قلم، جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب، لاہور

ایک عظیم قومی نقصان

کا زخم ہمارے دلوں میں ہرا تھا کہ پچھلے جمعہ یعنی یکم اپریل ۱۹۸۳ء کو ہمارا ایک اور انمول ہیرا کھو گیا یعنی محمد اعظم علوی صاحب ہمیں داغِ مفارقت دے گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ مرحوم نہ صرف انجمن کے دفتر کے روحِ رواں اور کرتا دھرتا تھے بلکہ اپنی ذات میں ایک رنگ میں انجمن تھے ۔ ان کی وفات بھی اچانک ہوئی۔
مرحوم کو کچھ عرصہ سے بلڈ پریشر کی تکلیف تھی ۔ اور اس کی وجہ شائد یہ بھی تھی کہ انہوں نے کام کاج کا بوجھ اپنے ناتواں کندھوں کی طاقت برداشت سے زیادہ اٹھایا ہوا تھا۔ مگر اس تکلیف کے باوجود انہوں نے نہ صرف اپنے فرائض میں کوئی کوتاہی نہیں ہونے دی بلکہ جس کام کا ذکر اُن سے کرو وہ یا تو خود کرنے لگ جاتے یا اس کی ذمہ داری اپنے سر لے لیتے۔ دفتر کا انچارج ہونے کی وجہ سے اور انجمن کے دفتر کے واحد ٹیلیفون پہ بیٹھے ہونے کی وجہ سے جو کام کرانا ہو وہ لازمًا انہی کو کہنا پڑتا تھا۔ پچھلے تیرہ سال کے تجربہ میں مجھے ایک دفعہ بھی یاد نہیں کہ میں نے انہیں کسی امر کے بارہ میں ٹیلیفون کیا ہو اور انہوں نے وہ کام اپنے سر نہ لے لیا ہو۔ ویسے کبھی اگر میں خود دفتر میں گیا تو مجھے پتہ نہ تھا کہ میرا کام کس کارکن کے سپرد ہے سو میں اُنہی سے ذکر کرتا تھا مگر ایک دفعہ ایسا نہ ہوا کہ انہوں نے مجھے کسی اور کے پاس بھیجا بلکہ متعلقہ کارکن کو بلا کر یا تو فورًا کام کروا دیتے یا پھر کام کروانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لیتے اور کہتے کہ آپ تشریف لے جائیں میں جب متعلقہ کارکن آئیگا تو کام کروا کے یا مطلوبہ اطلاع مہیا کر کے آپ کو ٹیلیفون کر دوں گا۔ اور آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُنہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا ہو ۔ ایسے ذمہ دار اور شوق اور مستعدی سے کام کرنے والے آسانی سے نہیں ملتے۔

میں تقریبًا چالیس سال سرکاری دفاتر کا انچارج رہا ہوں۔ اور میں عادی تھا ہفتوں بلکہ مہینوں کی دیر ہو جانے کا بلکہ متعلقہ کاغذات گم ہو جانے کا۔ ہماری انجمن کے دفتر کا مجھے خوشگوار تجربہ تب بھی ہوا جبکہ میں ابھی سرکاری دفاتر کے آہستہ خرام بلکہ محزام رفتار کا عادی تھا مگر جب بھی میں نے انجمن کو کوئی خط لکھا یا اطلاع مانگی تو مجھے فورًا (یعنے بغیر کسی ناواجب تاخیر کے) جواب مل جاتا۔ یہ میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ بعض احباب جو دفتری یا کاغذی کاروائی کے عادی نہیں وہ انجمن کے دفتر کی بھی شکائیتیں کرتے ہیں۔ کاش وہ کسی اور پبلک ادارہ سے مقابلہ کر کے دیکھیں۔ میں بزنس یعنے تجارتی اداروں کی بات نہیں کرتا جہاں تیز رفتاری دولت کمانے کے لئے اشد ضروری ہے اور جو کام کرنے والا تیز رفتار نہ ہو وہ گھر بٹھا دیا جاتا ہے۔ یا کسی صاحب کے اپنے مختصر خط و کتابت یا ذاتی کام کرنے کی رفتار کا۔ میں تو پبلک دفاتر کا ذکر کر رہا ہوں۔ مجھے انجمن کے تمام شعبوں کا یا تمام کام کرنے والوں سے ہے۔ اس شخص پہ یہ مصرعہ صادق آتا ہے ؎

یاد آئے گی تمہیں میری وفا میرے بعد

مرحوم کا جب بلڈ پریشر بہت بڑھ گیا تو ہماری جماعت کے محترم اور قابل ڈاکٹر وحید احمد صاحب نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے کمر توڑ کام کاج سے کچھ عرصہ کے لئے رخصت لے کر آرام کریں تو انہوں نے جواب دیا "کوئی میری جگہ لینے والا مل جائے تو میں ضرور رخصت لے لوں گا"، مگر فقیر کمبل کو چھوڑنا چاہے تو بھی کمبل اُسے کہاں چھوڑتا ہے؟ مرحوم نے جہاں تک مجھے علم ہے ڈاکٹری مشورہ کا کسی سے ذکر تک بھی نہ کیا۔ اُن کی وفات کے بعد ڈاکٹر وحید احمد صاحب کی زبانی میں نے یہ بات سنی۔ اسی طرح محترم میاں فضل احمد صاحب محاسب انجمن کو جب اعظم علوی صاحب سے فون پر بات چیت کے دوران معلوم ہوا کہ انہیں بلڈ پریشر کی تکلیف بڑھ گئی ہے تو انہوں نے اعظم علوی صاحب سے کہا کہ آپ رخصت لے کر کچھ آرام کریں تو مرحوم نے جواب دیا "میاں صاحب میں کام کاج کرتے ہی مروں گا"۔ یہ تھی اس قیمتی انسان کی ذمہ داری اور جان نثاری۔ اور کام کرتا ہی وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات کو انہوں نے وفات پائی۔ جمعرات کی دوپہر کو مجھ سے فون پہ بات کی تو آواز سے کسی کمزوری یا بیماری کا پتہ نہ چلتا تھا۔ بلکہ خوش و خرم مجھ سے بات کی۔ اور تیسرے پہر کو گھر جاتے ہوئے اگلے دن یعنے جمعہ کی مجلس منتظمہ کی میٹنگ کے متعلقہ کاغذات ساتھ گھر لے گئے کہ میں رات کو انکا مطالعہ کر کے اگلی صبح تیار ہو کر آؤں گا اور شائد رات کو مطالعہ بھی کیا ہو گا بلکہ ضرور کیا ہوا ہو گا کیونکہ وہ شخص انتہائی فرض شناس تھا۔ اور اسی رات گیارہ یا ساڑھے گیارہ بجے اُن کو مرض الموت نے آن لیا۔ ان کا بیٹا ارشد جو ان کے نقش قدم پر ہے وہ جناب ڈاکٹر وحید احمد صاحب کی کوٹھی پر دوڑا گیا۔
ڈاکٹر صاحب موصوف کا اللہ تعالےٰ بھلا کرے کہ وہ سارے دن کے تھکے ہارے ہونے کے باوجود فورًا مریض کے گھر پہنچے اور دیکھا کہ دل کا سخت حملہ ہے۔ تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اُوپر تلے دو ٹیکے لگائے جن سے کچھ افاقہ ہوا مگر حملہ سخت دیکھ کر ڈاکٹر صاحب خود اپنی موٹر میں مریض کو ڈال کر پاس کے یونائیٹڈ کرسچن ہاسپٹل لے گئے۔ وہاں آکسیجن لگانے کی تیاری مکمل ہونے تک مریض نے دم توڑ دیا۔ یہ کوئی رات کے اڑھائی بجے تھے۔
صبح مجھے ٹیلیفون پر اطلاع ہوئی تو پیر تلے کی زمین نکل گئی۔ صبح نو بجے مجلسِ منتظمہ کا اجلاس دارالسلام میں ہونا تھا۔ اس کے لئے رستہ میں اخی المکرم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکریٹری انجمن کو جن کے پاس اپنی سواری نہیں میں نے لینا تھا۔ یہی بات تھی جس کے لئے مرحوم اعظم علوی

صاحب نے اُس سے پہلے دن مجھ سے فون پر بات کی تھی۔ اُن کے ہشاش بشاش لہجہ سے کس کو شک ہو سکتا تھا کہ وہ صرف چند گھنٹوں کے مہمان ہیں۔ میں نے جناب مرزا مسعود بیگ صاحب کو اُن کے گھر سے لیا تو وہ بے اختیار پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگے۔ اور مجھے تعجب نہیں ہوا۔ کیونکہ نہ صرف مرزا صاحب موصوف اُن خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جو رقیق القلب ہیں بلکہ مرحوم اُن کے دستِ راست تھے اور انجمن کے دفتر کے رکنِ اعظم تھے۔

مجلسِ منتظمہ کے اجلاس کو مختصر کر کے حضرت امیر جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب، مرزا مسعود بیگ صاحب، جناب میاں فضل احمد صاحب، چودھری منصور احمد صاحب، سید سلطان علی شاہ، خاکسار اور کچھ اور احباب مرحوم کے گھر افسوس کے لئے گئے۔ اُسے گھر تو کہنا بھی زیادتی ہے۔ مرحوم کے غریبانہ کوارٹر پہ گئے۔ میں مرحوم کو ۱۲-۱۳ سال سے جانتا تھا۔ کئی دفعہ جب مجلسِ معتمدین کا یا انجمن کے کسی اور ادارہ کا اجلاس دیر گئے تک چلتا تھا اور مرحوم کو اجلاس کے ایجنڈا سے متعلق ضخیم ریکارڈ کو گھر لے کر جانا ہوتا تھا تو میں مرحوم کو خود کہہ کر اپنی موٹر میں لے کر جاتا تھا۔ تو مرحوم اصرار کر کے گھر سے ذرہ دور ہی اُتر جاتے اور بوجھل ریکارڈ کو خود اُٹھا کر پیدل جاتے۔ میں نہ سمجھا تھا کہ مرحوم اپنی رہائش تک مجھے کیوں نہ جانے دیتے تھے۔ مرحوم کی وفات کے بعد اُن کی رہائش پہ جا کر مجھے خیال ہوا کہ مرحوم جو انتہائی غربت میں گذارہ کر رہے تھے اپنی عزتِ نفس کو قائم رکھنے کے لئے یہ نہ چاہتے تھے کہ میں ان کے سچے معنے میں غریب خانہ کو جا کر دیکھوں۔ خصوصاً جب بعد میں ہم مرحوم کی نعش کی زیارت کرنے اندر اُن کی کوٹھڑی میں گئے تو میرا دل اس کی کس مپرسی کو دیکھ کر خون ہو گیا ایک چھوٹی سی انتہائی معمولی کوٹھڑی میں ایک مونج کی چارپائی پہ مرحوم کی نعش ایک نہایت غریبانہ کھیس کے نیچے پڑی تھی۔ اُس کوٹھڑی میں یا اُس کے آس پاس کوئی ٹھاٹ و سامان نہ تھا۔ آج کل تو مزدوروں بلکہ بھنگیوں کے ہاں صوفہ، کرسیاں، ریڈیو، ٹیلیویژن چائے کے برتن اور پلیٹیں اور آرائش کے سامان ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ کے نام کے سوا کچھ نہ تھا۔

جو لوگ کہ کہتے ہیں کہ انجمن میں نعوذ باللہ قوم کا مال خورد بُرد ہوتا ہے وہ کاش انجمن کے اس کرتا دھرتا اور مہتمم کُل کے فقیرانہ کوارٹر کو جا کر دیکھتے کہ کیا یہ اُس شخص کا گھر ہے جو انجمن کے ہزاروں لاکھوں روپے پہ تصرف رکھتا تھا یا ایک غریب درویش کا؟ میں تو کہوں گا کہ آج کل کے فقیر مرحوم سے زیادہ کماتے ہیں۔ سنا ہے بلکہ اخباروں میں پڑھا ہے کہ ہزاروں روپے کماتے ہیں۔ کن حالات میں رہتے ہیں اس کا مجھے علم نہیں۔ مگر مزدوروں تک کے کوارٹروں میں مجھے جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ مرحوم کی کوٹھڑی سے بہت بہتر ہوتے ہیں۔ نمازِ جمعہ جو اس دن تھی اس کا خطبہ میں نے دیا تو مرحوم کی وفات پر جو عظیم نقصان انجمن کا ہوا ہے اس کا ذکر اور مرحوم کی غریبانہ رہائش کا میں نے برسبیل تذکرہ ذکر کیا۔ بعد میں جب مرحوم کی نعش مسجد میں نماز جنازہ کیلئے لائی گئی تو ایک نہایت محترم بزرگ نے مجھ سے کہا کہ "آپ نے سچ کہا تھا میں نے ایسی کسمپرسی کا جنازہ کبھی نہیں دیکھا۔ غریب کو لپیٹنے کے لئے چادر تک نصیب نہیں ہوئی۔" ان بزرگ نے نوٹ کیا جو میں نے نہ کیا تھا کہ مرحوم کی لاش ایک مونج کی چارپائی پہ بغیر کسی چادر کے پڑی تھی۔ اور اُوپر وہی پُرانا کھیس ڈالا ہوا تھا جو اُن کی کوٹھڑی میں انہیں ڈھانپے ہوئے تھا۔

انہی بزرگ نے مجلسِ منتظمہ کے مختصر اجلاس سے قبل جب کہ مرحوم کا ذکر سب کر رہے تھے تو فرمایا کہ مرحوم چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا تھا۔ انجمن کے تمام ماضی کے حالات اور واقعات، انجمن کے فیصلہ جات اور کارروائیاں بلکہ ہر قسم کی معلومات اس چھوٹے سے سر میں محفوظ تھیں۔ جو بات زبانی کہتا اُسے ریکارڈ سے ثابت کر کے دکھاتا تھا۔ میں نے اُسے کبھی غلط بیانی کرتے نہیں سنا۔ غلط فہمی تو ہر شخص کو ہو سکتی ہے۔ مگر غلط بیانی اور چیز ہے۔

مرحوم کا جو جذبہ تھا کہ اپنے سر کام لیتا چلا جائے اس کی ایک دو مثالیں لکھتا ہوں۔

ایک دن سہ پہر کو تین چار بجے میں اتفاقیہ طور پر انجمن کے دفتر واقع دارالسلام میں گیا تو دیکھا کہ ویسے تو سب دفتر خالی تھا مگر حضرت امیر کے ملحقہ دفتر میں ماسٹر اصغر علی صاحب موجود تھے۔ معلوم ہوا کہ انجمن کے اپنے دفتر میں اعظم علوی صاحب بھی ہیں۔ وہاں گیا تو دیکھا کہ مرحوم کے سامنے میز پر کاغذات کا انبار لگا ہوا ہے جو وہ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا کاغذات ہیں؟ تو کہنے لگے کہ بیان القرآن (جو اُن دنوں زیرِ طبع تھا) کے پروف ہیں جو میں خود دیکھ رہا ہوں۔ اب یہ کام انجمن کے دفتر کے اعلیٰ ترین انچارج کا نہ تھا وہ چاہتا تو اسے کسی اور کے سپرد کر سکتا تھا۔ یا انجمن سے اس کا کوئی سپیشل الاؤنس یا اوورٹائم مانگتا۔ مگر وہ باوجود اپنی دوسری گوناگوں مصروفیات کے دفتر کے اوقات کے باہر اس کام میں لگا ہوا تھا۔

اسی طرح ایک دفعہ میں نے انہیں فون کیا کہ باوجود میرے بار بار کہنے کے درس قرآن کا جو سلسلہ اخبار پیغام صلح میں چھپ رہا ہے۔ اس کی کتابت یا طباعت میں نقص رہ جاتے ہیں۔ تو مرحوم کہنے لگے "اب میں اُس کے پروف خود پڑھا کروں گا۔" میں نے کہا میرا مطلب یہ نہ تھا۔ آپ متعلقہ عملہ کو دوبارہ تاکید کر دیں۔ مرحوم کہنے لگا "نہیں میں خود پروف دیکھا کروں گا۔" اور وہ کچھ عرصہ یہ کام بھی کرتے رہے۔ الغرض میں کیا کیا خوبیاں مرحوم کی لکھوں۔ میرا تو اُن سے واسطہ کبھی کبھار پڑا۔ جنہوں نے دن رات مرحوم کے ساتھ کام کیا وہ زیادہ بہتر لکھ سکتے ہیں۔ میں نے تو جو اپنے دل کے جذبات یا خیالات تھے اُن کا ذکر کیا ہے۔ اصل میں تو مرحوم کی بے نظیر خدمات کا اجر اُسے اللہ تعالےٰ دیگا جو کہ انہیں دیکھ رہا تھا۔ مرحوم کی عمر اس بے نظیر خدمتِ دین میں گذری۔

یکم اپریل کو جمعہ کے خطبہ میں میں نے سورۃ البقرۃ کی اُن آیات کی تلاوت کی جن میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو حق کو قبول کرنے سے جو تم پر مصیبتیں آئیں انہیں صبر سے سہو۔ یہ اللہ تعالےٰ کی سنت ہے اور حکمت بالغہ ہے کہ حق پہ ایمان لانے والوں پر مصیبتیں بلکہ بعض وقت مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اُن پر صبر کرنے سے نہ صرف انسان کا ایمان زبان سے اُتر کر اس کے قلب میں جاگزین ہو جاتا ہے۔ بلکہ انسان صبر کی مشکل ترین صفت الٰہی کو اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ صبر اللہ تعالےٰ کی عظیم ترین

صفات میں سے ہے تبھی تو یہ دُنیا چل رہی ہے ورنہ دُنیا میں جو شرک و بدعات اور اب دہریت کا دور دورہ ہے اور اللہ تعالےٰ کی ہستی کا نہ صرف انکار کیا جا رہا ہے بلکہ نعوذ باللہ یہ گستاخی تک کی جا رہی ہے کہ خدا یا تو تھا ہی نہیں یا اب مر گیا ہے (نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ) اور اللہ تعالےٰ کی آنکھوں کے آگے جو بدکاریاں اور گندگیاں اور جرائم کئے جاتے ہیں یا دلوں میں جو اکثر انسانوں کے گند و غلاظت بھرا ہوتا ہے جو اللہ تعالےٰ دیکھ رہا ہوتا ہے اُن کے ہوتے ہوئے اگر دنیا کو مہلت دی جا رہی ہے تو یہ اللہ تعالےٰ کی عظیم الشان صفت صبر کی وجہ سے ہے ورنہ یہ ایمانیات کی گمراہیاں اور اعمال کی سیاہ کاریاں مغفرت اور رحم کی حد سے باہر نکل چکی ہوتی ہیں۔ اور وقت مقررہ تک کی مہلت اللہ تعالےٰ کی عظیم صفت صبر کیوجہ سے ہوتی ہے۔ جس صبر کی تلقین بار بار قرآن حکیم میں رسول اللہ صلعم اور مومنوں کو کی گئی ہے۔ تو صبغة الله یعنے اللہ تعالےٰ کا رنگ اختیار کرنے کی جو تلقین قرآن پاک میں مذکور ہے وہ صفات الٰہی کو ہی اپنے اندر منعکس کرنے کے لئے ہے جس کا ارشاد رسول اللہ صلعم نے بھی ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ تخلقوا باخلاق الله (اللہ تعالےٰ کے اخلاق یعنے صفات کو اپنے اندر پیدا کرو)۔ تو جو صفتِ الٰہی حاصل کرنا مشکل ترین ہے وہ صبر کی ہے۔

ہاں انسان کمزور ہے اور صبر میں اس کے دل پہ ہموم و غموم کا پیدا ہونا لازمی ہوتا ہے تو دل کی بھڑاس نکال لینے سے انسان کا دل ہلکا ہو جاتا ہے اسی لئے فرمایا کہ نہ صرف صبر سے بلکہ دعا سے بھی اللہ تعالےٰ کی مدد مانگو۔ اپنے غم و حزن کا ذکر دوسروں سے کرنے سے انسان کا دل ہلکا نہیں ہوتا بلکہ اکثر وہ بڑھتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ کے آگے انما اشکوا بثی وحزنی الی الله کے مطابق نماز میں گرنے اور رونے سے جو دل ہلکا ہوتا ہے وہ ویسے ممکن نہیں ہوتا۔ یہ صداقت کہ تکالیف اور مصائب انسان کو اللہ تعالےٰ کی طرف لاتے ہیں یہ تو تمام نسل انسانی کی تاریخ اور تجربہ سے ثابت ہے خواہ انسان مومن ہوں یا کافر۔ اور بے دین سے بے دین بلکہ دہریہ بھی مصیبت میں گھر کر بے اختیار اللہ تعالےٰ کو پکارتا ہے۔ اور مومن تو مصائب کے نامتناہی سلسلہ میں دن بدن اللہ تعالےٰ کی جناب میں ترقی کرتا ہے۔ اگر صلوٰۃ مومن کے لئے معراج بن جاتی ہے (جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے) تو نماز کی طرف لانے اور نماز میں دل لگانے میں مصائب کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اسی لئے مصائب میں جو اللہ تعالےٰ کی حکمت بالغہ اور تقدیر کے ماتحت آتے ہیں صبر کا اعلےٰ ترین نمونہ دکھا کر اللہ تعالےٰ کی عظیم ترین صفت صبر کو حاصل کرنے کے حکم کے ساتھ ہی نماز کا ذکر فرمایا کہ مصائب میں جو رجوع الی اللہ ہوتا ہے اور نماز میں دل لگتا ہے اس کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ کو پاؤ جو کہ انسان کی پیدائش کا مقصد ہے۔ پھر مصائب جیسا انسان کو پاک صاف کرتے ہیں کچھ اور چیز نہیں کرتی۔ اور جب تک انسان اس بھٹی میں سے گذر کر پاک صاف نہ ہو وہ جناب الٰہی میں ترقی نہیں کر سکتا۔ مصائب اور ان میں صبر کا مضمون بہت وسیع ہے جو میں سارا بیان نہیں کر سکتا۔ صرف اتنا اور کہہ دوں کہ نماز یا دُعا سے اللہ تعالےٰ کی مدد مانگنے کا ذکر فرما کر پھر فرمایا کہ ان الله مع الصّٰبرین یعنے اللہ تعالےٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر باوجود صبر اور دعاؤں کے مصائب دور نہ ہوں (جو کہ علی الخصوص حق کو قبول کرنے سے پیدا ہوتے ہیں) تو یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالےٰ تمہارے صبر کے نمونہ کو دیکھ نہیں رہا یا تمہاری دعاؤں کو سُن نہیں رہا۔ بلکہ وہ تمہارے ساتھ ہے اسی لئے بالآخر رسول یا خدا کا مامور یا اس کے ساتھی کامیاب ہوتے ہیں۔ حالانکہ حالات دن بدن ان کے خلاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ انتہائی مایوس یا مغلوبیت میں ہی اللہ تعالےٰ کا ہاتھ اپنے اعجاز دکھاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ حق کو قبول کر کے اس پر صبر کرنے والوں کو تو موت تک کے گھاٹ پہ اترنا پڑتا ہے اور وہ قتل تک کر دیئے جاتے ہیں مگر فرمایا کہ انہیں مُردہ کہو تک نہیں بلکہ وہ تو حیات جاودانی پا جاتے ہیں اگرچہ تم اسے جانتے نہیں۔ رسول اللہ صلعم فداہ ابی و امّی نے ایک دفعہ صحابہؓ سے پوچھا کہ شہید کون ہوتا ہے؟ تو انہوں نے عرض کی کہ جو اللہ تعالےٰ کی راہ میں قتل ہو جائے۔ تو حضور نے فرمایا کہ تب تو میری امت میں شہید بہت کم ہونگے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ جو خدا کی راہ میں کام کرتا طبعی موت مر جائے وہ بھی شہید ہوتا۔ ما ینطق عن الھوٰی ۰ ان ھو الّا وحیٌ یوحیٰ ۰ کے فرمانِ الٰہی کے مطابق تمام دینی باتیں جو حضورؐ نے فرمائیں وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں فرمائیں بلکہ وحی خفی سے اللہ تعالےٰ سے علم پا کر فرمائیں۔ اس لئے حضورؐ کا فرمانا کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی راہ میں کام کرتا اپنی طبعی موت سے بھی مر جائے تو وہ بھی شہید کے اعلیٰ مقام کو حاصل کر لیتا ہے۔ ایسی صداقت ہے کہ اس کی روشنی میں اللہ تعالےٰ کے دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو لگا دینا انسان کو شہادت کی سعادت نصیب کرا دیتا ہے۔ مرحوم اعظم علوی بھی ان خوش نصیبوں میں سے تھا جس نے ساری عمر ایسی بے نظیر خدمت دین کی کہ وہ اس کے لئے باعث شہادت بن گئی۔

میں مرحوم کے جوانی کے ایّام سے زرّیں نمونہ اور نیک انجام کا ذکر کر کے نوجوانوں اور علی الخصوص ان تجربہ کار لوگوں سے اپیل کرتا ہوں جو کہ خدمت دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی خدمات قوم کو پیش کریں کیونکہ خادمِ دین سے بڑھ کر کسی کا اعلےٰ انجام نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف اسی کے لئے جسے اللہ اور آخرت پر ایمان ہے۔

وما علینا الّا البلاغ المبین

* * *

بقیہ ڈپٹی صاحب مرحوم — (آمدہ صٓ)

وہ قلم ختم ہو گئی پر اثر اور یادیں رہ گئی ہیں۔ جو ہمیں ایک پیغام دے رہی ہیں کہ علم و عمل کو اوڑھنا بچھونا بنا کر ان نقوش پا پر اور تیزی سے بڑھتے جاؤ۔ یہی زندگی اور حصولِ زندگی ہے۔ اس جماعت کی مٹی بڑی زرخیز ہے۔ اس میں بڑا اللہ ہے۔ یہ جماعت خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودہ ہے ضرور بڑھے گا پھلے اور پھولے گا۔ مگر ہمیں لمحہ بھر رک کر یہ ضرور سوچنا ہوگا کہ اس "قضائے آسمانی" کی تکمیل کا شرف و عزت جو ہمارے لئے محض بخشش ہوئی ہے مشروط بہ احکام اطاعت و بندگی ہے۔ ہم گر اپنے ہاتھوں خود اس مقام کو ضائع کر کے محروم ہو جائیں تو شکوہ ایک بے معنی مذاق ہوتا ہے۔
ڈپٹی صاحب مرحوم کی ساری اولاد ماشاءاللہ بہت "قابل" ہے جن سے بجا طور پر یہ اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے والد ماجد کے اس تعمیراتی کردار اور اثر میں خاطر خواہ اضافہ کرنے کی موجب ہوگی۔ میں اس دکھ میں ان کے ساتھ برابر کا شریک ہوں۔ میری دعا ہے اللہ تعالےٰ ان کے ساتھ ہو اور انہیں اس کی توفیق و رہنمائی فرماتا رہے آمین۔ ناچیز — انور

جالینوس کے قلم سے

وما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون

جنّ وانس کی پیدائش کا مقصدِ وحید

قرآن کریم میں انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالےٰ کی عبادت بیان کیا گیا ہے اور ہمیں اپنی پیدائش کی اصل غرض و غایت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے مگر اس بات پر غور کر لینے کی ضرورت ہے کہ عبادت سے مُراد کیا ہے۔ اکثر و بیشتر یہی سمجھا جاتا ہے کہ عبادت سے مراد نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہے اور مسلمانوں کے اکثر حصہ میں یہ خیال راسخ ہے کہ عبادت صرف پرستش کا نام ہے مگر جب ہم کلام الٰہی کو خوب غور سے پڑھتے ہیں اور ہر پہلو سے اس کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ عبادت سے مُراد محض نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہی نہیں ہے بلکہ عبادت سے مختصر الفاظ میں یہ مراد ہے کہ

"ان تمام احکاماتِ الٰہی کو قلب و عمل سے قبول کرنا جس کا اس نے حکم دیا ہے اور ان امور سے باز رہنا جن سے علیحدہ رہنے کا اس نے ارشاد فرمایا ہے"۔

حدیث شریف میں حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ:-

"تم میں سے کون ہے جو مجھ سے چند باتیں سیکھ لے اور خود بھی اس پر عمل کرے اور جو عمل کرنا چاہیں انہیں وہ باتیں تبلائے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کی کہ میں ہوں یا رسولؐ اللہ۔ پس آپؐ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور پانچ امور بیان فرمائے۔

۱۔ تو حرام باتوں سے پرہیز کر تو تُو لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گذار ہوگا۔

۲۔ جو اللہ تعالےٰ نے تیرے لئے رزق بخشا ہے تو اُس پر راضی رہے گا تو تُو سب سے غنی شمار ہوگا۔

۳۔ تُو اپنے پڑوسی سے حُسنِ سلوک سے پیش آئیگا تو تُو مومن کہلائیگا۔

۴۔ اگر تُو لوگوں کے لئے وہ بات پسند کرے گا جو تُو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو تُو مسلمان کہلائے گا۔

۵ اور زیادہ ہنسنا اچھا نہیں ہے کہ کثرت سے ہنسنا دل کو مار دیتا ہے"۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حرام راہوں سے بچنا اور اُن سے دُور رہنا اور جو خدا تعالےٰ نے منع کیا ہے اس سے اپنے آپ کو روکنا بھی اطاعتِ خداوندی اور عبادتِ الٰہی میں شمار ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں بعض دُوسرے مقامات پر عبادت کا لفظ آتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت مراد نہیں ہے۔ ان مقامات سے بھی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ عبادتِ الٰہی سے مراد اطاعتِ الٰہی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل مقامات پر بیان ہوا ہے:-

۱۔ عبادتِ شیطان:

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

"اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کروگے۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔ (یٰسٓ - ۶۰)

۲۔ عبادتِ جنّات

دُوسرے مقام پر یُوں بیان ہوا ہے۔

"تو پاک ہے۔ تُو ہی ہمارا ولی ہے ان کے خلاف، بلکہ وہ جنّوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور اکثر ان پر ایمان لاتے تھے"۔ (سبا - ۴۱)

مندرجہ بالا مقامات پر شیطان اور جنّوں کی عبادت سے مراد محض ان کی اطاعت کرنا اور گناہوں میں محض ان کے بہکانے سے مصروف رہنا ہی مقصود ہے۔ نہ کہ ان کی پوجا اور پرستش مراد ہے۔

عیسائیوں اور یہودیوں میں بھی یہ طریق رائج تھا کہ اکثریت دین کا علم سیکھنے کی کماحقہٗ تکلیف نہ اُٹھاتے تھے بلکہ ایک خاص طبقہ علماء کا ہی دین میں دسترس رکھتا تھا اور جو وہ کہہ دیا کرتے اُسے ہی دین سمجھ لیا جاتا تھا۔ اور تمام دار و مدار ان کے اقوال اور فتاوٰی پر رکھتے اور دین کے ہر مسئلہ میں اُن کے محتاج رہتے۔ گویا ان کا قول خدا کا قول تسلیم کرتے اور ہوتے ہوتے یہاں تک آگے نکل گئے تھے کہ ان علماء کا مقام خدائی کے مقام تک پہنچا دیا اور بجائے خدا تعالےٰ کے احکامات کی پیروی کرنے کے ان علماء کی اطاعت اور پیروی میں لگ گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے اس طریق کو مقامِ ذم میں یُوں بیان فرمایا ہے۔

"انہوں نے اپنے احبار اور رہبان کو خدا تعالےٰ کے سوا رب بنا لیا اور مسیح ابنِ مریم کو بھی۔ حالانکہ انہیں صرف خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا کہ نہیں کوئی بھی قابلِ عبادت مگر اس کی ذات جو اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں اس کی ذات اس بات سے پاک ہے"۔

(التوبہ - ۳۱)

ایک موقعہ پر سورۃ توبہ کی یہ آیت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پڑھی گئی تو ایک یہودی نے یہ اعتراض کیا کہ یہودی اپنے علماء کی عبادت تو نہیں کرتے ہیں تو حضورؐ نے جواب دیا کہ:-

"کیا وہ حلال چیزوں کو حرام قرار نہیں دیتے اور حرام کو حلال نہیں کہتے جس پر سب لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ پس یہی ان کی عبادت کرنا ہے"۔

عبادت کے مفہوم کو زیادہ وضاحت اور فصاحت سے سمجھنے کے لئے ہمیں اس مقام کو بغور پڑھنا چاہیئے جب اللہ تعالےٰ نے زمین کو آدم کی خلافت کا گہوارہ بنایا اور تخلیقِ آدم کی ابتداء کی اور "الّا لیعبدون" کا پہلا مظہر اس دنیا داری کی زندگی میں نازل کیا گیا ہے اس موقعہ پر کلامِ الٰہی یُوں ارشاد فرماتا ہے۔

"اور جب تیرے رب نے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کرنیوالا

ہوں تو انہوں نے کہا کہ تو اسے مقرر کریگا جو آئیں خونریزی کریگا اور فساد برپا کریگا جبکہ ہم تیری تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کو تمام اسماء کا علم دیا۔ پس ان کو فرشتوں پر پیش کیا اور کہا کہ مجھے ان چیزوں کے نام بتلاؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو تو انہوں نے جواب دیا تو پاک ہے ہم تو صرف [illegible] اور صلاحیتیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے ودلیعت کی گئی ہیں اور اسکی جبلّت اور خصلت میں خدا تعالےٰ کے فرمانوں کی اطاعت رکھی گئی ہے۔ اور جب کوئی انسان غیر اللہ کی اطاعت یا عبادت کرتا ہے تو وہ مقامِ انسانیت سے گر کر ایسا فعل کر رہا ہوتا ہے۔ وگرنہ وہ باقی تمام مخلوق سے عبادتِ الٰہی اور اطاعتِ خداوندی کی وجہ سے ہی ممتاز اور اعلےٰ مقام رکھتا ہے۔

جہاں ایک طرف عبادتِ الٰہی سے مُراد اطاعت اوامرِ الٰہی ہے وہاں دوسری طرف علم کے میدان میں ترقی کرنا۔ خدا تعالےٰ کی عطا کردہ طاقتوں کو کام میں لانا۔ اس کے ذرائع سے کام لینا۔ اس کی نعمتوں سے مستفید ہونا۔ یہ تمام عبادت الٰہی کا ہی ایک حصہ ہیں۔

جب انسان زمین کو آباد کرتا ہے۔ زمین میں پوشیدہ خزانوں کو مختلف طریقوں سے نکالتا۔ زمین کو زرخیز و شاداب بنانے کے لئے دریاؤں اور نہروں کا نظام مقرر کرنا اور مواصلات کے ذرائع ایجاد کر کے آسانیاں پیدا کرتا اور زندگی کو زیادہ آسان بنانے کے لئے ان تمام طاقتوں کو بروئے کار لاتا ہے جو اللہ تعالےٰ نے عطا کی ہیں تو اس وقت دراصل وہ ان اسماء کو بروئے کار لا رہا ہوتا ہے جو خدا تعالےٰ نے اسے سکھلائے ہیں اور دوسری کوئی مخلوق اس سے حصہ نہ پا سکی۔ اور تمام کائنات کو محض انسان کے لئے مسخر کیا گیا ہے۔ نہ کسی اور مخلوق کے لئے۔ اور یہ اعمال بھی درحقیقت عبادتِ الٰہی کا ہی ایک حصہ ہیں۔

پس نیکیوں کی راہوں پر قدم مارنا۔ یتامیٰ مساکین۔ بیوگان۔ محتاجوں۔ فقیروں پڑوسیوں۔ حاجت مندوں۔ مسافروں اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں پر احسان کرنا نیکی کی تلقین کرنا۔ بدیوں سے روکنا۔ اس قسم کے تمام اقوال اور اعمال سب عبادت کی ذیل میں ہی آتے ہیں اور یہی ایک انسان کی پیدائش کی اصل غرض و غایت ہے جس کو اسطرح بیان کیا گیا ہے کہ۔

"وما خلقت الجنّ والانس الاّ لیعبدون"

"اور ہم نے جنّ و انس کو محض اپنی عبادت کے لئے وجود بخشا ہے۔"

ارشادِ خداوندی

"اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

عزیزہ سمیرا اشرف دارالسلام۔ لاہور

آہ ! انکل اعظم کہاں ہیں؟

یکم اپریل ۱۹۸۳ء بروز جمعہ میں نے صبح صبح یہ غمناک خبر سُنی کہ اعظم علوی صاحب انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فرض شناس اور اولوالعزم انسان تھے۔ رحم دلی تو آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بعض لوگ اس کا ناجائز فائدہ بھی اٹھا لیتے تھے۔ آپ کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک صاف گوئی بھی تھی۔ صاف گوئی کا عالم یہ تھا کہ کئی دفعہ دوستوں کو بھی ناراض کر لیتے تھے۔ آپ بہت محنتی تھے۔ ایک اچھے ادیب ہونے کے علاوہ بہترین شاعر بھی تھے۔ شعروں میں اتنی شیرینی اور حلاوت ہوتی تھی کہ جلسہ گاہ میں جب آپ نظم پڑھتے تو لوگ وجد میں آجاتے ان کی شاعری بہت بلند تھی مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں اپنے شعروں کی اصلاح میں ان کی شاگرد رہوں۔ شاعری کی بنیادی باتیں میں نے ان سے ہی سیکھیں ایک استاد کی حیثیت سے یہ بہت اچھے استاد تھے۔ ان کا رویہ نرم ہوتا تھا کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہ کی۔ میری طرح ان کے اور بہت سے شاگرد دکھی ہونگے۔ جماعتِ احمدیہ کے یہ سپوت آج دارالسلام کالونی کے قبرستان میں آرام فرما رہے ہیں۔ اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آج وہ ہم میں نہیں مگر ان کی یاد ہمارے دلوں اور دماغوں میں موجود ہے۔ میں اپنے اظہار درد کو اس شعر پر ختم کرتی ہوں۔ ؎

گوہر نایاب تھا وہ + مثلِ سیماب تھا وہ

تعزیتی قرارداد شبان الاحمدیہ لاہور

مورخہ ۷۔ اپریل شبان الاحمدیہ لاہور کی مجلس۔ انتظامیہ کا ہنگامی اجلاس مخرمی محمد اعظم علوی صاحب کی اچانک وفات کے سلسلہ میں منعقد ہوا جس میں نہایت رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ اور ایک تعزیتی قرارداد منظور کی گئی قرار پایا کہ ہم ان کے جملہ خاندان خصوصاً برادرم ارشد علوی کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر کی توفیق دے۔ اور جماعت میں اس خلا کو اپنے فضل سے پُورا فرمائے۔ آمین!

(مرسلہ) انجاز احمد
سیکرٹری شبان الاحمدیہ لاہور

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور ——— ۱۹۸۳ء جلد ۷۰ شمارہ ۱۴/۱۵

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد نے دفتر پیغامِ صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدام ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۵۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
پروفیسر خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد: ۷۰ * یوم چہارشنبہ * شمارہ: ۱۶/۱۷

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردھم

میرے آنے کی اصل غرض

چند دن سے ایک خیال

میرے دل میں اس زور کے ساتھ پیدا ہوا ہے کہ اس نے دوسری باتوں سے مجھے بالکل محو کر دیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے وہی خیال میرے سامنے رہتا ہے۔ میں باہر لوگوں میں بیٹھا ہوا ہوتا ہوں اور کوئی شخص مجھ سے بات کرتا ہے تو اس وقت بھی میرے دماغ میں وہی خیال چکر لگا رہا ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہوگا کہ میں اسکی بات سن رہا ہوں مگر میں اپنے خیال میں محو ہوتا ہوں۔ جب میں گھر جاتا ہوں تو وہاں بھی وہی خیال میرے ساتھ ہوتا ہے۔ غرض ان دنوں میں یہ خیال اس زور کیساتھ میرے دماغ میں غلبہ پائے ہوئے ہے کہ کسی اور خیال کی گنجائش نہیں رہی۔ وہ خیال کیا ہے وہ یہ ہے کہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے۔ اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح اور تقوٰے کے راستہ پر چلے اور اخلاق کا اعلےٰ نمونہ قائم کرے تا ایسی جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت پائے اور خدا کا منشاء پورا ہو۔

اگر یہ غرض پوری نہیں ہوئی تو دلائل و براہین سے ہم نے دشمن پر غلبہ پا بھی لیا اور اس کو پوری طرح زیر بھی کر لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں کیونکہ اگر ہماری بعثت کی غرض پوری نہ ہوئی تو ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔

مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ دلائل اور براہین کی فتح کے تو نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ لیکن جو ہماری بعثت کی اصل غرض ہے اس کے متعلق ابھی تک جماعت میں بہت کمی ہے۔

جناب پروفیسر حبیب الرحمان صاحب ماڈل ٹاؤن لاہور

روزے کا صحیح مفہوم

مودودی صاحب کا ایک مضمون روزنامہ مشرق میں نظر سے گذرا۔ وہ لکھتے ہیں۔
"حیوانی زندگی کے مطالبات میں تین مطالبے اصل اور بنیادی حکم رکھتے ہیں۔ (۱) بقائے نفس کے لئے غذا کا مطالبہ (۲) بقائے نوع کے لئے صنفِ مقابل سے اتصال کا مطالبہ۔ (۳) اپنی کھوئی ہوئی طاقتوں کو بحال کرنے کے لئے آرام کا مطالبہ۔"

پھر لکھتے ہیں کہ "روزے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد انسان کو اسکے حیوانی جسم پر اقتدار بخشنا ہے جو تین خواہشیں تمام حیوانی خواہشات کا مبداء ہیں۔ جو تین ہتھیار اس حیوان کے پاس ایسے طاقتور ہیں کہ ان کے زور سے یہ ہمیں اپنا مطیع بنانے کے لئے اٹھتا ہے۔ روزہ ان تینوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور اس کے منہ میں مضبوط لگام دے کر اس کی راسیں ہماری اس خودی کے ہاتھ میں دے دیتا ہے جو خدا پر ایمان لائی ہے اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کا عزم کر چکی ہے۔"

مذکورہ بالا تین مطالبے تو ٹھیک ہیں لیکن ان کا علاج جو مودودی صاحب نے بتلایا ہے کہ روزہ ان تینوں مطالبوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ محض ایک دل خوش کن بات ہے۔ الفاظ کی چاشنی ہے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں۔

روزمرہ کے واقعات اور انسانی زندگی کے مناظر یہ تجربہ نہایت صفائی اور وضاحت سے آنکھوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ روزہ دار بڑے شوق و ذوق سے روزے رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ ماہ رمضان شریف میں نماز اور تراویح بھی ادا کرتا ہے۔ اس مبارک مہینہ کے گذر جانے کے بعد انکی نماز ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرا گروہ اپنی عادت مستمرہ کے مطابق نماز کے نزدیک نہیں جاتا۔ ان دونوں گروہوں کا بنظر غائر جائزہ لیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ان پر اسی طرح حیوانی اور نفسانی خواہشات کا گہرا اثر موجود ہے جیسے روزہ نہ رکھنے والے کی حالت میں ہوتا ہے۔

گھر کی چار دیواری کے نکل کر مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کیجئے تو آپ پر واضح ہو جائیگا کہ عام روزہ دار نہ تو ضبط نفس سے کام لیتے ہیں نہ ہی خداوند عالم کی حاکمیت کے مقابلہ میں خود مختاری سے عمداً دست بردار ہوتے ہیں۔ نہ عام روزہ دار قانونِ الہیٰ کی خفیہ اور اعلانیہ اطاعت کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ نہ ہی روزہ رسمی روزہ دار کے اندر یہ قوت پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے اندر ایسی رُوح پھونک لے کہ جس سے وہ ماسوا اللہ کی بندگی و اطاعت سے اعتقاداً و عملاً منکر ہو جائے۔

مودودی صاحب کے مضمون کے الفاظ میٹھے ہیں۔ لیکن معانی حقائق و تجربات کے خلاف ہیں۔ قارئین کرام اس امر کو ہمیشہ کے لئے ذہن نشین کر لیں کہ جب تک نماز کو اسی رنگ میں ادا نہ کیا جائے جس رنگ و ڈھنگ میں ہمارے مسیح موعود نے اپنی تحریروں میں نہایت واضح الفاظ میں بیان کیا ہے محض روزہ ضبط نفس خوف خدا۔ ماسوا اللہ سے انکار اور قانون خداوندی کی حاکمیت اور اطاعت پر ایمان لانے کی قوت نہیں بخش سکتا۔ جب تک انسان نہایت خشوع و خضوع نہایت گریہ وزاری سے اپنے آپ کو اور اپنی خواہشات کو بیدخل کر کے اس خدائے لم یزل کے آگے بار بار سربسجود ہو کر نماز نہیں قائم کرتا وہ محض دھوکے اور فریب میں مبتلا ہے۔ اگر ہو سکے تو رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی تادم حیات مانگتا رہے۔ پھر دنیاوی طلسم ٹوٹ جائیگا۔ اس کا دل خوف خدا سے پگھل کر گناہوں کے دلکش اور پُر فریب وادیوں میں گشت نہیں لگائے گا۔

حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں کہ انسان جھوٹ نہیں بولتا۔ انسان چوری نہیں کرتا۔ انسان بے حیائی کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ انسان غیبت نہیں کرتا۔ انسان دوسرے لوگوں سے متکبرانہ یا ظالمانہ طریق سے پیش نہیں آتا۔ عظیم الشان بات تو یہ ہے کہ وہ باری تعالےٰ کے آگے گر کر نہایت دردِ دل سے بار بار گریہ وزاری کرے اور اپنے سابقہ گناہوں، سیاہ کاریوں اور بدکاریوں کی معافی کے لئے لگاتار گڑگڑاتا رہے۔ یہ ہے وہ طریق جس سے ضبط نفس حاصل ہوتا ہے آپ پھر فرماتے ہیں کہ جب تک دل فروتنی اور عاجزی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے۔ جب ایک مسلمان اپنے رب سے ہمہ وقت ڈرتا رہے اور اپنے وجود سے دستبردار ہو جائے اس حالت میں روزہ دار اپنے روزہ کے بل بوتے پر تقوٰی و طہارت اتقا و پرہیزگاری پیدا کرتے ہوئے اپنے چہرہ پر روحانی نور کی چمک نمودار کر لیتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ خداوند کریم سے صحیح اور قوی تعلق پیدا کرنے سے نہ صرف اخلاق ہی بلند ہوتا ہے بلکہ ہر کبیرہ و صغیرہ گناہ سے انسان بچا رہتا ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ خوبی محض ظاہری سجدوں سے نہیں بلکہ خشوع و خضوع سے نماز ادا کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس پر روزہ سونے پر سہاگہ کا کام کرتا ہے۔ روزہ فرض ہے لیکن بیماری کی حالت میں۔ سفر کی حالت میں یا کسی اور مجبوری کی حالت میں دوسرے ایام میں رکھا جا سکتا ہے۔ یا اس کا کفارہ دیا جا سکتا ہے لیکن نماز کا کوئی کفارہ نہیں یہ ایسا فرض ہے کہ ہر حالت میں اس کا قائم رکھنا لازم اور واجب ہے۔ نماز نہ پڑھنے سے انسان گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ کے حکم کی نافرمانی کرتا ہے۔ اپنے نفس امارہ کا غلام بن جاتا ہے۔ شیطان مردود ایسے شخص کا مددگار ہو جاتا ہے ایسے مسلمان بھی روزے رکھتے ہیں لیکن گناہوں سے نہیں بچ سکتے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ملک میں صحیح اسلامی نظام کا نفاذ ہو اور نہایت دیانت داری اور پائے استقلال سے اسلامی قوانین کا انعقاد کیا جائے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ماہ رمضان بڑی حرمت کا مہینہ ہے اسمیں قرآن کریم کا نزول ہوا۔ بدقسمتی سے نہ ہم قرآن کریم کو صحیح رنگ میں پڑھتے ہیں نہ اس کے معانی سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ہماری بدکرداریوں اور بداعمالیوں کا مکمل انسداد اسی وقت ہوگا جب ہم قرآن پاک کے ہر حکم کو بدل و جان قبول کر کے اس پر عمل کریں گے۔

ماہِ رمضان کی فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں لیلۃ القدر کا نزول ہوتا ہے۔ لیلۃ القدر کی رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات میں ملائکہ

بقیہ صدا کالم ملا پر

از قلم : مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور،

درس قرآن ——— سبق نمبر ۲۹

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَ
الْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ج وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی
وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج
وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ
اِذَا عٰھَدُوْا ج وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ
الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

(البقرۃ ۲ - ۱۷۷)

ترجمہ :- یہ تو کوئی بڑی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو۔ لیکن بڑا نیک وہ ہے جو ایمان لاتا ہے اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر۔ اور مال کی محبّت کے باوجود اسے دیتا ہے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں اور سوال کرنیوالوں کو اور جن کی گردنیں دبی ہوئی ہوں انہیں چھڑانے کے لئے۔ اور نماز کو قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ اور اپنے اقراروں کو پورا کرنے والے جب وہ اقرار کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف میں اور مقابلہ کے وقت۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اپنے ایمان کو) سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں۔

اس آیت مبارکہ کے تقریباً پہلے آدھے حصہ کو میں پچھلے دو درسوں میں بیان کر چکا ہوں اور جن لوگوں نے اُن دو درسوں کو نہیں سُنا (یا پڑھا) میری اُن سے درخواست ہے کہ وہ انہیں دیکھ لیں۔ میں اُن کے وسیع مضمون کو یہاں نہیں دوہرا سکتا۔

بطور خلاصہ عرض کر دوں کہ مضمون یہ چل رہا ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے تہذیب وتمدن، چاہے وہ مشرق میں ہوتے ہوں (جیسا کہ اوائل میں تھا) یا مغرب میں ہوں جیسا کہ آجکل سب کے چہرے اُدھر ہیں، وہ سطحی اور کھوکھلے ہوتے ہیں۔ اصل تہذیب اور تمدن اعلےٰ نیکیوں پر مبنی ہونا چاہیئے اور وہ انسان سیکھتا ہے اللہ پر ایمان لاکر اور فرشتوں پر (جو انسان کے باطن میں نیکی کے محرک ہیں) اور آخرت کے دن پر ایمان لاکر (تاکہ انسان کو اپنے اعمال کی ذمہ داری اور محاسبہ کا خیال رہے) اور اللہ کی کتاب پر (جو نیکیوں کو سیاہ وسفید میں انسان کے آگے لکھی رکھتی ہے) اور نبیوں پر ایمان لاکر جو نیکیوں کا زندہ نمونہ انسانوں کے آگے پیش کرتے ہیں۔ جہاں تک دنیا کی زندگی کا سوال ہے وہ مال کمانے اور خرچ کرنے سے چلتی ہے۔ سو مال کی اندھا کر دینے والی محبت اور طمع اور لالچ اور ہوس کی آگوں کا علاج یہ ہے کہ مال کو

نہ صرف اپنے اور اپنی بیوی بچوں کی جائز ضروریات پر خرچ کیا جائے جو کہ حیوانی سطح ہے کہ حیوان صرف اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے لئے سب کچھ لیتا ہے بلکہ اس سطح سے بلند ہوکر اور انسانی ہمدردی اور رحم کے اعلےٰ جذبات کو پالنے کے لئے مال کو خرچ کرنا چاہیے اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں پر۔ اس خلاصہ کی تفصیل پچھلے دو درسوں میں دیکھ لیجئے۔ مگر اس قسم کے اخراجات ابھی ختم نہیں ہوئے۔ باقی کا ذکر آج سُن لیجئے۔

فرمایا کہ مسافر پر بھی خرچ کرو۔ وہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ لوگوں کا خیال ہے کہ پُرانے زمانہ میں یہ ممکن تھا۔ میں عرض کروں گا کہ جتنا اس زمانہ میں اس کی ضرورت ہو سکتی ہے کبھی نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں جتنا سفر ہونے لگا ہے نہ صرف ملک کے اندر بلکہ بین الاقوامی یعنی "انٹرنیشنل ٹریول" جتنا آجکل ہے کبھی نہ تھا۔ مگر ساتھ ہی ہوٹل اب اس قدر مہنگے ہو گئے ہیں کہ الحفیظ! الامان! سوائے کروڑپتیوں کے یا جن کے اخراجاتِ سفر اُن کی کمپنیاں یا کوئی حکومتیں دیتی ہوں عام لوگوں کے لئے ہوٹلوں میں ٹھہرنا کمر توڑ اخراجات کا باعث بن جاتا ہے جس کی استطاعت عام لوگوں میں نہیں۔ اس لئے مسافر کو اپنے گھر میں ٹھہرانا جتنا آجکل انسانی ہمدردی اور نیکی کا کام ہے کبھی نہ تھا۔ پھر مسافر کو زرِ مبادلہ FOREIGN EXCHANGE کی بھی دقت ہوتی ہے۔ پھر سفر میں بعض وقت مسافر کا پیسہ کم ہو جاتا ہے یا چوری ہو جاتا ہے۔ اس کی مالی مدد کرنے میں یہ ڈر ہوتا ہے کہ وہ مسافر اپنے وطن جاکر وہ رقم واپس کریگا یا نہیں تو فرمایا کہ اس امکان کے باوجود اس کی مدد کرو۔ اگر وہ واپس نہ کرے تو وہ تمہاری طرف سے صدقہ ہو جائیگا۔ اسی طرح بعض وقت سفر ضروری آن پڑتا ہے اور انسان کے ہاتھ میں پیسہ نہیں ہوتا۔ تو اس کی اگر مدد کر دی جائے تو یہ بڑی نیکی ہے۔

پھر فرمایا کہ سوالی کی بھی مدد کرو۔ جہاں کسی نے سوال کیا اور ہم بھڑک اُٹھتے ہیں۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں کیا پتہ کہ یہ واقعی حاجت مند ہے یا نہیں۔ اگر فی الواقعہ نہیں بھی تو یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ تمہیں دیتا ہے جبکہ تم اچھی خاصی حالت میں ہوتے ہو مگر وہ پھر بھی اور دیتا چلا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ کے اخلاق کو سیکھنے کا حکم جو رسول اللہ صلعم نے دیا ہے یا اللہ کے رنگ میں رنگین ہونے کی جو تعلیم قرآن سکھلاتا ہے اُسے اسی طرح حاصل کیا جا سکتا ہے کہ سوالی کی مدد کرو اگرچہ تمہیں یہ یقین نہ بھی ہو کہ وہ واقعی حاجت مند ہے۔ حدیث شریف میں تو یہاں تک آیا ہے کہ سوالی اگر گھوڑے پر بھی چڑھ کر آئے تو اس کی مدد کرو۔ ہاں خواہ مخواہ سوال کرنے سے روکا بھی ہے مگر وہ اس شخص کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔

آخر میں فرمایا کہ جن کی گردنیں دبی ہوئی ہیں ان کو چھڑانے کے لئے بھی

اپنے مال کو خرچ کرو۔ لوگوں نے اس کے معنے غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے ہیں۔ غلام تو آجکل نہیں ہوتے۔ ہاں اگر جنگی قیدی ہو اور اس کا فدیہ ادا کر کے اسے رہا کرا دیا جائے تو یہ بڑی نیکی ہے مگر ایک مشکل ہے گردن ڈبی ہوئی ہونے کی جو بہت عام ہے۔ وہ ہے قرضہ میں۔ تو مقروض کا قرضہ ادا کر کے اس کی گردن چھڑا دینا بہت ہی بڑی نیکی کا کام ہے۔ اس رقم کو واپس لینے کا مطالبہ کرنا اس نیکی کو گھٹا دینا ہے۔

پھر فرمایا کہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا بڑی نیکیاں ہیں۔ ان دونوں کا ذکر سورۃ بقرۃ کے پہلے رکوع کے درس میں آچکا ہے اس لئے میں تفصیل سے بحث نہیں کروں گا۔ نماز اگر قائم کی جائے اور محض اٹھک بیٹھک نہ ہو تو وہ نہ صرف خدا پر زندہ ایمان پیدا کرتی ہے بلکہ انسان کے باطن اور اس کے اعمال کو پاک وصاف کرتی ہے جیسا کہ فرمایا ان الصّلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر کہ نماز اگر قائم کی جائے یعنے سوچ سمجھ کر پڑھی جائے اور محض رسمی اٹھک بیٹھک نہ ہو تو وہ انسانوں کو بے حیائی اور بدی کے کاموں سے روکتی ہے کیونکہ وہ ایمان پیدا کرتی ہے کہ خدا انسان کے ساتھ ہر جگہ ہے اُسے دیکھ رہا ہے اس کے دل کی حالت کو جانتا ہے۔ تو فرمایا کہ نماز کے ذریعہ سے اپنے باطن کو اور اپنے اعمال کو پاک کرو۔ اور زکوٰۃ کے ذریعہ سے اپنے مال کو پاک کرو۔ مال کی محبت انسان کے دل کی سب سے بڑی گندگی ہے۔ زکوٰۃ جو فرض اور بڑی رقم ہوتی ہے وہ انسان کے دل میں مال کی محبت پر چھری پھیر کر مال کے بُت کو دل کے اندر سے باہر نکال پھینکتی ہے۔

اگلی بڑی نیکی فرمائی کہ عہد جو کرو اُسے پورا کرو۔ یہ عہد ہر قسم کا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان۔ آقا اور نوکر کے درمیان۔ تجارت اور انڈسٹری میں پالیسی اور لین دین میں حکومتوں کے درمیان وغیرہ وغیرہ۔ کتنے خاوند ہیں جو عہد کر کے مُکر جاتے ہیں۔ آجکل تو نوکر یا مزدور عہد کر کے پورا نہیں کرتے۔ اگلے دن آنے کو کہتے ہیں اور نہیں آتے۔ اور جہاں تک حکومتوں کا تعلق ہے وہ تو اپنے عہد تبھی تک نبھاتی ہیں جب تک کہ مجبوری ہو۔ جہاں موقعہ ملے توڑ دیتی ہیں۔ درس لمبا ہو جائے گا ورنہ میں سناتا کہ رسول اللہ صلعم نے کس طرح نقصان اٹھا کر اور سخت تکلیف اٹھا کر بھی اپنے عہدوں کو پورا کیا۔ آپ کی سوانحعمری کو پڑھ لیجئے۔

آخر میں فرمایا والصّٰبرین یعنے اُن حالات میں صبر کا نمونہ دکھانے والے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس آیت کے پچھلے حصہ میں جو طرز کلام ہے تو یہاں والصّٰبرون آنا چاہیئے تھا مگر والصّٰبرین نصب علی المدح ہے۔ یعنے پچھلی نیکیاں بھی بہت قابل تعریف ہیں مگر اب جن نیکیوں کا ذکر آنے والا ہے وہ تو خصوصاً یعنے بہت ہی قابل تعریف خوبیاں ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ سُن لیجئے۔

فی البأساء: تنگی یا فقر یا بھوک میں صبر کا نمونہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کوشش نہ کرے کہ اس کی تنگی یا بھوک دور ہو جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر باوجود کوشش کے انسان پر غربت اور تنگی ہو تو اس پر صبر کرے اور چوری یا ڈاکہ یا رشوت یا بے ایمانی کا راستہ نہ اختیار کرے۔ آج دُنیا میں اکثریت غربت اور تنگی میں ہے۔ امریکہ جیسے امیر ملک میں ۳۰ فیصدی لوگ ایسے ہیں۔ اور مہنگائی دن بدن بڑھ رہی ہے۔ ان حالات میں انسان رشوت، بے ایمانی چوری وغیرہ پر نہ اُتر آئے اور نیکی پر صبر کرے تو یہ ہے تو سخت مجاہدہ مگر یہ بہت ہی بڑی نیکی۔ اور آخرت کا محاسبہ جو پیسے والوں پر بہت سخت ہوگا جیسا کہ قرآن اور حدیث دونوں میں بکثرت ذکر آیا ہے اس سے انسان بچ جاتا ہے۔ اور فقر و فاقہ یا تنگی میں جو ایمانداری اور خدا خوفی کا نمونہ ایسا انسان دکھاتا ہے وہ اعلےٰ ترین نیکی ہے۔ خود صبر جیسا کہ میں ایک پچھلے درس میں بتا آیا ہوں اللہ تعالےٰ کی عظیم الشان صفت ہے جسے ایسا انسان حاصل کر لیتا ہے۔

والضرّاء: بیماریوں اور دکھوں میں صبر۔ یہ مضمون بھی پہلے آچکا ہے کہ تقدیر کے رنگ میں بیماریاں اور دُکھ ضرور آتے ہیں اگر علاج معالجہ کوشش اور دُعا کے باوجود نہ ٹلیں تو صبر سے برداشت کرنا بہت ہی بلند مقام ہے اس کی تفصیل پچھلے کسی درس میں آچکی ہے۔

حین البأس: مقابلہ کے وقت صبر۔ لوگوں نے دشمن سے مقابلہ سمجھا ہے۔ وہ بھی ٹھیک ہے مگر مقابلہ تو انسان کو اور کئی رنگ میں بھی درپیش ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے جاھدوا اھوائکم کما تجاھدون اعدائکم۔ اپنی گری ہوئی خواہشات کا مقابلہ کرو جس طرح تم دشمن کا مقابلہ کرتے ہو۔ اسی طرح باطل کا مقابلہ ہر آن کرنا پڑتا ہے کہ انسان حق پر قائم رہے اور باطل کا مقابلہ کرے۔ شیطان کا مقابلہ بھی ہر آن جاری ہے کہ وہ انسان کو ورغلاتا رہتا ہے۔ پھر فتنے اُٹھتے ہیں ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے نہ کہ انسان اُن سے دب رہے۔

فرمایا ایسے لوگ صادق ہیں یعنے ان کا ظاہر اور باطن ایک ہو جاتا ہے جو کہ صدق کا اعلےٰ ترین مقام ہے۔ پھر ایسے لوگ ہی اپنے زبانی ایمان کو اپنے عمل اور نمونہ سے سچا کر دکھاتے ہیں۔ آخر میں فرمایا کہ یہی متقی ہیں یعنے یہی لوگ ہیں جو تمام برائیوں اور شیطانی تحریکات سے بچ جاتے اور ان کے اعمال پاک ہو جاتے ہیں اور ان کے نفس بھی پاک ہو جاتے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی اعلےٰ مقام ممکن نہیں۔

***

درخواست جنازہ غائبانہ

گلاب خاں صاحب ساکنہ شیخ محمدی (پشاور) جو ہمارے بھائی غلام علی خاں صاحب کے خُسر تھے۔ قضائے الٰہی سے ۲۲ اپریل ۸۳ء کو وفات پا گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون

۲۹/۴/۸۳ دار السلام میں بعد نماز جمعہ جنازہ غائبانہ پڑھا گیا۔ بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

***

از شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ ، تقریر بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۸۲ء

امامِ زمان کی پہچان

یہ ایک مستند حدیث ہے جس کی اہمیت اس کے الفاظ سے ہی ظاہر ہے۔ مامور کہتا ہے کہ مجھ میں کوئی گمراہی نہیں۔ جہانوں کے رب کی طرف سے آیا ہوں۔ تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں۔ تقوای کرو تا تم پر رحم ہو۔ لیکن لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ان جیسے شخص کے ذریعہ یہ نعمت آئی۔

سوال یہ ہے کہ امام کی پہچان کیا ہے۔ لوگوں کو سچی خوابیں بھی آتی ہیں۔ الہام کا دروازہ بھی بند نہیں۔ بڑے بڑے اولیاء ہوئے ہیں۔ اگر محض یہ شرائط ہیں تو ہر ایک مومن امام ہوا۔ اور یہ بعید از قیاس اور فہم ہے۔

ایک کاتب قرآن جسے نورِ نبوت کے قرب کیوجہ سے قرآنی آیت کا اسوقت الہام ہو جاتا جب نبی کریم صلعم وہ آیت لکھوانا چاہتے۔ اس نے خیال کیا اسمیں اور محمدؐ میں کیا فرق ہے۔ یہ اس کے لئے ٹھوکر کا موجب ہوا اور وہ اسی خیال سے ہلاک ہو گیا۔ اویس قرنی رح بھی ملہم تھے انہوں نے ایسی مسکینی اختیار کی کہ آفتاب نبوت کے سامنے آنا بھی سوءِ ادب خیال کیا۔ آنحضرتؐ فرمایا کرتے کہ اویس میں خدا کا نور اترا ہے۔ با ایں وہ امام الوقت نہ تھے۔ عام طور پر اس منصب حقہ پر غور نہیں کیا گیا اور نہ کما حقہ اس کی ضرورت سمجھی گئی ہے۔ تعصب کیوجہ سے لوگ اپنے پیشواؤں کو اس منصب پر فائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ نہ ان کا دعوٰے ہوتا ہے اور نہ وہ اس کے اہل۔ یہ تو نہایت بلند مقام ہے کہ صدی میں کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ سو اس کی واضح علامات ہونی چاہیئں۔

حضرت مرزا صاحب نے اس پر بڑی تفصیل اور ناقابل تردید دلائل سے بحث کی ہے آپ نے فرمایا جب دنیا میں کوئی امام آتا ہے تو ہزارہا انوار اس کے ساتھ آتے ہیں نیک استعدادیں جاگ اٹھتی ہیں۔ لوگوں میں سچی خوابیں اور الہامات بھی اس کے نور کا ہی پرتو ہوتے ہیں۔ جو غور و فکر کے ذریعہ تفقّہ کی استعداد رکھتا ہے اس کی تدبر اور سوچنے کی قوت کو زیادہ کیا جاتا ہے۔ جس کو عبادت کی طرف رغبت ہو اسکو اسمیں لذت عطا ہوتی ہے۔ جو غیر قوموں کے ساتھ مباحثات کرتا ہے۔ اسکو استدلال اور اتمامِ حجت کی طاقت بخشی جاتی ہے۔ اور یہ انتشار روحانیت اور نورانیت کا ہی نتیجہ ہوتی ہے۔ جو امامِ وقت کے ساتھ آسمان سے اترتی ہے اور احادیث میں لکھا ہوا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ کو اس سے بڑھ کر خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی ملہم ہوں گی اور نابالغ بچے نبوت کریں گے۔ اور عوام الناس روح القدس سے بولیں گے خدا کی طرف سے ابتلا نہ ہو تو سعید انسان اس دقیقہ کو سمجھ سکتا ہے۔ اگر ماموروقت سے تعلق نہ پکڑے اور استغناء سے اجنبیت اور سوءِ ظن پیدا ہو تو سلبِ ایمان تک نوبت پہنچتی ہے۔

آنحضرت صلعم کے ظہور کے وقت ہزاروں راہب اور اہل کشف حضورؐ کی بشارت سنایا کرتے تھے لیکن جب وہ خاتم الانبیاء آیا تو انہوں نے قبول نہ کیا اور پہلے یہ لوگ نصرت دین کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے اور بعض ربّانی علماء ملک عرب میں آ ایسے تھے کہ اب وہ جلد آئیگا اور عنقریب آسمان سے ایک نیا سلسلہ قائم کیا جائے گا مگر خود بینی اور تعصب سے ان کے دل سیاہ ہو گئے اور بعض ان میں سے ستانے والے بھی ہوئے۔ یہ سخت ڈرنے کا مقام ہے۔

جس طرح خدا تعالےٰ نے قبائل اور قوموں سے جسمانی نظام قائم کیا ہے اسی طرح سلسلہ نبوت اور امامت بھی قائم کیا ہے تا اُمتِ محمدیہ میں روحانی تعلقات پیدا ہوں۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ اس عظیم منصب پر جو فائز ہو اسکی علامات کیا ہیں جس سے اس کو دوسرے اہل کشف پر ترجیح ہو۔ اول یہ کہ امام الوقت کی روحانی تربیت کا خدا تعالےٰ خود متولی ہو جاتا ہے۔ وہ دقیق سے دقیق اعتراضات کا خدا سے قوت پاکر ایسی عمدگی سے جواب دیتا ہے کہ آخر ماننا پڑتا ہے کہ وہ دنیا کی اصلاح کا پورا سامان لے کر اس مسافر خانہ میں آیا ہے۔ وہ کسی دشمن کے سامنے شرمندہ نہیں ہوتا۔ وہ سارے جہان کے فلسفیوں کو مغلوب کر لیتا ہے۔ روحانی طور پر محمدی قوموں کا سپہ سالار ہوتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ پر دین کی دوبارہ فتح ہوتی ہے۔ جو اس کے جھنڈے تلے آتے ہیں ان کو بھی اعلےٰ درجہ کے قوای بخشے جاتے ہیں۔ بے ادبوں اور بدزبانوں سے بھی اس کو واسطہ پڑتا ہے اس لئے اخلاقی قوت بھی اس کو اعلےٰ درجہ کی عطا ہوتی ہے قرآنی معارف اور اتمام حجت میں اس کے برابر کوئی نہیں ہوتا۔ اختلاف کی صورت میں حق اس کی طرف ہوتا ہے۔ آزمائشوں اور مصائب سے بے دل نہیں ہوتا یہاں تک کہ نصرتِ الہیٰ کا وقت آجاتا ہے اس کے صدق اور وفا کی دعاؤں سے ملاء اعلےٰ میں شور بپا ہوتا ہے۔ تقدیریں بدلتی ہیں اور الہیٰ ارادے رنگ پکڑتے ہیں۔ اسکی پیشگوئیاں اظہار علی الغیب کا مرتبہ رکھتی ہیں۔

اب ان علامات کی روشنی میں چودھویں صدی کے امام کو پرکھیں۔ آپ نے بڑی تحدی سے اپنے تئیں پیش کیا ہے کہ امام الزمان میں ہوں۔ صدی کے سر پہ مبعوث ہوا ہوں۔ اختلافات کے وقت آیا ہوں۔ بدعات کی کثرت اور اسلام کی کمزوری کے زمانہ میں آیا ہوں کسرِ صلیب کرنے اور تمام مذاہب پر اسلام کو غالب کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ ضرورت کے وقت آیا ہوں۔ اور ضرورت خود ایک دلیل ہے۔

آپ کے علمی کارنامے دنیا کے سامنے ہیں۔ ۸۰ سے زائد کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں۔ آپ نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر بے نظیر کی جو بذاتہٖ ایک کتاب ہے اپنی شہرہ آفاق تصنیف براہینِ احمدیہ میں قرآن شریف کے بے مثل ہونے کا دعوٰی دنیا کے سامنے پیش کیا۔ تو برہمو سماج کے ایک مشہور لیڈر نے اس دعوٰی کی تردید میں بیان شائع کیا تو آپ نے اس کے جواب میں سورۃ فاتحہ کے چند اہم اجزا پر روشنی ڈالتے ہوئے مخالفین کو چیلنج کیا کہ کسی اور الہامی کتاب کی نشاندہی کی جائے جو ان حقائق و معارف پر مشتمل ہو۔ اسلام کا یہ مردِ مجاہد تو مخالفین کو اسطرح للکارتا

رہا ہے۔ اور آپ نے سورۃ فاتحہ کو گلاب کے پھول سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح باطنی طور پر حکیم مطلق نے جو خوبیاں اور تاثیریں اس میں ڈال رکھی ہیں کہ وہ مفرّح ہے ضعف قلب اور ارواح کے لئے تقویت بخش ہے۔ کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اس [illegible] آج تک عہدہ برآ نہ ہوا اور نہ ہو سکے گا۔

آپ نے ہمیشہ اس روشن کتاب کی زرّیں تعلیم پر عمل کی ضرورت کو پیش کیا۔ اس صدی کا امام ایسے وقت پر آیا کہ مسلمان قوم جس کا مقام اخرجت للناس تھا کہ وہ لوگوں کی راہنمائی کے لئے آئی وہ خود زبوں حال ہو چکی تھی۔ مفتیان موجود۔ مرشدانِ طریقت موجود۔ گدیاں قائم مگر اسلام پر جو چاروں طرف سے حملے ہو رہے تھے ان کی مدافعت کے لئے کسی دل میں درد پیدا نہ ہوا۔ یہ شرف حاصل ہوا تو دور افتادہ ایک گاؤں کے رہنے والے کو۔ اس زمانے میں عیسائیت کا ایک سیلاب اُمنڈا چلا آ رہا تھا اور یہ فتنہ اتنا زبردست تھا کہ اس سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کے یہ جملے روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہونگے وہ اپنی کتاب تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام میں لکھتے ہیں۔

"اس قسم کی دجالیت کے استیصال کے لئے چھوٹی موٹی روحانیت تو کیا بڑی ولایت بھی کافی نہ تھی۔ عام مجددین اور ارباب ولایت اپنی پوری روحانیت کی طاقتوں سے بھی اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکتے تھے جب تک اس کے ساتھ ختم نبوت کی پاور شامل نہ ہو۔ تو پھر شکستِ دجالیت کی صورت بجز اس کے اور کیا ہو سکتی تھی کہ دجالِ اعظم کو نیست و نابود کرنے کے لئے ایک ایسا خاتم المجددین آئے جو خاتم النبیینؐ کی غیر معمولی طاقت کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہو"

ان اوصاف کی حامل شخصیت حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالےٰ نے اپنی قدیم سنت کے مطابق چودہویں صدی کے سر پر مجدد مبعوث فرمایا۔ آپ کے علمی۔ بصیرت افروز۔ دل آویز اور اخلاق پرور جواہر پارے منظر عام پر آئے۔ آپ نے حالی قالی دلائل سے ببانگ دہل اعلان کیا کہ آج زندہ خدا پانے کی راہ صرف زندہ اسلام ہے اور محمد رسول اللہؐ وہ زندہ رسول اور قرآن مجید وہ زندہ کتاب ہے جن کی پیروی سے اور فیضان سے خدا کا وصال ہوتا ہے اور اپنے عقائد کے متعلق فرمایا:۔

"تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو اہل سنت والجماعت کا ہے مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"

اس سے زیادہ اور کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔

ایک طرف آپ نے اسلام اور بانی اسلام کی عظمت کو دنیا میں ظاہر کیا اور دوسری طرف آپ مذاہب باطلہ پر حملہ آور ہوئے۔ آپ کی راتیں گریہ و زاری میں گذرتیں اور دن پُر زور مدلل مضامین کی اشاعت میں۔ دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ آپ کی گراں قدر تصانیف۔ براہین احمدیہ۔ سرمہ چشم آریہ۔ فتح اسلام فیصلہ آسمانی۔ نشانِ آسمانی۔ آئینہ کمالات اسلام۔ جلسہ مذاہب میں اسلامی اصول کی فلاسفی پر تقریر وغیرہ۔ اسلام کو دیگر مذاہب پر غالب کر کے دکھا دیا۔ آپ نے فرمایا "اب وقت آ گیا ہے کہ پھر اسلام کی عظمت و شوکت ظاہر ہو۔ اس مقصد

"یہ دور مذہبی مناظروں کا دور تھا۔ عیسائی پادری مسیحیت کی تبلیغ و دعوت اور دینِ اسلام کی تردید میں سرگرم تھے۔ مسلمانوں پر عام طور پر یاس و ناامیدی اور حالات و ماحول سے شکست خوردگی کا غلبہ تھا عوام کی بڑی تعداد کسی مردِ غیب کے ظہور۔ کسی ملہم اور مؤیّد من اللہ کی آمد کی منتظر تھی۔ کہیں کہیں یہ خیال بھی ظاہر کیا جاتا تھا کہ تیرہویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا ظہور ضروری ہے۔ محفلوں میں زمانہ آخر کے فتنوں اور واقعات کا چرچا تھا"

مولانا عبداللہ العادی صاحب نے اخبار وکیل امرتسر میں لکھا:۔

"اگرچہ مرزا صاحب نے علوم مروجہ اور دینیات کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی مگر ان کی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص فطرت لے کر پیدا ہوئے تھے۔ جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ غیر مذاہب کی تردید میں اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انہوں نے تصنیف کی ہیں ان کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اترا۔ براہین احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کر دیا اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے اس کتاب سے اسلام کی صداقت۔ قرآن کا اعجاز۔ رسول اللہؐ کی نبوت کو بدلائل عقل ثابت کیا ہے۔ اور بیک وقت مسیحیت۔ سناتن دھرم۔ آریہ سماج۔ برہمو سماج کی تردید ہوئی ہے۔ اور یہ کتاب بہت صحیح وقت پر شائع ہوئی"

آپ کی تصانیف کو اس قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرمہ چشم آریہ کے متعلق لکھا:۔

"حمیت و حمایت اسلام تو اس میں ہے کہ ایک ایک مسلمان اس کتاب کے دس دس بیس بیس نسخے خرید کر ہندوؤں اور مسلمانوں میں تقسیم کرے اور آپ کی کتاب سراج منیر کے بارے میں لکھا کہ اگر مسلمانوں نے بہت جلد سرمہ چشم آریہ کو ہاتھوں ہاتھ اٹھا کر مصارف طبع سراج منیر کے لئے روپیہ مہیا نہ کیا تو ہمیں ان کے حال پر آنسو بہانے پڑیں گے"

یہ تحریر صاحب موصوف کے رسالہ اشاعت السنہ میں شائع ہوئی۔ حضرت صاحب کی ایک اور کتاب "ایک عیسائی کے چار سوالوں کا جواب" کے متعلق رسالہ جدوجہد میں اعتراف موجود ہے کہ کسی مسلمانوں کے کسی فرقہ کو عیسائیوں کے حملوں کا جواب دینے کی ہمت نہیں۔ یہ ہے تبحر علمی اس امام کا۔ اور علماءِ اسلام کا اعتراف۔

آپ نے محض غلبۂ اسلام ثابت کرنے کو ہی کافی نہ سمجھا بلکہ اسلام پر عملی طور پر کاربند ہونے کی تلقین کی۔ فرمائی۔ مذہب کی جڑ سچائی ہے۔ اور جو سچا نہیں اس کا مذہب کچھ نہیں۔ اسلام یہ نہیں کہ چند باتیں مان کر ورد کرتا ہے بلکہ

چاہیئے کہ عملی رنگ میں اپنے تئیں اس حد تک پہنچائے کہ فیض آئے۔ نمازوں میں خشوع و خضوع ہو۔ خدا سے انسان اپنی بہتری اور فلاح کے لئے دعا کرتا ہے۔ دعا کوئی بے حقیقت چیز نہیں۔ دعا میں ایک مقناطیسی قوت ہوتی ہے جو خدا کے فضل کو جذب کرتی ہے زبان سے اھدنا الصراط المستقیم پڑھ رہے ہیں اور دل میں ہے کہ جلدی جلدی چل کر دکان کھولیں یا کاشتکاری کا کام کریں یہ دعا نہیں بلکہ عمر کو ضائع کرنا ہے۔ جب تک انسان خدا کو مقدم نہیں کرتا اور پورے طور پر دعا میں محو نہیں ہو جاتا تو دعا کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ امام کس درجہ کے مومن نمازی بنانا چاہتا ہے۔ آپ نے اولیاء کی مثالیں دی ہیں کہ ان کی راستبازی اس طرح نہ تھی جس طرح آجکل کے لوگ بلکہ وہ گداز ہوتے ہیں۔ صرف اللہ کا وجود باقی رہ گیا تھا اور کسی کا وجود باقی نہ تھا۔ جب ایسی حالت ہو جاتی ہے تو قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ اس پر انعام و اکرام ہوتے ہیں۔ یہی نماز تھی جس سے لوگ قطب ہو گئے اور غوث ہو گئے اور تم اسی طرح تحت الثریٰ میں پڑے رہو۔ نفس کو دھوکا نہ دو۔ بینائی پیدا کرو ایمان خدا کا فضل ہے جب آتا ہے تو وہ شخص عملی طور پر فاسقانہ کام نہیں کرتا۔ سچی محبت اور سچے رجوع سے جو آیا وہ اس کے اخلاص کو ضائع نہیں کرتا۔ وہ اپنے خاص بندوں پر ایسے فضل کرتا ہے کہ زمین و آسمان اُس کے تابع کر دیتا ہے۔

یہ امام تعلق باللہ کے بلند مقام پر فائز تھا۔ آپ کی پیشگوئیوں کا سلسلہ بھی وسیع ہے۔ جو اظہار علی الغیب کا مرتبہ رکھتی ہیں اور یہ اس تعلق پر زبردست دلیل ہے۔ خسوف و کسوف اور زلازل کے نشانات اور ان کا اسی طرح ظہور میں آنا۔ آپ نے لکھا:-

" وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھائے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں۔ اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا۔"

جب سیلاب آئے تو ہر ایک کی زبان پر تھا کہ یہ طوفانِ نوح ہے۔ سچا الہام خدا کی طاقتوں کا اثر اپنے اندر رکھتا ہے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی جنہوں نے آپ کی تصنیفات پر شاندار خراج تحسین پیش کیا بعد میں مخالف ہو گئے اور سارے ملک میں دورہ کر کے آپ کے خلاف فتوای پر علماء سے دستخط کرائے۔ ان کے بارے میں پیشگوئی کی یہ مرنے سے پہلے میرا مومن ہونا تسلیم کرلیں گے۔ اور وہ اس پیشگوئی سے بے خبر نہ تھے چنانچہ گوجرانوالہ کے مجسٹریٹ درجہ اول لالہ دیوانند کی عدالت میں مولوی صاحب موصوف کا بیان ریکارڈ ہوا کہ یہ فرقہ احمدیہ قرآن و حدیث کو مانتا ہے ہمارا فرقہ ایسے فرقہ کو کافر نہیں کہتا۔ واللہ غالبٌ علیٰ امرہ ولکن اکثرالناس لا یعلمون

؎ قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے خود ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

آپ کو ایک اور وعدہ دیا گیا۔۔ " اہانت کرنے والے خود اہانت کا شکار ہو جائیں گے۔" ایک دفعہ ایک شخص نے جعلی انسپکٹر بن کر آپ کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی تو ایک مفتری نے اس واقعہ کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا کہ آپ خوفزدہ ہو کر سیڑھیوں سے اُترے تو گر پڑے حالانکہ آپ دالان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ دوسرے ہی روز وہ مفتری صاحب چھت پر سوئے ہوئے کسی ضرورت کے لئے اُٹھے چھت پر منڈیر نہ تھی نیچے گرے اور دم رخصت ؎

یہ گنبد کی صدا ہے جیسے کہو ویسے سنو۔

دُنیا نے اس کے بڑے نظارے دیکھے ہیں۔ آپ کی زندگی میں بھی اور بعد میں بھی۔ اس امام نے لکھا:-

" سمجھا کر جس قدر چاہو گالیاں دو جس قدر چاہو۔ میرے استیصال کے لئے ہر قسم کی تدبیریں کرو مگر عنقریب خدا تمہیں دکھلائے گا کہ اس کا ہاتھ غالب ہے۔ فرمایا۔ خدا میری تائید میں ہے۔ آسمان پر ایک شور برپا ہے فرشتے پاک دلوں کو کھینچ کر اس طرف لا رہے ہیں۔ اس آسمانی کاروائی کو کیا انسان روک سکتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے میں تجھے برکت پر برکت دوں گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے سننے والو ان باتوں کو یاد رکھو اور ان پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ کرلو یہ خدا کا کلام ہے ایک دن پورا ہوگا۔" (تجلیاتِ الٰہیہ ص۲۱)

آخر میں ایک اور زبردست معیار صداقت پر غور فرمادیں جو قرآنی آیت ' ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ -------- من احدٍ عنہ حاجزین۔ پر مبنی ہے۔ اور فیصلہ کن معیار ہے کہ مفتری کو مہلت نہیں ملتی۔ اور اس کا کام تمام کر دیا جاتا ہے۔ یہ صادق کی پرکھ ہے ورنہ اس ہی اُٹھ جاتا ہے۔ علمائے اسلام ہمیشہ اس آیت سے یہی استدلال کرتے چلے آئے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے عقائد کی مشہور کتاب شرح نفسی میں بھی اسی کی تائید ہے۔ مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری نے مقدمہ ثنائی میں لکھا ہے کہ کاذب مدعی خان سے مارا جاتا ہے اور دعوای کاذب مثل زہر کے ہے۔ جو کوئی کھائے گا ہلاک ہوگا۔ واقعات گذشتہ سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ خدا نے کبھی کسی جھوٹے کو سرسبزی نہیں دکھائی اور صاحب تفسیر روح البیان نے خوب لکھا ہے کہ جب خدا تعالےٰ نے آنحضرتؐ جو بارگاہ ایزدی میں سب سے زیادہ محبوب ہیں کے ذکر میں یہ فرمایا تو دوسرا کوئی مفتری کیونکر بچ سکتا ہے۔ مفتری کو مہلت نہیں ملتی یہ ایک اٹل قانون ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے ۱۸۸۰ء سے اپنے الہامات دنیا کے سامنے پیش کئے ۱۹۰۸ء میں آپ کی وفات ہوئی یہ ۲۸ سال کا عرصہ بنتا ہے۔ آپ دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں آپ کو مقدمات میں ملوث کیا گیا۔ قتل کی سازشیں بھی ہوئیں الغرض دشمنوں نے سب منصوبے کر کے دیکھ لئے اللہ تعالےٰ نے ہر سازش سے آپ کو بچایا اور ہر شر سے محفوظ رکھا۔ کیا کسی کاذب کے ساتھ ایسا سلوک ہوا ہے۔ ایک بھی مثال نہیں ملے گی۔

مجدد کا کام دین کی تجدید ہے اور اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ آپ نے بطریق احسن اپنی بعثت کی غرض کو پورا کیا۔ ختم نبوت ایک بنیادی حقیقت ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ نبوت ختم ہو گئی لیکن اصلاح اور رجوع الی اللہ کی ضرورت تو ختم نہیں ہوئی اور اس امام نے یہ کہہ کر کہ اب آنحضرتؐ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ پرانا ختم نبوت کو مصفا ترین صورت میں دلوں میں جاگزین کیا ہاں مبشرات اور مکالمہ مخاطبہ جو تا قیامت جاری ہے۔ اسلام کی صداقت اور ہستی باری تعالےٰ

پر ہمیشہ ایک محکم دلیل ہے کہ خدا میں صفت کلام جو تھی اب بھی ہے کبھی معطل نہیں ہوئی اور نہ ہوگی اور یہ شرف اب قیامت تک صرف امت محمدیہ کے افراد کو حاصل ہوگا جو آنحضرت ؐ کا کامل متبع ہوں۔ اس کے ثبوت میں اس زمانے کے امام نے اپنے تئیں پیش کیا۔ اور ہزارہا شواہد بھی اس ضمن میں پہنچائے۔

آپ نے اتحاد بین المسلمین پر بڑا زور دیا اور کلمہ طیبہ کا اقرار مسلمان کہلانے کے لئے کافی سمجھا۔ آپ نے لکھا۔

مامسلمانیم از فضل خدا + مصطفےٰ مارا امام و پیشوا
ہست او خیرالرسل خیرالانام + ہر نبوت را بروشد اختتام
ایں کتاب حق کہ قرآن نام اوست + بادۂ عرفان ما از جام اوست
یک قدم دُوری ازاں روشن کتاب + نزد ماکفر است وخسران وتباب

گویا ایمان باللہ۔ ایمان بالرسالت۔ ایمان بالقرآن کو قدر مشترک قرار دیکر مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دی اور اسلام کا جذبہ بیدار کیا جس کا آج ہر طرف چرچا ہے۔ اگر یہ امام نہ ہوتا تو نہ اسلام کے لئے اس دور میں یہ نام نہ ہوتا نہ وہ لٹریچر ہوتا جو اس امام نے دنیا کو دیا۔ اور اس کی تحریک نے آگے بڑھایا جس سے مخالفین بھی استفادہ کر رہے ہیں اس زمانہ میں اشاعت اسلام کے کام میں اس نوعیت کی دلچسپی کے سلسلہ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے علاوہ کسی اور شخصیت کا نام پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالےٰ نے اس دور کے لئے جو اپنے فتنوں کے لحاظ سے سب سے خطرناک دور شمار ہوتا ہے اس امام کو انسانیت کی حیات روحانی کے لئے بطور محور چنا اور باریک علم وعرفان روحانیت دیا جسے آپ نے دنیا میں پھیلایا اور زمانہ نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ تاریخ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ آپ کے نظریات جو قرآن اور حدیث ہی پر مبنی ہیں اس کی مقبولیت آپ کی صداقت کا بیّن ثبوت ہے۔

مسلمان علماء کا اعتراف بیان ہو چکا ہے مغرب کے مفکرین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور وہ یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

ISLAM HAS EMERGED AS A VIGOROUS FORCE IN THE WORLD RELIGOUSLY AS WELL AS POLITICALLY.

ڈاکٹر MURRAY نے اپنی کتاب INDIAN ISLAM میں لکھا ہے

WE CAN NO LONGER IGNORE ISLAM AS WE USED TO. THE AHMADYAS ARE AT PRESENT THE MOST ACTIVE PRO PAGANDISTS OF ISLAM IN THE WORLD

FREEL AND ABBOT نے اپنی کتاب ISLAM AND PAKISTAN میں لکھا اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔

اس تحریک (احمدیہ) نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ ایمان اور یقین پیدا کر دیا ہے کہ یورپ کی موجودہ ترقی اور قوت کا سرچشمہ عیسائیت ہرگز نہیں۔ دنیا کا سچا دین صرف اسلام ہے۔ اس تحریک کی بنیادی خصوصیت یہی ہے مگر یہ امر اس قدر تعجب انگیز ہے کہ جس تحریک نے دوسرے مذاہب کے مقابل دین اسلام کی حفاظت و توسیع کے میدان میں سب سے زیادہ کام کیا ہے

پاک وہند کے مسلمان سب سے زیادہ اسی جماعت کے خلاف صف آرا ہیں۔ یہ ہے امام کی پہچان۔ ایک دھوم مچ گئی۔ تو حق کو معلوم کر لینا کچھ مشکل نہیں۔ کام خود بولتا ہے۔ ع

چشم برحق باز کردن بندگی است

اصل بندگی تو یہی ہے۔ ورنہ محض FORM اور ظاہر شکل ہے مغز اور چھلکے کی مثال بھی دی جاتی۔ اسلام کے غلبہ کے لئے اور اسلام کی اشاعت اور سربلندی کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے نام لیواں میں دین تقوٰی اور اتحاد کی روح پیدا ہو ؎

گر کسی تکفیر اہل دیں چہ کارے کردہ + اگر مردی جمہور را پلہ اسلام اندر آر

—— ★★★★ ——

آہ! ماسٹر اصغر علی سیال بھی وفات پا گئے

جماعت کو سالِ رواں کا چوتھا بڑا قومی نقصان

سلسلہ کے تین ممتاز کارکنوں (چوہدری فضل حق صاحب، ڈپٹی محمد الرحمٰن صاحب، محمد اعظم علوی صاحب) کی ناگہانی اموات کا غم ابھی تازہ تھا کہ مرکز کے مخلص، انتھک، فدائی، سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ کے چالیس سالہ مزاج شناس خادم ماسٹر اصغر علی بھی ۱۷-۴-۸۳ اللہ کو پیارے ہو گئے

انا للہ وانا الیہ راجعون

بعض لوگوں کی موت سے صرف ان کے گھر اجڑتے ہیں مگر بعض لوگوں کی موت سے انسانوں کی ایک پوری جماعت متاثر ہوتی ہے۔ ماسٹر صاحب موصوف ثانی الذکر لوگوں میں سے تھے۔ مرحوم ۱۷-۴-۸۳ کو سارا دن حسب معمول اپنے کام میں ہشاش بشاش مصروف رہے رات ۹ بجے کے قریب ٹانگوں میں تھکن محسوس کی اور دیکھتے ہی دیکھتے طبی امداد پہنچنے سے پیشتر ہی اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔

۱۸-۴-۸۳ کو دارالسلام میں نماز جنازہ سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ نے پڑھایا اور قبرستان دارالسلام میں تدفین عمل میں آئی۔ بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

ایک اور وفات: گلبرگ میں محترمہ بیوہ میاں اللہ بخش مرحوم وفات پا گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جنازہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ نے پڑھایا اور قبرستان دارالسلام میں تدفین ہوئی مرحومہ بڑی مخیّر، نیک اور خوش خصال خاتون تھیں۔ احباب سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

—— ★★★ ——

از قلم عبدالحئی صاحب فرزند اکبر ماسٹر عبدالکریم مرحوم بھدرواہی

آہ! پیارے ابّا جان بھی چل بسے

فصلِ گل میں جو شاخِ چمن سے ٹوٹ کر بکھرا
بہاروں کے تقدس کا یہ وہ انمول موتی ہے۔

انتہائی رنج اور دکھ کے ساتھ یہ دردانگیز سانحہ سپردِ قلم کر رہا ہوں کہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند کے نائب صدر اور ہمارے والدِ معظم ماسٹر عبدالکریم صاحب بھدرواہی مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۸۳ء بروز سوموار بوقت صبح چار بجے حالتِ نیند میں حرکتِ قلب بند ہونے کے باعث سنتِ خداوندی کے تحت اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

موت کی آندھی جب بھی چلی ہے آرزوؤں اور اُمیدوں، رفاقتوں اور قربتوں کے نازک محل ٹوٹ کر کھنڈر ہو گئے۔۔۔۔ اور تقدیرِ مبرم نے جب کبھی موت کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر دل کی زمین پر پالتی اندھیروں کی سیاہ چادر کو بچھانے کا ساز چھیڑا ہے تو نگاہوں کے آسمان پر اشکوں کے چمکتے ہوئے چاند تارے بھی وصل کے اُجالوں کو جنم دینے میں ناکام رہے ہیں۔ بے شک یہ اس لئے ہے کہ انسان نے خدا کی زمین پہ آسائش و آرائشِ زیست کی خاطر پُرفریب رنگ تو بھر دیئے ہیں لیکن زندگی اور موت کی سرحدوں کو بس میں کرنے کے زمینی منصوبوں کو آسمانی فیصلوں نے بے دست و پا کر دیا۔۔۔۔

۔۔۔۔ آہ! آج انہی آسمانی فیصلوں نے ہم سے ہمارا شفیق باپ چھین کر ہمیں راہِ حیات کے ایسے موڑ پر تنہا چھوڑ دیا جہاں ہم اپنے چہروں پہ شفقتِ پدرانہ سے محرومی کی اَن گنت خراشیں اور نگاہوں کے مرقدوں میں ناکام حسرتوں کی لاشیں اٹھائے سوگوار کھڑے ہیں۔۔۔۔

یہ ہرگز ہرگز مبالغہ نہیں کہ ماسٹر عبدالکریم بھدرواہی زندگی کے ہر محاذ پہ ایک زبردست اور انتھک کامیاب جنگ لڑنے والے مجاہد کا دوسرا نام تھا۔۔۔ لیکن مذہبِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کی خاطر تحریکِ احمدیت سے ان کی وابستگی اور ریاست جموں وکشمیر میں احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی سرگرمیوں میں ایک زبردست جوش پیدا کرنا ان کی سب سے عزیز آرزو اور مقصدِ حیات تھا۔ اگرچہ مرحوم کا وجود تمام عمر اقتصادی بدحالی کی سنگ باری سے چھلنی رہا لیکن عاشقِ رسولِ عربی صلعم امام وقت حضرت مسیح موعود کے عظیم مشن کو آگے بڑھانے کے لئے ہر پل کوئی بھی قربانی دینے کی خاطر ہراول دستے کی طرح پیش پیش رہے۔

تقسیم ملک کے بعد احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کو کشمیر اور پورے ہند میں اپنے پروگراموں کو آگے بڑھانے اور نکھارنے میں زبردست دشواریاں پیش آئیں۔ چندہ ماہانہ و دیگر عطیہ جات میں زبردست کمی واقع ہونے سے جماعتوں کی مالی حالت بُری طرح متاثر ہوئی مبلغینِ جماعت اور بزرگانِ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے کارواں سے بچھڑ جانے کے باعث تنظیمی استحکام اور درس و تدریس کے اہم بنیادی مسائل عدمِ توجہی کے سبب دم توڑتے چلے گئے اور سلسلہ احمدیہ کے تئیں مخالفوں کی شدید مخالفانہ روش نے احمدیہ انجمن سے وابستہ افراد کو بہت حد تک مایوسیوں کی لپیٹ میں لے کر ان پر جمود طاری کر دیا۔

غرض یہ وہ پُرآشوب اور حوصلہ شکن حالات تھے جن کی یلغار نے تقسیم ملک کے بعد بھارت میں احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے قلعہ کو اپنا نشانہ بنا کر اُسے شکستہ کیا۔۔۔۔ لیکن جسمانی طور پر ایک ناتواں اور نحیف وجود سینے میں دردِ احمدیت میں تڑپتا ہوا دل لے کر بادِ سموم کے بے درد تھپیڑوں کی پرواہ کئے بغیر ریاست جموں و کشمیر میں اپنے مقدور بھر وسائل اور حدِ اختیار تک احمدیت کے دفاع کی خاطر سینہ سپر ہو گیا۔۔۔۔ "یہی ماسٹر عبدالکریم بھدرواہی" ہمارے والد محترم تھے۔

اگرچہ احمدیت کے دفاع میں مرحوم کی کاوشوں کی کارگزاری ملک گیر نہ تھی لیکن ان کے دل میں دردِ احمدیت کے جذبوں کی شدت ملک گیر ہی نہیں بلکہ عالمگیر تھی۔۔۔!

وسائل کی محرومیوں اور مخالفت کی یورشوں کی خوفناک فضاؤں سے بے خوف ہو کر مرحوم نے احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام بھدرواہ کے پراگندہ شیرازہ کو یکجا کیا۔ نمازِ جمعہ کے خطبات اور دیگر اجتماعات میں امام زماں کے دفاعِ اسلام اور بزرگانِ سلسلہ کی بے مثال خدمات اور قربانیوں کے ایمان افروز واقعات سنا کر تحریکِ احمدیت کی خاطر کچھ کر گزرنے کا جوش دلاتے رہے۔

اپنی نجی زندگی میں جسم و روح کا رشتہ قائم رکھنے کی بے حد مصروفیات کے باوجود سلسلہ کے نونہال بچوں کو عربی اور دینی تعلیم مسجد احمدیہ بھدرواہ میں دیتے رہے۔ نوجوانانِ سلسلہ کو نہ صرف درس قرآن دیا بلکہ انہیں ایک مکمل مبلغ اور مناظرِ اسلام و احمدیت بنا کر میدانِ تبلیغ میں جماعت کو خود کفیل بنا گئے۔

جماعت کو مالی طور پر مضبوط بنانے کی خاطر نہ صرف ماہانہ چندہ کی وصولی کے لئے مؤثر اقدامات کے گراں قدر مشورے دیئے بلکہ تبلیغ و اشاعت دین اسلام کی خاطر رضاکارانہ طور پر حسبِ مقدور عطیات دینے کی تحریک کے ساتھ "مٹھی فنڈ" کے سلسلہ کو احباب جماعت میں پوری شد و مد کے ساتھ رائج کیا۔

اتنا ہی نہیں مرحوم نے ہندوستان کی دیگر جماعتوں اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے زبردست خط و کتابت کر کے باہم ربط و ضبط و تال میل کو قائم رکھنے کی قابلِ تقلید کوششیں بھی کیں۔ مرحوم کو امامِ وقت اور تحریکِ احمدیت کے ساتھ جو والہانہ محبت تھی اس کا اندازہ مرحوم کی اس تحریری وصیت کے درج ذیل اقتباس سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جو "وصیت نامہ و نصیحت نامہ" کے عنوان سے اپنی وفات سے چند ماہ قبل اپنے اہل و عیال کے نام کر گئے۔

"ضمن ۱، ہم لوگ مسلمان ہیں حقیقی مسلمان احمدی۔ اگرچہ بے عمل ہیں اور "نسبت بہت اچھی ہے اگرحال بُرا ہے" ہماری نسبت ایک عظیم الشان امام کے ساتھ ہے جو موعود اقوامِ کل ہے اور جس نے صرف ۲۹ برس کے عرصہ میں دنیا کے اندر انقلابات پیدا کیئے۔ خوابِ غفلت میں پڑی مسلم قوم کو بیدار کیا اور دشمنانِ دین کی کمر توڑ کر رکھ دی اور آئندہ کی خاطر دفاعِ دینِ اسلام کے لئے دنیا میں ناقابلِ تسخیر قلعے مشن اور حصار قائم کر دیئے۔ اور بحکم خدا کہہ دیا کہ" میں تیرے خالص محبتوں کا گروہ

بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس اور اموال میں برکت دوں گا۔"

الہام مسیحِ موعود

"میرے ماننے والے دوسروں پر ہمیشہ غالب رہیں گے علم، عقل، اتحاد اور فراست میں بھی۔" (قول مسیح موعود)

[illegible]

سلسلہ تحریکِ احمدیت سے دیوانہ وار محبت۔ تبلیغ اسلام اور تحریک احمدیت کی بے لوث خدمات۔ علم و ادب کی دُنیا میں ایک معقول مقام۔ ایک صالح سماج کی تشکیل میں مخلص کوشش۔ اپنوں اور بیگانوں سے حسنِ سلوک۔ اپنے اہل و عیال کی مثالی پُر شفقت پرورش۔ فقیرانہ زندگی اور مشکل پسندی۔ مرحوم کی تاریخِ حیات کے وہ عنوان ہیں جو اہلِ وفا کو ان کے احساسِ جُدائی سے ہمیشہ ہمیشہ اشکبار کرتے رہیں گے۔۔۔۔

مشیت ایزدی کی تکمیل ہوتی گئی۔ کارواں بکھرتے گئے اور ذہن و قلب کی نازک و حساس سطحوں پر یادوں کے کربناک زخم سجتے رہے۔۔۔۔ اور اس طرح ماسٹر عبدالکریم ہمدرد اپنے ہمنواؤں کو اخلاص و ایثار کے عظیم اصولوں کے پنگھوڑوں میں پرورش کر کے اپنے انداز کا یہ تاریخ ساز مسجد احمدیہ واقع محلہ پیر مٹھا جموں کی چار دیواری کے پُرسکون سایوں میں ابدی نیند سو گیا۔۔۔ !!!

بقیہ "روزے کا صحیح مفہوم" (آمدہ صـ۲)

اور رُوح خداوند تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ماہِ مبارک میں حقوق اللہ و حقوق العباد کو اپنی زندگی کا مستقل شعار بنایا جائے خدائے تعالیٰ کی عبادت کی تڑپ اپنے سینوں میں اس طرح پیدا کی جائے کہ رُوح کی بنیادوں میں بمنزلہ فولاد ہو کر جم جائے۔ اگر یہ خوبی پیدا نہیں ہوتی تو نماز ایک پریڈ ہے اسی طرح روزہ محض بھوکا رہنے کا ایک ڈھنگ ہے۔

روزے ضرور رکھنے چاہیئیں کیوں کہ یہ فرض ہیں۔ نیز ہمیں ثابت قدمی سے خدائے تعالیٰ کے حضور گر کر اپنے دل کو عاجزی سے سجدہ کرنے کا عادی بنانا چاہیئے اپنے مال کو غربا و مساکین میں تقسیم کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیئے۔ اگر ہم ان امور کو دین کے بنیادی اصول سمجھ کر زندگی کی اصل غرض و غایت بنا لیں گے تو مردِ مومن بن کر باری تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کر لیں گے۔ سچی عبادت کرنے سے ہمارے اندر تقویٰ و طہارت پیدا ہوں گے جن کی قوت سے ہم ہر بدی سے نجات پا سکیں گے۔ اعلیٰ اخلاق اور اسوۂ حسنہ انسان میں پیدا نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ عبادتِ الٰہی کی بھٹی میں جل کر خالص پارس نہ بن جائے۔ خداوند تعالیٰ نے انسان کی زندگی کا مقصد ان واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر صرف اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔" — اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین !!

اخبار احمدیہ

- سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں۔ سالِ رواں کی شروع سہ ماہی میں جماعت کی چند اہم شخصیتوں کی وفات کا آپ پر گہرا اثر ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضور کو صحت و عافیت والی لمبی زندگی عطا فرمائے اور اپنی راہ میں اپنی نصرتوں سے نوازے۔

جناب محمد اعظم علوی اور مکرم ماسٹر اصغر علی سیال کی وفات پر

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی تعزیتی قرارداد

"مجلسِ منتظمہ کا یہ اجلاس جناب محمد اعظم علوی صاحب مرحوم اور ماسٹر اصغر علی صاحب مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے مرحومین انجمن کے سرگرم رکن اور گوناگوں صلاحیتوں کے مالک تھے اور انہوں نے مختلف حیثیتوں میں انجمن کی گرانقدر خدمات سرانجام دیں اور ان کا وجود انجمن کیلئے بڑی تقویت کا باعث تھا اور انکی وفات ناقابلِ تلافی نقصان کا موجب ہوئی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ اجلاس اللہ تعالیٰ کے حضور مرحومین کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کیلئے دست بدعا ہے اور انکے اہل و عیال اور جملہ لواحقین سے اس سانحہ پر دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں صبرِ جمیل عطا فرمائے اور مرحومین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ قرار پایا کہ اس قرارداد کی نقول مرحومین کے لواحقین کو ارسال کی جائیں اور اخبار پیغامِ صلح میں شائع کی جائیں۔"

* * *

جالینوس کے قلم سے

اخلاقی اور معاشرتی انقلاب لانا کوئی آسان کام نہیں ہے

(شمع قرآنی کی چند شعاعیں)

اسلام کے پیغام کا مقصد وحید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے منشا ایزدی محض یہ تھا کہ بنی آدم کو پتھر وں بتوں اور غیر اللہ کی عبادت سے دور کر کے خدائے واحد لاشریک کے دربار میں لاکھڑا کیا جائے۔ یہ پیغام خدا کے اولین گھر کے قرب وجوار سے شروع کیا گیا کیونکہ خدا کے اس بیت عتیق میں سینکڑوں بتوں کی پوجا ہو رہی تھی اور لوگ اپنے آباؤ اجداد کے غلط طریق پر عمل پیرا ہو کر اچھائیاں حاصل کرنے کے لئے اور برائیوں سے دور رہنے کے لئے ان بتوں سے مرادیں مانگتے تھے اور ان کی عقلوں اور دلوں پر جہالت کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ ان حالات میں خدا کی وحدانیت کا سبق محض اسکی نصرت اور تائید کے سہارے لوگوں کو دیا گیا۔ اس پیغام خداوندی کو اصحاب بصیرت اور اصحاب رشد و ہدایت نے پہلے موقعہ پر ہی قبول کر لیا مگر اکثریت نے ابتداء میں اس شخصیت کو جسے وہ اعلان نبوت سے پہلے صادق اور امین یقین کرتے چلے آئے تھے اس پیغام سنانے پر جادوگر اور مجنوں کا لقب دیا۔

ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو انقلاب اسلام نے معاشرہ میں اور اخلاق میں پیدا کیا کیا وہ ایک جادوگر یا مجنوں کا کام ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم میں بار بار اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اے عقل و دانش رکھنے والو اور اے بصیرت اور بصارت والو ذرا غور کرو کہ جس نے صدیوں کے گند اور ہزاروں سالوں کی جمی ہوئی گرد کو دلوں سے دور کر دیا ہو کیا وہ ایک مجنوں یا جادوگر سے ممکن ہے۔

ایک بہت روشن اور واضح دلیل جسے بہت سے انبیاء کے ذکر میں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بار بار بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جن بتوں کو تم اپنے ہاتھ سے تراشتے ہو اور خود ان کی شکلیں وجود میں لاتے ہو اور جب ان کو تم بنا کر فارغ ہوتے ہو تو انہیں کے سامنے اپنی آرزوؤں اور مرادوں کے لئے جھک جاتے ہو اور انہیں ہی اپنا معبود یقین کر لیتے ہو۔

اسلام نے معاشرہ کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے جہاں اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے جھکنے سے منع کیا وہاں اس عبادت غیر اللہ سے جو اخلاقی برائیاں اور معاشرتی عیوب پیدا ہوتے ہیں ان سے بھی روکا اور ایک پاک اور صاف معاشرہ پیدا کیا۔ جن بڑی بڑی چیزوں سے روکا گیا ان میں بتوں کی عبادت، شراب نوشی۔ بدکاری۔ سود۔ جُوئے بازی جیسے گناہوں سے دور ہو کر ایک خالص خدا کی عبادت کرنے والوں کا معاشرہ جنم دینے کی طرف توجہ دلائی۔ جیسے کہ وہ فرماتا ہے:-

۱۔ شیطانی اعمال

"اے ایمان والو یقیناً شراب اور جوا اور بتوں کی عبادت اور قسمتوں کا معلوم کرنا یہ شیطانی گندے اعمال ہیں اگر کامیاب ہونا چاہتے ہو تو ان سے دور ہو...... شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ وہ شراب اور جُوئے کے ذریعہ تمہارے اندر دشمنی اور بغض پیدا کرے اور تم کو ذکر الٰہی اور نماز سے دور رکھے پس کیا تم ان باتوں سے باز نہیں آؤ گے۔" (المائدہ ۹۰-۹۱)

۲۔ سُود خوری

اسلام نے سودی کاروبار کرنے والوں اور سُود کا مال کھانے والوں کو خدا تعالےٰ کے حریف قرار دیا ہے وہ فرماتا ہے۔

"اے مومنو! اللہ تعالےٰ کا تقوی اختیار کرو اور آج سے جو سود باقی ہے اُسے ترک کر دو اگر تم حقیقت میں مومن ہو۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تو خدا اور اسکے رسول کے خلاف اعلان جنگ کرو گے اور اگر باز آجاؤ تو تمہارے لئے راس المال ہیں نہ تم خود ظلم کرو نہ ہی تم پر ظلم روا رکھا جائے گا۔" (البقرۃ ۲۷۸-۲۷۹)

اسلام نے تو شیطانی اعمال اور معاشرتی۔ اجتماعی اور اقتصادی برائیوں کو دور کر کے ایک قابل اور لائق معاشرہ کو پیدا کرنے کے لئے سعی کی مگر اس کے برعکس جو لوگ ان برائیوں کو ترک کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہ پاتے تھے انہوں نے رنگا رنگ کے الزامات حضور صلعم پر لگائے جن میں سے سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ جو یہ شخص اس قوم میں سے ان برائیوں کو دور کرنے کے خواب دیکھتا ہے وہ مجنوں ہے اور اگر وہ اس نوع کا انقلاب لانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ ضرور جادوگر ہے۔ اس کا ذکر اور اس کا جواب قرآن پاک میں اس طرح آیا ہے۔

۱۔ "جب کافر لوگ خدا کا کلام سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ضرور مجنون ہے" اور اس کا جواب اللہ تعالےٰ نے یہ دیا۔

"کہ یہ تو تمام جہانوں کے لئے نصیحت کی باتیں ہیں" (سورۃ قلم ۵۲)

۲۔ "اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر کلام نازل ہو رہا ہے تو تو مجنوں ہے تو فرشتوں کو ہمارے پاس کیوں نہیں لے آتا اگر تو صادقوں میں سے ہے۔" اس کا جواب اللہ تعالےٰ دیتا ہے۔

"کہ ہم فرشتوں کو صرف ضرورت حقہ کے وقت نازل کیا کرتے ہیں اور پھر اس وقت انہیں مہلت نہیں دی جاتی اور یہ ذکر ہم نے ہی نازل کیا ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی ہمارے ہی سپرد ہے۔" (الحجر ۶-۹)

اللہ تعالےٰ نے دشمنان اسلام کے اس اعتراض کا کئی جگہوں پر جواب دیا ہے مگر ایک واضح اور مسکت جواب جو دیا ہے وہ یہ ہے کہ مجنوں کبھی اخلاق فاضلہ اور خصائل حسنہ کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اور حضور صلعم کی حیات مبارکہ کا لمحہ لمحہ عظیم اخلاق کی بنیاد پر قائم تھا۔ جیسا کہ فرمایا:-

" اور قلم کی قسم ہے اور اس کی قسم ہے جو وہ لکھتے ہیں کہ تو مجنون نہیں ہے۔ اور اس (پیغام کے حامل ہونے کے بدلہ میں) میں تیرے لئے بہت زیادہ اجر رکھا گیا ہے اور تو تو خلق عظیم پر فائز ہے۔"

(القلم ۱-۴)

پھر ایک اور مقام پر اس کا ذکر ایک دوسرے انداز میں یوں فرمایا ہے۔

"یقیناً یہ صاحب کرامت رسول کا کلام ہے جو طاقت والا اور عرش سے قریب تر ہے اور وہ مطاع اور امین ہے اور تمہارے اس ساتھی کو کوئی جنون نہیں ہے۔" (تکویر ۱۹ - ۲۲)

اس مقام پر سورۃ تکویر میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی یہ بشارت دی گئی ہے کہ ایک دن آنے والا ہے کہ یہ رسول عزت اور کرامت سے دیکھا جائیگا اور اسے طاقت اور عرش عطا کیا جائے گا اور اس کی اطاعت کرنا اپنے لئے خیر و برکت کا موجب سمجھی جائے گی۔ جب پتہ لگے گا کہ اس قدر عظیم انقلاب لانے والا انسان کیسے مجنون ہو سکتا ہے جس کے لائے ہوئے ذکر حکیم سے قیامت تک قومیں رہنمائی حاصل کرتی رہیں گی۔ اور اس احسان کے بدلہ میں تاقیامت اس وجود پر درود و صلوات بھیجتی رہیں گی۔

پھر فرمایا کہ آج کا الزام کوئی نیا نہیں ہے اس قسم کا ذہنی۔ اخلاقی اور معاشرتی انقلاب لانے والوں کو ہمیشہ یہی کہا جاتا رہا ہے جیسا کہ فرمایا:۔

"اسی طرح اس سے پہلے بھی ان کے پاس جو بھی رسول آتا رہا ہے تو انہوں نے اُسے جادوگر اور مجنون کے نام سے ہی یاد کیا ہے۔ ۔ ۔ پس تو ان سے پہلو تہی کر تجھ پر کوئی ملامت نہیں کی جائے گی اور خدا کا ذکر بلند کر یقیناً ذکر الٰہی مومنوں کے لئے بہت نفع بخش ہوتا ہے۔" (الذاریات ۵۲، ۵۵)

سورۃ الذاریات بھی مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں بھی وہی سبق موجود ہے کہ اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے کام کرنے والوں کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے بلکہ خدا کے ذکر کو بلند کرنے کے لئے کوئی لمحہ ضائع نہیں کرنا چاہیئے کہ اس مخالفت اور عداوت اور الزامات کی تہ میں نصرت الٰہی اور دوسرے نفع بخش انجام پوشیدہ ہوتے ہیں۔

آج جو جو نظام بہت مہذب کہلانے کے دعویدار ہیں ان میں معاشرتی اور اخلاقی برائیوں کے ایسے بیج پرورش پا رہے ہیں کہ بغیر خدا تعالےٰ کے پیغام کی طرف آنے کے وہ برائیاں دور نہیں ہو سکتیں۔ اسلام نے امیر و غریب۔ چھوٹے اور بڑے سیاہ اور سفید۔ آقا اور غلام۔ راجا اور پرجا کی تمام تمیزوں کو یکسر ختم کر دیا ہے۔ اور سب کو یکساں زندگی کے حقوق کا موقعہ فراہم کیا ہے۔ اور محض تقویٰ ہی کو معیار کرامت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔

"اے تمام لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبیلوں اور خاندانوں میں محض پہچان کی خاطر بانٹ دیا ہے ورنہ تم میں سے معزز وہی ہے جو تقویٰ میں سب سے آگے ہے۔" (الحجرات ۱۴)

جہاں یہ احساس دلایا ہے کہ رنگ و نسل۔ عرب و عجم۔ سیاہ و سفید کی تمیز اسلام کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی وہاں اقتصادی طور پر ایک متوازن اور ظلم سے مبرا معاشرہ کو جنم دینے کے لئے صاحب استطاعت کو حکم دیا کہ وہ کمزور، ناتواں اور غریبوں کی مسلسل امداد کرتے ہیں۔ فرمایا:

" چاہیئے کہ صاحب وسعت اپنی استطاعت کے مطابق خدا کے رستہ میں خرچ کرے۔ اور جسے رزق کی تنگی ہے پس وہ بھی جو خدا نے اسے دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ خدا تعالےٰ کسی کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا کہ اس نے اُسے دیا ہے۔ اور بہت جلد خدا تعالےٰ تنگی کے بعد فراخی عطا کریگا۔"

(الطلاق ۱، ۷)

جو لوگ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور انفاق فی سبیل اللہ کے فرمان خداوندی پر عمل نہیں کرتے ان کو وعید سنائی ہے۔ فرمایا:۔

" اور جو لوگ سونے اور چاندی سے اپنے خزانے بھرتے ہیں اور اس میں سے خدا کے رستہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دے۔ اس روز یہ سونا چاندی ان کی جہنم کی آگ کو اور بھڑکائے گی اور اس سے ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ لو جو تم اپنی جانوں کے لئے خزانہ کر کے رکھتے تھے پس آج ذخیرہ اندوزی کرنے کے مزے چکھو۔" (التوبہ ۳۴-۳۵)

خدا تعالےٰ نے مومنوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے اور اسلامی نظام کے قیام پر حکومت کے ذمہ یہ فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ مومنوں کے اموال کو پاک کرنے کے لئے اور ان کے تزکیہ کے لئے ان کے اموال میں سے جو فرض ہے وہ حاصل کرے اُن پر خرچ کرے جو اُن کے حقدار ہیں۔ فرمایا:

"ان کے اموال میں سے صدقات کی رقم وصول کر تا کہ ان کے اموال پاک ہو جائیں اور ان لوگوں کا بھی تزکیہ ہو جائے۔" (التوبہ: ۱۰۳)

اس طریق پر اسلام نے معاشرتی۔ اخلاقی۔ اجتماعی اور اقتصادی انقلاب برپا کر کے اسلامی معاشرہ کو ایک گھرانے کی طرح پاک اور صاف رکھنے کے تمام احکامات بیان فرمائے ہیں۔ اور دشمنان اسلام کا یہ الزام کہ یہ ایک جنون تھا کس طرح غلط ثابت ہوا کہ جو کہا گیا تھا وہ سچ کر دکھایا اور یہ بغیر خدا تعالےٰ کی نصرت اس کی تائید اور اس کی معیت کے ممکن نہ تھا۔ اور کیا ہی سچ بات کہی گئی ہے کہ ؎

جس بات کو کہے کہ کروں گا اسے ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے۔

* * * *

اعتذار

جناب محمد اعظم علوی پبلشر پیغام صلح ولائٹ کی ناگہانی وفات کے باعث نئے پبلشر کی منظوری تک اخبار کی اشاعت کا التوا لازمی تھا۔ اس جبری التوا پر ہم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ ملتوی اشاعتوں کے بھیجنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

(ادارہ)

باہتمام ریاض حسین الجنہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد: ۷۰ * یومِ چہار شنبہ ۲۰ رجب المرجب ۱۴۰۳ھ - بمطابق ۴ مئی ۱۹۸۳ء * شمارہ: ۱۸

ارشاداتِ حضرت مجدّد صد چہاردہم

ہر ایک جو پاک ہوا وہ یقین سے پاک ہوا

"اے وے لوگو جو نیکی اور راستبازی کے لئے بلائے گئے ہو تم یقیناً سمجھو کہ خدا کی کشش اس وقت تم میں پیدا ہو گی اور اسی وقت تم گناہ کے مکروہ داغ سے پاک کئے جاؤ گے جبکہ تمہارے دل یقین سے بھر جائیں گے شاید تم کہو گے کہ ہمیں یقین حاصل ہے۔ سو یاد رہے کہ یہ تمہیں دھوکا لگا ہوا ہے یقین تمہیں ہرگز حاصل نہیں کیونکہ اس کے لوازم حاصل نہیں وجہ یہ کہ تم گناہ سے باز نہیں آتے تم ایسا قدم آگے نہیں اُٹھاتے جو اُٹھانا چاہیئے۔ تم ایسے طور سے نہیں ڈرتے جو ڈرنا چاہیئے۔ خود سوچ لو کہ جس کو یقین ہے کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے وہ اس سوراخ میں کب ہاتھ ڈالتا ہے۔ اور جس کو یقین ہے کہ اس کے کھانے میں زہر ہے وہ اس کھانے کو کب کھاتا ہے اور جو یقینی طور پر دیکھ رہا ہے کہ اس فلاں بَن میں ایک ہزار شیر ہے اس کا قدم کیوں کر بے احتیاطی اور غفلت سے اس بَن کی طرف اُٹھ سکتا ہے۔ سو تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں اور تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں کیوں کر گناہ پر دلیری کر سکتی ہیں اگر تمہیں خدا اور جزا و سزا پر یقین ہے۔ گناہ یقین پر غالب نہیں ہو سکتا اور جبکہ تم ایک بھسم کرنے اور کھا جانے والی آگ کو دیکھ رہے ہو تو کیوں کر اس آگ میں اپنے تئیں ڈال سکتے ہو۔ اور یقین کی دیواریں آسمان تک ہیں شیطان اُن پر چڑھ نہیں سکتا۔ ہر ایک جو پاک ہوا وہ یقین سے پاک ہوا۔ یقین دُکھ اُٹھانے کی قوت دیتا ہے یہاں تک کہ ایک بادشاہ کو تخت سے اُتارتا ہے اور فقیری جامہ پہناتا ہے۔ یقین ہر ایک دُکھ کو سہل کر دیتا ہے۔ یقین خدا کو دکھاتا ہے۔ اور ہر ایک پاکیزگی یقین کی راہ سے آتی ہے وہ چیز جو گناہ سے چھڑاتی اور خدا تک پہنچاتی اور فرشتوں سے بھی صدق اور ثبات میں آگے بڑھا دیتی ہے وہ یقین ہے .... وہ جماعت ہلاک شدہ ہے جس پر خدا نازل نہیں ہوا۔ اور جو یقین کے ذریعہ سے خدا کے ہاتھ سے پاک نہیں ہوئی جس طرح انسان نفسانی لذات کا سامان دیکھ کر ان کی طرف کھینچا جاتا ہے اسی طرح انسان جب رُوحانی لذات یقین کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے تو وہ خدا کی طرف کھینچا جاتا ہے اور اس کا حُسن اس کو ایسا مست کر دیتا ہے کہ دوسری تمام چیزیں اس کو سراسر ردّی دکھائی دیتی ہیں اور انسان اسی وقت گناہ سے مخلصی پاتا ہے جبکہ وہ خدا اور اس کے جبروت اور جزا سزا پر یقینی طور پر اطلاع پاتا ہے۔ ہر ایک بے باکی کی جڑھ بے خبری ہے۔ جو شخص خدا کی یقینی معرفت سے کوئی حصہ لیتا ہے وہ بے باک نہیں رہ سکتا۔ اگر گھر کا مالک جانتا ہے کہ ایک پُر زور سیلاب نے اُس کے گھر کی طرف رُخ کیا ہے یا اُس کے گھر کے ارد گرد آگ لگ چکی ہے اور صرف ایک ذرّہ سی جگہ باقی ہے تو وہ اس گھر میں ٹھہر نہیں سکتا۔ تو پھر تم خدا کی جزا سزا کے یقین کا دعوٰی کر کے کیوں کر اپنی خطرناک حالتوں پر ٹھہر رہے ہو سو تم آنکھیں کھولو اور خدا کے اس قانون کو دیکھو جو تمام دنیا میں پایا جاتا ہے چوہے مت بنو جو نیچے کی طرف جاتے ہیں بلکہ بلند پرواز کبوتر بنو جو آسمان کی فضا کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

(کشتیٔ نوح)

دِل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا — نام اُس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر — لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اِک قمر ہے — اُس پر ہر اک نظر ہے بدر الدجےٰ یہی ہے
پہلے تو رہ میں ہارے پار اس نے ہیں اتارے — میں جاؤں اس کے وارے بس ناخدا یہی ہے
پردے جو تھے ہٹائے اندر کی راہ دکھائے — دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے
وہ یارِ لامکانی وہ دلبرِ نہانی — دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے — وہ طیّب و امیں ہے اسکی ثنا یہی ہے
حق سے جو حکم آئے اس نے وہ کر دکھائے — جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے
آنکھ اس کی دُور بیں ہے دل یار سے قریں ہے — ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیا یہی ہے
جو راز دیں تھے بھارے اس نے بتائے سارے — دولت کا دینے والا فرمانروا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں — وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
وہ دلبرِ یگانہ علموں کا ہے خزانہ — باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے
سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا — وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے
اے میرے ربِ رحمٰن تیرے ہی ہیں یہ احساں — مشکل ہو تجھ سے آساں ہر دم رجا یہی ہے
اے میرے یارِ جانی خود کر تو مہربانی — ورنہ بلائے دنیا اک اژدہا یہی ہے
دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں — قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

٭ ٭ ٭

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن ـــ سبق نمبر (۳۰)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(البقرۃ ۲: ۱۸۳-۱۸۴)

ترجمہ:۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے روزے ضروری ٹھہرائے گئے ہیں جیسے کہ ان لوگوں کے لئے ٹھہرائے گئے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بنو گنتی کے چند دن ہیں۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں میں گنتی پوری کر لی جائے ۔ اور جو اس میں مشقت پاتے ہوں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دے۔ سو جو کوئی تکلف سے نیکی کرتا ہے وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تم روزے رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ۔

جیسا کہ آپ پچھلے چند درسوں میں سُن آئے ہیں یہاں مضمون اسلامی تہذیب و تمدن کے بنیادی اصولوں کا چل رہا ہے ۔ اسلام سے پہلے اور بعد میں بھی بہت سے انسانی تمدن و تہذیب کے نمونے تاریخ میں نظر آتے ہیں۔ ان سب میں ایک بات مشترک ہے ۔ ان نمونوں میں شروع شروع میں کچھ اچھی باتیں اور خوبیاں تھیں خصوصاً جب تک ان پر اُن کے مذاہب کی رُوحانی اور اخلاقی قدروں کا کچھ اثر تھا۔ مگر بالآخر اُن قوموں کی اندرونی حیوانیت اُن کی اخلاقی اور روحانی قدروں پر غالب آ گئی۔ اور نفسانی خواہشات اور جذبات کا بے لگام ہو جانا اُن قوموں کے تنزّل کا باعث بن گیا۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے زمانے میں مغربی اقوام کا دنیاوی عروج اور ترقی تاریخِ انسانی میں بے مثال ہے ۔ اُن کو اپنے تہذیب و تمدن پر کتنا ناز تھا اور اب بھی ہے۔ اس تمدن و تہذیب کو تقریباً ساری دُنیا نے اپنا لیا ۔ مگر اس کا انجام اب دیکھنے والوں کو نظر آ سکتا ہے ۔ شروع شروع میں جب عیسائی مذہب کی اخلاقی اور روحانی تعلیم کا کچھ اثر تھا تو مغربی اقوام کے تمدن اور تہذیب میں کچھ خوبی تھی ۔ مگر عیسائی مذہب نے انسان کے اندرونی جذبات اور خواہشات کی برائیوں کا یہ حل بتایا کہ ان جذبات اور خواہشات کو بالکل ترک کر کے راہب یا نن بن جاؤ۔ اور ایسی تعلیم عامتہ النّاس کے لئے قابل قبول نہ تھی ۔ اس لئے وہ مذہب اپنی قوموں کو سیدھے راستہ پر نہ رکھ سکا اور آج مغربی تہذیب میں خواہشات اور جذبات بالکل بے قابو ہیں ۔ اور انسان حیوانیت کے تمام سے بھی نیچے جا گرا ہے کیونکہ حیوان خلافِ فطرت افعال کبھی نہیں کرتا مگر مغرب میں اب خلافِ فطرت افعال کو نہ صرف کھُلم کھُلا کیا جانے لگا ہے بلکہ اُن کو قانونی جواز بھی مل گیا ہے ۔

اسلام نے حیوانی جذبات اور خواہشات کو بالکل ترک کرنے کی ناقابلِ عمل تعلیم کی بجائے انہی جذبات اور خواہشات کو قابو میں لا کر انہی کے صحیح استعمال سے اخلاقی اور رُوحانی ترقیات کا گُر بتایا ہے ۔ جسمانی لحاظ سے انسان دوسرے حیوانوں کی طرح ہے ۔ اسی لئے طبّی تجربہ گاہوں میں پہلے دوائیوں کو حیوانات پر استعمال کیا جاتا ہے اور بعد میں انسانوں پر۔ تو انسان کے حیوانی جسم میں جو جذبات اور خواہشات پیدا ہونگے وہ ضروری ہے کہ حیوانی ہوں ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان جذبات اور خواہشات کا فائدہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمارے اندر رکھا ہے ۔ یہ جذبات اور خواہشات انسان کے تمام عمل کی محرک قوتیں ہیں جنہیں انگریزی میں MOTIVE کہا جاتا ہے ۔ ان کے بغیر انسان حرکت میں نہیں آتا ۔ مثال کے طور پر موٹر کار کے انجن میں گرمی پیدا کر کے جو قوتِ حرکت آتی ہے اُس کو قابو میں رکھا جائے اور ڈرائیور اس کا صحیح استعمال کرے تو کتنے فائدے ہیں کہ انسان اور اس کی تمام ضروریات آ جا سکتی ہیں ۔ مگر اگر وہ طاقت بے قابو ہو جائے تو کیا ہلاکت اور ناقابلِ تلافی نقصان پیدا ہوتے ہیں ۔ یہی حال تمام حرکت میں لانے والی قوتوں کا ہوتا ہے چاہے وہ ریلوے انجن میں ہوں یا ہوائی جہازوں میں یا راکٹوں میں جن کے ذریعہ انسان آسمانوں میں جا پہنچا ہے ۔

اسلام نے جہاں اپنے تمدن و تہذیب کی اخلاقی اور روحانی منزلوں کی صاف نشاندہی کی ہے وہاں جو حیوانی خواہشات اور جذبات انسان کو ان منازل کی طرف لے جانے والی ہیں ان کو قابو میں رکھنے اور لگام لگانے کے لئے روزہ کا نسخہ بتایا ہے ۔ حیوان کو دیکھ لیجئے کہ اس کی بنیادی خواہشات تین ہیں ۔ کھانا، پینا اور جنسی خواہش یعنے SEX ۔ وہ انسان جو حیوانی سطح پر چلے گئے ہیں جیسے اہلِ مغرب ان کی زندگی بھی انہی تین خواہشات کو پورا کرنے میں گذرتی ہے ۔ یہ خواہشات بنفسہٖ بُری نہیں کہ تمام انسانی زندگی کا دار و مدار انہی پر ہے ۔ پیٹ کی خاطر دُنیا کے سب دھندے ہیں اور انسانی تگ و دو اور ترقیات بھی بنیادی طور پر اپنے اور اپنی بیوی بچّوں کے پیٹ بھرنے کی جدوجہد سے پیدا ہوئی ہیں ۔ اسی طرح جنسی خواہش یا SEX سے انسانی نسل کی بقا اور سوشل یا مدنی زندگی کے مختلف پہلو پیدا ہوتے ہیں ۔

مگر جس طرح باہر حیوان اپنے اوپر قابو یا لگام کو پسند نہیں کرتا ۔ انسان کے اندر جو حیوان ہے وہ بھی بندش یا روک ٹوک کو پسند نہیں کرتا اور اس کے خلاف مچلتا اور بغاوت کرتا ہے ۔ تو باہر کے حیوان کو سدھانے کے لئے اس کو کھانے پینے سے محروم رکھا جاتا ہے اور ازدواجی زندگی سے بھی جیسا کہ کوئی بھی سرکس کا منیجر آپ کو بتائے گا ۔ اسی طرح روزہ میں تیس دن صبح سے لے کر شام تک انسان کھانے پینے اور جنسی تعلقات سے کنارہ کشی کر کے اپنے اندر کے حیوان کو سیدھا کر کے قابو میں لا سکتا ہے ۔ تبھی انسان اس پر سوار ہو کر اپنی اخلاقی اور رُوحانی

منازل طے کر سکتا ـــــ۔ اسی باطنی قوت رسواری کا ذکر سورۃ النحل پ ۱۴ آیات ... میں ظاہر کہ اُن لوگوں پر ٹھہرائے گئے جو تم سے پہلے تھے"۔ یہ کیوں فرمایا؟ یہ اس لئے کہ جہاں اسلام میں تیس روزے ہیں دوسرے مذاہب میں اتنے زیادہ نہیں۔ عیسائی صاحبان ایسٹر کے موقع پر تین روزے رکھتے ہیں۔ ہندو کبھی کبھار جی چاہے تو رکھ لیتے ہیں مگر انہوں نے اور بھی آسانی پیدا کر لی ہے کہ ایسے موقع پر کوئی خاص قسم کا کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ اسلام کی طرح نہیں کہ مسلسل ۲۹ یا ۳۰ روزے اور ان میں صبح سے لے کر شام تک نہ کچھ کھاؤ نہ پیو۔ تو کیا اسلام میں دوسرے مذاہب سے زیادہ سختی ہے؟ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ایسا نہیں بلکہ ہم نے تمام قوموں کو اتنے ہی روزے اور انہی بندشوں کے ساتھ رکھنے کو کہا تھا مگر انہوں نے اپنے دین کو بدل کر برائے نام روزہ رہنے دیا۔ تم نے ایسا نہیں کرنا۔ سو بحمد اللہ کہ چونکہ قرآن محفوظ ہے اس لئے ہمارے روزے بھی محفوظ رہے۔

بظاہر یہ ایک بے فائدہ سختی معلوم دیتی ہے کہ مہینہ بھر گرمی سردی میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک نہ کچھ کھاؤ نہ پیو۔ اب تو ڈاکٹروں نے روزہ کے طبی فوائد معلوم کر لئے ہیں مگر پھر بھی کتنے مغرب زدہ لوگ ہیں جو ان طبی فوائد کو جانتے ہوئے بھی اس مہینہ بھر کے چلّہ کو قبول کرنے کو تیار ہیں؟ فرمایا کہ ایمان لائے ہو تو ظاہری فوائد سے بڑھ کر باطنی فوائد کی خاطر اس چلّہ کو برداشت کرو۔ ڈاکٹر کوئی دوا بتاتا ہے جو تیز سے تیز ہونے کیوجہ سے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے یا آپریشن بتاتا ہے جو مہلک ثابت ہو سکتا ہے تو ہم مان جاتے ہیں۔ اسی لئے کہ ہم ڈاکٹر کی بات پر ایمان لا کر دوا یا آپریشن کے نتیجہ کو نہ جانتے ہوئے اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ لاکھوں نبیوں، صدیقوں، اولیاء اللہ اور نیک لوگوں کا جو اپنی راستبازی کیوجہ سے مشہور تھے تجربہ ہے کہ روزے انسان کے نفس کی پاکیزگی کے لئے بہترین علاج ہیں مگر ہم اُن کی بات نہیں مانتے۔ یہ قرآن کریم کا احسان ہے کہ وہ کوئی کام کرنے کو نہیں بتاتا جس کا فائدہ ساتھ نہیں بتا دیتا۔ فرمایا کہ روزہ کا مجاہدہ تمہارے فائدہ کے لئے ہے کہ اس کے ذریعہ سے تم تقوٰی حاصل کرنے میں آسانی پاؤ گے۔ تقوٰی کے معنے ہیں نقصان دہ چیزوں سے، تکلیف میں ڈالنے والی باتوں سے اپنے نفس کو بچانا۔ تو کون شخص ہے جو اپنے لئے کوئی تکلیف یا نقصان یا دُکھ کو پسند کرتا ہے؟ پھر یہ کیوں ہے کہ ساری دنیا اندھا دُھند گناہوں اور بدیوں میں مبتلا ہے حالانکہ ان سے بڑھ کر کوئی تکلیف دہ، نقصان دہ اور دکھوں میں ڈالنے والی چیز نہیں؟ یہ انہی حیوانی جذبات اور خواہشات کے بے قابو اور بے لگام ہونے کیوجہ سے ہے جس کا ذکر میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ انسان کا اندرونی حیوان منہ زور جانور ہے جس طرح کہ باہر کے حیوان ہوتے ہیں۔ اس کے بالمقابل روح انسانی ایک لطیف اور نازک شئے ہے۔ انسان کی عقل اور فطرت اس کی مدد کو ہیں مگر اندرونی منہ زور حیوان اپنی منوا لیتا ہے۔ روزہ کے ذریعہ سے جب تک اُسے قابو میں نہ لایا جائے نہ تو عقل اور نہ فطرت کی ہدایت یا دُنیاوی تعلیم اور دنیاوی تہذیب و تمدن کام آتے ہیں جیسا کہ ہم اپنی آنکھوں کے آگے مغرب میں دیکھتے ہیں۔

ـــ سے پاک ہے ... ہے ... اور ... اس لئے کھانے پینے سے کنارہ کشی کرتا ہے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان مضبوط تر ہو جاتا ہے اور جس میں یہ ایمان پیدا ہو گیا اس کے سب عمل ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

جن آیات سے میں نے یہ درس شروع کیا ان کو یوں ختم فرمایا کہ روزے گنتی کے دن ہیں یعنے تم گن گن کر بھی گذارو تب بھی کٹ جاتے ہیں اگر تم ہمت کرو۔ ہاں مریض یا مسافر کو اجازت ہے کہ وہ دُوسرے دنوں میں روزے رکھ لیں۔ فقہاء نے بحثیں کی ہیں کہ کتنا لمبا سفر ہو تو وہ سفر ہے اور کیسی بیماری ہو تو وہ بیماری ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کوئی تخصیص ان باتوں کی نہیں کی اور نہ رسول اللہ صلعم نے کی تو ہمارا بال کی کھال نکالنا کہاں ٹھیک ہے؟ بہرحال جن فاصلوں کو فقیہوں نے مقرر کیا تھا وہ گھوڑے یا اونٹ کے سفر یا پیدل سفر کے لئے تھے۔ آج کل کی تیز رفتار گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کے سفروں میں تو بہرحال وہ بے معنی ہیں۔ پھر ہر شخص کی قوت برداشت علیحدہ، علیحدہ ہوتی ہے اس لئے کوئی ایک حد مقرر کرنا ٹھیک نہیں۔ بہرحال جب اللہ اور اس کے رسول نے کوئی حد مقرر نہیں کی تو پھر کسی اور کا ایسا کرنا صحیح نہیں البتہ مرض یا سفر کی اجازت کا لوگ بے جا فائدہ نہ اُٹھائیں اس کے لئے فرمایا کہ نیکی کے لئے بہرحال کچھ نہ کچھ تکلیف تو اٹھانی پڑتی ہے اور اگر تم قابل برداشت تکلیف اٹھا کر روزہ رکھ لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

بالآخر یہ فرمایا کہ جو روزہ رکھنے میں ناقابل برداشت مشقت پائیں وہ فی روزہ ایک مسکین کو کھانا بطور فدیہ دیں۔ اس زمرہ میں وہ بوڑھے آتے ہیں جو روزہ کو ناقابل برداشت پاتے ہیں یا وہ بیمار جو باقی سال میں بھی طبّی مشورہ کی بناء پر روزہ نہیں رکھ سکتے۔ حاملہ عورت یا دودھ پلانے والی عورت بھی اس زمرہ میں آتی ہے۔ اسی طرح ایّام ماہواری (حیض) میں روزہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ اس کے بدلے میں بعد میں روزہ رکھ لیں ❊❊

★ اظہار تعزیت

ماسٹر اصغر علی صاحب کی وفات پر ... سے عبدالرحیم جگو صاحب لکھتے ہیں:

تھوڑے عرصہ کے دوران یکے بعد دیگرے جماعت کی معروف اور گرانقدر ہستیوں کا ہم سے جدا ہو کر داغِ مفارقت دے جانا ہمارے لئے دُکھ اور تکلیف کا موجب ہوا ہے۔ چوہدری فضل حق صاحب اور محمد اعظم علوی صاحب نے ایک لمبے عرصہ تک دینی جدوجہد میں جو انجمن کی خدمت کی ہے یہ ان کا بے مثل کارنامہ ہے۔ جناب ناصر احمد صاحب کی اہلیہ صاحبہ کا بھی ہمیں اتنا ہی صدمہ ہے جس قدر دُوسرے مرحوم بھائیوں کا ہے۔ مذہبی۔ اخلاقی اور خاندانی لحاظ سے نیک اور باعمل خاتون تھیں۔ ماسٹر اصغر علی صاحب کی وفات کی تازہ اطلاع نے میرے غم میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جوار رحمت میں رکھ کر اپنا قرب عطا فرمائے۔ آمین۔

اصغر بھائی آپ بھی داغِ مفارقت دے گئے

انا للہ و انا الیہ راجعون

جب سے ۱۹۸۳ء کا سورج طلوع ہوا ہے ہم اپنے چار نہایت قیمتی بھائیوں جماعت پشاور کے سیکرٹری اور روحِ رواں محمد الرحمٰن جنہوں نے احمدیت کی خاطر اپنے گھر بار کو چھوڑ دیا دارالسلام کی بستی کی خشتِ اول رکھنے والے اور معمار جناب چوہدری فضل حق مرحوم، احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے چلتے پھرتے دفتر اور شاعر محمد اعظم علوی جو ہر سالانہ جلسہ پر اپنی نئی نظم سنا کر حاضرین کے جذبات میں تلاطم برپا کر دیتے تھے۔ ماسٹر محمد اصغر علی خوش اخلاقی اور خوش مزاجی کا مجسمہ جن کے ہونٹوں پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی اور یہ کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ وہ اپنے سینے میں کیا کیا درد اور دکھ سمیٹے بیٹھے ہیں اور اپنی دو بڑی قیمتی بہنوں سلمیٰ ناصر احمد اور بیگم انیس الرحمٰن کو انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر اور ان کے مدفنوں پر مٹی کی دو چار مٹھیاں اور پھولوں کی چند پتیاں نچھاور کر کے الوداع کہہ چکے ہیں۔

ہمارے دل سوگوار ہیں۔ ہم ان کے لئے روئیں یا نہ روئیں اپنے لئے ضرور روتے ہیں کیونکہ اس غریب جماعت سے جو بھی ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتا ہے اس کی جگہ لینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ہمیں جانے والے کے بعد احساسِ زیاں بڑی شدت سے ہوتا ہے۔ عملی طور پر اس کی تلافی کے لئے ہم اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ پر ہی توکل کر سکتے ہیں کہ وہی ہماری مدد فرمائے اور ہر رخصت ہونے والے کی جگہ لینے کے لئے اپنی جناب سے اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔

مادہ پرستوں کے نزدیک حیات و ممات تو چند عناصر میں ظہورِ ترتیب اور ان کا پریشان ہو جانا ہے لیکن جن خوش نصیب انسانوں کو اللہ تعالےٰ نے ان کے مقصدِ حیات کا مطلب، مفہوم اور معرفت سمجھا دی ہے وہ جانتے ہیں کہ ما الحیوٰۃ الدنیآ الامتاع الغرور۔ اور جتنا جلدی اس فریبِ نظر کا پردہ چاک کر کے حقیقت کی طرف واپس آ جائیں اتنا ہی اُن کے لئے فائدہ مند اور نفع بخش ہوگا۔ وہ اس دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھ کر اس میں اعمالِ صالحہ کے بیج بوتے ہیں تاکہ یہ بڑھ کر پھل پھول دینے والے تنومند پودے بن جائیں جن کے پھلوں کی لذت سے وہ آنے والی ہمیشہ کی زندگی میں بہرہ اندوز ہوتے رہیں۔ کلما رزقوا منہا من ثمرۃ رزقا قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل و اتوا بہ متشابہا۔ یہی نہیں انہیں اس زندگی میں بھی یہ پھل اللہ تعالےٰ کے قرب کی صورت میں ملتا رہتا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی پھل لذیذ تر نہیں۔ ہمیں یہ پورا یقین ہے کہ ہمارے ان بزرگوں اور بھائیوں اور بہنوں کو بھی یہ میٹھے میٹھے پھل ملتے رہیں گے جو ہم سے پہلے اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی کمزوریوں کو اپنی چادرِ رحمت میں چھپا لے گا کیونکہ امام وقت کے دامن کے ساتھ وابستہ ہونے کا عہد کر کے ان میں سے کسی نے گھر بار کو چھوڑا اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے علیحدہ ہو گیا۔ کسی نے اپنے گھر کو اپنی آنکھوں کے سامنے جلتا ہوا دیکھا اور کسی نے اپنے اثاثۂ زندگی کو اپنی نظروں کے سامنے خاکستر ہوتے دیکھا اور کسی کے خونِ ناحق سے حق کی خاطر زمین سُرخ ہو گئی۔ زندہ اور مردہ سبھی کو اپنے جذبات کی قربانی دینا پڑی۔ کیا یہ سب کچھ رائیگاں جائیگا؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

وہ عزیز الحکیم ہے۔ حضرت مسیحِ موعود کے ساتھ آخری دم تک عہد وفا نبھانے کے صلہ میں ہمارے ان بچھڑے ہوئے بزرگوں اور بھائیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجرِ عظیم ہے اور اب جو لوگ نئے سرے سے اس عہد کو تازہ کر رہے ہیں اور اپنے گرد و پیش منڈلاتے ہوئے خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے امام وقت سے دوبارہ عقدِ اخوت باندھ رہے ہیں اللہ تعالےٰ کی نظر ان کے دلوں پر ہے۔ ان کے دل بدلیں گے تو ان کے صبح و شام بدل جائیں گے۔ ان کی مایوسیاں انشاء اللہ اُمیدوں میں بدل جائیں گی۔ وان شکرتم لازیدنکم وان کفرتم ان عذابی لشدید حضرت مسیح موعود سے کئے ہوئے اس عہد کو جو بھی ایمانداری سے پورا کرے گا اُسے بے انتہا ملے گا اور جو اس سے حیلے بہانے کر کے پھر جائیگا اُس کی جھولی میں سوائے انگاروں کے کچھ نہیں پڑیگا۔

ذکر اصغر بھائی کا تھا، تمہید طویل ہو گئی ہے کیونکہ ان کی زندگی کے کچھ حالات میرے سامنے آ گئے ہیں جنہیں مختصر طور پر بیان کروں گا۔

محمد اصغر علی جنہیں جماعت کی اکثریت ماسٹر صاحب کے نام سے جانتی ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک کھاتے پیتے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ اپنے نام کے ساتھ "سیال" لکھتے تھے۔ اسی قوم سے آپکے خاندان کا تعلق تھا۔ آپکے والد مرحوم تحصیل دار اور صاحب جائداد تھے۔ ان سے ملنے کا شرف ہمیں حاصل نہیں ہوا لیکن اصغر صاحب کی والدہ کو ہم نے دیکھا ہے۔ وہ بہت نیک اور مخیر خاتون تھیں۔ اُن کی اولاد میں سے صرف اصغر صاحب ہی زندہ بچے تھے اس لئے بڑے ناز و نعم میں پلے۔ آپنے ۱۹۳۳ء میں اپنے شہر کے ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ بہت ذہین تھے لیکن ابتدا ہی سے آپ کی صحت آپ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی اس لئے اپنی توقع کے مطابق کوئی پوزیشن نہ لے سکے۔

صحت کی خرابی کے باوجود آپ کو اپنی تعلیم جاری رکھنے کے بے حد شوق تھا۔ اس لئے ۱۹۳۳ء میں اسلامیہ کالج پشاور میں نئی جاری شدہ زراعتی کلاس کے سالِ اوّل میں داخل ہو گئے۔ میں بھی میٹرک پاس کرنے کے بعد اسی سال اسلامیہ کالج پشاور میں فرسٹ ایر ایف۔ ایس۔ سی (پری میڈیکل) میں داخل ہوا تھا۔ ہمارے کچھ پیریڈ مشترک ہوتے تھے اس لئے اصغر صاحب سے میری شناسائی ہو گئی۔ ان کے پاس اس زمانے کی اسلامیہ کالج کی ایک ڈائری تھی جس میں وہ مجھے میرا اور اپنا نام

اور دل ممبر دکھایا کرتے تھے اور اس طرح پرانی یادیں تازہ کرتے۔ بدقسمتی سے آپ کی صحت نے آپ کے شوق کا ساتھ نہ دیا جس کی وجہ سے غالباً سال دوم میں آپ کو اپنی تعلیم مجبوراً ترک کرنا پڑی پھیپھڑوں کی تکلیف آپ کو شملہ کے پہاڑوں سے ڈاڈر سینی ٹوریم تک لے آئی

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب امیر جماعت ان دنوں (۱۹۳۹ء میں) اس سینی ٹوریم کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ وہ ماہر امراض سینہ ہیں۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۷۴ء تک ہزاروں مریض اُن کے دستِ شفا بخش سے صحت یاب ہو چکے ہیں۔ آپ اس مرض کے مسیحا کہلاتے تھے۔ دوا سے زیادہ آپ کی دُعا اور ہمدردی مریضوں میں زندگی کی نئی رُوح پھونک دیتی تھی۔ سینکڑوں مایوس مریض اس سینی ٹوریم سے نئی زندگی کی اُمید لے کر واپس گئے مجھے ٹھیک یاد نہیں لیکن غالباً دو خواتین نے جو صحت یاب ہو کر واپس گھروں کو لوٹیں سینی ٹوریم کی زندگی کے متعلق دو ناول لکھے ہیں جن کے نام ہیں۔

"نگری نگری پھرا مسافر" اور "جلتے بجھتے دیپ"

اپنے ان ناولوں میں انہوں نے حضرت امیر کے مسیحانہ کارناموں کا ذکر کیا ہے۔

اصغر بھائی بھی انہی مایوس مریضوں میں سے ایک تھے لیکن حضرت امیر کی توجہ۔ ہمدردی اور محنت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا بخشی۔

جس طرح ایک قیدی کو جیل کے در و دیوار سے بھی محبت ہو جاتی ہے اسی طرح اصغر علی کو اپنے اس شفاخانے کے سنگریزوں۔ چٹانوں۔ پہاڑوں اور درختوں سے انس ہو گیا۔ انہوں نے اسے ہی اپنا گھر بنا لیا۔ آپ کی والدہ محترمہ اپنے اکلوتے بیٹے کی صحت اور زندگی کی خاطر ہر جگہ آپ کے ساتھ رہیں۔ ڈاڈر سینی ٹوریم جہاں انہیں نئی زندگی ملی ان کا گھر بن گیا۔ اسی دوران میں سینی ٹوریم میں حضرت امیر کی کوششوں سے محکمہ تعلیم صوبہ سرحد نے یک پرائمری سکول کھول دیا تاکہ سینی ٹوریم کے شاف۔ ملازمین۔ مزدوروں اور اردگرد کے چھوٹے چھوٹے دیہات کے بچے تعلیم حاصل کر سکیں۔ یہ سکول بعد میں لوئر مڈل پھر مڈل تک ہو گیا اور اب ہائی سکول ہو گیا ہے۔ اسی سکول میں محمد اصغر علی مرحوم اور بھائی محمد الرحمٰن مرحوم حضرت امیر ہی کی کوششوں سے ٹیچر ہو گئے۔ اور یُوں "محمد اصغر علی" "ماسٹر صاحب" بن گئے اور مرتے دم تک یہ سابقہ آپ کے نام کے ساتھ قائم رہا۔ ان دونوں اساتذہ کی محنت کی بدولت پرائمری سکول چھٹی جماعت تک ترقی کر گیا۔ محمد الرحمٰن وہاں سے تبدیل ہو کر ایک مڈل سکول میں چلے گئے اور ماسٹر صاحب نے وہاں ہی ایک چھوٹے پیمانے پر میڈیکل سٹور کھول لیا۔ ان کے یہ شب و روز بڑے اطمینان سے گذر رہے تھے کہ آپ کے ایک پھیپھڑے کے ایک حصہ میں کوئی ایسی تکلیف پیدا ہو گئی جس کا علاج صرف ایک نہایت نازک آپریشن کے ذریعے ہی ہو سکتا تھا اور جس کے لئے ڈاڈر سینی ٹوریم میں ضروری سہولتیں میسر نہ تھیں۔ حضرت امیر نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ انگلستان چلے جائیں۔ چنانچہ آپ انگلستان چلے گئے جہاں آپ کا آپریشن ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپکو صحتیاب کیا۔ شکرانے کے طور پر آپ نے حضرت ڈاکٹر محمد عبداللہ مرحوم کے ماتحت دو سال تک ووکنگ مسلم مشن میں کام کیا۔ بڑی محنت سے وہاں کے حساب کتاب اور ریکارڈ میں باقاعدگی پیدا کی۔

جسمانی معالج کی روحانی خوبیاں

انگلستان جانے سے پہلے ہی احمدیت آپ کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شام کو حضرت امیر اپنے بنگلے پر قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے۔ شام اور عشاء کی نمازیں بھی وہیں ادا کی جاتی تھیں۔ درس میں احمدی اور غیر احمدی ملازمین بھی شامل ہوتے تھے۔ جسمانی معالج کی روحانی خوبیاں آخر کار ماسٹر صاحب کے دل میں گھر کر گئیں اور انہوں نے احمدیت قبول کر لی۔

۱۹۵۵ء یا ۱۹۵۶ء میں انگلستان سے واپسی پر آپ کی شادی ہو گئی اور آپ ایبٹ آباد میں ہی مقیم ہو گئے۔ لاہور جانے سے قبل ایبٹ آباد میں آپ کا دوائیوں کا کاروبار تھا۔ ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کے خلاف "تحفظ ختم نبوت" کی تحریک میں میرے بھائی احمد صادق اور ماسٹر اصغر علی صاحب کی دکانیں جلا دی گئیں۔ ماسٹر صاحب نے یہاں اپنا مکان خرید لیا تھا۔ آپ اٹھارہ انیس سال تک ایبٹ آباد میں مقیم رہے۔ اسی دوران میں آپ کی والدہ بھی وفات پا گئیں۔ ۱۹۷۴ء میں آپ لاہور ہجرت کر گئے اور وفات تک دارالسلام کالونی میں مقیم رہے۔ وہاں آپ نے انجمن کی ملازمت اختیار کر لی۔ آپ حضرت امیر کے دست راست تھے۔ ہر وقت دفتر میں موجود رہتے۔ اپنی ذمہ داریوں کو بڑی فرض شناسی سے پورا کرتے رہے۔

آپ جہاں بھی رہے اپنی خوش خلقی۔ خوش مزاجی اور خوش دلی کی وجہ سے اپنے اردگرد دوستوں کا ایک حلقہ بنا لیا۔ کبھی کسی نے کوئی سخت بات بھی کہہ دی تو ہنس کر ٹال دیا۔ ضرورت مند کی ہر قسم کی مدد کو ہر وقت تیار رہتے کسی کا کوئی کام ہو فوراً ساتھ چل پڑتے۔ ان کے ہونٹوں پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی۔ نہ کسی سے گلہ نہ کوئی شکوہ۔ کبھی کسی پہ یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ان کے دل میں کیا کیا تمنائیں اور آرزوئیں تلملا رہی ہیں اور کیا کیا طوفان اُٹھ رہے ہیں۔ دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

ہر معمولی سے معمولی بات کی تحریری یادداشت رکھنا آپ کی عادت ثانیہ بن گئی تھی ہر وقت کچھ نہ کچھ لکھنے میں مصروف رہتے لیکن جاتے وقت اپنے بچوں اور بیوی سے یہ بھی نہ کہہ سکے کہ میرے بعد تم نے کیا کرنا ہے۔ ۱۷ اپریل بروز اتوار رات ۹ بجے دل کی تکلیف شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کے ہاتھوں میں رات ۱۰ بجے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے اپنے پیچھے اپنی بیگم اور پانچ لڑکے سوگوار چھوڑے ہیں۔ آپ کی بیگم بڑی نیک۔ صابرہ اور شاکر خاتون ہیں اور آپ کے بچے انوار احمد۔ افتخار احمد۔ اعجاز احمد۔ اقبال احمد اور ابرار احمد بھی ہر لحاظ سے بہت اچھے بچے ہیں۔ انوار۔ افتخار اور اقبال خدا کے فضل سے برسر روزگار ہیں۔ اعجاز نے ابھی ابھی بی اے کا امتحان پاس کیا ہے۔ سب سے چھوٹا ابرار ماشاءاللہ بہت ذہین بچہ ہے۔ اور گورنمنٹ کالج لاہور فرسٹ ایف ایس سی (پری انجینئرنگ) میں پڑھ رہا ہے۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ بھائی اصغر کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے بچوں کو دین و دُنیا میں بلند مقامات سے نوازے۔ آمین۔

آپ کی وفات کے دوسرے تیسرے دن میں ماسٹر صاحب کے دفتر میں گیا کرسی خالی تھی اور اس کی دونوں طرف دو تھیلے لٹکے ہوئے تھے جن میں وہ اپنے ضروری کاغذات وغیرہ اور دوسرا چھوٹا موٹا سامان رکھا کرتے تھے۔ ان کی میز پر کاغذات بڑے قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ماسٹر صاحب ہنستے مسکراتے آکر اپنی کرسی پہ بیٹھ جائیں گے اور کچھ لکھنے میں مصروف ہو جائیں گے۔ میں دفتر سے فوراً نکل آیا کہ اب تو ماسٹر صاحب کبھی نہیں آئیں گے۔ ؎

کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے۔

* * * *

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ، لندن

"لاتقنطوا من رحمۃ اللہ"

عزیز بہنو اور پیاری بیٹیو ! السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ بھی اللہ کا فضل و احسان ہے اور میری خوش قسمتی ہے کہ میں پھر آپ سب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ الحمدللہ ! میں اگر آپ سب کی خدمت میں اور مرکز کے کام کی تعریف کروں تو یہ سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہوگی۔ آپ کے ساتھ اللہ کی مدد۔ اور اللہ کے رسولؐ اور ایک مجدد کی دعائیں ہیں۔ اس مرکز میں آکر اور آپ سب سے مل کر جو خوشی اور دلی راحت و سکون ملتا ہے وہ کیا بیان ہو۔ سو میں آپ کو یہاں سے دور سات سمندر پار مغربی دنیا کی دو چار باتیں سنانا چاہتی ہوں۔ یہ دنیا ترقی اور سائنس کی ایجادوں اور علم و ہنر کی راہوں پر بہت آگے نکل گئی ہے۔ لیکن یہ سب دنیاوی اور مادی ترقی کا زور ہے۔

مغرب کی روحانی اور مذہبی دنیا دن بدن سونی ہوتی جا رہی ہے۔ وہاں کا عام انسان اللہ کے وجود اور اس کے واسطے اور تعلق سے ٹوٹ کر رہ گیا ہے۔ دنیا کے عالم دین کے جاہل بن کر رہ گئے ہیں۔ اور وہاں رہ کر ہی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جو احمدیت کا چراغ چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ہاتھوں میں دے گئے ہیں، اور اللہ کے فضل سے اس کو ہاتھ میں لے کر جو کام ہماری یہ لاہور کی جماعت کر رہی ہے وہ اپنی سچائی کی دلیل آپ ہے۔ اس جماعت کی ابتدائی تاریخ ہی یہ ہے کہ جب یہاں حضرت مولانا محمد علی رح گنتی کے چند ساتھیوں کے ساتھ لاہور میں اس چھوٹی سی جماعت کی بنیاد رکھنے اور اسلام اور قرآن کا نام و کام زندہ رکھنے کے لئے کوشاں تھے تو ایک صاحب دل و باہمت ساتھی حضرت خواجہ کمال الدین صاحب رح اسلام کا پیغام لئے انگلینڈ جا پہنچے اور انگلینڈ میں دنیا کا سب سے پہلا اسلامی مشن انہوں نے ووکنگ میں قائم کیا اور جس طرح وہ مشن کامیاب اور مشہور و معروف ہوا وہ انجمن کی تاریخ میں ایک ساٹھ سالہ سنہرا باب ہے، لیکن جہاں غیروں میں اس مشن نے اسلام کا نام چمکایا وہاں اپنوں کا بھلا ہو کہ تعصب اور حسد نے خود مسلمانوں کے ہاتھوں اس مشن کا خاتمہ کر دیا۔ اور ساٹھ سال کے بعد ہماری جماعت کو انگلینڈ اور مغرب میں بے سروسامانی اور حیرانی و پریشانی کا سامنا کرنا پڑا اور ۱۹۶۸ء سے لے کر ۱۹۸۲ء تک چودہ سال کی یہ لمبی داستان میری اپنی آنکھوں دیکھی اور سر پہ گذری آپ بیتی ہے۔ میں اس وقت اس کو سنا کر آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی بلکہ یہ خوشخبری لے کر آپ کی خدمت میں آئی ہوں کہ آخر یہ تاریکی کا دور گذر گیا اب پھر اللہ کے فضل سے اور ہمارے بزرگوں اور آپ سب کی دعاؤں سے اُمید کی کرن چمکی ہے اور ہمیں دوبارہ خدا نے ایک گھر انجمن کے مشن کے لئے عطا کر دیا ہے۔ الحمدللہ۔ ثم الحمدللہ،

لندن جیسے بین الاقوامی اہم اور عظیم الشان شہر میں اس کے ایک اچھے بارونق علاقے ویمبلے نامی میں اب انجمن کے نام پر ایک مکان خرید لیا گیا ہے اور اس میں اللہ کے فضل سے ہمارے مبلغ اور ہمارا سامان ٹھکانے سے آلگا ہے۔ اس گھر میں لندن مشن کی افتتاح کی کیفیت تو آپ سب نے میری تحریری رپورٹ میں ملاحظہ کی ہوگی۔ اس اجتماع کے دوران اور اس کے بعد بھی آجکل اکثر جس اعتراض کا ہم پر زور میں نے دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ عام مسلمان اور افسوس یہ ہے کہ خود ہمارے بعض نوجوان یہ کہتے ہیں کہ کام تو کرو مگر احمدیت کا نام چھوڑ دو۔ گویا دل میں تو یہ مانتے ہیں کہ آپ لوگ اچھا اور مفید کام اسلام اور اشاعت قرآن کے لئے کر رہے ہیں لیکن جس رہبر کی رہنمائی اور جس خدا رسیدہ بزرگ کی لگائی ہوئی لگن سے یہ کام ہو رہا ہے اس کا ذکر اور نام نہ لو۔ یہاں دنیا کے معمولی کاموں کے لئے بھی کوئی ڈیڑھ اینٹ کی کمیٹی یا ایسوسی ایشن بنتی ہے تو اس کو سب سے پہلے کوئی نام دیا جاتا ہے۔ گمنام رہ کر تو دنیا کی تاریخ میں نہ کوئی سلطنت نہ کوئی فوج نہ کوئی جماعت نہ کوئی ادارہ آج تک بنا ہے نہ بن سکتا ہے۔ شروع میں حضرت مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو کوئی نام نہ دیا تو لوگوں نے ان کو مرزائی۔ قادیانی جیسے ناموں سے بلانا شروع کر دیا۔ اس پر آپ نے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے جمالی نام احمد پر اپنی جماعت کے لئے احمدی کا پیارا نام تجویز فرمایا۔ حضرت مرزا صاحب کا اپنا نام صرف احمد نہ تھا بلکہ غلام احمد تھا۔ یعنی احمد کا غلام بےدام۔ آپ کا اپنا مشہور تعارفی شعر ہے کہ ؎

بڑھ کر گمان و وہم سے احمد کا نام ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے۔

سو احمد کے غلام نے جب اس عظیم الشان آقا و مولا کے نام کی مناسبت سے ہمیں اس کی غلامی کا یہ تمغہ عطا فرمایا تو یہ نام تو باعث صد عز و فخر ہے نہ کہ باعث شرمساری۔

جب ایک صاحب بہت اصرار سے احمدیت کو مٹانے پر زور دے رہے تھے تو ان کو کہا گیا کہ چلئے اگر ہم احمدی نام کو اڑا دیں تو آپ گارنٹی دیتے ہیں کہ اسلام کے بقایا سب بہتر فرقے بھی اپنے اپنے نام جیسے شافعی حنفی۔ مالکی۔ حنبلی وغیرہ چھوڑ دیں گے اور سب صرف مسلمان کہلائیں گے تو کہنے لگے کہ یہ تو ممکن نہیں بس آپ لوگ اپنے کو اہل سنت والجماعت کہلواؤ۔ شیعہ مت بنو۔

سبحان اللہ اہلِ سنت والجماعت بھی تو پہچان کو ایک نام ہی ہے۔ ورنہ مذہب اسلام کا نام تو صرف اسلام ہے۔ ویسے عقیدہ تو ہمارا بھی اہل سنت والجماعت کا ہے۔ صرف اپنے کام اور خدمت اسلام کا عہد کر کے ہمیں احمدیت کا خطاب ملا ہے۔

ایک اور صاحب نے اعتراض کیا کہ آپ لوگ احمدی کہلا کر اور حضرت مرزا صاحب کا ذکر کر کے شخصیت پرستی کرتے ہیں۔ میرا جواب یہ تھا اور ہے کہ ہم شخصیت پرستی نہیں

حق پرستی کرتے ہیں۔ ویسے افسوس ہے کہ شخصیت پرستی اسلام میں آگئی ہے۔ یہ سب پیروں کے مرید شخصیت پرستی نہیں کرتے تو کیا کرتے ہیں۔ کہ ان کے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں۔ قبروں پر سلام کرتے اور منتیں مرادیں مانگتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ میں کسی اور کیلئے جواب دہ نہیں لیکن اپنی لاہور کی جماعت کے لئے کہتی ہوں کہ ہم میں سے کتنے ہیں جو حضرت مرزا صاحب کے مزار پر کبھی گئے ہوں یا وہاں کی خاک یا نشانیاں اور تبرک لے کر رکھتے یا دکھاتے ہوں۔ اس مردِ خدا نے اسلام کو از سرِ نو تازہ کیا خدمتِ اسلام اور اشاعتِ قرآن کے لئے عہد بندھوایا اور حق کا کلمہ پڑھا اور ہم اس کے پیغامِ حق کو لیکر دور دراز ملکوں میں نکل گئے۔ قادیان بہت پیچھے رہ گیا۔ آپ کا خاکی نشان ہم سے چھن گیا لیکن آپ کا کام۔ آپ کا پیغام۔ آپ کی روح کی تڑپ سب اس احمدیت کے نام میں زندہ ہے۔ اور یہ خدا کے فضل سے اس لاہور کی چھوٹی سی جماعت کے پاس اس کی امانت ہے۔ ہم یہ محسن کشی کیسے کر سکتے ہیں کہ جس اسلام کے بیٹے نے یہ اسلام کو اجاگر کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور تحریر و تقریر سے اس نور کو دنیا میں پھیلانے کا جذبہ ہم میں پیدا کیا۔ دنیا اور مذہبوں کے اُلجھے ہوئے راستوں میں سے اس سیدھے راستے کی نشان دہی ہمارے لئے کی ہم اس کا نام بھی لینے کے روادار نہ ہوں۔ مگر اس کا نام تو نہیں پھیلاتے ہم تو اس کے حکم کی تعمیل میں سرگرداں ہیں۔ جب ہمارے احمدی مبلغ مغرب کے بھٹکے ہوئے لوگوں کو کلمۂ توحید پڑھا کر اسلام کے پُرامن دامن میں لاتے ہیں تو وہ صرف خدا کی توحید اور محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت کا کلمہ اسے پڑھاتے ہیں۔ اور ارکانِ اسلام کی تلقین کرتے ہیں۔ اسوقت حضرت مرزا صاحب کی روح تو ضرور خوش ہوتی ہوگی لیکن ہم ان کے نام کا کلمہ تو نہیں پڑھاتے۔ ہم تو خدا کا نام پھیلانے اور مخلوق کو اپنے خالق سے ملانے کے لئے سرگرداں ملک بہ ملک پھرتے ہیں ہمارے دل کی تسلی اور جمعیتِ خاطر اسی سرگردانی اور پریشانی میں ہے تو میری اس ساری بات کا مدعا اور حاصل یہ ہے کہ اگرچہ خدا کے فضل سے مغرب کے دل یعنی لندن میں ہمیں ایک ٹھکانہ مل گیا ہے اور وہاں اس جماعت کے مشن کی دوبارہ ابتداء ہوگئی ہے لیکن اس ایک منزل کے طے ہو جانے سے نہ تو آپ کا راستہ طے ہوگیا ہے اور نہ آپ خدا کے سامنے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ اینٹ، پتھر، عالیشان عمارتیں یا محل بے روح چیزیں ہیں۔ کچی مٹی اور کھجور کی ٹہنیوں سے بنی ہوئی چھت والی مسجدِ نبوی میں سے خدا کا نور چمکا اور دنیا کے کامل ترین انسان اور دنیا کے آخری عظیم نبی کا ظہور ہوا۔ یہ تھے ہمارے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ صلعم۔ حضورؐ اور حضورؐ کے صحابہ رضؓ نے کچے گارے کے حجروں اور جھونپڑیوں میں رہ کر خدا کے آخری مکمل دین کو لوگوں تک پہنچایا اور پھر رفتہ رفتہ دینِ اسلام کا عروج ہوا اور خدا کا نام دنیا کے دور دراز حصوں میں پہنچا۔ اسلام کی تاریخ دیکھ لو بادشاہوں سے نہیں بلکہ درویشوں۔ مسافروں اور فقیروں کے حصے میں یہ نعمت مقدر ہوئی ہے کہ وہ اشاعتِ اسلام کا کام کریں۔ اس زمانہ کو دیکھئے۔ قادیان کی کچی تنگ گلیوں اور احمدیہ بلڈنگس کی چھوٹی سی بے حیثیت بستی سے اشاعتِ اسلام کا نعرۂ حق دوبارہ بلند ہوا۔ یہ برکت گارے مٹی یا اینٹ پتھر۔ سنگِ مرمر یا سنگِ موسیٰ کی نہیں بلکہ ایک خدا رسیدہ بزرگ کے جگانے اور کام کرنے کی تھی۔ تو آپ کا کام ایک لندن مشن کا مکان بن جانے سے ختم نہیں بلکہ شروع ہوا ہے۔ عام لوگوں میں حسد و تعصب کیوجہ سے اور خود آپ کی جماعت میں ہمارے بعض نوجوانوں کی لاعلمی سے ہمارے مددگار کم اور بدخواہ زیادہ ہیں۔ خدا کے لئے ہماری جماعت کے ماں باپ اپنی اولاد کو اسلام کے نام، اس کی تعلیم اور احمدیت کے کام سے اتنی روشناسی تو کرا دیں کہ وہ جب غیر ممالک میں جائیں تو وہاں اپنے کو احمدی بتانے میں عار اور شرم محسوس نہ کریں بلکہ اس نام کی اہمیت کو سمجھیں اور جان لیں کہ ایک احمدی نہ صرف مسلمان کلمہ گو ہے بلکہ خادمِ اسلام ہے۔ جب باہر کے لوگ اعتراض کرتے ہیں تو مجھے اتنا دکھ نہیں ہوتا لیکن جب ہمارے اپنے نوجوان احمدیت کو فالتو اور پرانی بات کہہ کر مذاق اڑاتے ہیں تو میرا دل تڑپ اُٹھتا ہے کہ خدایا! جو دیوار اندر سے کھوکھلی ہو رہی ہے وہ باہر کے طوفانوں کا مقابلہ کیسے کرے گی۔ ہر ایک احمدی ماں باپ خود باہر جاکر تبلیغ اسلام تو نہیں کر سکتے لیکن مرد ہو یا عورت اپنے گھر میں رہ کر اپنی اولاد کو تبلیغ اسلام اور حق پرستی کے قابل بنا سکتے ہیں۔ یہ کام بہت مشکل اور کٹھن نظر آتا ہے کیونکہ کسی دوسرے انسان یہاں تک کہ اپنی اولاد پر بھی آناً فاناً اثر ہوتا نظر نہیں آتا۔ اور بات کہی ہوئی بے کار جاتی نظر آتی ہے۔ لیکن آپ اپنی ذات سے نمونہ بن کر دکھائیں تو آہستہ آہستہ یہ رنگ بچوں پر بھی چڑھ جائے گا۔ بس خدا کی رحمت اور نصرت پر بھروسہ کرکے اس نیک کام میں لگے رہیں۔ اللہ کی رحمت سے مایوس یا بددل ہونا ایک مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ چنانچہ اس صدی کے ابتدائی دور کی مشہور قومی شاعرہ محترمہ ز۔ خ۔ ش صاحبہ کے ان پرجوش اور نصیحت آمیز مصرعوں پر میں اپنی یہ عرض ختم کرتی ہوں کہ ؎

تکیہ کر اے قوم حق پر تکیہ کر
شاد رکھ اے قوم دل کو شاد رکھ
بھولنا مت آیۂ لا تقنطوا
خانۂ دیں سعی سے آباد رکھ
"انّ وعد اللہ حق یاد رکھ"

یہ خدا کا وعدہ ہے کہ حق پھیل کر رہے گا۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو یہ توفیق دے کہ ہم اس کے پھیلانے والے بنیں۔ آمین۔ ثم آمین!

———— * * * * ————

قارئینِ کرام مطلع رہیں

کہ مجددّ صد چہاردہم نمبر کی تیاری کے سلسلہ میں ۱۱ مئی ۸۳ء کے پرچہ کا ناغہ ہوگا اور ۱۸ مئی ۱۹۸۳ء کا شمارہ ۲۴ صفحات پر مشتمل شائع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

(ادارہ)

اِرشادِ باری تعالےٰ،

* "اور جو تمہیں السّلام علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تُو مومن نہیں"

سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے نام تعزیتی مکتوب

مؤدبانہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پرسوں محبّی اخویم کرنل عبدالطیف صاحب سے محترم ماسٹر اصغر علی کی بے وقت رحلت کی خبر سن کر دل کو بہت صدمہ ہوا۔ میں ۲۰ اپریل سے ۲۶ اپریل تک راولپنڈی سے باہر رہا۔ اس سانحۂ عظیم پر انا للہ وانا الیہ راجعون کے سوائے زبان سے اور کیا کلمہ نکال سکتے ہیں۔

مرحوم پیکر صدق ووفا۔ اخلاص اور رضا بالقضاء کا نمونہ تھا۔ متمول گھر کا فرد تحصیلدار کا فرزند۔ اسوقت کے حالات کیمطابق ڈیرہ اسماعیل خاں میں ایف اے پاس کرنے والا یہ نوجوان جو شفقت پدری سے محروم ہوچکا تھا اپنی والدہ ماجدہ کی دعاؤں اور تربیت سے نامساعد حالات سے نبرد آزما ہوتا رہا۔ عالم شباب میں ایک لاعلاج مرض میں مبتلا ہوگیا مگر صبر استقامت سے اپنے خالق کے بھروسے پر علاج معالجہ کراتا رہا۔ فضل ربی سے مایوس اور نا اُمید نہیں ہوا۔ وراثت علاج معالجہ کی نذر ہوگئی۔ ولایت تک جانا پڑا۔ مگر وہاں بھی اپنے مالک کو یاد رکھا اور صحت یاب ہونے پر دین کی خدمت کی منت مانی اور اس عہد کو تین سال تک نبھایا۔ پاکستان آکر بھی اپنی عمر عزیز دین کی خدمت سے غافل نہیں ہوا۔ زندگی کے آخری سال۔ کسے معلوم تھا کہ یہ شمع فروزاں گل ہونے والی ہے۔ تو انہوں نے کوئی لمحہ کوئی ساعت ضائع نہیں ہونے دی۔ صبح شام۔ دن رات انجمن کے امور سرانجام دیتے رہے۔ ؎

لو جگر نے جان دے دی آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

دو تین سال پہلے وہ مالی مشکلات سے پریشان تھے۔ ایبٹ آباد میں ان کی ملکیت ایک قطعہ اراضی بچا ہوا تھا۔ اس کو فروخت کرنے کا قصد کیا۔ اس کے لئے انہیں ایبٹ آباد جانا پڑتا تھا۔ انجمن کے امور کی سرانجام دہی انہیں اس قدر عزیز تھی کہ وہ یہ کام جسے وہ دنیاوی اور ذاتی امر خیال کرتے تھے سرانجام نہ دے سکے اور یہی کہتے کہ میں نے تو دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عہد کیا ہوا ہے۔ اللہ اللہ کیا لوگ تھے۔ جماعت (مسیح موعودؑ) میں شامل تو دیر سے ہوئے مگر سب پر سبقت لے گئے ان کی وفات قومی نقصان ہے اور ناقابلِ تلافی نقصان۔ اللہ کریم وتبارک انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ اور سوگوار خاندان کو اس صدمہ کے برداشت کرنے کی توفیق اور صبر جمیل عطا کرے۔

غمزدہ: آپ کا ادنےٰ خادم
فخر الدین احمد

حدیثِ نبویؐ:۔

* نیکی کی دعوت دینے والا نیکی کرنے والے کی حیثیت رکھتا ہے۔

بحضور حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مجھے آج شام ایبٹ آباد سے بزرگوارم ماسٹر اصغر علی صاحب کی وفات حسرت آیات کا علم ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کتنا دُکھ ہوا۔ یہ بتا نہیں سکتا۔ خداتعالےٰ کو اس آڑے وقت میں شاید ہمارا امتحان لینا مقصود ہے کیا لکھوں۔ سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ پچھلے چند مہینوں سے یکے بعد دیگرے ہمارے پیارے بھائی ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔ چوہدری فضل حق صاحب، محمد اعظم علوی اور ڈپٹی محمد الرحمان صاحبان کی وفات کا صدمہ ابھی تازہ تھا کہ ماسٹر اصغر علی صاحب کی وفات نے کمر توڑ دی۔ ع

پھول وہ توڑے کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی۔

ماسٹر صاحب موصوف حضور کے دست و بازو، مددگار اور سب سے بڑھ کر کہ مزاج شناس معاون تھے آپ آنکھیں بند کر کے اُن کے ہر کام پر اعتماد کر سکتے تھے۔ خداتعالےٰ نے سلسلۂ احمدیہ کے لئے اُن کے دل میں کتنا درد ڈالا تھا یہ اُن کے خطوط سے واضح ہوتا تھا وہ صبح سے لے کر رات تک کام کرنے والا انسان، وہ ہر مصیبت کے وقت پہاڑ جیسا عزم وارادہ رکھنے والا انسان۔ موت کے سامنے بے بس ہوکر۔ بلا چون وچرا۔ چلا گیا۔ انسان طاقتور ہونے کے باوجود کتنا بے بس ہے۔ مگر کیا کیا جا سکتا ہے۔ ع

بلانے والا ہے سب سے پیارا اُسی پہ اے دل تو جان فدا کر

میرے پاس $\frac{۴}{۸۴}$، ۱۷ کا ان کا خط موجود ہے جو ہمیشہ ان کی یادگار رہے گا۔ خدا کے کام کسی کی موت سے رک تو نہیں سکتے مگر بعض شخصیات، افراد کی بجائے انجمنیں ہوتی ہیں اور ان کے مرنے سے قوم یا جماعتوں کو جو نقصان ہوتا ہے وہ تاریخ میں ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ماسٹر صاحب اپنی ذات میں انجمن تھے۔ ان کی موت سے جماعت کو جو ناقابلِ تلافی نقصان ہوا ہے اس کو پورا کرنا میرے اللہ ہی کا کام ہے۔

اور اسی سے دُعا ہے کہ اے اللہ تو کارساز ہے ہمارے دلوں کے زخم کے بھرنے کا سامان پیدا کردے۔ تو ہمیں خاص فضل سے ایک اور ماسٹر اصغر علی عطا فرمادے۔ جو اس کا صحیح نعم البدل ہو اور نیز کام جو ہم ناچیزوں سے تھوڑا بہت ہو رہا ہے۔ اس میں کمی واقع نہ ہو اور جہاں تک ہمارے دُکھ درد کا تعلق ہے اس کے لئے وہی الفاظ کافی ہیں جو مخبرِ صادق نے فرمائے تھے۔

القلب یحزن والعین تدمع ولا نقول الا ما یرضی به اللہ۔

خداتعالےٰ آپ سب کو اور مرحوم کے بچوں کو صبرِ جمیل عطا فرماوے اور مرحوم کو غریقِ رحمت کرے۔ آمین!

آپ کا شریکِ غم: عبدالعزیز از فاروقیہ

جالینوس کے قلم سے،

حقوق انسانی کا قرآنی منشور

جوں جوں زمانہ ترقی کر رہا ہے انسان کو اپنے حقوق کا احساس بھی بڑھ رہا ہے اور دنیا کے ہر ملک سے یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ انسان کو اس کے بنیادی حقوق کے لئے آسانیاں میسر ہونی چاہئیں اور جہاں اس کے حقوق غصب کرنے کے سامان ہوتے ہیں وہاں سوائے قتل و غارت اور لوٹ مار کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جب کسی کو اس کا حق سیدھے راستہ سے نہ ملے تو وہ غلط طریق سے اس کے حصول کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے جس کے نتائج اچھے نہیں نکلتے۔ اور آبادیاں بربادیوں میں، محلات کھنڈرات میں اور بستیاں ماتموں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اب وہ زمانہ گذر گیا کہ جب انسان کو جانوروں کی طرح غلامی کی زنجیروں میں قید رکھا جا سکتا تھا اس سے غیر انسانی سلوک کیا جاتا تھا اس کے بنیادی حقوق سے اسے یکسر محروم کر دیا جاتا تھا۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ اس دورِ جدید کی تہذیب نو نے انسان کو بیدار کیا ہے اور اسے اپنے حقوق کے حصول کا احساس دلایا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ انسان کے بنیادی حقوق کا علم آج سے چودہ سو سال قبل اسلام نے بلند کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگ تعصب میں اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ وہ خدا تعالےٰ کے اس ازلی و ابدی پیغام پر غور نہیں کرتے ورنہ اگر ذرا سا بھی نظر اس آسمانی آواز پر ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام نے انسان کو وہ تمام آزادیاں عطا کی ہیں جو اس کا بنیادی حق ہے اور جس کو اپنا کر یہ دنیا امن اور آشتی کا گہوارا بن سکتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے بیان کردہ اس آزادی اور حریّت کے منشور کے سامنے بندوں کے بنائے ہوئے اور تہذیب جدید کے جھوٹے علمبرداروں کے تمام منشور ہیچ نظر آئیں گے۔

آیئے ہم آپ کو اسلام کے اس منشورِ آسمانی سے متعارف کراتے ہیں۔ جہاں پر آپ کو وہ تمام آزادیاں نظر آئیں گی جن کے لئے آج دنیا ہاتھ پاؤں مار رہی ہے سوائے اس کے کہ اسلام مادر پدر آزادی کی تعلیم ہرگز نہیں دیتا۔ جنسی بے راہ روی۔ ایک طبقہ کے حقوق غصب کر کے دوسرے طبقہ کو خوش کرنے کے نظام، عوام کو بھوکا ننگا رکھ کر احساس آزادی کے غلط منشور، ان کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

اسلام تو امن اور آشتی کا مذہب ہے، محبت، خلوص اور حسنِ سلوک کا علمبردار ہے۔ اخلاقِ فاضلہ اور عاداتِ کریمانہ کا پرچارک ہے نہ کسی سے چھیننے کا قائل ہے اور نہ ہی بھوکوں کو اپنی تقدیر پر خوش رہ کر بھوکے اور ننگے رہنے کا سبق دیتا ہے۔ اسلام تو جہاں ایک انسان کو "فی الآخرۃ حسنۃ" کا وعدہ دیتا ہے۔ وہاں "فی الدنیا حسنۃ" کے لئے کوشاں رہنے کا سبق دیتا ہے۔ اور ایک مسلم کو دنیا اور آخرت دونوں میں خوش و خرم دیکھنا چاہتا ہے۔

ہم بہت اختصار کے ساتھ ذیل میں قرآن کریم کے بیان کردہ حقوق انسانی اور آزادی اور حریّت شخصی کا بیان آیات قرآنی کے حوالوں سے کرتے ہیں جس سے یہ امر واضح ہو جائے گا کہ اسلام نے وہ تمام امور جن کا آج چار سو چرچا ہو رہا ہے۔ آج سے صدیوں پہلے بیان کر دیئے تھے اور وہ تمام امور ایک نبیٔ اُمّی کی زبان سے جسے خدا تعالےٰ نے معلّم انسانیت بنا کر مبعوث کیا تھا بیان ہوئے ہیں۔ کاش آج کا انسان اپنے منشور میں انہیں شامل کر کے خدا تعالےٰ کی خوشنودی کی راہ پہ گامزن ہوتا اور جس حریت کو آج کا انسان ڈھونڈ رہا ہے وہ اُسے مل جاتی۔

۱۔ انسان کی کرامت

اسلام نے ہر انسان کو خواہ وہ کسی ملک کا ہو۔ کسی نسل کا ہو۔ کسی رنگ کا ہو۔ کسی قومیت کا ہو۔ معزز اور محترم بنایا ہے ایک دوسرے کا احترام کرنا سکھایا ہے اور فرمایا ہے کہ "ولقد کرمنا بنی آدم"، ہم نے آدم کی اولاد کو بہت قابل تعظیم بنایا ہے۔ کہ وہ اولادِ آدم ہونے کے ناطے ہی ایک جیسے ہیں۔

۲۔ نیک لوگ قابل احترام ہیں:

بنیادی حقوق اور کرامت اور عزت کے معاملہ میں کسی ایک انسان کو دوسرے پر رنگ اور نسل کی وجہ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ کالا ہو یا گورا، مشرق کا ہو یا مغرب کا۔ عرب کا ہو یا عجم کا۔ خدا کی نگاہ میں ایک ہیں انہیں برابر کے حقوق محض ابن آدم ہونے کی وجہ سے ملنے چاہئیں۔ حسب نسب، مال و دولت، عزت اور وجاہت خدا کی نظر میں کوئی چیز نہیں ہیں۔ صرف وہ شخص جو خدا تعالےٰ کے فرمانوں پر عمل کرتا ہے۔ وہ اس کے نزدیک قابلِ عزت ہے۔ اس نے بنیادی نظریہ بیان فرما دیا ہے کہ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"

۳۔ نافع الناس لوگ خدا کو پیارے ہیں۔

اسلام نے تمام انسانیت کو ایک خاندان قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے الخلق عیال اللہ تمام مخلوق انسانی اللہ تعالےٰ کا کنبہ ہے اور سب پر لازم ہے کہ وہ ایک خاندان کی طرح مل جل کر رہیں اور جس طرح ایک کنبے کے افراد ایک دوسرے کے لئے سہارا بنتے ہیں اسی طرح ایک دوسرے کے کام آویں۔ حضور صلعم کا فرمان ہے۔

"تمام انسانی مخلوق اللہ تعالےٰ کا کنبہ ہے اور خدا تعالےٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے لئے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو"

۴۔ نیکی میں قبائل اور ممالک کا آپس میں تعاون

اسلام نے تعلیم دی ہے کہ "نیکی اور تقویٰ کے امور میں آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کرو مگر گناہ اور زیادتی میں کبھی ایک جگہ جمع نہ ہونا"، نیکی پر جمع ہونے میں کسی قومیت اور مذہب کی قید نہیں لگائی بلکہ دعوت دی ہے کہ لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانے میں حق کی آواز بلند کرنے میں، اپنے جائز حقوق کے لئے آواز بلند کرنے میں سب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جاؤ اور فرمایا:۔

"ہم نے تم کو شاخوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے کہ تم اپنے اعمال سے پہچانے جا سکو ورنہ تم میں سے معزّز وہی ہے جو خدا کے فرمانوں کو صدقِ دل سے قبول کرتا ہے"

اگر آج طاقتور اپنی طاقت کا ناجائز استعمال چھوڑ کر کمزور کے حقوق کا خیال کرے تو کمزور کبھی بھی اپنے حقوق کے حصول کے لئے غلط راہوں پر نہ چلے گا۔

(۵) عقیدہ میں آزادی :

اسلام نے انسان کو عقیدہ رکھنے کا مکمل آزادی عطا کی ہے۔ کسی کو جبر اور زیادتی سے اس کے عقیدہ کو تبدیل کرنے کی کوشش کو جائز قرار نہیں دیا۔ اس طریق سے جو راہ بھی اختیار کی جائے گی اس میں خلوص کو دخل نہیں ہوگا کہ جبراً تسلیم کیا گیا طریق قلب سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اسی لئے فرمایا:

لا اکراہ فی الدین ۔ دین کے معاملات میں جبر مت کرو۔

یعنی دین کے معاملات میں جبر کرنا روا نہیں ہے۔ طاقت کے زور پر، حکومت کے بل بوتے پر کسی کے عقیدے اور مذہب میں دخل اندازی خدا تعالےٰ کے نزدیک قطعاً جائز نہیں ہے۔ آج لوگ دوسرے کی گردن پر تلوار رکھ کر قتل کی دھمکیاں دے کر اس سے اس کا عقیدہ زبان سے تو تبدیل کروا لیتے ہیں مگر ان کے دل سے ان کا عقیدہ تبدیل کروا لینے پر وہ قدرت رکھتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔

۶۔ انسان کے مال اور جان کی حفاظت

اسلام نے ہر انسان کی جان اور مال کی حفاظت کی ضمانت دی ہے۔ کسی کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اسے قتل کرے یا اس کے مال پر زور بازو سے قبضہ کر لے۔ فرمایا:۔

"ایک دوسرے کے خون اور اموال تم پر حرام ہیں۔"

۷۔ چار دیواری کی حفاظت

اسلام نے ایک انسان کو مکمل آزادی دی ہے کہ وہ اپنی گھر کی چار دیواری میں امن اور سلامتی سے زندگی گذار سکے اور کسی کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کے گھر میں زور بازو سے گھس کر اس کا امن برباد کرے۔ یا اس کے بنیادی حق پر ڈاکہ ڈالے یا بلا وجہ دوسرے ملک پر چڑھائی کر دے۔ فرمایا:۔

"تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں قطعاً مت داخل ہونا یہاں تک کہ گھر والے تم کو اس امر کی اجازت دیں۔"

یہ امر تو واضح ہے کہ ڈاکہ، قتل، چوری اور لوٹ مار سے اس دنیا کا امن کس طرح برباد ہو رہا ہے اور یہ زیادتی چھوٹے اور بڑے پیمانے پر سب طرح ہو رہی ہے۔

۸۔ ایک دوسرے کی کفالت

جہاں ایک انسان کو باعزت زندگی گذارنے کا اسلام نے سبق دیا ہے وہاں دوسرے کے لئے باعزت ذرائع پیدا کرنے کے متعلق بھی تعلیم دی ہے اور اپنے اموال میں سے دوسروں کے لئے خرچ کرنے کو کہا گیا ہے۔ اگر یہ طریق اپنایا جائے اور آسائش والے لوگ غریبوں کا خیال رکھیں تو بہت حد تک برائیوں کا انسداد ہو سکتا ہے۔ اور امن کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔ اور کمزوروں کے لئے مالداروں کے اموال میں حق رکھا گیا ہے۔ فرمایا:۔

"اور ان کے مالوں میں ایک مقرر حق رکھا گیا ہے سوال کرنے والوں کے لئے اور محروم افراد کے لئے۔"

۹۔ حصول علم میں یکسانیت

اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ حصول علم ہر انسان کا پیدائشی حق ہے غربت کی وجہ سے معذور ہونے کی وجہ سے۔ بظاہر نظر میں چھوٹی ذات کی وجہ سے، عدم ذرائع کی وجہ سے اور کسی بھی وجہ سے کوئی تعلیم سے محروم نہیں رکھا جانا چاہیئے اور سب کو حصول علم کے برابر ذرائع فراہم کرنے کو کہا گیا ہے۔ فرمایا:۔

"علم کا حاصل کرنا فرض ہے ہر مسلم مرد پر ۔ ہر مسلم عورت پر" اور فرمایا:۔

"حصول علم کے لئے دور دراز بھی جانا پڑے تو جاؤ۔"

۱۰۔ حصول علاج اور قیام صحت میں یکسانیت

امراض کے دور کرنے کے مراکز میں تمام انسانوں کو ایک جیسے مواقع میسر اور مہیا کرنے کے لئے اسلام نے تعلیم دی ہے۔ کوئی امیر ہو یا غریب بیماری کو دور کرنے کے لئے اس میں کسی قسم کا تمیز کرنا یا کسی کو چھوڑ کر دوسرے کو فوقیت دینا اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو جانوروں تک کو بھوکا پیاسا اور بیمار رکھنے کے خلاف ہے۔

۱۱۔ تمام حقوق میں یکسانیت

اگر ہم اسلامی تعلیم کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے کسی سے مختلف سلوک کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

۱۔ قومیت کی وجہ سے (۲) رنگ کی وجہ سے (۳) زبان کی وجہ سے
۴۔ غربت کی وجہ سے (۵) مذہب کی وجہ سے (۶) ذاتی رائے کی وجہ سے
۷۔ دولت کی وجہ سے (۸) کسی ملک کی وجہ سے (۹) مقامی غیر مقامی یا مہاجر ہونے کی وجہ سے۔

۱۲۔ سزا میں یکسانیت

اسلام نے عدل کی تعلیم بار بار دی ہے اور عدالتوں اور حاکموں کے لئے خاص احکام جاری فرمائے ہیں کہ وہ عدل سے کام لیں اور فرمایا ہے کہ :۔

"اور جب تم کو حاکم مقرر کیا جائے تو تمہارا فرض ہے کہ تم انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔"

عدل کو ایک ترازو قرار دیا ہے کہ کسی کے معاملہ میں بھی کوئی پلڑا نہ جھکنے پائے غریب امیر، چھوٹے بڑے کے لئے ایک ہی قانون ہو۔ ایسا نہ ہو کہ بادشاہ یا امیر کی اولاد جرم کرے تو اس سے ایک غریب کی اولاد کے مقابلہ میں مختلف سلوک روا رکھا جائے سب کو مساوی انصاف دیئے جانے کی تعلیم دی ہے۔ اور بغیر جرم سرزد ہونے کے امن عامہ کے بہانے کسی کو نظر بند کر دینا بھی اس کی ذیل آتا ہے۔

۱۳۔ عورتوں کے مساوی حقوق

عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ برابر حقوق دیئے گئے ہیں۔ جہاں فرض کی ادائیگی میں یکساں رکھا گیا ہے وہاں ذمہ داریوں اور جوابدہی میں بھی برابر قرار دیا گیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مرد اپنی صفات اور خصائص کی بنا پر زیادہ ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ اور خاندان کی ذمہ داری اسے سونپی گئی ہے۔ اور فرمایا کہ:۔

"مردوں کو عورتوں پر نگران مقرر کیا گیا ہے۔"

ورنہ خدا تعالےٰ کے ہاں تمام فرائض کی ادائیگی یا عدم ادائیگی پر جوابدہی کے لئے کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ صرف میدان کا فرق ہے۔ مرد کا میدان گھر سے باہر ہے۔ اور عورت کا میدان چار دیواری کے اندر ہے۔ اور بوقت ضرورت عورت گھر سے باہر بھی مرد کے دوش بدوش جہاد تک میں شریک ہو سکتی ہے۔

۱۴۔ حاکم اور محکوم کی یکسانیت :۔ ہر شخص کو اپنے اپنے حلقہ میں سردار

قرار دیا گیا ہے۔ کوئی بھی ذمہ داری سے بری نہیں ہے۔ محکوم کے لئے قانون کا احترام اور تعاون فی البّر والتقوٰی کی تعلیم دی ہے۔ اور حاکم کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلائی ہے اور فرمایا۔

"تم میں سے ہر کوئی ذمہ دار ہے اور اپنی رعایا کے متعلق جواب دہ ہوگا۔"

حاکم کو ظلم اور زیادتی سے اور محکوم کو غلط راستوں سے روکا گیا ہے۔ اور درحقیقت جب حاکم اپنی حاکمیت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے گا تو محکوم بھی اطاعت اور فرمانبرداری کی راہ اختیار کرے گا۔ سب کو ایک ہی کشتی کا مسافر قرار دیا گیا ہے۔ صرف یہ کہ حاکم کشتی کو چلا رہا ہے اور محکوم اس کشتی میں سفر کر رہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام نے حریت شخصی، عدل مساوات اور ہر انسان کو اس کے بنیادی حقوق دینے کی تعلیم دی ہے اور جب کوئی اس کے خلاف کسی بھی انسان کے حقوق سلب کرنے کی کوشش کرے گا وہ اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والے واقعات کا خدا کے سامنے جوابدہ اور ذمہ دار ہوگا۔

وہ آزادی جو خلاف اسلام ہے۔

اسلام ایک فرد کو اس کی آزادی دلانے کا اعلان کرتا ہے مگر اسلام مادر پدر آزادی کی قائل نہیں ہے۔ مثلاً:-

۱- اسلام ایک مسلمان عورت کی غیر مسلم مرد سے شادی کی اجازت اس لئے نہیں دیتا کہ اس طرح آئندہ نسل غیر مسلم اور کافر ہو جاتا ہے۔

۲- اسلام ایک مسلم مرد کو مشرک اور لادین عورت خواہ وہ ہندو، سکھ یا بدھ مذہب سے تعلق رکھتی ہو یا اسلام سے ارتداد اختیار کر چکی ہو۔ شادی کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ اس طریق سے اولاد کی تربیت صراط مستقیم کی طرف نہیں ہو سکتی۔

۳- اسلام عورت کو مردوں کا حکمران بنائے جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ آج تک خدا کا پیغام صرف مرد لے کر آئے ہیں۔ خلفاء صرف مرد ہوتے ہیں۔ سربراہ مملکت بھی مردوں میں سے بنائے جانے کی اسلام تعلیم دیتا ہے مگر مشوروں میں عورت کو شامل کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کا حکم ہے کہ :-

"مومن قوم کے امور آپس میں مشوروں سے طے پائے جانے چاہئیں"

۴- اسلام آزادی کے مفہوم کو ان معنوں تک محدود رکھتا ہے کہ اپنے جائز حقوق کے لئے جنگ تک کی اجازت دی ہے۔ ہجرت کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ جابر حاکم کے روبرو کلمۂ حق کو بھی جہاد قرار دیا ہے۔ مگر اس مفہوم میں کہ ایک جنس دوسری جنس سے باہم جنسوں سے اختلاط کی آزادی چاہے اسے اسلام ردّ کرتا ہے کہ اس کے نتائج بہت دور رس نکلتے ہیں۔ جو بالآخر قوموں کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔ اور جن ممالک میں یہ رسومات اور جن ممالک میں یہ رسومات اور طریقے رواج پا چکے ہیں۔ وہاں کے جرائم کے اعداد و شمار سے ان امور کا گھناؤنا پن صاف عیاں ہے اور قرآن کریم نے بہت سی قوموں کا ذکر کیا ہے جو اس قسم کے غیر فطری افعال کی بنا پر تباہ ہوئی ہیں۔

اگرچہ مندرجہ بالا امور ملحوظ خاطر رکھا جائے تو آج دنیا سے وہ تباہی اور بربادی کے بادل چھٹ سکتے ہیں جنہوں نے تمام عالم پر ایک گہرا سایہ کیا ہوا ہے۔ اور دنیا علیٰ شفا حفرۃٍ من النّار نظر آرہی ہے۔ اور ان امور پر عمل کرنے اور ان کی اجازت دینے سے تمام دنیا امن اور آشتی کا ایک گہوارہ بن سکتی

ہے اور دین اسلام کا تو اعلان ہی یہ ہے کہ ؎

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

* * *

صدر مقامی جماعت مکرم چوہدری ریاض احمد صاحب کا مکتوب گرامی

مکرم و محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے"

حضرت اقدس کا ایک ارشاد ہے ۔۔ "اللہ تعالیٰ کسی کی پرواہ نہیں کرتا مگر صالح بندوں کی آپس میں اخوت اور محبت پیدا کر دو اور دو زندگی ... اور اختلافات کو چھوڑ دو ہر ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے مطلقاً کنارہ کش ہو جاؤ کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دے۔ اللہ تعالیٰ سے ایک سچی صلح پیدا کر لو اور اس کی اطاعت میں واپس آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے اور اس سے بچنے والے وہی ہیں جو کامل طور پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کر کے اس کے حضور میں آتے ہیں سو ایسا ہی تم یاد رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں صادق ٹھہر گے تو کسی کی مخالفت تمہیں تکلیف نہ دیگی پر اگر تم اپنی حالتوں کو درست نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے فرمانبرداری کا ایک سچا عہد نہ باندھو تو پھر اللہ کو کسی کی پرواہ نہیں"۔۔۔ امام وقت کے جانشینو۔ آیئے ہم اپنے گردو پیش کا جائزہ لیں کہ ہم نے امام وقت کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا "ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے"، کیا وہ ہمیں یاد ہے اور کس حد تک ہم اس پر عمل پیرا ہیں۔ اسی مقصد کیلئے امسال بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مجدد زماں کا یوم وصال کا دن منانے کیلئے مقامی جماعت احمدیہ لاہور مورخہ **۲۶ مئی بروز جمعرات** بوقت ۴.۳۰ بجے شام بمقام مسجد دارالسلام کالونی ایک جلسہ عام منعقد کر رہی ہے جسمیں شمولیت کیلئے تمام پاکستان بھر کی جماعتوں کو مدعو کیا جا رہا ہے۔ میں سب بہن بھائیوں سے درخواست کروں گا کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں اور جملہ تقاریر سے اپنی روح کی پاکیزگی کا عمدہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔۔ جلسہ کے موقع پر رات کا کھانا حاضرین کی خدمت میں پیش کیا جائیگا جسکے اخراجات صدر انجمن اور مقامی جماعت مل کر برداشت کریگی۔ تاہم جو اصحاب بخوشی اس میزبانی کا شرف حاصل کرنا چاہیں وہ اپنے عطیات صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور کے نام ارسال کر سکتے ہیں، پروگرام حسب ذیل ہوگا۔

صدارت: حضرت امیر قوم ایدہ اللہ

وقت		
۴.۳۰	تلاوت	مولوی شفقت رسول خان
۴.۴۵	نظم	شبان الاحمدیہ
۵.۰۰	تقریر	جناب مرزا مسعود بیگ صاحب
۵.۳۰	"	" میاں نصیر احمد فاروقی صاحب
۶.۱۵	"	" شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ
۶.۴۵	تقریر	جناب میاں ظہور احمد صاحب
۷.۰۰	ملفوظات	" چوہدری ریاض احمد "
۷.۱۵	تقریر	" یامین صاحب
۷.۳۰	"	صدر شبان الاحمدیہ

اختتامی دعا: حضرت امیر قوم

وقفہ نماز مغرب و عشاء ۸.۳۰ بجے شب تناول ماحضر ۹ بجے رات

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۴ مئی ۱۹۸۳ء - جلد ۷۰ شمارہ ۱۸

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

بسلسلہ یوم وصال

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے   تیس روپے
بیرونی ممالک سے   دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

مدیر اعزازی
پروفیسر خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف نعمان

جلد: ۷۰   یوم چہار شنبہ ۲۷ رجب المرجب / ۴ شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۱ / ۱۸ مئی سنہ ۱۹۸۳ء   شمارہ ۱۹ / ۲۰

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید   وپائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم استم و ز خداوند منذرم

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم

بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

اسلام کی فتح اور اقبال کے دن قریب ہیں

حضرت مجدد صد چہاردہم کا ارشادِ گرامی

اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے۔ اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بیدل نہیں ہونا چاہیئے کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے۔ جیسا کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور

حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں، کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں مگر انجام کار ان کے لئے ہزیمت ہے۔ مگر میں شکرِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلےٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے۔ جس علم کے رو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفہ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علوم مخالفہ کو جہالتیں ثابت کر دے گا۔ اسلام کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے۔ جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہے ہیں۔ اس کے اقبال کے دن قریب ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کی فتح کے نشان نمودار ہیں۔ یہ اقبال روحانی ہے اور فتح بھی روحانی۔ تا باطل علم کی مخالفانہ طاقتوں کو اس کی الٰہی طاقت ایسا ضعیف کرے کہ کالعدم کر دیوے۔

"میں متعجب ہوں کہ آپ نے کیوں کر سمجھ لیا کہ جو باتیں اس زمانہ کے فلسفہ اور سائنس نے پیدا کی ہیں وہ اسلام پر غالب ہیں۔ حضرت خوب یاد رکھو کہ اس فلسفہ کے پاس تو صرف عقلی استدلال کا ایک ادھورا سا ہتھیار ہے اور اسلام کے پاس یہ بھی کامل طور پر اور دوسرے کئی آسمانی ہتھیار ہیں۔ پھر اسلام کو اس کے حملے سے کیا خوف ہے؟"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۵۴)

جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب مدیر اعزازی پیغام صلح

"حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد و مسیح موعود کا نظریہ جہاد"

"اسلام طاقت اور تلوار کے زور سے نہیں پھیلا"

مغربی جرمنی کے مشہور مسلم سکالر اور لیسٹر کی اسلامک فاؤنڈیشن کے ڈائرکٹر ڈاکٹر احمد وان ڈانفر نے جو آجکل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام منعقد ہونیوالی پہلی بین الاقوامی مشاورت برائے توسیع دعوت" میں شرکت کرنے کے لئے آئے ہوئے ہیں فرمایا ہے کہ "یورپ میں اسلام کے بارے میں یہ الزام لگایا جاتا رہا ہے کہ اسلام تلوار اور طاقت کے زور سے پھیلا ہے مگر ہم نومسلموں کا وجود اس الزام کی تردید کے لئے کافی ہے کہ اسلام اپنی تعلیمات اور انسانی فلاح اور بہبود کیوجہ سے پھیلا ہے۔" (نوائے وقت ۵ مئی ۱۹۸۳ء آخری صفحہ کالم ۲، ۳)

؎ آرہا ہے اس طرف احرار یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگاہ زندہ وار

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود پر منجملہ اور بے بنیاد اور بیجا الزامات کے ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ آپنے جہاد کو منسوخ کیا اور اس وجہ سے بھی بعض مخالف مولویوں نے آپ کو نعوذ باللہ دجال اور کافر قرار دیا اور آپ کی نسبت ایک چھپا ہوا فتوٰی شائع کیا کہ یہ شخص واجب القتل ہے اور اس کا مال لوٹنا بلکہ عورتوں کو نکال کر لے جانا بڑے ثواب کا موجب ہے۔ قرآن و حدیث اور سنت رسول صلعم سے قطعاً ناواقف اور ناآشنا عوام کو آپ اور آپ کی جماعت کے خلاف جوش دلانے اور بھڑکانے کے لئے اسلامی تعلیم کے صریحًا خلاف جہاد کا جو غلط تصور پیش کیا جاتا تھا اس کے رد میں آپنے آج سے ۸۳ سال قبل ۲۲ مئی ۱۹۰۰ء کو "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" کے نام سے ایک رسالہ شائع فرمایا جس میں آپ فرماتے ہیں۔

"جہاد کے مسئلہ کی فلاسفی اور اس کی اصل حقیقت ایسا ایک پیچیدہ امر اور دقیق نکتہ ہے کہ جس کے نہ سمجھنے کے باعث سے اس زمانہ اور ایسا ہی درمیانی زمانہ کے لوگوں نے بڑی بڑی غلطیاں کھائی ہیں اور ہمیں نہایت شرم زدہ ہوکر قبول کرنا پڑتا ہے کہ ان خطرناک غلطیوں کیوجہ سے اسلام کے مخالفوں کو موقعہ ملا کہ وہ اسلام جیسے پاک اور مقدس مذہب کو جو سراسر قانونِ قدرت کا آئینہ اور زندہ خدا کا جلال ظاہر کرنیوالا ہے موردِ اعتراض ٹھہراتے ہیں۔" (صفحہ ۳) یہ بات ڈاکٹر ڈانفر کے بیان سے صاف واضح ہوجاتی ہے کہ یورپ کے لوگوں کو اس اعتراض کا موقعہ خود اسلام کے نام لیواؤں نے اور ان کے مذہبی راہنماؤں نے مہیا کیا جو جہاد کو صرف غیر مسلموں کے خلاف تلوار کی جنگ تک محدود رکھتے ہیں اور انہیں اس پر ایمان نہیں ہے کہ اسلام طاقت اور تلوار کے زور سے نہیں اپنی انسانی فطرت کو اپیل کرنے والی خوبصورت تعلیمات اور خوبیوں کیوجہ سے پھیلا ہے۔ اسی قسم کے غلط تصورات کی اشاعت کا نتیجہ تھا کہ متعصب عیسائی مستشرقین نے آنحضرت صلعم کی ایسی تصاویر کھینچیں جن میں یہ دکھایا گیا کہ آپ کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور ایک میں قرآن، جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اس قرآن کو مانو اور مسلمان ہوجاؤ ورنہ اس تلوار سے تمہارا سر تن سے جدا کر دیا جائیگا۔ اسی نظریہ نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان اتنی شدید نفرت پیدا کر دی جس کی نوبت طویل خونریز جنگوں اور بعض ممالک میں مسلمانوں کے نیست و نابود ہونے تک پہنچی۔ حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ " وقفینا بعیسی ابن مریم واتینٰه الانجیل ۵ وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوه رافة ورحمة ۔ اور ہم نے پیچھے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور اُسے انجیل دی۔ اور ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اس کی پیروی کی مہربانی اور رحم ڈالا۔ اور پھر یہ بھی فرماتا ہے کہ " و لتجدن اقربهم مودة للذین امنوا الذین قالوا انا نصٰری ذالك بانّ منهم قسیسین و رهبانًا وانّهم لا یستکبرون ۔ اور ان کے لئے جو ایمان لائے دوستی میں سب سے قریب تو ان لوگوں کو پائے گا جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں یہ اس لئے کہ ان میں سے عالم اور راہب ہیں اور اس لئے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

پھر کیا وجہ ہوئی کہ جن کے دلوں میں اللہ تعالےٰ نے مہربانی اور رحم ڈالا اور انہیں دوستی میں مسلمانوں کے قریب تر کیا وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہوگئے اور جہاں اور جب کبھی موقع ملا انہیں نیست و نابود کرنے پر تل گئے اور آج بھی تلے ہوئے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کے ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالّتی هی احسن" اور " لا اکراه فی الدین" کے پُرحکمت زریں اصولوں کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے جبر واکراہ اور تشدد کے راستے کی تبلیغ کی اور ان کے دلوں میں نفرت کے شعلے بھڑکانے میں دن رات مصروف رہے دور ملوکیت میں ملکی توسیع کے لئے سیاسی جنگوں کو جہاد کا نام دیا گیا۔ اگر قرآن کا بتایا ہوا راستہ اختیار کیا جاتا تو یقینًا نتیجہ یہ نہ ہوتا جو آج ہمارے سامنے ہے شتیلہ اور صابرہ میں فلسطینیوں کے کیمپوں اور آسام میں درندہ صفت انسانوں کے ہاتھوں بے گناہ مسلمان مردوں اور عورتوں اور معصوم بچوں کے بے دریغ قتل کے روح فرسا خونیں واقعات رونما نہ ہوتے جن پر مسلمان قوم اپنی بے بسی اور بے چارگی کے باعث سوائے احتجاج اور قرارداد پاس کرنے کے عملی طور پر کچھ نہیں کرسکی جبکہ ایسے ہی مواقع کے پیشِ نظر قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ ومالکم لا تقاتلون فی سبیل الله والمستضعفین من الرجال والنسآء والولدان الذین یقولون ربّنا اخرجنا من هٰذه القریة الظالم اهلها ج واجعل لنّا من لدنك ولیا ج واجعل لنّا من لدنك نصیرًا ٥ اور تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کے رستے میں جنگ نہ کرو اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچّوں کے لئے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی ولی بنا اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی مددگار بنا۔ ان کا نہ کوئی ولی بنا اور نہ مددگار۔ یہ سب کیوں ہوا اس لئے کہ!

؎ دل میں تمہارے یار کی اُلفت نہیں رہی

حالت تمہاری جاذب نصرت نہیں رہی

وہ علم و معرفت وہ فراست نہیں رہی

وہ فکر وہ قیاس وہ حکمت نہیں رہی

سو سو ہے گند دل میں طہارت نہیں رہی

نیکی کے کام کرنے کی رغبت نہیں رہی

مولیٰ سے اپنے کچھ بھی محبت نہیں رہی

دل مر گئے ہیں نیکی کی قدرت نہیں رہی

سب پر یہ اک بلا ہے کہ وحدت نہیں رہی

اک پھوٹ پڑ رہی ہے مودت نہیں رہی

جب یہ حالت ہو جس کا نقشہ ان چند اشعار میں کھینچا گیا ہے تو کسی قوم میں ظلم و ستم کے خلاف تلوار اٹھانے کی سکت کہاں باقی رہ جاتی ہے کیونکہ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ اللہ تعالیٰ تو ان کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو احسان کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس احسان سے بڑھ کر اور کیا احسان ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو دنیا کے اندر پھیلا دیا جائے تاکہ انسان نفس امارہ کی الجھنوں سے آزاد ہو کر نفس مطمئنہ کی حالت کو پا لے اور دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے کیونکہ یہی وہ تعلیم ہے جو انسانی شخصیت کی تکمیل کرتی ہے کسی کے نفس کا تزکیہ اُسے تلوار دکھا کر نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم کے ان الفاظ کا " وجاھدھم بہ جھادا کبیرا " مفہوم بھی یہی ہے کہ قرآن کے ساتھ ان سے وہ جہاد کر جو بڑا جہاد ہے۔ قرآن کے سامنے جس کا دل جھک جائیگا اس کی گردن پر تلوار رکھ کر اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کو چھوڑ دو تو وہ کبھی اسے ترک کرنے پر تیار نہیں ہو گا خواہ اس کی جان بھی چلی جائے لیکن جس کی گردن پر تلوار رکھ کر یہ کہا جائے کہ کلمہ پڑھو ورنہ تمہارا سر تن سے جدا کر دیا جائیگا وہ جان کے خوف سے کلمہ تو پڑھ لے گا لیکن ہر وقت اس تلاش میں ہو گا کہ کب اُسے موقع ملے اور وہ بغاوت کر دے۔ کیا منافقین کے طرز عمل سے قرآن کریم بھرا ہوا نہیں۔ سورہ آل عمران کی آیت ۷۲ پر غور کریں کہ کیا یہودیوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے یہ تجویز نہیں کی تھی کہ دن کی ابتدا میں اس پر ایمان لے آؤ جو ان لوگوں پر اتارا گیا ہے جو ایمان لائے ہیں اور اس کے آخر میں انکار کر دو تاکہ وہ لوٹ آئیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ اسلام میں کچھ نہیں اور جیسی اس کی خوبیاں اور تعلیم بیان کی جاتی ہے وہ ہرگز ویسی نہیں کہ اُسے قبول کیا جائے۔ اس طرح صبح ایمان لا کر شام کو اس کا انکار کر دینا اپنی مرضی سے تھا نہ کہ کسی جبر و اکراہ سے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ جو ایمان لاتے وہ واپس کفر میں نہ لوٹتے لیکن جسے جبراً مسلمان کیا جائے اس کے مرتد ہو کر اسلام کو نقصان پہنچانے کا خطرہ ہر وقت موجود رہے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو قرآن کے ساتھ جہاد کرنے پر لگا دیا اور فرمایا:

"سو میری صلاح ہے کہ بجائے ان واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں اور اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز نہیں ہو گا۔ جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔" (ازالہ اوہام ص۷۷۳ ابتدائی ایڈیشن)

یہ تفسیر حضرت مولانا محمد علی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے بانی امیر نے لکھی اور اسے انگریزی میں ترجمہ کر کے حضرت صاحب کی خواہش کے مطابق شائع کیا جس کے ذریعے سینکڑوں لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس تفسیر کے ترجمے جرمن ڈچ۔ ہسپانوی۔ انڈونیشین۔ ہندی اور گورمکھی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ یورپ کی دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے زیر غور ہیں۔ چینی زبان میں بھی ایک ترجمہ موجود ہے جس میں حضرت مولانا محمد علی کی تفسیر سے بھی حوالے دیئے گئے۔

ایک دفعہ پر حضرت مسیح موعود نے حضرت مولانا محمد علی کو بلا کر فرمایا:

"ہم چاہتے ہیں کہ یورپ و امریکہ کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے لئے ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی جائے اور یہ آپ کا کام ہے آج کل ان ملکوں میں جو اسلام نہیں پھیلتا۔۔۔۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں۔۔۔ ان لوگوں کا حق ہے کہ ان کو حقیقی اسلام دکھایا جائے جو خدا تعالیٰ نے ہم پر ظاہر کیا اور وہ امتیازی باتیں جو خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ میں رکھی ہیں وہ ان پر ظاہر کرنی چاہئیں۔۔۔ ان سب باتوں کو جمع کیا جائے جن کے ساتھ اسلام کی عزت اس زمانے میں وابستہ ہے۔" (۱۳ فروری ۱۹۰۷ء مطبوعہ بدر مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء)

یہ کتاب THE RELIGION OF ISLAM کے نام سے حضرت مولانا نے لکھی اور شائع کی۔ آجکل مختلف ممالک اور زبانوں میں اس کے ترجمے ہو رہے ہیں اور کئی اعلیٰ علمی اداروں میں یہ کتاب بطور نصاب پڑھائی جاتی ہے۔ آجکل ہر سیاسی لیڈر اور عالم دین کی زبان پر یہی کلمہ ہے کہ ہمارے تمام مسائل کا حل قرآن و سنت پر عمل کرنے میں ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ ہمارے مسائل کا حل تلوار اٹھانے میں ہے۔ سارے سیاسی جھگڑوں کا حل گفت و شنید اور مذاکرات کے ذریعے تلاش کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں جنگ کے ذریعے نہیں۔ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے بین الاقوامی مشاورتیں منعقد کی جا رہی ہیں تلوار اور طاقت کے زور سے اسلام پھیلانے کے لئے نہیں۔ یہ مقام غور و فکر ہے کہ یہ تبدیلی کیوں کر واقع ہوئی اور کس کے ذریعے پیدا ہوئی کہ آج ایک مشہور و معروف نومسلم کی زبان سے یہ نکل رہا ہے کہ اسلام طاقت اور تلوار کے ذریعے نہیں پھیلا بلکہ اپنی خوبیوں کے ذریعے پھیلا ہے۔ یہ روشنی اُسے کہاں سے ملی۔ گذشتہ سو سال کے عرصہ میں کیا برصغیر کے کسی ایک عالم دین۔ ادارے یا مُسلم ملک کا نام لیا جائے جس نے مغرب کو اسلام سے روشناس کرانے کی کوشش کی ہو؟ اس کے مقابلے میں ایک منصف مزاج پادری ڈاکٹر ٹائٹیس اپنی کتاب "ہندوستانی اسلام" میں ۱۹۳۰ء میں "تحریک احمدیت" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے "احمدی اس وقت دنیا میں اسلام کے سب سے بڑھ کر کام کرنے والے مبلغ ہیں" اور حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب THE MILITANT ISLAM کا مصنف تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "جس جماعت نے اسلام کی سب سے زیادہ خدمت کی ہے اُسے اپنے ہی وطن میں غیر مسلم قرار دیدیا گیا ہے۔

جس جہاد کے متعلق عوام کے ذہنوں میں غلط تصور بٹھایا گیا ہے اس کے ازالہ کے لئے حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:-

"اب ہم اس سوال کا جواب لکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کو جہاد (تلوار کے جہاد۔ ناقل) کی کیوں ضرورت پڑی اور جہاد کیا چیز ہے سو واضح ہو کہ ۔ ۔ ۔ ۔ جب ایک نبی یا رسول خدا کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور اس کا فرقہ لوگوں کو ایک گروہ ہونہار اور راستباز اور باہمت اور ترقی کرنے والا دکھائی دیتا ہے تو اس کی نسبت موجودہ قوموں اور فرقوں کے دلوں میں ضرور ایک قسم کا بغض اور حسد پیدا ہو جایا کرتا ہے بالخصوص ہر ایک مذہب کے علماء اور گدی نشین تو بہت ہی بغض ظاہر کرتے ہیں کیونکہ اس مرد خدا کے ظہور سے ان کی آمدنیوں اور وجاہتوں میں فرق آتا ہے ۔ ۔ ۔ یہی اسباب تھے جنہوں نے آنحضرت صلعم کے وقت میں مشرکوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کے عالموں کو نہ محض حق کے قبول کرنے سے محروم رکھا بلکہ سخت عداوت پر آمادہ کر دیا ۔ ۔ ۔ اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آسمانی پودہ زمین پر قائم ہو بلکہ وہ ان راستبازوں کے ہلاک کرنے کے لئے اپنے ناخنوں تک زور لگا رہے تھے اور کوئی دقیقہ ایذا رسانی کا اٹھا نہیں رکھا تھا اور ان کو خوف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اس مذہب کے پیر جم جائیں اور پھر اس کی ترقی ہمارے مذہب اور قوم کی بربادی کا موجب ہو جائے سو اسی خوف سے ۔ ۔ ۔ ۔ نہایت جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں ان سے ظہور میں آئیں اور انہوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا ۔ ۔ ۔ اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوع انسان کے فخر ان شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے ۔ اس پر بھی خدا تعالے کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدا کے پاک اور مقدس رسول کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں بارہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا مگر اس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دلی انشراح اور محبت سے برداشت کی تب اس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گذر جائے اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اس نے اپنی پاک کلام قرآن شریف کے ذریعے سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ میں ۔ ۔ ۔ تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں اور میں خدائے قادر ہوں ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا ۔ یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا ۔"

اگر یہ سوال کیا جائے کہ "جب پہلے زمانہ میں جہاد روا رکھا گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اب حرام ہو جائے؟" اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ "ہمارے نبی صلعم نے ہرگز کسی پر تلوار نہیں اٹھائی ۔ بجز ان لوگوں کے جنہوں نے پہلے تلوار اٹھائی اور سخت بے رحمی سے بیگناہ اور پرہیزگار مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کیا اور ایسے درد انگیز طریقوں سے مارا کہ اب بھی قصوں کو پڑھ کر رونا آتا ہے ۔" (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص۴ تا ۶)

اگر آنحضرت صلعم کے نزدیک تلوار کے زور پر اسلام میں داخل کرنے کا نام ہی جہاد تھا تو آپ سنہ ۶ ھ میں حدیبیہ کے مقام پر کفار مکہ کے ساتھ اتنی کمزور شرائط پر جن میں مسلمانوں کے لئے بظاہر نقصان ہی نقصان تھا صلح کرنے پر تیار نہ ہوتے حالانکہ مشرکین مکہ نے آپ کے دو سفارت کاروں حضرت فراش کے اونٹ کو مار ڈالا اور آپ کو بھی مارنا چاہتے تھے اور حضرت عثمان رضہ کو قید کر لیا تھا ۔ آپ کے چودہ سو صحابہ نے حضور صلعم کے ہاتھ پر کیکر کے درخت کے نیچے موت پر بیعت بھی کر لی تھی ۔ آپ یہ بھی کر سکتے تھے کہ مدینہ واپس آکر پوری تیاری کیساتھ مکہ پر حملہ آور ہو کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے لیکن آپ نے صلح کو ترجیح دی اور سنہ ۶ ھ اور سنہ ۸ ھ کے درمیان دو سالوں میں جب لوگوں کا رابطہ مسلمانوں سے قائم ہوا تو اسلام کی تعلیم اور خوبصورتی سے متاثر ہو کر انہوں نے جوق در جوق اسلام قبول کر لیا ۔ اسی لئے اسے قرآن کریم نے فتح عظیم کہا ہے ۔ مکہ پر چڑھائی کے وقت دس ہزار قدوسی آپ کے ساتھ تھے ۔ فتح مکہ کے روز آپ تلوار کے زور سے کفار مکہ کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر سکتے تھے لیکن رحمۃ للعالمین نے عام معافی کا اعلان فرما دیا ۔ کسی کو اس کی زیادتیوں پر ملامت تک نہ کیا ۔ اس بے مثال واقعہ کی انسانی تہذیب و تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی اور نہ ملے گی ۔

آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کرام رضہ کی زندگیوں میں ایسی کوئی مثال ہمارے سامنے نہیں آتی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ انہوں نے کفار کی گردنوں پر تلوار رکھ کر یہ کہا ہو کہ اسلام لاؤ ورنہ تم قتل کر دیئے جاؤ گے ۔ وہ حامل قرآن تھے اور اس کی تعلیم پر عمل کرنے والے تھے جس قرآن کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ وہ قرآن ہے جس کے ذریعے مردے بھی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں ۔ اور اگر اسے پہاڑ پر بھی اتارا جاتا تو وہ اللہ کے خوف سے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ۔ حضرت عمر رضہ کی مثال ہمارے سامنے ہے ۔ اسلام لانے سے قبل آپ کا دل پتھر کی طرح اتنا سخت ہے کہ آنحضرت صلعم کے قتل کے ارادے سے نکلتے ہیں لیکن راستے میں سورۃ طٰہٰ کی پہلی ہی چند آیات سننے کے بعد دل پگھل کر آنکھوں کے راستے ٹپک پڑتا ہے اور سر حضور صلعم کے قدموں میں رکھ دیتے ہیں ۔ قرآن کریم ایسی کاٹ کرنے والی دو دھاری تلوار ہے کہ اس کا زخم خوردہ اسلام کے خلاف سر اٹھانے کے قابل نہیں رہتا بلکہ اس کا طوق غلامی اپنی گردن میں پہن کر ہر قسم کے طوق و سلاسل سے آزاد ہو جاتا ہے ۔ اس کے دل و دماغ کو وہ بے مثال روشنی حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ بہت دور تک دیکھتا ہے اور اپنی اس بصیرت کی بدولت قوموں کی رہبری کرتا ہے ۔ انہیں پیش آمدہ خطرات سے آگاہ کرتا اور انسانی تہذیب و تمدن کا رخ تباہی و بربادی کی طرف بڑھنے سے روک کر تعمیر و ترقی کی طرف موڑ دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا اپنا عمل قرآن و سنت کے مطابق ہو ۔ تلوار اٹھانے کے لئے کسی کا متقی ہونا شرط نہیں لیکن قرآن کو اٹھانے کے لئے یہ شرط ہے کہ " لا یمسہ الا المطھرون " پاک لوگوں کے سوا اس کے علوم و معارف کسی اور پر نہیں کھلتے کیونکہ " واللہ یحب المطھرین " اللہ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے اور اللہ کی محبت کا یہ استحقاق صرف آنحضرت صلعم کے کامل متبعین کو ہی حاصل ہو سکتا ہے ۔

یہ ہے اسلامی نظریہ جہاد جسے اس زمانے میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے پیش کیا جسے آج آپ کو اور آپ کی جماعت کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے والے بھی اپنا رہے ہیں ۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ اخبارات میں " جہالت کے خلاف جہاد ۔ بیماری کے خلاف جہاد ، غربت و افلاس کے خلاف جہاد کا ذکر عام ہوتا ہے لیکن " جہالت " ، بیماری اور غربت و افلاس کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی جاتی ۔ سخت کوشش اور محنت کی جاتی ہے ۔

ایک ضروری اعلان

مقامی جماعت احمدیہ لاہور مورخہ ۲۶ مئی بروز جمعرات بوقت ۸½ بجے شام "مسجد دارالسلام" میں یوم وصال حضرت مسیح موعود کے سلسلہ میں ایک تقریب کا اہتمام کر رہی ہے ۔ جو احباب لاہور شہر سے شرکت کے لئے آئیں گے ان کے لئے احمدیہ بلڈنگس تا دارالسلام [illegible] کا بندوبست کر دیا گیا ہے ۔ تقریب کے اختتام پر احباب کی خدمت میں کھانا پیش کیا جائے گا ۔ لاہور کے علاوہ دوسری جماعتوں کو بھی مدعو کیا جا رہا ہے ۔

(صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور)

کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک عظیم الشان کارنامہ

محمد عبدالحق مجاہد امرتسری لاہور

ایک وقت تھا جب یورپ اسلام پر بڑے زور شور سے حملہ آور ہو رہا تھا یورپین مصنفین ہر رنگ اور طریق سے اسلام کے خلاف کوشاں تھے دنیا جہان کے عیوب اور ہر قسم کے نقائص اسلام کی طرف منسوب کئے جاتے تھے پادری صاحبان بے شمار دولت اور کثیر التعداد رضا کاروں اور دولتوں کی فوج کے ساتھ اسلام کو مٹانے میں مصروف تھے وہ عیسائیت کو تمام خوبیوں کا جامع قرار دیتے ہوئے عیسائیوں کے دنیاوی عروج کو ثبوت میں پیش کرتے تھے اور علی الاعلان کہتے تھے کہ اسلام کی عیسائیت کے سامنے کوئی ہستی نہیں۔

مسلمانوں کی حالت

اس کے مقابلہ میں مسلمان کہلانے والوں کی حالت نہایت ہی اندوہناک تھی وہ اسلام کی تعلیم اور اس کی خوبیوں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے نہایت بری طرح عیسائیت کا شکار ہو رہے تھے ان کے پاس نہ صرف ان اعتراضات اور اتہامات کا کوئی جواب نہ تھا جو عیسائیت کے علمبردار اسلام کے خلاف پیش کرتے تھے بلکہ وہ اپنی بدقسمتی سے ایسے عقائد اختیار کر چکے تھے جن سے اسلام پر عیسائیت کی برتری ثابت ہوتی تھی اور عیسائی ان عقائد کو پیش کرتے ہوئے انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے میں مصروف تھے، اگرچہ مسلمان کہلانے والے لاکھوں اور کروڑوں موجود تھے ان میں مال و دولت رکھنے والے بھی تھے لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ دنیا کے سامنے اسلام کو پیش کرنے کی جرأت کر سکے یا مخالفین کے حملوں سے اسلام کو بچا سکے وہ اسلام جس نے تھوڑی سی مدت میں دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی تھی جس نے گڈریوں اور بدو داعیوں میں اتنی جرأت و ہمت پیدا کر دی تھی کہ انہوں نے بڑے بڑے سلاطین زمانہ کو صداقت اسلام کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا، وہی اسلام نہایت بیکسی اور بے بسی میں چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا تھا۔ اور اس پر سب سے خطرناک حملے عیسائیت کی طرف سے ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے اور خاندانی اسلامی روایات میں پرورش پانے والے یا تو اپنے گھروں میں بیٹھے بیٹھے زندگی کے دن گذار رہے تھے یا پھر عیسائیت کے گڑھے میں گرنے کے لئے مجبور ہو رہے تھے

مسلمانوں کے محافظ کی بعثت

مسلمانوں کی یہ حالت عیسائی مناد اور عیسائیت کو دنیا میں پھیلانے والوں کے حوصلے بڑھا رہی تھی وہ زیادہ سے زیادہ زور و شور کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ساز و سامان کے ساتھ حملے پر حملے کرتے جا رہے تھے اور قریب تھا کہ اسلام کا نام و نشان دنیا سے مٹا دیتے اور کوئی مسلمان باقی نہ رہتا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی حفاظت کا سامان پیدا کر دیا اسلام کو دشمنوں کے نرغے سے چھڑا کر اپنا خوشنما چہرہ دنیا کو دکھانے کا سامان کیا اور اس محافظ اسلام کو مبعوث کیا جس کی بعثت کی خبر اس نے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دی تھی، اور بتایا تھا کہ جب اسلام پر نہایت ہی نازک وقت آئے گا تو اس موعود کے ذریعہ دجالی فتنہ کو پاش پاش کر کے اسلام کی حفاظت کی جائے گی عیسائی پادریوں کی شکل میں دجالی فتنہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا اور مسلمان کہلانے والوں نے خواہ وہ حکمران تھے یا محکوم تھے یا محکوم جاہل تھے یا عالم عوام یا خواص غرض سب نے اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے بلکہ ان میں سے بہت سے اس فتنہ میں ممد و معاون بن گئے تھے جیسے عبداللہ آتھم سلطان محمد پال وغیرہ اسلام نہایت حقیر اور ذلیل سمجھا جانے لگا تھا ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے دین اسلام کی حفاظت کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر فخر کرنے والے اور آپ کو تمام برکات کا جامع قرار دے کر آپ ہی کے فیض پانے والے کا دعوےٰ رکھنے والے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو مسیح موعود کی حیثیت میں مبعوث فرمایا آپ نے قادیان کی مقدس سرزمین سے بآواز بلند یہ فرمایا کہ ؎

> میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر
> میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

آپ نہایت ہی بے سر و سامانی کی حالت میں کھڑے ہوئے اور ساری دنیا کی مخالفت کا نشانہ بننا پڑا اور اپنے اور پرائے سب آپ کے دشمن ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر میدان میں غلبہ عطا فرمایا۔ آپ کو اسلام کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں پر فتح و نصرت حاصل ہوئی۔ ایسی عظیم الشان فتح کہ آج آپ کے اشد ترین مخالف بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں وہی عیسائیت جو اسلام کو مٹانے کے درپے تھی جس کے سامنے کہلانے والے مسلمان سرنگوں ہو چکے تھے اور جس کے آہنی پنجے سے اسلام کو بچانے کی صورت نظر نہ آتی تھی اسی عیسائیت کے متعلق آج موٹے حروف میں لکھا جا رہا ہے کہ :-

> "عیسائیت اسلام کے سامنے
> سرنگوں ہو رہی ہے"

اور عیسائی پادریوں کے بیانات ثابت کر رہے ہیں کہ :-

> "مغربی لوگ اسلام کی برتری کو ماننے
> اور اسلامی تعلیم کی عزت کرنے کے لئے
> دن بدن مجبور ہو رہے ہیں"

انقلاب عظیم کیونکر ہوا ؟

اس انقلاب عظیم کی وجہ اور مغربی لوگوں کا اسلام کی برتری تسلیم کرنے کا باعث بالکل ظاہر ہے اور وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی بعثت ہی ہے کیونکہ جب عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام بالکل ضعیف و زار ہو گیا تو مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اب اس کے محفوظ رہنے کی کوئی صورت نہیں تو اس وقت آپ ہی اس کی حفاظت کے لئے کمر بستہ کھڑے ہوئے آپ ہی نے اسلام کی برتری تمام ادیان پر ثابت کی، آپ ہی نے اسلامی تعلیم کی خوبیاں دنیا کے سامنے پیش کیں اور اس کے مقابلہ میں عیسائیت کے پرخچے اڑا دیئے پھر وہ آپ کی قائم کردہ جماعت ہے جس کے سرفروش مجاہد نہایت بے سر و سامانی کی حالت میں عیسائیت کے بڑے بڑے مراکز میں تعلیم اسلام کی خوبیاں مغربی لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور انہیں عیسائیت کے غار سے نکال کر اسلام کے جھنڈے تلے لا رہے ہیں، یہ وہ حقیقت ثابتہ ہے جس سے مذہبی دنیا کے متعلق معمولی سے معمولی واقفیت رکھنے والا کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا اور کرے بھی کیونکر، جبکہ تمام اسلامی دنیا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوا کوئی شخص ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس نے اسلام کی حفاظت کا علم بلند کیا ہو اور جس نے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی برتری ثابت کی ہو جس نے ایسی جماعت قائم کی ہو جو عیسائی ممالک میں نہایت کامیابی کے ساتھ تبلیغ اسلام کر رہی ہو جو اسلام کی خوبیاں مغربی لوگوں کے سامنے پیش کر کے انہیں اسلام قبول کرنے اور عیسائیت کو ترک کرنے کے کارنامے سرانجام دے رہی ہو جب تمام عالم اسلامی میں جماعت احمدیہ کے سوا کوئی ایسی جماعت نہیں ہے تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ اب وہی عیسائیت جو پہلے اسلام کو کھائے جا رہی تھی اسلام کے سامنے سرنگوں ہو رہی ہے

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن ـــ سبق نمبر ۱۳

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ

ترجمہ: رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت پر کھلی دلیلیں اور حق و باطل میں فرق کر دینے والی (کتاب) ہے۔ پس تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے تو چاہئیے کہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں میں گنتی پوری کر لی جائے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا اور یہ کہ تم گنتی پوری کرو۔ اور اللہ کی بڑائی کرو اس لئے کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور تاکہ تم شکر کرو۔

میں نے پچھلے درس میں رمضان کے روزوں کے متعلق جو پہلی دو آیات ہیں اُن پر روشنی ڈالی تھی۔ منجملہ اور باتوں کے میں نے عرض کیا تھا کہ روزے انسان کے اندر جو حیوان ہے اُسے سیدھا کر انسان کے قابو میں لے آتے ہیں تاکہ انسان اس حیوان پر سواری کر کے اپنی اخلاقی اور روحانی منازل طے کرے اور بلندیوں کو پائے۔ میں نے اس سلسلہ میں سورۃ النحل ۱۶ کی آیات ۸، ۹ کا حوالہ دیا تھا کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے ظاہر میں حیوان مثلاً گھوڑا، خچر اور گدھا بنائے ہیں تاکہ انسان اُن پر سوار ہو کر اپنا سفر طے کرے باطن میں قسم ہا قسم کے حیوان انسانوں کے اندر بنائے ہیں تاکہ وہ ان پر سوار ہو کر اپنا باطنی سفر طے کریں۔ وہاں اگلی آیت یُوں ہے کہ وعلی اللہ قصد السبیل و منہا جائر ؕ یعنے اللہ ہی پر سیدھی راہ پر چلانا ہے اور بعض راہیں تو ٹیڑھی ہیں۔ ظاہر میں تو اس زمانہ میں بہت کم لوگ گھوڑے اور خچریں اور گدھے سواری کے لئے استعمال کرتے ہیں اور جو کرتے بھی ہیں وہ خدا پر سیدھی راہ بتانے کا ذمہ نہیں ڈالتے۔ یہاں خطاب تمام نسلِ انسانی سے ہے۔ اس لئے عالمِ ظاہر کی حیوان سواریوں کے ذکر میں دراصل انسان کے باطن میں حیوانی سواری مہیا کرنے کا ذکر ہے جو ہر انسان کے لئے ہے۔ اور باطن کے اندھیرے میں انسان کو کدھر جانا ہے یہ وہ خود ہرگز معلوم نہیں کر سکتا۔ اسی لئے قرآن حکیم نے فرمایا کہ باطنی سفر میں سیدھی راہ پر چلانا اللہ تعالےٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے اور ساتھ ہی خبردار کیا کہ راستے ٹیڑھے بھی ہیں، تم اُن پر بھٹک جاؤ گے اگر اللہ تعالےٰ کی ہدایت پر عمل نہ کرو گے۔

تو اسی لحاظ سے روزوں میں باطنی حیوان کو قابو میں لا کر اُس پر سوار ہو جانے کے بعد کیا عمدہ قرآن پاک کے نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے کہ رمضان کا ہی مہینہ وہ ہے کہ جس میں قرآن نازل ہوا وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت پر دلیلیں دیتا ہے اور حق و باطل میں یعنے سیدھے راستہ اور ٹیڑھے راستوں میں فرق کر کے دکھاتا ہے بحمدہٖ و سبحان اللہ العظیم کیا انگوٹھی پہ نگینہ کی طرح یہ آیت آن کر بیٹھی ہے۔ انسان کے باطنی سفر کے لئے ہدایت دینے کو اللہ تعالےٰ نے یہ قرآن اتارا ہے۔ یہاں قرآن کی تین خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے۔ اوّل تو ھدی للناس بتائی۔ اللہ تعالےٰ تو ہمیشہ انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنی کتنے ہی نبی بھیجتے رہے ہیں اور آگے میں تحریف اسلاف کے علاوہ گنتی جیسی کہ موسیٰ بیں ان کا اعتراف خود بائیبل کے سکالر کرتے ہیں۔ تو قوموں نے خدائی ہدایت کو کھو دیا تھا۔ فرمایا کہ وہ کھوئی ہوئی ہدایت کو اس قرآن کے ذریعہ (جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالےٰ نے اپنے اوپر لیا ہے) نسل انسانی کو دوبارہ دیا جاتا ہے۔ مثلاً روزہ کی عبادت کو ہی لے لیجئے۔ روزہ تو تمام قوموں پر ایک ہی جیسا فرض ہوا تھا (جیسا کہ میں پچھلے درس میں قرآن کریم کے اپنے الفاظ سے بتا آیا ہوں) مگر کسی قوم نے روزہ کی مدت کو گھٹا کر برائے نام کر دیا تو کسی قوم نے کھانے پینے کی چند چیزوں کے سوا باقی کو اپنے لئے روا کر لیا۔ پھر دوسری قوموں کو بعض احکام وقتی ضرورت کے ماتحت دیئے گئے مثلاً موسوی شریعت کی سختی بنی اسرائیل جیسی صدیوں کی بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کے لئے ضروری تھی مگر اسرائیلی فقیہوں نے اسے سخت سے سخت تر بنا دیا تو ضروری ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ تشریف لا کر اس میں ضروری نرمی پیدا کریں مگر بعد میں اُن کے مریدوں نے شریعت کو ہی غیر ضروری قرار دیدیا جو دوسری انتہا تھی۔ بہر حال تمام امور دینی اور علوم و معرفتِ باطنی کی جو تکمیل قرآن شریف نے کی وہ اس کا خاص امتیاز ہے۔ یہ واحد الہامی کتاب ہے جس نے دعوٰی کیا کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی یعنے اللہ تعالےٰ نے آج تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر تمام ہو گئیں، ورنہ رسول اللہ صلعم سے قبل حالانکہ ہزارہا سال سے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی آ چکے تھے پھر بھی نوبت کہاں تک پہنچی تھی؟ مثلاً بنی اسرائیل جیسے سلسلۂ نبوت میں جس میں ہزارہا چھوٹے بڑے نبی آ چکے تھے اور تورات، زبور اور انجیل جیسی الہامی کتابیں آ چکی تھیں اس کا حال حضرت عیسیٰؑ کی زبانی سنیئے جو سلسلۂ بنی اسرائیل کی تکمیل کرنے آئے تھے اور رسول اللہ صلعم سے معاً قبل ایک عظیم نبی تھے۔ انہوں نے فرمایا:۔ "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنے روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔" (یوحنا باب ۱۶، آیات ۱۲ تا ۱۴)

پھر قرآن شریف کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ اس نے تمام کھوئی ہوئی ہدایتیں اپنے اندر جمع کیں جیسا کہ فرمایا فیھا کتب قیمۃ (البیّنۃ ۹۸-۳) یعنے پچھلی الہامی کتابوں میں سے جو بھی تعلیم قائم رکھنے کے قابل تھی وہ اس قرآن میں جمع کر دی گئی ہے اس لئے لازماً قرآن کریم دیگر تمام الہامی کتابوں کی تصدیق بھی فرماتا ہے جو اس کا

ایک اور امتیاز ہے۔ مثلاً فرمایا وانزلنا الیک الکتٰب بالحق مصدقاً لما بین یدیہ من الکتٰب و مھیمناً علیہ (المآئدۃ - ۴۸) "اور ہم نے تیری طرف کتاب اتاری حق کے ساتھ (جو کھویا گیا تھا) وہ تصدیق کرتی ہے الہامی کتابوں کی جو اس سے پہلے ہوئیں اور اُن پر محافظ بھی ہے"۔ یعنے ان کی جو بھی تعلیم محفوظ کرنے کے قابل تھی وہ اس نے کر لی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں پہلے انبیاء کے حالات میں ان کی تعلیم کا بارہا ذکر آیا ہے۔ تو نہ صرف کھوئی ہوئی آسمانی ہدایت کو اس قرآن کے ذریعہ سے دنیا کو دوبارہ دیا گیا بلکہ اس کی تکمیل بھی کی گئی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تمام یعنے مکمل کر دیا گیا۔ اور اس کتاب کو ھدًی للنّاس بنایا جیسا کہ آج کے سبق میں فرمایا۔ یعنے بجائے کسی قوم کے خاص حالات کے لئے جیسے کہ پہلی ہدایتوں کا پیغام تھا یہ کتاب اب تمام نسل انسانی کے لئے قیامت تک کے لئے ہے۔ یہ قرآن کریم کا ایک اور امتیاز ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ واقعات نے اس کی تصدیق کی ہے۔ آج اور قومیں اپنی، اپنی الہامی کتابوں کو یا تو بالکل چھوڑ چکی ہیں یا کم سے کم ان سے اپنی زندگی کے لئے ہدایت کو نہیں ڈھونڈھتیں۔ اس کے برعکس مسلمان دن بدن قرآن کی طرف زیادہ رجوع کر رہے ہیں مثلاً اپنے قوانین بنانے میں۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ قرآن کریم کی جن تعلیمات پر اہلِ مغرب کو آج سے ۸۰، ۹۰ سال سے زیادہ اعتراض تھا آج مغربی اقوام انہی تعلیمات قرآنی کو اپنا رہی ہیں مثلاً دفاعی جنگ کی ضرورت یا طلاق کی اجازت وغیرہ، وغیرہ۔ اس لئے قرآن حکیم اب ھدًی للنّاس (یعنے تمام لوگوں کے لئے ہدایت) بن رہا ہے اگرچہ اس پر غیر مسلم ابھی تک زبانی ایمان نہیں لائے۔

ایک اور بات جو آج کے سبق میں فرمائی وہ یہ کہ قرآن بیّنٰتٍ من الھدٰی ہے یعنے جو ہدایت دیتا اسکو زبردستی نہیں منواتا بلکہ دلائل دے کر منواتا ہے۔ یہ وہ قرآن کریم کا امتیاز ہے جو اور کسی الہامی کتاب میں نہیں ملتا۔ دوسری کتابیں یا تو اپنے مذاہب کی تعلیم یہاں تک کہ بنیادی اصولوں تک کا ذکر ہی نہیں کرتیں یا کرتی ہیں تو توقع رکھتی ہیں کہ اگلا FAITH یعنے محض ایمان رکھ کر قبول کرے اگرچہ وہ بات کتنی ہی ناقابلِ قبول ہو۔ مثلاً شرک جو اسلام کے سوا تمام دینوں میں آگیا اس پر ایک بھی دلیل کہیں نہیں ملتی ان دینوں کی کتابوں میں۔ مگر قرآن اللہ تعالےٰ کی توحید پر ہر قسم کے دلائل دیتا ہے۔ کہیں تمام کائنات کی وحدانیت اور ایک ہی قوانین میں جکڑے ہونا، یا انسان کی فطرت میں توحید کا ہونا۔ یا تمام نبیوں اور الہامی کتابوں میں اس کا ثبوت کسی نہ کسی رنگ میں باقی رہ جانا وغیرہ، وغیرہ۔

ایک اور امتیاز قرآن کریم کا جس کا ذکر آج کے سبق میں ہے وہ ہے والفرقان کے لفظ میں یعنے یہ کتاب حق اور باطل میں فرق کر کے دکھاتی ہے تاکہ انسان غلطی سے باطل میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ قرآن مجید واحد الہامی کتاب ہے جو نہ صرف مکمل ہدایت اپنے اندر رکھتی ہے بلکہ اس ہدایت کو منوانے کے لئے دلائل بھی دیتی ہے اور جو باتیں انسان کو گمراہ کر سکتی تھیں اُن کے باطل ہونے کا بھانڈا پھوڑتی ہے۔ نہ صرف سابق باطل عقائد کی غلطی کو ظاہر کرتی ہے بلکہ یہ کمال ہے جو کہ اللہ تعالےٰ کے کامل علم غیب کا ثبوت ہے کہ قرآن کے نزول کے بعد بھی جو غلط عقائد یا باتیں پیدا ہوں ان کا جواب بھی اس میں ہے جیسا کہ فرمایا لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہٖ ط تنزیلٌ من حکیمٍ حمید (حٰمٓ السجدۃ - ۴۲) یعنے "باطل اس کے آگے نہیں ٹھہر سکتا خواہ وہ اس سے پہلے کا ہو یا بعد میں آئے۔ یہ اس لئے کہ یہ کتاب نازل ہوئی ہے اس ذات کی طرف سے جو کامل حکمت والا ہے، تعریفوں والا ہے"۔ کہ اس نے ایسی کتاب ہمیں دی جو پرانے اور نئے تمام باطل عقائد کو ننگا کر کے رکھ دیتی ہے۔

اسی لئے حضرت مجدد صدی چہار دہم مرزا غلام احمد صاحب غیر مسلموں سے مناظروں اور مباحثوں میں فرمایا کرتے تھے کہ میں اسلام کی تائید میں جو بات کہوں گا قرآن حکیم سے کہوں گا۔ جو دلائل دوں گا وہ قرآن حکیم سے دوں گا اور جو تم غلط بات کہو گے اس کا ردّ قرآن حکیم سے کروں گا۔ کیا تم بھی اپنی الہامی کتاب سے یہ کرو گے کیونکہ وہ کیا خدا کی کتاب ہے جو یا تو اپنی بنیادی تعلیم ہی اپنے اندر نہ رکھتی ہو یا تھوڑا بہت رکھتی ہو تو اس کی تائید میں دلائل نہ رکھتی ہو بلکہ اپنے مریدوں سے توقع رکھے کہ وہ دلائل گھڑیں یا جو بات میں کہوں اس کا جواب دینے سے قاصر ہو اور اپنے مریدوں کا منہ دیکھے کہ تم جواب دو۔ مگر حضرت امام الزمان کے اس چیلنج کو کسی مناظر نے قبول نہ کیا۔ مگر پھر بھی حضرت اقدس خود اپنا تمام انحصار قرآن حکیم پر رکھتے تھے۔ مناظروں اور مقابلوں کے علاوہ جب کسی مسئلہ پر کتاب لکھنے لگتے تو اسے سامنے رکھ کر تمام قرآن حکیم کو شروع سے لے کر آخیر تک پڑھتے تھے۔ اور یہ عملی ثبوت تھا اس دعوے کا جو آج کے سبق کی آیت مبارکہ میں ہے کہ یہ قرآن نہ صرف مکمل ہدایت ہے بلکہ ہدایت کی تائید میں دلائل دے کر اُسے منوانا چاہتی ہے اور جو باطل اس کے سامنے آئے اس کی غلطیوں کو کھول کر انسان کو اس سے بچاتی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

(باقی آیندہ)

محمد علی میموریل فری ڈسپنسری

خدا ترس مخیّر دوستوں کیلئے حصولِ ثواب کا ذریعہ

مقامی جماعتِ احمدیہ کے زیرِ انتظام "احمدیہ بستی دارالسلام" نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں یہ فری ڈسپنسری اہالیانِ بستی کے علاوہ گرد و نواح کے مریضوں کو طبّی امداد بہم پہنچا رہی ہے۔ دکھی انسانیت کی خدمت کا سلسلہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے ڈسپنسری کو ایک مستند، قابل اور تجربہ کار ڈاکٹر کی خدمات حاصل ہیں جو روزانہ ۲ بجے بعد دوپہر سے ۶ بجے تک نہایت انہماک سے مریضوں کو دیکھتے ہیں اور دوا تجویز کرتے ہیں جو مفت دی جاتی ہے۔ اس کارِ خیر کی وسعت کے ساتھ ساتھ اخراجات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ آپ بھی دستِ کرم بڑھائیں اور ثواب دارین حاصل کریں آپ کے عطیات اگر مستقل صورت میں ماہانہ آئیں تو مفید تر ہو سکتے ہیں ورنہ جیسے آپ مناسب سمجھیں۔

عطیات بھیجنے کا پتہ

چوہدری ریاض احمد صدر مقامی جماعتِ احمدیہ

دارالسلام۔ ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن

لاہور ۱۶

غلام نبی مُسلم

میں وہ پانی ہوں کہ اُترا آسماں سے وقت پر

اکبر بادشاہ کی تخت نشینی کے ساتھ ہی ہندوستان میں حق وصداقت کا آفتاب شرک و بدعت کے غبار میں چھپنے لگا، اسلامی شعار کا احترام کم ہوتے ہوتے اجتماعی زندگی سے خارج ہو گیا حتیٰ کہ عالمگیر اورنگ زیب کی طویل جدوجہد اور دین پروری کے باوجود، اُن کی وفات کے ساتھ ہی مسلمانوں کے وقار کا ظاہری ڈھانچہ ٹوٹ گیا، اور دنیا نے حیرت اور عبرت کی نگاہ سے القینا علی کرسیہ جسدا کا منظر دیکھا، چند ہی سالوں میں دہلی کی سلطنت چراغ سحری بن گئی اور نہ صرف صوبیدار خود مختار ہو گئے بلکہ معاند قوتوں نے ملک کے مختلف حصوں میں سر اٹھا کر تسلط جمایا۔

اس انحطاط کو روکنے کے لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات نے جہاد کیا اور اکبر شاہی لادینی شعار کو ختم کیا آپ کے بعد ایک اور مرد کامل حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی سطوت و شوکت کی بحالی کا بیڑہ اٹھایا، اور گو آپ بوسیدہ اور فرسودہ عجمی نظام کو موت کی آغوش سے نہ بچا سکے تاہم آپ نے احیائے دین اور بقائے ملت اسلامیہ کے لئے اسلامی علوم کی ترویج کی طرف توجہ دی، آپ کا یہ اقدام تعمیر ملت کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوا، آپ نے علوم قرآنی کی کرنوں سے بے شمار اہل علم کے سینوں کو منور کیا اور ایک گروہ کو سرفروشی کے جذبے سے سرشار کر کے اس کام میں تیز کر دیا۔

لیکن یہ آسان کام نہ تھا، جہالت، تقلید اور توہم پرستی کے بندھن کو توڑنا آسان کام نہ تھا یہی وجہ تھی کہ جب مسلمانوں کو دین کے لئے حضرت سید احمد بریلوی اور حضرت سید اسماعیل رحمۃ اللہ علیہما نے دعوت جہاد دی، تو کروڑوں مسلمانوں میں سے چند سو لوگوں نے آپ کا ساتھ دیا، اور گو وہ انتہائی استقامت و شجاعت اور دلی تڑپ کے ساتھ دشمنوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے لیکن اپنے بلند مقصد کو انجام تک نہ پہنچا سکے۔

ایسے حالات میں اگر سات ہزار میل سے مٹھی بھر انگریزوں نے اس برصغیر پر قبضہ کر لیا تو تعجب کی کوئی وجہ نہیں، اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا انحطاط انگریزوں کی پیداوار تھا۔ وہ سخت غلطی خوردہ ہیں۔ مسلمانوں کو حکومت کے نشے نے اجتماعی اقدار زندگی سے دور پھینک دیا تھا، اور وہ اس بدمست شرابی کی طرح تھا، جو معمولی حالات کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا، یہ نہایت بیہودہ خیال ہے کہ مسلمانوں کا یہ زوال سیاسی قوت کے انحطاط کا نتیجہ تھا، اس قوم کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں جو سیاسی قوت کے سہارے زندہ رہتی ہے۔ سطوت و شوکت تو زندہ قوموں کی لونڈی ہوتی ہے۔ اور ان کے قدموں پر نثار ہوتی ہے نہ کہ ان کا ملجا و ماویٰ اور پناہ گاہ۔

مسلمان اخلاقی، علمی اور روحانی طور پر مر چکا تھا، جس کا ثبوت سراج الدولہ، ٹیپو شہید، سید احمد بریلوی اور ۱۸۵۷ء کے حریت پسندوں کی مسلسل ناکامی ہے، اور اس ناکامی نے ہر بار انحطاط کو تیز تر بنانے کا کام کیا انگریزوں نے ملک کو عدل اور آزادی خیال کی دولتیں عطا کیں۔ قلم اور ذہن آزاد ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی میدان میں شکست کے بعد معاندین اسلام نے علمی اور مذہبی میدان میں مسلمانوں کو شکست دے کر انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے پر زور صرف کر دیا۔ پادریوں اور آریہ سماجیوں نے اسلام کی صورت مسخ کرنے پر تن من دھن سے پورا زور لگا دیا۔ مسلمان امراء، فضلاء اور علماء سب بے حس اور بے بس تھے۔ گو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خان، مولانا آل حسن، سر سید احمد خان وغیرہم نے اس سیلاب کو روکنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے لیکن طوفان کا مقابلہ ان بزرگ علماء کا کام نہ تھا عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کے اسلام پر خطرناک اعتراضات کا جواب کسی دوسرے اور عالم کے پاس نہ تھا اسی لئے ان کی کوششوں کے باوجود لاکھوں مسلمان دین تبدیل کر بیٹھے یا برگشتہ ہو گئے۔

فی الحقیقت یہ اس کا کام تھا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کام کے لئے مامور کیا جائے، اور علوم مروجہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی قوت پا کر کھڑا ہو، زمانہ اپنے امام کو پکار رہا تھا، اسلام کی حفاظت کسی مجدد کا تقاضا کر رہی تھی، انا لہ لحافظون کا اعلان خداوندی کسی بستی میں چٹکیاں لے رہا تھا، لیظہرہ علی الدین کلہ کا نور تاریکیوں کو مٹانے کے لئے بے قرار تھا، افق اسلام پر کفر کی گھٹن ابر رحمت کو گھیر لانے کی منتظر تھی آخر مایوسی کے بادل چھٹ گئے، حق کا آفتاب چمکا باطل کی تاریکیاں کافور ہونے لگیں، اور پنجاب کے ایک گمنام گاؤں سے یہ شیریں اور حیات آفریں آواز دلوں کو گرمانے لگی ؎

میں وہ پانی ہوں کہ اترا آسماں سے وقت پر
میں ہوں وہ نور خدا جس سے ہوا دن آشکار

دنیا لاکھ حق پوشی سے چشم پوشی کرے۔ آخر ایک دن مؤرخ انیسویں صدی کے واقعات سے پردہ اٹھائے گا، اور پکار اٹھے گا کہ اسلام کے خلاف مسیحی اور آریائی تثلیثیوں کا حملہ شدید ترین تھا جس نے مسلمانوں کو بے بس اور اہل دل کو مایوس کر رکھا تھا۔ اور جس پہلوان نے باطل کے خلاف اسلام کے دلائل کو توڑا، جس نے براہین نیرہ کے ساتھ اسلام کی صداقت اور قوت کو ثابت کیا، جس نے کسر صلیب کر کے عیسائیوں کے منہ توڑ دیئے اور جس نے اپنے تعلق باللہ اور اپنی ذات کو اسلام کی صداقت پر بطور دلیل پیش کیا اور دلائل ساطعہ سے ہستی باری تعالیٰ، صداقت قرآن اور عظمت حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت کیا۔ وہ حضرت امام وقت مرزا غلام احمد قادیانی تھے (علیہ الرحمۃ و برکاتہ کثیراً کثیرا)

چھاپہ خانہ کی ایجاد، علم کی اشاعت و ترقی، کتب و رسائل کی کثرت نے ہر شخص اور گروہ کو اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے وسیع میدان اور سہولتیں میسر کر دیں، اور مخالفوں کے دلائل کا جواب علمی تصانیف کے ذریعے ہی ممکن تھا۔ تمام اسلامی تاریخ اور علمائے اسلام کی مساعی کا جائزہ لیجئے، مجددین میں حضرت امام غزالیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ دو بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے اپنی بلند پایہ تصانیف سے ایک تو اسلام کی دیگر ادیان پر فوقیت ثابت کی اور دوسرے باطل عقائد پر ضرب کاری لگائی لیکن ایک تو ان اکابر کے ادوار میں اسلام کو سیاسی برتری حاصل تھی، دوم اسلام کے خلاف عیسائیوں جیسی کوئی منظم تحریک نہ تھی، علاوہ من کل حدب ینسلون کے مصداق اس قدر بادی اور مالی وسائل سے اسلام کے حصار پر حملہ آور ہوئی ہو۔ اور نہ ہی علمائے انیسویں صدی کی بے کسی، دین سے بے رغبتی، اور جہالت کا دور دورہ اور نہ ہی پراگندہ کے وہ وسائل موجود تھے، جو امام زمان کو درپیش تھے، آپ کے ارشاد کے مطابق ؎

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید
دین حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

ان ناساعد بلکہ معاندانہ حالات میں آپ کو جس معینانک کام سے واسطہ پڑا وہ اپنی کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ آپ نے اسلام کی حفاظت اور صداقت منوانے کے لئے چار محاذوں پر جنگ لڑی لیکن یہ تلوار کی جنگ نہ تھی بلکہ دلائل و براہین کی جنگ تھی جس میں آپ نمایاں طور پر غالب آئے اور دشمنوں کو راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کچھ نہ سوجھا،

آپ نے اسلام دشمنوں کے تین ہزار اعتراضات جمع کئے۔ آپ کی اولین بلند پایہ تصنیف براہین احمدیہ تھی۔ اس کتاب میں آپ نے (۱) ہستی باری تعالیٰ (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت اور (۳) حقیقت وحی والہام کے بارہ میں دشمنوں کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا، ہر سہ امور کی صحت اور ضرورت پر بے نظیر دلائل پیش کئے، اور تینوں کی صداقت پر اپنے تعلق باللہ اور الہامات کو بطور نشان صداقت پیش کیا، اس کتاب کی اشاعت سے دشمنان اسلام سٹپٹا تو گئے لیکن ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا، ان کی مذہبی کتب انہیں بے بس اور تہی دامن نظر آئیں۔ کسر صلیب اور رد تثلیث کا یہ دلفریب منظر اہل ایمان کے لئے استقامت اور فخر و مباہات کا موجب بنا، ایک مدت کی بے بسی کے بعد مسلمانوں کی نگاہیں فخر سے اونچی ہوئیں۔

استیلائے اسلام

اسلام کی کمزوری، کس مپرسی اور بے بسی کے زمانے میں لیظہرہ علی الدین کلہ کا مژدہ سنایا گیا اور دنیا نے حیرت سے دیکھا کہ مکہ کے دُرِّ یتیم کی یہ پیشگوئی آپ کی حیات طیبہ میں ہی ہو بہو پوری ہوئی۔ اور تمام ادیان نے اسلام کی عظمت کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور اسلام کو ایسا غلبہ نصیب ہوا کہ اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرت مجدد صد چہاردہم کی زندگی میں یہی نظارہ دوبارہ دہرایا گیا، دنیا نے حضرت مرزا صاحب کی قلمی جنگ دیکھی اور تمام ادیان کے پیروکاروں نے اس صداقت کا اعتراف کیا اور اس کے لئے قدرت نے خود اسباب پیدا کئے، ۱۸۹۶ء میں لاہور کے علمی مرکز میں تمام مذاہب کا ایک علمی اجتماع ہوا۔ جلسہ میں پڑھے جانے کے لئے موضوع مقرر کر دیا گیا، اور تمام مذاہب کے اکابر کو دعوت دی گئی۔ کہ وہ سوالات کی روشنی میں اپنی اپنی دینی کتب سے جوابات دے کر اپنے دین کی فوقیت ثابت کریں۔ غلبہ حق کے لئے اس سے بہتر موقع کہاں مل سکتا تھا۔ تمام مذاہب کے دینی رہنماؤں نے طبع آزمائی کی لیکن حضرت امام وقتؑ کا اسلام کی حقانیت پر مضمون اتفاق رائے سے بہترین قرار پایا اور نہ صرف اس کی خاطر جلسہ کا وقت بڑھا دیا گیا بلکہ غیر مسلم ججوں نے اس کے حق میں فیصلہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تاریخ عالم میں یہ دوسرا واقعہ تھا کہ اعلانیہ مقابلے میں دلائل و براہین سے اسلام کا غلبہ تسلیم کیا گیا، لیکن یہ غلبہ بھی سید الانبیاء حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا تھا۔ کیونکہ فنا فی الرسول ہونے کی وجہ سے مرزا صاحب کا وجود نفی کا حکم رکھتا تھا۔

بس کہ من در عشق او ہستم نہاں
من ہمانم من ہمانم من ہماں

عشق خدا — عشق رسول — عشق قرآن

آپ نے نہ صرف دلائل کے ساتھ اسلام کی سچائی دنیا پر واضح کی۔ بلکہ اپنے عمل اور تحریر سے خدا، رسول اور قرآن کے عشق و محبت کا اظہار کیا، آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر حرکت اسی پاک جذبے کے مظہر تھے، اگر آپ نے حمد باری تعالیٰ، نعت حبیب خدا صلعم اور توصیف قرآن

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا

"اگر کسی کو درد ہوتا ہو اور میں نماز میں مصروف ہوں۔ میرے کان میں اس کی آواز پہنچ جائے تو میں چاہتا ہوں کہ نماز توڑ کر بھی اگر اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں تو فائدہ پہنچاؤں اور جہاں تک ممکن ہے اس سے ہمدردی کروں۔"

بنی نوع انسان سے ہمدردی اور دکھی انسانیت کے لئے مامور من اللہ کے یہ الفاظ اس کام کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں اور ہمارے لئے یہ سبق مہیا کرتے ہیں کہ کسی مرحلہ پر بھی اس خدمتِ خلق کے کام کو پس پشت نہ ڈالا جائے۔

آفتاب الدین احمدؒ ہومیو پیتھک خیراتی دارالشفاء

گذشتہ ۱۴ سال سے حضرت اقدس کے ان درد بھرے جذبات کو عملی صورت دے کر اُن پاکیزہ خیالات کی صحیح عکاسی کر رہا ہے۔ اسلام میں حقوق العباد کو جو درجہ حاصل ہے، وہ دیگر مذاہب میں موجود نہیں، ہم جو اسلام کے نام لیوا نبی اکرم صلعم کے شیدائی اور مسیح وقتؑ کے پرستار کہلاتے ہیں حقوق العباد کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ یہ **دارالشفاء** عامۃ الناس کی خدمت کا بہترین ذریعہ ہے، جو سکون قلب اور تسکین روح کا سامان ہے، وہ لوگ جو دوسروں کے لئے راحت، درد کے، دکھ، دکھ جانے امداد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر اپنے فضل کے دروازے کھول دیتا ہے یہ فخر صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اخوت اور مروّت کے بے پایاں جذبات کو جنم دیا ہے۔ اگر ہم بھائی چارہ کے جذبات سے معرا ہیں تو اسلام کی تعلیم سے دُور جا رہے ہیں، **"آفتاب الدین احمد دارالشفاء"** آپ کو خدمتِ خلق کا بہترین موقع مہیا کرتا ہے۔

آپ بھی اس نافع الناس اور انسان دوست ادارہ کی امداد فرما کر اُن ہزارہا حاجتمندوں کی دعائیں حاصل کر سکتے ہیں۔ جن کو دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر نصیب نہیں ہوتا وہ ادویات کہاں سے خرید سکتے ہیں۔

عطیات

محاسب صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور قبول کرتے ہیں۔

ــــ اعزازی مہتمم دارالشفاء

علم کے سلسلے میں نثر میں بھی شاعری فرمائی، تاہم شاعر ہونے کے باوصف آپ نے مدائح، نعتِ رسول اور وصفِ قرآن میں جس قدر بلند پایہ نظمیں تحریر فرمائیں وہ اپنی کثرت و عظمت کے لحاظ سے تمام اسلامی تاریخ میں ایک منفرد مقام رکھتی ہیں اور دنیائے اسلام میں کوئی واحد شاعر نہیں ملے گا جس نے اس میدان میں اتنا زیادہ اور بلند کلام چھوڑا ہو اور یہ بات عربی اور فارسی کلام میں بالخصوص نمایاں ہے، اور قرآن کو محبوب بنا کر اس کی مدح میں اسقدر موثر، دلکش اور عظمت نما نظمیں آپ کے سوا دنیا بھر میں کہیں نہیں ملتیں۔

اسلام کی صداقت پر مناظرے

آپ نے قلم کے ذریعے ہی اسلام کی تبلیغ و تائید نہیں کی اور قریباً نوّے کے لگ بھگ کتب کی تصنیف سے اسلام کی حقیت باطل مذاہب پر قائم نہیں کی بلکہ ملک کے مختلف حصوں میں تحریری مناظرے کر کے دشمنان اسلام کے مبلغ علم کا پول کھولا اور ان کا منہ بند کر دیا۔ چنانچہ آپ نے آریہ، مسیحی اور دیگر مکاتیب فکر کا ناطقہ بند کر دیا۔ حتیٰ کہ دیگر مذاہب کے اہل علم نے آپ کے مقابلے میں عملاً عجز کا اظہار کیا، پنڈت رام، دھرم آریہ اور پادری آتھم سے مناظرہ کر کے آپ نے اپنے علم و صداقت کا سکہ بٹھایا۔ نتیجہ یہ ہوا ــــ

چہ ہیبت ہا بدادند ایں جواں را
کہ ناید کس بمیدان محمدؐ

مناظروں میں حقیقت پسندی

آپ کے زمانے میں مناظروں کا مقصد تحقیق حق کی بجائے دوسرے مذاہب کی تنقیص اور مخالف کی لطائف الحیل سے تذلیل مقصود ہوتی تھی۔ اور اس ضمن میں ہر حربہ استعمال کیا جاتا تھا۔ آپ نے نہ صرف معترضین کے اعتراضات کی تردید اُن کے اپنے ہی معتقدات اور لٹریچر سے کی بلکہ ان کے سامنے یہ قیمتی طریق رکھا کہ ہر معترض اگر دوسرے کے عقائد کی تردید کرے تو فریقِ مخالف کی مستند کتب کو ملحوظ رکھے۔ ایسا اعتراض نہ کرے جو اس کے اپنے معتقدات پر بھی وارد ہوتا ہو، ایسے اعتراض سے پرہیز کرے جس کی تردید اسی کتاب میں دوسرے مقامات پر بکثرت ہو۔ اعتراض کرتے وقت تہذیب و شائستگی سے کام لے کیونکہ بصورت دیگر اس کا شیشے کا محل بھی کلوخ اندازی سے محفوظ نہیں رہے گا۔ علاوہ ازیں اگر کوئی شخص اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے تو دعوے اور دلیل ہر دو دینی کتب سے پیش کرے کیونکہ وہ کتاب ناقص ہے جو دعوے تو پیش کرے مگر اس کی صداقت پر دلیل نہ رکھتی ہو۔ ایسی کتاب تو اپنے نام لیواؤں کی محتاج ہوگی۔ آپ مناظروں کو اچھا ناپسند کرتے تھے اس لئے آخر میں اس شرط پر مناظروں سے دستبرداری کا اظہار کیا کہ اگر اغیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے خلاف بدزبانی ختم کر دیں تو ہم ان کے باطل عقائد کی تردید بند کر دیں گے۔

بُرہانِ ساطع

میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسمان سے وقت پر
میں ہوں وہ نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

ہر مذہبی جماعت نے اپنے معتقدات لے کر ایک فلسفہ بنا رکھا ہے جس کی تبلیغ و ترویج سے اس جماعت کی تنظیم برقرار ہے یہی وجہ ہے کہ صدیاں گذرنے پر بھی ان کا وجود قائم ہے، اور اس میں خدا پرست، مشرک، ملحد، عقلیین، مادہ پرست، تثلیث پرست، دوئی پسند وغیرہ سب شامل ہیں۔ لیکن آپ نے اسلام کی صداقت پر اپنی ذات کو بطور حجت پیش کیا، اور دنیا کو بتایا کہ صرف اسلام ہی ایسا مذہب، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایسے نبی برحق ہیں۔ جن کی کامل اتباع سے انسان زندہ خدا سے زندہ تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ خدا اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔ ... دیتا ہے اس کی دعائیں قبول کرتا ہے اور اس پر غیر معمولی برکات نازل فرماتا ہے۔ اور اسلام کی صداقت کا اس دور میں زندہ ثبوت میں ہوں۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر صدہا پیشگوئیاں کیں جو ورث نکلیں، برکاتِ الٰہیہ کے نزول کی خوشخبریاں سنائیں جو پوری ہوئیں سینکڑوں دعائیں کیں، جو اللہ تعالیٰ نے پوری کیں اور خلق خدا کی مشکلات دور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید سے تحریر و تقریر کے میدان میں دشمنوں کو للکارا اور انہیں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا، چنانچہ یہ بھی دلیل ایسی تھی کہ آپ کے مخالف مقابل میں بے بس ہو گئے۔ اور اسلام کی حجت قائم ہو گئی۔ اور قرآن کا ارشاد

توفنی اطھا کل حیبی - برگ و بار لایا۔

تجدید ملت

مسلمانوں کے زوال کی بڑی وجہ فرقہ بندی کی لعنت تھی۔ آپ نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ جو شخص کلمہ طیبہ پڑھتا ہے اسے مسلمان سمجھا جائے۔ اور مسلمان ایک خدا، ایک رسول اور ایک کتاب پر اکٹھے ہو جائیں۔ اختلاف رائے کو وجہ تکفیر نہ بنایا جائے۔ تمام مسلمان مل کر دین حق کی مدافعت اور تبلیغ و اشاعت میں لگ جائیں مسلمانوں کے اندرونی اختلافات پر اظہار خیال آپ کے مقاصد سے ہمیشہ خارج رہا۔ آپ نے علماء سے ہمیشہ تعاون کی اپیل کی، اور صرف اُن علماء کے اعتراضات کے جوابات دیئے جو آپ کی مخالفت میں شب و روز مصروف تھے، تاہم ان کے جماعتی عقائد اور مسلک کے خلاف لب کشائی سے حتی الوسع گریز کیا۔ آپ کی بیسیوں تصانیف اس حقیقت پر شاہد ناطق ہیں۔ البتہ دین کے متعلق بعض علماء کے بعض غلط مفروضات کی قرآن و سنت کی روشنی میں تغلیط کی، اور اس پہلو سے اپنا دامن غیر آلودہ رکھنا ایک مردِ حق ہی کا کام ہو سکتا تھا۔

عقیدہ ختم نبوت کی توثیق و تاکید

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کا بنیادی اصولوں سے ہے یعنی مسلمانوں کا ... ایک مسیح نبی اس کی دوبارہ آمد کا قائل تھا، آپ نے یہ حقیقت واضح کی کہ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا خواہ نیا ہو یا پرانا (۲) وحی نبوت و رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے اور باب نزول جبریل درباره وحی رسالت و نبوت قیامت تک مسدود ہے۔ (۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا مدعی مفتری، کاذب اور لعنتی ہے۔ (۴) اللہ تعالیٰ نے فنافی الرسول بندوں کو وحی ولایت سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور اس اُمّت کے اولیاء انبیاء کے رنگ میں رنگین ہونے کی وجہ سے بموجب حدیث **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** انبیاء کے مثیل ہوتے ہیں۔ نبی نہیں کیونکہ تکمیل دین کے بعد انبیاء کی نہیں مجددین دین کی ضرورت ہے، اور میں اُن میں سے ایک ہوں، کاش اپنے اور بیگانے اس مجدد حق کو پہچانتے۔ لیکن وہ وقت دُور نہیں جب کہ آپ کو پہچانا جائے گا اور دنیا آپ کے جھنڈے تلے پناہ لے گی۔

امروز قوم من نشناسد مقام من
روزے بگریہ یاد کنند وقت خوشترم

حدیثِ نبویؐ

تم مجھے مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

۱۔ بولو تو سچ بولو۔ (۲) وعدہ کرو تو پورا کرو
۳۔ امانتدار بنو۔ (۴) بدنظری سے بچو
۵۔ کسی پر ظلم نہ کرو (۶) بدکاری سے بچو

حضرت مسیح موعودؑ کی پاک و مطہر زندگی اور خدمات دینیہ

جلسہ یوم وصال کے موقعہ پر حضرت امیر مرحوم کی تقریر دلپذیر

سورۃ فاتحہ پڑھ کر فرمایا۔

جس طرح اللہ تعالےٰ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور ان کی ہر بات کو ماننا ضروری ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امت کی بہتری اور بھلائی کے لئے خدا تعالیٰ اپنا مجدد بھیجا کرے گا جو امت کو بیدار کرتا رہیگا۔ چنانچہ حضور صلعم کے فرمان کے مطابق اس صدی کے لئے ایک مجدد مبعوث ہوا آپ کے لئے اس مجدد کے کچھ اخلاق اور عادات اور خدمات دینیہ کا ذکر کرتا ہوں۔

حضرت کی پاک زندگی کے متعلق اہل قادیان کی شہادت

تین جگہ ایسی ہیں جو آپ کے حق میں شہادت پیش کرتی ہیں۔ ایک تو آپ کے گاؤں قادیان کے رہنے والوں کی شہادت ہے۔ قادیان کے ہندو، سکھ — امام وقت کو بڑا پارسا، بزرگ اور بھگت سمجھتے تھے۔ حالانکہ انہوں نے سکھوں، ہندوؤں پارسیوں اور عیسائیوں کے خلاف بڑی کتابیں لکھی ہیں اور ان کے مذہب پر تنقید کی ہے۔ اس کے باوجود قادیان کے رہنے والے یقین کرتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب بھگت ہیں اور بڑی کریم الاخلاق شخصیت ہیں۔ بچپن سے جوانی تک وہ آپ کی پاکیزگی کے قائل تھے۔ گھر والے کسی شخص کے متعلق خوب جانتے ہیں کہ وہ کس قسم کے اخلاق و عادات کا مالک ہے۔ کوئی شخص کسی بستی میں رہتا ہو اور سب کے سب اس کے متعلق کہیں کہ پیدائش سے لیکر موت تک وہ نیک اور پارسا رہا تو اس سے بڑھ کر اور کیا گواہی ہوسکتی ہے۔

اہل لاہور کی شہادت لارڈ بشپ لیفرائے سے مقابلہ

دوسری شہادت اس شہر لاہور کی ہے جہاں حضرت امام وقت کی صداقت کے کئی نشان لوگوں نے دیکھے۔ یہاں لارڈ بشپ لیفرائے آیا۔ وہ بڑا قابل اور عالم فاضل شخص تھا۔ عربی، فارسی، اور اردو خوب جانتا تھا۔ بہت عمدہ تھا۔ بڑا ذہین اور قادر الکلام تھا۔ خوش شکل اور رنگین شکل بھی تھا۔ میری اس سے ایک دفعہ ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بات کرنے کا طریق بہت عمدہ اور خوش تقریر تھا۔ اس شخص نے لاہور میں تقریر کی اور چیلنج دیا کہ میرے مقابلہ میں کوئی مولوی مسلمان نہیں آ سکتا۔ اور اعلان کیا کہ میں زندہ اور معصوم نبی پر تقریر کروں گا اور بتاؤں گا کہ زندہ اور معصوم نبی حضرت عیسٰیؑ ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ اس نے مسلمانوں کو اپنے مقابل پر آنے کی دعوت دی مسلمانوں کے لئے یہ بہت بڑا چیلنج تھا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑا حملہ تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے اس ہونے والے لیکچر کا جواب لکھ کر بھیجدیا۔ آپ نے لیکچر نہیں سنا لیکن قادیان میں بیٹھے ہوئے جواب لکھ دیا۔ چنانچہ پادری صاحب کے لیکچر کے بعد جب مرزا صاحب کا جواب پڑھ کر سنایا گیا تو اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ اس میں لارڈ بشپ کے ہر ایک سوال اور ہر ایک اعتراض کا جواب تھا۔ اہل لاہور پر بہت بڑا انکشاف ہوا اور وہ کہہ اٹھے کہ آج اس شخص کی وجہ سے اسلام کی عزت برقرار ہوئی۔ مسلمانوں کو بڑا فخر ہوا اس دن عیسائیوں کو بہت بڑی شکست ہوئی اور اسلام کو بہت بڑی فتح حاصل ہوئی۔ عیسائیوں نے چالاکی سے یہ کہا کہ یہ شخص مرزائی ہے اور مسلمانوں کا نمائندہ نہیں۔ لیکن سب لوگوں نے کہا کہ وہ مسلمان ہے اور مسلمانوں کا نمائندہ ہے۔ پھر حضرت مرزا صاحب نے ایک اشتہار دیا کہ لیفرائے صاحب نے چیلنج دیا ہوا ہے کہ میں زندہ اور معصوم نبی پر تقریر کروں گا۔ اس مقابلہ پر کوئی آکر مجھ سے بحث کرلے۔ میں اس چیلنج کو قبول کرتا ہوں اور لارڈ بشپ کو لکھا کہ مناظرہ کا دن اور وقت مقرر کرلیں۔ بشپ لیفرائے نے اس کا جواب دینے سے انکار کر دیا۔ لاہور کے لوگ اس کے گھر پر چل کر گئے کہ آپ کو یہ چیلنج منظور کرنا پڑے گا لیکن اس نے نہ مانا اور مناظرہ کی جرأت نہ کی۔ اس نے بہانے تراشے کہ میں لارڈ بشپ ہوں اور میری مصروفیات بہت زیادہ ہیں۔ میں شملے جا رہا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ اس کام سے ضروری اور کونسی مصروفیت ہوسکتی ہے۔ لیکن وہ بھاگ کر شملے چلا گیا اور شملہ سے بحرین جا پہنچا۔ یہ اہل لاہور کا مشاہدہ ہے اور ان پر ایک بہت بڑی حجت ہے کہ حضرت مرزا صاحب اسلام کے جانباز سپاہی ہیں۔

جلسہ مذاہب میں اسلام پر معرکتہ الآرا مضمون

لاہور میں جلسہ اعظم مذاہب ہوا۔ جس میں مسلمانوں ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں، یہودیوں، برہمو سماجیوں آریوں وغیرہ تمام مذاہب کے نمائندوں نے شرکت کی۔ حضرت مرزا صاحب نے بھی مقررہ سوالات پر ایک مضمون لکھا۔ جو اس موقعہ پر پڑھکر سنایا گیا۔ حضرت مرزا صاحب کو یہ الہام ہوا کہ یہ مضمون بالا رہے گا۔ آپ نے قبل از وقت اعلان کر دیا کہ میرا مضمون بالا رہیگا یہ کسی انسان کا کام نہیں کہ کہہ دے کہ میرا مضمون بالا رہے گا جب تک خدا اس سے نہ کہے۔ اس جلسہ میں تمام مذاہب کے بڑے بڑے عالم فاضل موجود تھے۔ اگر یہ خدائی الہام نہ ہوتا اور آپ کا اپنا من گھڑت ہوتا تو آپ ہرگز اس کو شائع کرنے کی جرأت نہ کرتے کہ شاید کل کو یہ غلط ثابت ہو جائے۔ لیکن امام وقت کو یقین تھا کہ یہ الہام خدا کی طرف سے ہے۔ اس لئے قبل از وقت اس کا اعلان کر دیا اور مضمون جب پڑھا گیا تو سب کے سب پکار اٹھے کہ یہ مضمون سب سے اعلےٰ اور بلند پایہ ہے اور جو بورڈ فیصلہ کے لئے مقرر تھا۔ اس نے بھی یہی فیصلہ دیا۔ کہ حضرت مرزا صاحب کا مضمون بالا رہا۔

حضرت نبی کریمؐ کے متعلق غیرت اور لیکھرام کا قتل

آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت اور عشق تھا۔ نبی کریم کی ذات کے خلاف جو کوئی کچھ کہتا اس کے مقابلہ کے لئے کمربستہ ہو جاتے۔ لیکھرام نامی آریوں کا ایک بہت بڑا لیڈر تھا۔ وہ حضورؐ کو بڑی گالیاں دیا کرتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے اس کے اس چیلنج پر کہ کوئی نشان میرے متعلق دکھلاؤ، دعا کی کہ اے اللہ یہ شخص تیرے حبیبؐ کو گالیاں دیتا ہے اور آپؐ کی تکذیب کرتا ہے تو کوئی ایسا نشان دکھلا کہ نبی کریم صلعم کی صداقت دنیا پر روشن ہو جائے۔ آپ کو الہاماً بتایا گیا کہ لیکھرام عید کے بعد مارا جائے گا۔ جمعہ کے دن عید تھی۔ دوسرے دن لیکھرام شاہ عالمی دروازہ کے اندر وچھووالی کی ایک گلی میں جہاں تمام ہندو رہتے تھے کسی نامعلوم شخص کے ہاتھوں مارا گیا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایک چوبارہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ ہندوؤں کی گلی تھی۔ لیکن قاتل کا کسی کو پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ سارے پنجاب میں کہرام مچ گیا۔ ہندوؤں کے انتقام کا جذبہ بھڑک گیا۔ انگریز کی سلطنت تھی۔ آریہ قوم بڑی زبردست قوم تھی۔ تمام سرکاری محکموں میں آریوں اور ہندوؤں کا اثر و رسوخ تھا۔ دونوں قومیں اور عیسائی اور خود مسلمان بھی مرزا صاحب کے جانی دشمن تھے۔ آریوں نے کہا کہ لیکھرام کو مرزا صاحب

نے اپنے مرید کے ہاتھوں قتل کروا دیا ہے اور قاتل کو افشائے راز کے ڈر سے خود قتل کر کے اپنے مکان کے صحن میں دفن کر دیا ہے۔ اس پر آپ کے مکان کی بھی تلاشی کی گئی۔ صحن کھدوایا گیا۔ لیکن کچھ نہ نکلا۔

حضرت مرزا صاحب کو اپنے مریدوں کی طرف سے قادیان مبارکباد کی آئی ہوئی چٹھیاں ان کو بھی دکھائی گئیں اور خطوط کو بھی دیکھا گیا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ کو اس قتل سے خوشی ہوئی ہے؟ آپ نے کہا ہاں خدا کا نشان پورا ہوا ہے اس لئے مجھے خوشی ہوئی ہے۔ لیکن لیکھرام کی موت کا مجھے افسوس ہے۔

اہل یورپ کا مشاہدہ

یہ تو قادیان اور لاہور کے لوگوں کا مشاہدہ ہے۔ ایک مشاہدہ یورپ کا بھی ہے۔ یورپ میں فتح اسلام کے جھنڈے گاڑے گئے ہیں اہل یورپ مسلمان ہو رہے ہیں۔ وہ اہل یورپ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بدنام کرتے تھے وہ اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہترین شخصیت یقین کرنے لگے ہیں یہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار کرنا محال ہے یہ ایک ایسا حوش کن معجزہ ہے جس کا اثر دشمنوں اور دوستوں سب پر ہے۔ اسلامی ممالک میں ان مشنوں کی وجہ سے ایک لہر پیدا ہو گئی ہے وہ سب ان مشنوں کے گیت گاتے ہیں۔ اس نمایاں کامیابی کا سہرا حضرت مرزا صاحب کے سر ہے۔

ایک عرب ادیب کی شہادت

شکیب ارسلان ایک بہت بڑے آدمی ہیں۔ وہ عربی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کا مقام محمد عبدہ کے مقام کے برابر ہے۔ میں جرمنی جاتے ہوئے راستہ میں لوزان کانفرنس میں ان سے ملا۔ انہوں نے میرے اعزاز میں پارٹی دی اس کے بعد میں جرمنی چلا گیا۔ جب وہ برلن میں گئے تو میں ان سے ملنے گیا۔ وہ اوپر کی منزل میں تھے۔ میں نے وہاں جا کر ان کو السلام علیکم کہا۔ انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور سلام کا جواب دیا۔ دو تین سیکنڈ انتظار کر کے میں وہاں سے چلا آیا اور ان کے مکان کی لکڑی کی سیڑھیوں سے جلد جلد نیچے اترا۔ سیڑھیوں کی آواز نے ان پر میری خفگی کا اظہار کر دیا اور وہ میرے پیچھے آئے۔ اور کہا واپس تشریف لائیے اور مجھے دوبارہ سے ملے اور کہا کہ ہم عرب جو ہمارے دل میں ہوتا ہے وہی ہماری زبان پر ہوتا ہے میں نے آپ کے متعلق ایسی ایسی باتیں سنی ہیں کہ میں آپ کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں نے انہیں حضور نبی کریم کی حدیث سنائی کہ حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی کے خلاف کوئی بات سنو تو اس کو اس وقت تک سچ نہ مانو۔ جب تک تم خود تحقیق نہ کر لو۔ آپ عالم ہیں فاضل ہیں۔ شاعر اور مصنف ہیں۔ آپ نے کس طرح بغیر تحقیق سنی سنائی باتوں کو قبول کر لیا۔ وہ سن کر نادم ہو گئے۔ انہوں نے کہا بتائیے آپ مرزا صاحب کو کیا مانتے ہیں۔ میں نے کہا مجدد۔ کہنے لگے کیا کہا؟ میں نے کہا مجدد۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ مجدد تو آتے رہتے ہیں یہ کونسی خلاف اسلام بات ہے۔ پھر کہا کہ کیا آپ ان کی کوئی کتاب دکھلا سکتے ہیں جن میں یہ بات لکھی ہو؟ میں نے کہا ہاں میں دکھلا سکتا ہوں۔ چلئے میرے مکان پر وہ میرے ساتھ میرے مکان پر آئے۔ میں نے آئینہ کمالات اسلام کا عربی حصہ ان کے سامنے رکھا جہاں لکھا ہے ولست بنبی میں نبی نہیں ہوں۔ انہوں نے پڑھ کر کہا۔ بس کافی ہے۔ میں نے کہا نہیں آگے دیکھیں ومن ادعی النبوت فقد کفر۔ جو دعوئے نبوت کرتا ہے وہ کافر ہے۔ انہوں نے کہا بس ٹھیک ہے میں نے کہا نہیں اور آگے دیکھئے آگے لکھا تھا و حتٰی علی راس مائۃ سنۃ رحیم الدین۔ یہ پڑھ کر کہا کہ اب تو بات بالکل واضح ہو گئی۔ میں بھی انہیں مجدد مانتا ہوں۔ اور یہ کامیابی جس کا میں نے جرمنی میں مشاہدہ کیا ہے یہ سب حضرت مرزا صاحب کی برکت کی وجہ سے ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ مامور من اللہ اور مؤید من اللہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اخباروں میں مضامین لکھے اور ایک عربی کتاب یہاں بھیجی جس کے دیباچے میں یہ سب کچھ لکھا ہوا تھا۔ تو جس طرح قادیان اور لاہور والوں نے حضرت کی نیکی اور دینی خدمات کا اعتراف کیا۔ یورپ میں بھی یقین کیا جاتا ہے کہ یہ شخص مامور ہے۔

عربی تصانیف کی بے نظیر فصاحت و بلاغت کا دعویٰ

ایک اور بات ہے۔ پنجاب کے ایک گاؤں کا رہنے والا یہ دعوئے نہیں کر سکتا کہ میں عربی زبان ایسی فصاحت اور بلاغت سے لکھوں گا جس کے لکھنے پر کوئی دوسرا قادر نہ ہو سکے لیکن مرزا صاحب اعلان کرتے ہیں کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں عربی زبان میں کتاب لکھوں جو فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بے نظیر ہو گی۔ اور کوئی عربی یا عجمی اس کتاب کی فصاحت و بلاغت، اور حقائق و معارف میں میرا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

چنانچہ آپ نے عربی میں بڑی فصیح و بلیغ کتابیں لکھیں اور ان میں معارف و حقائق بیان کئے۔ لوگوں نے اعتراف کیا کہ بے شک یہ کتاب بے نظیر ہے اور اس میں جو حقائق و معارف بیان کئے گئے ہیں وہ مرزا صاحب کا ہی حصہ ہے۔

* * *

مُجدّدِ وقت کی آواز

ہر طرف آواز دنیا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے وہ آئیگا انجام کار

اے حق کے طالبو اور اسلام کے سچے محبو! آپ لوگوں پر واضح ہے کہ یہ زمانہ جس میں ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں یہ ایک ایسا تاریک زمانہ ہے کہ کیا ایمانی اور کیا عملی جس قدر امور ہیں سب میں سخت فساد واقع ہو گیا ہے اور ایک تیز آندھی ضلالت اور گمراہی کی ہر طرف چل رہی ہے۔ وہ چیز جس کو ایمان کہتے ہیں اس کی جگہ چند لفظوں نے لے لی ہے جن کا محض زبان سے اقرار کیا جاتا ہے اور وہ امور جن کا نام اعمال صالحہ ہے ان کا مصداق چند رسوم یا اسراف اور ریاکاری کے کام سمجھے گئے ہیں اور جو حقیقی نیکی ہے اس سے بکلی بے خبری ہے۔ اس زمانہ کا فلسفہ اور طبعی بھی روحانی صلاحیت کا سخت مخالف پڑا ہے اس کے جذبات اس کے جاننے والوں پر نہایت بداثر کرنیوالے اور ظلمت کی طرف کھینچنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ وہ زہریلے مواد کو حرکت دیتے اور سوتے ہوئے شیطان کو جگا دیتے ہیں۔ ان علوم میں دخل رکھنے والے دینی امور میں اکثر ایسی بدعقیدگی پیدا کر لیتے ہیں کہ خداتعالیٰ کے مقرر کردہ اصولوں اور صوم و صلوٰۃ وغیرہ عبادت کے طریقوں کو تحقیر اور استہزاء کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں ان کے دلوں میں خداتعالیٰ کے وجود کی بھی کچھ وقعت اور عظمت نہیں بلکہ اکثر ان میں الحاد کے رنگ سے رنگین اور دہریت کے رگ ریشہ سے پُر اور مسلمانوں کی اولاد کہلا کر پھر دشمن دین ہیں۔ جو لوگ کالجوں میں پڑھتے ہیں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہنوز وہ اپنے علوم ضروریہ کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوتے کہ دین اور دین کی ہمدردی سے پہلے ہی فارغ ہو چکتے ہیں۔ یہ میں نے صرف ایک شاخ کا ذکر کیا ہے جو حال کے زمانہ میں ضلالت کے پھلوں سے لدی ہوئی ہے مگر اس کے سوا صدہا اور شاخیں بھی ہیں جو اس سے کم نہیں۔۔۔۔

(فتح اسلام)

* * *

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی نسبت آج کل اس قدر بُرا بھلا کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ سچ ہے تو نعوذ باللہ آپ سے بڑھ کر اسلام کا دشمن کون ہو سکتا ہے؟ - جو اعتراضات آپ کی ذات پر اور آپ نے جو کچھ کیا اس کی بابت کئے جا رہے ہیں اُن کے شمار اور اُن کے جوابات کے لئے ایک کتاب لکھی جائے تو لکھی جائے، اس مختصر مضمون میں اُن پر تبصرہ کرنا ممکن نہیں۔ حضرتِ اقدس زندہ ہوتے تو وہ ان کا کما حقہٗ جواب دیتے۔ ایک فوت شدہ انسان کی ذات، اعتقادات اور خدمات (خصوصًا جبکہ اُن کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کی نظیر کم ملتی ہے) پر اعتراض کرنا تو آسان ہے مگر جیسا جواب متوفی خود دیتا وہ میرے جیسے نااہل انسان کے لئے کارے دارد ہے۔

خوش قسمتی سے وہ سب اعتراضات ان کی زندگی میں ہی ان پر ہوئے اور انہوں نے اُن سب کے جوابات ایک دفعہ نہیں متعدد بار خود اپنی زبانِ مبارک سے اور تحریرًا دئے، خانۂ خدا (جامع مسجد دہلی) میں حلفیہ بیانوں کے ذریعہ سے دیئے، اشتہارات اور اپنی کتابوں میں دیئے، مباحثوں اور مناظروں میں دیئے، مباہلے تک کئے اور اسی لئے اگرچہ شدید مخالفت اور مزاحمت کا سلسلہ ساری عمر جاری رہا مگر ساتھ ساتھ لاکھوں مسلمان جن میں بڑے بڑے علماء وفضلا تھے (مثلًا حضرت مولانا نور الدین علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا محمد احسن امروہوی، حضرت مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹی، مولوی حسن علی صاحب مبلغ ومناظرِ اسلام اور دوسرے بزرگ تھے) اور بعض مشائخ (مثلًا حضرت شاہ عبد اللطیف صاحب جو کہ امیر کابل کے پیر تھے اور امیر کی تخت نشینی کے وقت اور دستار بندی اُن سے کرائی جاتی تھی) اور زمانۂ حال کے علوم کے درخشندہ ستارے مثلا حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے ایل ایل بی تھے۔ جن دونوں بزرگوں نے بعد میں اسلام کی تاریخی خدمات سر انجام دیں اور اسلام پر ایسا لٹریچر چھوڑ گئے کہ رہتی دنیا تک اُن کا نام زندہ رہے گا۔ آج بھی اُس اسلامی لٹریچر کی مانگ دُنیا بھر میں ہے یہاں تک کہ ہم اکثر سٹاک ختم ہو جانے کی وجہ سے اس مانگ کو پُورا نہیں کر سکتے۔

تحریری شہادت

خود حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے جو اسلام پر لٹریچر چھوڑا وہ آج بھی موجود ہے۔ جس کا دل چاہے پڑھ لے۔ اور اس سے نہ صرف تمام اعتراضات کا جواب مل جائے گا بلکہ حضرتِ اقدس نے جو خدماتِ اسلام کی کیں اُن کی عظمت اور افادیت کا پڑھنے والے کو علم ہو سکے گا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ معترضین صاحبان اور عامۃ الناس اس کو پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ پھر جو بات میں کہوں یا میری طرح حضرتِ اقدس کا کوئی اور ماننے والا کہے اس کو خوش اعتقادی یا یکطرفہ بات سمجھا جائیگا۔ اس لئے قارئین کی تسلّی کی خاطر میں کچھ آراء اُن علماء و فضلا، مشائخ اور پیر صاحبان اور اس زمانہ کے ادیبوں اور نقادوں کی پیش کرتا ہوں جو حضرتِ اقدس کے مرید نہ تھے۔ اس لئے اُن کی آراء کو تو خوش اعتقادی یا یکطرفہ رائے نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی پہلی معرکۃ الآراء تصنیف "براہین احمدیہ" چار جلدوں یا حصّوں میں تھی۔ اس تصنیف میں اسلام کی صداقت، قرآنِ پاک کی حقانیت اور حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلے اللہ علیہ وسلّم کے کامل اور زندہ نبی ہونے کی تائید میں منجملہ اور ٹھوس دلائل کے حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اپنا تجربہ پیش کیا کہ وہ قرآن پاک کی اور حضور نبی کریم صلعم کی اتباع کر کے صاحبِ وحی والہام بن گئے اور چودھویں صدی ہجری کے مجدّد مقرر ہوئے ہیں۔ ان دونوں دعووں کو جانتے ہوئے اس معرکۃ الآراء کتاب کو تمام مسلمانوں اور علماء وفضلاء نے بے حد تحسین وآفرین کے قابل سمجھا۔ مثلًا اس زمانہ کے ممتاز اہلِ حدیث عالم مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے جو تبصرہ اس کتاب پر لکھا وہ پڑھنے کے قابل ہے:-

"ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالات کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہائے مخالفینِ اسلام خصوصًا فرقہ آریہ و برہمو سماج کا اس زور و شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔ اور دو چار ایسے اشخاص انصارِ اسلام کی نشاندہی کر دے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بیڑہ بھی اُٹھایا ہو اور مخالفینِ اسلام اور منکرینِ الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدّی کے ساتھ یہ دعوٰی کیا ہو کہ جس کو وجودِ الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آ کر اس کا تجربہ ومشاہدہ کر لے اور اس تجربہ اور مشاہدہ کا اقوامِ غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو۔"
(اشاعۃ السنہ جلد ۷، صفحہ ۱۵۲)

بعد کی مخالفت

بدقسمتی سے یہی مولوی صاحب بعد میں جب حضرت اقدس کے دعوائے مسیح موعود پر مخالفت کا طوفان اٹھا تو اس میں ایسے بہے کہ انہوں نے سارے ہندوستان میں دورہ کر کے اور حضرت اقدس کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے علمائے وقت

میں سے بعض کے دستخط حضرت اقدس کے خلاف فتوئ کفر پر کرا کر انہیں شائع کیا۔ مگر چونکہ اُن کی فطرت میں ایک خوبی تھی جس کا اظہار وہ مندرجہ بالا شہادتِ حقہ سے دے چکے تھے اس لئے بعد میں حضرتِ اقدس کو جنابِ الٰہی سے خبر دی گئی جو آپ نے ۴ مئی ۱۸۹۳ء کو اپنی کتاب حجۃ الاسلام میں عربی زبان میں لکھی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "میں نے دیکھا کہ یہ شخص (یعنی مولوی محمد حسین بٹالوی) اپنی موت سے قبل میرے مومن ہونے پر ایمان لائے گا اور میں نے دیکھا کہ جیسے اس نے تکفیر کرنی چھوڑ دی ہے اور رجوع کر لیا ہے۔"

یہ پیشگوئی حضرتِ اقدس کی وفات کے بعد نہایت صفائی سے پوری ہوئی جب مولوی محمد حسین صاحب نے ضلع گوجرانوالہ کے منصف (سب جج) لالہ دیو کی نندن کی عدالت میں حلفی شہادت میں حضرت اقدس کی جماعت کو مسلمان قرار دیا۔ حالانکہ اسی حلفی بیان میں بلکہ معاً قبل انہوں نے "مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعوئ مسیحیت اور مہدویت" کا ذکر کیا جس دعوے کی بنا پر ماضی میں وہ اس قدر ناراض ہو گئے تھے کہ انتہائی عقیدت سے انتہائی مخالفت اختیار کر لی تھی۔ مگر اب وہ دعوئ اُن کے نزدیک قابل اعتراض نہ رہا۔ اور یہ بھی خوبی کی بات ہے کہ انسان اپنی غلطی کی اصلاح کر لے۔

بعد میں شملہ میں جب ایک نجی محفل میں ایک احمدی نے ان سے کہا کہ مولانا اب تو آپ نے مرزا صاحب کی صداقت کو پہچان لیا ہے تو اب تو ان کو مان لیں۔ مولوی محمد حسین صاحب نے کہا اگر حضرت مرزا صاحب زندہ ہوتے تو میں اُن کی بیعت کر لیتا مگر وہ تو اب فوت ہو چکے ہیں۔ تو حاضرینِ محفل میں سے ایک نے کہا کہ مولانا! حضرت مولوی نورالدین صاحب اُن کے خلیفہ موجود ہیں آپ اب اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ تو مولوی محمد حسین صاحب نے کہا کہ نورالدین تو مجھ سے کچھ زیادہ نہیں جانتا، وہ تو میرے برابر بھی نہیں۔ میں اس کی بیعت نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر مرزا صاحب زندہ ہوتے تو میں ان کی بیعت کر لیتا۔

(کتاب مجدد اعظم جلد اول صفحہ ۶۱۹)

کچھ اور آراء

اسی طرح حضرتِ اقدس کی وفات پر اور بعد میں جو آراء بعض غیر احمدی صاحبان نے تحریر فرمائی ان میں سے چند بطور نمونہ پیشِ خدمت ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہوں نے بطور ایڈیٹر اخبار "وکیل" امرتسر (جو اُن دنوں کا بلند پایہ اور باوقار مسلم اخبار تھا) مندرجہ ذیل تبصرہ حضرتِ اقدس کی ذات اور خدمات پر کیا۔

"وہ شخص۔ بہت بڑا شخص۔ جس کا قلم سحر تھا، اور زبان جادو، وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا، جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی، جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے، اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں، وہ شخص جو مذہبی دُنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا، جو شورِ قیامت ہو کر خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا رہا، خالی ہاتھ دُنیا سے اٹھ گیا۔ یہ تلخ موت، یہ زہر کا پیالۂ موت جس نے مرنے والے کی ہستی تہ خاک کر دی، ہزاروں لاکھوں زبانوں پر تلخ کامیاں بن کے رہے گا۔ اور قضا کے حملہ نے ایک جیتی جان کے ساتھ جن آرزوؤں اور تمناؤں کا قتلِ عام کیا ہے، صدائے ماتم مدتوں اس کی یادگار تازہ رکھے گی۔

میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق نہ حاصل کیا جائے اور مٹانے کے لئے اسے امتدادِ زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دُنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو، اُن تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو، محسوس کرا دیا کہ اُن کا ایک بڑا شخص اُن سے جدا ہو گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اُس شاندار مدافعت کا جو اُس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے کہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پامال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے۔۔۔۔۔

مرزا صاحب اُس پہلی صفِ عشاق میں نمودار ہوئے تھے جس نے اسلام کے لئے یہ ایثار گوارا کیا کہ ساعتِ مہد سے لیکر بہار و خزاں کے سارے نظارے ایک مقصد پر، ہاں ایک پیمانِ وفا پر قربان کر دیئے۔۔۔۔۔

میرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر اُن سے ظہور میں آیا قبولِ عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ وقت ہرگز لوحِ قلم سے نسیاً منسیاً نہیں ہو سکتا جبکہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا، اور مسلمان جو حافظِ حقیقی کی طرف سے عالمِ اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مأمور تھے، اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے۔۔۔۔

غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبارِ احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرضِ مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے، اور حمایتِ اسلام کا جذبہ ان کے شعارِ قومی کا عنوان نظر آئے، قائم رہے گا۔ اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے۔۔۔۔۔

فطرتی ذہانت، مشق و مہارت، اور مسلسل بحث و مباحثہ کی عادت نے مرزا صاحب میں ایک شانِ خاص پیدا کر دی تھی۔ اپنے مذہب کے علاوہ مذاہبِ غیر پر اُن کی نظر نہایت وسیع تھی اور وہ اپنی اُن معلومات کا نہایت سلیقہ سے استعمال کر سکتے تھے۔ تبلیغ و تلقین کا یہ ملکہ اُن میں پیدا ہو گیا تھا کہ مخاطب کسی قابلیت یا کسی مشرب و ملّت کا ہو اُن کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ ضرور گہرے فکر میں پڑ جاتا تھا۔۔۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابل پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی اُن میں مخصوص قابلیت تھی۔"

میں نے اس ایڈیٹوریل کے چیدہ حصّے نقل کئے ہیں۔ جو قارئین پورا تبصرہ پڑھنا چاہیں وہ کتاب مجدد اعظم کی جلد دوم میں پڑھ لیں۔ اس کتاب کے محترم مصنف نے اس تبصرہ کو اخبار وکیل کے مستقل ایڈیٹر مولانا مولوی عبداللہ العمادی صاحب کی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر مولانا عبدالمجید سالک صاحب کی کتاب "یارانِ کہن" کے صفحات ۴۱۔ اور ۴۲ پر مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے بارہ میں لکھا ہے کہ وہ ان دنوں اخبار "وکیل" کی ادارت پر مامور تھے اور مندرجہ بالا شاندار شذرہ انہوں نے ہی لکھا تھا۔ بلکہ بقول سالک صاحب کے مولانا ابوالکلام آزاد حضرت مرزا صاحب کی وفات پر امرتسر سے لاہور آئے جہاں انہوں نے رحلت فرمائی تھی اور وہاں سے حضرت مرزا صاحب کے جنازہ کے ساتھ بٹالہ تک گئے تھے۔

مزید آراء

ان بلند پایہ علماءِ وقت کے علاوہ اس زمانہ کے بلکہ آج بھی مشہور روحانی بزرگ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب سجادہ نشین چاچڑاں شریف کی رائے سُنیئے۔

"مرزا صاحب نیک اور صالح انسان ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے الہامات کی ایک کتاب ارسال کی تھی۔ ان کا کمال اس کتاب سے ظاہر ہے۔ وہ صادق آدمی ہے، اور مفتری اور کاذب نہیں۔"

(ارشاداتِ فریدی حصہ سوم ص۴۲)

"مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بھی حق پر ہیں۔ اور اپنے معاملہ میں سچے اور صادق ہیں۔ اور آٹھوں پہر اللہ تعالےٰ کی عبادت میں غرق رہتے ہیں۔ اور اسلام کی ترقی اور امرِ دین کو بلند کرنے میں جان سے کوشش کرتے ہیں۔ کوئی بات میں اُن میں بُری اور قبیح نہیں دیکھتا۔ اگر مہدی اور عیسےٰ ہونے کا دعوٰی کیا ہے تو وہ بھی ان باتوں میں سے ہے جو جائز ہے۔" (ارشاداتِ فریدی حصہ سوم ص۸۹)

"مرزا صاحب تو اپنے تمام اوقات خدا تعالےٰ کی عبادت اور دُعا، نماز اور قرآن کریم کے پڑھنے میں اور اس قسم کے اشغال میں گذارتے ہیں۔ دینِ اسلام کی حمایت کے لئے آپ نے ایسی کمر باندھی ہے کہ ملکۂ زمان (یعنی ملکہ وکٹوریہ) کو لندن میں دعوتِ اسلام بھیجی ہے اور اس طرح بادشاہ (زارِ) روس و فرانس اور دیگر سلاطین کو اسلام کی دعوت دی ہے۔ اور آپ کی تمام تر سعی و کوشش اس امر کیلئے ہے کہ عقیدۂ تثلیث اور صلیب جو کہ سراسر کفر و الحاد ہے نابود ہو جائے۔ اور اس کی بجائے اسلامی توحید پھیل جائے۔ علماءِ وقت کی طرف دیکھو کہ باقی تمام جھوٹے مذاہب کو چھوڑ کر صرف اس نیک مرد پر ٹوٹ پڑے ہیں جو رسولِ خدا کی پوری پیروی کرنیوالے اور صراطِ مستقیم پر چلنے والے اور راہِ ہدایت دکھلانے والے ہیں۔ ایسے برگزیدہ انسان اور فردِ کامل پر کفر کے فتوے لگا دیتے ہیں، حالانکہ اس کے کلام کو دیکھا جائے تو انسانی قدرت سے باہر ہے۔ اور آپ کا تمام کا تمام کلام معارف و حقائق سے لبریز ہے اور سراسر ہدایت کا رستہ ہے۔ اور آپ اہل سنّت والجماعت کے عقائد و دینِ محمدی کی ضروریات سے ہرگز منکر و انکاری نہیں۔" (ارشاداتِ فریدی حصہ سوم ص۶۹)

اب ایک اور مشہور و معروف مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے دیباچہ تفسیر القرآن سے سنیئے۔

"ولایت کے انگریزوں نے روپے کی بہت بڑی مدد کی اور آئندہ کی مدد کے وعدوں کا اقرار لے کر (پادریوں نے۔ ناقل) ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا۔۔۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور پادری اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسےٰ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو چکا ہے اور جس عیسےٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں۔ اسی ترکیب سے اُس نے نصرانیوں کو اتنا تنگ کیا کہ ان کو پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور اسی ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لیکر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دی۔"

(ص۳ سنہ ۱۹۳۴ء ایڈیشن)

ایک اور علماءِ وقت میں ممتاز مولانا احمد اللہ صاحب کی رائے سنیئے۔ یہ بزرگ مولوی ثناء اللہ امرتسری کے استاد تھے جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کی آخری ایّام میں اس قدر مخالفت کی:۔

"جب علمائے اسلام نے مرزا صاحب پر کفر کا فتوی دیا تھا اُسوقت مولوی ثناء اللہ صاحب کے استاد مولوی احمد اللہ صاحب نے اس کی مخالفت کی تھی اور مرزا صاحب کو نہ صرف مسلمان بلکہ اسلام کی خدمت کرنے والا قرار دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت کے بہترین افراد مرزائی ہو گئے۔" ("الفقیہہ" ۲۸/۱۲ فروری ۱۹۲۶ء)

عاشقِ قرآن

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے آخری ایام کی تبدیلئ خیالات کا آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی مخالفت کو سب جانتے ہیں۔ مگر جناب مرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔ اے بی ٹی موجودہ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے مجھ سے ذکر کیا کہ ایک دفعہ وہ انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے پبلک جلسہ میں موجود تھے جہاں مولوی ثناء اللہ صاحب قرآن کریم کی فضیلت پر تقریر کر رہے تھے۔ تقریر کے دوران مولوی ثناء اللہ صاحب نے کہا:۔

"اور جیسا کہ ایک عاشقِ قرآن نے لکھا ہے ؎
جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے + قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے"

سامعین میں سے کتنوں نے پہچانا ہو گا کہ یہ شعر حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا ہے مگر مولوی صاحب موصوف کو خوب پتہ تھا۔

اسی طرح جمعیتہ احرار کی احمدیت سے دشمنی محتاج بیان نہیں لیکن اس کے صدر چوہدری افضل حق صاحب کی قلم سے بھی ایک فقرہ جو لکھا گیا وہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ چوہدری صاحب موصوف انیسویں صدی عیسوی کے مسلمانوں کے جمود کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب "فتنۂ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں" کے صفحہ ۴۶ پر فرماتے ہیں:-

"آریہ سماج کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسد بیجان تھا جس میں تبلیغی حس مفقود ہو چکی تھی۔ سوامی دیانند کی مذہب اسلام کے متعلق بد ظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چونکا دیا مگر حسب معمول جلدی خواب گراں طاری ہو گئی مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہو سکی۔ ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا۔ ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے بڑھا۔ اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی سے پاک نہ ہوا تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابل تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔"

عاشقِ قرآن و رسولؐ

اسی طرح علامہ سر محمد اقبال کو کون نہیں جانتا۔ ان کی رائے رسالہ انڈین اینٹی کویری کے پرچہ برائے ستمبر سنہ ۱۹۰۰ء میں سے سنئے۔

"موجودہ ہندی مسلمانوں میں سے مرزا غلام احمد قادیانی سب سے بڑے دینی مفکر ہیں۔"

انہی مشہور و معروف علامہ کا خیال جو انہوں نے حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور سے بیان کیا وہ "شہادت حقہ" نامی ٹریکٹ کے صفحہ ۱۶ سے نقل کرتا ہوں۔

"ایک مرتبہ مجھے ایک بہت بڑے شخص یعنے ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کہا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کرنے والے بہت لوگ نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے ساتھ عشق کرنیوالے صرف مرزا غلام احمد صاحب ہیں۔"

یہ کہ حضرت مرزا صاحب نہ صرف عاشق قرآن تھے بلکہ عاشق رسولؐ بھی تھے وہ ان کی تمام تصانیف و تقاریر سے روز روشن کی طرح آشکارا ہے۔ کیا ان کا یہ شعر کافی نہیں ؎

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم + گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

اس کی شہادت غیر بھی دے گئے۔ علامہ نیاز فتح پوری مدیر "نگار" نے لکھا:

"اس وقت تک بانئے احمدیت کا مطالعہ جو کچھ میں نے کیا ہے (اور میں کیا جو کوئی خلوص و صداقت کے ساتھ ان کے حالات و کردار کا مقابلہ کرے گا اسے تسلیم کرنا پڑے گا) کہ وہ صحیح معنی میں عاشق رسولؐ تھے۔ اور اسلام کا بڑا مخلصانہ درد اپنے اندر رکھتے تھے۔"

(نگار لکھنو۔ جولائی ۱۹۶۰ء)

"مرزا غلام احمد صاحب نے اسلام کی مدافعت کی، اور اس وقت کی، جب کوئی بڑے سے بڑا عالم دین بھی دشمنوں کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔" (نگار، ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۶۰ء)

ایک اور اعتراف

ایک اور سابق مخالف مرزا حیرت دہلوی نے حضرت مرزا صاحب کی رحلت کے بعد اپنے اخبار "کرزن گزٹ" مورخہ یکم جون ۱۹۰۸ء میں فرمایا:-

"مرحوم کی وہ اعلےٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا۔ اور جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحیثیت مسلمان ہونے کے بلکہ محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے پادری کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھے مگر اس کے قلم میں اس قدر قدرت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہند میں اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔ ایک پُر جذبہ اور قومی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا اور جب لکھنے بیٹھتا تو جچے تلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی کہ بیان سے باہر ہے۔۔۔۔

اگرچہ مرحوم کے اردو علم ادب میں بعض مقامات پر پنجابی رنگ اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے تو بھی اس کا پُر زور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے۔ اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کے مریدوں میں عامی اور جاہل لوگ نہیں ہیں بلکہ قابل اور لائق گریجویٹ یعنے بی۔ اے اور ایم۔ اے اور بڑے بڑے فاضل مولوی بھی ہیں۔ موجودہ زمانہ کے ایک مذہبی پیشوا کے لئے یہ کچھ کم فخر کا باعث نہیں کہ قدیم و جدید (دونوں قسم کے) تعلیم یافتہ اس کے مرید بن جائیں۔ اس نے (دوسروں کی اپنے بارہ میں) ہلاکت کی پیشگوئیوں، مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا راستہ صاف کیا اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔ اس کے دعوے کے ہر (موقعہ) پر اس کے مریدوں کی طرف سے آمنا و صدقنا کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ اور ان آوازوں سے ہر شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مرحوم کو اس کی زندگی میں کتنی کامیابی نصیب ہو گئی تھی۔"

اسی طرح حضرت مرزا صاحب کی وفات کے بعد ایک موقعہ پر شمس العلماء مولانا سید میر حسن صاحب (جو ڈاکٹر سر محمد اقبال کے قابل قدر استادوں میں سے تھے) انہوں نے فرمایا:-

"افسوس ہے ہم نے ان کی قدر نہ کی۔ میں ان کے کمالات روحانی کو بیان نہیں کر سکتا۔ ان کی زندگی معمولی انسانوں کی زندگی نہ تھی بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خدا تعالےٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں۔"

اسی طرح حضرت مرزا صاحب کی وفات کے بعد مولوی سید وحید الدین صاحب مدیر "علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" کے جون ۱۹۰۸ء کے الیشوع میں حضرت اقدس کی مخالفینِ اسلام کے مقابلہ میں شمشیرِ قلم خوب چلانے کی تعریف لکھتے ہوئے اور اُن کی تصانیف لکھنے کا ذکر کرتے ہوئے جن میں سے بیس عربی زبان میں ہیں آخیر میں لکھا :-

"بے شک مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا۔"

حضرتِ اقدس کی وفات کے بعد مولوی بشیر الدین صاحب مُدیر "صادق الاخبار" نے مئی ۱۹۰۸ء کے پرچہ میں لکھا :-

"چونکہ مرزا صاحب نے اپنی پُر زور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفینِ اسلام کو اُن کے لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا ہے اور (ثابت) کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے، اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایتِ اسلام کما حقہٗ ادا کر کے خدمتِ اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم حامیٔ اسلام اور معین المسلمین، فاضلِ اجل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے۔"

شمس العلماء مولانا سید ممتاز علی صاحب نے لکھا :-

"مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے۔ اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی ہے۔ وہ نہایت باخبر عالم، بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں منصباً تو مسیح موعود نہیں مانتے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ہدایت و رہنمائی مُردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی کا کام کرتی تھی۔"

(اخبار تہذیب النسواں)

مُدیر اخبار میونسپل گزٹ لاہور نے بھی حضرت مرزا صاحب کی وفات پر لکھا :-

"مرزا صاحب علم و فضل کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے۔ تحریر میں بھی روانی تھی۔ بہرحال ہمیں ان کی موت سے بحیثیت اس بات کے کہ وہ ایک مسلمان عالم تھے نہایت رنج ہوا اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایک عالم دُنیا سے اُٹھ گیا۔"

مُدیر اخبار "البشیر" اٹاوہ (یو۔ پی) نے اپنے پرچہ مورخہ ۲ جون ۱۹۰۸ء میں لکھا :-

"اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت اقدس اس زمانہ کے نامور مشاہیر میں سے تھے۔ اس ترقی علوم و فنون کے زمانہ میں درحقیقت یہ امر کچھ حیرت انگیز نہیں ہے کہ ان کے کئی لاکھ راسخ الاعتقاد مرید ایسے تھے جو اُن کے ہر ایک حکم، ہر ایک پیشگوئی کو وحی خیال کرتے اور بلا چون و چراں اس کو تسلیم کرتے تھے۔ اُن مریدوں میں عوام النّاس اور جہلاء اور پڑھے لکھے غریب و امیر، عالم و فاضل اور نئے تعلیم یافتہ، غرضکہ ہر درجہ، ہر حیثیت کے مسلمان موجود ہیں۔ جو درجہ حضرت اقدس کو اپنے مریدوں میں حاصل تھا، اور جو اثر کہ حضرت اقدس کو اپنے مریدوں کی جماعت پر تھا، اس میں کچھ کلام نہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں نہ یہ اثر کسی مولوی اور نہ عالم و فاضل کو اپنے مریدوں، معتقدوں پر تھا، اور نہ کسی صوفی اور ولی اللہ کو اپنے مریدین پر تھا اور نہ کسی لیڈر اور نہ کسی ریفارمر کا اپنے مقلدین پر۔ چونکہ وہ مسلمانوں کی ایک جماعتِ کثیر کے پیشوا اور امام برحق تھے، لہٰذا تہذیب مجبور کرتی ہے کہ ہم اُن کی عزت کریں اور اُن کے انتقال پر افسوس کریں۔"

مولوی سراج الدین صاحب (والد ماجد مولانا ظفر علی خاں صاحب) نے اپنے اخبار "زمیندار" لاہور کے پرچہ مورخہ ۸ جون ۱۹۰۸ء میں منجملہ اور باتوں کے حضرت مرزا صاحب کی تعریف میں لکھا :-

"اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے ...... گو ہمیں ذاتی طور پر مرزا صاحب کے دعاوی و الہامات کے قائل اور معتقد ہونے کی عزت حاصل نہ ہوئی مگر ہم ان کو ایک پکا مسلمان سمجھتے تھے۔"

ماہنامہ "نگار" کے کچھ حوالے اوپر نقل ہو چکے ہیں۔ نومبر ۱۹۶۱ء کے پرچہ میں یہ بھی اعتراف موجود ہے۔

"...... میں نے اُن کو (یعنی مرزا غلام احمد صاحب کو) ختم رسالت کا اقرار کرنیوالا اور صحیح معنوں میں عاشقِ رسول پایا۔ اسی کے ساتھ میں نے مرزا صاحب کی زندگی کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ یقیناً بڑے باعمل، بڑے عزم و ہمت والے انسان تھے اور انہوں نے مذہب کی صحیح روح کو سمجھ کر اسلام کی وہی عملی تعلیم پیش کی جو عہدِ نبوی و خلفائے راشدین کے زمانہ میں پائی جاتی تھی۔"

پیرانِ طریقت کی شہادت

حضرتِ اقدس کی زندگی میں سید رشید الدین صاحب، "پیر صاحب العلم" (سندھ) نے حضرت اقدس کو عربی زبان میں ایک خط لکھا جو آپ نے اپنی تالیف ضمیمہ انجام آتھم میں چھاپا۔ اُس کا ترجمہ درج ذیل ہے :-

"میں نے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو عالم کشف میں دیکھا۔ پس میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کرتا ہے کیا یہ جھوٹا ہے یا مفتری ہے یا صادق؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صادق ہے اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ آپ حق پر ہیں۔ اب بعد اس کے ہم آپکے امور میں شک نہیں کریں گے اور آپ کی شان میں ہمیں کچھ شبہ نہیں ہوگا۔ اور جو کچھ آپ فرما دیں گے ہم وہی کریں گے۔ پس اگر آپ یہ کہو کہ ہم امریکہ چلے جائیں تو وہیں چلے جائیں گے۔ اور ہم نے اپنے تئیں آپکے حوالے کر دیا ہے اور ہمیں انشاء اللہ وفادار پاؤ گے۔"

ایک اور مشہور پیر صاحب یعنی پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کی رائے سنیئے۔

"امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بعض مقامات منازل میں ایسے ہیں کہ وہاں اکثر بندگانِ خدا پہنچ کر مسیح اور مہدی بن جاتے ہیں۔ بعض ان کے ہم رنگ ہو جاتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص (یعنے حضرت مرزا غلام احمد صاحب) منازلِ سلوک میں اُس مقام پر ہے یا حقیقتاً وہی مہدی ہے جس کا وعدہ جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس امت سے کیا ہے۔ مذاہب باطلہ کے واسطے یہ شخص شمشیرِ بُرّان کا

کام کر رہا ہے اور یقیناً تائید یافتہ ہے"۔

(الحکم ص۵، ۲۴ جون ۱۹۰۴ء)

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کی تائید و تصدیق آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔

ایک سوال

اس مضمون کا عنوان میں نے رکھا تھا "یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟"۔ یہ سوال ہر ٹھنڈے دل سے غور کرنے والے کے دل میں مندرجہ بالا شہادتوں، تائیدوں، تصدیقوں کو پڑھ کر اُٹھے گا کہ یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے کہ آج حضرت مرزا صاحب کو کافر، مفتری اور مدعیٔ نبوت کہا جا رہا ہے جبکہ تمام اعتراضات جو آپ پر آج کئے جا رہے ہیں وہ آپ کی زندگی میں بھی آپ پر کئے گئے اور انہوں نے بار ہا ان کا جواب بھی دیا۔ وہ اعتراضات اور ان کے جوابات تحریر میں موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان جوابات سے اُن لاکھوں مسلمانوں کی تسلی ہو گئی تھی جو حضرت اقدس کی شدّ و مد سے مخالفت کے باوجود اُن کے مریدین گئے اور حق کو قبول کرنے میں جو تکالیف، اذیتیں اور نقصانات ان کو اٹھانے پڑے وہ بھی انہوں نے خوشی سے قبول کئے۔ ان لکھو کھا حق پرستوں میں علماء و مشائخ اور انگریزی پڑھے لکھے قابل ترین انسان بھی تھے۔ ان کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ حضرت اقدس پر اُن تمام اعتراضات کو جانتے ہوئے جو آج بھی دوہرائے جاتے ہیں انہوں نے حضرت اقدس کو امامِ وقت قبول کیا اور ان کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دیں اور دُکھ سہے۔

اور سب سے بڑھ کر اُن علماء و فضلاء اور پیر صاحبان کو کس بات نے مجبور کیا جنہوں نے حضرتِ اقدس کی مریدی تو نہیں اختیار کی مگر حضرتِ اقدس کی زندگی میں اور بعد میں یعنی ان کی وفات کے بعد ان کی تعریف و مدح میں وہ شہادتیں لکھ کر تاریخ کے حوالے کیں جن میں سے چیدہ تحریرات میں نے اوپر لکھی ہیں؟ ان علماء، فضلاء اور سجادہ نشین صاحبان کو حضرت مرزا صاحب پر اُن تمام اعتراضات کا بخوبی علم تھا جو اس وقت بھی کئے گئے اور آج بھی دوہرائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کئی شروع میں مخالف پروپیگنڈا، سنی سنائی باتوں یا کسی غلط فہمی کی بناء پر سخت مخالفت بھی مگر بعد میں نہ صرف اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو گئے بلکہ مداح ہونے کا تحریری ثبوت دے گئے۔ ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کی تسلی حضرت مرزا صاحب کے جوابات سے ہو گئی تھی کہ ان پر جو اعتراضات کئے گئے وہ صحیح نہیں تھے۔ ان بزرگوں میں سے اکثر کے بیانات سے یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی اپنی کتابیں پڑھی تھیں۔ بس یہ فرق ہے سنی سنائی بات پر ایمان لے آنے یا کسی تحریر کو اس کے آگے پیچھے کے حصوں سے الگ کر کے پیش کرنے میں اور تحقیقِ حق میں۔

بدقسمتی سے حضرت اقدس کی وفات کے کئی سال بعد جماعت قادیان (حال ربوہ) کے غلو نے حضرت اقدس کی بابت غلط فہمیاں پیدا کرنے میں بہت مدد دی۔ اسلئے اور بھی ضروری ہو گیا کہ حق کے طالب صاحبان حضرت مرزا صاحب کی اپنی تحریروں کو من و عن پڑھیں۔ انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ آمین!

* * * *

اخبارِ احمدیہ

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں اور حسب معمول دینی امور کو بطریق احسن سرانجام دے رہے ہیں۔ احباب سلسلہ حضرت ممدوح کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دُعائیں جاری رکھیں۔

* **درسِ قرآن**

محترم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کا درس قرآن کا سلسلہ دارالسلام میں حسب معمول جاری ہے۔ احباب جماعت باقاعدگی سے اس میں شریک ہو کر روحانی فوائد حاصل کر رہے ہیں۔

* **سانحہ ارتحال**

ہیگ (ہالینڈ) سے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک چٹھی پہنچی ہے جس میں جماعت کے مخلص و معزز بھائی عبدالشکور حسینی صاحب نے اپنی ہمشیرہ کی وفات کی افسوسناک اطلاع دی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جامع احمدیہ دارالسلام میں ۱۳ مئی بعد نماز جمعہ غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھ کر مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

* **درخواستِ دُعا**

جماعت کے مخلص اور مخیر بزرگ میاں عبدالرحمٰن ایس۔ ڈی۔ او صاحب ایک عرصہ سے صاحب فراش ہیں۔ آنکھوں اور پیشاب کے عارضے میں مبتلا ہیں۔ احباب جماعت سے گذارش ہے کہ ان کی شفایابی اور دائمی صحت کے لئے دعا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفاءِ کاملہ اور صحت عاجلہ عطا کرے۔

* **وفاتِ حسرت آیات!**

سیالکوٹ سے یہ افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ شیخ انعام اللہ مرحوم کی بیگم صاحبہ انتقال کر گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ ڈاکٹر وحید احمد صاحب کی ہمشیرہ تھیں۔ ہمیں اس صدمہ میں شیخ انعام اللہ صاحب کے لواحقین اور ڈاکٹر وحید احمد صاحب اور مرحومہ کے جملہ خاندان سے دلی ہمدردی ہے۔ جامع احمدیہ دارالسلام میں ان کا بھی ۸۳-۵-۱۳ بعد نماز جمعہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے جنازہ غائبانہ پڑھایا۔ بیرونی جماعتوں سے بھی جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

* **کاتبِ پیغامِ صلح کو صدمہ**

محمد بشیر احمد صاحب، کاتب پیغام صلح کا نومولود بچہ مورخہ ۵-۶ مئی ۸۳ء کی درمیانی رات ۳ بجے میو ہسپتال کے بچہ وارڈ میں ۱۲ گھنٹے موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر وفات پا گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس جانکاہ صدمے کے معاً بعد موصوف آنکھوں کے عارضے میں مبتلا ہو گئے جس کی وجہ سے ان کی نظر پر بُرا اثر پڑا ہے۔ اس دوگونہ مصیبت کے واقع ہونے پر ہمیں محمد بشیر احمد صاحب سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا نعم البدل عطا فرمائے اور آنکھوں کی بینائی قائم و دائم رکھے تاکہ وہ اپنے بچوں کی روزی حاصل کر سکیں اور پیغام صلح کی جو خدمت کر رہے ہیں اُسے بھی جاری رکھ سکیں۔ احباب سلسلہ سے دعا کی درخواست ہے

* * *

ازقلم :- محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ، لندن ۔

”تو مجھے یاد آیا“

پورے ساڑھے چار ماہ کے بعد اللہ کے فضل سے میرا مشرق کا دورہ خیر سے ختم ہوا۔ اور میں پھر اپنے چھوٹے سے گھر میں انگلستان کی ہری بھری وادی میں آبیٹھی ہوں۔ اس دورے کے دوران میں جہاں گئی۔ جن سے ملی۔ جو گذری وہ سب یادیں کچھ خوشگوار کچھ ناخوشگوار اب سرمایۂ دل بن گئی ہیں۔

ماہ دسمبر ۸۲ء کے آخر میں میری خوش قسمتی کہ مجھے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے جلسہ سالانہ میں شامل ہونے کی سعادت ملی۔ یہ جلسہ باوجود نرم گرم حالات کے ہمیشہ کی طرح کامیاب اور مبارک ثابت ہوا۔ سچ ہے قوم کی زندگی کے لئے ایسے اجتماع آب حیات کا اثر رکھتے ہیں۔ اللھم زد فزد۔

پاکستان سے نکل کر مجھے سعودی عرب جانے کا موقعہ ملا۔ وہ ملک جہاں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جیسے مقدس مقامات واقع ہیں جن کے لئے ہر مسلمان کے دل میں ایک خاص محبت وعقیدت اور زیارت کی تمنا موجود رہتی ہے۔

اس مذہبی اور تاریخی تقدس کے علاوہ ملک عرب آج اپنی تیل کی بے حد وشمار دولت اور طاقت کی بناء پر کم سے کم وقت میں ایک معجزہ کی طرح عرب کے بے آب وگیاہ صحرا کو دنیا کی ترقی یافتہ اور جدید ترین بستیوں کے مقابل لا رہا ہے۔ اس کی مشہور بندرگاہ جدّہ سے لے کر ریاض اور وہاں سے آگے مشرقی صحرا تک جہاں تیل کی گنگا بہہ رہی ہے ہر جگہ پختہ خوبصورت عظیم الشان عمارتیں۔ فلیٹ۔ دفاتر۔ دوکانیں۔ بڑے بڑے سٹورز۔ کیفے۔ ریستوران۔ خوبصورت اور وسیع ہوٹل۔ ولا۔ بنگلے۔ میلوں میل کنکریٹ کی لمبی سڑکوں پر پڑے جمائے کھڑے ہیں۔ سڑکیں چوڑی چکلی بھی ایسی کہ میں تو کبھی بھی ان کو پیدل پار کرنے کی ہمت نہ کروں۔ اور میں کیا کوئی بھی وہاں ایسا نہیں کرتا یہ سڑکیں موٹروں پر پار کی جاتی ہیں۔ جہاں دنیا کی مہنگی ترین۔ تیز رفتار۔ طاقت ور کاریں عام لوگوں سے لے کر امیر امراء کو میسر ہوں۔ اور بے حد سستا پٹرول مہیا ہو۔ وہاں بے چارے پاؤں کو کیا تکلیف دینی۔ بس یہ گمان گذرتا ہے کہ انسان کسی بڑے مغربی ملک یا امریکہ کے مشہور شہروں میں آگیا ہے۔

دوسری چیز جس کا عربوں کو جنون کی حد تک شوق ہے وہ ہے بجلی کی روشنی۔ گھر ہو یا باہر۔ بازار ہو یا چوراہا۔ جہاں ایک بجلی سے کام چلے وہاں بلامبالغہ درجن بھر بتیاں لگائی جاتی ہیں۔ خوبیٔ تقدیر یا اتفاق سے میں ملکوں ملک پھری ہوں۔ مگر جو بھرمار اور حیرت انگیز کثرت بجلی کی روشنی کی میں نے گھروں۔ بازاروں شہروں۔ فیکٹریوں اور حد ہے کہ جگہ جگہ صحراؤں میں عرب میں دیکھی ہے اس کی مثال کہیں نہیں۔ اور یہ نہیں کہ کبھی کبھار جشن یا خوشی پر۔ ہر دن ہر رات یہی چراغاں نظر آتی ہے۔ بعض جگہ تو کچھ بھی نہیں کھلے میدان میں برساتی پودوں کی طرح بجلی کے قمقمے اُگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ روشنی کے اس سیلاب میں وہاں کے سٹورز دکانیں۔ ہوٹل۔ کیفے جگمگ جگمگ کرتے ہیں۔ یہ سٹورز دُنیا بھر کے بہترین سازوسامان۔ مال ومتاع۔ کپڑے لتے۔ کھانے پینے اوڑھنے اور جدید آرائیشوں اور مشینوں سے لے کر سونے چاندی اور جواہرات سے بھرے پڑے ہیں۔ ان شہروں میں ہر ملک ہر خطۂ دنیا اور ہر مذہب وملت کے انسان چلتے پھرتے، رہتے نظر آتے ہیں اور ماننا پڑتا ہے کہ روپے اور کمائی کی ضرورت اور کشش انسان کو کہاں سے کہاں لئے پھرتی ہے۔ شہر کی بڑی بڑی سڑکوں اور بازاروں میں شام کو تو ایک بین الاقوامی میلے کا گمان ہوتا ہے۔

لیکن میں جب بھی اس سب دنیاوی شان وشوکت اور نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی کو دیکھتی ہوں تو مجھے اس کی ایک طرف بالکل گہنائی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ اسلام وہاں سے پھیلتا نظر نہیں آتا۔ اس میں شک نہیں کہ عرب کے مسلمان بذاتِ خود بہت پکے اور پابند دین مسلمان ہیں۔ وہاں کی ایک خوبی کی تو جس قدر تعریف ہو کم ہے۔ وہ یہ کہ جیسے ہی موذن کی صدائے اللہ اکبر فضا میں بلند ہوتی ہے حکومت کے حکم پر سب دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے ہیں۔ خرید وفروخت ختم۔ اور دوکانوں کی روشنیاں گل ہو جاتی ہیں۔ ہر کوئی نزدیک کی مسجد یا کھلی نماز کی جگہ کا رُخ کرتا ہے۔ نماز ہو جانے پر پھر کاروبار دنیا چل پڑتے ہیں۔ پابندی سے پانچ وقت یہی نقشہ نظر آتا ہے۔ لیکن باوجود خود پکے مسلمان ہونے کے ان میں کوئی بھی ایسا مُبلغ اسلام مجھے نظر نہیں آتا جو اسلام کو پھیلانے اور دوسری قوموں میں اسلام سکھانے کا کام کرتا ہو۔

قدرت کا قانون ہے کہ جو چیز ترقی نہ کرے۔ نہ بڑھے۔ نہ پھیلے وہ آہستہ آہستہ سکڑ کر اور محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ دُنیا کے کئی مذہب اسی باعث یا تو محدود یا مٹ کر رہ گئے۔

لیکن باوجود اس کے کہ دنیا کی مسلمان سلطنتیں اور طاقتیں اجتماعی طور پر اشاعت اسلام نہیں کرتیں۔ اسلام پھر بھی اللہ کے فضل سے دنیا میں پھیل رہا ہے۔ مشرق سے نکل کر مغرب اور دنیا کے دور دراز کونوں کو چھو رہا ہے۔ اس کی وجہ معلوم کرنے کی فکر میں حال کو چھوڑ کر ماضی کی گہرائی میں جھانکنے کو۔ ع

”میں نے سر کو جو جھکایا تو مجھے یاد آیا“

وہ ایک ”مقدس انسان“ جس نے اسلام کی خاطر اس وقت ایک آواز بلند کی جب اسلام ہر طرف سے خطرے میں گھرا ہوا تھا۔ وہ وقت جب چودھویں صدی کی ابتداء میں اسلام پر ایک بہت ہی نازک اور پُرخطر وقت آگیا تھا۔ تمام دُنیا میں مسلمانوں کی دنیاوی طاقتیں گر گئی تھیں۔ سب سے بڑی مسلمان سلطنت مغل امپائر ہندوستان میں ختم ہو گئی تھی۔ دوسری مسلمان سلطنتوں کا بھی حال بُرا تھا۔ اپنی بے بسی اور کس مپرسی میں عام مسلمان مذہب کی طرف سے غافل تھے۔ رہے علماء۔ مولوی مُلّا تو وہ آپس میں اُلجھنے اور ان جھگڑوں میں پڑے تھے کہ آمین نماز میں بلند آواز سے کہی جائے یا آہستہ سے۔ پاجامہ پاؤں کے ٹخنے سے کتنا اونچا ہو وغیرہ وغیرہ۔ ذرا ذرا

سی بات پر اچھے خاصے کلمہ گو کافر قرار دیدیئے جاتے تھے۔ اس غفلت نے اسلام کو دوسرے مذاہب خصوصاً عیسائیت کے لئے ایک بہت پرکشش نشانہ بنادیا تھا عیسائیت جو ہمیشہ سے اسلام کو سب سے بڑا رقیب اور اپنے لئے خطرہ سمجھتی تھی۔ سب سے بڑا ہتھیار اسلام کے خلاف ان کے ہاتھ میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح کو جسم سمیت زندہ اللہ میاں نے آسمان پر اٹھالیا ہے۔ جہاں سے وہ چودھویں صدی میں دوبارہ دنیا میں اتریں گے اور مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ اسلام کو فتح دلوائیں گے اور اس طرح حضرت مسیح کو ہمارے حضور محمد رسول اللہ صلعم پر یہ برتری مل گئی کہ ہمارے نبی کریم صلعم تو وفات پاگئے۔ مگر حضرت مسیح زندہ اور اسلام کی مدد آکر انجام دیں گے۔"

یہ اسلام پر سخت خطرے اور بے بسی کا نازک وقت تھا۔ مسلمان غافل تھے مگر خدا کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ وہ یوں کہ ہندوستان کے ایک دور دراز کونے میں ایک چھوٹے سے گاؤں قادیان میں جہاں نہ پکی سڑکیں تھیں۔ نہ بلند و بالا عمارتیں۔ نہ بجلی کی روشنی وہاں ایک تن تنہا بندے کو مشیت ایزدی نے چنا کہ وہ اسلام کو بچانے کے لئے کھڑا ہو اور اس مقدس انسان کا نام حضرت مرزا غلام احمد صاحب تھا۔

آپ نے نہ صرف بذریعہ تحریر و تقریر اسلام کا دفاع کیا بلکہ تمام عیسائی اور آریہ سماج مشنریوں کو مقابلے پر بلایا کہ وہ رُو در رُو ہو کر اُن سے بذریعہ دلائل حقائق اور قرآن اور ان کی اپنی کتابوں کی تحریروں سے مقابلہ کریں۔ بجائے جھوٹا پروپگنڈا پھیلانے اور ناواقف مسلمانوں کو بہکانے کے۔ ان کی اس للکار پر اول تو کوئی آیا نہیں اور آیا تو آپ کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔ حضرت مرزا صاحب نے قرآن کی آیات اور تاریخ کی شہادت سے ثابت کیا کہ حضرت مسیح ہر انسان اور دوسرے پیغمبروں کی طرح وفات پاچکے ہیں اور کشمیر میں ان کا مزار ہے۔ رہا یہ کہ حضور نبی کریم صلعم کی احادیث میں چودھویں صدی کے مجدد کو مسیح موعود کہا گیا ہے تو وہ اس مناسبت سے کہ چودھویں صدی کا مجدد اسلام کے خلاف عیسائیت کے چڑھتے ہوئے طوفان کا زور توڑ دیگا۔ وہ وعدے کا مسیح خود حضورؐ کی امت سے آپؐ کے شیدائیوں اور غلاموں میں سے ہوگا اور وہ خود حضرت مرزا غلام احمد صاحب تھے۔ آپ کے بعد واقعات نے ثابت کردیا کہ آپ کے دعوے سچے تھے۔ آپ کی تحریر و تقریر سے عیسائیت کی کمر ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی۔ اب خود عیسائی تاریخ دان اس حقیقت کو مان گئے ہیں کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں اور کشمیر میں مدفون ہیں۔ ویسے بھی چودھویں صدی ختم ہوگئی۔ مگر حضرت مسیح تو زندہ جسم سمیت آسمان سے اترتے کسی کو نظر نہ آئے۔ آتے بھی کیسے۔ آنے والا تو بر وقت اسلام کے فرزندوں اور حضورؐ کے غلاموں میں سے آچکا تھا۔

دوسری خدمت حضرت مرزا صاحب کی یہ تھی کہ آپ نے اپنے مریدوں کو بتایا کہ آپس میں چھوٹی بے کار باتوں پر الجھنے کا نام اسلام کی خدمت نہیں بلکہ اسلام کا پیغام حق لے کر مغرب اور دور دراز ملکوں میں نکل جانا اور خدا کے متلاشی بندوں کو یہ سیدھا راستہ دکھانا ہے۔

اسی مقصد کے لئے آپ نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی اور اسے اپنا قائم مقام قرار دیا کہ آپ کے بعد اشاعت اسلام اور قرآن کا کام جاری رہے۔ جب سے یہ انجمن اپنی دھن میں لگی ہوئی ہے اور آج جگہ جگہ یورپ اور امریکہ میں اس کے مشن کام کر رہے ہیں۔ اور یوں مجھ پر کھلا کہ اسلام کو پھیلانے والے اسلام کے شیدائی اور عاجز بندے حکومتوں کی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ آج ایک ایسے ہی خدا کے کھڑے کئے ہوئے خادم اسلام حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی یاد میں مَیں اپنا یہ حقیر نذرانۂ عقیدت پیش کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ آپ کے نمونہ سے فائدہ اٹھا کر ہم سب سچے خادم اسلام بن سکیں۔

آمین!

نوٹ:۔ میرے مضمون کا جو حصہ چودھویں صدی سے متعلق ہے۔ اس کے لئے میں حسب ذیل کتابوں کا حوالہ دیتی ہوں۔

۱۔ "مجدد اعظم" مصنفہ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب

۲۔ CRUMBLING OF THE CROSS یا "کسر صلیب" مصنفہ مسٹر ممتاز احمد فاروقی صاحب

۳۔ "JESES IN KASHMEER" مصنفہ ولیم فیبر ایک جرمن ڈاکٹر

۴۔ "JESSES IN HEAVEN ON EARTH" مصنفہ خواجہ نذیر احمد صاحب۔

* * * * * *

ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں

کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جلشانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی صلعم نے فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعت اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرّہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اسی پر مریں اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے ان سب پر ایمان لاویں اور صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔ غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالحین کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض ہے اور ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے اور جو شخص مخالف اس مذہب کے کوئی اور الزام ہم پر لگاتا ہے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افترا کرتا ہے اور قیامت میں ہمارا اس پر یہ دعویٰ ہے کہ کب اس نے ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھا تھا کہ ہم باوجود ہمارے اس قول کے دل سے ان اقوال کے مخالف ہیں۔ الا ان لعنة الله على الكاذبين والمفترين۔

(ایام الصلح)

* * *

تصحیح:۔ پیغام صلح کے گذشتہ شمارہ ۱۸ میں جو مضمون بعنوان "اصغر بھائی آپ بھی داغ مفارقت دے گئے" شائع ہوا ہے وہ محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب کا لکھا ہوا تھا مضمون کے عنوان کے ساتھ ان کا نام سہو کتابت سے نہیں لکھا جاسکا۔ قارئین کرام اسے نوٹ فرمالیں۔

(ادارہ)

مجدّدِ صدِ چہاردہم حضرت مرزا غلام احمدؒ

فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہٖ افلا تعقلون ۝ (یونس)

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے مورثِ اعلیٰ مرزا ہادی بیگ صاحب تقریباً دو سو آدمیوں کے ساتھ جو ان کے توابع اور خدام اور اہل و عیال تھے ایک معزز رئیس کی حیثیت سے بابر بادشاہ کے وقت میں ہندوستان میں داخل ہوئے اور بادشاہ دہلی سے اعزاز اور جاگیریں حاصل کر کے اس جگہ آباد ہو گئے جو اب گورداسپور میں ہے۔

جو قصبہ انہوں نے آباد کیا۔ اس کا نام انہوں نے اسلام پور رکھا۔ چونکہ قضا کا منصب بھی ان کے سپرد تھا اس لئے یہ قصبہ اسلام پور قاضی ماجھی کہلانے لگا۔ اور پھر فقط قاضی اور اس سے قادی رہ گیا۔ بعد میں قادیان کہلانے لگا۔ سکھوں کے وقت میں ان کی جاگیر کے بہت سے گاؤں ان کے قبضہ سے نکل گئے یہاں تک کہ ان کے پاس فقط قادیان کا قصبہ ہی رہ گیا۔ بعد میں سکھوں کے مظالم کی وجہ سے وہ بھی چھوڑ کر اس خاندان کو ریاست کپورتھلہ میں انتقال مکانی کرنا پڑا۔ لیکن اخیر میں رنجیت سنگھ نے دوبارہ اس خاندان کو قادیان اور اس کے ساتھ پانچ گاؤں بحال کر دیئے۔

سنہ ولادت

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی سنہ ولادت کے متعلق کوئی تحریری یادداشت تو ہمارے ہاتھ میں ہے نہیں۔ اس لئے اس امر میں اختلاف ہونا لازمی بات تھی۔ مگر تحقیقات سے جو مجھے صحیح تاریخ آپ کی ولادت معلوم ہو سکی ہے وہ ۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ر شوال ۱۲۵۰ھ ہے۔ اس دن جمعہ کا روز تھا اور چاند کی چودھویں تھی۔ صبح کا وقت تھا۔ آپ توام پیدا ہوئے تھے۔ پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جو پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئی تھی۔ اور اس کے بعد آپ پیدا ہوئے تھے اور یہ اس پیشگوئی کے مطابق تھا جو شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی نے لکھی ہے کہ آنے والے مسیح کی ولادت توام ہو گی پہلے ایک لڑکی پیدا ہو گی اس کے بعد وہ موعود پیدا ہو گا۔

تعلیم

چھ سات سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد نے آپ کی تعلیم کے لئے ایک فارسی خوان معلم رکھا جن کا نام فضل الٰہی تھا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں آپ کو پڑھائیں۔ جب آپ کی عمر قریباً دس سال کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب آپ کی تعلیم و تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام مولوی فضل احمد صاحب تھا۔ یہ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی مرحوم کے والد تھے۔ اور متقی اور دیندار تھے۔

یہ بزرگ باوجود استاد ہونے کے آپ کی بہت خاطر و مدارات ملحوظ رکھتے۔ بعد میں جب آپ نے دعوےٰ مجددیت کیا تو انہوں نے بلا تامل شہادت دی اور بتایا کہ زمانۂ طالبعلمی میں ہی حضرت مرزا صاحب کے حیرت انگیز کرشموں کو دیکھ کر اور بصیرت افروز نکات کو سن سن کر مجھے نظر آتا تھا کہ یہ بہت بڑا آدمی ہونے والا ہے۔ ان بزرگ سے حضرت مرزا صاحب نے صرف و نحو کی کچھ کتابیں پڑھیں۔

سترہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں آپ تعلیم کے لئے سید گل علی شاہ صاحب قادیان بلوائے گئے۔ یہ مولوی صاحب شیعہ تھے اور بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ ان سے صرف و نحو اور منطق اور علوم مروجہ حاصل کئے۔ یہ مولوی صاحب پہلے تو قادیان میں ہی پڑھایا کرتے تھے بعد میں بٹالہ چلے گئے تو حضرت مرزا صاحب کو بھی تعلیم کے لئے وہاں جانا پڑا۔

قادیان میں تعلیمی زمانہ

قادیان میں جب مولوی گل علی شاہ صاحب سے حضرت مرزا صاحب پڑھا کرتے تھے تو قصبہ کے بعض اور لڑکے بھی آکر شاہ صاحب سے پڑھتے۔ حضرت مرزا صاحب جب استاد سے پڑھتے تو اپنا سبق آپ پڑھتے اور دو یا تین دفعہ دہرانے کے بعد بالاخانہ پر جا کر اکیلے بیٹھ کر اسے یاد کرتے۔ ان لڑکوں کے کھیل کود اور ہنسی مذاق میں آپ کبھی شریک نہ ہوتے اور نہ کسی لڑکے سے لڑتے جھگڑتے۔ البتہ کسی کو اگر سبق بھول جاتا تو اسے بتانے میں بخل نہ کرتے تھے۔ آپ کو اگر کوئی چیز مرغوب خاطر تھی تو وہ مسجد اور قرآن شریف تھا۔ مسجد کے باہر اور مسجد کے اندر آپ اکثر ٹہلتے رہتے۔ لے دے کے ورزش اگر کوئی تھی تو یہی ٹہلنا تھا۔ مگر آپ اس قدر ٹہلتے تھے کہ جس زمین پر وہ ٹہلتے تھے وہ دب دب کر باقی زمین سے ممتیز ہو جاتی۔

بٹالہ میں تعلیمی زمانہ

جب مولوی گل علی شاہ صاحب بٹالہ واپس چلے گئے تو حضرت مرزا صاحب کو بھی وہیں جانا پڑا۔ وہاں ان کا اپنا مکان بہت عالیشان تھا۔ چنانچہ آپ رہتے اپنے مکان میں تھے اور تعلیم مولوی گل علی شاہ صاحب سے حاصل کرتے تھے۔ اس زمانہ میں آپ کے ہم مکتبوں میں دو طالب علم قابل ذکر ہیں۔ (۱) ایک تو لالہ بھیم سین جو بعد میں سیالکوٹ میں وکالت کرتے رہے ان کے نانا ڈپٹی مٹھن لال صاحب بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے۔ چونکہ وہ ذات کے کائستھ تھے اور کائستھوں میں بہت عرصہ سے فارسی کی تعلیم کا رواج تھا۔ اس لئے ڈپٹی صاحب نے اپنے نواسہ بھیم سین کو بھی مولوی گل علی شاہ صاحب کے تلمذ میں دے دیا تھا۔ اور اس طرح وہ حضرت مرزا صاحب کے ہم مکتب بن گئے تھے۔

حضرت مرزا صاحب کی یہ نوجوانی کا زمانہ تھا۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب بہت سے نوجوان اپنی ناتجربہ کاری اور جوش جوانی کی وجہ سے طرح طرح کی غلط کاریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ آپ خوبصورت اور وجیہہ جوان تھے۔ طالب علم تھے۔ بٹالہ میں اکیلے رہتے تھے۔ دنیا میں ابھی کسی دعوے کو لے کر کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ ان بے تکلفی کے ایام میں اگر آپ کی زندگی اعلیٰ درجہ کی پاکیزہ نہ ہوتی تو مدت العمر کے لئے لالہ بھیم سین آپ کے مداح خواں اور مخلص دوست نہ رہ سکتے تھے۔ اور آپ کا احترام ان کے قلب میں نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سیالکوٹ میں جب حضرت مرزا صاحب تشریف لے گئے تو لالہ بھیم سین آپ کا بہت احترام کرتے تھے اور وہ آپ کے بہت سے خوارق کے عینی شاہد تھے۔

(۲) دوسرا ہم مکتب آپ کا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تھے۔ انہوں نے بھی حضرت مرزا صاحب کی طرز زندگی اور پاکیزہ اخلاق کا خوب مطالعہ کیا تھا چنانچہ اشاعۃ السنہ جلد ۷ میں ایک شہادت حقہ ان کی قلم سے شائع شدہ اب تک موجود ہے۔ لکھتے ہیں۔

> "مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین میں سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح مُلا پڑھا کرتے تھے) ہمارے ہم مکتب تھے۔ اس زمانہ"

سے آج تک ہم میں ان میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلات برابر جاری رہی ہے اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات وخیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے لائق ہے"۔
اپنی رائے کی اہمیت کے اس طرح اظہار کے بعد وہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی تصرفوں میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے "

یہی مولوی محمد حسین صاحب حضرت مرزا صاحب کے دعوے سے قبل آپ کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ آپ کا جوتا اٹھا کر آپ کے سامنے سیدھا کر کے رکھ دیتے تھے اور اپنے ہاتھ سے آپ کو وضو کرانا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

طب کی تعلیم۔ حضرت مرزا صاحب کے والد ماجد نہایت حاذق طبیب تھے۔ بعض طب کی کتابیں حضرت مرزا صاحب نے اپنے والد سے پڑھیں۔

مطالعہ کی کثرت۔ حضرت مرزا صاحب کو مطالعہ کی بہت عادت تھی۔ علاوہ اپنی درسی کتابوں کے جو کتابیں اکثر آپ کے زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں۔ وہ تھیں قرآن شریف۔ صحیح بخاری۔ فتوح الغیب۔ مثنوی مولانا روم۔ دلائل الخیرات۔ تذکرۃ الاولیاء۔ سفر السعادۃ۔ کتابوں کے اس انتخاب سے ہی پتہ لگ سکتا ہے کہ آپ کا مذاق محض دینی و اخلاقی اور کس قدر پاکیزہ تھا۔

قرآن شریف کے علم کے لئے تڑپ۔ قرآن شریف سے آپ کو اس قدر عشق تھا کہ وہ جزو زندگی بن چکا تھا۔ دن رات میں اکثر حصہ وقت کا قرآن مجید کی تلاوت میں صرف ہوتا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے۔ ٹہلتے قرآن مجید پڑھنے کا شغل جاری رہتا۔ آپ قرآن شریف پڑھتے جاتے اور زار زار روتے جاتے۔ قرآن شریف کا فہم حاصل ہونے کے لئے بہت دعائیں کرتے تھے۔ سجدوں میں جناب الٰہی میں گریہ وزاری کرتے۔ کوئی آیت اگر مشکل ہوتی تو اس کے معارف و حقائق کا علم پانے کے لئے ہر وقت اس آیت کو سامنے رکھتے اور نہایت عجز و الحاح سے دعائیں کرتے یہاں تک کہ اس کا علم آپ کو مل جاتا۔ نئے معارف جب کھلتے تو یادداشت کے طور پر انہیں نوٹ کر لیتے۔

خدا جانے کتنے ہزار دفعہ قرآن شریف ختم کیا جس کا صحیح علم تو اللہ تعالٰے کو ہے۔ لیکن مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کا بیان تھا کہ کم سے کم دس ہزار دفعہ تو ضرور پڑھا ہوگا۔ آپ کا ایک قرآن شریف تو حضرت مولانا محمد علی صاحب کے پاس بھی ہے۔ جسے آپ نے سترہ سال پڑھا تھا۔ پڑھ پڑھ کر جس کے ورق بھی گھس گئے ہیں۔ اس کے حاشیہ پر اپنی قلم سے اوامر و نواہی کے نمبر بھی دیتے ہیں۔

آپ کی دنیا سے بے رغبتی اور خلوت پسندی: حضرت مرزا صاحب کے والد صاحب آپ کو زیادہ مطالعہ سے روکتے اور چاہتے تھے کہ زمینداری کے کام میں لگ جاویں اور ان مقدمات میں ہاتھ بٹا دیں جن کے ذریعہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے دیہات کو واپس لینے کی کوشش کر رہے تھے لیکن آپ کو ان دنیاداری کے کاموں سے مطلق دلچسپی نہ تھی۔ خلوت بہت پسند تھی اور کچھ ایسا جذب جناب الٰہی کی طرف سے تھا کہ اس خلوت میں سوائے یاد الٰہی کے آپ کو کسی اور مشغلہ سے دلچسپی نہ تھی۔ مطالعہ بھی تھا تو اسی غرض کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ اس سے معرفت الٰہی میں کتنی ترقی ہو سکتی ہے یا مخلوق الٰہی کو کس قدر نفع پہنچ سکتا ہے یا دین کی خدمت کس قدر ہو سکتی ہے۔ جوانی میں انسان کے تمام جذبات حیوانی جوش اور ہیجان میں ہوتے ہیں مگر یہاں جوانی آئی اور ترقی اور جوش پیدا ہوا تو اسی محبت الٰہی میں جو آپ کی فطرت میں

بطور ودیعت کے بوئی گئی تھی۔

شادی ابھی آپ تعلیم میں ہی مشغول تھے جو رواج کے مطابق آپ کے والد صاحب نے آپ کے ماموں مرزا جمعیت بیگ صاحب کی بیٹی سے آپ کی شادی کر دی۔ آپ کی شادی نہایت سادہ طریق سے بغیر کسی بدعت کے ہوئی۔ حالانکہ آپ کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر بیگ صاحب کی شادی میں بڑا دھوم دھڑکا ہوا تھا۔

لیکن اس شادی سے آپ کے مشاغل میں فرق نہیں آیا۔ آپ بی بی کے ساتھ نہایت نیک سلوک کرتے اور حسن معاشرت رکھتے تھے۔ مگر خلوت پسندی اور عبادت گذاری میں جو استغراق تھا اس میں دنیا کی کوئی کشش مخل نہ ہو سکتی تھی۔ آپ کے وقت کا اکثر حصہ مسجد میں یا مسجد کے ساتھ ایک چھوٹا سا حجرہ تھا اس میں عبادت الٰہی میں گذرتا تھا۔

غذا غذا نہایت سادہ ہوتی تھی اور جو کھانا بھی گھر سے آتا تھا اس کو چند یتیم اور مسکین بچوں میں تقسیم کر کے کھلاتے تھے۔ کھانے کو چار پانچ حصوں میں تقسیم کر لیتے تھے۔ اور ہر ایک بچہ کو ایک ایک روٹی اور تھوڑا تھوڑا سالن دے دیتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے لئے صرف ایک روٹی بچتی۔ اور بعض دفعہ ایک بھی نہ بچتی۔ تو آپ فقط شوربا پینے پر ہی اکتفا کرتے۔ یہ لوگ جو آپ کے کھانے میں حصہ بٹانے والے تھے علی العموم کھانے کے وقت آ موجود ہوتے تھے اور کبھی ان میں سے کوئی موجود نہ ہوتا اس میں سے اس کا حصہ رکھ لیتے تھے۔ اس طرح پر کسی کو یہ فکر نہ ہوتا تھا کہ اگر وقت پر نہ گئے تو کھانا نہیں ملے گا۔ بلکہ ہر ایک شخص مطمئن تھا کہ میرا حصہ جب بھی جاؤں گا محفوظ ملے گا۔ تیسرے پہر کو اگر بھوک لگتی تو آپ کابلی چنے بازار سے منگوا کر کھا لیتے تھے۔ کبھی چائے بھی بنوا کر پی لیتے تھے۔ غذا اس طرح کم ہوتے ہوتے نہایت قلیل رہ گئی تھی۔

عبادت۔ آپ کو قرآن کریم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا۔ اور آپ کی جو کچھ عبادات تھیں قرآن اور سنت سے کبھی متجاوز نہ ہوتی تھیں۔ پانچ وقت کی نماز کے علاوہ تہجد کی نماز کا بہت التزام تھا۔ اشراق کی نماز بھی پڑھ لیتے تھے۔ مگر تہجد کی نماز سے بہت محبت تھی۔ نماز میں آپ کی توجہ الی اللہ اس قدر زبردست تھی اور انہماک اتنا ہوتا تھا کہ گویا آپ دنیا میں نہیں ہیں۔

نماز تہجد میں سورۃ فاتحہ کو بہت درد اور توجہ سے پڑھتے اور بہت دعائیں کرتے تھے۔ درود شریف بھی کثرت سے پڑھتے تھے اور توجہ اور درد کے ساتھ پڑھتے تھے کہ بعض دفعہ اس کے ساتھ گریہ و بکا بھی شامل ہوتا تھا۔ آپ آج کل کے صوفیوں اور سجادہ نشینوں کے وظائف کو جو قرآن و سنت سے متجاوز ہیں بدعت سمجھتے اکثر فرمایا کرتے تھے

زہد و ورع کوش و صدق و صفا
لیکن میفزائے بر مصطفٰے

آپ کے والد آپ کی خلوت نشینی اور عبادت گذاری سے بعض دفعہ تنگ آ کر فرماتے کہ :-

" یہ ہمارے ہاں کہاں سے پیدا ہو گیا ہے "

کبھی کوئی حضرت صاحب سے ملنے آتا اور آپ کے متعلق دریافت کرتا تو فرماتے کہ :-

"مسجد کے سقاوہ کی کسی ٹونٹی میں جا کر دیکھو اگر وہاں نہ پاؤ تو مسجد کے اندر کسی گوشہ میں تلاش کرو۔ اگر وہاں بھی نہ ہو تو دیکھنا کسی صف میں کوئی لپیٹ کر نہ کھڑا کر گیا ہو۔ کیونکہ وہ زندگی میں

ہی مرا ہوا ہے۔"

لیکن بعض دفعہ فرمایا کرتے کہ:—

"میں ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں ورنہ میں جانتا ہوں کہ کس طرف اس کی توجہ ہے (یعنی دین کی طرف) اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں۔"

تدریس انہی ایام میں جبکہ آپ قادیان میں زاہدانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور باوجود خلوت نشینی کے آپ کو اپنے والد ماجد کے ارشاد اور حکم کی تعمیل میں مقدمات کی تعمیل میں باہر نکلنا پڑتا تھا۔ پھر بھی جو وقت بچتا تھا اس میں اپنے مشاغل دینیہ کے بعد تعلیم و تدریس سے بھی مضائقہ نہ فرماتے تھے۔ ایک طریقہ تعلیم کا تو یہ تھا کہ اپنے پاس آنے والے بچوں کو جن میں وہ کھانا کھانے والے یتامیٰ بھی شامل تھے۔ نماز و درود شریف اور دوسرے احکام اسلام کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جو ملازم پاس ہوتا اسے بھی نماز پڑھواتے اور دین سکھاتے کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تو اسے استغفار اور درود شریف پڑھنے کی تلقین کرتے اور فرماتے کہ یہ رد بلا کا مؤثر نسخہ ہے۔ لیکن اس طریق کے علاوہ بعض لوگوں کو متعارف کتب کے سبق بھی پڑھوا دیا کرتے تھے۔

ان پڑھنے والوں میں مرزا سلطان احمد صاحب۔ آپ کے سب سے بڑے فرزند بھی ہیں۔ ایک وقت تک وہ آپ سے بعض درسی کتب عربیہ پڑھا کرتے تھے۔ میاں علی محمد صاحب کو آپ نے گلستان، بوستاں پڑھائیں۔ بھائی کشن سنگھ قادیان کے مشہور لمبے کیسوں والے آریہ نے آپ سے طب پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے باوجود اپنی مصروفیتوں کے اسے رد نہیں فرمایا۔ چنانچہ بھائی کشن سنگھ نے طب کے سبق پڑھنے شروع کر دیئے۔ ان کا بیان ہے کہ چونکہ عموماً دروازہ بند ہوتا تھا، میری آہٹ پا کر دروازہ کھول دیا کرتے تھے۔

اس ساری تدریس کے زمانہ میں حضرت مرزا صاحب کو کبھی میں نے ناراض ہوتے نہیں پایا۔ ان کی خدمت میں جاتے ہوئے ہم کو ذرا بھی جھجک اور حجاب نہ ہوتا تھا۔ ہم بے تکلف جس وقت چاہتے چلے جاتے تھے اور کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ آپ نے اپنی مصروفیت یا آرام کرنے کا عذر کر کے ٹال دیا ہو۔ بعض اوقات آپ نے سونے سے اُٹھ کر دروازہ کھولا ہے مگر بُرا نہیں منایا کہ تم نے آ کر میرے آرام میں خلل ڈالا۔ کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ وہ کھانا کھانے جاتے تھے اور پڑھاتے بھی جاتے تھے۔ اس حالت میں بعض اوقات میری کتاب میں کوئی غلطی نکلی ہے تو آپ کھانا چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور مستند کتاب نکال کر لائے اور اس غلطی کی اصلاح یا مشکوک امر کو درست کر دیا۔ میں نے ہرچند عرض کیا کہ آپ تکلیف نہ اُٹھائیں کھانا کھا لیں بعد میں دیکھا جائے گا۔ مگر آپ نے میری اس درخواست کو نہ مانا اور فرمایا کہ "تمہارا حرج ہو گا یہ ٹھیک نہیں"۔

غرضیکہ آپ فقط عبادت الٰہی میں ہی مصروف نہ تھے بلکہ آپ کا وجود مخلوق کے لئے نافع وجود تھا جو ہمیشہ دوسروں کے کام آتا اور مخلوق کو فیض پہنچاتا رہتا۔

اپنے والد صاحب کی اطاعت کے لئے مقدمات کی پیروی

حضرت مرزا صاحب اپنی طبیعت کے خلاف محض اپنے والد بزرگوار کے حکم کی اطاعت کے لئے مقدمات وغیرہ کی پیروی کے لئے جہاں کہیں وہ فرماتے چلے جاتے اور اس کام میں بعض دفعہ بڑی محنت سے تہ برداشت کرتے تھے اگر مقدمات کی پیروی آپ کی طبیعت کے سراسر خلاف تھی۔ اور ان باتوں سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ لیکن اس کے یہ معنے نہ تھے کہ آپ نے لاپرواہی سے مقدمہ بگاڑ دیا ہو، اور صحیح طور پر پیروی نہ کرنے سے عدالت میں شکست کھائی ہو۔ نہیں آپ تمسک بالاسباب پورا پورا کرتے اور ہر ایک جائز طریق پر ہر مقدمہ کے لئے پورا پورا تیار ہو کر جاتے۔ ہر مقدمہ کے متعلق ضروری کاغذات و شواہد کا خلاصہ تحریر کر لیتے اور ہر ایک قسم کے کاغذات کی جو مثل مل کرتے یا عرضی دعوئے وغیرہ جو ہوتا ان کی نقول رکھتے تا عند الضرورت مقدمہ کے سمجھنے یا سمجھانے میں آسانی ہو اور ان مقدمات میں اخراجات کے متعلق اگر آپ والد صاحب سے پوچھتے نہ تھے مگر آپ اخراجات کی ہر ایک تفصیل ساتھ ساتھ لکھتے جاتے تھے۔

راستی پسندی باوجود اس کے کہ آپ تیاری مقدمہ میں پوری محنت اور کوشش فرماتے تھے۔ آپ کبھی جھوٹ اور ناجائز ذرائع سے کام نہ لیتے تھے۔ اللہ تعالےٰ سے ان مقدمات کی نسبت دعائیں کرتے تو ان میں بھی جناب الٰہی کی رضا مدنظر ہوتی۔ یعنی دُعا یہی کرتے کہ جو بات حق اور عدل پر مبنی ہو اسی پر مقدمہ کا فیصلہ ہو۔ جس رات کی صبح کو آپ نے تاریخ پر جانا ہوتا تو عشاء کی نماز مسجد میں پڑھ چکنے کے بعد نمازیوں سے کہتے:—

"مجھ کو مقدمہ کی تاریخ پر جانا ہے۔ میں والد صاحب کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ دعا کرو کہ اس مقدمہ میں حق حق ہو جائے اور مجھے مخلصی ملے۔ میں نہیں کہتا کہ میرے حق میں ہو۔ اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ حق کس طرف ہے۔ پس جو اس کے علم میں حق ہے اس کی تائید اور فتح ہو۔"

اس دُعا کے لئے آپ خود بھی ہاتھوں کو پھیلاتے اور دیر تک دُعا مانگتے اور تمام حاضرین بھی دُعا میں شریک ہوتے۔ جھوٹ اور جھوٹی گواہی سے اس قدر نفرت تھی کہ بعض دفعہ وکلاء آپ کا مقدمہ چھوڑ دیتے اور آپ اگر جھوٹ نہ بولیں گے تو سزا یاب ہو جائیں گے۔ مگر آپ صریح نقصان کو دیکھتے ہوئے بھی راستی کو نہ چھوڑتے اور وکلاء کو صاف طور پر کہہ دیتے کہ:—

"چونکہ اسباب سے کام لینے کا حکم ہے، اس لئے تمسک بالاسباب کے طور پر ہم آپ کو وکیل بناتے ہیں۔ والا ہم جانتے ہیں کہ کوئی امر دنیا میں ظہور پذیر نہیں ہوتا جب تک پہلے اس کا فیصلہ آسمان پر نہ ہو۔ پس ہم آپ کی خاطر اللہ تعالےٰ کو ناراض نہیں کر سکتے۔"

دنیادار لوگ حیران ہوتے مگر آپ ذرا بھی پرواہ نہ کرتے۔ مقدمہ ہار جائے یا جیت جائے آپ کو اس سے غرض نہ تھی۔ آپ اپنی طرف سے جس قدر تیاری مقدمہ کے لئے ہو سکتی تھی کرتے تھے۔ جائز سعی اور تدبیر میں کمی نہ کرتے تھے اس کے بعد نتیجہ کو حوالہ بخدا کرتے تھے۔

آپ کا توکل اور رضا بالقضا کا مقام اس امر سے بہت اعلےٰ وارفع تھا کہ مقدمہ ہارنے سے کوئی غم ہو یا جیتنے سے کوئی خوشی ہو۔ البتہ جب ایک مقدمہ ختم ہو جاتا خواہ اس میں شکست ہی ہوئی تو اس بات سے ضرور آپ کو خوشی ہوتی تھی کہ مفت کے ایک جھنجٹ سے نجات ملی۔ ....

شہرت طلبی سے سخت نفرت تھی: آپ کو شہرت طلبی سے سخت نفرت تھی اور خلوت اور گوشہ گزینی سے بے انتہا پیار تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا:—

"اگر خدا تعالےٰ مجھے اختیار دے کہ خلوت اور جلوت میں سے تو کس کو پسند کرتا ہے تو اس پاک ذات کی قسم ہے کہ میں خلوت کو اختیار کروں گا۔ ....
جو لذت مجھے خلوت میں آتی ہے اس سے بجز خدا تعالیٰ کون واقف ہے۔ میں قریباً ۲۵ سال تک خلوت میں بیٹھا ہوں۔ اور کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں چاہا کہ دربار و شہرت کی کرسی پر بیٹھوں۔ مجھے طبعاً اس سے نفرت رہی ہے۔"

(ماخوذ)

تاریخ احمدیت کا ایک ورق

حضرت مجددِ زماںؒ کے انوار کا پرتو

حضرت بانی سلسلہ احمدیہؒ کی ذات ستودہ صفات کی وجہ سے (قادیان) کی گمنام بستی مرجع خلائق بن چکی تھی۔ اے خوش آں شہرے کہ آنجا دلبر است، آفتاب ہدایت کی کرنیں افضائے عالم کو منور کر رہی تھیں۔ اس شیرِ حق کی گرجدار آواز دشمنانِ اسلام کے قلوب میں لرزہ پیدا کر رہی تھیں۔ اور جہاں دماغ کے ذریعے روشنی کے طالب نورِ بصیرت سے محروم تھے وہاں جنہوں نے دل کی منزلوں میں تلاش حقیقت کی وہ گروہ در گروہ اس مسحور کن آواز پر کان رکھے قادیان پہنچ گئے۔

جس بات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ قادیان کی دینی فضا تھی۔ حضرت اقدس کی قوتِ قدسی کے اثرات اس مبارک بستی کے در و دیوار سے ظاہر تھے۔ بو نے انس آید مراز کوئے تو۔ مساجد میں ہزارہا افراد کا پابندی سے پنجگانہ صلوٰۃ ادا کرنا، رکوع، سجود اور قیام میں سسکیوں اور آہوں کی دبی دبی صدا، درود و سلام، توبہ و استغفار، ذکر و اذکار کی گونج سے راتیں بیدار تھیں۔ حضورؑ کا ہر نام لیوا زہد و اطاعت کا پیکر، ایثار و قربانی کا مجسمہ اور دینِ احمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فدائی تھا۔ مساجد میں صبح و مسا درسِ قرآنِ کریم و حدیث، حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کی گوہر ریزیاں، حضرت مولانا عبدالکریم کی مسحور کن، روح افزا، پراثر قرأت اور خطباتِ جمعہ، اور اہلِ ایمان جھوم جھوم جاتے۔ حضرت مولانا محمد حسن امروہوی اور دیگر اکابرینِ دین کی معارف گستری اور ہر مجلس، ہر موڑ اور ہر مقام پر اسلام کی عظمت، ترقی، اور برتری کے چرچے، ہر فرد کے دل و دماغ پر قبضہ کئے ہوئے تھے۔ سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے، خلوت و جلوت، گھر اور باہر امام زماں کی بیش بہا نصائح، انمول نکات معرفت، شفقت و رافت، اپنے مقصد کی سربلندی اور کامرانی پر بے پناہ یقین، راہِ حق میں زبردست استقامت، مردہ دلوں پر مسیحائی کا کام کر رہی تھی۔ لوگ دشمن بن کر گالیاں دینے آتے اور خادم اور مدح خواں بن کر رہ جاتے تھے۔ جو کوئی ایک بار قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوا، فدائی بن گیا۔ مرد و زن کہتر و مہتر، خورد و کلاں سب اسلام کی محبت میں سرشار، عبادت الٰہی کے والہ و شیدا، خلاصۂ کائنات سید البشر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے رنگ میں اس طرح رنگے ہوئے تھے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو گئی تھی ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم　　　کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

اسلام کی محبت نے حضرت مرزا صاحب کے وابستگانِ دامن کے دلوں کو باہمی محبت اور رحمت کی خوشبو سے معطر کر رکھا تھا۔ ان کی ملاقات عید کا چاند ہوتی تھی۔ وہ باہم ملاقات کو ملاقاتِ مسیحا و خضر سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔ ایک دوسرے کی خوشی اور رنج کو عزیزوں سے بڑھ کر کرتے تھے اور عشقِ اسلام کے ان بادہ کشوں کی باہمی محبت اہلِ عالم کے لئے ایک مثال بن گئی تھی۔ اس اسلامی فضا کو ہر حساس مسلمان نے محسوس کیا۔ ملک کے دین پسند عناصر کی نگاہیں قادیان کی طرف اٹھنے لگیں اور جو اہلِ دل چاہتے تھے کہ ان کے بچے اسلامی تہذیب و ثقافت کا نمونہ بنیں، انہوں نے اختلافِ عقائد اور شدید مخالفت کے باوجود اپنے بچے تعلیم و تربیت کے لئے قادیان، حضرت صاحب کی خدمت میں بھیجے۔ ان ہی اکابرین میں مفکرِ ملت علامہ محمد اقبالؒ بھی تھے وہ حضرت امام زماں کی تحریر و تحریک سے متاثر تھے۔ وہ حکیم نورالدینؒ صاحب کے بے حد مداح اور عقیدت مند تھے اور اُن سے گہرا اُنس رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے لاہور کے علمی ماحول کو ترک کر کے اپنے بڑے صاحبزادے کو تعلیم کے لئے قادیان بھیجا۔ وہ قادیان کے دینی ماحول سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے علی گڑھ میں "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" کے موضوع پر تقریر کے دوران فرمایا:۔ "میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر ذات ہے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ اس نمونہ کو ترقی دی جائے۔ اور مسلمان ہر وقت اس کو پیشِ نظر رکھیں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی جماعت کہتے ہیں"۔ ڈاکٹر صاحب نے جس دور کی طرف اشارہ کیا ہے وہ حضرت مرزا صاحب اور حکیم نورالدین کا دور تھا۔ فرقہ وارانہ جذبات سے بلند اور عشقِ اسلام سے معمور یہ مسحور کن فضا مسلمانانِ عالم کے لئے نقطۂ جاذب بن چکی تھی۔ یہ عام تاثر تھا کہ قادیان پہنچ کر طالب علم ہر گونہ ذہنی جسمانی اور روحانی بیماریوں سے نجات حاصل کر لیتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان ایک بین الاقوامی ادارہ بن چکا تھا جس میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے بچے بخوشی داخلہ لیتے تھے اور اس جاذبیت کا سہرا حضرت مولانا صدرالدین صاحب کے سر پر تھا۔ جن کی پُر اثر اور جاذب شخصیت اور حسنِ سیرت و نفاست پسندی نے طلباء کی زندگیوں پر گہرا اثر ڈالا۔

یہ سب کچھ اس دور کے کیمیا گر حضرت مجدد صد چہاردہم رحمۃ اللہ کی نظر کا فیضان تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

باہتمام ... المدیہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (۱۵ ڈالر)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

جلد: ۷۰ | یوم چہار شنبہ ۱۱ شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲۵ مئی ۱۹۸۳ء | شمارہ: ۲۱

ارشادات حضرت مجدد صد چہار دہم

جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو!

سو اے وے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہ ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہ ہوگا۔ ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔

سو خبردار رہو، ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ دشمنوں کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا۔ سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو۔ اور گالیاں سنو اور شکر کرو اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجے پر ہو۔ ہر ایک جو تم میں سست ہو جائیگا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائے گا اور حسرت سے مریگا۔ اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ دیکھو میں بہت خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے۔ اگرچہ سب اس کی مخلوق ہے لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے جو اس کو چنتا ہے۔ وہ اس کے پاس آجاتا ہے جو اس کے پاس جاتا ہے۔ جو اس کو عزت دیتا ہے وہ اس کو بھی عزت دیتا ہے۔

تم اپنے دلوں کو سیدھے کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کی طرف آجاؤ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا۔ عقیدہ کے رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے۔

(کشتی نوح)

* * * * *

انوار القرآن حصہ دوم ستائیسویں پارہ کے بیان از تفسیر کا ایک ورق

از حضرت ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم و مغفور

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ع

پس اپنے رب عظمت والے کے نام کی تسبیح کر۔

میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ تسبیح کے معنے اللہ تعالیٰ کی صفات کو ہر ایک نقص اور عیب سے پاک سمجھنا اور بیان کرنا۔ اور تسبیح ایک تو قولی ہوتی ہے کہ ہم دل سے اللہ تعالیٰ کو ہر ایک نقص اور عیب سے پاک سمجھتے اور زبان سے بھی ایسا ہی ظاہر کرتے ہیں اور ایک عملی ہوتی ہے کہ ہم کو ہمارے خالق نے جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اس کو اسی کے بنائے ہوئے قوانین کے ماتحت چل کر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے ہماری باطنی استعدادیں نشوونما پاتی ہیں اور اخلاقِ فاضلہ کا ظہور ہوتا ہے۔ جنہیں دیکھ کر ایک عقلِ سلیم رکھنے والا ہمارے پیدا کرنے والے کے متعلق اندازہ لگاتا ہے کہ واقعی وہ ہستی سبحان یعنی ہر ایک نقص اور عیب سے پاک اور اپنے صفات میں کمال رکھتی ہے جس نے ایسی مخلوق پیدا کی۔

پس کسی انسان کی تسبیح کامل نہیں ہوتی جب تک وہ قولی اور عملی دونوں رنگ میں اپنے رب کی تسبیح نہ کرے۔ فرماتے ہیں اے انسان تیرے اندر جو بقاء کی تڑپ لگی ہوئی ہے اُس کے پورا کرنے کے لئے تیرے رب نے جو تیری ربوبیت کرنے والا ہے جس نے تجھے نیست سے ہست کیا۔ پھر ترقی کی منازل طے کراتا ہوا تجھے انسان بنا دیا۔ کیا کیا سامان جمع نہیں کئے اور آئندہ بھی تیری بقا اور ترقی کے لئے اُس کے رب نے اس قدر عظیم الشان قدرتی اسباب جمع کر دیئے ہیں جن پر تیری دسترس تو کجا اُن کی عظمت کا بھی تجھے اندازہ نہیں ہو سکتا۔

پس کس قدر عظمت والا ہے تیرا رب اور کس قدر غریب نوازی ہے اس کی کہ تجھے تیرے دل کی مراد یعنی بقا کے حاصل کرنے کے لئے سارے سامان محض اپنے فضل سے مہیا کر دیئے۔ پس تو بھی اس کے نام کی تسبیح کر۔ یعنی ایک تو اپنے عمل کو اس کی مشیت کے نیچے لے آ تا مخلوق کے حسن سے خالق کے سبحان ہونے کا پتہ لگے۔ اس میں تیرا ہی فائدہ ہے۔ کہ تو اس طرح بقا کو حاصل کرنے والا ٹھہرے گا۔ دُوسرے اپنے دل کے اخلاص کے ساتھ اپنے رب کے نام کی تسبیح کر اور دُوسرے لوگوں کو بھی اُس کی صحیح معرفت سے مطلع کر تاکہ وہ بھی بقائے دوام کو حاصل کر سکیں۔ سبحان ربی العظیم۔

اصل غرض تو یہ بتانا تھا کہ موت فنا ہونے کا نام نہیں بلکہ حالت بدلنے کا نام ہے۔ انسان کے اندر جو اپنی بقا کے لئے تڑپ ہے وہ عبث نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے کیونکہ قدرت نے خارج میں اس تقاضا کے پورا کرنے کے سامان مہیا کئے ہوئے ہیں اور ساری کائنات اسی ایک تقاضا کو پورا کرنے کے لئے لگی ہوئی ہے۔ گویا انسان اگرچہ بجائے خود فانی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت نے محض اپنے فضل سے اس کی بقا کے لئے سامان مہیا کر رکھے ہیں اور اسی لئے اس کے اندر اس کی فطرت میں اپنی بقاء کے لئے ایک تڑپ اور تقاضا رکھ دیا ہے۔

یہ ایک مسلّم امر ہے کہ جب تک کوئی چیز خارج میں موجود نہ ہو انسان کی فطرت میں اس کا تقاضا موجود نہیں ہو سکتا۔ اگر خارج میں غذا نہ ہوتی تو انسان کو بھوک بھی نہ لگتی۔ پانی نہ ہوتا تو انسان کو پیاس بھی نہ لگتی۔ پس انسان کے لئے اگر بقا مقدر نہ ہوتی تو اس کے اندر فطرتی طور پر یہ تڑپ اور تقاضا کبھی موجود نہ ہوتا۔ گذشتہ رکوع میں اس فطرتی تقاضا کے پہلے حصہ کے پورا کرنے کا ذکر تھا۔ یعنی یہ بتایا تھا کہ بقا کی خاطر جسم انسانی کی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے جو انسان کے اندر فطرتی تقاضا ہے اُس کے پورا کرنے کا سامان قدرت نے کیا کیا مہیا کیا ہے۔ اب اس رکوع میں بقاء کی خاطر انسان کے فطری تقاضا کے دُوسرے حصہ کا ذکر ہے۔ یعنی نفسِ انسانی کو اس کے اخلاق کی نشوونما اور تکمیل کے ذریعہ اگلی زندگی کے لئے تیار کرنے کے واسطے قدرت نے خارج میں کیا کیا سامان مہیا کئے ہیں؛ اور وہ ہیں ایسی تعلیمات اور اصولِ حقہ جن پر ایمان لانے اور عمل کرنے سے انسان اپنے اس تقاضا کو پورا کر سکتا ہے یعنی اپنے اخلاق کی نشوونما اور تکمیل کر سکتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ قدرت نے یہ سامان خود ہی مہیا کرنے ہیں جیسا کہ ہم اس کے پہلے حصہ یعنی جسمانی زندگی کے قیام کے معاملہ میں دیکھ چکے ہیں کہ سب چیزیں قدرت نے خود ہی مہیا کی ہیں تو پھر وہ تعلیمات اور اصول بھی جن پر چل کر انسان اپنے نفس کے بقا اور ارتقائے کامل کو حاصل کر سکتا ہے ضرور ہے کہ خالقِ فطرت خود اپنے علم سے ہی اس کو سکھائے۔ اسی کا نام وحی نبوت ہے۔ اور اسی کے مجموعہ کو کتاب کہتے ہیں۔

چنانچہ جناب الٰہی کی طرف سے یہ سلسلہ انسان کی تعلیم کا تمام دنیا میں نظر آتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے لکل قوم ھاد کہ ہر ایک قوم میں ہم نے ہدایت دینے والا بھیجا۔ اور پھر آخر کار اُن تمام تعلیموں کو چھوڑ کر جو کسی قوم یا کسی زمانہ سے مختص تھیں باقی تمام ابدی صداقتوں اور الٰہی تعلیمات اور ہدایتوں کو قرآن مجید میں جمع کر دیا اور اُن کی ہر طرح سے مزید تکمیل کر کے انسان کے ہاتھ میں دے دیا تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنے مقصد پیدائش کو معلوم کر کے اُس کے حصول کے لئے ان تعلیمات پر عمل کرے جن پر اس کے نفس کی حقیقی بقا اور ارتقا منحصر ہے اور اس طرح اپنے اخلاق کی نشوونما اور تکمیل کر کے وہ اگلی زندگی میں ترقی کرنے کے لئے تیار ہو جائے چنانچہ اگلی آیات میں اسی لئے نفس انسانی کے بقا کے فطرتی تقاضا کے پورا کرنے کا سامان قرآن کریم کی شکل میں پیش کر کے اس کی صداقت اور عظمت پر دلائل دیئے ہیں۔ اور بتایا ہے کہ اے نادان اور جلد باز انسان جلدی نہ کر اور اس قرآن کو غور اور تدبر سے پڑھ۔ جیسے جیسے تو اس پر عمل کرے گا تو تقوٰے و طہارت میں بڑھے گا۔ اور جیسے جیسے تو تقوٰے و طہارت میں بڑھے گا قرآن کریم کی بزرگی اور شان تجھ پر ظاہر ہوتی جائے گی۔ اور تجھے نظر آ جائے گا کہ یہ کتاب واقعی تمام جہان کے انسانوں کی ربوبیت یعنی اُن کے اخلاق کے نشوونما اور تکمیل کے لئے اُتری ہے۔ پس یہی وہ کتاب ہے جس سے نفس انسانی کا اپنی بقاء کے لئے فطری تقاضا کما حقہٗ پُورا ہو سکتا ہے۔

— * * * —

ارشاداتِ خداوندی

- "اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"
- "اور جو تمہیں السّلام علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔"

— * * * —

از قلم: مکرم پروفیسر خلیل الرحمن صاحب، مدیر اعزازی پیغام صلح

گو وہ کافر کہہ کے ہم سے دور تر ہیں جا پڑے
اُن کے غم میں ہم تو پھر بھی ہیں حزین و دلفگار

(حضرت مسیح موعود)

ہمارے قارئین کو ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا وہ دن تو خوب یاد ہوگا اور یہ دن بھلایا بھی کیسے جا سکتا ہے جس دن پاکستان کی قومی اسمبلی نے آئین میں ترمیم کے ذریعے جماعت احمدیہ کے دونوں فریقوں جماعت ربوہ اور جماعت لاہور کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا تھا اور قومی اسمبلی کے اس فیصلے پر سارے پاکستان میں اس لئے یوم تشکر منایا گیا کہ ہم نے لاکھوں ان کلمہ گوؤں کو جو اسلام اور بانی اسلام صلعم پر غیر مذاہب کی طرف سے یلغار کے سامنے ہمیشہ بڑی جرأت اور دلیری سے سینہ سپر رہنے کا فریضہ کر فقید المثال کامیابی حاصل کر کے اسلام پر ہر طرف سے یورش کا راستہ صاف کر دیا ہے کیونکہ اس فیصلے پر سب سے زیادہ خوشیاں عیسائی گرجوں اور گھروں میں منائی گئیں اس لئے کہ یہی ایک ایسی جماعت تھی جو اس ملک میں کیا تمام ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کے راستے میں ناقابلِ عبور چٹان تھی اور جس کے پاس قرآن کریم اور اسلام کی اصلی خوبصورت تصویر کی شکل میں وہ ایٹم بم تھا جس کی تیز ترین شعاؤں نے یورپ کے گرجوں کو منہدم کر کے ان کی جگہ وہ مسجدیں تعمیر کرنا شروع کر دیا تھا جن کے میناروں سے پانچ وقت اللہ اکبر کی آوازیں مغرب کی مذہب سے ناآشنا فضاؤں میں بلند ہونا شروع ہوئیں۔ خود مسلمانوں کے ہاتھوں عیسائیت کی راہ میں اس بھاری روک کو ہٹائے جانے پر عیسائی دنیا جتنی بھی خوشیاں مناتی کم تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی کی حیات اور آمد ثانی کے بارہ میں ہم عقیدہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے پاس اسلام اور آنحضرت صلعم کی ذات مقدسہ پر عیسائیوں کے ہزاروں اعتراضات کا کوئی جواب نہیں اور اس طرح لاجواب ہونے کی صورت میں ان کے سامنے دو ہی راستے ہیں یا وہ اسلام سے برگشتہ ہو کر دہریہ ہو جائیں اور یا عیسائیت قبول کر لیں۔ ان دونوں صورتوں میں عیسائی فائدے میں ہیں کیونکہ وہ مسلمان تو نہ رہے جو ان کی اصلی غرض اور مقصد ہے۔

یہ فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق تھا یا اس کے قطعاً برخلاف، سیاسی اور سماجی لحاظ سے دانشمندانہ تھا یا غیر دانشمندانہ اور اس کے پیچھے کون کون سے عوامل اور کس بیرونی یا اندرونی قوت کا ہاتھ کارفرما تھا اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں کیونکہ یہ فیصلہ ۱۹۷۳ء کے آئین کا حصہ بن چکا ہے۔ جسے اللہ تعالےٰ کی طاقت اور قدرت کاملہ کے بغیر بدلنے پر کوئی انسانی ہاتھ قادر اور با اختیار نظر نہیں آتا کیونکہ عوامی مخالفت کا خوف اللہ تعالےٰ کے خوف اور اس کے سامنے جوابدہی پر حاوی ہے لیکن اس سے اسلام کو عیسائیت کی طرف سے جو خطرات پیش آ رہے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ مہیا کرتے ہیں۔ اگر ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کے علماء اور عمائدین نے اپنے نظریاتی رویوں میں کوئی معقول تبدیلی پیدا نہ کی تو جن نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کا نشریاتی اداروں کی طرف اور ہر محراب و منبر سے تکرار اعلان کیا جاتا ہے وہ سرحدیں "عیسائی مشنریوں کی یلغار" کے سامنے کمزور پڑ جائیں گی۔ اور اس دین اسلام کے حصار کی دیواروں میں جو آج پیش کیا جا رہا ہے بڑی بڑی دراڑیں پڑ جائیں گی جن کا پُر کرنا نہ حکومت اور مسلمان علماء کے بس میں ہوگا۔ تعزیراتی قوانین کا نفاذ یا سیاسی اداروں کا احیاء اس قلعہ کو سہارا نہیں دے سکے گا۔ اس لئے کہ وہ اسلام جو آنحضرت صلعم لائے تھے اور جس نے ۲۳ سال کے قلیل ترین عرصے میں صدیوں سے بگڑی ہوئی قوم کو پستی کی تاریک گہرائیوں سے نکال کر ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا کر دنیا کا راہنما بنا دیا تھا اس اسلام کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ وہ نہیں جو آج ہمیں نظر آ رہے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام کے سورج کے سامنے دیگر مذاہب کے ٹمٹماتے چراغ جل کر بجھ گئے اور تاریکیاں چھٹ کر روشنی میں بدل گئیں۔

اس اظہار کی ضرورت ہمیں اس لئے پیش آئی ہے کہ اس خطرہ کو صرف ہم نے ہی نہیں ملک کے سنجیدہ اور دانشور طبقہ سے تعلق رکھنے والے بعض دیگر دوراندیش اور دردمند اہل قلم نے بھی محسوس کرتے ہوئے اس کی نشاندہی کی ہے اور مسلمانوں اور ان کے علماء کو اس سے متنبہ کیا ہے۔ چنانچہ جناب م۔ش "نوائے وقت" مورخہ ۲ جنوری ۱۹۸۳ء میں اپنی ڈائری میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"عیسائیت کے پرچار کے پردے میں اسرائیل کی ناپاک حمایت"

اس عنوان کے تحت جناب م۔ش نے عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں اور ان کے نتائج کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے ہم اس میں سے صرف چند ایک متعلقہ سطور درج ذیل کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

"فیصل آباد سے شائع ہونے والے وقیع ہفتہ وار رسالہ "المنبر" کی اطلاع کے مطابق (جو کینیڈا سے شائع ہونے والے عیسائی مشن کے فراہم کردہ اعداد و شمار پر مشتمل ہے) پاکستان میں صرف ایک سال میں دو لاکھ پچاس ہزار لوگوں نے عیسائیت قبول کر کے بپتسمہ لیا۔ یہ اعداد و شمار ۱۹۵۸ء سے متعلق ہیں اس کے بعد بھی اسی رفتار سے عیسائیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ عیسائی پاکستان کی سب سے بڑی اقلیت ہے۔"

اگر ایک سال میں ڈھائی لاکھ لوگوں نے عیسائیت قبول کی تو ۱۹۵۸ء سے ۱۹۸۳ء تک ۲۵ سال کے عرصہ میں ان کی یہ تعداد ۶۲ لاکھ ۵۰ ہزار ہو گئی ہوگی۔ اس لئے عیسائیوں کا یہ دعویٰ کہ وہ سب سے بڑی اقلیت ہیں بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان میں بڑے بڑے علماء مشائخ، مفتی اور فقیہہ موجود ہیں جنہیں اسلامی تعلیم اور قرآن کے نکات و معارف پر عبور کا دعویٰ ہے اور وہ پاکستان کو اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بنانے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کرنے کا دعویٰ بھی کرتے رہتے ہیں تو وہ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کے گمراہ ہونے پر کیوں خاموش رہے ہیں اور اپنے اتنے بے بہا علم و فضل کی بدولت

انہیں اسلام کی آغوش میں لانے میں کیوں ناکام رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی یہ ذمہ داری پورا کرنے میں کیوں کوتاہی برتی ہے۔ کیا وہ اتنے بے قصور انسانوں کے گمراہ ہو جانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے روزِ قیامت جوابدہ نہیں ہونگے۔ اور کیا انہوں نے اپنے اس طرز عمل سے اسلام کو عیسائیت کے مقابلے میں نعوذ باللہ ایک نامکمل اور ناقص دین ثابت نہیں کر دیا جبکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ اتنی بڑی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے اس کامل اور پسندیدہ دین اور خوانِ نعمت سے محروم ہوتے دیکھ کر خاموشی اختیار کر لینے اور دل میں اس کے لئے درد محسوس نہ کرنے کی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ یا تو ان کا دامنِ علم اتنا دراز نہیں کہ اُسے لوگوں کے سامنے پھیلا سکیں اور یا اُن کے پاس عیسائیوں کے اعتراضات کا کوئی جواب نہیں کیونکہ ان دونوں کے بعض معتقدات ایک جیسے ہیں اس لئے لوگ اس اسلام میں کوئی کشش نہ پاکر جو اُن کے سامنے پیش کیا جاتا ہے دوسرا دین قبول کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں

جناب م۔ش علماء کو اپنا فرض یاد دلاتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"میں علمائے کرام کو ان کا فرض یاد دلانا چاہتا ہوں کہ وہ ازراہِ خدا اپنے فروعی اختلافات کو بھلا کر عیسائیت کی تبلیغ کے پردے میں اسرائیل کی حمایت میں غیر ملکی عیسائی مشنریوں کی پاکستان دشمن اور عرب دشمن سرگرمیوں کا نوٹس لیں۔ اس کے ساتھ انہیں مسلم معاشرہ کی تطہیر کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہیئے تاکہ عیسائی مشنری ہمارے قومی۔ اخلاقی کردار کو نشانہ بنا کر حضرت عیسےٰؑ کی الوہیت اور خدا کو تین ٹوٹوں میں بانٹ کر پاکستان میں توحید و رسالت کے لئے ایک کھلا چیلنج نہ بن جائیں۔"

ہم جناب م۔ش کی خدمت میں جن کا ہمارے دل میں بہت احترام ہے معذرت کے ساتھ میرؔ کا ایک شعر نقل کرتے ہیں:

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اُسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

ہمارے محترم! یہ دوا ان کے پاس نہیں جن کے ہاں آپ تلاش کرنے کی خواہ مخواہ زحمت گوارا کر رہے ہیں۔ اگر ہوتی تو مسلم معاشرہ کی روز افزوں ابتری کا رونا اخبارات میں نہ رویا جاتا۔ آپ نے خود یہ لکھ کر کہ "ہمارے قومی اخلاقی کردار کو نشانہ بنا کر"، تسلیم کر لیا ہے کہ ہمارا قومی اخلاقی کردار گرا ہوا ہے۔ اس لئے یہ نشانہ بن سکتا ہے۔ اور اس طرح کہ مذہب کی غرض و غایت انسانی اخلاق و کردار کی تعمیر ہے جس کی آخری منزل مقامِ روحانیت ہے۔ اگر ہمارا قومی اخلاقی کردار گراوٹ کی حدوں کو چھو رہا ہے تو عیسائی آپ پر یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ نعوذ باللہ اسلام ایک ناقص مذہب ہے کیونکہ یہ نفوس کا تزکیہ کر کے انسان کے اندر اخلاق و کردار پیدا کرنے میں ناکام ہو گیا ہے جس کا ثبوت یہ مسلم معاشرہ ہے۔ اس کے برعکس عیسائی مشنری جس قسم کے اخلاق کا مظاہرہ اپنے مشنری اداروں میں کرتے ہیں اس کا اعتراف وہ مسلمان بھی برملا کرتے ہیں جن کا ان اداروں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور پھر وہ اپنے اسلامی معاشرہ کو کوستے ہیں۔ یہ یقین رکھیئے کہ حضرت عیسےٰؑ کی الوہیت توحید اور رسالت کے لئے اس ملک میں ایک کھلا چیلنج بن چکی ہے۔ توحید کے لئے اس طرح کہ حضرت عیسےٰؑ کو آج دو ہزار سال تک آسمان پر زندہ بٹھائے رکھنا اُن میں خدائی صفات کی موجودگی کو تسلیم کرنا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں آنحضرت صلعم صرف ۶۳ سال کی عمر میں ہی انتقال فرما گئے۔ کیا زندہ رہنے کا حق اس عظیم المرتبت ہستی کا تھا جس نے دنیا میں ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا جس کے انمٹ نقوش آج بھی انسانی تہذیب پر واضح نظر آتے ہیں۔ یا اس کا جو محض بنی اسرائیل کی طرف نبی بن کر آیا اور اس کی تعلیم پر آج خود عیسائی بھی عمل نہیں کر سکتے۔ رسالت کے لئے یہ اس طرح چیلنج ہے کہ حضور صلعم کو زبان سے خاتم النبیین کہا جاتا ہے اور عملاً آپ کے بعد عیسےٰؑ ابن مریم اسرائیلی نبی کو آسمان سے اتارا جاتا ہے کیا اس سے ختم نبوت کی مہر نہیں ٹوٹتی۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ جب حضرت عیسےٰؑ نازل ہونگے تو ان کی نبوت سلب ہو جائے گی۔

ہم یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ آج سے تقریباً ۹۴ سال قبل عیسائیت کے اس چیلنج کو بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے قبول کیا۔ قرآن کریم کی تیس آیات سے حضرت عیسےٰؑ کی وفات ثابت کر کے ان کی چادرِ الوہیت کو تار تار کر دیا اور فرمایا کہ عیسےٰ کو مرنے دو کیونکہ اسی میں اسلام کی حیات ہے اور پھر فرمایا کہ آنحضرت صلعم کی عظمت اور ختم نبوت کا ثبوت یہی ہے کہ آپ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے اور نہ کوئی پرانا اور آپ کی کامل متابعت سے اس امت میں ایسے انسان پیدا ہوں جو بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثیل ہوں جیسا کہ آپؐ کی اس حدیث کا منشا ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ ہزارہا صفحات پر پھیلے ہوئے آپ کے اردو۔ فارسی اور عربی علم کلام میں شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جس پر آپ نے اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب خصوصاً عیسائیت کے کھوکھلا پن اور اس کے معتقدات کی نامعقولیت پر بحث کرتے ہوئے اسلام کی برتری اور اس کے روحانی ثمرات کو ثابت نہ کیا ہو جس نے بھی اسلام اور آنحضرت صلعم کی ذات پر کوئی ناپاک حملہ کرنے کی جسارت کی آپ نے اسے مباہلہ کا چیلنج دیا اور جو مقابلہ پر آئے وہ ذلت کی موت مر کر جہنم رسید ہوئے۔ آج بھی اس قسم کی کتابیں شائع ہو رہی ہیں جن میں آنحضرت صلعم کی شان میں گستاخی سے کام لیا گیا ہے۔ کون ہے جس کی غیرت نے جوش مارا ہو اور اس کی رگِ حمیت پھڑکی ہو اور ایسے گستاخ کا منہ ہمیشہ کے لئے بند کرنے کے لئے اسے مباہلہ یا مناظرہ کا چیلنج دیا ہو۔ اگر مطالبہ ہوتا ہے تو صرف اتنا کہ اس کتاب کو ضبط کر لو۔ اور اس کے خلاف احتجاج کرو۔ ضبطی اور احتجاج سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ماہرین علم دین کے پاس کتاب میں اٹھائے گئے اعتراضات کا کوئی جواب نہیں اور اگر احمدیہ لٹریچر میں موجود اس کا جواب دیا جائے تو مخالف یہ کہہ کر اسے قبول کرنے سے انکار کر دے گا کہ یہ جواب احمدیوں نے دیا ہے۔ اور احمدی آپ کے نزدیک کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ آپ اپنی طرف سے جواب دیجئے۔ لیکن یہاں بغلیں جھانکنے کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اس ضمن میں ایک واقعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

۲۵ مئی ۱۹۰۰ء کو رنگ محل ہائی سکول لاہور میں شام کے وقت ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں قریباً تین ہزار سے زائد آدمی موجود تھے۔ اس جلسہ میں لاہور کے پادری بشپ لیفرائے نے "زندہ رسول" پر لیکچر دیا۔ جس میں حضرت عیسےٰؑ کو زندہ اور آنحضرت صلعم کو مردہ ثابت کیا۔ اسی موضوع پر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے جنہیں اللہ تعالےٰ نے کسرِ صلیب کے لئے مبعوث فرمایا تھا صرف دو گھنٹے میں ایک مضمون لکھا جس میں آنحضرت صلعم کو زندہ رسول اور حضرت عیسےٰؑ کو مردہ ثابت کیا۔ بشپ صاحب کی تقریر کے بعد مفتی محمد صادق صاحب مرحوم نے حضرت صاحب کا یہ مضمون جلسہ میں پڑھا۔ اس مضمون کا۔

انداز اور دلائل سن کر عیسائیوں کا رنگ فق ہو گیا کیونکہ اس میں مسیح کی خدائی کا تیا پانچا ہوتا انہیں نظر آیا۔ اگر مسیح اور مسیح کی خدائی مر جاتی ہے تو عیسائیت اپنی موت آپ مر جاتی ہے۔ یہ رنگ دیکھ کر پادری صاحب اور ان کے ساتھی گھبرا کر بول اُٹھے "ہم نے مباحثہ مسلمانوں سے کیا تھا نہ کہ مرزائیوں سے۔ اور مرزائیوں کو مولوی لوگ مسلمان نہیں سمجھتے۔" اس کے جواب میں سوائے چند مولویوں اور ان کے مقلدین کے مسلمانوں کا معقول اور فہمیدہ طبقہ بے اختیار پکار اٹھا کہ "ہم مرزائیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور اس وقت یہ ہمارے نمائندہ ہیں مضمون جاری رہنا چاہیئے لیکن ہمیں بڑے افسوس اور رنج کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی مجلس میں ایک بھی رجل رشید ایسا نہ تھا جس نے ایک جابر حاکم کے سامنے یہ کلمۂ حق کہنے کی جرأت کی ہو کہ کسی کلمہ گو کو کافر کہنا اور اُسے دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا قرآن و سنت کے صریح خلاف ہے۔ اور نہ ہی قرآن و سنت نے کسی انسان یا سیاسی ادارے کو یہ اجازت دی یا اختیار دیا ہے کہ وہ کلمہ پڑھنے والے کو کافر کہہ سکتا ہے۔ یہ کلمہ شہادت اور توحید کی تنسیخ اور توہین ہے۔

ایک دوسرا واقعہ بھی سن لیجئے۔ پادری انار کلی کے ایک ہال میں روزانہ شام کو مسیحیت پر وعظ کیا کرتے تھے مشن کالج (الیف سی کالج) لاہور کے پرنسپل پادری لوانگ نے یہ حکم دیا کہ ہال کے دروازے بند کر کے وعظ کیا کریں کسی نے پوچھا کیوں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ "اگر دروازہ کھلا رہا تو تم میں سے کون ذمہ لیتا ہے کہ کوئی مرزائی نہ اندر گھس آئے گا۔" پادریوں کو در پردہ یہ حکم دیا گیا تھا کہ مرزائیوں سے مناظرہ اور مباحثہ مت کرو۔ (بحوالہ مجدد اعظم جلد اوّل)

عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کرنا اس فرقہ زہاد کی طاقت میں نہیں جنہیں میاں محمد شفیع صاحب ان کا فرض یاد دلانا چاہتے ہیں کیونکہ بقول ؎

مسیح ناصری را تا قیامت زندہ مے فہمند + مگر مدفون یثرب را ندادند ایں فضیلت را

ہمہ عیسائیاں را از مقالِ خود مدد دادند

دلیری ہا پدید آمد پرستارانِ میّت را

اگر کچھ ہوگا تو انہی رندانِ قدح خوار سے جو ایک عاشقِ خدا۔ عاشقِ رسولؐ، عاشقِ قرآن اور عاشقِ اسلام کے ادنیٰ سے پیرد کار ہیں اور جو اسی وجہ سے "مسلمانوں" کے نزدیک کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اگر ہم کافر ہو کر بھی اللہ تعالےٰ کو زندہ خدا، آنحضرت صلعم کو زندہ رسول، قرآن کو زندہ کتاب اور اسلام کو زندہ مذہب ثابت کرنے میں اپنی حقیر کوششوں میں تائید اور نصرت خداوندی کی بدولت کامیاب ہو جائیں تو ہمارا یہ "کفر" ہمارے لئے باعث سعادت اور جائے فخر ہے اور ہم انشاءاللہ ضرور کامیاب ہونگے کیونکہ جب ہم پاکستان کی حدود سے باہر نکل جاتے ہیں تو ہمارے مسلمان ہونے پر کسی کو شک اور اعتراض نہیں ہوتا۔ ؎

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا

اور کافر یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان ہوں میں

اسی سلسلہ میں ملک کا مشہور انگریزی روزنامہ "پاکستان ٹائمز" اپنے ۱۹ جنوری ۱۹۸۳ء کے ایشوع میں "MISSIONARY DRIVE" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:-

ترجمہ:- "عیسائی مبلغین نے "OPERATION MOBILISATION" کے نام سے پاکستان میں مُسلمان گھرانوں میں گھس کر عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی ہے یہودیوں کی طرح جنہوں نے حضرت عیسےٰؑ اور آپ کی والدہ پر طرح طرح کے الزامات لگائے تھے عیسائیوں نے بھی ضمیر کی خلش سے بے نیاز ہو کر بانیٔ اسلام پر کھلے بندوں الزامات لگانے شروع کر دیئے ہیں اور ان کا سب سے بڑا نشانہ بے سہارا خواتین ہیں۔ وہ کھلم کھلا یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مسلمان دشمنوں میں گھری ہوئی اسرائیل کی چھوٹی سی ریاست اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالےٰ کا پوشیدہ ہاتھ کام کر رہا ہے جبکہ ہمارے علمائے کرام معمولی معمولی اور غیر اہم فقہی مسائل پر ایک دوسرے سے اُلجھ رہے ہیں۔ یہ سب کچھ نظریاتی ریاست پاکستان میں ہو رہا ہے جبکہ ترکی میں ۱۹۲۴ء سے جب اتاترک نے اپنے ملک کو یورپی سامراج اور متعصب اور فرقہ پرست عناصر سے آزاد کرایا ایک بھی عیسائی نہیں ہوا۔"

ذیل میں ہم جناب م۔ش کی ۲۹۔ اپریل ۱۹۸۳ء کی ایک اور "ڈائری" سے اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشنری سرگرمیوں کی وجہ سے صورت حالات کتنی نازک ہے۔ آپ "عیسائی مشنریوں کی یلغار" کے تحت فرماتے ہیں۔

"جس طرح غیر ملکی عیسائی مشنریوں نے اسلامی ممالک پر یلغار شروع کر رکھی ہے اور جس طرح وہ اربوں ڈالر سالانہ مسلمانوں کو مرتد بنانے پر صرف کر رہے ہیں اس پر پاکستان کے اسلامی دانشوروں کو غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ انہیں نہ صرف پاکستان میں بلکہ سارے عالمِ اسلام میں عیسائی مشنریوں کی خفیہ اور اعلانیہ سرگرمیوں کا جائزہ لینا ہوگا اور ان کے سد باب کے لئے فوراً اقدام کرنا ہوگا۔۔۔ آج جبکہ پاکستان کے کونے کونے میں مسجدوں سے فلک شگاف اذانوں کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں غیر ملکی عیسائی مشنریوں کی مساعی سے پاکستان کی عیسائی آبادی ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ یہ غیر ملکی عیسائی مشنری اپنے لٹریچر میں جو اردو اور انگریزی میں کھلے بندوں مفت تقسیم ہو رہا ہے اسرائیلی خدا کے ارادوں کے تکمیل پذیر ہونے کا ایک روحانی نشان سمجھتے ہیں۔۔۔ علمائے کرام سے جن کی عقیدت کا طوق طفولیت سے گلے میں ڈال چکا ہوں بادب و ارادت کہنا چاہتا ہوں کہ خدا کے لئے جاگیئے فلک شگن اذانوں کو کچھ دھیما کیجئے اپنے اندر جھانکیے۔ ذرا دل کو ٹٹولیے۔ کچھ ضمیر کی سنیں مگر اپنے ماحول کو دیکھیں۔ کیا آپ کے وعظ سے ماحول میں تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ کیا آپ کی اذان کی گونج دار آواز سے طاغوت کانپتا ہے۔ کیا آپ پیغمبر رحمت صلے اللہ علیہ وسلم کے بے پایاں شفقت و رحمت۔ الطاف و اکرام کے پھول فضا میں بکھیر رہے ہیں یا آپ جنگی جھلے مسلمانوں کے دل میں بھی ردعمل کی کیفیت پیدا کرنے کا ذریعہ بنے ہیں۔ ذرا مسجد سے نکل کر گوجرانوالہ۔ اسلام آباد۔ راولپنڈی۔ چوہڑ کانہ اور مائی لاڈو کی مسجد کے زیر سایہ پنپنے والے وسیع و عریض غیر ملکی مشنریوں کے اڈوں کے اندر جھانکیں اور دیکھیں کہ آپ کی ملت کے نوجوانوں کے عقائد کے مسموم کرنے کے لئے کس قسم کا بارود مشنری پروپیگنڈہ کی شکل میں اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ اگر پاکستان کو بالآخر لبنان بنانا مقصود نہیں تو علمائے کرام کو باہمی تکفیر کے مستقل شغل کو چھوڑ کر آپس میں مل بیٹھنا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ غیر ملکی مشنریوں کے خفیہ اور اعلانیہ حملوں کا کس طرح سے موثر سد باب کیا جا سکتا ہے۔"

(نوائے وقت ۲۹۔ اپریل ۱۹۸۳ء)

جناب میاں صاحب سے مودبانہ عرض ہے کہ جن مسجدوں اور علماء کا ذکر انہوں نے اپنی ڈائری میں کیا ہے ذرا اُن کا ذکر آنحضرت صلعم کی زبان سے بھی سننے جائیں۔ حضور صلعم فرماتے ہیں۔

۱۔ ترجمہ:۔ "حضرت معاذ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ لوگوں پہ ایسا زمانہ آئیگا کہ قرآن میں سے سوائے رسم کے اور اسلام سے بجز نام کے کچھ باقی نہ رہے گا اور اس سے بطور نام نہاد تعلق ظاہر کریں گے حالانکہ وہ اسلام سے نہایت ہی دور جا پڑے ہونگے مسجدیں تو ان کی بھر جایا کریں گی مگر وہ فی الحقیقت ہدایت کے نہ ہونے سے خراب ہوں گی ۔۔۔ (کنزل العمال جلد ۶ صفحہ ۴۳)

۲۔ ترجمہ:۔ "حضرت حبین حلیمی نے حضرت حسن سے روایت کی ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ وہ مسجدوں میں دنیا کی باتیں کیا کریں گے۔ تم ان کے ساتھ مت بیٹھنا اور اللہ کو بھی ان کی حاجت نہیں۔" (ایضاً جلد ۶ صفحہ ۴۶)

۳۔ دیلمی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب کہ ان کی ہمت ان کی شکم پروری اور ان کا شرف ان کے مال و اسباب اور ان کا قبلہ ان کی عورتیں اور ان کا دین ان کے درہم و دنانیر ہونگے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہونگے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کوئی قدر نہیں ہوگا۔" (ایضاً صفحہ ۴۶)

کیا آنحضرت صلعم کی زبانِ مبارک سے آج سے چودہ سو سال پہلے اس زمانے کے متعلق نکلی ہوئی باتیں غلط ثابت ہوئی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ مسجدوں اور ان نمازیوں کی یہ حالت ہو اور ان کے رہنمایانِ دین کی وہ حالت جسے ہم نے ناقابل بیان ہونے کیوجہ سے پہلی حدیث کے آخر میں لفظوں کی ایک لکیر سے ظاہر کیا ہے تو جناب میاں صاحب اُن سے کیا توقع کر سکتے ہیں۔ اس نقار خانے میں طوطی کی آواز پر کون توجہ دے گا۔ "لعنت ہائے حجازی" کے یہ نارون بیرون ملک جاکر یہ بلا ثبوت دعویٰ تو کر سکتے ہیں کہ ہم نے سینکڑوں قادیانیوں کو مسلمان کیا ہے لیکن اُن کے اپنے گھر میں جو نقب زنی ہو رہی ہے اس کی مدافعت کے لئے اُن کے بازؤں میں ذرا بھر سکت نہیں۔

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار اُن سے + یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اگر عیسائیت کے قلع قمع کے لئے کوئی خنجر اٹھ سکتا ہے تو وہی اُٹھے گا جس کی دھار حضرت مرزا صاحب نے عشقِ رسولؐ کی آگ میں پڑ کر تیار کی۔ وہی پہلے بھی عیسائیت کی موت اور عیسائی مشنریوں کے برصغیر پاک و ہند سے بھاگنے کا سبب بنا اور اب بھی انشاءاللہ بنے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ خدا کی بے آواز لاٹھی لوگوں کو ہانک کر ایک دن ہمارے کفر کی طرف لے آئے گی۔ اور وہی دن اسلام کی حقیقی نشاۃِ ثانیہ کا دن ہوگا۔ جناب میاں صاحب عیسائی مشنریوں سے مقابلہ کرنے کی جن سے اُمید لگائے بیٹھے ہیں وہ خود غلط عقائد کیوجہ سے عیسائیت کے لئے تقویت کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ وہ کیا مقابلہ کریں گے۔ غنیم کے ہاتھ میں خود ہتھیار دے کر نہتا ہو جانا اور پھر توقع کرنا کہ وہ حملہ نہیں کریگا یا ہم اس کے حملے کا موثر جواب دے سکیں گے کیا نادانی نہیں؟

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے آخر + لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

یہ مقابلہ ہم نے کیا ہے اور انشاءاللہ کرتے رہیں گے کیونکہ ہمارے

امام فرما گئے ہیں کہ:۔

"یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا اُس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔"

* * * *

ایثار کا اوجِ کمال

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے مہمان نواز تھے۔ خود بھوکے رہتے اور اپنا کھانا مہمانوں کو کھلا دیتے ہیں۔ آپ کے صحابہ رضہ کا بھی یہی طریق تھا۔ مسلمانوں کو تعلیم دی گئی تھی کہ اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو مقدم رکھیں۔ چنانچہ وہ اکثر دوسروں کو کھانا کھلا دیتے تھے اور خود بھوکے رہتے۔ اپنے کپڑے دوسروں کو پہنا دیتے اور خود تکلیف سے گذارہ کر لیتے قرآن مجید میں ایسے ہی مسلمانوں کے لئے آتا ہے۔ ویؤثرون علیٰ انفسھم ولوکان بھم خصاصۃ یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر دوسروں کو آرام اور راحت پہنچاتے ہیں اور دوسروں کی حاجت پوری کرتے ہیں۔ ایک لڑائی کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ تین مسلمان عکرمہ، سہیل اور حارث زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے اُن کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ اور نزع کی حالت طاری تھی تینوں کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ ایک مسلمان جلدی سے پانی کا پیالہ لایا۔ اور جلدی سے عکرمہ کے لبوں سے لگایا لیکن عکرمہ نے اپنے ساتھی سہیل کی طرف اشارہ کیا پہلے ان کو پلاؤ۔ جب سہیل کے سامنے پیالہ گیا تو انہوں نے حارث کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے ان کو پلاؤ۔ لیکن جب حارث کی طرف پیالہ گیا تو انہوں نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے ان کو پلاؤ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تینوں ایک دوسرے کے لئے ایثار کرتے ہوئے خدا سے جا ملے۔ اس مثال میں ایثار کی حد ہو گئی۔ زخمی ہو کر زمین پر گرے ہوئے۔ زخموں سے خون جاری ہے شدت کی پیاس لگ رہی ہے نزع کی حالت طاری ہے۔ پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہے ہیں لیکن کس قدر ایثار ہے کہ خود نہیں پیتے دوسرے کی ضرورت کو مقدم سمجھتے ہیں اور اس طرح سے ایک دوسرے کے لئے نفس کی قربانی کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہوتے ہیں مردانِ خدا وہ دوسروں کے لئے اپنی جان بھی دے دیتے ہیں۔

ایفائے عہد

آپؐ کے دشمنوں کو بھی اس کا اعتراف تھا کہ حضور صلعم نے کبھی عہد کی خلاف ورزی نہیں کی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مکہ کا باشندہ اسلام لا کر مدینہ آ جائے اور آنحضرت صلے اللہ کے پاس پناہ ڈھونڈے تو آپ اس شخص کو فوراً مکہ والوں کے پاس بھیج دیں گے اس کے تھوڑے دنوں بعد ایک نومسلم ابوجندل مکہ والوں کی قید سے بھاگ کر مدینہ میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں آیا۔ اور پناہ کا خواستگار ہوا۔ جب اُس نے اپنی دردبھری کہانی سنائی اور اپنے جسم کے زخم دکھائے تو مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور خود حضور صلعم بھی آبدیدہ ہو گئے۔ لیکن چونکہ عہد کر چکے تھے کہ مکہ سے آنے والوں کو پناہ نہیں دیں گے اس لئے حضور صلعم نے بڑی سنجیدگی سے فرمایا:۔

"ابوجندل صبر کرو۔ خدا تمہاری مشکلات دُور فرمائے۔ تمہاری تکلیفوں کا ہم سب کو بہت احساس ہے مگر مجبوری یہ ہے کہ ہم مکہ والوں سے عہد کر چکے ہیں کہ کسی آنے والے کو پناہ نہیں دیں گے عہد کی پابندی ضروری ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ حضور صلعم نے باچشم تر ابوجندل کو واپس بھیج دیا۔ ابوجندل کی تکلیفات پر حضور کو رحم تو بہت آیا مگر عہد کو توڑنا حضورؐ کو کسی صورت میں منظور نہ تھا۔

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب

درس قرآن ـــــ سبق نمبر (۳۲)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ
اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ
(البقرۃ ۲: ۱۸۶)

ترجمہ:- اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں۔ دعا کرنے والے کی دعا کو جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں۔ پس چاہیئے کہ وہ بھی میری فرمانبرداری کریں اور چاہیئے کہ مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ ہدایت پائیں۔

روزہ کے مضمون پر یہ میرا تیسرا اور آخری درس ہے۔ اب تک جو باتیں میں پچھلے دو درسوں میں عرض کر چکا ہوں وہ میں نہایت اختصار سے دوہرا دیتا ہوں تاکہ آج کے درس سے تسلسل قائم ہو جائے۔

۱- ایک ماہ مسلسل صبح سے لے کر شام تک گرمی ہو یا سردی، دن چھوٹے ہوں یا لمبے، کھانے پینے کا فاقہ بظاہر سخت مجاہدہ معلوم دیتا ہے۔ باوجود اس کے کہ اب تو ڈاکٹروں نے روزہ کے طبی فوائد بھی معلوم کر لئے ہیں مگر کتنے لوگ ہیں جو اس سخت مجاہدہ کو کسی نہ کسی بہانے ٹال جاتے ہیں۔

۲- فرمایا کہ اگر ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر تو اس مجاہدہ کو قبول کرو۔ ہم ایک ڈاکٹر کے کہنے پر ایمان لا کر سخت سے سخت تیز دوائیاں بلکہ زہریلی دوائیاں کھا لیتے ہیں (جو کہ ممکن ہے کہ مستقل طور پر جسم انسانی پر برا اثر یا شدید نقصان ڈال سکتی ہیں) یا آپریشن تک کرا لیتے ہیں جو بعض وقت مہلک ثابت ہوتا ہے۔ یہ سب خطرے مول لے لیتے ہیں۔ حالانکہ ڈاکٹر غلطی پر بھی ہو سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ تو سبحان یعنے بے عیب ہے۔ وہ غلط بات معاذ اللہ نہیں کہتا۔ پھر لاکھوں نبی اللہ اور صدیق اور صالح لوگ اور اولیاء اللہ جو اپنی راست گوئی اور صداقت کی وجہ سے مشہور تھے اُن کی گواہی ہے کہ روزہ نفس کو پاک کرنے اور باطنی حیوانی خواہشات و جذبات کو قابو میں لانے کے لئے بے نظیر ہے، تو ہم ان کی بات پر کیوں ایمان نہیں لاتے؟

۳- یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ دوسرے مذاہب میں کیوں اتنا سخت مجاہدہ نہیں؟ تو قرآن کریم نے فرمایا کہ پچھلی قوموں پر بھی یہی اور اتنا لمبا ہی مجاہدہ فرض کیا گیا تھا مگر انہوں نے اسے تبدیل کر کے آسان بنا لیا بلکہ بعض قوموں میں عام لوگ تو بالکل روزہ رکھتے ہی نہیں۔ اسلام میں چونکہ قرآن محفوظ رہا تو روزے بھی محفوظ رہے ہے۔

۴- روزے کا مقصد ہے تقوٰی کو حاصل کرنا۔ تقوٰے کے معنے ہیں اپنے نفس کو دکھ میں ڈالنے والی، نقصان پہنچانے والی اور خراب کرنے والی چیزوں سے بچانا تو کون انسان ہے جو اپنے لئے دکھ یا نقصان یا عذاب کو پسند کرتا ہے؟ تو پھر یہ کیوں ہے کہ اکثر لوگ گناہوں اور بدیوں میں پڑ جاتے ہیں جن سے بڑھ کر انسان کو دکھ میں اور نقصان اور عذاب میں ڈالنے والی کوئی چیز نہیں؟

۵- اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا جسم حیوانی ہے۔ اسی لئے ڈاکٹر لوگ پہلے دوائیوں کا تجربہ حیوانوں پر کرتے ہیں۔ پھر انسانوں کو وہ دوائیاں دیتے ہیں۔ تو اس جسم میں سے جو جذبات اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں وہ بھی حیوانی ہیں۔ جس طرح دوسرے حیوان کسی روک ٹوک کو یا بندش کو یا لگام کو پسند نہیں کرتے، انسان کے اندر کا حیوان بھی انہیں پسند نہیں کرتا۔ ان جذبات اور خواہشات کا بے قابو ہو جانا ہی گناہ اور بدی پیدا کرتا ہے۔ مثلاً کھانا پینا جائز ہے۔ شادی بیاہ جائز ہے مگر حرام کما کر کھانا یا زنا کاری گناہ کبیرہ ہے۔

۶- حیوان کو سرکس میں سدھایا کس طرح جاتا ہے؟ بھوکا پیاسا رکھ کر یا ازدواجی تعلقات یعنے SEX سے کچھ عرصہ روک کر، تب حیوان حیوانیت سے اونچا ہو کر بعض وقت انسانی کام بھی کرنے لگتا ہے۔ کم سے کم مالک کے حکم کا فرمانبردار ہو کر جو وہ کہتا ہے وہ کرتا ہے۔ روزہ بھی باطنی حیوان کو اسی طرح کھانے پینے اور SEX سے روک کر اپنا فرمانبردار کرتا ہے اسی کا نام تقوٰے ہے۔

۷- باطنی حیوان انسان کی سواری کے لئے ہے تاکہ اُس پر سوار ہو کر انسان اخلاقی اور روحانی بلندیوں پر پہنچے۔ اس کی تائید میں مَیں نے سورۃ النحل (۱۶) کی آیات ۸ اور ۹ کا حوالہ دیا تھا۔ جس میں ظاہری حیوان کی سواری سے باطنی حیوان کی سواری کیطرف مضمون لے گئے تھے اور فرمایا تھا کہ سواری کے علاوہ مسافر کو سیدھا راستہ بھی بتانا ضروری ہوتا ہے۔ یہ صراطِ مستقیم یا ہدایت جو دنیا سے کھوئی گئی تھی قرآن حکیم کے ذریعہ سے نسل انسانی کو دے کر قرآن کو محفوظ کر دیا گیا تاکہ یہ ہدایت پھر نہ کھوئی جائے۔ اور ان باطنی باتوں یعنے ہدایت کا دینا اللہ تعالےٰ کا کام تھا کہ وہی باطن اور روحانی رازوں کو جانتا ہے۔

اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے۔ انسان کو اپنے باطنی سفر کے لئے سواری بھی مل گئی، سیدھا راستہ (صراطِ مستقیم) بھی بتا دیا گیا، مگر اس سفر یا اس راستہ کی منزلِ مقصود کیا ہے؟ سو قرآن حکیم بھی کیا عجیب کتاب ہے کہ اس اہم سوال کا جواب اس آیت میں دیا جو میں نے آج پڑھی ہے کہ "جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں تو قریب ہوں"۔ اللہ! اللہ! انسان کی پیدائش کا کیا اعلےٰ مقصد ہے۔ خدا کو پانا۔ اس اہم مقصد کا ذکر متعدد جگہ آیا ہے خصوصاً سورۃ فاتحہ میں جو بقول رسول اللہ صلعم قرآن حکیم کا خلاصہ ہے۔ اور سورۃ فاتحہ کا اپنا خلاصہ وہ واحد دعا ہے جو اس میں آئی ہے اھدنا الصراط المستقیم ہمیں سیدھے راستہ پر لے کر چل۔ تو سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں مَیں بتا آیا ہوں کہ اس سیدھے راستہ کی منزلِ مقصود خود اللہ تبارک و تعالےٰ ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں متعدد جگہ آیا جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

۱- ان ربی علٰی صراطٍ مستقیم۔ بے شک میرا رب صراطِ مستقیم پر چلنے سے ملتا ہے (ہود)

(۲) ھٰذا صراط علیّ مستقیم ۔ یہ راستہ سیدھا میری طرف آتا ہے (الحجر ۱۵ ۔ ۴۱)

۳۔ فامّا الذین اٰمنوا باللّٰہ واعتصموا بہٖ فسیدخلھم فی رحمۃٍ منہ وفضلٍ ویھدیھم الیہ صراطًا مستقیمًا ۝ "پس وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اسکو مضبوط پکڑا تو ان کو وہ عنقریب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور فضل بھی کرے گا اور ان کی وہ ہدایت کریگا اپنی طرف صراطِ مستقیم پر" (النسآء ۴ ۔ ۱۷۶)

۴۔ قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ "اے رسول کہہ دے کہ یہ ہے میرا راستہ میں تمہیں بلاتا ہوں اللہ کی طرف" (یوسف ۱۲ ۔ ۱۰۸)

۵۔ فمن شاء اتّخذ الیٰ ربہٖ سبیلاً "پس جو چاہے اپنے رب کی طرف اس راستہ کو اختیار کر لے" (الدھر ۷۶ ۔ ۲۹)

اس کے علاوہ اور بھی کئی جگہ یہی زبردست حقیقت بیان فرمائی ہے۔ آج کے سبق میں ایک دو باتیں ہیں جن کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اول تو یوں نہیں فرمایا کہ "جب میرے بندے میرے متعلق پوچھیں" بلکہ فرمایا کہ "جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں" رسول اللہ صلعم کو بیچ میں اس لئے لائے کہ انسان کے باطنی اور روحانی سفر کی منزل مقصود یعنے اللہ تعالےٰ کو جیسا حضور صلعم نے قریب سے دیکھا کسی نے نہیں دیکھا۔ اس بات کو قرآن حکیم نے کئی جگہ واضح فرمایا ہے جن میں سے اہم ترین سورۃ النجم ۵۳ کی آیات ۸، ۹، ۱۳، ۱۴، اور ۱۶ تا ۱۸ ہیں۔ جن میں رسول اللہ صلعم کی انتہائی اخلاقی و روحانی و باطنی ترقیات کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے۔ ثم دنا فتدلّٰی ۝ فکان قاب قوسین او ادنٰی ۝ ۔۔۔۔۔۔۔ ولقد راٰہ نزلۃً اخرٰی ۝ عند سدرۃ المنتھٰی ۝ ۔۔۔۔ اذ یغشی السدرۃ ما یغشٰی ۝ ما زاغ البصر وما طغٰی ۝ لقد راٰی من اٰیٰت ربہ الکبرٰی ۝ "پھر وہ (اللہ) سے قریب ہوا اور بہت قریب ہوا سو وہ دو کمانوں کا وتر ہوا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قریب ۔۔۔ اور اس نے (اللہ) کو ایک اور نزول کے وقت بھی دیکھا، سدرۃ المنتہٰی کے پاس ۔۔۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا، اس کی آنکھ پھری نہیں اور نہ حد سے بڑھی اور اس نے اپنے رب کے بڑے بڑے نشانات دیکھے۔"

سورۃ یوسف ۱۲ آیت ۱۰۸ میں بھی فرمایا قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ علیٰ بصیرۃٍ انا ومن اتّبعنی "کہدے یہ ہے میرا راستہ، میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے اپنے قلب کی آنکھ سے اُسے دیکھا ہے اور جو میری اتباع کرے گا وہ بھی (اپنے قلب کی آنکھ سے) دیکھ لے گا۔" اسی بات کو شاعر نے یوں باندھا ہے۔ ؎

شبِ معراج عروجِ تو گذشت از افلاک
بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

شاعر رسول اللہ صلعم کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ معراج کی رات تیرا عروج یعنے چڑھنا تو آسمانوں سے بھی آگے گذر گیا۔ جس مقام پر تو پہنچا وہاں اور کوئی نبی نہیں پہنچا۔ تو انسان کسی منزلِ مقصود کا اُسی سے پوچھتا ہے جو وہاں ہو آیا ہو۔

دوسرے یہ بھی اشارہ ہے کہ اب اللہ تعالےٰ صرف رسول اللہ صلعم سے رشتہ جوڑنے سے ہی مل سکتا ہے۔ یہی معنی شفاعت کے بھی ہیں جس کے لفظی معنی ہیں ہی رشتہ جوڑنا۔ جو حضور صلعم پہ ایمان لا کر آپؐ کے نقشِ قدم پر چلتا ہے وہ ہی اب خدا کو پا سکتا ہے۔ اور اس کی تائید واقعات نے کی کہ اب خدا صرف اسلام میں ملتا ہے اور اس ملنے کا ثبوت ہمیشہ اللہ تعالےٰ کا ایسے بندہ سے کلام کرتا رہا ہے جو اب سوائے اسلام کے کہیں نہیں ملتا۔

آج کے سبق کے باقی الفاظ کی تفسیر یُوں ہے:

۱۔ فلیستجیبوا لی: "پس چاہیئے کہ (جو مجھے پانا چاہتا ہے وہ) میری فرمانبرداری کرے" یعنے قرآن حکیم کے احکام کی اور رسول اللہ صلعم کی سنّت کی۔

۲۔ ولیؤمنوا بی: "اور مجھ پر ایمان رکھیں" یعنے خدا تعالےٰ ایک دم نہیں مل جاتا۔ جتنا بڑا انعام ہو اور جتنا بڑا مقام ہو اُتنا ہی اسے پانے میں محنت کرنا پڑتی ہے اور وقت لگتا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ کی طرف سے انسان کے ایمان اور وفاداری کو آزمانے کے لئے امتحان اور آزمائشیں آتی ہیں۔ ان میں ثابت قدم رہنا اور اللہ تعالےٰ سے وفاداری کرنا ضروری ہے۔

۳۔ لعلھم یرشدون: "تاکہ وہ سیدھی راہ یا ہدایت پائیں۔" جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ سورۃ فاتحہ اور قرآن حکیم کے دوسرے مقامات سے واضح ہے انسان کو اللہ تعالےٰ کو پانے کی راہ پر لے کر چلنا خود اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اسی بات کو دوسری جگہ یوں فرمایا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا یعنے جو لوگ ہمیں پانے کے لئے جد وجہد یا کوشش میں لگے رہتے ہیں ہم ضرور بالضرور اُن کی اپنے راستہ پر ہدایت کریں گے۔ سو جو لوگ اسی زندگی میں خدا کو پا لیتے ہیں اُن سے اللہ تعالےٰ ہمکلام ہوتا ہے۔ مگر جن کو یہ فخر نصیب نہ ہوا انہیں دل چھوڑنا نہیں چاہیئے کیونکہ جب تک وہ صراطِ مستقیم پر چل رہے ہیں وہ ایک نہ ایک دن ضرور اپنی منزلِ مقصود یعنے خدا کو پا لیں گے خواہ وہ اس دنیا میں ہو خواہ اگلی دنیا میں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُن خوش نصیبوں میں سے بنائے۔ آمین!

* * * * باقی آئندہ

بے ثباتیٔ دُنیا

اے حُبّ جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں + اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں
دیکھو تو جا کے ان کے مقابر کو اک نظر + سوچو اب سلف ہیں تمہارے گئے کدھر
اک دن وہی مقام تمہارا مقام ہے + اک دن یہ صبح زندگی کی تم پر شام ہے
اک دن تمہارا لوگ جنازہ اٹھائیں گے + پھر دفن کر کے گھر میں تاسف سے آئیں گے
اے لوگو عیشِ دنیا کو ہرگز وفا نہیں + کیا تم کو خوفِ مرگ و خیالِ فنا نہیں
سوچو کہ باپ دادے تمہارے کدھر گئے + کس نے بلا لیا وہ سبھی کیوں گذر گئے

وہ دن بھی ایک دن تمہیں یارو نصیب ہے
خوش مت رہو کہ کوچ کی نوبت قریب ہے

(حضرت اقدس)

* * *

حدیثِ نبویؐ

* "نیکی کی دعوت دینے والا نیکی کرنے والے کی حیثیت رکھتا ہے۔"

تاریخ اسلامی کا ایک روشن باب

حضرت عمرؓ کے عظیم الشان کارنامے

رفاہِ عام اور ہمدردیٔ مخلوق

مخلوق کی عام ہمدردی کے جس قدر کام حضرت عمرؓ نے کئے وہ آج بھی کسی مہذب قوم میں نظر نہیں آتے۔ ضعیفوں اور اپاہجوں کے وظائف بیت المال سے مقرر کر دیئے اور مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہ کیا اولڈ ایج پنشن کا اصول یورپ میں آج معلوم ہوا ہے لیکن حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے یہ کام کر کے دکھایا۔ مسافروں کے لئے عموماً بڑے بڑے شہروں میں مہمانخانے تعمیر کرائے۔ لاوارث بچوں کے لئے خصوصیت سے احکام جاری کئے کہ ان کی پرورش بیت المال سے کی جائے۔ قحط کے ایام میں اس قدر مستعدی سے کام کیا کہ شب و روز مخلوقِ خدا کی فکر میں اپنے آپ کو بھی بھلا دیا۔ بلکہ گوشت تک کھانا ترک کر دیا۔ شاعروں وغیرہ پر روپیہ برباد نہ کرتے تھے جب شام میں طاعون سے ہزارہا مسلمان فوت ہو گئے تو ان کے اموال اور اولاد کا انتظام کرنے کے لئے خود گئے۔ راتوں کو اکثر پھرتے اور لوگوں کے حالات کو دیکھتے تھے۔ ایک دفعہ اسی طرح پھر رہے تھے کہ ایک اعرابی کے پاس اس کے خیمہ کے باہر بیٹھ گئے باتیں کر رہے تھے کہ اندر سے رونے کی آواز آئی معلوم ہوا کہ اعرابی کی بیوی اکیلی ہے اور دردِ زہ میں مبتلا ہے۔ اسی وقت اپنی بیوی اُمّ کلثوم کو ساتھ لائے اور بچہ کی ولادت تک اُس کے پاس رہے اسی طرح ایک رات کو ایک عورت کو دیکھا کہ چولھے پر کچھ چڑھا ہوا ہے اور بچے رو رہے ہیں معلوم ہوا کہ کھانے کو کچھ نہیں۔ ہانڈی میں صرف پتھر ہیں۔ دوڑے گئے اور خود اپنی پیٹھ پر آٹا اٹھا لائے اور کھانا پکانے میں اس کو مدد دی۔

اشاعتِ اسلام اور تعلیم قرآن

گو آپ کے زمانہ میں اشاعتِ اسلام کے لئے کوئی خاص نظام قائم نہیں کیا گیا تھا اور ضروریاتِ ملکی نے مجبور کر دیا تھا کہ اول قوم کی حفاظت کا فکر کیا جائے لیکن لڑائیوں میں بھی اس بات کو مدنظر رکھتے کہ صاحبِ علم لوگوں کو افسر مقرر کیا جائے تاکہ وہ ساتھ ساتھ اشاعتِ اسلام کا کام بھی کر سکیں۔ مسلمانوں کو حکم تھا کہ جہاں جائیں اسلام پیش کریں جس سے یہ غلط نتیجہ نکالا گیا ہے کہ وہ تلوار یا اسلام پیش کرتے تھے۔ وسعتِ سلطنت کے البتہ یہ موقعہ نکل آتا تھا کہ ان قوموں کے سامنے اسلام پیش کیا جائے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا عملی نمونہ ایسا تھا کہ بے اختیار دل اسلام کی طرف کھچے چلے آتے تھے۔ عرب کے شمالی حصہ اور شام کی اکثر عرب اقوام نے جو محض عیسائیت کی بادشاہت کی وجہ سے عیسائی تھیں نئے مذہب کی خوبیوں کو دیکھ کر فوراً اسلام قبول کر لیا یہی حالت عراق کی اقوام کی تھی۔ ایران میں بھی کئی بڑے بڑے مجوسی رؤسا مسلمان ہو گئے اور ان کے ساتھ ان کی رعایا میں بھی خاص تحریک اسلام کے لئے پیدا ہو گئی۔ مصر میں بھی اسلام کثرت سے پھیلتا چلا گیا۔ ہر ایک مسلمان کی سادگی۔ اخلاص نیکی ایک واعظ کا کام دیتی تھی اور لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ بعض جگہ دو دو چار چار ہزار کی تعداد میں اکٹھے مسلمان ہو جاتے رہے اور اسلامی افواج میں نومسلموں کی خاص تعداد ہوتی تھی۔ فسطاط کا شہر جب آباد ہوا تو اس میں بعض محلوں کے محلے نومسلموں کے تھے اور صرف یہی نہیں تھا کہ لوگ مسلمان ہوتے ہوں بلکہ ان کی تعلیم کا انتظام بھی ساتھ کا ساتھ ہوتا تھا۔ مفتوحہ علاقوں میں معلّم مقرر کر کے ان کی تنخواہیں خزانۂ سرکاری سے ادا کی جاتی تھیں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ کے خاص کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے معلّموں کی تنخواہیں مقرر کیں اور پھر بدوؤں تک کے لئے قرآنِ کریم کی تعلیم لازمی تھی۔ اور ایک شخص کو اس کام پر مقرر کیا گیا تھا کہ وہ قبائل میں دورہ کر کے امتحان لے اور جو لوگ اس سلسلۂ تعلیم سے فائدہ نہ اٹھاتے تھے انہیں سزا دے۔ پھر بعض بڑے بڑے صحابہؓ جیسے ابو ایوبؓ۔ ابو درداءؓ۔ عبادہؓ کو ملک شام میں بھیجا کہ وہاں مسلمانوں کی تعلیم قرآن کا انتظام کریں اور انہوں نے حمص۔ دمشق۔ فلسطین میں ٹھہر کر وہاں کے لوگوں کی تعلیم کا انتظام کیا۔ فوجی لوگوں کو بھی خاص طور پر ہدایات دی جاتی تھیں کہ وہ قرآن شریف سیکھیں چنانچہ یہ لوگ لڑائیاں بھی کرتے تھے اور قرآن شریف بھی پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ایک فوج میں کئی کئی سو حافظانِ قرآن شریف ہو گئے۔

نظامِ حکومت اور ترتیبِ دفاتر۔

فتوحات کے ساتھ ساتھ نظم و نسق ملکی کے کام میں بھی حضرت عمرؓ نے اپنی کمال قابلیت دکھائی۔ اگر صرف فتح کر کے ممالک کو چھوڑ دیتے تو دوسرے دن وہ ہاتھ سے نکل جاتے۔ مگر آپ کا انتظام ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا اور مفتوح قوموں کے ساتھ سلوک ایسا اچھا تھا کہ مفتوح علاقوں کے لوگوں میں پہلے سے زیادہ خوشحالی آ گئی۔ جوں جوں کوئی علاقہ فتح ہوتا تھا اس کے ساتھ ہی اس کے نظم و نسق کا پورا انتظام فرماتے تھے۔ ہر ملک کو صوبوں میں تقسیم کیا۔ زمینوں کی پیمائش کرائی۔ مردم شماریاں کرائیں۔ ہر قسم کے دفاتر قائم کئے۔ پولیس کا انتظام کیا۔ جیل خانے بنائے۔ فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ نہریں کھدوائیں شہر بسائے۔ عدالتیں قائم کیں۔ بیت المال قائم کیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ہی سنہ ہجری بھی قائم ہوا جس سے تاریخ کی حفاظت میں مدد ملی۔

حضرت عمرؓ صحیح معنوں میں خلیفۂ رسول تھے

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنی عظیم الشان فتوحاتِ ملکی کے باوجود اور اعلیٰ درجہ کے نظم و نسق کی قابلیت کے باوجود حضرت عمرؓ بادشاہ نہ تھے۔ بلکہ صحیح معنوں میں رسول اللہ صلعم کے خلیفہ تھے۔ جس طرح آنحضرتؐ کی حالت میں بادشاہت نے ذرا بھر بھی فرق نہیں ڈالا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ باوجود ایک عظیم شہنشاہ ہونے کے اور قیصر و کسریٰ کی دولت کے مالک ہونے کے اسی سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے جس طرح رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں عسرت میں۔ کھانا بالکل سادہ ہوتا تھا بلکہ جب قحط پڑا تو آپ نے روغنِ زیتون اور گوشت بھی ترک کر دیا۔ لباس میں کئی پیوند لگے ہوتے تھے۔ مال و دولت ان کی نگاہ میں ایک حقیر شئے تھی بلکہ اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ یہ مال و دولت مسلمانوں کے لئے ابتلاء کا موجب نہ ہو جائے۔ کوئی خاص دار الامارۃ آپ نے نہیں بنوایا۔ سب کاروبار مسجد میں طے ہوتے تھے۔ وہیں مجلسِ شوریٰ بھی ہوتی تھی۔ وہیں فرش پر بیٹھ کر سفیروں اور دیگر معززینِ ایران و روم سے ملاقات بھی کر لیتے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

غرض آپ کہنے کو تو شہنشاہ تھے مگر آپ نے اپنا اصل منصب خلافتِ رسول اللہ صلعم سے بڑھ کر کچھ نہیں سمجھا۔

(ختم شد)

منافق کی پہچان بروئے حدیثِ نبویؐ

- جب بولے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو ایفا نہ کرے۔ اور جب اُس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔

(از ڈاکٹر ظفر احمد صاحب)

چوہدری فضل حق صاحب مرحوم کی یاد میں

۷ فروری ۱۹۸۳ء کو دن کے ڈھلنے کے ساتھ ہی ہمارے نہایت ہی محترم بزرگ غریب پرور، مستعد اور مخلص سماجی کارکن اور شفیق باپ ہم سے اچانک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

یہ ایک انوکھی حقیقت ہے کہ اکثر وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے بچپن میں پدرانہ شفقت سے محروم کر دیا ہے وہ اللہ اور اس کے بندوں کی خدمت کے لئے ایک خاص جوش اور ولولہ رکھتے ہیں۔ یہی کیفیت چوہدری فضل حق صاحب مرحوم کی تھی۔ انہوں نے نہ صرف خود ناساعد حالات کے باوجود زندگی میں ترقی کی بلکہ اپنے نادار عزیزوں اور دوستوں کو تعلیم حاصل کرنے اور زندگی میں آگے بڑھنے میں ہر قسم کی اخلاقی اور مالی امداد دی۔

چوہدری فضل حق صاحب ۱۹۱۷ء میں گجرات میں پیدا ہوئے ان کی وفات سے چند ماہ قبل ہی ان کے والد ماجد کا سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا۔ بیوہ اور بے سہارا ماں نے بچوں کی پرورش نہایت شفقت، ایثار اور صبر و تحمل سے کی اور یہ بچے نہ صرف خدا کے فضل سے بڑے ہو کر نیک اور کامیاب انسان بنے بلکہ انہوں نے دین و دنیا کی خدمت میں امتیازی مقام بھی حاصل کیا۔ چوہدری صاحب مرحوم کی نیک دل اور باہمت والدہ ناساعد حالات اور بچوں کی پرورش کی ذمہ داریوں کے باوجود فلاح و بہبود اور خدمت خلق کے کاموں میں گہری دلچسپی لیتی تھیں۔ جس کا عملی اور دائمی ثبوت وہ مسجد ہے جو انہوں نے اپنے ذاتی خرچ سے گجرات میں تعمیر کرائی جس میں آج بھی لوگ پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ اور مرحومہ اور ان کی اولاد کو دعائیں دیتے ہیں۔ چوہدری صاحب مرحوم اپنی والدہ کا بے حد احترام کرتے تھے اور باقاعدگی سے وہ ان کی قبر پر فاتحہ کہنے کے لئے جاتے۔

چوہدری صاحب مرحوم کو علم اور اہل علم حضرات سے بے حد لگاؤ تھا۔ زندگی کے ابتدائی مراحل میں تنگ دستی کے باوجود حصول علم کے لئے کوشاں رہے۔ ہائی سکول کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حساب میں بی۔ اے کیا۔ اسی مضمون میں ایم اے کی ڈگری حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ واپس آ کر مقابلہ کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اور مقبوضہ کشمیر میں کسٹم کے محکمہ میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے۔ جلد ہی اپنی انتھک محنت، دلیری حسن اخلاق اور مستعدی کے باعث ترقی کی منزلیں طے کیں۔ غریب پروری اور علم دوستی کی وجہ سے کشمیر کے عوام اور حکومتی حلقوں میں یکساں طور پر ہر دلعزیز ہوئے۔ زندگی کی اس ہماہمی میں بھی چوہدری صاحب مرحوم نے یاد خدا کو متاع عزیز جانا اور صوم و صلوٰۃ میں کبھی سستی نہ آنے دی۔

کشمیر جنت نظیر کے حسین شہر سرینگر میں شب و روز سکون سے گذر رہے تھے کہ اچانک ۱۹۴۷ء کا صبر آزما اور ہولناک زمانہ آ گیا۔ مجبوراً اہل و عیال کو لے کر پاکستان ہجرت کر آئے۔ چوہدری صاحب مرحوم بتایا کرتے تھے کہ ہجرت کر کے جب پاکستان آئے تو ان کا کل اثاثہ ایک جوڑا کپڑا جو زیب تن تھا اور ایک ٹوٹی ہوئی عینک تھا۔ اس کسمپرسی کے عالم میں بھی یہ باہمت انسان مایوس نہ ہوا۔ اور کشمیر کی جنگ آزادی کی خاطر دوسرے مجاہدین کے ساتھ میدان جنگ میں کود پڑا۔ جنگ کے خاتمہ پر حکومت آزاد کشمیر نے ان کے ذمہ کسٹم اور ایکسائز کے محکمہ کی تعمیر نو کا مشکل کام سپرد کیا۔ اس زمانہ میں آزاد کشمیر میں پختہ سڑکیں بھی نہ تھیں کام کی نوعیت ایسی تھی کہ چوہدری صاحب مرحوم کو اکثر دور دراز علاقوں کا دورہ بھی کرنا پڑتا تھا اور خطرناک لوگوں سے جو اکثر ازنات مہلک ہتھیاروں سے لیس ہوتے واسطہ بھی رہتا۔ لیکن یہ شخص اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے پُرخطر وادیوں، برف پوش پہاڑوں کی چوٹیوں میں سفر کرتا اور یخ بستہ جھکڑوں سے مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا۔ اور اس طرح آزاد کشمیر میں کسٹم اور انکم ٹیکس کے محکموں کی نہ صرف داغ بیل ڈالی بلکہ ان کو صحیح خطوط پر منظم کیا بلکہ کارکنوں کی اعلیٰ تربیت کے لئے چوہدری صاحب مرحوم نے کئی بنیادی اہم قدم بھی اٹھائے۔

۱۹۶۷ء میں چوہدری صاحب مرحوم کمشنر انکم ٹیکس کے عہدہ پر کئی برس فائز رہنے کے بعد ریٹائر ہو گئے۔ اور اسی سال اپنی باقی ماندہ زندگی دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ یہ راستہ کافی کٹھن۔ صبر آزما تھا۔ چوہدری صاحب مرحوم کا یہ فیصلہ اس لحاظ سے ان کی نیکی اور بلند حوصلگی کی ایک زندہ مثال ہے۔

پاک و ہند کی تقسیم کے بعد جلد ہی برانڈرتھ روڈ لاہور بجلی۔ ہارڈ ویئر اور سینیٹری کے سامان کا اہم کاروباری مرکز بن گیا۔ احمدیہ بلڈنگس اور برانڈرتھ روڈ کے آس پاس بڑی بڑی مارکیٹیں تیزی سے تعمیر ہونا شروع ہو گئیں۔ اور احمدیہ بلڈنگس کا ماحول روز بروز گھٹتا چلا گیا۔ چوہدری صاحب مرحوم نے شروع میں جب احمدیہ بلڈنگس میں سکونت اختیار کی تو ان کو اس گھٹن کا شدت سے احساس ہوا چنانچہ انہوں نے دارالسلام کی بستی بنانے کے کام میں گہری دلچسپی لینا شروع کر دی۔ دارالسلام کے قرب و جوار میں جیون ہانہ گاؤں کے علاوہ کوئی اور آبادی نہ تھی اور انجمن کے پاس سکیم کے مطابق تعمیرات کرانے کے لئے رقم بھی نہ تھی۔ چنانچہ دارالسلام کی تعمیر کے لئے روپیہ کی فراہمی اور تعمیراتی کاموں کی نگرانی کے سلسلہ میں چوہدری صاحب مرحوم نے جس جانفشانی۔ محنت اور لگن اور مستعدی کا مظاہرہ کیا وہ انہیں کا حصہ تھا۔ اور دارالسلام کی بستی ان کی زندگی کا ایک سنہرا کارنامہ بن گئی۔

۱۹۷۷ء میں حکومت پاکستان کا ایک اعلیٰ سطح کا وفد نائجیریا میں اسلامی شریعت کورٹ کے مطالعاتی دورہ پر کرونا بھی آیا۔ اس سلسلہ میں ایک تقریب کے موقعہ پر مجھے چیف جسٹس جناب الحاج بشیر صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو میں نے ان کی خدمت میں حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کا انگریزی ترجمہ قرآن کا

ایک نسخہ پیش کیا تو وہ بے حد خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں آپ لوگوں کی جماعت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ جب میں انگلستان میں پڑھتا تھا تو ووکنگ مسجد میں جمعہ کی نماز میں ضرور شریک ہوتا۔ اس دوران میں انہوں نے فرمایا کہ مجھے چند برسوں سے حضرت مولانا محمد علی صاحب کی کتاب دی ریلیجن آف اسلام کی اشد ضرورت ہے کیونکہ کئی دفعہ مجھے فیصلوں میں اس کتاب سے حوالوں اور مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ میں نے ان سے اس کتاب کی جلد فراہمی کا وعدہ کیا۔ دوران گفتگو میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ نائیجیریا کے مشہور انگریزی اخبار "نیو نائیجیریا" میں ہماری جماعت کی اسلامی خدمات کے بارہ میں ایک مضمون لکھیں۔

جناب جسٹس ساہو صاحب سے ملاقات کے بعد جب میں واپس گھر آیا تو میرا ذہن احمدیہ بلڈنگس لاہور کی طرف چلا گیا۔ اور میری آنکھوں کے سامنے کئی برس پہلے جمعہ کے دن کا وہ منظر آگیا جب برسات کا مہینہ تھا اور نمازیوں کی تعداد معمول سے نسبتاً کم تھی۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے خطبہ کے دوران میں انہوں نے بہت پُر درد لہجہ میں کہا کہ اے اللہ اگر یہ تیری چھوٹی سی جماعت ختم ہوگئی تو تیرے دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کا کام کیسے ہوگا۔ تو ہی اس جماعت کی حفاظت کر اور اسے ترقی دے۔ برّاعظم افریقہ کی اس سرزمین میں جاکر مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ ہمارے عظیم بزرگ حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کی اس بات میں کتنی صداقت تھی اور انہوں نے اسلام کی کتنی عظیم اور لازوال خدمت کی ہے۔

دارالسلام نے احمدیہ بلڈنگس کی سکڑتی ہوئی دنیا کو ایک وسیع اور پُر فضا ماحول عطا کیا تاکہ اشاعتِ اسلام کا کام زیادہ وسعت اور نئے عزم اور ولولے کے ساتھ جاری و ساری رہ سکے۔ اسلام کی اشاعت اور اس کی خدمت کی تڑپ چوہدری صاحب مرحوم و مغفور کو حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی معیت میں یورپ اور امریکہ بھی لے گئی۔ اور پھر چند برس پیشتر ان کو فریضہ حج ادا کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔

چوہدری فضل حق صاحب کی وفات پر دور و نزدیک سے کثرت سے احباب دعائے مغفرت کے لئے اور ان کی میت کو آخری آرامگاہ قبرستان دارالسلام تک پہنچانے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر ان کے احسانات کا ذکر رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ نیک اعمال کا تذکرہ ایک رنگ میں ہمیشہ رہنے والی وہ خوشبو ہے جو لواحقین اور عزیز و اقارب کے افسردہ اور غم زدہ دلوں کو سکون اور تقویت بخشتی ہے۔ اور مرحوم کے لئے اخروی زندگی میں ابدی راحت بخشتی ہے دارالسلام کی بستی کی ہر اینٹ، اس کے در و دیوار۔ درخت، خوبصورت بوٹے اور مسجد سے گونجتی ہوئی پانچ وقت کی اذان چوہدری صاحب مرحوم کی نیکی اور لگن کی گواہی دیتے رہیں گے۔ خدا مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کی اولاد کو ان کی کامیاب زندگی کو مشعل راہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

***

ارشادِ باری تعالیٰ!

* "اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے سنبھالے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو"

***

اخبارِ احمدیہ:۔

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں اور حسب معمول خدمات دینیہ میں مصروف ہیں۔ جملہ احباب سلسلہ آپ کی صحت اور عافیت کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں تاکہ آپ کی سعی جمیلہ اور انتھک کوششوں سے احیاء اسلام اور اشاعت قرآن اور استحکام جماعت کا جو کام ہو رہا ہے اس میں اللہ تعالیٰ مزید کامیابی عطا فرمائے۔ آمین!

* قرار داد تعزیت:۔

چوہدری غلام مصطفٰے صاحب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند جموں سے لکھتے ہیں:۔ "آج مورخہ ۲۲۔ اپریل ۱۹۸۳ء بعد از نماز جمعہ محترم چودھری فضل حق مرحوم اور محترم محمد اعظم علوی مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔

باتفاق قرار پایا کہ ہر دو مرحومین کی تعزیت کی قرار داد پاس کی جائے اور اس کی ایک کاپی بغرض اشاعت اخبار پیغام صلح بخدمت جناب جنرل سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ارسال کی جائے۔ اور ان کی خدمت میں استدعا کی جائے کہ وہ ہم ممبران انجمن جموں اور بھدرواہ کی طرف سے ہر دو مرحومین کے جملہ اقارب اور پسماندگان سے تعزیت کریں۔ ہم سب بدرگاہ اللہ تعالیٰ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہر دو مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے جملہ اقارب اور پسماندگان کو صبر کی دولت سے نوازے۔ آمین ثم آمین!

تقریب یومِ وصال حضرت مجدد صد چہاردہم

بمقام فیصل آباد

فیصل آباد میں حضرت اقدس کا یوم وصال ۲۰ مئی ۸۳ء بعد از نماز جمعہ زیر صدارت محترم میاں مسعود احمد صاحب مسجد احمدیہ فیکٹری ایریا فیصل آباد میں منایا گیا۔ تلاوت قرآن کریم مقامی مبلغ چوہدری نور محمد صاحب نے کی۔ ازاں بعد چوہدری محمد حیات صاحب (لاہور) نے حضرت اقدس کا منظوم کلام اپنے مخصوص مترنم انداز میں سنایا۔ اور آپ کے بعد ماسٹر عبدالسلام صاحب (لاہور) نے حضرتِ اقدس کے ملفوظات پڑھ کر سنائے۔

تقاریر کے سلسلے میں پہلی تقریر جناب مرزا ٹیپو سلطان بیگ صاحب نے "معجزات مہدی زماں" کے عنوان سے حاضرین کے سامنے پیش کی۔ اس کے بعد جناب مولانا محمد علی صاحب مبلغ اسلام (لاہور) نے ایمان افروز اور سحر انگیز تقریر فرمائی۔

جلسہ کے اختتام پر محترم صدر جلسہ نے اپنے اختتامی کلمات میں حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ ہمیں اس قسم کے ایمان پرور جلسوں کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے اور اس تقریب میں شمولیت کے لئے لاہور سے آنے والے ہر دو مبلغین اور دیگر احباب کی وساطت سے مرکزی انجمن کو توجہ دلائی کہ فیصل آباد کی مسجد کے ساتھ مقامی مبلغ کی رہائش کا انتظام ہونا ضروری ہے۔ تاکہ مسجد کی رونق میں اضافہ اور اس کی دیکھ بھال میں آسانی پیدا ہو سکے۔

آخر میں دعا کے ساتھ جلسہ برخواست ہوا۔ جلسہ اور نماز جمعہ سے پہلے مقامی جماعت کی طرف سے حاضرین کو کھانا کھلایا گیا اور جلسہ کے بعد چائے پیش کی گئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸۰
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۳۷۳۷

مدیر اعزازی
پروفیسر خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید　　وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے　تیس روپے
بیرونی ممالک سے　دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد ۷۰ ｜ یوم چہارشنبہ ۱۸ شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ بمطابق یکم جون ۱۹۸۳ء ｜ شمارہ ۲۲

ارشاداتِ حضرت مجددِ صدِ چہاردہم

علومِ آسمانی اور اسرارِ قرآنی کی واقفیت کیلئے تقویٰ پہلی شرط ہے

اس میں توبۃ النصوح

کی ضرورت ہے۔ جب تک انسان پوری فروتنی اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے احکام کو نہ اُٹھا لے اور اس کے جلال اور جبروت سے لرزاں ہو کر نیازمندی کے ساتھ رجوع نہ کرے، قرآنی علوم کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ اور روح کے ان خواص اور قویٰ کی پرورش کا سامان اس کو قرآن شریف سے نہیں مل سکتا جس کو پاکر روح میں ایک لذت اور تسلی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن شریف اللہ تعالےٰ کی کتاب ہے، اور اس کے علوم خدا کے ہاتھ میں ہیں، پس اس کے لئے تقویٰ بطور نردبان کے ہے۔ پھر کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ ۔ ۔ ۔ ارضی خواہشوں کے اسیران سے بہرہ در ہوں

اس واسطے

اگر ایک مسلمان، مسلمان کہلا کر خواہ وہ صرف و نحو، معانی و بدیع وغیرہ علوم کا کتنا ہی بڑا فاضل کیوں نہ ہو، دنیا کی نظر میں شیخ الکل فی الکل بنا بیٹھا ہو لیکن اگر، تزکیۂ نفس نہیں کرتا تو قرآن شریف کے علوم سے اس کو حصہ نہیں دیا جاتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت دنیا کی توجہ ارضی علوم کی طرف بہت جھکی ہوئی ہے اور مغربی روشنی نے تمام عالم کو اپنی نئی ایجادوں اور صنعتوں سے حیران کر دیا ہے۔

مسلمانوں نے بھی

اگر اپنی فلاح اور بہتری کی کوئی راہ سوچی ہے تو بدقسمتی سے یہ سوچی ہے کہ وہ مغرب کے رہنے والوں کو اپنا امام بنا لیں اور یورپ کی تقلید پر فخر کریں۔ یہ تو نئی روشنی کے مسلمانوں کا حال ہے۔ جو لوگ پرانے فیشن کے مسلمان کہلاتے ہیں اور اپنے آپ کو حامیٔ دینِ متین سمجھتے ہیں ان کی ساری عمر کی تحصیل کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ صرف و نحو کے جھگڑوں اور الجھیڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ضالّین کے تلفظ پر مرتے ہیں۔ قرآن شریف کی طرف بالکل توجہ ہی نہیں اور ہو کیوں کر جبکہ وہ تزکیۂ نفس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

(ملفوظات جلد اول ۴۰۷، ۴۰۸)

رمضان اور اس کی برکات کے ذکر میں

الداع اذا دعان کوئی مجھے پکارے میں دُعا کو قبول کرتا ہوں"
اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں" رمضان آتا ہے
تو رحمت کے دروازے کھُل جاتے ہیں" یہ ایک حقیقت تھی
جس پر ہمارے ہادیؐ اور آپ کے صحابہؓ کی زندگیاں گواہ ہیں۔ اور آج

یہ ایک قصّہ ہے'

اس لئے کہ ہمارے دلوں میں خدا کے لئے تڑپ پیدا نہیں ہوتی ہمارے
جسم خُدا کے آگے گرتے ہیں مگر دل نہیں گرتے اور دل میں تڑپ
پیدا ہونے کا نام ہے۔ آیئے اس رمضان میں ہم لوگوں کے ظلموں
پر نہیں اپنے ظلم پر آنسو بہائیں کہ اے خُدا ہم نے تیری قدر نہیں کی تیرے
کلام کی قدر نہیں کی ہم نے تیرے پیغام کو چھپا کر رکھا ہوا ہے ہم نہیں
چاہتے کہ ہماری زندگیاں تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے
وقف ہوں نہیں چاہتے کہ ہمارے مال تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے
میں صرف ہوں وہ کام کرتے ہیں جن پر تیری طرف سے لعنت کا کھلا وعید ہے

کوئی چیز نہیں ہمارے ماتھے تیری دہلیز پر ہوتے ہیں جہاں جنّت ملنی چاہیے
اور دِل جمع مالاً و عددہ یحسب ان مالہ اخلدہ کا ورد کر رہے ہوتے
ہیں زبان پر یہ ہوتا ہے ہم تیرے غلام ہیں انا عبدك اور جو ہمارا مال
ہے وہ ہمارا مال نہیں وہ تیرا مال ہے۔ اور دِل کی یہ حالت ہوتی ہے
کہ تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لئے چند کوڑیاں خرچ کرنی پڑیں
تو وہ ہمیں پہاڑ نظر آتا ہے اور ہم جھوٹے بہانے بنا کر ہر ممکن کوشش کرتے
ہیں کہ ہمارا مال ہم سے جُدا نہ ہو۔ اے خدا تو اس جھوٹی زندگی سے ہمیں
باہر نکال ہم زمین پر رات کی خاموشی میں ماتھا رکھتے ہیں تو وہاں سے
ہمیں یہ آواز آتی ہے کہ" تو نے اپنے ریا کاری کے سجدوں سے مجھے
ناپاک کر دیا" اے خدا تو ہمیں اپنی جناب میں سجدہ کرنے کی توفیق دے
ہمیں اپنا غلام بنا لے کہ ہمیں تیرا نام دنیا میں بلند کرنے کے سوائے کوئی
فکر نہ ہو اور تو ہمارا رب بن جا کہ تیری توجہ امتِ محمدیہ کو دنیا میں سربلند
کرنے کی طرف ہو جائے۔

(حضرت امیر قوم مرحوم) خاکسار: محمد علی

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن ـــ سبق نمبر (۳۳)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِکُمْ
اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ
مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (سورۃ البقرۃ - ۲۸۴)

ترجمہ:- اللہ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اُسے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لیگا۔ پھر وہ جس کو چاہے مغفرت کرے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ سورۃ البقرۃ کے چالیسویں اور آخری رکوع کی پہلی آیت ہے۔ اس رکوع پر میں انشاء اللہ کچھ تفصیل سے درس دوں گا۔ وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "مجھے دو چیزیں دی گئی ہیں جو اور کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ایک تو سورۃ فاتحہ اور دُوسرے سورۃ بقرۃ کا آخری رکوع"۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ رکوع رسول اللہ صلعم پر معراج کے دوران نازل ہوا۔ بہرصورت یہ رکوع ایک علم اور معرفت اور ہدایت کا سمندر ہے۔ میں اسکو کما حقہٗ سمجھا سکوں گا یا نہیں یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے۔ آمین!

ایک سوچنے والے انسان کے دل میں سوال اُٹھتا ہے کہ یہ زمین اور آسمان کس نے بنائے ہیں؟ ان کے اندر جو کچھ ہے وہ کس نے بنایا ہے اور کیوں بنایا ہے؟ انسان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ انسان کو کس طرح تمام کائنات پر برتری حاصل ہوئی؟ کیا انسان کے اوپر بھی کوئی ہستی ہے؟ موت کیا ہے اور اس کے بعد کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالات کا جواب کچھ تو اس آیت مبارکہ میں ہے جو میں نے آج پڑھی ہے اور کچھ آگے آئے گا۔ مختصراً پہلی بات جو آج سے چودہ سو سال پہلے جب قرآن کریم نازل ہوا کسی کو معلوم نہ تھی وہ یہ فرمائی کہ تمہیں جو بظاہر ایک آسمان دکھائی دیتا ہے وہ ایک نہیں بلکہ بہت سے ہیں اسی لئے لفظ سماء کی جگہ سمٰوٰت استعمال فرمایا جو جمع کا صیغہ ہے۔ ان آسمانوں کی وسعت اس قدر ہے کہ وہ انسانی دماغ میں سمجھ نہیں آتی۔ روشنی جو کہ ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی رفتار رکھتی ہے اُس سے سائنس دانوں نے کائنات کے فاصلوں کو ناپنے کی کوشش کی ہے۔ اس ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کو ساٹھ سے ضرب دیا جائے تو وہ فاصلہ بنتا ہے جو کہ روشنی ایک منٹ میں طے کرتی ہے۔ اس کو پھر ساٹھ سے ضرب دیں تو وہ فاصلہ بنتا ہے جو کہ روشنی ایک گھنٹہ میں طے کرتی ہے۔ پھر اس فاصلہ کو چوبیس سے ضرب دیں تو وہ فاصلہ بنتا ہے جو کہ روشنی ایک دن میں طے کرتی ہے۔ پھر اس کو ۳۶۵ سے ضرب دیں تو وہ فاصلہ بنتا ہے جو کہ روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے۔ اسکو علم فلکیات ASTRONOMY میں LIGHT YEAR یعنے روشنی کا سال کہتے ہیں۔ تو اب تک ہماری کائنات جو معلوم ہوئی ہے اس کا قطر (DIAMETER) ستر BILLION LIGHT YEARS ہے۔ BILLION جیسا کہ آپ جانتے ہیں دس لاکھ کو دس لاکھ سے ضرب دینے سے بنتا ہے اور جوں جوں سائنس اور اس کے آلات ترقی کر رہے ہیں یہ وسعت اور بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے ایک عرب کے اُمّی کو تو کیا معلوم ہونا تھا خود سائنسدانوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ عقل کو حیران کرنے والی کائنات تمام ایک مادہ سے بنی ہے اور ایک قوانین میں جکڑی ہوئی ہے تبھی تو دہریہ سائنس دان اب یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ اس تمام کائنات کا خدا ہے اور وہ ایک ہے۔ یہ عظیم الشان انکشاف آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن نے کیا کہ آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اس اللہ کا ہے جس نے انہیں پیدا کیا۔ آسمانوں پر تو ملکیت کا دعوٰی کسی انسان کے دماغ میں کبھی نہیں آسکا۔ خود زمین میں انسان اپنی ماں کے پیٹ سے خالی ہاتھ آتا ہے اور خالی ہاتھ قبر میں جا لیٹتا ہے۔ اس زمین میں بھی جو کچھ انسان کو ملتا ہے اور جو بظاہر وہ اپنا سمجھتا ہے وہ انسان کے اپنے اختیار میں نہیں۔ چاہے وہ انسان کا جسم ہو یا اس کی زندگی، صحت، خوشی، عزت، مال یا حکومت، غرض ان میں سے کوئی چیز انسان کے اپنے اختیار میں نہیں۔ دُنیا میں جو کچھ ملتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ دیتا ہے جیسا کہ قرآن نے کئی جگہ فرمایا جن میں سے ایک آیت کے متعلقہ الفاظ میں آپ کو سناتا ہوں۔ من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیھا ما نشاء لمن نرید (بنی اسرائیل - ۱۸) یعنے جو کوئی جلد آنیوالا نفع چاہتا ہے تو ہم اُسے اسی دنیا میں جتنا ہم چاہتے ہیں اور جس کو ہم چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں۔ عاجلۃ یعنے جلد ملنے والی چیزیں اس دنیا کی ہیں۔ فرمایا اگر تم انہیں ہی چاہتے تو یہ بھی جس کو ہم چاہیں اور جتنا ہم چاہیں تمہیں دیتے ہیں۔

مگر جیسا کہ میں ایک ابتدائی درس میں قرآن حکیم سے بتا آیا ہوں اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اور محدود اختیارات انسان کو DELEGATE کئے ہیں، تفویض کئے ہیں، دیئے ہیں۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ اس دُنیا کے جو کاروبار اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں مثلاً آسمانوں کا عجائبات سے پُر اور حیرت انگیز نظام یا خود زمین میں سورج چاند کا نکلنا یا غروب ہونا، وہ بالکل ٹھیک ٹھاک چل رہے ہیں۔ مجال ہے کہ سورج یا چاند ایک سیکنڈ دیر سے یا پہلے آئیں جائیں۔ مگر حضرت انسان کو جو کچھ اختیار دیا ہے وہ جس کام پہ ہاتھ ڈالتے ہیں اکثر اُسے بگاڑتے ہیں۔ ورنہ یہ دُنیا جنت بنائی گئی تھی جیسا کہ قرآن نے آدم کو فرمایا وقلنا یآدم اسکن انت و زوجک الجنۃ "اور ہم نے کہا اے آدم تُو اور تیری بیوی اس جنّت میں رہو"۔ میں اس آیت کی تفسیر میں یہ بتا آیا ہوں کہ یہ جنّت اسی دنیا کی زندگی تھی۔ مگر حضرت انسان

ہمیشہ فساد اور مصیبتیں پیدا کرتے رہے ہے۔ دور کیوں جاؤ اس زمانہ میں دیکھ لیجئے کہ انسان نے علم اور سائنس کی کیا حیرت انگیز ترقیات کی ہیں۔ اور لوگوں کی سمجھ بوجھ کبھی بڑھ گئی ہے۔ الغرض دنیاوی ترقیات کی انتہا کے باوجود دنیا جس قدر آج دکھی ہے یا بگڑی ہوئی ہے کبھی نہ تھی۔

تو دنیا کی اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان کی اصلاح نہ کی جائے جو کہ دنیا کے کاروبار چلا رہا ہے اور انسانوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان کے دلوں کی اصلاح نہ کی جائے۔ وجہ یہ ہے کہ انسانی عقل جس کا مرکز انسانی دماغ میں ہے وہ تو سب کو ایک ہی طرز کی رہنمائی دیتی ہے۔ مگر انسان کو چلانے والے اس کے جذبات اور خواہشات ہیں جن کا مرکز انسان کا دل ہے۔ عقل بطور ڈرائیور یا گھوڑے سوار کے ہوتی ہے مگر جب تک کہ انسان کو چلانے والی چیز یا MOTIVE POWER جو اس کے جذبات اور خواہشات ہیں وہ قابو میں نہ ہوں تو انسان کی عقل رکتی رہ جاتی ہے پر انسان وہی کر گذرتا ہے جو اس کا دل کہے۔

اسی لئے آج کی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اس کا محاسبہ کریگا جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ ما فی انفسکم کے معنی جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے کئے گئے ہیں۔ میں سردست وہی معنی لے کر تفسیر کر رہا ہوں۔ دوسرے کسی مذہب یا الہامی کتاب نے دل کے اندر کی باتوں کے محاسبہ یا جوابدہی کا ذکر نہیں کیا یا اس کو وہ اہمیت نہیں دی جو قرآن پاک نے دی ہے۔ دنیا کے قوانین بھی صرف انسان کے اعمال پہ محاسبہ کرتے ہیں۔ دلوں کی باتوں پر نہیں۔ مگر یہی ان کی کمی یا نقص ہے۔ انسان کا عمل تو بہت بعد میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک چور نے اگر چوری کہیں کرنی ہو تو دیر تک اس کی کھچڑی اپنے دل میں پکاتا ہے۔ جس مکان میں چوری کرنی ہو اُسے اور اس کے رہنے والوں پر نگاہ رکھتا ہے۔ پوچھ گچھ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ تب آخیر میں وہ ارادہ پورا ہوتا ہے اور ایک ظاہری عمل دیکھنے میں آتا ہے۔ ایک بلیک مارکیٹ کرنے والا یا بدچلن انسان اپنے سینہ کے اندر تمام اسکیم بناتا ہے اور آخیر میں جا کر عمل ظاہر ہوتا ہے۔ الغرض انسان کی تمام اخلاقی اور روحانی بیماریاں دراصل اس کے دل کے اندر نشو ونما پاتی ہیں اور بہت بعد میں جا کر ظاہر ہوتی ہیں۔ تو جب تک ان بیماریوں کی جڑ کو نہ نکالا جائے وہ دور نہیں ہو سکتیں۔ ایک ڈاکٹر یا حکیم اگر کسی ناصور میں سے جو پیپ آرہی ہے وہ صرف اس وقت صاف کرے جب وہ باہر نکلے تو وہ ناسور کبھی دور نہ ہوگا۔ اس ڈاکٹر یا حکیم کو اس بیماری کی جڑ کا علاج کرنا ہوگا۔ اُسے صاف کرنا ہوگا جن مذاہب نے انسان کے سینہ کی باتوں کو قابلِ مواخذہ نہیں ٹھہرایا وہ انسانوں کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ انسانی قوانین بھی صرف انسان کے اعمال پر پکڑ کر سکتے ہیں اس لئے کہ انسان کے سینہ کی باتوں کو وہ نہیں جان سکتے۔ اُن باتوں کو تو صرف وہ انسان جان سکتا ہے جس کا وہ سینہ ہے یا اللہ تعالےٰ جس نے وہ سینہ بنایا ہے اور اس کے اندر کے تمام انتظامات بنائے ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اللہ تعالےٰ کو علیم، بذات الصدور فرمایا کہ وہ سینوں کے اندر جو کچھ ہے انہیں بخوبی جانتا ہے۔

رسول اللہ صلعم نے بھی اس حکمت کی بات کو کیا اچھا بیان فرمایا ہے کہ الا انّ فی الجسد مضغۃً ان صلحت صلح الجسد کلہٗ وان فسدت فسد الجسد کلّہٗ الا وھو القلبُ یعنے دوسن لو کہ انسان کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو تمام انسان ٹھیک ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو تمام انسان بگڑ جاتا ہے۔ جان لو کہ وہ انسان کا قلب ہے۔''

انسان کے سینہ میں بغض، حسد، کینہ، دشمنی، تکبّر غرض قسما قسم کے جذبات (بلکہ بہتر لفظ امراض ہے) وہ ہوتے ہیں۔ ان کو نہ جاننے سے دوسرے لوگ اس انسان کے عمل کے متعلق دھوکا کھا جاتے ہیں خصوصاً جب وہ انسان اپنے سینہ کے راز کو چھپاتے ہوئے اپنی نیک نیتی یا نیک عملی کا دھوکا دے اسی سے بہت سے فتنے اور فساد پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے جب تک کہ سینہ کے راز ویا کو قابلِ محاسبہ اور قابل سزا نہ بنایا جائے نہ تو انسانوں کی اصلاح ہو سکتی ہے نہ دنیا کے دکھوں کا علاج ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے کیا صحیح بات فرمائی کہ انما الاعمالُ بالنیّات یعنے اعمال کا اچھا یا بُرا ہونا اُس نیت پہ مبنی ہوتا ہے جس سے وہ اعمال کئے جائیں۔ مثلاً ایک قاتل قتل کرتا ہے اور ایک ڈاکٹر آپریشن کرتا ہے جو فیل ہو جاتا ہے۔ نتیجہ دونوں کا موت ہوتا ہے مگر قاتل کو پھانسی دی جاتی ہے اور ڈاکٹر کو فیس اور اعزازات ملتے ہیں۔ فرق صرف نیّت کا تھا اور نیت سینہ کے اندر کے جذبات اور خواہشات پر مبنی ہوتی ہے۔

قرآن حکیم بھی عجیب کتاب ہے۔ سینہ کے رازوں کا ذکر فرماتے ہوئے وان تبدو ما فی انفسکم یعنے ''اور اگر تم ظاہر کرو جو تمہارے سینوں میں ہے'' کو پہلے رکھا اور او تخفوہ اور ''یا تم اُسے چھپاؤ'' کو پیچھے رکھا اس میں یہ حکمت ہے کہ شروع شروع میں جو انسان کے دل میں ہو وہ اس کی زبان پر آجاتا ہے۔ بچہ تو اپنے سینہ کے راز یا اپنی نیت کو چھپانا جانتا ہی نہیں جوں جوں انسان کی عمر بڑھتی ہے اور لوگوں کی ناپسندیدگی یا سزا کا خوف پیدا ہونے لگتا ہے تو وہ اپنے سینہ کے رازوں کو چھپانے لگتا ہے جیسا کہ لڑکا یا نوجوان۔ اور پختہ عمر ہونے پر تو لوگوں کے خوف سے یا قانون کے خوف سے انسان اپنے سینہ کے بھیدوں اور نیتوں کو چھپانے کا ماہر بن جاتا ہے مگر جس ذات نے انسان کا سینہ اور اندر کے انتظامات بنائے ہیں وہ ان مخفی رازوں کو جانتا ہے اور اسی دنیا میں سزا کے طور پر اس انسان کے سینہ میں جلن اور آگ کو پیدا کر دیتا ہے بلکہ اکثر ایسے شخص کے سینہ کی چھپائی ہوئی گندگیوں یا بُرائیوں کو ظاہر کرکے اُسے ذلیل اور رسوا کر دیتا ہے۔ بہرحال سینہ کے گند کبھی نہ کبھی بداعمالیاں بن کر ظاہر ہو ہی جاتے ہیں اور تب انسان اسی دنیا میں سزا پا لیتا ہے جو کہ آخرت کی اصل پکڑ اور سزا پہ دلیل ہوتی ہے۔

(باقی آئندہ)

اخبار احمدیہ

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بخیریت ہیں اور حسب معمول استحکام جماعت اور اشاعت اسلام کے کاموں میں مصروف ہیں احباب سلسلہ حضرت ممدوح کی صحت وعافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔
* درخواست دعائے صحت:- محترمہ غلام زینب صاحبہ (عزیزہ مولانا احمد گل) بعارضہ رسولی بیمار ہیں جس کے لئے اُن کا آپریشن ہونے والا ہے۔ احباب سلسلہ سے دعا کی درخواست کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔

اسلام میں عورتوں کے حقوق

بیویوں کے حقوق کے سلسلہ میں احکام ہدایت
آنحضرتؐ — بحیثیت ایک مثالی شوہر

آنحضرت صلعم انسانِ کامل تھے آپؐ کی زندگی کا ہر گوشہ اور آپ کے کردار کا ہر رُخ مسلمانوں کے لئے نمونہ اور اسوہ ہے خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو انسانوں میں پیدا کیا اور انسانوں کی طرح پیدا کیا اور آپ نے انسانوں ہی کی طرح اپنی پوری زندگی گذاری آپ بیٹے بھی تھے اور باپ بھی۔ شوہر بھی تھے اور بھائی بھی۔ عمر میں چھوٹے بھی تھے اور بزرگ بھی۔ آپ نے تجارت بھی کی اور فوجیں بھی لڑائیں۔ محنت کشی بھی کی اور حکمرانی بھی۔ آپ ہر حیثیت سے شاہراہِ حیات پر ایسے نقوش چھوڑ گئے جو قیامت تک لوگوں کے لئے نمونہ اور معیار بنے رہیں گے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (ترجمہ) بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (صلعم) کی زندگی قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

چنانچہ ایک شوہر اور رفیقِ حیات کی حیثیت سے آنحضرت صلعم کا جو کردار ہے وہ ہر شوہر کے لئے نمونہ کا کردار ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مسلمان شوہروں کے لئے آپ کے چند احکام سماعت فرمایئے ارشاد فرمایا۔

۱۔ خیرکم خیرکم لاھلہ (ترمذی۔ ابن ماجہ) تم میں بھلا آدمی وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے بھلا ہو۔

۲۔ خیارکم خیارکم لنساء ھم (ترمذی) تم میں سب سے بھلے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے بھلے ہوں۔"

ایک بار ایک صحابی کو جو زہد و عبادت کی کثرت کی وجہ سے اپنے اہل و عیال سے غافل رہتے تھے بلوایا اور فرمایا "اور تمہاری رفیقہ کا بھی تم پر حق ہے۔"

صنفِ ضعیف کے حقوق کا سرکارِ دو عالم کو کتنا خیال تھا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ آپ نے اپنی حیات کے آخری خطبۂ حج پر جن اہم تر مسائل پر احکام و نصائح فرمائے تھے ان میں عورت کے حقوق کا مسئلہ بھی شامل فرمایا۔

" لوگو! عورتوں کے حق میں میری نیکی کی نصیحت کو مانو کہ یہ تمہارے ہاتھوں میں قید ہیں اور تم اس کے سوا کسی بات کا حق نہیں رکھتے الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں۔ اگر ایسا کریں تو ان کو خواب گاہ میں علیحدہ کر دو اور ان کو ہلکی مار مارو تو اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر ان پر الزام لگانے کے پہلو نہ ڈھونڈھو۔ بے شک تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر کو دوسروں سے پامال نہ کرائیں جن کو تم پسند نہیں کرتے اور نہ تمہارے گھروں میں ان کو آنے کی اجازت دیں جن کا آنا تم کو پسند نہیں۔ اور ہاں اُن کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے پہنانے اور کھلانے میں نیکی کرو۔"

بیوی کے حق کی وضاحت ایک اور موقعہ پر ایک سوال کے جواب میں یوں فرمائی۔

" بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ جب خود کھائے تو اس کو کھلائے جب خود پہنے تو اس کو پہنائے نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے نہ اس کو بُرا بھلا کہے۔ نہ گھر کے علاوہ (سزا کے لئے) اس کو علیحدہ کرے (ابنِ ماجہ)

اختصار کے خیال سے میں نے یہ چند ارشادات نقل کئے ہیں ورنہ بیویوں کے حقوق کے سلسلہ میں آپ کے احکام و ہدایات بکثرت ہیں۔ ایک شوہر کی حیثیت سے حضور کیسے تھے اس کا جواب عرض کرنے سے پہلے یہ سوچتے ہیں کہ ایک شوہر کے لئے عمومی شرائط کیا ہونی چاہئیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ بیوی کے لئے محبت کوش ہو

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کی ضروریات اور خواہشات کا حتی الامکان پورا پورا خیال رکھے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جہاں تک اس کے حالات اجازت دیں بیوی کی ان فرمائشوں اور خواہشوں کی تکمیل میں سعی کرے جو چاہے اس کے مزاج کے خلاف ہوں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ وقت، مال، محبت اور توجہات کی ٹھیک ٹھیک اور عادلانہ تقسیم کرے۔

اب ان شرائط کی روشنی میں شوہر کا ایک مثالی کردار ملاحظہ ہو۔ جہاں تک محبت کوش ہونے کا تعلق ہے تو حضور صلعم ایک پاک ہستی سراپا محبت تھی، محبت کیش تھی جس کا پیغام محبت کا پیغام تھا جس کا مشن محبت کا مشن تھا جس نے محبت اور صرف محبت کے زور پر ساری دنیا کو فتح کیا تھا جسے دوستوں ہی سے نہیں دشمنوں سے بھی محبت تھی۔ ایسے محبت کیش کی محبت کوشیوں کا کیا ٹھکانا ہوگا اور وہ بھی اپنی ازواج مطہرات کے لئے۔

آپ نے چھٹی صدی کے عرب کے معاشرے میں عورت سے جیسی محبت کر کے دکھائی اور کرنا سکھائی ہے اس کا اندازہ کرنے کیلئے سیدنا عمرؓ کا یہ قول سنیئے:۔

"ہم لوگ اسلام سے قبل عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے اسلام نے عورتوں کے حقوق مقرر کر کے ان کے نفاذ کے احکام دیئے۔" (بخاری)

ان احکام و ہدایات کا اثر کیا ہوا؟ عورت کو کیا حقوق ملے اس کا جواب بھی حضرت عمرؓ اپنے اسی ارشاد کے دوسرے حصہ میں دیتے ہیں:۔

" ایک بار میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے بھی برابر کے جواب دیئے۔" (بخاری)

ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ انقلابِ عظیم۔ عرب کے جاہلیت کے معاشرے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کا درجہ معاشرے میں کتنا بلند کر دیا اور ذہن کتنے بدل گئے کہ ایک عورت حضرت عمرؓ جیسی زبردست شخصیت کی ڈانٹ سن کر ترکی کا جواب ترکی میں دیتی ہے۔ اور اصل حصہ اس داستان کا یہ ہے کہ:۔

" شوہر گھر کی اس "جھڑپ" کا حال باہر کے لوگوں کو خود سناتا رہا ہے۔ شکایتاً نہیں فخریہ لہجے میں۔"

یہ تو سیدنا حضرت عمرؓ تھے اس سے بھی دلچسپ قصہ خود حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ملاحظہ ہو۔ عورتوں کے حقوق کے اس داعیٔ اعظم نے اپنی ہر رفیقۂ حیات کو عملاً کتنی آزادی دے رکھی تھی اور کتنے زیادہ حقوق عطا فرما رکھے تھے صرف دوسروں کو نصیحتوں اور ہدایتوں تک بات ختم نہیں کی خود اپنے گھر میں اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حبیبہ سیدنا عائشہؓ سے معروف کلام تھے۔ کسی خانگی اور نجی مسئلے پر گفتگو تھی۔ لَے ذرا بڑھ گئی۔ جذبات ذرا تلخ ہو گئے۔ سرکارؐ ایک حلیم تھے۔ دُوسرے مسئلہ مساوات کی تربیت کرنی تھی۔ اس لئے طرفین میں سے حضرت عائشہ کے الفاظ میں ترشی تھی اور لہجہ بھی بلند تھا۔ میاں بیوی میں یہ کارزار گرم تھا کہ حضرت ابوبکرؓ آ نکلے۔ وہ اِدھر سرکارؐ کے جان نثار تھے تو اُدھر حبیبۂ رسولؐ کے پدرِ بزرگوار بھی تھے گویا دوچند ذمہ داری حضرت صدیقؓ نے محسوس کی۔ باپ اپنی بیٹی کی سرزنش کے لئے آگے بڑھا اور طیش میں کہہ چلا۔

" ہائیں! تو رسول اللہ کے سامنے آواز اُونچی کرتی ہے۔"

اور ہاتھ بھی بلند کر دیا۔ مگر بیٹی اپنے غضب ناک باپ کی سرزنش سے صاف بچ نکلی کس نے بچا لیا۔ حقوقِ نسواں کے مبلغِ اعظم بیچ میں حائل ہو گئے تھے۔

صلے اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم

جناب صدیقؓ کے غیظ و غضب کا پارہ کتنی ہی بلندی پر کیوں نہ چڑھ گیا ہو جس فعل میں ان کے رفیق و حبیب رسول اللہ حائل و مانع ہوں اس کی تکمیل کی انہیں کب جرأت ہو سکتی تھی۔ غضب پر ادب غالب آیا اور حضرت صدیق والا مقام واپس لوٹ گئے۔ یوں میاں بیوی کی جنگ ایک تیسرے فریق کے بیچ میں آنے سے ختم ہو گئی۔ حضورؐ نے فرمایا ہوگا:۔ "کیوں حمیرا! میں نے بچا لیا ورنہ ابا اچھی طرح خبر لے ڈالتے۔"

سیدہ حمیرا کھل کھلا کر ہنس دی ہوں گی اور رحمتِ عالمؐ کا قلب مبارک بھی وفورِ مسرت سے لبریز ہو گیا ہوگا کہ دیکھو میرا مشن اللہ کے فضل و کرم سے کس قدر کامیاب ہو رہا ہے۔ یہ صنفِ ضعیف اپنی "خودی" کو پہچانتی جا رہی ہے خود مجھے بھی معاف نہیں کرتی۔

جناب صدیقؓ چند روز بعد پھر کاشانۂ نبوت پر حاضر

ہوئے تو آج رنگ دوسرا تھا۔ مثالی شوہر اور معیاری بیوی آج حسبِ معمول خوشش مزاجی کی حالت میں تھے۔

جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دل کی کلی کھل اٹھی اور عرض کیا: "میں نے جنگ میں دخل دیا تھا اور اب صلح میں بھی شریک کیجئے۔" سرکار مسکرا دیئے اور فرمانے لگے: "ہاں ہاں! ضرور۔"

سرکار نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی بیویوں کے حقوق ادا کرنے پر جس طرح بار بار متوجہ فرمایا تھا اس کے نتیجہ میں چند سال کے اندر اندر صنفِ ضعیف کو جو آزادی حاصل ہو گئی تھی اس کا اندازہ بھی آستانۂ نبویؐ کے ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے ـــ حضورؐ کی ازواج مطہرات کو حضورؐ سے بربنائے بشریت کبھی کبھی عارضی طور پر کچھ شکوہ بھی ہو جاتا تھا۔ ممکن ہے اس رنج و شکوے کی کوئی حقیقت اور اساس ہوتی ہی نہ ہو اور "ناز" کا ایک انداز ہی ہوتا ہو۔ بہرحال ازواجِ مطہرات کبھی کبھی اپنے شکوے کا اظہار حضورؐ سے فرمایا کرتی تھیں یہ اظہار کس شان سے ہوتا تھا یہ بھی سننے کی چیز ہے یہ بھی حضورؐ کی کامل و ہمہ جہتی تربیت کا ایک شاہکار ہے۔ اس اندازِ شکایت کی مثال خود سرکار ہی کی زبان مبارک سے سنئیے۔ آپؐ نے ایک بار حضرت عائشہ سے فرمایا: "تم مجھ سے برہم ہو جاتی ہو تو میں سمجھ جاتا ہوں۔" جناب عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا "وہ کیسے؟" "جب تم مجھ سے خوشش رہتی ہو اور کسی بات پر قسم کھانی ہوتی ہے تو محمدؐ کے خدا کی قسم کہتی ہو اور جب مجھ سے خوش نہیں ہوتیں تو "ابراہیمؑ کے خدا کی قسم" کہتی ہو۔"

حبیبۂ رسولؐ نے عرض کیا۔

"جی ہاں! یارسول اللہ (میں ناخوشی میں) صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔"

سنا آپ نے! اب بیوی ناخوش ہونا بھی جان گئی ہے۔ اور اس ناخوشی کے برملا اظہار کی جرأت بھی اس میں پیدا ہو گئی ہے۔ کیا آپ کو اس پر کوئی حیرت نہیں ہو رہی ہے اگر چھٹی صدی عیسوی میں پوری دنیا کی اخلاقی و معاشرتی حالت آپ کے سامنے ہے اور اس دور کے عرب کی عورت کی حالت زار کا نقشہ آپ بھول نہیں گئے تو آپ کو حیرت کی کوئی حد نہیں ہو گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور حضورؐ کے سن میں بہت فرق تھا۔ ایک ذہین اور طباع اور کم سن لڑکی کا مزاج۔ مذاق۔ رنگ، طبیعت، انداز فکر۔ دلچسپیاں۔ غرض ہر ایک چیز ایک پختہ عمر سنجیدہ متین۔ ثقہ اور ذمہ دار مرد سے مختلف ہونی ہی چاہیئے اور پھر مرد سرکارؐ کا سا۔ جن کے دوشش پر ساری دنیا کی قیادت کا بار تھا۔ جن کے دل میں ساری انسانیت کی اصلاح کا جذبہ تھا۔ جن کے ذہن میں عالم کے ایک نئے اور عظیم تر انقلاب کے منصوبے پرورش پا رہے تھے۔ جن کو شوق تھا آدمی کو انسان بنانے کا۔ جن کو فکر تھی نئے خطوط پر معاشرہ کی تشکیل جدید کی۔ مختصر یہ کہ آنحضرتؐ کی دلچسپیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلچسپیوں سے جدا نوعیت کی تھیں یا یوں کہئیے کہ ان کے مزاجوں میں اتنا ہی بُعد تھا جتنا بڑھاپے اور جوانی میں بُعد ہوتا ہے۔ لیکن دوسروں کے جذبات کا پاس کرنا بھی تو آپ سکھانا چاہتے تھے دوسرے کی جائز خواہشوں کو حتی الامکان پورا کرنا بھی آپ ضروری سمجھتے تھے۔

عید کا دن تھا چند حبشی باشندے حرم نبوی کے قریب ایک تماشا دکھا رہے تھے تقاضائے عمر جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ تماشا دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ سرکار دروازے میں کھڑے ہو گئے اور حضرت اُم المؤمنین حضورؐ کے دوشش مبارک پر ٹھوڑی رکھ کر تماشا دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں۔ ایک بار دریافت فرمایا۔ "کیوں حمیرا! جی نہیں بھرا؟"

حبیبۂ رسول نے بے تکلف انکار فرما دیا۔ "ابھی نہیں بھرا۔"

چنانچہ آپ یونہی کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ خود جناب صدیقہ تھک کر ہٹ گئیں۔

ازدواج کے ابتدائی زمانے میں تو آستانۂ نبویؐ میں جناب صدیقہ کی بہت سی کمسن سہیلیاں جمع ہو جایا کرتی تھیں سرکار اندر تشریف لاتے تو وہ بھاگ جاتیں مگر آپ ان کو بلا لیا کرتے۔

ابتدائی زمانے میں ہی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا گڑیاں تک کھیلا کرتی تھیں آپ نہ صرف اس کھیل میں عارج و مانع نہیں ہوتے تھے بلکہ کبھی کبھی کسی کھلونے کے متعلق بھی کوئی سوال فرما لیا کرتے تھے اور بھولے پن کا کوئی جواب سُن کر مسکرا دیتے۔ (بشکریہ فکر و نظر)

* * * * * * *

جناب زاہد عزیز صاحب انگلینڈ

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

کل میری بیوی پاکستان سے واپس لندن آئیں تو مجھے اطلاع ملی کہ جناب ماسٹر اصغر علی صاحب وفات پا گئے ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون میں نے پہلے ان کا نام سنا ہوا تھا لیکن ملاقات پچھلے دسمبر ہوئی جب میں سالانہ جلسہ کے موقع پر لاہور آیا تھا۔ ایک مہینہ میں کم و بیش ہر روز جماعت کے کام کے سلسلے میں دارالسلام آتا رہا اور ماسٹر صاحب سے ملاقات ہوتی رہی۔ میں ان کی ذاتی خوبیوں اور اخلاق سے بے حد متاثر ہوا اور واپس انگلینڈ آکر میں نے ان کا ذکر بھی کیا۔ ان میں وہ خوبیاں تھیں جو آجکل بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ ان کا نام تو اخبار یا کسی اور اشاعت میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا اس لئے ممکن ہے کہ اکثر احباب کو ان کی قربانی اور خدمت برائے انجمن کا علم نہ ہو لیکن یہ ایک میری چشم دید حقیقت ہے کہ وہ دن رات اس جماعت کے کام میں لگے رہتے تھے۔ آپ ہماری انجمن کے مفاد کے زبردست محافظ تھے اور آپ میں وفاداری اور دیانت داری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مرحوم ایک عرصہ سے انجمن کے دفتر میں ہمارے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے سیکرٹری تھے۔ ان میں ایک ایسی خوبی تھی جس سے میں بے حد متاثر ہوا۔ وہ آپ کی دفتری کام میں EFFICIENCY تھی معلوم ہوتا تھا کہ آپ ہر دفتری کام کو نہایت منظم طریقے سے سرانجام دیتے ہیں۔ ایک مشرقی ملک میں ایسی خوبی کے مالک افراد بہت کم نظر آتے ہیں۔ اسی طرح آپ کامل طور پر دیانتدار بھی تھے۔ جو آجکل ایک نادر صفت ہے جتنی بار مجھے دارالسلام آنے کا اتفاق ہوا انہوں نے میری ہر طرح مدد کی اور ہر مشکل کو آسان کیا۔ ان کا اخلاق میرے لئے دارالسلام جانے میں ایک کشش کا موجب تھا۔ وہیں میری ملاقات ان کے دو صاحبزادوں سے بھی ہوئی اور میں اس مضمون کے ذریعے ان سے اپنے شدید رنج و غم کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ ان کی وفات ہماری جماعت کے لئے بہت بھاری نقصان کا موجب ہے ماسٹر صاحب نے ۱۹۷۴ء کے پریشان کن واقعات میں بھی جماعت کے ساتھ وابستگی کی خاطر بہت قربانی کی اور مالی نقصان قبول کیا۔ وہ تو ہمارے لئے مثال بن کر خاموشی سے اس جماعت کی بنیادوں میں اپنا خون ڈال کر ہم سے جدا ہو گئے ہیں کیا کوئی ہم میں سے ہے جو ان کی خوبیوں کو مشعلِ راہ بنائے اور اپنی محنت اور جفاکشی سے جماعت میں جان ڈالے؟ آخر میں ہم مرحوم کی مغفرت کے لئے دلی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں انکی خدمات کا اجر دے اور ان پر اپنی رحمتیں برسائے۔ آمین۔ انشاء اللہ اگلے جمعے (یعنی ۲۹۔ اپریل) ہمارے لندن مرکز دارالسلام میں مرحوم کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

مولانا محمد علی فری ڈسپنسری

خدا ترس مخیّر دوستوں کے لئے حصولِ ثواب کا ذریعہ

مقامی جماعتِ احمدیہ کے زیرِ انتظام احمدیہ بستی "دارالسلام" نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں یہ فری ڈسپنسری اہالیان بستی کے علاوہ گرد و نواح کے مریضوں کو طبیّ امداد بہم پہنچا رہی ہے۔ دکھی انسانیت کی خدمت کا یہ سلسلہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے۔ ڈسپنسری کو ایک مستند، قابل اور تجربہ کار ڈاکٹر کی خدمات حاصل ہیں جو روزانہ ۳ بجے بعد دوپہر سے پانچ بجے تک نہایت انہماک سے مریضوں کو دیکھتے ہیں اور دوا تجویز کرتے ہیں جو مُفت دی جاتی ہے۔ اس کارِ خیر کی وسعت کے ساتھ ساتھ اخراجات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ آپ بھی دستِ کرم بڑھائیں اور ثوابِ دارین حاصل کریں۔ آپکے عطیات اگر مستقل صورت میں ماہانہ آئیں تو مفید تر ہو سکتے ہیں۔

عطیات بھیجنے کا پتہ: ـ چوہدری ریاض احمد صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور
دارالسلام ۵۔ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

از:- جناب ملک ظفراللہ خاں راولپنڈی

حقیقتِ بیعت

لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم (قرآن کریم)

ترجمہ: ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بنا جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں یہ خدا کا ہاتھ ہے جو اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ اس کشتی نوح پر سوار ہو جاؤ خدا کے نام پر ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا آج خدا کے سوا اس کی تقدیر سے کوئی بچا نہیں سکتا وہی رحم کرے تو کرے۔

کوئی کشتی اب بچا سکتی نہیں اس سیل سے + نوح کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار

حضرت اقدس نے بیعت لینے کا اعلان بدیں الفاظ میں کیا۔ گزارش ضروری بخدمت ان صاحبوں کے جو بیعت کرنے کے لئے مستعد ہیں۔

اے اخوان مومنین ایدکم اللہ بروح منہ۔ آپ سب صاحبوں پر جو اس عاجز سے خالصاً لطلب اللہ بیعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ٭ واضح ہو کہ بالقاء رب کریم و جلیل (جس کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں کو انواع و اقسام کے اختلافات اور غل و حقد اور نزاع اور فساد اور کینہ اور بغض سے جس نے ان کو بے برکت اور نکما و کمزور کر دیا ہے نجات دے کر فاصبحتم بنعمتہ اخوانا کا مصداق بنا دے) مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض فوائد و منافع کہ جو آپ لوگوں کے لئے مقدر ہیں اس انتظام پر موقوف ہیں کہ آپ سب صاحبوں کے اسماء مبارکہ کتاب میں بقید ولدیت و سکونت مستقل و عارضی طور پر معہ کسی قدر کیفیت کے (اگر ممکن ہو) اندراج پاویں اور پھر جب وہ اسماء مندرجہ کسی تعداد موزوں تک پہنچ جائیں تو ان سب ناموں کی ایک فہرست تیار کر کے اور چھپوا کر ایک ایک کاپی اس کی تمام بیعت کرنے والوں کی خدمت میں بھیجی جائے اور پھر جب دوسرے وقت میں نئی بیعت کرنے والوں کا ایک معتد بہ گروہ ہو جائے تو ایسا ہی اُن کے اسماء کی بھی فہرست تیار کر کے تمام مبائعین یعنی داخلین بیعت میں شائع کی جائے اور ایسا ہی ہوتا رہے جب تک ارادہ الٰہی اپنے اندازہ مقدر تک پہنچ جائے یہ انتظام جس کے ذریعہ سے راست بازوں کا گروہ کثیر ایک ہی مسلک میں منسلک ہو کر وحدت مجموعی کے پیرایہ میں خلق اللہ پر جلوہ نما ہوگا اور اپنی سچائی کے مختلف المخرج شعاعوں کو ایک ہی خط ممتد میں ظاہر کرے گا خداوند عزوجل کو بہت پسند آیا ہے۔

٭ حاشیہ:- تاریخ ھذا سے جو ۴ مارچ ۱۸۸۹ء ہے ۲۵ مارچ تک یہ عاجز لدھیانہ محلہ جدید میں مقیم ہے۔ اس عرصہ میں اگر کوئی صاحب آنا چاہیں تو لدھیانہ میں ۲۰ تاریخ کے بعد آ جاویں اور اگر اس جگہ آنا موجب حرج و دقت ہو تو ۲۵ مارچ کے بعد جس وقت کوئی چاہے قادیان بعد اطلاع دہی بیعت کرنے کے لئے حاضر ہو جائے مگر جس مدعا کے لئے بیعت ہے یعنی حقیقی تقوای اختیار کرنا اور سچا مسلمان بننے کے لئے کوشش کرنا اس مدعا کو خوب یاد رکھے۔

چونکہ آپ نے حضرت مولانا نورالدین مرحوم سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ سب سے پہلے آپ کی بیعت لی جائے گی اس لئے سب سے پہلے اُن کی بیعت لی۔ بیعت کرنے کے وقت کا بھی ایک عجیب واقعہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مختصر طور پر اسے بھی درج کر دوں۔ مولانا فرماتے ہیں جب میں حضرت اقدس مرزا صاحب کی بیعت کرنے لگا تو تنہائی میں عرض کیا کہ میں مدینہ منورہ میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب ... [illegible] ... یہی خیال آیا کہ بیعت کرنے کا فائدہ کیا ہے ایک مرتبہ میں نے اُن سے عرض کر ہی دیا کہ میں بھی بیعت کرنا چاہتا ہوں انہیں کچھ تعجب سا ہوا پھر انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا میں نے بھی ہاتھ آگے بڑھایا۔ مگر میں پھر رک گیا میں نے کہا پہلے یہ مجھے بتا دیجئے کہ بیعت کا فائدہ کیا ہوگا فرمانے لگے۔ قال بہ حال مبدل گردد شنید بہ دید مبدل گردد۔ (یعنی یہ علم جو پڑھتے ہو بطور حال وارد ہو جائے گا اور جو کچھ سنتے ہو آنکھوں سے دیکھ لو گے) میں نے عرض کیا کہ آپ میری بیعت لے لیں فرمانے لگے ایک شرط کے ساتھ بیعت لیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرے پاس کافی عرصہ ٹھہرو میں نے اسکو منظور کر لیا اور بیعت ہو گئی۔ اور میں کافی عرصہ ان کی خدمت میں ٹھہرا اور پھر جو کچھ انہوں نے فرمایا تھا وہ سب باتیں پوری ہوئیں۔

اب آپ کی بیعت کا فیض کیا ہوگا۔

حضرت مرزا صاحب یہ واقعہ سن کر ہنس پڑے فرمانے لگے کہ میری بیعت سے "دید بہ شنید مبدل گردد" ہو جائے گا۔ میں نے کہا پھر آپ میری بیعت لے لیں۔ چنانچہ بیعت ہو گئی پھر واقعی ایسا ہوا کہ آپ کے فیض سے صرف شنید پر اتنا زبردست ایمان پیدا ہو گیا کہ کسی دید کی ضرورت نہ رہی۔ یعنی بغیر دیکھے ہوئے محض سننے سے ایسا ایمان اور یقین دین کی باتوں پر پیدا ہوتا جاتا تھا کہ کسی کو دید کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی تھی جیسا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر سب پردے اُٹھ جائیں تب بھی میرا ایمان جس مقام پر پہنچ چکا ہے اس پر پردوں کے اُٹھنے سے کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی گویا یہ یقین کے اس اعلیٰ مقام کو ظاہر کرتا ہے جو بغیر دید کے عارف کو حاصل ہو جاتا ہے۔

بیعت، بیعت توبہ ہے

چند احباب نے جب بیعت کی تو حضرت اقدس نے کھڑے ہو کر تقریر فرمائی۔ فرمایا دیکھو جس قدر آپ لوگوں نے اس وقت بیعت کی ہے اور جو پہلے کر چکے ہیں ان کو چند کلمات بطور نصیحت کے کہتا ہوں چاہیے کہ اسے پوری توجہ سے سنیں۔

آپ لوگوں کی یہ بیعت بیعت توبہ ہے۔ توبہ دو طرح سے ہوتی ہے ایک تو گذشتہ گناہوں سے یعنی اُن کی اصلاح کرنے کے واسطے جو کچھ پہلے غلطیاں کر چکا ہے ان کی تلافی کرنے اور حتی الوسع ان بگاڑوں کی اصلاح کی کوشش کرنا اور آئندہ کے گناہوں سے باز رہنا اور اپنے آپ کو اس آگ سے بچائے رکھنا اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ توبہ سے تمام گناہ جو پہلے ہو چکے ہوتے ہیں معاف ہو جاتے ہیں۔ پس تم نے جو اب توبہ کی ہے چاہیئے کہ تم اس توبہ کی حقیقت سے واقف ہو کر ان تمام گناہوں سے بچو جن میں تم مبتلا تھے اور جن سے بچنے کا تم نے اقرار کیا ہر ایک گناہ خواہ وہ زبان کا ہو یا آنکھ کا یا کان کا غرض ہر اعضاء کے جدا جدا گناہ ہیں اُن سے بچتے رہو کیونکہ گناہ ایک زہر ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ گناہ کی زہر وقتاً فوقتاً جمع ہوتی رہتی ہے اور آخر اس مقدار اور حد تک

پہنچ جاتی ہے جہاں انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ پس بیعت کا پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ یہ گناہ کی زہر کے لئے تریاق ہے۔ اس کے اثر سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ اور گناہوں پر ایک خط تنسیخ پھیر دیتی ہے۔ دوسرا فائدہ اس توبہ سے یہ ہے کہ اس توبہ میں ایک قوت اور استحکام ہوتا ہے جو مامور من اللہ کے ہاتھ پر سچے دل سے کی جاتی ہے۔ انسان جب خود توبہ کرتا ہے تو وہ اکثر ٹوٹ جاتی ہے بار بار توبہ کرتا اور بار بار توڑتا ہے مگر مامور من اللہ کے ہاتھ پر جو توبہ کی جاتی ہے جب وہ سچے دل سے کرے گا تو چونکہ وہ اللہ تعالےٰ کے ارادہ کے موافق ہوگی وہ خدا خود اُسے قوت دے گا اور آسمان سے ایک طاقت ایسی پہنچے گی جس سے وہ اس پر قائم رہ سکے گا۔ اپنی توبہ اور مامور کے ہاتھ پر توبہ کرنے میں یہی فرق ہے۔ کہ پہلی کمزور ہوتی ہے دوسری مستحکم کیونکہ اُس کے ساتھ مامور کی اپنی توجہ کشش اور دعائیں ہوتی ہیں جو توبہ کرنے والے کے عزم کو مضبوط کرتی ہیں اور آسمانی قوت اسے پہنچاتے ہیں جس سے ایک پاک تبدیلی اس کے اندر شروع ہو جاتی ہے اور نیکی کا بیج بو یا جاتا ہے جو آخر کار ایک باردار درخت بن جاتا ہے۔

اپنی توبہ اور مامور کے ہاتھ پر توبہ کرنے کا ثبوت

۱۸۹۳ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ پر مولانا حکیم نورالدین صاحب جب تقریر ختم کر چکے تو مولوی حسن علی صاحب نے ملاقات کے وقت مولانا نورالدین صاحب سے سوال کیا کہ مرزا صاحب سے جو آپ نے بیعت کی ہے اس میں کیا نفع دیکھا ہے جواب دیا ایک گناہ تھا جس کو میں ترک نہیں کر سکتا تھا جناب مرزا صاحب سے بیعت کرنے کے بعد وہ گناہ نہ صرف چھوٹ ہی گیا بلکہ اس سے نفرت ہوگئی۔ یہ ہے کرامت اس سے قبل بھی مولانا نورالدین صاحب نے متعدد بزرگوں سے بیعت کی تھی۔ تین کا انہوں نے مرقاۃ الیقین میں ذکر کیا ہے۔

(۱) محمد حی بخاری صاحب (۲) عبدالقیوم صاحب (۳) شاہ عبدالغنی صاحب

پس توبہ کرو اور استقامت رکھو گے تو تھوڑے دنوں بعد دیکھو گے تو تم پہلی حالت سے بہت آگے گذر گئے ہو کسی کو کیا معلوم ہے کہ کون کب تک زندہ رہے گا جب موت کا پتہ نہیں کہ کس وقت آ جائے گی تو پھر کیسی غلطی اور بے ہودگی ہے کہ اُس سے غافل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آخرت کی فکر کرو جو آخرت کی فکر کریگا اللہ تعالےٰ دنیا میں بھی اُس پر رحم کریگا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب انسان مومن کامل بنتا ہے تو وہ اس کے غیر میں فرق رکھ دیتا ہے۔ اس لئے پہلے مومن بنو اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بیعت کی خالص اغراض کے ساتھ جو خدا ترسی اور تقوای پر مبنی ہیں دنیا کے اغراض کو ہرگز نہ ملاؤ۔ نمازوں کی پابندی کرو۔ اور توبہ و استغفار میں مصروف رہو۔ راست بازی اور پاکیزگی میں ترقی کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کا فضل کریگا پانچ وقت اپنی نمازوں میں دعا کرو اپنی زبان میں بھی دُعا کرنی منع نہیں ہے۔ نماز کا مزا نہیں آتا جب تک حضور قلب نہ ہو اور حضور قلب نہیں ہوتا جب تک عاجزی نہ ہو۔ عاجزی جب پیدا ہوتی ہے جو یہ سمجھ آ جائے کہ کیا پڑھتا ہے۔ حضرت اقدس جب بھی بیعت لیتے بیعت کی اہمیت اور حقیقت پر روشنی ڈالتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت نواب صاحب کے نام ایک تعزیت نامہ میں لکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اس کے اس رفیق کو غریق رحمت کرے اور اس کی اولاد کو عمر اور اقبال اور سعادت بخشے لازم ہے کہ ہمیشہ ان کو دُعائے مغفرت سے یاد رکھیں میری یہ بڑی خواہش تھی کہ آپ ان کو قادیان میں لاتے اور اس خواہش سے مدعا یہ تھا کہ وہ بھی سلسلۂ بیعت میں داخل ہو کر اس گروہ میں شریک ہو جاتے کہ جو خدا تعالےٰ تیار کر رہا ہے۔ مگر افسوس کہ آپ کی بعض مجبوریوں کی وجہ سے یہ خواہش ظہور میں نہیں آئی اس کا بھی مجھے افسوس ہے۔ نوٹ: گویا

وہ گروہ جو خدا تعالیٰ تیار کر رہا تھا حضرت اقدس نے اس کا نام جماعت احمدیہ رکھا اور اس میں شامل ہونے اور اس کا ممبر بننے کے لئے بیعت کو لازمی قرار دیا۔

پھر ایک جگہ تجدید بیعت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: سردار فضل حق صاحب نے عرض کیا میرے ایک دوست کشتی نوح کی تعلیم پڑھ کر پوچھتے ہیں کہ اگر انسانی کمزوری کی وجہ سے کوئی شرط ٹوٹ جائے تو کیا اسکو صرف توبہ کرنی کافی ہے یا تجدید بیعت۔ فرمایا۔ توبہ کافی ہے کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا اگر بیعت کرے تو یہ بھی سعادت ہے۔

گویا یہاں تجدید بیعت کو سعادت قرار دیا۔ ان دو ارشادات سے اُن احباب کے ان خیالات کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں ہم پیدائشی احمدی ہیں کیونکہ ہمارے بزرگ احمدی تھے اس لئے انہیں بیعت کرنے کی کیا ضرورت ہے یہ بات تو کسی حد تک درست ہے کہ جو آدمی اپنے تئیں احمدی کہتا ہے وہ احمدی ہے لیکن جب تک بیعت کر کے تصدیق بالقلب نہ کرے جماعت احمدیہ کا رکن نہیں ہو سکتا۔

تجدید بیعت کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ آپ نے الوصیت میں جن ابتلاؤں کی پیشگوئی اور نشاندہی کی تھی وہ ظہور میں آگئی جس کے نتیجہ میں اس انجمن کے انتخاب کو ضروری قرار دیا گیا جو خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہو۔

ابتلاؤں کی پیشگوئی

تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔ ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازے میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے موقعہ ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے انعام پاویں یہمت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کردیگا تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بو یا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائیگا پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی صرف ہماری اندارسانی پر کفایت نہیں کرتے بلکہ بے تمیز اور بے خبر لوگوں کو فتنہ میں ڈال لیتے ہیں تو اس صورت میں ہم اپنے نفس پر واجب سمجھتے ہیں کہ حتی الوسع ان ناواقف لوگوں کو فتنہ سے بچائیں۔

آخر میں مَیں مضمون کو حضرت اقدس کی اس تہدید کے بعد ختم کروں گا اُمید ہے کہ نیک طینت احباب اس پر غور کرتے ہوئے اسکو حرز جان بنائیں گے۔

آپ نے عذاب طاعون سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے ایک الہام احافظ کل من فی الدار الا الذین علوا باستکبار یعنی دار کے اندر رہنے والوں کی حفاظت کروں گا سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے تکبر کے ساتھ علو کیا۔ کشتی نوح میں اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔ میں ہر ایسے شخص کو طاعون سے بچاؤں گا جو اس گھر کی چار دیواری میں ہو گا۔ بشرطیکہ وہ اپنے تمام مخالفانہ ارادوں سے دست کش ہو کر پورے اخلاص اور اطاعت اور انکسار سے سلسلہ بیعت میں داخل ہو اور خدا کے احکام اور اس کے مامور کے سامنے کسی طور سے متکبر اور سرکش اور مغرور اور غافل اور خود سر اور خود پسند نہ ہو اور عملی حالت موافق تعلیم رکھتا ہو

* * *

استجابتِ دُعا کی حقیقت پر

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی ایک بصیرت افروز تحریر

اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ تدبیر کی موجودگی میں دُعا کی کیا ضرورت ہے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

" سو ایسے سب صاحبوں کو واضح رہے کہ قانونِ قدرت اور صحیفۂ فطرت پر نظر ڈالنے سے ان تمام اوہام کا بڑی صفائی سے جواب ملتا ہے خدا کا قانونِ قدرت جو ہماری نظر کے سامنے ہے ہمیں بتلا رہا ہے کہ سلسلۂ تدابیر اور معالجات کا طلب اور استدعا سے وابستہ ہے۔ یعنی جب ہم فکر کے ذریعہ سے یا کسی اور طریق جستجو کے ذریعہ سے کسی تدبیر اور علاج کو طلب کرتے ہیں یا اگر ہم طلب کرنے میں احسن طریق کا ملکہ نہ رکھتے ہوں یا اگر اس میں کامل نہ ہوں تو مثلاً اس غور اور فکر کے لئے کسی ڈاکٹر کو منتخب کرتے ہیں اور وہ ہمارے لئے اپنی فکر اور غور کے وسیلہ سے کوئی احسن طریق ہماری شفا کا سوچتا ہے تب اس کو قانونِ قدرت کی حد کے اندر کوئی طریق سوجھ جاتا ہے جو کسی درجہ تک ہمارے لئے مفید ہوتا ہے۔ سو وہ طریق جو ذہن میں آتا ہے وہ درحقیقت اس خوض اور غور اور فکر اور توجہ کا نتیجہ ہوتا ہے جس کو ہم دُوسرے لفظوں میں دُعا کہہ سکتے ہیں کیونکہ فکر اور غور کے وقت جبکہ ہم ایک مخفی امر کی تلاش میں نہایت عمیق دریا میں اُتر کر ہاتھ پیر مارتے ہیں تو ہم ایسی حالت میں بہ زبانِ حال اُس اعلیٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں غرض جبکہ ہماری رُوح ایک چیز کے طلب کرنے میں بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدءِ فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئیں عاجز پاکر فکر کے ذریعہ سے کسی اور جگہ سے روشنی ڈھونڈتی ہے تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دُعا کی ایک حالت ہوتی ہے اسی دُعا کے ذریعہ سے دُنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دُعا ہی ہے اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اس کے ظہور میں آیا ہو ہمارا سوچنا ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلبِ امرِ مخفی کے لئے خیال کو دوڑانا یہ سب امورِ دُعا ہی میں داخل ہیں صرف فرق یہ ہے کہ عارفوں کی دُعا آدابِ معرفت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ اور اُن کی رُوح مبدءِ فیض کو شناخت کرکے بصیرت کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے۔ اور محجوبوں کی دعا صرف ایک سرگردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ سے ربطِ معرفت نہیں اور نہ اس پر یقین ہے وہ بھی فکر اور غور کے وسیلہ سے یہی چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات اُن کے دل میں پڑ جائے اور ایک عارف دُعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اس پر کھلے۔ لیکن محجوب جو خدا تعالیٰ سے ربط نہیں رکھتا وہ مبدءِ فیض کو نہیں جانتا اور عارف کی طرح اس کی طبیعت بھی سرگردانی کے وقت ایک اور جگہ سے مدد چاہتی ہے۔ اور اسی مدد کے پانے کے لئے وہ فکر کرتا ہے مگر عارف اس مبدء کو دیکھتا ہے اور یہ تاریکی میں چلتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد بھی دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ متفکر کے فکر کو بطورِ دُعا قرار دے کر بطور قبول دُعا اس علم کو فکر کرنے والے کے دل میں ڈالتا ہے۔ غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعہ سے دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا سے ہی آتا ہے۔ اور فکر کرنے والا اگرچہ نہ سمجھے مگر خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے سو آخر وہ خدا سے اس مطلب کو پاتا ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے یہ طریق طلب روشنی اگر علیٰ وجہ البصیرت اور ہادیِ حقیقی کی شناخت کے ساتھ ہو تو یہ عارفانہ دُعا ہے اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے یہ روشنی لامعلوم مبدء سے طلب کی جائے اور سوزِ حقیقی کی ذات پر کامل نظر نہ ہو تو وہ محجوبانہ دُعا ہے۔

دُعا اور تدبیر میں تناقض

اب اس تحقیق سے تو یہی ثابت ہوا کہ تدبیر کے پیدا ہونے سے پہلے مرتبہ دُعا کا ہے۔ جس کو قانونِ قدرت نے ہر ایک بشر کے لئے ایک امرِ لابدی اور ضروری ٹھہرا رکھا ہے۔ اور ہر ایک طالبِ مقصود کو طبعاً اس پل پر سے گذرنا پڑتا ہے پھر جائے شرم ہے کہ کوئی ایسا خیال کرے کہ دُعا اور تدبیر میں کوئی تناقض ہے دعا کرنے سے کیا مطلب ہوتا ہے۔ یہی تو ہوتا ہے کہ وہ عالم الغیب جس کو دقیق در دقیق تدبیریں معلوم ہیں کوئی احسن تدبیر دل میں ڈالے یا بوجہ خالقیت اور قدرت اپنی طرف سے پیدا کرے پھر دُعا اور تدبیر میں تناقض کیونکر ہوا؟

علاوہ اس کے جیسا کہ تدبیر اور دُعا کا باہمی رشتہ قانونِ قدرت کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے ایسا ہی صحیفۂ فطرت کی گواہی سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ انسانی طبائع کسی مصیبت کے وقت جس طرح تدبیر اور علاج کی طرف مشغول ہوتی ہیں ایسا ہی طبعی جوش سے دُعا اور صدقہ اور خیرات کی طرف جھک جاتی ہیں اگر دنیا کی تمام قوموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کسی قوم کا کانشنس اس متفق علیہا مسئلہ کے برخلاف ظاہر نہیں ہوا پس یہی ایک رُوحانی دلیل اس بات پر ہے کہ انسان کی شریعتِ باطنی نے بھی قدیم سے تمام قوموں کو یہی فتویٰ دیا ہے کہ وہ دُعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کریں بلکہ دُعا کے ذریعہ سے تدابیر کو تلاش کریں غرض دعا اور تدبیر انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہیں کہ جو قدیم سے اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے دو حقیقی بھائیوں کی طرح انسانی فطرت کے خادم چلے آتے ہیں۔ اور تدبیر دُعا کے لئے بطور نتیجہ ضروریہ کے اور دعا تدبیر کے لئے بطور محرک اور جاذب کے ہے اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ تدبیر کرنے سے پہلے دُعا کے ساتھ مبدءِ فیض سے مدد طلب کرے تا اس چشمۂ لازوال سے روشنی پاکر عمدہ تدبیریں میسر آسکیں۔"

(ہاں) استجابتِ دُعا کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کچھ دُعا میں مانگا گیا ہے وہ دیا جائے کیونکہ اگر استجابتِ دُعا کے یہی معنے ہوں کہ وہ سوال بہرحال پورا کردیا جائے تو دو مشکلیں پیش آتی ہیں اوّل یہ کہ ہزاروں دعائیں نہایت عاجزی اور اضطراری سے کی جاتی ہیں مگر سوال پورا نہیں ہوتا جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ دُعا قبول نہیں ہوئی حالانکہ خدا نے استجابتِ دُعا کا وعدہ کیا ہے۔ دُوسری یہ کہ جو امور ہونے والے ہیں وہ مقدر ہیں اور نہیں ہونے والے وہ بھی مقدر ہیں اُن مقدرات کے برخلاف ہرگز نہیں ہوسکتا پس اگر استجابتِ دُعا کے معنے سوال کا پورا کرنا قرار دیئے جائیں تو خدا کا یہ وعدہ کہ ادعونی استجب لکم ان سوالوں پر جن کا ہونا مقدر نہیں ہے صادق نہیں آسکتا یعنی ان معنوں کے رُو سے یہ عام وعدہ استجابتِ دُعا کا باطل ٹھہرے گا کیونکہ سوالوں کا وہی حصہ پورا کیا جاتا ہے جس کا پورا کیا جانا مقدر ہے لیکن استجابتِ دُعا کا وعدہ عام ہے جس میں کوئی بھی استثنا نہیں پھر جس حالت میں بعض آیتیں ظاہر کر رہی ہیں کہ جن چیزوں کا دیا جانا مقدر نہیں وہ ہرگز دی نہیں جاتیں اور بعض آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی دُعا رد نہیں ہوتی اور سب کی سب قبول کی جاتی ہیں اور نہ صرف اسی قدر بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کرلیا ہے جیسا کہ آیت ادعونی استجب لکم سے ظاہر ہے پھر اس تناقض اور تعارضِ آیات سے بجز اس کے کیونکر مخلصی حاصل ہو کہ استجابتِ دُعا سے عبادت کا قبول کرنا مراد لیا جائے یعنی یہ معنے کئے جائیں کہ دعا ایک عبادت ہے اور جب وہ دل سے اور خشوع و خضوع سے کی جائے تو اس کے قبول کرنے کا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ پس استجابتِ دعا کی حقیقت بجز اس کے کچھ اور نہیں کہ وہ دعا ایک عبادت متصور ہو کر اس پر ثواب مترتب ہوتا ہے ہاں اگر مقدر میں ایک چیز کا ملنا ہے اور اتفاقاً اس کے لئے دُعا بھی کی گئی تو وہ چیز مل جاتی ہے مگر نہ دعا سے بلکہ اس کا ملنا مقدر تھا اور دعا میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب دعا کرنے کے وقت خدا کی عظمت اور بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل میں جمایا جاتا ہے تو وہ خیال حرکت میں آکر ان تمام خیالات پر جن سے اضطرار پیدا ہوا ہے غالب ہو جاتا ہے اور انسان میں صبر اور استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور ایسی کیفیت کا دل میں پیدا ہو جانا لازمہ عبادت ہے اور یہی دُعا کا مستجاب ہونا ہے:۔

* * *

حدیثِ نبویؐ

* "نیکی کی دعوت دینے والا نیکی کرنے والے کی حیثیت رکھتا ہے۔"

تسلیم و رضا کے پیکر

درحقیقت ہیں وہی لائق ثنا کے واسطے
زندگی جو وقف کرتے ہیں خدا کے واسطے

دولتِ دنیا کو خاطر میں کبھی لاتے نہیں
خاک میں ملتے ہیں شانِ کبریا کے واسطے

علم رکھتے ہیں مگر کرتے نہیں اس پر غرور
رکھتے ہیں سجدے میں سر دائم دعا کے واسطے

ان کے اوقاتِ گرامی کے ہیں مالک اور لوگ
جیتے ہیں وہ اصل میں خلقِ خدا کے واسطے

اپنے بیماروں کی کرتے ہیں مسیحائی بھی وہ
فکر رکھتے ہیں دوا کے اور شفا کے واسطے

اُن کے دل میں ہے محبت، ان کی باتوں میں خلوص
رحمتِ حق ہیں وہ اخوان الصفا کے واسطے

کارزارِ زندگی میں ہے حجت اُن کی تیغ
سختیاں سہتے ہیں آئینِ وفا کے واسطے

ہے جوانی میں بھی عقل ان کی بڑھاپے سے سوا
خضر بن سکتے ہیں خود وہ رہنما کے واسطے

نوجوانی میں بھی ہیں وہ پاک دل اور پاکباز
زندگی اُن کی ہے زہد و اتقا کے واسطے

سر جھکاتے ہیں قضا و قدر کے احکام پر
رہتے ہیں تیار تسلیم و رضا کے واسطے

چشم پوشی کرتے ہیں احباب کے اعمال سے
آنکھ ہے ان کی بنی گویا حیا کے واسطے

عزم سے ٹلتے نہیں محنت سے کنیاتے نہیں
ہے روش ان کی نمونہ اصفیا کے واسطے

نام سے اُن کو غرض ہے اور نہ کچھ شہرت سے کام
کام جو کرتے ہیں۔ کرتے ہیں خدا کے واسطے

ولولہ ہے اُن کے دل میں خدمتِ اسلام کا
درد رکھتے ہیں وہ دینِ مصطفٰے کے واسطے

مولانا مصطفٰے خان صاحب

دعا اور صدقات بلا کو ٹال دیتے ہیں

قضائے معلق اور مبرم کا ماخذ اور پتہ قرآن کریم سے ملتا ہے یہ الفاظ گو نہیں مثلاً قرآن کریم میں فرمایا ہے ادعونی استجب لکم۔ ترجمہ: "دعا مانگو میں قبول کروں گا"۔ اب یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا قبول ہو سکتی ہے۔ اور دعا سے عذاب ٹل جاتا ہے اور ہزارہا کیا کل کام دعا سے نکلتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالےٰ کا کل چیزوں پر قادرانہ تصرف ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے پوشیدہ تصرفات کی لوگوں کو خبر ہو یا نہ ہو مگر صدہا تجربہ کاروں کے وسیع تجربے اور ہزارہا دردمندوں کی دعا کے صریح نتیجے بتلا رہے ہیں کہ اس کا ایک پوشیدہ اور مخفی تصرف ہے وہ جو چاہتا ہے محو کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اثبات کرتا ہے۔ ہمارے لئے یہ امر ضروری نہیں کہ ہم اس کی تہ تک پہنچنے اور اس کی کنہ اور کیفیت معلوم کرنے کی کوشش کریں جبکہ اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ ایک شے ہونے والی ہے اس لئے ہم کو جھگڑے اور مباحثے میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ خدا تعالےٰ نے انسان کے قضا و قدر کو مشروط بھی کر رکھا ہے۔ جو توبہ خشوع خضوع سے ٹل سکتی ہیں۔ جب کسی قسم کی تکلیف اور مصیبت انسان کو پہنچتی ہے تو وہ فطرتاً اور طبعاً اعمال حسنہ کی طرف رجوع کرتا ہے اپنے اندر ایک قلق اور کرب محسوس کرتا ہے۔ جو اسے بیدار کرتا اور نیکیوں کی طرف کھینچے لئے جاتا ہے اور گناہ سے ہٹاتا ہے جس طرح پر ہم ادویات کے اثر کو تجربے کے ذریعے سے پا لیتے ہیں اسی طرح پر ایک مضطرب الحال انسان جب خدا تعالےٰ کے آستانہ پر نہایت تذلل اور نیستی کے ساتھ گرتا ہے۔ اور ربی ربی کہہ کر اس کو پکارتا ہے اور دعائیں مانگتا ہے۔ تو وہ رویائے صالحہ یا الہام صحیحہ کے ذریعہ سے ایک بشارت اور تسلی پا لیتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ جب صبر اور صدق سے دعا انتہا کو پہنچے گی تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ دعا، صدقہ اور خیرات سے عذاب کا ٹلنا ایسی ثابت شدہ صداقت ہے جس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کا اتفاق ہے۔ اور کروڑہا صلحا اور اتقیا اور اولیاء اللہ کے ذاتی تجربے اس امر پر گواہ ہیں۔

نماز کی حقیقت

نماز کیا ہے؟ یہ ایک خاص دعا ہے مگر لوگ اس کو بادشاہوں کا ٹیکس سمجھتے ہیں۔ نادان اتنا نہیں جانتے کہ بھلا خدا تعالےٰ کو ان باتوں کی کیا حاجت ہے؟ اس کے غنائے ذاتی کو اس بات کی کیا حاجت ہے کہ انسان۔ دعا، تسبیح اور تہلیل میں مصروف رہے بلکہ اس میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ وہ اس طریق پر اپنے مطلب کو پہنچ جاتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ آجکل عبادت اور تقویٰ اور دینداری سے محبت نہیں ہے اس کی وجہ ایک عام زہریلا اثر رسم کا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی محبت سرد ہو رہی ہے۔ اور عبادت میں جس قسم کا مزہ آنا چاہیئے وہ مزہ نہیں آتا۔ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس میں لذت اور ایک خاص حظ اللہ تعالےٰ نے رکھا نہ ہو۔ جس طرح پر ایک مریض ایک عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ چیز کا مزہ نہیں اٹھا سکتا اور وہ اسے تلخ یا بالکل پھیکا سمجھتا ہے اسی طرح وہ لوگ جو عبادت الٰہی میں حظ اور لذت نہیں پاتے ان کو اپنی بیماری کا فکر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جیسا میں نے ابھی کہا ہے دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے کوئی نہ کوئی لذت نہ رکھی ہو۔ اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس عبادت میں اس کے لئے لذت اور سرور نہ ہو۔ لذت اور سرور تو ہے مگر اس سے حظ اٹھانے والا بھی تو ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

اب انسان جبکہ عبادت ہی کے لئے پیدا ہوا ہے ضروری ہے کہ عبادت میں لذت اور سرور بھی درجہ غایت کا رکھا ہو۔ اس بات کو ہم اپنے روزمرہ کے مشاہدہ اور تجربے سے خوب سمجھ سکتے ہیں مثلاً دیکھو اناج اور تمام خوردنی اور نوشیدنی اشیاء انسان کے لئے پیدا کئے ہیں تو کیا ان سے وہ ایک لذت اور حظ نہیں پاتا ہے؟ کیا اس ذائقہ مزے اور احساس کے لئے اس کے منہ میں زبان موجود نہیں۔ کیا وہ خوبصورت اشیاء دیکھ کر نباتات ہوں یا جمادات حیوانات ہوں یا انسان حظ نہیں پاتا؟ کیا دلخوش کن اور سریلی آوازوں سے اس کے کان محظوظ نہیں ہوتے؟ پھر کیا کوئی دلیل اور بھی اس امر کے اثبات کے لئے مطلوب ہے کہ عبادت میں لذت نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے عورت اور مرد کو جوڑا پیدا کیا اور مرد کو رغبت دی ہے اب اس میں زبردستی نہیں کی بلکہ ایک لذت بھی دکھلائی ہے۔ اگر محض توالد و تناسل ہی مقصود بالذات ہوتا تو مطلب پورا نہ ہو سکتا۔ عورت اور مرد کی برہنگی کی حالت میں ان کی غیرت قبول نہ کرتی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق پیدا کریں مگر اس میں ان کے لئے ایک حظ اور ایک لذت ہے۔ یہ حظ اور لذت اس درجہ تک پہنچی ہے کہ بعض کوتاہ اندیش انسان اولاد کی بھی پرواہ اور خیال نہیں کرتے بلکہ ان کو صرف حظ ہی سے کام اور غرض ہے۔ خدا تعالےٰ کی علت غائی بندوں کو پیدا کرنا تھا اور اس سبب کے لئے ایک تعلق عورت اور مرد میں قائم کیا۔ اور ضمناً اس میں ایک حظ رکھ دیا جو اکثر نادانوں کے لئے مقصود بالذات ہو گیا ہے۔ اسی طرح سے خوب سمجھ لو کہ عبادت بھی کوئی بوجھ اور ٹیکس نہیں اس میں بھی ایک لذت اور سرور ہے۔ اور یہ لذت اور سرور دنیا کی تمام لذتوں اور تمام حظوظ سے بالاتر ہے جیسے عورت اور مرد کے باہمی تعلقات میں ایک لذت ہے اور اس سے وہی بہرہ مند ہو سکتا ہے جو مرد اپنے قوائے صحیحہ رکھتا ہے۔ ایک نامرد اور مخنث وہ حظ نہیں پا سکتا اور جیسے ایک مریض کسی عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ غذا کی لذت سے محروم ہے۔ اسی طرح پر ہاں ٹھیک ایسا ہی وہ کمبخت انسان ہے جو عبادت الٰہی سے لذت نہیں پا سکتا۔

عورت اور مرد کا جوڑا تو باطل اور عارضی جوڑا ہے میں کہتا ہوں کہ حقیقی، ابدی اور لذت مجسم جو جوڑا ہے وہ انسان اور خدا تعالےٰ کا ہے مجھے سخت اضطراب ہوتا ہے اور کبھی کبھی یہ رنج میری جان کو کھانے لگتا ہے کہ ایک دن اگر کسی کو روٹی یا کھانے کا مزہ نہ آئے طبیب کے پاس جاتا ہے اور کیسی کیسی منتیں اور خوشامدیں کرتا۔ روپیہ خرچ کرتا دکھ اٹھاتا ہے کہ وہ مزہ حاصل ہو وہ نامراد جو اپنی بیوی سے لذت حاصل نہیں کر سکتا بعض اوقات گھبرا گھبرا کر خودکشی کے ارادے تک پہنچ جاتا اور اکثر موتیں اس قسم کی ہو جاتی ہیں مگر آہ! وہ مریض دل وہ نامراد کیوں کوشش نہیں کرتا جس کو عبادت میں لذت نہیں آتی؟ اس کی جان کیوں غم سے نڈھال نہیں ہو جاتی۔ دنیا اور اس کی خوشیوں کے لئے کیا کچھ کرتا ہے مگر ابدی اور حقیقی راحتوں کی نہ پیاس اور تڑپ نہیں پاتا کس قدر بے نصیب ہے۔ کیسا ہی محروم ہے!!

ترجمہ و ترتیب:۔ محمد شریف چوہدری

بلادِ غیر میں احمدیہ لٹریچر کی مقبولیت اور طلب

افضائے عالم سے آمدہ خطوط کی ایک جھلک

"میں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

۱۔ سرینگر کشمیر سے محمد سلیم رقمطراز ہیں:

پیارے جناب! السلام علیکم!

میں یہ چند سطور ہدیہ نذر کر رہا ہوں تاکہ آپ کے بین الاقوامی شہرت یافتہ ادارہ سے اسلام کی حقانیت اور سربلندی کے لئے دوستانہ روابط قائم کرسکوں۔

میں ایک یونیورسٹی کا طالب علم ہوں تاریخ فلسفہ میرا مضمون ہے گذشتہ دو سال سے مذہب اسلام پر جدید تحقیق کر رہا ہوں مختلف مفسرین محمد عبداللہ صاحب، پکتھال اور الطاف حسین کی تفاسیر کا مطالعہ کرچکا ہوں۔ میرے ایک استادِ محترم نے حضرت مولانا محمد علی لاہوری کی انگریزی ترجمہ قرآنی تفسیر کے مطالعہ کی مجھے خصوصی ہدایت فرمائی تھی۔ اس کا ایک نسخہ کے حصول کے لئے بہت کوشش کی یہاں تک کہ امریکہ کے ابوسلیمان صاحب کو بھی لکھا لیکن مایوسی ہوئی اس تفسیر بے نظیر کی اشد ضرورت ہے۔ براہ کرم ایک کاپی ارسال کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔ علاوہ ازیں ایسی کتب ضرور بھجوادیں جو میرے THESIS کے لئے مددگار ثابت ہوں۔ بعد از مطالعہ ان شاہکار کتب کو لائبریری جس کا میں ممبر ہوں کی زینت بنا دوں گا۔ آپ کی امداد ایک طالبعلم کے لئے بے حد باعث فخر ہوگی۔

۲۔ جناب عبد لطیفی مرکولائی صدر یونائیٹڈ مسلم آرگنائزیشن لائبیریا مقیم قاہرہ سے لکھتے ہیں

پیارے بھائی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ کا خط باعث مسرت و انبساط ہوا۔ شکریہ، آپ نے ہماری تنظیم اور میرے بارے میں دریافت کیا ہے میں قاہرہ میں طالبعلم ہوں۔ ہماری تنظیم بیس SUPPET کرتی ہے آپ کو معلوم ہے کہ لائبیریا ایک عربی ملک نہیں ہے۔ ہم انگریزی زبان بولتے اور سمجھتے ہیں جہاں تک ہماری تنظیم کا تعلق ہے لائبیریا کے مختلف شہروں میں اس کی برانچیں ہیں، ۱۷ اسکول زیر انتظام ہیں جہاں مسلمان بچوں کو عربی اور انگریزی کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ اس تنظیم میں مشائخ کا ایک خاص گروہ ہے جو لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ یہ گروہ ایک طویل عرصے اشاعتِ اسلام کا اہم فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ اور غیر مسلموں اور گمراہ لوگوں کو راہ راست پر لانے میں اس گروہ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہماری تنظیم نے قلیل مدت میں جو بے پناہ ترقی اور مقبولیت حاصل کی ہے اس کا اندازہ آپ اس سے بخوبی لگا سکتے ہیں کہ اس وقت ہمارے ممبران کی تعداد پانچ ہزار سے زائد ہے۔ اس تنظیم کی مجلس منتظمہ کے ممبران کی فہرست ارسالِ خدمت ہے۔ تمام پاکستانی مسلمان بھائیوں کو سلام پہنچا دیں بے حد مشکور رہوں گا۔

۳۔ گھانا مغربی افریقہ سے جناب اسماعیل صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

پیارے اسلامی بھائی! السلام علیکم!

آپ کا مرسلہ قیمتی کتب کا رجسٹرڈ پیکٹ موصول ہوا۔ بے حد دلی مسرت ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ شکریہ۔ افسوس ہے کہ دورانِ سفر ایک قیمتی کتاب آف دی کراس، جسے ممتاز احمد فاروقی صاحب نے تصنیف کیا ہے خراب ہوگئی ہے۔ بے حد مہربانی ہوگی اگر یہ کتاب آپ دوبارہ بھجوا دیں۔ علاوہ ازیں درج ذیل کتب بھی ارسال کر دیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انگریزی ترجمہ قرآن، مسنون دعائیں انگریزی۔

۴۔ لاگوس نائجیریا سے جناب کمال الدین تحریر کرتے ہیں۔

جنابِ من۔ آپ کے ادارہ جس کا منشور عظمت اسلام ہے۔ سے بغرض حصول کتب دینی و اسلامی رجوع کر رہا ہوں۔ آپ کا پتہ ایک کتاب کے ٹائیٹل سے معلوم ہوا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا آپ بے شمار معیاری کتب دینی و رسالہ جات شائع کرتے ہیں اور تمام دُنیا میں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ مجھے زیادہ سے زیادہ کتب و رسالہ جات بھجوا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

۵۔ فلپائن سے حاجی یوسف لاجرانی صاحب لکھتے ہیں۔

پیارے اسلامی بھائی۔ معذرت خواہ ہوں کہ آپ کے مرسلہ کتب کا پیکٹ جس وقت پہنچا میں ۲ ماہ کے لئے گیا ہوا تھا۔ محکمہ ڈاک خط یا پارسل کو ۲ ماہ سے زائد عرصہ تک نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے یہ پیکٹ واپس بھیج دیا گیا۔ اب آپ سے احتراماً اپیل ہے کہ یہ کتب دوبارہ ارسال کر دیں۔ میں اور دیگر احباب خانہ آپ کے مشکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم دیگا چونکہ یہ کتب ہمارے ہاں مقامی کتب فروش سے دستیاب نہیں اس لئے مشکلات سے دوچار ہوں۔ از راہ کرم مجھے اپنے ادارہ کا رکن بنا لیجئے میں پُرامن ذرائع۔ اخوت، محبت کے ذریعے سے آپ کے مسلک کی تبلیغ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

۶۔ گھانا مغربی افریقہ سے الحاج یعقوب لکھتے ہیں۔

محترم برادر اسلامی! السلام علیکم!

آپ کا مرسلہ خط مورخہ ۲/۳/۸۳ پیشِ نظر ہے۔ میں کتنا خوش نصیب انسان ہوں کہ آپ نے مجھے خط کے جواب سے نوازا۔ کتب جو آپ نے بہ عنایت خاص بھجوائی ہیں ابھی تک موصول نہیں ہوئیں۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا اور اب پھر ملتمس ہوں کہ مجھے حضرت مولانا محمد علی کی انگریزی تفسیر قرآن مجید کی ضرورت ہے۔ امید ہے آپ میری اس درخواست کو قبولیت کا شرف بخشیں گے۔ قرآنِ پاک کی ویسے تو ہر وقت ضرورت رہتی ہے لیکن رمضان میں تو خصوصاً اس کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا ایک نسخہ جلد از جلد بھجوا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

باہتمام الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ یکم جون ۱۹۸۳ء۔ جلد ۷۰ شمارہ ۲۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰی ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۵۳۸

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۸۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالروف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہام حضرت مسیح موعود

جلد: ۷۰ | یوم چہار شنبہ | ۲۵ شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ بمطابق ۸ جون ۱۹۸۳ء | شمارہ ۲۳

(ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم)

روزہ سے تزکیۂ نفس ہوتا اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں

روزہ دار کو چاہئے

کہ خدا تعالےٰ کے ذکر میں مصروف رہے

... پھر تیسری بات جو اسلام کا رکن ہے وہ روزہ ہے۔ روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اُس کے حالات کیا بیان کرے۔ روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی ایک حقیقت اور اس کا ایک اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جسقدر کم کھاتا ہے تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالےٰ کا منشاء اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔

ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدنظر رکھنا چاہیئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے، بلکہ اُسے چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کے ذکر میں مصروف رہے تاکہ تبتّل اور انقطاع حاصل ہو جائے۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے۔ جو رُوح کی تسلّی اور سیری کا باعث ہے۔ اور جو لوگ محض خُدا کے لئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں۔

لیلۃ القدر کی فضیلت

لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کیا کرو

عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یجاور فی العشر الاواخر من رمضان ویقول تحرّوا لیلۃ القدر فی العشر الاواخر من رمضان۔

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے اور فرمایا کرتے تھے لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کیا کرو۔

عن عائشۃ قالت کان النبیّ صلے اللہ علیہ وسلّم اذا دخل العشر شدّ مئزرہ واحیا لیلہٗ وایقظ اھلہٗ

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب (آخری) عشرہ آجاتا تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم اپنی کمر مضبوط باندھ لیتے۔ رات کو جاگتے اور گھر والوں کو جگاتے۔

صحابہ کرامؓ رضی اللہ عنہم کا شوقِ عبادت

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم
خاکے شوم و زیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی
ہم بہر تو میرم و ہم برائے تو زیم

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں جن لوگوں نے انتہائی ذوق وشوق سے اپنے خالق سے محبت کی اور اس کے دروازے پر سجدہ ریز ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ ان میں ممتاز ترین مقام کے حامل تھے۔ انہیں اپنے مولا سے عشق تھا اور اپنے پیارے نبی کے اسوۂ حسنہ کی اتباع ان کے لئے تسکین کا موجب تھی۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے: خذوا زینتکم عند کل مسجد۔ ہر نماز کے وقت پاکیزگی اور زینت اختیار کرو۔ اور صحابہ کرامؓ نے سختی سے اس کا التزام کیا۔

اللہ تعالےٰ نے ابتدا ہی میں نماز سے پہلے وضو فرض کر دیا تھا گو بعد میں ایک وضو سے ایک سے زیادہ نمازوں کی اجازت مل گئی تاہم اکثر صحابہ بدستور سابق ہر نماز سے پہلے تازہ وضو کرتے اور وضو کرتے وقت ہر گونہ حدود کو ملحوظ رکھتے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرتے اور بعض صحابہ تو ہر وقت باوضو رہتے۔ چنانچہ حضرت عدیؓ بن حاتم فرماتے ہیں۔

"جب سے میں اسلام لایا ہر نماز کے لئے باوضو رہتا"

ایک بار آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ "کل تم مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہو گئے" بولے یا رسول اللہ میرا معمول ہے کہ جب اذان کہتا ہوں تو دو رکعت نماز لازمی طور پر پڑھ لیتا ہوں۔ اور جب وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس وقت وضو کر لیتا ہوں۔

مسواک کی پابندی

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پنجوقتہ مسواک کرتے تھے آپ کا ارشاد تھا کہ اگر امت پر گراں نہ گزرتا تو میں ہر نماز سے قبل مسواک کی تاکید کرتا۔ اصحاب رسولؓ کے لئے اشارہ کافی تھا چنانچہ جہاں وہ وضو نہایت خوبصورت طریق سے کرتے وہاں مسواک کا بھی التزام فرماتے۔ حضرت زید بن ارقمؓ ہر وقت مسواک قلم کی طرح کان پر رکھتے تھے۔

نماز پنجگانہ

اصحاب رسولؐ نے نماز کو اپنی خواہشات کا ہدف نہیں بنا رکھا تھا۔ کہ مختلف حیلوں سے ان پابندیوں کو ترک کر دیتے جو حضورؐ نے عائد کی تھیں۔ چنانچہ وہ ہمیشہ نماز باجماعت ادا کرتے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب نماز کھڑی ہوتی تو صحابہ کرام اس تیزی سے لپکتے کہ شور سا ہو جاتا۔ اور وہ ہر قسم کا کاروبار چھوڑ کر اپنے پالنے والے کی بارگاہ میں عاجزانہ حاضری دیتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ میں بازار میں تھا کہ نماز کا وقت آ گیا۔ تمام صحابہ دکانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے انہی کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:۔

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله

صحابہ کرام ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت ذکر الٰہی سے نہیں روکتی۔

رسول پاک کے یہ شیدائی سخت سے سخت تکلیف میں بھی نماز ترک نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس رات کی صبح کو لوگوں نے نماز کے وقت جگایا تو بولے۔ ہاں جو شخص نماز چھوڑ دے اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ چنانچہ زخمی ہونے کے باوجود آپ نے نماز ادا کی۔

نمازِ جمعہ

آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق صحابہ کرام جمعہ کے روز غسل فرماتے۔ صاف لباس پہنتے۔ خوشبو لگاتے اور وقت پر مسجد میں تشریف لے جاتے اور اذا نودي للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله کی تعمیل میں وقت پر مسجد میں پہنچتے اور دنیوی باتوں کی بجائے ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ جب کہ اس زمانے میں اکثر لوگ حکم الٰہی کو نظر انداز کر کے عین جماعت کے وقت مسجد میں پہنچتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ خدا کی نافرمانی کے باوجود ہم نے حکم خداوندی کی تعمیل کر لی ہے۔ انہی کے متعلق قرآن فرماتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے اپنی خواہشات کو معبود بنا رکھا ہے۔

• صحابہ کرام جمعہ کے روز نہانے کو غسل جنابت کی طرح ضروری جانتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ غسل اور خوشبو کے بغیر مسجد نہ جاتے تھے۔ ایک بار حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ آئے تو آپ نے دیر سے آنے پر باز پرس کی انہوں نے کہا کہ بازار سے ابھی ابھی آیا تھا چنانچہ صرف وضو کر کے چلا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز محض وضو کرنا قابل اعتراض ہے۔ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو غسل کی تاکید فرماتے تھے۔

نمازِ اشراق

صحابہ کرامؓ نوافل بڑی پابندی اور اشتیاق سے ادا کرتے تھے حتیٰ کہ سفر میں بھی سواری پر ادا کرتے تھے۔ آنحضرت اشراق پڑھتے بھی تھے اور مشورہ بھی دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اشراق پڑھتے تو نہیں دیکھا لیکن میں باقاعدہ ادا کرتی ہوں کیونکہ آپ اکثر پڑھتے تو نہ تھے کہ امت پر فرض نہ ہو جائے لیکن پسند فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو داؤدؓ کو آپ نے اشراق کی تلقین فرمائی تھی چنانچہ وہ پابندی سے ادا کرتے تھے۔

نمازِ تہجد

سورہ مزمل میں مذکور ہے کہ ان ربك يعلم انك تقوم ادنى من ثلثي الليل ونصفه وثلثه وطائفة من الذين معك۔ جس سے عیاں ہے کہ صحابہ کرام کا ایک گروہ آپ کی طرح تہجد گزار تھا۔ ایک بار ایک صحابی نے تہجد میں بلند آواز سے قرأت کی تو آپ خوش ہوئے کہ اس سے مجھے کئی ایک آیات یاد دلا دیں۔ ایک بار آپ کے ساتھ بہت سے صحابہ معتکف تھے قرأت کی آواز بلند ہوئی تو آپ نے پردہ ہٹا کر فرمایا "تم میں سے ہر شخص خدا کے ساتھ سرگوشی کر رہا ہے۔ اتنا نہ چلاؤ کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچے۔

صحابہ کرامؓ نہ صرف خود راتوں کو نمازیں پڑھتے تھے بلکہ بال بچوں کو بھی جگا کر شریک کر لیتے تھے۔ ایک رات آپ گھر سے نکلے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ پست آواز سے قرأت کر رہے ہیں۔ چند قدم آگے گئے حضرت عمرؓ بلند آواز سے محو قرأت تھے۔ دونوں بزرگ آپ کے پاس آئے تو پوچھا۔ ابوبکر تمہاری قرأت پست آواز میں تھی۔ عرض کیا میں خدا سے سرگوشی کر رہا تھا۔ میری آواز خدا تک پہنچ گئی۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں فرمایا۔ یا رسول اللہ! میں سونے والوں کو جگاتا اور شیطان کو دُور کرتا ہوں"

حضرت عمرؓ رات کو اٹھتے تو یہ آیت پڑھ کر اہل وعیال کو جگاتے:۔

وامر اهلك بالصلوة واصطبر عليها
لا نسئلك رزقا نحن نرزقك ۰
والعاقبة للتقوى ۰

اپنے اہل کو نماز کا حکم دے اور اس پر اصرار کر۔ ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے۔ ہم تو تجھے رزق دیتے ہیں اور انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے:۔۔۔۔

* * * *

حدیث نبویؐ:۔

"تم میں مجھے زیادہ وہ محبوب ہے جس کا اخلاق اچھا ہے"

از قلم:۔ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب، لاہور

درس قرآن ـــ سبق نمبر (۴۳)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

ترجمہ:۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے یا اُسے چھپاؤ اللہ اس کا تم سے حساب لے گا۔ پھر وہ جس کو چاہے مغفرت کرے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۃ البقرۃ ۲ - ۲۸۴)

میں پچھلے درس میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر کچھ کر آیا ہوں۔ مگر ابھی ایک باریک تر تفسیر باقی ہے۔ اس رکوع کی عظمت کا ذکر میں پچھلے درس میں کر چکا ہوں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ حضورؐ کو دو چیزیں دی گئی ہیں جو کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔ ایک تو سورۃ فاتحہ اور دوسرے سورۃ لبقرۃ کا آخری رکوع جس کی پہلی آیت پر میں نے پچھلا سارا درس صرف کیا مگر ابھی اس کی تفسیر ختم نہیں ہوئی۔ پچھلے درس کو تو میں نہیں دہراؤں گا۔ اس لئے جن صاحبان نے اُسے نہیں سُنا یا نہیں پڑھا وہ مہربانی کر کے اُسے خود دیکھ لیں تاکہ وہ اس عظیم الشان رکوع کے پورے علم و معرفت سے مستفیض ہو سکیں۔

آج کی آیت میں دو باتیں فرمائی ہیں۔ اول تو یہ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے اُس پہ تو کوئی انسان دعوٰی نہیں کر سکتا کہ وہ اس کی ملکیت ہے۔ زمین میں بھی تو انسان ماں کے پیٹ سے خالی ہاتھ آتا ہے اور خالی ہاتھ ہی قبر میں جا لیٹتا ہے۔ جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہی ہے جس نے سب کچھ بنایا ہے جیسا کہ میں پچھلے درس میں تفصیل سے بتا آیا ہوں۔ دوسری بات یہ فرمائی تھی کہ جو کچھ تمہارے نفس میں ہے اُسے خواہ تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا محاسبہ کریگا۔ انسان کے نفس کے بارہ میں انسان کی جوابدہی ہے۔ اس علم و معرفت سے بھرے رکوع کو سمجھنے کے لئے ذرا پچھلے یعنے سورۃ لبقرۃ کے اُنتالیسویں رکوع پہ نظر ڈالیں۔ وہاں دو چار باتیں بنیادی فرمائی ہیں کہ:۔

۱۔ جب تم ایک دوسرے کو قرض دو تو قرض کی واپسی کی مدت مقرر کر کے اُسے لکھ لیا کرو۔
۲۔ قرضہ کی تحریر کے بارہ میں دو گواہ کر لیا کرو۔
۳۔ حالت سفر میں لکھنے والا نہ ملے تو امانت دے کر قرض لے لیا کرو یا دیدیا کرو۔

اب ہم آج کے درس کی آیت کو دیکھتے ہیں تو وہاں فرمایا ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں یا زمین میں ہے وہ اللہ کا ہے جس نے اُن سب چیزوں کو بنایا ہے۔ انسان تو خالی ہاتھ اس دنیا میں آتا ہے اور خالی ہاتھ چلا جاتا ہے۔ اُسے جو کچھ اللہ تعالےٰ دیتا ہے وہ بطور قرض ہے۔ پچھلے رکوع میں فرمایا تھا کہ جو کچھ قرض دو اس کی مدت مقرر کر کے لکھ لیا کرو۔ اسی طرح جو کچھ اللہ تعالیٰ انسان کو دیتا ہے اس کی مدت مقرر کر کے لکھ دیتا ہے جیسا کہ فرمایا وماکان لنفسٍ ان تموت الّا باذن اللّٰہ کتٰبًا مّؤجلًا ؕ (آل عمران ۳ - ۱۴۵) یعنے کسی نفس کے لئے ممکن نہیں کہ وہ مر جائے سوائے اللہ کے اذن (یعنے اجازت یا حکم) کے اس کا وقت مقرر کر کے لکھ دیا جاتا ہے۔ الغرض انسان کی عمر جس کی مدت کو مقرر کر کے لکھ دیا جاتا ہے اُس وقت مقررہ کے لئے انسان کو جو کچھ اس دنیا میں ملتا ہے وہ بطور قرض ملتا ہے جس کے حساب کتاب کے لئے وہ اللہ تعالےٰ کے آگے جوابدہ ہے۔ پھر جن شرائط پر انسان کو دنیا کی چیزیں بطور قرض دی جاتی ہیں وہ اس کتاب الٰہی میں ہوتی ہیں جو اللہ تعالےٰ نے ہر قوم میں نازل کی اور جن شرائط کو قرآن کریم میں لکھ کر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ الٰہی کتابوں کو قبول کرنے کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔ اسی طرح اگر پچھلے رکوع میں فرمایا تھا کہ قرض کی تحریر (جس کے لئے عربی کا لفظ کتاب ہے) پر دو گواہ رکھ لیا کرو۔ اسی طرح انسان کو جو اس زندگی میں بطور قرض دیا جاتا ہے اس کی تحریر پر بھی دو گواہ ہیں ایک تو فرشتہ جو اس کتاب کو اللہ تعالےٰ سے لایا اور دوسرا نبی (صلعم) جس نے اُس کتاب کو لوگوں تک پہنچایا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آگے فرمایا لٰکن اللّٰہ یشھد بمآ انزل الیک انزلہٗ بعلمہٖ ج والملٰٓئکۃ یشھدون (النسآء ۴ - ۱۶۶) جہاں کتاب کے نزول پر فرشتوں کی گواہی کا ذکر ہے اور رسولوں کی گواہی کا یُوں ذکر فرمایا فکیف اذا جئنا من کل اُمّۃٍ بشھیدٍ وّ جئنا بک علٰی ھٰٓؤلآءِ شھیدًا "یعنے اُس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر اُمّت سے گواہ لائیں گے اور تجھ کو اُن پر گواہ لائیں گے۔" (النسآء ۴ - ۴۱)۔ چونکہ انسان کو جو کچھ اس دنیا میں ملتا ہے اُس کا اُسے حساب دینا ہو گا۔ اسی لئے رسول اللہ صلعم نے ایک دفعہ فرمایا قد خسروا قد خسروا تو ایک صحابی نے فرمایا من ھم یا رسول اللّٰہ تو آپؐ نے جواب دیا۔ الاکثرون بالمال الا من قال ھٰکذا و ھٰکذا و ھٰکذا یعنے جب رسول اللہ صلعم نے فرمایا "گھاٹے میں ہیں، گھاٹے میں ہیں" تو ایک صحابی نے پوچھا "کون لوگ یا رسول اللہ"، تو حضورؐ نے فرمایا "زیادہ مال والے، سوائے اس کے جو کہے یہ بھی خُدا کے راستہ میں لے جاؤ، یہ بھی لے جاؤ اور یہ بھی لے جاؤ"۔ اور اللہ تعالےٰ نے قرآن میں متعدد جگہ اس جوابدہی کا ذکر فرمایا ہے اُن میں سے ایک حوالہ کافی ہو گا۔ فرمایا ثم لتسئلن یومئذٍ عن النّعیم یعنے قیامت کے دن تم سے ضرور بالضرور سوال کیا جائیگا اُن نعمتوں کے بارہ میں جو اللہ تعالےٰ نے تم کو دیں (التکاثر ۱۰۲ - ۸) اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں انسان کو دی ہیں انہیں کون گن سکتا ہے جیسا کہ فرمایا وان تعدّوا نعمت اللّٰہ لا تحصوھا (ابراہیم ۱۴ - ۳۴) مگر جن نعمتوں کی خاص جوابدہی کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے وہ انسان کے اعضاء ہیں یعنے ہاتھ پاؤں، زبان، آنکھ وغیرہ کہ انسان نے انہیں کیسے استعمال کیا (اچھے کاموں کے لئے یا بُرے کاموں کے لئے) اور انسان کو جو دولت یا حکومت یا عمر یا علوم دیئے گئے انہیں انسانوں کی خدمت کے لئے یا اللہ تعالیٰ خدمت کے لئے استعمال کیا یا صرف اپنے نفس کے لئے یا بیوی بچوں کے لئے کہ یہ تو حیوانی سٹیج ہے کہ ہر حیوان اپنے لئے اور اپنے بیوی بچوں کے لئے سب کچھ کرتا ہے

انسان کی جوابدہی کا مضمون بہت وسیع ہے جس کے لئے میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ خود قرآن کریم کو باترجمہ پڑھیں جس میں ان باتوں کی تفصیل عام فہم انداز میں موجود ہے۔

... آنحضرت جو کچھ لئے گئے ہے ذکر ہے وہاں تو لفظ رُوح آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو فرمانے کا ذکر ہے فاذا سوّیتہٗ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہٗ سٰجدین ۝ (الحجر ۱۵۔ ۲۹) یعنے جب میں انسان کو ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اس میں اپنی رُوح پھونکوں تو تم اس کے فرمانبردار ہو جانا۔ مگر اس ابتدائی پیدائش کے بعد کہیں قرآن حکیم میں لفظ رُوح انسان کے لئے نہیں آیا بلکہ ہمیشہ لفظ نفس آیا ہے۔ یہاں تک کہ موت بھی اسی نفس پر آتی ہے جیسا کہ فرمایا وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ (آل عمران ۳۔ ۱۴۵) جس کی تفسیر میں اوپر کر آیا ہوں۔ اور قیامت کے دن بھی یہی نفس اللہ تعالیٰ کے آگے حاضر کیا جائے گا جیسا کہ فرمایا وجاءت کلّ نفسٍ معہا سآئقٌ وّشہیدٌ (ق ۵۰۔ ۲۱) اور یہی "نفس" جس کو مرنے کے بعد دوسرا جسم دیا جائے گا جنّت یا جہنّم میں بھی جائے گا۔ الغرض اس زمین میں جو کچھ ملتا ہے وہ بھی اسی نفس کو ملتا ہے اور اگلے جہانوں میں آسمانوں میں جو کچھ دیا جائے گا وہ بھی اسی نفس کو دیا جائیگا۔ اس حقیقت کی روشنی میں آپ آج کی آیت کے الفاظ کو دوبارہ دیکھیں کہ فرمایا "جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے وہ اللہ کا ہی ہے۔" اسی لئے وہی انسان کو دینے والا ہے۔ آگے نفسِ انسانی کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ اس دنیا میں اور آخرت میں قدرِ مشترک ہے جسے انگریزی میں COMMON BACTOR کہتے ہیں۔

وہ رُوح جو پیدائش کے وقت انسان میں رکھی جاتی ہے وہ ان تمام حالتوں میں سے جن میں سے انسان گذرتا ہے یعنے بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا، صحت، بیماریاں، خوشیاں، غم اور پریشانیاں، علم یا دولت یا دنیا کی دوسری چیزوں کے لئے انسان کی محنت یا بھاگ دوڑ، انسان کے نیک عمل یا بدعمل، کوشش یا کاہلی۔ وقت کو مفید کاموں میں لگانا یا ضائع کرنا۔ اچھی باتیں کرنا یا بُری باتیں کرنا، بلکہ اچھے خیالات دل میں رکھنا یا بُرے خیالات رکھنا، الغرض ان تمام چیزوں سے متاثر ہو کر وہ روح ایک نفس یا شخصیت یا PERSONALITY بن جاتی ہے۔ تو انسان نے جو اچھے یا بُرے عمل کئے اُن کا عکس اس نفس پر ہوتا ہے۔ اسی لئے آج کی آیت مبارکہ میں فرمایا کہ چاہے تم اپنے نفس میں جو کچھ ہے اُسے ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لیگا۔

میں نے اس نفس کے لئے کہا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہوتی ہے جو موت کے وقت اللہ تعالیٰ واپس لے لیتا ہے۔ اس امانت کا ہم نے کیا حال کیا اس کے لئے انسان اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہ ہے۔ لفظ امانت "امن" سے ہے جس کے معنے ہیں "نفسِ انسانی کا اطمینان پا لینا اور حالتِ خوف کا جاتے رہنا۔" تو ہم اللہ تعالیٰ کی امانت کا تب حق ادا کرتے ہیں جب ہمارا نفس نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے۔ یعنے وہ نفس جو اطمینان پا گیا اور خوف یا حُزن اُس میں نہیں رہا۔ اسی لئے مومنوں کے لئے آتا ہے لاخوفٌ علیہم ولا ہم یحزنون "خوف" کسی چیز سے پہلے ہوتا ہے اور "حُزن" اس چیز کے ہو جانے کے بعد ہوتا ہے۔ مثلاً جھوٹ بول کر انسان کے دل میں خوف پیدا ہو جاتا ہے کہ میں پکڑا نہ جاؤں اور جب وہ پکڑا جاتا ہے تو پھر حُزن اور غم پیدا ہوتا ہے۔ تو مومن کے قلب کو ان تکلیف دہ چیزوں سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ گناہ یا بدی تو کرتا ہی نہیں اور مصیبتوں میں جو نیکوں کو بھی آتی ہے ... کہا ہے یعنے انسان کا نفس جو کچھ اُسے حکم دیتا ہے وہ اُسے بغیر سوچے سمجھے کر گذرتا ہے یہ حیوانی سٹیج ہے کہ حیوان کو بھی جو اس کا دل جذبات اور خواہشات کے جوش سے کرنے کو کہتا ہے وہ کر گذرتا ہے۔ اس میں بُرائیاں انسان سے سرزد ہو جاتی ہیں جیسا کہ فرمایا ان النفس لامّارۃٌ بالسّوٓء الا ما رحم ربّی (یوسف ۱۲۔ ۵۳) یعنے نفس امّارہ تو بُرائی کا حکم دیتا ہے سوائے اُن لوگوں کے جن پر اللہ رحم فرمائے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کی ہدایت پا کر انسان اپنے نفس کی اصلاح شروع کرتا ہے اس کی بُرائیوں پر ملامت کرتے ہوئے تو اُسے قرآن حکیم نے نفسِ لوّامہ کہا ہے یعنے ملامت کرنے والا نفس۔ حیوان کبھی اپنے نفس کو ملامت نہیں کرتا۔ اس سٹیج کو انسانی یا اخلاقی سٹیج حضرت موصوف نے کہا کہ اس سٹیج پر انسان حیوانی سٹیج سے اُٹھ کر انسانی یا اخلاقی خوبیاں پاتا ہے۔ اور تیسری اور آخری سٹیج کو قرآن حکیم نے نفسِ مطمئنہ کہا ہے۔ جیسا کہ فرمایا یٰاَیّتُہا النفس المطمئنّۃُ ۝ ارجعی الیٰ ربّکِ راضیۃً مّرضیّۃً ۝ فادخلی فی عبادی وادخلی جنّتی (الفجر ۸۹۔ ۲۷ تا ۳۰) یعنے "اے نفس جو اطمینان پا گیا اپنے رب کی طرف لوٹ آ، تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنّت میں داخل ہو جا۔" یہ روحانی سٹیج ہے کہ انسان کے نفس پر روحانی اور اخلاقی قدریں ایسی مضبوط ہو جاتی ہیں کہ اس کے اندر سے نیکی اور بدی کی کشمکش جو نفسِ لوّامہ کی حالت میں تھی وہ ختم ہو جاتی ہے اور وہ اسی دنیا میں دل کی جنّت میں اور مرنے کے بعد آخرت کی جنّت میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو اس امانت یعنے رُوح کا حق جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر پھونکی تھی تب پورا ہوتا ہے کہ وہ نفسِ مطمئنہ بن جائے۔

اس امانت کا ذکر قرآن میں بھی دوسری جگہ آیا ہے جسے میں انشاء اللہ اگلے درس میں عرض کروں گا۔

باقی آئندہ

علاماتُ المقربین

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار + جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب + کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اسے دے چکے مال و جاں بار بار + ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے + وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(نشانِ آسمانی ص ۴۶)

محترم محمد اسلم رانا صاحب،

ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کے مضامین کا ایک مطالعہ

محترم رانا صاحب (جو کہ مرکز تحقیق مسیحیت" میں اسلامی خدمات انجام دے رہے ہیں) کے مراسلے کو ہم بعض مجبوریوں کے تحت تاخیر سے شائع کر رہے ہیں۔ ہم ان کی علمی معلومات اور مذہبی لگاؤ کی قدر کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ وہ آئندہ بھی اپنے قیمتی اور مفید مشوروں سے قارئین پیغام صلح کو مستفید فرماتے رہیں گے۔ (ادارہ)

"پیغام صلح" میں ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کے شائع ہونے والے مضامین پڑھ کر حق تعالیٰ اور توحید الٰہی پر ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ مورخہ ۱۷۔ نومبر ۸۲ء کے پرچہ میں موصوف نے کلام پاک کی دعوت توحید یا اھل الکتاب تعالوا ...... ان لا نعبد الا اللہ کہ آؤ اے اہل کتاب خدا کی توحید کے اصول پر جمع ہو جاویں کو بی بی سی کے پروگرام سے بطریق احسن نبھایا ہے جبکہ دنیاوی امور میں دنیا میں عالمگیر پیمانہ پر تحریکیں جاری ہو چکنے کی درخشندہ مثالیں دے کر مذاہب کے عالمگیر اجتماع کی ضرورت اور اسلام میں اس ضرورت کو پورا کرنے کی اہلیت خوب خوب جتائی ہے کہ پڑھ کر رُوح وجد میں آگئی۔ آجکل دنیا رنگ نسل اور وطن کے بتوں کی پوجا پاٹ میں مصروف ہو کر جنگ و جدال کا اکھاڑہ بن کر رہ گئی ہے۔ بدامنی کا دور دورہ ہے۔ بھوک ننگ کے عفریت دنیا کو آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ اہل دل حضرات ان دُکھوں کے مداوا کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ کاش ان کو بتایا جائے کہ تم جس نسخہ کیمیا کی تلاش میں ہو اُسے آزمایا جا چکا ہے اب پھر برت کے دیکھ لو۔ تاریخ بفضلہٖ تعالیٰ اپنے آپ کو دہرانے کے زریں اصول پر پوری اترے گی۔ قدیم تہذیبوں کے ایک عالمی ماہر پروفیسر ڈاکٹر جا ٹلڈ، اسلام کی شان میں رطب اللسان ہیں "اسلام نے دنیا کی ایک کثیر آبادی کو اتحاد امن اور خوشحالی بخشی"

عام طور پر سائنس اور مذہب ایک دوسرے کی ضد خیال کئے جاتے ہیں جو کہ غلط ہے کیونکہ سائنس صرف محسوسات ہی کا مطالعہ کرسکتی ہے جہاں سائنس ختم ہو جائے وہاں سے مذہب یعنی روحانیت اور خدا پرستی کی حد شروع ہوتی ہے۔ سائنسدانوں کا خدا کی ہستی پر ایمان اور اس کے وجود پر دلائل دینا عین قانون فطرت ہے۔ کیونکہ سائنس مطالعہ کائنات کا علم ہے جو خود بخود ایک صانع کی موجودگی کا احساس دلاتا ہے کیوں کیسے اور کہاں ایسے سوالات یعنی غور و تدبر سائنس کی بنیاد ہیں جن کی دعوت قرآن نے دی ہے۔ ۳۰ مارچ کے شمارہ میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے قرآن پاک میں سے ایسی آیات محنت سے چھانٹی ہیں۔

۱۴۰۰ برس قبل قرآن کریم کی طرف سے پیش کئے جانے والے پانچ قوانین قدرت جن پر بعد کی سائنسی تحقیقات نے مہر تصدیق ثبت کی ہے ڈاکٹر صاحب نے خوب پیش کئے ہیں۔ فرانس کے مشہور سائنسدان لیوائزلے نے ۱۷۸۹ء میں یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ مادہ فنا پذیر نہیں ہے وہ اپنی شکل بدلتا رہتا ہے مگر جدید ایٹمی سائنس نے اس مسلمہ قاعدہ کو غلط ثابت کر دکھایا ہے۔ اس سے یہ اصول بھی مترشح ہے کہ سائنسی نظریات خود بھی بدلتے رہتے ہیں اس لئے مذہبی امور و حقائق کو سائنس کی کسوٹی پر پرکھنے اور اس کی روشنی میں مذہبی نظریات کو غلط قرار دینے کا اصول خود ہی غلط ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایسے ایمان افروز مقالات تحریر کرنے کے سبب قارئین کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

دینی تربیتی کورس ۱۹۸۳ء

امسال دارالسلام لاہور میں ۲۳ جولائی سے ۵۔ اگست ۱۹۸۳ء تک ایک پندرہ روزہ دینی تربیتی کورس کے انعقاد کا انتظام کیا جا رہا ہے اس میں شامل ہونے کیلئے ان نوجوانوں کو خاص طور پر شرکت کی دعوت دی جاتی ہے جو مختلف تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور آج کل تعطیلات کیوجہ سے آسانی سے وقت نکال کر دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے اس کلاس میں شامل ہوسکتے ہیں۔ ان کے علاوہ جماعت کے دیگر نوجوان یا ملازمت پیشہ اصحاب جو پندرہ روز کی رخصت حاصل کر سکیں وہ بھی اس میں شامل ہوسکتے ہیں۔ جماعتوں کے صدر اور سیکرٹری صاحبان سے التماس ہے کہ وہ اپنے ہاں اس کورس میں شرکت کے لئے پر زور اور مسلسل کوشش فرماویں اور کورس میں شرکت کرنیوالے اصحاب کے نام ۳۰ جون ۱۹۸۳ء تک مرکز میں ارسال فرمادیں۔

دارالسلام ہوسٹل میں شرکاء کورس کے لئے رہائش اور خوراک کا معقول انتظام ہوگا۔ شرکاء سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ جمعۃ المبارک مورخہ ۲۲ جولائی صبح تک دارالسلام لاہور پہنچ جائیں۔ باقاعدہ کلاسیں ہفتہ کی صبح سے شروع ہوں گی۔ نیز کورس میں شامل ہونے والے اصحاب موسم کے مطابق بستر چار کاپیاں و قلم وغیرہ ہمراہ لائیں تاکہ نوٹس لے سکیں۔ شکریہ

(مرزا مسعود بیگ، جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
دارالسلام ۔ ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن
ٹاؤن لاہور ۱۶)

معارف قرآن

کامل معرفت کے لیے ہم الہام کے محتاج ہیں

(از غواص بحر معرفت حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ)

وہ خدا اب بھی جسے چاہے بناتا ہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

جب ہم قوتِ شامہ کے ذریعہ ایک خوشبو یا بدبو کو معلوم کرتے ہیں یا ہم قوتِ ذائقہ کے ذریعہ سے شیریں یا نمکین پر اطلاع پاتے ہیں یا قوتِ حاسہ کے ذریعہ سے گرم یا سرد کو معلوم کر لیتے ہیں تو یہ تمام معلومات ہمارے عین الیقین کی قسم میں داخل ہیں۔ مگر عالم ثانی کے بارے میں ہمارا علم الہیات تب عین الیقین کی حد تک پہنچتا ہے کہ جب خود بلاواسطہ ہم الہام پاویں۔ خدا کی آواز کو اپنے کانوں سے سنیں اور خدا کے صاف اور صحیح کشفوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ ہم بے شک کامل معرفت حاصل کرنے کے لئے بلاواسطہ الہام کے محتاج ہیں اور اسی کامل معرفت کی ہم اپنے دل میں بھوک اور پیاس بھی پاتے ہیں۔ اگر خدا تعالے نے ہمارے لئے پہلے سے اس معرفت کا سامان میسر نہیں کیا تو یہ پیاس اور بھوک ہمیں کیوں لگا دی کیا ہم اس زندگی میں جو ہماری آخرت کے ذریعہ کے لئے یہی ایک پیمانہ ہے اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم اس سچے اور کامل اور قادر اور زندہ خدا پر صرف قصے اور کہانیوں کے رنگ میں ایمان لاویں یا محض عقلی معرفت پر کفایت کریں۔ جو اب تک ناقص اور ناتمام معرفت ہے کیا خدا کے سچے عاشقوں اور حقیقی دلدادوں کا دل نہیں چاہتا کہ اس محبوب کے کلام سے لذت حاصل کریں اور کیا جنہوں نے خدا کے لئے تمام دنیا کو برباد کیا۔ دل کر دیا۔ جان کر دیا۔ وہ اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ صرف ایک دھندلی سی روشنی میں کھڑے رہ کر مرتے رہیں اور اس آفتابِ صداقت کا منہ نہ دیکھیں۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ زندہ خدا کا انا الموجود کہنا وہ معرفت کا مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اگر دنیا کے تمام فلاسفروں کی خود تراشیدہ کتابیں ایک طرف رکھیں اور ایک طرف انا الموجود خدا کا کہنا تو اس کے سامنے وہ تمام دفتر ہیچ ہیں۔ جو فلاسفر کہلا کر آپ اندھے رہے وہ ہمیں کیا سکھلائیں گے۔ غرض کہ خدا نے حق کے طالبوں کو کامل معرفت دینے کا ارادہ فرمایا ہے۔ تو ضرور اس نے اپنے مکالمہ و مخاطبہ کا طریق کھلا رکھا ہے۔ اس بارے میں اللہ جل شانہ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے:۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم

یعنی اے خدا ہمیں وہ استقامت کی راہ بتا جو راہ ان لوگوں کے لئے جن پر تیرا انعام ہوا۔

اس جگہ انعام سے مراد الہام اور کشف وغیرہ آسمانی علوم ہیں جو انسان کو براہ راست ملتے ہیں۔ ایسا ہی ایک دوسری جگہ فرماتا ہے

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ یعنی جو لوگ خدا پر ایمان لا کر پوری استقامت اختیار کرتے ہیں ان پر خدا تعالے کے فرشتے اترتے ہیں اور یہ الہام کرتے ہیں کہ تم کچھ خوف اور غم نہ کرو۔ تمہارے لئے وہ بہشت ہے جس کے بارے میں تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ سو اس آیت میں بھی صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ خدا تعالے کے نیک بندے غم اور خوف کے وقت خدا سے الہام پاتے ہیں اور فرشتے اتر کر ان کو تسلی کرتے ہیں اور پھر ایک اور آیت میں فرمایا ہے:۔

لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ

یعنی خدا کے دوستوں کو الہام اور خدا کے مکالمہ کے ذریعہ سے اس دنیا میں خوشخبری ملتی ہے اور آئندہ زندگی میں بھی ملے گی لیکن اس جگہ یاد رہے کہ الہام کے لفظ سے اس جگہ یہ مراد نہیں کہ سوچ اور فکر کی کوئی بات دل میں پڑ جائے کہ شاعر شعر بنانے میں کوشش کرتا ہے یا ایک مصرع بنا کر دوسرا سوچتا رہتا ہے تو دوسرا مصرع دل میں پڑ جاتا ہے سو یہ دل میں پڑ جانا الہام نہیں ہے بلکہ یہ خدا کے قانون قدرت کے موافق اپنے فکر اور سوچ کا ایک نتیجہ ہے جو شخص اچھی باتیں سوچتا ہے یا بری باتوں کے لئے فکر کرتا ہے اس کی تلاش کے موافق کوئی بات ضرور اس کے دل میں پڑ جاتی ہے۔ ایک شخص مثلاً نیک اور راست باز آدمی ہے جو سچائی کی حمایت میں چند شعر بناتا ہے اور دوسرا شخص جو ایک گندہ اور پلید آدمی ہے اپنے شعروں میں جھوٹ کی حمایت کرتا ہے اور راست بازوں کو گالیاں نکالتا ہے تو بلا شبہ یہ دونوں کچھ نہ کچھ شعر بنا لیں گے بلکہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ راستبازوں کا دشمن جو جھوٹ کی حمایت کرتا ہے بباعث دائمی مشق کے اس کا شعر عمدہ ہو۔ سو اگر دل میں پڑ جانے کا نام الہام ہے تو پھر ایک بدمعاش شاعر جو راستبازی اور راستبازوں کا دشمن اور ہمیشہ حق کی مخالفت کرنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے اور افترا سے کام لیتا ہے خدا کا ملہم کہلائے گا۔ دنیا میں ناولوں وغیرہ میں جادو بیانیاں پائی جاتی ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ اس طرح سراسر باطل مگر مسلسل مضمون لوگوں کے دلوں میں پڑتے ہیں۔ پس کیا ہم ان کو الہام کہہ سکتے ہیں؟

بلکہ اگر الہام صرف دل میں بعض باتیں پڑنے کا نام ہے تو ایک چور بھی ملہم کہلا سکتا ہے کیونکہ وہ بسا اوقات فکر کر کے اچھے اچھے طریق نقب زنی کے نکال لیتا ہے۔ اور عمدہ عمدہ تدبیریں ڈاکہ ڈالنے اور خون ناحق کرنے کی اس کے دل میں گذر جاتی ہیں۔ تو کیا لائق ہے کہ ہم ان تمام طریقوں کا نام الہام رکھ دیں۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جن کو اب تک اس سچے خدا کی خبر نہیں۔ جو آپ خاص مکالمہ سے دلوں کو تسلی دیتا اور ناواقفوں کو روحانی علوم سے معرفت بخشتا ہے۔

الہام کیا چیز ہے۔ وہ پاک اور قادر خدا کا ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ یا اس کے ساتھ جس کو برگزیدہ کرنا چاہتا ہے۔ ایک زندہ اور باقدرت کلام کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے۔ سو جب یہ مکالمہ اور مخاطبہ کافی تسلی بخش سلسلہ کے ساتھ شروع ہو جائے اور اس میں خیالاتِ فاسدہ کی تاریکی نہ ہو اور نہ غیر مکتفی اور چند بے سروپا لفظ ہوں اور کلام لذیذ اور پرحکمت اور پرشوکت ہو تو وہ خدا کا کلام ہے جس سے وہ اپنے بندے کو تسلی دینا چاہتا ہے۔ اور اپنے تئیں اس پر ظاہر کرتا ہے۔

———— ✦✦✦ ————

ارشاداتِ خداوندی

- "اور جو تمہیں السّلام علیکم کہہ کر مخاطب کرے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔"
- "اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

———— ✦✦✦✦✦ ————

جالینوس کے قلم سے،

توشۂ آخرت

ہر سفر کے لئے ایک تیاری کی جاتی ہے۔ دنیا میں جب بھی کوئی انسان کسی سفر پر روانہ ہوتا ہے تو رخت سفر باندھتا ہے۔ دوران سفر ضرورت پڑنے پر کام آنے والی اشیاء کو یکجا کرتا ہے اخراجات کا انتظام کرتا اور اپنی مقدرت سے بڑھ کر پیش آمدہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے۔ اب تو لوگ سفر پر روانگی سے پیشتر اپنے سامان اور زندگی کا بیمہ بھی کروا لیتے ہیں کہ مخالف حالات میں کسی قسم کا نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ یہ سب دنیاوی زندگی کے سفر ہیں۔ ایک سفر سفر آخرت کہلاتا ہے۔ جب کہ انسان اس امتحان گاہ سے اپنی زندگی اور اعمال کا پرچہ حل کرنے کے بعد نکل رہا ہوتا ہے اور اسے دوسری دنیا کے لئے سفر کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ وہاں جا کر نتائج کا انتظار کر سکے اور کامیاب یا ناکام ہونے کی صورت میں اس کے عواقب کا سامنا کر سکے۔

قرآن کریم نے بارہا انسان کو توشۂ آخرت کے طور پر کچھ نہ کچھ کر لینے کی تعلیم دی ہے اور مختصر الفاظ میں فرمایا ہے کہ :- وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی

”اور آخرت کے لئے اپنے ساتھ کچھ لے لو اور سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے“

چونکہ انسان اس دنیاوی زندگی کو بہت قریب سے دیکھ رہا ہوتا ہے اور دوسری دنیا نظروں سے اوجھل ہوتی ہے اس لئے بیشتر اس عالم کی چکاچوند اور رنگینیوں میں کھو کر رہ جاتا ہے اور اگلی دنیا کا خیال اس وقت آتا ہے کہ جب وہ دنیا دو چار ہاتھ رہ جاتی ہے مگر اس دنیا میں وہ لوگ بھی ہیں جو ہمہ وقت اپنی اصل اور پائیدار زندگی جو مرنے کے بعد نصیب ہونے والی ہے اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ اسلام میں تارک الدنیا ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے اس دنیا میں رہتے ہوئے وہ لوگ خدا تعالیٰ کے بتلائے ہوئے اصولوں پر چلتے۔ اس کی خوشنودی کی شاہراہوں پر قدم زن ہوتے اور اس کی رضا کو اپنی زندگی کا واحد مقصد بنا لیتے ہیں۔ اور ایسے لوگ ہی دراصل حاملین ایمان الٰہی کہلانے کے مستحق ہیں اور سچے مومن کہلاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر ان مومنین کی کامیابی۔ خوش بختی اور فلاح کی وجوہات کا بیان کیا گیا ہے جن کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔ اس مقام کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا۔

”آج مجھ پر ایسی دس آیات نازل ہوئی ہیں جو بھی ان پر کاربند ہو جائے گا وہ جنت کا وارث بن جائے گا۔“

وہ آیات یہ ہیں :-

”یقیناً وہ مومن ضرور کامیاب ہوں گے جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں۔ جو لوگ بے ہودہ امور سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ جو نظام زکوٰۃ پر عمل پیرا ہیں اور جو اپنی مخفی جگہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنے ازواج کے یا جن کے وہ مالک ہو جاویں کہ اس حالت میں ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ مگر جو اس حد سے آگے گذرے گا وہ زیادتی کا سزاوار ہوگا۔ اور جو لوگ اپنے سپرد امانتوں اور کئے ہوئے عہدوں کو نبھاتے ہیں اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں کہ یہی لوگ حقیقی وارث ہیں۔“ (المومنون)

ایمان ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو پستیوں سے اٹھا کر بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے جہاں وہ نفس اور روح کی تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ وہاں انسان کو گھٹیا حرکات اور گری ہوئی حالت سے نکال کر ایک سیدھی اور راست زندگی عطا کرتا ہے اور دراصل ایمان ہی وہ چیز ہے جو مومن کو دوسرے بنی نوع انسان سے ممتاز کرتا ہے۔ اور ایمان ایک ایسی حلاوت اور سعادت ہے کہ اس کے حصول کے بعد وہ شیطان کی طرف سے ہر قسم کی چالبازیوں سے اپنے اردگرد ایک حصار کھڑا کر لیتا ہے۔ اور اپنی زندگی کو تمام نوع کے خطرات سے محفوظ پاتا ہے۔ یوں گویا وہ خدا کی حفاظت میں آ جاتا ہے اس لئے کامیاب ہونے اور فلاح کے زینے طے کرنے کے لئے سب سے اول شرط ایمان کو قرار دیا گیا ہے کہ بدون ایمان کے کسی انسان کے کامیابی اور فلاح کا تصور کرنا بھی ایک قسم کا نفس کا دھوکا کہلائے گا۔

سب سے پہلی سیڑھی اس زینہ پر چڑھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نماز میں خشوع و خضوع قرار دیا ہے۔ انسان جب دنیاوی بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوتا ہے تو کیسے اس کے چہرہ پر خاکساری کے آثار ہویدا ہوتے ہیں۔ عدالتوں میں حاضری کے آداب ہیں۔ حاکموں سے ملاقات کرنے کے اطوار پائے جاتے ہیں۔ تو جب انسان اس احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہوتا ہے تو کس قدر خشوع کی ضرورت ہے۔ نماز میں خشوع ایسا ہی ہے جیسے جسم میں روح اس کی حیات کے لئے ضروری ہے اور اگر نماز میں خشوع نہیں تو وہ ایک بے ثمر اور بے اوراق درخت کی مانند ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب دل میں ایک جذبہ پیدا ہو تو اعضاء اور جوارح سے اس کا اظہار ضروری ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔

”سب سے پہلے جس چیز کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی وہ نماز ہے اگر وہ قبول ہو گئی تو ساتھ ہی تمام اعمال قبول ہو جاویں گے اور اگر وہ رد ہو گئی تو تمام اعمال رد کر دیئے جائیں گے۔“

دوسری چیز جسے یہاں بیان فرمایا گیا ہے وہ فضول اور لغو امور سے اجتناب ہے۔ فضول گوئی۔ کثرت کلام بے معنی اور بے مقصد گفتگو۔ طویل اور فضول محفلیں۔ ضیاع وقت کے لئے لغو اور غلط مقامات پر اجتماع اور جہاں جہاں سے گذرنے سے اس کا ایمان اور اخلاص اس کو اجازت نہیں دیتا وہاں سے گذرنا یہ سب کچھ اس امر میں آ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ مومن وہ لوگ ہیں :-

”جب وہ لغو باتوں کو سنتے ہیں تو ان سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے کام ہمارے اعمال آئیں گے اور تمہارے کام تمہارے اعمال۔“ (القصص)

آنحضرت صلعم نے ایک مومن کو اپنی زبان کی لگام کو ڈھیلی چھوڑنے سے سختی سے روکا ہے خواہ مخواہ کی زیادہ گوئی اور فضولیات میں اپنے قیمتی وقت کا ضیاع خدا کی نعمت سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے۔ اور جب انسان اس بات کو ذہن نشین کر لے کہ میں جو کچھ بھی بول رہا ہوں یہ خدا کے علم میں آ رہا ہے اور میں اپنے کلام کے ہر حصہ کا جواب دہ ہوں تو اسے خود یہ احساس دامن گیر ہوتا ہے کہ کہیں میرے منہ سے غلط بات نہ نکل جائے کہ ان امور پر بھی پہرہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

"مایلفظ من قولٍ الا لدیہ رقیبٌ" (سورۃ قٓ)

ایمان حاصل ہوجانے کے بعد انسان تقوٰی اور نیکی کے راستے طے کرتا چلا جاتا ہے اور اسے خود بخود ایسی توفیق نصیب ہوجاتی ہے کہ وہ مرضیٔ مولا کے برعکس کسی راہ کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ نماز میں خشوع و خضوع کے بعد اور لغویات سے اعراض کی تعلیم دے کر فرمایا ہے کہ ایسے لوگ اپنے معاشرہ کی حالت کی اصلاح کے لئے اپنے اموال میں سے خرچ کرتے ہیں تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کی ملی ہوئی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرسکیں۔ فرمایا ایسے لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی میں بہت باقاعدگی اختیار کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ شخص جس کا دل دوسروں کے دُکھ درد دیکھ کر تڑپ جائے اور وہ اپنے اموال کو ان ضرورت مندوں کے لئے حاضر کردے اور اس کھوج میں رہے کہ کوئی حاجت مند اُسے ملے کہ وہ اس کی ضرورت پوری کرے تو وہ تو سب سے پہلے اہل دنیا کی نظر میں صاحب معراج کہلائے گا اور خدا کی نظروں میں تو ایسا شخص جو اس کے حکم سے انفاق فی سبیل اللہ کرتا ہے پہلے ہی مقبول کہلاتا ہے۔ یہاں پر تو یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ مومن جو فلاح پاتے ہیں وہ کن ذریعوں سے گذر کر فلاح کی منزل پر پہنچتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ جو لوگ فلاح یافتہ ہوتے ہیں ان کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے:

"ویؤثرون علی انفسھم" (سورۃ حشر)

وہ دوسروں کو اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اور ایثار و قربانی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اپنی جیب سے نکال کر دوسروں کو دینا۔ اپنے کپڑے اتار کر دوسروں کو پہنانا۔ اپنے کھانے میں سے ایک حصہ بھوکے کو دینا۔ ضرورت مندوں۔ حاجت مندوں مسکینوں۔ فقیروں۔ یتیموں بیواؤں اور تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مندوں کی امداد کرنا اور اُسے اپنا شیوہ بنا لینا خدا کو اس درجہ عزیز ہے کہ وہ اس کے عوض میں کامیابی کی ضمانت عطا فرماتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے جماعت مومنین کی تعریف میں یوں فرمایا ہے:-

"مومنوں کی مثال آپس میں محبت اور مودّت۔ رحم اور عاطفت میں ایک جسم کی مانند ہے کہ جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں تڑپنے لگ جاتا ہے۔"

اگر انسان ایک گھڑی کے لئے یہ سوچے کہ اس کو یہ مال خُدا نے بطور امانت کے دے رکھا ہے اور اس امانت کا حق ہے کہ اسے خدا کے بتلائے ہوئے راستوں پر خرچ کیا جائے جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ،

"اور امانتوں کو ان کے حقداروں کے سپرد کردو"

اور پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے اور فرمایا "انما المومنون اخوۃ" سب بھائی بھائی بن کر رہو ایک دوسرے کے کام آؤ اور دُکھ درد میں شریک ہو اور حضور صلعم نے فرمایا ہے:-

"آپس میں حسد نہ کرو۔ ایک دوسرے سے روگردانی مت کرو۔ آپس میں جھگڑا مت کرو اور تمام آپس میں خدا کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو۔"

اس کے بعد ان امور کا ذکر کیا گیا ہے جو سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی امور سے متعلق ہیں۔ بدی کی جن راہوں پر آج کی انسانیت چل رہی ہے وہ محض اس وجہ سے ہے کہ آج کا انسان اپنے پوشیدہ جوارح اور اعضاء کا محافظ نہیں رہا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض ممالک کا معاشرہ ایک ناسور کا رنگ اختیار کرچکا ہے۔ اور بدیوں اور بدکاریوں کا ایک سیلاب ہے جو اژدہا بن کر ان کی اخلاقیات، ان کے کردار، ان کے اطوار۔ ان کے رہن سہن، طور طریقے کو نگلتا چلا جارہا ہے۔ حتیٰ کہ مغربی ملکوں میں یہ ایک ایسا مسئلہ بن چکا ہے کہ اس سے نبٹنے کا ان کے پاس کوئی حل نہیں رہا ہے۔

سیاسی طور پر آپس میں کئے گئے عہدوں اور وعدوں کی پابندی نہ کرنے سے جو افراتفری ہے وہ سب دُنیا کے سامنے ہے۔ جو امانتیں خُدا نے انسان کے سپرد کی ہیں اُن کی ادائیگی نہ کرنے سے بھی نقصانات کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اور پھر عبادت جو انسان کی پیدائش کی اصل غرض ہے اس سے روگردانی گویا اپنی غرض و غایت کو فراموش کردینا ہے۔

دراصل حقوق کی ادائیگی خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندہ کے ذمہ ہوں یا بندوں کے بندوں کے ذمہ ہوں وہ ایک امانت ہے جسے انسان نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ اور اس کی ادائیگی کا عہد کیا ہے مگر جو لوگ ادا کرتے ہیں وہی صرف سچے فرمانبردار، تابعدار اور خالص ایماندار لوگ ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کے وعدہ کے وارث ہوں گے۔ اس لئے آخر میں فرمایا ہے کہ

"اولٰئک ھم الوارثون"

خُدا تعالیٰ نے جس قدر وعدے مومنوں سے کر رکھے ہیں ان کے وہ لوگ ہی وارث ہوں گے جو ان امور کی بجاآوری میں مومنین کی جماعت کا ساتھ دیں گے کہ فلاح کی یہی منزلیں طے کرنے کے بعد انسان اپنے آپ کو ان درجات اور مقامات کا وارث کہنے میں حق بجانب ہوسکے گا۔

* * * *

اخبار احمدیہ

سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۱۳ جون کی صبح کو موسم گرما کی تمازت اور ماہ رمضان کے روزوں کے پیشِ نظر ایبٹ آباد تشریف لے گئے ہیں وہاں کا موسم آپ کی صحت کے لئے اور سلسلہ احمدیہ کے امور اور خدمت دین کی مہمات کے لئے یقیناً مفید ثابت ہوگا۔ روانگی سے پہلے نماز فجر کے بعد آپ نے جامع احمدیہ دارالسلام میں موجود احباب کو جو رقت انگیز اور پُرنم آنکھوں سے خطاب فرمایا وہ تمام تر دینی امور اور جماعتی نصائح پر مشتمل تھا۔ اس موقعہ پر آپ نے شیخ مراتب علی صاحب کی بیعت لیتے ہوئے بیعت کی حرمت اور اسکی اہمیت کو بھی واضح کیا۔ آخر میں قرآن کریم اور مسنون دعاؤں پر اپنے بیان کو ختم فرما کر حاضرین جماعت سے بغل گیر ہوئے۔ احباب جماعت حضرت امیر کی صحت و عافیت کے لئے اللہ کے حضور اپنی دعائیں جاری رکھیں تاکہ خدا تعالیٰ خدمتِ دین کے کاموں میں آپ کو کامیابی عطا فرمائے اور اپنی تائیدِ خاص سے نوازے۔ آمین ثم آمین!

محمد علی فری ڈِسپنسری

کے لئے پیغام صُلح میں جو اپیل کی جارہی ہے اس پر ہمارے بعض دوستوں نے توجہ دے کر اپنے عطیات بھیجے ہیں جزاھم اللہ احسن الجزا۔ یہ ڈسپنسری دُکھی انسانیت کی خدمت کا ایک اہم ذریعہ ہے آپ بھی اپنے عطیات بھجوانا نہ بھُولیئے۔

عطیات بھیجنے کا پتہ

چوہدری ریاض احمد صدر مقامی جماعت، دارالسلام۔ ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۱۶

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرا (الاحزاب - ۲۱)

یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں نیک نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور پچھلے دن کی اُمید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق وعادات کی تصویر آپ کی بہترین رازدار آپ کی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی نے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔ کان خلقہ القرآن آپ کا خلق قرآن تھا یعنی قرآن کریم کی تعلیم عملی رنگ میں آپ کی روزمرہ کی زندگی میں نظر آتی تھی۔ اور آپ قرآن شریف کی تعلیم مجسّم تھے پس جس طرح قرآن شریف زندگی کے سارے شعبوں میں اور قوائے انسانی کی ساری شاخوں کی پرورش کے لئے اعلےٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم دیتا ہے اسی طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہر قسم کے اخلاق کا مکمل مجسمہ ہے۔ اور ایک مسلمان کے لئے اگر علمی رنگ میں تعلیم قرآن شریف میں موجود ہے تو عملی رنگ میں آنحضرت صلعم کی زندگی میں موجود ہے۔

آپ کی عادات اور اخلاق کی روح سادگی اور اخلاص تھے گویا نیکی سے محبت اور اخلاقِ فاضلہ آپ کی فطرت میں ودیعت کئے گئے تھے۔ یہ باتیں آپ کی جبلت میں داخل تھیں۔ کچھ اکتساب سے حاصل نہ ہوئی تھیں آپ ہر قسم کا کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے اگر کسی سائل کو کچھ دینا ہوتا تو اپنے ہاتھ سے اس کے ہاتھ میں دیتے۔ خانگی امور میں اپنی بیویوں کو مدد دیتے تھے۔ خود اپنی بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے۔ اپنے کپڑوں کی مرمت کر لیتے اپنی جوتی گانٹھ لیتے۔ خود گھر میں جھاڑو دے لیتے۔ اپنے اونٹ کو باندھ لیتے اور اس کے آگے گھاس ڈال لیتے تھے۔ دُنیا کے کسی کام کو آپ نے ذلیل نہیں سمجھا۔ جب مسجد بنائی گئی تو آپ خود مزدوروں کے ساتھ ٹوکری اُٹھاتے تھے۔ دشمن سے حفاظت کے لئے خندق کھودنی پڑی تو آپ اپنے سپاہیوں کے اندر ایک معمولی مزدور کی حیثیت میں کام کرتے نظر آتے۔ [illegible] بازار سے اپنا سودا خرید لاتے بلکہ دُوسروں کا بھی خرید کر دیتے تھے۔ غرض کسی قسم کے کام کو باوجود اس کے کہ آپ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی اپنے لئے ذلیل نہیں سمجھا اور یُوں بتا دیا کہ انسان کی شرافت یا ذلّت کا معیار کوئی پیشہ نہیں بلکہ اس کا برتاؤ اور اس کی راست روی ہے۔ ایک موچی ایک درزی ایک مزدور جو ٹوکری اُٹھاتا ہے اسی طرح اسلامی سوسائٹی کا ایک فرد ہے جس طرح ایک تاجر یا ایک ملازم یا ایک عہدہ دار

تکلف آپ کے کسی کام میں نہ تھا۔ آپ جانور پر سوار ہوتے تو دُوسرے کو پیچھے بٹھا لیتے قیس بن سعد کہتے ہیں ایک دفعہ آپ سعد کی ملاقات کے لئے تشریف لائے چلتے وقت سعد نے اپنا گدھا آنحضرت صلعم کو سواری کے لئے دیا اور قیس سے کہا کہ تم ساتھ جاؤ۔ آپ نے قیس سے فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ بلکہ آگے تم ہو کیونکہ جانور کا مالک اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اور چونکہ آپ نے شرط لگا دی کہ ساتھ چلو تو ساتھ سوار ہو کر چلو ورنہ پھر جاؤ اس لئے میں ساتھ نہ گیا۔ جب مجلس میں آتے تو پسند نہ فرماتے کہ صحابہ رضی آپ کے لئے کھڑے ہوں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میرے لئے کھڑے نہ ہوا کرو جس طرح عجمی لوگ کرتے ہیں اور فرمایا میں بندہ ہوں جس طرح بندے کھاتے ہیں میں کھاتا ہوں۔ اور جس طرح وہ بیٹھتے ہیں میں بیٹھتا ہوں۔ ایک شخص ایک دفعہ آپ کا ہاتھ چومنے کے لئے آگے بڑھا تو آپ نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور فرمایا یہ عجمی لوگ اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں۔ غلام بھی اگر آپ کو دعوت دیتا تو آپ چلے جاتے۔ کھانے پر بیٹھتے تو بالکل بے تکلفی سے ہر قسم کے لوگوں حتیٰ کہ غلام تک کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو بعض اوقات بہت دیر خاموشی میں گزر جاتی کوئی بات آ جاتی تو کر لیتے۔ ہر وقت گفتگو کرتے رہنا جیسا کہ تکلف سے لوگ مجلس کو مشغول رکھنے کی کوشش کرتے ہیں آپ کی عادت میں نہ تھا۔ جب چلتے تو لوگ آپ کے آگے اور پیچھے چلتے۔ جب بیٹھتے تو بھی دوسروں کے اندر ایسے ملے ہوئے ہوتے کہ کوئی نووارد آپ کو پہچان نہ سکتا تھا اور پوچھنے کی ضرورت پیش آتی کہ نبی صلعم کون ہیں؟ آپ کا زانو اپنے اصحاب سے آگے نہ بڑھتا۔ جب کوئی دوسرا بات کرتا تو آپ اس کی بات کو کاٹتے نہ تھے۔ جب لوگ کسی بات پر ہنستے تو آپ بھی اُن کے ساتھ شامل ہوتے۔ آپ گفتگو اس قدر آہستہ کرتے کہ آپ کے لفظ گنے جا سکتے تھے۔ اور اس قدر تیز چلتے کہ آپ کے ساتھ والوں کو بعض اوقات دوڑنا پڑتا تھا۔

آپ کے کھانا کھانے کے عادات میں اسی طرح سادگی موجود تھی جس طرح دیگر عادات میں کوئی چیز کھانے کے لئے سامنے آتی تو اگر اسے اس قابل پاتے کہ کھا لیں تو کھا لیتے اگر اس میں کوئی نقص ہوتا کہ کھانے کے قابل نہ ہوتی تو اسے نہ کھاتے لیکن اس کا نقص نہ نکالتے۔ کھجور۔ جَو۔ گیہوں۔ گوشت۔ دودھ جو چیز بلاتکلف مل جاتی اُسے کھا لیتے۔ اگر کوئی مہمانی میں اچھی چیز سامنے رکھ دیتا تو اسے بھی کھا لیتے۔ یہ تکلف نہ کرتے تھے کہ اُسے نہ کھائیں ہاں عموماً صرف ایک ہی کھانا کھاتے تھے۔ نفاذت پسند تھے میلے برتن میں کھانا پسند نہ کرتے تھے۔ سڑی ہوئی یا بُودار چیز کے قریب نہ جاتے تھے۔ شہد آپ کو خاص طور پر مرغوب تھا سبزیوں میں کدو تو بہت پسند کرتے تھے۔ ایسی چیزیں جن کے کھانے سے مُنہ سے بدبو آئے آپ پسند نہ کرتے تھے۔ جیسے پیاز۔ لہسن وغیرہ۔ کھانے پر بیٹھتے تو ٹیک لگا کر نہ بیٹھتے۔ اگر آپ کی کہیں دعوت ہوتی اور آپ کے ساتھ اور لوگ بھی ہوتے تو کھانے سے پہلے بلاتوقف صاحب خانہ سے کہہ دیتے کہ اتنے آدمی مدعو ہیں اور یہ زائد ہیں کھانے سے پہلے اور پیچھے ہاتھ دھوتے اور منہ کو خوب صاف کرتے۔

آپ کے لباس میں بھی سادگی تھی۔ پیوند لگا ہوا کپڑا پہن لینے میں مضائقہ نہ کرتے۔ اچھا کپڑا مل جاتا تو اُسے پھینک نہ دیتے۔ البتہ ریشمی لباس آپ مردوں کے لئے پسند نہ کرتے تھے۔ جس کپڑے میں ذرا بو ہو جاتی آپ اسے فوراً اتار دیتے تھے۔ اور لباس کو سادہ مگر صاف رکھتے تھے انگوٹھی آپ نے اس وقت بنوائی اور پہنی جب بادشاہوں کو خطوط لکھنے کے لئے مہر لگانے کی ضرورت پیش آئی بعدہ یہ انگوٹھی آپ پہنتے رہے۔

دیگر عادات میں بھی اسی طرح سادگی اور صفائی کو آپ جمع رکھتے تھے مکان جس میں بستے تھے نہایت سادگی سے بنے ہوئے تھے۔ کچی اینٹ اور گارے کے چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ ان کے اندر سامان کوئی نہ تھا ایک چارپائی ایک پانی کی ٹھلیا اور بس۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب آپ خیبر فتح کر چکے تھے۔ خیبر کی فتح سے واپس آتے ہوئے حضرت صفیہ کے ساتھ شادی کے بعد دعوت ولیمہ کی تو صحابہ کو فرمایا کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے دستر خوان پر لے آئے۔ ستو اور کھجوریں جمع ہو گئیں اور یہ دعوت ولیمہ تھی۔ آپ کے گھروں میں برابر کئی کئی دن تک آگ نہ جلتی تھی۔ صرف کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گزارہ کرتے تھے۔ دنیا کو آپ ایک عارضی آرامگاہ سمجھتے تھے۔ فرمایا کہ دُنیا میں میری مثال اس سوار کی ہے جو چلتے چلتے دوپہر کے وقت ایک درخت کے سایہ کے نیچے کچھ آرام کر لے۔ دنیوی مال اور دنیوی آسائشوں کی کوئی محبت آپ کے دل میں نہ تھی۔ مسواک کا استعمال آپ بہت کرتے تھے اور دن میں کئی کئی مرتبہ منہ کو صاف کرتے تھے۔ جیسا کہ اب معلوم ہوا ہے انسان کی صحت کا بہت کچھ انحصار منہ کی صفائی پر ہے۔ جسم کو بھی آپ نہایت صاف رکھتے تھے داڑھی اور سر کے بالوں کو کنگھی کرنے اور دھونے سے صاف رکھتے تھے۔ خوشبو کا استعمال بھی کرتے تھے آپ کے پاس بیٹھنے والے یہ شہادت دیتے ہیں کہ کبھی آپ کے جسم سے۔ لباس سے یا منہ سے بُو نہیں آئی۔ بلکہ آپ کے پسینہ تک میں خوشبو تھی۔ آپ اپنے جسم۔ لباس وغیرہ کو ہر طرح پاک وصاف رکھتے تھے۔ حوائج ضروریہ سے فراغت کے بعد مٹی اور پانی کا استعمال کرتے اور رفع حاجت کے بعد ہاتھ کو مٹی سے رگڑ رگڑ کر صاف کرتے آپ کا باطن تو بہت ہی پاک اور نرا نور ہی نور تھا مگر آپ کا ظاہر بھی باوجود سادگی کے نہایت پاکیزہ تھا۔

آپؐ کے تعلقات اپنے دوستوں سے حد درجہ کی محبت کے تھے۔ جب کوئی شخص آپ سے مصافحہ کرتا تو آپ اس کا ہاتھ چھوڑنے میں پہل نہ کرتے تھے جس سے ملتے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ جریر بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے جب آپ کو دیکھا تبسّم کرتے ہوئے دیکھا یعنی ہر وقت خندہ پیشانی پایا۔ آپ اپنے اصحاب سے مزاح کر لیتے اور بے تکلف بات چیت کرتے تھے۔ پیروں کی طرح کی خاموشی اختیار نہ کرتے تھے۔ اور نہ ملنے میں اپنی بڑائی کا اظہار کرتے تھے۔ اپنے صحابہ کے بچوں کو گود میں لیتے اور ان کو پیار کرتے بسا اوقات بچے آپ پر پیشاب بھی کر دیتے مگر آپ کے چہرہ پر شکن نہ آتا۔ اپنے پاس بیٹھنے والوں سے فرماتے کہ میرے پاس کسی میرے دوست کی بُرائی بیان نہ کرو کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ سب کی طرف سے میرے سینے میں صفائی ہو آپ اپنے اصحاب سے سلام کرنے اور مصافحہ کرنے میں پہل کیا کرتے تھے۔ ان کو پکارتے تو عزت کے لئے کنیت سے مخاطب کرتے یا اُن کا محبوب نام لیتے۔ جس شخص نے ایک دفعہ آپ سے دوستی کی آپ نے اس کی دوستی کی ہمیشہ قدر کی۔ حضرت ابوبکرؓ سے آپ کا تعلق شدید محبت اور دوستی کا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کی رفاقت کو اس وقت یاد کرتے تھے جب آپ کے ہاں کئی بیویاں موجود تھیں۔ زید ایک آزاد کردہ غلام سے جب اس کے باپ نے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا تو اس نے گھر جانے پر رسول اللہ صلعم کو ترجیح دی۔ اگر آپ کے کسی دوست سے کوئی خطا ہو جاتی تو آپ بہت چشم پوشی کو کام میں لاتے اور اشارۃً بھی اس کا قصور اس کو نہ جتلاتے۔ ہاں عام نصیحت میں سمجھا دیتے کہ کس طرح انسان کو ایسی باتوں سے بچنا چاہیئے۔ جھوٹ سے آپ کی طبیعت بہت متنفر تھی۔ اور ایسے ہی اس شخص سے متنفر ہو جاتے جو جھوٹ بولتا لیکن محض قصور پر خواہ کتنا ہی بُرا ہو آپ گرفت نہ کرتے تھے۔ جب اُحد کے میدان میں تیر اندازوں کے جگہ چھوڑ دینے کی وجہ سے مسلمانوں پر سخت مصیبت آئی آپ کے خود زخم بھی لگے آپ کے بہت عزیز دوست بھی مارے گئے۔ تو آپ نے اس وقت بھی نہ ان نافرمانی کرنے والوں پر کورٹ مارشل کیا نہ ان کو کوئی سزا دی حتیٰ کہ ملامت تک بھی نہیں کی۔ جو لوگ میدانِ جنگ سے بھاگ گئے ان سے جب وہ تیسرے دن واپس آئے صرف اس قدر کہا کہ تم بہت دُور چلے گئے۔

دشمنوں تک سے آپ اس قدر فیاضی سے پیش آتے کہ اس کی نظیر کسی دُوسرے انسان کی زندگی میں نہیں مل سکتی۔ عبداللہ بن اُبی جس کی ساری عمر آپ سے سخت عداوت رکھنے میں کٹی اور بارہا یہودیوں کو اور کفار کو مسلمانوں کے خلاف اکساتا رہا جب وہ فوت ہوا تو آپ نے اس کے لئے دُعائے مغفرت کی۔ اور اپنی قمیص عطا کی جس کا اُسے کفن پہنایا گیا۔ مکہ کے خطرناک دشمن جنہوں نے ایسے ایسے ظلم مسلمانوں پر اور خود آپؐ پر کئے تھے جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جب آخرکار اُن پر فتح حاصل کرتے ہیں تو ان کے قصور پر ان کو ملامت تک بھی نہیں کرتے ایسے حالات میں کوئی دوسرا فاتح ہوتا تو عبرت ناک سزا اہل مکہ کو دیتا مگر بیس سال کے لگاتار مظالم کو۔ ہاں ان منصوبوں کو جو اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے کئے گئے بغیر کسی درخواست کے معاف کر دیا۔ دشمنوں کے چھ چھ ہزار قیدی بعض وقت صرف ان کی درخواست پر آزاد کر دیئے گئے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں آپ نے اپنی ذات کے متعلق کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں ایسے لوگوں کو بعض وقت سزائیں بھی دیں جنہوں نے غداری کر کے اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہا تھا۔ جہاں عفو سے اصلاح ہوتی وہاں آپ عفو کرتے لیکن جہاں سزا کی ضرورت ہوتی وہاں سزا بھی دیتے۔ اُن شریروں کو جو شرارت سے باز نہ آتے تھے سزا نہ دینا بدی کی اعانت کرنا تھا۔ آپ کی فیاضی بلاتفریق قوم و ملّت کام کرتی تھی۔ ایک عیسائی ایک یہودی ایک مشرک سے آپ اسی طرح فیاضی کا اظہار کرتے جس طرح ایک مسلمان سے مسلمانوں کی خیرات کو آپ نے مسلمانوں تک محدود نہیں کیا۔

انصاف کے معاملہ میں آپ ایسے اعلیٰ اصول پر قائم تھے کہ سخت سے سخت دشمن اور عزیز سے عزیز دوست میں کوئی فرق نہ کرتے تھے۔ بعثت سے پہلے بھی آپ کی انصاف پسندی اور دیانت اور امانت اس قدر مسلم تھی کہ لوگ اپنے جھگڑوں کے فیصلے آپ سے کراتے تھے۔ مدینہ میں جب تشریف لائے تو مشرکوں اور یہودیوں نے بھی آپ کو اپنے مقدمات اور تنازعات میں حکم تسلیم کیا یہود کو جس قدر عداوت اسلام سے تھی وہ احاطۂ تحریر میں آ چکی ہے۔ لیکن ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ آپ کے سامنے آتا ہے۔ تو آپ فیصلہ یہودی کے حق میں کرتے ہیں اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ ایک ایک مسلمان اسلام کی حفاظت کے لئے کس قدر قیمتی معاون ہے۔ اور بعض وقت ایک کی علیحدگی ایک قبیلہ کی علیحدگی ہے آپ نے اپنی بیٹی سیدۃ النساء الجنۃ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارے عمل ہی تمہارے کام آئیں گے اور فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمدؐ چوری کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں۔ وفات سے پیشتر عام مجمع میں فرمایا کہ کسی کا کچھ قرضہ مجھ پر ہو تو وہ وصول کرے کسی کو مجھ سے تکلیف پہنچی ہو تو وہ قصاص لے لے۔

آپ دُوسروں کے ساتھ معاملات میں کسی قسم کی بڑائی اختیار نہ کرتے تھے۔ لین دین اور تمام لوہ معاملات میں اپنے تئیں ایک معمولی انسان کی طرح رکھتے تھے۔ ایک یہودی کا آپ پر کچھ قرضہ تھا وہ طلب کرنے آیا اور نہایت خشونت اور بداخلاقی سے پیش آیا۔ اور کہا کہ تم بنی ہاشم جب کسی سے کچھ لیتے ہو تو دینے میں نہیں آتے۔ یہ مدینہ کا واقعہ ہے جہاں آپ بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کی گستاخی پر بہت غصہ آیا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اے عمر مناسب تھا کہ تم ہم دونوں کو نصیحت کرتے قرض خواہ کو کہ مطالبہ کرنے میں سہولت سے کام لینا چاہیئے۔ اور مجھ کو کہ قرضہ نیکی کے ساتھ واپس ادا کرنا چاہیئے۔ پھر اس کے قرضہ سے بڑھ کر رقم اس کو ادا کی۔ اس حسنِ اخلاق کا ایسا اثر اس پر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ ایک موقعہ پر آپ اپنے احباب کے ساتھ کسی جنگل میں تھے۔ کھانا تیار کرنے کی ضرورت پیش آئی تو سب کے سپرد ایک ایک کام کر دیا اور فرمایا کہ ایندھن کے لئے لکڑیاں میں چن کر لاتا ہوں۔ باوجود بادشاہ اور معلّم روحانی ہونے کے رعایا کے ایک معمولی آدمی کی طرح کام کرتے تھے اپنے ماتحتوں اور نوکروں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرتے تھے۔ حضرت انس کہتے ہیں میں دس سال آپ کی خدمت میں رہا مگر آپ نے کبھی مجھے جھڑکا تک نہیں۔ نوکر سے کوئی نقصان ہو جائے تو اسے ملامت نہیں کرتے تھے آپ نے کوئی غلام اپنے پاس نہیں رکھا جو آیا اس کو آزاد کر دیا۔ آپ نے ساری عمر کبھی کسی نوکر یا عورت کو نہیں مارا۔

فیاضی آپؐ کی طبیعت میں اس قدر تھی کہ لکھا ہے کسی سائل کو آپ نے کبھی نفی میں جواب نہیں دیا۔ اگر پاس کچھ نہ ہو تو اس انتظار میں رہتے تھے کہ کہیں سے کچھ آ جائے تو اس کے سوال کو پورا کر دیں۔ خود تکلیف اور بھوک اُٹھا کر بھی سائل کے سوال کو پورا کر دیتے تھے۔ مال دنیا کو اپنے پاس رکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ وفات سے پیشتر فرمایا کہ جو کچھ میرے گھر میں ہے نکال لاؤ۔ اور جو کچھ تھا اُسے خدا کی راہ میں دے دیا۔ غرباء سے محبت آپ کی فطرت میں تھی۔ یتیموں بیکسوں۔ بیواؤں کی آپ جائے پناہ تھے۔ اور یہ بات بچپن سے آپ کی طبیعت میں تھی۔ غریبوں ضعیفوں اور ناتوانوں کا ایسا کوئی ہمدرد پیدا نہیں ہوا۔ آپ فرمایا کرتے تھے انا و کافل الیتیم کھاتین۔ جو شخص یتیم کی خبر گیری کرتا ہے۔ وہ میرے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہے جس طرح انگلی سے انگلی۔ قرآن شریف میں ایک سورت میں ہے کہ جو شخص یتیم کو دھتکارتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ وہ دین کو جھٹلاتا ہے۔ قرآن شریف یتیموں اور ناتوانوں مسکینوں کی ہمدردی کے قوانین سے بھرا پڑا ہے۔ آپ پر خود بڑی سے بڑی مصیبت آتی آپ اسے آسانی سے برداشت کر لیتے۔ مگر دوسروں کی مصیبت پر آپ کا دل بہت پگھلتا تھا جس شخص پر ظلم ہوتا دیکھا اسی کی حمایت میں آپ کھڑے ہو گئے۔ بچوں اور عورتوں کے حقوق آپ نے مردوں پر قائم کئے۔ غلام کے حقوق آقا پر قائم کئے۔ محکوم کے حقوق حاکم پر قائم کئے۔ رعایا کے حقوق بادشاہ پر قائم کئے۔ عجیب دل خدا نے آپ کے سینے میں دیا تھا کہ جس میں مخلوقِ خدا کی ہمدردی جوش مار مار کر پھوٹتی تھی۔ بچوں سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ راستے چلتے چلتے بچوں کو پیار کرتے کسی دوست کی بیماری کا حال سنتے تو فوراً عیادت کے لئے جاتے اور تسلی دیتے۔ کوئی فوت ہو جاتا تو جنازہ کے ساتھ جاتے۔ (ماخوذ)

* * * * *

"مصیبت کی برداشت کے لئے نماز کا اور صبر کا سہارا پکڑو"

"اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنا واجب ہے اور شکر کا بہترین طریقہ نماز ہے"

مجاہدۂ رمضان میں تہجد کی دعائیں

بہترین دُعا سُورت فاتحہ ہے۔ تنہائی کی نماز میں اس کے بعض حصص کو بار بار دہرایا جاتا ہے یہاں تک کہ انسان کے دِل پر ان کا پُورا اثر ہو اور خشوع کی حالت پیدا ہو جائے۔ الحمد للہ رب العالمین کو پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کے عظیم النشان احسانات اور انعامات پر نظر ہو۔ بعض وقت انسان مصیبت میں ہوتا ہے تو اسے جاننا چاہیئے کہ کئی قِسم کی ربوبیت مصائب کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے۔ پھر ایک انسان کی تکلیف سے بعض وقت دوسروں کی ربوبیت ہوتی ہے پھر اس کی وسعتِ ربوبیت پر بھی نظر ہو کہ وہ ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ تک کی ربوبیت فرماتا ہے۔ اور باوجود اس کے اس کی وسعت مخلوق میں انسان ایک ذرّہ ناچیز ہے۔ پھر بھی وہ اس کی طرف توجہ فرماتا ہے۔ اصل غرض حمد کی یہ ہے کہ انسان کے دِل میں راحت اور سکون پیدا ہو۔ پس یہاں تک حمد الٰہی کرے ۔۔۔۔ تا اسکے قلب میں پیدا ہو جائے۔

(۲) رحمٰن رحیم مالک کا ذکر کرے تو اس کی بے پایاں رحمتوں پر نظر ہو۔ کس قدر وسیع رحمت ہے کہ مانگے بغیر بھی وہ رحم کرتا ہے۔ مانگنے پر بھی رحم کرتا ہے۔ پھر انسان سے قصور ہو جائے تو مالک کا معاملہ کرتا ہے۔ اور دل میں یہ تڑپ ہو کہ ہمارے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ اپنے رحم اور عفو کا معاملہ کرے اس کی ایک نظرِ رحمت سے ہماری ہر قسم کی مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔

(۳) ایاک نعبد وایاک نستعین۔ سورۃ فاتحہ کا گویا مرکزی نقطہ ہے اس میں اور اس سے اگلی دُعا میں اپنے ساتھ اپنے دوستوں کو بھی شامل کرے۔ خدا کی عبادت بھی خدا کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ وہی توفیق دے تو انسان غیر اللہ سے امید و بیم سے آزاد ہو کر اس کے آگے گر سکتا ہے۔ اس موقعہ پر اس عظیم الشان مقصد کو بھی اپنے سامنے لائے جس کے لئے یہ جماعت دنیا میں کھڑی ہوئی ہے۔ اے خدا ہم تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے۔ تیرے کلام کو دنیا میں پہنچانے کی۔ تیرے دین کو دنیا میں پھیلانے کی آرزو رکھتے ہیں اور اس کے لئے اپنے مال اور جان سے تیرے حضور حاضر ہوتے ہیں مگر تیری نصرت کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا۔

(۴) اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم ط یہ بہت وسیع دُعا ہے۔ ہر کام میں صراطِ مستقیم کی ضرورت ہے۔ خدا کو پانے کے لئے بھی اس کی ضرورت ہے۔ صحیح رستے سے انسان کا قدم اِدھر اُدھر ہو تو ساری کوشش رائیگاں جاتی ہے۔ اے خدا تیرے وہ بندے بھی ہو چکے ہیں جن پر تیری نظرِ رحمت اور توجہ ہوئی۔ جنہیں تو نے خود اپنے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لئے چُن لیا۔ جن کے دلوں کو تُو نے اپنے فضل سے پاک اور صاف کر دیا۔ جو تیرے ہو گئے ہم اِس لائق نہیں مگر انہی پاک اور نیک لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی تڑپ ہمارے دلوں میں ہے ہم بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنا چاہتے ہیں تو ہماری اِس راہ پر راہنمائی فرما۔ اے خُدا تیرے نام کو دنیا میں پھیلانے والے کبھی ناکام نہیں ہوئے۔ بلکہ تیری نصرتوں اور تیرے انعامات کے مورد ہوتے رہے تو ہمارے اندر وہی سچی تڑپ پیدا کر اور انہی کی طرح ہماری نصرت فرما۔ اور ہمیں کامیابی کے بلند مینار پر پہنچا دے۔ جن لوگوں کے دلوں میں کبھی یہ وساوس پیدا ہوتے ہیں کہ خدا جانے ہم سے کچھ ہو بھی سکے گا یا نہیں۔ اُن کے لئے صراط الذین انعمت علیھم والا فقرہ ایک تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ جو کوئی بھی خُدا کا نام دنیا میں پھیلانے کے لئے اُٹھا ہے وہ کبھی ناکام نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات کا مورد ہوا ہے۔

فاتحہ کے علاوہ دُوسری دُعائیں

سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات کو بھی سورۃ فاتحہ کی طرح عظمت دی گئی ہے۔ ان کو نمازِ تہجد میں قرأت کے طور پر، یا قنوت کے طور پر پڑھیں۔ آخری آیت دُعا ہی دُعا ہے۔

لاتوا خذنا ان نسینا او اخطأنا۔

نسیان اور خطا انسان کے ساتھ لگے ہوتے ہیں۔ ان کے بدنتائج سے حفاظت ہونی چاہیئے۔ اپنے لئے بھی اور اپنے بھائیوں کے لئے بھی لا تحمل علینا اصرًا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عہد شکنی کے ارتکاب سے بچائے۔ عہد شکنی انسان اور قومیں رد کر دی جاتی ہیں۔ ہم نے بھی ایک کام کو اپنے ذمہ لیا۔ خدا کے ایک مامور کے ہاتھ پر اقرار کیا کہ دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔ دینی ضرورتوں کو دنیوی ضرورتوں پر ترجیح دیں گے۔ اے خدا تو ہی ہمیں توفیق دے کہ اس عہد پر قائم رہیں۔

اپنے لئے۔ اپنے بیوی بچوں کے لئے۔ اپنے سارے بھائیوں کے لئے دلی درد سے دُعا کریں کہ عہد شکنی کے ارتکاب سے بچے رہیں۔ لا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ اے خُدا تو ہمارے ساتھ آسانی کا معاملہ فرما۔ ایسی کوئی تکلیف اور بوجھ ہم پر نہ ڈالیو جس کی برداشت کی طاقت ہم میں نہ ہو۔ واعف عنا واغفرلنا وارحمنا۔ ہمیں معاف فرما اور جو خطائیں ہم سے ہوئیں اُن کی سزا سے ہمیں بچا اور آئندہ کے لئے خطاؤں سے ہماری حفاظت فرما۔ اور اپنے رحم اور کرم کی نظر ہم پر فرما کہ ہماری مشکلات کو آسان کر دے۔ فانصرنا علی القوم الکافرین۔ یہ ساری سورت کا خلاصہ ہے۔ یہ وہ صحیح جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ ہر مسلمان اور کفر اور اسلام کا مقابلہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ اِس زمانے میں اِسلام انتہا درجہ کی بے کسی کی حالت کو پہنچ گیا ہے۔ اور کفر کی موجیں ہر چیز کو اپنے سامنے بہائے لئے جا رہی ہیں۔ دنیا کی زینت اور آرائش کے سب سامان کفر کے ہاتھ میں ہیں۔ ہر قسم کا غلبہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ آنحضرتؐ کے بعد یہ کفر اور اِسلام کی جنگ کا تاریک زمانہ نظر آتا ہے۔ خود مسلمان بجائے دین کی نصرت کرنے کے کفر کی رَو میں بہے جا رہے ہیں۔ اے خُدا تو اپنے دین کے ناصروں کی جماعت کی نصرت فرما۔

تیرا وعدہ ہے ولینصرون اللہ من ینصرہ۔ یہ دُعا کرتے وقت ہماری نظر اِس دجال کی طرف بالخصوص ہو جس کے لئے حضرت اقدس تشریف لائے۔ اور دل میں یہ تڑپ ہو کہ یورپ اور امریکہ کے کفرستان میں اللہ اکبر کی آوازیں بلند ہوں۔

اسی قِسم کی دُوسری قرآنی دُعائیں جن میں اپنی اور اپنے بھائیوں کی ثابت قدمی کی دُعا ہے مغفرت کی دُعا ہے سکینت کے نزول کی دعا ہے۔ قرأت کے اندر پڑھی جائیں یا قنوت کی حالت میں۔

سجدہ: وہ عاجزی کی انتہائی حالت جب انسان اپنا سر اپنے مالک کی چوکھٹ پر رکھ دیتا ہے۔ دُعاؤں میں سوز و گداز پیدا ہونے کے لئے بہترین حالت ہے۔ اس وقت اپنی زبان میں یا عربی زبان میں جس طرح چاہے دُعائیں کرے۔

اسلامی معاشرہ اور

علماء [illegible]

عربی اور خود پرستی نے اسلام کو ہمیشہ نقصان پہنچایا ہے۔ اس طبقے نے کبھی دل سے پسند نہیں کیا کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

بلکہ اس نے مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا کر کے اپنے اقتدار کو ہمیشہ کے لئے محفوظ و مصئون کیا ہے۔ اگر مسلمان سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور اخلاقی بحران کا شکار ہو جائیں تو علماء کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ لیکن جہاں کہیں کسی نے اس کے مخصوص مسلک کی خلاف ورزی کی وہیں وہ شخص راندۂ درگاہِ خداوندی قرار دیدیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا عنوان پر ڈاکٹر انوار الحق صاحب نے "مشرق" ۲۴۔اپریل ۸۳ء میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ہم اس میں سے کچھ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ (ادارہ)

علمائے کرام کو یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ دھواں دھار تقریروں۔ بلند بانگ دعووں سحر انگیز نعروں اور دل موہ لینے والے لفظوں سے قوم کی تقدیر نہیں بدلی جا سکتی۔ اس اعلیٰ و ارفع مقصد کے لئے ایمان یقین محکم، عمل پیہم، جذبہ صادق اور مجاہدین کی سی جرأت اور ہمت کی ضرورت ہے۔ وہ اسلام کے شیدائی ہیں مگر اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے گریزاں ہیں۔ وہ حقوق اللہ پر تو بہت زور دیتے ہیں مگر حقوق العباد کی بات نہیں کرتے۔ بعض حضرات قرآن مجید کی آیات کریمہ کی تشریح اپنے ذاتی مفاد کے مدنظر کرتے ہیں اور جو شخص ان سے اختلاف کرے اس کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کرنے میں ذرا جھجک محسوس نہیں کرتے۔ وہ مسلمانوں کی زبوں حالی پر آنسو تو بہاتے ہیں مگر اس کی صحیح اشاعت کے لئے مثبت اقدام نہیں کرتے۔

ایوب خان مرحوم کے دور میں کچھ علماء حزب اختلاف میں شامل تھے اور ایوب خان کو انتخابات میں شکست دینا چاہتے تھے۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ محترمہ فاطمہ جناح کے سوا صدر ایوب کے خلاف کسی اور کی کامیابی کی امید نہیں فتوے جاری کر دیا کہ اسلامی سلطنت میں عورت سربراہ مملکت ہو سکتی ہے۔ اب انہی علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عورت پیدائشی طور پر کمزور، ناقص العقل جذباتی اور رحم دل واقع ہوئی ہے۔ اس لئے حدود میں اس کی شہادت قابل قبول نہ ہو گی۔ جن علماء نے یہ فتویٰ بھی دیا کہ جن خواتین نے عورت کی شہادت کے متعلق مظاہرہ کیا تھا ان کے نکاح فسخ ہو گئے۔ بالفاظِ دیگر عورت سربراہ مملکت۔ وزیر، مشیر، سفیر، جج، وکیل تو بن سکتی ہے مگر اس میں گواہی دینے کی صلاحیت نہیں۔ کیا یہ متضاد موقف نہیں۔ ہزاروں قتل ڈاکہ، مجرمانہ حملہ کے مقدمات جن میں صرف عورتیں گواہی دے سکتی ہیں مجرموں کو حدود کے تحت سزا نہ دی جا سکے گی، یہ فیصلہ مجرموں کے حق میں جائے گا۔ اس سے لاقانونیت اور غنڈہ گردی کو فروغ ہوگا۔ عوام کی جان و مال، عزت و آبرو اور عورتوں کی عفت و عصمت محفوظ نہ ہوگی۔ اور اسلام دشمن تنظیموں کو اسلام کے خلاف مواد میسر ہوگا۔ ٭٭

کیا ہمارے علماء

اس [illegible] کیا [illegible]

شاید ہمارے علمائے کرام کو یہ بھی معلوم نہیں کہ پاکستان میں کلیسا کے علمبرداروں نے اپنے اندر فرقہ وارانہ اختلافات کو بھلا کر متحدہ مسیحی محاذ بنا لیا ہے۔ اس میں پاکستان کے آٹھ اضلاع (کلیسا نے پاکستان کی مذہبی تنظیم کے اعتبار سے آٹھ اضلاع میں تقسیم کر رکھا ہے) کے بشپ صاحبان شامل ہیں۔ مشن ہسپتالوں۔ مشن سکولوں اور مشن فلاحی اداروں کو ایک لڑی میں پرو دیا جا چکا ہے اور ایک کوڈ اصطلاح کے تحت "حملہ" پوری شد و مد سے جاری ہے۔

اس کے مقابلے پر ہم شیعہ، سُنی۔ بریلوی، دیوبندی، ارائیں، جاٹ۔ پنجاب۔ سندھ لیفٹ رائٹ کی گردان میں مصروف ہیں۔ مسجدوں میں پنج وقت نمازوں میں شامل ہونے والوں کی اکثریت کو یہ علم بھی نہیں کہ وہ نماز میں کیا کر رہے ہیں۔ ہم مشن ہسپتالوں اور مشن سکولوں اور مشن فلاحی اداروں سے مستفید ہونے کے لئے قطاروں میں کھڑے ہو کر اس غیر ملکی "حملہ" کا جواب نہیں دے سکتے کیا ہمارے علمائے کرام، ہمارے دانشور، ہمارے دولت مند، ہمارے جمعیت علمائے اسلامی کے کارکن اور ہمارے دوسرے فعال ادارے غیر ملکی مشنریوں کے حملے کا جواب دینے کو تیار ہیں یا وہ بدستور باہمی جنگ و جدال میں مصروف رہنے کو ہی اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں؟

(بشکریہ نوائے وقت ۴ جون ۱۹۸۳ء صفحہ ۴)

— ٭ ٭ ٭ ٭ —

٭٭ مجھے یاد ہے کہ علماء نے تو چیچک کے خلاف، ریل گاڑی میں سفر کرنے کے خلاف انگریزی پڑھنے کے خلاف۔ مسجدوں میں لاؤڈ سپیکروں کے نصب کرنے۔ کرسی پر بیٹھ کر کھانا تناول کرنے کھڑے ہو کر پانی پینے وغیرہ کے خلاف بھی فتوے لگائے تھے۔ لیکن شاید ہی کوئی مسلم رہنما ہوگا جس کے خلاف انہوں نے کفر کا فتویٰ نہ دیا ہو۔ اگر ملتِ اسلامیہ ان فتووں کو اہمیت دیتی تو مسلمانوں کا حال مشوروں سے کسی طرح بھی بہتر نہ ہوتا۔ ان کے ہاتھ میں جھاڑو اور سر پر گند کی ٹوکری ہوتی۔ ٭٭٭

باہتمام الحمیدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۸ جون ۱۹۸۳ء۔ جلد ۷۰ شمارہ ۲۳

درعشقِ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اُس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خوبتر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اُس پر ہر اک نظر ہے بدر الدجےٰ یہی ہے

پہلے تو راہ میں ہارے پار اُس نے ہیں اُتارے
میں جاؤں اُس کے وارے بس ناخدا یہی ہے

پردے جو تھے ہٹائے اندر کی راہ دکھائے
دِل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے

وہ یارِ لامکانی و دلبرِ نہانی
دیکھا ہے ہم نے اُس سے بس رہنما یہی ہے

وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے
وہ طیّب و امیں ہے اُس کی ثنا یہی ہے

حق سے جو حکم آئے اُس نے وہ کر دکھائے
جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے

آنکھ اس کی دُوربیں ہے دِل یار سے قریں ہے
ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیاء یہی ہے

جو رازِ دیں تھے بھارے اُس نے بتائے سارے
دولت کا دینے والا فرمانروا یہی ہے

اُس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

وہ دلبرِ یگانہ علموں کا ہے خزانہ
باقی ہے سب فسانہ سچ بےخطا یہی ہے

سب ہم نے اُس سے پایا شاہد ہے تو خدایا
وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

ہم تھے دلوں کے اندھے سو سو دلوں پہ پھندے
پھر کھولے جس نے جندے وہ مجتبیٰ یہی ہے

اے میرے ربِ رحمٰن تیرے ہی ہیں یہ احساں
مشکل ہو تجھ سے آساں ہر دم رجا یہی ہے

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تارکا پتہ ۔ تبلیغ

فون ۔ ۵۲۴۳۷

مدیر اعزازی
پروفیسر خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

جلد: ۷۰ | یوم چہارشنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۴۰۳ ہجری مطابق ۱۵ جون ۱۹۸۳ عیسوی | شمارہ: ۲۴

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم رحمۃ اللہ علیہ

تمام قسم کی بھلائیاں قرآن حکیم میں ہیں!

میں نے سنا ہے کہ بعض تم میں سے حدیث کو بکلّی نہیں مانتے۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو سخت غلطی کرتے ہیں۔ میں نے یہ تعلیم نہیں دی کہ ایسا کرو بلکہ میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزیں ہیں جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہیں دی ہیں۔

(۱) سب سے اول قرآن ہے جس میں خدا کی توحید اور جلال اور عظمت کا ذکر ہے اور جس میں ان اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے جو یہود اور نصاریٰ میں تھے۔ اسی طرح قرآن میں منع کیا گیا ہے کہ بجز خدا کے تم کسی چیز کی عبادت نہ کرو۔ نہ انسان کی نہ حیوان کی نہ سورج کی۔ نہ چاند کی۔ اور نہ کسی اور ستارہ کی اور نہ اسباب کی اور نہ اپنے نفس کی۔ سو تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو (۷۰۰) حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے اوپر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ الخیر کلہ فی القرآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔

تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلا واسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہیں دی گئی اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی تو بعض فرقے ان کے قیامت سے منکر نہ ہوتے۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے۔ یہ بڑی دولت ہے اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔

قرآن نے ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے۔ اگر صوری و معنوی اعراض نہ ہو، قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے اگر تم خود اس سے نہ بھاگو۔ بجز قرآن کس کتاب نے اپنی ابتدا میں ہی اپنے پڑھنے والوں کو یہ دعا سکھائی اور یہ امید دی کہ:۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم

یعنی ہمیں اپنی ان نعمتوں کی راہ دکھلا جو پہلوں کو دکھلائی گئی جو نبی اور رسول اور صدیق اور شہید اور صالح تھے۔

پس اپنی ہمتیں بلند کر لو اور قرآن کی دعوت کو رد مت کرو۔

۔۔۔۔ ۲۲۶ ۔۔۔۔

مضطر کی دعا کی قبولیت وجود باری تعالیٰ پر قطعی اور یقینی دلیل ہے

دعا کی قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق لازمی شرط ہے تعلق باللہ میں ہی دنیا کیلئے امن اور سلامتی ہے

خطبہ جمعہ مورخہ ۳ جون ۱۹۸۳ء فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، بمقام جامع احمدیہ - دارالسلام - نیو گارڈن ٹاؤن - لاہور ۱۶

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ النمل کی آیات ۵۹ تا ۶۲ "قل الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ط آللّٰہ خیر اما یشرکون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قلیلا ما تذکرون" کی تلاوت کی اور ان آیات کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے فرمایا:-

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی توجہ اور غور و فکر کے لئے اپنی ہستی پر مظاہر قدرت سے چند ایک ایسے ثبوت بیان فرمائے ہیں جن کا وہ اپنی زندگی میں روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں اور جن پر ان کی زندگی کا تمام تر دار و مدار ہے تاکہ وہ ان تمام واقعات اور تغیرات پر جو ان کی زندگی میں آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں عقل و فکر سے کام لیتے ہوئے غور کریں اور اس حقیقت کی تلاش اور جستجو کریں جو ان سب کے پیچھے کارفرما نظر آتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان پر اپنی تخلیق کی یہ غرض و غایت بھی منکشف ہو جائے کہ "ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" کہ وہ ہم تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہماری غلامی میں آجائیں۔ ہماری عبادت کریں کیونکہ یہی ایک ذریعہ ہے جس سے وہ ہم تک پہنچ سکتے اور ہمارے ساتھ تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ جس کی بدولت وہ ہمارے منتخب بندے بن جائیں گے اور ہم انہیں امن و سلامتی کی زندگی عطا کر دیں گے۔

اس آیت "قل الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ط آللّٰہ خیر اما یشرکون" میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے اور اس کے ان بندوں پر سلامتی ہے جنہیں اس نے چن لیا۔ ان الفاظ کے بعد یہ سوال کیا ہے کہ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے یہ منتخب - محب اور پسندیدہ بندے کون ہیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اور جنہیں امن و سلامتی کی خوشخبری دی گئی ہے؟ اس کا جواب ہمیں تاریخ کے حوالے سے یہی ملتا ہے کہ یہ آنحضرت صلعم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وہ برگزیدہ اور پاک جماعت ہے جس کی جانی اور مالی قربانیوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق کی وجہ سے ملک عرب میں محیر العقول انقلاب پیدا ہوا اور جس کا وجود اللہ تعالیٰ کی نہاں در نہاں ہستی پر ناقابل تردید ثبوت فراہم کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ہمارا یقین اور ایمان اس وقت اور بھی بڑھ جاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان خدا رسیدہ انسانوں کی پاک جماعت ان مشرکین مکہ میں سے پیدا ہوئی جنہیں اپنی جہالت اور عیش پرستی پر فخر تھا اور شرک - شراب خوری - قماربازی - فحاشی - بدکاری - جنگ و جدل اور قتل و غارت جن کا شب و روز کا معمول تھا۔ کوئی گناہ اور غیر انسانی حرکت ایسی نہ تھی جس کے وہ مرتکب نہ ہوتے اور جس پر وہ اتراتے نہ ہوں۔ عرب کے ان وحشی درندوں میں سے اللہ تعالیٰ کی یہ منتخب جماعت آنحضرت صلعم کی قوت قدسی کی بدولت پیدا ہوئی جس کے ذریعہ نہ صرف ملک عرب بلکہ تمام دنیا میں معاشی - سماجی - اخلاقی اور روحانی انقلاب پیدا ہوا۔ یہ خود انسانیت سے گری ہوئی حالت سے نکل کر انسان - انسانوں سے با اخلاق انسان اور با اخلاق انسانوں سے باخدا انسان بن گئے اور اپنی مثال سے دوسروں کی اس طرف رہنمائی کی۔ یہی "عباد اللّٰہ الذین اصطفیٰ" ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہے اور جنہیں اس آیت متلو میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر محکم دلیل ٹھہرایا گیا ہے۔

اس کے بعد کی دو آیات ۶۰ اور ۶۱ میں سوالات کی صورت میں تخلیق کائنات پر نظر ڈالنے کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ دیکھو آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے بادلوں سے پانی برسا کر تمہارے لئے یہ خوشنما باغ کس نے اگائے ہیں۔ کیا تمہارے لئے یہ ممکن تھا کہ تم ان درختوں کو اگا سکتے؟ جنہیں تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو کیا ان میں سے کسی کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ اس قسم کی تخلیق کر سکے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر بتاؤ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ مگر یہ لوگ دنیا کی طرف جھک کر اسی میں کھو کر رہ گئے ہیں۔ ان کی عقلوں پر پردے پڑ گئے ہیں۔ انہیں یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ اس ساری کائنات کا کوئی خالق ہے اور وہی ہمارا خالق بھی ہے کیونکہ ہم بھی اس کائنات کا ایک اہم حصہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی مشاہدات اور تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے ان سادہ اور عام فہم الفاظ میں ایک بہت بڑی باریک حقیقت بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی پودا خواہ چھوٹا ہو یا بڑا بغیر بیج کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ بیج کے اندر درخت کی جڑیں - تنا - شاخیں - پتے - پھول اور پھل سب کچھ نہایت باریک شکل و صورت میں موجود ہوتا ہے لیکن اسے اُگنے، بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے لئے اچھی زمین - پانی - ہوا اور مناسب حرارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سے اگر ایک جز بھی میسر نہ ہو تو یہ زمین کے اندر ہی گل سڑ کر نابود ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ سارے اجزا موجود ہوں تو یہ بیج بڑھ کر ایک خوشنما - بارآور اور تناور درخت بن جاتا ہے جس سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انسانی فطرت ایک اچھی زمین ہے جس میں "ونفخت فیہ من روحی" کے مطابق روح کا بیج ڈالا جاتا ہے۔ چونکہ یہ روح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی جاتی ہے اس لئے اس کی حیثیت صالح بیج کی سی ہوتی ہے۔ اس کے اُگنے - بڑھنے اور ترقی کرنے کے لئے وحی الٰہی بارش اور محبت الٰہی حرارت کا کام دیتی ہے اور جس طرح ہوا کی آکسیجن بیج میں موجود غذائی مادوں کو توڑ پھوڑ کر بیج کی نشوونما کے لئے قوت مہیا کرتی ہے اسی طرح روح کی نشوونما کے لئے مجاہدات ضروری ہیں۔ جو نفس کو توڑ پھوڑ کر اس کے فاسد مادوں کو خارج کر کے روح کی ترقی کا موجب ہوتے ہیں۔ جب تک انسانی فطرت کی زمین میں ڈالے گئے روح کے بیج کو وحی کی بارش - محبت الٰہی کی حرارت اور مجاہدات کی آکسیجن میسر نہ ہو وہ اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ آنحضرت صلعم کی وساطت سے یہ سبب

کچھ صحابہ کرام کو ملا اور وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے بن گئے۔

اس آیت کے آخر میں اسی لئے فرمایا ہے کہ ایک معمولی درخت کا اگانا جب تمہارے بس اور طاقت میں نہیں اور نہ تمہارے معبودانِ باطل کے بس میں ہے تو تم انسان کے اندر بیج کی صورت میں پائی جانے والی روح کی نشو و نما اور تربیت بغیر اس کے ساتھ تعلق کے کس طرح کر سکتے ہو؟ انسان اپنے کمال کو اسی وقت پہنچ سکتا ہے جب وہ اپنے آپ کو کلیتاً اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اس کی غلامی کا جوا ہمیشہ کے لئے اپنی گردن میں ڈال دے معبودانِ باطل انسان کو اس کے مطلوب مقصود اور محبوب تک نہیں پہنچا سکتے۔

آیت ۶۱ میں زمین کو قرارگاہ بنانے اس میں دریاؤں۔ پہاڑوں اور دریاؤں کے درمیان روک بنانے کا ذکر ہے۔ ان تمام سے انسان اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے آخر میں پھر اسی سوال کو دہرایا ہے کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے۔ اور فرمایا ہے" بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے"، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے علم ظاہری اور علم باطنی دونوں کی ضرورت ہے۔ ایک بے علم انسان خدا کو شناخت نہیں کر سکتا۔ یہ دونوں علم ہمیں قرآن کریم کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔

ظاہری نظر سے بھی اگر دیکھا جائے تو تمام کائنات میں ایک ہی قانون کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ قانون کی یہ یکسانیت ایک ہی خالق کی ہستی کا ثبوت دیتی ہے۔ کیونکہ لوکان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا" اگر آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا تو ان میں فساد برپا ہو جاتا۔ قوانینِ فطرت پر غور و فکر کرنے والے سائنسدان بھی آج اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان کے پیچھے کام کرنے والی جو بھی ہستی ہے وہ ایک ہی ہے۔ ورنہ کائنات میں یہ یکسانیت۔ توازن اور ہم آہنگی نہ پائی جاتی۔

آخری آیت جو میں نے پڑھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ بھلا کون بے قرار کی فریاد کو پہنچتا ہے جب وہ اُسے پکارتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں حاکم بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ اگر محض عقل ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا یقینی ثبوت اور اس پر اطمینان حاصل ہو جاتا تو یہ ایک غیر یقینی امر ہے۔ کہ آج کا سائنسدان جس نے ایٹم کا سینہ شق کرنے کے بعد اس کے اندر کی کائنات کا علم حاصل کر کے اپنی جدید تحقیقات اور تجربات کی بناء پر اپنے پیشرو سائنسدانوں کا یہ نظریہ کہ مادہ غیر فانی ہے غلط ثابت کر دیا ہے اب بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں تشکیک میں مبتلا ہوتا کیونکہ جمادات۔ نباتات اور حیوانات کے اجسام انہی ذرات سے مرکب ہیں۔ اور یہ تمام ذرات باوجود ظاہری اختلافاتِ شکل و صورت کے یکساں قوانین کے تابع اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اور تمام سائنسدان اس بات پر متفق ہیں کہ قوانین کی یہ یکسانیت اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کائنات کا ایک ہی خالق ہونا چاہیئے لیکن چونکہ انہیں یہ تجربہ حاصل نہیں جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے اس لئے شک و شبہ کا غبار ابھی تک ان کے ذہنوں سے دور نہیں ہوا۔ اور وہ یقین کے اس مرتبہ پر نہیں پہنچ سکے جہاں وہ یہ کہہ سکیں کہ" ہاں خدا ہے"۔

جیسا کہ اس آیت میں بیان ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب انسان ناساعد حالات کی وجہ سے مجبور۔ بے بس اور بے قرار ہو جائے۔ اُسے اپنی مشکلات اور مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لئے امید کی کوئی کرن نہ دکھائی دیتی ہو۔ اپنے پرائے سب اس کے مخالف اور اُسے مٹانے پر تُلے بیٹھے ہوں تو مایوسی اور بے قراری کے اس عالم میں جب وہ اللہ تعالیٰ کے آستانے پر اپنا سر رکھ کر اس سے مدد کا طالب ہو اور اس دعا کی قبولیت کے اثر سے اس کی مایوسی امید میں بدل جائے۔ مخالفت کے طوفان کا رُخ بدل جائے۔ کل کے جانی دشمن دوست بن جائیں۔ اُس وقت اس انسان کا دل اس یقین سے معمور ہو جاتا ہے کہ ماسوائے اللہ کے اور کوئی ایسی ہستی نہیں جس نے اس کی پکار سن کر اس کی اعانت کی ہو اور حالات کا نقشہ بدل دیا ہو۔ کیونکہ تمام ظاہری اسباب منقطع ہو جانے کی صورت میں صرف ایک ہی مسبب الاسباب یعنی اللہ تعالیٰ مدد کے لئے باقی رہ جاتا ہے۔

آنحضرت صلعم کی زندگی اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے آپؐ سے بڑھ کر کوئی مضطر نہیں تھا۔ آپؐ کے ابتدائی زمانہ کی عاجزی بے بسی اور بے کسی کی حالت کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ سے آپ کا تعلق اور آپ کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے عرب کے بیابان میں ایک عجیب انقلاب بپا کر دیا۔ وحشیوں اور درندوں کو خدا کے آستانے پر گرا کر انہیں با خدا انسان بنا دیا۔ انہوں نے خدا کو اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ آپ نے فرمایا ہے۔" ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ تف علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی" یہی میرا طریق ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے اور میری پیروی کرنے والوں نے اُسے اپنی بصیرت کی روشن آنکھ سے دیکھ لیا ہے وہ سب نقائص سے پاک ہے۔ اس کے بعد میں شرک کیسے کر سکتا ہوں۔ وہ خود شرک سے پاک ہوئے اور دنیا کو اس سے پاک کرنے کے لئے یہی پیغام لے کر باہر نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت بھی دی لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے سبب ہوا۔ آنحضرت صلعم نے ہمیں بھی یہی راستہ بتایا ہے۔ اگر ہم عملاً آپ کی پیروی کریں گے تو ہمیں بھی وہ بصیرت حاصل ہو جائے گی جس سے ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں گے۔ ہر مضطر کے ساتھ اللہ تعالیٰ یہی سلوک کرتا ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہو۔

ہمارے اپنے زمانے میں بھی ایک مضطر گذرا ہے۔ اور وہ تھے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صد چہاردہم، اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کے تعلق اور اس تعلق کیوجہ سے آپ کی بے شمار دعاؤں کی قبولیت کی مثالیں کثرت سے ہمارے سامنے موجود ہیں۔ آپ کی دعاؤں سے مُردے زندہ ہو گئے جسمانی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی۔ آپ نے اپنی جماعت کے ہاتھ میں بھی یہی موثر ہتھیار دیا۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے دروازے پر مضطربانہ دستک دیتے ہیں ان کے لئے یہ دروازہ کھل جاتا ہے اور ناموافق حالات بھی معجزانہ طور پر موافق ہو جاتے ہیں۔ جو آزمانا چاہے آزما لے۔ لیکن اس شرط کو اپنے سامنے رکھے کہ اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ہو اور اس کے دل میں کسی قسم کا شرک نہ ہو۔ جو اس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں وہی اس کے "عباد" کہلانے کے مستحق ہیں۔ اور انہی کے لئے سلامتی اور امن ہے جیسا کہ آیت ۵۹ میں مذکور ہے۔

اس وقت دنیا جن حالات سے گذر رہی ہے وہ آپ کے سامنے ہیں۔ آپ اخبارات پڑھتے۔ ریڈیو سنتے اور ٹیلی وژن دیکھتے ہیں جن کے ذریعے دنیا کے واقعات کا ہمیں علم ہوتا رہتا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی امن اور سلامتی نہیں۔ ہر طرف مشکلات اور مصائب ہی مصائب ہیں اس کی واحد وجہ یہی ہے کہ مخلوق کا اپنے خالق سے تعلق ٹوٹ چکا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے وعدے میں تو کبھی تخلف نہیں ہوتا۔ لوگ اپنی

مصائب کا حل خدا سے تعلق کے بجائے اور ذرائع سے تلاش کر رہے ہیں۔ اس طرف ان کی توجہ بہت ہی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بہت ہی کم ہیں جو ہماری نصیحت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ ہر مشکل کا حل ہمارے ساتھ تعلق اور ہمارے آستانے پر گر کر دعا کرنے میں ہے۔ کیونکہ ہماری یاد کے بغیر اطمینان قلب۔ امن اور سلامتی کی جستجو سعی ناکام ہے۔ صرف عقل والے ہی اس راز کو پا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے اُسے یاد کرتے ہیں انہیں "اولی الالباب" فرماتا ہے یعنی عقل سے کام لینے والے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نے دنیا کے کام کاج اور کاروبار سے منع فرما دیا ہے بلکہ سورۃ جمعہ میں فرماتا ہے۔ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو لیکن تمہاری کامیابی اسی میں ہے کہ اللہ کو بہت یاد کرو۔ کیونکہ اگر تم مجھے یاد کرو گے تو میں تمہیں یاد کروں گا۔ "فاذکرونی اذکرکم"۔ "ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم" اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اس نے انہیں اپنا آپ بھلوا دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا " اولٰئک ھم الفٰسقون" یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندوں میں سے ہو گئے۔ آج بھی لوگ خدا کو بھلا کر نافرمان ہو گئے ہیں۔ اسی لئے دنیا سے امن اور چین اٹھ گیا ہے۔ جب تک اس کی طرف واپس نہیں آئیں گے ان کے لئے کہیں راحت اور آرام نہیں ہے۔

میں اپنی تمام جماعت کو اس کی خیر خواہی کے مدنظر یہ یاد دلاتا رہتا ہوں کہ ہمیں اللہ تعالےٰ کو بہت یاد کرنا چاہیئے۔ اُسے بھلا کر اس کے نافرمان بندوں میں داخل ہو کر اپنی تباہی اور بربادی کو دعوت نہیں دینا چاہیئے کیونکہ سہارا تو اس کے بغیر کوئی سہارا اور جائے پناہ ہی نہیں۔ ہمارے لئے جو اس وقت گوناگوں مشکلات ہیں اُن سے گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ "لن یصیبنآ الا ما کتب اللہ لنا ھو مولٰنا وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون" ہمیں ہرگز کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے۔ وہ ہمارا آقا ہے اور اللہ پر ہی مومنوں کو بھروسا رکھنا چاہیئے۔ اللہ کے ساتھ اگر ہمارا تعلق ہو گا تو یہ تمام مشکلات۔ مصائب اور خطرات غبار ہو کر اُڑ جائیں گے۔ یہ مامور وقت کی پیدا کردہ جماعت ہے قرآن کریم کے ذریعے آپ نے اس کی اصلاح کی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اللہ تعالےٰ کی برگزیدہ اور پسندیدہ جماعت بن جائیں۔ اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا مضبوط تعلق قائم کریں۔ پھر کوئی مشکل مشکل نہیں رہے گی۔

وما علینا الا البلاغ

فطرانہ عید

اس سال ۵ روپے فی کس ہوگا۔

صدقۂ عیدالفطر نماز عید سے پہلے گھر کے ہر فرد کیطرف سے ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی بچہ اسی دن پیدا ہو تو اس کا فطرانہ بھی ادا کرنیکا حکم ہے انجمن نے اس دفعہ ۵ روپے فی کس فطرانہ مقرر کیا ہے تمام احباب اپنی اپنی جماعتوں کے سیکرٹری۔ محصل اور محاسب صاحبان کو نماز عید سے پہلے مقررہ شرح کیمطابق فطرانہ ادا کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔

اخبار احمدیہ

* ایبٹ آباد سے محترم پروفیسر خلیل الرحمان صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بخیر و عافیت ایبٹ آباد پہنچ گئے ہیں۔ یہاں کے خوشگوار موسم کی وجہ سے رمضان المبارک کے روزوں میں اور سلسلہ احمدیہ کے کاموں اور خدمت دین کی مہمات میں ہمہ تن مصروف ہیں اس مبارک مہینہ میں احباب سلسلہ اور تہجد گذار بزرگ حضرت ممدوح کے لئے اپنی نیم شبی دعائیں جاری رکھیں تا کہ اللہ تعالیٰ خدمتِ دین کے کاموں میں آپ کا ممد و معاون ہو آمین، ثم آمین!

آپ کا پتہ ڈاک درج ذیل ہے احباب نوٹ فرمالیں

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب

"دارالسعید" ملک پورہ۔ جیل روڈ۔ ایبٹ آباد

معذرت:

۲۵ مئی ۸۳ء کے الپیغام میں فیصل آباد سے موصول ہونے والی رپورٹ جلسہ یوم وصال حضرت اقدس، جو شائع ہوئی ہے اس میں محترم مولانا عبداللطیف شاہد صاحب کا اسم گرامی اور جامع اور پُر مغز تقریر کا ذکر سہو کتابت سے رہ گیا ہے ہم جناب مرزا ٹیپو سلطان بیگ صاحب سے (جنہوں نے جلسہ کی رپورٹ برائے اشاعت ارسال کی ہے) اور مولانا موصوف سے معذرت خواہ ہیں۔

ـــــ ادارہ

مولانا محمد علی فری ڈسپنسری

خدا ترس مخیّر دوستوں کے لئے حصولِ ثواب کا ذریعہ

مقامی جماعتِ احمدیہ کے زیر انتظام احمدیہ بستی دارالسلام، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور میں یہ فری ڈسپنسری اہالیانِ بستی کے علاوہ گرد و نواح کے مریضوں کو طبّی امداد بہم پہنچا رہی ہے۔ دکھی انسانیت کی خدمت کا یہ سلسلہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے۔ ڈسپنسری کو ایک مستند، قابل اور تجربہ کار ڈاکٹر کی خدمات حاصل ہیں جو روزانہ ۲ بجے بعد دوپہر سے ۵ بجے شام تک نہایت انہماک سے مریضوں کو دیکھتے ہیں اور دوا تجویز کرتے ہیں۔ جو مفت دی جاتی ہے اس کارِ خیر کی وسعت کے ساتھ ساتھ اخراجات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ آپ بھی دستِ کرم بڑھائیں اور ثواب دارین حاصل کریں آپ کے عطیات اگر مستقل صورت میں ماہانہ آئیں تو مفید تر ہو سکتے ہیں۔

عطیات بھیجنے کا پتہ

چوہدری ریاض احمد صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور

دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

شہرِ رمضان

رمضان کے مبارک مہینہ کی ابتداء ہو چکی ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں انوار و برکات کے دروازے اور قربِ الٰہی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ مسلمان محض رضائے الٰہی کے لئے اپنے نفس پر تنگی اور مشقت وارد کرتے ہیں۔ اور عبادت اور دُعا پر بہت زور دیتے ہیں۔ تاکہ انہیں خدا تعالےٰ کا قرب اور گناہوں سے دوری حاصل ہو۔ اور اس مجاہدے سے اُن کے اندر بدی کے مقابلہ میں ایک قوت پیدا ہو جائے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے روزہ پہلی قوموں پر بھی فرض کیا تھا اور اسلام سے بیشتر جو مذاہب دنیا میں موجود تھے ان میں کسی نہ کسی رنگ میں روزہ کو جزو عبادت قرار دیا گیا لیکن روزہ کا جو مقصد اور حقیقت غائی اسلام نے بیان کی ہے وہ پہلے مذاہب میں موجود نہ تھی اور دُوسری عبادات کی طرح روزہ رکھنے کا جو رواج تھا وہ بقول ایک پادری، غم اور رنج و مصیبت کے وقت تھا۔ گویا غم اور تکلیف کے وقت ظاہری صورت میں بھی غم و مصیبت اختیار کی جاتی تھی لیکن اسلام نے ایک بلند غرض مسلمانوں کے سامنے رکھی اور وہ یہ کہ تم متقی بن جاؤ۔ یعنی تمہارے اندر بدی کی طاقتیں کمزور اور نابود ہوں اور نیکی کی طاقتیں نشو و نما پائیں۔ ہر چیز اپنے کمال تک پہنچنے کے لئے اس بات کی محتاج ہے کہ اُسے صحیح طور پر نشو و نما دی جائے اور روزہ میں حکم خداوندی کی فرمانبرداری کے لئے رزقِ حلال کو ترک کرنے سے خواہشات کو ترک کرنے کی قوت انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی قوت انسان کو اپنے نفس پر حاکم بنا کر پاکیزگی اور نیکی کے اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر پہنچاتی ہے۔ بسا اوقات انسان خواہشاتِ حیوانی کا محکوم بن جاتا ہے لیکن روزہ میں خواہشات پر غلبہ پانے کی عملی راہ بتائی گئی ہے۔ اور اسے متقی بننے اور زندگی کے اعلےٰ ترین مقاصد کے حصول کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ جو شخص محض اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے حلال چیز کو ترک کر سکتا ہے۔ اس کے لئے حرام چیز کو ترک کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اور وہ تھوڑی سی کوشش سے نیکی کی بلند سے بلند منازل طے کر لیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے قرآن اتارا۔ ایسا قرآن جو لوگوں کے لئے ہدایت اور ہدایت کے لئے کھلے کھلے دلائل رکھتا ہے اور حق اور باطل کو الگ کر دینے والا ہے۔ رمضان رمض سے مشتق ہے جس کے معنے دھوپ کی گرمی کی شدت ہیں۔ اسلام میں پہلے پہل جب مہینوں کے نام رکھے گئے تو اس مہینہ میں گرمی نہایت سخت تھی۔ اس لئے اس مہینہ کا نام رمضان یعنی گرمی کی شدت والا مہینہ رکھا گیا۔ قرآن کریم کے نزول کے وقت ظاہری گرمی سخت تھی یا نہیں تو بھی اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت لوگوں کے دل آپس کی دشمنی کی آگ سے بھڑک رہے تھے بدلوں اور گناہوں کی آتش سے روحیں جل رہی تھیں۔ اور جس طرح ظاہری گرمی کی شدت سے پرندے، چرندے اور انسان بے تاب ہو جاتے ہیں اور ان کی رُوح پانی کے لئے تڑپتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بدلیاں آسمان پر چھا جاتی ہیں۔ اسی طرح روحانی قحط اور نیکی کے دُنیا سے گم ہو جانے اور بدی کی آگ بھڑک اُٹھنے کے بعد قرآن مجید کی رحمت کی بدلی آسمان سے زمین پر اتاری گئی۔ اگر رمضان کے معنی گرمی کی شدت والا ہیں تو عربی میں قرآن کے معنی ایک بہت بڑے چشمہ کے ہیں جس میں سب دریاؤں کا پانی آکر جمع ہو جاتا ہے۔ پس یہ قرآن وہ مبارک چشمہ ہے جس نے سب سے اول ملک عرب میں لوگوں کے دلوں سے گناہوں اور معاصی کی بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور آج بھی اگر کوئی قوم اپنے دلوں کی گرمی اور رُوح کو جلا دینے والی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتی ہے تو وہ ہدایت کا چشمہ اس رمضان میں ہی موجود ہے۔

روزہ کو عربی میں صوم کہتے ہیں جو کسی فعل سے رُک جانے کا نام ہے جیسے کھانے پینے۔ بات کرنے اور چلنے سے رُک جانا لیکن اصطلاحِ شریعت میں اس کے معنے کھانے پینے وغیرہ سے رُکنے اور جھوٹ بولنے اور گالی گلوچ بکنے اور کسی کی بُرائی سے بچ جانے کے ہیں یعنی اسلام میں روزہ کا حقیقی مقصد صرف کھانے پینے سے آپ کو روکنا نہیں بلکہ زبان کو جھوٹ اور دُوسروں کو دُکھ دینے والی باتوں، آنکھ کو بدنظری سے کان کو گندی اور بے ہودہ بات سننے سے اور ہاتھ کو ظلم سے اور ناجائز مال کھانے اور کسی کو ایذا دینے سے روک رکھنے کا نام ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم سے متعدد احادیث مروی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ روزہ صرف کھانے پینے سے رُک جانے کا نام نہیں بلکہ بے ہودہ باتوں اور جہالت کے کاموں سے رُک جانے کا نام ہے۔

اللہ تعالےٰ نے رمضان شریف کو قرآن مجید کی سالگرہ کا مہینہ قرار دیا ہے۔ یعنی یہ مہینہ اس پاک کلام کے نزول کی یادگار ہے۔ کسی بڑے آدمی یا کسی مشہور واقعہ کی یادگار کے دن ہم اس انسان یا اس واقعہ کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کے محاسن کو بار بار دہراتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں رمضان میں جو قرآن کے نزول کی یادگار ہے اس پاک کتاب کو کثرت سے پڑھنے اور سننے اور اس پر عمل کرنے کا حکم ہے رسول مقبول صلعم نے رمضان کے بہت سے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ اور منجملہ اُن کے یہ فضیلت بھی بیان کی ہے کہ رمضان میں شیطان نفس مقید کر دی جاتی ہیں اور آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یعنی انسان کو سماوی نعمتوں و برکات سے وافر حصہ مل سکتا ہے۔ اور وہ اپنی زندگی کے بلند سے بلند مقام کو حاصل کر سکتا ہے۔

خُدا کے لئے کوئی دُکھ یا تکلیف برداشت کرنے میں ایک خاص لذّت ہے لیکن وہ تکلیف اگر درحقیقت تکلیف نہ ہو بلکہ ہماری بھلائی کا ذریعہ ہو تو اس میں اور بھی لذت اور مزہ ہے۔ سائنس بھی اس امر کو تسلیم کرتی ہے۔ کہ کبھی کبھی اپنے معدہ کو آرام دینا صحت اور زندگی کے لئے بے حد مفید ہے۔ اور فاقہ کرنا مفید عمل ہے۔ پس اگر ہم گیارہ ماہ کے بعد ایک ماہ اپنے قوے کو آرام دینے کی غرض سے خورد و نوش کو ایک خاص وقت تک کے لئے ترک کر دیں تو نہ صرف اس سے روحانی طور پر اللہ تعالےٰ کی اطاعت سے سرور حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ جسمانی طور پر بھی اس سے ہماری صحت میں ترقی ہوتی ہے۔ روزہ ہمیں ایک باقاعدگی سکھاتا ہے۔ اور اس سے جذبات پر قابو پانے کی مشق ہوتی ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو اس چشمۂ ہدایت اور اپنی روحوں کو سیراب کرتے ہیں اور اپنی خواہشات کی آگ کو ٹھنڈا کر کے دنیوی و اُخروی نعماء و افضال کے وارث قرار پاتے ہیں۔

ہماری جماعت کے احباب خُدا کے فضل سے جہاں رمضان میں تمام ضروری فرائض کو حسبِ معمول سر انجام دیں گے اس بات کو بالخصوص یاد رکھیں کہ رمضان بڑے مجاہدہ کا مہینہ ہے۔ اور یہ تیس دن اور بیس ساتیں ہم نے بالخصوص اس بلند مقصد کے حصول کے لئے صرف کرنی ہیں۔ جو حضرت مجدد صد چہاردہم نے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ آج بھی دنیا میں بدی کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اور لوگوں کی ارواح شدتِ گرمی سے تڑپ رہی ہیں اور بنی نوعِ انسان گناہوں کی تپش میں جل رہے ہیں اور یہ فرض ہمارے ہی سپرد کیا گیا ہے کہ: ـــــ "ہم قرآن کے چشمہ سے دنیا کی آگ کو ٹھنڈا کریں، بے تاب دلوں کی پیاس بجھائیں۔ اور بندگانِ خدا کو تسکین بخشیں۔ ـــــ *** ـــــ (ماخوذ)

پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۵ جون ۸۳ء ـــــ ۷

از قلم مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن ـــــ سبق نمبر ۳۵

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ۔ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ
لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الاَرضِ ؕ وَاِن تُبدُوا مَا فِی اَنفُسِکُم
اَو تُخفُوہُ یُحَاسِبکُم بِہِ اللّٰہُ ؕ فَیَغفِرُ لِمَن یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ
مَن یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ ○

ترجمہ:۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اُسے چھپاؤ اللہ اس کا تم سے حساب لے گا۔ پھر وہ جس کو چاہے مغفرت کرے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرة ۔ ۲۸۴)

رسول اللہ صلعم نے بجا فرمایا تھا کہ مجھے دو چیزیں دی گئی ہیں جو کسی نبی کو نہیں دی گئیں ایک تو سورۃ فاتحہ اور دوسرے سورۃ البقرۃ کا آخری رکوع جس کی پہلی آیت پر میں دو درس دے چکا ہوں مگر مضمون ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ پچھلے درس کی آخری بات میں نے یہ عرض کی تھی کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کے اندر جو روح پیدائش کے وقت پھونکی تھی وہ ان تمام تجربات میں سے گذرتی ہوئی جو ہر انسان کو اس کی عمر بھر میں پیش آتے ہیں اور انسان کے نیک یا بد اعمال، اچھے اور بُرے اقوال اور نیک اور بُرے خیالات وغیرہ سے متاثر ہو کر ایک شخصیت یا PERSONALITY بن جاتی ہے جس کے لئے قرآن حکیم نے لفظ "نفس" استعمال فرمایا ہے۔ وہ روح جو خدا کے پاس سے آئی تھی اور اب "نفس" بن گئی وہ اللہ تعالےٰ کی امانت ہے جسے وہ انسان کی موت کے وقت واپس لے لیتا ہے۔ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ اس امانت کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ وہ حوالہ میں اب پیش کرتا ہوں۔ انا عرضنا الامانۃ علے السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوماً جھولاً ○ (الاحزاب ۳۳ ۔ ۷۲) یعنے ہم نے امانت کو پیش کیا آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر، تو انہوں نے انکار کیا کہ اس کا بوجھ اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کا بوجھ اُٹھا لیا بے شک وہ بڑا ظلم کرنے والا اور بڑا جاہل ہے۔ اس میں فرمایا یہ ہے کہ وہ روح جو اللہ تعالےٰ نے انسان کے اندر رکھی گئی ہے وہ اس قدر بوجھل امانت ہے (یعنے اس کی ذمہ داری لینا کہ اس امانت کا حق پورا ادا کیا جائے گا اسقدر مشکل ہے) کہ آسمان اور زمین اور پہاڑ اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکتے۔ مگر انسان میں اہلیت ہے کہ اس ذمہ داری کے بوجھ کو اٹھا سکے۔ اور اگر وہ اس امانت کا حق ادا کرے تو انسان کے قلب میں آسمانوں سے بڑھ کر بلندی اور زمین سے بڑھ کر وسعت اور پہاڑ سے بڑھ کر مضبوطی پیدا ہو جاتی ہے تبھی وہ خدا جو آسمانوں اور زمین میں نہیں سماتا وہ انسان کے قلب میں سما جاتا ہے اور وہ خدا جس کی تجلّی کو پہاڑ نہیں برداشت کر سکتے جیسا کہ حضرت موسیٰ کی درخواست پر کہ اے اللہ تُو مجھے اپنے آپ کو دکھا تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تو اپنی جسمانی آنکھ سے مجھے نہیں دیکھ سکتا اس لئے کہ انسان کی آنکھ تو نازک ترین شئی ہے اور معمولی روشنی کی چمکار کو نہیں دیکھ سکتی کجا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلّی کو دیکھ سکے، اور پھر اس کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے سامنے کے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر گر گیا اور حضرت موسےٰ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ (الاعراف ۷ ۔ ۱۴۳) تو اللہ تعالیٰ کی تجلّی جسے پہاڑ نہیں سہہ سکا اُسے مومن کا قلب سہہ لیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ جو آسمانوں اور زمین میں نہیں سماتا وہ مومن کے قلب میں سما جاتا ہے۔

اس معرفت کے نکتہ کو رسول اللہ صلعم نے بھی بیان فرمایا ہے جس کو مولانا روم نے اپنی مثنوی میں یوں باندھا ہے ؎

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است + من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست
در دل مؤمن بہ گنجم اے عجب + گر مرا خواہی دراں دلہا طلب

یعنے پیغمبر صلعم نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں آسمانوں اور زمین میں نہیں سماتا۔ مگر یہ بات عجیب ہے کہ میں مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔ سو اگر مجھے ڈھونڈنا ہے تو اس دل میں ڈھونڈ۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے بھی فرمایا ؎

درونِ قصرِ دل دارم یکے شاہے کہ گر گاہے + اگر بیروں زند خیمہ بہ بحر و بر نمی گنجد

یعنے میرے دل کے محل میں ایک بادشاہ ہے کہ اگر وہ کہیں باہر خیمہ لگائے تو خشکی و تری میں نہیں سماتا۔ اسی طرح حضرت خواجہ میر دردؒ فرماتے ہیں ؎

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے + میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم نے فرمایا ؎

از دلِ احمدؐ نمی بینم دگر عرشِ عظیم

یعنے رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک سے میں بڑھ کر کوئی بڑا عرش نہیں دیکھتا کہ جس پر اللہ تعالیٰ جلوہ گر تھا۔ خلاصہ یہ کہ اس روح کی امانت کو جو اللہ تعالےٰ نے انسان کے اندر رکھی ہے انسان کما حقہٗ اٹھا لے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پا لیتا ہے جو انسان کی پیدائش کا مقصد ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں جو میں نے ابھی پڑھی تھی فرمایا کہ کیوں انسان اس امانت کے بوجھ کو اٹھا لیتا ہے جسے آسمان اور زمین اور پہاڑ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے کہ انہ کان ظلوماً جھولاً انسان بہت ظلم کرنیوالا جہل کرنے والا ہے۔ اردو زبان میں "ظلم" اور "جہل" عام طور پر بُرے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ مگر عربی میں ظلم کے معنی نقصان کرنے کے بھی آتے ہیں اور جہل کے معنی زبردستی کرنے کے بھی ہوتے ہیں مثلاً ایامِ جاہلیت کا ایک شعر ہے ؎

الا لا یجھلن احدٌ علینا + فنجھل فوق جھل الجاھلینا

یعنے خبردار ہم پر کوئی زیادتی یا زبردستی نہ کرے کیونکہ پھر ہم سب زیادتی کرنے والوں سے بڑھ کر زیادتی کریں گے۔ تو لفظ جہل اس آیت مبارکہ میں تعریف کے رنگ میں آیا ہے کہ انسان میں ایک خوبی ہے جس کی وجہ سے وہ امانت کے بوجھ کو اٹھا لیتا ہے اور وہ یہ کہ اپنے نفس پر وہ ہر قسم کا جبر کر سکتا ہے۔ مثلاً جتنی نیکیاں

ہیں یا عبادتیں ہیں انہیں پورا کرنے میں انسان اپنے نفس پر جبر کرتا رہتا ہے۔ نماز کو ہی لے لیجیئے۔ کس قدر اپنے نفس پر زبردستی کر کے دن میں پانچ دفعہ یا پچھلی راتوں کو تہجد کے لئے اٹھنا پڑتا۔ وضو کرنا پڑتا ہے اور بھٹکنے والی توجہ کو جبر کر کے خدا کی طرف لگانا پڑتا ہے۔ دوسری بات انسان کی تعریف میں فرمائی کہ وہ اس امانت کے بوجھ کو اس لئے بھی اٹھا لیتا ہے کہ وہ اپنا نقصان بہ نقصان کر سکتا ہے خدا کے راستہ میں جتنی قربانیاں ہیں خصوصاً مال کی وہ اوپر تلے کی نقصان بظاہر ہوتی ہیں۔ اسی طرح انسان ضرورت پڑنے پر اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر وہ اپنا اور اپنی بیوی بچوں کا کیا نقصان کر سکتا ہے؟ اور جب وہ یہ سب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس انسان کے قلب میں وہ بلندی پیدا کرتا ہے جو آسمانوں میں نہیں اور وہ وسعت پیدا کر دیتا ہے جو زمین میں نہیں اور وہ مضبوطی پیدا کر دیتا ہے جو کہ پہاڑوں میں نہیں اور یہ کوئی مقام تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو ایٹم جیسی چھوٹی چیز میں جو دیکھی تک نہیں جا سکتی آسمان اور زمین اور ستاروں اور سیاروں کی کائنات پیدا کر دی ہے تو کیا وہ مومن کے دل میں نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے اور کر دیتا ہے جس کا تجربہ تمام انبیاء اور اولیاء اللہ بلکہ مومنوں کو بھی ہوا۔

ایک علم النفس کے ماہر PSYCHOLOGIST نے لکھا ہے کہ زمین کی وسعت پر قابو حاصل کرنے کی خواہش انسان کی فطرت میں ہے جس کا مظہر اسکندر اعظم یا نپولین یا چنگیز خاں یا آجکل کی بڑی طاقتیں BIG POWERS زمین پر چھا جانے کی دن رات کی کوششوں اور اربوں کھربوں پاؤنڈ اور ڈالر خرچ کرنے میں دکھاتی ہیں۔ اسی طرح پہاڑوں پر چڑھنے کی خواہش انسان کے دل میں ہوتی ہے تبھی تو لوگ اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر پہاڑوں پر بار، بار چڑھنے رہتے ہیں حالانکہ بظاہر اس کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح آسمانوں میں جانے کی خواہش انسان کے دل میں ہے تبھی تو اربہا ارب بلکہ کھرب ہا کھرب ڈالر اور روبل خرچ کر کے اب انسان آسمان کی بلندیوں کو پانا چاہتا ہے۔ تو باہر کی دنیا میں تو یہ ہر انسان کے لئے ممکن نہیں کہ آسمانوں کی بلندیوں کو پا سکے یا پہاڑوں کو سر کر سکے یا زمین کی وسعت پر قابو پا سکے مگر ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ سامان کیا ہے کہ وہ اگر اس امانت کا حق ادا کرے جو اس کے اندر رکھی گئی ہے تو وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا ہے۔

اب ہم آج کی آیت کی باقی باتوں پر غور کرتے ہیں۔ فرمایا کہ تمہارے نفس کی جو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے کیا حالت ہے چاہے وہ اس دنیا میں تمہارے قول یا فعل سے ظاہر ہو جائے یا تم اسے چھپا جاؤ اللہ تعالیٰ اپنی اس امانت کا تم سے حساب لیگا۔ دنیا کی دوسری چیزیں جو قرض ملی تھیں ان کا بھی حساب لے گا مگر وہ روح جو اللہ تعالیٰ سے آئی تھی اور سب میں قیمتی دولت اور امانت تم کو دی گئی تھی اس کا تم نے کیا حشر کیا اس کا وہ خاص طور پر تم سے حساب لے گا۔ چونکہ انسان جو عمل کرتا ہے، یا بات کہتا ہے یا دل کے اندر خیالات جمائے رکھتا ہے اُن کا ریکارڈ انسان کے نفس پر ہو رہا ہوتا ہے تو نفس کا حساب لینے میں دراصل دوسری تمام چیزوں کا جو بطور قرض دی گئی تھیں اُن کا بھی حساب آ گیا۔

تو اس عظیم الشان ذمہ داری اور جوابدہی کا خیال کر کے انسان کا دل کانپ اٹھتا ہے کہ میں یہ سب حساب کتاب کس طرح دے سکوں گا تو فوراً بطور تسلی اگلے الفاظ آتے ہیں کہ فیغفر لمن یّشاء یعنے اللہ تعالیٰ جسے چاہے بخش دے حالانکہ حساب کتاب کا ذکر تھا تو سزا کا ذکر پہلے آنا چاہیئے تھا مگر پہلے ذکر اپنی مغفرت کا فرمایا۔ قرآن کریم اس قسم کی تسلیوں سے بھرا پڑا ہے مثلاً فرمایا قل یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ط ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً ط انہ ھو الغفور الرحیم ○ (الزمر ۳۹-۵۳) یعنے "کہہ دے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ سب کے سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے"۔ دوسری جگہ فرمایا کتب علیٰ نفسہ الرّحمۃ یعنے اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحم کو لازم کر لیا ہے۔ یا سبقت رحمتی علیٰ غضبی یعنے میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔

مگر ساتھ ہی تنبیہہ فرمائی کہ و یعذب من یّشاء یعنے جسے چاہے عذاب میں بھی ڈالے۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت اُسی کے لئے ہے جو نیک نیتی سے کوشاں رہے مگر پھر بھی اُس سے غلطیاں ہو جائیں یا کوتاہیاں ہو جائیں۔ مگر جو ارادۃً شریر اور بدکار انسان ہو اس کی اصلاح کے لئے اور اُسے پاک کرنے کے لئے آگ میں ڈالنا ضروری ہو جاتا ہے۔ آخر میں فرمایا واللہ علیٰ کلّ شیءٍ قدیر یعنے اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جسے چاہے بخش دے اور جسے ضروری سمجھے سزا دے۔ اسلام کا خدا دوسرے مذاہب کے خداؤں کی طرح نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے بخش نہ سکتا ہو یا سزا دینے پر مجبور ہو جیسا کہ عیسائیت کے عقیدہ کفارہ کی بنیاد ہے۔ یا جزاء دے تو صرف اتنی جتنی کہ کسی نے نیک عمل کئے ہوں اور اُسے پھر آواگون TRANSMIGRATION OF SOULS کے چکر میں ڈال دے۔ جو علیٰ کل شیءٍ قدیر ہو اس کی مغفرت اور رحمت چاہنے کو انسان کی روح اس کے آگے گر کر توبہ و اصلاح کی طالب ہو سکتی ہے

باقی آئندہ

درس قرآن کی افادیت اور مقبولیت

ایک عرصہ سے اخبار پیغام صلح میں جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کے درس قرآن مجید کے جو نوٹس باقاعدگی سے شائع ہو رہے ہیں ان کی افادیت اور پسندیدگی کے بارے میں احباب جماعت کے خطوط آتے رہتے ہیں حال ہی میں ایک دوست جو جماعت ربوہ سے متعلق ہیں اور بلاد غیر میں مقیم ہیں لکھتے ہیں۔

"آجکل جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کے درس قرآن کے نوٹ جب سے شروع ہوئے ہیں پیغام صلح کا انتظار رہتا ہے۔ کاش ان کو اچھی کتابت کرا کر اچھے کاغذ پہ ایک ایک پارہ شائع کرتے جائیں تو فیض عام ہوگا۔"

یہ صاحب ہماری جماعت کے پیدا کردہ لٹریچر کے بڑے مداح اور قدردان ہیں اور ہمارے اخبارات کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتے ہیں اُمید ہے کہ ان کی خواہش کے مطابق (جیسا کہ کچھ اور دوستوں کی بھی خواہش ہے) درس قرآن کے نوٹوں کی طباعت کی تجویز پر غور فرمایا جائے گا۔

(ادارہ)

سلسلہ احمدیہ میں شمولیت کے لئے

دس (۱۰) شرائط بیعت

۱۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

۲۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آئے۔

۳۔ یہ کہ بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلعم پر درود بھیجنے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روزہ اپنا ورد بنائے گا۔

۴۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

۵۔ یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عسر اور یسر اور نعمت اور بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہرحال راضی بہ قضا ہوگا اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

۶۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے پر قبول کرے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

۷۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

۸۔ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

۹۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

۱۰۔ اس عاجز[1] سے عقد اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

([1] حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی)

ارشاد باری تعالیٰ:-

* "اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

ہمارے عقائد

ایک خدا، ایک رسولؐ، ایک کتاب

۱۔ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں۔

۲۔ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور بالفاظ بانی سلسلہ۔

"اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجنابؐ کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا۔" (نشان آسمانی ص۲۸)

"جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔" (مجموعہ اشتہارات حصہ چہارم صفحہ ۳۳۳)

"میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔" (مجموعہ اشتہارات حصہ چہارم ص۳۳۳)

"ہم مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔"

۳۔ ہم قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب مانتے ہیں جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں اور نہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔

۴۔ ہم بالفاظ بانی سلسلہ ایمان لاتے ہیں کہ "ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے"۔

۵۔ ہم کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو اسلام کے ان ارکان میں سے مانتے ہیں جن پر دین کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

۶۔ ہم تمام انبیاء اور تمام کتابوں پر جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے ایمان لاتے ہیں۔

۷۔ ہم تمام صحابہ کرام، تمام ائمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے اور کسی صحابی یا امام یا محدث یا مجدد کی تکفیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۸۔ ہم بالفاظ بانی سلسلہ ایمان لاتے ہیں کہ "جو شخص اس شریعت اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے۔"

۹۔ ہم سب ارشاد بانی سلسلہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہیں غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالحہ کا اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں۔ ان سب کا ماننا فرض سمجھتے ہیں۔

ارشاد نبوی صلعم:-

* "سب سے بہترین عمل بروقت ادائے نماز ہے۔"

خواجہ کمال الدینؒ

مذہبِ اسلام زندگی کا وہ صحیح ترین نظریہ ہے

جسے عمل میں لانے سے انسان اپنے مقصدِ پیدائش کو پالیتا ہے

اس موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے اولاً مذہب اور اس کے مقصد پر چند الفاظ لکھنا چاہتا ہوں مذہب کی حقیقت و غایت کے نہ سمجھنے نے دنیا نے مذہب میں مختلف مشکلات پیدا کر دی ہیں اسی سے طرح طرح کے غلط عقائد اور ان سے غلط اصول تمدن و تہذیب پیدا ہو گئے۔ قرآن نے جس مذہب کا نام اسلام رکھا ہے وہ ان قوانین الٰہیہ کی اطاعت ہے جن سے انسان کے ودیعت شدہ اور مضمرہ قوٰے چمک کر بالفعل ہو جاتے ہیں۔ از روئے تعلیم قرآن محض سجدے اور رکوع کرنا۔ چند فقروں کا زبان پر لانا چند باتوں کو مان لینا مذہب نہیں۔ یہ باتیں اجزائے مذہب تو ہیں مگر عین مذہب نہیں۔ مذہب تو زندگی کا وہ صحیح نظریہ ہے جس کو عمل میں لانے سے انسان وہ چیز بن جاتا ہے جس کے لئے وہ بنایا گیا۔

کائنات میں ایک چیز بھی تو ایسی نہیں جس میں گو ناگوں [illegible] کے لئے خاص خاص لاتبدیل قواعد مقرر ہیں۔ جن سے تمسک کر کے ہر ایک چیز اپنی [illegible] کو نشوونما لے آتی ہے۔ انہی لاتبدیل قوانین الٰہیہ پر چلنے کا نام اسلام ہے۔ [illegible] کر دیکھ لو۔ اگر کوزے میں دریا بند ہو سکتا ہے تو پھر وہ بیج تخم ہے۔ ایک ننھا سا [illegible] اور اس میں ایک بڑا سا درخت شاخیں۔ پتے۔ پھل۔ پھول۔ رائحہ۔ ذائقہ اور نہ معلوم کیا کیا کچھ بھرا پڑا ہے۔ قدرت نے اس تخم کو درخت بنانے کے لئے چند قوانین وضع فرما دیئے ہیں۔ جس وقت ان کی اطاعت ہوئی۔ وہ تخم درخت ہو گیا۔ کائنات کی ہر ایک چیز کا یہی حال ہے۔ ان سب کا ایک ہی مذہب ہے یعنی اپنے متعلقہ قوانین پر چل کر اپنے کمال پر پہنچ جانا۔ اسی کا نام لفظاً اور معناً اسلام ہے۔ انسان کے اندر لاانتہاء استعدادوں کا خزانہ ہے۔ اس کا جسم اس کے جذبات، ادراک تعقل۔ ارادہ۔ تصور وغیرہ۔ پھر ان کے صحیح استعمال سے اس میں قوت صنعت و ایجاد تصنیف و تالیف۔ مختلف علوم و فنون۔ پھر جذبات کا صحیح شکل میں عمدہ اخلاق میں آ جانا۔ اخلاقِ فاضلہ۔ روحانیات وغیرہ۔ غرض یہ سب کچھ انسان کے اندر ہیں کسی سے کسی کا اور کسی میں کسی کا ظہور ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک چیز کے ظہور کا ایک ہی بہترین صحیح و لاتبدیل طریق ہوتا جس پر چلنے کا نام اسلام ہے خواہ وہ جسمانیات سے تعلق رکھے یا روحانیات سے ہے۔

ایک جسم انسانی کی صحیح پرورش کے لئے ہمیں کائنات کی ہر ایک چیز سے تمسک کرنا پڑتا ہے جن کے متعلق پھر الگ الگ قوانین ہیں۔ یہ جو طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں وہ انہی قوانین کی خلاف ورزی سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا عالم جسمانیات کے قوانین کا دریافت کرنا اور ان پر چلنے کا نام بھی جہاں تک جسمانیات کا تعلق ہے اسلام ہی ہے۔ اس لئے سائنس کی مختلف شاخوں میں جس قدر تحقیق سے نئے علوم پیدا ہوتے رہتے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو وہ سب کے سب اسلام ہی کے علوم ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا خود قرآن مجید کہتا ہے:۔

ولہ اسلم من فی السمٰوات والارض

ہر ایک چیز جو زمین اور آسمان میں ہے خدا کے مقرر کردہ قوانین کے آگے سر جھکاتی ہے۔ اس کی بقا اس کے خواص کا ظہور۔ ان قوانین کی پیروی پر منحصر ہے۔ انہی قوانین کی دریافت کا نام سائنس ہے۔ سائنس کیا ہے؟ دراصل اس ارادہ الٰہیہ کا علم حاصل کرنا ہے جو کائنات کی کسی چیز کے خلق۔ اس کے خواص اور ان خواص کے طریق ظہور کے متعلق ہو۔ اسی وجہ سے میں نے اسے بھی علم اسلام کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔

ہماری تحقیقات جسمانیات میں بھی جو تجربہ اور مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے غلطی سے خالی نہیں ہوتی۔ پھر ذہنیات۔ اخلاق اور روحانیات تو کل کی کل نظریات ہیں۔ ان میں تو قدم قدم پر غلطی کا احتمال ہے۔ اس لئے مصلحت ربّی نے ان آخر الذکر علوم کو بذریعہ وحی انسان پر افشا کیا۔ لہٰذا ان افشا شدہ باتوں کی حقیقت کو ماننا اور ان پر چلنا مخصوص معنی میں مذہب اسلام کہلاتا ہے ان باتوں سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ مقصد مذہب از روئے تعلیم قرآن مخفی قوتوں کا ظہور اور ان کا کمال پر پہنچانا ہے۔ پھر جب ہر ایک چیز اپنے کمال پر پہنچنے کے لئے صدہا قوانین کی پیروی کی محتاج ہے۔ تو انسان جو ایک قسم کا عالم صغیر ہے۔ اور کائنات کی کل قوتیں استعداداً اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ بغیر کسی قانون اور اطاعت قانون کے کس طرح اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے کسی بزرگ کے چند اخلاقی فقرے۔ چند دعائیں۔ اس کے منہ سے نکلی ہوئی چند لعنتیں یا چند معجزات مذہب حقہ کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح چند امور پر خواہ وہ صداقت ہی کیوں نہ ہوں ایمان لانا مگر ان پر عمل پیرا ہونا کسی نتیجہ کو پیدا نہیں کر سکتا۔ اگر اس بات پر ایمان لانے سے کہ فلاں خزانہ میں اس قدر مال و زر ہے۔ کوئی شخص دولت مند نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اپنے زر کو صحیح طور پر استعمال نہ کرے۔ تو پھر کسی ایسی بات پر صرف ایمان رکھ لینے سے فطرت انسانی کے مخفی جوہر نشوونما نہیں پا سکتے۔

الغرض انسان کا صحیح مذہب وہی ہے جو کائنات کے ذرہ ذرہ کا ہے جس طرح کسی درخت کے تخم میں ہزارہا ان گنت جوہر مضمر ہوتے ہیں۔ اسی طرح بے تعداد استعدادیں نطفہ انسانی میں پنہاں ہیں۔ اگر ایک تخم مقررہ قوانین اور راہوں پر چلنے ہی سے ایک باثمر درخت بن جاتا ہے۔ تو انسانی جوہر بھی صحیح قوانین الٰہیہ پر چلنے سے ہی بارور ہوتے ہیں۔

اگر یہ طریق غلط ہے اور صحیح طریق وہی ہے جو مسیحیت تجویز کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ صرف ایمان لانے سے ہی انسان نیکوکار ہو جاتا ہے۔ تو جناب مسیح کی تعلیم کو تو مذہب محبت کی تعلیم کہا جاتا ہے۔ پھر میں اس محبت کو عیسائی ممالک کے کس گوشہ میں تلاش کروں۔ ہاں جب تک پہلی تین صدیوں میں عیسائی مذہب۔ فقراء۔ غرباء۔ خدام اور غلاموں کی جماعت تک محدود رہا عیسائیوں میں ایک حد تک شفقت محبت اور رواداری کے آثار تھے۔ لیکن یہ تو ضرورت وقت یا مرتا کیا نہ کرتا کا مسئلہ کہا جا سکتا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کو کس خوبصورتی سے بیان کیا۔ ؎

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

"تم مجھے چھ چیزوں پر عمل کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔
۱۔ بولو تو سچ بولو (۲) عہد کرو تو وفا کرو (۳) بدکاری سے بچو (۴) بدنظری سے بچو
۵۔ کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ (۶) امانت میں پورے اترو۔"

(حدیثِ نبویؐ)

پھر جمعرات آگئی

۳۱ مارچ کی جمعرات میری زندگی کی کل کائنات کو لوٹ کر لے گئی۔ اب ہر جمعرات مجھے تڑپاتی رہے گی۔ مجھ سے میرا باپ بھائی دوست میری ماں بہن چھین کر لے گئی۔ حسب معمول صبح کو اٹھا غسل خانہ کی طرف جا رہا تھا کہ اباجان سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ میں نے سلام کیا۔ وہ وضو کر کے آرہے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر ہم تبادلۂ خیالات کرنے لگ جاتے تھے۔ کبھی سیاست پر کبھی دین پر، اباجان ناشتے سے فارغ ہو گئے تھے میں نے ابھی کرنا تھا۔ میں اباجان کے پاس آکر بیٹھ گیا اس دن محبت کے موضوع پر بحث ہونے لگی۔ اباجان کے چہرے کے تاثرات دنیا سے بیزار نظر آرہے تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ تو جس کسی کو چاہتا ہے دل و جان ایک کر دیتا ہے۔ دنیا میں کسی سے اتنا پیار نہ کرو کہ جینا یا مرنا مشکل ہو جائے۔ میں نے کہا کیا مطلب کہنے لگے پھر زندگی بوجھل ہو جاتی ہے۔ میں ان کا منہ تکنے لگا۔ پھر مجھے شادی کا مشورہ دیا۔ دراصل ایک غیر احمدی لڑکی نے احمدیت کے بارے میں جو غلط باتیں کی تھیں جس کی وجہ سے میں نے شادی سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے اباجان سے کہا بھی کہ ارشد کو بھیجنا لیکن میں نہ گیا۔ وہ تو کہنے لگے کہ اگر وہ احمدی ہو جائے تو پھر ٹھیک ہے۔ میں نے کہا بس اب دل نہیں مانتا۔ خیر کافی باتیں ہوئیں۔ پھر مکان کے بارہ میں کہنے لگے کہ جلدی سے تیار کر لو۔ میں نے کہا اس سال ان شاء اللہ آپ کی تمام خواہشیں پوری ہوں گی آپ دعا کرتے رہیں۔ اتنے میں آٹھ بج گئے اور مجھے ناشتے کا خیال نہ رہا۔ میں جلدی سے دفتر کی تیاری کرنے لگا اور اباجان بھی تیار ہونے لگے۔ جانے کیوں آج بار بار حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ (دو دن پہلے رات کو میرا دل اباجان کے ساتھ سونے کو کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ اباجان اسی طرح مجھے لٹائیں اور پیار کریں جیسے بچپن میں کرتے تھے)

اباجان نے اپنا موٹر سائیکل سٹارٹ کیا پیچھے میری موٹر سائیکل تھی میں نے بھی سٹارٹ کی اب آگے آگے اباجان اور پیچھے پیچھے میں تھا۔ میرا دفتر قریب ہی ہے میں اپنے دفتر چلا گیا۔ میں نے تمام دن کام کیا تاکہ جمعہ مکمل فراغت سے منایا جائے اور اباجان کو زیتون کے تیل کی مالش بھی کرنا تھی۔ پانچ بجے کے قریب فارغ ہو کر گھر آیا۔ اباجان کے سکوٹر پر نظر پڑی دل کو راحت محسوس ہوئی۔ نہا دھو کر کمرے میں گیا سلام کیا ٹی وی پر فلم دیکھ رہے تھے مجھے ایک اور کام کے سلسلے میں جانا تھا اس لئے تھوڑی دیر کے بعد میں اٹھ کھڑا ہوا کہنے لگے آتے ہوئے گولڈن سیب لیتے آنا۔ میں نے ایک پارٹی میں جانا تھا وہاں بھی پریشان سی طبیعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی نہ کھا سکا تھا۔ اور پارٹی میں بھی چائے وغیرہ نہ پی سکا۔ رات کو ۹ بجے واپس ہوا راستے میں سیب لئے۔ گھر میں داخل ہوا۔ اباجان اپنے کمرے میں مصلّے پر بیٹھے ہوئے تھے اور تسبیح کر رہے تھے۔ میں نے سیب میز پر رکھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اباجان کہنے لگے کہ راولپنڈی سے ربانی صاحب کا خط (برائے تعمیر پلاٹ) آیا تھا تم اس کا اندازہ لکھ بھیجو۔ پھر کہنے لگے کہ باہر والوں کا ٹی وی ٹھیک کر دو ڈرامہ آنا ہے۔ وہ بھی دیکھ لیں گے۔ میں کپڑے تبدیل کر کے ٹی۔ وی ٹھیک کرنے لگ گیا۔ اباجان بار بار باہر آکر دیکھ رہے ہیں کیوں ابھی ٹھیک نہیں ہوا۔ آواز تو آرہی ہے۔ بغیر تصویر کے۔ چلو آواز ہی سن لو۔ بس مذاق کر کے پھر چلے جاتے ہیں پھر کہتے ہیں اچھا میں تو دیکھوں ڈرامہ۔ اندر چلے جاتے ہیں۔ میرے کمرے میں دودھ رکھ کر آتے ہیں۔ ساڑھے دس بج گئے ہیں اچانک تصویر آجاتی ہے۔ ٹی وی پر میں اندر جاتا ہوں کہ بتا دوں اور سیب کھاتے ہیں بیٹھ کر۔ اندر کمرے میں داخل ہوتا ہوں تو دل دھک سے رہ جاتا ہے۔ اباجان صوفے پر بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا آپ کو کیا ہوا ہے۔ کہنے لگے دل پر بوجھ سا ہے اور سانس اکھڑ رہی ہے۔ نہیں اباجی یہ نہیں ہو سکتا بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔ کہنے لگے میں بیٹھا ہوا تھا کہ طبیعت بے چین ہو گئی ہے۔ میں نے کہا سیب کھایا تھا کہنے لگے نہیں۔ میں نے دس منٹ تک خوب جسم دبایا پھر باہر کو چلے گئے۔ ورزش کرنے لگ گئے۔ طبیعت بے چین ہے۔ میں نے چچا صاحب کو بلایا اور خود ڈاکٹر کو لینے چلا گیا۔ غالب مارکیٹ کے ڈاکٹر نے کہا مجھے دس ہزار بھی دو تو نہیں جاؤں گا مریض کو یہاں لے آؤ۔ میں نے بتایا وہ اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہنے لگا میں نہیں جا سکتا اور بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ کہ میری نیند خراب کر دی۔ پھر گھر گیا اباجان مجھے دیکھ رہے ہیں نگاہیں دروازے پر تھیں۔ سانس تیز ہو گئی تھی مجھے ڈاکٹر وحید صاحب کا خیال آیا میں فوراً ان کی طرف گیا۔ گیارہ بج گئے تھے رات کے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ اباجان کی حالت غیر تسلی بخش ہے وہ فوراً کار لے کر آگئے راستے میں نہیں نہیں کرتا ہوا جا رہا تھا۔ آنے والے خدشات سے سانس رک رہی تھی مگر دل کو یقین تھا کہ میرا باپ مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ وہ میرے لئے موت سے لڑے گا۔

ڈاکٹر صاحب کو دیکھتے ہی کہنے لگے طبیعت بے چین ہے سکون کی دوا دیں ڈاکٹر صاحب نے ایک انجکشن لگایا اور تسلی دی مگر افاقہ نہ ہوا پھر ڈاکٹر صاحب نے مجھے دو انجکشن اور لکھ کر دیئے میں وہ بھی لے آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک انجکشن اور لگایا تو کہنے لگے طبیعت اور خراب ہو گئی ہے۔ میں نے فوراً پاؤں پر مالش کی ٹانگیں دبائیں مگر وہ ٹھنڈی تھیں چہرے پر نظر پڑی تو دیکھا کہ اباجان آنکھیں چرا رہے ہیں جیسے کہہ رہے ہوں کہ تجھے چھوڑ رہا ہوں تیرا ساتھ نہیں دے سکتا۔ میری گھٹی گھٹی چیخیں نکل گئیں میں باہر چلا گیا۔ اور رو پڑا مگر پھر اندر بھاگا کہ اس چہرے کو جی بھر کر تو دیکھ لوں شاید یہ آخری ملاقات ہی ہو۔ مجھے اس طرح دیکھ کر کہنے لگے اب کچھ سنبھلی ہے طبیعت۔ دراصل انہوں نے میری دلجوئی کی خاطر اپنے دکھ کو اپنی تکلیف کو ضبط کر لیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے تسلی دی اور کہنے لگے ہسپتال لے جانا پڑے گا آکسیجن لگانے سے افاقہ ہو سکتا ہے اتنے میں اباجان کہنے لگے پیشاب آرہا ہے مگر ٹانگیں جواب دے گئی ہیں۔ تو میں نے اور چچا صاحبان نے اٹھایا میرے منہ پر اب بھی وہ سانس کی ہوا محسوس ہوتی ہے۔ کپڑے تبدیل کئے۔ رات کے بارہ بج گئے ہیں ڈاکٹر صاحب کہنے لگے

کہ پانچ دس منٹ اور دیکھ لیتے ہیں ورنہ ہسپتال لے چلیں گے۔ بلڈ پریشر بڑھ گیا ہے میں نے چہرے سے پسینہ خشک کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فوری طور پر ہسپتال چلنے کو کہا۔ ڈاکٹر صاحب بے چارے بار بار اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیر رہے ہیں میں سمجھ گیا کہ بس اب پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے۔ اباجان بھی کہنے لگے کہیں لے چلو۔ تو کرسی پر بٹھا کر کار تک لائے دروازے سے نکلتے وقت کہنے لگے ارشد میرے کوٹ کی جیب میں پیسے ہیں سنبھال لینا۔ یہ آخری الفاظ ہیں جو ان کے پیارے منہ سے ادا ہوئے۔ کار میں بٹھایا میں اپنے موٹر سائیکل پر تھا کہ اگر دوائی وغیرہ کی ضرورت پڑے تو آسانی ہو۔ ہسپتال میں داخل ہوتے ہیں کار کے آگے سٹریچر لینے گیا تو اس طرح گردن گھما کر دیکھ رہے ہیں سٹریچر پر لیٹتے ہی بے بس ہو گئے جلدی سے آکسیجن وغیرہ لگائی سرہانہ لاکر دیا۔ میں فارموں کی خانہ پری کے لئے چلا گیا واپس آیا اسی طرح تھے۔ پوچھا کوئی فرق پڑا۔ تو گردن ہلا کر نفی میں جواب دیا مجھے پھر ای۔ سی۔ جی وغیرہ کی فیس کی ادائیگی کے سلسلے میں جانا پڑا واپس آیا تو سانس کی آواز بند تھی۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں چیخ چیخ کر پوچھنے لگا کہ سانس نہیں آ رہی ہے ڈاکٹر وحید صاحب اور چچا صاحبان مجھے پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور تسلی دینے لگے۔

میرا باپ جو میری ایک سسکی پر اپنی تکلیف کو ضبط کر لیتا تھا آج میری چیخوں پر کیسے خاموش ہے؟ میں کتنا بے بس اور لاچار ہو گیا ہوں۔ میں اس منظر کی کیسے تاب لا رہا ہوں۔ میرا دل پھٹ رہا ہے۔ میرا معصوم اور پیارا باپ جو موت کو شکست نہ دے سکا۔ جس کی دانست میں ناممکن کا لفظ نہیں تھا وہ زندگی کو ناممکن کر ہی گیا مگر موت کو ممکن کر گیا۔ یکم اپریل کا دن ڈیڑھ بجے صبح میری زندگی سے بھیانک رول کر چکا تھا۔ جمعہ کی ڈائری اگلے شمارہ میں ہوگی۔ انشاء اللہ

جن احباب نے اباجان مرحوم کی وفات پر تعزیت کے خطوط ارسال کئے ہیں ان کا فرداً فرداً جواب دینے سے قاصر ہوں اخبار کے ذریعہ ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کی دوبارہ اپیل کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ سکون اور صبر دے۔

دعاؤں کا طلب گار

محمد ارشد علوی۔ دارالسلام لاہور

چند باتیں

یہ چند باتیں یاد رکھیں اور روزانہ ان کو اپنے سامنے لائیں۔

۱۔ اگر آپ اب تک اپنی ماہوار آمدنی سے سولہواں حصہ دینی جہاد کے لئے نہیں دے رہے تو آپ اپنی جماعت سے اور حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ سے بیوفائی کر رہے ہیں۔

۲۔ آپ کی اولاد میں سے جو کچھ کماتے ہیں ان کو اسی طرح جہاد میں شامل کرنا آپ کا فرض ہے۔

۳۔ چھوٹے بچوں کی تربیت اس رنگ میں کریں کہ وہ سات سال کی عمر سے نماز کے بھی عادی ہوں اور کچھ اپنے ہاتھ سے اس دینی جہاد میں بھی خرچ کرنے کے عادی ہوں۔

۴۔ جماعت کے لئے نمونہ بنیں اور دسواں حصہ آمد کا ہمراہ دیکر سابقون میں داخل ہوں۔

مولانا احمد گل ـــ بلا تبصرہ

امتِ محمدیہ یا امتِ مسلمہ

"امتِ مسلمہ ایک وسیع اور عالمگیر ادارہ ہے۔ بچے سے کر بوڑھے تک ہر مسلمان اس کا رکن ہے ہر رکن کو اس ادارہ میں برابر کی حیثیت حاصل ہے ہو سکتا ہے کہ ایک ان پڑھ اور نادار شخص جو ظاہر بین آنکھ کو حقیر نظر آتا ہے کل جہاد کے موقع پر کوئی ایسی خدمت انجام دے جائے جو بڑے بڑے عہدہ دار کے حصے میں بھی نہ آئی ہو۔ دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سب مسلمان امتِ مسلمہ کے رکن ہیں۔ اس رکنیت کے لئے کوئی اسی فارم بھرنے یا چندہ جمع کرنے کی حاجت نہیں صرف اسی قدر کافی ہے کہ آدمی زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرے۔

ہر وہ بچہ بھی امتِ مسلمہ کا فرد ہوتا ہے جو اس امت میں پیدا ہوا اگرچہ غیر مسلموں کے بچے بھی اس وقت تک مسلمان ہوتے ہیں جب تک ان کے والدین انہیں غیر مسلم نہ بنا دیں۔ لیکن فقہی نقطۂ نگاہ سے انہیں امت کے افراد شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کلمۂ شہادت انسان کو امتِ مسلمہ کی رکنیت میں فوراً داخل کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ کسی اسلامی عقیدہ سے انکار نہ کرے ہم کسی کا سینہ چیر کر اس کی نیت کا بھید نہیں کھول سکتے اس لئے اگر کوئی شخص دھوکے کو مسلمان بن جائے تو ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہے کہ وہ منافق ہے۔ اسے اس وقت تک دائرہ اسلام سے خارج نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ وہ اعلانیہ اسلام کے کسی بنیادی عقیدہ کا منکر نہ ہو جائے۔ ایسے شخص کے اعمال بہت فاسقانہ بھی ہوں تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اعمال منافقوں کے سے ہیں۔ اس پر منافقت کا حکم نہیں لگ سکتا۔ اس کی بداعمالیوں سے بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار ہو سکتا ہے مگر اس کی ذات سے بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان نہیں ہو سکتا۔ اسے امتِ مسلمہ کے حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

ایک صحابی حضرت مقداد بن الاسود نے جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر میدانِ جنگ میں کسی کافر سے میرا سامنا ہو جائے تو وہ تلوار کے وار سے میرا ہاتھ کاٹ ڈالے پھر کسی درخت کی اوٹ میں ہو کر کہہ ڈالے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو کیا اسے قتل کر سکتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اسے مت مارو۔ صحابی نے عرض کی کہ جناب اس نے پہلے میرا ہاتھ کاٹا اور پھر اسلام کا اظہار کیا۔ کیا اسے قتل نہ کروں، حضورؐ نے فرمایا اسے قتل نہ کرو۔ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو اس کے قتل سے پہلے جو تیری منزلت تھی وہ اس کی ہو جائے گی اور اس (کے کفر) کا درجہ تجھے مل جائے گا۔ (مسلم کتاب الایمان)

حضرت اسامہ بن زید رضی فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر میں روانہ کیا فرمایا۔ ہم دشمن قبیلہ پر حملہ آور ہوئے۔ میں ایک شخص کے سر پر پہنچا تو اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تاہم میں نے اسے برچھی ماری لیکن ـــــ میں نے نبی کریمؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا۔

"کیا اس کے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے باوجود تو نے اسے مار دیا؟" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے محض اسلحہ کے خوف سے کلمہ پڑھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ اس کے دل سے آواز اٹھی تھی یا نہیں۔ حضورؐ نے یہ فقرہ بار بار دہرایا۔ میری یہ حالت ہو گئی کہ میں نے چاہا کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔" (مسلم کتاب الایمان)

ماخوذ از اسلامی نظامِ حیات

باہتمام المبدء پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــ مورخہ ۱۵ جون ۱۹۸۳ء ـــ جلد ۷۰، شمارہ ۲۴

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے — تیس روپے
بیرونی ممالک سے — دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد
دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا
الہامات حضرت مسیح موعود

مدیر اعزازی
پروفیسر خلیل الرحمٰن

رجسٹرڈ ایل ۵۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۵۲۷۳۷

جلد: ۷۰ | یوم چہار شنبہ ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲۲ جون ۱۹۸۳ء | شمارہ: ۲۵

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

ابتلاء اور ہم و غم اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنیکا ذریعہ ہیں

جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ پر یقین نہیں ہوتا اُن کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ذرا سی تکلیف پہنچنے پر وہ گھبرا جاتے ہیں اور خودکشی کرنے میں ہی آرام دیکھتے ہیں لیکن انسانی رُوح کی تکمیل اور تربیت چاہتی ہے کہ اس پر مختلف قسم کے ابتلاء آویں تا کہ اس کا اللہ تعالےٰ پر یقین بڑھے۔ اللہ تعالےٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ تاہم جن لوگوں کو اپنی عمر میں کسی قسم کی تکلیف اور ابتلاء کا سامنا نہیں پڑتا اُن کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ بالکل دنیا اور اُس کی خواہشات میں منہمک ہوتے ہیں اور اُن کا سر کبھی اُوپر کی طرف نہیں اُٹھتا۔ اور خدا تعالےٰ کا کبھی بھول کر بھی انہیں خیال نہیں آتا۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو انسانیت کی اعلےٰ درجہ کی خوبیوں کو ضائع کر دیتے ہیں اور اس کی بجائے ادنےٰ سی باتیں حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ مصائب کے اندر ایمان اور ایقان کی ترقی ان کے لئے وہ راحت اور اطمینان کے سامان پیدا کرتی ہے جو دُنیا کے اموال و لذّات میں کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔

لیکن افسوس ہے کہ دنیا دار لوگ بچوں کی طرح آگ کے انگارہ پر خوش ہو جاتے ہیں لیکن اس کی سوزش اور نقصان رسانی سے آگاہ نہیں ہوتے۔ لیکن جو لوگ ابتلاؤں کی حالت میں استقامت سے کام لیتے ہیں، انہیں اللہ تعالےٰ اپنے خاص فضل سے ایمان اور یقین کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی ابتلاء نہیں آیا وہ ایک وجہ سے بدقسمت ہیں۔ کیونکہ وہ ناز و نعمت کی زندگی بسر کر کے خُدا سے غافل اور بہائم کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی زبان ہوتی ہے لیکن اس سے حق نہیں بول سکتے اور ان کی زبان پر خدا کی حمد و ثنا کبھی جاری نہیں ہوتی۔ وہ صرف فسق و فجور کی باتیں کرنے اور ذائقہ چکھنے کے لئے ہوتی ہے۔ ان کی آنکھیں ہوتی ہیں لیکن نظارۂ قدرت دیکھنے کے لئے نہیں بلکہ بدکاری کے لئے، پھر ایسے لوگوں کو خوشی اور راحت کیسے میسر آسکتی ہے۔ کسی شخص کو ہم و غم میں مبتلا دیکھ کر یہ مت سمجھو کہ وہ بدقسمت ہے نہیں بلکہ اگر وہ اس ہم و غم میں خدا کو نہ بھُولے تو وہ اس سے پیار کرتا ہے اور اس پر بڑی بڑی رحمتیں نازل کرتا ہے۔

مظہرے نورے کہ پنہاں بود از عہدِ ازل

چوں زمن آید ثنائے سرورِ عالی تبار
عاجز از مدحش زمین و آسمان و ہر دو دار

آں مقامِ قُرب کو دارد بدلدارِ قدیم
کس نداند شانِ آں از واصلانِ کردگار

سرورِ خاصانِ حق شاہِ گروہِ عاشقاں
آنکہ روحش کرد طے ہر منزلِ وصلِ نگار

از ہمہ عالم فزوں تر درہمہ نوعِ کمال
آسماں ہا پیشِ اوجِ ہمّتِ او ذرّہ وار

مظہرے نُورے کہ پنہاں بود از عہدِ ازل
مطلعِ شمسے کہ بود از ابتدا در استتار

حسنِ روئے او بہ از صد آفتاب و ماہتاب
خاکِ کوئے او بہ از صد نافۂ مشکِ تتار

ہست او از عقل و فکر و وہمِ مردم دورتر
کے مجالِ فکر تا آں بحرِ ناپیداکنار

زندہ آں شخصے کہ نوشد جُرعہ از چشمہ ات
زیرک آں مردے کہ کرد است اتباعت اختیار

عارفاں را منتہائے معرفت علمِ رُخت
صادقاں را منتہائے صدق بر عشقت قرار

یانبی اللہ توئی خورشیدِ رہ ہائے ہدے
بے تو نارد رُو براہے عارفِ پرہیزگار

یانبی اللہ لبِ تو چشمۂ جاں پروراست
یانبی اللہ توئی در راہِ حق آموزگار

یانبی اللہ فدائے ہر سرِ موئے تو ام
وقفِ راہ تو کنم گر جاں دہندم صد ہزار

راغب اندر رحمتت یا رحمت اللہ آمدیم
اے کہ چوں ما بر درِ تو صد ہزار اُمّیدوار

یانبی اللہ نثارِ روئے محبوبِ تو ام
وقفِ راہت کردہ ام ایں سر کہ بر دوشم است بار

بینم انوارِ خُدا در روئے تو اے دلبرم
مستِ عشقِ روئے تو بینم دلِ ہر ہوشیار

خوشتر از دورانِ وقتِ تو نباشد ہیچ دور
خوب تر از وصف و مدحِ تو نباشد ہیچ کار

(حضرت مجدّدِ صدِ چہاردہم)

محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب، مدیر اعزازی پیغام صلح

"لا الٰہ الا اللہ محمّد رسول اللہ" پر جمع ہوئے بغیر مسلمانوں میں اتحاد کا قیام ناممکن ہے

مسلمان آج چاروں طرف سے سنگین خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ اشتراکیت صیہونیت اور ہندو ویت ان کے وجود کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کے لئے دن رات سازشوں میں مصروف ہیں۔ اس نازک صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کے ذی شعور طبقہ میں یہ احساس شدت سے پیدا ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو اگر زندہ رہنا اور اپنے وجود کو قائم رکھنا ہے تو انہیں اپنے تمام فکری اور نظریاتی اختلافات کو خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی ختم کر کے بنیانِ مرصوص کی طرح آپس میں متحد ہو کر ان مخالف قوتوں کا مقابلہ کرنا ہوگا جو انہیں مٹانے کے درپے ہیں ورنہ اگر وہ مٹائے مٹ نہ بھی سکے تو بھی ذلت و رسوائی کی زندگی صدیوں تک ان کا مقدر بن جائے گی۔ اس کے برعکس عقل و شعور سے تہی کچھ اندرونی عناصر ایسے بھی ہیں جو اپنے اس خوفناک انجام سے غافل ہو کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے معمولی مذہبی اختلافات کے شعلوں کو بھڑکانے کے لئے دن رات ہوا دینے اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے دست و گریباں کرنے میں مشغول رہتے ہیں تاکہ بیرونی طاقتوں کو مداخلت کا جواز مل سکے۔ پاکستان میں فرقہ وارانہ کشیدگی اس کی واضح مثال ہے اور یہ کشیدگی بدقسمتی سے بعض اوقات قتل و غارت، گھیراؤ جلاؤ اور لوٹ مار کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔

اس افتراق اور انتشار کو ختم کرنے اور آپس میں اتحاد قائم کرنے کے لئے مختلف تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔ مختلف مکتبہ ہائے فکر کے علماء کو یکجا کر کے ریڈیو اور ٹی وی پر ان سے اس غرض کے لئے تقاریر کرائی جاتی ہیں اور یہ بات سامعین کے لئے بار بار دہرائی جاتی ہے کہ ہمارا خدا ایک ہے رسول ایک ہے اور قرآن ایک ہے اس لئے ان اقدار مشترکہ کے ہوتے ہوئے ہمیں بھی ایک ہو جانا چاہیئے لیکن یہ بات پند و نصائح کی حد تک ہی رہ جاتی ہے اور اس کے باوجود اتحاد کی کوئی موثر عملی صورت نظر نہیں آتی اور یہی دکھائی دیتا ہے کہ بأسهم بينهم شديد تحسبهم جميعا و قلوبهم شتى۔ ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے۔ تو انہیں اکٹھا سمجھتا ہے حالانکہ ان کے دل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ذالك بانهم قوم لا يعقلون کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اس میں کیا شک ہے کہ عقل و خرد سے اسی تہی دستی اور سفلی خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے مسلمان اکثر اپنے ہاتھوں ہی تباہی و بربادی کا شکار ہوتے ہیں وما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم اور جو تم پر مصیبت پڑتی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے۔" یہ قرآنی ارشاد درحقیقت ہے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہمارا خدا ایک ہے لیکن خدا کے احکام کی کھلی نافرمانی کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہمارا رسولؐ ایک ہے لیکن رسولؐ کی پیروی سے پہلوتہی کی جاتی ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ ہمارا قرآن ایک ہے لیکن قرآن کریم کی واضح تعلیم کو پس پشت ڈال کر اربابا من دون اللہ کی تعلیمات اور افکار کو اپنے لئے راہ نجات اختیار کیا جاتا ہے اور اس میں اس حد تک سختی برتی جاتی ہے کہ اختلافِ رائے رکھنے والے کو جھٹ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا جاتا ہے اور اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں کی جاتی کہ ہمارے اس فعل سے اس کلمہ توحید کی تنسیخ لازم آجاتی ہے جو مسلمانوں کی وحدت کا نقطۂ اول ہے اور یہی وہ کلمہ ہے جسے پڑھ کر ایک کافر بھی مسلمانوں کی وسیع برادری کا فرد اور ان کے ساتھ مساوی حقوق کا مستحق بن جاتا ہے۔

مسلمان اس نکتہ کو قطعاً فراموش کر چکے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تو وحدتِ نسل انسانی کی خاطر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ اعلان فرمایا تھا کہ "اے اہل کتاب اس ایک بات کی طرف ہی آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں۔ اور نہ ہم کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائیں۔ اور اگر وہ اس سے پھر جائیں یعنی انکار کر دیں تو تم ان سے کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔" اگر غور سے دیکھا جائے تو آپ نے انسانوں کے درمیان تمام تفرقات کو مٹانے اور انہیں ایک نقطہ توحید پر اکٹھا کرنے کے لئے اپنے نفس کو بھی درمیان سے نکال دیا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ تم مجھے بھی رسول تسلیم کر و۔ یہاں تو اللہ بھی ایک ہے۔ رسول بھی ایک ہے۔ اور قرآن بھی ایک لیکن پھر بھی مسلمان آپس میں ایک نہیں۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ اہل کتاب کی طرح انہوں نے بھی اس اعلان سے منہ پھیر کر اربابا من دون اللہ کو پکڑ لیا ہے۔ جن کے افکار و اقوال ان کے لئے قرآن کے مقابلے میں حرفِ آخر ہیں۔ اور یہی فرقہ بندی اور ایک دوسرے کی تکفیر کا موجب ہے جو اتحاد کی جڑوں پہ کاری ضرب ہے۔

آخر قرآن اور حدیث نے کیسے یہ اختیار اور اجازت دی ہے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے پر کفر کا فتوے لگا کر اُسے دائرہ اسلام سے خارج کر سکتا ہے۔ اگر ایسا کوئی ثبوت نہیں اور یقیناً نہیں تو ان مذہبی رہنماؤں کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ مسلمانوں کو کافر کہہ کر ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے دشمنوں کے لئے ان پر تسلط کا راستہ صاف کریں اور ان کے پنجۂ استبداد کی گرفت مسلمانوں پر مضبوط کرنے میں مدد دیں۔

ہمارے پاس انگریزی دور میں شائع ہونے والی ایسی کتابیں موجود ہیں جن کے اوراق ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتووں سے سیاہ کئے گئے ہیں۔ کفر کے یہ فتوے صادر کرنے والوں نے مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر ان کی طاقت کو کمزور اور انگریزی حکومت کو مستحکم کیا۔ اور اس طرح مسلمانوں کے لئے آزادی کی سحر جلدی طلوع ہونے کے رستے میں رکاوٹ ڈالی۔

الزام حضرت مرزا صاحب کو دیا جاتا ہے کہ انہوں نے کروڑوں مسلمانوں کو کافر کہا۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ آخر حضرت مرزا صاحب کو اس کی کیا ضرورت تھی کہ وہ ایک دوسرے کو کافر کہنے والوں کو کافر کہتے۔ ان کفر کے فتووں کی وجہ سے یہاں مسلمان کوئی رہا ہی نہیں تھا جسے کافر کہا جاتا۔ انہی شب و روز مسلمانوں کی تکفیر کرنے والوں نے حضرت مرزا صاحب پر کفر کا فتوے لگانے میں پہل کی اور جب

حضرت مرزا صاحب پر انہوں نے یہ الزام لگایا تو آپ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

"پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمانوں اور کلمہ گوؤں کو کافر ٹھہرایا حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی۔ خود ہی ان کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور نادان لوگ ان فتووں سے ایسے ہم سے متنفر ہو گئے کہ ہم [illegible] کفر سے پہلے شائع ہوا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہو تو وہ پیش کریں ورنہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگا دیں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔ اس قدر خیانت اور جھوٹ اور خلافِ واقعہ تہمت کس قدر دل آزار ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲۰)

یہی نہیں بلکہ آپ نے جسد ملت میں پھیلے ہوئے تکفیر بازی کے ناسور کو ختم کرنے اور اسے صحت و سلامتی عطا کرنے کے لئے ۱۶ مئی ۱۸۹۷ء کو ایک "انتہائی قطعی فیصلہ کے لئے" شائع فرمایا جس میں مولوی محمد حسین بٹالوی۔ مولوی عبد الجبار غزنوی۔ مولوی عبد الحق غزنوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ اگر آپ لوگ مباہلہ کے لئے تیار نہیں ہیں تو یوں فیصلہ کر لو کہ آپ لوگ یہ دعا کریں کہ اگر آپ لوگ سچے ہیں تو آپ لوگوں کی تائید میں اللہ تعالیٰ کوئی زبردست نشان ایک سال کے اندر ظاہر کرے اور میں بالمقابل یہ دعا کروں گا کہ اگر میں سچا ہوں تو اللہ تعالیٰ میری تائید میں ایک سال کے اندر کوئی زبردست نشان ظاہر کرے۔ پس ہم میں سے جس کی تائید میں اللہ تعالیٰ ایک سال کے اندر نشان ظاہر کرے وہ فریق سچا سمجھا جائیگا اور دوسرا فریق اس کے ہاتھ پر توبہ کریگا۔ آپ نے پھر لکھا "میں چاہتا ہوں کہ اس طریق سے یہ روز کے جھگڑے طے ہوں اور ہم سب متفق ہو کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کریں۔" یہ سب سے بڑے "دشمنانِ اسلام" عیسائی اور آریہ تھے۔

اسی اشتہار میں آپ نے امرتسر اور لاہور کے مسلمان اکابر سے اپیل کرتے ہوئے فرمایا کہ "خدا کے لئے اٹھو اور انصاف سے فیصلہ کرو اور ہمارے آپس کے جھگڑوں کو طے کرا کے اسلام اور مسلمانوں پر رحم کرو اور اتحاد اور اتفاق کی بنیاد ڈالو۔" لیکن اس دردمندانہ اپیل پر کسی نے کان نہ دھرا اور مسلمانوں کی یکجہتی پر تکفیر کا تیر زور و شور سے چلتا رہا اور آج تک کند نہیں ہوا۔ یہی تکفیر بازی مسلمانوں میں تفرقہ اور انتشار پیدا کرنے اور ان کی اندرونی قوت اور یکجہتی کو کمزور کرنے کا باعث ہوئی وہ تو خیر غیر ملکی حکومت تھی جس کا اصول ہی یہ تھا کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" اس لئے یہ اکابر اور علماء حکومتِ وقت کے غیظ و غضب کے خوف سے اس تکفیر بازی کو ختم کر کے مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی جرأت نہ کر سکے کیونکہ مسلمانوں کی یہ اجتماعی قوت اور اتحاد انگریز حکومت کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ثابت ہو سکتا تھا اور انگریز یہ کبھی برداشت نہ کر سکتا تھا لیکن آج اس ملک میں مسلمانوں کی اپنی حکومت ہے اور یہ حکومت اس سرطان کو ملت کے جسم سے نکال کر باہر پھینکنے کی طاقت اور اختیار رکھتی ہے کیونکہ پاکستان میں اسلام کا نفاذ اس کا نصب العین ہے اور اس کے حصول کے لئے یہ اقدامات کر رہی ہے۔ مگر یہ نصب العین اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکے گا۔ جب تک ملک سے تکفیر بازی کے مہلک مرض کو ختم کرنے کے لئے مؤثر ذرائع اور وسائل بروئے کار نہیں لائے جائیں گے۔

سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے اور اس کے لئے ہم وطنِ عزیز کی سلامتی اور استحکام کی خاطر صدر مملکت کی خدمت میں یہ نہایت مؤدبانہ اپیل کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ جس طرح حضور صلعم نے نسلِ انسانی میں وحدت قائم کرنے کا [illegible] ہوئے ایک [illegible] کے ذریعے یہ اعلان فرما دیں کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلمان ہے۔ اسے کافر کہنے والے کی وہی سزا ہے جو قتل کے لئے ہے کیونکہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ والفتنۃ اشد من القتل۔ تکفیر بازی مسلمانوں میں فتنہ و فساد کا باعث ہے اس لئے یہ جرم قتل کے جرم سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس فتنہ کی وجہ سے کتنی ہی جانیں ضائع اور املاک تباہ ہوتی ہیں۔ خود پاکستان میں وقتاً فوقتاً رونما ہونے والے ایسے سانحات اس پر گواہ ہیں۔

قرآن کریم حضور صلعم کی احادیث اور سنت سے بھی یہ ثبوت کہیں نہیں ملتا کہ کسی بڑے سے بڑے عالم، مذہبی رہنما، یا سیاسی ادارے کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کلمہ پڑھنے والے اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے کو کافر کہہ سکتا ہے اور اسے دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلعم کی طرف سے اسے اجازت حاصل ہے۔ یہ کس قدر خلافِ قرآن و سنت بات ہے کہ جو کلمہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے آیا ہے اسے ہر کوئی اپنی خواہشِ نفس کے تحت منسوخ کر کے دوسرے کو کافر کہہ دیتا ہے۔ یہ قرآن و سنت کی تضحیک اور توہین ہے جس کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت سخت ہے۔ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ کہیں کلمہ کی یہ توہین ہی تو ان خطرات کا سبب نہیں۔

اگر صدر محترم یہ آرڈیننس کر دیں تو ملتِ اسلامیہ پر یہ ان کا احسانِ عظیم ہوگا اور آنے والا مورخ آپ کی اس مومنانہ جرأت اور فراست کو سنہری حروف میں خراجِ تحسین پیش کریگا۔ اس کے علاوہ اور کوئی انسانی تدبیر اس فتنہ عظیمہ کو ختم کرنے اور مسلمانوں میں اتحاد قائم کرنے کے لئے کارگر ثابت نہ ہوگی۔ بدقسمتی سے اگر ایسا نہ ہو سکا تو کوئی بعید نہیں کہ بغداد اور سپین کی تاریخ خدانخواستہ یہاں بھی دہرائی جائے کیونکہ قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے کہ:-

فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیہم ابواب کل شیء ط حتیٰ اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰہم بغتۃ فاذا ہم مبلسون فقطع دابر القوم الذین ظلموا ط والحمد للہ رب العالمین

"سو جب انہوں نے اسے بھلا دیا جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب اس پر جو ان کو دیا گیا وہ بہت خوش ہو گئے ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا تب وہ مایوس ہو گئے۔ یوں اس قوم کی جڑ کاٹ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کی پرورش کرنے والا ہے۔"

(بقیہ صفحہ ۶ کالم ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی۔ لاہور

درسِ قرآن — سبق نمبر (۳۶)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ کُلٌّ
اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ
مِّنْ رُّسُلِہٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ
الْمَصِیْرُ ○ (البقرۃ۲۔ ۲۸۵)

ترجمہ:۔ رسول اُس پر ایمان لایا جو اُس کے رب کی طرف سے اس کی طرف اتارا گیا اور مومن بھی۔ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کے بارہ میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اے ہمارے رب ہم تیری مغفرت مانگتے ہیں اور تیری طرف ہی انجام کار پہنچنا ہے۔

پچھلی آیت میں دو باتیں فرمائی تھیں۔ اول تو یہ کہ اس زندگی میں جو کچھ انسان کو ملتا ہے وہ بطور قرض ہے جس کا حساب انسان کو مرنے کے بعد دینا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ انسان کے اندر جو رُوح رکھی گئی ہے اور جو کہ انسان کے اندر اس کی عُمر بھر رہ کر ایک شخصیت یا PERSENALITY بن جاتی ہے اور جسے قرآن کریم نے "نفس" کے نام سے پکارا ہے وہ بطور امانت ہے جسے اللہ تعالیٰ انسان کی موت کے وقت واپس لے لیتا ہے اور اس کی خاص طور پر جوابدہی ہے کیونکہ انسان جو کچھ ساری عمر کرتا ہے یا زبان سے بولتا ہے یا دل میں سوچتا ہے اس کا پرتو یا عکس اس کے نفس کے اوپر پڑ کر اس کی شکل سنوارتا یا بگاڑتا ہے۔

تو ایک ذمہ داری کا احساس رکھنے والے انسان کے دل میں دو سوال اُٹھتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ دنیا کی جو بھی چیزیں انسان کو ملتی ہیں اگر وہ بطور قرض ہیں تو کن شرائط پر وہ انسان کو ملتی ہیں تاکہ انسان اُن شرائط کو پورا کر سکے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اس بیش بہا امانت کے بارہ میں جو انسان کے اندر رکھی گئی ہے اور جس کی خاص طور پر جوابدہی ہے، کس طرح انسان اس امانت کا حق ادا کر سکتا ہے؟ دونوں سوالوں کا جواب آج کی آیت مبارکہ میں دیا گیا ہے۔ انسان کا نفس جو انسان کے اندر پل رہا ہے وہ کوئی ٹھوس چیز نہیں یا ایسی چیز جسے انسان اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ سکے یا ایکس رے یا کسی اور آلہ سے اُسے دیکھا جا سکے کہ وہ کس حال میں ہے اور کیا اس کی پرورش انسان کے اندر ٹھیک طرح ہو رہی ہے یا نہیں۔ اور نہ کوئی دوا دیکر یا انجکشن لگا کر یا آپریشن کرا کے اس کا علاج کیا جا سکے اگر وہ ٹھیک حالت میں نہیں۔ انسان کے باطن کی تاریکی کو صرف ایک چیز روشن کر سکتی ہے اور وہ ہے "نورِ ایمان"۔ اور اس نور یا باطنی روشنی کو پیدا کرنے والا لیمپ انسان کے قلب میں رکھا جائے تو ہی انسان کا باطن روشن رہتا ہے۔ یاد رہے کہ جب کوئی انسان ایمان لاتا ہے یا کہتا ہے کہ میں ایمان رکھتا ہوں تو یہ محض ایک زبان سے اقرار ہے۔ جب تک وہ ایمان انسان کے قلب میں جاکر جاگزین نہ ہو جائے تب تک انسان مومن نہیں بنتا۔ اس کی تصدیق قرآن حکیم کی اس آیت سے ہوتی ہے قالت الاعراب اٰمنّا ؕ قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولمّا یدخل الایمان فی قلوبکم ؕ (الحجرات۴۹۔ ۱۴) "دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے کہو تم (ابھی) ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ ہم اسلام لائے جبکہ ایمان ابھی تمہارے قلوب میں داخل نہیں ہوا"۔ دیہاتی یا بدّو جو کبھی کبھار مدینہ میں آتے تھے وہ صحابہؓ کی طرح ابھی دلی مومن نہ بنے تھے۔ تو ایمان کس طرح قلب میں داخل ہوتا ہے وہ اس آیت مبارکہ کے اگلے الفاظ میں مذکور ہے وان تطیعوا اللّٰہ ورسولہ یعنے اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو تو تم گھاٹے میں نہیں رہو گے۔ یعنے ایمان زبان سے قلب میں تب اترتا ہے کہ انسان عمل کرے اُن باتوں پر جو اللہ نے فرمائیں اور اس کے رسولؐ نے کر دکھائیں۔ اس لئے آج کے سبق کو ان الفاظ سے شروع فرمایا:۔

۴ "اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربّہٖ" ایمان لایا رسول اُس پر جو اُس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوا۔ یعنے رسول اللہ صلعم نے اس قرآن پر جو آپ پر نازل ہوا عمل کا بہترین نمونہ کر دکھایا۔ اسی لئے دوسری جگہ قرآن نے فرمایا ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (النسآء۴۔ ۸۰) "جو رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے وہ یقیناً اللہ کی اطاعت کرتا ہے"۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور صلعم کی وفات کے عرصہ کے بعد جب کچھ نوجوان آپؓ سے رسول اللہ صلعم کے اخلاقِ عالیہ کو معلوم کرنے آئے تو فرمایا کان خلقہ القراٰن یعنے حضورؐ کے اخلاق معلوم کرتے ہو تو قرآن کریم کو پڑھو۔ جو اخلاق اس میں سکھائے گئے ہیں وہ سب حضورؐ میں تھے۔

پھر آج کی آیت میں فرمایا وَالمؤمنون یعنے مومن بھی قرآن پر ایمان لا کر اس پر عامل ہو گئے۔ یہ صحابہؓ کا ذکر ہے کہ ان کو اسی دنیا میں رضی اللہ عنہم کا سرٹیفکیٹ اللہ تعالیٰ نے دیدیا کہ اللہ اُن سے راضی ہو گیا۔ اور رسول اللہ صلعم نے بھی صحابہؓ کو سرٹیفکیٹ دیا کہ اصحابی کالنجوم فبایّما اقتدیتم اھتدیتم یعنے میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں پس تم ان میں سے جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ عرب لوگ رات کو ریگستان میں جہاں کوئی راستے یا سڑکیں نہیں تھیں ستاروں سے راستہ پاتے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ عالم باطن کی تاریکیوں میں ہدایت دینے والے میرے صحابہ ہیں۔

یہاں ایک بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربّہٖ والمؤمنون میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ایمان کو پیدا کرنے والی چیز وحی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اسی لئے صحیح بخاری کی پہلی کتاب میں باب الایمان کو امام بخاریؒ نے یوں شروع فرمایا کیف کان بدءُ الوحی یعنے وحی کی ابتدا کس طرح ہوئی۔ علاوہ اس اعلیٰ ترین اور کامل ترین وحی کے جو قرآن کریم کی شکل میں نازل ہوئی وقتاً فوقتاً جو ہر صدی کے سر پر مجدّد آتے رہے ہیں اُن پر بھی وحی و الہام نازل ہوتا رہا

تاکہ وہ خود ایمان کو تازہ کر کے اپنے ماننے والوں میں بھی ایک نیا ایمان پیدا کر دیں۔ اسی بات کو رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح میری اُمت میں بھی ایسے لوگ پیدا ہونگے جن سے اللہ تعالےٰ کلام کریگا بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں رجالٌ یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء (بخاری کتاب فضائل اصحاب النبیؐ باب مناقب عمر بن الخطاب)

اب ہم آج کی آیت مبارکہ کے باقی الفاظ کو لیتے ہیں۔ فرمایا کلٌّ اٰمن باللہ وہ تمام ایمان لائے اللہ پر۔ عربی کا لفظ اٰمن جس کے عام طور پر معنی کئے جاتے ہیں کہ وہ ایمان لایا، اُس کے لغت کی رُو سے معنیٰ ہیں" وہ امن میں آگیا" امن دل یعنے قلب کے اطمینان پا جانے کو کہتے ہیں۔ وہ روح جو اللہ میں سے آئی ہے وہ اطمینان قلب نہیں پاتی جب تک کہ وہ اللہ کو نہ تھام لے۔ جس طرح کہ بچّہ اُسی وقت اطمینان قلب پاتا ہے جب وہ اپنی ماں یا باپ کے دامن کو تھام لے۔ انسان کی فطرت کا جو اللہ تعالیٰ سے پیدائشی تعلق ہے جس کو میں" عہدِ فطرت" کے نام سے پہلے واضح کر آیا ہوں وہ انسان کو چین نہیں لینے دیتا جب تک کہ انسان کی رُوح کا اللہ تعالےٰ سے تعلق قائم نہ کیا جائے۔ آج دنیا میں خصوصاً یورپ اور امریکہ میں تمام سکھ اور چین کے ظاہری سامان موجود ہیں مگر وہاں لوگوں کے دل کو اطمینانِ قلب نصیب نہیں اسی لئے کہ ان کا رشتہ خُدا سے ٹوٹ چکا ہے۔ وہ شراب نوشی سے یا گانے بجانے سے یا DRUGS یعنے نشہ آور چیزیں کھا کر اطمینانِ قلب حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے دل کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

یہ تو دل کے چین یا اطمینان کا ذکر تھا۔ عملی زندگی میں انسان کو اطمینان قلب صرف نیکی میں ملتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی جو رشوت کھاتا ہے وہ اپنے دل کے اطمینان کو کھو بیٹھتا ہے اس کے برعکس جو آدمی ایماندار ہے وہ بھوکا سو سکتا ہے مگر اطمینانِ قلب اس کو میسّر ہوتا ہے۔ یہی حال تمام نیکیوں کا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات تمام اعلےٰ ترین نیکیوں کا منبع ہے۔ مأخذ ہے۔ یعنے نیکیوں کا تصور انسان کے دماغ میں پیدا ہی ہوا اللہ تعالیٰ کی صفات کو جان کر جو اس کی اعلےٰ خوبیوں کو ظاہر کرتی ہیں ورنہ انسانی دماغ جانوروں کے دماغ کی طرح ہے۔ اس میں نیکیوں کا تصور ڈالا ہی وحی الٰہی نے جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی اس لئے تمام نسل آدم کو پہلے دن سے بلکہ وقتاً فوقتاً ملتی رہی۔ اور وحی الٰہی نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انسان کو علم دے کر اُسے تلقین کی کہ وہ ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرے۔ یہ اس مضمون کو پچھلے درسوں میں قرآن کریم اور حدیث سے بتا آیا ہوں اس لئے اب نہیں دوہراتا۔

دوسری بات جس پر آج کی آیت مبارکہ نے ایمان لانے کو ضروری ٹھہرایا ہے وہ ہے فرشتوں پر ایمان۔ اس بات کو بھی میں پچھلے ایک درس میں بتا آیا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کی ہدایت اور مدد کے لئے انسان کے باطن میں فرشتوں کو رکھا ہے جو اسکو نیکی کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ تو فرشتوں پر ایمان لانے کا یہ مقصد ہے کہ جب کبھی انسان کے دل میں نیکی کی تحریک ہو تو وہ اُسے فرشتہ کی تحریک سمجھے جو کہ وہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتا ہے اور انسان ہر نیکی کی تحریک پر فوراً عمل کرے ورنہ موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ فرض کرلیں کہ ایک موقعہ ہے نیکی کا اور انسان فرشتہ کی تحریک پر فوراً عمل نہ کرے تو نہ صرف وہ موقعہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے بلکہ اس پر نیکی نہ کرنا شیطان کی تحریک سے ہوتا ہے اور یُوں انسان نادانستہ شیطان کے کہنے میں آجاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ اور فرشتے تو باطن میں ہیں اور انسان کو نظر نہیں آتے۔ اس لئے انسان پر بطور مزید احسان کے اللہ تعالےٰ نیکی کی اور ہدایت کی راہ اپنی کتابوں کے ذریعہ سے دیتا رہا جو کہ اب مکمل طور پر قرآن کریم کی شکل میں BLACK AND WHITE یعنے سیاہ و سفید میں انسان کے ہاتھ میں لکھ کر دیدی گئی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں پر ایمان کے بعد اللہ تعالےٰ کی کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا پھر رسولوں پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا کہ رسول اپنی کتاب پر عمل کر کے دکھا دیتا ہے کہ اس کی تعلیم پورے طور پر قابلِ عمل ہے۔ دوئم رسول کا نمونہ زندہ مثال انسان کے آگے ہوتی ہے اور مثال یا نمونہ کا اثر محض الفاظ کے اثر سے زیادہ ہوتا ہے۔

مگر کیا کمال ہے قرآن کریم کا کہ دوسرے مذاہب کے لوگ یوں بھٹک گئے کہ انہوں نے محض اپنی کتاب اور اپنے رسول کو مانا اور دوسروں کو جھٹلایا۔ نہ صرف یہ کہ دوسرے رسولوں میں خاص طور پر نعوذ باللہ عیب لگائے گئے بلکہ جب دُوسری کتابوں کو نہ مانا تو بالفاظِ دیگر دوسرے رسولوں کو جھوٹا اور مفتری قرار دیا۔ اس لئے اس عجیب و غریب قرآن کریم نے فرمایا لانفرق بین احدٍ من رسلہ یعنے ہم اللہ کے رسولوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ یعنے ہم سب کو اللہ کی طرف سے اور سچّا مانتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ دوسری جگہ کیوں آیا ہے تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض (البقرۃ ۲ ـ ۲۵۳) یعنے ان رسولوں میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ تو وہاں صاف ذکر بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت کا ہے۔ بطور رسول سب ایک ہیں جس طرح بطور انسان ہم سب ایک ہیں۔ مگر انسانوں میں بعض کو بعض پر فضیلت ہوتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم سب بطور انسان ایک نہیں۔

باقی آئندہ

* * *

بقیہ: "مسلمانوں میں اتحاد کا قیام"۔ (آمدہ صـ۲ سے آگے)

مسلمانوں کو یہ نصیحت کی گئی تھی کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا سب کے سب اللہ کی رسّی یعنی قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو لیکن مسلمان اس نصیحت کو فراموش کر چکے ہیں اور اس سب سے بڑے ظلم کے مرتکب ہو گئے ہیں کہ ایک دوسرے کو کافر کہہ کر کلمہ کو منسوخ کر رہے ہیں۔ جس سے ملک کا امن و امان تباہ ہو رہا ہے اور دشمن کی نظر بد اس کی طرف اُٹھ رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ کا یہ اٹل قانون ہے کہ وہ اپنی نافرمان اور ظالم قوم کو پنپنے نہیں دیتا خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو مٹانے پر ان الفاظ میں والحمد للہ رب العلمین۔ خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ یہ بڑے خوف کا مقام ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اپنی ہوا و حرص سے مغلوب ہو کر پاکستان کو مٹانے کے درپے ہیں ہدایت دے اور اس وطن کو ان کی بداندیشانہ سرگرمیوں سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین!

جالینوس کے قلم سے

بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیبًا وَسَیَعُودُ غَرِیبًا

جس روز جبرئیل امین خدا تعالیٰ کا یہ کلام لے کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر نازل ہوئے کہ :۔

"پس جس بات کا تجھے حکم ہوا ہے اس پر کمر ہمّت باندھ لے اور شرک کرنے والوں سے اعراض کر۔ ہم نے تجھے کافی کر دیا ہے استہزاء کرنے والوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود بناتے ہیں پس جلد ہی وہ جان لیں گے۔"

اُس دن حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے جبلِ صفا پر طلوع ہو کر قوم سے یُوں خطاب کیا :۔

"اے عبد مناف کے بیٹو ! سب میرے پاس جمع ہو جاؤ اور سنو ! اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پرے ایک لشکر ہے جو تم پر چڑھائی کرنے والا ہے تو کیا تم میرا اعتبار کرو گے ؟" تو قوم نے جواب دیا تھا کہ :۔

"ہم ضرور آپ پر یقین کریں گے کہ ہم نے کبھی آپ کو جھوٹ بولتے نہیں سنا"

تو آپ نے فرمایا :۔

"تو سن لو کہ مجھے خدا تعالیٰ نے تمہاری طرف رسُول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔"

اس وقت آپ کے چچا ابو لہب نے کہا کہ تیرا بُرا ہو تو نے کیا ہمیں اس لئے یہاں جمع کیا تھا ؟

اس روز لوگ دینِ اسلام کے بارے میں حیرت میں پڑ گئے تھے کہ یہ عبد المطلب کے بیٹے کو کیا ہو گیا۔ کیا ایک نیا دین ظہور میں آیا ہے ؟ کیا جدید نبوت نے جنم لیا ہے ؟ اور اگر واقعی نیا دین آنا تھا تو خدا کو تمام مخلوق میں سے اس یتیم اور بے سہارا شخص کے سوا کوئی نظر نہ آیا۔ لوگوں نے یہ چہ میگوئیاں کیں کہ یہ کیا عجیب و غریب دین ہے جو یہ کہتا ہے کہ جن بتوں کو ہمارے آباد و اجداد پوجتے آئے ہیں انہیں چھوڑ دیں اور ان سب کی بجائے ایک خدا کی پرستش میں لگ جاویں اور صلہ رحمی کریں۔ اعلےٰ قسم کے اخلاقِ فاضلہ پیدا کریں۔ گھٹیا اور رذیل امور سے کنارہ کش ہو جاویں مگر اس عجیب و غریب آسمانی آواز میں نہ جانے کیا جادو بھرا تھا کہ اس آواز نے بڑے بڑے جابر و ظالموں اور طاغوتوں کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ دل جن کے متعلق خدا کا فرمان تھا کہ :۔

"وہ پتھروں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی سخت ہیں۔"

اُن دلوں کو دربارِ نبوی کی چوکھٹ میں لا جھکایا۔ اور ان پہاڑ جیسے انسانوں نے اگر خیر مانگی تو رحمۃ للعالمینؐ کے در پر، وہ جھکے تو وہاں پر ہی جہاں کے لئے وہ سازشیں کیا کرتے تھے۔

یہ وہ دینِ اسلام تھا کہ جو ابتداء میں کس قدر اجنبی اور مسافر اور عجیب و غریب معلوم ہوتا تھا۔ اسقدر کہ جو بھی اس دین کو قبول کرتا لوگ اسے ذلیل کرتے، اس کا تمسخر اڑاتے۔ ان کو دھمکیاں دیتے اور ان سے ناروا سلوک کرتے اور جب دلائل قرآنی کا کوئی جواب نہ بن پڑتا تو کہتے "یہ تو پہلوں کے قصے کہانیاں ہیں"۔

اور جب اہل مکہ کو اپنی قیادت اور سیادت خطرے میں نظر آئی تو اپنے نمائندہ کو آنحضرت صلعم کے پاس بھیجا کہ وہ حضورؐ کو اس عجیب و غریب راستے سے دور ہٹا سکیں اور اس طریق پر آپ کو دنیا کی لالچ یُوں پیش کی کہ :۔

"اے بھتیجے ! تجھ کو علم ہی ہے کہ تو ہم میں سے حسب و نسب کے لحاظ سے بہت محترم ہے۔ مگر تو جو پیغام قوم کے سامنے پیش کر رہا ہے اس سے قوم میں تفرقہ پڑ جانے کا خطرہ ہے اور ان کے دین میں خلل آ جائیگا اور ان کے دماغوں کے خراب ہو جانے کا ڈر ہے میں تجھے چند امور پیش کرتا ہوں جو یہ ہیں :۔

۱۔ اگر تو اس طریق سے مال جمع کرنا چاہتا ہے تو ہم قوم سے اس قدر مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم میں سے سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔

۲۔ اگر تو سربراہِ مملکت بننا چاہتا ہے تو ہم تجھے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں اور آئندہ سے ہماری قسمت کے فیصلے تو ہی صادر کیا کریگا۔

۳۔ اگر تو جاہ و جلال چاہتا ہے تو وہ بھی ہم تجھے سونپنے کو راضی ہیں۔

۴۔ اگر یہ سب کچھ کسی بیماری کی وجہ سے ہے تو ہم سب تیرا علاج کروا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بیماری تجھ سے دور ہو جاوے۔ پس اس بارے غور کر لے اور جو راہ چاہتا ہے اختیار کر سکتا ہے۔"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس سارے وعظ کو سن کر کلام الہٰی کے الفاظ میں یہ جواب دیا کہ :۔

"یہ قرآن رحمان و رحیم نے نازل فرمایا ہے اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں یہ عربی قرآن ہے اور اہل علم لوگوں کے لئے ہے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔ پس اکثر نے روگردانی کی اور اس کو وہ سنتے نہیں ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ تو ہمیں جس طرف بلاتا ہے ہمارے دل اُدھر سے پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تیرے درمیان حجاب ہے۔ تو بھی اپنی تسلی کر لے ہم بھی تیرے خلاف کام کریں گے۔ تو ان سے کہہ دے میں تم جیسا انسان ہی ہوں اور میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمہارا پروردگار واحد خدا ہے پس اس کی طرف استقامت اختیار کرو اور اس سے استغفار مانگو اور مشرکوں کے لئے ہلاکت ہے .... اور اگر تم اعراض کرو گے تو یاد رکھو میں تم کو عاد اور ثمود کے قوموں پر بھیجے گئے عذابوں کی مانند عذابوں سے ڈراتا ہوں۔"
(حٰمٓ۔ سجدہ ۶)

کفارِ مکہ کا یہ نمائندہ جب یہ کلام سن کر اہل مکہ کے پاس لوٹا تو اس نے کہا "خدا کی قسم میں نے ابھی ابھی جو کلام سُنا ہے نہ وہ جنّوں کا کلام ہے اور نہ انسانوں کا۔ میں نے اس میں حلاوت اور خلافت دونوں پائے ہیں۔ اگر اس کی

سیرتِ خیر البشر

زندگی کا بہترین نمونہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃ

خدا تعالیٰ سے تعلق

سیرتِ نبوی کا اولین پیغام یہ ہے کہ ہر انسان ہر وقت خدا کو اپنے سامنے سمجھے اور خدا کے لئے زندگی بسر کرے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک، ایسی ہی مبارک زندگی کا نمونہ کامل تھی۔ آپ کے دل و دماغ ہر وقت جلالِ خداوندی سے لبریز تھے۔ آپؐ اُٹھتے، بیٹھتے۔ چلتے پھرتے، ہر وقت یادِ خدا میں مصروف رہتے۔ جب کبھی کوئی کام شروع فرماتے اللہ کا نام (بسم اللہ) ضرور لیتے۔ رات اور دن میں آٹھ مرتبہ وضو کر کے، پاک اور صاف جسم و لباس کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ جب رات ہوتی تو پھر خُدا تعالیٰ کی حمد و ثنا میں کھڑے ہو جاتے۔ ساری دُنیا تھک کر سو جاتی مگر آپ کا دل اور زبان ذکرِ خدا سے سیر نہ ہوتا۔ بارگاہِ الٰہی میں اتنی دیر کھڑے رہتے کہ پاؤں پر ورم آ جاتا۔ اس طویل شب بیداری کے بعد جب بستر پر آتے تو قرآن شریف کی سُورتیں شروع کر دیتے اور اس قدر رقت اور دل سوزی سے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے کہ سننے والوں کے دل پگھل جاتے۔ کبھی راتوں رات قبرستان نکل جاتے اور خوفِ خدا سے آنسو بہاتے۔ خوشی ہوتی تو اللہ کو پکارتے۔ مصیبت آتی تو خدا کو یاد فرماتے۔ زور کی ہوا چلتی تو سہم کر قبلہ رخ کھڑے ہو جاتے اور دُعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیتے۔ جب قرآن کریم میں عذابِ الٰہی کی آیات نازل ہوئیں تو اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرنے لگے کہ بڑھاپا اُتر آیا۔ اور بال سفید ہو گئے۔ صحابہ کرام رضہ جب یہ دل گداز حالتیں دیکھتے تو سوال کرتے، یا رسول اللہ، آپ تو اللہ کے رسول ہیں پھر اتنا غم کیوں فرماتے ہیں؟ جواب میں ارشاد فرماتے۔ "کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

خدمتِ خلق

اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں سے یادِ خُدا کو منہا کر دیا جائے تو باقی جو کچھ بچتا ہے، وہ خدمتِ خلق ہے۔ آپ کے مذہب میں خدا سے تعلق پیدا کرنے کا دُنیوی ذریعہ صرف یہ ہے کہ اِنسان خدا کی مخلوق کا خادم بن جائے۔ آپ کا ارشاد ہے سید القوم خادمھم۔ قوم کا سردار وہ ہے جو قوم کا خادم ہو۔ ایک دُوسرے موقع پر فرمایا الخلق عیال اللہ فاحبّ الخلق الی اللہ من احسن عیالہٖ تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ اللہ کے نزدیک سب سے محبوب انسان وہ ہیں جو اس کی مخلوق کے ساتھ بہتر سلوک کریں۔ حضورؐ کا ذاتی نمونہ ملاحظہ ہو:۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم غریبوں اور مسکینوں سے بہت محبت فرماتے تھے، دوست اور دشمن سب کے ساتھ خوش ہو کر ملتے اپنے خادم کے کام کاج میں امداد دیتے، بازار سے اپنی اور ہمسایہ عورتوں کی، جن کے آدمی موجود نہ ہوتے چیزیں خرید تے اور خود ہی اُٹھا لاتے، ہر ادنیٰ اور اعلےٰ کو پہلے سلام کرتے۔ ہر ایک کو نیک مشورہ دیتے اور خیر و ثواب کی ترغیب فرماتے۔ کوئی نیک کام دیکھتے تو اسی وقت اس کی امداد پر تیار ہو جاتے۔ مسافر۔ مظلوم۔ بیوہ۔ یتیم کو ہر وقت پوچھتے اور انہیں سہارا دیتے۔ اپنوں اور بیگانوں کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جاتے۔ بیمار کو تسلّی دیتے اور اگر وہ کسی غیر مضر چیز کو چاہتا تو مہیّا فرما دیتے۔ بچّوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں پہلے السلام وعلیکم کہتے اور پیار فرماتے۔ بوڑھوں کی عزت کرتے۔ حضرت صدیق اکبر رضہ اپنے بوڑھے اور نابینا باپ کو بیعت کے لئے لائے۔ فرمایا۔ تم نے انہیں کیوں تکلیف دی۔ میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔ سائل کو کبھی رد نہ فرماتے۔ اگر کچھ پاس موجود نہ ہوتا تو قرض اٹھا کر بھی اس کا سوال پورا کرتے جب کوئی دوست گزر جاتا تو اس کا مال وارثوں کو دلاتے لیکن اگر وہ مقروض ہوتا تو قرضہ خود ادا فرماتے۔ کسی شخص نے آپ کو کیسی ہی تکلیف دی ہوتی۔ جب پاس آ جاتا تو شرم سے آنکھیں جھکا لیتے اور معاف فرما دیتے۔

خدمتِ خلق کی بہت ترغیب دیتے۔ فرماتے اپنے غلاموں کو برابری کے حقوق دو۔ انہیں آزادی دلاؤ۔ اپنی لونڈیوں سے نیک سلوک کرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ یتیم بچّوں کے مال کی حفاظت کرو، مقروضوں کی امداد کرو تا ان کے بوجھ ہلکے ہو جائیں۔ ہمیشہ صدقہ جاریہ کی ترغیب دیتے۔ فرماتے۔ پھلدار درخت لگاؤ۔ مسجدیں بناؤ۔ کنوئیں کھداؤ اور انہیں خلقِ خدا کی آسائش کے لئے وقف کر دو۔ بے زبان حیوانات سے ہمدردی کا حکم فرماتے، ایک دفعہ تیز ہوا چلی اور ایک شخص کسی وجہ سے اسے گالیاں دینے لگا۔ فرمایا۔ گالی نہ دو۔ یہ اپنا فرض ادا کر رہی ہے۔

حضرت انس رضہ آپ کی خدمت میں دس سال حاضر رہے فرماتے ہیں کہ اس عرصے میں جتنے کام میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئے۔ آپؐ نے اُن سے زیادہ میرے کام انجام دیئے ہیں۔

مدینہ میں ایک پاگل سی لونڈی تھی۔ اس نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کام کے لئے راستہ میں پکڑ لیا۔ فرمایا۔ تو مدینہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ جا میں وہیں آ کر تیرا کام کر دوں گا۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گئی حضورؐ وہیں تشریف لے گئے اور اس کا کام کر دیا۔

محتاجوں سے اتنی ہمدردی تھی کہ ان کے دل کی بات سمجھ لیتے تھے ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضہ بھوک سے بے تاب ہو کر راستے میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضہ پاس سے گزرے تو حضرت ابو ہریرہ نے انہیں اپنے حال پر متوجہ کرنے کے لئے ایک آیت کے معنے پوچھے حضرت صدیق اکبر رضہ نے معنی بتائے اور گزر گئے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضہ وہاں سے گزرے اُن کے ساتھ بھی یہی واقعہ ہوا اور وہ بھی اسی طرح گزر گئے تھوڑا عرصہ بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گزرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضہ نے آیت کے معنی پوچھے تو آپؐ ہنس پڑے اور فرمایا۔ میرے ساتھ چلے آؤ۔ گھر لے جا کر ایک دودھ کا پیالہ تھا وہ دیا اور فرمایا۔ یہ لے جاؤ اور صُفّہ کے دُوسرے غرباء کے ساتھ تقسیم کر کے کھاؤ۔

ایک دن حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نماز پر کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدو آیا۔ اور کہنے لگا۔ میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے میں بھول جاؤں گا۔ پہلے اس کو کر دو۔ آپؐ اس کے ساتھ فی الفور مسجد سے باہر تشریف لے گئے اور اس کا کام کر کے نماز ادا فرمائی۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنا

آپ ہر قسم کا کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ مویشیوں کو چارہ ڈالتے بکریاں دوہتے۔ کپڑے دھوتے اور ان میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے جوتے گانٹھ لیتے۔ گھر میں جھاڑو دے لیتے۔ خادم کے ساتھ مل کر کام کراتے۔ جب مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو آپ بھی مزدوروں کی صف میں شامل تھے۔ مٹی کھودتے تھے اور ڈھوتے تھے اس قدر بھاری پتھر اٹھاتے تھے کہ جسم مبارک لچک جاتا تھا۔ عقیدت مند عرض کرتے تھے۔ ہمارے ماں باپ فدا ہوں۔ آپ چھوڑ دیں۔ ہم خود اٹھا لے جائیں گے۔ فرماتے بہت اچھا۔ لیکن پھر ذرا سی دیر میں اسی وزن کا پتھر اٹھاتے اور مزدوروں میں شامل ہو جاتے۔ جب مزدور تکان مٹانے کو رجز پڑھتے تو آپ بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے۔

جنگِ احزاب میں خندق کی کھدائی شروع ہوئی تو آپ بھی سب کے ساتھ مٹی کھودنے لگے یہاں تک کہ جسم مبارک گرد و غبار سے اَٹ گیا۔

گفتگو کا نمونہ

آپ اکثر خاموش رہتے تھے۔ اور کبھی بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے جب بات کی ضرورت ہوتی تو بہت مختصر اور پُر معنے بات کہتے تقریریں اس قدر مختصر ہوتیں کہ صحابہ ایک ایک جملہ انگلیوں پر گن لیتے۔ وعظ و نصیحت کبھی کبھی فرماتے۔ کیسا بھی حقیر آدمی آپ کو

بلاتا۔ جواب میں ہمیشہ "لبیک" (حاضر ہوا) فرماتے۔ چھوٹی چھوٹی بات پر اپنے احباب کا شکریہ ادا کرتے۔ کوئی بے جا یا تکلیف دہ بات زبان پر نہ لاتے۔ ایک شخص نے پوچھا۔ یا رسول اللہ۔ میرے لئے زیادہ خطرناک شے کون سی ہے؟ آپؐ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا "یہ" آپ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم جب صبح اٹھتا ہے تو تمام اعضا زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا سے ڈرنا۔ ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی ہو گی تو ہم سلامت رہیں گے۔ اور اگر تو بھٹک جائے گی تو ہم سب برباد ہو جائیں گے۔

مجلسی عادات کا نمونہ

سیّد عالم کی مجلسی عادات بے حد پاکیزہ اور مقبول تھیں: آپ غرباء میں رہ کر خوش ہوتے۔ ہر ادنےٰ اور اعلےٰ کو پہلے سلام کرتے اگر کوئی ساتھ چلتا تو ہاتھ میں ہاتھ دیتے۔ بچّوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں بھی پہلے سلام کرتے۔ مصافحہ کے لئے پہلے ہاتھ بڑھاتے کوئی چیز خواہ کس قدر بھی کم ہوتی اس کے کھانے میں دوستوں کو ضرور شامل فرما لیتے۔ گھوڑے پر سوار ہوتے تو دوسروں کو پیچھے بٹھا لیتے خواہ کیسا ہی حقیر شخص دعوت دیتا قبول فرما لیتے۔ جو چیز سامنے لائی جاتی اسے محبت سے کھاتے۔ صبح کے کھانے میں سے شام کے لئے نہ اٹھا رکھتے تھے۔ آپ کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچی۔ کوئی ناگوار معاملہ پیش آ جاتا تو ہمیشہ درگزر سے کام لیتے۔ اور معاف فرماتے عیسائی اور یہودی بھی اگر کچھ تحفہ بھیجتے تو قبول فرماتے اور خود بھی انہیں تحفہ بھیجتے۔ اگر کوئی شخص پاس آ بیٹھتا تو نماز مختصر کر دیتے۔۔۔۔ مہمانوں کی خدمت کرتے اور انہیں اپنی چادر بچھا دیتے۔ کسی کی برائی اور عیب میں شامل نہ ہوتے، دوستوں سے فرماتے، میرے پاس کسی کی شکایت نہ کرو۔ کہ جب دُنیا سے جاؤں تو میرا دل سب کی طرف سے صاف ہو۔ دوستوں کے حق صحبت کو بہت ملحوظ رکھتے۔ آپ ایک دن کسی شخص کے ساتھ جنگل میں نکلے اور زمین کھود کر آپ نے دو مسواکیں نکالیں ایک سیدھی تھی اور دُوسری ٹیڑھی۔ ہادیٔ برحق نے ٹیڑھی مسواک خود لی اور سیدھی اس شخص کو دی۔ اس نے عرض کیا اچھی مسواک آپ رہنے دیں۔ فرمایا "نہیں اگر کوئی شخص ایک گھڑی بھی کسی کے ساتھ رہے تو قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ حق صحبت بجا لایا یا نہیں؟"

ایک غریب آدمی مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو کئی دفعہ آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ شخص آدھی رات کے قریب فوت ہوا اور اسی وقت دفن کر دیا گیا۔ صبح کے وقت آپ کو اطلاع ہوئی تو بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ پھر اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ ادا فرمائی۔

ذاتی حالات۔ غریبوں کیلئے نمونہ

پیغمبر اسلام نے فقیروں اور غریبوں کے لئے سادگی اور قناعت کی جو پاک مثال قائم فرمائی، اس کے بعض خد و خال ملاحظہ ہوں۔

۱:۔ آپؐ اکثر جَو کی روٹی کھاتے، گھر میں چھلنی نہ تھی۔ اس واسطے پھونکوں سے بھوسی جدا کی جاتی۔ بعض اوقات مہینہ بھر گھر میں آگ نہ جلتی اور آپ گھر والوں کے ساتھ کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے۔ جب بھوک زیادہ تکلیف دیتی تو عادت مبارک یہ تھی کہ پیٹ پر کپڑا کس کر باندھ لیتے۔ ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے جس کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا آپؐ سے بھوک کی شکایت کی۔ اس پر حضورؐ نے اپنا کُرتہ اٹھا دیا۔ آپؐ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ ایک محتاج نے آپ نے سوال کیا کہ میں سخت بھوکا ہوں آپ نے اپنے تمام گھروں سے پچھوایا مگر کسی گھر میں پانی کے سوا کوئی چیز بھی موجود نہ تھی۔

۲:۔ آپ ہمیشہ سادہ اور مضبوط لباس پہنتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے انسان کا بہترین لباس اس کی پرہیزگاری ہے۔ رات کو چمڑے کے بستر پر جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی آرام فرماتے۔ کبھی ٹاٹ کو دُہرا کر کے بچھا لیتے۔ ایک رات حضرت عائشہ رضؓ (آپؐ کی بیوی) نے اس ٹاٹ کی چار تہیں کر دیں۔ صبح اُٹھ کر فرمایا۔ یہ گدگدا فرش مجھے شب بیداری سے محروم رکھتا ہے۔ آئندہ اسے بدستور دُہرا کر کے بچھایا جائے۔

۳:۔ آپ جس حجرے میں رہتے تھے اس کی دیواریں کچی تھیں، کھجور کے پٹھوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضؓ آپؐ کے حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے۔ اور دیکھا کہ آپ کھردری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جسم پاک پر رسیوں کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ایک گوشے میں چند سیر جَو ہیں اور ایک کھونٹی پر ایک جانور کی کھال لٹک رہی ہے۔ بس سرورِ کائنات کے گھر کی ساری کائنات یہی تھی۔ حضرت عمر رضؓ یہ حال دیکھ کر رونے لگے۔ فرمایا۔ عمر رضؓ! کیا تم خوش نہیں کہ قیصر و کسریٰ اس چند روزہ زندگی کے لئے عیش منائیں اور ہم دائمی راحت و آرام سے سرفراز کئے جائیں۔

۴۔ آپؐ کی بیٹی فاطمہ رضؓ چکی پیستی تھیں، کاندھے پر پانی کی مشک اٹھاتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ نے ان کے گلے میں سونے کی زنجیر دیکھی۔ فرمایا۔ یہ مناسب نہیں کہ محمد کی بیٹی کے گلے میں آگ کا طوق ہو۔ سعادت مند بیٹی نے اسی وقت زنجیر فروخت کر دی اور اس کی قیمت سے ایک غلام آزاد کرایا گیا۔

۲ھ ہجری میں آپؐ نے اپنی تیسری بیٹی فاطمہ رضؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح کیا۔ اسوقت حضرت علی رضؓ کے پاس صرف تین چیزیں تھیں ایک بھیڑ کی کھال۔ ایک پرانی یمنی چادر اور ایک زرہ۔ فرمایا۔ یہ کافی ہیں ۴۸۰ درہم میں زرہ فروخت کر کے سامانِ عروسی اور خوشبو خریدی گئی جب سیّد عالم نے اپنی بیٹی کو رخصت فرمایا تو آٹھ چیزیں جہیز میں دیں۔ ایک بان کی چارپائی۔ ایک چمڑے کا گدا۔ ایک صراحی۔ دو مٹی کے گھڑے۔ اور ایک مشک اور دو چکیاں۔ نکاح کے فوراً بعد الگ مکان کی ضرورت ہوئی۔ حارثہ رضؓ بن نعمان کے متعدد مکان تھے۔

جن میں سے کئی مکان وہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نذر کر چکے تھے اب بیٹی نے فرمائش کی کہ اب انہی سے سفارش فرمایئے۔ ارشاد فرمایا، بیٹی! کہاں تک کہوں؟ اب مجھے شرم آتی ہے۔ حارثہ رضؓ کو معلوم ہوا تو دوڑتے ہوئے آئے اور زبردستی حضرت فاطمہ رضؓ کو اپنے ایک مکان میں لا کر بٹھا دیا۔

اہل وعیال کی زندگی

پیغمبر اسلام نے ۲۵ سے ۵۰ سال تک کی عمر تک ایک بیوی کے ساتھ زندگی بسر فرمائی۔ جب حضرت خدیجہ رضؓ نے بعثت نبویؐ سے دس سال بعد انتقال فرمایا تو آپؐ نے ضرورت اور مصلحت کے لئے کئی اور شادیاں کیں مگر سب میں عدل قائم رکھا۔ فتح خیبر کے بعد ہر ایک بیوی کا روزینہ ۲۰ وسق کھجور سالانہ مقرر فرمایا۔ دودھ کے لئے ایک اونٹنی علیحدہ دی جاتی۔ آپ عصر کے وقت روزانہ ہر ایک بیوی کے ہاں تشریف لے جاتے اور ضروریات کے انتظامات فرماتے، پھر نماز مغرب کے بعد سب سے ایک مختصر ملاقات فرماتے۔ رات کے وقت ہر ایک گھر میں باری باری قیام ہوتا۔ سفر پیش آ جاتا تو قرعہ اندازی کی جاتی جس کا نام نکلتا آپؐ اُسے ساتھ لے جاتے۔ یہ انتہا ہے کہ آپ نے آخری مرض میں اس قاعدے کی پوری پابندی فرمائی۔ آپؐ چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے تھے۔ پھر بھی آپ دوسروں کا سہارا لیتے اور قدموں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے روزانہ معمول کے مطابق ازواج کے ہاں قیام فرماتے۔ آخر جب ازواج نے آپؐ کی تکلیف کا احساس کر کے خود اجازت دی تو آپ نے حضرت عائشہ رضؓ کے گھر قیام فرمایا اور وہیں اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔

پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے خیرکم خیرکم لاھلیکم وانا خیرکم لاھلی۔ تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے حق میں بہتر ہوں۔ اور میں اپنے اہل کے لئے تم سب سے بہتر ہوں۔ اور آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ناراض ہو تو وہ صرف اپنا بستر الگ کر لے۔ نہ خود گھر سے نکلے اور نہ بیوی کو گھر سے نکالے۔ اگر مارے بغیر چارہ نہ ہو تو منہ پر نہ مارے۔

افلاس وغریبی کے باوجود آپؐ نے نہایت عزت و محبت کی زندگی بسر فرماتے تھے۔ حضرت صفیہ اونٹ پر سوار ہوتیں تو آپ گھٹنہ پیش فرماتے اور وہ قدم رکھ کر بسہولت سوار ہو جاتیں۔ ایک دفعہ آپؐ صفیہ کے ساتھ اونٹ سے گر پڑے حضرت طلحہؓ آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو فرمایا۔ "پہلے عورت کی خبر لو"۔ مسجد نبویؐ میں حبشیوں کو تلوار کے کرتب دکھانے کی اجازت دی گئی تو آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو بھی یہ کرتب دکھائے۔ خود پردہ کر کے حجرہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو گئے اور جب تک حضرت عائشہ سیر نہ ہو گئیں کھڑے رہے۔ حضرت خدیجہ رضؓ کے انتقال کے بعد اگرچہ آپؐ نے متعدد شادیاں کیں مگر آپؐ ان کی محبّت کو کسی وقت بھی نہیں بھولے۔ جب ان کا ذکر آتا آپؐ

آبدیدہ ہو جاتے۔ جب باہر سے تحفہ آتا، آپؐ ان کی سہیلیوں کو ضرور بھیجتے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ اور دوسری ازواج رضؓ (بیویاں) میں کسی بات پر ان بن ہوگئی۔ حضرت عائشہ رضؓ جو حق پر تھیں کچھ عرصہ تو خاموش رہیں مگر آخر میں جواب دینے لگیں۔ جب سکون ہوگیا تو آپ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا عائشہ رضؓ! تم حق پر تھیں اس لئے جب تک خاموش تھیں، خدا کے فرشتے ہر بات میں تمہاری طرف سے جواب دیتے تھے لیکن جب تم خود بولنے لگیں تو وہ تمہیں چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے۔

قرآن نے عورتوں کو مساوی حقوق دیئے ہیں انہیں جائیداد میں حصہ دیا ہے۔ وہ علیحدہ کمائی کرسکتی ہیں اور اپنی جائیداد بنا سکتی ہیں۔ ان احکام کی بنا پر پیغمبرِ اسلام کی بڑی کوشش یہ تھی کہ عورتیں معزز با کار اور آزاد زندگی بسر کریں چنانچہ ازواج مطہرات کی زندگی، تمام مردوں اور عورتوں کے لئے مساوات حقوق کا بہترین نمونہ ہے۔

حضرت خدیجہ رضؓ تجارت کرتی تھیں۔ حضرت سودہ رضؓ طائف میں کھالیں بناتی تھیں اور ان کی آمدنی اپنے طور پر نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں۔ حضرت زینب رضؓ بہت اچھی دستکار تھیں۔ حضرت صفیہ رضؓ نے جب انتقال فرمایا تو اپنے بعد ایک لاکھ کا ترکہ چھوڑا جس میں سے ایک تہائی اپنے یہودی بھانجے کے لئے وصیت کر گئیں۔

حضرت حفصہؓ اور ام سلمہ رضؓ پڑھ سکتی تھیں اور حضرت حفصہ رضؓ لکھنا بھی جانتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضؓ بہت بڑی مقررہ تھیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضؓ کے سوا تمام صحابہ میں ایک شخص بھی تقریر کرنے میں حضرت عائشہ رضؓ کا ہم پلہ نہ تھا۔ عروہ بن زبیر رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن، فرائض، حلال و حرام، شاعری، طب، تاریخ عرب اور علم نسب میں کوئی شخص بھی حضرت عائشہ رضؓ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔ ازواجِ مطہراتؓ کا خاص فرض یہ تھا کہ وہ عورتوں کو احکام دین سکھائیں۔ چنانچہ احکام کا بہت بڑا حصہ ازواج مطہرات ہی سے مروی ہے۔ احادیث کی کتابوں میں حضرت حفصہ رضؓ سے ۶۰، حضرت امّ سلمہ رضؓ سے ۳۷۸، اور حضرت عائشہ رضؓ سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔ اور ان میں اکثر احادیث بہت بڑے پایہ کی ہیں۔

ازواج مطہرات اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دیتی تھیں۔ آپؐ کی بیٹی فاطمہ رضؓ چکی پیستی تھیں۔ کاندھے پر مشک اٹھاتی تھیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف سے تمام بیویوں کو جو سامان دیا گیا اس میں تین چیزیں ضرور شامل تھیں۔ چکّی۔ گھڑا اور چمڑے کا گدا۔

اشاعت اسلام اور تعلیم دین کے علاوہ ازواج مطہرات کا حفاظتِ اسلام اور تنظیم ملّت کے کاموں میں بہت بڑا ہاتھ تھا۔ جنگ احد میں حضرت عائشہ رضؓ اور ام سلمہ رضؓ زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ یرموک کی لڑائی میں حضرت جویریہ رضؓ نے بڑی دلیری سے جنگ کی۔

۳۵ھ ہجری میں جب باغی جماعت نے حضرت عثمان رضؓ کا محاصرہ کر لیا تو حضرت صفیہ رضؓ نے آپ کو بہت مدد دی۔ پھر اسی سال جب نظام اسلام درہم برہم ہوگیا تو حضرت عائشہ رضؓ حفاظتِ اسلام کے لئے میدانِ عمل میں نکل آئیں۔ اور اصلاح کا علم بلند فرمایا۔ حضرت عائشہ کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے تنہا اپنی ذات سے ۶۷ غلام خریدے اور آزاد فرمائے۔ ایک دفعہ امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم بھیجے مگر آپ نے شام سے پہلے سب کے سب خیرات کر دیئے۔ غروبِ آفتاب کے وقت جب روزہ کھولنے کا وقت آیا تو لونڈی نے عرض کیا۔ گھر میں روزہ کھولنے کے لئے کوئی چیز موجود نہیں، فرمایا۔ تو اس وقت مجھے کیوں نہ یاد دلایا؟

عروہ بن زبیر رضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے ایک دن میں ۷۰ ہزار درہم خیرات کئے۔ آپ اس وقت ایک پیوند لگا کرتہ پہنے تھیں کسی شخص نے عرض کیا، آپ اپنا کرتہ بھی بنوالیں۔ مگر آپ نے ذرا بھی توجہ نہ فرمائی اور آخری دم تک غریبوں ہی میں خیرات کرتی چلی گئیں۔

بخشش اور فیاضی :۔

اُمّت پر زکوٰۃ، مال کا چالیسواں حصہ فرض تھی، لیکن پیغمبر اسلام نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں نثار کر دیا۔ یہ عام حکم تھا کہ جو مُسلمان مر جائے اس کا قرض میں ادا کر دوں گا۔ اگر اس نے ترکہ چھوڑا ہو تو وہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔

ایک دفعہ بحرین سے خراج کا مال آیا اور صحن مسجد میں زر و سیم کا انبار لگ گیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز صبح کے لئے تشریف لائے۔ صحابہ رضؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اس ڈھیر کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ نماز سے فارغ ہو کر اس انبار کے پاس آ بیٹھے اور تقسیم فرمانے لگے۔ تھوڑی دیر میں دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ایک دفعہ فدک سے غلّہ کے چار اونٹ آئے۔ چونکہ لینے والا کوئی باقی نہ رہا تھا اس واسطے وہ غلّہ شام تک تقسیم نہ ہوسکا۔ جب حضور کو اطلاع ملی تو فرمایا جب تک یہ دنیا کا مال باقی ہے، میں گھر میں نہیں جا سکتا چنانچہ رات مسجد میں بسر فرمائی۔ صبح کے وقت بلال رضؓ نے اطلاع دی حضورؐ! سب مال تقسیم ہوگیا ہے۔" آپؐ نے خدا کا شکر ادا کیا اور گھر تشریف لے گئے۔

ایک دفعہ نمازِ عصر کے فوراً ہی بعد حجرے میں تشریف لے گئے۔ صحابہ رضؓ کو بہت تعجب ہوا۔ واپس آ کر فرمایا۔ گھر میں سونے کا ٹکڑا پڑا رہ گیا تھا۔ رات سے پہلے اس کا فیصلہ کرنا ضروری تھا۔

آپ مرض الموت کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ کہ خیال آگیا، گھر میں کچھ اشرفیاں پڑی تھیں۔ حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا "انہیں خیرات کر دو۔ یہ مناسب نہیں کہ محمدؐ اپنے خالق کی بارگاہ میں جائے اور اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔"

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فیاضیاں نہایت حیرت انگیز ہیں۔ اپنا حال کیسی ہی تکلیف میں ہوتا۔ آپ سائل کو کبھی رد نہ فرماتے تھے گھر میں ایک آٹے کی ٹوکری تھی، سائل آگیا۔ آپؐ نے ساری ٹوکری اس کے حوالے کر دی۔ اور گھر والوں نے رات فاقہ سے بسر کی۔ ایک سائل آیا فرمایا اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تم میرے نام پر قرض لے لو میں ادا کر دوں گا۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے چادر پیش کی۔ آپؐ کو ضرورت تھی اس لئے آپؐ نے اسے قبول فرما لیا۔ پاس سے ایک شخص نے چادر کی تعریف کی۔ حضورؐ نے اسی وقت چادر اتار دی اور اس کے حوالہ کر دی۔ آپ ایک دن اپنی بکریوں کے ریوڑ میں جو دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ کھڑے تھے ایک غریب آدمی نے چند بکریوں کا سوال کیا، حضورؐ نے تمام ریوڑ اس کے حوالے کر دیا اور آپ الگ ہو گئے۔

صدق و ثبات

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ آپ پہلے ہی دن ایک سچائی پر کھڑے ہوئے اور آخر تک کھڑے رہے۔ جب زندگی کی رفتار بدلتی۔ ساری دنیا اپنی جگہ سے ہل جاتی مگر آپؐ کے مزاج پر بال برابر بھی اثر نہ ہوتا تھا۔

کفّار نے آپؐ کے قتل کی سازش کی اور تمام قبیلوں کے منتخب بہادروں نے ننگی تلواروں کے ساتھ آپؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ آپؐ چپ چاپ سپاہیوں کے پاس سے گزر گئے اور صدیق اکبر رضؓ کو ساتھ لے کر غارِ ثور میں جا بیٹھے۔ کفّار بھی وہیں غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے بس اب صرف ایک نگاہ پڑنے کی ضرورت تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ یہ حال دیکھ کر بے قرار ہو گئے مگر پیغمبر اسلامؐ نے پر ذرا اثر نہ تھا۔ فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا۔ صدیق! تم کیوں غم کرتے ہو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

آپ لشکر اسلام سے دُور تنہا ایک درخت کے نیچے سوئے پڑے تھے کہ ناگہاں وہاں ایک دشمن آ پہنچا اور تلوار تان کر سرہانے کھڑا ہوگیا۔ ٹھیک اسی وقت آپؐ نے آنکھ کھولی۔ اور سر پر تلوار کو دیکھا۔ دشمن نے آواز دی۔ "اب تمہیں کون بچا سکتا ہے؟" اس سے زیادہ نازک وقت اور کیا ہو سکتا ہے۔ مگر رسول اللہ کی جمعیت خاطر میں ذرا فرق نہیں آیا آپؐ نے ایک لفظ میں دشمن کو جواب دیا۔ "اللہ"، اسی وقت اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ جب وہی تلوار آپؐ نے اٹھائی تو دشمن نے معافی کے لئے دوہائی مچا دی۔ پیغمبر اسلام کا دل اب بھی اپنی جگہ پر تھا۔ معاف کیا۔"

جنگِ حنین میں دس ہزار فوج آپؐ کے ساتھ تھی۔ دشمن نے ایک تنگ درّے میں بیٹھ کر ایسی بے پناہ تیر اندازی کی کہ تمام اسلامی فوج بے تحاشا بھاگ اُٹھی اور ایک شخص بھی آپؐ کے ساتھ باقی نہ رہا۔ آپ اس نازک ترین وقت میں گھوڑے سے اتر آئے۔ زمین پر کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا

انا النبی لاکذب - انا ابن عبد المطلب

حضرت عباس نے آپ کو اس حال میں کھڑے دیکھا تو انصار و مہاجرین کو آوازیں دیں اب جانثار مُسلمان واپس لوٹے اور آن کی آن میں میدان دشمن سے صاف ہو گیا۔ * * * * * (ماخوذ)

ترجمہ و ترتیب: محمد شریف چوہدری

بلادِ غیر میں احمدیہ لٹریچر کی مقبولیت

اقصائے عالم سے آمدہ خطوط کی ایک جھلک

"میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" (الہام حضرت اقدس)

۱۔ نائیجیریا سے الحاج محمد صالح صاحب تحریر کرتے ہیں:

پیارے بھائی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جب سے میں نے سنا ہے کہ آپ دین اسلام کی نشر و اشاعت اور احیائے دین کے لئے کام کر رہے ہیں بے حد پُر مسرت ہوں۔ عرض یہ ہے کہ میں نائیجیریا کے مدرسۃ العلوم عربیہ میں ۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۱ء زیر تعلیم رہا ہوں۔ اب میرا ارادہ یہ ہے کہ امسال شریعت اسلامیہ کالج میں داخلہ لوں۔ میری اور میرے والدین کی تمنا ہے کہ میں ایک ممتاز عالم دین بنوں۔ اس لئے آپ میری مدد فرما دیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔ "اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی حاجت پوری کرتا ہے جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے۔" ملتمس ہوں کہ مجھے اسلامی فقہ، اسلامی شریعت کی انگریزی عربی کتب ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو تبلیغ دین کی نیک مساعی میں کامیاب و بامراد بنائے اور اعمالِ خیر کو شرفِ قبولیت بخشے۔ جواب کا طالب!

۲۔ گھانا مغربی افریقہ میں ایک احمدیہ تعلیمی ادارہ کے معلم دینیات الحاج آدم یعقوب رقمطراز ہیں:۔

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور پاکستان کے مسلمان مردوں اور عورتوں کی خدمت میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ آپ سب بخیریت ہوں گے۔ الحمدللہ۔ میں تحریری طور پر باعثِ زحمت ہو رہا ہوں۔ امید ہے آپ ناراض نہیں ہوں گے۔ گھانا میں احمدیہ جماعت تبلیغ و اشاعتِ دین کا جو فریضہ اپنے محدود ذرائع اور وسائل کے ساتھ سرانجام دینے کی ازحد کوشش کر رہی ہے۔ اس کارِ خیر میں جہاں آپ کی پُرخلوص دعاؤں کی ضرورت ہے وہاں آپ کی اخلاقی اور مادی امداد بھی درکار ہے۔ لہٰذا آپ دینِ اسلام اور تعلیماتِ اسلامیہ حقہ پر زیادہ سے زیادہ کتب ارسال کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔

چونکہ ہمارا مقابلہ عیسائیت سے ہے اور عیسائیت کے باطل عقائد و نظریات کے دفاع کے لئے جماعت احمدیہ کے خصوصی لٹریچر کی ضرورت ہے تاکہ ہمارے مسلمان بھائی عیسائیت سے مرعوب و مغلوب نہ ہو سکیں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ملک میں عیسائیت اپنے دجل و فریب کے بھرپور سامانوں کے ساتھ نبرد آزما ہے۔ اس لئے فوری امداد کی ضرورت ہے۔ دینی لٹریچر کے ساتھ قرآن مع ترجمہ و تفسیر بھی ارسال فرما دیں۔

۳۔ نادیہ عربی سکول گھانا مغربی افریقہ سے ایم الحسن لکھتے ہیں۔

پیارے بھائی! السلام علیکم!

مہربانی فرما کر ترجمہ و تفسیر انگریزی قرآن کریم اور مندرجہ ذیل کتب بھجوا کر شکریہ کا موقع دیں۔ لونگ تھاٹس، مسلم پریئر بک، ٹیچنگز آف اسلام۔ ایک دوست سے مجھے آپ کا پتہ ملا اور ان سے چند کتب لے کر پڑھی ہیں۔ میں نے ان کو تعلیمات اسلامیہ سے بہرہ ور ہونے کے سلسلہ میں بہت ہی مفید پایا ہے۔ اُمید ہے التفات توجہ دے کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

۴۔ نائیجیریا سے عبدالغنی احمد تحریر کرتے ہیں — جنابِ من۔ السلام علیکم!

ہفتہ قبل آپ کا مکتوب ملا جسے پڑھ کر انتہائی مسرت ہوئی۔ کہ آپکی انجمن نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے اسلام پر تحقیقی اور صحیح اسلام پر تحقیق اور ایمان افروز لٹریچر شائع کر رہی ہے اور آپ کی تنظیم ایک بین الاقوامی تنظیم ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آپکے شائع کردہ لٹریچر نے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی ہے۔

کتب دینی جو آپنے ارسال کی ہیں ابھی تک نہیں ملیں حسب ہدایت بعد از وصولی فوراً آپ کے ادارہ کو مطلع کروں گا۔ میرا فائنل کا امتحان شہر میں ہو رہا ہے اس لئے انگریزی تفسیر قرآن مجید کی اشد ضرورت ہے۔ ایک نسخہ تحفتہً ارسال کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔ بحیثیت طالب علم میں اس قیمتی کتب کو خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ میں آپ کی عنایت کا منتظر رہوں گا۔

۵۔ گھانا مغربی افریقہ سے سلیفو کیپی تحریر کرتے ہیں۔

آپ کی خدمت میں یہ درخواست برائے حصول دینی کتب لکھتے ہوئے ازحد فخر محسوس کر رہا ہوں۔ میں جنرل سرٹیفکیٹ آف ایجوکیشن کے آخری امتحان کی تیاری کر رہا ہوں جو قریبی وقت میں ہو رہا ہے۔ قرآن کریم ہماری نصابی کتب میں اہم حیثیت رکھتا ہے میں نے محترم ڈاکٹر شیخ بارود صاحب کو چند کتب دینی کے لئے خط لکھا انہوں نے بتایا کہ یہ کتب دستیاب نہیں ہیں۔ البتہ آپ کا پتہ مجھے دیا کہ آپ سے رابطہ قائم کروں اُمید ہے آپ میری امداد ضرور فرمائیں گے مجھے یہ کتب بھجوا کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ کتب یہ ہیں۔ اصول فقہ۔ تاریخ خلافت۔ اصول حدیث اور انگریزی ترجمہ قرآن۔

اخبارِ احمدیہ

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں۔ رمضان شریف کی وجہ سے ایبٹ آباد میں مقیم ہیں جہاں کا موسم آپ کی صحت کے لئے نہایت سازگار ہے۔ آپ حسب معمول جماعتی کام اور اشاعتِ اسلام کے کاموں میں مصروف ہیں۔ احباب کرام سے درخواست ہے کہ وہ حضرت ممدوح کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔
* نماز جنازہ غائبانہ: چوہدری ریاض احمد صاحب صدر مقامی جماعت لاہور کی ہمشیرہ صاحبہ ۱۵ جون ۸۳ء بروز بدھ انتقال کر گئی ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون احباب کرام سے جنازہ غائبانہ اور دعائے مغفرت کی استدعا ہے۔

فطرانہ:۔ صدقہ فطر کی شرح انجمن کے فیصلہ کے مطابق امسال ۵ روپیہ فی کس مقرر کی گئی ہے۔ یہ صدقہ ہر گھر کے تمام افراد پر واجب ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن کے بچہ کا فطرانہ ادا کرنا بھی والدین پر واجب ہے۔ عورتوں بچوں اور بوڑھوں کا فطرانہ ان کی کفالت کرنے والوں کے ذمہ ہے۔ اُمید ہے کہ جماعتوں کے سیکرٹری و محصل صاحبان عید سے پیشتر ہی فطرانہ اور عید فنڈ جمع کرنے کا انتظام کریں گے۔

باہتمام المجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ مورخہ ۲۲ جون ۱۹۸۳ء۔ جلد ۷۰ شمارہ ۲۵

جلد: ۷۰ | یوم چہارشنبہ | ۱۷ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۹ جون ۱۹۸۳ء | شمارہ ۲۶

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

ہمدردی بندگانِ خدا کا پاک چشمہ ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آوے

یہ سلسلۂ بیعت محض برائے فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کیلئے ہے تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کیلئے برکت و عظمت و نتائج خیر کا موجب ہو اور وہ برکت کلمہ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آسکیں اور ایک کاہل اور بخیل و بے مصرف مسلمان نہ ہوں اور نہ ان نالائق لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنے تفرقہ و نااتفاقی کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اور اس کے خوبصورت چہرہ کو اپنی فاسقانہ حالتوں سے داغ لگا دیا ہے۔ اور نہ ایسے غافل درویشوں اور گوشہ گزینوں کی طرح جن کو اسلامی ضرورتوں کی کچھ بھی خبر نہیں اور اپنے بھائیوں کی ہمدردی سے کچھ غرض نہیں اور بنی نوع کی بھلائی کے لئے کچھ جوش نہیں بلکہ وہ ایسے قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے انجام دینے کے لئے عاشق زار کی طرح فدا ہونے کو تیار رہوں اور تمام کوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان کی عام برکات دنیا میں پھیلیں اور محبت الٰہی اور ہمدردی بندگانِ خدا کا پاک چشمہ ہر یک دل سے نکل کر اور ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آوے۔ خدا نے ارادہ فرمایا ہے کہ محض اپنے فضل اور کرامت خاص سے اس عاجز کی دعاؤں اور اس ناچیز کی توجہ کو ان کی پاک استعدادوں کے ظہور و بروز کا وسیلہ ٹھہراوے اور اس قدوس جلیل الذات نے مجھے جوش بخشا ہے تا میں ان طالبوں کی تربیت باطنی میں مصروف ہو جاؤں اور ان کی آلودگی کے ازالہ کیلئے رات دن کوشش کرتا رہوں اور ان کے لئے وہ نور مانگوں جس سے انسان نفس اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور بالطبع خدا تعالیٰ کی راہوں سے محبت کرنے لگتا ہے اور ان کے لئے وہ روح قدس طلب کروں جو ربوبیت تامہ اور عبودیت خالصہ کے جوڑ سے پیدا ہوتی ہے اور اس روح خبیث کی تکفیر سے ان کی نجات چاہوں کہ نفس امارہ اور شیطان کے تعلق شدید سے جنم لیتی ہے سو میں بتوفیقہ تعالیٰ کاہل اور سست نہیں رہوں گا اور اپنے دوستوں کی اصلاح طلبی سے جنہوں نے اس سلسلہ میں داخل ہونا بصدق قدم اختیار کر لیا ہے غافل نہیں ہوں گا بلکہ ان کی زندگی کے لئے موت تک دریغ نہیں کروں گا۔ جس کا اثر برقی مادہ کی طرح ان کے تمام وجود میں دوڑ جائے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ان کیلئے کہ جو داخل سلسلہ ہو کر صبر سے منتظر رہیں گے ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے کیلئے اور اپنی قدرت دکھانے کے لئے پیدا کرنا اور پھر ترقی دینا چاہا ہے تا دنیا میں محبت الٰہی اور توبہ نصوح اور پاکیزگی اور حقیقی نیکی اور امن اور صلاحیت اور بنی نوع کی ہمدردی کو پھیلا دے سو یہ گروہ اس کا ایک خالص گروہ ہوگا اور وہ انہیں اپنی روح سے قوت دے گا اور انہیں گندی زیست سے صاف کرے گا اور ان کی زندگی میں ایک پاک تبدیلی بخشے گا وہ جیسا کہ اس نے اپنی پاک پیشگوئیوں میں وعدہ فرمایا ہے اس گروہ کو بہت بڑھائے گا اور ہزارہا صادقین کو اس میں داخل کرے گا وہ خود اس کی آبپاشی کرے گا۔ اور اس کو نشوونما دے گا۔ یہاں تک کہ ان کی کثرت اور برکت نظروں میں عجیب ہو جائے گی اور وہ اس چراغ کی طرح جو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے دنیا کی چاروں طرف اپنی روشنی کو پھیلائیں گے اور اسلامی برکات کیلئے بطور نمونہ کے ٹھہریں گے۔ وہ اس سلسلہ کے کامل متبعین کو ہر ایک قسم کی برکت میں دوسرے سلسلہ والوں پر غلبہ دیگا اور ہمیشہ قیامت تک ان میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کو قبولیت اور نصرت دی جائے گی اس رب جلیل نے یہی چاہا ہے وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہر یک طاقت اور قدرت اسی کو ہے۔

(ازالہ اوہام)

آہ! ماسٹر عبدالکریم مرحوم

مرحوم لکھتے ہوئے قلم رکتا ہے۔ مرحوم کمزور جسم کے انسان تھے لیکن دل بہت بڑا تھا۔ مقدس مشن احمدیت کے عاشق تھے۔ مخالفت سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے احمدیت کے خاموش مبلغ تھے۔ مخالفین کے ہر قسم کے اعتراضوں کا معقول اور دندان شکن جواب دیتے تھے۔ کچھ عرصہ قبل مسلمانوں کے ایک بہت بڑے آدمی کی وفات حضرت اقدس کی پیشگوئی کے مطابق ہوئی۔ مرحوم نے اس کا اظہار برملا کر دیا۔ بھدرواہ کے جملہ غیر احمدی مسلمان غیظ و غضب کا شکار ہو گئے۔ اور مرحوم کے خلاف عدالت میں توہین مذہب کا استغاثہ دائر کر دیا۔ مرحوم قطعاً نہیں گھبرائے اور نہ ہی کسی قسم کی پریشانی کا اظہار کیا بلکہ مستقل مزاجی سے مقدمہ کی خود پیروی کی۔ مقدمہ کافی عرصہ چلتا رہا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عدالت کو باور کرا دیا کہ انہوں نے مقدس مذہب اسلام کی کوئی توہین نہیں کی بلکہ حضرتِ اقدس کی ایک پیشگوئی سچی ثابت ہوئی اور یہ حقیقت بروئے ریکارڈ عدالت میں ثابت کی۔

چنانچہ عدالت نے مخالفین کا استغاثہ خارج کر دیا اور مرحوم کو باعزت بری کر دیا۔ مرحوم کی عمر کا کثیر حصہ بہ حیثیت سکول ماسٹر گذرا ہے۔ مرحوم نے اپنی ملازمت کے آخری سالوں میں ہی عرائض نویسی کا امتحان پاس کر لیا۔ اس لئے ملازمت سے ریٹائر ہونے پر عرائض نویسی کا پُر وقار شغل اختیار کر لیا۔ یہ کام گرمیوں میں بھدرواہ میں کرتے تھے اور موسم سرما میں جموں میں۔ مرحوم اپنی قابلیت کی بنا پر نہ صرف اپنے ہم پیشہ لوگوں میں عزیز و مقبول تھے بلکہ ہائی کورٹ کے ججوں میں بھی معقول اور قانونی تحریر کی وجہ سے جانے پہچانے تھے۔ جج صاحبان بھی اپنے ذاتی معاملہ کے لئے مرحوم کی ہی خدمات حاصل کرتے تھے۔

مرحوم کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنی قلیل آمدنی میں اپنی اولاد کی نہایت ہی احسن طریق پر تعلیم و تربیت کی ہے۔ مرحوم کی اولاد میں چار بچے اور تین لڑکیاں ہیں دو لڑکیاں شادی شدہ ہیں اور ایک لڑکی کالج میں پڑھتی ہے۔ بڑا لڑکا عبدالحئی محکمہ تعلیم میں پُر وقار ملازمت کرتا ہے اور شادی شدہ ہے۔ اور سب سے بڑی اہم بات یہ کہ احمدیت کا مبلغ بھی ہے۔ اس سے چھوٹا لڑکا عبدالحفیظ ماشاءاللہ تحصیلدار ہے۔

سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر پر کافی دسترس ہے بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی بھی مخالف کسی قسم کا بھی کوئی اعتراض کرے عزیزم موصوف معقول اور دندان شکن جواب دے سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں احمدیت کا ایک اچھا مبلغ ہے۔ نیز اپنے معزز عہدہ تحصیلداری کی اہم ڈیوٹی سرانجام دینے میں اپنے ہم مرتبوں میں اپنی دیانتداری اور قابلیت کی وجہ سے اچھی خاصی شہرت کے مالک ہیں۔

تیسرا لڑکا یہ دینہ انگلش میں ایم۔ اے ہے اور K.A.S کا امتحان بھی اچھی پوزیشن میں پاس کر لیا ہے۔ انشاءاللہ امید ہے کہ یہ عزیز جلد ہی کسی گزیٹڈ پوسٹ پہ تعینات کیا جائے گا۔ ماشاءاللہ یہ عزیز بھی مشن احمدیت کی کافی واقفیت رکھتا ہے۔

چوتھا لڑکا مشتاق ابھی پڑھتا ہے۔

ان کی والدہ صاحبہ موجود ہیں۔ یہ میری بیوی کی حقیقی بڑی ہمشیرہ ہیں۔ ماہ مارچ میں مرحوم کچھ بیمار رہتے تھے لیکن کھاتے پیتے چلتے پھرتے تھے۔ میں خود بعارضہ بخار اور کھانسی بیمار تھا۔ وفات سے غالباً تین روز قبل مرحوم میری بیمار پُرسی کے لئے پرمٹھا سے محلہ جولاہکا میں آئے اور میرے پاس کرسی پر بیٹھے۔ میں چار پائی پر لیٹا ہوا تھا۔ میں بوجہ کمزوری بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ میری حالت سے ان کی حالت اچھی تھی۔ ۱۳ مارچ ۸۳ء کو بوقت شب خود باہر گئے۔ گھر کے اندر آئے پانی پیا اور لیٹ گئے۔ رات کے غالباً دو بجے سانس کی آواز بیوی نے محسوس کی اور فوراً اٹھ کر ان کے پاس گئیں گھر کے دوسرے افراد کو بیدار کیا۔ اور مرحوم خاموشی سے اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے ہوش میں آنے کے بعد ۶۵ سال کی عمر تک مسلسل محنت کی اور وفات کے چند روز قبل تک محنت ہی کرتے رہے۔ اپنے گھر کے افراد کو آرام پہنچایا اور ہر وقت اپنے بچوں کے روشن مستقبل کی فکر کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی زندگی ہی میں بامراد کیا۔ اب ان کے سعید بچوں کی تمنا تھی کہ اب ان کے پیارے ماں باپ خوش حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کریں۔ ماشاءاللہ بچے عقلمند ہیں اور یہ امر حق اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے باپ نے اپنی تمام عمر اسی فکر اور لگن میں بسر کی کہ ان کی اولاد پُر وقار زندگی بسر کرے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی اس نیک خواہش میں کامیاب بھی فرما دیا۔ البتہ سعید بچوں کے دل میں یہ تڑپ ضرور رہی ہے کہ وہ اپنی تمنا در بارہ خدمت باپ پوری نہیں کر سکے۔ مرحوم ایک سچے مسلمان کا جینا جیا۔ نہایت عاجزی اور انکساری سے زندگی بسر کی۔ نہ صرف اپنے عزیز و اقارب میں عزیز و مقبول رہے بلکہ اپنے ماحول میں اپنے ہمسایہ غیر مسلموں میں بھی پُر وقار اور باعظمت زندگی بسر کی۔ مرحوم احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کے نائب صدر تھے اگرچہ مرحوم نے کسی اسلامی ادارہ سے فضیلت کی سند حاصل نہیں کی تھی لیکن اپنی خداداد ذہانت کی بدولت اپنے وسیع مطالعہ سے مقدس مذہب اسلام کی نسبت بہت اچھی تقریر کر سکتے تھے اور اسلام کے اوصاف نمایاں کرنے میں بھی ان کا قلم بڑی روانی سے چلتا تھا۔ ان کی وفات سے جو کمی واقع ہوئی ہے وہ پوری ہوتی مشکل نظر آتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے ہم پُر امید ہیں کہ وہ ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ اب دعا کرتا ہوں کہ رب العزت مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور جملہ اقارب کو صبر جمیل کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

(چوہدری) غلام مصطفیٰ

صدر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند

محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب مدیر اعزازی

بیرونِ ملک فرقہ پرستی

ہفتہ وار "استقلال" لاہور کا شمارہ ۵۷ مورخہ ۲۴ تا ۳۱ مئی ۱۹۸۳ء اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ "بیرونِ ملک فرقہ پرستی" کے عنوان سے مدیر محترم اپنے اداریہ میں جسے ہم یہاں اپنے قارئین کے لئے پورے کا پورا نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

"جمعیت العلماء پاکستان کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالستار خان نیازی نے گذشتہ روز اپنے غیر ملکی دورہ سے واپسی پر ایک استقبالیہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ دوسرے ملکوں میں مقیم پاکستانی باشندے فرقہ پرستی کی لعنت سے بُری طرح متاثر ہو چکے ہیں۔ انہوں نے حکومت پاکستان سے اپیل کی کہ وہ اس فرقہ پرستی کی روک تھام کرے۔ مولانا نیازی نے غیر ممالک میں رہنے والے پاکستانیوں میں فرقہ پرستی کا ذکر کر کے کوئی انکشاف نہیں کیا۔ گذشتہ بیس پچیس برسوں میں اسی فرقہ پرستی کی تفصیلات کئی بار سننے میں آئی ہیں۔ مولانا عبدالستار خان نیازی اس سے پہلے بھی دوسرے ملکوں میں تشریف لے جا چکے ہیں اور انہیں اس وقت بھی اس فرقہ پرستی کی صورت حال کا علم ضرور ہوا ہوگا۔ لیکن انہوں نے اس دفعہ اس کا ایک تقریب میں ذکر کرنے کی جو ضرورت محسوس کی ہے اس سے یہ تصدیق ہوتی ہے کہ یہ لعنت واقعی تشویشناک صُورت اختیار کر گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک زمانہ میں ہمارے پاکستانی بھائی دوسرے ملکوں میں مِل جُل کر رہتے تھے لیکن جب سے پاکستان کے علماء نے باہر جانا شروع کیا ہے اور انہوں نے وہاں اپنے مداحوں میں فرقہ دارانہ جذبات بھڑکائے ہیں بیرونی ممالک میں فرقہ پرستی کا زہر اس حد تک پھیلا ہے کہ وہاں پاکستانیوں میں تصادم بھی ہو چکے ہیں۔ اسلام نے تو ساری انسانیت کو اخوت کا درس دیا تھا جس سے غیر مسلم بہت متاثر ہوئے تھے لیکن بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے علماء کرام نے اسلام کی اس تعلیم پر زور دینے کی بجائے مسلمانوں کو آپس میں لڑنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ علمائے کرام جب وطن واپس پہنچتے تو وہ اپنے عقیدت مندوں سے نذرانوں کی صورت میں لاکھوں پونڈ اور ڈالر اپنے ساتھ لاتے چنانچہ تبلیغ کے نام پر دوسرے ملکوں میں وعظ کے لئے آئے روز جانا ایک منفعت بخش کاروبار بن گیا لیکن ہمارے علمائے کرام کو یہ سوچنے کی توفیق نہ ہوئی کہ انہوں نے اس کاروبار کے ذریعہ پاکستانی مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچایا۔ اب دوسرے تقریبًا تمام ملکوں میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ پاکستانیوں کے لئے ملازمت کے حالات دن بدن خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں یہ ضروری تھا کہ پاکستانی باشندے آپس میں لڑنے کی بجائے مشترکہ مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے باہمی اتحاد و اتفاق اور اشتراک و تعاون کا مظاہرہ کرتے لیکن وہ باہمی نفاق کی بدولت اپنے مفادات کو کوئی تقویت نہیں پہنچا سکے۔ چنانچہ اس صورتِ حال کی طرف واقعی توجہ دینے کی ضرورت ہے لیکن ہمیں مولانا عبدالستار خان نیازی کی اس رائے سے اتفاق نہیں کہ فرقہ پرستی کی روک تھام حکومت کرے۔

حکومت سے ایسی اپیل کرنے کی بجائے علمائے کرام کو خود اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی لانی چاہیئے۔ اگر حکومت علمائے کرام کے بیرونی سفر پر پابندی عائد کرے تو اس پابندی پر اعتراض کیا جائے گا۔ لہٰذا مناسب یہ ہوگا کہ فرقہ پرستی کی آگ بھڑکانے والے علمائے کرام کو ناکام بنانے کے لئے اخوت اور بھائی چارہ کی تعلیم دینے کے لئے اعتدال پسند اور صلح کل مسلک رکھنے والے علمائے کرام کو بیرون ملک بھیجا جائے۔"

(بشکریہ ہفتہ وار استقلال ۲۴ تا ۳۱ مئی ۸۳ء)

اس سے پہلے ہم اپنے ایک مضمون میں تکفیر بازی اور فرقہ واریت کی لعنت اور امتِ مسلمہ پر اس کے مہلک اثرات کا ذکر کر چکے ہیں۔ اس مضمون میں ہم نے صدر مملکت سے یہ دردمندانہ اپیل بھی کی ہے کہ وہ ایک آرڈی ننس کے ذریعے یہ اعلان فرما دیں کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلمان ہے اُسے کافر کہنے والے کے لئے وہی سزا ہے جو قتل کے لئے ہے کیونکہ تکفیر بازی اور فرقہ واریت فتنہ و فساد کا موجب ہے اور قرآن کریم نے فتنہ کو قتل سے بڑھ کر جرم ٹھہرایا ہے۔ یہ صدر محترم کا امتِ رسول پر احسانِ عظیم ہوگا لیکن یہ اداریہ پڑھنے کے بعد ہمارے دل میں پھر یہ درد پیدا ہوا کہ اس پر مزید کچھ اظہارِ خیال کیا جائے۔

مدیر استقلال یہ بالکل درست فرماتے ہیں کہ "اسلام نے تو ساری انسانیت کو اخوت کا درس دیا تھا" وہ درس کیا تھا اس کے متعلق ہم قرآن کریم کے تین چار مقامات سے عرض کرتے ہیں۔

۱۔ "اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔" (النساء ۱:۴)

۲۔ "اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے بڑھ کر پرہیزگار ہے۔ اللہ جاننے والا خبردار ہے۔" (الحجرات ۱۳)

۳۔ "رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب سے اس کی طرف اتارا گیا اور مومن بھی سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ تفرقہ نہیں کرتے۔" (البقرۃ ۲۸۵)

۴۔ تمام قوموں کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لئے فرمایا "کہہ اے اہل کتاب اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کے ساتھ شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے۔" (آلِ عمران ۶۴)

یہ وہ تعلیم ہے جو قرآن کریم نے ساری انسانیت کو ایک عالمگیر اخوت میں منسلک ہونے اور وحدت نسل انسانی کے قیام کے لئے پیش کی ہے۔ لیکن یہ کس قدر دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ جس قوم کو دنیا کے سامنے یہ تعلیم پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ خود بدقسمتی سے فرقہ پرستی کا شکار ہو کر بٹ گئی ہے۔ اور اس کے دل سے یہ

احساس زیاں مٹ چکا ہے۔ ایسا کیوں ہوا اس پر بھی قرآن کریم ان الفاظ میں روشنی ڈالتا ہے

" (یہودیوں اور عیسائیوں نے) اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوائے رب بنالیا ہے"۔ اور ان عالموں اور راہبوں کا طریق کیا ہے اس کے متعلق مومنوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یقیناً بہت سے علماء اور راہب لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں"۔ (التوبہ ۳۱، ۳۴)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح مسلمانوں میں بھی احبار اور رہبان کا طبقہ پیدا ہو جائے گا جنہیں لوگ ارباباً من دون اللہ بنالیں گے اور وہ مسلمانوں کا مال باطل طریقوں سے کھانے کے لئے اپنے اپنے طریقے ایجاد کرلیں گے اور اس طرح اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا کر مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے اس کے ثبوت میں ہم آنحضرت صلعم کی یہ احادیث پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ترجمہ:۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میری امت پر بعینہٖ وہی واقعہ ہوگا جو بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا۔۔۔۔ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے اور میری امت کے لوگ ۷۳ فرقوں میں بٹ جائیں گے اور بجز ایک فرقہ کے باقی سب جہنم میں جائیں گے جب پوچھا گیا یا رسول اللہ صلعم وہ نجات یافتہ فرقہ کون ہوگا تو فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس طریق پر چلیں گے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں"۔ (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۴۶)

۲۔ دیلمی نے حضرت صہیب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے صہیب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس وقت امیر بکثرت ہوں گے اور فقہا تھوڑے اور خطبہ پڑھنے والے بڑے جھوٹے۔ دغا باز اور قاری ریاکار اور فریبی دین کو چھوڑ کر اور باتوں میں تفقہ کریں گے اور دنیا کو اس طرح کھائیں گے جس طرح آگ لکڑی کو کھاتی ہے لیکن یاد رکھو کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کو ہمیشہ برا ہی ٹھکانا ملا کرتا ہے"۔ (کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۱۷)

اس طرح کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں لیکن ہم نے انہی دو پر اکتفا کیا ہے کیونکہ ان میں بیان کیا گیا سارا نقشہ آج ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ یہ ساری افتاد اس لئے پڑی ہے کہ قرآن کو پس پشت ڈالتے ہوئے لوگوں نے اپنا اپنا دین گھڑ لیا ہے اور اس کی غرض مال بٹورنا ہے۔ جیسا کہ مدیر استقلال نے اپنے اداریہ میں بیان فرمایا ہے۔

جو صاحبان اب یہ شکوہ کرنے لگے ہیں کہ "دوسرے ملکوں میں مقیم پاکستانی باشندے فرقہ پرستی کی لعنت سے بری طرح متاثر ہو چکے ہیں"۔ یہ درحقیقت انہی کا کیا دھرا ہے کہ ؎

اے صبا ایں ہمہ آوردہ تست"

تو بعید از حقیقت نہ ہوگا۔ اور اب جو اس لعنت نے دوسرے ملکوں میں شدت اختیار کرلی ہے تو یہ پہلے سے پھیلائی گئی فرقہ پرستی کا ردعمل ہے جو دراصل ڈالر اور پونڈ جمع کرنے کے راستے میں بھاری رکاوٹ بن گیا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایک اسلامی ملک نے ایک بہت بڑے پاکستانی عالم کو اپنی سرزمین پر اترنے کی اجازت اس لئے نہیں دی تھی کہ ان کے وہاں جانے سے ایک دفعہ پہلے بھی وہاں کے مسلمانوں میں تصادم ہو چکا تھا اور حکومت کے لئے نظم و ضبط کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔

ہمیں مدیر "استقلال" کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ جب سے پاکستانی علمانے دولت جمع کرنے کے منفعت بخش کاروبار کی خاطر بیرونی ممالک کے دورے شروع کئے ہیں تب سے ان ملکوں میں فرقہ پرستی کے فتنہ نے سر اٹھایا ہے اور اب یہ صورت حال نازک ہو گئی ہے لیکن ہمیں ان کی اس رائے سے اختلاف ہے کہ اگر علماء کے باہر جانے پر پابندی عائد کی گئی تو اس پر اعتراض ہوگا۔ کیونکہ ان کے باہر جانے سے نہ صرف پاکستانیوں کے لئے ملازمت کے حالات دن بدن خراب ہوتے جارہے ہیں بلکہ ان کے اس عمل سے اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ جب غیر مسلم اپنے ممالک میں اسلام کے متعلق بھانت بھانت کی بولیاں سنتے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑتے جھگڑتے اور مذہب اسلام کے نام پر گتھم گتھا ہوتے دیکھتے ہیں تو ان کے لئے اس اسلام میں کوئی کشش باقی نہیں رہتی اور وہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ وہ کون سے عالم کے بیان کردہ اسلام کو درست اور انسانیت کے لئے نجات کا ذریعہ سمجھیں۔ اسلام کی یہ گوناگوں تعبیریں ان کے ذہنوں میں بے شمار الجھنیں پیدا کر دیتی ہیں اور اسلام کا آفاقی اور ابدی پیغام خدا، رسول اور قرآن کا اسلام نہیں بلکہ ایک مولوی کا اسلام بن کر رہ جاتا ہے۔ جو دوسرے مولویوں کے اسلام سے بالکل مختلف نظر آتا ہے۔

اگر حالات کو اسی ڈگر پر چلنے دیا گیا اور فرقہ پرست علماء کے باہر جانے پر کسی اعتراض کے خوف سے پابندی نہ لگائی گئی تو بیرون ملک اسلام کی تبلیغ کے لئے جو تدابیر اور تجاویز زیر غور ہیں ان کی کامیابی کا امکان مشکوک ہو کر رہ جائے گا۔ اس کے علاوہ جو یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ فرقہ پرست علماء کی بجائے اعتدال پسند اور صلح کل علماء کو بیرون ملک بھیجا جائے تو یہ بھی ہماری رائے میں اس مرض کی دوا نہیں کیونکہ پاکستان میں اس وقت کوئی بھی ایسا عالم نظر نہیں آتا جس کا تعلق کسی خاص فرقہ یا مسلک سے نہ ہو اور وہ اعتدال پسند اور صلح کل ہو۔ اگر سیاسی جماعتوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ صورت اور بھی تشویشناک ہو جاتی ہے کیونکہ یہاں ایک جمعیت العلماء اسلام ہے۔ ایک جمعیت العلماء پاکستان ہے۔ جماعت اسلامی ہے اور مسلم لیگ اور ایم آر ڈی میں علماء شامل ہیں۔ ان کے جو بیانات ایک دوسرے کے خلاف آتے رہے ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔ جب یہ علما نہ مسلک کے لحاظ سے ایک ہیں اور نہ سیاسی لحاظ سے ایک تو اعتدال پسند اور صلح کل علماء کہاں سے آئیں گے۔

ایک اور بڑا خطرہ اس میں یہ بھی ہے کہ اگر فرقہ پرست اور صلح کل علما دونوں کو باہر جانے کی اجازت دے دی گئی تو کاروباری رقابت کی وجہ سے علماء اور ان کے حامیوں میں تصادم اور بڑھے گا اور غیر مسلم اسلام کا مذاق اڑائیں گے اور یہ ان کیلئے بڑی مسرت کا باعث ہوگا۔

پاکستان کے اندر بھی یہ فتنہ آئے دن سر اٹھاتا رہتا ہے اور حکومت کے لئے امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بھی درست نہیں کہ حکومت اس فتنہ کو ختم نہیں کرسکتی۔ حکومت اسے ضرور ختم کرسکتی ہے اور وہ اس طرح کہ اس بارے میں ایک آرڈی نینس کے ذریعے یہ قانون بنا دیا جائے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے والا ہر شخص مسلمان ہے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسے شخص کو کافر کہے۔ اسے کافر کہنے والے کی سزا پھانسی کی ہوگی کیونکہ یہ اللہ تعالٰے اور اس کے رسول صلعم کے حکم کے خلاف ہے۔ اور اس لئے یہ سب سے بڑا جرم ہے۔ اگر اپنے گھر میں اس لعنت کو سختی سے ختم کر دیا جائے تو بیرون ملک یہ اپنی موت آپ مر جائیگی۔

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۲)

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی ۔ لاہور

درسِ قرآن ــــ سبق ۳۷

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ؕ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفہ وَاغْفِرْ لَنَا وقفہ وَارْحَمْنَا وقفہ اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ؏

ترجمہ:- اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی ۔ اے ہمارے رب تیری مغفرت مانگتے ہیں اور تیری طرف ہی انجام کار پہنچنا ہے ۔ اللہ کسی نفس پر کوئی بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی وسعت کے مطابق ۔ اسی (نفس) کے لئے ہے جو وہ اچھی کمائی کرے اور اسی پر ہے جو وہ بری کمائی کرے ۔ اے ہمارے رب ہم کو نہ پکڑ اگر ہم بھول گئے یا ہم سے خطا ہوئی ۔ اے ہمارے رب ہمارے اوپر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ان پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے ۔ اور اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہیں اور ہمیں معاف فرما اور ہماری حفاظت فرما اور ہم پر رحم فرما ۔ تو ہی ہمارا مولیٰ ہے ۔ پس کافر لوگوں کے خلاف ہماری مدد فرما ۔ (البقرۃ ۲ ؍ ۲۸۵ - ۲۸۶)

پچھلے درس میں میں بتا آیا ہوں کہ ایمان کی ضرورت کیوں ہے اور دوئم یہ کہ ایمان کن باتوں پر ہونا چاہیئے ۔ قرآن حکیم ایسی کامل اور بے مثل کتاب ہے کہ کسی ضروری بات کو نہیں چھوڑتی ۔ ایمان ایسی چیز نہیں کہ وہ نظر آئے یا کسی مادی آلہ یا ذریعہ سے اس کا پتہ لگایا جا سکے کہ وہ کس حالت میں ہے ؟ آیا ٹھیک ہے یا نہیں ؟ کیونکہ پچھلے درس میں میں بتا آیا ہوں کہ ایمان کے بغیر نہ تو انسان کو اطمینانِ قلب نصیب ہو سکتا ہے نہ اس کے اعمال کی اصلاح ہو سکتی ہے ، اور نہ وہ اپنی زندگی کے مقصد کو جان سکتا ہے ۔ مقصد کو جاننا کافی نہیں جب تک کہ انسان اس مقصدِ زندگی کو پا نہ لے تو ایمان لا کر تو انسان فقط اس مقصد کا تعین کر سکتا ہے ۔ اس کو پانے کا طریق کیا ہے ؟ وہ آج کی آیات کے پہلے حصہ میں بتایا ۔ وقالوا سمعنا و اطعنا یعنے مومن کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی بات کو سنا اور ہم نے اس کی اطاعت کی ۔ میں ایک ابتدائی درس میں بتا آیا ہوں کہ عربی زبان میں قَالَ کے معنی صرف زبان سے کہنا نہیں بلکہ عمل کرنا بھی ہے ۔ اس لئے یہاں قالوا سمعنا و اطعنا کے معنی ہوئے کہ مومن اول تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی بات کو سنتے ہیں یعنے سننے کے لئے آتے ہیں اور توجہ سے سنتے ہیں اور سننے کے بعد بلا تامل اس پر عمل کرتے ہیں جس کا ذکر اطعنا میں ہے یعنے ہم اطاعت یا فرمانبرداری کرتے ہیں ۔ اس کا بہترین نمونہ تو خود رسول اللہ صلعم تھے کہ آپ نے اپنے لئے فرمایا وانا اوّل المسلمین یعنے فرمانبرداری کرنے میں میں سب میں اول ہوں ۔ چنانچہ میں پچھلے درس میں بتا آیا ہوں کہ قرآن کریم نے نہ صرف آپؐ کو اول المسلمین فرمایا بلکہ یہاں تک فرمایا کہ **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** یعنے جس نے اس رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ۔ آپؐ کی زندگی قرآن کریم کے تمام احکام کی عملی تصویر تھی ۔

صحابہ رضؓ نے بھی سمعنا و اطعنا کا کمال کر دکھایا ۔ شراب کے حرام کئے جانے سے قبل مسلمان بھی دوسرے عربوں کی طرح شراب پیتے تھے ۔ جن لوگوں نے شراب کے عادیوں کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس نشہ کی طلب اس قدر سخت ہوتی ہے کہ شرابی کسی قیمت پہ یا کسی صورت میں شراب کو چھوڑ نہیں سکتا خصوصاً جبکہ ساری عمر کی پکّی عادت ہو ۔ چنانچہ امریکہ جیسے مہذب اور تعلیم یافتہ ملک نے شراب نوشی کو قانون اور حکومت کی تمام طاقتوں اور اختیارات کو استعمال کر کے روکنا چاہا ۔ مگر روک نہ سکے اور بالآخر اس قانون کو منسوخ کرنا پڑا ۔ مگر مدینہ میں جیسے ہی شراب کی ممانعت کا حکم نازل ہوا تو بلا تامل تمام مسلمانوں نے فوراً شراب کو چھوڑ دیا جو کہ اور عربوں کی طرح دن رات پیتے تھے ۔ شراب کے مٹکوں کو یکدم توڑنے سے مدینہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہنے لگی جس طرح بارش کا پانی بہتا ہے ۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں سمعنا و اطعنا کے ۔ صرف ایک اور سنا کر بس کرتا ہوں ایک دفعہ رسول اللہ صلعم مسجد میں خطبہ دے رہے تھے کچھ لوگ سامعین میں پیچھے کھڑے تھے تو آپؐ نے انہیں فرمایا "بیٹھ جاؤ" ۔ ایک صحابیؓ مسجد کے باہر گلی میں آ رہے تھے ۔ انہوں نے رسول اللہ صلعم کا فرمانا "بیٹھ جاؤ" سنا تو وہیں گلی میں بیٹھ گئے ۔ کسی نے انہیں کہا کہ رسول اللہ صلعم نے تمہیں تو نہیں کہا تھا کہ بیٹھ جاؤ ۔ صحابیؓ نے فرمایا ۔ "ہاں میں جانتا ہوں مگر میں نے رسول اللہ صلعم کے حکم کی اطاعت میں دیر کرنا پسند نہیں کیا ۔ پھر کیا پتہ تھا کہ مسجد کے اندر داخل ہونے سے قبل میں مر جاتا تو رسول اللہ صلعم کا حکم سن کر اطاعت نہ کرنے کا میں گنہگار ہوتا ۔"

تو جب ایمان کی یہ حالت ہو کہ اللہ یا اس کے رسول کا حکم سنتے ہی فوراً انسان تعمیل کرے تو جان لو کہ ایسے انسان کا ایمان صحیح حالت میں ہے ۔ اور سچ یہ ہے کہ ایمان لانے کے معنی ہی کیا ہیں اگر انسان اللہ اور اس کے رسول کو مان کر اور اپنا خیر خواہ جان کر ان کے حکم کو نہ ماننے یا تعمیل کرنے میں لیت و لعل کرے ۔ دوئم ایسا انسان ہی اپنے مقصدِ زندگی کو پا سکتا ہے ۔ مگر باوجود ایسے مکمل اور اعلیٰ ایمان کے کہ جہاں سنا تو فوراً عمل کیا اگلے الفاظ ہیں **غفرانک ربّنا** یعنے اے ہمارے رب ہم تیری حفاظت مانگتے ہیں ۔ یعنے مومن جانتا ہے کہ شیطان یا نفسِ امّارہ اسے ہر موقعہ پر ورغلا کر گمراہ کرنے کی کوشش میں

لگے رہتے ہیں اور اسی لئے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت چاہتا ہے۔ اس آیت کے اگلے الفاظ اور بھی عجیب ہیں والیک المصیر یعنے تیری طرف ہی ہم کو لوٹ کر جانا ہے۔ اگر یہ بات انسان کے ہر وقت سامنے رہے تو پھر وہ غلطی یا غفلت نہیں کر سکتا۔

لایکلف اللہ نفسًا الا وسعھا۔ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ تمہارا ایمان تب صحیح ہوگا جب کہ تمہاری حالت سمعنا واطعنا کی ہو یعنے جہاں اللہ کے حکم کو سنا تو فوراً اطاعت کی۔ دوسری بات یہ فرمائی تھی کہ ہر وقت یاد رکھو کہ تم نے بالآخر اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اپنے ایمان اور اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے۔ تو ایک ذمہ دار شخص گھبرا جاتا ہے کہ کیا میں ایمان کی اس اعلیٰ حالت کو پا سکتا ہوں کہ جہاں اللہ کی بات سنی تو فوراً عمل کر سکوں۔ تو فرمایا کہ جب اللہ تمہارے اوپر کوئی ایسا بوجھ ہی نہیں ڈالتا جو تمہاری طاقت سے باہر ہو تو پھر اس کو اٹھانے میں کیوں دقت ہو۔ اور اسی لئے جوابدہی بھی ہوگی کہ تم کوئی کام کر سکتے تھے مگر تم نے نہ کیا۔ اس لئے جوابدہی سے بھی مت ڈرو کیونکہ تمہارے نفس کی وسعت یا تمہارے عمل کی طاقت کے مطابق ہی خدا کے آگے تمہاری ذمہ داری ہوگی۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان پر تین قسم کے بوجھ ڈالتا ہے۔ اول تو شریعت کے احکام کے جیسے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یا دوسرے احکام شریعت مثلاً یہ کرو۔ یہ نہ کرو۔ دوئم تقدیری مصائب مثلاً بیماری، موت، بھوک اور مالی تنگی، یا حالت خوف خواہ وہ کسی معاملہ میں ہو یا نقصان خواہ وہ کسی رنگ میں ہو اور تیسرے انسان کے گناہوں کے بوجھ یعنے سزائیں یا عذاب جو جب انسان کو آ چمٹتے ہیں تو پیچھا نہیں چھوڑتے اور بعض تو انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ ان تین بوجھوں میں سے پہلے دو بوجھ یعنے شریعت کے احکام کے یا تقدیری مصیبتیں تو اللہ کی طرف سے ڈالے جاتے ہیں اور اس لئے ان کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا قانون کہ وہ کسی نفس یعنے انسان پر ایسا بوجھ نہیں ڈالتا جو اس کی وسعت یعنے اٹھانے کی طاقت سے زیادہ ہو۔ صادق آتا ہے۔ مگر تیسری قسم کا بوجھ یعنے گناہوں کی شامتِ اعمال یا عذاب تو وہ انسان کے گناہوں کے مطابق ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ بوجھ انسان کو پیس کر رکھ دے۔ آیئے ان تینوں بوجھوں کو علیحدہ۔ علیحدہ دیکھ لیں۔

اول تو شریعت کے بوجھ ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق تو فرمایا کہ وہ انسان کی قوت برداشت کے مطابق ہیں۔ مثلاً نماز کو لے لیجئے۔ اگر انسان کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو اجازت ہے کہ بیٹھ کر پڑھ لے۔ یا لیٹ کر پڑھ لے یا انگلی کے اشارہ سے پڑھ لے۔ غرض جیسی حالت ہو ویسی ہی نرمی پیدا کر دی گئی ہے۔ مسافر کو اجازت ہے کہ نماز کو ملا لے یا قصر کر دے۔ انسان کو کام، کاج ہوں مثلاً دعوت پہ جانا ہو یا جلسہ ہو یا شادی بیاہ ہو تو نمازوں کو ملا کر پڑھ لینے کی اجازت ہے جس صورت میں سنتیں نہیں پڑھی جاتیں تو نماز مختصر بھی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح روزہ کے بارہ میں مریض یا مسافر یا بڈھے انسان کو جو روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو اجازتیں ہیں کہ مریض یا مسافر دوسرے دنوں میں رکھ لے اور جو سارا سال نہ رکھ سکتا ہو بڑھاپے یا لمبی بیماری کی وجہ سے تو وہ فدیہ دے دے جیسا

کہ قرآن حکیم نے فرمایا ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اللہ تم سے آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا۔ اور جیسا کہ حضرت مجدد زمان حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے فرمایا ہے۔

"شریعت کی بنا نرمی پہ ہے نہ کہ سختی پر"

باقی آئندہ

بقیہ:۔ بیرون ملک فرقہ پرستی۔ (آمدہ صک سے آگے)

تب ہی یہ دعوٰی درست ثابت ہوگا کہ ہمارا خدا ایک ہے۔ قرآن ایک ہے اور رسول ایک ہے۔ ورنہ ہر فرقے کا خدا بھی جدا۔ رسول بھی جدا۔ اور قرآن بھی جدا ہو گا۔ اور مسلمانوں کے اندر اتحاد اور یک جہتی کے قیام کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا اور ان کی معاشی اور سیاسی غلامی کی زنجیریں مغرب کے ہاتھ میں ہی رہیں گی۔

فرقہ پرستی اور اس کے نتیجہ کے متعلق قرآن کریم میں بڑی سخت تنبیہہ ان الفاظ میں آئی ہے۔

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعًا لست منھم فی شیءٍ انما امرھم الی اللہ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون"

وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور فرقے ہو گئے تیرا ان سے کوئی سروکار نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے پھر وہ ان کو بتائے گا جو وہ کرتے تھے۔

فرقہ پرستوں سے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی بیزار ہوں اور اللہ ان کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لے تو ان کے لئے کون سی جائے پناہ رہ جاتی ہے۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں قدرت کی تعزیریں۔

دینی تربیتی کلاس ۱۹۸۳ء

۳۰ جولائی تا ۱۲ اگست ۱۹۸۳ء

دارالسلام لاہور

مندرجہ بالا تحریر کردہ تاریخوں میں احمدی نوجوان، اور احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے دوستوں اور بزرگوں کی خدمت میں پرزور تحریک کی جاتی ہے کہ ان ایام میں دینی تربیت و تعلیم کیلئے تشریف لائیں سارے اوقات عبادات۔ ذکر الٰہی اور دینی تعلیم کے حصول میں صرف ہونگے، جملہ سیکرٹری صاحبان۔ مبلّغین و خطیب حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں تحریک کریں تاکہ اس دینی اجتماع میں ان کی موثر نمائندگی ہو۔ تشریف لانیوالے حضرات اپنی آمد سے مرکز کو مطلع کریں

خاکسار: مرزا محمد لطیف
منتظم دینی تربیتی کلاس
دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۱۶

محمد ارشد علوی۔ دارالسلام لاہور

حضرت امیر کی ایبٹ آباد روانگی پر میرے تاثرات

شام کو رمضان کا چاند دیکھا۔ دل سے دعا نکلی۔ یا خدا اس ماہ مبارک میں ہمیں دین اور دنیا میں ترقی دعزت عطا فرما۔ رات کو تراویح پڑھ کر سو گئے۔ صبح کو دو بجے چوکیدار نے جگایا۔ میں اٹھا۔ وضو کر کے تہجد پڑھنے لگ گیا۔ پھر سحری کھائی اور پانی وغیرہ خوب پیا۔ اذان ہوئی اور مسجد کی طرف چلا گیا۔ (پچھلے سال ابا جان فرمایا کرتے تھے کبھی صبح کی نماز دارالسلام جاکر پڑھاؤں۔ یہ نہیں پتہ تھا کہ اگلے سال ان کا مستقلاً قیام دارالسلام میں ہوگا)

مسجد میں کافی رونق تھی۔ پندرہ منٹ کے بعد حضرت امیر تشریف لے آئے سفید کپڑوں میں ملبوس تھے۔ ہلکی ہلکی سی روشنی تھی اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سناٹا چھایا ہوا تھا۔ حضرت امیر نے امامت کی اور قرأت میں وہ سماں باندھا کہ روح پر ایک وجد سا طاری ہوگیا۔ یوں لگ رہا تھا کہ آسمان میں سے دور سے کہیں روحانی آواز آرہی ہے جو دل و دماغ میں ایک میٹھا سا سرور پیدا کر رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ یہ قرأت ختم نہ ہو اور ہم کھڑے رہیں۔ بہت ہی لطف آرہا تھا نماز میں۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت امیر، لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ سفید لباس میں ملبوس چہرے پر روحانیت کا نور چمک رہا تھا۔ آپ آج ایبٹ آباد تشریف لے جا رہے تھے جو کہ آپ کا آبائی گاؤں ہے۔ کسی نے کہا کہ آپ دعا فرمادیں خدا آپ کو خیریت سے لے جائے اور واپس خیریت سے لائے۔ آپ نے فرمایا دل تو میرا بھی نہیں کرتا آپ سے جدا ہونے کو مگر وہاں بھی زندگی کا کچھ تعلق رہا ہے اور عزیز رشتہ دار وغیرہ سے مانوسیت ہے اس لئے ان کو ملنے جانا ہے۔ باقی آپ لوگ بھی میرے لئے دعائیں کرتے رہیں اور اس جماعت کے لئے بھی کہ خدا اس جماعت کو اندرونی اور بیرونی خلفشار سے دور رکھے۔ یہ اہم وقت کی جماعت ہے۔ اس کو قائم رکھنے کے لئے دعا اور محنت کی ضرورت ہے۔ آپ بھی مل کر دعا مانگیں۔

ایک شخص نے آپ کے ہاتھ پہ بیعت کی۔ بڑا پیارا نظارہ تھا۔ ماہ رمضان کے پہلے دن ہی بہت اچھا شگون ہوا۔ خدا اس جماعت میں اضافہ فرمائے آمین!

اس کے بعد امیر قوم ہر ایک سے گلے ملتے اور نماز کی پابندی کی نصیحت فرماتے رہے۔ کچھ لوگ آپ کی وقتی جدائی کو بھی برداشت نہ کر سکے اور ان کی سسکیاں سنی گئیں۔ آپ نے انہیں سینے سے لگا کر تسلی دی۔

مجھے بھی نماز کی پابندی کی تلقین کی۔ آپ نے ہر ایک کو تسلی دی اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی نصیحت فرمائی۔ اور یوں پہلی سحری دارالسلام میں ہوئی۔

ارشاد نبوی ؐ

* جو شخص نیکی کی دعوت دیتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ نیکی کرنے والا۔

مکتوب سری نگر

مکرم و محترم!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو یہ خبر انتہائی دکھ اور رنج کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ جماعت احمدیہ کھیوڑہ واہ کی ایک پارسا۔ ایثار مند، پرہیزگار اور مخلص خاتون محترمہ اختر بیگم بیوہ چوہدری عبداللطیف صاحب گنائی مرحوم کل مورخہ ۴ مئی ۱۹۸۳ء بروز منگل وار دو ماہ کی شدید علالت کے بعد بعارضہ کینسر داعی اجل کو لبیک کہہ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ قابل رشک خوبیوں کی مالک تھیں۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ساتھ گہری وابستگی رکھتی تھیں اور بڑے خلوص اور ایثار کے ساتھ احمدی احباب کی مہمان نوازی کرتی تھیں۔ مرحومہ کی عمر چالیس برس سے کچھ زیادہ نہ تھی۔ ابھی ان کے شوہر چوہدری عبداللطیف صاحب گنائی کی وفات پہ ایک برس بھی پورا نہ بیتا تھا کہ مرحومہ بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئیں۔

مرحومہ کی وفات یقیناً جماعت احمدیہ کھیوڑہ واہ اور خاندان گنائیاں کھیوڑہ واہ کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان کے مترادف ہے۔ خدا تعالے متوفیہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے درجات کو بلند کرے۔

تمام جماعت ہائے اور حضرت امیر قوم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایدہ اللہ تعالےٰ سے ملتجی ہوں کہ وہ بھی مرحومہ کے حق میں دعائے مغفرت فرمادیں اور نماز جنازہ غائبانہ کی تحریک فرمادیں۔

متوفیہ نے اپنے پیچھے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی سوگوار چھوڑے ہیں پسران کم از کم ۲۵ سال کی عمر کے ہیں ان کے حق میں بھی دعا ہو کہ خدا تعالےٰ ان بچوں کو اپنے والد محترم کی وفات (۱۵ جون ۱۹۸۲ء) کے فوراً بعد ان کی والدہ محترمہ کی یہ ناقابل برداشت وفات کا صدمہ سہنے کی توفیق فرمائے اور ان کی دینی اور دنیاوی بھلائیوں میں برکت دے۔ آمین ثم آمین۔

غم زدہ

عبدالحفیظ

دینی تربیتی کورس ۸۳ء کی تاریخ انعقاد میں تبدیلی

مجوزہ دینی تربیتی کورس ۲۳ جولائی کی بجائے ۳۰ جولائی سے شروع ہوگا اور ۱۲ اگست کو ختم ہوگا۔ شرکاء سے درخواست ہے کہ وہ ۲۹ جولائی کی صبح تک دارالسلام پہنچ جائیں۔ (سیکرٹری)

"وہ ہمیشہ میری ضرورتوں کا آپ ہی کفیل ہوا ہے"

(مولانا نورالدینؒ)

حضرت حاجی الحرمین حافظ مولینا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ بلحاظ معتقدات سلسلہ احمدیہ کے مستند و منفرد سالار، بلحاظ علم و فضل مسلمانوں کے لئے مایہ ناز عالم اور بلحاظ ہمدردی بنی نوع انسان کے لئے مایۂ افتخار تھے۔ سچے خداپرست اور پکے موحد۔ ان کی زندگی توکل علی اللہ کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ حضرت مولینا نے جماعت کے نام ایک الوداعی پیغام میں فرمایا کہ:-

"میرے مولا نے بلا امتحان اور بغیر مانگنے کے بھی عجیب انعامات دیئے ہیں جن کو میں گن نہیں سکتا۔ وہ ہمیشہ میری ضرورتوں کا آپ ہی کفیل ہوا ہے۔ وہ مجھے کھانا کھلاتا ہے اور آپ ہی کھلاتا ہے وہ مجھے کپڑا پہناتا ہے اور آپ ہی پہناتا ہے۔ وہ مجھے آرام دیتا ہے اور آپ ہی آرام دیتا ہے۔" (الحکم جلد ۱۴ ۱۹۱۰ء)

حضرت مولانا ممدوحؒ کا یہ قول آپ کی عملی زندگی کا صحیح نقشہ پیش کرتا ہے۔ آپ کے قول اور عمل میں لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ کا تضاد نظر نہیں آتا۔ اس متوکل انسان کی سوانح و سیرت کے چند ایمان افروز واقعات درج ذیل ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ زہد و تورع کے عملی مظاہرہ کا گنجینہ تھے اور آپ کو توکل علی اللہ کا ایک انتہائی مقام حاصل تھا۔

حضرت مولانا ریاست جموں و کشمیر میں ایک معقول تنخواہ پاتے تھے اور سال بھر میں مہاراجہ کی طرف سے انہیں انعام و اکرام بھی ملتے رہتے تھے۔ مگر آپ ساری کی ساری رقم طلباء، بیوگان، یتامیٰ اور دوسرے حاجتمندوں اور مساکین کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دیتے تھے۔ اور بالکل متوکلانہ زندگی گزارتے تھے۔ ایک ہندو پنساری آپ کو اکثر کہا کرتا تھا کہ آپ آڑے وقت کے لئے کچھ نہ کچھ پس انداز کیا کریں۔ مگر آپ اسے یہی فرمایا کرتے تھے کہ ایسے خیالات لانا اللہ تعالےٰ پر بدظنی ہے۔ ہم پر ان شاء اللہ کبھی مشکلات نہ آئیں گی۔ ایک روز آپ کو ملازمت سے علیحدگی کا نوٹس ملا تو وہ پنساری کہنے لگا کہ شاید آپ کو میری نصیحت یاد آئی ہوگی آپ نے فرمایا تمہاری نصیحت کو میں جیسے پہلے حقارت سے دیکھتا تھا آج بھی ایسا ہی حقارت سے دیکھتا ہوں۔ ابھی یہ باتیں جاری تھیں کہ خزانہ سے ایک رقم آپ کی خدمت میں پہنچا دی گئی کہ یہ رقم آپ کی ان دنوں کی تنخواہ ہے جو اس ماہ سے گزر چکے ہیں۔ وہ پنساری بہت حیران ہوا۔ اسی اثناء میں ایک رانی صاحبہ نے آپ کے پاس اپنے جیب خرچ کا بہت سا روپیہ بھجوایا اور معذرت بھی کی کہ اس وقت ہمارے پاس اس سے زیادہ روپیہ نہیں تھا ورنہ ہم اور بھی بھجواتے۔ آپ اس وقت ایک لاکھ پچانوے ہزار کے مقروض تھے۔

اس قرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پنساری کہنے لگا کہ جن کا آپ نے قرض دینا ہے وہ اپنا اطمینان کئے بغیر آپ کو کیسے جانے دیں گے۔ ابھی اس نے یہ بات ختم ہی نہ کی تھی کہ قارض کا ایک آدمی آیا اور بڑے ادب سے ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ میرے پاس ابھی تار آیا ہے۔ میرے آقا فرماتے ہیں کہ:-

"مولوی صاحب کو تو جانا ہے۔ ان کے پاس روپیہ نہ ہوگا۔ تم ان کا سب سامان گھر جانے دو اور جس قدر روپیہ کی ان کو ضرورت ہو، دے دو، اور اسباب کو وہ ساتھ نہ لے جا سکیں تو تم اپنے اطمینان سے بحفاظت پہنچا دو۔"

حضرت مولانا ممدوحؒ نے فرمایا:- "مجھ کو روپیہ کی ضرورت نہیں، روپیہ خزانہ سے بھی آگیا ہے اور ایک رانی نے بھی بھیج دیا ہے۔ میرے پاس روپیہ کافی سے زیادہ ہے اور اسباب میں سب ساتھ ہی لے جاؤں گا۔"

اور فرماتے ہیں۔

"غالباً اس وقت میرے پاس بارہ سو یا اس سے بھی زیادہ روپیہ آگیا تھا وہ ہندو پنساری کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ پرمیشر کے یہاں بھی کچھ لحاظ داری ہی ہوتی ہے۔ ہم لوگ صبح سے لے کر شام تک کے لئے کیسے کیسے دکھ اٹھاتے ہیں تب کہیں بڑی دقت سے روپیہ کا منہ دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ بھلا اور تو ہوا۔ اس احمق کو دیکھو اپنے روپیہ کا مطالبہ تو نہ کیا اور دینے کو تیار ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ دلوں کو جانتا ہے۔ ہم اس کا روپیہ ان شاء اللہ جلد واپس کر دیں گے۔ تم ان بھیدوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔"

اس قرض کی ادائیگی کس طرح ہوئی وہ بھی سن لیجئے۔ حضرت مولانا جب سیاسی حالات کے ماتحت مہاراجہ جموں و کشمیر کی ملازمت سے الگ کئے گئے تو حالات سدھرنے پر مہاراجہ کو خیال آیا کہ مولوی صاحب سے ہم نے ظلم اور ناانصافی کی ہے۔ انہیں واپس لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ آپ سے جب عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اب میں ایسی جگہ پہنچ چکا ہوں کہ اگر مجھے ساری دنیا کی حکومت مل جائے تو بھی اس جگہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ چونکہ مہاراجہ کو اس ناانصافی کا شدت سے احساس تھا اس لئے انہوں نے اس کا ازالہ کرنے کی یہ کوشش کی کہ اب کی مرتبہ جنگلات کا ٹھیکہ صرف اس شخص کو دیا جائے جو منافع کا نصف حصہ حضرت مولانا کو ادا کرے۔

جس شخص کو ٹھیکہ ملا اس نے جب سال کے بعد اپنے منافع کا حساب لگایا تو حکمت الٰہی سے اسے ٹھیک تین لاکھ نوے ہزار روپیہ منافع ہوا۔ جس کا نصف ایک لاکھ پچانوے ہزار بنتا ہے۔ اور اسی قدر حضرت مولاناؒ کے ذمہ قرض تھا۔ چنانچہ جب یہ روپیہ مولانا کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا "یہ روپیہ ریاست میں واپس لے جا کر فلاں سیٹھ کو دے دیا جائے۔ ہم نے اس کا قرض دینا ہے۔"

دوسرے سال مہاراجہ نے پھر اسی شرط پر ٹھیکہ دیا۔ لیکن اس سال جب منافع کا نصف روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ نہ اس کام میں میرا سرمایہ لگا نہ میں نے محنت کی، میں اس کا منافع لوں تو کیوں لوں۔ ٹھیکہ دار نے کہا۔ جناب! مجھے تو یہ ٹھیکہ ملا ہی اس شرط پر تھا۔ آپ ضرور اپنا حصہ لیں ورنہ آئندہ مجھے ٹھیکہ نہیں ملے گا۔ آپ نے فرمایا اب خواہ کچھ ہی ہو میں یہ روپیہ نہیں لوں گا۔ اس نے کہا۔ پھر پچھلے سال کیوں لیا تھا؟ فرمایا وہ تو میرے رب نے مجھ سے اپنے وعدہ کے مطابق میرا قرض اتارنا تھا۔ جب وہ اتر گیا تو اب میں کیوں لوں۔ اس پر وہ ٹھیکہ دار واپس چلا گیا۔

حضرت مولانا اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر نورالدین کے پاس طبابت کا پیشہ نہ ہوتا تو پھر ہم دیکھتے کہ آپ کس طرح محض توکل پر گزارہ کرتے . . . . . ایک دفعہ آپ بیمار ہو گئے۔ مغرب کے بعد احباب تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بیماری کا ابتلا بھی عجیب ہوتا ہے۔ اخراجات بڑھ جاتے ہیں اور آمدنی کم ہو جاتی ہے اور دوسرے لوگوں کی خوشامد ہوتی ہے۔ میری آمدنی کا ذریعہ بظاہر طب تھا۔ اس رشتہ کو بھی اس بیماری نے کاٹ دیا ہے۔ جو لوگ ہمارے حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس کو طب ہی کے ذریعہ ملتا ہے۔ مگر اب اللہ تعالےٰ نے اس تعلق کو بھی درمیان سے نکال دیا۔ میری بیوی نے آج مجھے کہا کہ ضروریات کے لئے روپیہ نہیں اور مجھے یہ بھی کہا کہ مولوی صاحب آپ نے کبھی بیماری کے وقت کا خیال نہیں کیا۔ کہ بیماری ہو تو گھر میں دوسرے وقت ہی کھانے کو نہ ہوگا۔ میں نے اسے کہا کہ میرا خدا ایسا نہیں کرتا۔ میں روپیہ تب رکھتا جو اللہ تعالےٰ پر ایمان نہ رکھتا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک

میں ایک شخص کا خط آیا جس نے ایک سو پچیس روپے ذاتِ خاص کے لئے ارسال کئے تھے۔ ایک صاحب بیمار ہوئے انہوں نے فوراً ایک سو روپیہ حضرت کی خدمت میں بطور نذرِ خاص بھیجا، دوسرے دن انہوں نے پچیس روپے اور بھیجے اس نے لکھا کہ جن ایام میں آپ پنڈ دادن خاں میں مدرس تھے اسوقت کی چار روپیہ کی جوتیاں آپ کی میرے ذمہ ہیں۔ اب وہ بھیجنا چاہتا ہوں۔ یہ دونوں خط سنائے گئے تو اللہ تعالےٰ کی محبت کا ایسا غلبہ حضرت مولانا پر ہوا کہ بے اختیار رو پڑے۔ یہ رونا خدا تعالےٰ کی خاص مہربانیوں کی یاد اور جوش کا تھا۔ اور بے اختیار اللہ تعالےٰ کی حمد کرنے لگے۔ فرمایا اللہ میرا مولیٰ۔ ایسا قادر ہے۔ اس نے دکھا دیا ہے کہ وہ طب کے تعلق کو چھوڑ کر بھی مجھے رزق دیتا ہے۔ اور ایسے طور پر دیتا ہے کہ وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔ میری بیوی اس قدرت کو نہیں سمجھ سکتی۔ ناتواں ہے۔ میرا ایمان بڑا قوی ہے۔ میرا مولیٰ میرے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ پھر دیر تک اللہ کی حمد کرتے رہے۔ اس واقعہ نے بتا دیا کہ کس طرح اللہ تعالےٰ آپ کی دست گیری فرماتا ہے۔

ایک دفعہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر حضرت مولینا نے گھر سے دریافت فرمایا کہ کپڑے دُھلے ہیں؟ معلوم ہوا کہ صرف ایک پاجامہ ہے اور وہ بھی پھٹا ہوا۔ آپ نے اسی میں آزار بند ڈالنا شروع کیا۔ احباب کی طرف سے پیغام ملا کہ نمازِ عید میں دیر ہو رہی ہے۔ لوگوں نے قربانیاں بھی دینی ہیں۔ اس لئے جلد تشریف لائیں۔ فرمایا تھوڑی دیر تک آتے ہیں تھوڑی دیر تک پھر آدمی آیا۔ آپ نے پھر پہلے کا سا جواب دیا۔ اتنے میں ایک آدمی نے آکر دروازہ پر دستک دی۔ آپ نے ملازم کو فرمایا کہ دیکھو باہر کون ہے۔ آنے والے نے کہا میں وزیرآباد سے آیا ہوں۔ حضرت سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اسے اندر بلا لیا عرض کی حضور میں وزیرآباد کا باشندہ ہوں۔ حضور اماں جان کے اور بچوں کے کپڑے لایا ہوں۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک دفعہ عید کی صبح کو حضرت مولانا نے غرباء میں کپڑے تقسیم کئے حتیٰ کہ اپنے استعمال کے کپڑے بھی دے دیئے۔ گھر والوں نے عرض کی کہ آپ عید کیسے پڑھیں گے۔ فرمایا۔ خدا تعالےٰ خود میرا انتظام کرے گا۔ یہاں تک کہ عید کے لئے روانہ ہونے میں صرف پانچ سات منٹ رہ گئے تھے۔ عین اسوقت ایک شخص حضرت کے ہاں کپڑوں کی گٹھڑی لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے وہ کپڑے لے کر فرمایا دیکھو ہمارے خدا تعالےٰ نے وقت پر ہمیں کپڑے بھیج دیئے۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ آپ کی ضرورتوں کا خود متکفل تھا اور وہ وقت پر آپ کی تمام حاجات پوری کر دیتا تھا۔

حضرت مولانا پنڈ دادن خاں میں مدرس تھے۔ اس ملازمت کے دوران کا ایک واقعہ ہے کہ انسپکٹر مدارس آ گیا۔ اسوقت کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے ان کو کہا کہ آپ بھی آ جائیں تو کہا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں انسپکٹر مدارس ہوں میرا نام خدا بخش ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ آپ تو بہت ہی نیک آدمی ہیں مدرسوں کے ہاں کھانا نہیں کھاتے تو یہ بہت ہی بہتر ہے۔ اور پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھے۔ انسپکٹر اپنا گھوڑا پکڑے ہوئے اس بات کا انتظار کرتا رہا کہ شاید مولانا کسی لڑکے کو اپنا گھوڑا پکڑنے کے لئے بھیجیں۔ جب مولانا نے کسی کو نہ بھیجا تو انسپکٹر نے کہا کہ کسی لڑکے کو تو بھیج دیجئے جو میرا گھوڑا تھام لے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ جناب! آپ مدرسوں کے گھر کا کھانا تو کھاتے ہی نہیں کیونکہ آپ اسے رشوت سمجھتے ہیں تو پھر ہم لڑکے کو گھوڑا پکڑنے کے لئے کیسے کہہ دیں۔ کیونکہ وہ تو یہاں صرف پڑھنے کے لئے آتے ہیں گھوڑا پکڑنے کے لئے نہیں آتے۔ پھر اگر کسی لڑکے کو گھوڑا تھامنے کے لئے کہہ دیا جائے تو آپ یہ بھی کہیں گے کہ اس کو کہیں باندھ دو اور گھاس بھی ڈالا جائے۔ جب آپ مدرسوں کے کھانے کو رشوت سمجھتے ہیں تو ہم آپ کے گھوڑے کو گھاس کیسے دیں۔ خیر لڑکوں کا امتحان لینے کے بعد انسپکٹر کہنے لگا میں نے سنا ہے کہ آپ بڑے لائق ہیں

اور بڑی لیاقت سے آپ نے نارمل پاس کر کے بہت عمدہ اسناد حاصل کی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ شاید اسی باعث آپ کو اس قدر ناز ہے۔ حضرت مولانا نے یہ بات سن کر فرمایا کہ "ہم اس ایک بالشت کے کاغذ کو خدا نہیں سمجھتے" اور ایک شخص کو کہا بھائی اس بت کو ذرا نکال کر تو لاؤ۔ پھر اس کے سامنے اس کو پھاڑ ڈالا۔ اور دکھلا دیا کہ ہم کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں مانتے۔ اس شخص کو اس طرح مولینا کے اسناد پھاڑنے کا رنج ہوا جس کا اس نے نہایت تاسف سے اظہار کیا اور کہنے لگا کہ آپ کے اس نقصان کا باعث میں ہوا ہوں۔ نہ میں یہ کہتا اور نہ آپ کا یہ نقصان ہوتا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں:۔

"لیکن حقیقت میں جب سے میں نے اس ڈپلومہ کو پھاڑ ڈالا تب ہی سے میرے پاس اس قدر روپیہ آتا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں میں نے لاکھوں روپیہ کمایا ہے۔"

حضرت مولانا ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ میں اپنے استاد کی تلاش میں وطن سے دور چلا گیا۔ تین دن کا بھوکا تھا مگر کسی سے سوال نہیں کیا۔ مغرب کے وقت ایک مسجد میں چلا گیا مگر وہاں کسی نے مجھے پوچھا نہیں اور نماز پڑھ کر سب چلے گئے۔ جب میں اکیلا تھا تو مجھے باہر سے یہ آواز آئی نورالدین۔ نورالدین! یہ کھانا آکر جلد پکڑ لو۔ میں گیا تو ایک مجمع میں بڑا ہی پُرتکلف کھانا تھا۔ میں نے پکڑ لیا۔ میں نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے۔ کیونکہ مجھے علم تھا کہ خدا تعالےٰ نے بھیجا ہے۔ میں نے خوب کھایا اور پھر برتن مسجد کی ایک دیوار کے ساتھ کھونٹی پر لٹکا دیا۔ جب میں آٹھ دس دن کے بعد واپس آیا تو وہ برتن وہیں آویزاں تھے۔ جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ کھانا گاؤں کے کسی آدمی نے نہیں بھجوایا تھا۔ خدا تعالےٰ نے ہی بھجوایا تھا۔"

ایک دفعہ حضرت مولانا کے ہاں مہمان آ گئے۔ انہوں نے اہلیہ صاحبہ سے پوچھا کہ جواب ملا کہ ہمارے ہاں تو کچھ نہیں۔ یہ جنوں کا واقعہ ہے۔ روپے تو انہیں بہت آتے تھے مگر بعض وقت حضرت مولانا کے گھر میں کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ کہیں سے حضرت نے پانچ روپے ادھار لئے۔ آپ بازار کے راستے گھر کو جا رہے تھے تو دیکھا کہ ایک دکاندار اپنی دُکان کر اٹھائے لگا ہوا ہے۔ اس نے خوش ہو کر پانچ روپے حضرت مولانا کے آگے رکھ دیئے آپ نے فرمایا کیوں دیتے ہو؟ اس نے کہا آپ بڑے آدمی ہیں۔ آپ کے سویرے ہی درشن ہو گئے ہیں آج ہمیں بہت کچھ ملے گا۔ اس لئے خالی ہاتھ درشن نہیں کرنا۔

قیامِ کشمیر کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے۔ ایک دفعہ حضرت مولینا تین ساتھیوں کے ساتھ سفر میں تھے۔ راستہ بھول گئے اور کہیں دور جا نکلے۔ کوئی بستی نظر نہیں آتی تھی۔ حضرت کے ساتھیوں کو جب بھوک اور پیاس نے ستایا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ نورالدین جو کہتا ہے کہ میرا خدا مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح کھلاتا پلاتا ہے۔ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں دعا کرنے لگا۔ چنانچہ جب وہ آگے آ گئے تو پیچھے سے زور کی آواز آئی ٹھہرو! ٹھہرو! جب دیکھا تو دو شتر سوار تیزی کے ساتھ آ رہے ہیں۔ جب پاس آئے تو انہوں نے کہا ہم شکاری ہیں ہرن کا شکار کیا تھا اور خوب پکایا۔ گھر سے پراٹھے لائے تھے۔ ہم سیر ہو چکے ہیں اور کھانا ابھی بہت ہے آپ کھا لیں۔ چنانچہ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

"ہم نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ نورالدین سچ کہتا ہے۔"

اور حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"اللہ تعالےٰ کا نورالدین کے ساتھ وعدہ ہے کہ میں تیری ہر ضرورت پوری کروں گا۔ کیا کوئی بادشاہ بھی یہ دعوےٰ کر سکتا ہے!"

قادیان کا واقعہ ہے ایک دفعہ حضرت مولانا کو یتیموں اور بیواؤں کو خرچ دینے کے لئے تین سو روپے کی ضرورت تھی۔ گھر میں بھی خرچ دینا تھا حضرت

مولانا بخاری کا درس دے رہے تھے۔ اور یہ فکر دامنگیر تھا۔ اس وقت چٹھی رساں تین سو روپے کا منی آرڈر لے آیا اور وہ منی آرڈر ایسے شخص کی طرف سے تھا جو حضرت مولانا کا دانعف نہ تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا نے وہ سب رقم باہر ہی تقسیم کر دی۔ کسی کو دس کسی کو بیس۔ باقی پانچ روپے بچے جو بیوی کو جا کر دیئے کہ "لو بیوی تم بھی مزے اڑالو"

ایک دفعہ حضرت مولینا کشمیر سے واپس آ رہے تھے کہ روپیہ ختم ہو گیا۔ آپ نے سوچا کہ گھوڑی چار پانچ صد روپے میں بیچ دیں گے۔ فوراً بک جائے گی اور خرچ کے لئے روپیہ کافی ہو جائے گا۔ آپ نے وہ گھوڑی سات سو روپے میں خریدی تھی۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ گھوڑی کو درد قولنج ہوا اور راولپنڈی پہنچ کر وہ مر گئی۔ ٹانگے والے کو کرایہ دینا تھا آپ ٹہل رہے تھے۔ آپ کے ساتھی نے عرض کی ٹانگے والے کرایہ طلب کرتے ہیں۔ آپ نے نہایت رنج کے لہجہ میں فرمایا نورالدین کا خدا تو وہ مرا پڑا ہے اب اپنے اصل خدا کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ وہی کارساز ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سکھ اپنے بوڑھے باپ کو لے کر حاضر ہوا آپ نے اسے دیکھ کر نسخہ لکھا۔ اس نے حضرت مولانا کو اتنی رقم دے دی کہ جموں تک کے اخراجات کے لئے کافی ہو گئی۔

ایک دفعہ مولینا کے ایک رشتہ دار آپ کے ساتھ لاہور آئے۔ آپ کے روپے اس کے پاس تھے اور آپ کے ارشاد کے مطابق وہ خرچ کر رہے تھے۔ سب روپیہ خرچ ہو گیا۔ اسٹیشن پر ایک بنچ پر بیٹھے تھے کہ حضرت مولینا سے کرایہ کے لئے روپے طلب کئے۔ آپ نے فرمایا تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاؤ۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی آیا اور آپ سے پوچھنے لگا۔ آپ نے کہاں جانا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جموں۔ اس نے کہا کہ کیا آپ نے ٹکٹ لے لی۔ فرمایا۔ ابھی نہیں۔ اس نے پوچھا۔ آپ کتنے آدمی ہیں۔ فرمایا۔ دو۔ وہ بھاگا ہوا گیا اور دو ٹکٹ لے آیا اور کہنے لگا کہ گاڑی تیار ہے چلیئے۔ گاڑی میں وہ بھی ساتھ بیٹھ گیا۔ اور اپنی بیماری کا حال بتاتا رہا۔ آپ نے اسے نسخہ لکھ دیا اور وہ راستہ سے واپس آ گیا۔

اگست ۱۸۹۴ء میں آپ بہاولپور کے ایک لمبے سفر پر تشریف لے گئے۔ نواب آف بہاولپور بیمار تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں درخواست کر کے آپ کو چند روز کے لئے بلایا تھا۔ اور انہیں حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑاں والے نے جو ان کے پیر تھے آپ کو بلانے کی تحریک کی تھی۔ جب آپ بہاولپور پہنچے اور نواب صاحب کو دیکھ کر آپ نے واپسی کا ارادہ ظاہر فرمایا تو نواب صاحب نے حضرت مولاناؒ کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ یہاں مستقل طور پر رہائش اختیار کر لیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا فرماتے ہیں:۔

"نواب بہاولپور ہمیں ساٹھ ہزار ایکڑ زمین دیتا تھا۔ ہم نے انکار کیا کہ اس قدر زمین سے کیا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ اس سے امیر کبیر ہو جائیں گے۔ میں نے کہا کہ اب تو آپ ہمارے پاس چل کر آتے ہیں۔ کیا پھر بھی آئیں گے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں میں نے کہا کہ پھر فائدہ ہی کیا ہے؟

حضرت مولانا فرماتے ہیں:۔

"ہم نے اپنی اولاد کے واسطے کبھی فکر نہ کیا۔ نہ زمین کا نہ کسی اور بات کا۔ اگر ہم زمین لینا چاہتے تو بے شمار زمین جمع کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دادا سے بڑھ کر اولاد اور رزق میرے باپ کو دیا۔ پھر مجھ کو مال، کتابیں، علم اور شہرت وغیرہ کچھ باپ سے زیادہ دیا۔"

۱۲ اگست ۱۹۰۵ء کو دوپہر سے قبل حضرت مولانا کے صاحبزادے عبدالقیوم چند دن خسرہ میں مبتلا رہ کر وفات پا گئے۔ حضرت مولاناؒ نے دفن ہونے سے پہلے بچے کو بوسہ دیا تو آپ کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور فرمایا:۔

"میں نے اس بچہ کا منہ اس واسطے نہیں کھولا تھا کہ مجھے کچھ گھبراہٹ تھی بلکہ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ابراہیم جب فوت ہوا تو آنحضرتؐ نے اس کا منہ چوما تھا اور آپ کے آنسو بہہ نکلے تھے۔ اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی مدح کی۔ اور فرمایا کہ جدائی تو تھوڑی دیر کے لئے بھی پسند نہیں ہوتی۔ پر ہم خدا کے فضلوں پر راضی ہیں۔ اسی سنت کو پورا کرنے کے واسطے میں نے بھی اس کا منہ کھولا اور چوما۔ یہ خدا کا فضل ہے اور خوشی کا مقام ہے کہ کسی سنت کے پورا کرنے کا موقع مل رہا ہے"

ایک دفعہ حضرت مولینا گھوڑی سے گر پڑے۔ پیشانی پر سخت چوٹ آئی۔ آپ نے کسی قسم کی گھبراہٹ اور اضطراب کا اظہار نہیں کیا۔ الحکم کے ایڈیٹر صاحب نے ایک موقعہ پر کسی ذریعہ سے عرض کیا۔ کہ اگر پسند کریں تو حاذق الملک کو دہلی سے بلوا لوں مگر جو اس کا جواب حضرت مولینا نے دیا۔ وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

"خدا کا توکل کرو۔ میرا بھروسہ نہ ڈاکٹروں پر ہے نہ حکیموں پر، میں تو اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی پر تم بھروسہ کرو۔"

ابتدائی زمانہ میں نہ کوئی سیونگ بنک تھا نہ ڈاک خانہ، اکثر لوگ حضرت مولینا کے پاس اپنا روپیہ جمع کر دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اپنا روپیہ مانگا لیکن اس وقت آپ کے گھر میں روپیہ موجود نہ تھا۔ حضرت مولینا نے اپنی صدری کی جیب میں سے دو روپے نکال کر ایک بیوہ کے گھر بھجوا دیئے۔ دوپہر کے وقت ایک غیر معروف شخص آیا اس نے ایک سو اسی روپے حضرت مولینا کے سامنے رکھ دیئے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ وہ روپیہ دے کر چلتا ہوا۔ حضرت مولینا نے ضرورت مند شخص کو بلایا اور فرمایا کہ بھائی یہ اپنا روپیہ لے لو۔ اس مہمان نے معذرت کی۔ حضور کو تکلیف ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو اللہ تعالیٰ سے سودا کیا تھا۔ کہ دو روپے کسی مستحق بیوہ کو دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں یہ روپیہ بھیج دیا۔

ایک دفعہ بھیرہ میں غلہ اتنا مہنگا نہ تھا۔ مگر حضرت مولینا کو معلوم ہوا کہ یہ گراں ہو جائے گا۔ آپ نے سوچا کہ غلہ کافی خرید لوں۔ پھر خیال آیا کہ جو دوسروں کا حال ہو گا ہم بھی گزار لیں گے۔ چنانچہ غلہ سات سیر فی روپیہ ہو گیا۔ مگر خدا نے وہ فضل کیا کہ آمدنی اس قدر بڑھا دی کہ آپ کو اس سات سیر کے نرخ میں ذرا بھی بوجھ محسوس نہ آیا۔

۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت مولینا نے آخری وصیت میں تحریر فرمایا:۔

"خاکسار بقائمی حواس لکھتا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میرے بچے چھوٹے ہیں۔ ہمارے گھر میں مال نہیں۔ ان کا اللہ حافظ ہے۔"

وفات سے پہلے آپ نے اپنے فرزند میاں عبدالحئی کو بلایا اور فرمایا:۔

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر میرا ایمان رہا۔ اور اسی پر مرتا ہوں۔ اور حضرت نبی کریمؐ کے سب اصحاب کو میں اچھا سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد میں حضرت بخاری صاحب کی کتاب کو خدا تعالیٰ کی پسندیدہ سمجھتا ہوں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود اور خدا کا برگزیدہ انسان سمجھتا ہوں۔۔۔۔۔ خدا تعالیٰ کی کتاب کو پڑھنا پڑھانا اور عمل کرنا۔ میں نے بہت کچھ دیکھا پر قرآن کریم جیسی چیز نہ دیکھی۔ بے شک یہ خدا تعالیٰ کی اپنی کتاب ہے۔ باقی خدا کے سپرد۔"

(ماخوذ)

بے ثباتیٔ دُنیا

عیشِ دُنیائے دوں دمے چنداست = آخرش کار با خداوند است

ہمہ را سوئے زوال و موت و فناست = ہر کہ بنشست اندریں برخاست

انگریزی سے ترجمہ: مولانا شفقت رسول خاں۔ مکتوب از سنگاپور

حضرت مولانا محمد علی رح کی اسلامی خدمات کا اعتراف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا محمد علی رح کی کتب کو پھیلانے کے بارے منصوبہ میں آپ کی حوصلہ افزائی سے میں بہت خوش ہوا ہوں۔ خصوصیت سے ان احباب کی طرف سے جو حضرت مولانا مرحوم کی جاری کردہ تحریک سے وابستہ ہیں۔ میرے جذبہ کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ اس سے قبل کہ میں آپ کو اپنے منصوبہ کے متعلق مختصراً بتاؤں یہ بتانا چاہوں گا کہ مجھے آپ کے اس ارادہ سے کہ آپ حضرت مولانا مرحوم کی آٹھ ممتاز اور مستند کتب کے سیٹ سنگاپور کی لائبریریوں کو تحفۃً بھیجنا چاہتے ہیں بے حد خوشی ہوئی ہے۔

یہ قدم تبلیغ اسلام اور اس کی اشاعت کے لئے نہایت اہم ہے۔ خاص طور پر اس وقت جبکہ یہاں کی مقامی حکومت اپنی اخلاقی تعلیم کے پروگرام کے ایک حصہ کے طور پر مذہبی تعلیم پر زور دے رہی ہے۔ آئندہ سال سے ثانوی مدارس میں اسلامی تعلیم کو مسلمان طلباء کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔

نئی مسلمان نسل سے مجھے بہت سی توقعات ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ یہاں کے مسلمان مولانا محمد علی رح کے اسلام سے متعلق کارہائے نمایاں کو منظر عام پر لائیں۔ غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ سنگاپور کے مسلمان اس منصوبہ کے ذریعہ حضرت مولانا کی کتب کا بیش قیمت خزانہ جو انہوں نے اسلامی تعلیمات کے سلسلہ میں پیدا کیا ہے۔ لطف اندوز ہو سکیں گے حضرت مولانا نے اسلام کے آفاقی پیغام کی جس پر جوش اور فصیح و بلیغ طریق پر تشریح اور نشر و اشاعت کی ہے وہ موجودہ نسل پر بڑا احسان ہے۔ میری حقیر رائے میں فاضل مولانا کی تمام انگریزی کتب۔ ان کی مقبول عالم انگریزی تفسیر القرآن سمیت جو کہ مسلمانوں اور ان غیر مسلموں کے لئے جو اسلام میں دلچسپی رکھتے ہیں اسلام کی بہترین اور مؤثر تفہیم کے لئے بنیادی مواد فراہم کرتی ہیں۔ اور خاص طور پر اسلام پر نکتہ چینی کرنے والے حضرات مولانا کی تحریروں سے بے حد فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

مولانا مرحوم کی کتب سے میری گہری دلچسپی ایک حد تک اس زبردست ذہنی انقلاب کا مرہون منت ہے جو انہوں نے مذہب کا مطالعہ کرنے والوں کے ذہنوں میں پیدا کیا ہے۔ خاص طور پر وہ لوگ جو مذہب اور زندگی کے متعلق سوالات کے مؤثر جوابات کے متلاشی ہیں انگریزی زبان دنیا کی کثیر آبادی اور وسیع علاقہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا بلکہ حقیقت پر مبنی ہے کہ حضرت مولانا کا ترجمۃ القرآن انگریزی بولنے اور سمجھنے والوں کے لئے فہم قرآن اور اس کی تشریح اور تفسیر کے لئے بہت بڑی اعانت اور عظیم نعمت ہے۔ کیونکہ حضرت مولانا مرحوم کا بعض غیر مسلم متعصب اور تنگ نظر مترجمین قرآن کی جانب سے اٹھائی گئیں معاندانہ تنقیدات کے مقابل قرآن کی ترجمانی کا انداز اور اعتراضات کے مدلل جوابات ایک ایسی کامیابی ہے جو حضرت مولانا کو دوسرے مفسرین سے ممتاز کرتی ہے۔

میرے پاس انگریزی زبان میں [illegible] کتابیں ہیں جن کے مطالعہ کی بنا پر میں یقینی طور پر یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ صرف حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کا شاہکار۔ ہی اسلام پر ان تمام اعتراضات کا مسکت جواب فراہم کرتا ہے۔ اور جس کی تحریر مشکل مسائل کو سادہ لیکن مؤثر زبان میں کمال جامعیت سے پیش کرتی ہے اور دلوں میں ایمان کی شمع روشن کر دیتی ہے۔

آپ کو اس بات پر مسرت ہو گی کہ میں حضرت مولانا کی کتب خاص طور پر انگریزی ترجمۃ القرآن۔ ریلیجن آف اسلام اور ارلی خلافت" کا بے حد مداح ہوں۔ کیونکہ ان کتب نے میرے فہم قرآن اور اسلامی تاریخ کو وسیع طور پر سمجھنے میں بڑی مدد دی ہے اور میری اسلام میں دلچسپی کو مزید تحریک کی ہے۔ تیرہ سال پہلے کی بات ہے جب میری عمر ۱۲ سال کی تھی مجھے حضرت مولانا مرحوم کی مذکورہ بالا تین شاہکار کتب کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اور اس طرح میری زندگی کے ایک بامقصد دور کا آغاز ہوا۔ ان کتب نے نہ صرف میرے اندر اسلامی تشخص کی تشکیل میں مدد دی بلکہ ان مستشرقین کے جو اس وقت موجود تھے اور اب بھی ہیں ان خطرات سے ہوشیار کر دیا جو اسلام کو بدنام کرنے اور اعتراضات کا ہدف بنانے کی مہم جوئی میں مصروف تھے اور بلا سوچے سمجھے ہیرو بنے ہوئے تھے۔

مجھے حضرت مولانا کے ترجمۃ القرآن سے اس قدر ربط ہو گیا ہے کہ میں اس کو مستقل حوالہ گائیڈ کے طور پر استعمال کرتا ہوں۔ میں نے صداقت کے علم میں نئی روشنی پائی ہے اور میں نے اس علم سے استفادہ کرتے ہوئے اس کی برکات سے ان لوگوں کو بھی حصہ دار بنایا ہے جن سے میرا رابطہ یا ملاقات ہوتی ہے۔ میں ان کو اپنا پیارا بھائی سمجھتا ہوں۔ وہ احباب جن پر میں نے اثر ڈالا ہے اور اسلام میں ان کی گہری دلچسپی کو ترقی دی ہے وہ اب مثالی اسلامی زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ یہ ان برکات کی چند مثالیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کی ہیں۔ یہ سب اس وقت سے ہوا ہے جب سے فاضل مولانا کی کتب سے میرا ربط اور تعلق پیدا ہوا ہے فالحمد للہ۔

جو لوگ حضرت مولانا مرحوم کی سوانح حیات سے آگاہ ہیں وہ یہ بات کبھی نہیں بھول سکتے کہ انہوں نے اپنی کتب کی اہمیت اور ان کی اشاعت پر کس قدر زور دیا ہے اپنے آخری ایام میں بھی جب ان کی صحت تیزی سے خراب ہوتی جا رہی تھی انہوں نے اسلام پر اپنی آٹھ مستند کتب کو دنیا کی پانچ ہزار لائبریریوں میں رکھوانے کے علاوہ مسافر بردار بحری جہازوں پر بھی مہیا کرنے کا ایک جامع پروگرام بنایا تھا کہ ان پر سفر کرنے والے ہزاروں مسافر اس سے مستفید ہو سکیں۔ حضرت مولانا کا کتب کی اشاعت کے بارے میں یہ عظیم الشان پروگرام اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ کتنے دور بین، عملی اور ترقی پسند تھے۔ اسلام کے بلند پایہ اور فاضل مبلغ ہونے کی حیثیت میں وہ واقعی غیر معمولی فراست اور ذہانت کے مالک تھے جو اس زمانہ کے

علماء میں شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحمتیں نازل فرمائے اور جنت میں صالح بندوں کے ساتھ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!

میرے پروگرام کا پہلا قدم یہ ہے کہ میں ہر خواندہ مسلمان کو جہاں تک ممکن ہو حضرت مولانا مرحوم کی کتب کا مفید ہونا سمجھاؤں میرے خیال میں خصوصیت سے ترجمۃ القرآن انگریزی اور ریلیجن آف اسلام، یہ دونوں کتابیں ہر انگریزی خوان مسلمان کے لئے بے حد ضروری ہیں۔ ریلیجن آف اسلام کو پہلی مرتبہ شائع ہوئے ۴۷ سال ہو چکے ہیں اور ابھی تک اسلام کی بنیادی تعلیمات کے بارہ میں اس کی حیثیت ایک شاہکار کی ہے اور کسی اور کتاب کو ایسی فوقیت اور سبقت حاصل نہ ہو سکی۔ لیکن یہ تاسف کا مقام ہے کہ بہت سے معقول و مخلص مسلمان ابھی تک ایسی بیش قیمت کتاب کے وجود سے ناآشنا اور بے خبر ہیں اس لئے ایسی کتاب کے موجود ہونے سے متعلق لوگوں کو آگاہی بخشنا ہمارا فرض ہے اور یہ آگاہی پیدا کرنے کا راستہ سادہ چیز ہے جس پر میں اپنے مقصد کی کامرانی کا انحصار رکھتا ہوں۔

سنگاپور کی آبادی چار بڑی قوموں پر مشتمل ہے جو یہ ہیں۔ چینی جن کی کل آبادی کا ۸۵ فیصد ہیں۔ ملائی، ہندوستانی اور یوریشین (دوغلی نسل کے لوگ) ۱۹۸۰ء کی مردم شماری کے مطابق اہل سنگاپور کی ۲۴ لاکھ کی کل آبادی کے صرف ۲۰ ہزار کا مذہب کے سوال پر سروے کیا گیا۔ اس قسم کے اعداد و شمار بالکل صحیح اور درست تو نہیں ہوتے لیکن قابل اعتماد تخمینہ جات ضرور ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس اندازے کے مطابق یہاں کی مسلم آبادی تقریباً چار لاکھ پانچ ہزار نفوس ہیں۔ اور اس تعداد کا تقریباً نصف بالغ مسلمان ہیں جن میں سے ایک لاکھ دس ہزار کے قریب انگریزی تعلیم یافتہ ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ آبادی میں سے کتنے لوگ اسلام میں دلچسپی رکھتے ہیں اس سلسلہ میں مجھے کامل یقین ہے کہ ان میں سے اکثریت مذہب کی جانب مائل ہے اور وہ میرے مجوزہ منصوبوں کا جو میرے ذہن میں ہیں مثبت جواب دیں گے۔

میں فی الحال حضرت مولانا مرحوم کی خدمات کی تفصیلات کے سلسلہ میں ایک کتابچہ تیار کر رہا ہوں۔ جس میں حضرت مولانا محمد علی مرحوم کے مکمل کارناموں کا ذکر کروں گا۔ اور حضرت خواجہ کمال الدین کی کتب کے بارے میں تعارف بھی اس میں شامل کر دوں گا اور اسے سنگاپور کی تمام مرکزی اور جامع مساجد میں تقسیم کر دوں گا۔ اس طرح دوسرے پبلک مقامات پر وہ کتابچہ تقسیم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ترجمۃ القرآن انگریزی اور ریلیجن آف اسلام کے بارے میں مقامی اخبارات میں اشتہار دینے کا خیال بھی میرے ذہن میں ہے۔ مجھے خدا کی رحمتوں اور اس کی اعانت پر یقین ہے۔ آپ سے کامیابی کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

آپ کی مساعی اور خدمات کے جاری و ساری رہنے اور آپ کی تنظیم (انجمن) کی کامیابی کے لئے میری مخلص دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ والسلام

دعاگو محمد حنیف

ارشادِ باری تعالیٰ:

* "اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو"
* "اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں"

اخبارِ احمدیہ

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں اور حسب معمول جماعتی استحکام اور دین کی اشاعت کے کاموں میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ احباب کرام حضرت ممدوح کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

* **سانحہ ارتحال**

عبدالحفیظ صاحب نے سرینگر سے اپنے مکتوب میں (جو پیغام صلح کے اسی ہفتہ میں شائع کیا جا رہا ہے) نہایت افسوس کے ساتھ اطلاع دی ہے کہ محترمہ اختر بیگم بیوہ چوہدری عبداللطیف صاحب گنائی مرحوم مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۸۳ء دو ماہ کی شدید علالت کے بعد وفات پا گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون احباب جماعت سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

* **درخواست دعائے صحت**

حکیم رحمت اللہ صاحب آف لکھنے کے نے مبلغ ۵۰ روپے فدیہ برائے ماہِ رمضان بذریعہ رسید $\frac{9499}{21\text{-}6\text{-}83}$ خزانہ انجمن میں جمع کرائے ہیں حکیم صاحب موصوف کچھ عرصہ سے بیمار ہیں۔ احباب کرام ان کی صحت و عافیت کے لئے دعا فرمادیں۔

* **درخواست دعائے صحت**

چوہدری اللہ دتہ سواحد صاحب نے مبلغ ۷۰ روپے فدیہ ماہِ رمضان المبارک انجمن کو ارسال کیا ہے۔ اور احباب سلسلہ سے دعائے صحت کے لئے استدعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کاملہ عطا فرمائے تاکہ وہ خدمت دین کے کام کو بخیر و خوبی ادا کر سکیں۔

محمد علی فری ڈسپنسری

دکھی انسانیت کی خدمت کا ایک اہم ذریعہ ہے اس کو اپنے عطیات بھجوانا نہ بھولئے۔

عطیات بھیجنے کا پتہ:-
چوہدری ریاض احمد صدر مقامی جماعت
دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

فطرانہ عید الفطر مبلغ ۵ روپے فی کس انجمن کی طرف سے مقرر ہوا ہے احباب توجہ فرمائیں۔

باہتمام الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ارشادات مجدد زماں حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام

فدیہ توفیق روزہ کا موجب ہے

ایک بار میرے دل میں آیا کہ یہ فدیہ کس لئے مقرر ہے تو معلوم ہوا یہ اس لئے ہے کہ اس سے روزہ کی توفیق ملتی ہے۔ خدا ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شے خدا ہی سے طلب کرنی چاہیئے۔ وہ قادر مطلق ہے وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی طاقت روزہ عطا کر سکتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ ایسا انسان جو دیکھے کہ روزہ سے محروم رہا جاتا ہوں تو دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال رہوں یا نہ رہوں یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں اس لئے اس سے توفیق طلب کرے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے قلب کو خدا طاقت بخش دے گا۔ اگر خدا چاہتا تو دوسری امتوں کی طرح اس امت میں کوئی قید نہ رکھتا مگر اس نے قیدیں بھلائی کے لئے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالیٰ میں عرض کرتا ہے کہ اس مہینے میں مجھے محروم نہ رکھ تو خدا اسے محروم نہیں رکھتا اور ایسی حالت میں اگر رمضان میں بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہو جاتی ہے کیونکہ ہر کام کا مدار نیت پر ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ کو خدا کی راہ میں دلاور ثابت کرے۔ جو شخص کہ روزہ سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں یہ نیت درد دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا۔ اس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزے رکھیں گے بشرطیکہ وہ بہانہ جو نہ ہو۔ تو خدا تعالیٰ ہرگز اسے ثواب سے محروم نہ رکھے گا۔ یہ ایک باریک امر ہے۔ اگر کسی شخص پر اپنے نفس کی کسل کی وجہ سے روزہ گراں ہے اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہوں گے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا تو ایسا آدمی جو خدائی نعمت کو خود اپنے اوپر گراں گمان کرتا ہے کب اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ ہاں وہ شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آگیا اور اس کا منتظر ہی تھا کہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر بوجہ بیماری کے نہیں رکھ سکا تو وہ آسمان پر روزہ سے محروم نہیں۔ اس دنیا میں بہت لوگ بہانہ جو ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اہل جہان کو دھوکا دیتے ہیں ویسے ہی خدا کو فریب دیتے ہیں۔ بہانہ جو اپنے وجود سے آپ مسئلہ تراش کر اور تکلفات شامل کر کے ان مسائل کو صحیح گردانتے ہیں۔ لیکن وہ خدا کے نزدیک صحیح نہیں۔ تکلف کا باب بہت وسیع ہے۔ اگر انسان چاہے تو اس کی رو سے ساری عمر بیٹھ کر ہی نماز پڑھتا رہے اور رمضان کے روزے بالکل نہ رکھے مگر خدا اس کی نیت اور ارادہ کو جانتا ہے جو صدق اور اخلاص رکھتا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ اس کے دل میں درد ہے اور خدا اسے اصل ثواب سے بھی زیادہ دیتا ہے۔ کیونکہ درد دل ایک قابل قدر شے ہے۔ حیلہ جو انسان تاویلوں پر تکیہ کرتے ہیں لیکن خدا کے نزدیک یہ تکیہ کوئی شے نہیں ہے۔

(فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۱۰۱)

اسلام چیز کیا ہے خدا کیلئے فنا

ہر چیز میں خدا کی ضیاء کا ظہور ہے ۔ پر پھر بھی غافلوں سے وہ دلدار دور ہے

جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا ۔ اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

عاشق جو ہیں وہ یار کو مر مر کے پاتے ہیں ۔ جب مر گئے تو اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں

یہ راہ تنگ ہے، پہ یہی ایک راہ ہے ۔ دلبر کی مرنے والوں پر ہر دم نگاہ ہے

ناپاک زندگی ہے جو دوری میں کٹ گئی ۔ دیوار زہد خشک کی آخر کو پھٹ گئی

زندہ وہی ہیں جو کہ خدا کے قریب ہیں ۔ مقبول بن کے اس کے عزیز و حبیب ہیں

وہ دور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دور ہیں ۔ ہر دم اسیر نخوت و کبر و غرور ہیں

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو ۔ کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو

اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو ۔ اس یار کیلئے رہ عشرت کو چھوڑ دو

تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول ۔ تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا ۔ ترک رضائے خویش پئے مرضی خدا

جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات ۔ اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

اے کرم خاک چھوڑ دے کبر و غرور کو ۔ زیبا ہے کبر حضرت رب غیور کو

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں ۔ شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں

چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے ۔ ہو جاؤ خاک مرضی مولیٰ اسی میں ہے

تقویٰ کی جڑھ خدا کے لئے خاکساری ہے

عفت جو شرط دیں ہے وہ تقویٰ میں ساری ہے

(حضرت مجدد [illegible])

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درس

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ؕ لَہَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفہ وَاغْفِرْ لَنَا وقفہ وَارْحَمْنَا وقفہ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ؑ (البقرۃ ۲ - ۲۸۶)

ترجمہ:۔ اللہ کسی نفس پر کوئی بوجھ نہیں ڈالتا مگر جو اس کی طاقت ہو۔ اس کے لئے ہی ہے جو وہ اچھی کمائی کرے اور اسی پر ہے جو وہ بری کمائی کرے اے ہمارے رب ہم کو نہ پکڑ اگر ہم سے بھول ہوئی یا خطا ہوئی۔ اے ہمارے رب اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ان پر ڈالے جو ہم سے پہلے تھے۔ اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کی ہم کو طاقت نہیں۔ اور ہمیں معاف فرما اور ہماری حفاظت فرما اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا مولیٰ ہے پس کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما۔

میں نے پچھلے درس میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالےٰ انسان پر دو بوجھ تو اپنی طرف سے ڈالتا ہے وہ دو بوجھ ہیں شریعت کے احکام کے اور تقدیری بوجھ مثلاً بیماری، موت، دکھ، حالتِ خوف، بھوک یا مالوں اور (محنت کے) پھلوں کا ضائع ہو جانا۔ یہ دونوں بوجھ ایسے ہیں کہ اللہ تعالےٰ انسان کی وسعت یعنے طاقت کے مطابق ڈالتا ہے۔ تیسرا بوجھ جس کا آج ہی کے سبق میں ذکر ہے وہ گناہوں اور شامتِ اعمال کا، عذابوں کا ہے جو کہ انسان کی اپنی کمائی ہوتی ہے، اور وہ بوجھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے بطورِ سزا کے ہوتا ہے اور وہ انسان کی طاقت سے بڑھ کر بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی اپنی کمائی پر منحصر ہے۔

شریعت کے بوجھوں پر بحث میں پچھلے درس میں کر آیا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے اُن میں ہر قسم کی آسانیاں پیدا کر دی ہیں تاکہ وہ انسان کی طاقت سے بڑھ کر نہ ہو جائیں۔ مثلاً روزہ کے احکام میں مریض یا مسافر کے لئے آسانی پیدا کر دی ہے کہ وہ کسی دوسرے دنوں میں روزہ رکھ لیں بشرطیکہ مرض کی حالت اجازت دے ورنہ پھر فدیہ دیدیں۔ جب اللہ تعالےٰ نے اور اس کے رسولؐ نے کوئی بندش نہیں کی کہ مرض کیا ہو یا سفر کتنا ہو تو اس رخصت کا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے تو کسی اور شخص کا بندشیں لگا دینا مناسب نہیں۔ اسی طرح اگر وضو کے لئے پانی میسر نہ ہو تو تیمم کی اجازت قرآن نے دیدی ہے۔ اس پر بندش لگانا کہ ۱۲ کوس گھوڑے پر شرق کو جاؤ اور پھر ۱۲ کوس مغرب کو جاؤ اور اسی طرح ۱۲، ۱۲ کوس شمال اور جنوب کو جاؤ اور اگر کہیں پانی نہ ملے تو پھر تیمم کر لو ایک ایسی سختی ہے اور ناقابلِ عمل بندش ہے کہ لوگ ہنستے ہیں کہ اگر ۱۲، ۱۲ کوس چاروں طرف گھوڑے پر مسافر پانی کی تلاش کرتا رہے گا تو نماز کا وقت چلا جائے گا اور اس کا اپنا سفر کب طے ہوگا؟ الغرض شریعت کے احکام کو لگاتے ہوئے یاد رکھنا چاہیئے کہ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اللہ تم سے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔ اس لئے شریعت کا مدار نرمی پر ہے نہ کہ سختی پر جیسا کہ مجدد زماں حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے فرمایا ہے۔

اب میں دوسرے بوجھوں پر آتا ہوں جو اللہ تعالےٰ ڈالتا ہے اُن کو دوسری جگہ یوں فرمایا ہے ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقصٍ من الاموال والانفس والثمرات ؕ وبشر الصّٰبرین (البقرۃ ۲ - ۱۵۵) "اور ہم ضرور بالضرور تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور (محنت کے) پھلوں کے نقصان سے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔" آگے فرمایا "وہ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی ہیں وہ جن پر اُن کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے۔ اور یہی وہ ہیں جو ہدایت پانیوالے ہیں۔" یہ تقدیری بوجھ جب آتے ہیں تو بعض وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان انہیں برداشت نہیں کر سکے گا اور اسی لئے لوگ گھبراہٹ اور پریشانی میں اپنا سر دیواروں پہ مارتے ہیں یا پاگل ہو جاتے ہیں یا بیہوش ہو جاتے ہیں یا خودکشی تک کر لیتے ہیں۔ مگر ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اب کوئی بوجھ تقدیر کے رنگ میں نہیں آتا جسے انسان برداشت نہ کر سکے اور اس لئے صبر اور رضا کے ساتھ اُسے سہنا چاہیئے تو ایسے لوگوں پر نہ صرف وہ رحمتیں اور روحانی انعام ہوتے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے فرمایا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ایسی مصیبتوں کو بالآخر سہنے کے قابل کر دیتا ہے یا بالکل ختم کر دیتا ہے تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو دو بوجھ ڈالے جاتے ہیں وہ یا تو شریعت کے احکام کے ہیں یا تقدیری مصیبتوں کے۔ یہ دونوں قسم کے بوجھ کبھی انسان کی وسعت سے یا طاقت سے باہر نہیں ہوتے۔ ایک اور معنے کئے گئے ہیں اس آیت کے کہ اللہ تعالےٰ کبھی کبھی انسان کے نفس پر کوئی بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس نفس کی وسعت بڑھانے کے لئے۔ مجھے یہ معنے

کبھی بہت پسند ہیں کسی نفس میں کیا وُسعت (لمبائی، چوڑائی، اُونچائی) ہے یہ صرف اس نفس کو پیدا کرنے والا جانتا ہے وہ انسان خود نہیں جانتا تو شریعت کے بوجھ یا تقدیری مصیبتوں کے بوجھ ڈال کر اللہ تعالیٰ اس نفس کی وسعت کو جہاں تک رہنے اُسے بڑھاتا ہے۔ اور حضرت امام راغب اسی معنے کو لے کر فرماتے ہیں کہ وہ جنت جس کے لئے قرآن نے فرمایا ہے عرضها كعرض السمٰوٰت والارض یعنے جنت کا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین کے پھیلاؤ کے مانند ہے وہ جنت انسان کے نفس یعنے باطن میں بھی اسی دنیا میں پیدا ہو جاتی ہے کہ شریعت کے اور تقدیر کے بوجھوں کو اٹھا کر اس کی وسعت یا پھیلاؤ کو آسمانوں اور زمین کے پھیلاؤ کی طرح کر لیا جاتا ہے۔ اور تبھی اللہ تعالیٰ جو آسمانوں اور زمینوں میں نہیں سماتا وہ اس انسان کے قلب میں جلوہ نشین ہو جاتا ہے۔ شریعت کے بوجھوں اور تقدیری مصیبتوں کے بوجھوں کے اسی فائدہ کی وجہ سے نبیوں تک کو نہ تو شریعت کے بوجھوں سے آزاد کر دیا جاتا ہے اور نہ مصیبتوں اور آزمائشوں کے بوجھوں سے۔ بلکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ الانبیاء اشد البلاء یعنے ابتلاء اور آزمائشیں جتنی نبیوں کو آتی ہیں کسی کو نہیں آتیں۔ اور حضور صلعم جو افضل الرسل یعنے رسولوں کے سردار تھے حضورؐ نے اپنی نسبت فرمایا: ما اوذی ابنبیّون کما اوذیتُ یعنے جو مجھ کو اذیتیں دی گئی ہیں وہ تو کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔

آیئے اب ہم قرآن پاک کے باقی الفاظ کو دیکھتے ہیں۔ فرمایا لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت یعنے ان شریعت اور تقدیر کے بوجھوں میں اگر کوئی اچھا عمل کرتا ہے یا اچھا نمونہ دکھاتا ہے تو اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جو کوئی بُرا عمل کرتا یا بُرا نمونہ پیش کرتا ہے تو اس کا نقصان بھی اسی کو ہوگا۔ یہ بوجھ انسان کے فائدہ کے لئے آتے ہیں۔ جو ان کا فائدہ نہ اٹھائے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ جس طرح ایک بچہ جو امتحانوں میں پاس ہوتا چلا جائے گا وہ آپ ہی دنیا میں کامیاب اور سکھی ہوگا۔ اور جو بچہ فیل ہوتا چلا جائے گا وہ آپ ہی ناکام اور ذلیل اور ساری عمر کے لئے دُکھی رہے گا۔

تو زندگی کے اہم ترین امتحانوں میں جو اللہ تعالیٰ نے شریعت کے اور تقدیر کے بوجھوں کے رنگ میں رکھے ہیں جن کا اچھا یا بُرا نتیجہ نہ صرف انسان کی اس زندگی کو ناکام اور نامراد کر دیتا ہے بلکہ آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کا سُکھ یا دُکھ بھی انہی پر منحصر ہے ان کی اہمیت کو سوچ کر انسان اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے خائف ہو کر بے اختیار وہ الفاظ پکار اُٹھتا ہے جو اس آیتِ مبارکہ میں آگے آتے ہیں ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا اے ہمارے رب ہم کو نہ پکڑنا اگر ہم سے کوئی بھول ہو جائے یا کوئی خطا یعنے غلطی ارادتاً بھی ہو جائے۔ ربنا ولا تحمل علینا اصرًا کما حملتهٗ علی الذین من قبلنا اے ہمارے رب اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ان لوگوں پر ڈالے جو ہم سے پہلے ہوئے۔ یہ وہ تقدیری مصیبتوں کے بوجھ ہیں جن کا ذکر میں پہلے کر آیا ہوں۔ یہ دُعا انسان کی عین فطرت کی آواز ہے کہ وہ ان تقدیری مصیبتوں سے بچنا چاہتا ہے یا آ جائیں تو ان سے خلاصی چاہتا ہے۔

ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به اے ہمارے رب اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جن کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها کے ماتحت کوئی بوجھ نہیں ڈالتا مگر انسان کی قوت برداشت کے مطابق تو وہ بوجھ جن کو اٹھانے کی انسان طاقت نہ رکھتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعت یا تقدیری مصیبتوں کے بوجھ نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ وہ گناہوں کے بوجھ ہیں جو انسان خود کماتا ہے اور ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور نتیجہ یا سزا ملنے کا ذکر یوں ہے کہ وہ قوانین جن کے ماتحت گناہوں کے نتیجے یا عذاب پیدا ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین ہیں۔ اس لئے ان کے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس کی مثال امام الزمان حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کیا خوب دی ہے کہ اگر ایک کوٹھڑی میں صرف ایک کھڑکی ہو اور رہنے والا اُسے بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اُسے یوں بیان فرمائے گا کہ اس شخص نے کھڑکی بند کر لی تو ہم نے اس کوٹھڑی میں اندھیرا کر دیا۔ یہ اس لئے کہ وہ قانون جس کے مطابق اندھیرا پیدا ہوا وہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے۔ الغرض وہ بوجھ جو انسان کی کمر توڑ سکتے ہیں یا انسان کو ہلاک کر سکتے ہیں وہ انسان کے گناہوں کے بوجھ ہیں تو انسان اپنے رب کو پکارتا ہے کہ ارحم الراحمین جو خود ایسے بوجھ نہیں ڈالتا جو انسان برداشت نہ کر سکے میرے گناہ اتنے ہیں کہ ان کے بوجھ میری کمر کو توڑ دیں گے یا مجھے ہلاک کر دیں گے اس لئے اُسی ذرّہ نوازی سے جس سے تو خود وہ بوجھ نہیں ڈالتا جو میں اُٹھا نہ سکوں۔ میرے اپنے گناہوں کے نتیجہ یا سزا میں مجھ پر ایسے بوجھ نہ آنے دے جنہیں میں اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔

اسی لئے اگلے الفاظ کیا موزوں آتے ہیں کہ واعف عنا ہمیں معاف کر دے۔ انسان چاہے دوسروں کے ساتھ بُرائی کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے وہ مجرم اللہ تعالیٰ کا بنتا ہے جس نے انسان کو وہ نفس دیا ایک اعلیٰ مقصد کے لئے نہ کہ اُسے برباد کرنے کے لئے۔ جیسے کہ میں اس رکوع کے پہلے حصہ کے درس میں بتا آیا ہوں وہ رُوح جو خدا میں سے آئی ہے انسان کے اندر بطور امانت ہے اللہ تعالیٰ کی اور جو اس رُوح کو گندہ کرے یا اس کی صحیح تربیت نہ کرے وہ اللہ کی اس امانت میں خیانت کر کے اللہ تعالیٰ کا مجرم بن جاتا ہے واغفر لنا ہمیں اپنی پناہ میں لے لے تاکہ ہم گناہ جو کر چکے سو کر چکے آئندہ نہ کریں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ انسان ایک گناہ کرے تو دوبارہ وہ گناہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جو ایک دفعہ رشوت لینے کی جرأت کر لے اُس کے لئے دوبارہ رشوت لینا آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے پچھلے گناہوں کی معافی کے بعد آگے کے لئے اللہ تعالیٰ کی حفاظت چاہی کہ وہ گناہ دوبارہ نہ ہو جائیں۔ وارحمنا اور ہم پر رحم کر۔ قرآن پاک

میں لفظ رحم روحانی نعمتوں کے لئے آتا ہے۔ اس لئے وارحمنا کے یہ معنی ہوئے کہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم جن روحانی نعمتوں سے محروم ہو گئے تو وہ ازراہِ رحم ہم کو اب عطا فرما۔ انت مولٰنا تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ دوست، مددگار ہے اس لئے تیرے سوا کس کو پکاریں۔

فانصرنا علی القوم الکافرین ہماری مدد فرما کافر قوم کے برخلاف، کافروں کا گورو گھنٹال یا سردار تو شیطان ہے جو اول الکافرین تھا جیسا کہ قرآن نے فرمایا وکان من الکٰفرین۔ پھر شیطان کے ساتھی وہ انسان ہو جاتے ہیں جو شیطان کے ورغلانے میں آ جائیں۔ تو ایسے لوگ اپنوں میں اور دشمنوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو شیطان اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں انسان بہت دکھی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ایوب کی دعا قرآن میں مذکور ہے کہ رب انی مسّنی الشیطٰن بنصبٍ وعذاب اے میرے رب شیطان نے مجھے تھکا دیا ہے اور عذاب میں ڈال دیا ہے تو شیطان اور اس کے ساتھیوں کے خلاف جو کثرت میں ہوتے ہیں ایک مومن اللہ تعالیٰ کی نصرت کے سوا کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ایک اور معنی بھی ممکن ہیں۔ اس آیت کو شروع فرمایا تھا انسان کے نفس کے ذکر سے۔ اور شریعت کے بوجھوں اور تقدیری مصیبتوں کے بوجھوں کو اٹھانے اور گناہوں سے بچنے کے لئے انسان کو اپنے نفس سے جہاد کرنا پڑتا ہے اور مومن کا دوسرا جہاد کفر کے خلاف ہوتا ہے جو باہر کا جہاد ہے۔ تو دونوں جہادوں میں اللہ تعالےٰ کی نصرت یا مدد مانگی ہے دیکھ لیں کہ نبی اور مجدد پہلے تو عبادت و ریاضت اور تقوےٰ کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرتے ہیں۔ پھر وہ دوسروں کے نفسوں کی اصلاح کے لئے کھڑے کئے جاتے ہیں تو ایک دنیا ان کی مخالف ہو جاتی ہے۔ ان دونوں جہادوں میں اللہ تعالےٰ کی مدد وہ مانگتے ہیں اور ان کو عطا بھی ہوتی ہے۔ یہ اس زمانہ کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا احسان ہے کہ انہوں نے ہمارے اپنے نفس کے خلاف جہاد کے لئے جہاں تقوٰی پر زور دیا وہاں کفر اور باطل کے خلاف جہاد کے لئے ہمیں اشاعتِ اسلام کے کام پر لگا دیا۔ اگر اس کے لئے حضرت اقدس نے چندہ دینے کو کہا تو خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے میں دونوں جہاد بیک وقت ہو جاتے ہیں اپنے نفس کے خلاف بھی (چندہ نکالتے وقت) اور کفر کے خلاف بھی۔

ایک اور معنے بھی ہو سکتے ہیں مگر وہ میرے اپنے اور ذوقی ہیں۔ اس دعا میں ایک اللہ تعالےٰ کا عاشق اُسے کہتا ہے کہ میری بھول یا خطا پر مجھے نہ پکڑ اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے پہلوں پر ڈالے مگر اگر تو نے مجھ کو پکڑا یا مجھ پر پچھلوں جیسے بوجھ ڈالے تو وہ میں سہہ لوں گا مگر ایک بوجھ ایسا ہے جو میں سہہ نہیں سکتا اور وہ ہے تیری ناراضگی کا۔ سزا دینی ہے تو دے لے مگر مجھ سے ناراض نہ ہو جانا کہ میں اُسے برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر تو ساری عمر مجھے معاف کرتا رہا تو اب بھی معاف کر دے۔ تو نے ساری عمر مجھے اپنی پناہ کی حفاظت میں رکھا تو اب مجھے اس سے محروم نہ کر۔ تو نے ساری عمر مجھ پر رحم فرمایا تو میں تو اس کا عادی ہو چکا ہوں اب میری اس کمزوری پر رحم فرما کہ میں تو صرف تیرے رحم کو جانتا ہوں۔ غضب کو نہیں جانتا۔ تو ساری عمر میرا مولیٰ رہا تو میں تو تیرے سوا بچ نہیں سکتا۔ اس لئے میری مدد فرما شیطان اور اس کے ساتھیوں کے خلاف کہ وہ مجھے تیرا بندہ دیکھ کر حملہ کر کے تباہ کرنے کی کوشش کریں گے مگر اگر تیری نصرت میرے شاملِ حال رہی تو میں شیطان اور اس کے ساتھیوں پر غالب ہو کر رہوں گا۔

سورۃ البقرۃ کی اس دعا کو جب امام پڑھے تو مقتدیوں کو آمین بآواز بلند کہنا چاہیئے۔

ختم شد

قرآن پاک کے انڈونیشین تراجم کا دوسرا ایڈیشن

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام (انڈونیشیا) اب تک قرآن پاک کے تین تراجم شائع کر چکی ہے اور اس لحاظ سے وہ تعریف و توصیف کی مستحق ہے۔ یہ تین تراجم حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ڈچ ترجمۃ القرآن
۲۔ جاوی ترجمۃ القرآن
۳۔ انڈونیشین ترجمۃ القرآن

انڈونیشی ترجمۃ القرآن کے پہلے ایڈیشن کے نسخہ جات اختتام پذیر ہو گئے ہیں اور انجمن دوسرے ایڈیشن کی تیاری کر رہی ہے۔ ہمیں یہ جان کر بے حد خوشی ہوتی ہے کہ ذیل کی کتب کے انڈونیشی ترجمے بھی مکمل ہو چکے ہیں۔ "تحریک احمدیت" کا ترجمہ جناب ایچ سید ای محمد کومیس نادی صاحب نے کیا ہے اور مسودہ کی ٹائپنگ اور پروف ریڈنگ ہمارے ذہین نوجوان جناب سید احمد سالیو راد ونے کی ہے۔ "دی گریٹ ریلیجن آف دی ورلڈ" کا ترجمہ جناب امام موسے صاحب نے کیا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے "ٹیچنگ آف اسلام" کا ترجمہ بھی مکمل کر لیا ہے۔ "دی ریلیجن آف حدیث" کا ترجمہ ہمارے محترم اور فاضل بھائی جناب آر کیلان صاحب نے کیا ہے۔ فقیر تنیر کی کتاب "جیسس ڈائیڈ ان کشمیر" کا ترجمہ بھی انڈونیشین زبان میں ہو چکا ہے۔ اور طباعت کے لئے تیار ہے۔ ان تراجم کی طباعت کے سلسلہ میں جماعت کو کچھ مالی مشکلات درپیش ہیں۔ دعا ہے کہ خدا جماعت کو ان مالی مشکلات پر غالب آنے میں مدد فرمائے۔ آمین

* * *

ارشادِ خداوندی

* اور جو تم کو السلام علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔

* * *

پروفیسر مرزا حبیب الرحمٰن۔ لاہور

(قسط ۱)

معاشرے کی برائیاں اور ان کا علاج

خداوند تعالیٰ نے کبھی کسی قوم کی حالت خود بخود نہیں بدلی جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت بدلنے کا عزم بالجزم نہ کرلے۔ ہم بزم جہاں کے انداز کی زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے اُسی پر قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔ ٹھوس اسلامی طرز کی زندگی ہم کو نہیں بھاتی یا ہم اس کو اپنانا نہیں چاہتے جس کی وجہ سے ہم باری تعالےٰ سے گوناگوں دوری اختیار کرچکے ہیں۔

میں نے جو چند برائیوں اور اُن کے علاج کا ذکر کرنے کے لئے اپنا قلم اٹھایا ہے وہ محض یاد دہانی کے لئے نشان دہی کے طور پر ایسا کیا ہے۔ کوئی نئی یا انوکھی بات بیان نہیں کروں گا۔ قارئین سب کچھ دیکھتے۔ سنتے اور پڑھتے ہیں۔ لیکن عمل میں بہت کوتاہی کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتلاؤں اور آفات زندگانی سے دوچار ہیں۔ ہم کوئی نجات حاصل نہیں کرسکے۔

ہر طرف جب ہم نظر اٹھاکر دیکھتے ہیں۔ اخبارات کا روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ حالات حاضرہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ہر داستان غم کے واقعات سنتے ہیں تو یہ امر صاف ظاہر ہوکر دل و دماغ پر چھا جاتا ہے کہ مشرق ہو یا مغرب۔ ایشیا ہو یا افریقہ ہر سمت مسلمانوں کی قوم زوال پذیر ہے۔ رو بہ انحطاط ہے۔ قتل و غارت ہوتا ہے تو مسلمانوں کا۔ مار پیٹ ہوتی ہے تو بے چارے مسلمان درندوں کے ہاتھوں سے چھٹکارا نہیں پاتے۔ قہر الٰہی گرتا ہے تو نہ بچے محفوظ ہیں نہ بوڑھے۔ الغرض غیر مسلم کے ہاتھوں سے خیر الورٰی کے پیروؤں کو ذلیل و خوار کیا جاتا ہے۔ آخر ان تمام روح سوز اور دل خراش واقعات کی حقیقت کیا ہے؟ کیا ہمارا خُدا نعوذ باللہ مرچکا ہے۔ کہ ہماری امداد کے لئے اس کا رحم جوش میں نہیں آتا۔ نہیں نہیں۔ خدا زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ وہ ہماری حالت زبوں کو دیکھتا ہے۔ ہماری آہوں کو سنتا ہے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہماری رسوائی اور حالت زار کو دور کرنے کے لئے اپنا حکم کیوں نہیں جاری کرتا۔ فرشتوں کو ہماری بدحالی سے آزاد کرنے کے لئے کیوں نہیں بھیجتا۔

کاش ان مسلسل ابتلاؤں اور عالمگیر مصائب سے ہماری آنکھیں کھل جاتیں۔ اور ہم سوچتے کہ ہماری کون سی کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے ہم رُسوائے زمانہ ہوچکے ہیں۔ غیر مسلم ہمیں دھمکیاں دیتے ہیں۔ ہم پر ستم ڈھاتے ہیں اور ہم دم بخود ہوکر رہ جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں؟ تو سن لو ہم میں طرح طرح کے ایسے عیوب پیدا ہوچکے ہیں جن کی وجہ سے الراحم الراحمین کا رحم اور اسکی برکات اور فیوض ہم پر نہیں نازل ہوتے۔

ہم میں سے اکثر مسلمان ہوا و ہوس کے غلام بن چکے ہیں۔ ہم حیوانی خواہشات کا شکار ہوچکے ہیں۔ ہم اور خصوصًا ہمارے نوجوان عورتوں کو للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بے ہودگیاں اور بداعمالیاں ہم کرتے ہیں اور یہ ہمارا شیوا بن چکا ہے۔ ہمارے علمائے کرام ایسی بے حیائیوں کا سدّ باب کرنے کے لئے کوئی فوری عمل نہیں کرتے۔

ہمارے اکثر نوجوان بعض طالب علم اور دیگر بھٹکے ہوئے مسلمان ناجائز ہتھیار اور بم وغیرہ چھپائے پھرتے ہیں تاکہ اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لئے بے گناہوں کا خون کرتے رہیں اور انہیں لوٹتے رہیں۔ بازاروں سے طرح طرح کی غلیظ اور ارتکاب جرم کرنے والی کتب خرید کر اور پڑھ کر طلباء اور عام لوگوں نے اپنی ذہنیتیں بدل ڈالی ہیں۔ ایسے لوگوں کے اندرونی ناپاک جذبات بُری طرح سے مکدر ہوچکے ہیں۔

شیطان کا سہارا لیتے ہوئے اخلاقی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں یا ایسے جرائم کے ارتکاب پر خوش ہوتے ہیں۔ غیبت۔ بددیانتی۔ بدگوئی۔ جھوٹ۔ ریاکاری۔ بدکاری اور قسم قسم کے ذلیل کن افعال انجام دینے سے نہیں چوکتے۔ ایسے لوگوں کے قلوب پر بداعمالیوں کے ظلمات چھاچکے ہیں۔ دل و دماغ پہ بدی کی مہریں لگ رہی ہیں۔ ان کی رُوحیں متعفن اور ناپاک ہوگئی ہیں۔ علیم القدیر خدا کے غضب کا شکار ہورہے ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

عوام الناس کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو خوشحال۔ باثر اور امیرانہ زندگی بسر کرنے والوں کو حسد کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ باوقار اصحاب کو دیکھ کر اُن کے دلوں میں جلن سی پیدا ہوتی ہے۔ سینوں پر سانپ لوٹتے ہیں۔ اس طرح یہ طبقہ نہ صرف اپنی نیکیوں سے محروم ہوجاتا ہے بلکہ خداوند تعالےٰ کے قہر تلے آجاتا ہے۔ جلتے ہیں۔ کُڑھتے ہیں اور اقتدار کی ہوس میں بداخلاقی۔ بہتان بازی۔ لعنہ زنی اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔ ہم میں سے اکثر نمازیں پڑھتے ہیں لیکن بدی کی مہلک وبا سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ حج ادا کرکے وطن لوٹ آتے ہیں لیکن دلوں میں حسد اور الزام تراشی کی شعاعیں مشتعل رہتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے تو دماغ طوفان کا مجسمہ بن کر رہ جاتا ہے۔ بھوک کا سایہ اس طرح چھا جاتا ہے کہ خوف خدا دل سے نکل جاتا ہے۔ انسانی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں لیکن روحوں کے گدلا ہونے کی وجہ سے تقوٰی و طہارت اور پرہیزگاری سے محروم ہوکر باری تعالےٰ کے غضب کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ اگر زکوٰۃ دیتے ہیں تو دکھاوے کے لئے۔ خدمت بنی نوع انسان کی کرتے ہیں تو کسی ذاتی مقصد اور شہرت حاصل کرنے کے لئے۔ عبادت کرتے ہیں لیکن دلوں میں دنیاوی حرص و ہوا اور حصول اقتدار کی تمنائیں ہر آن ان کے سینوں میں کروٹ لیتی رہتی ہیں۔ جاہ و جلال کی خواہشات۔ مال و زر حاصل کرنے کا اشتیاق لوگوں کو خداوند تعالیٰ سے برگشتہ کردیتا ہے۔ منہ میں استغفر اللہ کا ورد اور بغل میں جھوٹ کی بیٹری کارفرما ہے۔ کاروباری دنیا کی عجب نرالی فضا ہے۔ اپنی جادو بھری

آوازے کے ذریعہ خریداروں سے خوب روپیہ بٹور لیتے ہیں۔ ہر فرد لبشر قریب قریب اس تگ و دو میں مصروف ہے کہ روپوں کے انبار سے اس کی جیبیں پُر ہوتی رہیں۔ علم اور ہنر کو تجارتی حیلہ بازی سے نفع آور بنایا جاتا ہے تاکہ اُن کے بنک بیلنس میں اضافہ ہوتا رہے۔ حرص زر کی مرض داتا گنج بخش کے مزار کی طرف لوگوں کو کشاں کشاں لے جاتی ہے۔ پھر سمگلنگ کا کاروبار مخفی طور پر کیا جاتا ہے کبھی چور بازاری کی دہشت لوگوں کو مروجہ قانون اور یوم آخرت سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ چیزوں میں ملاوٹ کی لعنت معمول کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ حصولِ رشوت کی وجہ سے ملازمین کی انگلیوں سے بجلی کی شعاعیں نمودار ہیں۔ بغیر ہاتھ گرم کئے وہ اپنے فرائض کو انجام دینے سے گریز کرتے ہیں۔ گویا دفاتر میں یہ مرض عالمگیر ہو چکی ہے۔ یادش بخیر! کمر توڑ اور دل شکن مہنگائی نے شورِ قیامت بپا کر رکھا ہے۔ چور۔ ڈاکو۔ قزاق۔ جیب کترے اور سماج دشمن عناصر بے خوف ہو کر لوگوں کو لوٹتے اور قتل کرنے سے بھی احتراز نہیں کرتے۔ بدکاروں کی شعار زندگی کا یہ ایک نمونہ ہے جسے پولیس بھی قابو میں نہیں لا سکی۔

بے حیائی۔ فحاشی۔ عریانی اور بداعمالیوں کا یہ عالم ہے کہ علماء اور شرفاء کی اولاد شرمناک حرکات، تخریب کاریوں اور خوفناک بُرائیوں کے غلام بن چکے ہیں۔ کوئی لمحہ گذرنے نہیں پاتا کہ شرانگیزوں کے خبث باطن کی شیطنت منظرِ عام پر رونما نہ ہوتی ہو جس سے عوام الناس میں مایوسی۔ بدحواسی اور دہشت کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ قوم کی اکثریت ذلت کی پستیوں میں مل کر شرافت۔ بردباری۔ دیانت داری اور شفقتِ خلق سے مطلقاً بیگانہ ہو چکی ہے۔

میدانِ عمل میں ہم میں سے خدا کا نام لینے والے۔ عبادت کرنے والے اور دینِ اسلام پر چلنے والے کم دبیش تنگ دلی اور الزام تراشی کی بیماری میں مُبتلا ہو رہے ہیں۔ یہ قوم کی بدقسمتی ہے کہ ایک طبقہ نے نماز پڑھنے والوں۔ زکوٰۃ دینے والوں۔ روزہ رکھنے والوں اور احکامِ خداوندی پر عمل کرنے والوں کو کفر بازی کا نشانہ بنا کر دائرہ اسلام سے خارج کر رکھا ہے۔ دلوں سے خوفِ خدا اس قدر کمزور ہو چکا ہے کہ کفر کے فتوے شائع کرنے سے ایسے حضرات اجتناب نہیں کرتے۔ معاشرے کی برائیوں کو دور کرنے کی بجائے کفر بازی سے اپنی روحوں کو مکدر کرتے ہیں۔ باری تعالےٰ قوم کی حالت زار پر رحم فرمائے۔ حالات بہت نازک ہو رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا بحران ہوگا۔ کہ ہمارے مذہبی پیشوا بجائے کفار کو مسلمان بنانے کے اپنی قوم کے مسلمانوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں حظ محسوس کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ آسمان سے چکا چوند اور لرزہ براندام کر دینے والی بجلیاں کڑکتی ہوئی آواز سے اس صفحہ ہستی پر گر رہی ہیں اور ہم اس خانہ ہستی میں بُرائیوں اور کفر بازی کی پھلجھڑیاں چھوڑ رہے ہیں۔ پھر الٰہی نصرت اور برکات کیسے ہم پر نازل ہوں!

* * * *

ارشادِ نبویؐ:

"جس نے صرف خدا کے لئے روزہ رکھا اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔"

ماہِ رمضان کا آخری عشرہ

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب ماہِ رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کمر کس لیتے۔ شب بیداری کرتے اور اہلِ خانہ کو نیند سے بیدار کرتے۔ (بخاری)

آخرہٗ عتقٌ من النّار

رمضان کا تیسرا عشرہ جہنّم کی آگ سے نجات پانے کا ہے

عبادت کے دن ہیں دعاؤں کی راتیں + کریں اپنے مولیٰ سے کھُل کھُل کے باتیں
اُسے اہلِ تقوٰی سے ہے پیار و اُلفت + نہیں دیکھتا وہ، ہیں کیا ان کی ذاتیں
مقابل پہ تقوٰی کی دولت کے پیارو + ہیں سب ہیچ دنیا کی انمول دھاتیں
شیاطین ہیں پا بہ زنجیر سارے + ہیں بےکار سب آجکل اُن کی گھاتیں
مساجد میں دنیا کی قدّوسیوں نے + رگالی ہیں پھر اپنی اپنی قناتیں
دعاؤں میں مشغول ہیں معتکف سب + الٰہی مقبول ہوں اُن کی صلاتیں

یہ ایام عتق من النار کے ہیں۔
بڑے خاص فضل وکرم کی ہیں راتیں

رضا تیری حاصل ہو سب مومنوں کو + ہوں راتیں یہ ان کے لئے شب براتیں
عمل ہو نہ صالح تو ایماں عبث ہے + نہیں کام کی صرف باتیں ہی باتیں

گیا جن کے ایماں کا ہو تانا بانا
ہے لازم انہیں پھر نیا سُوت کاتیں

(محمد صدیق امرتسری)

* * *

ضرورت ہے

کراچی کے مضافات میں ایک کمپنی کو جو پُرانے جہازوں کو توڑنے پھوڑنے کا کام کرتی ہے ایک دیانتدار اور محنتی منیجر کی ضرورت ہے جسے ورکشاپ میں رہنا ہوگا۔ غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں مفت رہائش کے علاوہ خورد و نوش کا انتظام بھی کمپنی کے ذمہ ہوگا۔

اُمیدوار کی علمی قابلیت کم از کم انٹرمیڈیٹ ہو۔ آمد و خرچ کا حساب وکتاب رکھنے کی اہلیت اور تجربہ ضروری ہے۔ تنخواہ بمعہ جملہ الاؤنس دو ہزار روپے ماہوار۔ بہتر قابلیت کی بناء پر تنخواہ میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ درخواستیں بمع اسناد و متعلقہ کاغذات ذیل کے پتہ پر ارسال کریں۔

چوہدری منصور احمد
۵۵۔ احمد بلاک۔ نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۱۶

* * *

از:- محمد ارشد علوی صاحب لاہور

اور جمعہ بھی گذر گیا

محمد ارشد علوی صاحب نے اپنے والد محترم محمد اعظم علوی صاحب مرحوم کی وفات پر جو اپنے تاثرات سپرد تحریر کئے تھے وہ پیغام صلح کے شمارہ ۲۲ء میں بعنوان "پھر جمعرات آگئی" شائع ہو چکے ہیں۔ مندرجہ ذیل واقعات بھی انہی تاثرات کی ایک کڑی ہیں جو انہوں نے قارئین کرام کے مزید استفادہ کے لئے برائے اشاعت بھیجے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔ (ادارہ)

کیلنڈر کے حساب سے پہلی تاریخ اپریل کی اور جمعہ کا دن شروع ہو چکا ہے ارکین ہسپتال میں سوا ایک بجے میں کاغذات کی خانہ پری سے فارغ ہو کر آیا تو اباجان کے سانسوں کی آواز آنی بند ہو گئی تھی۔ میں سمجھا شاید ٹھیک ہو گئے ہیں ڈاکٹر وحید صاحب کا چہرہ اترا ہوا تھا بجائے خوشی کے چہرے پر مایوسی چھائی ہوئی تھی چچا جان ایک طرف دیوار کے پاس کھڑے رو رہے تھے۔ میری چیخیں نکل گئیں ہسپتال کے در و دیوار ہل گئے مگر میرے اباجی بے حس پڑے تھے۔ میں بے اختیاری میں کبھی پاؤں چومتا۔ کبھی سر چومتا کبھی منہ چومتا۔ کاش اس وقت پاگل ہو جاتا میں اس منظر کو کیسے دیکھ رہا تھا۔ میرا وہ معصوم باپ جس نے زندگی میں کبھی انجکشن نہیں لگوایا تھا پتہ نہیں کیسے تکلیف برداشت کر گیا انجکشنوں کی۔ مجھے کیوں چھوڑ گیا تنہا دنیا میں۔ جب بھی کبھی دکھ یا تکلیف ہوتی تو فرماتے بھئی حکم خداوندی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ کیا آپ کو بھی یہ حکم خداوندی تھا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا میں اکیلے چھوڑ جاؤ؟ یہ کیسا حکم ہے اباجان آپ میری آہ و زاری پر کیوں بے حس ہیں۔ آپ تو میری ایک سسکی پر رات کی نیند حرام کر لیا کرتے تھے۔ مگر آپ .... حکم خداوندی پر خاموش ہیں۔ کاش مجھے پتہ ہوتا کہ آپ نے جمعہ کا دن اگلی دنیا میں گذارنا ہے تو میں کل سارا دن آپ کے پاس رہتا۔ جی بھر کے باتیں کرتا۔ ڈیڑھ بجے کے قریب ہسپتال سے فارغ کر دیئے گئے۔

دو بجے ایک گھنٹہ کے بعد اباجی مرحوم ہو کر گھر آ گئے۔ باتیں کرتے ہوئے گئے اور خاموش ہو کر واپس آ گئے۔ مگر تکلیف میں گئے اور سکون سے آ گئے۔ ان کا بیٹا ایک گھنٹہ میں یتیم ہو گیا مسکین ہو گیا۔ بھائی چھوٹ گیا۔ بہن چھوٹ گئی اور دوست بھی گیا۔

اباجی کے کمرے میں داخل ہوا تو رضائی اسی طرح پڑی تھی جس طرح اباجی نے رکھی تھی۔ حسرت ناک نگاہیں بار بار پلنگ پر ٹکٹکی باندھ کر شاید رضائی کے دوسری طرف سو رہے ہیں اور مجھے روتے ہوئے سن کر اٹھ جائیں گے مگر یہ میری خام خیالی تھی۔ میری قسمت میں یہ کہاں "اب اباجان چپ نہیں کرائیں گے۔ اُف خدایا اتنا بڑا دھچکا لگایا ہے کیا میں اس قابل تھا کیا مجھ میں سکت تھی" اباجی" کا لفظ میرے لئے تمام رشتوں کا محور تھا۔

لیجیئے اباجی کو چارپائی پر لٹا کر دوسرے کمرے میں لے جایا گیا۔ میں بار بار اباجی کے چہرے کو دیکھتا ہوں کہ واقعی فوت ہو گئے ہیں۔ اور پھر آہیں بھر کر لپٹ جاتا ہوں مگر دنیا مجھے لپٹنے بھی نہیں دیتی اور پاس سے ہٹا کر لوگ دور لے جاتے ہیں۔ کتنے ظالم ہیں لوگ کہ آخری ملاپ بھی نہیں کرنے دیتے۔ جی بھر کر دیکھنے بھی نہیں دیتے۔ سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا ہے۔ کتنے ہیں جن کے لئے غم اور کتنے ہیں جن کے لئے خوشیاں لا رہا ہے۔ عورتیں اور رشتہ دار آ رہے ہیں سب مجھے صبر کی تلقین کرتے ہیں ارے نادانو کیسا صبر کروں اور کہاں تک صبر کروں۔ یہ صبر ہی تو ہے کہ زندہ ہوں یہ کیا کم صبر تھا کہ اباجان کے ہوتے ہوئے کسی چیز کی تمنا نہ کی تھی مگر اب وہ بھی نہیں اب کون سا صبر کروں۔ دل پھٹنے کو ہے اور صبر کا کڑوا گھونٹ پلا کر زندہ رکھ رہے ہیں۔ ہر قدم پر اباجی کی کمی محسوس ہو گی۔ مگر سب مجھے تسلیاں دے رہے ہیں۔ کاش ایسے وقت خداوند کریم کی رحمت جوش میں آ جاتے اور زندگی کی کچھ گھڑیاں اباجی کو دے دے۔ مگر کہاں سب خیالات بے سود ہیں۔

حضرت امیر کو ٹیلی فون پر اطلاع دی گئی آپ کی آواز بھرا گئی تھی۔ آپ نے مجھے تسلی دی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت امیر کی معیت میں فاروقی صاحب میاں فضل احمد صاحب۔ مرزا مسعود بیگ صاحب، چوہدری منصور احمد صاحب اور دفتر کے دیگر کارکن تشریف لے آئے۔ سب نے باری باری مجھے گلے لگا کر تسلی دی۔ اندر اباجی کی میت دیکھنے گئے۔ امیر جماعت فرمانے لگے۔ "سو رہا ہے بے چارہ" اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مرزا مسعود بیگ صاحب فرمانے لگے "اتنی جلدی ہمارا ساتھ چھوڑ گئے ہو" اور فرط جذبات سے آنسو چھلک پڑے۔ غیر از جماعت لوگ بھی جوق در جوق آ رہے تھے ہر آنکھ پرنم تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جنازے کا وقت امیر جماعت کے مشورے سے ڈیڑھ بجے مقرر ہوا۔ غسل کی تیاری ہونے لگی۔ لکڑی کے تختے پر لٹا دیا گیا۔ انگوٹھی انگلی سے نہیں نکل رہی تھی۔ نرم ملائم جیسے ہاتھ آخری بار مس ہو رہے تھے میرے ہاتھوں کے ساتھ۔

غسل دینے کے بعد بارہ بجے کے قریب کفنا دیا گیا۔ سب کام جلدی جلدی ہو رہے تھے جس طرح زندگی میں ہر کام جلدی جلدی کرتے تھے اسی طرح جانے کی تیاری بھی جلدی ہو رہی تھی۔ چارپائی پر لٹایا گیا تو چہرہ پرنور ہو گیا اور سرخی آ گئی چہرے پر۔ دل کی دھڑکن بار بار پکار رہی تھی کاش یہ زندہ ہی ہو جائیں مگر بے سود۔ ایک بجے کے قریب ماسٹر

ہو چکے ہے جا پایا ہے اور اب کا ... ہے

جا تو رہے ہیں دو نوں مگر کس حال میں۔ دارالسلام پہنچ گئے۔ فاروقی صاحب نے خطبۂ جمعہ میں اباجی کے حالات پر بھی روشنی ڈالی۔ خطبہ سنتے وقت بے اختیار نگاہیں اس کونے میں جاتی تھیں جہاں اباجی تشریف رکھا کرتے تھے۔ نماز کے بعد جنازہ عام دیدار کے لئے رکھا گیا۔ تین بجے کا وقت دفنانے کا تھا۔ کاش ایک دن پیچھے ہو جائے کل کے دن اور آج کے دن میں کتنا فرق تھا۔ اس جمعہ میں اور پہلے جمعوں میں کتنا فرق تھا مگر یہ بہت مشکل ہے نہیں ہو سکتا۔ حضرت امیر اس کارروائی کی نگرانی فرما رہے تھے آپ کی آنکھیں سرخ تھیں۔ فاروقی صاحب نے کہیں جانا تھا تو وہ پھولوں کا نذرانہ مجھے دے گئے کہ بیٹے تربت پر ڈال دینا۔ یہ ہے میری طرف سے حقیر تحفہ۔

پھوپھی کا انتظار تھا وہ پہنچ گئیں اور ڈھائی بجے دفنانے کا عمل شروع ہو گیا۔ چوہدری محمد حیات صاحب اور ارشد حسین نے میت کو سہارا دے کر لحد میں اتارا۔

یوں عظیم اعظم کو مٹی میں لٹا دیا گیا۔ وہ نفیس انسان مٹی میں خاموشی سے لیٹا تھا۔ حکم خداوندی پر خاموش تھا۔ پھر اس پر منوں مٹی ڈال دی گئی اور پھر پھولوں کا تحفہ پھیلا دیا گیا۔ امیر جماعت نے دعا کروائی۔ مجھے بار بار یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اباجی ابھی آ جائیں گے اور ہم اکٹھے گھر کو جائیں گے۔ وہ ابھی دفتر میں بیٹھے ہوں گے مگر وہ تو یہیں رہیں گے اب تا قیامت۔ انہوں نے اپنا دفتر نیا کھول لیا ہے۔

امیر جماعت نے تمام لوگوں کو چائے کی دعوت دی اور اپنے گھر لے گئے آپ نے فرمایا کہ "علوی صاحب کی وفات پر رشتہ داروں کو تو دکھ ہو گا اور بہت ہو گا مگر کچھ غیر رشتہ دار بھی ہوتے ہیں جنہیں رشتہ داروں سے زیادہ دکھ ہوتا ہے اور ہم ان لوگوں میں سے ہیں"۔ غیر از جماعت احباب بھی آئے ہوئے تھے وہ حضرت امیر کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے اور تعریفیں کرنے لگے کہ جماعت کا امیر ہو تو ایسا ہو جو جماعت کے ہر فرد کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھے خدا ایسے امیر کی جماعت کو کامیاب رکھے۔ آمین

شام کا کھانا حضرت امیر کی طرف سے تھا۔ حضرت امیر شام کو پھر مجھے ملنے آئے۔ آپ مجھے گلے لگا کر دل کی دھڑکنوں کو سکون بخش رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ "بیٹے ہم آپ کے خادم ہیں۔ جو کچھ ہم سے ہو سکا ہم آپ کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ آپ ہمیں بتائیں اپنی تکلیف"

میری بہت دلجوئی کی آپ نے۔ خدا آپ کا سایہ تا قیامت ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین! اور یوں جمعہ کا دن بھی گذر گیا اباجی کے بغیر۔

تم اپنے ساتھ لے گئے دنیا کی رونقیں
ہم رہ گئے ہیں بے سروسامان تیرے بغیر

* * * * *

صلاح نیک

مارنا چاہتے ہو تو نفس امّارہ کو مارو۔ بولنا چاہتے ہو تو سچ بولو۔

جنرل سیکرٹری کے نام

۱۹۸۱ء میں جماعت احمدیہ انڈونیشیا کے پرجوش اور صالح نوجوان "یاتمین" جو بغرض تعلیم پاکستان آئے تھے احمدیہ درسگاہ (تبلیغی کلاس) میں قریباً اڑھائی سال رہ کر عربی، اردو اسلامیات کا جامع نصاب مکمل کرنے کے بعد ۱۹ مئی ۸۳ء کو واپس تشریف لے گئے ہیں عزیز موصوف نے تعلیمی عرصہ کے دوران اردو زبان میں اچھی خاصی مہارت حاصل کر لی تاکہ وہ انڈونیشی زبان میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی کتب کا ترجمہ کر کے دین کی تبلیغ کا کام سرانجام دے سکیں۔ لاہور (بستی دارالسلام) میں قیام کے دوران نمازوں کے موقع پر انکی خوبصورت لہجہ میں اذان اور اجتماعات میں قرأت قرآن ابھی تک ان کی یاد دلا رہی ہے۔ ان کے واپس وطن پہنچنے پر صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈونیشیا نے جو جنرل سیکرٹری کے نام خط لکھا ہے قارئین کرام اسے ملاحظہ فرمائیں۔

اخی المکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اطلاعاً عرض ہے کہ مسٹر یاتمین صاحب خداوند تعالیٰ کے فضل سے مورخہ ۲۲ مئی ۸۳ء کو بوقت ½ ۶ بجے صبح بخیر و عافیت جکارتہ پہنچ گئے ہیں۔

انہیں تقریباً ½ ۲ سال لاہور میں حصول تعلیم کے بعد اپنے اندر موجود پاکر ہم بے حد مسرور ہیں۔ ہماری تمام جماعت کی طرف سے ان تمام خدمات کی وجہ سے جو آپ نے اس کے قیام لاہور کے دوران انجام دی ہیں پرخلوص شکریہ قبول فرمائیے۔ خداوند تعالیٰ آپ کو ان اعمال صالحہ کی وجہ سے انعام کثیرہ سے نوازے۔ آمین! یاتمین صاحب کا پروگرام اس طرح مرتب کیا گیا ہے۔

۱۔ ۲۶ مئی ۸۳ء بروز جمعرات ہماری جماعت کا ایک وفد یاتمین صاحب کے ہمراہ ان کے والدین سے ملنے کے لئے جائیگا۔

۲۔ ۲ جون ۸۳ء بروز ہفتہ کو ایک جلسہ منعقد ہو گا جس میں تمام احباب جماعت کو مدعو کیا گیا ہے تاکہ وہ یاتمین صاحب سے ان کے قیام لاہور کے دوران تجربات و تاثرات سے استفادہ کر سکیں۔

۳۔ نئے تعلیمی سال سے انہیں احمدیہ ہائی سکول میں بطور معلم مقرر کیا جائے گا تاکہ وہ اپنے شاگردوں میں حضرت مجدد کی تعلیمات کو پھیلا سکیں۔

۴۔ ان کے ذمہ سب سے اہم کام احمدیہ تحریک کے نوجوانوں کی تنظیم ہو گا (یعنے شبان الاحمدیہ کا قیام)

علاوہ ازیں آپ کے ارسال کردہ قرآن پاک کے چھ بنڈل موصول ہو گئے جس میں ہر ایک میں دو دو قرآن پاک کے نسخے ہیں۔ اس تحفہ پر آپ کا بہت بہت شکریہ۔ ہم ان کو براہ راست ان احباب میں تقسیم کریں گے جن کو ان کی بے حد ضرورت ہے۔ براہ کرم تمام احباب جماعت کو آداب و تسلیمات عرض کر دیں۔

والسلام

وباللہ التوفیق والہدایۃ

عید سعید کی تقریب پر قارئین
پیغام صلح کی خدمت میں عید مبارک

جالینوس کے قلم سے،

"اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَن"

تین اچھائیاں اور تین بُرائیاں

اسلامی تعلیمات میں معاشرہ کو پاک اور صاف رکھنے کے لئے بار بار نصیحت کی گئی ہے۔ معاشرہ چونکہ افراد سے تعبیر ہے اس لئے جب افراد ہر قسم کی منکرات سے دور رہیں گے تو خود بخود ایک پاکیزہ معاشرہ جنم لے گا جس طرح کسان اپنے کھیت کو صاف رکھنے کے لئے گندی جڑی بوٹیاں اکھاڑ کر باہر پھینک دیتا ہے۔ اور گھر کو صاف رکھنے کے لئے گندگی اور کیڑے مکوڑوں کو دور کرنا ضروری ہے اس طرح ہمیں اپنے گھر ماحول اور ہمیں دیار کو خوبصورت اور حسین بنانے کے لئے برائیوں کو دور کرنا چاہیئے۔ قرآن کریم میں مختلف قسم کی برائیوں کو دور کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس صحبت میں اس مقام کا ذکر کیا جانا مقصود ہے جہاں یہ سبق دیا گیا کہ کن تین چیزوں کو چھوڑ کر کون سی تین چیزوں کو اپناؤ۔

سورہ نحل میں اللہ تعالے نے فرمایا ہے

"یقیناً اللہ تعالے حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا اور ایتاء ذی القربیٰ کا۔ اور منع کرتا ہے فحشاء، منکر اور بغی سے وہ تم کو وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔" (النحل۔ ۹۰)

۱۔ عدل:

سب سے پہلے عدل کے قیام کا حکم دیا گیا ہے جس کے بہت وسیع معنی ہیں۔ اور گھریلو، انفرادی اور معاشرتی زندگی سے لے کر سیاسی امور کی بجاآوری تک ہر جگہ عدل کی ضرورت پائی جاتی ہے۔ اسلام نے جہاں عدالتوں، قاضیوں اور حاکموں کو عدل سے کام لینے کی تلقین کی ہے وہاں ہر انسان کو اعتدال سے زندگی کے تمام امور کی بجاآوری کی طرف توجہ دلائی ہے اور بار بار انصاف اور عدل کی تاکید فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:۔

"یقیناً انصاف کرنے والے خدا تعالے کے قرب میں نور کے منبروں پر ہونگے وہ خدا تعالے کے دائیں ہاتھ ہوں گے وہ لوگ جو عدل سے کام لیں گے اپنے فیصلوں میں، اپنے اہل و عیال کے ساتھ اور جن پر وہ والی بنائے جائیں ان کے ساتھ،"

مومنوں کی اجتماعی زندگی میں عدل و انصاف کی جس قدر ضرورت ہے شاید کسی اور چیز کی نہیں ہے۔ قیام عدل کے لئے ایک مضبوط کردار اور ایک مضبوط اور منصف دل کی ضرورت ہے جو یقیناً ایک مومن کو خدا کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔ کہ مومن قیام عدل میں بلا خوف لامۃ لائم اپنے فیصلے صادر کرتا رہے کہ وہ سوائے خدا کے خوف کے کسی کا خوف اپنے دل میں نہیں رکھتا اور جب وہ اپنے نفس سے عدل کرتا ہے تو وہ ضرور دوسروں کے معاملات میں بھی انصاف کریگا۔ درحقیقت انصاف کا قیام ظلم کا خاتمہ کرتا ہے اور ظلم خدا تعالے کو پسند نہیں۔

ایک حدیث قدسی ہے۔

"اے میرے بندو میں نے ظلم کرنا اپنے نفس پر حرام کر لیا ہے اور تمہارے لئے بھی اسے حرام قرار دیدیا ہے پس تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔"

خدا تعالے نے اس مقام پر ظلم کو اپنے نفس پر حرام کر کے یہ تعلیم دی ہے کہ عدالت کو اپنے گھر سے شروع کرنا چاہیئے پہلے اپنے نفس سے انصاف کرو اس کے بعد دوسروں سے انصاف سے کام لو۔

قرآن کریم میں زبان نبوی سے یوں بیان ہوا ہے:۔

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں اللہ ہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے۔" (الشوریٰ)

جس طرح امور عدالت میں انصاف سے کام لینے کے لئے وان تحکموا بالعدل کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح کسی کا خوف، کسی کی طرفداری کسی کی رعایت، کسی کی طرف جھکاؤ ہر بات سے روکا گیا ہے۔ خواہ کسی قدر قریبی کے متعلق فیصلہ کرنا ہو تو عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ فرمایا ہے:۔

"اور جب تم فیصلہ کرو تو عدل سے کرو خواہ اس میں تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور اللہ تعالے سے کئے ہوئے عہدوں کو نبھاؤ۔" (الانعام)

۲۔ احسان

دوسری چیز جو اجتماعی زندگی کے لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ احسان ہے اور یہ امر کس سے پوشیدہ ہے کہ احسان کرتے رہنے سے اور احسان کرتے چلے جانے سے کس طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتے ہیں۔ احسان کو حدیث شریف میں عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور قرآن کریم میں اسکی یوں تلقین کی گئی ہے "اور تو احسان کر جس طرح اللہ تعالے تجھ پر احسان کرتا ہے۔" (القصص) احسان کرنے والوں کو واللہ یحب المحسنین کے تکرار سے قرآن کریم نے بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ اور یہ امر کس سے پوشیدہ ہے کہ تواتر سے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرتے رہنا ایک بہت ہی پاکیزہ

ماحول پیدا کرتا ہے۔ آپس میں الفت اور محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں یہ جماعت کی تقویت کا باعث ہوتا ہے قرآن کریم نے احسان کرنے کے مقامات بیان فرمائے ہیں۔ مگر اس سے مراد یہی نہیں کہ فقراء اور مساکین کو صدقات دے کر انسان احسان کے معانی پورے کر دیتا ہے۔ احسان کے بہت وسیع معانی ہیں اپنے نفس سے احسان۔ اپنے خاندان سے، اہل وعیال سے اور سب سے بڑھ کر والدین کے ساتھ احسان۔ عمل میں۔ عبادت میں کھانے پینے میں۔ خداتعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کے احکام کے مطابق خرچ کرنے کا نام احسان ہے۔

۳۔ وایتاء ذی القربیٰ

تیسرا امر اقتصادیات سے متعلق ہے اجتماعی تقویت ایتاء ذی القربیٰ کی متقاضی ہے انسان تو ایک محافظ ہے جو نعماء اس کے پاس ہیں یہ خداتعالیٰ کی امانت ہیں اس کو احتیاط سے صحیح طریق پر درست جگہ پر خرچ کرنا ہی اسکی اصل اطاعت ہے۔ ایتاء ذی القربیٰ سے مراد صرف یہی نہیں کہ فقط عزیزوں رشتہ داروں کا خیال رکھو انہیں مقدم رکھا گیا ہے۔ دراصل اس سے اللہ تعالیٰ راہِ خدا میں مالوں کو خرچ کرنے کا سبق دینا چاہتا ہے صدقات اور زکوٰۃ کا بیان بہت طویل ہے۔ اس سے معاشرہ کے افراد کا آپس میں رابطہ بڑھتا ہے اور یہ ذریعہ سب کی تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ اپنے اموال کے لئے چند افراد کو امین بناتا ہے۔ یہ اب ان افراد کی آزمائش ہے کہ وہ اس امانت کو کس طریق سے پوری کرتے ہیں۔

جس طرح انفرادی اور اجتماعی تقویت اور اصلاح کے لئے تین امور کی تعلیم دی گئی ہے اسی طرح اس کے برعکس تین امور سے کنارہ کشی اور دوری کی تعلیم دی گئی ہے۔ جو یہ ہیں۔

۱۔ بے حیائی کی باتیں۔ فحشاء
۲۔ قابل نفرت امور منکرات
۳۔ حد سے تجاوز کرنا بغی

درحقیقت عدل۔ احسان اور ایتاء ذی القربیٰ کے قیام سے یہ تین باتیں خودبخود دور ہو جاتی ہیں۔ جہاں عدل وانصاف کا گذر ہوگا اس کوچہ سے بغاوت خودبخود دور ہو جائے گی۔ اور جب احسان کرنے والوں کو اپنے فرائض کی پہچان ہوگی تو بے حیائی کے امور کا قلع قمع از خود ہو جائے گا۔ اور جب مال والے اپنے مالوں کو اس طرح تقسیم کریں گے کہ ہر کسی کو اسکی ضرورت مہیا ہوگی تو منکرات یعنی چوری۔ ڈاکہ۔ قتل۔ زنا۔ اغوا اور اسی قسم کے اور عیوب وہاں کیسے پیدا ہو سکتے ہیں۔ تین اچھے امور کا قیام تین بری چیزوں کو از خود زائل کر دیتا ہے اور یہ قولِ خداوندی کہ ان الحسنٰت یذھبن السیئات خود اپنے جلوے دکھاتا ہے۔

قرآن کریم کی یہ بلاغت اور حسن کلام ہے کہ ایک تیر سے دو شکار کئے ہیں تین پاکیزہ اور اچھی باتوں کی تعلیم دے کر بتلایا ہے کہ جب تم یہ امور اپنے اندر پیدا کر لوگے تو معاشرہ کے سب سے قابلِ نفرت تین امور خود بخود ہی دور ہو جائیں گے اور دراصل یہ قرآن کریم کی شان ہے وہ حکم دیتا ہے۔ ادفع بالتی ھی احسن بدی کو دور کرنے کے لئے اچھائیوں کو اپناؤ۔ بدی خود بخود ہی تم سے کوسوں دور بھاگ جائے گی۔“ وماباللہ التوفیق

عیدالفطر کے مسائل

۱۔ عیدالفطر کے دن صبح سویرے اٹھ کر غسل کرنا اور صاف کپڑے پہننا اور خوشبو لگا اور نماز عید کو جانے سے پہلے ناشتہ کرنا سنت ہے۔

۲۔ عید کی نماز سے قبل صدقۂ فطر ادا کر دینا چاہیئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ فطرانہ روزہ کے ایام میں بعض کمزوریوں کے سرزد ہونے کی تلافی کے لئے ہے۔ اس طرح غربا اور مساکین کو خرچہ مل جاتا ہے جس سے وہ بھی اپنی عید منا سکتے ہیں۔ گویا ساری قوم کو عید میں شمولیت کا موقع مل جاتا ہے اور مساکین بھی عید کی خوشی سے محروم نہیں رہتے۔

۳۔ نماز عید کو جاتے ہوئے ذکر الٰہی کرتے جانا افضل ہے۔

۴۔ صدقہ عیدالفطر ہر فرد پر واجب ہے عورتوں۔ بچوں اور ملازمین کا صدقہ گھر کے مالک کے ذمہ ہے جو ان کے رزق کی کفالت کرتے ہیں۔

۵۔ عید کی نماز دو رکعت ہوتی ہے۔ اس میں اذان تکبیر و اقامت کوئی نہیں ہوتی۔ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ سے قبل سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ سے قبل پانچ تکبیریں ہیں۔ تکبیروں کے درمیان ہاتھ کھلے چھوڑ دینے چاہئیں

۶۔ نماز عید کے بعد خطبہ مسنون ہے۔ خطبہ کو غور سے سننا اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے

۷۔ عید کے دن آپس میں ملنا جلنا اور ایک دوسرے کو حسب توفیق ہدایہ یا تحائف دینا اور طعام میں شریک کرنا باہمی محبت بڑھانے میں نہایت ہی مستحسن چیز ہے۔

۸۔ چونکہ آجکل اسلام سے بڑھ کر کوئی غریب نہیں اسلئے حضرت اقدس کے زمانے سے احمدی جماعت کے افراد صدقہ عیدالفطر کا اکثر حصہ انجمن کے بیت المال میں جمع کراتے ہیں۔ احباب کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اور نماز عید سے قبل صدقہ ادا کرنا چاہیئے۔

۹۔ صدقۂ عیدالفطر کے علاوہ حضرت اقدس کے حکم سے ایک روپیہ عید فنڈ بھی مقرر ہے جبکہ عید کے دن بچوں اور عزیزوں کو عیدی اور تحائف دیئے جاتے ہیں اسی طرح اس خوشی کے موقعہ پر اسلام کا بھی کچھ حصہ اور حق ہے۔ لہٰذا احباب اس طرف بھی خاص توجہ فرمائیں۔

۱۰۔ مرکزی احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام نے فی کس ۵ روپے فطرانہ مقرر کیا ہے۔

دینی تربیتی کورس ۸۳ء کی تاریخ انعقاد میں تبدیلی

مجوزہ دینی تربیتی کورس ۲۳ جولائی ۸۳ء کی بجائے ۳۰ جولائی سے شروع ہوگا۔ اور ۱۲۔ اگست ۸۳ء کو ختم ہوگا۔ شرکاء سے درخواست ہے کہ وہ ۲۹ جولائی کی صبح تک دارالسلام پہنچ جائیں۔

(جنرل سیکرٹری)

تحریک احمدیت ایک غیر احمدی کی نظر میں

احمدیت کیا ہے؟ اور مسلمان اس سے خائف کیوں ہیں

اس سوال کے جواب میں کہ احمدیت کیا ہے؟ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کیا ہے۔ جب ہم اسلام کو سمجھ لیں گے تو اس بات کا فیصلہ آسان ہو جائے گا کہ آیا احمدیت اسلام ہی کی ایک شاخ ہے یا اسلام سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اسلام جہاں تک میں سمجھتا ہوں چند پاک اصولوں اور عمدہ تلقینات کا نام ہے جن کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ الف۔ عقائد:

خدائے واحد و یگانہ کی عبادت اور تمام ماسوائے اللہ معبودوں سے بغاوت اور بیزاری۔

۲۔ تمام ماورائے محسوسات حقائق کا اعتراف

۳۔ دنیا کے تمام بانیان مذاہب کی (جو وقتاً فوقتاً خدائے بزرگ و برتر کے حکم سے خلق اللہ کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوتے رہے اور ان پر جو کتابیں اور صحائف نازل ہوتے رہے) تصدیق۔

۴۔ اس دنیاوی زندگی کے بعد دوسری زندگی کا اعتقاد جہاں اعمال کے نتائج سے دوچار ہونا پڑے گا۔

ب: عبادات۔

۱۔ نماز (۲) روزہ (۳) زکوٰۃ (۴) حج وغیرہ

ج۔ خوش اخلاقی

د۔ حسن معاملت

اب دیکھنا یہ ہے کہ احمدیت نے ان پاک تلقینات میں کچھ تبدیلی کی ہے یا ان اصولوں کو مجسم دیکھنے کے لئے ایک سچے احمدی کو دیکھ لینا ہی کافی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب ہر ایک دفعہ پر ایک احمدی اور غیر احمدی کا موازنہ کیا جائے۔

احمدی کی مذہبی زندگی

ایک سچے احمدی کی زندگی کا اگر آپ بغور مطالعہ فرمائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنی تمام حاجات اور مرادوں کو دربارِ الٰہی میں عاجزانہ پیش کرتا ہے اور اُمید و بیم کا تعلق صرف اسی ایک وجود سے وابستہ سمجھتا ہے۔ جو تمام جہانوں کا پالنے والا اور تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور تمام جہانوں کی حاجتوں کا کفیل اور مربی ہے۔ وہ عبادت کرتا ہے تو اسی کی اور مدد چاہتا ہے تو اسی سے۔ گویا اس کا وجود ایّاک نعبد وایّاک نستعین کی عملی تفسیر ہے اور کسی ماسوی اللہ ہستی سے دل کے لگاؤ کو وہ شرک اکبر سمجھتا ہے۔

ملائکۃ الرحمٰن اور احمدی:۔ ملائکۃ الرحمٰن کے وجود کا احمدی کو صرف قائل ہی نہ پاؤ گے بلکہ اسے ان سے تائید حاصل کرتا ہوا دیکھو گے۔

تمام بانیانِ مذاہب اور احمدی

دنیا کے تمام بانیان مذاہب کی سچی تعظیم اور عقیدت موجودہ زمانہ میں صرف ایک احمدی ہی میں آپ پائیں گے ورنہ دوسرے لوگ تو علیحدہ علیحدہ گروہ بندیوں اور جماعتوں میں بٹ کر اپنے اپنے رہبروں کے سوا دوسروں کی تحقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر ان کو اپنے رہبروں ہی کے اقوال و اعمال پر ان کو چلنے کی توفیق ہوتی تو یہ تفریق کبھی کی مٹ چکی ہوتی۔

یوم آخر اور احمدی

دوسری زندگی کا اعتقاد اور جزا و سزا کو اعمال کا قدرتی نتیجہ سمجھنا بھی جس حد تک ایک احمدی کے وجود میں نمایاں دیکھو گے ویسا تمہیں کہیں نظر نہ آئیگا۔

عبادات۔ اخلاق۔ معاملات

عبادات کی واقعی طور پر ادائیگی۔ خوش اخلاقی اور حسنِ معاملات تو گویا احمدیوں کا امتیازی وصف ہے۔

(پیغام صلح ۳ ستمبر ۱۹۳۳ء)

باہتمام الحمیدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد:- ۷۰ | یوم چہار شنبہ ۲ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۸۳ء | شمارہ ۲۸

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

حقیقی مکرمت اور عظمت کا باعث فقط تقویٰ ہے

میں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو چھوٹا یا بڑا سمجھیں

ہماری جماعت کل دنیوی غموں سے بڑھ کر یہ غم اپنی جان پر لگائیں کہ ان میں تقویٰ ہے یا نہیں۔ اہل تقویٰ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اپنی زندگی غربت اور مسکینی میں بسر کرے یہ تقویٰ کی ایک شاخ ہے جس کے ذریعہ سے ہمیں ناجائز غضب کا مقابلہ کرنا ہے ، بڑے بڑے عارف اور صدیقوں کے لئے آخری اور کڑی منزل غضب سے بچنا ہی ہے۔ عجب و پندار غضب سے پیدا ہوتا ہے اور ایسا ہی کبھی خود غضب پندار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ غضب اس وقت ہوگا جب انسان اپنے نفس کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے میں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو بڑا یا چھوٹا سمجھیں یا ایک دوسرے پر تکبر کریں یا نظر استخفاف سے دیکھیں۔ خدا جانتا ہے کہ بڑا کون ہے یا چھوٹا کون ہے۔ یہ ایک قسم کی تحقیر ہے جس کے اندر حقارت ہے ڈر ہے کہ یہ حقارت بیج کی طرح بڑھے اور اسکی ہلاکت کا باعث ہو جاوے بعض آدمی بڑوں کو مل کر بڑے ادب سے پیش آتے ہیں لیکن بڑا وہ ہے جو مسکین کی بات کو مسکینی سے سنے اسکی دلجوئی کرے اس کی بات کی عزت کرے۔ کوئی چڑ کی بات منہ پر نہ لاوے کہ جس سے دکھ پہنچے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون (س ۲۶) تم ایک دوسرے کے چڑ کے نام نہ ڈالو۔ یہ فعل فساق و فجار کا ہے جو شخص کسی کو چڑاتا ہے وہ نہ مرے گا جب تک وہ خود اس میں مبتلا نہ ہوگا۔ اپنے بھائیوں کو حقیر نہ سمجھو جب ایک ہی چشمہ سے کل پانی پیتے ہو تو کون جانتا ہے کہ کس کی قسمت میں زیادہ پانی پینا ہے مکرم و معظم کوئی دنیاوی اصولوں سے نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر

(س: ۲۶) یہ جو مختلف ذاتیں ہیں۔ یہ کوئی وجہ شرافت نہیں۔ خدا تعالیٰ نے محض عرف کے لئے یہ ذاتیں بنائیں اور آج کل تو صرف بعد چار پشتوں کے حقیقی پتہ لگانا ہی مشکل ہے متقی کی شان نہیں کہ ذاتوں کے جھگڑے میں پڑے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ میرے نزدیک ذات کوئی سند نہیں حقیقی مکرمت اور عظمت کا باعث فقط تقویٰ ہے۔ خدا کے کلام سے پایا جاتا ہے کہ متقی وہ ہوتے ہیں جو حلیمی اور مسکینی سے چلتے ہیں۔ وہ مغرورانہ گفتگو نہیں کرتے ان کی گفتگو ایسی ہوتی ہے جیسے چھوٹا بڑے سے گفتگو کرے۔ ہم کو ہر حال میں وہ کرنا چاہیئے جس سے ہماری فلاح ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی کا اجارہ دار نہیں۔ وہ خالص تقویٰ کو چاہتا ہے۔ جو تقویٰ کرے گا وہ مقام اعلیٰ کو پہنچے گا۔

(ملفوظات احمدیہ)

تمہارا مرتبہ گردونِ گرداں سے بھی عالی تھا

بہت دُنیا میں غافل اور ہم نے بے خبر دیکھے
تمہیں ہیں محو حیرت دیکھ کر سب دیکھنے والے
مُسلمانوں کے اِک اِک گُرز سے البرز لرزاں تھا
نشاں کچھ کچھ ملے گا قرنِ اوّل کی شجاعت کا
بہا کرتا تھا ٹیکس جنگی تلواروں کے سایہ میں

نہ ایسے بے خبر غافل کہیں ہم نے مگر دیکھے
کوئی دیکھے تو کیا دیکھے کیسے دیکھے کدھر دیکھے
پدر وہ تھے کوئی آ کر یہ اب ان کے پسر دیکھے
کوئی ہسپانیہ جائے کوئی جبرالٹر دیکھے
مراکش میں کوئی ان کا ذرا حالِ بتر دیکھے

گئے وہ دن کہ رازی تم میں اور کوئی غزالی تھا
تمہارا مرتبہ گردونِ گرداں سے بھی عالی تھا

تمہارے نام سے لرزاں کبھی فغفور و قیصر تھے
حکومت گورے کالوں پر نہیں کرتے تھے بے کھٹکے
تمہارے ہی جہازوں نے کھنگالا بحرِ کاہل کو
پلٹ جاتی تھی صف کی صف تمہارے اک اشارے سے
غلاموں میں تمہارے ناصر الدین شہاب الدین ،
تمہیں میں سہروردی اور معین الدین چشتی تھے

تمہیں وہ ہو کہ خالد اور تم میں ابن ازدرؓ تھے
تمہیں وہ ہو کہ قبضہ میں تمہارے بحر و بر تھے
تمہاری حکمرانی میں کبھی ساتوں سمندر تھے
تمہاری سحر گفتاری کے چرچے کیسے گھر گھر تھے
تمہارے نوکروں میں طغرل و موسےٰ و سنجر تھے
تمہیں میں شیخ جیلانی تمہیں میں شیخ اکبر تھے

تمہیں کچھ شرم آنی چاہیئے اس اپنی حالت پر
نظر ڈالو جھکا کر سر کو اپنے عقد ہمت پر

دلوں میں زندگی ہے اور نہ وہ سوزِ نہانی ہے،
رذائل سے نہیں بچتے گرتے جاتے ہو پستی میں
زباں سے بات وہ کہنی کہ فتنے جس سے برپا ہوں
جو بیٹھے تو رہے روٹھے جو اُٹھے تو خفا اُٹھے
دلوں پر کیا اثر ہو گا بھلا ان سننے والوں کے
کہے دیتے ہم سب سے جسے سننا ہو وہ سُن لے

تعجب ہے تاسف ہے، کہ یہ کیا زندگانی ہے،
ذرا معلوم تو ہو دل میں کیا اب تم نے ٹھانی ہے،
لگا دو تم نہ جس میں آگ وہ بھی کوئی پانی ہے،
کمالاتِ نہانی کی تمہارے یہ نشانی ہے،
ہمارا دردِ دل جن کے لئے قصہ کہانی ہے،
حباب آب کی مانند یہ عہد جوانی ہے،

جو کل کرنا ہے اب کر لو کہ مہلت پھر نہیں باقی
نہ کل یہ آسماں ہو گا نہ ہو گی یہ زمیں باقی

تمہاری سب کی غفلت سے ہے یہ سب ذلّت و خواری
شجاعت مومنوں کی سی تو اب تم میں نہیں باقی
خداوند دو عالم کی عبادت میں تو ہو کاہل
پیاسا ہے برادر تم میں اب خونِ برادر کا
نہیں عہد وفا کی قدر و قیمت تم میں اب باقی
مسلمانوں کو دعوے ہیں بہت ہم بھی ذرا دیکھیں

جہالت سے تمہاری کرکری شیخی ہوئی ساری
مگر اک چیز ہے یعنی درندوں کی سی خونخواری
مگر شام و سحر ہے، مال و دولت کی پرستاری
نظر آتی نہیں احباب میں رسمِ وفاداری
نہ یاروں میں رہی یاری نہ غمخواروں میں غمخواری
کہاں ہے پاس اسلامی کہاں ہے شانِ دینداری

نہ دیجیئے اب طول اکبر شاہ خاں اس قصۂ غم کو
سنیں گے پھر اگر فرصت میسّر ہو گئی ہم کو

روزہ انسان کے اندر تقویٰ پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے

خطبات جمعہ مورخہ ۱۷۔ ۲۴ جون ۱۹۸۳ء فرمودہ سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بمقام دارالسعید۔ جیل روڈ ایبٹ آباد

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دو خطبات جمعہ جو رمضان المبارک کے مضمون پر مشتمل ہیں ایبٹ آباد سے ایسے وقت میں موصول ہوئے جبکہ رمضان المبارک کا آخری پرچہ پیغام صلح پریس میں جاچکا تھا۔ اس لئے دونوں خطبات کو زیر نظر اشاعت میں شائع کیا جارہا ہے تاکہ مضمون کا تسلسل قائم رہے اور قارئین کرام کے لئے آسانی کا موجب ہو۔ (ادارہ)

مورخہ ۱۷ جون ۱۹۸۳ء

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ البقرۃ کی آیات یاایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصّیام ۔۔۔۔۔ لعلھم یرشدون (۱۸۳ تا ۱۸۶) کی تلاوت کی اور آیات ۱۸۳، اور ۱۸۴ کا ترجمہ اور تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سورۃ البقرہ کے ۲۳ ویں رکوع کی آیات ہیں جو میں نے تلاوت کی ہیں جن میں روزے کے احکام حکمت غرض و غایت اور اس کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے اور قرآن کریم کا یہی رکوع ہے جس میں روزے کا مکمل ذکر ہوا ہے۔ روزے کی تہہ میں جو حکمت پوشیدہ ہے اس کے متعلق ایک ہی خطبے میں سب کچھ بیان کر دینا ممکن نہیں اس لئے میں پہلی دو آیات ۱۸۳ تا ۱۸۴ کے متعلق ہی آج کچھ بیان کروں گا تاکہ جو بچے اور نوجوان آج میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں وہ پورے طور پر یہ ذہن نشین کرلیں کہ روزہ کیا ہے یہ کیوں فرض کیا گیا اور یہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔

پہلی آیت جو میں نے تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے روزے ضروری ٹھہرائے گئے ہیں یعنی فرض کئے گئے ہیں جیسے کہ ان لوگوں کے لئے ضروری ٹھہرائے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بنو۔

اس آیت میں ہماری توجّہ کے لئے دو اہم باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ روزے صرف ہمارے لئے ہی فرض نہیں کئے گئے بلکہ ہم سے پہلے بھی جتنی قومیں گذر چکی ہیں ان کے لئے بھی یہ ضروری ٹھہرائے گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ساری قوموں کے لئے سرچشمۂ ہدایت صرف اللہ تعالےٰ ہی ہے اس لئے اس نے ہر قوم کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ہر بستی اور ہر ملک میں اپنے اپنے وقت پر اپنے احکام دے کر اپنے نبی اور رسول بھیجے۔ انہی احکام میں سے ایک حکم روزے کا بھی تھا۔ ہر قوم اپنے اپنے وقت میں اس حکم پر باقاعدہ عمل کرتی رہی ہے لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا ان قوموں پر نازل ہونے والی کتابیں یا تو بالکل گم ہوگئیں یا ان کی تعلیم انسانوں کے ہاتھوں ردّ و بدل کی وجہ سے اپنی اصلی شکل و صورت میں قائم نہ رہی جس کی وجہ سے بعض قوموں نے یا تو روزہ بالکل ترک کر دیا اور یا آسانی کے لئے اس کی تعداد اور وقت کم کر دیا۔ آخرکار اللہ تعالےٰ نے حضور نبی کریم صلعم کے ذریعے روزے کے حکم کو اس کی اصلی صورت میں پھر سے زندہ کیا اور چونکہ قرآن کریم ہمیشہ رہنے والی کتاب ہے اور اسلام ہمیشہ رہنے والا دین ہے اس لئے اس حکم پر آج چودہ سو سال سے ویسا ہی عمل ہوتا رہا ہے جیسا کہ حضور صلعم نے اپنے صحابہ رضہ کے سامنے خود کر کے دکھایا اور ان سے نسلاً بعد نسلٍ ہم تک پہنچا ہے اور اسی طرح یہ عمل قیامت تک جاری رہے گا۔

دوسری بات جو اس آیت کے آخری الفاظ میں فرمائی گئی ہے یہ ہے کہ روزے کا مقصد تمہارے اندر تقویٰ پیدا کرنا ہے جن لوگوں نے قرآن کریم با ترجمہ پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس لفظ تقویٰ کا ذکر قرآن کریم میں بار بار آتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقویٰ کا انسان کی زندگی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے اور اس میں کوئی بڑی باریک حکمت پوشیدہ ہے۔ اس حکمت کو جاننے کے لئے حضور صلعم سے ایک دفعہ آپ کے صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ تقویٰ کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے اس سے سوال کیا تم جنگل کی خار دار جھاڑیوں سے کبھی گذرے ہو؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں۔ اس کے بعد آپ نے ان سے پوچھا۔ ان میں سے گذرتے وقت تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں اپنے کپڑے اچھی طرح سمیٹ لیتا ہوں تاکہ کانٹوں میں اُلجھ کر پھٹ نہ جائیں۔ حضورؐ نے فرمایا اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ دنیا کی زندگی بھی ایک خار دار جھاڑیوں والے جنگل کی طرح ہے اس میں سے بڑی احتیاط کے ساتھ گذرنے کی ضرورت ہے تاکہ گناہ کے کانٹوں سے ہمارے تقویٰ کا لباس پھٹ کر تار تار نہ ہو جائے اور ہم اس طرح اپنے خدا کو جس نے ہمیں گناہوں سے بچ کر پاک زندگی بسر کرنے کی نصیحت فرمائی ہے ناراض نہ کرلیں۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ کسی انسان میں اسوقت تک تقویٰ پیدا نہیں ہوتا جب تک وہ ان چیزوں سے بچنے کے لئے جن میں برائی ہے بعض ان چیزوں کو بھی چھوڑ نہ دے جن میں برائی نہیں۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صبح سے شام تک حلال اور جائز چیزوں کا کھانا پینا بھی ترک کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے روزہ انسان کے اندر تقوےٰ پیدا کرنے کا بہت بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے اور یہی اس کی اصل غرض ہے۔

روزے میں ہم صبح سے شام تک بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں آخر اس کا کیا فائدہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حیوانوں کی طرح انسانوں میں بھی بعض سفلی خواہشات پائی جاتی ہیں جنہیں پورا کرنے کے لئے انسان کا نفس اسے اکساتا

رہتا ہے اگر انسان ان خواہشات کے تابع ہو جائے تو وہ حیوانیت کی سطح سے بلند ہو کر اخلاقی اور روحانی سطح پر نہیں پہنچ سکتا۔ جو درحقیقت اس کی پیدائش کی اصل غرض ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جانوروں کو سدھانے کے لئے انہیں بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے مالک کے اشاروں پر چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ انسان کا نفس بھی ایک حیوان ہے اسے قابو میں رکھنے اور اپنے اشاروں پر چلانے کے لئے بھوکا اور پیاسا رہنا ضروری ہے۔ اس سے انسان کے حیوانی جذبات اور جوشوں میں کمی واقع ہوتی ہے۔ انسان کا نفس کمزور ہو جاتا ہے۔ اسکی یہ کمزوری انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی کا موجب ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ مجددین اور صالحین ہمیشہ کم کھاتے اور روزے رکھتے رہے ہیں تاکہ ان کا نفس قابو میں رہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا یہ بڑا کارگر ذریعہ ہے۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا ہے اس میں اپنی روح پھونکی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان ایک بنیادی تعلق ابتداء سے ہی قائم ہو گیا ہے۔ اس تعلق کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کے لئے جن ذرائع کی ضرورت ہے وہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بڑی تفصیل سے بیان فرما دیئے ہیں۔ انہیں استعمال کر کے انسان اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو کر اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے اخلاق پیدا کر سکتا ہے۔ انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کہ میں نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور پھر فرمایا صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ اللہ کا رنگ اختیار کرو کیونکہ اللہ کے رنگ سے بہتر کوئی رنگ نہیں یعنی جب انسان اللہ کی عبادت کرے گا تو اس میں اللہ کا رنگ پیدا ہو جائے گا۔ اور تخلقوا باخلاق اللہ کے مطابق یہ رنگ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات پیدا کرنے کا موجب بن جائیگا تب جا کر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھونکی ہوئی روح اپنے بلندترین روحانی مقام کو حاصل کر لے گی اور اللہ تعالیٰ سے اس کا رشتہ اتنا مضبوط ہو گا کہ اس کے منقطع ہونے کا امکان باقی نہ رہے گا۔ اور اسے اس تعلق کی بنا پر وہ سرور اور لذت حاصل ہو گی جس کے لئے وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو گا۔

اس میں شک نہیں کہ روزہ بڑی پُرمشقت عبادت ہے۔ یہ ایک ماہ کا بڑا سخت مجاہدہ ہے۔ بھوک ستاتی ہے۔ پیاس لگتی ہے جسم میں کمزوری واقع ہوتی ہے لیکن روزہ دار یہ سب تکلیفیں اس لئے برداشت کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ وہ چھپ کر بھی جہاں اسے سوائے خدا کے کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا نہ روٹی کھاتا ہے اور نہ پانی پیتا ہے صرف اس لئے کہ خدا خوش ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ وہ اپنا کھانا پینا اور دوسری خواہشات صرف میری خاطر چھوڑتا ہے اس لئے اس کا روزہ صرف میرے لئے ہے میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اور نیکی کا بدلہ اس کا دس گنا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر روزہ اپنی تمام لوازمات اور رعایات کے ساتھ رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اس کی کتنی محبوب عبادت ہے جو اس کا قرب عطا کرتی ہے لیکن اگر محض کھانا پینا ترک کر دیا جائے اور اپنے تمام اعضاء کو ہر قسم کی برائی سے روکا نہ جائے تو اللہ تعالیٰ کو کسی کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔ روزے سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا یہ انسان کے اپنے ہی فائدہ کے لئے ہے۔

اس سے اگلی آیت ۱۸۴ ایاما معدودات ۔۔۔ ان کنتم تعلمون میں روزے کے چند احکام کا ذکر ہے کہ گنتی کے چند دن ہیں لیکن اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے مگر جب وہ تندرست ہو جائے یا سفر سے واپس آجائے تو جتنے دن اس نے روزہ نہیں رکھا اتنے دن رمضان کے بعد روزہ رکھ لے۔ اس کے علاوہ جو لوگ معذور ہوں اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں جیسے دائمی مریض یا بہت کمزور اور ضعیف انسان تو وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں لیکن جو تکلیف اٹھا کر نیکی کرتا ہے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ آخر میں فرمایا ہے کہ باوجود ان رعایات کے روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم اس کی حقیقت سے باخبر ہو۔

اپنی بیماری اور سفر کا اندازہ ہر کوئی خود کر سکتا ہے کہ آیا وہ روزہ رکھ سکے گا یا نہیں بیمار انسان اپنے طبیب سے اس بارے میں مشورہ لے سکتا ہے کہ آیا روزہ رکھنے سے اس کی بیماری بڑھ جانے کا خطرہ تو نہیں ہو گا۔ معمولی معمولی عذر تلاش کر کے روزہ نہ رکھنا اچھا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی نیت اور ارادے سے خوب واقف ہے وہ انسان کے مخفی حالات کو بھی جانتا ہے اس سے کسی کا ظاہر اور باطن پوشیدہ نہیں انسان کے لئے بہتری روزہ رکھنے میں ہی ہے کیونکہ اس انسان کے لئے بڑے بڑے روحانی اور جسمانی فوائد ہیں۔ روزہ بہت سی بیماریوں کا علاج بھی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہمارے اندر تقویٰ پیدا ہو جو اس کی غرض ہے اور اس کے ذریعے ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔

(جمعہ ۲۴/۶/۸۳)

اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے آیات ۱۸۵ اور ۱۸۶ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ۔۔۔ لعلھم یرشدون کی دوبارہ تلاوت فرمائی اور ان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ پچھلے خطبہ میں میں نے روزے کے احکامات۔ اسکی حکمت اور غرض اور تقویٰ کے متعلق بیان کیا تھا۔ آج جو آیات میں نے پڑھی ہیں ان میں سے پہلی آیت میں رمضان کی ایک بہت بڑی برکت اور خصوصیت کا ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مبارک مہینے میں قرآن نازل ہوا ہے۔ جس میں لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ اور اس ہدایت کے لئے دلائل بھی موجود ہیں۔ یہ حق اور باطل میں فرق کر کے بھی دکھانے والا ہے۔ یہ تین باتیں قرآن کے متعلق اس آیت میں بیان ہوئی ہیں۔

۱۔ ھدی للناس لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ یہ صرف ان لوگوں کے لئے ہی ہدایت نہیں تھا جن کے سامنے یہ آنحضرتؐ پر نازل ہوا بلکہ یہ ہر ملک، ہر قوم اور قیامت تک ہر زمانے کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہو گا۔

یہ ہدایت کیا ہے؟ یہ وہی ہدایت ہے جس کا ذکر سورۃ فاتحہ میں ان الفاظ میں ہوا ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ تو ہمیں سیدھے رستے پر چلا۔ وہ راستہ جس پر تیرے نبی چلتے رہے تیرے

شہید چلتے رہے جنہوں نے اپنی جانیں اور مال تیری راہ میں قربان کر کے تیرے وجود پر شہادت دیدی۔ ان صدیقوں کی راہ پر چلا جنھوں نے تجھے پالیا اور ان صالحین کے رستے پر چلا جن کی زندگیاں پاک اور صاف ستھری تھیں اور یہی وہ سب لوگ ہیں جو تیری بتائی ہوئی سیدھی راہ پر چل کر تیری جناب سے انعامات کے مستحق ہوئے۔ سورۃ البقرہ کے شروع میں قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدًی للمتقین" یہ وہ کتاب ہے جو ہر قسم کے شک شبہ سے پاک ہے اور متقیوں کے لئے ہدایت کا کام دیتی ہے۔ روزہ کا مقصد بھی انسان کے اندر تقوٰی پیدا کرنا اور اُسے متقی بنانا ہے۔ اس لئے اس سے وہی فائدہ اٹھا سکے گا جو اپنے اندر تقوای پیدا کریگا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی فطرت میں ہدایت رکھدی ہے " ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی۔ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کے اندر ہدایت رکھدی ہے۔ یہ ہدایت جمادات۔ نباتات اور حیوانات میں موجود ہے۔ جس کی بدولت ہر چیز اپنی زندگی کا مقصد پورا کر رہی ہے۔ اس کی فطرت میں جو کچھ رکھ دیا گیا ہے وہ اس سے ذرا ادھر ادھر نہیں ہو سکتی۔ جمادات میں یہ بظاہر نظر نہیں آتا۔ لیکن ایک پتھر کا ٹکڑا بھی جن ذرات سے مرکب ہے وہ بھی اس مقصد کو پورا کر رہے ہیں۔ اگر وہ اس راستہ سے ہٹ جائیں تو تباہی مچ سکتی ہے۔ سائنسدانوں نے ان ذرات کے اندر بے پناہ قوت کی موجودگی کا انکشاف کیا ہے ایک ذرہ بھی ٹوٹ جائے تو یہ قوت خارج ہو کر بربادی کا موجب بن جائے لیکن یہ اپنی ہدایت سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتے۔

انسان اللہ تعالیٰ کی ایک بہترین مخلوق ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ و نفخ فیہ من روحہ اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ یہ کتنا بلند مقام ہے انسان کا لیکن وہ اسے نہیں پہچانتا۔ اللہ تعالیٰ کی روح کا امین بھٹک جاتا ہے حالانکہ بھٹکنے سے بچانے کے لئے اُسے کان۔ آنکھیں۔ دل اور دماغ دیا ہے اس کے اندر بے شمار قوتیں اور استعدادیں رکھ دی ہیں جن سے کام لے کر وہ اپنی پیدائش کی غرض و غایت کا علم حاصل کر کے اُسے پورا کرنے کے لئے کوشش کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی ان تمام عنایات کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لئے انبیاء اور اُن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی نازل ہونے والی کتابوں کی صورت میں خارجی اسباب بھی پیدا کئے۔ یہ سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور ان کے بعد ہر بستی۔ ہر ملک اور ہر قوم میں نبی اور رسول آئے تاکہ اپنی قوم کو اس ہدایت کی راہ پر قائم کریں۔ اور اپنی مثال سے اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑیں جو انسان کی تخلیق کی اصلی غرض ہے۔ یہ سلسلہ رشد و ہدایت آنحضرتؐ پر ختم ہوا۔ آپ پر یہ مکمل کتاب قرآن کریم کی صورت میں نازل ہوئی۔ چونکہ اس کی تعلیم نے تا قیامت رہنا ہے اس لئے اسے اللہ تعالیٰ نے ردّ و بدل سے محفوظ رکھا ہے۔ دوسری بات جو اس کے متعلق فرمائی گئی ہے وہ ہے:۔

۲۔ بینٰت من الھدٰی۔ اس میں انسان کی ہدایت کے لئے جو باتیں اور اصول بیان کئے گئے ہیں ان کے لئے ٹھوس دلائل بھی دیئے گئے ہیں اور یہ دلائل ایسے ہیں جنہیں انسان کی فطرت قبول کرتی ہے۔ یہ ایسے واضح ہیں کہ ایک معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی انہیں سمجھ سکتا اور قبول کر سکتا ہے۔

" ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر"

ہم نے قرآن کو لوگوں کی نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے۔ کیا کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔

قرآن کریم کی اس خصوصیت کو اس زمانے میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صد چہاردہم نے دنیا کے سامنے ثابت کر کے دکھایا۔ عیسائیوں۔ آریوں اور دُوسرے غیر مذاہب کے نمائندوں کو چیلنج کیا کہ تم اپنے مذہب کی سچائی ثابت کرنے کے لئے اپنی کتابوں سے دلائل دو اور میں اسلام کی صداقت پر قرآن کریم سے دلائل دوں گا۔ جلسہ مذاہب میں آپ نے تمام سوالوں کا جواب قرآن کریم کی تعلیم کے حوالے سے دیا اور آپ کا یہ مضمون دیگر مذاہب کے نمائندوں کی طرف سے پیش کردہ مضامین سے بالا رہا۔ اس جلسہ کے منصفین نے خود اس کے بالا رہنے کو تسلیم کیا اور اخبارات نے اس پر انہی الفاظ میں تبصرہ کیا کہ مرزا صاحب کا مضمون بالا رہا۔ اس سے اسلام اور قرآن کی صداقت دنیا پر ظاہر ہو گئی اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔

۳۔ تیسری بات جو اس آیت میں قرآن کریم کے متعلق بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ فرقان ہے۔ یہ حق اور باطل میں فرق کر کے بتلاتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے جن باتوں پر چلنے کا حکم دیا ہے ان پر انسان عمل کر کے ان کا پھل پاتا ہے نیکی میں جو حلاوت اور لطف ہے اس کا ذکر پہلے سے کر دیتا ہے تاکہ انسان بدی سے بچ جائے۔

قرآن کریم کے اندر وہ تمام سچائیاں موجود ہیں جو پہلے صحیفوں میں موجود تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں ان تمام غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ ان میں پیدا ہو گئیں تاکہ مسلمان غلط راہ پر پڑنے سے بچ جائیں۔ لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا مسلمان بھی قرآن سے دور ہوتے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن کی تعلیم کی طرف بلانے کے لئے مجددین کا سلسلہ قائم کیا جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں مسلمانوں کے لئے رہنمائی کا فریضہ انجام دیا لیکن چودھویں صدی میں حضرت مرزا صاحب نے جس طرح قرآن کریم کو پیش کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کا ذکر میں پہلے کر آیا ہوں۔

دُوسری آیت وا ذا سالک عبادی عنی فانی قریب ... لعلھم یرشدون جو میں نے پڑھی ہے اس کا ترجمہ ہے کہ جب میرے بندے میرے متعلق تجھ سے پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کو جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں پس چاہیئے کہ میری فرمانبرداری کریں اور چاہیئے کہ مجھ پر ایمان لائیں تاکہ ہدایت پائیں۔

روزے کی تمام تفصیلات اور احکام کے درمیان قرب الٰہی اور دعا کی قبولیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام انبیاء اور آسمانی صحیفوں کا واحد مقصد ہی یہ تھا کہ وہ انسانوں کو خدا کے سامنے جھکائیں اور اس کا قرب حاصل کرنے کی راہیں ان کو بتائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ جو لوگ ہمیں پانے کیلئے

جدوجہد کرتے ہیں۔ ہم انہیں اپنے قرب کی راہیں بتا دیتے ہیں۔ یہی وہ سیدھی راہ یا صراطِ مستقیم ہے جس پر چلنے کے لئے ہمیں سورۃ فاتحہ میں دعا سکھائی گئی ہے کیونکہ ان ربی علی صراط مستقیم۔ میرا رب ہمیں اسی سیدھی راہ پر ملے گا۔ فاما الذین اٰمنوا باللّٰہ واعتصموا بہ فسید خلھم فی رحمۃ منہ وفضل ویھدیھم الیہ صراطا مستقیما۔

پس جو لوگ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور اس کے ساتھ مضبوطی سے تعلق قائم کرتے ہیں انہیں وہ اپنی رحمت اور فضل کے سایہ میں لے لیتا ہے اور اللہ ان کی سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اسی راہ کے متعلق حضور نبی کریمؐ کی زبانِ مبارک سے یہ اللہ تعالےٰ نے کہلوایا ہے کہ "ھذہٖ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی یہی میرا رستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے اللہ کو اپنی بصیرت کی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اور انہوں نے بھی دیکھ لیا ہے جو میری پیروی کرتے ہیں؛ ہر زمانے میں ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں جنہوں نے خود خدا کو دیکھا اور دوسروں کو دکھایا۔ ہمارا یہ زمانہ دہریت اور مادہ پرستی کا زمانہ ہے۔ ایمان کا دعویٰ کرنے والے بھی مادہ پرست ہیں۔ یہ سارا فساد اور فتنہ جدید سائنس کا پیدا کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ان کا بھی ایمان نہیں جو اٹھتے بیٹھتے خدا کا نام لیتے ہیں کیونکہ ان کے اعمال ان کے قول کے مطابق نہیں اس مادہ پرستی اور دہریت کے دور میں حضرت صاحب نے خدا کی ہستی پر اپنے وجود کو بطور دلیل پیش کیا اور اعلان کیا کہ جو خدا کو دیکھنا چاہتا ہے وہ قادیان میں میرے پاس آکر رہے اگر اسے کوئی نشان نظر نہ آئے تو میں اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کے ہاتھوں پر ہزاروں نشان ظاہر ہوئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر قطعی دلیل ہیں۔ یہ آنحضرتؐ کی کامل پیروی کا ثمر ہے اور قرآن سے عشق کا پھل۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے قرب کا ثبوت یہ دیا ہے کہ جب میرا بندہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں اس کی دعاؤں کو قبول کرتا ہوں۔ اس کی مشکلات اور مصائب کو دور کرتا ہوں لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب میرا بندہ میری بات بھی سنے اور میرے احکام پر وفاداری کے ساتھ چلے تب ہی وہ اس مقام کو پا سکے گا۔ روزے کے ساتھ اس کے ذکر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربِ الٰہی اور دعا کا مضمون روزے کے ساتھ گہری مناسبت رکھتا ہے۔ اس سے روح کو پاکیزگی اور جلا ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے مامور وقت کے ذریعے قرآن کریم ہمارے ہاتھوں میں دیا اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لئے تقویٰ کی راہیں ہمیں دکھائیں اور اپنی بعثت کی غرض ہی یہ بتائی کہ میں متقی انسانوں کی جماعت قائم کرنے کے لئے آیا ہوں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم قرآن کریم کو سمجھ کر ترجمہ کے ساتھ پڑھیں۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں جن باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل کریں اور جن سے روکا ہے ان سے رک جائیں اور اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کریں۔ رمضان کا مبارک مہینہ ہمیں یہ موقع فراہم کرتا ہے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ ورنہ محض بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اور روزے کا جو اصل مقصد ہے وہ پورا نہ ہو سکے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم روزے کا حق ادا کر سکیں۔ اپنے اندر تقویٰ پیدا کریں اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی کوشش کریں۔

* * *

(مولانا محمد علیؒ)

حضرت امیر مرحوم کا پیغام — نوجوانانِ قوم کے نام

میں ایک بات اپنے نوجوان دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ لوگ احمدی قوم کی روایات کو زندہ رکھیں۔ احمدی جماعت دین کو دنیا میں پھیلانے۔ قرآن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دو۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزت کا اور کوئی کام اس دنیا میں نہیں۔

یہ وہ کام ہے جس کے لئے خدا انبیاء اور صلحاء کو کھڑا کرتا رہا ہے۔ دنیا میں اور بھی بے شمار کام ہیں لیکن خدا اور کسی کام کے لئے انبیاء کو نہیں بھیجتا۔

سو ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ اس زمانے میں جب کہ مسلمانوں نے تبلیغِ دین کے کام کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہماری جماعت کو دین کے پھیلانے کے لئے چن لیا ہے۔ جہاں ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے وہاں عاجزی اور گریہ کا مقام بھی ہے۔ کہ جس کام کے لئے اللہ تعالےٰ نے اتنے بلند لوگوں کو چنا تھا اس کے لئے اس زمانے میں ہم ناکارہ اور نالائق لوگوں کو موقع دیا ہے۔

سو خدا سے توفیق مانگو کہ تم اس کسوٹی پر پورے اترو۔ میں پھر اپنے نوجوان دوستوں سے کہوں گا اور بار بار کہوں گا کہ اپنی قوم کی روایات کو زندہ رکھو۔ اسلامی اخلاق و آداب کی پابندی کرو۔ قرآن کو پڑھو سنو۔ اس پر غور اور عمل کرو۔ اسلامی احکام کے احترام کو اپنا شعار بناؤ۔ ایک دن آئے گا کہ تم اپنے ایک ایک بزرگ کے جسم کو اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفن کرو گے۔ تمہارے پیچھے آنے والے تمہارے جسموں سے بھی یہی کریں گے۔

اے میرے نوجوان دوستو!

میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ کہیں اپنی روایات کو دفن نہ کر دینا۔ ان کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا۔ تاکہ لوگ نہ کہیں کہ یہ قوم مرتی چلی جاتی ہے

پیغام صلح۔ ۳۰ نومبر ۱۹۴۸ء

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب، لاہور

درس قرآن

درس ۲۸ پر سورۃ البقرہ کے چیدہ حصوں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور وہ درس سورۃ بقرہ کی آخری آیات پر تھا مگر اس کے بعد میری توجہ سورۃ بقرہ کی کچھ پہلی آیات پر گئی تو میں نے اُن پر بھی درس دینا مناسب سمجھا۔ چنانچہ چند درس اُن آیات پر اب پیش کرتا ہوں۔ اس وجہ سے ان درسوں کی ترتیب ٹھیک نہیں رہی ہے جس کے لئے میں قارئین سے معافی مانگتا ہوں۔ بہت سے قارئین نے اصرار کیا ہے کہ ان درسوں کو کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے۔ جب وہ کتاب چھپی اور میں اُس وقت زندہ ہوا تو میں انشاء اللہ خود ان درسوں کی ترتیب درست کر دوں گا۔ ورنہ جو صاحب انہیں چھپوا رہے ہوں اُن سے میری درخواست ہے کہ وہ یہ کام ضرور کر دیں۔

خاکسار نصیر احمد فاروقی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ ط وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ع (البقرۃ - آیت ۲۲۸)

ترجمہ:- اور عورتوں کے لئے حقوق ہیں (مردوں پر) جیسے مردوں کے (عورتوں پر) حقوق ہیں۔ اور مردوں کو اُن پر ایک درجہ (یعنے ایک فضیلت) ہے یہ (اُن کے حقوق) پسندیدہ طور پر (یا عمدگی سے) ادا کئے جائیں۔ اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔

میں نے آج کے درس کے لئے مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے پر حقوق کے نازک مسئلہ کو لیا ہے۔ نسلِ انسانی مردوں اور عورتوں میں تقریباً آدھی آدھی بٹی ہوئی ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ نہایت اہم اور عالمگیر ہے۔ ابتدائے آفرینش سے مردوں نے اپنی جسمانی طاقت کی برتری کی بناء پر عورتوں پر حکومت کی۔ اسلام کے آنے سے پہلے اہلِ عرب میں عورت کی حیثیت کچھ نہ تھی جائیداد کی دوسری چیزوں کی طرح وراثت میں مرد ان کو حاصل کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی سوتیلی ماؤں تک کو بھی اور اُن کو چاہتے تو بیوی بنا لیتے اور چاہتے تو کسی کو دے دیتے یا بیچ دیتے۔ گھر میں بیٹی پیدا ہونا اس قدر باعث ذلت سمجھا جاتا تھا کہ باپ اپنا منہ شرم سے چھپاتے پھرتا تھا یہاں تک کہ کر دیا۔ اسی لئے مذہب عیسائیت جو آج رائج ہے اس کے بانی مبانی پولوس (SAINT POLL) نے عورت کو بہت بُرا بھلا کہا۔

قرآن کریم نے آن کر نہ صرف عورت کو وہ حقوق عطا فرمائے جو آج مغربی ممالک جنہیں اپنی آزادیٔ نسواں پر بڑا ناز ہے وہاں بھی عورت کو میسّر نہیں بلکہ پیشگوئی کی کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ زندہ درگور عورت سے سوال کیا جائیگا کہ تجھے کس گناہ کی بنا پر قتل کیا گیا؟ (سورت التکویر ۸۱۔ آیات ۸، ۹) مفسرین نے اس پیشگوئی کو آخرت کے محاسبہ پر لگایا ہے مگر اگر بشرط زندگی و توفیق میں سورت التکویر پر انشاء اللہ درس دے سکا تو میں روز روشن کی طرح دکھاؤں گا کہ اس عجیب و غریب سورت میں اس زمانہ کے متعلق ایسی حیرت انگیز پیشگوئیاں کی گئی ہیں کہ اس زمانہ میں پوری ہو کر انہوں نے قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے اور رسول اللہ صلعم کے برحق ہونے پر ایسا ثبوت دیا ہے کہ کوئی انصاف پسند اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

چنانچہ وہ زمانہ ہمارے سامنے ہے مگر انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ وہ افراط اور تفریط کے دو انتہائی کناروں تک جا پہنچتی ہے۔ مثلاً یا تو دنیا میں اس قدر انہماک ہے کہ دنیا خدا بنی ہوئی ہے جسے پوجا جاتا ہے اور جسے پانا انسانی زندگی کا مقصد سمجھا جاتا ہے۔ یا پھر بالکل تارک الدنیا ہو کر سادھو یا راہب یا نن یا بھکشو بن کر زندگی گذارنے میں نجات سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح کہاں تو ہزاروں سال سے عورتیں پاؤں کی جوتی بنی ہوئی تھیں یا کہاں آج وہ زمانہ آ گیا ہے کہ وہ مردوں پر برتری اور حکومت حاصل کرنا چاہتی ہے اور مغرب زدہ مسلمان لڑکیاں بلکہ عورتیں بھی اسلام کے متعلق اعتراض کرتی یا وساوس اپنے دل میں رکھتی ہیں کہ اس میں عورت کو اس کا حق یا مرد سے برابری نہیں دی گئی۔

سو آیئے دیکھیں کہ اسلام میں عورت کی پوزیشن کیا ہے؟ ہر انسان مرد ہو یا عورت دو چیزوں سے بنا ہوا ہے جسم اور روح۔ جسم ایک عارضی ٹھکانا ہے روح کا۔ جسمانی طور پر انسان کو دوسرے حیوانات سے مشابہت ہے اور بہت سے حیوان جسمانی طور پر انسان سے زیادہ مضبوط اور طاقتور ہوتے ہیں۔ اگر انسان کو برتری عقل کی وجہ سے ہے تو بہت سے جانور سکھانے پر تھوڑی بہت عقل کی باتیں کرنے لگتے ہیں مگر وہ چیز جس میں انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت ہے،

وہ رُوح ہے جو صرف انسان کو دی گئی ہے اور جو حیوانی زندگی سے علیحدہ اور برتر شئے ہے اور جو اللہ تعالےٰ نے صرف انسان میں اس کی تخلیق پر پھونکتا ہے جیسا کہ فرمایا: فاذا سوّیتہٗ ونفخت فیہ من رّوحی فقعوا لہٗ سٰجدین (الحجر ۱۵۔ آیت ۲۹) ”اور جب میں انسان کو ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اُس میں اپنی روح میں سے پھونکوں تو تم (فرشتے) اس کے لئے فرمانبرداری کرتے ہوئے گر پڑنا“ یہی روح ہے جس کیوجہ سے انسان کی اصل فضیلت ہے۔ یہی وہ رُوح ہے جو تخلقوا باخلاق اللّٰہ کے حکم نبویؐ کے بموجب الٰہی اخلاق اپنے اندر پیدا کر سکتی ہے یا الٰہی رنگ میں رنگین ہو سکتی ہے۔ (قرآن)۔ یہی وہ رُوح ہے جو جسم کے مرنے پر اگلے جہان میں چلی جاتی ہے اور وہاں پر اگلی زندگیوں میں نیا اور بہتر جسم پا کر ہمیشہ کی زندگی پاتی ہے۔

تو آیئے دیکھیں کہ اس رُوحِ انسانی کے معاملہ میں مرد و عورت کی کیا پوزیشن ہے؟ سورۃ النسآء کی پہلی آیت اس پر روشنی ڈالتی ہے یٰاَیّھا النّاس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ وخلق منھا زوجھا وبثّ منھما رجالًا کثیرًا ونسآءً ”اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ کرو جس نے تم کو ایک ہی رُوح سے پیدا کیا اور اُسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیں“ تو جہاں تک رُوح کا تعلق ہے تمام مرد اور عورتیں ایک ہیں۔ اس سے بڑھ کر مساواتِ انسانی اور مرد و عورت کی برابری کیا ہو سکتی ہے؟ اور اسی لئے روحانی ترقی اور منازل دونوں ایک جیسے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم کی مختلف جگہوں میں سے صرف ایک جگہ سے سُنیئے۔

”مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور صدق دکھانے والے مرد اور صدق دکھانے والی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنیوالی عورتیں اور فروتنی اختیار کرنے والے مرد اور فروتنی اختیار کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں۔ اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو بہت یاد کرنے والی عورتیں، ان سب کے لئے اللہ نے اپنی مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کیا ہے۔“ (الاحزاب ۳۳۔ ۳۵)

پھر عورت پر مرد کی طرح وحی الٰہی بھی نازل ہو سکتی ہے جیسا کہ حضرت مریم اور حضرت موسےٰ کی والدہ کے واقعات میں قرآن مجید میں مذکور ہے اس سے بڑھ کر کسی انسان، مرد ہو یا عورت، کے لئے عزت کا مقام نہیں ہو سکتا۔

مگر اہلِ مغرب کو (جہاں سے ہمارے مغرب زدہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں متاثر ہوتی ہیں) اب روحانی یا اخلاقی قدروں یا باطنی ترقیات کی زیادہ پرواہ نہیں رہی بلکہ وہ ان کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ ان کا خدا اب پیسہ و دولت ہے تو چلیئے اسی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ تو قرآن کریم وہ واحد الہامی کتاب ہے جس نے آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے عورت جو بطور خود جائیداد کا حصہ سمجھی جاتی تھی اُسے جائیداد کا مالک بنایا اور اسے وراثت میں سے اس کی ہر ایک حیثیت میں حصہ دلایا یعنے بطور بیٹی کے، بطور بہن کے، بطور بیوی کے، بطور ماں کے، کیا کسی اور مذہب یا ملک نے اس طرح جائیداد یا دولت میں قانونی حقوق آج بھی عورتوں کو دیئے ہیں؟ مغربی ممالک میں اگر مرد کا دل چاہے تو عورت کو کچھ دیدے مگر عورت کا کوئی حق نہیں۔ قرآن کریم نے یہ مال و دولت میں سے عورتوں کو معتد بہٖ حقوق و حصے آج سے ۱۴۰۰ برس پہلے دیئے جبکہ تمام دنیا میں عورت کو مال و دولت میں سے حصہ تو کیا ملنا تھا وہ خود مرد کی جائیداد سمجھی جاتی تھی۔ اس پر مغرب زدہ لڑکیاں اور عورتیں اعتراض کرتی ہیں کہ عورت کو مرد سے آدھا حصہ کیوں دیا؟ اس کی وجہ قرآن کریم سے سُنیئے۔

الرجال قوّٰمون علی النسآء بما فضل اللّٰہ بعضھم علٰی بعضٍ وبمآ انفقوا من اموالھم (النسآء ۴۔ ۳۴)

یعنے ”مرد عورتوں کی روزی اور ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اس کی وجہ سے کہ وہ (مرد) اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

مرد کو کہا کہ چونکہ تم کو اللہ نے عورت پر جسمانی طور پر فضیلت دی ہے (یعنے زیادہ طاقتور اور مضبوط دل کا بنایا ہے) اس لئے عورت کی حفاظت کے تم ذمہ دار ہو اور اس کے نان نفقہ کے بھی جس پر اپنے مال میں سے خرچ کرو۔ حالانکہ عورت کو اجازت دی ہے کہ وہ کسی بھی جائز طریقہ سے خود بھی دولت کمائے جیسا کہ فرمایا:۔

للرّجال نصیبٌ ممّا اکتسبوا ط وللنّسآءِ نصیبٌ ممّا اکتسبن ط (النسآء ۴۔ ۳۲)

یعنے ”مردوں کا حق ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حق ہے جو وہ کمائیں“

مگر اس کے باوجود بیوی بچوں کے رزق کا متکفل مرد کو بنایا۔ عورت اپنی مرضی سے اس میں حصہ بٹائے تو اور بات ہے ورنہ ذمہ داری مرد پر ہے۔ پھر مرد کو کہا کہ عورت کو مہر دو اپنی حیثیت کے مطابق جو سونے چاندی کے ڈھیر تک ہو سکتا ہے ایک امیر خاوند کے لئے (النسآء ۴۔ ۲۰) مگر عورت کے مال میں سے مرد کو کوئی مہر نہیں دلوایا۔

اہل و عیال کے نان نفقہ کی ذمہ داری کیوجہ سے اگر مرد کو عورت سے جائیداد میں دوہرا حصہ دلوایا تو وہ بالکل حق بجانب ہے اور شادی کے موقعہ پر جو زیور کپڑا مرد عورت کو دیتا ہے اُس میں سے بھی مرد کو کہا کہ کچھ واپس مت لو خواہ وہ طلاق کا موقعہ ہو جیسا کہ فرمایا کہ ولا یحل لکم ان تاخذوا ممّآ اٰتیتموھن شیئًا الّا ۔۔۔ فیما افتدت بہٖ (البقرۃ ۲۔ آیت ۲۲۹) یعنے تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم اس میں سے کچھ واپس لو جو تم نے عورتوں کو دیا ہے سوائے اس کے کہ عورت طلاق مانگے تو وہ اپنی خوشی سے بطور فدیہ کچھ دیدے۔

—— (باقی آئندہ) ——

اسلامی معاشرہ

دلی اطمینان اور روحانی سکون

کوئی معاشرہ اسوقت تک ترقی نہیں کرسکتا جب تک اس کی تعمیر پختہ بنیادوں پر نہ ہوئی ہو ـــــ اور کچھ ایسے اصول اس میں کارفرما نہ ہوں۔ جو ترقی کی ضمانت بن سکیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عصرِ حاضر اپنی مادی ترقیات اور علمی انکشافات کے اعتبار سے اگرچہ تمام گذشتہ ادوار سے ترقی کر گیا ہے لیکن اس کے باوجود علم الاجتماع اور نفسیات کے ماہرین اس دور میں اعصابی مریضوں کی تشویشناک کثرت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہیں کیونکہ مادی ترقی اور علمی انکشافات اس دورِ سعادت کا باعث نہیں بن سکتے جو انسان کی حقیقی طلب ہے اور جس کو پاکر ہی انسان اپنے اندر ایک دلی اطمینان اور رُوحانی سکون محسوس کرتا ہے۔ ایسا نظر آرہا ہے کہ جس قدر مادی وسائل ترقی کرتے چلے جارہے ہیں اور صحیح معاشرتی اصولوں میں کمزوری اور تنزل بڑھ رہا ہے اسی قدر اضطراب اور پریشانی بڑھتی چلی جارہی ہے۔ وہاں دُوسرے ممالک کے مقابلے میں نفسیاتی بیماریوں کا تناسب بھی زیادہ ہے جس کی شہادت خود امریکی سرکار کی طرف سے شائع کردہ اعداد و شمار سے واضح طور پر ملتی ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مغربی معاشرہ جن بنیادوں پر استوار ہے اور مغربی تہذیب جس نہج پر اسے لے جارہی ہے وہ خالص مادی ہے جس کا نتیجہ تباہی ہی تباہی ہے۔ ان میں دُور تک روحانیت اور باطنی اثرات کا شائبہ تک نظر نہیں آتا کسی شاعر نے ٹھیک ہی تو کہا ہے:۔

عقل باریک ہوتی جاتی ہے۔

رُوح تاریک ہوتی جاتی ہے۔

اور اسی رُوح کی تاریکی نے مغربی معاشرے کو انحطاط کے عمیق گڑھے میں دھکیل دیا ہے۔ اور آج مغرب کا انسان سخت ترین اضطراب اور تشویش میں مبتلا ہے جس پر مغربی مفکرین اور اصحابِ بصیرت کو سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ وہ دین کی قدروں کو دوبارہ بروئے کار لانا چاہتے ہیں لیکن جس معاشرے میں الحاد، مادیت کا شجر خبیث اپنے کڑوے پھل دے رہا ہو اور اس کی جڑیں مضبوطی کے ساتھ جم چکی ہوں وہاں ایسی کوششوں کی کامیابی کے کیا امکانات باقی رہ جاتے ہیں؟

آسمانی مذاہب میں سے جس مذہب کو بھی دیکھیں اس میں یہ ایک خصوصیت ضرور نظر آئے گی کہ وہ انسانوں میں عدل و انصاف کو پروان چڑھاتا ہے۔ قلب و رُوح کو طمانیت بخشتا ہے اور احساسِ تکلیف کو کم کرکے زندگی کے بوجھ کو ہلکا کر دیتا ہے۔

تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر

صرف

اللہ تعالیٰ کی،

اس کے ساتھ وہ معاشرے کی ترقی کے لئے نفسانی خواہشات اور خود غرضی کے جذبات کا قلع قمع کرتا ہے اور ایک فرحت بخش زندگی بخشتا ہے۔ اسلام چونکہ انسانی فلاح و بہبود اور معاشرتی امن و اطمینان اور ترقی کا ضامن آخری اور تکمیل مذہب ہے، اس لئے اس نے فرد اور معاشرے کی آرزوؤں کو بیدار کیا۔ عزائم کو حیاتِ تازہ عطا کی اور ایثار و شفقت کے جذبات کو نہ صرف ابھارا بلکہ ان کو اس عروج پر پہنچا دیا کہ خود انسانیت انگشت بدنداں رہ گئی۔

اسلام کے نزدیک ایک معاشرے کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے تمام خود ساختہ آقاؤں کی غلامی اور اطاعت کا جوا گلے میں سے اتار پھینکے اور اللہ کے سوا کسی کو اس لائق نہ سمجھے کہ اس کی غلامی یا اطاعت کی جاسکتی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بھی دراصل اللہ تعالےٰ ہی کی اطاعت ہے۔ ارشاد ہوا کہ تیرے رب نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اللہ کی ؛، یہ صرف ایک مذہبی عقیدے اور صرف انفرادی طرزِ عمل کے لئے ایک ہدایت۔ ایک حکم ہی نہیں بلکہ اس پورے نظامِ معاشرت و تمدن اور ریاست کا سنگِ بنیاد بھی ہے جو مدینہ طیبہ پہنچ کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملاً قائم فرمایا اس اصول پر عمل پیرا ہوکر ہر شخص معلوم کرسکتا ہے کہ اس کو انفرادی آزادی کس طرح حاصل ہوتی ہے اور پھر معاشرتی ترقی میں اس اصول کا کتنا بڑا عمل دخل ہے حکیم الامت علامہ اقبال نے ٹھیک ہی تو کہا ہے:۔ ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اس ایک اصول یعنی اصولِ توحید سے معاشرے میں کس قدر استواری ہم آہنگی اور مطابقت پیدا ہوتی ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس سے تمام نسلی، قومی اور قبائلی بُت ٹوٹ جاتے ہیں اور انسان بحیثیت انسان ترقی و عروج کے منازل طے کرنے لگتا ہے اس کے اندر کسی قسم کا احساس کمتری پیدا ہوسکتا ہے اور نہ احساسِ برتری۔ اس کے دل و دماغ میں جگہ پاکر معاشرتی سکون و اطمینان کی غارت گری کی حماقت کرسکتا ہے آپ غور کریں کہ جن معاشروں نے ایک اللہ کو چھوڑ کر نسل و رنگ اور زبان وغیرہ کے بت گھڑ لئے ہیں اور ان کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی حالت کس قدر ابتر ہے۔ اور امن و سکون اور ترقی و خوشحالی کی منزل سے کتنے دُور ہیں۔

حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کے ساتھ وعدۂ الٰہی

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد"

پاکستان کے رہنے والوں کو یہ اندازہ نہیں کہ ۱۸۸۰ء میں اسلام اور مسلمانوں کا کیا حال تھا۔ عیسائی اقوام کے عروج اور غلبہ کا سورج نصف النہار پر تھا۔ وہ تمام دنیا پر چھائی ہوئی تھیں۔ فوج کشی کر کے یا اپنی سیاست کی چالبازی اور مکاری سے انہوں نے ایک ایک کر کے تمام اسلامی ممالک پر یا تو قبضہ کر لیا تھا یا انہیں اپنے زیر اثر لا کر اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا تھا یہاں تک کہ جن ملکوں پر عیسائی اقوام کا قبضہ نہیں تھا تو ان کی بھی خارجہ پالیسی اور دفاع کی ذمہ داری عیسائی اقوام کے ہاتھوں میں تھی اور اس بہانہ سے انہوں نے اسلامی ممالک کے اندر اپنی فوجیں رکھی ہوئی تھیں۔

دنیاوی غلبہ حاصل کرنے کے بعد عیسائی اقوام نے اپنے پادریوں کی فوجوں کو ان ممالک میں چھوڑا تا کہ عیسائیت کو پھیلا کر اپنے شکنجہ کو ان ممالک پر اور بھی مضبوط کریں۔ اول تو حاکم وقت کے دین کی کشش ہمیشہ ہوتی ہے۔ الناس علیٰ دین ملوکھم ایک زبردست صداقت ہے مگر عیسائی ملکوں نے تو کھلم کھلا اپنے دین کے پھیلانے میں بھی مدد کی۔ سر سید احمد خاں مرحوم جیسے انگریزوں کے دوست نے اپنی کتاب جو ۱۸۵۷ء کے غدر کے اسباب کے بارہ میں لکھی اس میں غدر کی بڑی وجہ یہ بتائی کہ برطانوی حکومت کے افسران نے ہر ضلع اور ہر صوبہ میں اس قدر کھلم کھلا لوگوں کو عیسائیت میں شامل ہونے کی ترغیب دی بلکہ دباؤ ڈالا کہ مسلمان اور ان کے ذیل میں کچھ ہندوؤں نے بھی ایسی حکومت کے ساتھ مجبوراً بغاوت کی۔ اگر یہ وجہ نہ ہوتی اور خود برطانوی حکومت کو اس کا احساس نہ ہوتا تو غدر کے بعد ۱۸۵۷ء کے ملکہ وکٹوریہ کے مشہور اعلان میں کیوں حکومت کی مذہب کے اندر عدم مداخلت کا وعدہ ہوتا۔

مگر اس اعلان کے باوجود در پردہ عیسائی حکام اپنے مذہب کے پھیلانے میں امداد کرتے تھے۔ نوکریاں۔ زمینیں۔ عہدے۔ عزتیں غرض کون سا حربہ تھا جسے عیسائی حکام نے لوگوں کو ورغلانے اور عیسائیت کی قبولیت کی غرض سے مائل کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا۔ حکومت نے مفت زمینیں عیسائی مشنوں کو دیں۔ بہانہ یہ تھا کہ جرائم پیشہ لوگوں کو بسا کر ان کو مہذب اور امن پسند بنایا جائے مگر دراصل وہ لوگوں کو عیسائی بنانے کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔

سینکڑوں ہزاروں مربعے (جو ۲۵ ایکڑ فی مربع ہوتا ہے) اس مقصد کے لئے مفت دیئے گئے۔ اور اس کے ساتھ پانی۔ تقاوی قرضے اور ہر قسم کی لگان کی معافیاں دی گئیں۔ ہر ضلع کے پادریوں کے لئے ضلع کے حکام کا دروازہ دن رات کھلا رہتا تھا۔ اور پادری کی سفارش پر نوکری ضرور ملتی تھی۔ مشن کے سکول و کالجوں اور ہسپتالوں۔ یتیم خانوں۔ بیوہ گھروں بلکہ لاوارث عورتوں کے لئے اداروں کو حکومت کھلم کھلا مادی امداد اور ہر قسم کی امداد دیتی تھی اور وہ اس وقت پادریوں اور مشنری عورتوں کے ہاتھوں میں تھے۔ مشنری عورتیں مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر کھلم کھلا عیسائیت کی تبلیغ کرتی تھیں اور جس مسلمان عورت کو تکلیف میں دیکھتیں اُسے ورغلا کر بھگا لے جاتیں اور حکومت ان کا پورا ساتھ دیتی۔

افسوس ہے کہ صحیح حالات کا ہمارے مغرب زدہ لوگوں کو بالکل علم نہیں۔ وہ مغرب کی دنیاوی سائنسی ٹیکنالوجی کی ترقیات اور ان کی دولت اور حکومت سے ایسے متاثر ہیں کہ ان کو اگر بتایا بھی جائے کہ در پردہ یہ تمام ہتھیار استعمال کئے جاتے تھے تاکہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیر کر عیسائی بنایا جائے یا کم از کم مسلمان نہ رہنے دیا جائے تو وہ مانتے تک نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ عیسائی اقوام ان معاملات یعنے مذہب اور دنیاوی غلبہ کے معاملے میں ایسی مکار اور دھوکا باز ہیں کہ اسی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام دجال رکھا تھا اور دجال کے فتنہ کو اپنی امت کے لئے سب سے خطرناک فتنہ بتایا تھا۔ دجل کے معنی ہیں دھوکا بازی سازش ان سب باتوں کا پہلے سے علم رکھتے ہوئے مسلمان ان کے دجل سے ایسے مسحور نہ ہو جاتے کہ آج بھی جب کہ عیسائیوں کی حکومت ان پر نہیں رہی ان کی پیدا کردہ ذہنی غلامی سے نجات نہیں پا سکتے۔

میں نے افریقہ کے ممالک کی جہاں عیسائی اقوام کا زبردست غلبہ رہا ہے ایک سرکاری رپورٹ دیکھی ہے (جس کی تائید بعض اخبارات کے مضامین سے بھی ہوئی) کہ افریقہ میں بھی بلکہ زیادہ کھلے طور پر جب تک کوئی عیسائی نہ بنے اسے نہ تو تعلیم دی جاتی تھی نہ ہسپتالوں میں طبی علاج ملتا تھا نہ حکومت کے ماتحت کوئی نوکری ملتی تھی۔ افریقہ کے غیر مسلم قبائل اور مسلم مگر جاہل قبائل میں یہ حربہ نہایت کامیاب رہا مگر ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں جہاں کے مسلمان نہ صرف تعلیم بلکہ مذہب کی روشنی سے کچھ زندہ تھے ان کو اسلام سے اکھیڑنے کے لئے خود مذہب اسلام کو شکست دینے کے لئے یہ ضروری تھا۔ اس لئے عیسائی مستشرقین، مؤرخین اور پادریوں نے خود اسلام پر ایسا سخت حملہ کیا کہ اسلام کی تاریخ میں یا تو خود حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا تھا یا اس زمانہ میں آ کر ہوا.....

مولانا الطاف حسین حالی مرحوم کی مسدس اور دوسرے مسلمانوں کی تحریرات کو پڑھ کر دیکھیئے کہ اسلام اور مسلمانوں کی کیا زبوں حالی کے دن تھے۔ اور علماء کا کیا حال تھا۔

اسلام کے مٹانے کی اسی زبردست کوشش کی پیشین گوئی قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے کی تھی۔

یریدون لیطفؤا نور اللّٰہ با فواھھم۔

(سورۃ الصف ۶۱ آیت ۸)

یعنے یہ چاہیں گے کہ اللہ کے نور کو اپنی منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اسلام کی تاریخ کو دیکھ لیجئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جب اسلام پر زبردست یورش ہوئی تو اسلام کو تلوار کے ذریعہ سے ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ عرب کے مشرکوں نے جو اپنی جاہلیت پر فخر کرتے تھے انہوں نے کیا منہ کی پھونکوں یعنے اعتراضات کے ذریعہ اسلام کا مقابلہ کرنا تھا۔ بہرحال یہ تاریخی حقیقت ہے کہ انہوں نے مار پیٹ کر ہجرت پر مجبور کر کے اور بالآخر تلوار کے ذریعے سے اسلام کو مٹانا چاہا اور اس زمانہ میں آ کر یہ ہوا کہ مغرب کے علماء اور پادریوں نے اعتراضات کی بوچھاڑ سے مذہب اسلام پر سخت یورش کی۔

جہاں اس زبردست خطرے سے ۱۴۰۰ سال قبل قرآن کریم نے ہمیں متنبہ کر دیا تھا وہاں یہ بھی مذکورہ بالا تنبیہ کے ساتھ ہی فرمایا۔

واللّٰہ متم نورہٖ ولو کرہ الکفرون

یعنے اللہ تعالےٰ تو اس زمانے میں اپنے نور کو اور بھی مکمل کرے گا۔ چاہے کافر کتنا ہی ناپسند کریں۔ اور پھر فرمایا

ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ

و دین الحق لیظھرہ علی الدین

کلہ ولو کرہ المشرکون

(سورۃ الصف ۶۱ آیت ۹)

یعنے اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول (صلعم) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک (یعنے دوسرے مذاہب جن میں شرک پیدا ہو گیا) کتنا ہی ناپسند کریں"۔ ....

پچھلی صدی میں عیسائیت اور عیسائیوں کی پیدا کردہ مادہ پرستی اور دہریت کے جواب میں جو لٹریچر پیدا ہوا ہے اسے دیکھ لیجئے کیا حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور ان کے مریدوں یعنے حضرت مولانا نورالدین صاحب۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب، حضرت خواجہ کمال الدین صاحب وغیرہ ان چند اصحاب کا پیدا کردہ ہے جنہوں نے احمدیت کے خیالات کو ہی اپنا لیا یا کسی اور کا؟

پھر اس زمانہ میں جماعت احمدیہ کے سوائے اور کون سی مسلم جماعت ہے جس نے قرآن کریم کے مغربی زبانوں میں ترجمے کئے اور اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر زبردست لٹریچر پیدا کیا اور عیسائی ممالک میں مشن کھول کر بڑے بڑے عیسائی ادیبوں مصنفین ۔ لارڈز ۔ شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے لوگوں ۔ عالموں اور فاضلوں اور ان کے ساتھ متوسط اور دوسرے طبقوں کی بھی سعید روحوں کو اسلام میں داخل کیا ؟

حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے نہ صرف دین کے غلبہ کے لئے ان تھک مجاہدہ کے ساتھ رو رو کر دعائیں کیں جیسا کہ ان کی تصانیف تحریروں اور تقریروں سے ظاہر ہے جن میں سے ایک شعر ملاحظہ ہو :- ؎

اس دین کی شان وشوکت یارب مجھے دکھا دے
سب جھوٹے دیں مٹا دے میری دعا یہی ہے ۔

بلکہ حضرت نے مسلمانوں کی دنیاوی مغلوبیت اور ابتری اور عیسائیوں کے مقابل کمزوری کے لئے بھی جب جناب باری میں گریہ وزاری کی تو آپ کو خوش خبری دی گئی کہ :-

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد"

یاد رہے کہ مسلمان قوم کو محمدی کہنے والے عیسائی تھے اور یہ خوشخبری دی گئی کہ عیسائیوں کے نزدیک مسلمانوں کا جو گرا ہوا مقام ہے یہ دور کر کے مسلمانوں کا قدم ایک بلند تر مقام پر مضبوط ہو جائے گا ۔

سو ہم نے دیکھ لیا کہ اس کے کچھ عرصہ بعد عالمگیر جنگوں ۔ مالی مصائب اور عیسائی ممالک کے آپس کے اختلافات کی وجہ سے عیسائیوں کی طاقت کمزور ہونی شروع ہوئی بلکہ آہستہ آہستہ تمام اسلامی ممالک ان کی غلامی اور زیردستی سے نکل کر آزاد ہو گئے ۔ شروع میں مسلمان قومیں غریب تھیں ۔ مگر آج اللہ تعالے کے فضل سے تیل اور دوسرے ذخائر کی وجہ سے یہ حالت ہے کہ عیسائی اقوام مسلمانوں سے مالی امداد اور رعایتوں کو مانگنے لگی ہیں اور ابھی اور بھی انشاء اللہ تعالے یہ توازن صحیح ہوتا چلا جائے گا ۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - -

اگر اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا اور مسلمان قومیں آپس میں اتحاد اور اتفاق میں ترقی کرتی رہیں تو انشاء اللہ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد" کا نظارہ دنیا دیکھ لے گی ۔ اس کے لئے اپنے ایمان کو صحیح طور پر قائم کریں اور اعمال صالحہ کا بھی مسلمان خیال رکھیں کہ اللہ تعالے کا جو وعدہ ہے وہ کبھی ٹل نہیں سکتا اور وہ یہ ہے :-

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم (سورۃ النور ۲۴ ۔ آیت ۵۵)

یعنے " اللہ وعدہ کرتا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں کہ وہ انہیں ضرور بالضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے "

اگر اللہ تعالے نے عیسائی اقوام کو دنیاوی سلطنت بخشی تو وہ مسلمانوں کو بھی ویسی ہی سلطنت اور غلبہ بخش سکتا ہے بشرطیکہ ہم سچے مومن بنیں اور نیک کام کریں ۔ یہ اللہ تعالے کا وعدہ ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتا ۔

ہاں اس کے ساتھ ایک اور بھی وعدہ اسی آیت مبارکہ میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے :-

ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا

(اور وہ ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مضبوطی سے قائم کر دے گا اور ان کی حالتِ خوف کو بدل کر امن کی حالت پیدا کر دے گا)

ہم نے اس آیت مبارکہ کی پہلی شق کو پورا ہوتے دیکھ لیا ۔ اور دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالے مسلمانوں کو اس زمین کی خلافت دے کر اپنے فضل سے مضبوط کر رہا ہے ۔ تو انشاء اللہ اسی وعدہ کا دوسرا حصہ بھی مسلمانوں کا دین دنیا میں مضبوطی کے ساتھ قائم کیا جائے گا پورا ہو کر رہے گا ۔ دوسرے ادیان اپنی موت مر رہے ہیں اور لوگ انہیں چھوڑ رہے ہیں مگر ساتھ ہی انہیں اس اطمینانِ قلب اور روحانی زندگی کی تلاش ہے جو صرف مذہب ہی انہیں دے سکتا ہے ۔

جب اور دین ختم ہو گئے تو جو دین بموجب وعدہ الہٰی مضبوطی سے قائم کیا جائے گا ۔ وہ اسلام ہی ہے جو انشاء اللہ دنیا کا غالب دین ہو گا ۔

میں پھر حضرتِ اقدس کی درد بھری دعا کی طرف توجہ دلاتا ہوں ۔

؎ اس دین کی شان وشوکت یارب مجھے دکھا دے
سب جھوٹے دیں مٹا دے میری دعا یہی ہے ۔

سو اللہ تعالے نے اس بے قرار (اور اسلام اور مسلمانوں کے درد میں تمام گریہ وزاری کرنے والے (جس نے اپنی حالت یوں بیان کی ہے کہ تے کون روتا ہے کہ جس سے آسماں بھی رو پڑا) کی دعا کو قبول فرمایا ہے ۔ اور اسے "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند محکم افتاد" کی خوش خبری مسلمانوں کی دنیاوی بہتری کے بارہ میں دی دین اسلام کی کامیابی کی خوشخبریاں بھی دیں بقول ان کے ؎

دوستو اس یار نے دیں کی مصیبت دیکھ لی
آئیں گے اس باغ کے اب جلد لہرانے کے دن
اک بڑی مدت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا
اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن
دیں کی نصرت کیلئے اک آسماں پر شور ہے
اب گیا وقتِ خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

* * *

اخبارِ احمدیہ

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالے بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں ۔ اور حسبِ معمول دینی اشاعتی کاموں میں مصروف ہیں ۔ آجکل ایبٹ آباد میں مقیم ہیں ۔ عید کے بعد واپس تشریف لائیں گے احباب کرام سے گذارش ہے کہ وہ حضرت ممدوح کی خیر و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں ۔

تعلیمی وظائف

برائے طالبات سنہ ۸۴ - ۸۳ء

میٹرک ۔ الیف ۔ ایس ۔ سی ۔ الیف ۔ اے اور بی ۔ اے کی طالبات کی درخواستیں بمع تعلیمی ریکارڈ سربراہِ مدرسہ کے دستخط کے ساتھ مطلوب ہیں ۔ اپنی جماعت کے مقامی صدر کی تصدیق ہونی ضروری ہے ۔ اپنی درخواستیں مندرجہ ذیل پتے پر ارسال کریں ۔

رضیہ مدد علی
۴۷ ۔ K بلاک ۔ ماڈل ٹاؤن
لاہور

ارشادِ باری تعالیٰ

* "اور جو تمہیں السّلام علیکم کہے اُسے یہ مت کہو کہ تو مومن نہیں " فرمایا :-
* " اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو "

ارشادِ نبوی ﷺ

* :- "صدقہ وخیرات بلا کو ٹال دیتے ہیں "
* "جو شخص نیکی کی دعوت دیتا ہے وہ نیکی کرنے والے کی حیثیت رکھتا ہے "

* * *

انگریزی سے ترجمہ: مولانا شفقت رسول خاں صاحب، لاہور

عید کی اہمیّت

آج عید ہے، بے شمار مسرتوں کا مبارک دن۔ مجھے آج موقعہ ملا ہے کہ میں ہر ایک کو خوشیوں سے بھرپور مبارکباد پیش کروں۔ اس خاص موقع پر میرا بھائی منصور اور میں جس قدر مسرت کا اظہار کریں کم ہے کیونکہ ہم اس شاندار دن کو اپنے پیارے دینی بھائیوں کے درمیان منا رہے ہیں۔ ہم نہ صرف اخوّت کی سچی عید میں آپ کے ساتھ شریک ہیں بلکہ ہم نے رمضان المبارک کا پورا مہینہ روزہ رکھتے ہوئے آپ کے ساتھ گذارا۔ یہ عید کا دن محبت، ملاپ اور دوستی کے جذبات کا مظہر ہے۔

چونکہ ہم مسرت کا یہ دن انتہائی خوشی اور اطمینان سے منا رہے ہیں اس لئے میں اس خوشی میں ان دوسرے احباب کو بھی شامل کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے ہر لحاظ سے بھائی ہیں اور یقیناً یہی رمضان المبارک کی سب سے بڑی اہمیّت ہے۔ ہم ایک ماہ کی جسمانی اخلاقی اور روحانی تربیت میں شامل ہوتے ہیں اور اس تربیت کا مقصد تقویٰ حاصل کرنا ہے جس سے ہم میں حیوانی جذبات اور سفلی خواہشات پر قابو پانے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ روزہ رکھنے کا اصل مقصد ہی حیوانی جذبات پر قابو پانا ہے اور روحانی قوتوں کو ترقی دینا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے لعلکم تتقون یعنی تاکہ تم بدی کے خلاف اپنی حفاظت کر سکو۔

خدا کا شکر ہے کہ تربیّت کی یہ مدت ختم ہوگئی ہے اور جو سبق ہم نے رمضان کے مہینہ میں سیکھا ہے اب اس پر عمل کرنے کا وقت ہے آج کا دن ایک اہم دن ہے جس میں ہم نے ایک نئی زندگی کا عہد و پیمان کیا ہے روزے رکھنے کے مہینہ کی کامیابی کا انحصار اس روحانی تبدیلی پر ہے جو اخلاقی بلندی کی صورت میں ہم میں نظر آئے۔ عید وہ دن ہے جس دن ہمیں اپنے ان فرائض کی طرف توجہ ہوتی ہے جن کا تعلق بنی نوعِ انسان سے ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کی جسمانی اور روحانی ضروریات کا خیال رکھیں اور ان کو پورا کرنے کے لئے مختلف اجتماعی پروگرام کو عمل میں لائیں۔ ماہِ رمضان میں اخوت کا عظیم جذبہ تعمیر ہوتا ہے۔ جو نہ صرف مسجد کے ماحول میں، بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں نظر آئے۔ ہم رمضان المبارک میں خدا کے حضور اس کی رحمت اور بخشش کے لئے دعائیں کرتے ہیں تو ہمیں اس سے یہ سبق لینا چاہیئے کہ ہم اپنے بھائیوں پر رحم کریں۔ اور ان کی خطاؤں کو معاف کریں۔ ان کی عزتِ نفس کا احترام کریں۔ اسی ضمن میں قرآن مجید کا ارشاد ہے

صبغة الله ومن احسن من الله صبغة

یعنی "خدا کا رنگ اختیار کرو کہ اس سے بڑھ کر کوئی رنگ نہیں ہے۔" اور بھی بے شمار مفید اور قیمتی سبق ہیں جو ہم رمضان سے حاصل کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن پاک اسی ماہِ مبارک میں نازل ہوا اور احمدی مسلمانوں کا خصوصی مقصد اور نصب العین بھی قرآن پاک کی اشاعت ہے اور یہی حضرت اقدس کی آرزو تھی۔ اور حضرت محمد صلعم نے بھی یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ آخری زمانے میں اسلام کا سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ جس سے مراد مغرب میں قرآنی تعلیمات کا پھیلنا ہے۔ ہم اس حقیقت سے جو حضرت اقدس کو قرآنِ پاک سے تھا پوری طرح آگاہ ہیں۔ قرآن پاک دفاعِ اسلام اور تبلیغ اسلام کے لئے ان کا بنیادی اور واحد ہتھیار تھا۔ ہمیں حضرت مولانا محمد علیؒ کے ہمیشہ زندہ رہنے والے الفاظ بھی اچھی طرح یاد ہیں کہ قرآن پاک کو دنیا تک پہنچا دو، وہ اپنا کام خود کر لے گا۔" یہ نصائح اور تاکیدات ہمارے خلوص اور جذبۂ دینی میں جوش پیدا کرتی ہیں تاکہ ہم اسلام کی اشاعت اور شاندار مستقبل کے لئے مسلسل کوشش میں مصروف رہیں، اشاعتِ اسلام کے اس اہم کام کے لئے تعاون اور وسائل کو اکٹھا کرنا نہایت ضروری ہے تبھی اسلام کی اشاعت اور قرآن کی فتح اور غلبہ کے لئے مخالفت کے طوفان کا مقابلہ ممکن ہوگا۔ احمدی مسلمان اسلام کی سچائی کی روشنی کو پھیلانے کا عزم کئے ہوئے ہیں ہمیں اپنے اس عزم کو قائم رکھنا ہے۔

اگرچہ اہلِ مشرق نے تحریکِ احمدیت کو سمجھنے میں غلطی کھائی ہے لیکن اس کے برعکس اہلِ مغرب ہمارے اعلیٰ تصورات کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے دلوں کی کھڑکیاں اسلام کے سچے تصورات اور معقول علمی خیالات کی جانب کھلی ہوئی ہیں۔ اسلام کے متعلق یہ نیا علم کلام اور روشنی حضرت بانئے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مؤثر تحریروں اور روحانی جذب کا نتیجہ ہے۔

آیئے عید کے اس عظیم موقعہ پر تجدید عہد کریں اور اس مخالفت کے باوجود جو ہمارے سامنے ہے گھبرائیں نہیں بلکہ ان دینی امور میں اور قدم آگے بڑھائیں اور ہم ان لوگوں کو معاف کرنے والے بن جائیں جو ہمارے عظیم کام اور بلند نصب العین سے بے بہرہ اور جاہل ہیں اور دعا کریں کہ خدا ان کے دلوں کو سچائی کے لئے کھول دے۔ اس پُرمسرت تقریب کے موقع پر ہمیں ان بھائیوں کی خوشی کے لئے دعا کرنا نہیں بھولنا چاہیئے جو دنیا بھر میں ظلم بھوک اور بیماری کا شکار ہیں اور جو بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں۔ ہمیں دعا کرنا چاہیئے کہ یہ دن ہماری زندگیوں میں اخلاقی اور روحانی بلندی پیدا کرے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم رمضان کے مبارک مہینہ کی روحانی برکتوں سے فائدہ اٹھائیں اور پہلے سے بڑھ کر دینِ اسلام کی خدمت و اشاعت کے لئے کوشش میں مصروف ہو جائیں۔

باہتمام الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۱۳ جولائی ۸۳ء — جلد ۷۰ شمارہ ۲۸

جلد ۷۰ | یوم چہار شنبہ ۹ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۸۳ عیسوی | شمارہ: ۲۹

ارشادات حضرت مجدد صد چہار دہم

اپنے مولیٰ کو ناراض مت کرو

اے عزیزو! تم تھوڑے دنوں کے لئے دنیا میں آئے ہو اور وہ بھی بہت کچھ گذر چکی۔ سو اپنے مولیٰ کو ناراض مت کرو۔ ایک انسانی گورنمنٹ جو تم سے زبردست ہو اگر تم سے ناراض ہو تو وہ تمہیں تباہ کر سکتی ہے۔ پس تم سوچ لو کہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے کیونکر بچ سکتے ہو۔ اگر تم خدا کی آنکھوں کے آگے متقی ٹھہر جاؤ تو تمہیں کوئی بھی تباہ نہیں کر سکتا اور وہ خود تمہاری حفاظت کریگا۔ اور دشمن جو تمہاری جان کے درپے ہے تم پر قابو نہیں پائے گا۔ ورنہ تمہاری جان کا کوئی حافظ نہیں۔ اور تم دشمنوں سے ڈر کر یا آفات میں مبتلا ہو کر بیقراری سے زندگی بسر کرو گے اور تمہاری عمر کے آخری دن بڑے غم اور غصہ کے ساتھ گذریں گے۔ خدا ان لوگوں کی پناہ ہو جاتا ہے جو اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ سو خدا کی طرف آجاؤ اور ہر ایک مخالفت اسکی چھوڑ دو اور اس کے فرائض میں سستی مت کرو اور اس کے بندوں پر زبان سے یا ہاتھ سے ظلم مت کرو اور آسمانی قہر اور غضب سے ڈرتے رہو کہ یہی راہ نجات ہے۔ (کشتی نوح)

اہلاً وسہلاً ومرحبا

سالانہ دینی تربیتی کلاس ۸۳ء ۳۰ جولائی تا ۱۲۔ اگست ۱۹۸۳ء
دارالسلام لاہور

جملہ طلبہ و طالبات احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اس دینی کلاس میں شمولیت فرما کر قرآن مجید، احادیث نبویہؐ اور حضرت مجدد زمان کے علم الکلام سے مستفید ہوں۔ طلبہ کے علاوہ جماعت کے دوسرے افراد میں سے بھی جو احباب وقت نکال سکتے ہوں ان کو بھی شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔

شامل ہونے والے طلبہ اپنے اسماء سے ۲۰ جولائی تک مرکزی دفتر انجمن کو مطلع فرما دیں اور شمولیت کرنیوالے طلبہ چارپائیاں، قلم اور موسم کے مطابق بستر ہمراہ لائیں کلاس میں باقاعدہ شمولیت کرنیوالوں کے لئے قیام و طعام کا انتظام انجمن احمدیہ کے ذمہ ہوگا۔ انشاءاللہ!

براہ کرم صدر و سیکرٹری صاحبان اپنے اپنے حلقہ میں سے زیادہ سے زیادہ طلبہ لاہور اس کلاس میں بھجوائیں۔ اور ہر جماعت کی نمائندگی از حد ضروری ہے۔

واللہ معکم۔ جزاکم اللہ احسن الجزا۔

نوٹ:۔ طلبہ ۲۹ کا جمعہ دارالسلام میں ادا فرمادیں۔ تدریسی پروگرام ۳۰ کو علی الصبح شروع ہوگا۔

مرزا محمد لطیف شاہد؛ منتظم دینی تربیتی کلاس۔ دارالسلام۔ لاہور

پروفیسر مرزا حبیب الرحمٰن، لاہور

(قسط ۲)

معاشرے کی برائیاں اور ان کا علاج

ان جملہ برائیوں۔ بدعنوانیوں اور ذلیل حرکات کو بندہ نے پہلی قسط میں بیان کر دیا تھا اب ان کا مداوا عرض کرتا ہوں۔ اگر قوم اور حکومت معاشرہ کی اصلاح چاہتی ہیں تو جو علاج بتلایا جائیگا اس پر عمل درآمد کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے۔ کوئی نئی بات، کوئی نیا مژدہ نہیں ہے جو قارئین کرام کے گوش گذار کروں گا۔ محض اپنی بیماریوں کے دور کرنیکا نسخہ بطور یاددہانی منظرِ عام پر لاؤں گا تاکہ اس نسخہ کو ہم اپنی زندگی کا حصہ بنا کر مستعدی سے اس پر عمل پیرا ہوں۔

سب سے پہلے نظامِ مصطفٰے کے اجراء کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانی چاہتا ہوں۔ جب تک اسلامی نظام زور شور سے جاری نہیں کیا جاتا ملک و قوم کی اصلاح ناممکن ہے۔ ہم میدانِ سیاست میں حصولِ جمہوریت کے گیت گاتے ہیں لیکن محض جمہوریت یا انتخابات، اخلاقی، معاشرتی، ثقافتی اور سیاسی مسائل کا صحیح طور پر حل نہیں پیش کر سکتے۔ تمام الجھنوں، تمام فتنوں، تمام بحرانوں کا علاج قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہم قرآن مجید کو پڑھتے ہیں لیکن احکام خداوندی پر عمل پیرا ہونا نہیں چاہتے۔ اگر آج عرب و عجم کے مسلمان احکام باری تعالٰے کو اپنی زندگیوں کا شعار بنا لیتے تو اس طرح نہ اسرائیلیوں کے تشدد آمیز حملوں سے، نہ بھارت کی مرعوب کن دھمکیوں سے، نہ سُپر طاقتوں کی خفگیوں سے گھبرا کر دلوں کو شکست خوردہ کر لیتے۔ بلکہ اپنے رعب، اپنے اقتدار اور اپنی حاکمیت کے بل بوتے پر اور خدائے لم یزل کی غیبی امداد کے حصول پر کامران و شادمان ہو کر مسرت آمیز روحانی زندگی بسر کرتے اور حکومت چلاتے رہتے۔

قرآن شریف میں جملہ مسلمانوں کو چار ضروری احکام کی تلقین کی گئی ہے کہ جن کی ادائیگی کے بغیر مسلمان حقیقی مومن نہیں بن سکتا۔ حج، روزہ، زکوٰۃ اور نماز —— یہ چار دین اسلام کے بنیادی اصول اور اس کی عمارت کے مسلمہ ستون ہیں۔

حج ان پر فرض ہے جو استطاعت رکھتے ہوں۔ نیز زادِ راہ لے جانے کے قابل ہوں۔ مگر سب مسلمانوں پر لازم نہیں۔ روزہ نبی کریم صلعم کے جملہ پیروؤں پر فرض ہے لیکن جو بیمار ہوں یا بڑھاپے کیوجہ سے معذور ہوں وہ فدیہ دے سکتے ہیں یا دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر ماہ رمضان شریف کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ زکوٰۃ قریب قریب ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ہر غریب و مسکین۔ یتیم۔ بے روزگار کی مالی امداد کرنا اسلام کا اہم فریضہ ہے۔ مستقل طور پر زکوٰۃ دینے والے تنگیٔ رزق کا شکار نہیں ہوتے۔ بلکہ اکثر اوقات خداوند تعالٰی مخیر کو غنی کر دیتا ہے۔

نماز کا محض پڑھنا نہیں بلکہ اسے قائم کرنا ازبس ضروری فریضہ ہے ہم کو پانچ وقت نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اٹل۔ ناقابل بدل امر ہے۔ ان نمازوں کو (سوائے ان مؤمنوں کے جو نماز تہجد پڑھنے کے عادی ہیں) ہم لوگ محض ڈرل کی صورت میں ادا کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ نہ تضرع ہے نہ خشوع و خضوع سے نماز پڑھتے ہیں۔ خداوند کریم قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ نماز ہر بدی اور ہر بے حیائی سے روکتی ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن بدی کرنے سے نہیں رُکتے۔ لہٰذا ہماری نمازیں محض دل خوش کن پریڈ ہے۔ اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اسی وجہ سے خدائے بزرگ کی رضا و خوشنودی ہمیں نہیں میسر آتیں۔ ہاں یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ ہر نیکی سے محبت اور ہر بدی سے نفرت نماز تہجد پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم ہر روز رات کے دو بجے اٹھ کر نماز تہجد ادا کریں اور سجدوں میں بڑی عاجزی انکساری سے اپنے روزمرہ کے گناہوں کی داگر ہو سکے تو زار و قطار رو کر معافی مانگیں تو ہمارے اندر خوفِ خدا پیدا ہو گا۔ ہم برائی سے گریز کرتے ہوئے اپنے اندر اعلیٰ اخلاقی و روحانی صفات پیدا کرتے چلے جائیں گے۔ یاد رہے کہ اوصافِ حمیدہ اور اعلےٰ اخلاق صرف اور صرف نماز تہجد پڑھنے سے ہی انسان کے اندر صحیح طور پر جنم لیتے ہیں خشوع و خضوع سے نماز تہجد پڑھنے والا انسان نہ کسی بھارتی حکمران یا اسرائیلی شیطان یا کسی بڑی طاقت کے سربراہ سے ڈرتا ہے بلکہ اس کے اندر شجاعت۔ دلیری۔ ہمت اور بے خوفی کا ایسا سکہ بیٹھ جاتا ہے کہ کسی جابر اور سفاک حاکم کے آگے بے دھڑک انداز سے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے سے قطعی نہیں گھبراتا۔ ذرہ بھر لغزش یا لرزہ اس کے اندر پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں؟ —— اس لئے کہ تہجد کی نمازوں کو صحیح انداز سے پڑھنے کیوجہ سے اس کے اندر ایسا روحانی اور فولادی دل پیدا ہو جاتا ہے کہ سوائے باری تعالےٰ کے وہ کسی خونخوار سے خونخوار ستم گر سے نہیں ڈرتا۔ قوم ہو یا فرد ان کے بچاؤ اور ان کی حفاظت کے لئے آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

اگر آج عرب و عجم کے مسلمان غیر مسلم حاکموں سے دوستی پیدا کرنے کی بجائے خدائے عزوجل سے مستقل دوستی پیدا کر لیں۔ نیز اپنی روحانیت میں مسلسل ترقی کرتے ہوئے محبتِ الٰہی کے مظہر بن جائیں تو وہ فرنگیوں۔ کمیونسٹوں اور بھارتی حکمرانوں کو زیر و زبر کر سکتے ہیں۔ ان کو مرعوب کر سکتے ہیں۔ لہٰذا عمل کی اشد ضرورت ہے نہایت ذلیل ہو کر ہمیں اپنے متمرد سروں کو آستانۂ خداوندی کے آگے گرا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی مستقل عادت ڈالی چاہیئے۔ رو رو کر مالک یوم الدین کی رحمت اس کے برکات۔ اس کے فیوض اور خوشنودی کے حصول کے لئے تڑپ پیدا کرنی چاہیئے۔ ہمارے لئے یہ عبادت باعثِ افتخار قربانی ہوگی جس کے نتیجے میں فتح و کامرانی ہمارے پاؤں چومے گی۔ نیز ہم برائیوں سے مبرا ہو کر پاکیزہ روح اور مصفیٰ دل سے زندگی بسر کریں گے۔ نہ سرجری کے آپریشن۔ نہ دل کے فیل ہونے کا

(بقیہ صد۱۲ پر)

قُلْ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

خطبۂ عید الفطر فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۱۲؍ جولائی ۱۹۸۳ء بمقام جامع مسجد دار السلام، لاہور

قُل للہ المشرق والمغرب ط یھدی من یّشآء الیٰ صراطٍ مستقیم ۝ وکذٰلک جعلنٰکم اُمّۃً وّسطًا لّتکونوا شھدآء علی النّاس ویکون الرسول علیکم شھیدًا ط (البقرۃ۔ آیات ۱۴۲ و ۱۴۳)

ترجمہ: "کہہ مشرق اور مغرب اللہ کے ہی ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلیٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے پیشرو بنو اور رسول تمہارا پیشرو ہو۔"

آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رمضان المبارک کا مجاہدہ ختم ہو گیا۔ مگر دو جہاد ہیں جو ہمیشہ جاری ہیں۔ اول تو اپنے نفس کے اندر بُری تحریکات کے خلاف۔ دوئم باہر دنیا میں باطل کے خلاف۔ انسان کے نفس کے اندر نیک تحریکات پیدا کرنے والا فرشتہ ہوتا ہے۔ اور بدی کا محرک شیطان ہوتا ہے جس کے ورغلانے میں آن کر انسان کے جذبات اور خواہشات حدود اللہ کو توڑ کر اُسے اخلاقی اور روحانی تنزل کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایسے جذبات اور خواہشات کو قرآن کریم نے ھوٰی کا نام دیا ہے اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جاھدوا اھوآءکم کما تجاھدون اعداءکم یعنے اپنی گری ہوئی خواہشات کے خلاف اسی طرح جہاد کرو جس طرح تم اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے ہو۔ اب ظاہر ہے کہ خواہشاتِ نفسانی جو انسان کو نیچے کی طرف لے کر جاتی ہیں اُن سے تلوار لے کر جہاد نہیں کیا جاتا بلکہ جد و جہد کر کے جو جہاد کے لغوی معنی ہیں۔ یہی تقویٰ ہے جسے سکھانے یا آسان کرنے کے لئے رمضان المبارک کا مجاہدہ ہے۔ یہ جہاد رمضان المبارک کے ختم ہونے پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ سارا سال جاری رہتا ہے۔ روزہ کے مجاہدہ سے حیوانی جذبات اور خواہشات جو انسان کا جسم حیوانی ہونے کی وجہ سے اس میں سے پیدا ہوتی ہیں انہیں قابو میں لانے اور سدھانے میں آسانی ہوتی ہے جس طرح سرکس میں حیوانوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر اپنا فرمانبردار بنایا جاتا ہے۔ جب آپ نے پورا ایک مہینہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے حلال چیزوں کو چھوڑے رکھا تو اب حرام چیزوں کو کر ناکس طرح آپ اپنے لئے جائز کر سکتے ہیں؟

الغرض اس مجاہدہ سے انسان کی باطنی اصلاح ہوتی ہے۔ مجھے یاد آیا کہ کراچی میں مَیں تھا۔ حضرت امیر مرحوم (مولانا محمد علی صاحب) میرے غریب خانہ پر فروکش تھے اور دل کی بیماری کے حملہ کی وجہ سے (عید الفطر جو آئی ہم) تو جماعت کراچی کو خطبہ نہیں دے سکتے تھے اور نہ نماز پڑھا سکتے تھے۔ بمشکل ڈاکٹر صاحب نے اجازت دی کہ آرام کرسی پر بٹھا کر انہیں میری کوٹھی کے لان پر لے جائیں جہاں احباب جماعت جمع ہو گئے تھے تاکہ عید کی نماز بھی کھلی جگہ میں آسانی سے پڑھ سکیں اور حضرت موصوف کی زیارت بھی کر لیں۔ خطبہ اور نماز کی امامت کے فرائض میرے سپرد ہوئے۔ میں نے خطبہ تقریباً اسی موضوع پر دیا جو میں ابھی عرض کر چکا ہوں۔ تو حضرت موصوف نے اشارے سے مائیکروفون اپنے پاس منگایا۔ اور اپنی کانپتی ہوئی نحیف آواز میں صرف چند لفظ فرمائے۔ مگر وہ لفظ اس قابل ہیں کہ سنہری حروف سے لکھے جائیں۔ اور تمام جماعت کے علم میں آ جائیں۔ حضرت موصوف نے فرمایا:

"تم وہ جماعت ہو جو دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑے کئے گئے ہو۔ مگر تم وہ اصلاح کا کام نہیں کر سکتے جب تک پہلے تم اپنی اصلاح نہ کر لو۔"

یہی تقویٰ ہے جس میں کامیاب ہونے کے لئے ہمیں سارا وقت اپنی باطنی اصلاح میں لگے رہنا چاہیئے۔ قرآن کریم فرماتا ہے بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ ۝ ولو القٰی معاذیرہ ۝ (القیٰمۃ۔ آیات ۱۴۔۱۵) اس سے قبل کی آیات میں قیامت کے روز انسان نے جو آگے بھیجا تھا یا پیچھے چھوڑا اس کے خبر دیئے جانے کی تنبیہہ کے بعد فرمایا وہ بلکہ انسان کو اسی دنیا میں ہم نے بصیرت کی روشنی دی تھی جس سے وہ اپنے قلب کی آنکھ سے دیکھ سکتا تھا کہ اس کے نفس کی حالت کیا ہے اگرچہ وہ دنیا میں عذر کرتا رہا۔" (میں نے ترجمہ کرتے ہوئے ساتھ تفسیر کرنے کے لئے کچھ لفظ بڑھائے ہیں)۔ اس لئے اسی دنیاوی زندگی میں انسان اپنے قلب کی آنکھ سے اپنی باطنی حالت کو بخوبی دیکھ سکتا ہے اگرچہ اس کا تکبر نفس اس کا اقرار کرنے میں مانع ہو، اور وہ عذر بہانے کر کے لوگوں کو یا اپنے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر جو ایسا کرتا ہے وہ اپنا ہی قیمتی وقت کھوتا ہے جو اس کو ملا ہے جس میں وہ اپنی اصلاح کر سکتا ہے پہلے اس سے کہ موت آ کر وہ زرّیں موقعہ اس سے چھین لے۔

تو اپنی باطنی اصلاح صرف اپنی دنیا کی زندگی سکھی رکھنے کے لئے ہی ضروری نہیں بلکہ آخرت کی ابدی زندگی کے لئے اور بھی ضروری ہے۔

اور ہماری جماعت کے مرد و زن کے لئے تو ایک خاص ضرورت اس کی ہے کہ اس جماعت کو دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا کیا گیا ہے اور وہ کرنے کے لئے پہلے اپنی اصلاح کی ضرورت ہے۔ غور فرمائیں کہ تمام انبیاء اور مجددین اور مصلحین مجاہدات کر کے پہلے اپنی اصلاح کرتے تھے تبھی وہ دوسروں کی اصلاح کے قابل بنتے تھے اور اس کے لئے مامور ہو کر اسے کامیابی سے نبھاتے تھے۔

مگر کیا یہ جماعت واقعی دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑی کی گئی ہے؟ جب حضرت امیر مرحوم و مغفور نے یہ فرمایا تو مجھے اس کے مفہوم کا کماحقہٗ علم نہ تھا۔ اب میں قرآن شریف کو دیکھتا ہوں تو مجھے اس کے حرف بحرف صحیح ہونے کے لاتعداد شواہد ملتے ہیں۔ وقت کی قلت کے باعث صرف چند شہادتوں کا ذکر کر دوں گا۔ ذرہ ان آیات پر غور فرمائیں جن سے میں نے یہ خطبہ شروع کیا تھا۔ وہاں فرمایا ہے کہ یہ اعلان کر دو کہ چونکہ مشرق اور مغرب دونوں اللہ کے ہیں اس لئے ان دونوں میں وہ جسے چاہے گا سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کریگا۔ اور اسی مقصد کے لئے ہم (یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ) نے تمہیں ایک اعلیٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے پیشرو بنو اور رسول تمہارا پیشرو بنے۔ قرآن کریم بھی کیا کتاب ہے! اس چند الفاظ کی پیشگوئی میں کیا اسلام کی تاریخ کو سمو دیا ہے اور اس عالمگیر پیشگوئی کے پورا ہونے کے سامان کا کیا علم دیا ہے! میرا دل چاہتا ہے کہ قرآن حکیم کے ایک ایک لفظ کو چوموں اور اپنی آنکھوں سے لگاؤں۔

اس آیت مبارکہ کے اول مخاطب تو صحابہ رضؓ تھے۔ حضور رسول اللہ صلعم نے کیا بے نظیر ان کی پیشروی کی کہ ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں اس گری ہوئی حیوانیت سے بدتر قوم کو اٹھا کر نہ صرف انسان بنایا بلکہ اولیاء اللہ بنایا جسے اسی دنیا میں رضی اللہ عنہم کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔ دنیا کا سب سے مشکل کام انسانوں کی اصلاح کرنا ہے۔ ذرہ آپ خود کر کے دیکھ لیجئے۔ بیوی بچے جو آپ کے دست نگراں ہیں اور ماتحت ہیں ذرہ انہی کی اصلاح کر کے دیکھ لیجئے۔ کیوں ساری دنیا اپنی بیویوں اور اولاد کا رونا روتی پھر رہی ہے؟ کہ ان کی کوئی نہیں مانتا۔ مگر رسول اللہ صلعم نے اپنے ماتحت اور دست نگراں قوم کی نہیں بلکہ اپنی دشمن قوم کی اصلاح کو ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں کر ڈالی اور انہیں بدترین مقام سے بہترین مقام پر لا کھڑا کیا۔ کس طرح؟ قرآن پاک کے ذریعہ اور اس پر اپنے مکمل عمل کے نمونہ کے ذریعہ۔ قرآن پاک با ترجمہ نہ ہم خود پڑھنے کے لئے وقت پاتے ہیں نہ اس پر عمل جو کرنے کا حق ہے وہ کرتے ہیں۔ تو اولاد کو مولوی صاحب سے پڑھوا دینے سے کیا بنتا ہے؟ پھر خطبۂ جمعہ میں قرآن پڑھا اور سمجھایا جاتا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جن کی بیویاں آتی ہیں؟ اور اولاد کا تو کچھ پوچھئے ہی نہیں۔ ماں باپ دونوں عذر پیش کرتے ہیں کہ وہ (یعنی اولاد) ان کے کہنے میں نہیں۔ آپ انہیں بچپن سے جب وہ آپ کی بات سنتے سمجھتے نہ لاتے کہ ان کے کھیل کود یا دنیاوی پڑھائی یا آرام میں خلل نہ آتے تو بڑے ہو کر وہ آپ کے لانے کی کوشش کی کب پرواہ کریں گے۔ اور خود اپنا کیا حال ہے؟ یہاں مرکزی مسجد میں ہفتہ میں صرف ایک دفعہ درس قرآن ہوتا ہے ایک دفعہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ لوگوں پر بوجھل نہ ہو۔ مگر کتنے میاں بیوی خود آتے ہیں؟ ان کے بچوں نے کیا آنا ہے؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن پر ہمارا کماحقہٗ عمل نہیں۔ تو نہ تو قرآن پڑھنے پڑھانے کا اثر ہو سکتا ہے اور نہ ہمارے اپنی اولاد کو نصیحت کا۔ «چوں وعظ بےعملاں خود اثر کجا باشد»

تو رسول اللہ صلعم کی بے نظیر کامیابی کا راز نہ صرف قرآن کریم جیسی بے نظیر کتاب کو صحابہ کی گھٹی میں ڈالنا تھا بلکہ اس پر خود مکمل عمل کر کے اپنے نمونہ سے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرنا تھا۔ تو جس کام کے لئے حضورؐ نے اپنی اس پیشروی کو بوجہ کمال پورا کیا یعنے یہ کہ حضورؐ کے صحابہ پھر دنیا کی پیشروی کریں اس کام کو صحابہ رضؓ نے کس خوبی سے ادا کیا۔ اللہ تعالےٰ کے سرٹیفکیٹ رضی اللہ عنہم کے علاوہ خود استاد یعنے رسول اللہ صلعم نے کیا سرٹیفکیٹ دیا؟ اصحابی کالنجوم فبایّھم اقتدیتم اھتدیتم "میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں تو ان میں سے کسی کی بھی پیروی کرو گے تو ہدایت پاؤ گے"۔ عرب لوگ دن کو صحرا کی سخت گرمی کے باعث رات کی ٹھنڈک میں سفر کیا کرتے تھے۔ صحرا میں ویسے بھی سڑکیں نہ ہوتی تھیں، تو رات کو تو بالکل انسان منزلِ مقصود کی طرف صحیح طور پر جا نہ سکتا تھا جب تک کہ ستاروں کی راہ نمائی سے فائدہ نہ اٹھاتے۔ تو رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں جو دنیا بھر میں باطنی تاریکی چھائی ہوئی تھی (جس کا اعتراف عیسائی مورخین نے بھی کیا ہے) اس میں صحابہؓ نے ستاروں کا کام کیا۔ وہ اس باطنی روشنی سے منور تھے جو قرآن پاک اور رسول اللہ صلعم نے ان میں پیدا کی۔

پھر صحابہ رضؓ نے بھی لوگوں کی پیشروی کا کام کس کمال سے کیا۔ ان دنوں میں آباد اور متمدن دنیا مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ اور مشرق بعید میں تھی۔ یورپ اور امریکہ ان دنوں نیم جنگلی مگر سادہ لوگوں کا علاقہ تھا۔ جو لوگ بگڑتے ہیں وہ وہی ہوتے ہیں جو انسانی تہذیب و تمدن کے تنزّل اور انحطاط کی وجہ سے بگڑتے ہیں۔ اور وہ لوگ انہی علاقوں میں تھے جن میں صحابہ رضؓ ان کی اصلاح کے لئے پھیل گئے۔ اور جہاں گئے اسلام کے نور سے لوگوں کو منور کر دیا۔ تلوار سے ہرگز ہرگز نہیں۔ اگر انہیں تلوار چلانی پڑی تو صرف اپنے دفاع میں۔ اس بارے میں سنگین غلط فہمی عیسائی پادریوں اور عیسائی مستشرقین نے اس قدر پھیلائی ہے کہ خود مسلمانوں کے دل و دماغ میں رچ گئی ہے۔ صحابہ رضؓ کی تبلیغ بھی انہی دو طریقوں سے تھی جن دو طریقوں سے حضور سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلعم نے ان کی خود اصلاح کی تھی یعنے قرآن اور اس

پر مکمل عمل کر کے اپنا اعلیٰ نمونہ جو دشمنوں تک کے دلوں کو کھا جاتا تھا۔ ملک شام میں ایک شہر کو عیسائی فوجوں کے حملہ کی وجہ سے مسلمانوں کو چھوڑنا پڑا تو اس شہر کے عیسائی باشندے، پادری اور راہب مسلمان فوج کو شہر سے باہر تک خدا حافظ کہنے آئے اور وہ روتے تھے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں کرتے تھے کہ خدا انہیں واپس لائے۔ اس واقعہ کو بدیں الفاظ سر ولیم میور جیسے معترض مورخ نے لکھا ہے اگر مسلمانوں نے غیروں کو تلوار چلا کر اسلام لانے پر مجبور کیا ہوتا تو یہ عیسائی رعایا ان کے ماتحت ہو کر کس طرح بچی؟ اور وہ عیسائی محکوم کیوں رو رو کر، اور ہاتھ اٹھا، اٹھا کر دعائیں کرتے تھے کہ خدا مسلمانوں کو واپس لائے؟ جو فوج داخل ہو رہی تھی وہ عیسائی تھی! مگر وہ اپنے عیسائی فوجیوں کی لوٹ مار اور بدکرداری کا مقابلہ ان "فرشتوں" سے کرتے تھے جو مسلمان فوج کی شکل میں اپنے حسنِ اخلاق اور مذہبی رواداری کی وجہ سے ان کا دل موہ چکے تھے۔ مسلمان فوج کو "فرشتوں" کا خطاب بھی عیسائی عورتوں نے دیا تھا جب وہ دمشق کے بازاروں کی چھتوں پر بن ٹھن کر بیٹھیں اور کہا کہ اگر ہماری عیسائی فوج مسلمانوں کو قابو میں نہ لا سکی تو ہم ان کو اپنے (مشہور عالم) حسن اور عشوہ و ادا سے مغلوب کر کے دکھائیں گے مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے جو فوج کے آگے آگے تھے جب یہ بازار حسن لگا دیکھا تو انہوں نے للکار کر اپنی فوج کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ "قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم" (سورۃ النور ۲۴ – ۳۰) "مومنوں کو کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں"۔ تو ساری فوج اس بازارِ حسن میں سے گذر گئی اور کسی نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ تو وہ عورتیں بے اختیار بول اٹھیں کہ یہ انسان نہیں فرشتے تھے۔

الغرض صحابہ رضؓ اس وقت کی شہری آبادیوں کی جو تہذیب و تمدن کے گہوارے رہ چکی تھیں اور اب ان تہذیبوں اور تمدنوں کے زوال کی وجہ سے اخلاقی طور پر سخت بگڑ چکی تھیں۔ ان کی اصلاح کے لئے تمام مشرقِ وسطیٰ، شمالی افریقہ اور مشرق بعید میں دور، دور تک قرآن پاک اور اپنے اعلےٰ نمونہ کو لے کر چلے گئے۔ یہاں تک کہ چین جو اس وقت اپنی دوری کی وجہ سے ضرب المثل عربوں میں تھا وہاں بھی پہلی مسجد شنگھائی میں حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں بنی۔

الغرض مشرق میں اشاعتِ اسلام کا حق صحابہ رضؓ نے بخوبی ادا کیا۔ مگر یورپ اور امریکہ جو نیم وحشی حالت میں تھے اور نسبتاً اخلاقی برائیوں میں اتنا ملوث نہیں تھے وہ رہ گئے۔ بہت بعد میں جب بنو امیہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے سپین کو فتح کیا تو وہاں اشاعتِ اسلام جو کہ صحابہ رضؓ کا شیوہ تھا نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود آٹھ سو سال کی حکومت کرنے کے وہاں سے نکالے گئے۔ سوچیں کہ آٹھ سو سال عیسائی رعایا مسلمانوں کی تلوار سے مغلوب ہو کر ان کے ماتحت رہی اور پھر بھی ساری کی ساری عیسائی ہی رہی! کیا یہ تلوار سے مسلمان کرنے والوں کا طریق ہے۔

تو اب میں پھر آج کے خطبہ کی آیات کیطرف توجہ دلاتا ہوں کہ قرآن کریم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ مشرق اور مغرب دونوں اللہ کے ہیں اور وہ دونوں میں جسے چاہے گا صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرے گا۔ مشرق کے بارہ میں وہ فرمان الٰہی ایسا پورا ہوا کہ اس نے مشرق کی کایا پلٹ دی۔ مگر مغرب میں تو اسلام نہ گیا! مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی بات کبھی پوری ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مغرب کے بارہ میں قرآن کریم میں ہی مختلف جگہوں پر پیشگوئیاں ہیں کہ وہاں کے باشندے (یاجوج و ماجوج) ساری دنیا پر غالب آئیں گے اور اپنی عالمگیر سلطنت کو دوام بخشنے کے لئے وہ ماتحت رعایا کو عیسائی کرنے کی سر توڑ کوشش کریں گے اور اس کے دوران وہ کیا کریں گے؟ یہ قرآن عجیب و غریب کے اپنے الفاظ میں سنیئے۔

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متمّ نورہٖ ولو کرہ الکٰفرون ○ ھو الّذی ارسل رسولہٗ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلّہٖ ولو کرہ المشرکون ○ (سورۃ الصف ۶۱ - آیات ۸ تا ۹)

جس میں کیسی صاف پیشگوئی فرمائی کہ یہ عیسائی ارادہ کریں گے کہ اللہ کے نور (اسلام) کو اپنے مونہوں کی پھونکوں (یعنے اعتراضات) سے بجھا دیں مگر اللہ تعالیٰ تو اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا اگرچہ یہ کافر (انکار کرنے والے یا ناشکرے) کتنا ہی ناپسند کریں۔ پھر فرمایا کہ وہی تو (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہدایت اور سچے دین کے ساتھ (جو دونوں دنیا سے کھوئے جا چکے تھے) تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ دوسرے دینوں والے جن میں شرک رچ گیا ہوگا اسلام کی خالص توحید کو کتنا ہی ناپسند کریں۔ اب عیسائیت کا اعتراضات کے ساتھ حملہ تاکہ اسلام کو مٹا دے آکر ۱۹ ویں صدی عیسوی میں ہوا۔ اسی لئے مفسرین نے لکھا کہ یہ حملہ اور اس کا منہ توڑ جواب اور اسلام کا دوسرے دینوں پر غالب آنا مسیحِ موعود کے ذریعہ سے ہونا مقدر ہے۔ (التفسیر الکبیر مصنفہ حضرت امام فخرالدین رازی)۔ اس کی تائید رسول اللہ صلعم کی مشہور حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضورؐ نے مسیح موعود کے کسرِ صلیب کرنے کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ خود قرآن حکیم اسی سورۃ الصف کے رکوع میں مومنوں کو جو اس عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ ہوگا اس میں اپنے مالوں اور نفسوں (تبلیغِ اسلام کے لئے زندگیاں وقف کرنے) کے جہاد کی ترغیب دیکر قرآن فرماتا ہے کہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اسی طرح اللہ کے انصار (مددگار) بنو جس طرح جب عیسیٰ ابنِ مریم نے حواریوں سے کہا کہ کون ہے میرے لئے اللہ کے انصار تو حواریوں نے کہا ہم ہیں انصار اللہ" (الصف ۶۱ - ۱۴)۔ اب حواریوں نے تلوار سے جہاد نہیں کیا بلکہ تبلیغ کے ذریعہ۔ تو فرمایا کہ مسیح موعود بھی من انصاری الی اللہ کی پکار دے گا تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس کا ساتھ دیں۔ چنانچہ یہی پکار حضرت مسیح موعود نے دی اور جن لوگوں نے لبیک کہا ان کی جماعت بنائی تاکہ وہ

حضرت اقدس کے بعد حفاظتِ اسلام اور اشاعت اسلام کو جاری رکھیں۔ اور حضرت اقدس نے خاص طور پر عیسائی اقوام میں اسلام کے نور کو پہنچانے پر زور دیا کیوں کہ بقول ان کے ؎

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابنِ مریم نام من بنہادہ اند

بدقسمتی سے جس طرح اصل مسیح ابن مریم کی ماننے والوں نے انہیں نبی سے بڑھا کر خدا بنا دیا، مسیح موعود کے ماننے والوں کی اکثریت (جماعت قادیان حال ربوہ) نے انہیں مجدد سے بڑھا کر نبی بنا دیا۔ اس لئے صرف آپ کی جماعت احمدیہ لاہور ہے جو حضرت اقدس کے صحیح عقائد اور صحیح مسلک کی حامل ہے اور اس لئے صحیح معنوں میں یہی جماعت حضرت مسیح موعود کی جماعت اَب ہے۔

سورۃ الصف جس میں مسیح موعود کی جماعت بندی کا ذکر ہے اس سے اگلی سورت الجمعۃ کی ابتدائی آیات میں ہی اس حیرت انگیز تزکیہ کا ذکر ہے جو رسول پاک صلعم نے اپنے صحابہ کا کیا۔ اس ذکر کے بعد قرآن فرماتا ہے و آخرین منھم لما یلحقوا بھم یعنے رسول اللہ صلعم کے تزکیہ کا فیض ایک اور گروہ کو بھی ملے گا جو ابھی ان (صحابہ) سے نہیں ملے۔ تو بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضور پر سورۃ جمعہ نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلعم سے سوال کیا کہ یہ آخرین منھم کون لوگ ہوں گے تو حضور خاموش رہے یہاں تک کہ میں نے اس سوال کو تین دفعہ دہرایا تو حضورؐ نے اپنا ہاتھ سلمان فارسی کے کندھے پر رکھا اور فرمایا کہ اگر ایمان ثریا ستارہ پر بھی چلا جائے گا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص یقیناً اُسے پا لے گا۔ مسیح موعود جس کی جماعت کا سورۃ الصف کی آخری آیات میں ذکر ہے یہ اسی جماعت کا ذکر ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود فارسی النسل تھے اور آپ کو ہی الہاماً بتایا گیا کہ کل برکۃ من محمد صلے اللہ علیہ وسلم فتبارک من علم و تعلم یعنے ہر ایک برکت جو تجھے دی گئی ہے وہ محمد صلعم سے ہے سو بابرکت ہے وہ جس نے سکھایا یا علم دیا اور بابرکت ہے وہ جس نے علم پایا۔ رسول اللہ صلعم کے تزکیہ کے اس فیض کی برکت سے ہی جن لوگوں نے حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کی ان کو فی زمانہ ایسا تقویٰ و طہارت نصیب ہوا کہ علامہ سر محمد اقبال نے اپنی علی گڑھ کی تقریر میں کہا کہ اگر ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا اس زمانہ میں نمونہ دیکھنا ہو تو وہ قادیان میں ہے۔ اور احمدیوں کی حق گوئی اور تقوی اللہ یہاں تک تھا کہ ایک باپ نے جو واحد گواہ تھا اپنے بیٹے کے قتل کرنے کا، اپنے بیٹے کے خلاف عدالت میں گواہی سچی دے کر اس پر جرم کو ثابت کیا۔ جج اس باپ کی حیرت انگیز حق پرستی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے ملزم بیٹے کو پھانسی کی بجائے عمر قید کی سزا دیدی۔

رسول اللہ صلعم نے ایک زبردست پیشگوئی فرمائی تھی کہ آخری زمانہ میں سورج مغرب سے طلوع کریگا۔ لوگ ظاہر پرستی کرتے ہوئے اسے قرب قیامت کی نشانی سمجھتے تھے مگر حضرت مرزا صاحب نے اس کی تعبیر کی کہ سراج منیر کا لقب قرآن حکیم نے خود آنحضرت صلعم کو دیا ہے۔ اس لئے آخیر زمانہ میں سورج کے مغرب سے نکلنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ حضورؐ کے نور سے اہل مغرب مستفید ہونگے۔ چنانچہ اسلام کے نور کو مغرب میں پہنچانے والی جماعت آپ کی ہی ہے جس نے قرآن کریم کے مغربی زبانوں میں تراجم کر کے اور تبلیغ اسلام کے مغرب میں مشن قائم کر کے اسلام کے نور کو وہاں پہنچایا۔ اگر ووکنگ مشن نے انگلستان میں ہزار مرد و زن مسلمان کئے جو اعلیٰ ترین طبقہ کے لوگ تھے تو آپ کے انگریزی ترجمۃ القرآن کی بدولت اسلام امریکہ میں پھیلنا شروع ہوا ہے۔ اور لاکھوں بلالی مسلمان وہاں پیدا ہو چکے ہیں۔ مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ مغرب کا نقطہ نظر اسلام اور محمد صلعم کے بارہ میں بجائے معاندانہ اور معترضانہ ہونے کے اب دوستانہ اور تعریفانہ ہو گیا ہے جو اس انقلاب کا پیش خیمہ ہے جو مغرب میں اسلام کے متعلق انشاء اللہ پیدا ہو کر رہے گا۔ اور جس کی پیشگوئیوں سے قرآن کریم اور احادیث بھری پڑی ہیں۔ آج کے خطبہ کی ابتدائی آیت ہی زبردست پیشگوئی ہے کہ جس طرح اسلام پہلے مشرق میں گیا پھر مغرب میں جائے گا جیسے کہ سورج کی آسمانی روشنی بھی پہلے مشرق کو منور کرتی ہے تو پھر مغرب کو۔ تو اہلِ مغرب کی پیشروی کرنے کے لئے اپنے آپ کو اور اپنی اگلی نسل کو تیار کرو کہ وہ تقویٰ کا زندہ نمونہ ہیں۔ اس جماعت کے فرد ہونے کو خوش قسمتی سمجھو۔ ہم اس زمانہ میں کہ ساری دُنیا ہمیں بُرا بھلا کہتی ہے اگر اس جماعت سے چمٹے ہوئے ہیں تو اس زمانہ کے مامور کی اتباع میں فقط اللہ کے دین کی خدمت کے لئے۔ ایک حدیث نبوی سنا کر خطبہ ختم کرتا ہوں حضور صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ لوگ ہوں گے جو نہ تو نبی ہوں گے اور نہ شہید۔ مگر انبیاء اور شہدا ان پر رشک کریں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں نہ تو رشتہ داری کی خاطر اور نہ لین دین کے لئے بلکہ دین کی خاطر جمع ہوتے تھے۔ خدا کی قسم ان کے جسموں سے اور ان کے چہروں پر نور چمک رہا ہوگا اور اس دن نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی حزن۔

میری دُعا ہے کہ ارحم الراحمین ہماری جماعت کو اُن خوش نصیبوں میں سے بنائے۔ آمین!

ایک اور وفات:

بھیرہ سے موصول ہونیوالی یہ اطلاع بھی افسوس اور دُکھ کا موجب ہے کہ صوفی محمد رمضان صاحب ۲۴-۵-۸۴ کو ۱½ بجے بعد دوپہر مختصر بیماری کے بعد اپنے آبائی گھر بھیرہ میں وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ صوفی صاحب انجمن کے پُرانے کارکنوں میں سے تھے۔ دفتری کام جو ان کے سپرد تھا اُسے بڑی خوبی خاموشی اور تندہی سے انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر نصیب کرے۔ آمین

احباب سے گذارش ہے کہ نماز جنازہ غائبانہ پڑھ کر ان کے لئے دُعائے مغفرت کریں۔

از قلم مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن - (سبق نمبر ۴۰)

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ:۔ اور عورتوں کے لئے حقوق ہیں (مردوں پر) جیسے مردوں کے (عورتوں پر) حقوق ہیں۔ اور مردوں کو اُن پر ایک درجہ (یعنے ایک فضیلت ہے) (یہ آپس کے حقوق) پسندیدہ طور پر (یا عمدگی) سے ادا کئے جائیں۔ اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔ (البقرۃ ۲۔ آیت ۲۲۸)

اسلام میں عورت کی پوزیشن پر بحث پچھلے درس میں چل رہی تھی۔ اس موضوع پر سب میں اہم قرآنی آیت وہ ہے جو اوپر مندرج ہے اور جس پر میں آج بحث کروں گا۔ پچھلے درس میں عورتوں کے حقوق مردوں پر جو میں نے واضح کئے تھے وہ اتنے ہیں اور ایسے ہیں (اگرچہ میں نے ساروں کا ذکر نہ کیا تھا) کہ مرد اگر محسوس کریں کہ ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ عورت ہمیشہ مظلوم و محکوم رہی اور اس زمانہ کی مزعومہ عورتوں کی آزادی کے باوجود اہلِ مغرب میں بلکہ تمام غیر مسلم قوموں میں عورتوں کو آج بھی وہ حقوق (خصوصًا مال و دولت میں وراثت کے) نصیب نہیں جو قرآن کریم نے آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے انہیں دیئے تھے اور جو خود مسلمان مردوں نے بعض حد تک غصب کر لئے ہوئے تھے۔ اور مردوں کے خلاف آخری ڈگری وہ دی گئی ہے جو آج کی آیت میں مذکور ہے کہ عورتوں کے لئے مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے عورتوں پر ہیں۔ اس آزادیٔ نسواں کے چارٹر پر چاہیئے تو یہ تھا کہ عورتیں خوش ہوتیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ اور قرآن کریم کی مشکور و ممنون ہوتیں۔

مگر وائے ری انسان کی ناشکرگذاری! اس پر بھی عورتوں کو اعتراض ہے کہ اس برابر کے حقوق کی ڈگری میں یہ کیوں بڑھا دیا گیا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ یا ایک فضیلت ہے؟ اسکی اہم وجہ تو میں بعد میں عرض کروں گا۔ مگر بس خواتین سے اتنا پہلے عرض کر دوں گا کہ کیا کسی مذہب نے یہ برابر کے حقوق دیئے ہیں؟ برابر تو کیا انہوں نے عورت کو ذلیل سمجھا جیسا کہ میں بتا آیا ہوں کہ عیسائیت (اور بائیبل) میں آج بھی مذکور ہے۔ اور ہندو مذہب میں تو عورت ابھی بھی مرد کی ملکیت ہے۔ مگر میں نے کسی عیسائی عورت یا ہندو عورت کو نہیں سنا کہ انہوں نے اپنے مذہب پر یا اپنی مذہبی کتابوں پر اعتراض کیا ہو جیسا کہ مسلمان عورتیں کرتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی اس آزادی کا نتیجہ ہے جو اسلام نے عورت کو ۱۴۰۰ سال پہلے دی۔ مگر اس آزادی کا غلط استعمال کرنے سے بچنا چاہیئے۔ کوئی بات سمجھ نہ آئے تو بے شک پوچھیں اور سوال کریں۔ مگر اعتراض کرنا اور قرآن کے کسی حکم کو ناواجب قرار دینا بغیر تحقیق کئے یہ صحیح نہیں۔ میں اس کی مثال تو ایک بعد میں سناؤں گا۔ اس سے پہلے ایک واقعہ سُن لیجیئے عورت کی ہندو مذہب میں موجودہ پوزیشن کا۔ جس مذہب سے کہ ہم میں سے اکثر مشرف باسلام ہوئے ہیں۔

میں ناسک (بمبئی پریذیڈنسی) میں اسسٹنٹ کمشنر تھا۔ یہ واقعہ ۱۹۳۵ء کا ہے۔ مگر جہاں تک مجھے علم ہے اس پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی آج تک اور آ بھی کیسے سکتی ہے کیونکہ ہندو شاستر سینکڑوں سال پہلے منّو اور دوسرے ہندو بانیانِ مذہب نے لکھے۔ ان کو آج کون بدل سکتا ہے؟ تو ہوا یہ کہ میری عدالت میں ایک مرہٹہ ہندو عورت نے ضابطۂ فوجداری (کرمنل پروسیجر کوڈ) کے ماتحت (مجھے جہاں تک یاد ہے دفعہ ۴۸۸ تھی) یہ دعویٰ کیا کہ میرا خاوند نہ تو مجھے بساتا ہے اور نہ نان و نفقہ دیتا ہے اس لئے میری دادرسی کی جائے۔ میں نے خاوند سے پوچھا کہ کیا وہ عورت کو بسانے کو تیار ہے تو اس نے صاف انکار کیا۔ ہندو مذہب میں طلاق نہیں ہے۔ (اب کوئی ملکی قانون بن گیا ہو تو مجھے معلوم نہیں) اور اگر خاوند کو کوئی حق تھا بھی تو بھی وہ مرہٹہ مرد اس عورت کو نہ چھوڑنے پر راضی تھا نہ نان و نفقہ دینے پر۔ وہ بیچاری ۲۳، ۲۴ سال کی جوان عورت قابلِ رحم تھی کہ پہاڑ جیسی عمر اس کے آگے تھی اور نہ وہ کہیں اور شادی کر سکتی تھی نہ اس کے کوئی ذرائع آمدنی تھے۔ میں نے دفعہ متعلقہ کے ماتحت عورت کو نان و نفقہ ادا کر دینے کا حکم دیدیا۔ اسی شام میں کلب میں گیا تو وہاں مسٹر واسودیو نامی سیشن جج اور ان کی بیوی نظر پڑے۔ مسٹر واسودیو اپنی قانونی قابلیت کیوجہ سے بجا طور پر مشہور تھے اور وہ کچھ ماہ کے بعد بمبئی ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے جہاں کے کئے ہوئے ان کے فیصلے بطور سند پیش کئے جانے لگے۔ مسٹر اور مسز واسودیو دونوں نئے فیشن کے دلدادہ اور روشن خیال تھے۔ میں نے فخریہ مسٹر واسودیو کو سنایا کہ میں نے اُس دن ایک ہندو عورت کو کس طرح اس کا حق دلوایا۔ مگر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب مسٹر واسودیو غصہ میں لال پیلے ہو کر کہنے لگے کہ تمہیں کیا حق تھا کہ ہمارے مذہب میں دخل انداز ہوتے؟ میں نے انہی سے پہلی دفعہ سنا کہ ہندو مذہب میں عورت مرد کی مکمل ملکیت ہے اور مرد کو پورا حق ہے کہ وہ اس کے ساتھ جو چاہے کرے۔ گائے بھینس سے زیادہ اس کا کوئی حق نہیں۔ میں نے مسز واسودیو کی طرف دیکھا کہ ان کا کیا ردّ عمل ہے مگر وہ مجھے دیکھ کر مسکرا کر چپ ہو رہیں۔

مسٹر واسو دیو نے گرج کر کہا کہ اگر اس خاوند نے اُن کی عدالت میں میرے فیصلہ کے خلاف اپیل کی تو وہ یقیناً میرے فیصلہ کو برطرف کر دیں گے۔

اب میں وجہ عرض کرتا ہوں کہ قرآن حکیم نے مرد و عورت کو برابر، برابر کے حقوق ایک دوسرے پر دیکر یہ کیوں فرمایا کہ مرد کو ایک درجہ فضیلت ہے؟ نہایت معقول اور اہم وجہ ہے۔ اور وہ یہ کہ جب کہ میاں بیوی کے حقوق ایک دوسرے پر برابر کے ہیں تو اگر ان میں اختلاف رائے ہوگا تو کیا ہوگا؟ عام طور پر تو میاں بیوی میں روزانہ اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کسی دو انسانوں کی ایک جیسی صورت نہیں بنائی وہاں ایک جیسی طبیعت بھی نہیں بنائی۔ یہ اختلاف مردوں میں بھی ہے۔ مرد و عورت میں تو جنس کا اختلاف بھی ہے۔ عورت جذباتی ہوتی ہے۔ تبھی تو وہ اولاد کی پرورش جیسا مشکل کام یا میل ملاپ اور آپس میں تعلقات بڑھا سکتی ہے۔ مرد نے دنیا کے دھکے کھانے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ عملی ہوتا ہے۔ اس لئے میاں بیوی میں اختلاف رائے ہونا لازمی ہے۔ اسی لئے عورتوں سے حسن سلوک کے احکام قرآن میں بھی ہیں اور حضور سرور کائنات صلعم نے بھی ان پر زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ خیرکم خیرکم لاھلہ یعنے تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے بہترین سلوک کرتا ہے چنانچہ روزانہ کے اختلاف رائے میں میاں بیوی ایک دوسرے کی مان کر ہی گذارہ کر سکتے ہیں مگر کبھی ایسے بھی سوال اُٹھتے ہیں کہ دونوں اپنی اپنی بات پر اڑ بیٹھتے ہیں۔ تب کیا ہو کیونکہ دونوں کے حقوق تو اصولاً برابر، برابر ہیں؟ کیا فیصلہ کے لئے عدالتوں میں جائیں؟ کیا اماں ابا کو بلایا جائے؟ روزانہ کی زندگی میں ایسا ہو سکتا نہیں۔ حل یہی ہے کہ فریقین میں سے ایک کی بات مانی جائے۔ تو قرآن حکیم نے فرمایا کہ ایسی صورت میں مرد کی بات مانی جائے۔ اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر ایسے اختلافات میں پیسہ مہیا کرنے کا سوال ہوتا ہے۔ اور اس کی ذمہ داری مرد پر ہے جیسا کہ میں پچھلے درس میں بتا آیا ہوں۔ شادی بیاہ کے اور لین دین کے موقعوں پر عورتیں جذباتی ہونے کیوجہ سے اکثر اپنی چادر سے باہر پیر پھیلاتی ہیں۔ بعض کو دکھاوے کا اور اپنی ناک قائم کرنیکا خیال ہوتا ہے۔ ان کی بلا سے کہ مرد جائیداد بیچے یا مقروض ہو جائے یا رشوت لائے یا خیانت کرے ان کو تو بڑھ چڑھ کر کام کرنا ہے۔ تو قرآن حکیم ایسی ناجائز ڈھیل عورت کو کہاں دے سکتا تھا؟ علاوہ پیسہ مہیا کرنے کی ذمہ داری کے، قرآن نے عورت کی حفاظت کا ذمہ دار بھی خاوند کو ٹھہرایا ہے۔ تو اگر عورت کوئی ایسی آزادی چاہتی ہے جس کی مذہب اجازت نہیں دیتا تو خاوند کی ذمہ داری ہے کہ اُسے روکے۔ کیا اس وقت عورت یہ کہہ کر اسکی بات ماننے سے انکار کر سکتی ہے کہ میرے حقوق تمہارے برابر ہیں۔ تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے؟ قرآن نے کیا صحیح فیصلہ دیا ہے کہ جس کی ذمہ داری ہے پیسہ مہیا کرنے کی یا عورت کی ہر قسم کی حفاظت کی، اس کی بات مانی جائے اگر اختلاف رائے ویسے نہ طے ہو سکتا ہو۔

اور اسی لئے اگلے الفاظ کیا عمدہ ہیں! واللہ عزیز حکیم "اور اللہ غالب ہے، حکمت والا ہے۔" مرد کو فرمایا کہ اگر ہم نے تمہیں ایسے موقعہ پر غلبہ دیا ہے تو یاد رکھو کہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ غالب ہے۔ اگر تم اپنے غلبہ کا ناجائز استعمال کرو گے تو اس سے ڈرو جو تم پر غلبہ رکھتا ہے۔ عورت کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے۔ اسکی بات میں حکمت ہے۔ علاوہ مندرجہ بالا حکمتوں کے اگر عورت اڑے گی تو نتیجہ خاوند کی محبت کھو بیٹھنے کا یا طلاق تک کا ہو سکتا ہے۔ تو اس میں نقصان میں عورت رہتی ہے۔

میں نے یہ سب باتیں کبھی کبھار نکاحوں کے خطبوں میں کہیں تو ردِ عمل بہت سخت ہوا۔ خواتین میں سے بعض نے کہا کہ مائیک فاروقی صاحب کے ہاتھ میں ہے، ہمارے ہاتھ میں ہو تو ہم ان کو بتائیں۔ مائیک تو خیر نکاح خواں کے ہاتھ میں ہی ہوتا ہے۔ بعد میں مَیں نے ان خواتین سے پوچھا کہ انہیں کیوں اعتراض ہے کہ کبھی کبھار مرد کی بات مان لیں جبکہ اتفاق رائے ممکن نہ ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم مرد کی غلط بات کو کیوں مانیں میں نے کہا کہ یہ تو آپ کی رائے ہے کہ مرد کی بات ایسے موقعوں پر غلط ہوتی ہے مگر مردوں کی رائے میں آپ کی بات غلط ہوتی ہے۔ تو پھر فیصلہ کس طرح ہو؟ عدالت میں؟ یا اماں ابا کو بلوایا جائے؟ میں ایک منٹ کے لئے مان لیتا ہوں کہ مرد کی بات کسی تنازعہ میں غلط تھی۔ تو بھی تنازعہ کا گھر میں ہی فیصلہ کرنے کے لئے آپ مان لیں۔ دوسرے کسی وقت میں خاوند کو سمجھا بجھا کر اپنی منوا لینا۔ اور عورتوں کو تو کئی ڈھب آتے ہیں اپنی بات منوا لینے کے جن کی تفصیل میں مَیں نہیں جانا چاہتا۔ مگر بالفرض خاوند کسی طرح نہ مانے تو اسکی بات خواہ وہ آپکی رائے میں غلط ہو مان لینے میں کیا حرج ہے؟ اس بدبخت مرد کو تو باہر کی زندگی میں ایک نہیں بیسیوں کی باتیں ماننی پڑتی ہیں۔ میری نوکری میں حالانکہ وہ .S .C .E یا .P .C .S کے اعلیٰ ترین عہدوں پر اللہ تعالےٰ کے فضل سے گذری اپنے سے اوپر کے افسروں یا وزیروں کی ہمیشہ ماننی پڑی حالانکہ مجھے یقین ہوتا تھا کہ ان کی رائے غلط ہے۔ اگر کبھی کسی افسر بالا نے یا وزیر نے کوئی حکم دیا یا فیصلہ کیا جو میں سمجھتا تھا کہ غلط ہے تو میں نہایت مؤدبانہ طریق پر دلائل دیکر اس غلطی سے اُن کو آگاہ کرتا تھا اور درخواست کرتا تھا کہ وہ اپنی رائے بدلیں مگر وہ اگر کہتے تھے کہ نہیں یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے تو میں پھر بلا چون و چراں اسکی تعمیل کیا کرتا تھا نہ کہ عورتوں کیطرح روٹھ جاتا یا طعن و تشنیع سے کام لیتا یا علم بغاوت بلند کرتا۔ ایسے کڑوے گھونٹ اکثر پینے پڑتے تھے اور اب ریٹائر ہونے کے بعد تو ایک چپڑاسی اور پٹواری سے لیکر اوپر کے افسروں تک کے غلط ملط حکم ماننے پڑتے ہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی عورت پر بڑی مہربانی ہے کہ خاوند کے برابر حقوق دیکر اور خاوند کو خبردار کر کے کہ اگر تم اپنے فیصلہ کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ گے یا غلط استعمال کرو گے تو تمہارے اوپر ہم غالب ہیں ہم سے ڈرو پھر صرف ایک محبت کرنیوالے خاوند کی کبھی کبھار بات ماننے کو کہا۔ مرد پر باہر کتنے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے غلط تسلط حکم اس سے منواتے ہیں مگر مجھے افسوس ہے کہ میرے دلائل کا ان خواتین پر بظاہر کوئی اثر

دعا کی قبولیت کے لئے رزق حلال اولین شرط ہے

پیٹ میں حرام ہو تو دعا قبول نہیں ہوتی

خطبہ جمعہ مورخہ یکم جولائی ۱۹۸۳ء فرمودہ سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بمقام دار السعید - ایبٹ آباد

روزے کے مضمون کے تسلسل میں تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے ۲۳ ویں رکوع کی آخری آیت ولا تاکلوآ اموالکم بینکم بالباطل ...... وانتم تعلمون (البقرۃ ۱۸۸) کی تلاوت کی اور اس کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ روزوں کے بیان کے سلسلے میں یہ آخری آیت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اور اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ ان کے ذریعے حاکموں تک پہنچو تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

اس سے پہلے دو خطبوں میں آپکے سامنے روزے کے احکام اس کی غرض و غایت اور انسانی روح پر اس کے اثر کے متعلق تفصیلاً بیان کر چکا ہوں کہ روزہ انسان کے اندر تقویٰ پیدا کرنے اور قرب الٰہی کے حصول کا نہایت موثر ذریعہ ہے اور قرب الٰہی حاصل ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے ہم کلام ہوتا اس کی دعاؤں کو سنتا اور انہیں شرف قبولیت بخشتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر چلے اور اس کے احکام پر پوری پوری وفاداری کے ساتھ عمل کرے۔ اس نے جن احکام پر عمل کرنے کے لئے حکم دیا ہے ان پر عمل کرے اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے ان سے رک جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے اور انسان کی فلاح و کامیابی کا یہی ایک ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کر کے نہ کوئی فرد کامیاب ہوا ہے نہ کوئی جماعت اور نہ کوئی قوم۔ قرآن کریم میں ایسی بہت سی قوموں کا ذکر ہے جنھوں نے احکام الٰہی کی نافرمانی کی۔ اپنی سرکشیوں اور باغیانہ افعال سے توبہ نہ کی اور جب نافرمانیوں میں اور حق کی مخالفت میں حد سے بڑھ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔

یہ آیت جو میں نے آج پڑھی ہے یہ اہمیت میں پہلی آیات سے جن کے متعلق میں پہلے بیان کر آیا ہوں کم نہیں۔ اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا۔ حلال کا کیا فائدہ اور حرام کا کیا نقصان ہے۔ روزے کے ساتھ اس کا تعلق یہ ہے کہ جب انسان روزے میں ایک ماہ تک حلال چیزوں سے بھی پرہیز کرتا ہے۔ کھانا پینا اور جائز خواہشات کا پورا کرنا بھی ترک کر دیتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس کے اس حکم پر عمل کرنے سے وہ خوش ہوتا ہے تو اس کے لئے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ حرام کمانے اور حرام کھانے کی طرف رغبت کرے لیکن افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر آجکل بالکل عمل نہیں کیا جا رہا ہے۔ جتنی حلال اور حرام پر آج توجہ دینے کی ضرورت ہے اتنی شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ حرام کے مرض نے ہمارے اس زمانے میں وبائی صورت اختیار کر لی ہے جس طرح ایک وبائی مرض سارے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور کوئی انسان اس کے مضر اور مہلک اثرات سے محفوظ نہیں رہتا اسی طرح آج حرام کھانے اور کمانے سے شاذ و نادر ہی کوئی بچا ہوا ہے ناجائز طور پر لوگوں کے اموال کھانے کے لوگوں نے عجیب عجیب طریقے اختیار کر لئے ہیں۔

رشوت ستانی۔ جوا۔ چوری۔ ڈاکہ۔ ملاوٹ۔ ذخیرہ اندوزی۔ سمگلنگ۔ چور بازاری۔ جیب تراشی۔ کاروبار میں کمیشن۔ سرکاری اموال کا غبن۔ فریب دہی وغیرہ یہ سب ایسے طریقے ہیں جن کے ذریعے دوسرے کا مال باطل طریقے سے کھایا جاتا ہے اس آیت میں صاف طور پر منع کیا گیا ہے کہ تم اپنے اموال کے ذریعے حاکموں تک اس غرض کے لئے نہ پہنچو کہ دوسرے کا مال باطل طور سے کھاؤ یعنی رشوت دیکر دوسرے کا حق تلف نہ کرو۔ لیکن آج کل رشوت اس قدر زوروں پر ہے کہ خدا کی پناہ۔ اب اسے رشوت سمجھا ہی نہیں جاتا بلکہ لینے والا اسے اپنا حق سمجھتا ہے حرام کو حلال بنا دیا گیا ہے۔ خود با اختیار حکام اعلیٰ بھی اسے ختم کرنے سے عاجز آ گئے ہیں۔ ایک سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ جو بھی اسے ختم کرنے کی کوشش کریگا وہ خود ختم ہو جائے گا۔

کاروبار میں دیانت داری کے متعلق قرآن حکیم کا حکم ہے

"فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءھم"

سو ماپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ لیکن اس کی ذرا بھر پرواہ نہیں کی جاتی۔ لینے کے لئے ماپ تول کے پیمانے اور ہیں اور دینے کے لئے اور۔ ملاوٹ کے ذریعے لوگوں کو چیزیں کم دی جاتی ہیں حالانکہ سورہ المطففین میں ڈرایا گیا ہے کہ:-

"ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون
واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون"

کمی کرنے والوں کے لئے تباہی ہے جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا کر لیتے ہیں اور جب انہیں ماپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں حضرت شعیبؑ کی قوم اپنی اسی کاروباری بددیانتی کے نتیجے میں تباہ ہوئی۔ لیکن آج ہمارے معاشرے میں اس قسم کی بددیانتی کو کوئی گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی کھلے بندوں نافرمانی کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا احساس بالکل مٹ گیا ہے۔ غرض حرام مال کمانے کے لئے بے شمار طریقے ایجاد کر لئے گئے ہیں اور تو اور دوسرے ممالک کے ساتھ تجارت میں بھی خیانت

سے کام لیا جاتا ہے اور یہ پرواہ نہیں کی جاتی کہ اس سے ملک کی بھی بدنامی ہوتی ہے۔ روزہ ہمیں اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے جب تم حلال اور جائز چیزوں کو چھوڑ دیتے ہو تو حرام چیزوں کو چھوڑ دینا تمہارے لئے کیوں ممکن نہیں۔

میں چودھویں صدی کی ابتداء سے چند ایک مثالیں پیش کرتا ہوں کہ اس زمانے میں اکل حلال پر کس قدر زور تھا۔ تحصیل صوابی ضلع مردان میں ایک مشہور گاؤں کوٹھہ ہے جہاں ایک ولی اللہ حضرت سید امیر رہتے تھے۔ حضرت صاحب کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے کیونکہ حضرت صاحب کی بعثت کے متعلق ان کی شہادت بھی موجود ہے۔ ہمارے بزرگ ان کے بہت قریب تھے۔ ایک دفعہ ہمارے بزرگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے گھٹنے سے گھٹنا ملا کر ان پر توجہ کی اور فرمایا کہ تیری روح میں آج وہ حلاوت نہیں جو پہلے ہوتی تھی۔ ہمارے بزرگ نے یہ سن کر اپنے حالات کا جائزہ لینا شروع کیا اور کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ میں نے ایک شخص کے ہاں جو نمبردار تھا کھانا کھایا تھا اس کے کمائی کے ذرائع اچھے نہیں تھے۔ یہ سن کر پیر صاحب کوٹھہ والوں نے فرمایا بس یہی وجہ ہے۔

ہمارے بزرگ نے باوجود بڑے گہرے تعلقات کے اس نمبردار کے ہاں کھانا چھوڑ دیا اور ایک جلاہا کے ہاں مہمان ہونا شروع کر دیا۔ اس زمانے میں اکل حلال کے لئے اس قدر احتیاط برتی جاتی تھی۔

اس سے بھی بہت پہلے کا واقعہ ہے کہ حضرت رابعہ بصری اپنے زمانہ کی مشہور ولیہ تھیں۔ آپ حضرت امام شافعیؒ کی ہمعصر تھیں۔ آپ کی بھی تقویٰ اور حلال حرام پر بڑی باریک نظر تھی۔ آپ سوت کات کر اپنی روزی کماتی تھیں ایک دفعہ انہوں نے ایک آدمی حضرت امام شافعیؒ کے پاس یہ مسئلہ پوچھنے کے لئے بھیجا کہ جو عورت اپنے پڑوسی کے چراغ کی روشنی میں سوت کاتے کیا اس کی کمائی حلال ہے یا حرام۔ حضرت امام شافعیؒ نے اس پیغام بر سے پوچھا کہ یہ مسئلہ کس نے پوچھا ہے۔ اس نے بڑے اصرار کے بعد بتایا کہ رابعہ بصری نے انہوں نے جواب دیا کہ رابعہ کے لئے یہ حلال نہیں۔ نیک لوگوں کی بعض نیکیاں بھی مقربین الٰہی کے لئے برائیاں ہوتی ہیں۔

اس سے بڑھ کر ایک واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ہے جو بنو امیہ میں سے مسلمانوں کے خلیفہ ہو گذرے ہیں۔ آپ کی پرورش اور تربیت بڑے ناز و نعمت سے ہوئی۔ شہزادگی کی عمر بڑی شان و شوکت میں گذری تھی لیکن جونہی خلافت کا بار امانت آپ کے کندھوں پر ڈالا گیا آپ نے فقیرانہ اور درویشانہ بود و باش اختیار کر لی۔ آپ پہلی صدی ہجری کے مجدد بھی تھے۔ آپ کے پاس ایک دفعہ ایک شخص اپنے کسی کام کے لئے گیا۔ آپ اس وقت رات کو حکومت کے کسی کام کاج میں مصروف تھے۔ جب اس آدمی سے مخاطب ہوئے تو ایک چراغ بجھا دیا اور دوسرا جلا دیا۔ اس آدمی نے پوچھا حضور آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا جو چراغ میں نے گل کر دیا ہے وہ حکومت کا ہے جب تم آئے تو میں حکومت کے کام کاج میں مصروف تھا اس لئے وہ چراغ جل رہا تھا۔ اب میں تم سے ذاتی کام کے متعلق بات چیت کروں گا اس لئے میں نے وہ چراغ بجھا کر اپنا چراغ روشن کر دیا ہے۔ یہی آپ کا معمول تھا۔

میں نے یہ واقعات اپنے بچوں اور نوجوانوں کی نصیحت کے لئے بیان کئے ہیں تاکہ وہ حرام اور حلال میں تمیز کرنا جان لیں اور حلال رزق کمانے پر توجہ دیں۔ اس میں بڑی خیر اور برکت ہوتی ہے۔

حضرت صاحب کے ساتھیوں میں بھی یہ احتیاط جنون کی حد تک پائی جاتی تھی لوگ ان کے پاس اپنی امانتیں رکھتے اور مقدمات میں ان کی شہادتیں پیش کیا کرتے تھے۔ حضرت مرزا یعقوب بیگ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ نے کسی سے اپنے لئے گھی منگوایا۔ گھی لانے والا جب ٹین لے کر آپ کے ہاں پہنچا تو آپ نے پوچھا کیا اس کا محصول ادا کیا ہے۔ لانے والے نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا جب تک اس کا محصول ادا نہ کیا جائے یہ ہمارے لئے حلال نہیں۔ چنانچہ اس کا محصول ادا کیا گیا۔

(حضرت امیر کے اپنے بچپن کا ایک واقعہ ہے جس کا ذکر آپ نے خطبے میں نہیں کیا اور وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ کے ایک ہم جماعت نے آپ کو بہت سے نب دیئے جو وہ ایک کتب فروش کی دکان سے چرا کر لایا تھا۔ آپ چھٹیوں میں گھر آئے تو ایک روز سکول کا کام کر رہے تھے۔ آپ کے چچا حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب کا گذر اس طرف سے ہوا۔ آپ نے اتنے سارے نب دیکھ کر پوچھا کہ تم یہ نب کہاں سے لائے ہو۔ حضرت امیر نے جواب دیا ایک دوست نے دیئے ہیں۔ آپ کے چچا مرحوم و مغفور نے پھر پوچھا کہ کیا وہ یہ نب آپ خرید کر لایا ہے یا کسی اور ذریعے سے حاصل کئے ہیں۔ حضرت امیر نے جواب دیا کہ وہ یہ ایک کتب فروش کی دوکان سے چرا کر لایا ہے اور اپنے ہم جماعتوں میں تقسیم کئے ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہ چوری کے نب ہیں ان سے جو کچھ تم لکھو گے وہ حرام ہوگا اور بڑے ہو کر اس علم کی بدولت تم جو کچھ کماؤ گے وہ بھی حرام ہوگا فوراً جاؤ اور یہ نب اس کو واپس کر دو۔ آپ اسی وقت اپنے ایک ملازم کے ساتھ اپنے دوست کے گاؤں گئے جہاں آپ پرائمری سکول میں پڑھتے تھے اور نب واپس کر دیئے۔ ہمارے لئے یہ واقعہ بھی بڑا سبق آموز ہے۔)

(مرتب کنندہ)

آپ نے فرمایا کہ اس لئے گذرے زمانے میں بھی جبکہ اس لحاظ سے ہمارا وہ مقام نہیں جو ہمارے بزرگوں کا تھا ہماری جماعت پر اللہ تعالیٰ کا نسبتاً بہت بڑا فضل ہے۔ آپ نے ایک نوجوان کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ایک نوجوان کو کراچی میں ایک کاروباری ادارے میں بھیجا اس نے وہاں اپنی دیانت اور امانت کا وہ نمونہ دکھایا کہ چند ہی ماہ میں مالک نے اس کی تنخواہ بڑھا دی اور کاروبار کا منیجر بنا دیا ہے۔ اب انجمن کو اس نوجوان کی ضرورت ہے اور وہ یہاں دین کی خدمت کی خاطر آنا بھی چاہتا ہے لیکن مالک اسے چھوڑنے پر کسی صورت میں رضامند نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے ایسا ہی ایک اور احمدی نوجوان دے دیں تو میں اسے جانے دوں گا۔ اچھے اخلاق اور کردار سے مخالف بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے بچوں اور نوجوانوں سے کہوں گا کہ وہ اپنے حسنِ اخلاق اور حسنِ کردار کا دوسروں کے سامنے اعلیٰ نمونہ پیش کریں۔ وہ ہزار ہمیں برا سمجھیں اور برا بھلا کہیں تقویٰ اور نیکی ایسی

اعلیٰ خوبیاں ہیں کہ شدید سے شدید دشمن کو بھی متاثر کر دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول اور دُعا کی قبولیت کے ساتھ اکل حلال کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ اس شخص کی دُعا کیسے قبول ہو گی جس کے پیٹ میں حرام ہے۔ دعا کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ثبوت ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص حرام کھاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہے اور اس دوری کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ہمیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور وقت کے ذریعے قرآن کریم کی روشنی دکھائی ہے اس بارے میں بہت محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایک مثالی جماعت بننا چاہیئے جو اگر ہم تقویٰ کی باریک راہوں کو اپنائیں گے۔ اس کی حدود کی حفاظت کریں گے دیانت، امانت، اکل حلال اور حرام سے پرہیز ہمارا شعار ہو گا تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل ہو گی۔ جو قوم گناہ کو گناہ نہیں سمجھتی۔ بے باک اور خدا کے خوف سے بے نیاز ہو جاتی ہے وہ قانونِ الٰہی کے مطابق مٹ جاتی ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ ہر وقت اور ہر لحظہ وہ اپنے نفس کا جائزہ لیتا رہے اور سوچتا رہے کہ مجھ سے کون سی غلطی اور ظلم سرزد ہوا ہے۔ اپنی غلطیوں پر نادم ہو اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی طلب کرے۔ اس طرح اسکی اصلاح ہو جاتی ہے۔ ہم سب کو اس کی بہت ضرورت ہے۔ میں سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں بھلا دے اور ہم اس کے نافرمان بندوں میں شامل ہو جائیں۔ ہماری زندگی ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں گذرنا چاہیئے تاکہ جب ہم اس کے سامنے حاضر ہوں تو ہمارا حساب صاف ہو۔

روزہ ہمیں تقویٰ۔ صبر و قناعت۔ بنی نوع انسان کی ہمدردی۔ اکل حلال حرام سے پرہیز اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا سبق سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے تقاضے پورے کر کے اپنے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا کر لیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سبب ہوں۔ آمین

* * *

محمد علی میموریل ڈسپنسری

دُکھی انسانیت کی خدمت اور حصولِ ثواب کا بہترین ذریعہ ہے۔ احباب جماعت اپنے عطیات بھجوانا نہ بھولیں۔ آپ کے عطیات اگر مستقل صورت میں ماہانہ آئیں تو مفید تر ہو سکتے ہیں۔ عطیات بھیجنے کا پتہ درج ذیل ہے۔

چوہدری ریاض احمد صدر مقامی جماعت احمدیہ
دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۱۶

خواتین سے تربیتی کورس میں شمولیّت کی اپیل

از محترمہ بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ صدر تنظیم خواتین احمدیہ لاہور

* * *

میرے سامنے محترم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد کا خط ہے جس میں انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ خواتین خصوصًا طالبات تربیتی کورس میں پہلے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ میں ان کی بے حد شکر گذار ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ موقع فراہم کیا کہ میں خواتین کو تربیتی کورس کی اہمیت کی طرف توجہ دلاؤں۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی معاشرے کی ترقی کا انحصار تعلیم و تربیت پر ہے علمی اور جسمانی تربیت و ترقی کے ساتھ ساتھ اگر روحانی اور اخلاقی تربیت نہ کی جائے تو انسانی ذہن انتشار اور عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر گذشتہ تقریبًا ۱۵ سال سے مرکزی انجمن سالانہ تربیتی کورس کا اہتمام کر رہی ہے اس میں اسلام اور تحریکِ احمدیت سے متعلق اہم موضوعات پر تقاریر ہوتی ہیں۔ اور ہر تقریر کے بعد حاضرین کو سوال و جواب کا موقع دیا جاتا ہے۔

میرے نزدیک خواتین اور خصوصًا لڑکیوں کا اس تربیتی کورس میں شریک ہونا کئی لحاظ سے نہایت اہم اور ضروری ہے۔ خواتین بحیثیت ماں، بیوی، بہن اور کئی دوسری حیثیتوں سے معاشرے کی تربیت میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں اگر ان کی صحیح معنوں میں تربیت کا انتظام کیا جائے تو بہت سے وہ مسائل جو آج کے معاشرے کو درپیش ہیں ان سے ہمارا معاشرہ بچ سکتا ہے۔

دنیوی تعلیم و تربیت کے لئے ہمیں بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے اور اس مقصد کے لئے ہم وقت آرام اور روپیہ خرچ کرتے ہوئے ذرا تامل نہیں کرتے لیکن بچوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت کی طرف توجہ کرنا کچھ اتنا ضروری خیال نہیں کرتے۔ بدقسمتی سے خواتین کی تربیت کی طرف ہماری توجہ کم ہے۔ تحریکِ احمدیت کے روشن خیال افراد کو اس اہم ذمہ داری کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

میں اخبار پیغام صلح کے ذریعے خواتین سے پُرزور اپیل کرتی ہوں کہ وہ اس موقعہ سے پورا فائدہ اٹھائیں اور اس تربیتی کورس میں ضرور شامل ہوں میں فردًا فردًا بھی کوشش کروں گی کہ خواتین خصوصًا طالبات اس تربیتی کورس کے لئے ضرور وقت نکالیں جو ۳۰ جولائی ۸۳ء سے شروع ہو گا اور ۱۲ اگست کو ختم ہو گا۔

خوف۔ نہ خطرناک حادثات، نہ تکلیف دہ امراض کا خدشہ ہماری روحوں کو غم زدہ کریں گے۔

ہاں ایک ضروری فریضہ کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانی چاہتا ہوں۔ پنجگانہ نماز اور تہجد باقاعدگی سے ادا کرنے پر ہمیں آج ہی سے کمربستہ ہو جانا چاہیئے اس کے علاوہ ہمہ وقت اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے فرائض انجام دیتے ہوئے خداوند کریم کو لگاتار یاد کرتے رہنا چاہیئے۔ اس کی تسبیح ہر وقت جاری رہے اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر ہم تسبیح جاری رکھیں گے تو مایوسی یا خدشات دور ہو جائیں گے۔ ہم باری تعالےٰ کی لامحدود طاقتوں۔ اسکی ناقابلِ فہم قدرتوں کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ ہمارا مالک، ہمارا خالق۔ کائناتِ قدرت کو کام پر لگانے والا کارساز مولا ئے کریم، تمام بنی نوع انسان کے دلوں کے پوشیدہ رازوں سے کماحقہٗ واقف ہے۔ ہر پتہ جو زمین پر گرتا ہے۔ ہر پودہ یا پھول جو اُگتا ہے ہر پانی کا قطرہ جو زمین پر گرتا ہے اور اُسے سیراب کرتا ہے۔ ہر چرند پرند جو فضائے آسمانی میں اڑتا ہے یا صفحۂ ہستی پر چلتا ہے تمام افعال جو روئے زمین کے رہنے والوں کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔ الغرض ہر مخفی سے مخفی شے کا علم اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح سے جانتا ہے۔ وہ ہر انسانی۔ حیوانی یا کائنات کی حرکات سے پوری طرح باخبر رہتا ہے وہ رب العالمین عرب و عجم کے مسلمانوں کو انتہائی عروج پر پہنچانے کی کامل قدرت رکھتا ہے۔ ہمیں اپنے اندر روحانی تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ خداوند تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا۔ نہ اُسے اپنی امداد سے چمکاتا یا بیدار کرتا ہے جب تک کہ وہ قوم اپنے اندر روحانی تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ لہٰذا ہمارا فرض اولین یہ ہے کہ اس کے احکام پر عمل درآمد کر کے اس سے روحانی دوستی پیدا کریں اور الوہیت کا نور اس طرح حاصل کریں۔ ہماری نمازوں کے پڑھنے سے اللہ تعالےٰ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ تو اس کی قدرت کاملہ کی رحمت کا نزول ہے کہ ہم بذریعہ نماز تہجد اس کے محبوب بن جاتے۔ نیز ہمارے اندر صفاتِ کاملہ کا ایسا ظہور ہوتا ہے کہ ہم نیکیوں سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ جب دل و دماغ نور سے منور ہو جاتے ہیں تو بدیوں کا اندھیرا آن کی آن میں دور ہو جاتا ہے۔ وہ احکم الحاکمین ہمیں روحانی آماجگاہوں تک پہنچانے میں امداد مہیا کرتا ہے۔ اور اپنی نعمتوں سے مالامال کر دیتا ہے۔ لیکن ایک بات یاد رہے کہ دنیا کا جاہ و جلال۔ اس کی شان و شوکت، اسکی ہوا و ہوس دلوں سے ہمیشہ کے لئے نکال دینے سے ہی باری تعالےٰ کے ساتھ حقیقی تعلق پیدا ہو سکتا ہے۔

نماز تہجد ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ ایسی سریع الاثر آبِ حیات ہے کہ جس سے دماغوں میں حیرت انگیز روشنی پیدا ہوتی ہے اور روح میں دلپذیر بیداری جنم لیتی ہے۔ جب ہمارے قلوب روحانی نور سے منور ہو جائیں تو ہماری دعاؤں میں ایسا اثر پیدا ہو جاتا ہے کہ باری تعالیٰ انہیں درجۂ قبولیت عطا فرما کر ہماری عزت و توقیر میں اضافہ فرماتا ہے۔ ہم ناشکرے انسان کس زبان سے اس پاک ذات کا احسان اتار سکتے ہیں جس نے ہمیں اس نماز تہجد جیسی اعلےٰ و ارفع قوت عطا فرمائی کہ جس کی ادائیگی سے ہم بے لوث ولی بن سکتے ہیں۔ رات کے اندھیروں میں اس علیم القدیر خدا کی رحمت جوش میں آتی ہے۔ وہ ایسی گھڑی ہے کہ رو رو کر دعا کرنے اور آہ و زاری سے عرشِ معلیٰ کی فضا میں تلاطم پیدا ہو جاتا ہے مالک یوم الدین کے فیوض لمحہ بہ لمحہ نازل ہوتے ہیں گریہ و زاری کرنے والے کا چہرہ روحانی نور سے چمک اُٹھتا ہے۔ باری تعالےٰ اپنے نور کا سایہ عبادت کرنے والے بندے پر ڈال دیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ ایسے مومن عبادت گذار بندے تخلقوا باخلاق اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنی رات کا آرام قربان کر دیتے ہیں۔

دعا ہے کہ وہ عظیم الشان خدا ہمیں صحیح توفیق عطا فرمائے کہ ہم محض اسکی مدد سے اپنی بگڑی ہوئی حالت کو نماز تہجد کے قیام کے بل بوتے پر سنوار لیں نیز اس طریق سے اسوۂ حسنہ کے مالک بن جائیں۔ مسلسل تسبیح جاری رکھنے سے ہمارے سب زنگ دور ہو جائیں گے اور ہم بانگِ درا بن کر خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتے رہیں گے۔

* * *

اخبارِ احمدیہ:-

* حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے بخیریت ہیں۔ دینی خدمات اور جماعتی استحکام کے کاموں میں مصروف ہیں۔ احباب جماعت سے درخواست ہے کہ حضرت ممدوح کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

* وفاتِ حسرت آیات:-

نہایت افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ چوہدری محمد ذکی ملہی صاحب مورخہ ۷ اور ۸ جولائی ۸۳ء کی درمیانی شب ۱۲ بجے بمطابق ۲۷ رمضان المبارک اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم اپنے والد مرحوم چوہدری سید احمد صاحب کی طرح نہایت درجہ مخلص اور ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیوہ تین بیٹے اور چار بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور ان کے بیوی بچوں اور بہن بھائیوں (محترمہ امۃ اللہ حنیف اختر، اور جبارت نذر صاحبہ) کو اس صدمہ کے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

جملہ احباب جماعت سے نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

باہتمام الجدید پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۲۰ جولائی ۸۳ء — جلد ۷۰ شمارہ ۲۹

جلد: ۷۰ | یوم چہار شنبہ ۱۶ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲۷ جولائی ۱۹۸۳ء | شمارہ نمبر ۳۰

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

یقیناً یاد رکھو کہ مومن متقی کے دل میں شر نہیں ہوتا۔

میں حلفاً کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ مجھے کسی قوم سے دشمنی نہیں ہے۔

"یقیناً یاد رکھو کہ مومن متقی کے دل میں شر نہیں ہوتا۔ مومن جس قدر متقی ہوجاتا ہے اسی قدر وہ کسی کی نسبت سزا اور ایذا کو پسند نہیں کرتا۔ مسلمان کبھی کینہ ور نہیں ہو سکتا۔ ہاں دوسری قومیں ایسی کینہ پرور ہوتی ہیں کہ اُن کے دل سے دوسرے کی بات کینہ کی کبھی نہیں جاتی اور بدلہ لینے کے لئے ہمیشہ کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مخالفوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے۔ لیکن پھر بھی ان کی ہزاروں خطائیں بخشنے کو ہم اب بھی تیار ہیں۔ پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو یاد رکھو کہ تم ہر شخص سے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو ہمدردی کرو اور بلا تمیز مذہب و قوم ہر ایک سے نیکی کرو۔" (تقریر یں ص۲۹)

"ہمارا یہ اصول ہے کہ کل بنی نوع سے ہمدردی کرو اگر ایک شخص ایک ہمسایہ ہندو کو دیکھتا ہے کہ اگر اس کے گھر میں آگ لگ گئی اور یہ نہیں اٹھتا کہ تا آگ بجھانے میں مدد دے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے نہیں ہے۔

اگر ایک شخص ہمارے مریدوں میں سے دیکھتا ہے کہ ایک عیسائی کو کوئی قتل کرتا ہے اور وہ اس کے چھڑانے کے لئے مدد نہیں کرتا تو میں تمہیں بالکل درست کہتا ہوں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔۔۔ میں حلفاً کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ مجھے کسی قوم سے دشمنی نہیں ہاں جہاں تک ممکن ہے ان کے عقائد کی اصلاح چاہتا ہوں اور اگر کوئی گالیاں دے تو ہمارا شکوہ خدا کی جناب میں ہے نہ کسی اور عدالت میں اور باایں ہمہ نوع انسان کی ہمدردی ہمارا حق ہے۔" (سراج منیر ص۲۸)

احباب جماعت کی اطلاع کیلئے لکھا جاتا ہے کہ

نئی مجلس معتمدین کے جو انتخابات ۱۳-۵-۸۳ کو ہوئے انکی رو سے حسب ذیل پچاس ممبران مجلس معتمدین انتخاب میں چنے گئے۔

۱۔ مرزا مسعود بیگ صاحب (۲) ڈاکٹر وحید احمد صاحب
۳۔ خواجہ ضیاء الحق طاہر صاحب (۴) ماسٹر محمد عبد اللہ صاحب
۵۔ میاں فضل احمد صاحب (۶) چوہدری منصور احمد صاحب
۷۔ مسٹر رشید احمد صاحب (۸) ڈاکٹر مبارک احمد صاحب
۹۔ چوہدری ریاض احمد صاحب (۱۰) چوہدری نذر رب صاحب
۱۱۔ سید سلطان علی شاہ صاحب (۱۲) چوہدری عبد اللطیف صاحب
۱۳۔ چوہدری فتح محمد عزیز صاحب (۱۴) میاں فخر الدین احمد صاحب
۱۵۔ ملک محمد ظفر اللہ خاں صاحب (۱۶) میاں مبارک احمد صاحب
۱۷۔ شیخ شریف احمد صاحب (۱۸) ملک غلام علی صاحب
۱۹۔ فتح خاں صاحب (۲۰) سعید احمد صاحب
۲۱۔ ڈاکٹر مختار احمد صاحب (۲۲) سردار علی خاں صاحب
۲۳۔ عبد الحئی صاحب (۲۴) چوہدری محمد حسین صاحب
۲۵۔ چوہدری شریف احمد صاحب (۲۶) پروفیسر چوہدری عزیز احمد صاحب
۲۷۔ چوہدری عبد الحق صاحب (۲۸) کرنل حنیف اختر صاحب
۲۹۔ شیخ اللہ بخش صاحب (۳۰) ممتاز احمد باجوہ صاحب
۳۱۔ اکبر علی صاحب (۳۲) میاں نشاط احمد صاحب
۳۳۔ میاں مبارک احمد صاحب پسر میاں مولا بخش مرحوم (۳۴) چوہدری امتیاز احمد صاحب
۳۵۔ صاحبزادہ محمد احمد صاحب (۳۶) صاحبزادہ محمد شفیع صاحب
۳۷۔ چوہدری محمد عالم صاحب (۳۸) صفدر حسین صاحب
۳۹۔ چوہدری سردار علی صاحب (۴۰) حافظ شیر محمد صاحب
۴۱۔ میاں عمر فاروق صاحب (۴۲) میاں مسعود احمد صاحب
۴۳۔ مرزا ٹیپو سلطان بیگ (۴۴) مخدوم سعد اختر صاحب
۴۵۔ مولوی عبد الرحمٰن صاحب (۴۶) برکات محمد صاحب
۴۷۔ عبد العزیز صاحب (۴۸) پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب
۴۹۔ کرنل شوکت محمود صاحب (۵۰) ڈاکٹر جمیل الرحمٰن صاحب

بروز جمعۃ المبارک مورخہ ۲۲-۷-۸۳ نو منتخب شدہ مجلس معتمدین کا پہلا اجلاس دارالسلام لاہور میں منعقد ہوا جس میں ۴۱ ممبران نے شمولیت فرمائی اور آئندہ سال کے لئے عہدیداران و ممبران مجلس منتظمہ و چیئرمین صاحبان ذیلی کمیٹیوں کا انتخاب باتفاق رائے عمل میں آیا جو حسب ذیل ہے۔

عہدیداران:- صدر : حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب

نائب صدر : جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب ، نائب صدر : جناب مرزا مسعود بیگ صاحب
جنرل سیکرٹری: چوہدری منصور احمد صاحب جوائنٹ سیکرٹری: میاں فخر الدین احمد صاحب
اسسٹنٹ سیکرٹری: مسٹر رشید احمد صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری: چوہدری نذر رب صاحب
محاسب : میاں فضل احمد صاحب نائب محاسب : چوہدری ریاض احمد صاحب
امین : شیخ فضل الرحمٰن صاحب آڈیٹر : سید سلطان علی شاہ صاحب
مشیر قانونی : چوہدری فتح محمد عزیز صاحب، سیکرٹری ورکنگ : ڈاکٹر وحید احمد صاحب

ممبران مجلس منتظمہ

۱۔ جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب (۲) میاں فضل احمد صاحب
۳۔ چوہدری منصور احمد صاحب ہر سہ بحیثیت عہدہ ممبر ہونگے۔ ان کے علاوہ
۴۔ میاں نصیر احمد فاروقی صاحب (۵) مرزا مسعود بیگ صاحب
۶۔ ڈاکٹر وحید احمد صاحب (۷) خواجہ ضیاء الحق طاہر صاحب
۸۔ سید سلطان علی شاہ صاحب (۹) میاں نشاط احمد صاحب
۱۰۔ شیخ اللہ بخش صاحب (۱۱) میاں شیخ عمر فاروق صاحب
۱۲۔ چوہدری عبد اللطیف صاحب (۱۳) چوہدری شریف احمد صاحب
۱۴۔ سردار علی خاں صاحب (۱۵) صاحبزادہ محمد احمد صاحب
۱۶۔ پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب (۱۷) چوہدری نذر رب صاحب
۱۸۔ ڈاکٹر مبارک احمد صاحب (۱۹) چوہدری سردار علی صاحب
۲۰۔ چوہدری فتح محمد عزیز صاحب کو ۳۰-۴-۸۴ تک کے لئے ممبر مجلس منتظمہ منتخب کیا گیا ہے۔

حسب ذیل کمیٹیوں کے چیئرمین ۳۰-۴-۸۴ تک منظور کئے جاتے ہیں۔

۱۔ کمیٹی تبلیغ بلاد غیر: چیئرمین جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب
۲۔ ″ ″ اندرون پاکستان:- ″ پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب
۳۔ مالیاتی کمیٹی ″ میاں فضل احمد صاحب
۴۔ دارالسلام کمیٹی ″ چوہدری منصور احمد صاحب

— *** —

ارشاد باری تعالےٰ

* " اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو "

از قلم مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درس قرآن — سبق نمبر ۴۱

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ ط وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ (البقرۃ۔ آیت ۲۲۸)

ترجمہ :۔ "اور عورتوں کے لئے حقوق ہیں (مردوں پر) جیسے (مردوں کے) عورتوں پر حقوق ہیں۔ اور مردوں کو اُن پر ایک درجہ (ایک فضیلت) ہے۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

اس آیت مبارکہ پر میں دو درس دے چکا ہوں۔ چونکہ یہ آیت نہ صرف طبقۂ نسوان کے حقوق کا چارٹر ہے بلکہ مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے پر حقوق کے نازک توازن کو نہایت خوبصورتی سے قائم کرتی ہے اس لئے اس آیت پر جتنا بھی غور کیا جائے کم ہے۔ یہاں ضمناً میں ایک بات کی طرف توجہ دلاؤں۔ قرآن کریم کی فصاحت اور بلاغت کی یہ آیت مبارکہ ایک نہایت عمدہ مثال ہے۔ بدقسمتی سے یہ غلط تاثر عام ہے کہ فصاحت اور بلاغت یہ ہوتی ہے کہ جس بات کیلئے عام آدمی ایک لفظ استعمال کرے تو ایک فصیح و بلیغ انسان اُس کے لئے زیادہ سے زیادہ (میں نے تو ۵ یا ۶ تک سنے ہیں) الفاظ استعمال کرے اور چونکہ اتنے الفاظ ہوتے نہیں تو پھر مقررین عربی اور فارسی کے موٹے اور ثقیل اور دقیق الفاظ کی بھرمار کرتے ہیں جو سننے والوں کو سمجھ تو کیا آنے ہیں وہ اتنا بھی نہیں پا سکتے کہ اُس لفاظ مقرر نے جو الفاظ کی بھرمار کی ہے اُن کے معنے بالکل ایک نہیں بلکہ مختلف ہیں اور وہ اُن کی کم علمی کا فائدہ اٹھا گیا ہے اور اپنی فصاحت و بلاغت کا سکّہ جمانے کے لئے ایسے مقررین اشعار بھی بیچ میں لے آتے ہیں کیونکہ اُن کا جادو بھی چل جاتا ہے۔

اس کے برعکس اس سوسائٹی میں (یعنے اسلام سے قبل کے اہل عرب میں) جہاں شاعری کو فصاحت و بلاغت سمجھا جاتا تھا اور اسی سے لوگ اپنا سکّہ جمانا چاہتے تھے اور لوگوں کو متاثر کر سکتے تھے، قرآن کریم نے نثر کو ذریعہ کلام بنایا مگر سبحان اللہ وبحمدہٖ کہ نہ ایسی نثر پہلے کبھی نہ بعد میں کوئی لکھ سکا حالانکہ قرآن شریف نے جو بار بار چیلنج دیا کہ اگر یہ خدا تعالےٰ کا کلام نہیں تو پھر تم سارے مل کر اس کی ایک سورت جیسی کوئی نثر یا نظم بنا لاؤ۔ اس میں قرآن حکیم کی جہاں اور خوبیوں کی مثال لانے کا چیلنج ہے وہاں اس کی فصاحت اور بلاغت کا بھی ہے۔ تو نہ اس چیلنج کا مقابلہ کوئی اس وقت کا دشمن کر سکا اور نہ آج کا کر سکتا ہے۔ قرآن کی نثر نظم کو مات کرتی ہے۔ اور قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت بے سود الفاظ کی بھرمار نہیں بلکہ کم سے کم اور سادہ سے سادہ الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی اور حکمتوں کو بیان کرنا ہے یہی اصل معنی میں فصاحت و بلاغت ہوتی ہے۔

آج کے درس کی آیت کو دیکھ لیجئے۔ کیا کم سے کم الفاظ میں جو سادہ ترین ہیں ایک سمندر کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔ نسل انسانی کے اربوں کھربوں مردوں اور عورتوں کے آپس میں حقوق جن کو بڑے بڑے سوشیالوجسٹ اور ماہر معاشیات صدیوں میں طے نہ کر سکے ایک چھوٹی سی عبارت میں جو ایک آیت کا صرف ایک حصہ ہے ایسا بیان فرمایا ہے کہ کوئی انسان نہ تو اتنے کم اور اتنے سادہ الفاظ میں سمجھا سکتا تھا اور نہ یہ مشکل ترین مسئلہ اتنی آسانی سے اور اتنی خوبی سے حل کر سکتا تھا۔

تو میں نے پچھلے درس میں عرض کیا تھا کہ برابر برابر کے حقوق مقرر فرما کر اُس سے جو ایک عقدۂ لاینحل پیدا ہوتا تھا کہ میاں بیوی میں اختلاف رائے کا کیا حل ہوگا اگر کسی مسئلہ پر وہ آپس میں صلاح مشورہ کے بعد سمجھوتا نہیں کر سکتے اور دونوں اپنے برابر کے حق پر اڑے ہوئے ہیں یہ فیصلہ دیا کہ اس صورت میں خاوند کی بات کو مانا جائے کیونکہ اہل وعیال کے اخراجات (جو ایسے مسئلہ میں اکثر وجہ نزاع ہوتے ہیں) کو پورا کرنے کی ذمہ داری قرآن حکیم نے مرد پر ڈالی ہے اسی طرح اہل وعیال کی حفاظت (جو کہ صرف جسمانی حفاظت نہیں بلکہ اخلاقی و دینی حفاظت) کی ذمہ داری قرآن حکیم نے مرد پر ڈالی ہے۔ اس لئے اگر عورت کسی ایسی بات کو کرنا چاہے جس کے اخراجات کو مرد برداشت نہ کر سکتا ہو یا جو عورت کے اخلاق اور دین اور عصمت و عفت کے منافی ہو تو پھر مرد کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کا حق ہونا چاہیئے۔ اور اُس کی بات کو مانا جائے۔ اس موضوع پر حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم مغفور کا جو نوٹ اُن کی تفسیر بیان القرآن میں ہے وہ اتنا اعلیٰ ہے کہ میں وہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ آیت مذکورہ بالا پر انہوں نے لکھا ہے

"ان الفاظ میں قرآن کریم نے دو مشکلات کا کمال خوبی سے حل کیا ہے یعنے اول تو اس اصول کو قائم کیا کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔ گویا بلحاظ حقوق مرد و عورت میں مساوات ہے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے تمام مذاہب بے خبر معلوم ہوتے ہیں بلکہ آج تک مہذب اقوام نے کبھی پورا پورا اس اصول کو قبول نہیں کیا لیکن دوسری طرف مساوات حقوق سے ایک نقص پیدا ہوتا ہے کہ پھر خانگی امور میں نظم کیونکر قائم رہے کیونکہ کوئی نظم قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں ایک کو دوسرے پر کچھ فوقیت نہ دی جائے اور معاشرت یا خانہ داری جس پر نسل انسانی کی ساری بہبود کا دار و مدار ہے تمدن انسانی کی پہلی کڑی ہے کیونکہ تمدن باہم مل جل کر رہنے کا نام ہے اور اس کی ابتداء معاشرت یا خانہ داری سے ہوتی ہے (اس میں جو توازن قرآن نے مقرر فرمایا ہے) اس کے بغیر نظم خانگی برباد ہو جائیگا۔"

حضرت مولانا نے کیا خوب فرمایا تھا۔ اُن کے لکھنے کے آج قریباً ساٹھ سال بعد یورپ اور امریکہ میں جہاں خواتین نے ناواجب آزادی اختیار کی

جتنی خانگی زندگی برباد ہوتی نظر آتی ہے۔ جتنی طلاقیں وہاں ہوتی ہیں اور اگر طلاق ممکن نہ ہو تو میاں بیوی میں SEPARATION یعنے علیحدگی جتنی وہاں ہوتی ہے کہیں نہیں ہوتی۔ شادی بظاہر قائم بھی ہو تو خانہ جنگی جتنی وہاں ہے کہیں نہیں۔ اور اس طلاق، طلاق اور خانہ جنگیوں کی وجہ سے اولاد یعنے نئی نسل کا بالکل ستیاناس ہو گیا ہے۔ ان میں جرائم اتنے بڑھ گئے ہیں کہ ان سے وہاں کے سوچنے سمجھنے والے سخت مضطرب ہو گئے ہیں۔ یہ ان میں متفقہ بات ہے کہ اس بیماری کی وجہ سے وہاں کی خانگی زندگیوں کی بربادی ہے۔ جرائم کے علاوہ نئی نسل میں اب نشہ آور چیزوں کا استعمال اب اس قدر عام ہو گیا ہے کہ وہاں کے اہل الرائے لوگ چلا اٹھے ہیں۔

ہمارے ہاں جو خواتین اتنی آزادی کی خواہاں ہیں وہ کبھی کبھار مرد کی بات ماننے کو تیار نہیں میں نے ان کو بھی متنبہ کیا کہ اگر عورت سرکشی کرے تو کم سے کم وہ اپنے خاوند کی محبت کھو بیٹھتی ہے اور اس سے بڑھ کر بیوی کی بدقسمتی کوئی نہیں ہو سکتی۔ طلاق تو خیر بعد کی بات ہے۔ اس میں داغ عورت ہی زیادہ کھاتی ہے۔

عورتوں کی سرکشی اور ازدواجی زندگی کی الجھنوں کی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں تو اب مرد شادی کرتے ہی نہیں۔ عورتوں کو بطور داشتہ رکھ لیتے ہیں اور جب جی بھر جائے تو نکال باہر کرتے ہیں۔ جو مغرب میں ساٹھ سال کی عورتوں کی سرکشی کا نتیجہ ہوا وہ ہمارے ہاں بھی اگر ہم نے ان کی نقل کی پیدا ہو گا ایک اور ساٹھ سال کے بعد۔ اس میں گھاٹا سراسر عورت کا ہی ہے نہ صرف داشتہ کے طور پر رکھے جانے میں بلکہ مستقل گھر بنا کر اولاد نہ پیدا کرنے کی وجہ سے جو کہ عورت کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے۔

ان آزاد منش عورتوں نے قرآن حکیم کی ایک آیت پر بھی اعتراض کیا کہ صرف مرد کو وہ حق کیوں ہے، عورت کو بھی ہونا چاہیئے۔ وہ آیت یہ ہے: "اور جن عورتوں کی سرکشی کا تمہیں ڈر ہو تو ان کو نصیحت کرو اور اپنے بستروں سے علیحدہ کر دو اور ان کو مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ تلاش نہ کرو۔ اللہ بلند بہت بڑا ہے"۔ (النساء ۴ - ۳۴)۔ تو میں نے جواب دیا کہ یاد کرو کہ اختلافِ رائے کی صورت میں جو آپس کے مشورہ سے نہ طے ہو سکے قرآن حکیم نے فیصلہ دیا ہے کہ مرد کی بات (بوجوہ) مانی جائے۔ تو اس لئے سرکشی جس کا اس آیت میں ذکر ہے وہ عورت ہی کر سکتی ہے اسی لئے اس کی ہی اصلاح کے لئے ان باتوں کو فرمایا گیا ہے۔ اصلاح اسی ترتیب سے ہونی چاہیئے جو قرآن کریم نے رکھی ہے یعنے پہلے نصیحت، پھر تعلق زوجیت کا عارضی انقطاع اور اگر ان کا بھی اثر نہ ہو تو مارنا جو کہ حدیث شریف کے مطابق ایسا ہلکا ہونا چاہیئے کہ محض اظہار ناراضگی کا ذریعہ ہو نہ کہ چوٹ لگانے کا۔ اس پر ان آزاد منش خواتین نے کہا "مگر ایسا مارنا بھی غیر مہذب ہے"۔ میں نے جواب دیا کہ مہذب عورت اول تو خاوند کی بغاوت یا سرکشی کرتی ہی نہیں یا اگر کرے تو اس پر نصیحت کا اثر ہوتا ہے۔ اور خاوند سے تعلقات کا عارضی انقطاع تو اسکے لئے بہت ہی اصلاح کا باعث بن جاتا ہے۔ مارنے کی نوبت وہاں آتی نہیں۔

ان کے لئے ہلکی سزا ہی کارگر ہوتی ہے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اسلام میں تو بہت کم ان باتوں کی نوبت آتی ہے۔ کیا یورپ اور امریکہ میں جہاں کی تہذیب کی آپ اتنی دلدادہ ہیں عورت کی پٹائی، اور وہ بھی سخت ترین، بکثرت نہیں ہوتی۔ تو ان خواتین نے اس بات کی تصدیق کی جو ان کی خوبی تھی۔ مگر انہوں نے ایک اور سوال کیا کہ کیا یہ ٹھیک ہے کہ اسلام میں عورت کی گواہی مرد سے آدھی ہے؟ تو میں نے جواب دیا کہ قرآن کریم نے صرف ایک جگہ جہاں قرضہ جات کو تحریر میں لاتے وقت اگر مرد گواہ نہ ملے تو دو عورتوں کو گواہ بنا لینے کا فرمایا ہے (البقرۃ ۲ - ۲۸۲) مگر وہیں اسکی وجہ بتا دی کہ دو اس لئے ہوں کہ ان میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ یہ تو دراصل عورتوں سے رعایت ہے کیونکہ مالی لین دین کے معاملات کو عام طور پر وہ اچھی طرح نہیں سمجھتیں۔ اور وکیل انہیں جرح میں پریشان کر کے ان کی گواہی کو مشکوک بنا سکتے ہیں۔ قرآن حکیم کے الفاظ کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے ایک اور حکم دیتے ہیں کہ وہ دونوں عورتیں اکٹھی پیش ہوں تاکہ عدالت یا وکیلوں سے مرعوب نہ ہو جائیں خصوصاً مالی معاملات کے مقدمات کی تکنیکی جرحوں میں۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہوں میں گواہوں کی تعداد کا ذکر آتا ہے معمولی معاملات میں جہاں مالی دقائق نہیں تو وہاں کہیں نہیں فرمایا کہ ایک مرد گواہ برابر ہے دو عورت گواہوں کے۔ کیونکہ عام طور پر صرف گواہی کی صداقت کا سوال ہوتا ہے تو قرآن کریم نے بار بار عورتوں کے صدیقہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے صرف ایک جگہ سے سنیئے الصّٰدقین والصّٰدقٰت (الاحزاب ۳۳ - ۳۵) جہاں مرد و عورت کے برابر برابر صدق کا ذکر ہے۔

بالفرض ایسا موقعہ ہو کہ صرف ایک عورت بطور گواہ موجود ہو تو خواہ وہ مالی لین دین کا بھی ہو تو بھی کوئی بندش نہیں کہ اس عورت کو گواہ نہ بنا لیا جائے کیونکہ صداقت کے معاملہ میں مرد و عورت برابر ہیں۔ صرف یہ ہو گا کہ وہ اگر بھول لے تو اسے یاد دلانے والی معاون نہ ہو گی مگر تب بھی اس کی گواہی میں کوئی نقص بذاتِ خود نہیں ہو گا۔ اور جن معاملات میں کوئی جرم عورت کے خلاف کیا گیا ہو یا کسی جرم کے وقت عورت گواہ ہو تو قرآن حکیم میں کہیں بھی عورت کی گواہی نہ لینے یا اس کے آدھے ہونے کا ذکر نہیں۔ بلکہ میاں بیوی کے ایک دوسرے پر الزام لگانے یا لعان کی صورت میں قرآن حکیم نے مرد و عورت کو برابر مقام دیا ہے بطور گواہ کے بھی۔ فقہاء نے بعد میں کیا کہا میں اسکی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ مجھے صرف قرآن حکیم سے سند لینا ہے۔

بالآخر مغرب زدہ خواتین یہ بھی سوال کرتی ہیں کہ اگر مسلمان مرد اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کر سکتا ہے تو مسلمان عورت کسی اہل کتاب مرد سے شادی کیوں نہیں کر سکتی۔ سو جواباً عرض ہے کہ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ عام طور پر مرد بالادستی رکھتا ہے اس لئے مسلمان عورت غیر مسلم خاوند کر لے تو اسکا دین اسکی تہذیب، اس کی زندگی بطور مسلمان کے خطرہ میں ہے۔ بہرحال جس طرح قومیت اولاد کی خود بخود وہ ہو جاتی ہے جو کہ باپ کی ہو نہ کہ ماں کی اسی طرح اولاد کا مذہب ہمیشہ باپ کا مذہب ہی لیا جاتا ہے اور وہی اکثر رہتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم بار بار غیر مسلموں پر الزام لگاتا ہے کہ وہ اندھا دھند باپ دادے کے مذہب پر جمے رہتے ہیں۔ تو اہل کتاب مرد کی اولاد اہل کتاب ہی شمار ہو گی بلکہ رہیگی جس خطرہ کی بنا پر ٭٭

٭٭ کوئی مسلمان عورت جس کے دل میں ذرہ بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو یا آخرت کے محاسبہ کا فکر ہو وہ اہل کتاب مرد سے شادی کرنا پسند نہ کریگی شکر ہے کہ اس بات کی صداقت کو مغرب زدہ مسلم خواتین جنہوں نے یہ سوال اٹھایا تھا انہوں نے بھی قبول کیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا اور گریہ وزاری میں ہی کامیابی کا راز ہے

چالیس رات کے مجاہدہ کی اپیل

خطبہ جمعہ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۸۲ء فرمودہ سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ بمقام جامع دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ الشعراء کی پہلی پانچ آیات "بسم اللہ … تلک ایٰت الکتاب المبین لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ان نشا ننزل علیھم من السماء ایۃ فظلت اعناقھم لھا خضعین۔ وما یاتیھم من ذکر من الرحمٰن محدث الا کانوا عنہ معرضین" کا ترجمہ اور تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حروف طسم سے یہ سورۃ شروع ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے طور سینا پر حضرت موسیٰ پر اترنے والی وحی کی شہادت پیش کی ہے جس کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل کی گری ہوئی حالت۔ اس گری ہوئی حالت سے اپنی قوم کو نکالنے کے لئے حضرت موسیٰ کے غم، ان کی مشکلات اپنی قوم کی طرف سے دکھ اٹھانے کے باوجود اس کی اصلاح کے لئے آپ کی مسلسل جدوجہد۔ ان کو دی جانے والی شریعت اور قوم کے انجام کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جس قوم کی اصلاح کا فریضہ آنحضرت صلعم کو سونپا گیا اس کی گری ہوئی حالت کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس قوم کی اصلاح کے لئے آنحضرت صلعم کو بھی قرآن کریم کی صورت میں کامل کتاب اور شریعت بذریعہ وحی عطا کی گئی جس کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیات ہیں یعنی ان آیات میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے۔ کہ حق کا ساتھ دینے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے انعامات سے نوازتا ہے اور اس کے مخالفین کو ہمیشہ ناکام و نامراد ہونا پڑتا ہے لیکن حق کا پھیلانا اور اس کی اشاعت و تبلیغ کے لئے اپنے ساتھی پیدا کرنا آسان کام نہیں۔ یہ بڑا صبر آزما اور جان جوکھوں کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کی اصلاح کے لئے آنحضرت صلعم کی تڑپ اور درد کو دیکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین شاید تو اس غم میں کہ یہ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک ہی کر دے گا۔ آپ کا یہ غم اس لئے تھا کہ آپ کے سپرد صرف ملک عرب کی اصلاح ہی نہیں تھی بلکہ آپ قیامت تک ساری نسل انسانی کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے زندگی کے آخری لمحے تک آپ کا یہ درد اور غم آپ کے ساتھ رہا۔ جس قدر آپ کی ذمہ داری زیادہ اور مقصد بلند تھا اسی قدر آپ کی مشکلات بھی زیادہ تھیں۔ ان مشکلات کو اپنی راہ سے ہٹانے اور انسانوں کی فلاح و بہبود کا راستہ ہموار کرنے کے لئے آپ نے جو طریقہ اختیار فرمایا اس کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی الیل ونصفہ وثلثہ وطائفۃ من الذین معک" تیرا رب جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب قیام کرتا ہے اور کبھی اس کا نصف اور کبھی اس کی تہائی اور آپ کے ساتھ آپ کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ بھی رات کو قیام کرتا ہے اس قیام کی غرض یہ تھی کہ ان ناشئۃ الیل ھی اشد وطاً واقوم قیلا رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے گر جانے سے انسان کا نفس روند دیا جاتا ہے اور اس کی بات میں درستگی اور اثر پیدا ہوتا ہے۔ دن رات آپ کا یہی شغل تھا۔ اگر رات کو آپ جاگتے تھے تو آپ کا دن بھی دین کے لئے مصروفیات میں گذرتا تھا۔ ان لک فی النھار سبحاً طویلا۔ دن کو تیرے لئے لمبا شغل ہوتا ہے آپ کے اور آپ کے صحابہ کرام کے شب و روز اسی تڑپ میں گذرتے کہ کسی طرح انسانوں کی اصلاح ہو جائے۔ وہ اپنے رب کو شناخت کر لیں۔ اور ان کا سب کچھ اسی کے لئے ہو جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور رات کو گریہ وزاری ہی نہایت مجرب نسخہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ انسانوں کے بہت قریب ہوتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا کہ میں اسے دوں۔

اپنی قوم کی اصلاح اور بھلائی کا غم اس وقت بھی حضور کے ساتھ رہا جب آپ بادشاہ بن گئے۔ اس غم کا ایک واقعہ حضرت عائشہ رض نے بیان کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے دیکھا آپ اپنے بستر پر موجود نہیں ہیں۔ آپ کی تلاش شروع ہوئی تو دیکھا کہ آپ جنت البقیع میں سجدے میں پڑے زار و قطار رو رہے ہیں اور دعائیں کر رہے ہیں۔ یہی دعائیں تھیں جنہوں نے آپ کی قوم کی کایا پلٹ دی۔ آنحضرت صلعم سے زیادہ پاک اور متقی کون ہو سکتا ہے لیکن آپ کی دعاؤں میں اس قدر عاجزی اور انکساری ہے کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ صلحاء امت بھی آپ کی پیروی میں اسی طریق پر چلے۔ حضرت صاحب جو آپ کے عشق میں مخمور تھے اپنے فارسی اشعار میں فرماتے ہیں۔

اے خداوندِ من گناہم بخش + سوئے درگہ خویش راہم بخش
روشنی بخش در دل و جانم + پاک کن از گناہِ پنہانم

ترجمہ:۔ اے میرے خدا میرے گناہ بخش دے۔ اپنی درگاہ کی طرف میری رہنمائی کر۔ میرے دل و جان کو روشنی بخش دے اور مجھے میرے پوشیدہ

گناہ سے بھی جس سے میں خود بھی بے خبر ہوں مجھے پاک کر دے۔

دعاؤں میں آنحضرت صلعم کی گریہ وزاری سے ثابت ہوتا ہے کہ اشاعت دین کا کام نہایت مشکل کام ہے لیکن یہ سب سے اعلیٰ اور ارفع کام بھی ہے اس کام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ

اس شخص کی بات سے زیادہ خوبصورت کس کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے لیکن اس خوبصورت کام کے راستے میں بڑی سخت مشکلات بھی پیش آتی ہیں جن کا حل اسی طریق میں ہے جس پر آنحضرت صلعم اور آپ کے ساتھی چلے یعنی رات کے پچھلے پہر اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری۔

مامور وقت نے ہمارے سپرد بھی اشاعت دین کا یہی خوبصورت کام کیا ہے ہمیں بھی بے شمار مشکلات کا سامنا ہے اس لئے ہمیں بھی اسی طرح دعا سے کام لینا چاہئیے۔ دعا میں دو باتوں کا مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ایک اللہ کے حضور اپنی تکلیف کا پیش کرنا اور دوسری اپنی کوتاہی کا احساس۔ اور اعتراف جیسا کہ قرآن کریم کی ان دعاؤں سے ظاہر ہے۔ "انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" "اے میرے رب مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے" اور یہ دعا:

"لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین"

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے اور میں اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں"

یہ انبیاء کی وہ مقبول دعائیں ہیں جو انہوں نے اپنی مصائب کے وقت کیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مشکلات کو ان کے لئے آسان کر دیا۔ انہیں ہر دکھ اور غم سے نجات دی۔ ہمارے لئے بھی اپنی مشکلات سے نکلنے اور کامیاب ہونے کا یہی ایک راستہ ہے کہ اللہ کے آستانے پر گریں اور یہ دعائیں کریں۔

امام وقت کے ساتھ عہد کر کے ہم نے ایک بھاری ذمہ داری قبول کی ہے اور اپنی رضا اور خوشی سے ایسا کیا ہے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے ہمیں اپنا رویہ بدلنا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اپنے ماں باپ۔ عزیزوں۔ رشتہ داروں۔ دوستوں اور مخلوق خدا کی بھلائی چاہنا اور ان کی خدمت کرنا سب اچھے کام ہیں لیکن اپنی مصروفیات میں سے تھوڑا سا وقت اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے بھی نکالنا چاہیئے۔ اگر دنیا ہی دوسرے لوگوں کی طرح ہمارا مقصود بھی ہے۔ اور دین کے لئے ہمارے اندر کوئی احساس نہیں تو پھر یہ ساری تگ و دو عبث ہے۔

میں اپنے مخاطبین سے اور ان کے ذریعے اپنی تمام جماعت سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی قومی زندگی کے اس نازک اور نامساعد حالات میں ہم یہ فیصلہ کریں کہ ہمارے طور طریق آئندہ کے لئے مذہبی، روحانی دیانتدارانہ، مخلصانہ اور صادقانہ ہوں گے۔ ہمارا ہر فعل اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگا۔ ہم دین کو آگے اور دنیا کو پیچھے کریں گے۔ آپ نے مجھے ایک بھاری ذمہ داری کے مقام پر کھڑا کیا ہے اور میرا یہ فرض ہے کہ میں آپ کی رہنمائی انبیاء اولیاء اور صلحاء کے طریق کی طرف کروں کیونکہ یہی نجات کا طریق ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کا راستہ ہے۔ کوئی اور طریق اختیار کر کے ہم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

جماعت سے اپیل

آخر میں آپ نے فرمایا:

میں اپنی تمام جماعت سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک شخص رات کو تہجد کیلئے اٹھے۔ اگر زیادہ توفیق نہیں تو اذان سے قبل تھوڑا وقت ہی پہلے اٹھے اور کم از کم دو رکعت نماز ہی پڑھ لے۔ اپنی نماز میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر یہ دعا کرے انی مغلوب فانتصر میں مغلوب ہوں میری مدد فرما۔ مجھے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔ میری جماعت کو ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی فتنے سے محفوظ رکھ اور اس کے ذریعے اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر کے دکھا کیونکہ یہی تیرے مسیح موعود کا مشن ہے۔ صبح کی نماز میں بھی چالیس روز تک وہ قرآنی دعائیں کریں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مصائب کے وقت کی تھیں۔ اگر عربی الفاظ یاد نہ ہوں تو اپنی زبان میں وہ مفہوم ادا کرنے کی کوشش کریں۔ آج رات سے ہی اپنا یہ مجاہدہ شروع کر دیں۔ یہ سونے اور غفلت کا وقت نہیں جاگنے اور دن رات مجاہدہ کا وقت ہے۔ ندائے صلح کا وقت ہے۔ اپنی جماعت کے ہر فرد سے میری یہ توقع ہے کہ وہ جماعت کی اصلاح۔ اسلام اور قرآن کے غلبہ کے لئے میری اس تجویز پر ضرور عمل کرلیگا۔ ہمارا کام مقدور بھر کوشش کرنا ہے اسکو پھل لگانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اس کی توفیق عطا فرمائے آمین! آپ نے اگر اخلاص کے ساتھ اس راہ میں قدم اٹھایا تو آپ محسوس کریں گے کہ اللہ کی رحمت اور فضل آپ کے شامل حال ہے۔

آپ کی آسانی کے لئے قرآن کریم کی چیدہ چیدہ اور کچھ مسنونہ دعائیں موجودہ حالات میں ہمیں خصوصیت سے کرنی چاہیئیں مع ترجمہ اس خطبہ کے ساتھ "پیغام صلح" میں شائع کی جا رہی ہیں ان سے بھی استفادہ کریں اور اپنی زبان میں بھی سجدوں میں دعائیں کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے بھی اسکی توفیق دے۔ آمین!!

قرآنی دعائیں

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

ترجمہ:- اے ہمارے رب ہم کو نہ پکڑ اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں۔ اے ہمارے رب ہم پر نافرمانی کا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ان پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے۔ اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بوجھ نہ رکھ جس کی طاقت ہم میں نہیں اور ہمیں معاف فرما۔ اور ہماری حفاظت فرما اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا مولیٰ ہے۔ پس ہمیں کافر قوم کے خلاف نصرت دے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب ہمارے قصور اور ہمارے کام میں ہماری خطائیں معاف فرما اور ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ اور ہم کو کافر قوم پر نصرت دے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝

اے ہمارے رب ہمیں ظالم قوم کے ظلم کا تختہ مشق نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر لوگوں سے نجات دے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کیجیو اس کے بعد جو تو نے ہمیں ہدایت کی اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ تحقیق تو بڑا بخشش کرنے والا ہے۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ۝

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب ہم میں اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی اور ہمیں آگ کے دکھ سے بچا۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لئے بھلائی مہیا کر دے۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ

ترجمہ:۔ میرے رب جو بھلائی تو میری طرف بھیجے میں اس کا محتاج ہوں۔"

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

ترجمہ:۔ کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

ترجمہ:۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں اپنے (اوپر) ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔

احادیث کی دعائیں:

اَللّٰهُمَّ اِلَیْكَ نَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِنَا وَقِلَّةَ حِیْلَتِنَا وَهَوَانَنَا عَلَی النَّاسِ۔

ترجمہ:۔ اے اللہ ہم اپنی طاقت کی کمزوری کی اور اپنے سامانوں کی قلت کی اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی ذلت اور تحقیر کی شکایت تیری ہی جناب میں لاتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ

ترجمہ:۔ اے اللہ ہم تجھے ہی ان کے مقابلہ میں رکھتے ہیں (کیونکہ ہم میں مقابلہ کی طاقت نہیں) اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا

ترجمہ:۔ اے اللہ نہ تو دنیا ہمارے لئے سب سے بڑھ کر فکر کا موجب ہو اور نہ ہی وہ ہمارے علم کا منتہی ہو، اور نہ تو ہم پر ایسے لوگوں کو مسلط فرما جو ہم پر رحم نہیں کرتے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِیْمَنْ هَدَیْتَ وَعَافِنَا فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنَا فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِیْمَآ اَعْطَیْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَیْتَ۔

ترجمہ:۔ اے اللہ ہمیں منزل مقصود پر پہنچا ان لوگوں میں جنہیں تو نے منزل مقصود پر پہنچایا اور ہمیں عافیت عطا فرما ان لوگوں میں جنہیں تو نے عافیت عطا فرمائی اور ہماری کارسازی فرما ان لوگوں میں جن لوگوں کی تو نے کارسازی فرمائی اور ہمیں برکت عطا فرما اس میں جو تو نے ہمیں دیا اور جو تیری قضا ہے اس کی شر سے ہمیں بچا۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ

اے حیّ و قیوم رب ہم تجھ سے تیری رحمت کے لئے فریاد کرتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَا سَهْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَهٗ سَهْلًا وَاَنْتَ تَجْعَلُ الْحَزْنَ سَهْلًا اِذَا شِئْتَ

ترجمہ:۔ اے اللہ کوئی بات آسان نہیں سوائے اس کے جسے تو آسان کرے اور جب تو چاہے مشکل ترین بات کو بھی آسان کر دیتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صلعم وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صلعم وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ

ترجمہ:۔ اے اللہ تو اس کو نصرت دے جو دین محمد صلعم کی نصرت کرتا ہے اور ہمیں انہی میں سے بنا اور اس شخص کی نصرت کو چھوڑ دے جو دین محمد صلعم کی نصرت کو چھوڑتا ہے اور ہمیں ان میں سے نہ بنا۔

حضرت مسیح موعود کی الہامی دعا

رَبِّ كُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ

اے میرے رب ہر چیز تیری خادم ہے۔ اے میرے رب تو میری حفاظت فرما۔ میری مدد فرما اور مجھ پر رحم فرما۔

میاں عمر فاروق صاحب کا جماعت کراچی کی افطار پارٹی سے خطاب

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین

لا شریک لہٗ وبذالک امرت وانا اول المسلمین۔ (انعام ۱۶۲-۱۶۳)

مفہوم آیت :- ان سے فرماد یجیئے کہ میری زندگی کے سب فرائض اور ان کی ادائیگی کے طور طریقے میرا جینا اور مرنا رب کائنات (کے نظام نشو ونما کی ترویج) کے لئے ہے۔ میں اس میں کسی اور مقصد، جذبہ یا خواہش کو شریک نہیں کرتا اسی کا نام توحید ہے اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں نے خود اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے۔

میں اپنے رب کی حمد و ثنا سے اپنی بات کا آغاز کرتا ہوں جس نے انسان کو آزاد اور ہم رتبہ پیدا کیا اور فطرت کی تمام طاقتیں اس کے لئے مسخر کر دیں اور اس کی جبلت کے اندر خیر و شر میں تمیز کرنے کی صلاحیت ودیعت کی جس کے باعث وہ کائنات ارضی کا مرکزی کردار قرار پایا۔

اور لاکھوں درود و سلام اس محسن اعظم پر جو اپنے خالق کا سب سے حسین شاہکار تھا سب سے زیادہ محبوب تھا اور انسانوں پر اپنے آقا کی خدائی قائم کرنے کے لئے طائف کی گلیوں میں کانٹوں پر چل رہا تھا۔ لہو لہان ہو رہا تھا اور اس کے ہونٹوں سے دعاؤں کے چشمے پھوٹ رہے تھے کہ اے الٰہ العالمین ان کو ہدایت دے کہ یہ نادان ہیں۔ یہ حق اور صداقت کی آواز نہیں پہچانتے۔

انسانیت کے ساتھ اس بے پناہ محبت کے نتیجے میں جو اعلیٰ ترین انسانی نمونہ قائم ہوا وہ قرآن کی زبان میں اسوۂ حسنہ کہلایا اور یہی وہ اسوۂ حسنہ ہے جو انسانی تہذیب کا جوہر اور زمان و مکان پر محیط ہے۔ اس کے حوالے سے جو قیادت اٹھے گی شاد کام اور سرفراز ہوگی اور جو نظام بنے گا وہ انسانوں کا دامن خوشیوں اور برکتوں سے بھر دے گا۔......

میرے مضمون یا میری تقریر کا عنوان "صلوٰۃ اور اقامت صلوٰۃ" ہے صلوٰۃ ایک لفظ ہے۔ ایک اصطلاح ہے اور ایک نظام ہے۔ قرآن مجید نے اسے زیادہ تر اقامت الصلوٰۃ کے الفاظ میں بیان کیا ہے جس کا مطلب دین کے پورے نظام کو منظم کرنا اور ایسا انسانی معاشرہ قائم کرنا جس کے سب افراد قرآنی نظام کے پیرو بن جائیں۔

صلوٰۃ کے معنی قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف ہیں۔

۱۔ صلوٰۃ کے معنی صلہ اور صلہ رحمی کی نسبت سے مل جل کر آگے پیچھے چلنا ہیں۔

۲۔ صلوٰۃ انسانی فرائض منصبی کے پورا کرنے کو بھی کہتے ہیں۔

۳۔ صلوٰۃ اپنی خامیوں کو دور کرنے کا نام ہے۔

۴۔ کسی کو اپنی طرف مائل کرنا اور کائنات میں ربط پیدا کر کے اسے مسخر کرنا بھی صلوٰۃ ہے۔

۵۔ صلوٰۃ کا لفظ اجتماعات اور اجتماعیت کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

۶۔ صلوٰۃ کا جامع مفہوم تعظیم کرنا۔ دعا دینا۔ حوصلہ افزائی کرنا بہلاوہ نظام میں کسی قسم کی خرابی یا فساد پیدا نہ ہونے دینا بھی ہے۔

۷۔ عبرانی میں صلوٰۃ یہودیوں کی عبادت گاہوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اسلامی اصطلاح میں صلوٰۃ اس طریقہ عبادت کو کہتے ہیں جو چوبیس گھنٹوں میں کم از کم پانچ مرتبہ ادا کرنا ضروری ہے۔

صلوٰۃ کی نسبت خدا۔ رسول، فرشتوں اور انسانوں کی طرف مختلف معانی میں ہوتی ہے۔

خدا کی صلوٰۃ عام لوگوں کے لئے۔

$\frac{43}{33}$ (الاحزاب) ھوالذی یصلی علیکم وملائکتہ

" اللہ اور اس کے فرشتے آپ لوگوں کی ہمت افزائی کرتے ہیں اور آپ کی ذہنی جسمانی اور روحانی نشو ونما کے اسباب مہیا کرتے ہیں اور آپ کی کوششوں کو کامیاب بناتے ہیں۔"

یہ آیت ایسے لوگوں کے متعلق ہے جو دین کی سربلندی کے لئے نہ مشکلات سے گھبراتے ہیں اور نہ ہمت ہارتے ہیں بلکہ ثابت قدمی سے مشکلات کا مقابلہ کر کے اپنے معاملات میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اولٰئک علیھم صلوات من ربھم $\frac{156}{2}$ اللہ ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی فرماتا ہے اور انہیں غیب سے تائید و امداد حاصل ہوتی ہے۔

خدا اور فرشتوں اور انسانوں کی صلوٰۃ نبی کے لئے

ان اللہ وملٰئکتہ ..... اللہ اور اس کے فرشتے نبی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اس کے پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح اے جماعت مومنین آپ بھی اپنے نبی کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں اس کا ساتھ دیں اور اس کی کوششوں کو کامران کرنے میں اس کی مدد کریں۔

نبی کریم کی صلوٰۃ مومنین کے لئے۔ وصل علیھم... $\frac{103}{9}$ توبہ

اے نبی ان کی حوصلہ افزائی فرما کیونکہ تیری طرف سے ان کے لئے صلوٰۃ (حوصلہ افزائی) تسکین کا سبب بنتی ہے۔

صلوٰۃ کا مقصد

بحیثیت مجموعی صلوٰۃ فحشا و منکر کاموں سے روکتی ہے۔ ان الصلوٰۃ تنھیٰ ($\frac{45}{29}$ عنکبوت) فحش کے معنی حد سے بڑھ جانا، گفتگو میں ادب و احترام کا خیال نہ کرنا۔ ناانصافی کرنا۔ ذلیل و شرمناک حرکت کرنا۔ بخل کرنا۔ ناجائز طریقوں سے دولت حاصل کرنا۔

منکر کا معنی ناپسندیدہ باتیں۔ فریب کاری۔ حقیقت کو نہ پہچاننا۔ ملمع سازی ان تمام فواحشات اور منکرات سے بچنے کا ذریعہ اقامت صلوٰۃ ہے۔

اقامت الصّلوٰۃ

اقامت صلوٰۃ کرنے والے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے رب کے فرمانبردار اور اپنے معاملات باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں اور انہیں جو کچھ خدا کی طرف سے ملتا ہے وہ خدمت انسانیت کے لئے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اقامت صلوٰۃ اور عمل مشاورت کے لئے اجتماعات کا قیام ضروری ہے لہٰذا ہمارے یہ اجتماعات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

اجتماعات صلوٰۃ میں عبادت، دُعا، تخلیہ، تزکیہ اور تقوٰی حاصل ہوتا ہے۔ احتساب نفس اور استغفار کا عمل آسان ہو جاتا ہے۔ مادی دنیا سے تھوڑی دیر کے لئے جزوی علیحدگی ہو جاتی ہے۔ زاہدانہ زندگی کے آثار نکھر آتے ہیں۔ عبودیت و ربوبیت کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔ خدا کی ہستی کا یقین آ جاتا ہے۔ مردان خدا کی صحبت و سنگت کی لذت ملنے لگتی ہے۔ خدا اور خودی کی معرفت کے ذرائع مہیا ہو جاتے ہیں۔ حال اور قال کی کیفیت کافی ہوتی ہے۔ ذہنی، روحانی اور جسمانی تزکیہ کیساتھ ساتھ وجد و سرور سے سرشار ہونے لگتے ہیں۔

محسوس اور روایاتی طریقۂ عبادت کی تکمیل ہو جاتی ہے لیکن اقامت صلوٰۃ کی اصل روح ان سب باتوں سے بالاتر ہے اور وہ ہے قرآن کی تعلیمات کو اپنے بزرگوں کی رہنمائی میں ذاتی تحفظ، استحکام ملک و ملت امن انسانیت کے لئے پھیلانا اور اس عمل کے لئے تعلیم و تربیت بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتی ہے اگر ہم خدا، فرشتوں، نبی کریم مومن اور کائناتی قوتوں کی تائید، امداد اور ہمت افزائی چاہتے ہیں تو ہمیں ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

ہمیں عملی طور پر اپنی مالی و جانی عبادت و تحیات زندگی کی بیشتر دولت اللہ کے دین کی اشاعت اور تعلیم کے لئے وقف کرنا ہوگی۔ ہمارے حضرت مجدد مرزا غلام احمد صاحب نے ایک دفعہ اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ:۔

"میں ہندوؤں اور عیسائیوں میں دیکھتا ہوں کہ عورتیں بھی بہت بڑی جائیدادیں اور روپیہ اس کام کے لئے وصیت کر جاتے ہیں۔ آجکل کے مسلمانوں میں اس قسم کی نظیر نہیں ملتی ہے۔ ہمارے لئے جو بڑی سے بڑی مشکل ہے وہ اشاعت کے لئے مالی امداد کی ضرورت ہے۔"

ہم جب نماز میں ربّنا اٰتنا فی الدنیا ...۔ کی دُعا مانگتے ہیں تو حصول دنیا میں مقصود بالذات دین ہوتا ہے ہمارے حضرت مجدد صد چہاردہم کا ارشاد ہے کہ دنیا اور اس کا مال و جاہ دین کا خادم ہوتا ہے پس اصل بات یہ ہے کہ دنیا مقصود بالذات نہ ہو بلکہ حصول دنیا میں اصل غرض دین ہو اور ایسے طور پر دنیا کو حاصل کیا جائے کہ وہ دین کی خادم ہو۔ (تقاریر حضرت مسیح موعود)

اور جس انسان کے ہاں مالی اور دولت دین کی خادم ہو وہ متقی کی ایک صفت سے متصف ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"دینی خدمت کے لئے متمول لوگوں کو بڑے بڑے مواقع مل جاتے ہیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ دولت مند اور متمول لوگ دین کی خدمت اچھی طرح کر سکتے ہیں اسی لئے خدا تعالیٰ نے ممّا رزقنٰھم ینفقون متقیوں کی صفت کا ایک جزو قرار دیا ہے" (تقاریر صفحہ ۱۱۳)

حضرات!

آپ کی اولاد اور آپ کی جماعت اور انسانیت کی ترقی کا راز صحیح تعلیم و تربیت میں پوشیدہ ہے۔ اس سلسلہ میں میرا خیال ہے کہ باہمی مشورہ سے کسی ایسے مثالی تعلیمی و تربیتی ادارہ کا انتظام کیا جائے یا اس سلسلہ میں کسی مناسب ادارہ کی سرپرستی کر کے اس پیغمبرانہ کام کو پورے اہتمام کے ساتھ شروع کیا جائے تاکہ ہم اقامت صلوٰۃ کے صحیح اور سچے نمائندے بن کر ملک و ملت کے استحکام کے لئے اور خدمت انسانیت کو سرانجام دینے کے لئے خدا، فرشتوں، نبی اور بزرگوں کی روح کو خوش کر سکیں۔

فریضۂ صلوٰۃ کے اجزاء ترکیبی

قرآن مجید نے فریضۂ صلوٰۃ کی ادائیگی کے حقوق و شرائط کا ذکر کیا ہے مثلاً

۱۔ طہارت جسمانی جو تزکیہ روحانی کی ابتدائی سیڑھی ہے۔

۲۔ اوقات مقررہ پر ادائیگی جس سے انسان میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔

۳۔ مسلسل اور مستقل ادائیگی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی پڑھ لی کوئی چھوڑ دی۔

۴۔ حفاظت صلوٰۃ خواہ سفر ہو یا حضر بیماری ہو یا مشکل بہرصورت نماز کی حفاظت کرنا۔

۵۔ غفلت و سستی سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ یہ منافقوں کی علامت ہے۔

۶۔ باجماعت ادائیگی کا اہتمام کرنا۔

۷۔ نماز میں خشوع و خضوع اور حسن ادائیگی کا خیال رکھنا

نماز اور ایمان بالغیب کا تعلق

پورے شرائط سے ادا کردہ نماز اللہ سے قریب کر دیتی ہے۔ برائیوں اور بے حیائیوں سے دلی طور پر نفرت ہو جاتی ہے۔ عاجزی و انکساری کا خوگر بنا دیتی ہے۔ اخوت و محبت اور انسانی ہمدردی کے جذبات پیدا کرتی ہے جس قدر خشوع و خضوع سے انسان خدا کے حضور جھکے گا اسی قدر وہ اخلاقِ الٰہیہ اور صفاتِ خداوندی کا حامل ہو جاتا ہے۔

نماز ہی اتحاد عالم اسلامی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے چنانچہ دنیا بھر کے مسلمان خواہ وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں کسی فرقہ و جماعت سے تعلق رکھتے ہوں اوقات صلوٰۃ، رکعات نماز اور ارکان و شرائط نماز میں تقریباً متفق ہیں۔

اقامت صلوٰۃ سے:۔

۱۔ انسان کو ذہنی و نفسیاتی تسکین ہوتی ہے۔

۲۔ اپنے معاملات اور حالات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔

۳۔ کچھ کہنے اور سننے کے لئے انسان کو بہترین پرسکون ماحول مہیا ہوتا ہے۔

۴۔ خدا سے پوری طرح مخاطب ہونے کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

۵۔ خدا سے تعلق قائم ہونے کے بعد خدائی (مخلوق) کی خدمت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں اقامت صلوٰۃ کے بعد ادائیگی زکوٰۃ یا خدمت خلق کا ذکر آتا ہے۔

اقامت صلوٰۃ اور صدقات

جو لوگ اقامت صلوٰۃ پوری طرح نہیں کر پاتے وہ دراصل دکھاوے کی اور رسمی نماز پڑھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ مخلوق خدا کی خدمت کے چھوٹے چھوٹے کام بھی نہیں کر پاتے۔

خدا کے حضور جھکنا اور مخلوقِ خدا کی خدمت آپس میں لازم و ملزوم ہیں ایک عمل

سے انسان حسن سیرت کا مظاہرہ کرتا ہے اور دوسرے عمل سے احسان کرتا ہے۔
خدمت خلق کے کئی طریقے ہیں لیکن ان میں سے مالی طریقہ خدمت سب سے زیادہ اہم ہے۔ اور مالی اعانت اسی وقت ہو سکتی ہے جب انسان خود اپنی جگہ پر مالی لحاظ سے مستحکم ہو اس استحکام کے لئے قرآن مجید نے ایک جامع دین و دنیا دعا کا تذکرہ کیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

آدابِ دُعا:

دُعا کے لئے کچھ اوقات، کیفیات اور مقامات کا ذکر اسلامی تعلیمات میں ملتا ہے،

اوقاتِ قبولیتِ دُعا:

۱۔ اذان کے بعد ۲۔ موسلادھار بارش کے وقت
۳۔ نماز کے اندر یا نماز کے بعد

کیفیاتِ دُعا:

۱۔ دُعا پورے عجز و انکسار سے مانگی جائے۔
۲۔ ناقابلِ حصول کے لئے دعا مانگنا مناسب نہیں۔
۳۔ الفاظ، آواز، ادب و احترام کا پورا خیال رکھا جائے۔

مقاماتِ دعا:

مقامات قبولیت کافی ہیں تاہم روضہ اقدس پر، خانہ کعبہ کو دیکھنے وقت اور والدین سے خصوصی ملاقات کے دوران کسی بزرگ شخصیت کی زیارت کرتے ہوئے دعا کرنا یا کرانا بہت مفید پایا گیا ہے۔

قبولیتِ دُعا کی شرائط:

دعا کی قبولیت کا دارومدار انسان کی اندرونی یعنی من کی دنیا پر ہے۔ انسان جس قدر پاکیزہ دل۔ پاکیزہ کردار اور پاکیزہ نظر ہوتا ہے اسی قدر اسے مستجاب الدعوات ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ احکام الٰہی کی پوری طرح اطاعت قبولیت دعا کی شرط اول ہے۔ انسان جس قدر دوسرے انسانوں پر شفیق ہوتا ہے ان کے کام آتا ہے اتنا ہی اس کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت ملتا ہے۔

دعا کا نتیجہ:

دُعا سے انسان میں نفسیاتی تبدیلی ہو جاتی ہے اور اس کی جدوجہد اور تگ و دو تیز تر ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے حرکت میں برکت ہوتی ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حاجت مند کی ضرورت پوری فرما دیتے ہیں۔ بعض اوقات مطلوبہ دعا کا متبادل دے کر بندہ کو مطمئن کر دیا جاتا ہے۔

——— * * * ———

حدیثِ نبوی صلعم :-

* جو شخص مندرجہ ذیل ۶ باتوں پر عمل کی ضمانت دے میں اس کے لئے جنّت کا ضامن ہوں۔

۱۔ بولو تو سچ بولو (۲) وعدہ کرو تو پورا کرو۔
۳۔ کسی پر زیادتی نہ کرو (۴) امانت میں خیانت نہ کرو۔
۵۔ بدکاری سے بچو (۶) بدنظری سے بچو۔

سالانہ دینی تربیتی کلاس ۸۳ء

کا

مبارک افتتاح

مورخہ ۳۰ ۶/۸۳ بروز ہفتہ صبح ½ ۸ بجے حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے دینی تربیتی کلاس کا افتتاح فرمایا۔ آپ کے روح پرور۔ ایمان و ایقان سے پُر اور وجد آفریں کلمات طیبہ اور پاکیزہ نصائح ہر سامع کے قلب میں جلا پیدا کر رہی تھیں۔ ان سے قبل کلاس کے منتظم مرزا محمد لطیف شاہد نے کلاس کے کوائف، تعلیمی پروگرام اور معلمین و منتظمین کا مختصر تعارف کرایا۔ زاں بعد محترم مرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔اے نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی طرف سے طلبہ و طالبات و دوسرے احباب جو اس کلاس میں حصہ لے رہے ہیں ان کو خوش آمدید کہا اور انھیں تلقین فرمائی۔ کہ وہ ان ایام سے خاص طور پر ان پروگراموں سے فائدہ اٹھائیں۔ جو ان کے لئے تجویز کئے گئے ہیں۔

آخر میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سورۃ توبہ کی مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

وما كان المؤمنون لينفروا كآفة فلولا نفر من
كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين
ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون
(توبہ)

آپ نے طلبہ کے استعداد کے مطابق نہایت ہی درد انگیز اور دلنشیں پیرایہ میں طلبہ کو اپنے آپ کو اس رنگ میں ڈھالنے کی تلقین فرمائی جس کا اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا ہے اور سیاق و سباق کا نہایت عمدہ تطابق پیش فرمایا۔

(مفصل رپورٹ موصول ہونے پر شائع کی جائیگی)

نہایت عمدہ اور قیمتی نصائح سے طلبہ کو نوازا اور اللہ تعالےٰ کا شکر ادا فرمایا کہ باوجود مشکلات اور بعض موانع کے طلبہ گذشتہ سالوں سے بڑھ کر اس گرمی کے موسم میں اس کلاس میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔

آپ نے نہایت درد و الحاح سے اجتماعی دُعا فرمائی۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے منتظمین کے اندازہ سے بڑھ کر طلبہ و طالبات اس کلاس میں شرکت کر رہے ہیں۔ جماعت کے بزرگ احباب بھی اس پروگرام میں حصہ لے رہے ہیں۔ تربیتی کلاس نہایت عمدگی سے جاری ہے جس کا اختتام ۱۲ اگست کو ہوگا۔

مرزا محمد لطیف شاہد منتظم دینی تربیتی کلاس
دارالسلام۔ لاہور

نوجوانانِ جماعت کا جمود، بے حسی

اور اُس کا علاج

باندھتا ہے جب کسی سے کوئی پیمانِ وفا — میں تڑپ اُٹھتا ہوں کہ محمود سا کہیں انجام نہ ہو

مرزا منیر احمد نصیر۔ جہلم

یہ شکایت آجکل نہایت شدت سے پیدا ہو چکی ہے کہ جماعت کے نوجوان طبقہ میں جمود اور بے حسی غالب آتی جا رہی ہے۔ ایک ایسی جماعت جس کا لائحہ عمل اشاعتِ اسلام ہو، جو مخالفینِ اسلام کے مقابل ایک فتح نصیب لشکر کی حیثیت رکھتی ہو جس کی بنیاد خدا کے فرستادہ اور مامور کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی ہو اس جماعت کے نوجوان طبقہ کے لئے انتہاء سے زیادہ قابلِ افسوس بلکہ قابلِ ملامت ہے کہ وہ ایک منٹ کے ہزارویں حصہ میں بھی اپنے فرائض سے غافل ہو۔ اشاعتِ اسلام خدا کی مقدس امانت ہے جسے خداوند کریم نے دوبارہ اس صدی کے امام کے ذریعہ ہمارے سپرد کیا ہے اور اس امانت کی حفاظت میں ذراسی غفلت یقیناً اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کی رضا سے کوسوں دُور لے جانے کا موجب ہو گی۔ جماعتیں ہمیشہ افراد سے بنتی ہیں اور جس جماعت کے نوجوانوں میں جذبۂ عمل، عزمِ صمیم اور استقلال ہو وہی جماعت مضبوط ہوتی ہے۔ اور کامیابی ہمیشہ اس کے قدم چومتی ہے۔

یادِ غالب شنو:۔ کسی حد تک یہ بھی ٹھیک ہے کہ جماعت کے ہر فرد میں ایک سا جوش و ولولہ، عزم اور جذبۂ ایثار نہیں ہوتا لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کسی جماعت کی اکثریت بلکہ مجنونانہ جذبۂ عمل رکھنے والی اقلیت بھی کمزور طبقہ کو اپنے ساتھ لئے چلی جاتی ہے حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے۔

دیکھو تو میل و محبت میں عجب تاثیر ہے — ایک دل کرتا ہے جھک کر دوسرے دل کو شکار

مثل مشہور ہے طاقتور کی دوستی کمزور کو بھی طاقتور بنا دیتی ہے۔

نوجوانوں کی سستی کا اثر:۔ احمدیہ جماعت توان گنت۔ بے پناہ حوادثات اور ناقابلِ بیان مصائب میں پل کر جوان ہوئی ہے۔ اور اب تک عوام میں اس کے خلاف غیر مبہم جذبۂ تنفر پایا جاتا ہے۔ پھر جبکہ اس خدائی ہاتھ سے لگائے ہوئے پودہ کو بادِ سموم کے تھپیڑے اسوقت کوئی ضرر نہ پہنچا سکے جب اس کی حیثیت نوزائیدہ بچہ کی تھی تو آج جبکہ اسکی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تک پہنچ چکی ہے کون نقصان پہنچا سکتا ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اگر اسے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے یا کچھ پہنچ رہا ہے تو اس کے اپنے نوجوانوں کے ہاتھوں سے پہنچ رہا ہے۔ اس کی رفتارِ ترقی پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ ہونے کی بجائے بہت مدھم اور سست پڑ گئی ہے۔

خُدا کے وعدے پورے ہو رہے ہیں

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ تمام دلائل اور براہین جن کے سامنے مخالفین کو سر اٹھانے کی سکت نہ تھی اور جو معترض کو لاجواب اور انگشت بدنداں کر کے رکھ دیتے تھے ساکت اور بے اثر ہو کر رہ گئے ہیں۔ کیا اب **مخالفین** کے ہاتھوں میں کوئی بہترین جواب آ گئے ہیں۔ کیا خدا تعالےٰ کے وہ تمام وعدے جو اس نے اپنے مامور حضرت مسیح موعود سے جماعت کی ترقی اور اسلام کے غلبہ کے لئے کئے تھے ٹوٹ چکے ہیں، نہیں اور ہرگز نہیں۔ آج بھی ان دلائل کے اندر ہر **میدانِ مخالفت** میں غالب آنے کا سحر اور طلسم موجود ہے۔ آج بھی خدا کے وعدے **بدستور** قائم ہیں بلکہ بقدرِ کوشش پورے ہو رہے ہیں۔

لیس للانسان الا ما سعیٰ

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

کامیابی کام کرنے پر ہے۔

"آگ سے ہمیں مت ڈراؤ۔ آگ ہماری غلام بلکہ ہمارے غلاموں کی غلام ہے۔" (الہام حضرت مسیح موعود)

مگر کھونٹی پہ لٹکی ہوئی تلوار آغوشِ میان میں سوئی ہوئی شمشیر نہ دشمن کا سر کاٹ سکتی ہے اور نہ دشمن پر دہشت طاری کرنے کی موجب بن سکتی ہے۔ جب تک اس تلوار کو چلانے والا بازو ہمت نہ ہو جب تک اس بازو میں دوڑنے والا خون، جذبۂ شجاعت سے برق آسا نہ ہو جب تک خون پیدا کرنے والا دل فتح و نصرت کے جذبات سے سرشار نہ ہو۔

احساسِ کمتری

جماعت کے نوجوان طبقہ کی بے حسی اور جمود کی سب سے بڑی وجہ بے یقینی اور احساسِ کمتری ہے اور یہ احساسِ کمتری کیوں پیدا ہوا اس لئے کہ وہ اس **مخالفت** کی تاب نہیں لاسکنے اور کمزوری کیوجہ سے جماعت کے **بعض نوجوان اپنا** احمدی ہونا چھپائے رکھتے ہیں اور یہ خوف ان پر ہر وقت **مسلط رہتا ہے** کہ کہیں یہ راز کسی پر طشت از بام نہ ہو جائے۔ اگر کسی کو ان **کا احمدی ہونا** معلوم ہو گیا تو خدا جانے ان کا کیا حشر ہو۔

اگر شومئی قسمت یا خوش قسمتی سے یہ راز کھل جائے **تو وہ** اس ایمان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں جو ان کے دل کے کسی گوشہ میں سسک رہا ہوتا ہے۔ اور جس پر یہ اُمید کی جا سکتی تھی کہ شاید کسی وقت **وہ زندہ** ہو کر ان کی رُوح کو زندہ کرنے کا موجب بن جائے۔ بعض نوجوان اپنی کمزور فطرت کو اپنی دانست میں پرکاری کا لباس پہنا کر یہ ظاہر کرنا شروع کر دیتے ہیں "اجی میرے والدین تو واقعی احمدی ہیں لیکن میں آزاد خیال ہوں میں کسی مجدد و جدد کو ماننے کا قائل نہیں لیکن میں کسی کو بُرا بھی نہیں کہتا ہر ایک اپنی جگہ اچھا ہے۔ میں تو سرائی دیانندر کو بھی بھلا آدمی سمجھتا ہوں" (بریں عقل و دانش بباید گریست) مجھے اس قسم کے احمدی نوجوانوں سے اکثر سابقہ پڑا ہے۔ اور بے شمار واقعات ہیں مگر میں بخوفِ طوالت قلم انداز کرتا ہوں۔

والدین کی ذمہ داری: میں نے اکثر غور کیا ہے کہ نوجوانوں کی

اس ایمانی کمزوری کا ذمہ دار کون ہے۔ میں اس کا اظہار کرنے سے پیشتر اپنے بزرگوں سے اس حقیقت آمیز گستاخی کے اظہار پر معافی کا خواستگار ہوں کہ اس کی تمام تر ذمہ داری ان کے والدین پر عائد ہوتی ہے۔ اگر شروع سے ہی بچوں کی تربیت پر ذرا توجہ دی جاتی اور یہ تصور کرلیا جاتا کہ ہماری اولاد قوم کی امانت ہے اسے ایک دن قومی ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر اٹھانا ہے تو آج اس افسوسناک اور تلخ حقیقت کے اظہار کی ضرورت بھی نہ پڑتی۔ ان کو شروع سے ہی اس ماحول میں اٹھایا جاتا کہ احمدیت ان کے رگ و پے میں فطرتِ ثانیہ بن کر سرایت کرجاتی۔ احمدیت کے لٹریچر سے کماحقہٗ واقفیت بہم پہنچائی جاتی تو وہ خود کو نہ اس قدر کمزور تصور کرتے اور نہ اتنی جلدی ایمان کا سودا عارضی مفاد سے کرنے کو تیار ہو جایا کرتے ؂

اپنے ساماں اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

ایک تجربہ

مجھے یاد ہے جب میں پونہ میں تھا تو ہماری یونٹ میں اس قسم کے تین چار چھپے ہوئے احمدی نوجوان تھے جو مجھے ملے۔ انہوں نے پہلے تو بہت ہی ڈرتے ڈرتے مجھ سے اقرار کیا۔ پھر بشدت مجھ سے درخواست کی کہ ان کا احمدی ہونا کسی پر ظاہر نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ فوج ہے اور اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو ان کی ترقی رک جائے گی اور مخالفت بھی بہت ہوگی۔ چنانچہ میں نے بھی مصلحت سمجھ کر اقرار کرلیا مگر وقتاً فوقتاً انہیں ایمان اور تقوٰی اور حضرت مسیح موعود کے ذریعہ سپرد کی ہوئی خدائی امانت کی طرف توجہ دلاتا رہتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے ہی دنوں میں یا تو وہ مجھے کہنے لگے کہ ہمارا احمدی ہونا ظاہر نہ کیا جائے یا وہ خود ہی علی الاعلان احمدیت کی تبلیغ کرنے لگے۔ اور بعض دوستوں کو خود میرے پاس تبلیغ کے لئے لے کر آنے لگے گو اس کے جواب میں ان کی مخالفت بھی ہوتی اور بڑے زور سے ہوتی لیکن وہ مخالفت خود بخود ہی بند ہو گئی شاید ہم اس کے عادی ہو چکے تھے یا عوام کی نظر میں ہمارا احمدی ہونا کچھ عجیب نہیں رہا تھا۔ اور میں نے اس ایمانی غیرت کا ایک نادر نمونہ بھی دیکھا کہ انہیں چار اشخاص میں سے ایک لفٹننٹ ہو گیا۔ دو جمعدار بن گئے اور ایک یکدم لیس سے حوالدار ہو گیا۔

قوتِ ایمان کی ضرورت

جب انسان کا دل مضبوط ہوتا ہے اور اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ حق و صداقت پر قائم ہے بشرطیکہ وہ ہمیشہ اپنے دل کو ٹٹولتا اور محاسبہ نفس کرتا رہتا ہو تو وہ کسی میدان میں کودنے سے نہیں گھبراتا۔ ایک احمدی کی یہی شانِ ایمان ہے کہ مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اعلائے کلمۃ الحق کی طرف رجوع رہے ؂

یوں کرمکِ شب تاب بھی ہے شعلہ بداماں
جو کود پڑے آگ میں پروانہ وہی ہے۔

ہمارے نوجوانوں کی بے حسی اور بے یقینی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ انہیں اپنی کامیابی پر اعتماد نہیں ہے۔ اور یقین ہی وہ دولت ہے جو دل کو زیورِ ایمان سے مزین کر دیتی ہے۔ ہماری جماعت کے ساتھ تو خدا کا وعدہ ہے کہ جس احمدی میں سچا ایمان اور کامل یقین ہوگا وہ ہمیشہ اپنے مخالفین پر غالب رہے گا۔

***

رپورٹ لندن مشن

محترم محمد انور صاحب امام لندن مشن نے مئی اور جون دو ماہ کی یکجا رپورٹ بھیج کر اطلاع دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعتی سرگرمیاں اور مشن کا کام بخیر و خوبی چل رہا ہے۔ اور دینی امور کے علاوہ ان دو ماہ میں وہ مشن ہاؤس (دار السلام) کی عمارت میں چند ضروری تبدیلیوں اور مرمت میں مصروف رہے۔ اس ضروری مرمت اور تبدیلی سے کرایہ پر اٹھانے کی مزید جگہ مہیا ہو گئی ہے جس کا کم از کم چالیس پونڈ فی ہفتہ کرایہ دستیاب ہوگا۔

تدریس قرآن مجید کی کلاس حسب معمول محترم عزیز علی صاحب کے ہاں جاری ہے ماہانہ اجتماعی پروگرام کے تحت ۵ مئی ۸۳ء کو محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ نے اپنے دورۂ پاکستان کے حالات، جلسہ سالانہ کی ایمان افروز اور روح پرور فضا کی کیفیت اور سعودی عرب کے حالات سے حاضرین کو آگاہ فرمایا۔ سامعین میں چند غیر از جماعت احباب بھی موجود تھے جو بہت متاثر ہوئے اور دیر تک موصوفہ سے گفتگو کرتے رہے۔

اندرون ملک اور بیرونی ممالک میں مفت تقسیم کا لٹریچر بھجوایا گیا جون کے مہینہ میں دو ہفتہ کے لئے ہالینڈ کا دورہ کیا گیا جس کی رپورٹ الگ شائع ہوگی۔ (دفتر تبلیغ بلاد غیر)

اخبارِ احمدیہ :-

★ سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کا مہینہ ایبٹ آباد میں گذار کر واپس لاہور تشریف لے آئے ہیں۔ ابھی جبکہ گرمی اور حبس کی شدت اپنے عروج پر ہے ایسے حالات میں آپ کا لاہور واپس آنا چند ایک جماعتی امور کو طے کرنا اور دینی تربیتی کورس میں بیرونی جماعتوں سے آنے والے طلباء کو اپنے علم اور فیض سے مستفیض کرنا مقصود تھا۔ جہاں اس پندرہ روزہ کورس کے شرکاء کو آپ قرآن کریم کے معارف اور اخلاقیات پر پراثر انداز ہو نیوالی نصائح سے مستفید کررہے ہیں وہاں اہالیان دار السلام کے لئے آپ کا وجود خیر و برکت کا موجب بھی ہو رہا ہے احباب سلسلہ اپنی دعائیں جاری رکھیں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت والی لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین!

باہتمام الحبرہ پرنٹرز اردو بازار چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۷ جولائی ۸۳ء — جلد ۷۰، شمارہ ۳۰

جلد ۷۰ { یوم چہار شنبہ ۲۳ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۳۔اگست ۱۹۸۳ء { شمارہ ۳۱

ارشاداتِ حضرت مجدد صد چہار دہم

انواعِ رنج و مصائب میں ثابت قدمی دکھاؤ

اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا!

ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو۔ جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار رہو۔ ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا۔ سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو۔ کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے۔ کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو۔ اور گالیاں سنو اور شکر کرو۔ اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ عمل نیک دکھاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہوں۔ ہر ایک جو تم میں سست ہو جائے گا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائے گا اور حسرت سے مریگا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ دیکھو میں بہت خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے۔ اگرچہ سب اسی کی مخلوق ہے لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے جو اس کو چنتا ہے۔ وہ اس کے پاس آجاتا ہے جو اس کے پاس جاتا ہے وہ اس کو عزت دیتا ہے جو اسکو بھی عزت دیتا ہے

(کشتیٔ نوح صہ ۲۱)

— * * * —

اخبارِ احمدیہ

* سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خدا تعالیٰ کے فضل سے بخیریت ہیں۔ اور حسب معمول خدمات دینیہ میں مصروف ہیں۔ پندرہ روزہ تربیتی کورس میں آپ روزانہ باقاعدگی سے حاضرین کو اپنے اقوال علمیہ اور مواعظ حسنہ سے مستفید فرماتے رہے۔ احباب سلسلہ آپکی صحت کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

معلوم الاسم

میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا

یہ وہ اقرار ہے جسے ہر مسلمان ذیل کے الفاظ میں کرتا ہے۔ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین ۝ لا شریک لہٗ وبذالک امرتُ وانا من المسلمین" میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت رب العالمین کے لئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں یہی حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے احکام کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں۔

یہ بہت وزنی اقرار ہے جسے انیسویں صدی عیسوی کے مسلمان بالخصوص نبھا نہ سکے تو اللہ تعالیٰ نے تجدید دین کے لئے مجدد زمان حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ کو بھیجا اور انہوں نے نئے سرے سے مسلمانوں سے "میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا" کا اقرار چاہا۔ ایک گروہ نے آپ کی درد بھری صدا پر لبیک کہا اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا اقرار کر لیا۔

یہ چھوٹا سا جملہ ادا کرنے میں نہایت ہی ہلکا پھلکا ہے لیکن ان الفاظ میں حیاتِ انسانی میں حق و باطل کے درمیان کشمکش کی تمام تاریخ سمٹی ہوئی ہے علامہ اقبال مرحوم نے اسی مفہوم کو ادا کرتے ہوئے لکھا ؎

چوں می گویم مسلمانم بلرزم ✢ کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

کلمۂ توحید کا اقرار دنیا بھر کی باطل طاقتوں کو دعوت مبارزت دینا ہے۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا اقرار بھی بدی کی تمام طاقتوں کو للکارنا اور ان کے خاتمے کے لئے میدانِ جد وجہد میں مسلح ہو کر اترنا ہے۔ دینِ حق کے علمبرداروں کی زندگیوں پر نظر ڈالیئے حضرت نوحؑ نے صدیوں مخالفین کا مقابلہ کیا اور آپ کے ساتھ گنتی کے چند مسلمانوں نے مخالفت کی چٹانوں سے ٹکر لی آپ کے بعد حضرت ہودؑ اور صالحؑ نے حق کا علم سنبھالا، حضرت ابراہیمؑ اور نمرود، حضرت موسیٰؑ اور فرعون حضرت داؤدؑ اور جالوت، حضرت عیسیٰؑ اور رومی سلطنت کی آویزش "دین و دنیا" کے تقدم و تاخر کی داستان ہے۔

ہمارے حضرت نبی کریم صلعم اور آپؐ کے اصحابؓ کی ارفع و اعلیٰ زندگی "دین کو دنیا پر مقدم رکھنے" کی ایک کامیاب کوشش تھی۔ اس امت کے لاکھوں صلحاء اور اولیاء مجددین و محدثین نے اسی مقصد کے پیشِ نظر دنیا کی طاغوتی طاقتوں سے ٹکر لی اور خود ہمارے زمانے میں مجدد زمان اور آپ کے مخلص وابستگان دامن نے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے سلسلے میں شیطان کے تمام حملوں کا مقابلہ کیا۔ شیطان نے حق کو زیر کرنے کے لئے ہر پہلو سے حملے کئے لیکن دنیا کی رغبت اور خوف اسلام کے ان پہلوانوں کو متاثر نہ کر سکا اور اس طرح ان بزرگ انسانوں نے باطل کے خلاف حق کی کامیاب جارحیت سے تاریخ میں ایک درخشاں باب کا اضافہ کیا۔

خود مجددِ وقت کے دل میں دین کے لئے قربانی کی جو تڑپ موجود تھی اور جس قربانی کو وہ احیائے دین کے لئے ضروری سمجھتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے اشعار سے کیجئے۔ ؎

اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لئے فنا
ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا

جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

ہم خاک میں ملے ہیں شاید ملے وہ دلبر
جیتا ہوں اس ہوس سے میری غذا یہی ہے

میں دل کی کیا سناؤں کس کو یہ غم بتاؤں
دکھ درد کے ہیں جھگڑے مجھ پر بلا یہی ہے

دنیا کے غموں نے مارا اب دل ہے پارہ پارہ
دلبر کا ہے سہارا ورنہ فنا یہی ہے

ہم مر چکے ہیں غم سے کیا پوچھتے ہو ہم سے
اس یار کی نظر میں شرطِ وفا یہی ہے

موت کی راہ سے ملے گی اب تو دیں کو کچھ مدد
ورنہ دیں اے دوستو اک روز مر جانے کو ہے

حضرت صاحب کے یہ الفاظ ہمارے مقام اور منزل کی نشاندہی کرتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں حق و باطل میں امتیاز کی توفیق بخشی لیکن جب تک کوئی انسان لما یدخل الایمان فی قلوبکم سے آگے نہیں بڑھتا اس کا اقرار فریب نفس سے بڑھ کر نہیں۔ دراصل دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے الفاظ کے ساتھ ہی انسان کے قلب و نظر میں ایک انقلاب آنا چاہیئے اس کی زندگی یکسر بدل جانی چاہیئے اور اس کا قبلۂ مقصود دنیا کی بجائے رضائے الٰہی کا حصول ہو جانا چاہیئے اس اقرار پر عمل خدا کے فضل و کرم کا مرہون احسان ہے اور خدا کے فضل و کرم کا متقاضی تقویٰ ہے۔

ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون

اللہ تعالیٰ کا دستِ تائید ان لوگوں کی پشت پر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور مخلوقِ خدا سے بھلائی اختیار کرتے ہیں۔

تقوٰے اور احسان کے الفاظ میں انفرادی اور اجتماعی ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ انسان کا پشت پناہ بن جاتا ہے۔

غارِ ثور میں جب صدیق اکبرؓ نے حزن و غم کا اظہار کیا تو حضور صلعم نے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا اور دنیا نے اس معیت کو دیکھ لیا۔ حضرت موسیٰؑ جب قوم کو لے کر سمندر کے کنارے پہنچے اور فرعون نے پیچھا کیا تو لوگوں نے عرض کی انا

(بقیہ ص۱۲ پر)

عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

غلبہ اور عزت انہی کو ملتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنیوالوں کیخلاف تدبیریں کرتے ہیں اُنکی تدابیر ناکام ہوتی ہیں

خطبہ جمعۃ الوداع مورخہ ۸ جولائی ۸۳ء فرمودہ مکرم سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ بمقام دار السعید، ایبٹ آباد

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ فاطر کی آیت " من کان یرید العزۃ فللہِ العزۃ جمیعاً ط الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ ط والذین یمکرون السیات لھم عذابٌ شدید ط ومکر اولٓئک ھو یبور" کا ترجمہ اور تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

آج ماہِ رمضان شریف کا آخری جمعہ ہے جسے جمعۃ الوداع کہتے ہیں۔ یوں تو ہر جمعہ ہی بڑی برکت والا دن ہوتا ہے جس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں اس نام کی ایک سورۃ "الجمعہ" نازل ہوئی ہے جس میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ آخرکار دینِ اسلام سب دینوں پر غالب آئے گا اور یہ غلبۂ حق آنحضرت صلعم کی شاگردی اختیار کرنے سے ہی حاصل ہو گا۔ لیکن آج کے دن کو ایک خاص اہمیت اس وجہ سے حاصل ہے کہ یہ رمضان کے مہینہ میں آتا ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا جو تمام نسلِ انسانی کے لئے ہدایت اور نجات کا سرچشمہ ہے اور اسی کی ہدایات پر عمل کرنے سے انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ عوام نے اس کی حقیقی غرض اور مقصد کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی طرف سے نئی نئی باتیں ایجاد کر لی ہیں۔ ان میں سے ایک بدعت جس کا ذکر قرآن کریم اور احادیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی آنحضرت صلعم کے عمل سے کوئی ایسی بات ہے "قضائے عمری" ہے یعنی سارا سال کوئی نماز پڑھو یا نہ پڑھو کوئی نیک عمل کرو یا نہ کرو صرف جمعۃ الوداع کو نفل پڑھ لو تو ساری نمازیں پوری ہو جائیں گی۔ تم اللہ کو راضی کر کے اس کا قرب حاصل کر لو گے۔ اسی طرح کے اور اور اد و وظائف بھی خلافِ قرآن و سنت ایجاد کر لئے گئے ہیں۔ اس قسم کے مختصر ترین راستے (شارٹ کٹ) اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے ذرائع نہیں ہیں۔ اس کا قرب حاصل کرنے اور اس سے مضبوط تعلق پیدا کرنے کے راستے بڑے دشوار گذار۔ محنت اور مشقت طلب ہیں ان پر چلنے کے لئے صبر اور استقلال کے ساتھ بڑی جد و جہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ راستہ وہ ہے جسے قرآن کریم نے "عقبۃ" کہا ہے یعنی چڑھائی کا دشوار گذار پہاڑی راستہ جس پر انسان چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا لیکن جو ثابت قدمی کے ساتھ اس راستے پر چلنے کے لئے کمر ہمت باندھ لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کے مطابق " والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ط انہیں اپنے تک پہنچنے کی راہیں بتا دیتا ہے۔ وہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ انہیں بھٹکنے نہیں دیتا۔ ان اللہ مع المحسنین اللہ یقیناً نیکی کرنیوالوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا:۔

یہ جو آیت میں نے آج پڑھی ہے اس کا ترجمہ ہے کہ جو کوئی عزت چاہتا ہے تو سب عزت اللہ کے لئے ہی ہے۔ اسی کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتا ہے۔ اور جو لوگ بڑی مخفی تدبیریں کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کی مخفی تدبیر ملیامیٹ ہو جائیگی۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو اس آیت میں بھی ان ذرائع کا ذکر ہے جنہیں انسان اختیار کر کے یقینی طور پر خدا تک پہنچ سکتا اور اس تک پہنچنے کے لئے قدم بقدم ترقی کی منزلیں طے کر سکتا ہے۔ اور اسکی مرادیں پوری ہو سکتی ہیں۔

یہ آیت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے کہ جو کوئی عزت کا خواہشمند ہے دوسروں پر غلبہ اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئیے کہ اُسے یہ عزت اور اقتدار دنیا کی دولت و ثروت اور اپنی کسی طاقت اور جتھے کے بل بوتے پر حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہی العزیز ہے وہی غالب ہے وہ چاہے تو معزز کر دے اور چاہے تو رسوا اور ذلیل کر دے " تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیءٍ قدیر" جسے چاہے غلبہ عطا کر دے۔ جسے چاہے مغلوب کر دے۔ ساری بھلائی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے۔ کوئی فرد کوئی جماعت اور کوئی قوم یہ دعویٰ کرنے کی مجاز نہیں کہ اسے جو کچھ حاصل ہوا اس کی اپنی کوششوں اور مساعی سے حاصل ہوا۔ یہ سب کچھ اس کے فضل سے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت اور غلبہ کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ " اسی کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں اور نیک عمل اسکو بلند کرتا ہے "۔ وہ پاک کلمہ جو ان کے لئے ترقی کی راہیں استوار کرتا اور اُسے اللہ تعالیٰ تک اوپر لے جانے کا وسیلہ بنتا ہے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور آنحضرت صلعم کی رسالت اور نبوت کا اقرار ہے۔ اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں وہی انسان کا معبود۔ محبوب اور مقصود ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی غلامی میں

آنا۔ اس کو پانا اور اسے اور صرف اسے ہی اپنی زندگی کا مقصد وحید بنانا چاہتا ہے تو اُسے اپنے دل کو دُنیا کی تمام محبتوں۔ الائشوں غلاظتوں اور ناپاکیوں سے پاک و صاف کرنا ہوگا کیونکہ "ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ" اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں خواہ مرد ہو یا عورت دو دل نہیں رکھے کہ ایک میں دنیا کی محبت سمائی ہو اور دوسرے میں اللہ تعالیٰ کی محبت۔ وہاں ایک ہی دل ہے اس میں ایک ہی محبت رہ سکتی ہے دنیا کی یا اللہ کی۔ دنیا کی محبت کا انجام ذلت اور خواری ہے اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی محبت کا انجام قرب الٰہی ہے۔ اس سے تعلقِ خاطر ہے۔ اس کی پناہ اور امن میں آجاتا ہے جس کی وجہ سے سارے بکھیڑوں اور ہموم و غموم سے آزادی حاصل ہوجاتی ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون خُدا کے دوستوں کو نہ کسی چیز کے کھو جانے کا خوف و خطرہ ہوتا ہے اور نہ اس کے کھونے کے بعد کوئی حزن و ملال۔

یہ پاکیزہ کلمات جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ تک کیسے پہنچتے ہیں اس کا ذکر قرآن کریم میں کئی مقامات پر موجود ہے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تم سے دور نہیں۔ وہ تمہارے بہت ہی قریب ہے جیسا کہ ان آیات میں بتایا گیا ہے۔ "اذا سئلک عبادی عنی فانی قریب" میرے بندے اگر تجھ سے میرے متعلق پوچھیں (کہ میں کہاں ہوں) تو میں ان کے بالکل ہی قریب ہوں۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید میں تو ان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں لیکن نفس انسانی سے اتنا قریب ہونے کے باوجود وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے۔ نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون ہم تمہاری نسبت اس سے یعنی تمہارے نفس سے قریب تر ہیں لیکن تمہاری آنکھیں ہمیں دیکھنے سے قاصر ہیں اگر انسان کے اندر یہ احساس پیدا ہوجائے کہ اگرچہ میں ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا لیکن وہ میرے بہت ہی قریب ہے۔ میری ہر بات کو وہ سنتا ہے اور میرے ہر فعل پر اس کی نظر ہے تو نہ اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نکلے اور نہ اس سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائے۔ انسان اس سے چھپ کر کبھی کہیں نہیں جا سکتا کیونکہ وھو معکم اینما کنتم۔ تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ الا ھو معھم اینما کانوا۔ یاد رکھو وہ جہاں کہیں ہوں وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قریب بھی ہو اور ہر جگہ ساتھ بھی ہو تو کیسے ممکن ہے کہ ایک بندہ پاکیزہ کلمات کے ذریعے اسے یاد کرے اور اس کی یہ یاد اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچے اور یا یہ کلمات اس تک نہ پہنچ سکیں۔

اس کلمہ کے علاوہ اور بھی کئی کلمات ایسے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے لیکن محض زبان سے ہی ان کلمات کا ادا کر دینا کافی نہیں۔ کیونکہ جو چیز انسان کو روحانی درجات کی بلندی عطا کرتی ہے وہ اعمالِ صالحہ ہیں جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ والعمل الصالح یرفعہ۔ عمل صالح اُسے بلند کرتا ہے۔ زبان سے اقرار بھی ضروری ہے اور عمل کے ذریعے اس زبانی اقرار کی تصدیق بھی لازمی ہے۔ کلمہ کے دوسرے حصے "محمد رسول اللہ" کا مطلب یہی ہے کہ آنحضرت صلعم نے نہ صرف زبان سے یہ فرمایا کہ اللہ ہی میرا محبوب، مطلوب اور مقصود ہے بلکہ یہ فرما کر ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ لا شریک لہٗ وبذالک امرت وانا اول المسلمین، میری نماز، میری قربانی۔ میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور یہی مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں اپنے عمل سے ثابت کیا اور روحانی ارتقاء کے انتہائی نقطہ تک پہنچے۔ روحانی ارتقاء کی یہ منزل حضرت آدم سے شروع ہوئی اور آنحضرت صلعم پر اختتام پذیر ہوئی۔ اس سے آگے کوئی رفعت اور بلندی نہیں کیونکہ جس کے لئے آغاز ہے اس کے لئے انجام بھی ہے۔ اعمال صالحہ بجا لانے کی توفیق آنحضرت صلعم کی کامل پیروی سے ملتی ہے۔ کیونکہ آپ کی حیات طیبہ قرآن کریم کی مکمل تفسیر ہے۔ آپ کا اسوہ حسنہ قرآن کریم، احادیث اور تاریخ میں محفوظ ہے۔ آپؐ کے نمونہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ خواہ فرد ہو یا جماعت اور کوئی قوم اس کی اصلاح اور ترقی کا راز قوتِ عمل کے حصول میں مضمر ہے۔ اور یہ قوت عمل دو ذریعوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک دُعا سے اور دوسرا علم سے۔ دُعا کے متعلق آپ نے فرمایا۔

قوموں کی زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے دُعا ایک حقیقی اور مؤثر ذریعہ ہے۔ لوگ بظاہر دُعا کے قائل ہیں لیکن اس کی رُوح اور حقیقت سے نا واقف ہیں۔ لیکن باوجود اس کے مسلمان قوم کی جو زبوں حالی ہے وہ ہمارے سامنے ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ دُعا کی قبولیت کے لئے جو شرائط اور لوازمات ہیں وہ پورے نہیں ہوتے۔ ان میں سے اولین شرط اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور اس کا قرب حاصل کرنا ہے۔ میں اپنے اس سے پہلے خطبات جمعہ اور اس خطبہ میں بھی یہ بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ ہر جگہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ ہماری یہ ظاہری آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں۔ اس تعلق کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس نے انسانوں کے اندر اپنی پاک رُوح پھونکی ہے اور اس نے انہیں فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا کے مطابق اپنی پاک فطرت پر پیدا کیا ہے۔ یہ قرب حاصل کرنے کے لئے فرمایا ہے

منیبین الیہ واتقوہ واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین۔

اس کی طرف رجوع کرنے والے (رہو) اور اس کا تقویٰ کرو اور نماز کو قائم کرو اور مشرکوں سے نہ ہو۔

بڑے مختصر اور جامع الفاظ میں یہ قرب حاصل کرنے کے لئے چار اصول بیان فرما دیئے ہیں۔ جب اللہ کا قرب حاصل ہو جائے تو پھر یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ ادعونی استجب لکم مجھ سے دُعا کرو میں تمہیں جواب دوں گا اور اجیب دعوۃ الداع اذا دعان میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں۔ جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے

یہ دُعا ہوتی ہے جو انسان کی زندگی میں اخلاقی اور روحانی تبدیلی پیدا کرتی ہے اور اس کے ذریعے دُوسرے انسانوں کی زندگیاں بدل جاتی ہیں۔

ایسی دعاؤں کی قبولیت اور اُن کے نتائج کے متعلق قرآن کریم، آنحضرت صلعم اور حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہمیں بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن کے ذریعے ناممکنات ممکنات میں بدل گئے۔ مختلف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بڑے نامساعد اور مشکل حالات میں دعائیں مانگیں۔ اللہ کے سامنے گریہ وزاری کی۔ اس کے سامنے گڑگڑائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مضطربانہ پکار کو سُنا اور ان کی مصائب کو سلامتی اور امن میں بدل دیا۔ ایسے ہی وجود ہوتے ہیں جو دنیا میں انقلاب برپا کرتے ہیں۔

آنحضرت صلعم کی دعاؤں کے متعلق حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ ملک عرب میں جو محیر العقول انقلاب پیدا ہوا "وہ ایک فنافی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی و بےکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔" (برکات الدعا صٓ)

حضرت صاحب کی اپنی دعاؤں کی قبولیت کے ہزاروں نشانات ہمارے سامنے ہیں۔ دعا کا یہ فلسفہ دنیا سے گم ہو چکا اسے حضرت صاحب نے آ کر زندہ کیا۔ آپ اس میں صاحب تجربہ تھے۔ آپ کا کوئی خط، کوئی اشتہار کوئی رسالہ یا کتاب ایسی نہیں جس میں آپ نے دُعا پر زور نہ دیا ہو۔ اور اپنی جماعت کو اس طرف توجہ دلائی ہو۔ آپ کے پاس بھی یہی ایک ہتھیار تھا جس کے ذریعے آپ نے اپنے مخالفین کو شکست دی۔ اور ہر آزمائش اور ابتلاء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیاب و کامران فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر گرنے والوں کی اللہ تعالیٰ ہمیشہ تائید اور نصرت فرماتا رہا ہے اور ان کے دشمنوں اور بُرا چاہنے والوں کی بری تدابیر ہمیشہ ملیامیٹ ہوتی رہی ہیں جیسا کہ اس آیت کے ان الفاظ سے ظاہر ہے

والذین یمکرون السیات لھم عذاب شدید ومکر اولئک ھو یبور۔

جو لوگ بری مخفی تدبیریں کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کی ہی یہ تدبیریں ملیامیٹ ہو کر رہیں گی۔ قرآن کریم میں مذکور قوم نوح قوم عاد و ثمود۔ قوم لوطؑ اور قوم شعیب اور آنحضرت صلعم کے مخالفین اور ہمارے اپنے زمانے میں حضرت صاحب کے مخالفین کے انجام بد کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ یہ سب کچھ دُعا کے ذریعے سے ہی وقوع میں آیا۔

ہمارے لئے بھی یہ زمانہ مشکلات کا زمانہ ہے اور ان مشکلات کو دور کرنے کا ذریعہ دعا ہی ہے۔ دُعا کے لئے ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کریں۔ اپنے اعمال کو سنواریں تاکہ ہماری دعائیں شرف قبولیت پائیں۔ ہماری دعائیں دُنیا کے مال و دولت، اور اقتدار کے لئے نہیں کیونکہ یہ فانی چیزیں ہیں بلکہ اسلام کے غلبہ اور اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے ہوں۔ اسلام کی اشاعت اور اسلام کی سربلندی کے لئے ہوں۔ اپنی اولادوں کے لئے اس مقصد کی خاطر ہوں کہ ہماری اولادیں اس بار امانت کو ہمارے بعد اٹھانے کے قابل ہو جائیں کیونکہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اچھا کام نہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ میں دُعائیں کریں یا اپنی زبان میں۔ اپنی حفاظت کے لئے یہ دعائیں مانگیں۔ ربنا لا تسلط علینا من لا یرحمنا۔ اے اللہ ہم پر اُسے مسلط نہ کرنا جو ہم پر رحم نہ کرے اور حضرت صاحب کی یہ الہامی دعا کریں کہ رب کل شی خادمك رب فاحفظنی وانصرنی وارحمنی اے اللہ ہر چیز تیری خادم ہے۔ میری اس سے حفاظت فرما۔ میری مدد کر اور مجھ پر رحم فرما۔ ہماری جماعت کی حفاظت۔ ترقی اور استحکام کے لئے دعاؤں کی سخت ضرورت ہے کیونکہ ہمارا سہارا اور ہماری جائے پناہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر ہم اسے خوش نہ کر سکے اور اس سے اپنا رشتہ نہ جوڑ سکے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں بچا نہیں سکتی اور اگر وہ ہم سے راضی ہو جائے تو کوئی طاقت کوئی منصوبہ اور سازباز ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کی رضا کی راہوں پر چلنے والے اور اس کے مشن کو پورا کرنے والے بن کر اس کی حفاظت میں آ جائیں۔ آمین!

خطبہ جمعہ مورخہ ۱۵/۷/۸۳

نوٹ :۔ جمعۃ الوداع کا خطبہ وقت کی قلت کے پیش نظر آپ نے دُعا کے مضمون پر ہی ختم کر دیا تھا اور درمیان میں عید الفطر کے آجانے سے آپ نے علم کے متعلق خطبہ جمعہ مورخہ ۱۵/۷/۸۳ میں اسی مضمون کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے دوبارہ اسی آیت من کان یرید العزۃ ۔۔۔ ومکر اولئك ھو یبور کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

جمعۃ الوداع کے خطبہ میں میں نے کہا تھا کہ قوت عمل دو باتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک دُعا سے اور دوسرا علم سے وقت کم ہونے کی وجہ سے میں صرف دعا کے متعلق ہی مختصر طور پر بتا سکا تھا اور اسی پر اپنا مضمون ختم کر دیا تھا۔ آج میں علم کے متعلق کچھ کہوں گا۔

علم کی فضیلت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت واللہ بما تعملون خبیر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے مراتب بلند کر دیتا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔

قرآن کریم میں آنحضرت صلعم کو یہ دُعا سکھائی ہے رب زدنی علما۔ اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے۔ اس لئے ان ارشادات باری تعالیٰ کے مطابق ہر انسان کے لئے علم حاصل کرنا اور اس میں روز بروز اضافہ کرنا ضروری ہے کیونکہ جوں جوں علم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے انسان اللہ کی معرفت میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی اپنی اصلاح بھی ہوتی جاتی ہے اور اس کے اعمال میں بھی حسن و خوبی پیدا ہوتی جاتی ہے۔

حصولِ علم پر کسی ایک گروہ کی اجارہ داری نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلعم کی حدیث کے مطابق علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر

فرض ہے اور اس کے لئے عمر کی بھی کوئی قید نہیں کیونکہ حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ مہد سے لحد تک یعنی اپنی پیدائش سے مرتے دم تک علم حاصل کرتے رہو اس کے لئے کسی خاص مقام کے تعین کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز کی طرح ہے جہاں سے بھی ملے اُسے لے لینا چاہیئے۔

اگرچہ علم میں علم دین اور علم دنیا دونوں شامل ہیں لیکن وہ علم جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب نصیب ہوتا ہے وہ علم دین ہے جس کا ذکر بار بار قرآن اور حدیث میں آتا ہے اسی سے قوت عمل پیدا ہوتی ہے۔ علم کا حاصل کرنا کوئی مشکل کام بھی نہیں کسی اچھی بات کو سن کر اپنے ذہن میں محفوظ کر لینا یا اُسے اپنے پاس لکھ لینا بھی علم حاصل کرنے کا آسان ذریعہ ہے۔

یہ علم جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں اور اسے حاصل کرنے کے لئے اپنے بچوں اور نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں یہ علم دین ہے جو چودہویں صدی میں زمین سے اُٹھ چکا تھا۔ امیر و غریب دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے تھے انہیں دنیا کی عیش پرستیوں سے فرصت ہی نہ تھی۔ اس زمانے کے علماء کا دامن بھی اس علم سے خالی تھا اور یہی وجہ تھی کہ دشمنانِ اسلام نے اسلام پر بے ہودہ اعتراضات کرنا شروع کر دیا تھا جن کا جواب مسلمان علماء کے پاس نہ تھا جس کا خطرناک اثر یہ ہوا کہ لاکھوں مسلمان اسلام سے بیزار ہو کر عیسائی یا دہریہ ہو گئے آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے روزانہ اخبارات میں عیسائیت کے پھیلاؤ کے متعلق کوئی نہ کوئی شکایت چھپتی ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے مامورِ وقت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد و مسیح موعودؑ کے ذریعے قرآنی علوم کو دوبارہ زندہ کیا اور ان علوم و معرفت کے وہ چشمے بہائے کہ مُردہ دلوں کو زندہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ:

؎ ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خُدا دہم
یک قطرۂ ز بحر کمالِ محمدؐ است

مخلوقِ خُدا کے لئے علوم و معرفت کا یہ چشمہ جو میں بہا رہا ہوں یہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کے کمالات کے سمندر میں سے ایک قطرہ کے برابر ہے یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جو کسی دینی درسگاہ کے سند یافتہ نہ تھے اس "چشمۂ رواں" سے سیر ہو کر خود بھی پیا اور ہمارے لئے علم کا بیش بہا خزانہ جمع کیا جس کی آج ساری دُنیا محتاج ہے۔ ہم میں سے ہر کوئی اس کے ذریعے اپنے علم میں اضافہ کر سکتا ہے۔ حضرت صاحب کے زمانہ میں ہر احمدی خواہ وہ کسی بھی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھتا ہو صاحب علم ہوتا تھا۔ مخالفین اس کے سامنے آنے سے گھبراتے تھے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ اور حضرت خواجہ کمال الدینؒ کی مثال ہمارے سامنے ہے انہوں نے خود اپنی کوششوں سے علم دین حاصل کیا۔ اس میں زندگی بھر اضافہ کرتے رہے اور اسی کی بدولت ہمارے لئے ایسا قیمتی لٹریچر چھوڑا جس کی ایک دنیا معترف ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اس لٹریچر نے بے شمار انسانوں کو حقیقی اسلام کی روشنی دکھائی ہے۔ میرے اندر میرے بزرگوں نے اس کا شوق پیدا کیا۔ میں اپنے علم میں اضافہ کرتا رہا اور آج تک کر رہا ہوں۔ مجھے جس سے اور جہاں سے بھی کوئی قیمتی بات ملے میں اُسے اپنے پاس محفوظ کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس بارے میں مَیں اپنے ایک دوست کا بہت احسان مند ہوں۔ وہ ہمارے پاس اس مسجد میں کئی سال رہے۔ وہ صاحب علم تھے میں نے اُن سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اور میری دلی دُعا اور تمنا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں ان کے علم سے فائدہ اٹھانے کا پھر سے موقع نصیب فرمائے۔ حصولِ علم کے لئے یہی آرزو اور لگن میں اپنے بچوں اور نوجوانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ جماعت کی زندگی۔ ترقی اور استحکام کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ ہمارے لئے ہمارے اکابرین نے اس علم کو اتنا آسان کر دیا ہے کہ ہم خود تھوڑی سی محنت سے اسے حاصل کر سکتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے تراجم اور سلسلہ کی کتب ہمارے پاس اردو زبان میں موجود ہیں جنہیں معمولی لکھا پڑھا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ ہمارے اخبارات میں قیمتی مضمون ہوتے ہیں ان کے باقاعدہ پڑھنے سے بھی ہم بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

جس طرح ہر کام کے لئے محنت اور قربانی کی ضرورت ہوتی ہے اُسی طرح علم حاصل کرنے کے لئے بھی محنت اور قربانی کی ضرورت ہے۔ علم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل اور عزت حاصل کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

قرآن کریم نے علماء کی بہت تعریف کی ہے

"انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء"

اللہ سے صرف اس کے علم والے بندے ڈرتے ہیں

"قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون"

"کہہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں" اور حدیث شریف میں ہے۔

"العلماء ورثۃ الانبیاء علماء انبیاء کے وارث ہیں"

انبیاء کا ورثہ علم ربانی ہے۔ اور علماء ربانی اسی ورثہ کو لیتے ہیں جن لوگوں نے یہ علم سیکھا اور سکھایا ان کا نام آج تک زندہ ہے اس کے مقابلے میں دولت مند اور صاحب اقتدار لوگوں کا نام و نشان انسانوں کے ذہنوں سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے۔ اس کی معرفت اور عزت حاصل کرنے کا دوسرا موثر ذریعہ علم ہے۔ علم حاصل کرنے کے لئے جتنی بھی کوشش کی جائے کم ہے۔

دُعا اور علم کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ یہ دو بنیادی چیزیں ہیں لیکن ان کے علاوہ کچھ اور اعمال بھی ہیں جن کا بجا لانا فرض ہے۔ ان میں سے پہلا عمل نماز قائم کرنا ہے کیونکہ اس کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہو سکتا ہے۔ نماز اکیلے بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ لیکن باجماعت نماز ادا کرنے کو فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ اگر پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کی جائے تو اس سے باہمی ربط۔ میل ملاپ۔ اتحاد اور اتفاق پیدا ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے حالات اور دُکھ سُکھ سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ جماعت کی تنظیم اور تربیت کے لئے یہ نہایت

ضروری ہے۔ اپنے بچوں میں شروع سے یہ عادت ڈالنی چاہیئے۔ اگر مسجد نہ ہو تو اپنے گھر میں نماز باجماعت پڑھائی جا سکتی ہے۔ اگر اکیلا شخص ہو اور نماز کا وقت ہو جائے۔ وہ اذان دے اور نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جائے تو فرشتے اس پر رحمتیں بھیجتے اور اس کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلعم کا فرمودہ ہے۔

قرآن اور حدیث کے مطابق نماز کو ترجیح حاصل ہے اسے اپنے مدنظر رکھیں اور اپنے ہر کام میں ترجیحات کو اپنے سامنے رکھیں۔ انہیں سامنے نہ رکھنے سے بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ غیر ضروری کاموں کو ترجیح دینے سے اہم اور ضروری کام رہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

دوسری بات جو ہماری جماعت کا طرہ امتیاز رہا ہے اور جسے اب دوسروں نے لے لیا ہے لیکن ہماری توجہ اس کی طرف سے کم ہو گئی ہے درس قرآن ہے۔ حضرت صاحب کے تشریف لانے سے قبل قرآن کریم کا درس کہیں نہیں ہوتا تھا حتیٰ کہ دینی مدارس کے نصاب میں بھی یہ برائے نام ہی شامل تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے آکر اس کا درس شروع کیا۔ جہاں جہاں بھی ہماری جماعتیں تھیں وہاں درس کا التزام کیا جاتا۔ آج ہر جگہ درس قرآن ہوتا اور لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے لوگوں کو سنایا جاتا ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالےٰ نے آسان کر دیا ہے۔

"ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدّکر"

ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے۔ کوئی ہے جو اس سے فائدہ اٹھائے۔

مگر ہمارے لئے تو حضرت مولانا محمد علی رح کے ذریعے اسے اور بھی آسان کر دیا ہے۔ "بیان القرآن" ایک بے نظیر تفسیر ہے اس سے بڑے بڑے دوسرے علماء درس دیتے ہیں۔ ہمیں اس سے محروم نہیں ہونا چاہیئے۔ صبح کی نماز کے بعد یا جس وقت بھی موقع ملے قرآن کریم کی ایک ہی آیت پڑھ کر اس کا ترجمہ پڑھیں۔ تفسیر دیکھیں خود اس پر غور و فکر کریں۔ اسی طرح باقاعدہ کرتے کرتے قرآن کریم کا علم آپ کو حاصل ہو جائے گا۔ آنحضرت صلعم کو یہ حکم ہے کہ اتل ما اوحی الیک من الکتاب واقم الصلوٰۃ "جو تیری طرف کتاب سے وحی کیا جاتا ہے اُسے پڑھتا رہ اور نماز کو قائم رکھ۔" قرآن کا پڑھنا اور نماز کا قائم رکھنا ہماری جماعت کی زندگی کا بہت بڑا اہم حصہ ہے بلکہ اسکی بنیاد ہے قرآن کریم کا پڑھنا اور اس کا درس دینا لازمی ہے۔ ہر جگہ درس قرآن شروع کرنے کی ضرورت ہے اپنے گھروں میں اپنے بچوں میں اور گھر کے دیگر افراد خانہ کو درس دیں۔ آسان اور سادہ زبان میں ان کو مطلب سمجھائیں اسی سے ہماری ترقی ہوگی اور اسی کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کو جذب کرنے کے قابل ہوں گے۔ اسی سے ہمارے نفسوں کی اصلاح اور ان کا تزکیہ ہوگا۔ ہماری جماعت کے لوگ جہاں بھی ہیں وہاں اپنے لئے ایک دینی ماحول پیدا کریں۔ اپنے آپ کو دوسروں کے لئے قابل رشک نمونہ بنائیں۔ ہمارا کوئی قول اور فعل ہمارے مسلک کی بدنامی کا موجب نہ ہو۔ ہمیں ہر وقت حضرت صاحب کی دس شرائط بیعت کو جن پر ہم نے دستخط کیے ہیں اپنے سامنے رکھنا اور ان پر عمل کرنا چاہیئے ورنہ محض دستخط کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت صاحب نے جسمانی نسلی اور لسانی رشتوں کی دیواروں کو گرا کر ہمارے درمیان ایک نئی روحانی اخوت اور برادری کی بنیاد ڈالی اور اس رشتہ کو مضبوط کرنے کے لئے نصیحت فرمائی تھی۔ اس رشتہ میں کسی قسم کا کوئی دنیوی مفاد مدنظر نہیں یہ محض محبت ہی محبت ہے۔ اس محبت کو قائم رکھنے کے لئے باہمی میل ملاپ ممد ہو۔ مہمان نوازی اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ اور خوشی اور غم میں شریک ہونا لازمی ہے۔ اسی سے جماعت کی مضبوطی اور استحکام وابستہ ہے اور اسی سے ایک دوسرے کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ایسی ہی جماعت معزز اور اللہ تعالےٰ کا مشن پورا کرنے والی ہوتی ہے۔

آپ نے آیت مذکورہ کے الفاظ کو دوبارہ دہراتے ہوئے فرمایا جو کوئی عزت چاہتا ہے تو یہ عزت تمام تر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ یہ عزت دنیا داروں والی عزت نہیں۔ جیسے عبد اللہ بن ابی نے کہا تھا کہ جب ہم مدینہ واپس لوٹیں گے تو عزت والے لوگ ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے۔ وہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو معزز اور آنحضرت صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو ذلیل سمجھتا تھا کیونکہ ان کے پاس نہ دولت تھی نہ جتھا تھا اور نہ اقتدار۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے لیکن منافق اسے نہیں جانتے۔ یہ عزت خدا کی یاد اور اس کے ساتھ تعلق اور عمل صالح سے ملتی ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی جناب سے اپنے آپ کو اس عزت کا مستحق بنانا چاہیئے۔ اور جن ذرائع سے یہ ملتی ہے انہیں استعمال میں لانا چاہیئے۔ دنیا کی عزت اور شہرت کے متعلق حضرت صاحب فرماتے ہیں۔

ع کام کیا عزت سے ہم کو شہرتوں سے کیا غرض
گر وہ ذلت سے ہو راضی اس پہ سو عزت نثار

میں نے آپ کے سامنے جو کچھ بیان کیا اس پر اپنے گھروں میں تنہائی میں غور کریں ان پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیں اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو عزت ملتی ہے اس کو پانے کے لئے جد و جہد شروع کر دیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو نیک اعمال بجا لانے اور اپنے نفسوں کو پاک کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

ہمارے بھائی سردار علی خان سفید ڈھیری (پشاور) کے دو صاحبزادے اختر علی خان صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ اور ظفر علی خان حضرت امیر کی ملاقات کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ اگست میں ان دونوں کا انجینئرنگ میں فائنل کا امتحان ہے۔ آپ نے ان دونوں کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی اور حاضرین بھی اس دعا میں شامل ہوئے۔

ارشاد باری تعالےٰ

"اور جو تمھیں السلام علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔"

از قلم محترم جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن۔ سبق نمبر ۴۲

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ۔۔۔۔
۔۔۔۔ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ؀ (البقرۃ۔ ۴۰ تا ۴۶)

ترجمہ:۔ "اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت کو جو میں نے تم پر کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اور اس پر ایمان لاؤ جو میں نے تم پر اتارا اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے پاس ہے اور تم اس کے پہلے منکر نہ ہو اور میری آیات کے بدلہ تھوڑا مول نہ لو اور میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔ اور سچ کو جھوٹ کیساتھ نہ ملاؤ اور نہ سچ کو چھپاؤ درآنحالیکہ تم جانتے ہو۔ اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور جھکنے والوں کے ساتھ جھکے رہو۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کو پڑھتے ہو، پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگتے رہو اور یقیناً یہ بڑی مشکل ہے مگر نہ ان پر جو عاجزی اور فروتنی (سے اللہ کے حضور حاضر) ہوں، اور جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور کہ وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔

یہ سورۃ البقرۃ کا پانچواں رکوع ہے اور اس سے جو بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوتا ہے تو وہ مسلسل رکوع ۱۸ تک کلّی یا جزوی طور پر بنی اسرائیل سے متعلق ہے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس قوم کے ذکر کو کیا اہمیت حاصل ہے کہ قرآن حکیم میں اُسے یہاں رکھا گیا ہے اور بالتفصیل یہاں پر اور مختصراً دُوسری جگہوں میں اس قوم کا ذکر آئیگا۔ اسرائیل (جس کے معنیٰ ہیں اللہ کا بندہ) حضرت یعقوب کا نام تھا اور اُن کے بارہ بیٹوں کی اولاد سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے بنے۔ حضرت موسیٰؑ جب ان کو مصریوں کی غلامی سے چھڑا کر لائے تو اس زمانہ میں جو اس قوم کی گری ہوئی اخلاقی اور روحانی کیفیت تھی اس کی بہت صبر و تحمل سے اصلاح فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر وہ دینی اور دُنیوی انعامات کئے کہ ان کی نظیر دنیا کی اقوام کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ غلامی سے نکال کر سلطنت اور بادشاہت عطا کی جس کا عروج حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے عہدوں میں ہوا۔ سونا چاندی۔ ہیرے جواہرات اور دنیا کی دولت بے انتہا دی مگر دنیاوی انعامات سے بہت بڑھ کر جو روحانی انعامات کئے وہ تو بالکل بے نظیر تھے۔ جتنے انبیاء اس قوم میں آئے کسی قوم میں نہیں۔ باپ کے بعد بیٹا پیغمبری لے کر آتا تھا۔ یک وقت کئی کئی رسول ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے کھڑے کئے گئے۔ کوئی وقت نہ گذرتا تھا کہ ان میں خدا کا کوئی فرستادہ موجود نہ ہوتا تھا۔

بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے دس قبیلے شمالی فلسطین اور شام کے اردگرد کے علاقوں میں "اسرائیل" کے نام سے سلطنت بنا کر راج پاٹ میں لگ گئے۔ اور باقی کے دو قبیلے جنوبی فلسطین (جہاں بیت المقدس تھا) میں آباد ہو کر اپنی الگ سلطنت یہوداہ کے نام سے کرنے لگے۔ دوسری قوموں سے ایک لمبی تاریخی کشمکش میں "اسرائیل" سلطنت کے دس قبیلے مغلوب ہو کر اور بطور قیدی مشرقی ملکوں میں لے جائے گئے۔ بالآخر یہ دس قبائل اُس علاقہ میں آباد کئے گئے جو اب افغانستان اور پاکستان کا صوبہ سرحد اور کشمیر کا علاقہ ہے۔ رسل و رسائل کے ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے وہ وطن سے کٹ کر بالکل کھوئے جا چکے تھے۔ یہی اسرائیل کی کھوئی بھیڑیں تھیں جن کی تلاش میں حضرت عیسٰیؑ نکلے جب فلسطین کے دو قبائل جو یہوداکی سلطنت بننے کے بعد سے اپنے آپ کو یہودی کہتے تھے انہوں نے حضرت عیسٰیؑ کو نہ صرف رد کیا بلکہ سُولی پر چڑھا کر ان کو قتل کرنا چاہا۔ الغرض بنی اسرائیل کے بارہ کے بارہ قبائل اپنی دُنیاوی سلطنت اور غلبہ کھو بیٹھے تھے اور فلسطین کے یہودیوں نے جو حضرت عیسٰیؑ پر ظلم عظیم کیا ان کیوجہ سے وہ مغضوب علیہ ہو گئے۔

اس نہایت مختصر تاریخ کے بعد میں اب اس سوال کی طرف آتا ہوں جو میں نے اس درس کے شروع میں اٹھایا تھا کہ بنی اسرائیل کے ذکر کو مسلسل رکوع ۵ سے لے کر رکوع ۱۸ تک قرآن حکیم کے ابتداء میں کیوں رکھا گیا۔ ذرا اپنا قرآن کھول کر دیکھئے کہ اس سے معاً قبل حضرت آدم کے زمین میں خلیفہ بنائے جانے اور ہر طرح کی نعمتوں کے علاوہ دل کی جنّت عطا کئے جانے کا ذکر ہے (جیسا کہ میں اس رکوع کے درس میں بتا آیا ہوں) مگر شیطان نے انہیں اور ان کی بیوی کو ورغلایا اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیوجہ سے نہ صرف دل کی جنّت کھو بیٹھے بلکہ ظاہری نعماء سے بھی محروم ہو گئے۔

تو زمین میں حضرت آدمؑ کی طرح ہر انسان اپنے محدود دائرۂ اختیار میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے مگر اس سے وسیع پیمانہ پر ہر قوم بھی اپنے علاقہ میں اللہ تعالیٰ کی خلیفہ ہے۔ اسی اجتماعی خلافت کا ذکر قرآن حکیم نے دوسری جگہ فرمایا ہے مثلاً ھو الّذی جعلکم خلٰٓئف الارض (الانعام۔ ۱۶۶) اور و یجعلکم خلفاء الارض۔ تو اس قومی خلافت

میں بھی قوموں کا معاملہ وہی ہے جو انفرادی خلافت میں حضرت آدمؑ کا ہوا کہ انہیں ہر طرح کی نعمتیں دی جاتی ہیں مگر اگر وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر کمر کس لیں تو پھر زمین آسمان کا اصل بادشاہ اللہ تعالیٰ کہیں روزِ محشر کے انتظار میں نہیں بیٹھا کہ انہیں سزا دے بلکہ وہ اسی دنیا میں اپنے خلیفہ کو اگر وہ اس سے باغی ہو جائے تو سزا دیتا ہے جو کہ آخرت کی سزا پر دلیل ہوتی ہے۔ اس کی بہترین مثال ہمارے زمانہ کی انگریز قوم کی تاریخ میں نظر آتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں عالمگیر سلطنت اور دنیا بھر کی دولتیں بخشیں تو اس زمانہ میں وہ اپنی کتاب انجیل کے مطابق خدا پر ایمان رکھتے اور اس کی عبادت کرتے تھے مگر جب انہوں نے اپنے دنیاوی غلبہ کو اپنا دینی غلبہ بنانے کی بھی کوشش کی تاکہ اُنکی سلطنت (ماتحت رعایا کے عیسائی ہوجانیکی وجہ سے) ہمیشہ قائم رہے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دنیاوی غلبہ کو اور دنیاوی اموال کے خزائن کو بھی چھین لیا خصوصاً اس لئے کہ بیسویں صدی عیسوی میں آکر یہ خدا تعالیٰ کو بھی چھوڑ بیٹھے تھے۔ بنی اسرائیل بھی ان کی طرح دنیا پرست اور دولت پرست ہو گئے تھے اور یہود نے تو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت عیسیٰؑ کو سُولی پر چڑھا کر اُن کو قتل کرنے کی کوشش کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کو اپنے پر وارد کیا۔ اب دوسری وجہ واضح ہوگئی کہ بنی اسرائیل اور ان کے بدترین حصہ یہود کا ذکر یہاں کیوں آیا ہے۔ سورۃ فاتحہ کی عظیم الشان دعا جس کا قرآن کریم جواب ہے (جیسا کہ میں ابتدائی درسوں میں بتا آیا ہوں) اس میں جناب باری سے التجا کی گئی تھی کہ "ہمیں سیدھے راستہ پر لیکر چل ان لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام کئے" وہاں اس کے معاً بعد "نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر (تیرا) غضب نازل ہوا اور نہ گمراہ ہوجانے والوں" کے رستے سے بچانے کی دُعا تھی۔ سو اس ترتیب الفاظ میں مسلمانوں کو خبردار کیا گیا تھا کہ منعم علیہ قوم بننے کے بعد پہلے لوگ مغضوب علیہ بن گئے یا گمراہ ہو گئے، تم نے ایسا نہ کرنا۔ یہود کے مغضوب علیہ بننے کا ذکر قرآن میں آگے آئیگا۔ مگر مخبر صادق صلعم نے بھی فرمایا کہ لتتبعن سنن من قبلکم (متفق علیہ) "تم بھی پہلوں کے طریق کی اتباع کرو گے۔" اور جب دریافت کیا گیا کہ کیا وہ یہود اور نصاریٰ قومیں تھیں تو حضورؐ نے فرمایا۔ "ہاں۔ اور کون؟"۔ تو بنی اسرائیل کے ذکر میں مسلمانوں کو سبق دیا گیا ہے کہ تمہیں بھی زمین میں خلیفہ بنایا جائے گا۔ تم وہ غلطی نہ کرنا جو بنی اسرائیل نے کی جس کیوجہ سے سلسلۂ نبوت اب بنی اسرائیل سے لے کر بنی اسمٰعیل کو دیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی روحانی نعمت اس کی دُنیاوی نعمتوں سے بہت بڑھ چڑھ کر انعام ہے اور اس کو کھو دینے سے بڑھ کر اور کوئی نقصان نہیں۔

میں نے عرض کیا تھا کہ بنی اسرائیل کی قومی خلافت سے معاً قبل حضرت آدم کی انفرادی خلافت کا ذکر تھا۔ تو حضرت آدم اور ان کی بیوی نے تو توبہ و اصلاح کر لی تھی۔ اس لئے بھی قرآن کریم اب بنی اسرائیل کو ان کی قومی خلافت کھوئے جانے کے بعد بار بار مخاطب فرما کر انہیں نصیحت فرماتا ہے کہ وہ اب بھی توبہ اور اصلاح کریں اور اس نبی آخر الزمانؐ کو قبول کریں جس کو قبول کرنے کا عہد یُوں تو تمام نبیوں نے اپنی اپنی قوموں سے لیا تھا مگر بنی اسرائیل کے سینکڑوں ہزاروں انبیاء نے جس کثرت سے اپنی قوم سے لیا کسی قوم سے نہ لیا گیا تھا میں واضح کردوں کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں یا قوموں میں سے دس جو افغانستان، پاکستان کے صوبہ سرحد اور کشمیر میں بسی ہوئی تھیں یہ وہ پچھلی اقوام تھیں جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو بھی قبول کیا جبکہ اُن کے بھائی فلسطین کے یہودیوں نے انہیں قبول نہ کیا اور اسی طرح بعد میں قرآن کریم کا بار بار بنی اسرائیل سے خطاب کرنا کامیاب ہوا اور ان دس قوموں نے اسلام کو بھی قبول کر لیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ صرف یہود کہنے والے قبائل ابھی تک محروم ہیں الا ماشاء اللہ۔

اب ہم رکوع کے الفاظ کو لیتے ہیں جن کا ترجمہ اوپر درج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو اپنے انعام یاد دلانا نعوذ باللہ احسان جتانے کے طور پر نہیں بلکہ اُن کے دلوں کو نرم کرنے کیلئے ہے کہ میں وہی خدا ہوں جس نے ہمیشہ تم پر مہربانی کی اور اب دوبارہ اپنی رحمت میں داخل کروں گا بشرطیکہ تم میرے عہد کو پورا کرو۔ یہ عہد جو قرآن حکیم میں میثاق النبیین (آل عمران ۳۔ ۸۱) کے نام سے مذکور ہے وہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے ذریعہ اسکی قوم سے لیا کہ جب خاتم النبیین صلعم آئیں تو تم اُن پر ایمان لانا۔ اور چونکہ بنی اسرائیل میں جتنے نبی آئے کسی قوم میں نہیں آئے اس لئے جتنی اس عہد کی بنی اسرائیل میں تجدید ہوئی کسی قوم میں نہ ہوئی اور "وہ نبی" یعنے محمد صلعم کا آنا بنی اسرائیل کے بچے بچے کو معلوم تھا۔ اس میثاق کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمام قوموں کو اپنے آخری دین پر اپنے آخری نبی کے جھنڈے کے نیچے جمع کرنا چاہتا تھا تاکہ دینی اختلافات اور دشمنیاں باقی نہ رہیں۔ آگے فرمایا کہ اگر تم میرے عہد کو پورا کرو گے تو میں اپنا عہد پورا کروں گا وہ عہد یا وعدہ ایمان لاکر نیک عمل کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے آیت استخلاف (سورۃ النور ۲۴۔ ۵۵) میں فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ اسکے بعد آج کے سبق میں جو فرمایا کہ مجھ ہی سے ڈرو تو اس لئے کہ حق کو قبول کرنے میں ہر قسم کے خطرات پیدا ہوتے ہیں اور لوگ ڈراتے دھمکاتے ہیں رد کئے کے لئے تو فرمایا کہ ان سے مت ڈرو بلکہ میرے مؤاخذہ سے خوف کھاؤ۔ دوسری آیت میں فرمایا کہ قرآن جو میں نے نازل فرمایا ہے وہ تمہاری کتابوں اور نبیوں کی تصدیق کرتا ہے اور یہ قرآن کریم کا امتیاز ہے جو اور کسی الہامی کتاب کا نہیں کہ قرآن کریم تمام قوموں میں نبیوں اور الہامی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے ورنہ ان کا جو اب حال ہے اس میں انہیں اللہ تعالیٰ کا کلام ماننا ممکن نہ تھا۔ میثاق النبیین (آل عمران ۳۔ ۸۱) کے ماتحت آنیوالے نبی کی یہ نشانی تھی کہ وہ تمام نبیوں کی اور الہامی کتابوں کی تصدیق کریگا۔ اور یہ عظیم الشان نشان سوائے محمد صلعم کے کسی نبی نے پورا نہیں کیا۔ اور بنی اسرائیل کے نبیوں اور الہامی کتابوں کی تصدیق تو خاص طور پر حضورؐ نے کی جس پر گواہ قرآن کریم موجود ہے۔ تو فرمایا کہ ان دنوں حالات تم سب میں پہلے انکار کرنے والے نہ بنو جیسا کہ مدینہ کے یہود نے کیا سوائے ایک دو حق پرستوں کے۔ اور یہ جو فرمایا کہ میری آیات کے بدلہ تھوڑا مول نہ لو تو یہ علمائے یہود کے لئے ہے جنکی روحانی منبرداری اور جلوہ ماننا خطرہ میں ہوجاتا تھا اگر وہ رسول اللہ صلعم کو روحانی پیشوا مان لیں۔ مگر وہ نہ ایمان لائے بلکہ "سچ کو جھوٹ کیساتھ ملانے بلکہ حق کو چھپانے"، کے مرتکب ہوئے کہ جتنی پیشگوئیاں یہودی صحیفوں میں

تھیں اُن کی ایسی توجیہیں کیں کہ وہ محمد صلعم پر نہ پوری ہوتی نظر آئیں۔ اور وہ اپنے لوگوں کو روکتے تھے کہ ان پیشگوئیوں کا مسلمانوں کو علم نہ ہونے دو (البقرۃ ۲۔ ۷۶)

اس قوم میں ہفتہ میں صرف ایک دن (سبت) خدا کی یاد کے لئے مقرر تھا مگر وہ اس کو توڑتے تھے جس کا الزام آگے قرآن میں بار بار آئیگا (البقرۃ ۲۔ ۶۵ النساء ۴۔ ۴۷، اور ۴، ۱۰۴، الاعراف ۷۔ ۱۶۳، اور النحل ۱۶۔ ۱۲۴) اور اس دن بھی دولت کمانے میں لگے رہتے تھے اور اسی لئے اس قوم پر لعنت یعنے خدا سے دُوری کی پھٹکار پڑی۔ تو اسکو دُور کرنے کے لئے فرمایا کہ "نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور جھکنے والوں کیساتھ جھکتے رہو"۔ سبت کی ہفتہ میں صرف ایک بار کی خدا کی یاد کافی ثابت نہ ہوئی تو فرمایا کہ اسی لئے ہم نے اسلام میں دن میں پانچ بار نماز قائم کرنے کو کہا ہے جو انسان کو دنیا کے دھندوں میں منہمک ہو کر خدا کو بھول جانے سے روکتی ہے۔ بار بار دنیا اور دولت کمانے کے انہماک میں خدا کی یاد دلاتی ہے اور زکوٰۃ سے مال کی محبّت (جس میں نہ صرف دولت خدا بن جاتی ہے بلکہ انسان دوسروں خصوصاً غریبوں کا خُون چوسنے لگتا ہے) اس پر چھُری سال میں ایک دفعہ پھیری جاتی ہے۔ دوسرے مذاہب نے خدا کو یاد رکھنے اور مال کی محبت کی آگ سے بچنے کے لئے دنیا کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کرنے کو کہا ہے اسلام نے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ دنیا اور مال کماؤ مگر ان کے انہماک میں نماز کو پانچ بار قائم کر کے خدا کی یاد کو اپنے دلوں میں قائم کرو اور زکوٰۃ دے کر مال کی محبت پر جو حیوانیت کا رنگ اختیار کر لیتی ہے چھُری پھیرو۔ اس آیت میں آخر میں "جھکنے والوں کے ساتھ جھکے رہو" کا حکم لوگوں نے رکوع میں جھکنے سے لیا ہے مگر وہ تو نماز قائم کرنے کے حکم میں پہلے ہی آگیا تھا۔ یہ جھکنا نماز کے علاوہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے آگے فرمانبردار رہنے کا حکم ہے کہ نماز کے بعد خدا کو بھُول نہ جانا۔

اگلی آیت میں علماء بنی اسرائیل کو فرمایا کہ تم لوگوں کو تو بڑی بڑی نیکیوں کا حکم دیتے ہو مگر اپنے نفسوں کو بھُولے ہوئے ہو حالانکہ تم خود تورات پڑھتے ہو جس میں اپنے نفس کی اصلاح کا سب سے پہلے حکم ہے۔ ان علماء کا اپنا کیا بُرا حال تھا وہ حضرت عیسٰےؑ کی زبانی انجیل میں پڑھتے۔ انہوں نے کیا گالیاں تک ان کو دی ہیں جو اُن کے بُرے حال کا نقشہ کھینچتی ہیں۔ آخیر میں بنی اسرائیل کو فرمایا کہ حق کو قبول کر کے جو ابتلاء اور مصائب آتے ہیں انہیں صبر سے سہو تو وہ تمہارے ایمان کو پختہ کرتے ہیں ورنہ ایمان محض زبانی رہتا ہے۔ صبر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے عظیم ترین صفت ہے کہ وہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے یا کہا جا رہا ہے یا کیا جا رہا ہے اگر انتہائی صبر سے نہ سہنے والا ہوتا تو یہ دُنیا ایک دن میں ختم ہو جاتی۔ تو اس عظیم صفتِ الٰہی کو خود صبر کر کے سیکھو۔ ہاں انسان کمزور ہے اور خدا کو پکارتا ہے تو فرمایا کہ اسی کے لئے تو ہم نے تمہیں پانچ بار اپنی جناب میں حاضری کی اجازت دی ہے۔ یہودی مذہب کے تمام ارکان اسلام کے ارکان سے سخت تر تھے سوائے پانچ وقت کی نماز کے۔ دُوسرے مذہب والوں کو وہ بوجھل معلوم دیں تو مقام تعجب نہیں مگر بہت سے مسلمانوں کو بھی بوجھل معلوم دیتی ہیں۔ اس لئے آج کے سبق کی آخری دو آیتیں ہمارے لئے بھی اہم ہیں۔ اوّل تو یہ فرمایا کہ پانچ وقت کی نماز بوجھل ہوتی ہے سوائے خشوع رکھنے والوں کے لئے۔ تو پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ خشوع کیا چیز ہے؟ اور دوسرا یہ کہ وہ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟ دونوں کا جواب یہاں دیا ہے۔

خشوع عاجزی، فروتنی اور فرمانبرداری کے معنے رکھتا ہے۔ تو خشوع تو خود بخود پیدا ہو سکتا ہے اگر انسان کو اس حقیقت کا احساس ہو کہ وہ ایک مٹی کا کمزور کھلونا ہے جو کسی سیکنڈ بھی ختم ہو کر پھر مٹھی بھر مٹی میں بدل سکتا ہے اگر اس کا پیدا کرنے والا ایسا چاہے جس کے جلال و عظمت کے حضور وہ کھڑا ہے اور جس نے اپنی ربوبیّت (جس کے معنے ادنیٰ حالت سے بتدریج اعلےٰ حالت کیطرف لے جانے کے ہیں) سے اُسے اتنا طاقتور بنایا ہے کہ تمام کائنات کی طاقتوں پر حکومت کرتا ہے۔ مگر انسان کی دنیاوی حالت بہر حال آج نہیں تو کل ختم ہو جانی ہے۔ جو اصل انسان ہے اور جو ہمیشہ رہنے والی چیز ہے وہ، وہ رُوح ہے جو اللہ تعالےٰ نے اس میں پھونکی ہے۔ اس رُوح کو بار بار ان گندگیوں سے پاک و صاف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو دنیا میں رہنے سہنے سے گرد و غبار کی طرح اس پر جمنے لگتی ہے اور اگر انسان کسی گناہ یا خطا یا غفلت کا مرتکب ہوا ہو تو وہ بہت ہی گندی بیماری کی طرح اس رُوح کو روگ بن کر کھانے لگتی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے کیا خوب فرمایا کہ اگر کسی انسان کے صحن میں پانی کا چشمہ بہہ رہا ہو اور وہ اس میں دن میں پانچ بار نہائے تو اس کا جسم کیسا پاک و صاف رہے گا؟ فرمایا کہ یہی حال مومن کے باطن کا ہوتا ہے جب وہ پانچ وقت کی نماز کو "قائم" کرتا ہے مگر نماز کا ایک اور بھی مقصد ہے۔ ہر انسان نہ صرف اپنی روح کو (جو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جسے وہ موت کے وقت واپس لے لیتا ہے) پاک و صاف رکھنے کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے بلکہ اس روح کی صحت اور نشو و نما اس روحانی غذا سے ہوتی ہے جو نماز میں اللہ تعالےٰ سے تعلق قائم کرنے سے اس روح میں آتی ہے اور جس کا ذکر سورۃ طٰہٰ ۲۰۔ آیت ۱۳۲ میں ہے جسے میں ایک ابتدائی درس میں واضح کر چکا ہوں۔ جس طرح انسان کے جسم کو غذا نہ ملتی رہے تو وہ کمزور اور بیمار ہو کر مر جاتا ہے، یہی معاملہ اسکی رُوح کا ہے جس کی اہمیّت بہت زیادہ ہے کیونکہ وہ ہی اصل انسان ہے اور اسی نے جسم کے مرنے کے بعد اگلے جہانوں میں جا کر ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ تو اس امانت کا حق بلکہ اپنے نفس کا حق وہ انسان کہاں ادا کرتا ہے جو اس رُوح کو گندا اور ناپاک اور کمزور اور بیمار کر دیتا ہے بلکہ اُسے مارنے کا مجرم بھی بن جاتا ہے؟ تو اگر اللہ تعالیٰ پانچ وقت کی نماز (جو اللہ تعالےٰ جیسے شہنشاہوں کے شہنشاہ سے ملاقات کا فخر بھی ہے) کے لئے بلاتا ہے تو انسان کی رُوح کو جو اس کا اصل ہے اور جس نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے اس کو پاک و صاف کرنے کے لئے اور روحانی غذا دے کر اس کی نشو و نما کرنے کے لئے بلاتا ہے نہ کہ اپنے کسی فائدہ کے لئے؟

آخری آیت میں نماز میں لقاء اللہ کا ذکر ہے۔ لقاء کے معنے سامنے آنے کے بھی ہیں اور کسی کو پانے کے بھی۔ مومن لقاء اللہ کے لئے ذوق وشوق سے نماز کو آتا ہے جس میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کی حضوری کا فخر نصیب ہوتا ہے بلکہ نماز سے ہی انسان اللہ تعالےٰ کو پا بھی لیتا ہے جو کہ انسان کی پیدائش کا مقصد ہے جیسا کہ میں سورت فاتحہ کی تفسیر میں بتا آیا ہوں۔ اور اسی آیت میں اگلے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جانے کا بھی ذکر ہے جس کی تفسیر تمام مفسرین نے حساب وکتاب کے لئے اللہ کے حضور میں آخرت کی زندگی میں بندھے ہوئے جانے کی لکھی ہے۔ تو جو اپنی خوشی سے اللہ کے حضور نماز میں نہ آئیں وہ بہرحال بندھے ہوئے اس کے حضور میں لائے جائیں گے۔ اس دن کے خوف سے بھی انسان کو نماز کے ذریعہ اپنی باطنی صفائی اور اصلاح میں لگے رہنا چاہیئے۔ تو جو انسان ان تمام باتوں کو سمجھے گا اس پر نماز بوجھل نہیں رہے گی۔

* * * *

ایک وضاحت

دارالسلام لاہور میں ایک پندرہ روزہ دینی تربیتی کورس اس وقت ہو رہا ہے۔ اس کورس کا نصابی کتابچہ بھی شائع ہوا ہے جس میں تقاریر کے علاوہ قرآن مجید، احادیث اور "فقہ احمدیہ" کے درس وتدریس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ بعض طبائع میں "فقہ احمدیہ" کی اصطلاح پر اس وجہ سے خلجان پیدا ہوا ہے اور جس کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے یہ اصطلاح کہیں استعمال نہیں کی۔ اور نہ ہی جماعت احمدیہ لاہور کے لٹریچر میں اس کا کوئی ذکر ہے۔ اس کے بالمقابل حضرت مسیح موعود نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی بلند پایہ شخصیت اور ان کی فقہ کو دوسرے اماموں اور ان کی فقہوں پر ترجیح دی ہے اور فقہی مسائل میں انکی فقہ کیطرف رجوع کیا ہے تو پھر فقہ حنفیہ کے ہوتے ہوئے "فقہ احمدیہ" کی کیا ضرورت ہے چونکہ اس مضمون کا درس میرے ذمہ ہے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس شبہ کا ازالہ کر دیا جائے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ "فقہ احمدیہ" کی اصطلاح کا استعمال غیر ضروری تکلف ہے۔ احباب سلسلہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ حضرت اقدس نے اپنی تصانیف میں کوئی الگ اپنی فقہ تجویز نہیں فرمائی۔ البتہ جب کبھی کسی شخص نے آپ سے کسی مسئلہ کی وضاحت چاہی تو آپ نے حکم و عدل اور مفتی ہونے کی حیثیت سے پیش آمدہ مسئلہ کی قرآن مجید و حدیث صحیحہ کی روشنی میں وضاحت فرما دی۔ بعد میں ایسے تمام سوالات اور انکے جوابات جو اسوقت کے اخبارات سلسلہ میں شائع کر دیئے گئے تھے آپ کے مریدوں نے فتاویٰ کا رنگ دے کر ایک مجموعہ کی صورت میں "فتاویٰ احمدیہ" یا "فتاویٰ مسیح موعود" کے نام سے شائع کر دیئے۔

اس وقت تربیتی کورس میں اسی مجموعہ سے استفادہ کیا جا رہا ہے یہ مجموعہ چونکہ فقہی مسائل پر مشتمل ہے صرف اسی مناسبت سے اسے "فقہ احمدیہ" کا نام دے دیا گیا تھا جو غالباً صحیح نہ تھا۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ احمدیت کے نام پر کوئی الگ فقہ مرتب نہیں کی گئی۔

خاکسار احمد گل

* * * *

حضرت عیسیٰؑ کا کفن

ہفت روزہ "لاہور" میں ۲۳ جولائی ۸۳ء میں حمید سالک صاحب کا ایک خط حضرت عیسٰیؑ کے کفن کے بارے میں طبع ہوا ہے۔ قارئین پیغام صلح کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! "روزنامہ جنگ" بابت ۶ جولائی ۸۳ء کے صفحہ ۲ کالم ۵ میں کفن مسیح کے متعلق یہ سرخی پڑھی: "حضرت عیسٰیؑ کا کفن بیسویں صدی کے دوران تلف ہو جائیگا۔" کیوں تلف ہو جائے گا۔ روم میں آمدہ خبر میں اسکی وجہ رطوبت اور ماحولیاتی آلودگی بتائی گئی ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے ۱۵۷۸ء سے یہ کفن سونے اور چاندی کے خول میں بند تھا۔ یاد رہے ایک عرصہ سے سائنس دان اس کفن پر مختلف پہلوؤں سے تحقیق کرتے چلے آ رہے ہیں۔ جن کے نتائج عیسائی عقائد کے خلاف نکلتے رہے ہیں۔ کیونکہ اس کفن میں لپیٹے جانے والے وجود کی زندگی ثابت ہو چکی ہے اس کفن کو جعلی قرار دینے والوں کی تسلی کے لئے اسکی قدامت کی تصدیق ہو چکی ہے۔ اب اس کفن کی موجودگی تثلیث اور کفارہ کی عمارت کے لئے زلزلہ سے کم نہیں۔ کلیسا کی عمارت کا قائم رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ اس لئے تحقیق کرنیوالی جماعتوں کے نتائج کو ڈکیمن ہونے سے بچانے کے لئے دنیا اور انجام کار اس حقیقت سے بچنے کا یہ طریق ڈھونڈا گیا ہے کہ دنیا میں یہ خبر پھیلا دی جائے کہ کفن اتنا بوسیدہ ہو گیا ہے کہ وہ اب زیادہ دیر نہیں رہ سکتا۔ اور اس صدی کے اندر اندر اسے تلف کر کے عیسائی مذہب کی گرتی ہوئی عمارت کو بچایا جائے گا۔ کفن مسیح گذشتہ تاریک صدیوں میں تو بوسیدہ نہ ہوا مگر اب جبکہ انسان نے پرانی اشیاء کو محفوظ کرنے کے لئے بے شمار طریق دریافت کر لئے ہیں اور وہ ان سے کام لے رہا ہے تاریخی اور مذہبی حیثیت اور تقدس کے حامل اس کپڑے کو محفوظ کرنا کیوں مشکل ہو گیا ہے۔ سیدھی اور سچی بات یہ ہے کہ چرچ کو اب اس کپڑے کو سنبھالے رکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں رہی کیونکہ اب یہ کپڑا چرچ کا کفن بن جانے والا ہے۔ اسلئے وہ اہل دنیا کے ذہنوں کو تیار کر رہے ہیں کہ وہ یہ خبر سننے کے لئے تیار رہیں کہ حضرت مسیح کا کفن پرانا اور بوسیدہ ہونے کے بعد ختم ہو گیا ہے۔ اور وہ سارے نشان اور شہادتیں اور اہل علم حضرت مسیح کے زندہ جسم کی علامتیں بیان کرتے ہیں دنیا سے مٹ گئے ہیں لہٰذا سائنس والوں کی باتیں محض مفروضے بن کر رہ گئی ہیں اور چرچ پر سے خطرہ ٹل گیا ہے۔ کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ اس کفن کو مذہب کے اجارہ داروں سے لے کر سائنس والوں کی کنٹرول میں دے دیا جائے تاکہ وہ اسے محفوظ رکھ سکیں اور تحقیق کا عمل بھی جاری رہے اور قرآن کی صداقتوں سے دنیا روشناس ہوتی چلی جائے۔

والسلام

لمدرکون ہم پکڑے گئے تو آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا کلا ان ربی معی ہرگز نہیں ۔ میرا رب میری پشت پر ہے یہی وعدہ مذکورہ آیت میں متقین کے ساتھ ہے حضرت صاحب بھی فرماتے ہیں ۔ ؎

وہ دور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دور ہیں ۔

ہر دم اسیر نخوت و کبر و غرور ہیں

"تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو ۔

کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو

اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو

اس یار کے لئے رہ عشرت کو چھوڑ دو

"تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول

"تا تم پہ ہو ملائکہ عرش کا نزول

"تقویٰ کی جڑ خدا کیلئے خاکساری ہے + عفت جو شرط دیں ہے وہ تقویٰ میں ساری ہے

جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا + اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

تقویٰ ایک حصار ہے جو انسان اپنے گرد کھینچ لیتا ہے اور اس میں محفوظ ہو جاتا ہے اگرچہ تقویٰ ایک بہت زبردست جہاد ہے لیکن اس کا اثر زیادہ تر ایک فرد کی زندگی پر ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی معیت کے لئے دوسری صورت "احسان" یعنی خلق خدا کی خیر خواہی میں لگے رہنا ہے ۔ مومن کی زندگی کا نمایاں پہلو یہی ہے کہ اطاعت الٰہی کے ساتھ ساتھ وہ مخلوق خدا کی خدمت میں مصروف رہتا ہے ۔ آنحضرت صلعم کی راتیں اگر یاد الٰہی میں بسر ہوتی تھیں تو دن مخلوق خدا کی بہتری کے لئے وقف تھے اللہ تعالیٰ نے یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم کا تاج آپ کے سر پر رکھا ۔

نا توانان را بہ رحمت دستگیر + خستہ جانان را بہ شفقت غم خورے

خواجہ و مرعاجزان را بندۂ + بادشاہ بیکسان را چاکرے

اولیاء اور صلحائے امت کی خصوصیت یہی رہی ہے کہ انہوں نے انسانوں کے آرام کی خاطر ہر قسم کی قربانی قبول کی ، اپنی حاجات کو خلق خدا کی بہتری پر قربان کیا اور خدا کی خوشنودی اور رضا کے حصول کی راہ خدمت خلق میں تلاش کی اللہ تعالیٰ نے دولت کو فضل الٰہی قرار دیا ہے ۔ اور مال کو انسانی استحکام کا موجب بیان فرمایا ہے لیکن بزرگان دین کی زندگیوں سے عیاں ہے کہ نہ صرف انہوں نے مال کو خدا کی راہ میں لٹایا بلکہ اس سے قطع تعلق کیا اس لئے کہ جب انسان دولت کمانے میں لگ جاتا ہے تو پھر کسب دولت مقصود بن جاتا ہے ۔ اور اکثر حالات میں مال حق و صداقت سے بہت دور لے جا کر ہر قسم کی دنیاوی لذات کے سمندر میں غرق کر دیتا ہے ۔ تاہم خدا کسی کو مال و دولت دے تو اسے چاہیئے کہ وہ لتبلون فی اموالکم وانفسکم کی روشنی میں اسے خدا کی طرف سے ایک آزمائش سمجھے ۔ اصحاب رسولؐ کو خدا نے دولت دی ۔ انہوں نے یہ دولت جائز طریق سے کمائی ۔ خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر اسے ذاتی مصرف میں لائے اور اپنی دولت کو خلق خدا اور تقویت دین کے لئے خرچ کیا ۔

دنیوی مال کی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسمانی قوت ، اثر و رسوخ ، جاہ و مرتبہ علم و ہنر کی خوبیوں سے بھی سرفراز کیا ہے ۔ یہ تمام خصوصیات انسان کے پاس امانتیں ہیں ۔ انسان ان سے دنیا میں نیکی بھی پھیلا سکتا ہے ۔ اور بدی کو بھی رواج دے سکتا ہے وہ لوگ جنہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کر رکھا ہے ان کا مال طاقت جاہ و مرتبہ ، علم و ہنر خدا کی راہ میں صرف ہونے چاہئیں اور انہیں چاہیئے کہ دنیا میں فخر و غرور کی بجائے ان سے اپنی ضروریات کو کما حقہ پورا کرے لیکن اپنی حیات کی طرح انہیں بھی راہ حق میں لگائے ۔ امام وقت کی تمام تربیت کا یہی نچوڑ تھا آپ نے فرمایا کہ اسلام کا زندہ ہونا تم سے ایک قربانی چاہتا ہے اور وہ ہے تمہارا اسی راہ میں مرنا ۔

امام زماں سے خدمت دین کا عہد اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم ہر روز سونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کریں کہ آیا ہم نے آج کا دن ۔ مہینہ سال اور گذشتہ زندگی اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت میں گزاری ہے ۔ اگر ضمیر کی آواز آپ کے حق میں ہے تو الحمد للہ اور اگر آپ زیادہ کر سکتے تھے تو آئندہ ۔ اگلے ہی دن اس کمی کی تلافی کیجیئے ۔ ولتنظر نفس ما قدمت لغد کا سنہری اصول سامنے رہے تو انسان کا آج گذشتہ کل سے ، اور آئندہ دن آج سے بہتر ہوتا چلا جائے گا ۔

دور اول کے احمدی جن میں سے خال خال اب بھی نظر آتے ہیں جہاں کہیں بھی تھے دین کو دنیا پر مقدم کرنے میں اپنے ماحول میں ایک بلند مثال تھے ۔ ان کی اسلام سے محبت ، قرآن سے عشق ، تحصیل علم سے رغبت ، شب زندہ داریاں نمازوں سے شغف ۔ سنت رسول سے وابستگی ، زہد و تقویٰ ۔ جانی اور مالی قربانیاں اپنوں اور بیگانوں سے خراج تحسین حاصل کرتی رہیں ۔ انہی کا گلہ کرتے ہوئے شیطان نے کہا تھا ؎

خال خال اب بھی نظر آتے ہیں اس امت میں وہ

کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو

***

اطلاع

"تربیتی کورس کے شرکاء کیطرف سے ۹ راگست کے ایک اجلاس میں ہونے والی کارروائی زیر نظر پرچہ میں عدم گنجائش کیوجہ سے بروقت شائع نہیں ہو سکی ۔ قارئین کی خدمت میں اسے آئندہ اشاعت میں تفصیلاً پیش کیا جائے گا ۔ (ادارہ)

باہتمام الحمدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا ۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش

منبت روزنامہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۳۰ اگست ۱۹۸۳ء جلد ۷۰ شمارہ ۳۱

جلد ۷۰ } یوم چہارشنبہ ۱/۷ ذیقعد ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۰/۱۷ اگست ۱۹۸۳ء { شمارہ ۳۲/۳۳

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

توحید زمین پر پھیلانے کیلئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو

رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے مگر تم اس حالت میں اس عادت سے حصہ لے سکتے ہو کہ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اس کی مرضی اور تمہاری خواہشیں اس کی خواہشیں ہو جائیں اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مراد یابی اور نامرادی میں اس کے آستانہ پر پڑا رہے تا جو چاہے سو کرے اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہوگا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔ کیا کوئی تم میں ہے جو اس پر عمل کرے اور اسکی رضا کا طالب ہو جائے اور اسکی قضاء و قدر پر ناراض نہ ہو سو تم مصیبت کو دیکھ کر اور بھی قدم آگے رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے اور اسکی توحید زمین پر پھیلانے کے لئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو اور اس کے بندوں پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا قبول کئے جاؤ۔ بہت ہیں جو حلم ظاہر کرتے ہیں مگر وہ اندر سے بھیڑیے ہیں۔ بہت ہیں جو اوپر سے صاف ہیں مگر اندر سے سانپ ہیں سو تم اسکی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو جائے۔ بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو نہ ان کی تحقیر اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے ان کی تذلیل اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے ان پر تکبر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ اور دنیا سے دل برداشتہ ہو اور اسی کے ہو جاؤ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو اور اس کے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو کیونکہ وہ پاک ہے۔ چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔

(کشتی نوح صفحہ ۱۲)

* * *

حضرت نبی کریم صلعم کے ارشاداتِ گرامی

تقویٰ اللہ اور اُس کی برکات

اوصیك بتقوی اللہ فانہ اذا لامرك كلہ

ترجمہ:- میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈر کر اپنی زندگی بسر کرو اس سے تمہارے سب کام دینی ہوں یا دنیوی، معاشرتی ہوں یا تمدنی .... درست ہو جائیں گے۔

تلاوتِ قرآن کریم کی برکات:

ترجمہ:- "قرآن کریم کی تلاوت اور خدائے عزوجل کے ذکر کرنے پر مداومت اختیار کرو۔ یہ تمہارے لئے آسمان میں ذکر یعنی بزرگی اور زمین میں ایک نور کا موجب ہوگا۔

مصافحہ: باہم محبت پیدا کرنیکا ذریعہ ہے

مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا

دو مسلمان جب ایک دوسرے کو ملنے پر مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالےٰ ان کے جدا ہونے سے قبل ان کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔

"تصافحوا یذھب الغل وتھادوا وتحابوا وتذھب الشحنا

باہم مصافحہ کرو اس سے وسوسہ دور ہوگا۔

باہم ایک دوسرے کو تحفے تحائف بھیجا کرو اس سے محبت پیدا ہوگی اور دشمنی دور ہوگی۔

دُنیا کمانے کے متعلق ہدایات

من طلب الدنیا حلالاً استعفافاً عن المسئلۃ وسعیاً علی اھلہ تعطفاً علی جارہ لقی اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ ووجھہ مثل القمر لیلۃ البدر

ترجمہ:- جو شخص حلال ذریعہ سے اور سوال سے بچنے اور گھر والوں کے گزارہ اور ہمسایہ کے ساتھ سلوک کرنے کے واسطے دنیا کی تلاش کرتا ہے وہ قیامت کے دن خدا تعالےٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا ہوگا۔

ومن طلب الدنیا حلالاً مکاثراً مفاخراً مرائیاً لقی اللہ تعالےٰ وھو علیہ غضبان

ترجمہ:- اور وہ جو حلال ذرائع سے تو کماتا ہے لیکن بہت سامال جمع کرنے اور بے زر لوگوں پر فخر کرنے اور دکھاوے کے لئے دنیا کی طلب کرتا ہے وہ خدا سے اس حالت میں ملے گا کہ خدا اس پر غضبناک ہوگا۔ (ماخوذ)

بوق اکبرآبادی

چشمِ رحمت ذرا اِدھر کر دے

* * * *

مری آہوں کو پُر اثر کر دے — قرب سے اپنے مفتخر کر دے
قصۂ طول مختصر کر دے — چشمِ رحمت ذرا ادھر کر دے

شاخ اُمید بارور کر دے

خالقِ ارض و خالقِ افلاک — ذات تری ہے برتر از ادراک
ہو کرم گر ترا خُدائے پاک — مہر تاباں بنے وہ ذرّۂ خاک

مہر کی خس پہ تو نظر کر دے

فضل سے ترے کچھ بعید نہیں — لطف سے ترے کچھ بعید نہیں
تیری شفقت سے کچھ بعید نہیں — تیری رحمت سے کچھ بعید نہیں

خاکساروں کو تاجور کر دے

تیری شوکت کی شان کے صدقے — تیری عظمت کی شان کے صدقے
تیری حکمت کی شان کے صدقے — تیری قدرت کی شان کے صدقے

ریزۂ سنگ کو گہر کر دے

عرض سُن لیجئے ذرا میری — اک تمنّا ہے دلبرا میری
بس یہی ہے اک دعا میری — تجھ سے اتنی ہے التجا میری

درد سے دل کو بہرہ ور کر دے

غرقِ عصیاں ہوا ہوں سرتاسر — ہے ترے رحم پر ہی میری نظر
ہوں نہ رسوا کہیں سرِ محشر — میرے جرموں سے چشم پوشی کر

میرے عیبوں سے درگزر کر دے

چھا رہی ہے غم و الم کی گھٹا — تیرہ و تار ہو گئی دُنیا
اب نہ دیدار سے مجھے ترسا — رُخ پُر نور سے نقاب اُٹھا

شبِ تاریک کی سحر کر دے

غم میں گذرے گی زندگی کب تک — اور رہے گی یہ بےبسی کب تک
آئے گا دورِ خرّمی کب تک — بندہ پرور یہ بےرُخی کب تک

چشمِ رحمت ذرا ادھر کر دے

برقِ مضطر بنا دے جو مجھ کو — اپنی ہستی بھلا دے جو مجھ کو
کبریا سے ملا دے جو مجھ کو — ساقیا وہ پلا دے جو مجھ کو

ماسوی اللہ سے بےخبر کر دے

* * *

مومن کا مقصود روٹی۔ کپڑا اور مکان نہیں بلکہ قلب و روح کی زندگی ہے

یہ زندگی اسے منعم علیہ گروہ کی راہ پر چلنے سے ہی مل سکتی ہے

خطبہ جمعہ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۸۳ء۔ فرمودہ سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بمقام دارالسعید ایبٹ آباد

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ الکہف کی آیات ۳۲ تا ۴۴ "واضرب لھم مثلاً رجلین جعلنا لاحدھما جنتین من اعناب وحففنٰھما بنخل وجعلنا بینھما زرعا ـ ـ ـ ـ ـ ھنالک الولایۃ للہ الحق ط ھو خیر ثوابا و خیر عقبا" کا ترجمہ اور تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

میں نے آپ کے سامنے "سورۃ الکہف" کا چھٹا رکوع پڑھا ہے۔ اس رکوع میں کل ۱۳ آیات ہیں جن کا سارا مضمون اسوقت تفصیل سے بیان کرنا ممکن نہیں آپ اپنے اپنے گھروں میں اس رکوع کو پڑھیں اور اس پر خوب غور کریں۔ آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان آیات کا بڑا گہرا تعلق موجودہ زمانہ کی تہذیب و تمدن اور اس کی آفات و خطرات سے ہے۔ بحیثیت جماعت ہماری بھلائی اور کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ ہم ان آیات کے مفاہیم سے کہاں تک فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہمیں سوچنا یہ ہے کہ کیا ہماری غرض اور مقصد بھی وہی ہے جس پر باقی دنیا چل رہی ہے یا اس سے بالکل مختلف کوئی اور بلند اور اعلیٰ مقصد ہے جس کے لئے اس جماعت کا قیام عمل میں آیا۔ اس پر سوچنے اور فکر کرنے کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ حضرت مسیح موعود نے جو مقصد ہمارے سامنے رکھا ہے وہ دین ہے دنیا نہیں اور ہم نے اپنے آپ کو کلیتاً اس کے لئے وقف کر دیا تو یہی ہمارے لئے حقیقی عید اور خوشی کا دن ہوگا۔

ان آیات میں دو شخصوں کی مثال میں کچھ غم کی باتیں بھی ہیں لیکن ان باتوں سے سبق حاصل کرنے کے بعد اگر ہم یہ ذہن نشین کر لیں کہ سب اختیار اللہ کے لئے ہے جو حق ہے۔ وہی بدلہ دینے میں اچھا اور اچھا انجام لانے میں بہتر ہے تو یہ غم کوئی نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ احساس پیدا ہو جانے سے انسان کی زندگی میں ایک فائدہ مند اور نفع بخش تبدیلی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے جس کا دل کے اطمینان اور مسرت سے بڑا گہرا تعلق ہے عید کا مطلب بھی بار بار آنے والی خوشی ہے اور یہ خوشی ہر سال رمضان کے صبر آزما مجاہدہ کے بعد آتی ہے۔ جس کا مقصد انسان کے اندر تقوٰی اور طہارتِ قلب پیدا کرنا ہے جو اطمینانِ قلب کا موجب ہوتا ہے۔

عید کی طرح کے تہوار دوسری قوموں میں بھی منائے جاتے ہیں لیکن مسلمانوں میں عید کا دن نرالا مظاہرہ پیش کرتا ہے۔ مسلمان اس دن سب سے پہلے اپنے بدن کی صفائی کرتا۔ اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہننا خوشبو لگانا۔ اور اس طرح اپنے آپ کو آراستہ پیراستہ کر کے اللہ کے حضور گرنے کے لئے مسجد کا رخ کرتا ہے اور جماعت کی صورت میں دوسروں سے مل کر جو سب سے پہلا کلمہ وہ اپنی زبان سے نکالتا ہے "الحمد للہ رب العالمین" ہے۔ یعنی ساری تعریف اللہ کے لئے ہے جو ساری کائنات کا رب ہے جس نے ہمیں ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس کی انہی بے انتہا نعمتوں میں سے ایک بیش بہا نعمت رمضان کا مہینہ ہے جس میں اس نے ہمیں روزے رکھنے کی ہمت اور توفیق بخشی۔ اچھا کھانے اور اچھا پہننے کے لئے عطا کیا۔ سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر دینے والے کے فضل کی تعریف کرتے ہیں۔ امیر و غریب کندھے سے کندھا ملا کر صف باندھے ہوتے ہیں۔ اونچ نیچ کی ساری تفریق مٹ جاتی ہے۔ سادہ اور فاخرہ لباس پہننے والے ایک ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تکبر مٹ جاتا ہے۔ بندہ اور بندہ نواز کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ سب ایک ہی دروازے کے سائل ہوتے ہیں جس پر سب سے معزز وہ شمار ہوتا ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

سب کی زبان پر یہ ایک ہی سوال ہوتا ہے "اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم"۔ اس راہ پر ہمیں چلا جو سیدھی تجھ تک پہنچانے والی ہے جس راہ پر انبیاء۔ صدیق۔ شہید اور صالحین چل کر تجھے پانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ دنیا کی دولت۔ روٹی۔ کپڑا۔ مکان۔ حکومت اور اقتدار نہیں مانگتے۔ وہ منعم علیہ گروہ کا راستہ طلب کرتے ہیں کیونکہ یہی راستبازوں کی راہ ہے جس پر وہ خود چلے اور دوسروں کو بھی یہی راہ دکھائی اسی راہ کو مسلمان ہر نماز میں مانگتا ہے کیونکہ اسی سے قلب و روح کو راحت اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ دنیا کے مادی سامانوں سے یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ سامان تو مسلمانوں کی نسبت کافروں اور اس کے منکروں کے پاس کہیں زیادہ ہیں۔ عیسائی اور دہریہ اقوام اس وقت سپر پاور زبنی ہوئی ہیں لیکن مسلمان اس لحاظ سے ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ وہ روحانی ساز و سامان سے بھی محروم ہیں۔ کیونکہ خدا تک پہنچانے والی راہ کی تڑپ اور آرزو بھی ان کے دلوں سے جاتی رہی ہے۔ جسے مانگنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔

آبادی کے لحاظ سے اس وقت دنیا میں عیسائی اور مسلمان سب سے

زیادہ ہیں۔ عیسائی ہر روز روٹی کی دعا مانگتے ہیں۔ انجیل میں اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔ "ہماری روزینہ کی روٹی آج ہم کو بخش"۔ (متی ۶ : ۱۱) قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے کہ حواری حضرت عیسےٰ سے آسمان سے کھانا نازل ہونے کے لئے دعا کا تقاضا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تاہم کھائیں اور ہمارے دل طمینان پائیں وہ دل کا اطمینان روٹیوں میں تلاش کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس مسلمان کا نصب العین دنیا میں نیکی۔ تقویٰ اور اخلاق کا نمونہ بننا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسے روٹی سے بھی محروم نہیں رکھا۔ حضرت عیلےٰ انہیں روٹیاں مانگنے سے منع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں تم اللہ کا تقویٰ کرو اگر تم مومن ہو۔ لیکن ان کے اصرار پر حضرت عیسےٰ دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے رب ہم پر آسمان سے کھانا نازل کر وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو۔ انہوں نے روٹیوں میں عید کو تلاش کیا۔ انہیں اتنی روٹیاں ملیں کہ آج وہ دنیا پر تقسیم کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں دجال کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ دجال روٹیاں تقسیم کریگا۔ اس میں شک نہیں کہ اس لحاظ سے ان کی ہر روز عید ہے لیکن حضرت عیسیٰ کی دعا کے مقابلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی قوم کے لئے روٹیوں کی بجائے صراطِ مستقیم کی دعا کی جس پر چل کر انسان اپنے رب سے تعلق قائم کرتا ہے۔

اس رکوع میں جن دو شخصوں کی مثال بیان فرمائی ہے ان میں سے ایک عیسائی قوم کا نمائیندہ اور دوسرا مسلمان قوم کا نمائیندہ ہے۔ عیسائیوں کے نمائیندے کے متعلق ہے کہ اس کے انگوروں کے دو باغ ہیں۔ ان کے گرد اگرد کھجوریں ہیں اور ان دونوں کے درمیان کھیتی ہے۔ یہ دونوں باغ اپنا پھل دیتے ہیں اور ان میں سے نہر بہتی ہے اور اس شخص کے پاس اس کے علاوہ طرح طرح کا ساز و سامان ہے یعنی اسے ہر طرح کی آسودگی حاصل ہے اور وہ اپنی اس آسودگی پر اتراتے ہوئے دوسرے شخص کو جو مسلمانوں کا نمائیندہ ہے کہتا ہے دیکھو میں مال اور جتھے میں تجھ سے بڑھ کر ہوں اور تجھ پر غالب تر ہوں۔ میرا یہ باغ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے گا اور اس پر کبھی تباہی نہیں آئے گی اس کی نگاہ دنیا تک محدود ہے۔ وہ انجام سے بے خبر اور عاقبت کا منکر ہے اور کہتا ہے اگر قیامت ہوئی بھی تو میں وہاں بھی اسی طرح آسودہ حال ہوں گا۔ یہ دوسرا شخص اُسے جواب دیتا ہے کہ دیکھ تو اس رب کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے پہلے مٹی پھر نطفہ سے پیدا کر کے انسان بنایا۔ میں تو یہی جانتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے اور میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ تجھے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت کہنا چاہیئے تھا کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اللہ کے سوائے کوئی بھی قوت نہیں رکھتا۔ تو مال اور اولاد میں اپنے آپ کو مجھ سے برتر سمجھتا ہے۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا اور تیرے باغ پر آسمان سے بلا بھیجے گا تو وہ خالی زمین اور چٹیل میدان ہو کر رہ جائے گا۔ اس کے تکبر اور غرور۔ خدا اور عاقبت سے انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے باغ کو تباہ کر دیا اور اس کا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ یہ دو باغ جن کا یہاں تمثیلی طور پر ذکر ہوا ہے امریکہ اور یورپ اور اُن کی دجالی تہذیبیں ہیں اور ان کے مقابلے میں جسے یہ کمزور سمجھتے ہیں اسلامی تہذیب ہے جس کی بنیاد اسلامی تعلیم پر ہے نہ کہ روٹی پر۔ اور جس کے سامنے یہ دو اصول ہیں "و رحمۃ ربک خیر مما یجمعون" اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ جمع کرتے ہیں اور والاخرۃ عند ربک للمتقین۔ تیرے رب کے نزدیک انجام متقیوں کا ہی اچھا ہوتا ہے۔ اگر مسلمان بھی ان اصولوں سے منحرف ہو کر دجالی تہذیب کا اثر قبول کرتے ہوئے اسی راہ پر چل پڑیں گے تو اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی کمی نہیں وہ ان کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی اور ان کے گھروں کے دروازے اور نشستیں سونے کی بنا دینے پر قادر ہے مگر اس کا انجام وہی ہوگا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے باغوں کے بارے میں فرمایا ہے اور یا سورۃ مائدہ میں حضرت عیسےٰ کی دُعا کے جواب میں فرمایا ہے کہ میں مائدہ تم پر اتاروں گا لیکن جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے گا یعنی دنیا کے پیچھے پڑ کر مجھے بھلا دے گا اور تقویٰ کی راہ کو چھوڑ کر ضلالت و گمراہی کی راہ اختیار کریگا تو میں اُسے ایسا عذاب دوں گا کہ تمام جہان میں اور کسی کو ایسا عذاب نہیں دوں گا۔ کیا عیسائیوں کی ناشکری کی وجہ سے دو عالمی جنگوں کی شکل میں اُن پر عذاب عظیم نازل نہیں ہوا۔ اور اب تیسری عالمی جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے انکار کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں پوری ہو کر رہیں گی یہ عذاب ضرور نازل ہو کر رہے گا۔ نوحؑ۔ فرعون۔ لوطؑ۔ عاد و ثمود کی قوموں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ سب باتیں بیان ہوئی ہیں۔ عیسائی اقوام کے انجام کے متعلق قرآن کریم میں ۱۴ سو سال پہلے وارننگ دیدی گئی ہے۔ مخبر صادق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی دجال اور اس کی تہذیب کے متعلق اپنی احادیث میں بیان فرما دیا ہے۔ یہ دجال اور یاجوج ماجوج کون ہیں اس کا انکشاف اللہ تعالےٰ نے اپنے بندے حضرت مسیح موعود کے ذریعہ کیا۔ علامہ اقبال نے بھی کہا ہے۔

؎ کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ ینسلون

یہی مغربی اقوام یاجوج اور ماجوج ہیں۔ یہی آگ اور پانی سے کھیلتی ہیں دنیا کی دولت اور روٹیاں انہی کے پاس ہیں۔ سائنسی ترقی اور ٹیکنالوجی میں یہ عروج پر ہیں۔ ان کو غلبہ ہمارے زمانے میں حاصل ہوا۔ اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں رہا۔ حضرت صاحب نے ان کے حالات اور انجام کو دیکھتے ہوئے اپنی قوم کو متنبہ فرمایا کہ مسیح کی قوم کی طرح تم بھی روٹیوں کے پیچھے نہ پڑ جانا۔ دولت انسان کو اللہ سے غافل کر دیتی ہے۔ تم دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کرو اور دین کو اس پر مقدم کرو کیونکہ اللہ اور دنیا ایک دل میں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ یہ فتنہ دجال بڑا خطرناک فتنہ ہے۔ یہ ایمان کو سلب کرنے والا فتنہ ہے جس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ تم اس فتنہ میں نہ پڑنا تاکہ ہلاک نہ ہو جاؤ۔

یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہوئی کہ اس دجالی تہذیب نے مسلمانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ بھی اس کی ظاہری چمک دمک سے متاثر ہو کر دنیا

کے پیچھے پڑ گئے اور اللہ تعالیٰ سے دور ہوتے گئے اور یہ سوچنے کی انہیں فرصت ہی نہ ملی کہ یہ تہذیب ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہے اور اھدنا الصراط المستقیم کی جو دُعا انہیں سکھائی گئی تھی اُسے وہ بھول گئے۔ منہ سے تو دن میں یہ دُعا کئی بار نمازوں میں پڑھتے ہیں لیکن اسکی رُوح سے بالکل نا آشنا ہیں۔ منہ سے یونہی کہتے اور بار بار دہرانے سے کچھ نہیں بنتا۔ جب تک اس راہ پر چلنے کے لئے دل میں تڑپ پیدا نہ ہو اور اس کے لئے انتہائی کوشش نہ کی جائے۔ ہم جنہیں حضرت مسیح موعود نے اس دعا کی روح سے آشنا کیا ہے اور ہم آپ کی جماعت کہلانے کے دعویدار ہیں ہم میں بھی جوش و جذبہ کی کمی واقع ہو گئی ہے۔ ہم بھی مغرب کی مادیت پرستی سے متاثر ہو چکے ہیں۔ دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو ہم بھی فراموش کر چکے ہیں۔ ہمیں اس عہد کو بار بار تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں پھر سے اس راستے پر واپس آ جانا چاہیئے جس پر حضرت مسیح موعود ہمیں ڈال گئے تھے۔ ہمیں اپنے دلوں میں اس کے لئے شدید تڑپ پیدا کرنی اور اس کے لئے زبردست کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر ہم دنیا کی محبت کو اپنے دلوں سے مٹا کر اس راہ کو سچے دل سے قبول کر لیں گے تو ہمارے دلوں سے نفسانی خواہشات ہٹ جائیں گی اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ کی محبت لے لے گی جو روحانی طاقت کا سرچشمہ ہے۔ یہ روحانی طاقت دنیا کی دولت اور جتھے کی بدولت پیدا نہیں ہوتی۔ یہ قلت اور بے کسی کی حالت میں پیدا ہوتی ہے۔ انبیاء کا ساتھ ان کی قوم میں سے غریبوں اور تھوڑوں نے دیا۔ تحریک احمدیت کی تاریخ کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب کو ماننے والے غریب اور تھوڑے سے تھے۔ انہی غرباء اور قلیل التعداد انسانوں کے ذریعے اسلام کی وہ خدمت ہوئی جس کا دنیا نے اعتراف کیا ہے۔ انہیں یہ قدرت اور توفیق دولت اور کثرت تعداد یا کسی اقتدار کی وجہ سے نہیں ملی بلکہ اس روحانی طاقت کی وجہ سے ملی جو حضرت مسیح موعود کی قوت قدسی نے ان کے اندر پیدا کر دی۔ ان کے اندر اشاعت اسلام اور قرآن کیلئے ایک جنون پیدا کر دیا۔ ان کے دلوں میں اس کی خاطر ایک آگ سی لگا دی۔ ہمیں اس جنون کو دوبارہ زندہ کرنا اور اس سرد ہوتی ہوئی آگ کو پھر سے روشن کرنا ہے اور وہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہم شب و روز اپنے نفسوں کا جائزہ لیں۔ اپنی کمزوریوں پر نظر رکھیں انہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔ اھدنا الصراط المستقیم کی روح کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کریں۔ جن خطرات میں سے ہم گذر رہے ہیں ان کو پیش نظر رکھیں اور ہم صحیح مومن بن جائیں۔ اپنی غفلت شعاریوں کو ترک کر کے تقویٰ کے اس مقام پر پہنچنے کے لئے جدوجہد کریں جس پر حضرت مسیح موعود ہمیں دیکھنا چاہتے تھے۔ اگر ہم مومن ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر ہمیں پورا یقین ہے تو آیئے آج کے اس مبارک دن ہم یہ عہد کریں کہ ہم بانی دنیا کی تقلید نہیں کریں گے۔ اپنے اصلی مقام کو نہیں بھولیں گے۔ قرآن کریم کے حقائق کو مدنظر رکھ کر ان پر عمل اور اپنی اصلاح کریں گے۔ یہی میرا آپ کو اور اپنی باقی جماعت کو پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بخشے۔ آمین!!

اپنی بیرون ملک جماعتوں کی طرف سے مجھے اپنے اور آپ کے لئے عید مبارک کے بہت سے پیغامات موصول ہوئے ہیں جن میں انہوں نے دُعا کی درخواست بھی کی ہے۔ میں نے ان کو اپنے جواب میں لکھا ہے کہ میں جماعت کو ان کا یہ پیغام دوں گا اور دُعا کے لئے درخواست کروں گا۔ میرے اس وعدہ کے مطابق آپ اور باقی جماعت ان کے لئے دعا کرے۔ یہ جماعتیں بڑی خدمت اسلام کر رہی ہیں۔ انہیں اپنے اپنے ملک میں اشاعت و تبلیغ کی پوری آزادی حاصل ہے۔ وہ ہم سے تعداد اور وسائل میں بھی زیادہ ہیں۔ خدمت اسلام کیلئے ان کا جوش و جذبہ ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین!!!

کلام الامام

دینِ محمد مصطفےٰ ؐ

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا ✤ کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
یُوں ہی غفلت کے لحافوں میں پڑے سوتے ہیں ✤ وہ نہیں جاگتے سو بار جگایا ہم نے
جب سے یہ نور ملا نورِ پیمبر سے ہمیں ✤ ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفےٰ ؐ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت ✤ اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے
ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام ✤ دل کو یہ جام لبالب ہی پلایا ہم نے
اس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں ✤ لاجرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے
کافر و ملحد و دجّال ہمیں کہتے ہیں ✤ نام کیا کیا غمِ ملّت میں رکھایا ہم نے
تیرے منہ کی ہے قسم میرے پیارے احمدؐ ✤ تیری خاطر یہ سب بار اُٹھایا ہم نے
تیری اُلفت سے ہے معمور مرا ہر ذرّہ ✤ اپنے سینے میں یہ اِک شہر بسایا ہم نے
نُور دکھلا کے ترا سب کو کیا ملزم و خوار ✤ سب کا دِل آتشِ سوزاں میں جلایا ہم نے
نقشِ ہستی تری اُلفت سے مٹایا ہم نے ✤ اپنا ہر ذرّہ تری راہ میں اُڑایا ہم نے
شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے ✤ تیرے پانے سے ہی اس ذات کو پایا ہم نے
چھو کے دامن ترا ہر دام سے ملتی ہے نجات ✤ لاجرم در پہ ترے سر کو جھکایا ہم نے
دلبرا مجھ کو قسم ہے تری یکتائی کی ✤ آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے
بخدا دِل سے مرے مٹ گئے سب غیروں کے نقش ✤ جب سے دِل میں ترا نقش جمایا ہم نے
ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اے خیرِ رُسل ✤ تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے
آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام ✤ مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

قوم کے ظلم سے تنگ آ گئے مرے پیارے آج
شورِ محشر ترے کُوچے میں مچایا ہم نے

(دُرِّ ثمین)

عبدالرؤف کھوکھر نائب مدیر پیغام صلح

مکتوبِ ہالینڈ

اسے میری خوش قسمتی سمجھیئے یا حُسنِ اتفاق کہ امسال مجھے ڈن ہیگ (ہالینڈ) کی جماعت کے ساتھ نمازِ عیدالفطر ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بڑا مجمع تھا۔ نمازیوں کی کثرت دیکھ کر حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مجدد و مسیح موعود کی صداقت پر ایمان تازہ ہو گیا۔ مختلف رنگ و نسل کے لوگوں کو خشیت اللہ اور حضورِ قلب کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ رُوئے زمین کی سعید اور عاشقِ اسلام رُوحیں حضرت صاحب کے الہام کی تصدیق میں یہاں جمع ہو گئی ہیں۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے۔ اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

مغرب سے طلوعِ خورشید کا نظارہ آنکھوں کے سامنے حقیقت بن کر آ گیا۔ الحمدللہ۔ میں ۲ جولائی کو ڈن ہیگ پہنچا تھا۔ سابق سیکرٹری جماعت احمد بخش اللہ صاحب کے مکان سے جہاں میں قیام پذیر ہوں مسجد احمدیہ کا فاصلہ ایک کلومیٹر کے قریب ہے۔ مسجد کمرشل ایریا میں واقع ہے اس کے سامنے دو طرفہ سڑک ہے۔ ہر دس منٹ کے بعد یہاں سے بس یا ٹرام مل جاتی ہے شاپ بھی بالکل ہی قریب قریب ہیں۔ اس لئے آمد و رفت میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ مسجد کی پیشانی پر "مسجد احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نیدرلینڈ" خوشنما جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔

رمضان المبارک میں مسجد میں بڑی رونق اور ہماہمی رہی ہے۔ جماعت کے خورد و کلاں، مرد اور مستورات ارکانِ دین کی پابندی میں بڑے پُرجوش اور مخلص ہیں۔ اسلام اور احمدیت سے گہرا دلی لگاؤ رکھتے ہیں۔ مرکز جماعت (لاہور۔ پاکستان) سے انہیں خاص اُنس ہے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات سے انہیں خاص محبت اور عقیدت ہے۔ غالباً اسکی یہ وجہ ہے کہ حضرت امیر یہاں دو تین دفعہ تشریف لا چکے ہیں اور ساری جماعت کو فرداً فرداً آپ کی زیارت اور ملاقات کی سعادت حاصل ہو چکی ہے۔

رمضان المبارک میں مستورات سمیت مسجد میں اوسطاً ڈیڑھ دو سو افراد نمازِ تراویح میں شامل ہوتے تھے۔ یہاں کا دن بڑا لمبا ہے۔ ۴ بجے سحری ختم ہوتی تھی اور ۱۰ بجکر چھ سات منٹ پر روزہ افطار ہوتا تھا۔ گویا اٹھارہ گھنٹے کا روزہ ہوتا تھا۔ یہاں کا وقت لندن سے ایک گھنٹہ اور پاکستان سے تقریباً ۵ گھنٹے آگے ہے۔ نمازِ تراویح ۱۱ بجے شروع ہو کر رات پونے بارہ بجے ختم ہوتی تھی اور نمازی تقریباً ایک بجے گھروں کو واپس لوٹتے تھے۔ آرام کے لئے انہیں صرف دو تین گھنٹے ہی میسر آتے تھے۔ اس طرح روزوں کا تمام مہینہ انہوں نے جاگ کر ہی گذارا ہے۔ ان کی یہ ہمت اور عزم لائقِ تحسین اور قابلِ تقلید ہے۔

۲۶ اور ۲۷ رمضان المبارک کی درمیانی شب جماعت کے بیشتر افراد خانہ خدا میں اللہ تعالیٰ کے حضور نوافل ادا کرتے اور ساری رات اشاعتِ اسلام استحکامِ جماعت اور حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت اور زندگی کے لئے دُعا کرتے رہے تاکہ جماعت آپ کی قیادت میں خدمت دین کے راستہ پر قدم آگے بڑھاتی رہے۔

جناب فاضل رمضان مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ آپ کا خطبہ جمعہ سلیس اُردو میں عام فہم اور مقتدیوں کے لئے پُراثر ہوتا ہے۔ آپ کا تجربہ بڑا وسیع ہے۔ زبان میں مٹھاس ہے۔ سائل کو مطمئن اور مخاطب کو قائل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ راقم الحروف کا ان کے ساتھ جماعت کی موجودہ اندرونی اور بیرونی مشکلات پر تبادلۂ خیالات ہوا جس کے دوران میں موصوف نے جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص تائید اور حمایت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی ایبٹ آباد سے جبری ہجرت اور لاہور میں آکر قیام پذیر ہونے کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ ۱۹۷۴ء کے فسادات میں حضرت امیر کا معجزانہ طور پر بچ جانا اور آپ کا لاہور میں آکر رہ پڑنا منجانب اللہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور حکمت کے ماتحت ہوا ہے۔ عام حالات میں آپ کا ہزاروں روپے کی آمدنی اور دکھی انسانوں کی خدمت کو چھوڑ کر ایبٹ آباد سے لاہور منتقل ہو جانا ممکن نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان مشکلات کو بھی دور فرما دے گا۔ اور جماعت یقیناً اپنے بھولے ہوئے راستہ پر لوٹ آئیگی۔ غلط فہمیاں انشاءاللہ دور ہو جائیں گی اور ہمارا یہ مختصر سا قافلہ پھر اپنی منزل کی طرف تیزی سے رواں دواں ہو جائے گا۔ صرف دعاؤں کی ضرورت ہے۔

نمازِ عید: یہاں عیدالفطر ۱۲ جولائی کو منائی گئی۔ ۱۰ بجے نماز شروع ہوئی خطبہ جناب علامہ غلام احمد بشیر نے دیا جس میں آپنے روزہ اور عید کے فلسفہ پر روشنی ڈالی۔ حاضری زیادہ ہونے کیوجہ سے نماز الاقصٰے نامی مسجد میں ادا کی گئی جو ترک مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ مردوں۔ عورتوں اور بچوں سمیت ایک ہزار کے قریب حاضری تھی۔ اس کے علاوہ یوترخت۔ روٹرڈیم، ایمسٹرڈیم اور آدن ہم میں بھی اپنی مسجدیں ہیں۔ جہاں نماز عید ادا کی گئی۔ مگر سب سے بڑا مجمع ڈن ہیگ میں تھا۔ آٹھ ہزار دو صد گلڈرز کی رقم بطور فطرانہ جمع ہوئی جو ۴۳ ہزار پاکستانی روپے کے برابر ہے۔

جماعت کا انتخاب:

حال ہی میں جماعت کے صدر اور سیکرٹری کا انتخاب ہوا ہے۔ جناب شمس الدین الٰہی بخش صاحب بلامقابلہ صدر اور جناب کرامت صاحب بلامقابلہ سیکرٹری منتخب ہوتے ہیں۔ جناب شمس الدین الٰہی بخش صاحب پاکستان کا دورہ بھی کر چکے ہیں۔ کرامت صاحب بڑے پُرجوش اور بے لوث خدمت کرنیوالے انسان ہیں جاوید احمد صاحب (احمد پارک لاہور) کی طرح باہر سے آنیوالے مہمانوں کے لئے بھاگ دوڑ کرتے ہیں جماعتی استحکام کی تجاویز زیر غور ہیں۔ حضرت امیر سے دُعا کی درخواست ہے۔

قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں کروں گا۔ تاکہ کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہ رہے۔

قرآن کریم اور احادیث کی طرف آنے سے قبل میں بنی اسرائیل میں جو اس کا تصور تھا اس کی مثال پیش کروں گا۔ ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منھم اثنی عشر نقیباً ط (المائدہ ۱۲)

اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے۔ اس عہد کا ذکر اس سے آگے آتا ہے کہ اگر تم نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو میرے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ ان کی مدد کرو اور اچھا مال اللہ کی راہ میں دو گے۔ تو میں تمہاری برائیاں تم سے دور کر دوں گا اور تم کو باغوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

ان سرداروں کا مقرر کیا جانا اس غرض کے لئے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنے عہد پر قائم رکھنے اور اس پر عمل کرانے کی کوشش کریں۔ ان میں سستی پیدا نہ ہونے دیں۔ تاکہ وہ اس سرزمین (کنعان) کے وارث ہو جائیں جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں۔ ورنہ اس کا انجام یہ ہوگا کہ "جو کوئی تم میں سے اس کے بعد انکار کرے گا وہ بلاشبہ سیدھے رستے سے بھٹکا ہوا ہو گا۔" اس سے یہ بات صاف نکھر کر سامنے آتی ہے کہ کسی مذہبی سربراہ کا کام یہ ہے۔ کہ وہ اپنی قوم کو اس راستے سے بھٹکنے نہ دے جس پر چل کر وہ دین و دنیا کی خوشحالی حاصل کر سکتی ہے۔ اور جس کا حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق سے ہی ممکن ہے۔ اب میں آپ کے سامنے قرآن کریم اور احادیث سے حوالے پیش کروں گا۔

قرآن کریم کا حوالہ

یاایھا الذین اٰمنوآ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ج فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر ط ذالک خیر واحسن تاویلاً ع (النساء ۵۹)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کی اطاعت کرو۔ پھر اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو یعنی تم میں کسی مسئلہ پر اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ یعنی اپنے اس اختلاف کا حل قرآن کریم میں تلاش کرو اور اگر وہاں اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ مل سکے تو پھر اسے آنحضرت صلعم کے قول اور فعل میں تلاش کرو۔ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہو۔ تمہارا اب کرنا بہتر اور انجام کار اچھا ہے۔" یہ اختلاف رائے کی صورت میں فیصلے کا نہایت احسن طریقہ ہے جس سے قوم کے اندر اتحاد اور اتفاق قائم رہ سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ قرآن وحدیث کی رو سے ہمیں فیصلہ کرنے کی کوئی صورت نہ نظر آئے تو اس کا حل کیسے کیا جائے اس بارے میں آنحضرت صلعم کی یہ حدیث ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔

عن ابن عباس عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال من کرہ من امیرہ شیئاً فلیصبر فانہ من خرج من السلطان شبراً مات میتۃ الجاھلیۃ۔

اگر کسی کو اپنے امیر کا حکم ناپسند ہو تو اُسے چاہیئے کہ صبر کرے یعنی اس کی مخالفت نہ کرے کیونکہ جو ذرا بھر بھی اپنے امیر یا حاکم کے خلاف بغاوت کرتا ہے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ قوم کے اتحاد اور یک جہتی کو نقصان نہ پہنچے ورنہ مخالف قوتوں کو ابھرنے اور نقصان پہنچانے کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ صبر کرنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ اپنے نفس کی خواہشات سے مغلوب ہو کر فتنہ کھڑا کرنے پر آمادہ نہ ہو جائے اور اپنی رائے کو امیر کی رائے پر اتنا مقدم نہ سمجھے کہ بغاوت اور عداوت پر اتر آئے اور اجتماعی مفادات کو اپنی انا پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ضد ہو جائے۔

اطاعت امیر کے متعلق احادیث

۱۔ اطاعت امیر کے متعلق تاکید فرماتے ہوئے حضور صلعم فرماتے ہیں:۔

عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اسمعوا واطیعوا وان استعمل حبشی کان راسہ زبیبۃ

سنو اور حکم مانو خواہ تم پر ایک حبشی کو ہی جس کا سر کشمش کے دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو حاکم یا امیر مقرر کیا جائے (بخاری ۱۰ : ۵۴)

۲۔ عن ابی ھریرۃ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی وانما الامام جنۃ یقاتل من ورآئہ ویتقی بہ فان امر بتقوی اللہ وعدل فانہ لہ بذالک اجرًا وان قال بغیرہ فان علیہ منہ (بخاری ۵۶ : ۱۰۹)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں آپ نے حضور صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی جس نے اپنے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور امام یعنی امیر ایک ڈھال ہے جس کی پناہ میں ہو کر لڑا جاتا ہے اور اس کے ذریعے بچایا جاتا ہے۔ اگر وہ یعنی امیر اللہ تعالےٰ کے تقویٰ اور انصاف کا حکم دے تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اگر وہ اس کے برخلاف کوئی حکم دے تو اس کے بُرے نتائج اس کو بھگتنے ہوں گے۔

۳۔ امیر کی اطاعت کن باتوں میں ہونی چاہیئے اس کے متعلق حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔

"السمع والطاعۃ حق" مالم یؤمر بالمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ (بخاری ۵۶ : ۱۰۸)

امیر یا حاکم کا حکم سننا اور ماننا لازمی ہے۔ جب تک وہ اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دے۔ اگر وہ اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کا حکم کرے تو اُسے نہ سننا چاہیئے اور نہ ماننا چاہیئے۔

اسی سلسلے میں حضرت علی فرماتے ہیں ۔

"الطاعۃ فی المعروف" امیر کا حکم صرف معروف یعنی اچھی باتوں میں ہے ۔

امارت کے منصب کی ضرورت اور اہمیت

امارت کے منصب کی اہمیت آنحضرت صلعم کی اس حدیث سے ظاہر ہے ۔ آپ نے فرمایا ہے کہ لا جماعۃ الا بامارۃ کوئی جماعت اس وقت تک جماعت نہیں کہلا سکتی جب تک اس کا کوئی واجب الاطاعت امیر نہ ہو ۔ یہ جماعت جس کا یہاں ذکر ہے اس سے آنحضرت صلعم کی مراد وہ جماعت ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ میں ہوا ہے ۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ؕ واولٰئک ھم المفلحون

"اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں" ایسی ہی جماعت کے متعلق فرمایا گیا ہے ید اللہ علی الجماعۃ (ترمذی) کہ ایسی جماعت کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے ۔ اس پر اللہ کی رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے اور اسے اس کی تائید اور نصرت حاصل ہوتی ہے ۔ ایسی جماعت کا امیر صرف معروف کا حکم ہی دے سکتا ہے منکر کا نہیں اس لئے معروف میں اس کی اطاعت لازمی ہے ۔ اس کے بغیر نہ جماعت کا وجود قائم رہ سکتا ہے اور نہ وہ قرآن کریم کے الفاظ میں بیان کردہ اپنے مشن کو جاری رکھ کر کامیاب ہو سکتی ہے ۔ جماعت کا امیر ایک مرکزی نقطہ ہے جس کے اردگرد افراد جماعت گھومتے ہیں ۔

ید اللہ کے الفاظ سورۃ الفتح میں بھی آئے ہیں جہاں یہ ارشاد ہوا ہے کہ :

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ؕ ید اللہ فوق ایدیھم

" وہ لوگ جو تجھ سے (آنحضرت صلعم سے) بیعت کرتے ہیں ۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ہی بیعت کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے ۔" یعنی جو لوگ اچھے کاموں کا حکم دینے ۔ برائی سے روکنے اور دعوت الی الخیر کی غرض سے تیرے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے عہد کرتے ہیں ۔ انہیں ہر قدم پہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل ہوگی اور وہ بالآخر کامیاب ہوں گے ۔ تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ۔

یہی الفاظ حضرت مسیح موعود کے ایک الہام کے بھی ہیں ۔ آپ کو بھی انہی قرآنی الفاظ میں مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے ۔

واصنع الفلک باعیننا ووحینا ۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ۔ ید اللہ فوق ایدیھم ؕ (حقیقۃ الوحی ۵۸)

ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے اشارے سے کشتی تیار کر وہ لوگ جو تیرے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں وہ خدا کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں ۔ یہ خدا کا ہاتھ ہے ۔ جو ان کے ہاتھوں پر ہے ۔ آپ نے ایک کشتی خدا کے حکم سے تیار کی ۔ جن لوگوں نے حضرت صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس کشتی میں سوار ہونا قبول کر لیا انہیں اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل ہوئی ۔ وہ ہر طوفان و بلا میں ثابت قدم نکلے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کے وارث ہوئے ۔ اس کشتی کے کھیون ہار اور سربراہ یا امیر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد و مسیح موعود تھے ۔ اپنے بعد آپ نے اپنی زندگی میں ہی ایک انجمن کے حوالے کر دیا جس کے پہلے صدر یا امیر حضرت مولانا نورالدین صاحب مقرر ہوئے ۔

ہماری جماعت اور امیر کا تصور

۱۹۱۴ء میں ہمارے بزرگوں نے اختلاف عقائد کی بنا پر قادیان سے علیحدگی اختیار کر لی اور لاہور میں آکر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی ۔ ہماری انجمن کی بنیاد کسی مطلق العنان خلافت یا ڈکٹیٹر شپ پر نہیں بلکہ حضرت صاحب کے اپنے ارشاد کے مطابق جمہوری اصولوں پر ہے جس کے متعلق آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر یہ فرمایا ہے کہ :-

"میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہیئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے اور وہی قطعی ہونا چاہیئے ۔ ۔ ۔ ۔ بعض دینی امور میں جو ہماری خاص اغراض سے تعلق رکھتے ہیں ۔ مجھ کو محض اطلاع دی جائے ۔ ۔ ۔ ۔ شاید وہ ایسا امر ہو کہ خدا تعالیٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو ۔ اور یہ صورت صرف میری زندگی تک ہے اور بعد میں ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا ۔"

حضرت صاحب کا کوئی قدم قرآن کریم کے اصولوں کے ذرہ بھر خلاف نہیں ہوتا تھا ۔ وہ تو آئے ہی اس لئے تھے کہ قرآن کریم کی حکمرانی قائم کریں اس لئے آپ کا یہ فعل بھی قرآن کریم کے ان ارشادات کے عین مطابق ۔ وشاورھم فی الامر اور وامرھم شوریٰ بینھم وہ اپنے معاملات کو باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں ۔

ان لوگوں کے لئے جنہیں مشورہ کا اہل سمجھا گیا ہے قرآن کریم نے ایک ضابطہ اخلاق بھی متعین کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ " ایسے لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائیوں کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا خرچ کرتے ہیں ۔" (الشوریٰ ۳۷ - ۳۸)

حضرت صاحب نے بھی انجمن کے ممبروں کے لئے ایک ضابطہ اخلاق مقرر فرمایا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

"انجمن کے تمام ممبر ایسے ہوں گے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوں اور اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہوگا کہ وہ پارسا طبع نہیں ہے یا یہ کہ وہ دیانتدار نہیں یا یہ کہ وہ ایک چالباز ہے اور دنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے تو انجمن کا فرض ہوگا کہ بلا توقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کرے اور اس کی جگہ اور مقرر کرے ۔"

(قاعدہ نمبر ۱۳ ضمیمہ الوصیت)

میں نے یہ باتیں اپنے نوجوان عزیزوں کو یہ بتانے کے لئے لکھی ہیں کہ حضرت صاحب کے سامنے انجمن کا یہ تصور اور آئیڈیل تھا جسے ہمارے بزرگوں نے اپنے سامنے رکھتے ہوئے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

لاہور کی بنیاد رکھی لیکن افسوس ہے کہ جوں جوں وقت گذرتا گیا یہ آئیڈیل ہماری آنکھوں کے سامنے سے اوجھل اور ہمارے ذہنوں سے اترتا گیا جسکی وجہ سے ہمیں گذشتہ ۴۲ سال کے عرصہ کے دوران میں بہت سی مشکلات اور رکاوٹیں پیش آئیں اور ہمارا قدم آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہی ہٹتا گیا۔ حضرت صاحب کے اسی آئیڈیل کو دوبارہ زندہ کرنے اور تلافی مافات کی خاطر ہمارے موجودہ امیر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے حضرت صاحب کے ساتھ نئے سرے سے عہد کو تازہ کرنے کے لئے بیعت فارموں کی تجویز پیش کی۔

میں نے عرض کیا ہے کہ ہماری جماعت کی بنیاد جمہوری اصولوں پر ہے۔ ہماری انجمن کے دو جمہوری ادارے ہیں۔ ایک جنرل کونسل یا مجلس معتمدین اور دوسرا مجلس منتظمہ۔ مجلس معتمدین کے ممبر تمام جماعتوں کی طرف سے منتخب ہو کر آتے ہیں مجلسِ معتمدین ہی اپنے عہدیداروں کا انتخاب کرتی ہے۔ اور ممبران منتظمہ بھی یہی مجلس منتخب کرتی ہے۔ ہمارے ہاں امیر کا انتخاب تاحیات ہوتا ہے اور امیر ہی ان مجالس کی صدارت کا فرض انجام دیتے ہیں۔ ہماری ان مجالس کے فیصلے کثرتِ رائے سے ہوتے ہیں۔ اور وہی حضرت صاحب کے ارشاد کے مطابق درست سمجھے جاتے ہیں۔ خود حضرت امیر بھی ان فیصلوں کے پابند ہوتے ہیں اور بحیثیت قائد جماعت ان کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ ان مجالس کے فیصلوں کی تعمیل جماعت کے ہر فرد سے کرائیں اور جماعت کے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ حضرت امیر کے اس سلسلہ میں احکام کی تعمیل کرے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر جماعت، جماعت نہیں رہ سکتی اور نہ اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوگا اور نہ ہی اس جماعت کا وجود قائم رکھنے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت رہیگی۔

ہماری جماعت حضرت مسیح موعود کے مشن کی تکمیل کے لئے آپ ہی کی پیش کردہ دینی اقدار پر قائم کی گئی ہے۔ اس لئے اس جماعت کا امیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سوا کوئی حکم نہیں دے سکتا۔ اس صورت میں امیر کی اطاعت فی المعروف جماعت کے ہر فرد پر لازمی ہو جاتی ہے۔

مجلسِ معتمدین اور مجلسِ منتظمہ کے فیصلوں کے علاوہ بھی امیر جماعت اپنی جماعت کے سامنے اس کے استحکام۔ ترقی اور بہبود کے لئے آئین کے مطابق حکم دینے کے مجاز ہیں۔ اگر اس حکم سے کسی کو اختلاف ہو تو وہ مجلس معتمدین کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ لیکن مجلسِ معتمدین کے فیصلے تک ہر شخص کے لئے امیر کا حکم ماننا ضروری ہے اور اگر مجلس اس کے حق میں فیصلہ دے دے تو اس پر عمل کرنا اور بھی لازمی ہو جاتا ہے۔

اپنے امیر کی اطاعت نہ کرنا اور اکثریت سے کئے گئے فیصلوں کو واجب التعمیل نہ سمجھنا اور ان کی مخالفت کرنا حضور صلعم اور حضرت مسیح موعود کے ارشادات کے منافی ہے۔ جس سے جماعت میں انتشار اور افتراق پیدا ہوتا ہے۔ جماعت کے اتحاد اور یکجہتی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ ایسی جماعت جماعت کہلانے کی مستحق نہیں رہتی اور نہ اشاعتِ اسلام اور اشاعتِ قرآن کا فریضہ انجام دے سکتی ہے جو حضرت صاحب نے اس کے سپرد کیا ہے۔

اختلافِ رائے اور چیز ہے۔ اس کا حق ہر کسی کو حاصل ہے لیکن اسکو تکبر اور انا کیوجہ سے دشمنی اور عداوت کی حد تک بڑھانا اور اسے بجائے رحمت کے زحمت بنا دینا قرآن۔ حدیث اور حضرت صاحب کے مسلک کے قطعاً خلاف ہے۔ جمہوریت میں یہی ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ پر ہر کوئی اپنی رائے خواہ حق میں ہو یا مخالف پیش کرتا ہے اور جب اکثریت ایک رائے کے حق میں فیصلہ دے دیتی ہے تو مخالف رائے رکھنے والے اپنی رائے کو ترک کر کے اکثریت کے فیصلے کو قبول کر لیتے ہیں اور اس طرح دینی ادارہ ہو یا سیاسی اس کا کاروبار تعاون اور خوش اسلوبی سے چلتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس اگر اقلیت محض بغض و عناد اور نفرت کیوجہ سے اکثریت کے فیصلے سے سرتابی کر کے بغاوت پر آمادہ ہو جائے اور اپنی انا اور تکبر کی تسکین کی خاطر ایسے ذرائع پر اتر آئے جس سے جماعت یا ادارہ میں خلفشار اور انتشار پیدا ہو تو اس جماعت کے سامنے جو مقصد ہوتا ہے اُسے شدید نقصان پہنچتا ہے اسی لئے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا کہ انجمن کو چاہیئے ایسے فرد یا افراد کو بلا توقف خارج کر کے اسکی یا اُن کی جگہ اور مقرر کرے۔

میں نے قرآن کریم۔ احادیث اور حضرت مسیح موعود کے اقوال کی روشنی میں اب تک اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق جو کچھ عرض کیا ہے اُس کا لب لباب یہ ہے کہ:-

۱۔ اللہ تعالیٰ اور رسول صلعم کی اطاعت کے بعد امیر کی اطاعت لازمی ہے امیر سے اختلافِ رائے کی صورت میں اس کا فیصلہ قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کی احادیث کی روشنی میں تلاش کرنا چاہیئے۔

۲۔ امیر کی اطاعت فی المعروف یعنی اچھی باتوں میں ہے نہ کہ فی المنکر یعنی ناپسندیدہ باتوں میں۔

۳۔ کوئی امیر بھی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلعم کی اطاعت کرنے والا ہو کبھی ناپسندیدہ باتوں کا حکم نہیں دے سکتا۔

۴۔ امیر بھی ایک انسان ہوتا ہے۔ اگر وہ کوئی ایسا حکم دے جو کسی کو ناپسند ہو تو ایسے شخص کو چاہیئے کہ وہ اس پر صبر کرے۔ اگر وہ بغاوت پر آمادہ ہوگا تو جاہلیت کی موت مرے گا کیونکہ امیر کا منصب جماعت کے اندر اتحاد اور استحکام پیدا کرنا۔ اس کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے کام کرنا ہے۔

۵۔ ہماری جماعت کی بنیاد حضرت صاحب کے ارشاد کے مطابق جمہوری اصولوں پر ہے۔ ہمارے فیصلے اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ حضرت امیر اور آپ کے معاونین کا کام ان فیصلوں کی تعمیل کرانا ہے۔ اس لئے جماعت کے ہر فرد کا ان پر عمل کرنا لازمی ہے۔

۶۔ ان امور کے علاوہ اگر حضرت امیر اشاعت اسلام اور قرآن اور اپنی جماعت کی بھلائی کے لئے کوئی اور تجویز جماعت کے سامنے رکھیں تو اس پر عمل کرنا بھی لازمی ہے۔ اگر کسی کو اس سے اختلاف ہو تو اسے مجلس معتمدین کے سامنے پیش کر کے اس پر فیصلہ کرا سکتا ہے لیکن تا فیصلہ جماعت کے ہر فرد کو

اس پر عمل کرنا ہوگا۔

۷۔ ہمارے ہاں مطلق العنان خلافت یا امارت اور ڈکٹیٹر شپ کا کوئی تصور نہیں ہماری جماعت کے امیر کثرت رائے سے کئے گئے فیصلوں کے خود بھی پابند ہیں اور دوسروں سے ان کی پابندی کرانے کی ذمہ داری بھی اُن پر ہے۔ اس لئے ان کی اطاعت جماعت کے ہر فرد کا فرض ہے۔

۸۔ جو کوئی ان فیصلوں کے خلاف بغاوت کر کے جماعت میں انتشار پھیلانا چاہتا ہے اُسے حضرت صاحب کے ارشاد کے مطابق انجمن سے خارج کر کے اس کی جگہ کسی اور کو مقرر کرنا چاہیئے۔ اس پر عمل نہ کر کے ہم نے جماعت کو شدید بحران سے دوچار کئے رکھا ہے۔ جس کے لئے ہم اللہ تعالےٰ کے سامنے جوابدہ ہیں کیونکہ اس رویے سے ہم نے اشاعتِ اسلام اور اشاعتِ قرآن کو شدید نقصان پہنچایا ہے جس کے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیئے۔ اور یہ عہد کرنا چاہیئے کہ آئندہ ہم حضرت امیر در مجلسِ معتمدین اور منتظمہ کے فیصلوں پر تن من دھن سے عمل کریں گے۔

حرفِ آخر:

آخر میں میں تربیتی کورس کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ ہم نے بیعت فارموں پر اپنی رضا اور رغبت سے دستخط کر کے امام وقت حضرت مسیح موعود کے ساتھ نئے سرے سے عہد وفا باندھا ہے اور قرآن کریم کا حکم ہے کہ "اوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا" جو عہد تم کرتے ہو اس کو پورا کرو۔ کیونکہ ہر عہد کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا۔ اس لئے ہمیں زندگی کا نیا ورق الٹنا ہوگا۔ غفلت شعاری۔ دینی امور میں سستی اور کاہلی کو ترک کرنا ہوگا۔ زندگی کے متعلق اپنے رویوں میں خوش آیند تبدیلی پیدا کرنا ہوگی۔ اپنی مجالس میں تہذیب و شائستگی اور اخلاق کو رواج دینا ہوگا۔ غرضیکہ ہمیں احمدیت کا ایک مکمل نمونہ بننا ہوگا۔ ایسا نمونہ جس پر ہمیں کافر کہنے والے بھی رشک کریں۔

حضرت امام وقت فرماتے ہیں؛ ؎

عزیزاں بے خلوص و صدق نکشایند راہے را
مصفا قطرۂ باید کہ تا گوہر شود پیدا

اے میرے عزیزو! خلوص اور صدق کے بغیر آگے بڑھنے کے راستے نہیں کھلتے۔ اگر تم اپنی منزل مقصود پر پہنچنا چاہتے ہو اور چاہتے ہو کہ اس کے لئے تمہارے راستے کشادہ ہو جائیں تو تم پانی کے اس صاف و شفاف قطرے کی بن جاؤ جس سے موتی پیدا ہوتا ہے اور ہر کوئی اس بیش قیمت موتی کو خریدنے کی تلاش میں رہتا ہے۔ ہماری منزل مقصود سوائے غلبۂ اسلام کے کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین!

* * * *

حدیث نبوی ؐ:۔

* "نیکی کی دعوت دینے والا نیکی کرنے والے کی حیثیت رکھتا ہے"

جماعت احمدیہ کا جماعتی امتیاز

۱۔ کوئی بھی کلمہ گو کافر نہیں۔ کیونکہ کلمہ طیبہ پڑھ کر کافر ایک مسلمان ہو جاتا ہے پس اسے پڑھ کر ایک مسلمان کیسے کافر ہو سکتا ہے۔

۲۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ نیا اور نہ کوئی پرانا۔ وحی نبوت و رسالت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور آنحضرت صلعم پر ختم ہوگئی۔

۳۔ آنحضرت صلعم کی کامل اتباع سے اس امت کے نیک افراد ولایت کا مقام حاصل کرتے ہیں۔ ایسے افراد کو اللہ کی طرف سے بشارات ملتی ہیں۔ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور ان پر قرآن حکیم کے معارف کھولے جاتے ہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الرحمۃ ان میں سے ایک تھے۔

۴۔ ان ہی اولیاء میں سے اللہ تعالےٰ بعض کو اسلام کی حفاظت کیلئے مسامور کرتا ہے ایسے اولیاء کو مجدد کہتے ہیں۔ ایسے مجدد ہر صدی کے سر پر موجود چلے آئے ہیں۔ اور چودہویں صدی کے مجدد حضرت مرزا صاحب تھے۔

۵۔ اس زمانے میں عیسائیوں کا غلبہ ہوگیا ہے۔ اسلئے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے اس صدی کے مجدد کو مسیح کا خطاب دیا۔

۶۔ کسی ولی کی ولایت یا مجددیت کے انکار سے کوئی کلمہ گو کافر نہیں ہوتا البتہ جو شخص اسلام کی حفاظت کے لئے اپنے زمانے کے مجدد کا ساتھ نہیں دیتا وہ ان برکات سے محروم رہتا ہے جو اسلام کی خدمت سے وابستہ ہیں اور یہ بہت بڑی محرومی ہے۔

* * *

اقوالِ زرّیں

* جو شخص پیٹ بھر کر کھائے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے وہ ایمان نہیں رکھتا۔

* مجرم اپنے جرم کا ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا بیٹا نہیں، اور بیٹے کے جرم کا باپ نہیں۔

* جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔

* قدرت کا یہ اصول ہے کہ عروج کے بعد زوال اور زوال کے بعد عروج آتا ہے۔ اگر تم عروج پر ہو تو زوال کو یاد رکھو تاکہ اگر تمہارے عروج کو زوال آئے تو تم میں اس کا مقابلہ کرنے کی سکت ہو۔

* * *

پروفیسر مرزا حبیب الرحمٰن۔

قوم کی اخلاقی حالت اور پاکستان کی سالمیت کیسے سُدھر سکتی ہے

حصول مقصد میں غنڈہ گردی

پاکستان کو اس واحد مقصد اور قید و بند کی تکالیف برداشت کرنے کے بعد حاصل کیا گیا تھا کہ اس میں صحیح اسلامی معاشرہ قائم ہو اور مسلمان اپنی روحانی۔ معاشرتی۔ اقتصادی اور ثقافتی زندگی میں گوناگوں ترقی کے منازل طے کرتے جائیں۔ لیکن آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ ان مقاصد کی خلاف ورزی اور نفی کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ پاکستان کی سالمیت۔ تحفظ اور استحکام کی کوششوں کی بجائے ملک میں تخریب کاروں۔ دہشت گردوں۔ سماج دشمن عناصر۔ چوروں۔ ڈاکوؤں قزاقوں۔ رہزنوں۔ قاتلوں۔ اغوا کرنے کے مجرموں۔ بدکاری کی خبیث روحوں۔ وغیرہ وغیرہ کا دور دورہ کھلے بندوں ہو رہا ہے۔ یہ ہے نقشہ پاکستان کا جو منظر عام پر ہو رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مارشل لاء کے چیف ایڈمنسٹریٹر محمد ضیاء الحق صاحب ایک شریف النفس۔ تابع۔ نیک نیت۔ صاحب بصیرت اور قوم کا درد رکھنے والے حاکم ہیں۔ لیکن وہ اکیلے کیا کر سکتے ہیں۔ جب تک کہ عوام الناس کلیتاً ان کے ساتھ مل کر ملک و قوم کی موجودہ حالت کو بدل کر انہیں اوج کمال تک پہنچانے میں خاطر خواہ امداد نہ دیں۔

ہمارے مذہبی پیشواؤں کی فرائض میں غفلت

ہمارے مذہبی پیشوا اور دیگر علمائے کرام خدا کے فضل سے نیک بخت با اخلاق۔ ذکی و فہیم اور علم قرآن و حکمت اور احادیث نبوی کے ماہرین بزرگ ہیں لیکن دو ضروری امور کی طرف ان کی توجہ اب تک مبذول نہیں ہوئی۔ اپنے جذبات کی رو میں بہہ کر فریضہ اسلام کے دو پہلوؤں کو بالکل بھول چکے ہیں جمہوریت اور انتخاب ان کے دلوں میں ایسے چھا چکے ہیں کہ مذکورہ بالا دو امور کی طرف سے پہلو تہی کرتے جا رہے ہیں۔ جمہوریت اور انتخابات اپنی جگہ اہم امور ضروری ہیں لیکن محض عدم جمہوریت و انتخابات روحانی مسائل نہیں کبھی علمائے دین کے دلوں میں یہ خیال بھی موجزن ہوا ہے کہ فرقہ پرستی اور کفر بازی سے قوم کی اخلاقی و روحانی حالت بد سے بدتر ہو رہی ہے ان بے عنوانیوں کو کس طرح سنوارنا ہے۔ مسلمان انفرادی اور مجموعی حیثیت سے اخلاقیات اور دین سے منحرف ہو چکے ہیں نیز اپنی نفسیاتی خامیوں اور الجھنوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کی مذہبی اور روحانی ناؤ سخت بھنور میں گھری ہوئی ہے۔ سر پہ گھٹا ٹوپ بادلوں نے گرداب کو بھیانک بنا رکھا ہے۔
حکم حاکم مرگ مفاجات ؂

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے۔

بدقسمتی سے مذہبی اختلافات کو ہوا دیکر مسلمانان پاکستان میں فرقہ پرستی کے جذبات پیدا کئے جا رہے ہیں۔ اگر علمائے کرام نے قرآن شریف کی تعلیم اور نبی کریم صلعم کے اسوۂ حسنہ کی اشاعت کے لئے خلوص دل اور سعی بلیغ سے کام کیا ہوتا تو آج تخریب کار۔ دہشت پسند۔ غنڈہ گرد۔ اور شر پسند عناصر۔ ڈاکو۔ قاتل۔ قزاق بدکاری کرنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد میں یقیناً نمایاں کمی واقع ہو جاتی۔ اور قوم ناقابل بیان پستی کی حالت سے نجات پا کر اخلاقی بلندیوں تک پہنچ جاتی۔ معافی چاہتا ہوں اگر صداقت کی نیت سے یہ کہہ دوں کہ برعکس اس کے معزز علمائے کرام نے اپنے اختلافات کی خلیج کو وسیع کر کے قوم کے شیرازہ کو درہم برہم کر دیا ہے۔

دوسری غفلت و کمزوری جو مذہبی پیشواؤں اور سیاست دانوں سے رونما ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ مومنوں کی جماعت کو کافر بنا کر انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیکر دائرہ اسلام سے آئینی طور پر خارج کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا خداوند تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھا ہے۔ نیز فرشتے آسمان پر لرزہ بر اندام ہو رہے ہیں۔

لاہور برانچ کے احمدی مسیح موعود کی تعلیم کے مطابق نبی کریم صلعم کو خاتم النبیین اور آخر الزماں نبی مانتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ تہجد گذار بھی ہیں۔ روزے رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ بڑھ چڑھ کر دیتے ہیں۔ نیکی اور تبلیغ اسلام کے کاموں میں خلوص دل سے حصہ لیتے ہیں۔ بدی سے حتی الامکان نفرت کرتے ہیں۔ ہر مرسل کو جو خداتعالیٰ نے وقتاً فوقتاً دنیا میں بھیجے ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان احمدیوں کو کافر بنا کر اور غیر مسلم اقلیت قرار دیکر دائرہ اسلام سے خارج کرنے سے خدائے عزوجل کو غضب ناک بنا دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سابقہ حکومت کا کیسا رسواکن حشر ہوا۔ نیز علمائے گرامی اور سیاست دانوں کو کس طرح اقتدار سے محروم کر دیا گیا۔ یہ سب باری تعالیٰ کے غضب کے کرشمے ہیں۔ بدقسمتی سے اس وقت قوم خداوند کریم کی غلامی سے نکل کر شیطان مردود کی غلامی میں پھنس چکی ہے۔
احکم الحاکمین سورت الدھر میں فرماتا ہے: "اور اپنے رب کو صبح و شام یاد کرو۔ اور رات کے کچھ حصہ میں اس کے آگے سجدہ کرو اور لمبی رات اس کی تسبیح کرو"۔ (رکوع ۲) ہمارے نیک طینت علمائے کرام اور سیاست دانوں کو ان آیات پر عمل کر کے اور خداتعالیٰ کے آگے سجدوں میں گر کر اور اشک ندامت بہا کر دریافت کرنا چاہیئے کہ آیا حضرت مرزا غلام احمد سچے مجدد اور مسیح موعود تھے۔ کیا باری تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے مجدد زماں تھے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ سب اپنے دلوں کو مجدد وقت اور احمدیوں کے متعلق بغض۔ کینہ اور عداوت وغیرہ سے مکمل طور پر پاکیزہ و منزا کر کے دعا فرمائیں اگر دل صاف نہ ہوئے تو شیطان دخل انداز ہو کر گمراہ کر دے گا۔

رشوت۔ سمگلنگ ہاویہ کے انگارے ہیں۔ بدقسمتی سے ملک میں رشوت ستانی

کا بازار گرم ہے۔ ہر فرد میں۔ ہر محکمہ میں۔ ہر کاروباری دنیا میں سوائے ہائی کورٹس سپریم کورٹ۔ ڈاک خانہ جات۔ اور سکول کالجوں کے رشوت کے بغیر کوئی کام منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔ دفتر میں جاؤ۔ درخواست پیش کرو تو کلرک صاحبان کہتے ہیں کہ ایک ہفتہ کے بعد آئیں کام ہو جائے گا۔ ہفتہ کے بعد ہم دفتر میں جائیں تو اطلاع ملتی ہے کہ فائیل رکھنے والا کلرک چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ آپ تین دن اور انتظار فرمائیں۔ تین دن کے بعد دفتر میں حاضری دیتے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ فائل کہیں آگے پیچھے ہو گئی ہے۔ اسے تلاش کیا جا رہا ہے۔ اگر ہم کلرکوں کی جیب میں چالیس پچاس روپے کا نذرانہ پیش کر دیں تو گم شدہ فائل اسی وقت مل جاتی ہے۔ اور کام مکمل کر دیا جاتا ہے۔ یہی حالت زبوں ہر فرد۔ ہر محکمہ۔ ہر اہلکار کی ہے خواہ سول کورٹس کے دفاتر ہوں۔ ٹیلیفون کے دفتر یا پولیس چوکیاں ہوں یا بجلی والوں اور ٹیکس والوں کی آماجگاہ ہوں۔ حالات بد سے بدتر ہیں۔ محکمہ ٹیکس والے کلرکوں کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے ۔/۶۰۰ روپے یا ۔/۷۰۰ روپے سے کم رشوت وصول نہیں کرتے۔ ٹیکس میں اس قدر اضافہ کر دیتے ہیں کہ ٹیکس دینے والا رشوت دینے کے گناہ کبیرہ کا جبرًا مرتکب ہو جاتا ہے۔

دلوں سے خوفِ خدا بالکل نکل چکا ہے۔ ہم رشوت دیتے ہیں۔ محکمے والے کلرک رشوت وصول کرتے ہیں۔ لیکن اس امر کو ذہن سے خارج کر بیٹھتے ہیں کہ رشوت کا ہر روپیہ دوزخ کا انگارہ ہے۔ جس کے نگل جانے سے انسان کے دل و دماغ سیاہ ہو جاتے ہیں۔ شیطان کا بھوت ایسے لوگوں کی روحوں سے گلی ڈنڈا کھیلتا رہتا ہے۔ رشوت وصول کرنے والے اور رشوت دینے والے دونوں گروہوں کو جزا و سزا کے دن فرشتے بالوں سے پکڑ کر دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیں گے۔ ان گناہگاروں کی عبادات درجۂ قبولیت تک نہیں پہنچتیں۔ کیونکہ رشوت کھانے والا سیاہ دل انسان ظالم و سفاک ہے۔ رشوت دینے والا طبقہ حرام کی کمائی میں اضافہ کرتا ہے۔ ایسا ہی حال سمگلنگ کرنے والوں کا ہو گا۔ سمگلنگ حرام کاری ہے۔

ابلیسی ہتھکنڈے اور دنیاوی نعمتیں

الراحم الراحمین خدا مخلوق کی حالت پر بے حد رحم کرتا ہے۔ بار بار رحم کرتا ہے لیکن شیطان کے مریدین باری تعالےٰ کے احکامات کو پس پشت ڈالتے ہوئے۔ دنیاوی عیش کے مزے لیتے رہتے ہیں۔ ہم میں سے پڑھا لکھا کھدار طبقہ دنیا کی جاہ و جلال۔ تزک و احتشام۔ اس کی الائشوں۔ ہوا و ہوس کی علیش پرستیوں اور نظارۂ سوز حسن کی محفلوں میں اس قدر خود فراموشی محویت کے عالم میں ڈوب چکا ہے کہ ہم خداوند تعالیٰ سے لاکھوں میل دور بھاگے جا رہے ہیں۔ شیطان ہمارا پیشوا۔ ہمارا راہبر ہے۔ ہم اس ابلیس مردود کے جھرلو سے ایسے مسحور ہو رہے ہیں کہ عیاشی کی زندگی کو اپنا مقصد حیات بنا چکے ہیں۔ جھوٹ بدگوئی۔ الزام تراشی۔ غیبت و دیگر افعال بد کے ہم کم و بیش تختۂ مشق ثابت ہو رہے ہیں۔

تخریب کار۔ دہشت پسند۔ ڈاکو۔ قزاق۔ لوٹیرے۔ قاتل وغیرہ انسانیت سے گر کر ان بندروں کی طرح ناچنے اور قلابازیاں لگا رہے ہیں جن کو شعبدہ باز اپنی لاٹھی کی حد سے قابو میں رکھتا ہے۔ اور تماشے دکھلاتا ہے۔ کھانے کے لئے بندروں کو غلیظ قسم کی غذا ملتی ہے۔ ہمیں اپنے پیٹ بھرنے کے لئے رشوت سمگلنگ اور غصب کی ہوئی کمائی کی رقوم جو دوزخ کے انگارے ہیں کھانے کے لئے نصیب ہوتے ہیں۔ یہی پاکھنڈ باز۔ غنڈے سنگدل دہشت پسند۔ بدکار مجسم شیطان بن کر فتنہ و فساد برپا کر رہے ہیں۔ ان کی انگلیوں اور مونہوں سے خطرناک انقلاب کے کرنٹ نکل نکل کر بے گناہوں کو جھلس رہے ہیں۔ دوزخ کی شور انگیز آگ ایسے شر پسند دلوں کو اپنے اندر لینے کے لئے سخت بے چین ہو رہی ہے۔ کاش بنی آدم کی ذلیل۔ ظالم اور سیاہ دل اولاد خدا کے برتر کے آگے گر کر اپنی بداعمالیوں سے توبہ و تائب ہو جائے۔ لیکن نہیں ان کے دلوں پر شدید قسم کی مہر ثبت ہو چکی ہے۔ ہاویہ ہی ان کا مسکن ہے۔

مہنگائی کے برے نتائج

یاد رہے کہ ان سب بیماریوں کے پھیلاؤ کیو جہ کسی نہ کسی حد تک تباہ کن مہنگائی ہے موجودہ دہشت ناک گرانی نے رشوت میں یقینًا اضافہ کر دیا ہے۔ غنڈوں۔ قاتلوں۔ ڈاکوؤں۔ لوٹیروں اور تخریب کاروں کی تعداد دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ مارشل لاء حکومت کے ملٹری کورٹس بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ موجودہ گرانی کے ذمہ دار کسی حد تک افسر شاہی ہیں۔ خود تو ائیر کنڈیشنڈ کوٹھیوں میں مقیم ہیں۔ تنخواہوں کی فراوانی ہے۔ سواری کے لئے عمدہ سے عمدہ موٹر کاریں موجود ہیں۔ کھانے پینے اور عیاشی کے سامان میزوں پر ہر آن لگے رہتے ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ مفلس غریب۔ یتیم اور بیواؤں کا حال زار کس مپرسی کی کس بری حالت میں گذرتا ہے نیز متوسط درجہ کے افراد کس تکلیف سے گذارہ کرتے ہیں۔

ہم صاحب اقتدار مارشل لاء کی حکومت سے دست بستہ التجا کرینگے کہ وہ جس طرح دیگر حکومت کے کاموں کو نہایت کامیابی سے چلا رہی ہے وہاں گرانی کو دور کرنے میں انتہائی عجلت سے کار فرما ہو اس کمر توڑ اور روح فرسا گرانی نے عوام الناس کی طبائع کو ابلیس کے جھانسہ سے کھانے کی چیزوں میں ملاوٹ۔ بلیک مارکیٹنگ۔ سمگلنگ۔ ہورڈنگ رشوت خوری جیسی بیسیوں لعنتوں میں ملوث کر رکھا ہے۔ کاش بنی نوع انسان اپنی رسوائی اور گمراہی کی راہوں سے نکل کر الوہیت کے مقام کو پہچانتے!

گناہوں کی معافی کا الٰہی اہتمام

صدقے جاؤں اس احکم الحاکمین۔ علیم الخبیر خدائے لم یزل کے۔ اپنی جان قربان اس الرحم الرحیم رب العالمین پر کہ اس نے باوجود ہمارے ذلیل کن گناہوں کے ارتکاب کے ہوتے ہوئے ہمیں ایک ایسا مبارک ہتھیار ۔ ایسا لاثانی آلہ مرحمت فرما رکھا ہے کہ جس کے استعمال سے ہماری بدی سے ملوث روحوں سے۔ ہمارے تاریک دلوں سے الوہیت کے نور کی بدولت نیکی کی چمک اور روحانی دمک پیدا ہو جاتی ہے۔ جس طرح سورج کی ایک روشن کرن سے تاریکی بھاگ کر غائب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس

نعمت عظمیٰ کی روحانی کرنوں سے سب بُرائیاں ۔ سب غلاظتیں دل و دماغ سے دور ہوکر انہیں ربانی نور سے چمکا دیتی ہیں۔ وہ عظیم الشان نعمت وہ مبارک ہتھیار کیا ہے؟ وہ برکات آسمانی کی رحمت نمازِ تہجد ہے ۔ رات کو دو بجے اٹھ کر اس عالم الغیب خدائے برتر کے آستانۂ مبارک پر اپنے متمرد اور مغرور سروں کو گرا کر بڑی عاجزی ۔ بڑی منت وزاری ۔ بڑے خشوع وخضوع سے دعائیں مانگی چاہیئں تاکہ حمیدُ مجید خداوند کریم اپنی رحمانیت اور رحیمیت کی بدولت ہمارے سب گناہ معاف کر دے ۔ یاد رہے کہ ہماری توبہ صداقت سے پُر ہو تاکہ پھر دوبارہ ہم شیطانی حرکات اور بدکاری کے افعال سے ہمیشہ کے لئے اجتناب کریں ۔ علیم الحکیم خدا ہمارے دلوں سے نکلی ہوئی سچی توبہ کی بدولت ہمارے سب گناہ معاف کر دے گا۔ ہمیں اس عبادت الہٰی سے کیا حاصل ہوگا؟ ہمیں دلی اطمینان ۔ ہمیں روحانی تسکین ۔ ہمیں دل خوش کن مسرتیں نصیب ہوں گی اور مرنے کے بعد جنت کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے ۔ جن کو نہ آج تک کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کانوں نے سُنا ہے ۔ ذہن میں ہی ان کا تصور موجود ہے ۔ لہٰذا اپنی زندگیوں کو فوراً بدل کر احکامات خداوندی پر عمل پیرا ہو جانا چاہیئے ۔

نظامِ مصطفیٰؐ کے صحیح نفاذ کا طریق

جنرل محمد ضیاء الحق صاحب (جیسے کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں) ایک صالح متقی اور پرہیزگار ۔ قوم کا درد رکھنے والے جرنیل ہیں ۔ نظامِ مصطفیٰؐ کے قائم کرتے میں جنرل صاحب کو چاہیئے کہ اپنی ساری فوج میں جیسے فوجی پریڈ لازم ہے پنجگانہ نمازوں اور خصوصاً نمازِ تہجد کو آئینی طور پر لازمی قرار دیں۔ تہجد کی نمازیں پڑھنے سے فوج کے ہر سپاہی میں مردانگی ۔ شجاعت اور خوفِ خدا کا جذبہ ایسا پیدا ہوگا کہ وہ نہ تو بھارت کی دھمکیوں سے نہ ہی کسی سُپر طاقت کی دھونس سے ایک لمحہ بھر بھی خوفزدہ ہوں گے ۔ کیونکہ فوج کے ہر سپاہی کی دوستی پاک پروردگار سے قائم ہونے پر فرشتوں کے لشکر اُن کا ساتھ دیں گے ۔ نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت فوج کے سپاہیوں اور افسروں کے دلوں میں جاگزین ہو جائیں گی ۔ بعینہٖ پاکستان بھر کے ہر سرکاری اور نیم سرکاری محکموں میں بذریعہ آرڈیننس احکام جاری فرما دیں کہ ہر مسلمان کو لازماً نماز پنجگانہ اور ممکن ہو تو نماز تہجد ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنی ہوگی ۔ اگر نمازوں میں بے حسی یا غفلت سے کام لیا گیا تو سرکاری اور غیر سرکاری افراد کو ملازمتوں سے برطرف کر دیا جائے گا ۔ اسی طرح عملدرآمد کرنے سے بداعمالیوں ۔ رشوت خوری کی لعنت سے ملازمین کسی حد تک گریز کریں گے ۔ ایسا ہی فرمان کاروباری اشخاص یعنی فیکٹری کے مالکان ۔ ملازمین ۔ دکانداروں اور دیہات کے رہنے والوں کے لئے بھی فوری طور پر جاری کیا جائے ۔ ہر شہری کو بھی نمازوں کی ادائیگی کے لئے کیوں اغماض سے کام لیا جا رہا ہے ۔ مسلمانان پاکستان کو راہ راست پر لانے کے لئے قانون خداوندی پر عمل پیرا کرنے کے لئے فوراً جرنیل صاحب کی توجہ درکار ہے ۔ اس نظامِ مصطفیٰؐ کی طرف کسی حاکم نے کسی عالم نے کبھی توجہ نہ دی ۔ باجماعت نمازیں ادا کرنے کے لئے فوری طور پر مسجدوں کی تعمیر کا کام شروع ہو جانا چاہیئے ۔ نمازوں کی ادائیگی کے لئے زبردستی سے کام

حکومت نے اچھا اور شریعت کے مطابق نیک کام کر رکھا ہے ۔ نمازوں کی ادائیگی کے لئے

نہیں لینا ۔ نرمی سے مسلمانوں کو اس ضروری فریضہ کی طرف آمادہ کرنا ازبس لازم امر ہے ۔

فرقہ پرستی اور کفربازی ناسُور ہے ۔

اسلامی تعلیم کے مطابق عرب وعجم کے مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہیں ۔ ہمارا مذہب جس میں خدا ایک قرآن شریف جیسی پُرحکمت اور روحانی کتاب ایک نبی کریم صلعم خاتم النبیین پر ایمان ۔ نماز ۔ زکوٰۃ ۔ روزہ ۔ حج کے احکام یکساں ۔ پھر کس پر ہم یہ مانیں کہ مذہب اسلام میں فرقہ پرست لوگ موجود ہیں یقیناً ہم سب لوگ یعنی دنیا کے اسلام کے مسلمان واحد جماعت میں داخل ہیں محض احادیث نبوی کی بناء پر مسلمان فریقوں میں منقسم ہیں ۔ فریقوں کے حامی اختلافات کو ہوا دیکر آپس میں عداوت کا بیج بو رہے ہیں ۔ یہ گناہ کبیرہ ہے ۔ اس بیماری کا واحد علاج نماز تہجد ہے ۔

دوئم احمدی مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں ۔ روزے رکھتے ہیں ۔ زکوٰۃ دیتے ہیں ۔ نیکی کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں ۔ حضرت نبی کریم صلعم کو آخری نبی مانتے ہیں ۔ جن کے بعد نبوت کا دروازہ تا قیامت بند ہے ۔ ہر مرسل کو جن کو پاک پروردگار نے وقتاً فوقتاً اس دنیا میں بھیجا ان پر ایمان رکھتے ہیں ۔ ایسے مومنوں کو اپنا حقیقی بھائی سمجھنا چاہیئے تھا ۔ انہیں کفربازی کی لعنت سے ملوث ہو کر غیر مسلم اقلیت قرار دینا گناہ کبیرہ ہے ۔ لہٰذا ایسی مہلک بیماری کو دور کرنے میں ہمارے جنرل صاحب کی خداداد قابلیت کے کارفرما ہونے کی اشد ضرورت ہے ۔ ہمارے نیک بخت ۔ عالم فاضل علماء کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ایسے مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے آئینی طور پر خارج کر کے انہیں غیر مسلم اقلیت میں شمار کریں ۔ پاک پروردگار سے ڈرو ۔ یوم آخرت کا دن دور نہیں وہاں بہت سختی سے محاسبہ ہوگا ۔ یہ علمائے کرام کی بہتری اور نجات کے لئے چند سطور قلم بند کئے گئے ہیں ۔ خداوند تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ومددگار ہو اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے جرنیل صاحب جیسے متقی افسر کی اعانت میسر آئے ۔

اگر یہ لعنت کا طوق جو سوچے سمجھے قوم نے احمدیوں کے گلے میں سے نہ اتار پھینکا تو پاکستان (خدانخواستہ) کئی مصائب میں گھر جائے گا ۔

***

......جو اس بدنصیب امت کو مذہب کے نام پر لڑاتے ہیں

...... اسلام مسائل میں غور و خوض اور تعبیر و تدبیر کی راہیں مسدود نہیں کرتا اور تعبیر و تشریح میں اختلافات کا ہونا ایک قدرتی امر ہے جو اپنے حدود کے اندر نہ صرف قابل قبول اور گوارا ہے بلکہ اس کی تحسین کی جاتی ہے اور ایسے ہی اختلافات کو جو قرآن و سنت کی تعبیر میں ہوں جن میں ذہانت، شرافت، نیک نیتی، خلوص، وسعتِ نظر و ظرف کا عنصر شامل ہو انہیں خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے موجب برکت و رحمت قرار دیا ہے۔ اور ایسے اختلافات قرون اولیٰ سے چلے آ رہے ہیں اور قیامت تک جاری رہیں گے۔ ان اختلافات کو کبھی وحدت امت کے منافی نہیں سمجھا گیا۔ یہ تو ایک زندہ قوم کے اور زندہ مذہب کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں۔ مگر جب یہ اختلافات اپنی طبعی اور علمی حدود سے تجاوز کر جائیں اور افہام و تفہیم، اظہار حق اور تلاش حق کے ذریعے ان کو حل کرنے کے بجائے سب و شتم اور طنز و تعریض شروع ہو جائے تو یہ امتوں کے لئے زہر ہلاہل سے زیادہ نقصان دہ اور سم قاتل سے زیادہ مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ عصر حاضر میں امت مسلمہ کی ابتری اور زوال کا سب سے بڑا سبب ملت میں یکجہتی کا فقدان، ثقافتی نازعات اور باہمی جنگ و جدل ہے۔ اصلاح احوال اور اتحاد کی کوشش رائیگاں جا رہی ہے اور فرقہ واریت کا عفریت چوراہے میں رقص کر رہا ہے۔ پاکستان کے سادہ دل، سادہ لوح اور مخلص باشندے دین اسلامی کی سربلندی کے خواہاں اور کوشاں بھی رہے ہیں۔ قیام پاکستان اور اس میں نظام اسلامی کے نفاذ کے لئے عوام الناس نے جس قدر جانی و مالی قربانیاں دی ہیں ماضی قریب میں ان کی مثال نہیں ملتی اس دور زبوں میں ان قربانیوں نے قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی مگر ہمارے خود پرست اور خود غرض نام نہاد رہنماؤں نے جس بے دردی اور ظالمانہ طریقوں سے انہیں ضائع کر دیا۔ وہ بھی تاریخ کا عبرت ناک بلکہ شرمناک باب ہے۔ ابھی شہیدوں کے کفن بھی میلے نہ ہوئے تھے۔ ابھی یتیموں کی آہیں۔ بیوگان کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں کہ سیاست اور مذہب کے نام پر امت مسلمہ میں پھر وہی تفریق اور تقسیم شروع کر دی گئی۔ اس رسہ کشی سے ایک طرف تو عوام سخت مایوس و بد دل ہو گئے اور دوسری طرف اسلامی نظام کی منزل خاصی دور بلکہ اوجھل ہو گئی۔ اس صورت حال پر کسی خاص فرد یا جماعت کو الزام دینا مناسب نہیں تاہم ملت کے درد مندوں اور اسلامی نظام کے بہی خواہوں کے لئے اس کا تدارک ان کا شرعی فریضہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حامیانِ دینِ متین اور مفتیانِ شرع، علماء و مشائخ فروعی مسائل میں الجھے رہیں گے تو یہ انداز فکر ان کے پیروؤں میں زیادہ شدت سے پیدا ہو گا اور اسلامی ذہن کے مالک اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو فروعی مسائل میں ضائع کر دیں گے۔

ہماری اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمنانِ دین اپنی یلغار کو تیز تر کر دیں گے۔ ان کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا۔ تو کیا یہ ہماری لڑائیاں اسلام کے لئے مضر اور کفر کے لئے مفید نہ ہوں گی؟ تعجب ہے کہ ہم دعوے تو یہ کرتے ہیں کہ اسلام نوع انسانی کی تمام مشکلات اور پیچیدگیوں کا حل پیش کرتا ہے اور یہ پوری انسانیت کا رہبر و رہنما ہے۔ اتنا بڑا دعوےٰ کرنے والوں کو اسلام میں باہمی اختلافات اور فروعی مسائل میں کیا اعتدال، توسط رواداری اور مروت کی تعلیم کہیں نظر آئی؟ ....

بلاشبہ ابھی تک ہر گروہ اور ہر فرقہ میں ایسے اصحاب علم اور ارباب دانش موجود ہیں جو اس کشیدہ صورت حال سے انتہائی کبیدہ خاطر ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس صورت حال سے اسلام کی عزت و عظمت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا اور ان اختلافات کو وجہ نزاع بنانے سے اسلامی نظام کی منزل کھوٹی ہو رہی ہے۔ مگر چونکہ ان میں بیشتر دینی تعلیمی اداروں میں معلم ہیں یا پھر حالات سے مایوس و بد دل ہو کر گوشہ نشین ہیں اور ان کا عوام سے براہ راست رابطہ نہیں ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو مجبور محض تصور کرتے ہیں۔ اُدھر ہر گروہ میں بدقسمتی سے ایسے تشدد پسند، زبان آور، مفاد پرست اور خود غرض افراد کی بھی کمی نہیں جو اس بدنصیب امت کو مذہب کے نام پر لڑاتے ہیں۔ اور اتحاد ملی کو وہ اپنے مفادات کے لئے سب سے بڑا خطرہ تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح ان کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا ہے اور اتنا بڑا مالی خسارہ برداشت کرنے کی ان میں تاب نہیں ہوتی۔ وہ جب کبھی حالات کو سازگار دیکھتے اور امت میں اتحاد کی بحالی انہیں نظر آتی ہے وہ انتشار کی ایسی چنگاری کو ہوا دیتے ہیں جو آن کی آن میں خرمن اتحاد کو بھسم کر دیتی ہے۔ امن تہ و بالا ہو جاتا ہے اور امت پھر اختلافات کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔ اگر ہر گروہ کے چیدہ چیدہ اصحاب علم جو حالات سے کڑھتے ضرور ہیں مگر عملاً خاموش ہیں۔ آگے بڑھیں اپنے گراں قدر احساسات سے امت کو مستفید کریں اور قرآن و سنت کی روشنی میں لوگوں میں یکجہتی پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیں تو ممکن ہے کہ ان کے علم و فضل اور تقوےٰ اور طہارت کے سامنے فرقہ سازوں کی دکانداری کسی حد تک ماند پڑ جائے گی۔ یہ وقت کی اہم پکار ہے یہ اسلام کا ان سے مطالبہ ہے تاکہ دور غلامی کی پیداوار اس زہر آلود دیا دکو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا جائے جسے استعماری قوتوں نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے اور اپنے تسلط کو طول دینے کے لئے مسلمانوں میں رواج دیا تھا۔ (بشکریہ الشیاد۔ لاہور)

جالینوس کے قلم سے۔

حضرت یوسفؑ کے بھائی یہودی نہ تھے

بنی اسرائیل کے اجداد کو بُرا کہنا انصاف نہیں ہے۔

* مشرق وسطیٰ کے بعض جرائد میں موجودہ یہودیوں کے کردار اور عمل کو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے حالات سے ملاکر بیان کیا جارہا ہے اور بعض اہلِ علم حضرات نے تفصیل کے ساتھ یہ امر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جو طریق آجکل یہود نے اختیار کر رکھا ہے دراصل یہ اسی طریق کی ایک کڑی ہے جو سورۂ یوسف میں مذکور ہے اور جو عمل یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے یا اپنے بھائی یوسف علیہ السلام سے تھا وہی آجکل کے یہود مسلمانوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔

* چونکہ یہ ایک علمی اور تاریخی مسئلہ ہے اس لئے بہت ضروری ہے کہ اہلِ علم حضرات کو دعوت دی جائے کہ وہ اس بارے میں تاریخ اور قرآن کریم کی روشنی میں حقیقت سے پردہ اٹھائیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم موجودہ یہودیوں کی بدکرداریوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے انکے اجداد کے حق میں کسی قسم کی گستاخی کے مرتکب ہو جائیں۔

* قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت کی ابتداء حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی اور اسکی واضح شکل اس وقت سامنے آئی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا گیا۔ اس سے قبل یہودیت کا نشان نہیں ملتا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی یہودی تھے۔ کسی قوم کی دشمنی میں اس حد تک آگے نہیں بڑھ جانا چاہیئے کہ حقیقت پر پردہ پڑ جائے۔ قرآن کریم کا حکم ہے کہ:۔

"اے مومنو! اللہ تعالیٰ کے لئے انصاف سے گواہی دینے والے اور سیدھے بنو اور تم کو کسی قوم کی دشمنی اس امر پر قائل نہ کرے کہ تم انصاف کا دامن چھوڑ دو۔ انصاف سے کام لو کیونکہ یہ تقوٰے سے بہت قریب ہے۔"

* موجودہ دور میں یہودیوں کے متعلق قرآن کریم کے اور ارشادات ایسے موجود ہیں جن سے ان کی اسلام دشمنی، خدا کے رسول اور خدا کے کلام سے عداوت اور مسلمانوں سے شدید عداوت واضح ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"تو مومنوں کے ساتھ عداوت میں سب سے زیادہ شدید ان لوگوں کو پائیگا جو یہودی ہیں اور وہ لوگ جو مشرک ہیں۔" (المائدہ ۸۲)

پھر قرآن کریم میں یہودیوں کے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تمسخر اور استہزاء کا ذکر متعدد بار آیا ہے جیسے،

۱۔ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنادے جس طرح دوسروں کیلئے معبود ہے۔"

۲۔ ہم خدا کو ظاہری رنگ میں دیکھنا پسند کرینگے ۳۔ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے

۴۔ جا تو اور تیرا رب لڑتا پھر ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

* اور پھر تاریخ اسلام اور سیرتِ نبویؐ میں کس وضاحت سے یہودیوں کی بداعمالیوں کا نشان دہی کی گئی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام رضا نے عدل و انصاف سے ان سے حسنِ سلوک کیا اور جیسے پڑوسی پڑوسیوں سے سلوک کرتا ہے وہ روا رکھا مگر اس کے عوض ان کی طرف سے سوائے بدعہدیوں۔ عداوتوں، اور کفار مکہ اور مشرکین و منافقین سے سازباز کے کیا ملا۔

* قرآن کریم نے جن بداخلاقیوں کیوجہ سے یہودیوں کو موردِ لعنت قرار دیا اور ان کو مغضوب علیہم کا مصداق گردانا اور ان میں بندروں اور سؤروں اور بتوں کے غلاموں جیسے بنا دیئے۔ ان الزامات کے تحت حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہرگز نہیں آتے۔ کہ وہ اس دَور سے پہلے کے لوگ تھے۔ یہاں قرآن کریم کے بعض مقامات سے یہ امر ثابت کیا جاتا ہے کہ اول تو یہودیت کی ابتداء حضرت موسیٰؑ سے ہوئی ہے۔ اس سے پہلے نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ قرآن کریم بہت واضح الفاظ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو ان حالات سے بری قرار دیتا ہے۔ جو یہودیوں کے لئے بیان ہوتے ہیں۔

اول :۔ حضرت ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہودی یہ کہتے ہیں کہ آپ یہودی تھے اور نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نصاریٰ تھے مگر قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ:۔

"ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ بلکہ وہ صحیح مسلمان تھے اور مشرکین میں سے بھی نہ تھے۔" (آلِ عمران ۔ ۶۷)

دوئم: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تمام خاندان کو یہودیت اور نصرانیت کے الزام سے قرآن کریم نے بری قرار دیا ہے۔ فرمایا:۔

"کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ۔ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد یہودی یا نصاریٰ تھے۔ ان سے پوچھو کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو خُدا کے حضور اس سے شہادت کو چھپاتا ہے۔"

اس جگہ اگر ذرا سا بھی غور کیا جائے تو یعقوب اور اسکی اسباط (اولاد) سے مراد حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائی ہی مراد ہیں۔ جیسے دو مقامات پر ایک ہی جیسی آیات میں یوں بیان ہوا ہے۔

"کہو ہم ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو ابراہیمؑ اسماعیلؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ و ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو عطا کیا گیا اور جو نبیوں کو دیا گیا اپنے رب کی جانب سے۔ ہم ان میں سے کسی میں بھی فرق نہیں رکھتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔" (البقرۃ ۔ ۱۳۶)

(۲) "کہہ دے ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیمؑ
اسماعیلؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ اور اسکی اولاد پر نازل کیا گیا - - - - -
اور ہم تو اس کے فرمانبردار ہیں" (آل عمران ۸۴)

• اب یہاں پر اسباط سے یقینی طور پر یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے مراد ہیں یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بن یامین اور دوسرے دس بھائی۔ گو بعض مفسرین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ برادرانِ یوسف میں بھی بعض نبی ہوتے ہیں اور جو ان سے غلطیاں حضرت یعقوب علیہ السلام کی شان میں یا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ سرزد ہوئی ہیں وہ اسی قسم کی غلطیاں ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام سے نبوت سے قبل ایک قبطی کا قتل اور حضرت آدم علیہ السلام کا نبوت سے قبل خدا کے واضح حکم کے خلاف شجرِ ممنوعہ سے پھل کا کھا لینا تھا مگر دونوں جگہ جب استغفار کیا گیا تو اللہ تعالیٰ رجوع برحمت ہو گیا۔ اور کوتاہیوں سے درگذر کر دیا گیا۔

برادرانِ یوسف میں سے نبی ہونے میں تو اختلاف ہو سکتا ہے مگر قرآنِ کریم کی رُو سے ان پر وحی کا نازل ہونا تو بیان ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ہم نے تجھ پر اس طرح وحی نازل کی ہے جس طرح ہم نے وحی نازل کی
نوحؑ پر اور اس کے بعد انبیاء پر اور ہم نے وحی نازل کی ابراہیمؑ پر اسماعیل
پر۔ اسحٰق پر اور یعقوبؑ اور اسکی اولاد پر، اور عیسیٰؑ پر۔ ایوبؑ پر۔ یونسؑ پر
ہارونؑ پر سلیمانؑ پر اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا کی" (النساء ۱۶۳)

ان آیات سے یہ ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ برادرانِ یوسف علیہ السلام کا یہودیت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بے شک وہ موجودہ یہود کے آباؤ اجداد ضرور تھے اور بنی اسرائیل کی اصل بھی وہی ہے اور درحقیقت تو حضرت ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام ہی مسلمانوں اور یہودیوں کے جدِ امجد تھے۔ وہ حضرت اسماعیلؑ کے والد تھے جو عربوں کے جدّ تھے وہ حضرت یعقوبؑ کے والد تھے جو بنی اسرائیل کے جدّ تھے۔ مگر قرآن کریم نے ان بزرگوں کو حنفاء اور مسلمین کہہ کر شرک، یہودیت اور نصرانیت سے ان کا لاتعلق ہونا واضح طور پر بیان فرما دیا ہے۔

سوئم :- ایک اور طریق سے قرآن کریم نے ابناءِ یعقوب علیہ السلام (برادران یوسفؑ) کی برأت فرمائی ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی زندگی کے آخری ایام تھے اسوقت آپ نے سب اولاد کو جمع کیا اور ان سے عہد لیا کہ دیکھو میں تم کو ملّتِ ابراہیمؑ پر چھوڑ کر جا رہا ہوں تم اسی پر قائم رہنا۔ قرآن کریم نے اسے ایسے بیان فرمایا ہے،

"کیا تم اسوقت موجود تھے جب یعقوبؑ کی موت کا وقت قریب تھا۔
اور آپ نے اپنے بیٹوں سے کہا۔ میرے بعد تم کس چیز کی عبادت
کروگے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تیرے پروردگار اور تیرے آباء کے
پروردگار کی عبادت کریں گے۔ جو ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ اور اسحاق کا معبود تھا
اور وہ اکیلا ہی معبود ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں" (البقرۃ ۱۳۳)

یہی وہ برادرانِ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جن سے کوتاہیاں اور غلطیاں سرزد ہوئی تھیں مگر اپنے باپ حضرت یعقوبؑ کے اس دنیا سے روانگی کے وقت وہ ان سے یہی عہد کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور خدا کے فرمانبردار رہیں گے۔ اور اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر کاربند رہیں گے۔ اس وضاحت کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ موجودہ یہود کی شرارتیں برادران یوسفؑ سے ملتی جلتی ہیں انصاف اور عدل کا تقاضا نہیں ہے۔ بلکہ یہ حقیقت اور تاریخ کی خلاف ورزی ہوگی۔

• قرآن کریم کی ان واضح اور روشن آیات سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ یہودیت اور نصرانیت کے الفاظ کا اطلاق اس دور میں نہ تھا بلکہ یہودیت کا لفظ حضرت موسیٰؑ کی بعثت کے بعد اور نصرانیت کا لفظ حضرت عیسےٰؑ کی بعثت کے بعد استعمال ہوا۔

چہارم :- برادرانِ یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ کی طرف سے وفورِ محبت کے جذبات دیکھ کر اپنے لئے محبت میں جب کمی محسوس کی تو ان سے ضرور ان حالات میں بعض سازشی امور سرزد ہوئے اور انہوں نے بعض غلط راہیں اختیار کیں مگر ان کوتاہیوں کے بعد نہ صرف حضرت یعقوبؑ نے ان کے لئے استغفار کی اور خدا سے ان کے گناہوں کی معافی چاہی اور فرمایا۔

"میں جلد ہی اپنے ربّ سے تمہارے لئے مغفرت چاہوں گا وہ بڑا غفور رحیم ہے"

بلکہ حضرت یوسفؑ نے اپنے کردارِ عالیہ اور اخلاقِ فاضلہ سے کام لیتے ہوئے نہ صرف ان کو معاف کر دیا بلکہ ان کے لئے خدا سے دعائے مغفرت بھی کی جیسے فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم ۔ یغفر اللّٰہ لکم۔ جاؤ تم پر آج کوئی پرسش نہیں ہے
اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے گا۔

پنجم، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اسباط (برادران یوسف) کا ذکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے ان کے اعلےٰ اعمال اور کردار کا ذکر خود قرآن کریم میں بہت شان سے کیا ہے وہ فرماتا ہے۔

"یہ ایک امت تھی جو گذر چکی ہے۔ اُن کے لئے ان کے اعمال ہیں
اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ اور جو وہ اعمال بجا لاتے ہیں ان کا سوال
تم سے نہیں کیا جائے گا" (البقرۃ۔ ۱۳۵)

یہاں جس امت کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد حضرت ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کی اولاد اور اولاد در اولاد اور انکی اسباط ہے جس میں برادرانِ یوسف بھی آتے ہیں۔ ہمیں انصاف اور عدل کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ موجودہ یہود جس طریق سے اسلام دشمنی کا مظاہرہ کر رہے ہیں وہ یہودیت، صیہونیت اور بربیت جبر و استبداد اور ظلم و جور کی ایک بھیانک داستان تو کہلا سکتی ہے مگر جب یہ کہا جائے گا کہ وہ برادرانِ یوسف کی مثال ہیں تو یہ انصاف نہ ہوگا اور میں یہی کہوں گا کہ:

"کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر نہ اُکسائے کہ تم حق و انصاف کا دامن چھوڑ دو
انصاف کرو کہ وہ تقوےٰ سے بہت قریب ہے" • • •

باہتمام المدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور، مورخہ ۱۰/۱۷ اگست ۱۹۸۳ء — جلد ۷۰، شارہ ۳۲/۳۳

جلد:- ۷۰ } بروز چہار شنبہ ۱۴ ذیقعد ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲۴ - اگست ۱۹۸۳ عیسوی { شمارہ:- ۳۴

ارشاداتِ حضرت مجدد صد چہار دہم

بدلیوں سے بچنے کے لئے دعاؤں کی بڑی ضرورت ہے

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ زمانہ جو شباب اور جوانی کا زمانہ ہے ایک ایسا زمانہ ہے کہ نفس امارہ نے اس کو ردی کیا ہوا ہے لیکن اگر کوئی کار آمد ایام ہیں تو یہی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی قرآن شریف میں درج ہے وما ابرئ نفسی انّ النفس لامّارۃ بالسّوء الّا ما رحم ربّی۔ یعنی میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہرا سکتا۔ کیونکہ نفس امّارہ بدی کی طرف تحریک کرتا ہے۔ اس کی اس قسم کی تحریکوں سے وہی پاک ہو سکتا ہے جس پر میرا رب رحم کرے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی بدلیوں اور جذبات سے بچنے کے واسطے نری کوششیں ہی شرط نہیں بلکہ دعاؤں کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ نرا زہد ظاہری ہی (جو انسان اپنی سعی اور کوشش سے کرتا ہے) کار آمد نہیں ہوتا۔ جب تک خدا تعالےٰ کا فضل اور رحمت ساتھ نہ ہو۔ اور اصل تو یہ ہے کہ اصل زُہد اور تقویٰ ہے ہی وہی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ حقیقی پاکیزگی اور حقیقی تقوےٰ اسی طرح ملتا ہے ورنہ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ بہت سے جامے بالکل سفید ہوتے ہیں اور باوجود سفید ہونے کے بھی وہ پلید ہو سکتے ہیں تو اس ظاہری تقوےٰ اور طہارت کی ایسی ہی مثال ہے تاہم اس حقیقی پاکیزگی اور حقیقی تقوےٰ اور طہارت کے حصول کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اسی زمانہ شباب و جوانی میں انسان کوشش کرے جبکہ قوٰے میں قوت اور طاقت اور دل میں ایک اُمنگ اور جوش ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں کوشش کرنا عقلمند کا کام ہے۔ اور عقل اسی لئے اللہ تعالےٰ نے دی ہے۔

اوّل تدبیر کرو۔

اس مقصد کے حاصل کرنے کے واسطے (جیسا کہ میں پہلے کئی مرتبہ بیان کر چکا ہوں) اول ضروری ہے کہ انسان دیدہ دانستہ اپنے آپ کو گناہ کے گڑھے میں نہ ڈالے۔ ورنہ وہ ضرور ہلاک ہو گا۔ جو شخص دیدہ دانستہ بدراہ اختیار کرتا ہے یا کنوئیں میں گرتا ہے اور زہر کھاتا ہے وہ یقیناً ہلاک ہو گا۔ ایسا شخص نہ دنیا کے نزدیک اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ رحم ٹھہر سکتا ہے۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے خصوصاً ہماری جماعت کے لئے .... کہ جہاں تک ممکن ہے بدصحبتوں اور بدعادتوں سے پرہیز کریں اور اپنے آپ کو نیکی کی طرف لگائیں۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے واسطے جہاں تک تدبیر کا حق ہے تدبیر کرنی چاہیئے اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیئے...

(تقریر حضرت مسیح موعود ۲۹ دسمبر ۱۹۰۴ء)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى

خطبہ جمعہ فرمودہ نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۱۹ اگست سنہ ۱۹۸۳ء بمقام مرکزی جامع مسجد دار السلام، لاہور

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ (الاعلیٰ ۸۷۔ ۱ تا ۳)

ترجمہ: "تسبیح کر اپنے رب کے نام کی جو بلند و برتر ہے، جس نے پیدا کیا پھر تکمیل دی جس نے تقدیر بنائی پھر ہدایت دی۔"

آج دنیا میں سب میں بڑا باطل دہریت ہے۔ روس جو دو براعظموں یورپ اور ایشیا کا سب میں بڑا علاقہ ہے دہریت کا گڑھ ہے۔ پھر چین جس کی ایک ارب (سو کروڑ) آبادی دنیا کا چوتھائی حصہ ہے دہریہ ہے۔ اسی طرح دونوں کوریا کے ملک، ویت نام اور کمپوچیا کے ممالک، مشرقی یورپ (پولینڈ، چیکوسلواکیہ، رومانیہ، آسٹریا، ہنگری، رومانیہ، بلغاریہ، یوگوسلاویہ، البانیا وغیرہ) سب دہریہ ہیں۔ ان ممالک کے علاوہ اشتراکیت کا زہریلا دھواں تمام دنیا خصوصاً براعظم جنوبی امریکہ اور افریقہ میں دہریت کو پھیلا رہا ہے۔ یورپ امریکہ آسٹریلیا کے براعظموں میں جہاں سرمایہ داری اور عیسائیت کا نظام ہے وہاں بھی یعنے غیر اشتراکی لوگوں میں بھی۔ یہ آواز خصوصاً نوجوانوں میں اٹھی کہ خدا یا تو تھا ہی نہیں یا نعوذ باللہ مر گیا ہے۔ جب اس آواز کو امریکن ہفتہ وار رسالوں "ٹائم" اور "نیوز ویک" نے جو دنیا میں بکثرت پڑھے جاتے ہیں دنیا میں مشتہرِ عام کیا تو میں نے "لائیٹ" اخبار میں لکھا کہ انسان پرستی خواہ وہ عیسائیت میں ہو خواہ بدھ مذہب یا ہندو مذہب میں اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کیونکہ انسان کے لئے مرنا لازمی ہے۔ اگر خدا کے ہاں بھی نعوذ باللہ بیٹا ہو سکتا ہے تو پھر خدا پر بھی (نعوذ باللہ، نعوذ باللہ) موت آنی چاہیئے کیونکہ جہاں بھی توالد تناسل ہے، وہاں موت لازمی ہے۔ خواہ وہ انسان میں ہو یا جانوروں میں یا درختوں (بلکہ تمام نباتات) میں۔

دہریت کیوں؟

تو دہریت کیوں اس قدر پھیل گئی ہے؟ وجہ یہ ہے کہ یہ زمانہ علوم اور سائنسز کا ہے جنہوں نے انسان کو غور و فکر کی عادت ڈالی ہے۔ اب لوگ اندھی تقلید میں آباء و اجداد کے مذہب پر قائم نہیں رہیں گے۔ یاد رہے کہ تمام مذاہب کی بنیاد خدا کی ہستی پر ہے۔ اور خدا کا تصور اسلام کے سوا دوسرے مذاہب نے پیش کیا ہے؟ ایک پتھر کا بت یا گائے یا اپنا جیسا انسان۔ اس کے برعکس سائنس نے انیسویں صدی عیسوی میں مادہ پرستی اور اس کے نتیجہ میں دہریت کو فروغ دیا تھا اب اس مادی عالم کے ہی عجائبات کا پتہ لگا کر اس بات کا اقرار کرنے پر مجبور ہے کہ اس عجیب و غریب عالم (جس کے ایک ایک ذرہ یعنے ایٹم کے اندر بھی عالم بسے ہوئے ہیں) کا خالق ہے اور وہ ایک ہے کیونکہ تمام عالم باوجود اپنے ظاہری اختلافات کے دراصل ایک ہے اور ایک ہی قانون کے ماتحت چل رہا ہے۔ تو اس حیرت انگیز طور پر عجیب و غریب عالم کا کوئی بہت ہی عجیب و غریب خالق اور مالک ہے۔ اور نظر نہ آنے والے ایٹم سے لے کر بڑے ستاروں مثلاً سورج تک جن میں ہر آن ایک ارب ہائیڈروجن بموں کے قریب طاقت پھوٹ پھوٹ کر تمام عالم کو انرجی (ENERGY) یعنے طاقت اور گرمی اور روشنی سے نہ صرف زندہ رکھے ہوئے ہے بلکہ منور کئے ہوئے ہے۔ تو ان بے پناہ طاقتوں کا مالک کس جلال اور عظمت اور طاقتوں کا مالک ہوگا۔ اور تمام عالموں کو زندگی بخشنے والا خود کس بے نظیر زندگی کا مالک ہوگا (حیّ)، اور تمام عالموں کو منور کرنے والا خود کس نور کا منبع و ماخذ ہوگا! اور صرف اس مادی عالم جس کی وسعتوں کا انسانی دماغ اندازہ بھی نہیں لگا سکتا اور جس کی عجائبات کا کچھ تھوڑا علم سائینس نے اب پتہ لگایا ہے، اور وہ محیر العقول انرجی (طاقت و قوت) جس کا یہ عالم مختلف شکلوں اور اجسام میں مظہر ہے، ان سب کا خالق و مالک کیا وہ پتھر کا بت ہو سکتا ہے جسے ساری دنیا پوجتی ہے (خواہ وہ دیوتاؤں یا انسانوں کے بت ہوں) یا گائے یا اپنا جیسا انسان؟ ان تمام مشرکوں نے خدا میں کمزوریاں، نقائص، اور عیبوں کا گمان کر کے شریک بنائے جو ان عیبوں اور نقائص کی تلافی کر سکیں۔ تو علوم اور سائینسز کے اس زمانہ کے انکشافات تمام مشرکانہ تصورات جو خدا کی نسبت تھے انہیں رد کرتے ہیں۔ تو پھر کیا مقامِ تعجب ہے کہ تمام دنیا میں جہاں یہ تصورات تھے دہریت پیدا ہو گئی ہے۔

دہریت ناپائیدار ہے۔

مگر دہریت جس تیزی سے اٹھی ہے اسی تیزی سے ختم ہو جائے گی۔ جوں جوں علوم اور سائینسز ترقی کریں گے انسان ان کی شہادت سے انکار نہ کر سکے گا کہ خدا ہے اور ایک ہے۔ خود انسان کی اپنی عقل اور فطرت دونوں خدا کی ہستی اور توحید پر گواہ ہیں جس کا ذکر قرآن حکیم میں کئی جگہ پر ہے۔ صرف ایک جگہ سے سن لیجئے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِىْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۗ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۙ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (الاعراف آیات ۱۷۱، ۱۷۲) "اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اپنے آپ

پر گواہ ٹھہرایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں! ہم گواہ ہیں۔ (یہ اس لئے کیا کہ) ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم کہہ سکو کہ ہم تو اس سے (یعنی خدا کی ہستی سے) بے خبر تھے۔ یا یہ کہہ سکو کہ وہ تو ہمارے باپ دادوں نے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کے پیچھے اُن کی اولاد تھے۔ تو کیا تُو ہم کو اس کی وجہ سے ہلاک کریگا جو جھوٹ گھڑنے والوں نے کیا"۔ یہی فطرت کی شہادت ہے جس کی وجہ سے بڑے سے بڑے دھریئے (جن میں اس زمانہ کے سٹالن کی اولاد اور خروشچاف اور بریزنیف اور ماؤزے تنگ تھے) بے اختیار خدا کا اقرار کر چکے ہیں اور بڑے سے بڑے مشرک وقت پڑے پر خدائے واحد کو پکارتے ہیں۔

ایک اور شہادت:

انسان کی اپنی عقل اور فطرت کی شہادت کے علاوہ ایک اور ناقابل انکار شہادت اُن مسلّمہ صادقوں اور راست بازوں کی ہے جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کے علاوہ لاکھوں اولیاء اللہ کی شہادت ہے کہ خدا ہے اور وہ ایک ہے۔ ایک سچّا گواہ ہو تو عدالتیں بڑے سے بڑے انسان کو پھانسی دیدیتی ہیں یا لاکھوں کروڑوں کی جائیدادوں کا فیصلہ دیدیتی ہیں۔ یہاں تو لاکھوں مسلمہ صادقوں اور راست بازوں کی گواہیاں ہیں جنہوں نے خدا کو پا کر اس کے لئے اپنا سب تن من دھن قربان کر دیا۔ اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر اس کی طرف دنیا کو بلایا، اور جن لوگوں نے ان کی اتباع کی انہوں نے بھی خُدا کو پا لیا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے ماننے والوں کو باوجود اُن کے اکیلے ہونے کمزور ہونے، بظاہر مغلوب ہونے کے اسی زندگی میں انہیں کامیاب کیا جس کی خبر ان کو پہلے سے دیکر اور اُن سے اس کا اعلان کرا کے اللہ تعالےٰ نے اُن ناممکن پیشگوئیوں کو ممکن کر کے اپنی ہستی اور قدرت کا ناقابل انکار ثبوت دیدیا۔

اسلام کی ضرورت:

بدقسمتی سے اُن انبیاء اور اولیاء اللہ کی تعلیمات اور حالات اکثر کھوئے گئے اسی لئے اُن کی طرف شرک منسوب کیا جانے لگا۔ اور اسی شرک کی وجہ سے خُدا کے وہ ناقص اور عیب دار تصورات دنیا میں عام ہو گئے جن کو آج لوگ ردّ کر رہے ہیں اور کسی بہتر تصور کا علم نہ ہونے کی وجہ سے لوگ دہریہ ہو رہے ہیں اس لئے دنیا کو اللہ تعالےٰ کا وہ خوبصورت تصور پیش کرنے کی ضرورت ہے جو قرآن پاک میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اللہ تعالےٰ کا وہ خوبصورت ترین تصور جو الحمد للّٰہ رب العالمین اور الرحمٰن الرحیم اور مٰلک یوم الدین سے شروع ہوتا ہے وہ قرآن کریم کی آیات اور صفات میں قدم، قدم پر موجود ہے۔ انہی میں سے وہ آیات ہیں جن سے میں نے آج کا خطبہ شروع کیا ہے۔ سبح اسم ربك الاعلیٰ ○ الذی خلق فسوّٰی ○ والذی قدّر فھدٰی ○ "تسبیح کر اپنے رب کے نام کی جو بہت بلند و برتر ہے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا پھر اس کی تکمیل کی، جس نے تقدیر بنائی (یا اندازہ مقرر کیا) اور اس کی طرف ہدایت کی"۔ اس تسبیح کے حکم کی بدقسمتی سے یہ تعمیل کی جاتی ہے کہ دانوں والی تسبیح ہاتھ میں لے کر پھرائی جاتی ہے۔ اُدھر تو میں بعد میں آؤں گا۔ مگر اس سے زیادہ اہم تسبیح یہ ہے کہ خدا کی سبحانیت کا علم دنیا کو دیا جائے جو مختلف قسم کے شرکوں میں پڑ کر خدا کی نسبت وہ تصورات رکھتی ہے جو سراسر ناقص اور عیب دار ہیں اور جو اسی وجہ سے دہریہ ہو رہی ہے۔ اس بدقسمت دنیا کو تو خُدا کا ذاتی نام تک نہیں معلوم۔ حالانکہ کسی کے متعلق معرفت کا پہلا قدم اس کا ذاتی نام جاننا ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم تعارف کراتے ہیں تو سب میں پہلے نام لیتے ہیں۔ دوسرے مذاہب میں خُدا کے جتنے نام پائے جاتے ہیں خواہ وہ GOD ہو یا بائیبل کا "لارڈ" خواہ وہ ہندوؤں کا ایشور ہو یا یہودیوں کا یہوداہ، یہ سب صفاتی نام ہیں۔ تو خدا تعالےٰ کی دنیا کو معرفت دینے کے لئے سب میں پہلے تو اس کا ذاتی نام اللہ ان کو بتانے کی ضرورت ہے اسی لئے فرمایا کہ "اپنے رب کے نام کی تسبیح کر"۔ یعنے لوگوں کو خدا کی معرفت پہنچاؤ کہ اس کا نام اللہ ہے۔ اور وہ ان تمام عیبوں سے پاک ہے جو مشرکانہ عقائد نے اسکی طرف منسوب کئے ہیں۔

سبحانیت کی اہمیت

انسان جس سے بھی واسطہ رکھنا چاہتا ہے اس کا بے عیب ہونا پسند کرتا ہے۔ کیا ماں باپ نہیں چاہتے کہ ان کی اولاد بے عیب ہو؟ کیا اولاد نہیں چاہتی کہ اس کے ماں باپ بے عیب ہوں؟ آجکل جنریشن گیپ (GENERATION GAP) کا ذکر ہر مغرب زدہ لڑکے لڑکی کی زبان پر کیوں ہے؟ اور اکثر اولاد اپنے ماں باپ کی کیوں شکائتیں کرتی پھرتی ہے اور ان سے کیوں باغی ہے؟ اسی لئے کہ وہ ان میں عیب یا نقص دیکھتی ہے مرد و عورت شادی سے پہلے کیوں پوچھ گچھ کرتے ہیں کہ دوسرے میں کوئی عیب ہو تو بروقت پتہ لگ جائے؟ یا شادی کے بعد کیوں ایک دوسرے سے نالاں رہتے ہیں؟ کسی نہ کسی عیب یا نقص کی وجہ سے۔ کسی کو نوکر رکھنے سے پہلے کیوں پوچھ گچھ کی جاتی ہے؟ یا نوکری دینے کے بعد اُسے کیوں نکال دیا جاتا ہے؟ اسی عیب یا نقص کی بنا پر۔ حال ہی میں صدر مملکت جناب ضیاء الحق صاحب نے کیوں لوگوں پر زور دیا ہے کہ انتخابات میں بے عیب لوگوں کو چنیں؟ اسی لئے کہ عنانِ حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں دینا خطرہ سے خالی نہیں جو عیب دار ہوں۔

تو اللہ تعالےٰ جس کے آگے انسان نے سر سجدہ میں رکھنا ہو یا اس کا ہر حکم بلا چون و چراں ماننا ہو اس میں کوئی عیب یا نقص فطرتِ انسانی کہاں قبول کر سکتی ہے؟ خدا ہو تو بے عیب ہو ورنہ وہ خُدا ہی کیا؟ بلکہ وہ نہ ہو تو بہتر ہے۔

الاعلیٰ

انسان قرآن پاک پر کیوں نہ صدقے جائے کہ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نہ صرف سبحٰن ہے بلکہ وہ تمام اعلےٰ صفات اور خوبیوں کا مظہرِ کامل ہے عیب نہ ہونا ایک منفی خوبی ہے۔ مگر اعلےٰ ترین خوبیوں سے متّصف ہونا مثبت کمال ہے۔ انسان خود ایک دوسرے کو دیکھے۔ کسی دوسرے انسان میں کوئی

عیب نہ ہونا بھی خوبی کی بات ہے۔ مگر اگر اس دوسرے انسان میں تمام قابل تعریف اوصاف بھی ہوں تو وہ نورٌ علیٰ نور بن جاتا ہے۔ خدا کا جو تصور دوسری الہامی کتابوں میں ملتا ہے اس میں نقائص یا عیب زیادہ نظر آتے ہیں بجائے خوبیوں کے۔ کس قدر احسان عظیم ہے اللہ تبارک و تعالےٰ کا۔ قرآن حکیم کا اور رسول اللہ صلعم کا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا جو کہ خوبصورت ترین ہیں ہمیں تفصیل سے علم دیا کیونکہ اللہ تعالےٰ کی صفات کا جو ذکر الحمد للہ رب العالمین سے شروع ہوتا ہے تو سورۃ والنّاس تک جاتا ہے۔ خدا ہو تو واقعی ایسا ہو جو نہ صرف بے عیب ہو بلکہ تمام اعلےٰ ترین خوبیوں سے متصف ہو۔ یہی وہ تصور ہے جو دنیا میں پھیلا کر دہریت کو دور کیا جا سکتا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اب تو دنیا خدا کی ہستی سے ہی منکر ہے جب خدا ہے ہی نہیں تو اس کے بے عیب ہونے یا خوبیوں سے متصف ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

تخلیق اور تسویہ

خُدا کے منکر لازمًا نبیوں اور اولیاء کے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اُن کی شہادت ایسے لوگوں کے لئے قطعی نہیں ہو سکتی۔ تو قرآن کریم نے دہریوں کو وہاں سے پکڑا ہے جہاں سے وہ انکار کر سکتے ہی نہیں۔ فرمایا الذی خلق فسوّٰی ہ اللہ وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی تکمیل کرتا ہے۔ یہ ٹھوس مادی دنیا جو تمہاری آنکھوں کے آگے ہے جس میں ایک نہیں لاکھوں، کروڑوں، اربوں قسم کی مخلوق ہے یہ کس نے بنائی؟ اب جب کہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مخلوقات کے ظاہری اختلافات صرف ظاہری ہی ہیں اور تمام مخلوقات دراصل ایک ہے کیا یہ ایک خلّاق العظیم کا پتہ نہیں دے رہی؟ یہی وہ دلیل ہے جس کے آگے بیسویں صدی کی سائنس نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور وہ سائنس جو انیسویں صدی میں تمام دہریت کو جنم دینے والی تھی اب خدا کی ہستی اور توحید پر گواہ ہے۔

آج سے قریبًا سو سال پہلے جب سائنس دہریت کو عام کرنے لگی تو اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کیا صحیح فرمایا کہ "خالق کو اس کی مخلوق سے پہچانو" اور اسی طرح پہچان کر آج سائنس دہریت سے تائب ہوئی ہے۔ کائنات کی ہر چیز ظاہری آنکھ سے دیکھنے والے کے لئے بھی اپنے خالق کی ہستی پر گواہ ہیں۔ مگر اب جبکہ سائنس نے ہر چیز کے اندر یہاں تک کہ ایٹم کے اندر کے بھی عجائبات کا انکشاف کیا ہے تو کوئی شک و شبہ نہیں باقی رہا کہ تمام کائنات جو اندر سے ایک ہی ہے ایک ہی خالق کا ناقابل تردید ثبوت دے رہی ہے۔

تسویہ

قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ اپنے اندر علم و حکمت کے خزائن رکھتا ہے۔ ہر چیز کی تخلیق کی محکم دلیل کے علاوہ ہر چیز کے اندر جو تسویہ یعنے ترقی و تکمیل کا عمل چل رہا ہے وہ اس عقل کے اندھے کے لئے بھی ناقابل انکار ثبوت ہے جو صرف تخلیق کو کافی ثبوت نہیں سمجھتا۔ یہ مضمون اتنا وسیع ہے کہ اس پر بحث کرنے کے لئے کتابیں پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں

اس مختصر خطبہ میں صرف ایک مثال کافی ہوگی۔ انسان اپنے آپ کو دیکھ لے کہ کس طرح اللہ تعالےٰ بے جان مٹی میں سے جاندار نباتات اور حیوانات کو پیدا کرتا ہوا ان کو کھانے سے انسان کے اندر نطفہ کو پیدا کرتا ہے جس کی تحقیقات نے آج ثابت کر دیا ہے کہ پیدا ہونے والے انسان کی تصویر اور تخلیق اس نطفہ کے اندر ہی ہو چکی ہوتی ہے۔ پھر وہ نطفہ کس طرح ماں کے پیٹ میں انسان کی شکل اختیار کرتا ہے جس کی ایک ایک چیز (مثلاً آنکھ یا دماغ) دنیا میں کسی قیمت پر بھی مل نہیں سکتی۔ پھر انسان جب اس دنیا میں ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو پھر بھی تسویہ کا عمل جاری رہتا ہے اور وہ بچہ نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ ذہنی طور پر بھی ترقی کرتا رہتا ہے۔ تمام انسانوں کا ایک جیسا پیدا ہونا اور ایک طرح اپنے جسمانی اور ذہنی تکمیل کو پہنچنا کیا یہ اس خالقِ اعظم کی ہستی کا ہر آن ثبوت نہیں۔؟

تقدیر اور ھدائیت

قرآن حکیم دلائل پر دلائل دیتا ہوا اتمامِ حجت فرماتا ہے۔ اگلے الفاظ ہیں والذی قدّر فھدٰی ہ یعنے نہ صرف ہر چیز کی تخلیق اور تسویہ میں اللہ تعالےٰ کی ہستی پہ ناقابلِ انکار ثبوت ہیں بلکہ اس میں بھی کہ ہر مخلوق کے لئے خالقِ اعظم نے الگ الگ انداز سے بنائے ہیں۔ یا بالفاظِ دیگر ہر چیز کا مقصد پیدائش بنایا ہے جو بنانے والے کی ہستی پر اس سے بھی بلند تر دلیل ہے مقصد حیات کوئی ٹھوس چیز نہیں ہوتا بلکہ مادی تخلیق سے بلند تر IDEAL ہوتا ہے جو ایک مدبر بالارادہ ہستی کے کمال کو ظاہر کرتا ہے۔ زمین کے اندر جو لکھو کھا کیڑے ہیں (اور جن کی ضرورت اور اہمیت کا اب کچھ تھوڑا بہت پتہ سائنسدانوں اور زراعت کے ماہرین کو لگا ہے) ان کیڑوں سے لے کر ظاہری جاندار مثلاً گائے بھینس، گھوڑے گدھے اور پرندوں کے مقاصد حیات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ شہد کی مکھی جیسی حقیر چیز کا مقصد حیات کتنا بلند و مفید ہے۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس شہد کی مکھی کی جس کا باقاعدہ دماغ تک نہیں ہوتا راہنمائی یا ہدایت کون کرتا ہے سوائے اللہ تعالےٰ کے؟

تو یہ تمام باتیں یعنے تخلیق اور تسویہ، تقدیر اور ہدایت اس عجیب و غریب کائنات کے بنانے والے کی ناقابل انکار گواہی دیتی ہیں۔ اس کی ہستی اس کی سچائیت اور اس کی صفات کا دنیا کو علم دینے سے ہی یہ دنیا اب دہریت کے مہلک مرض سے نجات پا سکتی ہے۔

انہی آیاتِ مبارکہ میں آج کی دنیا کے دوسرے اخلاقی اور روحانی امراض کا کیا علاج ہے یہ میں انشاء اللہ کسی اگلے خطبہ میں عرض کر دوں گا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

— *** —

ارشادِ باری تعالیٰ:

"اور جو تمہیں السّلام علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں"

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن سبق نمبر ۴۴

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا وَّاَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ۝ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِھِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّاَ مِنْھُمْ کَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ کَذٰلِکَ یُرِیْھِمُ اللّٰہُ اَعْمَالَھُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْھِمْ ؕ وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ۝ (البقرۃ - ۱۶۵ تا ۱۶۷)

ترجمہ: " اور لوگوں میں سے ایسے ہیں جو اللہ کے سوا اُسکے ہمسر بنا لیتے ہیں اُن سے محبّت کرتے ہیں جسطرح اللہ سے محبّت کرنی چاہیئے۔ اور جو ایمان لائے وہ اللہ سے محبت سب سے بڑھ کر کرتے ہیں۔ اور اگر وہ جو ظالم ہیں دیکھیں (یا سوچیں کہ) جب وہ عذاب کو دیکھیں گے (تو جان لیں گے کہ) سب طاقت اللہ کے لئے ہی ہے اور یہ کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ جب وہ جو پیشوا بنائے گئے تھے اُن سے بیزار ہو جائیں گے جو اُن کے پیرو تھے اور عذاب کو دیکھیں گے اور تمام اسباب کٹ جائیں گے۔ اور وہ جو پیرو تھے کہیں گے کہ کاش ہمارے لئے پھر کر جانا ہوتا تو ہم ان سے اُسی طرح بیزار ہوتے جس طرح وہ ہم سے بیزار ہیں۔ اسی طرح اللہ اُن کے اعمال اُن پر حسرتیں کر کے دکھائے گا۔ اور وہ آگ سے باہر نہ نکل سکیں گے۔"

پچھلی آیت میں جو درس ۴۳ میں میں نے بیان کی تھی یہ فرمایا تھا کہ اس عظیم الشان کائنات کو دیکھو جو تمہارے چاروں طرف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر رہی ہے جس کی تائید آج سائنس نے بھی کی ہے کہ تمام کائنات اپنے بنانے والے کے قوانین میں جکڑی ہوئی ہے۔ پھر فرمایا کہ دیکھو کہ اس کائنات کا چھوٹا ترین سیّارہ جو تمہاری زمین ہے اس زمین میں جو زبردست طاقتیں ہیں مثلاً سمندر اور ہوائیں اور دوسری طاقتیں کہ وہ ذرہ سی ہلچل مچائیں تو طوفان اور زلزلہ جیسی بے پناہ طاقت تم کو ہلاک کر سکتی ہے، اور اس زمین سے متعلق جو ایک نہایت عظیم الشان طاقت سورج ہے اگر وہ ذرہ زیادہ نزدیک ہو جائے تو تم جل بھن کر خاک ہو جاؤ اور جس کی سطح پر ہر آن ایک ارب ہائیڈروجن بموں کے برابر دھماکے ہو کر بے پناہ طاقت رہا ہو رہی ہے۔ یہ سب زبردست طاقتیں اللہ تعالےٰ کی مکمل فرمانبرداری کر رہی ہیں اور اس کا ثبوت نہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے قوانین کی مکمل فرمانبردار ہیں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے انہیں تمہاری خدمت کے لئے لگایا ہوا ہے۔ تو کائنات کا مطالعہ ایک عقلمند انسان کو تین باتیں صاف بتاتا ہے۔

۱۔ ان زبردست طاقتوں اور اس حیرت انگیز کائنات کا کوئی خالق اور مالک ہے،

۲۔ وہ ایک ہے

۳۔ کائنات کی زبردست سے زبردست بلکہ ہیبت ناک طاقتیں اللہ تعالےٰ کی کامل فرمانبرداری کر رہی ہیں۔

تو ان زبردست نشانوں کے حوالہ سے فرمایا کہ عقلمند لوگ یہ سبق سیکھتے ہیں کہ جب یہ ہیبت ناک طاقتیں اللہ تعالےٰ کی کامل فرمانبرداری کر رہی ہیں تو عاجز اور کمزور انسان کو بھی اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ اُن چیزوں کو عقل نہیں دی گئی اسلیئے ان کو مجبور کر کے اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری میں باندھا گیا ہے مگر انسان کو تو عقل دی گئی ہے اور اسکو استعمال کر کے وہ ان زبردست طاقتوں کو اپنا فرمانبردار کر سکتا ہے مگر وہ بھی صرف ایک حد تک اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قوانین کا پتہ لگا کر (جو سائنس کرتی ہے) اور ان قوانین کی فرمانبرداری کر کے۔ جو ہر سائنسدان کرتا ہے۔ تو جس اللہ نے یہ زبردست طاقتیں پیدا کی ہیں اور ان کو اپنا مکمل فرمانبردار بنایا ہے اس کی عقل کس قدر عظیم الشان اور کامل ہے، تو انسان کی عقل جو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے وہ استعمال کرو تو وہ تمہیں سبق دیگی کہ انسان کو اللہ تعالےٰ کی عقل کی مکمل فرمانبرداری کرنی چاہیئے جسکے ماتحت اس نے قرآن حکیم میں ہدایت اور معرفت رکھی ہے۔

اب آج کے سبق کو لیتے ہیں۔ فرمایا و من النّاس من یّتخذ من دون اللہ انداداً یحبّونھم کحبّ اللہ ؕ والذین اٰمنوا اشدّ حبًّا للہ ؕ " اور لوگوں میں سے وہ ہیں جو اللہ کے سوا اس کے ہمسر بنا لیتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے محبّت کرنی چاہیئے۔ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ اللہ سے سب سے بڑھ کر محبّت کرتے ہیں۔" قرآن کریم بھی کیا عجیب کتاب ہے۔ پچھلی آیت میں فرمایا کہ انسان یا تو اپنی عقل کو استعمال کر کے اور اپنے خالق و مالک کو پہچان کر اس کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اور اب فرمایا کہ یا پھر محبت انسان کو فرمانبرداری کراتی ہے۔ مثلاً انسان کو اگر کسی سے محبت ہو تو وہ اس کا ہر حکم مانتا چلا جاتا ہے۔ تو سب سے زیادہ محبت کے لائق تو اللہ تعالیٰ ہے جو ہر حسن یعنے خوبی اپنے اندر بوجہ کمال رکھتا ہے اور جو انسان کا محسنِ اعظم ہے۔ تو چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کی خوبیوں اور احسانوں سے متاثر ہو کر انسان اللہ تعالےٰ سے سب سے زیادہ محبت کرے اور اس کی فرمانبرداری کرے جیسی کہ محبوب اور محسن اعظم کی کرنی چاہیئے۔ مگر اکثر لوگ خدا کا شریک بنا کر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالےٰ کی کرنی چاہیئے۔ چنانچہ جن انسانوں کو خدا یا خدائی میں شریک بنا یا جاتا ہے ان سے لوگ بے پناہ

محبت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اصل خدا کو یا تو بالکل بھول کر انہیں (یعنے شریکوں کو ہی) خُدا سمجھنے لگتے ہیں۔ یا خدا کو کمتر حیثیت دیدیتے ہیں مثلاً عیسائی لوگ جتنی حضرت مسیح سے محبت کرتے ہیں خُدا سے نہیں کرتے۔ فرمایا کہ مومن خُدا سے سب سے بڑھکر محبت کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دُوسری محبتیں بھی اللہ تعالےٰ نے بنائی ہیں مثلاً ماں باپ کی اولاد سے محبت جو اللہ تعالیٰ نے اُن کی فطرت میں ڈالی ہے۔ یا میاں بیوی کی ایک دوسرے سے محبت۔ تو وہ جائز محبتیں ضرور کرو مگر اللہ تعالےٰ کی محبت سب پر غالب ہو۔ اور اگر ضرورت پڑے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کے آگے دوسری محبتوں کو قربان کرنے سے مت ہچکچاؤ۔ دیکھو کہ حضرت ابراہیمؑ نے کس طرح اپنے رؤیا کو اللہ تعالےٰ کا اشارہ سمجھ کر اپنے پیارے بیٹے کو اللہ تعالےٰ کے آگے قربان کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اسی طرح حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم نے جو اپنی جماعت سے عہد لیا تھا کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے اور ضرورت پڑنے پر دین کی خاطر دنیا کو قربان کر دیں گے وہ بھی اللہ تعالےٰ کی محبت اور فرمانبرداری کے آگے دوسری تمام محبتوں کو ماتحت کرنے یا قربان تک کرنیکا عہد ہے۔

پھر فرمایا ولو یری الذین ظلموآ اذ یرون العذاب انّ القوۃ للہ جمیعًا وان اللہ شدید العذاب ۵ "اور اگر وہ جو ظالم ہیں دیکھیں یا سوچیں کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ سب طاقت اللہ کے لئے ہی ہے اور یہ کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے" یہاں لفظ "ظالم" کے معنی جاننا ضروری ہیں۔ ویسے تو انسان جو بھی گناہ کرے وہ اپنے نفس پر ظلم ہوتا ہے کہ اُس گناہ سے انسان اپنے نفس کو بگاڑ لیتا ہے مگر قرآن شریف نے واضح کیا ہے کہ ان الشرك لظلم عظیم یعنے شرک تمام ظلموں سے بڑا ظلم ہے یہ اس لئے کہ خدائے واحد کو پانا انسان کی پیدائش کا مقصد ہے جیسا کہ میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں بتا آیا ہوں۔ تو جو انسان خُدائے واحد کی جگہ دوسرے خُدا بنا لے یا انہیں خُدا کا شریک کرلے وہ اپنے مقصد پیدائش کو پا نہیں سکتا۔ اور اس سے بڑھکر اپنی جان پر وہ ظلم کر نہیں سکتا۔ پھر اس سے بڑھ کر کیا گستاخی اور گناہ ہو سکتا ہے کہ خُدائے برتر و ذوالجلال کی جگہ یا اس کا شریک اسکی مخلوق کو بنا لیا جائے تو اسی رکوع میں اللہ تعالےٰ نے پہلی آیت میں انسان کی عقل کو اپیل کر کے اور سمجھا کر توحید کے زبردست ثبوت دئیے تھے۔ دوسری آیت میں اللہ سے محبت کا ذکر تھا سو انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون محسن ہو سکتا ہے یا خُوبیوں والا۔ تو مشرک نہ تو عقل کی گواہی کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ اپنی فطرت کی گواہی کی پرواہ کرتے ہیں جو اپنے محسن سے محبت کرتی ہے اور اللہ سے بڑھکر کون محسن ہو سکتا ہے حیوان اگر عقل نہیں رکھتا تو اپنی فطرت کے جوش سے اپنے محسن سے محبت کرتا ہے۔ تو مشرک پھر حیوان سے بھی گئے گذرے ہوئے تو پھر انہیں کس طرح سمجھایا جائے سوائے سزا کے ذریعہ۔ حیوان کو بھی ہزار سمجھانے کی کوشش کرو وہ نہیں سمجھتا۔ وہ تو صرف ایک چیز سے سمجھتا ہے یعنے سزا کے ذریعہ تو فرمایا کہ مشرک جب عذاب یا سزا کو دیکھیں گے تو ہی سمجھیں گے کہ دراصل تمام قوت اللہ تعالےٰ کے پاس ہی ہے اور اُن کے جھوٹے معبود کوئی قوت نہیں رکھتے ورنہ وہ انہیں عذاب سے بچا نہ لیتے۔ افسوس تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اسقدر سخت ہوتا ہے کہ اسے وہی جان سکتا ہے جسے اس دنیا میں اس عذاب کا کچھ مزہ چکھا یا جائے مگر انسان اس کی طرف سے بالکل غافل رہتا ہے۔ اگلی آیت میں تین باتیں فرمائی ہیں اذ تبرا الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأو العذاب وتقطعت بھم الاسباب ۵ "جب وہ جو پیشوا بنائے گئے تھے ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے جو اُن کے پیرو تھے اور عذاب کو دیکھیں گے اور تمام اسباب کٹ جائیں گے" یہاں پہلے تو ان لوگوں کا ذکر ہے جنہیں خدا کا شریک یا شریک نہیں تو اپنا رہنما یا لیڈر بنایا گیا تھا۔ یہ دو قسم کے پیشوا ہونگے۔ ایک تو وہ خدا کے رسُول مثلاً حضرت عیسےٰؑ، مہاتما بُدھ، رام چندر جی یا کرشن مہاراج جنہیں خدا یا خدا کا شریک بنا لیا گیا۔ قیامت کے روز وہ یقیناً اپنے پیروؤں کے شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے کیونکہ تمام نبی اور رسول خدا کی توحید کا علم دینے آئے تھے۔ جیسا کہ قرآن میں دوسری کئی جگہ بتایا گیا ہے۔

دوسرے پیشوا وہ مذہبی پیشوا اور پیر فقیر یا دنیاوی لیڈر ہیں جن کی لوگ اندھا دُھند فرمانبرداری کرتے ہیں اگرچہ ان کی فرمانبرداری میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانبرداری بھی ہو جائے یہ سب شرک ہے۔ تو فرمایا کہ جب عذاب سامنے آئیگا تو وہ مذہبی پیشوا اور پیر فقیر یا دنیاوی لیڈر اپنے پیروؤں سے بیزاری کا اظہار کرینگے۔ یہ نظارہ اس دنیا میں بھی نظر آتا ہے کہ جب سزا آئے تو ایسے پیشرو فوراً اپنے پیروؤں سے مکر جاتے ہیں اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں میں نے اسے اپنی سرکاری نوکری کے اندر بارہا دیکھا ہے تو فرمایا کہ خدا کو چھوڑ کر انسانوں کی جو فرمانبرداری کرتے ہیں انکے یہ مصنوعی یا انسانی خدا سزا کو دیکھ کر اپنی ذمہ داری یا دوہری جوابدہی سے بچنے کیلئے خود ان پیروؤں سے اپنی بیزاری کا اظہار کریں گے کہ ہم نے تو انہیں یہ نہیں کہا تھا کہ ہمیں خدا کی فرمانبرداری میں شریک یا خُدا سے بڑھ کر بنالو۔ تیسری بات یہ فرمائی کہ اسباب تمام کٹ جائینگے۔ اسباب پرستی بھی شرک ہے مثلاً اکثر دنیا نے دولت کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے اور سمجھتے ہیں کہ اس سے انکے سب کام نکل جائینگے۔ یا وہ دنیاوی عہدوں کو یا عہدہ داروں (خواہ وہ افسر ہوں یا سیاستدان) کو سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے کام آئینگے یا صرف دوا کو یا ڈاکٹر کو اپنی بیماری سے نجات پانے کا سبب سمجھتے ہیں اور انکی نگاہ اس سے آگے اصل شافی و کافی یعنے اللہ تعالیٰ تک نہیں جاتی۔ یا صرف اپنی کوشش پر بھروسہ ہے۔ نہ کہ کوشش کر کے اللہ کے فضل کو بھی شامل حال بنانے کیلئے دعاگو ہوں۔ تو فرمایا کہ تمام اسباب جن سے دھوکا کھا کر انسان اسباب پرستی کرتا ہے وہ بھی کٹ جائیں گے اور انسان کے کام نہ آئیں گے۔

آخری بات یہ فرمائی وقال الذین اتبعوا لوان لنا کرۃ فنتبرا منھم کما تبرء وامنّا کذلك یریھم اللہ اعمالھم حسرات علیھم وما ھم بخارجین من النّار ع " اور وہ جو پیرو تھے کہیں گے کہ کاش ہمارے لئے پھر کر جانا ہوتا تو ہم ان پیشواؤں اور لیڈروں سے اسی طرح بیزار ہوتے جس طرح وہ ہم سے بیزار ہیں۔ اسی طرح اللہ ان کے اعمال ان پر حسرتیں کر کے دکھائے گا۔ اور وہ آگ سے باہر نہ نکل سکیں گے"۔

یہ نظارہ بھی میں نے اپنی پبلک لائف اور دنیا کے تجربہ میں بارہا دیکھا ہے کہ سزا آنے پر نہ صرف لیڈر مکر جاتے ہیں اور اپنے پیروؤں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں بلکہ اُن کے پیرو بھی حسرت کرتے ہیں کہ کاش گیا وقت واپس آسکتا تو وہ ایسے لیڈروں یا مذہبی پیشواؤں سے ویسا ہی سلوک کرتے جیسا انہوں نے

کیا یا ان کی پیروی نہ کرتے۔ فرمایا کہ یہ حسرتیں ہی اُن کے لئے دکھ اور جلنا بن جائیں گے۔ اور ان کے علاوہ باہر کی آگ کے عذاب سے وہ نکلنا چاہیں گے مگر نکل نہ سکیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود عذاب سے خلاصی نہ پا سکیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہنم کی سزا کبھی ختم نہ ہو گی کیونکہ قرآن نے کئی جگہ واضح کیا ہے کہ بدی کی سزا اس کے مطابق ہو گی۔ اور ظاہر ہے کہ جب وہ سزا پوری ہو جائے گی اور انسان کی اصلاح ہو جائے گی تو پھر اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے نکال لے گا۔ حدیث شریف سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

***

بقیہ تنظیم خواتین احمدیہ کی سرگرمیاں

اس طرح یہ مبارک تقریب، اللہ کے فضل سے کامیاب رہی۔ یہ کم از کم میرے لئے ایک معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ الحمد للہ۔

انشاء اللہ آئندہ "یوم مسیح موعود"۔ ملتان میں منایا جائے گا۔ خط و کتابت جاری ہے۔ وہاں کا پروگرام بھی وہاں کی صدر محترمہ فرحت نشاط صاحبہ اور سیکرٹری محترمہ نصرت مبارک صاحبہ تجویز فرمائیں گی۔ تاریخ کا انتظار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بیرون ملک بہنوں سے سارا سال خط و کتابت کا سلسلہ رہتا ہے۔ امسال عید کے موقع پر بہنوں کے عید کارڈ موصول ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض نجی تھے اور کچھ ایسے تھے جن میں تمام جماعت کی بہنوں کے لئے سلام اور عید مبارک کا پیغام تھا۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

محترمہ جمیلہ صبور رملی نائب صدر جماعت خواتین سورینام اور یہاں کی ہی خواتین کی جماعت کی سیکرٹری صفیون الٰہی بخش صاحبہ، ہالینڈ سے فریدہ نبی بخش صاحبہ فجی سے محترمہ مسز ڈین صاحبہ جو گذشتہ سالانہ اجلاس میں خواتین کے اجلاس کی صدر تھیں۔ اور امریکہ سے ہماری فعال بہن عزیزہ زکیہ ظفر عبداللہ صاحبہ جو مندوب امریکہ سے سورینام بھی گئیں۔ اور ۱۹۸۰ء میں لاہور بھی آئیں۔ انگلستان سے نومسلم بہن عطیہ صاحبہ جن کی حال ہی میں شادی ہالینڈ کے ایک نومسلم بھائی سے ہوئی۔ اللہ مبارک کرے۔ آمین

— *** —

محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ

تنظیم خواتین احمدیہ کی سرگرمیاں

امسال تنظیم خواتین احمدیہ لاہور کے سالانہ انتخابات کے نتیجہ میں مزید دو سال کے لئے پرانے عہدیداروں کو منتخب کر لیا گیا۔ ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ بیرونی جماعتوں کے رابطہ اجلاس میں یوم مسیح موعود منایا جائے۔ لہٰذا پہلا اجلاس بدوملہی میں ہوا۔ رپورٹ حسب ذیل ہے۔

بدوملہی رقبہ کے لحاظ سے ایک چھوٹا سا قصبہ ضرور ہے لیکن یہاں کی جماعت کے ممبر بہت فعال ہیں۔ خواتین کی شرح خواندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہاں چند بچیوں نے اب میٹرک تک تعلیم بھی حاصل کر لی ہے۔ ان کو یہ کہنا کہ آپ جلسہ کا پروگرام خود مرتب کریں اور خود ہی CONDUET کریں بظاہر ناممکن تھا لیکن ہمت مرداں مدد خدا۔ مجھے یاد ہے جب ۱۹۸۰ء میں وہاں خواتین کا پہلا اجلاس ہوا تو وہاں کی صدر صاحبہ بمشکل چند لکھے ہوئے استقبالی جملوں کے اور کچھ نہ کہہ سکیں۔ لاہور سے میں اور عزیزہ خدیجہ منصور احمد صاحبہ گئیں۔ جلسہ گاہ خواتین سے باوجود شدید گرمی کے کھچا کھچ بھری تھی۔ جلسہ کے بعد ہم بدوملہی اور اس سے ملحق گاؤں میں گھر گھر جا کر بہنوں کی مزاج پرسی کی۔ دوسرا اجلاس پچھلے سال ہماری نائب صدر عزیزہ زبیدہ محمد احمد صاحبہ کی قیادت میں ہوا۔ میں شامل نہ ہو سکی۔ کیونکہ ان دنوں انگلستان میں تھی۔ یہ اب ہمارا تیسرا اجلاس ایک نیا تجربہ تھا۔ لاہور سے میں اور عزیزہ زبیدہ محمد احمد صاحبہ اور اس دفعہ ہم نے ایک نہایت عمدہ مقررہ عزیزہ پروین چوہدری صاحبہ کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے اوکاڑہ سے مدعو کیا۔ پہلی گاڑی بدوملہی کو صبح چار بجے روانہ ہوئی۔ لہٰذا ہم اپنے گھروں سے ساڑھے تین بجے صبح روانہ ہو کر ۸ بجے بدوملہی پہنچے۔ محترمہ مجیدہ بیگم جو صدر ہیں اسٹیشن پر استقبال کے لئے موجود تھیں وہاں سے ہم شیخ اللہ بخش صاحب کے گھر ناشتہ اور آرام کرنے کے بعد جلسہ گاہ میں پہنچے۔ بہت اعلیٰ انتظام تھا۔ اب ذرا پروگرام ملاحظہ ہو۔

تلاوت و ترجمہ :- محترمہ آمنہ بی بی صاحبہ

نعت ، بدوملہی کی بچیاں

ملفوظات : محترمہ مجیدہ بیگم صاحبہ از بدوملہی

سیرت و اخلاق سرور کائنات صلعم : محترمہ پروین چوہدری صاحبہ اوکاڑہ

الہامات مجدد صد چہاردہم : محترمہ فرخ صاحبہ بدوملہی

تقریر : محترمہ زبیدہ محمد احمد صاحبہ

" " مجیدہ بیگم صاحبہ از بدوملہی

" " محترمہ آمنہ بی بی صاحبہ از بدوملہی

اختتامی تقریر و دعا ، رضیہ مدد علی صاحبہ

سٹیج سیکرٹری :- محترمہ شگفتہ صاحبہ بدوملہی۔

(بقیہ کالم ۱ پر)

بجواب مولوی تاج محمد صاحب مدرس مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی

(مدیر پیغام صلح)

مکرمی جناب مولوی تاج محمد صاحب ۔ مدرس مدرسہ قاسم العلوم ۔ فقیروالی

آداب وتسلیمات!

میں نے آپ کو "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" سے اس لئے مخاطب نہیں کیا کہ آپ مجھے غیر مسلم سمجھتے ہیں لیکن میں اپنے آپ کو قرآن وحدیث میں مسلمان کی تعریف کے مطابق خدا کے فضل سے مسلمان سمجھتا ہوں۔ آپ صاحب علم اور ایک دینی مدرسہ کے استاد ہونے کی حیثیت میں یہ بخوبی جانتے ہیں کہ جو کوئی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے اور آنحضرت صلعم کی اس حدیث " من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ و ذمۃ رسول اللہ فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ" (بخاری ۸ ، ۲۸) کے مطابق عمل کرنے والے کو کافر کہتا ہے تو آنحضرت صلعم ہی کی حدیث کے مطابق کفر اُلٹ کر کافر کہنے والے پر ہی پڑ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلعم نے کسی عالم۔ فاضل فقیہہ سیاسی ادارے یا اس کے صدر اور وزیراعظم کو کہیں یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ انی من المسلمین کہنے والے کو کافر قرار دے سکتا ہے۔ یہ میرا آپ کو بلکہ تمام دنیا کے مسلمان علماء کو چیلنج ہے کہ اگر وہ ایسی قرآنی آیت یا حدیث پیش کر سکتے ہیں تو پیش کریں جو انہیں مسلمانوں کو کافر بنانے کا اختیار دیتی ہے ورنہ خدا کے غضب سے ڈریں کیونکہ قدرت کی تعزیریں بہت سخت ہیں ۔ وہ ظالموں کو صرف اپنے بداعمال سے رجوع کرنے کی مہلت دیتا ہے معاف نہیں کرتا ۔ اگر وہ رجوع کی بجائے اپنے ظلم واستبداد میں بڑھتے ہی جائیں تو پھر اس کی گرفت ایسی سخت ہوتی ہے کہ ان کے لئے نہ کوئی ملجا ہوتا ہے اور نہ ماویٰ ۔

آنحضرت صلعم نے تو یہ تک فرمایا ہے کہ ما من احد یشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ صدقا من قلبہ الا حرمہ اللہ علی النار (بخاری ۳ : ۴۹) کیا کسی نے ہمارا دل چیر کر دیکھا ہے کہ ہم صدق دل سے یہ کلمہ نہیں پڑھتے اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو وہ خدائی کا دعویدار ہے کیونکہ " ان اللہ علیم بذات الصدور اور فانہ یعلم السر واخفیٰ کی قرآنی آیات کے سامنے ہوتے ہوئے اگر کوئی کہے کہ میں دوسرے کے سینوں میں چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہوں تو وہ خدا ہونے کا دعوای کرتا ہے اور بغداد اور فرعون کی طرح خدائی کا دعوے کرنے والوں کا انجام عبرتناک ہوتا رہا ہے۔ حضرت موسےٰ سے مقابلہ کرنے والے فرعون کی تو عبرت کے لئے ممی بھی آج تک محفوظ ہے۔

آپ کو " السلام علیکم" سے مخاطب نہ کرنے کے متعلق اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ آپ کا مضمون " لاہوری مرزائیوں کے [illegible] مجلس تحفظ ختم نبوت کے ہفت روزہ ترجمان "ختم نبوت" کراچی بابت ۴ تا ۱۰ فروری ۱۹۸۳ء شمارہ ۳۵ میں نظر سے گذرا۔ اس میں جو نکات آپ نے اٹھائے ہیں وہ ہم سے زیادہ آپ کیلئے لمحہ فکریہ ہیں۔ میں ان نکات کے جوابات نمبروار درج ذیل کرتا ہوں۔ آپ اپنے مضمون کو سامنے رکھ کر انہیں پڑھیں اور غور کریں کہ ہمیں الزام دینے کے ساتھ آپ نے اور کہاں کہاں اور کس پر بلاسوچے سمجھے حملے کئے ہیں ۔

پہلا نکتہ (۱) آپ فرماتے ہیں کہ " مرزا صاحب کو جب حکومت ہی حاصل نہ تھی تو پھر حکم وعدل کیسے ہوئے" اس سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی مامور الٰہی کو حکومت نہ ملے وہ حکم وعدل نہیں ہو سکتا۔ آپ کا یہ فرمانا قرآن کریم کے ارشادات کے صریحاً خلاف ہے کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے۔

(ا)۔ کان الناس امۃ واحدۃ ۚ فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ ط (البقرۃ ۲۱۳) اس آیت میں انبیاء کی بعثت اور انہیں کتاب دینے کی غرض تو صرف اتنی بتائی گئی ہے کہ وہ کتاب کے مطابق لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کا فیصلہ کریں ۔ قرآن کریم میں صرف تین ایسے انبیاء حضرت سلیمان حضرت داؤد اور آنحضرت صلعم کا ذکر ہے جنہیں نبوت کے ساتھ حکومت بھی ملی۔ تو آپ کے عقیدہ کے مطابق کیا باقی تمام انبیاء جنہیں حکومت نہیں ملی تھی حکم عدل نہیں تھے اور اگر نہیں تھے تو وہ لوگوں کے درمیان کن اختلافات کا فیصلہ کرنے کیلئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔

(ب)۔ انا انزلنا التورٰۃ فیھا ھدی ونور ۚ یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا والربنیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شھداء ۚ (المائدہ ۴۴)

حضرت موسیٰ تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے حالانکہ انہیں حکومت نہیں ملی تھی۔ آپ کے بعد اسی کتاب کے مطابق بنی اسرائیل کے احبار اور رہبان بھی فیصلے کرتے رہے لیکن ان میں سے کسی کے متعلق یہ بیان نہیں ہوا کہ انہیں حکومت ملی اس لئے وہ حکم عدل کا فرض ادا کرتا رہا۔ سلسلہ بنی اسرائیل کے بے شمار انبیاء بادشاہ یا حکمران نہیں تھے لیکن وہ تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے کیا یہ سب کے سب حکم عدل نہیں تھے۔

(ج)۔ ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ ط ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون (المائدہ ۴۷)

انجیل حضرت عیسےٰ پر نازل ہوئی لیکن انہیں بھی حکومت نہ ملی۔ آپ کے بعد انجیل کے ماننے والوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اس کے مطابق فیصلے کریں لیکن عیسائیوں کے علماء کو بھی حکومت نہ ملی۔ جنہیں حکومت ملی انہوں نے بھی اس کے مطابق فیصلے نہ کئے اور تفرقات میں مبتلا ہو گئے۔ تورات کے باوجود یہودیوں میں ۷۲ فرقے ہو گئے

ان کے اختلافات کو مٹانے کے لئے انجیل نازل ہوئی لیکن یہودیوں نے اختلاف کرتے ہوئے حضرت مسیح کو صلیب پر لٹکوا دیا۔

یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے اختلافات کو ختم کرنے کے لئے آنحضرت صلعم تشریف لائے اور آپ کو قرآن دیا گیا۔ قرآن کو ماننے والے اب کتنے فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ کیا کوئی حکمران ان اختلافات کو ختم کرنے اور مسلمانوں کو متحد کرنے کی جرأت کر سکا ہے۔

د :- اللہ یحکم بینکم یوم القیٰمۃ فیما کنتم فیہ تختلفون (الحج ۶۹)

یہ کون سے اختلافات ہیں جن کا فیصلہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن کرے گا۔ زن زر اور زمین کے جھگڑے تو مرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے۔ اگر آپ کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسےٰ دوبارہ دنیا میں حکم عدل بن کر آئیں گے۔ انہیں حکومت ملے گی اور وہ لوگوں کے درمیان تمام جھگڑوں اور اختلافات کا فیصلہ کر دیں گے تو پھر وہ کون سے اختلافات اور جھگڑے باقی رہ جائیں گے جن کا فیصلہ اللہ تعالےٰ نے قیامت تک اٹھا رکھا ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے اگر آپ کو تاریخ کا تھوڑا سا بھی علم ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کفار مکہ اپنے جھگڑے فیصلہ کے لئے آنحضرت صلعم کے پاس اسوقت بھی لاتے تھے جب آپؐ منصب نبوت پر فائز نہیں ہوئے تھے۔ اور آپؐ ہمیشہ عدل اور حکمت کے ساتھ فیصلے فرماتے تھے۔ کیا آپ کے نزدیک حضور صلعم حکم عدل نہیں تھے؟

قرآن کریم سے یہ شہادت کہیں سے نہیں ملتی کہ حکم عدل وہی ہو سکتا ہے جسے حکومت ملے کیونکہ سوائے چند ایک کے بے شمار انبیاء ایسے ہیں جنہیں حکومت نہیں ملی لیکن وہ حکم عدل تھے۔

حضرت مرزا صاحب کا حکم عدل ہونا

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب اختلافات عقائد کو قرآن کریم کی روشنی میں ختم کرنے کے لئے حکم عدل ہو کر تشریف لائے تھے۔ آپ کا دعوےٰ مسیح موعود ہونے کا تھا۔ ابن مریم کے نزول کے متعلق اس حدیث میں عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہٖ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب (رواہ بخاری) حکماً عدلا " کی تفسیر خود ان الفاظ میں بیان ہو جاتی ہے کہ فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب یعنی اس حکم عدل کا کام کسر صلیب۔ قتل خنزیر اور جنگوں کا خاتمہ ہوگا۔ کسر صلیب سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ گرجوں پر نصب یا عیسائیوں کے گلوں میں پڑی ہوئی صلیب کو توڑتا پھرے گا۔ بلکہ اس کا صاف طور پر مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں عیسائیت کا غلبہ ہوگا اور یہ اسلام کو دنیا سے مٹانے کی کوشش کرے گی۔ اس وقت اللہ تعالےٰ کے کسی ایسے فرستادہ کی ضرورت ہوگی جو عیسائیت کے اس غلبہ کو جنگ و جدل کے ذریعے نہیں بلکہ اس کے الوہیت مسیح اور کفارہ کے عقائد باطلہ کو انہی کی کتاب انجیل کی تعلیم کی رُو سے غلط ثابت کرے اور آنحضرت صلعم کی حضرت مسیح پر فضیلت اور قرآن کریم کی تعلیم کو سابقہ کتب کی محرف مبدل تعلیم کے مقابلہ میں کامل اور اکمل اور نسل انسانی کے لئے واحد ذریعہ نجات ثابت کرے اور اس طرح اسلام کو تمام دینوں پر غالب کر کے دکھائے۔ بتائیے یہاں حکماً عدلاً کے ساتھ یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ اسے حکومت ملے گی اور وہ بطور حاکم لوگوں کے درمیان فیصلے کرے گا۔ عدل کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ انصاف سے کام لے گا یعنی کتب سابقہ کی جو تعلیم صحیح ہے اور قرآن کریم میں محفوظ ہو چکی ہے اُسے صحیح تسلیم کریگا اور اس میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ انسانی ہاتھوں نے جو تحریف کر دی ہے اسکی نشاندہی کر کے اُسے غلط ثابت کریگا اور اس کے لئے وہ حکمت اور موعظہ حسنہ سے کام لے گا یعنی بڑی خوبی کے ساتھ دلائل سے کام لے گا۔ کیونکہ قرآن کریم کا یہی حکم ہے۔ ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (النحل ۱۲۵)۔ زن۔ زر۔ زمین کے جھگڑے بھی جب کسی حاکم کی عدالت میں لیجائے جاتے ہیں تو وہ بھی دلائل سن کر قوانین ملک کی پابندی کے ماتحت حق و ناحق کا فیصلہ دیتا ہے۔ مذہبی اختلافات میں یہ فیصلہ وہی دے سکتا ہے جسے اللہ تعالےٰ نے اس مقصد کے لئے اپنی طرف سے حاکم بنا کر بھیجا ہو۔ یہ کسی عام حاکم کا کام نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث پر بھی غور فرمائیں۔

"عن ابی ھریرۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال یوشک من عاش منکم ان یلقیٰ عیسیٰ ابن مریم اماما مھدیًا وحکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ وتضع الحرب اوزارھا" اس حدیث میں عیسےٰ ابن مریم کو ہی امام مہدی بھی کہا گیا ہے اور یہ کہ وہ مسلمانوں میں سے ہی ان کا امام ہوگا جیسا کہ اس حدیث سے عیاں ہوتا ہے۔

"کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم" ابن مریم تم میں سے ہی تمہارا امام ہوگا۔ "کیف انتم" کے الفاظ مسلمانوں کی اس پستی کی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس سے انہیں نکالنے کے لئے اس امام کا ظہور ہوگا۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد و مسیح موعود کی آمد کے وقت مسلمانوں کی جو سیاسی معاشی۔ اخلاقی اور روحانی حالت تھی تاریخ برصغیر بلکہ تاریخ عالم اس پر گواہ ہے عیسائیت کو مذہب کے میدان میں جو آپ نے شکست فاش دی اس پر آپ کے دشمنوں نے بھی مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

اس حکم عدل کا یہ کام بھی ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی قرآنی ہدایت کی طرف رہنمائی کرے تاکہ ان کے اندر قرآن کریم کی تعلیمات کے خلاف جو غلط تصورات پیدا ہو چکے ہوں گے اور جن کی وجہ سے وہ فرقوں میں بٹ گئے ہوں گے ان کو ختم کر کے حبل اللہ کو پھر سے مضبوطی سے پکڑنے اور اپنے اندر اتحاد پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائے تاکہ جن دشمنوں کے حملوں کی وجہ سے وہ محرومیت کا شکار ہو گئے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے اور اپنی شکست کو فتح میں بدلنے کے قابل ہو جائیں یہی حکماً عدلا کا فرض اولین ہے کیونکہ اس قسم کے اختلافات کو مٹانے کی کوئی حکومت اہل نہیں ہوتی اور نہ وہ مٹانا چاہتی ہے۔ کیونکہ اس کا مفاد اسی میں ہوتا ہے کہ لوگ آپس میں لڑتے رہیں اور حاکم حکومت کرتے رہیں۔ یہ محض اہل اللہ کا ہی کام ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو صحیح راہ کی طرف دعوت دیں کیونکہ انہیں حکومت

سے کوئی غرض نہیں ہوتی ۔ وہ تو صرف اللہ تعالےٰ کا نام دنیا میں بلند کرنے کیلئے آتے ہیں تاکہ اس کی حاکمیت زمین میں قائم کریں۔ آنحضرت صلعم کے بعد جو بھی اللہ کا بندہ اس غرض کے لئے کھڑا ہوا ہے۔ حکام وقت اور اس دور کے علماء نے اس کی مخالفت کی ہے کیونکہ قرآن کی طرف بلانے سے اس طبقہ کے مخصوص دنیوی مفادات پہ زد پڑتی ہے ۔

مذہبی اختلافات سیاسی اختلافات کا روپ دھار لیتے ہیں جن سے آپس میں تصادم ۔ فتنہ و فساد اور کشیدگی کی فضا قائم ہو کر ملک کے امن و امان کی تباہی و بربادی کا موجب بنتی ہے اور دشمن اسلام بیرونی طاقتوں کے لئے مداخلت کا راستہ ہموار کر دیتی ہے۔ سپین بغداد اور ہندوستان میں کیا ہوتا رہا ہے اور آج کل پاکستان میں کیا ہو رہا ہے ۔ خدا کے لئے اس پر غور فرمائیں۔ یہاں کے حکمران تو مسلمان ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ حکم عدل کا فریضہ انجام نہیں دے سکتے

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے پاکستان کے باشندو

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

(شعر میں تھوڑے سے تصرف کیلئے ہم روح اقبال سے معذرت خواہ ہیں)

ان فرقہ وارانہ اور عقائد کے اختلافات کو ہوا دے کر خدا کے غضب کو مت بھڑکائیں اور اس کے عذاب کو مت آواز دیں کیونکہ جب اس کا غضب بھڑکتا اور عذاب آتا ہے تو پھر پناہ دینے والا کوئی نہیں ہوتا ۔ وہ فرماتا ہے۔ ومن یحلل علیہ غضبی فقد ھوٰی ۔ آپ لوگ جو اپنے آپ کو دین کا ستون اور عالم سمجھتے ہیں آپ کے سامنے قرآن کریم کی یہ آیت " لکم دینکم ولی دین " کیوں نہیں آتی کیونکہ ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہٖ وھو اعلم بالمھتدین ۔ اللہ تعالےٰ کے ان ارشادات کے خلاف آپ لوگوں نے جو بزعم خویش اپنے آپ کو علماء سمجھتے ہیں یہ کیوں سمجھ رکھا ہے کہ آپ اللہ تعالےٰ سے زیادہ جانتے ہیں کہ کون ہدایت پر ہے ۔ اور کون گمراہی پر۔ یہ تو اپنے آپ کو خدا کے ساتھ شریک بنانا ہے۔

دوسرا نکتہ (۲) دوسرا نکتہ جو آپ نے اپنے مضمون میں اٹھایا ہے وہ مختصراً یہ ہے کہ لاہوری مرزائی عیسٰی کی وفات کے بارے میں تو مرزا صاحب کو حکم عدل مانتے ہیں لیکن ان کی بن باپ پیدائش کے عقیدہ میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں اس لئے وہ نیچری ہیں ۔ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت مولانا محمد علی رح اور حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب رح کی ان تحریرات کے حوالے پیش کئے ہیں جن میں انہوں نے مسیح کی با باپ پیدائش کے متعلق لکھا ہے ۔ اس لئے مرزا صاحب کے عقیدہ کے مطابق وہ نیچری حضرت مریم کی عزت پر حملہ کرنے والے ۔ دائرہ اسلام اور دائرہ مرزائیت سے خارج ہیں ۔ ان کا خدا مردہ ہے اور ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

اس کا جواب تو آپ نے خود ہی اربعین نمبر ۳ ۔ حاشیہ ۳۴ سے اقتباس میں خود ہی دیدیا ہے کہ " مگر جو شخص مجھے دل سے قبول نہیں کرتا تم اس میں نخوت خود پسندی ۔ خود اختیاری پاؤ گے پس جانو کہ وہ مجھ سے نہیں ہے کیونکہ وہ میری باتوں کو جو مجھے خدا سے ملی ہیں عزت سے نہیں دیکھتا اس لئے آسمان پر اس کی عزت نہیں۔

" نخوت ۔ خود پسندی اور خود اختیاری " یہ ساری باتیں تو آپ پر چسپاں ہوتی ہیں کیونکہ آپ تو دل سے کیا زبان سے بھی حضرت مرزا صاحب کی ان باتوں کے قائل نہیں جو انہیں خدا سے ملیں بلکہ ان کے الہامات کا مذاق اڑاتے ہیں ۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کریم میں فرما دیا گیا ہے واذا قیل لہ اتق اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم فحسبہ جھنم ؕ ولبئس المھاد ۔ اس لئے آسمان پر آپ جیسے لوگوں کے لئے عزت نہیں ۔ ہم پر یہ فتوٰی اس لئے نہیں لگ سکتا کہ حضرت مرزا صاحب کو جو باتیں خدا سے ملی ہیں ہم انہیں دل سے مانتے ہیں اور ان کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں ۔ مسیح کی ولادت بغیر باپ کے متعلق آپ ان کی ۸۰ کے قریب کتب رسالہ جات اشتہارات اور خطوط میں سے یہ ہرگز نہیں بتا سکتے کہ مسیح کی بن باپ پیدائش کے متعلق انہیں خدا نے بتایا ہے ۔ اس کے برعکس وفات مسیح کے متعلق آپ کو اللہ تعالےٰ نے بذریعہ الہام یہ خبر دی کہ " مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے ۔ وجعلنٰک المسیح ابن مریم ۔ اور دوسرا الہام ہے ۔ الحمد للہ الذی جعلک المسیح ابن مریم ۔ اور تیسرا الہام ہے انت الشیخ المسیح الذی لایضاع وقتہ ۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ان متواتر الہامات کے ذریعے مسیح ابن مریم کی وفات کی خبر دی اور آپ نے ایک سال تک قرآن کریم کی آیات اور اس سے متعلق احادیث پر غور و تحقیق کے بعد قرآن مجید کی تیس آیات سے یہ ثابت کر دکھایا کہ واقعی مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے، اور اس کے متعلق آپ نے " ازالہ اوہام " نامی کتاب تصنیف فرمائی جس کے دلائل کو آج تک غلط ثابت کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی ۔ اور نہ انشاء اللہ آئندہ کوئی توڑنے والا پیدا ہو گا ۔ اس انکشاف سے پہلے آپ کا وہی روائتی عقیدہ چلا آ رہا تھا کہ مسیح ابن مریم زندہ ہے اور آسمان سے نازل ہو گا ۔ چنانچہ براہین احمدیہ حصہ چہارم ۔ پہلی فصل (صفحہ ۳۱۳ ۔ نیا ایڈیشن اور ص ۴۹۹ پرانا ایڈیشن) حاشیہ در حاشیہ ۳ میں آیت ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ ۔ کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

" یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشگوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا ۔ اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا ۔ براہین احمدیہ ۱۸۸۴ء کی تصنیف ہے اور جو الہام آپ کو مسیح کی وفات کے متعلق ہوا وہ ۱۸۹۰ء کا ہے ۔ ایک سال تک تحقیق کے بعد آپ نے مسیح موعود کا دعوٰی ۱۸۹۱ء میں کیا ۔ اس الہام کے بعد آپ نے اپنے پرانے حیات مسیح کے عقیدہ سے رجوع کر لیا ۔ کیونکہ اس کا علم آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے دیا گیا تھا ۔ اس لئے ہم حیات مسیح کا انکار کرتے اور وفات مسیح کے قائل ہیں ۔ مسیح کی بن باپ پیدائش کے اس لئے قائل نہیں ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ مسیح کی پیدائش بغیر باپ کے متعلق مجھے اللہ تعالےٰ نے بذریعہ الہام بتایا ہے اور میں نے قرآن و حدیث سے تحقیق کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ مسیح کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی ہے ۔

اس بارے میں یہ بڑا مشہور واقعہ ہے کہ آپ کے ایک مرید شیخ قمر الدین صاحب مرحوم و مغفور جو جہلم کے رہنے والے تھے مسیح کی پیدائش با باپ کے قائل تھے۔

آپ کو حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے اپنے اس عقیدہ کی تائید میں قرآن کریم سے چند ایک آیات پیش کیں۔ یہ سن کر حضرت صاحب نے فرمایا ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ جاؤ تم میری جماعت سے نکل جاؤ۔ تمہارا خدا مردہ خدا ہے۔ تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔ تم نیچری ہو کیونکہ تم میری طرح مسیح کی بن باپ پیدائش کے قائل نہیں اور نہ ہی اس قسم کی باتیں آپ کی زبان سے حضرت مولانا محمد علی" اور حضرت ڈاکٹر بشارت احمدؒ کے متعلق پڑھنے یا سننے میں آئی ہیں بلکہ حضرت مولانا محمد علی کو تو آپ نے اپنے ہاتھ سے قائم کردہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کا سیکرٹری نامزد کیا۔ آپ ہی کے ہاتھ سے قرآن کریم کی "بیان القرآن" جیسی بے نظیر تفسیر انگریزی اور اردو زبان میں حضرت مرزا صاحب کی خواہش کے مطابق لکھی گئی جس سے آج اپنے آپ کو علماء دین سمجھنے والے بھی درس دے کر لوگوں سے داد تحسین حاصل کرتے ہیں لیکن یہ ظاہر کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ یہ حضرت مرزا صاحب کے ایک محب اور شاگرد رشید مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور کے فیوض قلم کا نتیجہ ہے بلکہ سو ورق کو پھاڑ دیتے ہیں کہ کسی کو ہماری کوتہ علمی اور سرقہ کا پتہ نہ چل جائے۔ حضرت مولانا کی دوسری بے مثال کتاب جسے عالمگیر مقبولیت حاصل ہوئی ہے "دی ریلیجن آف اسلام" ہے جس کے تراجم کئی دوسری غیر ملکی زبانوں میں ہو چکے ہیں اور وہ کالجوں۔ یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہے اور اس سے فیصلوں میں بھی مدد لی جاتی ہے۔ یہ ہے وہ آسمانی عزت جو حضرت مولانا محمد علی رح کو حضرت مرزا صاحب کی ہم نشینی سے حاصل ہوئی اور جس کے متعلق وہ خود فرماتے ہیں۔ ل

جمال ہم نشیں درمن اثر کرد + وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

مولوی صاحب! یہی وہ "نیچری" ہیں جن کی "دعا قبول نہیں ہوتی" اور جن کا خدا مردہ ہے"۔ جنہوں نے دنیا کو صحیح اسلام کی روشنی سے روشناس کیا ہے اور غیر مسلم علماء کو قرآنی ہدایت اور رشد کا راستہ دکھایا ہے۔ کیا آپ جن کا "خدا زندہ ہے" اور جو حضرت مسیح کو بن باپ مانتے ہیں ان کے مقابل پر کسی کو لا سکتے ہیں؟ عزت آسمان پر ہو یا زمین پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ بندوں کے ہاتھ میں اور خاص کر ان کے ہاتھ میں تو ہرگز نہیں جن کے دل بغض و حسد کی بیماریوں سے کھائے جا چکے ہیں۔

اس کے بعد میں اُن قرآنی آیات کی طرف آتا ہوں جن کے مطابق ہم حضرت عیسٰے کو باباپ تسلیم کرتے ہیں۔

ل: سورۃ الانعام ۸۴ تا ۸۷:- آیت ۸۴ تا ۸۶ میں حضرت اسحٰق۔ حضرت یعقوبؑ حضرت نوحؑ۔ حضرت داؤدؑ۔ حضرت سلیمانؑ۔ حضرت ایوبؑ۔ حضرت یوسفؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت ہارونؑ۔ حضرت ذکریاؑ۔ حضرت یحییٰؑ۔ حضرت عیسٰےؑ۔ حضرت الیاسؑ۔ حضرت اسماعیلؑ۔ حضرت یسعؑ۔ حضرت یونسؑ اور حضرت لوطؑ کا ذکر ہے ان تمام انبیاء کے ذکر کے بعد آیت ۸۷ میں فرمایا گیا ہے۔

"ومن ابائھم وذریّتھم واخوانھم ج واجتبینٰھم وھدینٰھم الی صراط مستقیم"۔ ان کے باپ دادوں اور اولادوں اور بھائیوں میں سے ---- الخ اس سے تو نہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کا باپ تھا بلکہ ان کی اولاد بھی تھی اور ان کے بھائی بھی تھے۔

ب: الانعام ۱۰۱:- "انی یکون لہٗ ولد ولم تکن لہٗ صاحبۃ"۔ اس کا بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے اور اس کی کوئی جورو یا بیوی نہیں۔ یعنی بیٹے کے لئے ماں باپ دونوں کا ہونا لازمی ہے۔

ج: الجن ۳: "وانہٗ تعٰلیٰ جدّ ربّنا ما اتخذ صاحبۃ ولا ولدًا" یہاں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ نہ اس کی کوئی بیوی ہے اور نہ بیٹا۔ اسکی شان ان بشری ضروریات اور تقاضوں سے بہت بلند اعلیٰ اور ارفع ہے۔

د:- الفرقان: "وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہٗ نسبا وصھرا"۔ اگر حضرت عیسٰے بشر تھے تو وہ بھی اسی پانی سے پیدا ہوئے جس سے ہر انسان پیدا ہوتا ہے۔ نسب ہمیشہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے اس لئے ان کا باپ ہونا چاہیئے اور اس کے علاوہ ان کا سسرال بھی۔ اگر آپ کے نزدیک وہ بشر نہیں اور اس سے کوئی بلند تر ہستی ہے تو اور بات ہے۔ حضرت عیسٰے کا نسب نامہ متی کی انجیل کے پہلے باب میں دیا ہوا ہے اور اس کا عنوان ہے "یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہام کا نسب نامہ" اس کے آخر میں ہے" اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے"۔ انجیل یہ بھی بتاتی ہے کہ حضرت عیسٰے کے اور بھائی بھی تھے۔ اب اس کا بار ثبوت آپ پر ہے کہ آخر وہ کون سے حالات تھے جنہوں نے یوسفؑ اور مریم کو مسیح کی پیدائش سے قبل وظیفۂ زوجیت ادا کرنے سے روکے رکھا۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ اس نسب نامہ میں سب نام مردوں کے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ نسب نامہ باپ کی طرف سے چلتا ہے۔ اگر حضرت مسیح بن باپ تھے تو بیچ میں یوسف کا نام لانے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھا لکھ دیا جاتا کہ مسیح بغیر باپ کے مریم کے بطن سے پیدا ہوا۔ یوسف بے چارہ بے کار کا خاوند بنا پھرتا رہا۔

حدیث سے ثبوت:

اب آیئے اس حدیث کی طرف جس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے عیسائی وفد کے آنے اور اس سے حضرت عیسٰےؑ کی ابنیت اور الوہیت پر بحث کا ذکر ہے۔ باقی تمام دلائل کے بعد حضور صلعم نے فرمایا۔

"کیا تم نہیں جانتے کہ عیسٰےؑ کو ایک عورت نے حمل میں لیا جس طرح عورت حمل میں لیا کرتی ہے۔ پھر اسکو جنا جس طرح عورت اپنا بچہ جنا کرتی ہے۔ الخ یہاں آپ نے کوئی استثنائی صورت بیان نہیں فرمائی ورنہ آپ فرماتے کہ "جس طرح عورت حمل میں لیا کرتی ہے سوائے مریم کے"۔ اب آپ جانتے ہیں کہ عورت کس طرح بچہ کو حمل میں لیتی ہے اور یہ سوائے مرد سے ملاپ کے ممکن نہیں۔

حضرت مریم نے بھی حضرت عیسٰےؑ کو اسی طرح حمل میں لیا جس طرح ہر عورت حمل میں لیتی ہے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کا باپ تھا جس کا نام یوسف ہے جیسا کہ یسوع مسیح کے نسب نامے میں بیان ہوا ہے۔

یہ حدیث تو یہی ثابت کرتی ہے کہ آنحضرت صلعم بھی حضرت عیسٰے کی باباپ پیدائش کے قائل تھے۔ اب فرمایئے آپ کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ آپ کے لئے لمحہ فکریہ نہیں؟

حضرت مرزا صاحب تو عیسائیت کے من گھڑت عقائد ابنیت اور الوہیت مسیح اور کفارہ کو جن پر مسیحیت کی ساری عمارت کھڑی ہے ختم کرنے کے لئے آئے تھے۔ آپ نے الوہیت مسیح کے عقیدہ کو ایک دوسری دلیل کے ذریعے توڑا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

قرآن شریف ہر ایک جگہ عیسائیوں کے ایسے دعاوی کو جن سے حضرت عیسٰی کی خدائی ثابت کی جاتی ہے، رد کرتا ہے جیسا کہ قرآن شریف نے حضرت عیسٰی کا بغیر باپ پیدا ہونا (جس پر اُن کی خدائی پر دلیل پیش کی جاتی ہے) یہ کہہ کر رد کیا کہ ان مثل عیسٰی عنداللہ کمثل آدم خلقہٗ من تراب ثم قال لہ کن فیکون " آپ نے قرآن کریم سے حضرت عیسٰی کی بے باپ پیدائش کی دلیلیں عیسائیوں کے ہاں مسلم نہیں اس لئے اُن کے سامنے وہ دلیل پیش کی ہے جس کے وہ قائل ہیں عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت آدم بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عیسٰی کا بغیر باپ پیدا ہونا ان کی خدائی کی دلیل ہے تو پھر حضرت آدم تو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے ہیں اس لئے خدائی میں ان کا رتبہ حضرت عیسٰی سے بلند تر ہونا چاہیئے انہیں خدا کیوں نہیں مانا جاتا۔

حضرت صاحب اسلام کے مخالف کو مسکت جواب ہمیشہ اسکی اپنی کتابوں اور مسلم عقائد کے حوالے سے دیا کرتے تھے۔ اب اس کا جواب عیسائیوں کے پاس کوئی نہیں یہیں سے حضرت مسیح ابن مریم کی الوہیت کا بُت پاش پاش ہو جاتا ہے۔

۳۔ تیسرا نکتہ:۔ حضرت مرزا صاحب اور حضرت مولانا محمد علی کے درمیان نبوت کے مسئلہ پر اختلاف عقیدہ کے اظہار کے لئے آپ نے جو تیسرا نکتہ اٹھایا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب "تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۷ پر واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ یہ آیت آخری زمانہ میں ایک نبی کے ظاہر ہونے کے متعلق ایک پیشگوئی ہے" یعنی اس کے مطابق حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا ہے۔ اور حضرت مولانا محمد علیؒ بیان القرآن کے صفحہ ۸۴۴ پر لکھتے ہیں کہ" یہ آیت نص صریح ہے اس بات پر کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی نہیں آ سکتا۔ نہ حضرت عیسٰے آسکتے ہیں"۔

آپ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ تو نبوت کا ہے اور حضرت مولانا محمد علی رو آپ کو نبی نہیں مانتے۔

اگر آپ انصاف کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت صاحب کی اس عبارت کو آخر تک پڑھتے تو آپ پر یہ واضح ہو جاتا کہ اس لفظ نبی سے حضرت صاحب کی مراد کیا ہے۔ اپنے اسی بیان کو صفحہ ۶۸ پر جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف مراد میری نبوت سے کثرتِ مکالمت ومخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ ومخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ ولکل ان یصطلح"۔

حضرت مرزا صاحب بھی آنحضرت صلعم کے بعد کسی نئی شریعت لانے والے نبی کا انکار کرتے ہیں اور حضرت مولانا محمد علی رو بھی کسی ایسے ہی نبی کے آنے سے انکار کرتے ہیں۔ اس میں اختلاف عقیدہ کہاں ہوا۔ دونوں ہی آنحضرت صلعم کی ختم نبوت کے قائل ہیں اور اس کے برعکس آپ لوگ حضرت عیسٰے کو بن باپ مان کر اور انہیں دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ رکھ کر عیسائیوں کی طرح ایک تو ان کی الوہیت کے قائل ہیں اور دوسری طرف ان کو جو با شریعت نبی تھے آنحضرت صلعم کے بعد نازل کر کے آنحضرت صلعم کی ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اور الزام ہمیں دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور سادہ لوح عوام کو دھوکا میں رکھ کر ان کو غلط راہ پر نہ ڈالیں۔ ورنہ روز قیامت ان سب باتوں کیلئے آپ کو اللہ تعالےٰ کے حضور جوابدہ اور شرمندہ ہونا پڑے گا۔ ہمارے لئے تو قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ بڑی تسلی اور اطمینان کا باعث ہے۔

واللہ اعلم باعدآئکم ط وکفی باللہ ولیا قف وکفی باللہ نصیرًا

——— ٭٭٭ ———

اخبارِ احمدیہ:۔

- سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے ایک عزیز کی وفات پر دو چار روز کے لئے لاہور تشریف لائے تھے۔ ۲۸۔ اگست کو دوبارہ ایبٹ آباد تشریف لے گئے ہیں۔ احباب کرام اپنی نیم شبی دعائیں جاری رکھیں۔

- **ولادت:**

فضل حق صاحب سیکرٹری جماعت راولپنڈی صدر اطلاع دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد طاہر صاحب کو فرزند عطا فرمایا ہے۔ انہوں نے بچے کی پیدائش کی خوشی میں مبلغ ۱۰/- امداد برائے اشاعتِ اسلام دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نومولود کو نیک زندگی عطا فرمائے اور والدین کیلئے آرام و راحت کا موجب بنائے۔

- **ایک نوجوان کی حسرت ناک وفات:**

افتخار احمد سیال پسر ماسٹر اصغر علی صاحب مرحوم قضائے الٰہی سے ۲۳۔ اگست ۸۳ء کو شام کے ۴ بجے مختصر بیماری کے بعد وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ماسٹر صاحب مرحوم کی وفات کے پریشان کن اثرات ابھی تک دلوں پر موجود تھے کہ ان کے نوجوان بیٹے کی وفات کی خبر نے ان میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ مرحوم نوجوان خوش اخلاق اور دیگر بہت سی خوبیوں کی وجہ سے ہر چھوٹے اور بڑے کے دل میں اثر انداز تھا۔ سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ ایبٹ آباد سے خاص اس سانحہ کے پیش نظر لاہور تشریف لائے۔ آپ نے ۲۴۔ اگست کو نماز جنازہ پڑھائی۔ قبرستان دارالسلام میں تدفین عمل میں آئی۔ بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

باہتمام آئیڈیل پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر، ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۷۰ } یوم چہارشنبہ ۲۱ ذیقعد ۱۴۰۳ھ ، بمطابق ۳۱ ۔ اگست ۱۹۸۳ء عیسوی } شمارہ ۳۵ ۱۸

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

وہ کام کرو جو اولاد کیلئے بہترین نمونہ ہو

"خوب یاد رکھو کہ جب تک خدا تعالےٰ سے رشتہ نہ ہو اور سچا تعلق اس کے ساتھ نہ ہو جاوے کوئی چیز نفع نہیں دے سکتی۔ یہودیوں کو دیکھو کیا وہ پیغمبروں کی اولاد نہیں! یہی وہ قوم ہے جو اس پر ناز کیا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی" ہم اللہ تعالےٰ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں"۔ مگر جب انہوں نے خدا سے رشتہ توڑ دیا اور دنیا ہی کو مقدم کر لیا تو نتیجہ کیا ہوا؟ خدا تعالےٰ نے اسے سؤر اور بندر کہا ۔۔۔۔۔۔ پس وہ کام کرو جو اولاد کے لئے بہترین نمونہ اور سبق ہو اور اس کے لئے ضروری ہے کہ سب سے اول خود اپنی اصلاح کرو۔ اگر تم اعلےٰ درجہ کے متقی اور پرہیزگار بن جاؤ گے اور خدا تعالےٰ کو راضی کر لوگے تو یقین کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمہاری اولاد کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کریگا۔ قرآن شریف میں خضرؑ اور موسیٰؑ کا قصہ درج ہے کہ ان دونوں نے مل کر ایک دیوار کو بنا دیا جو یتیم بچوں کی تھی۔ وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ان کان ابوھما صالحاً" یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ آپ کیسے تھے۔ پس اس مقصد کو حاصل کرو۔ اولاد کے لئے ہمیشہ اس کی نیکی کی خواہش کرو۔ اگر وہ دین اور دیانت سے باہر چلے جاویں پھر کیا؟ اس قسم کے امور اکثر لوگوں کو پیش آجاتے ہیں۔ بددیانتی خواہ تجارت کے ذریعہ ہو یا رشوت کے ذریعہ یا زراعت کے ذریعہ اس میں حقوق شرکاء کو تلف کیا جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہی میری سمجھ میں آتی ہے کہ اولاد کے لئے خواہش ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات صاحب جائیداد لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ کوئی اولاد ہو جاوے جو اس جائیداد کی وارث ہو تاکہ غیروں کے ہاتھ میں نہ چلی جاوے مگر وہ نہیں جانتے کہ جب مر گئے تو شرکاء کون اور اولاد کون۔ سب ہی تیرے لئے تو غیر ہیں۔ اولاد کے لئے اگر خواہش ہو تو اس غرض سے ہو کہ وہ خادم دین ہو۔" (ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۱۰۹-۱۱۰)

صحابہؓ کا نمونہ اختیار کرو

میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ جس قدر کوئی شخص قرب حاصل کرتا ہے اسی قدر مواخذہ کے قابل ہے ۔۔۔۔۔ وہ لوگ جو دور ہیں قابلِ مواخذہ نہیں لیکن تم ضرور ہو اگر تم لوگوں میں دوسروں پر کوئی ایمانی زیادتی نہیں تو پھر تم میں اور دوسروں میں کیا فرق ہوا۔ تم ہزاروں نظروں کے نیچے ہو۔۔۔ جب یہ حالت ہے تو آپ کیوں غافل ہیں ۔۔۔۔۔ تذلل اور انکساری کی زندگی کوئی شخص اختیار نہیں کر سکتا جب تک اللہ تعالےٰ اس کی مدد نہ کرے۔

(اقتباس سے تقریر ۱۸۹۷ء)

زاہد جنجوعہ صاحب لاہور

کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

اس وقت جب کہ عزیز ترین دوست کی جوانمرگی کا سانحہ گذر چکا ہے تو یادِ ایّام انبوہ کثیر کی صورت میں سامنے موجود ہیں مگر انہیں صفحۂ قرطاس پر لانا کارِ دارد ہے۔

۱۹۷۴ء کے دلدوز واقعات میں ماسٹر اصغر علی صاحب مرحوم و مغفور کا گھرانہ لاہور ہجرت پر مجبور ہوا اور یہاں جب ان سے تعارف ہوا تو وہ پہلی بار افتخار احمد سے مل کر خوشی کا احساس ہوا۔ اور دن بدن یہ تعارف دوستی میں بدلتا گیا کالج جانا ہوتا تو تب بھی اکٹھے ہوتے اور دیوار بہ دیوار رہنے سے دلوں کی قربت بھی بڑھتی رہی۔ لیکن تعلیمی مصروفیات میں درپیش مجبوریوں کی نوعیت مختلف ہونے کے باوجود نتیجہ ناکامی رہا۔ اس لئے از خود غیر محسوس سی UEDER STANDINS پیدا ہوئی لیکن ہزار طرح کی تکلیف اور پریشانی میں بھی اس مردِ جری کو کبھی مایوس نہیں پایا۔ ہرچند کہ بالکل تھوڑے سے عرصے میں اسے ایک سے ایک دکھ کا سامنا کرنا پڑا مگر جب کبھی کبھی بے تکلف دوستوں کا ٹھ بیٹھنا ہوتا تو اس کا قہقہہ یہاں سے وہاں سنائی دیتا۔

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

وہ دوستوں میں واقعتاً افتخار تھا۔ کیونکہ معاملاتِ زندگی میں بے حد معاملہ فہم اور خواہ کتنے چھوٹے چھوٹے اور معمولی واقعات ہی کیوں نہ ہوں ان سے اس کے بڑے پن اور اعلیٰ ظرفی کا اظہار ہوتا۔ دوستوں سے اس حد تک مخلص کہ اگر اپنے پاس کوئی چیز مقدار میں خواہ کم ہی کیوں نہ ہو اگر کوئی دوست ضرورت مند ہے تو اسے دینے کے لئے تیار۔ اگر کوئی کسی مشکل میں ہے تو اپنا کام کاج چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ لالچ اور حرص کا تو قریب سے گذر بھی نہ ہوا۔ بلکہ سیر چشمی اور مزاج میں عجیب قلندرانہ شانِ استغنا اور سادگی کسی بھی معاملے میں ایچ پیچ ڈالنے کی بجائے بالکل کھرا اور صاف گو۔ حد درجہ تواضع اور انکسار کسی بھی نئے ملنے والے پر خوشگوار اثر چھوڑتا۔ دفتر میں ملازمت کئے ہوئے کوئی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا۔ مگر اس کی وفات کی خبر بجلی بن کر گری اور اکثر و بیشتر لوگ اشکبار ہو گئے کہ کس قدر اچھا اور بے ضرر انسان بڑی حادثاتی موت کا شکار ہوا۔

۱۴۔ اگست کو ایک دوست کے ہمراہ کسی کام پر گیا۔ اور رستے میں پاؤں موٹر سائیکل کے پچھلے پہیے میں الجھ جانے سے معمولی زخم آ گیا۔ ہسپتال والوں نے مرہم پٹی کر کے اپنا فرض پورا سمجھا اور A.T.S کا انجکشن لگانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی مگر پانچویں روز اعصابی تناؤ کی وجہ سے میو ہسپتال لے جانا پڑا۔ چنانچہ TETANUS کی روک تھام کے لئے سر توڑ اور ہر ممکن کوشش کی گئی مگر موت زندگی سے زیادہ یقینی اور برحق ہے اور وہ قیامت کی گھڑی آ کر رہی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عارف کے بچھڑنے پر مرزا نوشہ مرثیہ کہتے تھے:-

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

افتخار کو گئے آج میرا دن ہے مگر جس لمحے بستر مرگ پر اس کی اذیت اور تکلیف یاد آتی ہے تو جھرجھری سی آ جاتی ہے کہ انسان کس قدر عاجز اور بے بس ہے۔ افتخار کے مرنے سے نہ وہ یادیں مر سکتی ہیں اور نہ مہر و محبت کے واقعات بھول سکتے ہیں۔ مگر آخری وقت کی کلفت اور بے بسی نے بالکل جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

تا حشر ترے ساتھ کو ترسیں گی نگاہیں
یوں تجھ سے بچھڑنے کا نہ تھا وہم و گماں بھی

—— ... ——

حکیم الامت حضرت مولانا نورالدینؒ کا اظہارِ خوشنودی

"۹ فروری ۱۹۱۴ء۔ آج رات ہم چند احباب حضور کو کھانا کھلا رہے تھے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ میں نے آپ سے بھی کچھ سیکھا ہی ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں نے تو حضور سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ فرمایا مجھے تو قرآن ہی آتا ہے۔ وہی میں سکھاتا ہوں۔ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ حضور کو لمبی عمر عطا فرمائے اور ہم حضور سے قرآن سیکھیں۔ فرمایا مولوی محمد علی صاحب سے پوچھو مجھے کتنا قرآن آتا ہے۔ مولوی صاحب بہت محنت کر کے صدہا صفحے لکھ کر لاتے ہیں۔ میں ان کو مختصر کر دیتا ہوں۔ بعض اوقات وہ کہتے ہیں کہ آپ کی رائے تمام تحقیقات سے بالاتر ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے مولوی صاحب نے بہت خوش کیا ہے میرا دل باغ باغ ہو گیا ہے۔ انہوں نے یاجوج ماجوج اور اصحاب کہف ذوالقرنین کی تحقیقات عجیب کی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا چھان مارے ہیں۔ کیا مسئلہ صاف ہے واہ واہ!"

"قادیان ۱۱ فروری ۱۹۱۴ء۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب جب قرآن مجید کا ترجمہ سنانے کے لئے حاضر ہوئے تو ان کو مخاطب کر کے حضرت مولانا نورالدینؒ نے فرمایا کہ "تو بیا کہ زندہ مانم"

۱۸ فروری ۱۹۱۴ء۔ آج حضرت کو ضعف تھا اور حالت کمزور تھی۔ مولوی محمد علی صاحب حسب معمول قرآن شریف کے نوٹ سنانے کے لئے حاضر ہوئے۔ قرآن کی بعض آیات پر آپ نے ان کو کچھ ارشادات فرمائے مگر کمزوری سے ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے ------ پھر مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا "تمہارا روز دیکھنا یہ بھی میری روح کی غذا ہے" پھر فرمایا "مولوی محمد علی صاحب تم مجھے بہت پیارے ہو۔ ایک کام کا ہتھیار ملا ہے (یعنے مولوی محمد علی صاحب) علم ہی علم ہے تمہارا افضل ہے۔"

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ○ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب بتاریخ ۲ ستمبر ۱۹۸۳ء - بمقام مرکزی جامع مسجد، دار السلام، لاہور

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ○ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ○ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ○ (الاعلیٰ - آیات ا تا ۳)

ترجمہ:- تسبیح کر اپنے رب کے نام کی (جس کی صفات) سب سے بلند تر ہیں - جس نے پیدا کیا پھر تکمیل کی۔ جس نے اندازہ لگایا (یا تقدیر بنائی) پھر رہنمائی فرمائی -

---

پچھلے خطبۂ جمعہ میں میں نے انہی آیات کی تلاوت کر کے بتایا تھا کہ ان میں آجکل کی عالمگیر دہریت کا تریاق ہے۔ یہ آیات نہ صرف خدا کے متعلق جو غلط خیالات دوسرے مذاہب میں شرک پیدا ہو جانے کی وجہ سے دنیا میں عام ہوئے اور جن کی وجہ سے دہریت آج دنیا کا غالب مذہب ہے انہیں دور کرتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ناقابلِ تردید ثبوت دیتی ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا وہ خوبصورت اور دلکش تصوّر پیش کرتی ہیں جو (اور صرف وہی) آج سائنس اور علوم کے زمانہ میں قابل قبول ہے - ہماری جماعت جو اشاعت اسلام کے لئے کھڑی کی گئی ہے اُس کے ہاتھوں میں یہ آیات مؤثر ہتھیار فراہم کرتی ہیں - ان میں جو اللہ تعالےٰ کی سبحانیت اور حمد کو دنیا میں پھیلانے کا حکم ہے اس کو بجا لانا ہمارا فرض ہے۔

مگر اس کام کو کرنے کے لئے پہلے ہمیں اپنی اصلاح کرنا ضروری ہے اور اپنے میں وہ خوبیاں پیدا کرنی ضروری ہیں جو اسلام ہم سے چاہتا ہے ورنہ ہمارے بُرے یا ناقص نمونہ سے غیر مسلموں کو ٹھوکر لگے گی اور زبانی تبلیغ بلا نمونہ کے کامیاب نہیں ہو سکتی۔ بقول حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ ؎

چُوں دعظِ بے عملاں خود اثر کُجا باشد

جتنے دُنیا میں ہادی آئے (خواہ وہ نبی یا رسول تھے یا مجدد و ماموَر تھے) انہوں نے پہلے اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ کر کے اُسے پاک و صاف کیا (جو کہ تقویٰ کہلاتا ہے) اور تخلقوا باخلاق اللہ کے حکم کے ماتحت خدائی صفات کو اپنے اندر پیدا کر کے مزیّن ہوئے پھر وہ دوسروں کی اصلاح اور تکمیل میں کامیاب ہو سکے۔

تو اپنے تزکیہ کے لئے بھی یہ آیات ایک عمدہ گُر بتاتی ہیں - ویسے تو تمام ارکان اسلام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر قربانیاں انسان کے نفس کے تزکیہ کا باعث ہوتی ہیں، مگر اللہ تعالےٰ کو یاد کرنا (اور وہ اس کا نام لینے سے یاد آتا ہے) اور تسبیح کرنا بھی انسان کے نفس کو پاک کرنے میں مدد دیتا ہے۔ تسبیح کے معنی دانوں کا ایک ہار لیکر اُس کے دانے پھیرنا نہیں۔ قرآن حکیم میں ایسے کسی ہار کو بنا کر تسبیح کرنے کا ذکر نہیں۔ احادیث میں نہیں۔ نہ سنت نبویؐ یا صحابہ رضؓ سے کسی ایسی تسبیح کے دانے پھیرنے کی سند ملتی ہے۔ ہاں زبان سے اور قلب سے اللہ تعالےٰ کو اور اس کی سبحانیت کو یاد کرنا ضرور ثابت ہیں۔ سبحانیت کے معنی بے عیب ہونا سب جانتے ہیں -

تو جب انسان اللہ تعالےٰ کو یاد کرتا ہے (وہ اللہ جو انسان کے قول کو سنتا، اس کے فعل کو دیکھتا اور اُسکی نیتّوں کو جانتا بلکہ انسان کے مخفی عیبوں کو جو ابھی ظاہر بھی نہیں ہوئے اُن کا بھی علم غیب رکھتا ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا وان تجهر بالقول فانّه يعلم السّرّ واخفىٰ کہ اگر انسان بات کر کے اپنے دل کا کچھ حال ظاہر کرے تو اس نے جو چھپایا یا جو اُسے اپنے باطن کا ابھی علم نہیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو بھی جانتا ہے۔) اُس اللہ کو انسان یاد کرے اور اس کی سبحانیت کو بھی بار بار یاد کرے تو ضرور انسان کے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے کہ انسان خود بھی اپنے عیبوں سے نجات حاصل کرے۔ اور یہ تحریک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی جس صفت کو پکارتا ہے وہ صفت اسی طرح جوش میں آتی ہے جس طرح بچہ جب ماں کو پکارتا ہے تو اسکی مامتا جوش میں آجاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی سبحانیت کو پکارنے سے اسکی سبحانیت جوش میں آکر انسان کے دل میں تحریک پیدا کرتی ہے کہ وہ بھی بے عیب بنے۔ مگر یہ تبھی ہوتا ہے جب انسان دل کی گہرائیوں سے تسبیح کرے نہ کہ محض زبان سے جبکہ اس کا دل اس کا ساتھ نہیں دے رہا۔

تسبیح کے اسی فائدہ، یعنے انسان کی اپنی اصلاح، کی طرف توجہ دلانے کے لئے قرآن حکیم میں جہاں اللہ تعالےٰ کی تسبیح کرنے کو کہا گیا ہے تو وہاں اکثر جگہ ساتھ الفاظ "اپنے رب" کو رکھا گیا ہے۔ لفظ رب کے معنی جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں اُس ذات کے ہیں جو انسان کو ادنیٰ یا ناقص حالت سے بتدریج ترقی دیتی ہوئی اس کی تکمیل فرماتی ہے۔ تو جب انسان اللہ تعالیٰ کی سبحانیت کو اور اس کی ربوبیت کو پکارتا ہے تو وہ دونوں صفات جوش میں آکر انسان کے دل میں تحریک کرتی ہیں کہ انسان اپنی بھی اصلاح کرے۔ اسی تحریک اور اپنی اصلاح کی خواہش ضروری ہوتی ہے تاکہ انسان اپنے عیبوں کو دیکھے اور جو نہ بھی ظاہر ہوں ان کو ٹٹولے اور ان سے خلاصی حاصل کر سکے اور اپنے آپ کو پاک و صاف کر کے انسان

باطنی ترقیات کے لئے تیار رہو۔ اور وہ ترقیات ہیں اللہ تعالےٰ کی قابلِ تعریف خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی۔ ان تینوں باتوں یعنے :-

(۱) اپنے عیبوں اور گناہوں کا احساس
(۲) اپنی اصلاح کر کے بے عیب ہونے کی کوشش کرنا اور
(۳) اور اللہ تعالےٰ کی قابلِ تعریف خوبیوں کو حاصل کرنے کی خواہش کو

انسان میں جگانے کے لئے ہی قرآن حکیم نے فرمایا:-

وَّاستغفر لذنبك وسبح بحمد ربك بالعشيّ والابكار

(المؤمن ۴۰ - ۵۵) ترجمہ: اور اپنے گناہ سے حفاظت مانگ اور اپنے رب کی تسبیح اور حمد کر شام اور صبح کے اوقات میں" شام اور صبح کے الفاظ سے مراد یہ دونوں وقت بھی ہو سکتے ہیں اور دن رات دونوں بھی ہو سکتے ہیں۔ مجھے دوسرے معنٰی زیادہ پسند ہیں کیونکہ قرآن کریم میں دوسرے موقعوں پر دن اور رات کے اور اوقات میں بھی تسبیح اور حمد کرنے کا حکم ہے (جیسے طٰہٰ ۲۰ - ۱۳۰، قٓ ۵۰ - ۳۹، الطور ۵۱ ۴۸) خصوصاً پچھلی رات کی گھڑیوں میں (مثلاً قٓ ۵۰ - ۴۰ - الطور ۵۲ - ۴۹، الدھر ۷۶ - ۲۶) تسبیح کا خاص طور پر حکم ہے۔ اور پانچ وقت کی نمازیں بھی تسبیح اور حمد سے شروع ہوتی ہیں اور رکوع اور سجدوں میں بھی تسبیح لازمی ہے۔

تسبیح کے دو حکم ان آیات میں بھی ہیں جو اس خطبہ کے بر سرِ عنوان ہیں۔ فسبح باسم ربك العظيم کی تعمیل میں رکوع میں ہم کہتے ہیں سبحٰن ربی العظیم۔ اور سبح اسم ربك الاعلىٰ کی تعمیل میں ہم سجدوں میں کہتے ہیں سبحٰن ربی الاعلیٰ۔ ان دو قسم کی تسبیحوں میں کیا فرق ہے؟ العظیم کے لفظ میں اللہ تعالےٰ کی ظاہری عظمت کا ذکر ہے۔ اور الاعلیٰ میں اللہ تعالےٰ کی صفات کے انتہائی کمال اور ارفع و اعلےٰ ہونے کا ذکر ہے۔

اللہ تعالےٰ کی عظمت و کبریائی اور جلال کا پورا اندازہ لگانا اس لئے ناممکن ہے کہ اگلے عالم اور اُن کے سات آسمان کسی نے دیکھے نہیں مگر اس عالم یعنے مادی دُنیا کی کائنات کتنی بڑی ہے۔ اس کا بھی انسان کو پورا علم نہیں۔ ہم جو تاروں بھرا آسمان دیکھتے ہیں وہ صرف ہماری GALAXY یا کہکشاں ہے جس کو بھی ہم پورا نہیں دیکھتے۔ اس ایک کہکشاں میں لاکھوں کروڑوں ستارے ہیں جن میں سے ہر ایک ستارہ ایک سورج ہے اور ان میں سے اکثر ہمارے سورج سے لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ ان میں سے ہر ستارے کے سیارے ہیں۔ (جس طرح ہماری زمین ایک سیارہ ہے) اور چاند ہیں۔ اور ایسی کہکشائیں لا انتہا ہیں۔ ہر سال دو سال میں ایک نئی کہکشاں کا پتہ ملتا ہے۔ اور اب تک جو کائنات پتہ لگی ہیں اُن سے روشنی کو آنے میں ستّر ارب سال لگتے ہیں۔ یاد رہے کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ ہے۔ اس کو ساٹھ سے ضرب دیں تو وہ فاصلہ بنا جو روشنی ایک منٹ میں طے کرتی ہے حاصل ضرب کو پھر ساٹھ سے ضرب دیں تو وہ فاصلہ نکلتا ہے جو روشنی ایک گھنٹہ میں طے کرتی ہے۔ اسکو پھر دن کے چوبیس گھنٹوں سے ضرب دیں اور پھر سال کے ۳۶۵ دنوں سے ضرب دیں تو وہ، وہ فاصلہ بنا جو روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے۔ تو اب تک جتنی مادی کائنات کا پتہ چلا ہے اس سے روشنی کو آنے میں ستر ارب سال لگتے ہیں۔ سائنس دانوں نے پایا ہے کہ یہ تمام کائنات ایک ہی مادہ سے بنی ہے اور ایک ہی قانون میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور یہ تمام حیرت انگیز کائنات ایک سکنڈ نہ باقی رہے اگر اس کا نظام بالکل بے عیب نہ ہو۔ اور اس عظیم الشان کائنات کو جس طاقت یا قوّت نے جکڑا ہوا ہے اس کی ہیبت سے دل کانپ اٹھتا ہے۔ اور انسان بے اختیار اللہ تعالےٰ کی عظمت و جلال و کبریائی کے آگے جھک کر پکار اٹھتا ہے۔ سبحٰن ربی العظیم

یہ انسان سے کیوں کہلوایا کہ سبحٰن ربی العظیم؟ صرف اس لئے نہیں کہ یہ عظیم الشان کائنات اور قوتوں کے مالک کا صحیح تصور انسان کے دل میں پیدا ہو کہ وہ باوجود اپنی انتہائی عظمت کے بے عیب ہے جیسا کہ اسکی کائنات کے بے عیب ہونے سے ظاہر ہے بلکہ اس لئے کہ ان الفاظ میں ایک نہایت ضروری سبق کی انسان کو یاد دہانی ہے۔ اور وہ یہ کہ باوجود انتہائی عظمت اور قوتوں کے اگر اللہ تعالیٰ بے عیب ہے تو انسان کو باوجود اس تھوڑی بہت بڑائی کے یا طاقت کے جو اسے نصیب ہو بے عیب رہنا چاہیئے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ بڑائی اور طاقت انسان میں ہر قسم کی بُرائیاں پیدا کر دیتی ہیں۔ بڑائی دنیاوی حکومت یا عہدہ یا دولت یا مرتبہ وغیرہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور طاقت اس بڑائی کے لازم حال ہے۔ حکومت اور طاقت انسان کا کیا دماغ اور کردار بگاڑ دیتی ہیں اس کی بدترین مثال تو فرعون تھا۔ اکثر شہنشاہ اور ان سے اُتر کر بادشاہ اور والیان ریاست اور اُن سے اُتر کر وزیر وزراء اور اُن سے اُتر کر دوسرے حاکم اکثر دنیاوی بڑائی یا طاقت جیسی کیسی بھی انہیں ملی ہو اُس سے بگڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح دولت جتنی ملے اُتنا ڈر ہوتا ہے کہ وہ انسان کو بگاڑ نہ دے۔ دولت دنیا کا ہر کام نکال سکتی ہے اور دولت کا نشہ اور اسکی قوت انسان کو اکثر بگاڑ دیتی ہیں۔

جہاں تک حکومت جو تھوڑی بہت بڑائی عہدہ داروں کو دیتی ہے اسکو انتہائی نیچے سے لیجیئے۔ دفتر کے چپڑاسی کا کیا عہدہ یا اختیار ہوتا ہے؟ صرف اتنا کہ اندر جا کر صاحب کو اطلاع دیدے کہ کوئی اُن سے ملنے آیا ہے۔ اور اگر وہ مصروف ہوں تو کسی کو اندر نہ آنے دے۔ اس برائے نام اختیار کا وہ کیا استعمال کرتا ہے؟ عوام کو تو گھُرکتا اور جھڑکتا ہے۔ اور لوگوں کو انتظار کرانے میں اُسے اپنے اختیار کے استعمال سے جو مزہ آتا ہے۔ اُس کا لُطف وہ اٹھاتا ہے، یا اپنے اختیار اور بڑائی کو جتانے کے لئے وہ خواہ مخواہ دیر کرتا ہے۔ اور بالآخر اکثر مٹھی گرم کر کے ہی کسی کے در پہ ہونے کی اندر افسر کو اطلاع دیتا ہے۔ اس سے آگے بڑھیئے تو پٹواری یا کلرک یا اُن سے اُوپر جو عہدوں پہ ہوتے ہیں وہ اکثر اپنے تھوڑے سے بہت اختیار کا کس قدر ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میں نے تو دیکھا ہے کہ میونسپل کمیٹی

کے بھنگی تک جو کچرے کے ٹرک کے ساتھ آپکے گھر کا کوڑا کرکٹ اٹھانے آتے ہیں وہ (باوجود اسکے کہ آپنے میونسپلٹی کا متعلقہ ٹیکس برائے صفائی دیا ہوا ہے) آپ کا جمع شدہ کوڑا کرکٹ نہیں اٹھاتے جب تک کہ اپنی مٹھی گرم نہ کرلیں، اور اگر آپ اُن کے مطالبات نہ مانیں تو گستاخی سے پیش آتے ہیں۔

گھروں میں دیکھ لیجئے کہ ساس اپنی بڑائی کا فائدہ اٹھاکر بہو کا اکثر کیا ناک میں دم کرتی ہے۔ اور وہی بہو جو اپنی ساس کی برائیاں ایک ایک کرکے گنواتی ہے جب خود ساس بنتی ہے تو اپنی بہو کے ناک چنے چبواتی ہے۔ غرض جہاں بڑائی یا کوئی اختیار یا طاقت ملے وہ انسان کو اکثر بگاڑ دیتی ہیں۔ تو انسان کی بڑائیاں یا طاقت کیا حیثیت رکھتی ہیں اُس بڑائی اور جلال اور عظمت اور بے پناہ قدرت کے آگے جو اللہ تعالےٰ رکھتا ہے۔ مگر وہ سبحٰن اپنی سبحانیت میں فرق نہیں آنے دیتا۔ اسی سبق کی یاد دہانی بار بار دن رات کی پانچ نمازوں میں رکوع میں سبحٰن ربی العظیم کے الفاظ میں کرائی جاتی ہے۔ اور انسان باوجود اللہ تعالیٰ کی انتہائی عظمت اور بے پناہ طاقت اور اختیارات کے اُسکے سبحٰن ہونے کے آگے اپنا ادب ظاہر کرنے کیلئے اپنا سر جھکا دیتا ہے رکوع میں۔ اس میں یہ سبق بھی ہے کہ انسان کی بھی عزت یا ادب تبھی ہوگا جب وہ باوجود اپنی جیسی کیسی بڑائی اور طاقت اُسے حاصل ہو اُن کیوجہ سے اپنے میں کوئی عیب نہ پیدا ہونے دے۔

کوئی یہ نہ خیال کرے کہ اللہ تو خدا ہے اور انسان آخر انسان ہے کیا وہ اللہ تعالےٰ کی طرح باوجود بڑائی اور طاقت رکھنے کے بے عیب ہو سکتا ہے؟ اس کی بہترین مثال ہمارے آقا و مولےٰ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلعم تھے کہ باوجود اس کے کہ حضورؐ دونوں جہانوں کے شہنشاہ تھے حضورؐ نے اپنی بے مثال عظمت اور حکومت اور اختیارات کو اپنے اندر کوئی عیب پیدا نہ کرنے دیا۔ بڑے بڑے شہنشاہ اور فاتح اور ہیرو ہوئے ہیں مگر جو لوگوں کے دلوں اور جسموں اور جانوں پہ اختیار حضورؐ کو حاصل تھا نہ پہلے کسی کو ملا نہ بعد میں نصیب ہوا کہ حضورؐ کے اشارہ پر آپؐ کے جاں نثار آگوں میں کود پڑے تھے اور جہاں حضورؐ کا پسینہ کا ایک قطرہ گرے وہاں اپنا خون بہانے میں فخر سمجھتے تھے۔ اس بے مثال عظمت اور طاقت کے باوجود حضورؐ کیا بے عیب ہستی تھے!

پھر یہ نہ کوئی گمان کرے کہ حضورؐ کہاں اور ہم کہاں! حضورؐ کے خلفاء اور حضورؐ کے صحابہ رض کو اللہ تعالےٰ نے کیا دنیاوی بڑائی، حکومت اور طاقت دی۔ مگر وہ بھی (جو فنا فی الرسول کے مقام کو پہنچ چکے تھے) اُنہوں نے بھی وہی بے عیب کردار دُنیا کے آگے پیش کیا۔ اگر ان کے لئے اللہ تعالےٰ کی خوبیوں کو پانا ممکن نہ ہوتا تو کیوں تخلقوا باخلاق اللّٰہ (اللہ تعالےٰ کے اخلاق خود بھی حاصل کرو) اور صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ (اللہ کا رنگ اختیار کرو کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون خوبصورت رنگ یا صفات رکھتا ہے) کے احکام قرآن اور حدیث میں ہوتے؟

تو فسبح باسم ربک العظیم میں دین دار اور دُنیا دار دونوں کیلئے یاد دہانی ہے کہ دینی یا دُنیاوی کوئی بڑائی یا اختیار یا طاقت (تھوڑی ہو یا بہت) جو اُسے نصیب ہوا نہیں اس کا کردار یا برتاؤ بگاڑنے نہ دے۔ بلکہ سبحٰن ربی العظیم میں انسان اپنے رب سے (جو اسکو ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف لے جانے والا ہے) یہ دُعا کرتا ہے کہ تو باوجود اپنی انتہائی عظمت اور جلال اور بے پناہ طاقتوں کے بے عیب ہے تو مجھ حقیر بندہ کو جیسی کیسی تھوڑی بہت بڑائی یا اختیار تُو نے مجھے دیا ہے اُنہیں مجھے بگاڑنے نہ دے بلکہ اپنی طرح مجھ کو بھی بے عیب رکھ۔

کاش لوگ رکوع کے اس سبق اور اس دعا کو سمجھ کر سبحٰن ربیّ العظیم دل کی گہرائیوں سے اُسے پڑھا کریں۔

سبح اسم ربک الاعلےٰ

اللہ تعالےٰ کے دوسرے کمال کا یوں علم دیا کہ وہ نہ صرف سبحٰن ہے بلکہ الاعلیٰ ہے یعنے اعلیٰ ترین خوبیاں اور صفات اپنے اندر رکھتا ہے۔ جیسا کہ میں الحمد للّٰہ رب العالمین کی تفسیر میں بارہا بتا چکا ہوں۔ خوبیوں یا اعلےٰ صفات کا تصوّر انسان کے دماغ میں پیدا ہی ہوا اللہ تعالےٰ کی صفات اور خوبیوں کا علم پاکر۔ ورنہ انسان کا دماغ تو ایک مادی چیز ہے جیسا کہ کھیڑ بکری یا دوسرے جانوروں کا دماغ ہوتا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے وحی الٰہی نے آن کر انسان کو اللہ تعالےٰ کی صفات اور خوبیوں کا علم دیا اور اُسے ترغیب دی کہ وہ ان صفات یا خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کرے۔ سو الہامی کتابیں جو ہر قوم اور ہر ملک میں نازل ہوئیں وہ تو بعد میں ضائع ہوگئیں یا خلط ملط ہوگئیں مگر اُن کی اخلاقی تعلیم کا چھاپہ انسان کے دماغ اور روح پر رہ گیا کہ خوبیاں یا صفات اچھی چیزیں ہیں جو انسان کو حاصل کرنی چاہئیں۔ اور یوں تمام قوموں میں کم و بیش صفات یا خوبیوں کا تصور پیدا ہوا۔ قرآن کریم نے جہاں اور معاملات میں تکمیل دین اور اتمام نعمت کیا وہاں اللہ تعالےٰ کی صفات اور خوبیوں کا بھی وہ علم دیا جو اب کسی الہامی کتاب میں نہیں ملتا۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم اور الحمد للّٰہ رب العالمین سے شروع کرکے سارا قرآن صفات الٰہی کے علم کو بار بار دوہراتا ہے تاکہ انسان کے دماغ میں وہ یاد رہیں۔ اور تخلقوا باخلاق اللّٰہ اور صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ کے احکام میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ہر انسان کو ترغیب دی۔ اور رسُول اللہ صلعم نے صفاتِ الٰہی کو اپنے اندر ایسا پیدا کیا کہ بعض سابق انبیاء نے آپؐ کے آنے کو خود اللہ تعالےٰ کا آنا بتایا (حالانکہ حضورؐ انسان تھے اور انسان ہی رہے)

تو سبحٰن ربیّ الاعلیٰ کا ذکر کرنے کے لئے انسان اللہ تعالےٰ کے آگے سجدہ میں گر جاتا ہے۔ یاد رہے کہ سبحٰن ربی العظیم کے لئے انسان صرف رکوع میں جھکتا ہے۔ اس میں سبق دیا کہ دنیاوی عظمت اگر وہ بے عیب ہو تو وہ بھی قابلِ عزت ہوتی ہے (رکوع اظہارِ ادب ہے)

مگر جس کے آگے انسان سجدہ میں گر پڑتا ہے (جو مکمل فرمانبرداری کا اظہار ہے) وہ اخلاقی اور روحانی خوبیاں ہوتی ہیں جن کا اظہار سبحان ربی الاعلیٰ کے الفاظ کرتے ہیں۔ دنیا میں دیکھ لیجئے کہ دنیاوی بڑائی (خصوصاً جب وہ بے عیب ہو) تو اس کی بھی لوگ عزت کرتے ہیں۔ مگر اصل عزت اخلاقی و روحانی خوبیوں کی ہوتی ہے جیسا کہ انبیاء، مجددین، اولیاء اللہ اور صلحاء کی زندگی میں اور بعد میں بھی ان کی عزت و تکریم ہوئی۔ اور لوگوں نے ان کے پسینے پر اپنی جان تک خوشی سے نچھاور کی، مال و دولت لٹا دیئے۔ اس کا بہترین نظارہ رسول اللہ صلعم اور صحابہ رضہ کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ اس زمانہ کے مجدد و مامور اور اسکے ماننے والوں میں بھی ویسا ہی نظارہ حال ہی میں دیکھنے میں آیا۔

تو سبحان ربی الاعلیٰ میں انسان اللہ تعالیٰ کو جو ربوبیت اور اعلیٰ صفات کا مظہر کامل ہے اس کی ان صفات کو سجدہ میں گر کر پکارتا ہے کہ اے میرے رب (جو تو نہ صرف بے عیب ہے بلکہ اعلیٰ ترین خوبیوں اور صفات کا مالک ہے) میری ربوبیت یعنے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف ربوبیت یوں فرما کہ اخلاقی اور روحانی طور پر نہ صرف مجھے بے عیب کر دے (جو تو ہے) بلکہ اپنی صفات اور خوبیاں مجھ میں بھی پیدا کر۔ سجدہ کی اس تذلل اور عاجزی کی پکار کو بشرطیکہ انسان سمجھ کر کرے اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے اور انسان کے دل میں تحریک پیدا فرماتا ہے کہ وہ اپنے اخلاقی اور روحانی عیبوں سے نجات حاصل کرے اور اخلاقی اور روحانی خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کرے۔ اور یوں انسان فلاح کے مقام کو پا لیتا ہے۔

آج کے خطبہ میں یہی دو سبق کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین یا ارحم الراحمین!

***

احادیث الرسولؐ

افشوا السلام

سلام کو رواج دو

(۱)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا اسلام افضل اور بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کھانا کھلانا اور ہر ملنے والے کو خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو سلام کرنا۔ (بخاری)

(۲)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہو گے یہاں تک کہ تم ایمان لے آؤ اور تم ایمان نہیں لاؤ گے یہاں تک کہ تم ایک دوسرے سے محبت کرو کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس پر تم عمل کرو تو باہم محبت کرنے لگو۔ (اور وہ بات یہ ہے) آپس میں سلام کو رواج دو۔ (ابوداؤد)

(۳)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن سلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ اے لوگو! سلام کو رواج دو۔ ضرورتمند کو کھانا کھلاؤ۔ صلۂ رحمی کرو اور اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی)

(۴)

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے میرے بیٹے جب تم گھر جاؤ تو سلام کہو اس طرح تمہیں بھی برکت ملے گی اور تمہارے خاندان کو بھی۔ (ترمذی)

(۵)

ترجمہ:۔ حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم بیمار کی عیادت کریں جنازے کے ساتھ جائیں۔ چھینک مارنے والے کی چھینک کا جواب دیں قسم کھانے والے کو اسکی قسم کے پورا کرنے میں مدد دیں مظلوم کی مدد کریں اور دعوت کے لئے بلانے والے کی دعوت قبول کریں اور سلام کو رواج دیں۔ (بخاری)

(۶)

ترجمہ:۔ حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کا زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے (ابوداؤد)

(۷)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کہے پھر جب کوئی درخت یا دیوار یا پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہو جائے یعنی وہ ایکدوسرے سے اوجھل ہو جائیں اور بعد میں فوراً ہی آپس میں ملیں تو پھر ایک دوسرے کو سلام کہیں۔ (ابوداؤد)

***

از قلم مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن ۔ سبق نمبر ۴۵

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ
وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (البقرۃ ۔ آیت ۱۸۸)

ترجمہ:۔ "اور اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقہ پر مت کھاؤ ۔ اور نہ ان کے ذریعہ حاکموں تک پہنچو تاکہ لوگوں کے اموال کا کوئی حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ درآنحالیکہ تم جانتے ہو۔"

رمضان المبارک کے بارہ میں سورۃ البقرۃ کے رکوع ۲۳ میں کل سات آیات میں تمام احکام آ گئے ۔ اور یہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا کمال ہے کہ کم سے کم اور سادہ سے سادہ الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مضامین کس خوبی سے ادا کرتا ہے ۔ یہی خوبی کی بات ہے نہ کہ فصاحت و بلاغت کا عام مگر غلط تصور کہ ایک بات کے لئے آدھے درجن الفاظ کی بھرمار ہو جو ثقیل اور دقیق ہوتے ہیں اور اگرچہ ہم قافیہ اور ہم آواز ہونے کی وجہ سے کانوں کو بھلے معلوم دیتے ہیں مگر سوائے مقرر کے ناواقف لوگوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر واہ، واہ لینے کے اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا ۔ اس رکوع کی آٹھویں اور آخری مگر نہایت مختصر آیت میں جو اوپر درج ہے کیا سمندر کو کوزہ میں بند کیا ہے ۔!

قارئین کو یاد ہو گا کہ اس سے پہلی آیات میں جو انسان کے حیوانی جسم سے تین حیوانی خواہشات پیدا ہوتی ہیں کھانے ، پینے اور جنسی تعلق SEX کی ان کو قابو میں رکھنے کے لئے فرمایا تھا کہ جس طرح باہر کے حیوان کو سدھایا جاتا ہے ان تین خواہشات سے کچھ عرصہ روک کر، انسان اپنے باطنی حیوان کو بھی اسی طرح قابو میں لائے جو کہ روزہ ہے یہی تقویٰ کو پانا آسان ہو جاتا ہے ورنہ اور حیوانوں کی طرح انسان کا باطنی حیوان بھی منہ زور ہونے کی وجہ سے انسان سے حدود اللہ کو تڑوا کر اسے گناہوں اور دکھوں میں ڈال دیتا ہے ۔ مگر حیوان کو اپنی ان تینوں خواہشات کو پورا کرنے کے لئے روپے پیسہ کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ انسان کو کھانے پینے اور شادی بیاہ کے لئے مال کی ضرورت ہوتی ہے ۔

مال و دولت کو اللہ تعالےٰ نے انسانوں کی زندگی کو قائم کرنے کے لئے بنایا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما (النساء ۔ آیت ۵) "تمہارے اموال جن کو اللہ نے تمہارے لئے قیام (یا سہارا) بنایا ہے ۔" اور دیکھ لیں کہ انسان کی زندگی کا ڈھانچہ مال پر ہی قائم ہے ۔ اسی سے اس کی سب ضروریات پوری ہوتی ہیں ۔

اور مال و دولت کمانے کے جذبے کے لئے انسان کے اندر کھانے پینے اور شادی بیاہ کی خواہشات کے علاوہ مال کی خواہش بھی انسان کے اندر پیدا کی تاکہ انسان کی کوشش پورے شوق سے ہو تبھی تو وہ بہترین نتائج پیدا کر سکتی ہے ۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اور خواہشات نفسانی کی طرح مال کی خواہش نہ صرف محبت کا رنگ اختیار کر لیتی ہے بلکہ وہ محبت حد سے بڑھ جاتی ہے ۔ اسی کی قرآن حکیم نے انسان کو تنبیہ ان الفاظ میں کی ہے وتحبون المال حبا جما (الفجر ۸۹ ۔ ۲۰) "اور تم مال سے بے حد پیار کرنے لگتے ہو" ۔ ایک حد تک محبت مال کو کمانے کے لئے بے ضرر ہو سکتی ہے ۔ مگر جب وہ محبت حد سے بڑھ جائے تو پھر انسان سے وہ تمام گناہ اور بربادیاں کراتی ہے جن سے انسانیت ہمیشہ دکھی رہی ہے اور اب کچھ زیادہ ہی ہے کیونکہ مال کی محبت پر وہ حد جو تقریباً تمام مذاہب میں اللہ تعالےٰ نے مقرر فرمائی تھی وہ اب پاش پاش ہو چکی ہے اسلئے کہ مذہب کا انسان پر وہ کنٹرول نہیں رہا جو پہلے تھوڑا بہت تمام قوموں میں ہوتا تھا ۔ وہ خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ حد کیا ہے ؟ آج ہی کی مذکورہ بالا آیت میں سے سن لیجئے ۔ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل ۔ "اور اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقہ سے مت کھاؤ ۔" قرآن حکیم بھی کیا کتاب ہے ، ایک ایک لفظ کیا لفظ کا حصہ بھی علم و حکمت کا خزینہ اپنے اندر رکھتا ہے ۔ یوں بھی یہ حکم دیا جا سکتا تھا کہ مال کو باطل طریقہ سے مت کھاؤ مگر قربان جایئے اس کتاب پر کہ لفظ اموال میں کم کی ضمیر بڑھا کر ایک زبردست حقیقت پر سے پردہ اٹھا دیا ۔ وہ یہ کہ جب تم میں سے کوئی باطل طریقہ سے مال کو کھاتا ہے تو وہ لازماً کسی اور کا مال کھاتا ہے ۔ اس لئے لوگ جن باطل طریقوں سے بھی مال کھاتے ہیں وہ ایک دوسرے کے مال ہوتے ہیں ۔ یہاں لفظ باطل کے معنے جاننے مفید ہوں گے ۔ باطل کا معنیٰ حق کے نقیض ہونے ، مخالف ہونے کے ہیں ۔ تو جس مال پر تمہارا حق نہ ہو وہ اگر تم کھاؤ تو وہ باطل ہو گیا ۔ ظاہر ہے کہ جو مال چوری ۔ ڈکیتی ۔ قتل ۔ لوٹ مار، غبن ، دھوکہ بازی، خیانت ، ناجائز تصرف ، رشوت ، منافع خوری، ملاوٹ ، بلیک مارکٹ ، سمگلنگ کر کے یا اللہ تعالےٰ یا حکومت کے کسی حکم کے خلاف کمایا جائے وہ ناجائز اور حرام ہے اور انسان کا اس پر کوئی حق نہیں ۔

ممکن ہے کہ کسی مذہبی انسان کے دل میں خیال آئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی ان معاملات میں فرمانبرداری تو سمجھ آ سکتی ہے مگر کیا دنیاوی قوانین جو حکومتیں نافذ کرتی ہیں ان کی فرمانبرداری بھی انسان پر فرض ہے ؟

جواب ہے۔ ہاں فرض ہے۔ پر اگر سوال پیدا ہو کہ کیا کوئی ملکی قانون اللہ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف تو نہیں تو قرآن اور حدیث کی روشنی میں اس کا فیصلہ کرو۔ جیسا کہ فرمایا یایھا الذین امنوا اطیعو اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ج فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول (النساء۔ ۵۹) "اے لوگو جو ایمان لاتے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے جو برسر اقتدار ہوں۔ پھر اگر آپس میں کسی چیز میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لے جاؤ" یعنے قرآن اور حدیث پر پیش کر کے فیصلہ کرو۔

دنیا میں سب سے زیادہ آسان مال کو جس پر انسان کا حق نہ ہو کھا جانا یتیم کے مال کو کھا جانا ہوتا ہے۔ وہ بچہ ہو یا لڑکا، بچی ہو یا لڑکی، بیوہ ہو یا کوئی بے والی وارث ہو اس کی بے کسی و بے بسی اور کمزوری یا اس کے بچپن یا لڑکپن یا عورت ہونے کیوجہ سے لوگ دلیری اور بے خوفی سے ان کا مال کھا جاتے ہیں۔ اسی لئے قرآن پاک نے یتامیٰ (جس میں بن باپ بچوں کے علاوہ بیوائیں بھی آتی ہیں) کے مال کے بارہ میں بار بار احکام دیئے ہیں کہ وہ مقدس امانت ہوتا ہے اس کو زیادتی کر کے یا ہیرا پھیری کر کے مت کھا جاؤ۔ دو جگہ سے سن لیجیئے۔

ان الذین یاکلون اموال الیتٰمیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا ط وسیصلون سعیرا ہ (النساء۔ ۱۰)

"جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کر کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی کھاتے ہیں اور وہ (باہر کی بھی) بھڑکائی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔" اور یتیموں کو وراثت میں سے پورا حق دینے یا اگر تم ان کے والی ہو تو ان کے بلوغت کو پہنچنے پر ان کے مال ایمانداری سے واپس کرنے کے بارہ میں یوں فرمایا

واتوا الیتٰمیٰ اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ص ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم ط انہ کان حوبا کبیرا ہ (النساء۔ ۲)

"اور یتیموں کو ان کے مال دو۔ اور اچھی چیز کو ردی سے نہ بدلو۔ اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر (یعنے شراکت کا رنگ دیکر) نہ کھاؤ۔ یہ بڑا گناہ ہے۔"

یتیموں کے اموال یا سامان یا زمین وغیرہ کے بدلہ میں گھٹیا اموال یا جائیداد پکڑا دینا گناہ ہے۔ اسی طرح یتامیٰ کے اموال جن کے تم ولی ہو تجارت میں لگانے میں حرج نہیں اگر نیت یہ ہو کہ اس طرح وہ بڑھیں مگر اگر نیت یہ ہو کہ شراکت کا رنگ دیکر یتیموں کے مال کو یا ان پر منافع کو کھا جاؤ تو یہ بڑا گناہ ہے۔ یہ بڑے باریک طریقے ہیں یتیموں اور بیواؤں کے مال کھا جانے کے اور وہ بیچارے دنیاوی عدالتوں میں نہ تو اپنا مقدمہ لڑ سکتے ہیں نہ آسانی سے ثابت کر سکتے ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم نے ان کے بارے میں سخت وعید دیئے ہیں کہ اللہ تعالےٰ جو تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے اور تمہاری چالاکیوں سے بخوبی واقف ہے اسکی پکڑ سے ڈرو۔

آج کے سبق میں ذکر ہے ایک اور باطل طریقہ پر مال کمانے کا جو بہت عام ہے اور لاعلاج بنا ہوا ہے۔ وہ ہے رشوت ستانی۔ فرمایا کہ اپنے مال کے ذریعہ حاکموں تک نہ پہنچو تاکہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔ قرآن کریم بھی عجیب کتاب ہے۔ یہاں اپنے مال کے ذریعہ حاکموں تک پہنچنے کا لفظ استعمال فرمایا۔ حاکموں تک اکثر پہنچنا مشکل ہوتا ہے مگر رشوت لے کر پہنچنا بہت آسان ہوتا ہے۔

رشوت تمام روکیں مثلاً دربان یا حاکم سے ناواقفیت وغیرہ سب روکوں کو دور کر دیتی ہے۔ مگر اس آیت کے الفاظ خاص احتیاط سے رکھے ہوئے ہیں ان پر غور کریں تو مندرجہ ذیل باتیں ان میں سے نکلتی ہیں۔

۱۔ رشوت دے کر دوسرے لوگوں کا مال یا اس کا کچھ حصہ یا کسی کا حق غصب کر لینا گناہ ہے۔

۲۔ مگر اگر اپنا مال چھڑانا ہو یا حق لینا ہو اور حاکم بغیر اپنی مٹھی گرم کئے اسے نہ دیتا ہو تو کتے کے مونہہ میں ہڈی دے دینے میں حرج نہیں۔ یہ اجازت نہایت نازک امر ہے کہ اپنا مال یا حق لینے کے لئے اگر کسی حاکم (جو اسکے بغیر تمہارا حق نہ دے) کو کچھ دینا دلانا پڑے تو حرج نہیں۔ مگر اس میں نہایت احتیاط لازمی ہے کہ انسان اس کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اور دانستہ کسی اور کا مال یا حق نہ مارے۔ (اس لئے فرمایا وانتم تعلمون "درآنحالیکہ تم جانتے ہو" کہ کسی اور کا مال یا حق تم کھائے جا رہے ہو۔) اس اجازت سے راشی حاکم کا جرم کم نہیں ہوتا مگر جو محکوم خود اپنے مال یا حق سے محروم کیا جا رہا ہو سوائے اس کے کہ وہ اس چٹی کو بھرے اس کو ظلم سے نجات ملتی ہے، اور آخر وہ اپنا مال یا حق ہی لے رہا ہوتا ہے نہ کہ کسی اور کا۔ انہی وجوہ سے حضرت امام الزمان نے اسکے [illegible] کا فتوای دیدیا تھا۔ میں بے شمار مثالیں دے سکتا ہوں جن میں اس اجازت کے سوا کوئی اور صورت نہیں۔ ایک طالب علم پاس ہو چکا تھا۔ مگر ڈگری نہیں ملتی تھی سوائے مٹھی گرم کئے۔ اس نے افسرانِ بالا کے بہت دروازے کھٹکھٹائے۔ مگر وہ پوچھ گچھ کرتے تھے تو راشی ماتحت عذر بہانوں سے ٹال جاتے تھے۔ آخر طالب علم بیچارے کو سو کے سوا سو دیکر ڈگری لینی پڑی۔ ایک صاحب کو مزدوری کام کے لئے ملک سے فوراً باہر جانا تھا مگر پاسپورٹ ملنے میں اتنی لیت و لعل کی گئی کہ بالآخر اسے مٹھی گرم کرنی پڑی۔

ایک دلچسپ کہانی سنا کر یہ سبق ختم کرتا ہوں۔ پچھلے زمانہ میں کسی بادشاہ نے کسی نیچ عورت کو جو حسین تھی محل میں ڈال لیا۔ اس عورت کے اصرار پر اس کے بھائی کو بادشاہ نے کسی محکمہ میں ملازمت دے دی۔ مگر اس شخص نے رشوت ستانی اس قدر کی کہ بادشاہ کے ناک میں دم کر دیا۔ جس محکمہ میں بادشاہ اسے رکھے یا بدلے وہیں وہ شخص زمین آسمان ایک کر دیتا تھا۔ آخر تنگ آکر بادشاہ نے اس شخص کو کہا کہ تم محل کی دیوار پر بیٹھ کر دریا کی لہروں کو گنا کرو اس کی ہم تمہیں تنخواہ دیں گے۔ بادشاہ نے سوچا کہ دریا

کی لہریں گننے میں اسے رشوت ستانی کا کیا موقعہ ہوگا۔ مگر ان حضرت نے جو کشتی یا بادبانی جہاز آئے اسے ڈانٹ ڈپٹنا شروع کیا کہ ہم بادشاہ کے حکم سے دریا کی لہریں گن رہے ہیں۔ خبردار جو تم ہمارے کام میں حارج ہوئے۔ تو وہاں بھی اس شخص نے اپنی مٹھی گرم کرنی شروع کر دی۔ اس کہانی کو لکھنے کے دو مقصد ہیں۔ اول یہ کہ رشوت ستانی ہمیشہ سے چلی آئی ہے۔ دوئم یہ کہ حکومت کی طرف سے پوری کوشش کے باوجود اس مرض کو دور کرنے میں کامیابی نہیں ہوتی۔ آجکل سخت مہنگائی اور دنیا پرستی اور زر پرستی اور تعیش کے سامانوں کی حرص نے اس مرض کو اور سنگین اور عام کر دیا ہے میں حکومت میں قریباً چالیس سال رہ چکا ہوں۔ میں اپنے علم کی بناء پر یقینی طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر حکومت نیک نیتی اور پوری کوشش سے اس برائی کو دور کرنا چاہتی ہے مگر کوئی حکومت، کوئی قانون، کوئی عدالت، کوئی پولیس، کوئی محکمہ انسداد رشوت ستانی باوجود نیک نیتی سے اپنی پوری کوشش کرنے کے اس مرض پر قابو نہیں پا سکے۔ کہا جاتا ہے کہ غربت وجہ ہے رشوت ستانی کی۔ آج امریکہ سے بڑھ کر کوئی امیر با تعلیم و تہذیب میں ترقی یافتہ ملک نہیں۔ مگر وہاں اوپر سے لے کر نیچے تک یہ مرض عام ہے یورپ میں بھی یہی حال ہے۔ جاپان کے ایک وزیر اعظم تک بھی اس میں ملوث نکلے حالانکہ جاپان امیر ترین ممالک میں سے ہے۔

تو اصل وجہ غربت نہیں۔ بلکہ خدا خوفی کا نہ ہونا ہے۔ آخرت پر سے ایمان اُٹھ جانا ہے۔ یہ فرض والدین کا، استادوں کا، مولوی اور واعظ صاحبان کا ہے کہ وہ لوگوں میں خدا پر اور آخرت پر ایمان کو پیدا کریں۔ صرف اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان اس مرض کو دور کر سکتا ہے، اور کوئی اس کا علاج نہیں۔ روزہ جس کے احکام والے رکوع میں اس آیت کو لائے ہیں وہ بھی خدا تعالےٰ پر زندہ ایمان قائم کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ سخت گرمی میں انسان گھر کی تنہائی میں جہاں اُسے کوئی نہ دیکھ رہا ہو اور پیاس کی شدت اسے تڑپا رہی ہو اور ٹھنڈی مشین میں سرد پانی یا شربت اُسے بلا رہا ہو، وہ اس لئے پانی کی بوند حلق سے نہیں اترنے دیتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ مہینہ بھر اس ایمان پر قائم رہنے سے بشرطیکہ اس ایمان کا احساس اُسے واعظ یا خطیب دلائیں، تو زندہ خدا پر زندہ ایمان قائم ہو جانے میں مدد ملتی ہے۔ روزہ کے احکام کے ساتھ آج کے سبق کی آیت کو لانے میں ایک اور حکمت بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ جب تم مہینہ بھر اللہ تعالےٰ کے حکم کی فرمانبرداری میں حلال چیزوں سے اجتناب کرتے رہے حالانکہ تمہیں اُن کی سخت طلب پیدا ہوتی تھی۔ تو اس کے بعد تم حرام مال کس طرح کھا سکتے ہو؟ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم قرآن کریم بھی کیا حکمت بھری کتاب ہے!

٭٭٭

"اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں"۔ (قرآن کریم)

اخبارِ احمدیہ

* حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ایبٹ آباد میں بفضلہ تعالےٰ بخیر و عافیت ہیں۔ دینی امور کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ احباب کرام اپنی دعاؤں کو بالالتزام جاری رکھیں کہ اللہ تعالےٰ آپ کو باصحت طویل عمر عطا فرمائے۔ آمین!

* **سانحہ ارتحال**

یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ دی جا رہی ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کے ایک مخلص، متقی اور دینی امور میں جواں ہمت دوست چوہدری فضل داد صاحب مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۸۳ء بعمر ۷۵ سال انتقال کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ مذہبی امور میں مثالی کردار کے مالک تھے سلسلہ سے لگاؤ اور عقیدت بے حد تھی۔ اور جماعتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ آپ نے اپنے پیچھے دو لڑکے اور چار لڑکیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔ ہمیں ان کے برادران چوہدری محمد حیات صاحب، چودھری الہ داد صاحب اور چودھری فتح محمد عزیز صاحب ایڈووکیٹ گجرات سے دلی ہمدردی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ احباب سلسلہ سے غائبانہ نماز جنازہ کی درخواست ہے۔

* **ایک اور وفات:**

حافظ عبدالرؤف صاحب ملتان سے لکھتے ہیں کہ محترم ڈاکٹر مرزا رفیق بیگ صاحب (صدر جماعت احمدیہ ملتان) کی اہلیہ صاحبہ ۲۴۔ اگست کی رات ۸ بجے وفات پا گئی ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالےٰ مرحومہ کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے بچوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

احبابِ کرام سے جنازۂ غائبانہ کی درخواست ہے۔

تیرے کنار میں قرآں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ علم و فن کی ترقی یہ قمقمے یہ نور!
بشر کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

چراغ فلسفہ روشن بھی کر لیا تو کیا ہوا
تیرے کنار میں قرآں نہیں تو کچھ بھی نہیں

قیام نیم شبی سجدۂ سحر افروز
اگر محبتِ یزداں نہیں تو کچھ بھی نہیں،

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب لندن۔

پاکستان میں حربۂ تکفیر اور حربۂ تخریب

حکومت تکفیر کے خلاف اسلامی عقیدہ پر پابندی لگائے۔

دین اسلام کی سب سے نمایاں خصوصیت، اس کا عظیم موقف اتحاد و امن کا پیغام ہے۔ چنانچہ جملہ اہل کتاب قرآن کریم کی یہ ندا ہے تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم۔ آؤ اتفاق کے مشترکہ نقطہ کی طرف۔ یعنے جو تمام دینوں میں کلمہ واحدۃ ہے اس پر کامل رنگ میں عمل پیرا ہو جائیں تو بہت سی تفریقات ختم ہو جائیں گی۔ اسی طرح قرآن کریم نے مسلمانوں کے اتحاد کا ذریعہ فرقانِ حمید و سنتِ رسولؐ کی طرف لوٹنا قرار دیا۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا۔ اور حدیث شریف میں یہ تلقین فرمائی کہ میں اپنے بعد تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ خدا کی کتاب اور میری سنت۔ حقیقتاً خدا کا کلام اور رسول اللہؐ کا نمونہ ایک ہی شئے میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ آنحضرت صلعم کا اسوہ حسنہ دراصل کلام الٰہی کی عملی تفسیر ہی ہے۔ عملاً تمام مسلمانوں کا اس امر پر پورا اتفاق و اتحاد ہے کہ ہر وہ فرد جو قرآن و سنت کا پیرو بننے کا مدعی ہے وہ دائرہ اسلام کے اندر اور اخوت اسلامیہ کا فرد ہے۔ اس مشترکہ کلمۂ واحدۃ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ غیر مسلم اصحاب بھی مسلم و غیر مسلم میں یہی تمیز روا رکھتے ہیں۔ مسلمان وہ ہے جو قرآن و سنت رسولؐ کا قائل ہے اور غیر مسلم وہ جو ان کا معتقد نہیں۔ اتحاد و اتفاق ایک عظیم قوت ہے۔ اس کے برعکس تفرقہ بازی و تکفیر سب سے بڑی کمزوری ہے۔ قرآن و سنت پر اتحاد کے بعد باقی اختلافات ثانوی حیثیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ چودھویں صدی کے مجدد اعظم نے مسلمانوں کی اصلاح کا جب بیڑہ اٹھایا تو قرآن و سنت کو معیار اسلام اور کلمہ طیبہ کے اقرار کو اسلام کا نقطۂ اتحاد قرار دیا۔ آپ اس امر کے اس قدر پابند تھے کہ فرمایا:۔

"ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے انکار سے کوئی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا" تفرقہ اور تکفیر اسلام کے لئے خطرہ اور ہلاکت کا موجب ہیں اتفاق و اتحاد کا معیار قرآن و سنت رسولؐ قرار دینا ملت اسلامیہ کی تعمیر کی بنیادی اینٹ ہیں۔ اس لئے ہمیشہ سے مجدد زماں کی یہی تلقین رہی اور آپ کی اقتدا میں جماعت احمدیہ لاہور کی بھی یہی مخلصانہ سعی رہی۔ چنانچہ اس جماعت کے پیدا کردہ علم کلام اور اس کے جرائد کی پیشانیوں پر اعلان اس امر کے علی الاعلان گواہ ہیں کہ یہ جماعت کلمہ طیبہ کا از حد احترام روا رکھتی ہے۔

تکفیر و تفرقہ کی مہلک وبا، علماء اسلام میں عام مرض ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور سے ہی مختص نہیں۔ بلکہ ایک ہی فرقہ کے افراد کے مابین بھی تکفیر بازی کا بازار گرم رہتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ موسم سرما میں کراچی میں شیعہ سنی کی تکفیر بازی نے فسادات اور قتل و خون ریزی کی شکل اختیار کر لی۔ اس تکفیر کے نتیجے میں کون سا عالم - مجتہد - مجدد اور مصلح مسلمانوں میں ہوا جس پر کفر کا فتوای علماء وقت نے عائد نہ کیا ہو اور جسے تعزیر کا مستحق نہ ٹھہرایا ہو۔ مولانا کوثر نیازی صاحب کا مضمون جو "جنگ لندن" میں چھپا ہے۔ اس کے پڑھنے سے میرے بیان کی بخوبی وضاحت ہو سکتی ہے۔ قارئین پیغام صلح اسے غور سے پڑھیں۔ مولانا لکھتے ہیں:۔

"کسی مسلمان کو کافر قرار دے دینا انتہا درجے کی شقاوت اور سنگ دلی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف کے اکابر علماء و فقہا اس سلسلے میں بے حد محتاط تھے مشہور حنفی فقیہ علامہ شامی نے اپنی کتاب "ردالمختار" میں لکھا ہے کہ۔ ایک مسلمان کے کسی قول اور عقیدے کی سو تاویلیں ممکن ہوں جن میں سے ننانوے کفر ہوں اور صرف ایک احتمال ایمان کا ہو تو اس کی تکفیر جائز نہیں"

مشہور صوفی بزرگ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تو اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔ انہوں نے اپنے مکتوب "انوار القلوب" میں فقہاء کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ قول فقہا ننانوے "احتمال" کا تحدیدی نہیں ہے بلکہ اگر کسی کے کلام میں ہزار احتمال ہوں جن میں سے نوسو ننانوے احتمالات کفریہ ہوں اور صرف ایک احتمال ایمان کا ہو تو اس کی بھی تکفیر جائز نہیں"

ہمارے مختلف مذہبی مکاتب فکر ان اصولوں کو سامنے رکھتے تو مسلمانوں میں کبھی انتشار و افتراق پیدا نہ ہوتا۔ وہ اختلاف رکھتے ہوئے بھی ایک ملت اور ایک جماعت بن کر رہ سکتے تھے مگر افسوس کہ ہر دور میں بعض غیر محتاط اور جذباتی اہل علم ذاتی اور گروہی تعصبات کا اندھا دھند تکفیر کا لٹھ گھماتے رہے اور انہوں نے یہ غور کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں فرمائی اسلام کی کتنی جلیل القدر ہستیاں اس کی زد میں آ رہی ہیں۔ تاریخ کے اوراق الٹے جائیں تو یہ تماشا نظر آتا ہے کہ مسلمانوں میں جتنی تاریخ ساز شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ جن کے تذکرے حذف کر دیئے جائیں تو خدمت اسلام کا باب اپنے سر عنوان ہی سے محروم ہو جائے۔ وہ سب کی سب اپنے اپنے زمانے میں بعض ظالم فتوای نگاروں کی نوازشات کا شکار ہو چکی ہیں۔ ہم نے اس سلسلے میں "حرمۂ تکفیر اہل قبلہ" تطہیر الاولیاء، مقام جنید، "تذکرہ اولیاء - حجج الکرامہ - سوانح مولانا عبداللہ غزنوی - حسام الحرمین - فتاوی الحرمین - رد کوثر اور نظم الدرر فی سلک السیر وغیرہ نامی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو ایسی ہستیاں جن پر کفر کے فتوے لگائے گئے ان کی فہرست میں یہ نام بھی دکھائی دیتے

ہیں ۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ۲۔ حضرت عمر فاروق رضؓ
۳۔ حضرت عثمان غنی رضؓ ۴۔ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ
۵۔ حضرت امام حسین رضؓ ۶۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ
۷۔ حضرت امام مالکؒ ۸۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحؒ
۹۔ حضرت امام شافعیؒ ۱۰۔ حضرت جنید بغدادیؒ
۱۱۔ حضرت شبلی رحؒ ۱۲۔ حضرت ذو النون مصری
۱۳۔ حضرت منصور رحؒ ۱۴۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحؒ
۱۵۔ حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحؒ ۱۶۔ حضرت بایزید بسطامیؒ
۱۷۔ حضرت داتا گنج بخشؒ ۱۸۔ حضرت مجدد الف ثانی رحؒ
۱۹۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ۲۰۔ حضرت امام غزالیؒ
۲۱۔ حضرت امام بخاریؒ ۲۲۔ حضرت ابن حزم رحؒ
۲۳۔ علامہ ابن تیمیہؒ ۲۴۔ علامہ ابن القیمؒ۔ ۲۵۔ حضرت ابوالحسن اشعری رحؒ
۲۶۔ حضرت سید محمد جونپوریؒ ۲۷۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
۲۸۔ حضرت مظہر جانِ جاناںؒ ۲۹۔ حضرت قاضی عیاض رحؒ ۳۰۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ ۳۱۔ حضرت فرید الدین عطار ۳۲۔ حضرت داؤد ظاہریؒ
۳۳۔ حضرت علامہ ابن رشد رحؒ ۔

جو اصحاب علم تاریخ اسلام میں علمائے سوء کے کردار سے آگاہ ہیں ان پر یہ امر واضح ہے کہ جب کبھی ماضی میں (اور حال میں بھی) کوئی مجتہد وقت در احیائے ملت کا طلبگار اور کوا ہوا اور ملت کے حضور اپنی دانائیوں ہوشمندیوں اور افکار عالیہ کا تحفہ نذر لایا تو علمائے تنگ نظر کا یہ گروہ تکفیر کے مسموم ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اس کے راستے میں آن کھڑا ہوا اور کچھ ایسے نوکیلے کانٹے اور نوکیلے پتھر اس کے سامنے بکھیرے کہ اس کے پاؤں لہولہان ہو گئے اور منزل کا سفر بھی دشوار سے دشوار تر ہو گیا۔

حضرت امام مالک رحؒ اپنے تقوٰی و طہارت اور پاکیزگی عمل کی رُو سے دوسری صدی ہجری کے امام اور مجتہد عصر تسلیم کئے گئے ہیں وہ حدیث کے پہلے مجموعے موطا امام مالکؒ کے مرتب و مولف ہیں انہوں نے اپنی ساری عمر مسجد نبوی میں گذاری اور وہ مدینہ کی گلیوں کو جنت کی روشوں سے بھی بہتر جانتے تھے انہوں نے اس خاک پاک سے آنکھوں کا نور بڑھایا تھا جو حضور سرور کون و مکان کے قدموں کو برابر دس برس تک چومتی رہی تھی علماء اور ابنائے وقت کے نزدیک ان کا پہلا جرم یہ تھا کہ انہوں نے ابو جعفر منصور اور ابو العباس سفاح کے ظالم ہاتھوں پر بیعت نہ کی تھی اور حضرت امام حسنؓ کے ایک بزرگ پوتے کو خلافت کا مستحق جانا تھا حضرت امام مالکؒ کا دوسرا جرم ان علماء کے نزدیک یہ تھا کہ انہوں نے فکر نو کی شمع جلائی تھی اور ملت بیضا کو نئی روشنی عطا کی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اونٹ پر بٹھا کر شہر بھر میں ان کی تشہیر کرائی گئی۔

حضرت امام شافعیؒ فقہ اسلامی کے روشن چراغ ہیں مگر یار لوگوں نے انہیں "اضرہ من ابلیس (شیطان) سے بڑھ کر خطرناک قرار دیا پہلے ان پر بغداد شہر کی وسعتیں تنگ کی گئیں پھر مصر کی فضاؤں میں ان کے خلاف خوفناک بارود اچھالا گیا اس سے برا سلوک امام احمد بن حنبل رحؒ کے ساتھ روا رکھا گیا۔ ان کی تکفیر کے فرمان پر علمائے سوء نے دستخط ثبت کئے تو ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں ان کو اونٹ کی ننگی پیٹھ پر سوار کیا گیا اور ان کے جسم پر کوڑے برسائے گئے علماء کا یہ تنگ نظر گروہ رئیس المحدثین امام بخاری رحؒ کے خلاف بھی اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ امام المحدثین نے ان کی وضعی حدیثوں کے چہروں سے نقاب الٹ دیئے تھے

اس گروہ نے اپنی کوتاہ نظری اور کج نگاہی کے مظاہرے احیائے اسلام کے داعی حضرت امام غزالیؒ کے خلاف تو اس قدر کئے تھے کہ حضرت امام کو ان کے اندر اپنی راہ بنانے میں مدتیں لگ گئیں۔ انہوں نے طب جدید اور فکر نو کے موجد اول جابر ابن حیان کے چہرے پر بھی تکفیر کا پتھر پھینکا۔

انہوں نے امام رازیؒ، فارابیؒ، حکیم ابن رشد، ابن سینا اور طب قدیم میں سب سے بڑے سرجن ابن الہیثم اور ابن الواحد پر تو کفر کے پتھر کچھ اس طرح برسائے کہ سارا ماحول پتھروں سے بھر گیا۔

غرضیکہ علماء کا یہ گروہ تنگ نظر بنو امیہ بنو عباس۔ سلجوقیوں، فاطمیوں، صفویوں ساسانیوں، غزنویوں، غوریوں اور مغلوں کے ادوار میں ہمیشہ ہر اس روشنی کی کرن کا دشمن رہا ہے جس سے ملت کے اندھیرے چھٹنے کا اسے گمان ہوا انہوں نے کبھی اجالوں کو سینے سے نہیں لگایا۔ انہوں نے کبھی فکری آفتابوں اور ماہتابوں کو خوش آمدید نہیں کہا۔ انہوں نے افق ملت پر نمودار ہونے والے کسی بھی ستارے سے پھوٹنے والے نور سے عوامی دھندلکے دور کرنے میں مدد نہیں لی۔

کوئی شبہ نہیں کہ ان اکابر اسلام کی تکفیر تاریخ اسلام کا ایک المناک سانحہ ہے مگر اس میں خوشی کا یہ ایک پہلو ضرور نظر آتا ہے کہ کفر کا فتویٰ لگانے والے معدودے چند تنگ نظر اور متعصب افراد تھے جنہیں کبھی قبول عام حاصل نہیں ہو سکا۔ مذکورہ بزرگان دین نے نہ انہیں کوئی اہمیت دی اور نہ ہی جوابی کارروائی میں الجھے نتیجہ یہ نکلا کہ یہ فتوے صابن کی جھاگ اور پانی کے بلبلوں سے زیادہ حیثیت حاصل نہ کر سکے۔

یہ تو پہلے ادوار کی بات تھی انگریزوں کے عہد غلامی کا جائزہ لیا جائے یا خود اپنے عہد آزادی کا تو اس میں زوال اور انحطاط کی دوسری علامتوں کے علاوہ تکفیر کی مہم بھی پورے جوبن پر نظر آتی ہے پہلے محض چند گنے چنے علمائے سوء اپنی ذہنی مصلحتوں کے تحت فتوای فروشی کا کاروبار کرتے تھے اب جماعتوں کی جماعتوں نے کفر سازی کے کارخانے کھول لئے۔

بخاری شریف (جلد اول باب استقبال القبلہ) میں آتا ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا جو شخص ہماری طرح کی نماز پڑھتا ہے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے وہ مسلمان ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی حفاظت اس کو حاصل ہے پس اے مسلمانو! اس کو کسی قسم کی تکلیف دیکر اللہ تعالیٰ کو اس کے عہد میں جھوٹا نہ بناؤ۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنی مشہور عالم کتاب حجۃ اللہ البالغہ (جلد ۱

ص ۲۲۲) میں حضورؐ کی ایک حدیث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"ایمان کی تین جڑیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہہ دے تو اس کے ساتھ کسی قسم کی لڑائی نہ کرو اس کو کسی گناہ کیوجہ سے کافر نہ بناؤ اور اسلام سے خارج مت قرار دے"۔

امام طبرانیؒ کہتے ہیں حضورؐ نے اسلام کو دس اجزاء پر منقسم کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اسلام کے دس حصے ہیں جس شخص کے حصے میں ایک حصہ بھی نہ آیا ہو وہ تباہ ہو گیا پہلا حصہ یہ ہے کہ جو شخص کلمہ طیبہ پڑھ دیتا ہے وہ ملت اسلامیہ میں داخل ہو جاتا ہے"۔ (کنز العمال)

مشکوٰۃ شریف کی یہ حدیث تو بڑی مشہور ہے کہ:-

رسول اللہ صلعم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے:-

۱۔ شہادت اس بات کی کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ تعالےٰ اور شہادت اس کی کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

۲۔ نماز قائم کرنا۔

۳۔ زکوٰۃ دینا

۴۔ حج کرنا

۵۔ رمضان کے روزے رکھنا

بنظر انصاف دیکھا جائے تو مسلمانوں کا کون سا ایسا گروہ ہے جو ان بنیادی عقیدوں پر یقین نہیں رکھتا سبھی کو ان اصولوں پر دل سے اتفاق ہے صرف بعض تشریحات یا فروعات میں جھگڑے ہیں جو اختلاف عقل کی وجہ سے عین فطری ہیں بنیادی اصولوں کو چھوڑ کر محض نزاعات کو اچھالنا نہ دین کی خدمت ہے نہ ملت کی۔ ہم اختلافات سے بالاتر ہوئے تو ہم نے پاکستان حاصل کیا پاکستان بننے کے بعد علمائے کرام نے اس نکتے کو سمجھا تو ان کے اتحاد و اتفاق کے نتیجے میں قرار داد مقاصد منظور ہوئی انہوں نے اسلامی دستور کے لئے کامل اتفاق رائے سے بنیادی اصول پیش کئے مگر افسوس کہ پاکستان بننے کے کچھ ہی عرصہ بعد فرقہ واریت نے فضا کو پھر سے مسموم بنا دیا اور پیشہ ور واعظوں نے ایسے ایسے تعصبات کھڑے کر دیئے کہ اختلاف عقیدہ کیوجہ سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے مصافحہ کرنے تک کا روادار نہ رہا مسجدوں پر تختیاں لگا دی گئیں کہ یہاں فلاں اور فلاں فرقے کے لوگ نماز ادا نہیں کر سکتے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کچھ عرصے سے یہ فضا خراب سے خراب تر ہو رہی ہے بریلوی دیوبندی اور شیعہ سنی نزاع کو ہوا دی جا رہی ہے۔ فتنہ تکفیر ایک مرتبہ پھر زوروں پر ہے اور یہ سب کچھ ایسے وقت میں ہو رہا ہے جبکہ ملک ایک خوفناک صورت حال سے دوچار ہے۔ دشمن ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ عالم اسلام کے جسد واحد سے صیہونیت کے لگائے ہوئے زخموں کیوجہ سے خون رس رہا ہے لاکھوں افغانی مسلمان گھر سے بے گھر ہو کر ہمارے ملک میں خیمہ زن ہیں۔ ہم کسی ایک فرقے کے واعظوں کو مطعون نہیں کرتے اس طرح کی کالی بھیڑیں ہر فرقے میں پائی جاتی ہیں لیکن سوچنے اور غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ جو علماء روشن خیال روادار اور فراخ دل ہیں وہ ان لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے کیا اقدام کر رہے ہیں ان انتشار پسند اور کافر ساز خطیبوں سے کچھ کہنا تو سراسر بے کار ہے وہ بیچارے اپنی معاشی ضروریات کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ غرض ان حضرات کو پکار رہا ہے جن کے دل میں درد جن کی نظر میں وسعت ہے اور ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں کہ خدا کے فضل و کرم سے ایسے اہل علم آج بھی ہر مکتب فکر میں پائے جاتے ہیں۔ یہ ان کا کام ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقے کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر فتنہ تکفیر کا سدباب کرنے کی کوشش کریں۔ ارباب حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے اب تک کے جاری کردہ احکام و قوانین کا غائر نظر سے جائزہ لیں کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کے بعض اقدامات سے فرقہ واریت کو فروغ حاصل ہو رہا ہو کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ آغاز کار ان اسلامی قوانین سے ہوتا جن پر سب مکاتب فکر کا اتفاق ہے۔ ان قوانین کے اجرا کے لئے بھی سالہا سال درکار تھے دریں اثنا نزاعی معاملات کے تصفیے کے لئے ہر عقیدہ و خیال کے اہل علم کا بورڈ بنتا جو پورے تدبر سے کوئی بیچ کی راہ نکالتا اس طرح نہ کسی گروہ کو یہ الزام لگانے کا موقع ہاتھ آتا کہ یہ تو ایک فرقے کی حکومت قائم کی جا رہی ہے اور نہ دوسرے گروہ کو یہ شکایت ہوتی کہ ان کے ہم عقیدہ محض بعض ادائیگوں سے بچنے کے لئے دوسرے گروہ میں شامل ہونے کا اقرار و اعلان کئے دے رہے ہیں۔ اسلامی حکومت کے قیام کا کام اس دور میں پل صراط پر چلنے کے مترادف ہے اس کیلئے علمائے حق کو بھی غیر معمولی فراست سے کام لینا ہو گا۔ ورنہ ہماری غفلت کے نتیجے میں پاکستان کی فضا میں فرقہ واریت اور تکفیر کا زہر پھیل گیا تو قوم مدت مدید تک کسی دینی نصب العین کے لئے کام کرنے کے قابل نہیں ہو سکے گی۔

(بشکریہ جنگ لندن)

باہتمام الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۳۱ اگست ۸۳ء — جلد ۷۰ شمارہ ۳۵

جلد: ۷۰ } یوم چہار شنبہ ۲۸ ذی قعد / ۶ ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ بمطابق ۷/۱۴ ستمبر ۱۹۸۳ء { شمارہ ۳۶-۳۷

ارشادات حضرت مجدد صد چہار دھم

دعا خدا تعالےٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے

دُعاؤں کے ذریعہ خُدا تعالےٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے

اصلاحِ نفس کے لئے اور خاتمہ بالخیر ہونے کے لئے نیکیوں کی توفیق پانے کے واسطے دُوسرا پہلو دُعا کا ہے۔ اس میں جس قدر توکل اور یقین اللہ تعالےٰ پر کرے گا۔ اور اس راہ میں نہ تھکنے والا قدم رکھے گا۔ اسی قدر عمدہ نتائج اور ثمرات ملیں گے۔ تمام مشکلات دُور ہو جائیں گی اور دعا کرنے والا تقوےٰ کے اعلےٰ محل پر پہنچ جائے گا۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ جب تک خدا تعالےٰ کسی کو پاک نہ کرے کوئی پاک نہیں ہو سکتا نفسانی جذبات پر محض خدا تعالےٰ کے فضل اور جذبہ ہی سے موت آتی ہے اور یہ فضل اور جذبہ دُعا ہی سے پیدا ہوتا ہے اور یہ طاقت صرف دُعا ہی سے ملتی ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ مسلمانوں اور بالخصوص ہماری جماعت کو ہرگز ہرگز دعا کی بے قدری نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہی دعا تو ہے جس پر مسلمانوں کو ناز کرنا چاہیئے۔

دُعا خدا تعالےٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ ایک جگہ فرماتا ہے واذا سالك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ یعنی جب میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ خدا کہاں ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے تو کہہ دو کہ وہ بہت ہی قریب ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اسے جواب دیتا ہوں۔ یہ جواب کبھی رویاء صالحہ کے ذریعہ ملتا ہے اور کبھی کشف والہام کے واسطے سے اور علاوہ بریں دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالےٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قادر ہے کہ مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔

غرض دعا بڑی دولت ہے اور قرآن شریف میں جابجا اسکی ترغیب دی ہے اور ایسے لوگوں کے حالات بھی بتائے ہیں جنہوں نے دُعا کے ذریعہ اپنی مشکلات سے نجات پائی۔ انبیاء علیھم السلام کی زندگی کی جڑ اور ان کی کامیابیوں کا اصل اور سچا ذریعہ یہی دُعا ہے۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور عملی طاقت کو بڑھانے کے واسطے دعاؤں میں لگے رہو۔ دعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی ہو گی جو خدا تعالےٰ کے فضل سے خاتمہ بالخیر ہو جاوے گا۔

(ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۲۶۷، ۲۶۸-۲۶۹)

ضروری تصحیح :۔ پیغام صلح ۱۷ اگست شمارہ ۳۲ صفحہ ۳ پر حضرت امیر ایدہ اللہ کا جو خطبہ طبع ہو چکا ہے وہ عید الفطر کا خطبہ ہے غلطی سے اسے "خطبہ جمعہ" لکھ دیا گیا ہے۔ احباب سے گذارش ہے کہ اسکی تصحیح فرمالیں۔ ادارہ اس غلطی پر معذرت خواہ ہے۔ (ادارہ)

مذہب کی غرض انسان کو خدا تک پہنچانا ہے۔

یہ غرض آنحضرت صلعم کی کامل اتباع کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی

خطبہ جمعہ مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۸۳ء فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بمقام دارالسعید، ایبٹ آباد۔

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورہ آل عمران کی آیات ۳۱ تا ۳۴ "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ------ واللہ سمیع علیم" کی تلاوت کی اور ان کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

میں نے آپ کے سامنے سورہ آل عمران کی ان چار آیات کی تلاوت کی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس بات سے آگاہ کر دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ تم سے محبت کرے اور تمہیں تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے۔ کہہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو پھر اگر وہ پھر جائیں تو اللہ انکار کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کے گھرانے اور عمران کے خاندان کو قوموں پر چن لیا۔ یہ ایک دوسرے کی نسل سے تھے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

ترجمہ کے بعد سادہ اور عام فہم الفاظ میں ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ مذہب کی اصل غرض انسان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا اور اس تک پہنچانا ہے۔ مذہب کے معنے ہیں راستہ ایسا راستہ جس پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لے۔ اسی راستے کو قرآن کریم میں صراط مستقیم کہا گیا ہے جس میں کسی قسم کی کجی۔ ٹیڑھا پن اور اونچ نیچ نہ ہو اور جس پر ہر ایک انسان اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق آسانی سے چل سکے اور وہ اللہ سے محبت کرنے والا اور اللہ اس سے محبت کرنیوالا بن جائے۔

دنیا میں مختلف مذاہب کے پیرو ہو گذرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب ہی وہ مذہب ہے جسے اختیار کر کے انسان خدا سے تعلق پیدا کر کے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ قالت الیھود والنصٰری نحن ابنٰٓؤا اللہ واحبّٰٓؤہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم "یہودی اور عیسائی کہتے ہیں ہم ہی اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہو تو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے عذاب کیوں دیتا ہے۔ اپنے پیاروں اور بیٹوں کو تو کوئی عذاب نہیں دیتا۔

یہاں دل میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور ان کے ساتھی بھی تو اللہ تعالیٰ کے پیارے ہوتے ہیں انہیں کیوں مصائب اور ابتلاء پیش آتے رہے ہیں۔ سب سے بڑھ کر تکالیف ہمارے نبی کریم صلعم کو اور آپؐ کے صحابہ رضؓ کو پیش آئیں۔ وطن چھوڑنا پڑا اور جنگیں لڑنا پڑیں۔ آخر ایسا کیوں ہوا۔ ان سے بڑھ کر اللہ کا محبوب کون تھا۔ قرآن کریم نے عذاب اور ابتلاء کا فلسفہ اس آیت میں خود ہی بیان کر دیا ہے:۔

ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکٰذبین۔"

"اور یقیناً ہم نے انہیں مصائب میں ڈالا جو ان سے پہلے تھے۔ پس ضرور اللہ انہیں معلوم کر لے گا جو سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور معلوم کر لیگا۔" (العنکبوت ۳) ولنبلونکم حتی نعلم المجٰھدین منکم والصّٰبرین ونبلوا اخبارکم اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں اور تمہارے حالات کو جانچ لیں۔ (محمدؐ ۳۱)

ہمارے حضرت صاحب بھی "الوصیت" میں فرماتے ہیں۔

"مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعوٰی بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ مومنوں پر جو مصائب اور ابتلاء آتے ہیں وہ ان کے صدق و ثبات کا امتحان ہوتا ہے۔ تاکہ ان کے مخفی جوہر کھلیں اور وہ کٹھالی میں پڑنے والے سونے کی طرح کندن ہو کر نکلیں۔ یہ امتحان ہی ہوتا ہے جس میں کوئی معزز اور کوئی رسوا ہو کر نکلتا ہے۔ کافروں کے لئے ان کی نافرمانی کی وجہ سے یہی مصیبتیں عذاب ہوتی ہیں اور مومنوں کے لئے انہیں اعلیٰ مقامات تک پہنچانے کے لئے آزمائش۔

مشرکین کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب سچا اور خدا تک پہنچانے والا ہے" والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ" وہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر اور چیزوں کو اپنے ولی بناتے ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں ان کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل ہو جائے۔ (زمر ۳)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایک اصولی بات بیان فرمائی ہے قل لو کان معہٗ اٰلھۃ کما یقولون اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلا۔

سبحٰنہٗ وتعالیٰ عما یقولون علوا کبیرا"۔ کہہ اگر اللہ تعالےٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو یہ ضرور عرش کے مالک کی طرف رستے ڈھونڈ نکالتے۔ وہ پاک ہے اور جو کچھ اس کے متعلق یہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں اس سے وہ بہت ہی بلند ہے۔ یعنی ان کے یہ باطل معبود انہیں اللہ تعالیٰ اور پاکوں سے محبت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں۔ عیسائیوں اور مشرکین کے دعووں کو دلیل کے ساتھ جھٹلا دیا ہے۔ نرا دعویٰ کوئی چیز نہیں اس کے ساتھ اس کی صداقت کا ثبوت بھی ہونا چاہیئے جو ان مذاہب کے پاس نہیں ہے۔ کسی مذہب کے سچا ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ وہ نشان دکھائے۔ اس کے پیروکاروں کا وجود یہ شہادت دے کہ ہاں اللہ تعالےٰ موجود ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کے ذریعہ خوارق عادت نشان دکھاتا ہے۔ ان پر غیب کی خبریں ظاہر کرتا ہے۔ ان کی دعاؤں کو قبول کرتا اور بظاہر ناممکن کو ممکن کر دکھاتا ہے جس سے عقل حیرت میں پڑ جاتی ہے۔ ایسا مذہب اب صرف اسلام ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے" ان الدین عند اللہ الاسلام۔ اللہ کے نزدیک اب دین صرف اسلام ہی ہے۔" ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ ج وھو فی الاخرۃ من الخٰسرین۔ اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہتا ہے تو اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

حضرت صاحب فرماتے ہیں: ؎

مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا + اب آسماں کے نیچے دین خدا یہی ہے

کیونکہ ؎

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے + یہ ثمر باغ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

اب اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس پر چلنے والوں کے ہاتھوں پر اللہ تعالےٰ نشان دکھلاتا ہے ان سے ہمکلام ہوتا اور ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتا ہے لیکن یہ دین اسلام وہ دین ہے جسے قرآن حکیم پیش کرتا اور جس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے عمل کر کے دکھلایا ہے۔ ؎

ہست فرقاں طیّب و طاہر شجر + از نشانہائے دہد ہر دم ثمر

فرقاں ایک ایسا پاکیزہ درخت ہے جو اپنے نشانات کے ذریعے ہر لحظہ پھل دیتا ہے۔

اسی لئے اس آیت میں ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے اور اس سے محبت کرتے ہو تو تم میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس امت میں ہزاروں اولیاء اللہ ہوتے ہیں جنھوں نے آنحضرت صلعم کے نقشِ قدم پر چل کر اس مقام کو پایا۔ انہی اولیاء اللہ میں سے بعض کو اللہ تعالےٰ نے مجددیت کے منصب پر فائز کر کے ان کے ذریعے ہر زمانے میں دیگر مذاہب پر اسلام کی فضیلت اور برتری ثابت کی۔ اتباع رسول صلعم کے ثمرات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے: یآیھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ واٰمنوا تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے دے اور تمہارے لئے نور پیدا کر دے جس سے تم چلو اور تمہاری مغفرت کرے اور اللہ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا تقویٰ بھی رسول صلعم پر ایمان اور آپؐ کی کامل پیروی سے حاصل ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مومن اور متقی کو ایک نور حاصل ہوتا ہے جس کی روشنی میں وہ چلتا اور دیکھتا ہے۔ یہ روشنی اسے اسی زندگی میں حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسے قیامت کے دن تک ملتوی نہیں کر رکھا تاکہ جھوٹے اور سچے دین کے پیروؤں میں اسی دنیا میں تمیز ہو جائے۔ اور تاکہ

لئلا یعلم اھل الکتاب الا یقدرون علیٰ شیءٍ من فضل اللہ و ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشآء ط واللہ ذوالفضل العظیم"

اہل کتاب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ وہ یعنی مسلمان اللہ تعالےٰ کے فضل میں سے کسی چیز پر دسترس نہیں رکھتے اور فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے۔

اس امت پر اللہ تعالےٰ کا سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ اس میں ہر زمانے میں اولیاء اللہ اور مجدد دین پیدا ہوتے رہے ہیں جو قرآن اور اسلام کی صداقت پر اتمام حجت کرتے رہے ہیں اور یہ اس لئے ممکن ہوا کہ انہوں نے آنحضرت صلعم کے نقش قدم پر قدم رکھا۔ حضور صلعم کے اسوۂ حسنہ کو اپنایا اور قرآن کریم کی تعلیم کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنایا۔ اس ذریعہ سے خود اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کیا اور دوسروں کی اس طرف رہنمائی کی۔ دوسرا کوئی مذہب اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ ہمارے اپنے زمانے میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد و مسیح موعود کا وجود اسلام کے زندہ مذہب۔ قرآن کے زندہ کتاب اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زندہ رسول ہونے پر قطعی ثبوت ہے۔ آپ اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں۔ ؎

سب خشک ہو گئے ہیں جتنے تھے باغ پہلے
ہر طرف میں نے دیکھا بستاں ہرا یہی ہے

اسلام کی سچائی ثابت ہے جیسے سورج
پر دیکھتے نہیں ہیں دشمن بلا یہی ہے

یہ صرف منہ کی باتیں اور لاف گزاف نہیں ہے آپ فرماتے ہیں:۔

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

یہ تجربہ آپ نے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کے عشق میں فنا ہو کر کیا اور اس

کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالٰے نے ہزاروں نشانات ظاہر فرمائے جن کے گواہ غیر مذاہب والے بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ یہ "ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک خشک اور مردہ مذہب رہ جاتا ہے۔

حضرت صاحب کی صداقت کہ جو دراصل اسلام کی صداقت کا نشان ہے جس پہلو سے پرکھنا چاہو پرکھ لو دعاؤں کی قبولیت ہیں۔ خوارق عادت کے ظہور ہیں۔ نصرت و تائیداتِ الٰہی کے پہلو سے۔ علمی رنگ ہیں۔ جس میدان میں بھی حضرت صاحب کو جانچو گے یکتا پاؤ گے۔ آپ نے ہر میدان میں مخالفین اسلام اور اپنے مخالف ہمعصر علماء کو چیلنج کیا کہ جب چاہو اور جس طرح چاہو میرے مقابل پر آجاؤ لیکن ؎

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند

ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

لیکن دو بدنصیب انسانوں نے آپ کے اس چیلنج کو قبول کیا اور ان کا انجام بہت بُرا ہوا۔ ان میں سے ایک پشاور کا رہنے والا آریہ لیکھرام تھا جو ویدوں کو الہامی کتب اور رشیوں منیوں کو خدا رسیدہ سمجھتا اور آنحضرت صلعم کا سخت دشمن اور بدزبان تھا۔ اس کے پاس سوائے بدزبانی۔ فحش گوئی اور نہایت قابل شرم گالیوں کے کچھ نہ تھا۔ اس نے خود اپنی موت کے لئے حضرت صاحب سے پیشگوئی کا بڑے اصرار کے ساتھ مطالبہ کیا۔ آخر حضرت صاحب نے دعا کی اور آپ کو الہام ہوا کہ یہ شخص چھ برس کے عرصہ میں مارا جائے گا اور یہ دن عید کا دوسرا دن ہوگا۔ اسی کے متعلق آپ کا ایک شعر ہے۔ ؎

الا اے دشمن نادان و بے راہ + بترس از تیغ بران محمدؐ

یہ بدزبان اور فحش گو آریہ جس نے آپ ہی اپنی موت کو پکارا تھا عین پیشگوئی کے مطابق عید کے دوسرے دن قتل ہو گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ انگریز کے زمانے میں جو گھاس کے بہت بڑے ڈھیر سے سوئی بھی تلاش کر لیتے تھے قاتل کا نام و نشان تک نہ مل سکا۔ اس پیشگوئی کے بصراحت پورا ہونے پر ۲۶۳ انسانوں نے جن میں ہندو۔ سکھ اور مسلمان شامل ہیں تحریری شہادت دی ہے۔ (تریاق القلوب)

دوسرا بدقسمت انسان امریکہ کا ڈوئی تھا جو آنحضرت صلعم کا شدید دشمن اور آپ کو گالیاں دینے والا تھا۔ وہ نبوت اور رسالت کا مدعی تھا حضرت صاحب نے اُسے مباہلہ کی دعوت دی اور اس کی ذلت آمیز اور رسوا کن موت کی پیشگوئی کی اور فرمایا کاذب صادق کی زندگی میں ہلاک ہو جائے گا۔ امریکہ کے اخبارات میں اس دعوتِ مباہلہ اور ڈوئی کی موت کی پیشگوئی کا بڑا چرچا ہوا۔ آخر کار ڈوئی پر فالج گرا اور وہ رسوا اور ذلیل ہو کر جہنم رسید ہوا اور اس طرح اسلام کی صداقت اور حضرت صاحب کے منجانب اللہ ہونے پر گواہی دے گیا۔

آپ نے اپنے مضمون جو اسلامی اصول کی فلاسفی کے نام سے شائع ہو چکا ہے کے ذریعے اسلام کو جلسہ مذاہب عالم میں تمام ادیان باطلہ پر غالب کر کے دکھایا جس کا اعتراف حاضرین جلسہ اور منصفین نے بھی کیا اور آپ کی پہلے سے اس کے متعلق دی گئی یہ خبر کہ "مضمون بالا رہا" بھی سچی ثابت ہوئی۔

آپ اپنے ان تمام نشانات و کمالات کو اپنا ذاتی کمال نہیں سمجھتے تھے بلکہ فرماتے ہیں:۔ ؎

مصطفٰےؐ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت

اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے

اور پھر فرماتے ہیں:۔ ؎

ایں چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم

یک قطرہ زبحر کمال محمدؐ است

علم و معرفت کا یہ چشمہ جو میں اس زمانے میں بہا رہا ہوں یہ تو کمالاتِ محمد صلعم کے سمندر میں سے صرف ایک قطرہ ہے۔ یہ تفسیر ہے "ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" اور "یا یھا الذین امنوا اتقوا اللہ و امنوا برسولہ یوتکم کفلین من رحمتہ و یجعل لکم نورا تمشون بہ" کی۔

ہمارے حضرت صاحب وہ انسان ہیں جنہوں نے حکومتِ وقت کی سرپرستی میں پروان چڑھتی ہوئی عیسائیت کا طلسم توڑ کر راہ گم کردہ لوگوں کو اسلام کا راستہ دکھایا۔ آریہ مت اور دیگر مذاہب کا بطلان کیا۔ اسلام کے غلبہ کے لئے اپنے شب و روز ایک کر دیئے۔ اپنی صحت اور مال قربان کر دیا لیکن افسوس ہے کہ قوم نے آپ کو قبول نہ کیا۔ خدا کے ماموروں کی مخالفت عداوت اور دشمنی کا نتیجہ اچھا نہیں ہوا کرتا۔ قوم آپ کے دعاوی کو تسلیم نہ کرتے ہوئے بھی اگر "تعاونوا علی البر والتقوٰی" کے قرآنی اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اشاعت اسلام کے کام میں رکاوٹ نہ ڈالتی تو ہمیں یقین ہے کہ آج مسلمانانِ عالم کی حیثیت اور مقام دیگر اقوام عالم کے مقابلے میں ان کی آج کی حالت سے بالکل مختلف ہوتا۔

حضرت صاحب اپنی ذات کے لئے قطعاً کچھ نہیں چاہتے تھے وہ تو "پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد" کے حکم کے تحت تشریف لائے تھے۔ اور اس کے لئے یہ راستہ بتانے آئے تھے کہ رسولؐ کی اتباع کر کے خدا سے تعلق پیدا کرو اسی میں تمہاری فلاح اور کامیابی ہے اور اسی سے تم دین و دنیا کی دولت سے مالامال ہو سکتے ہو۔

آپ کے دلوں میں اگر کبھی یہ خیال پیدا ہو کہ ہم گنہگار ہیں ہم کیسے اس کے محبوب بن سکتے ہیں تو قرآن کریم کی اس آیت کو سامنے رکھیں۔

"قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ط ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ط انہ ھو الغفور الرحیم"۔

"کہہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ تعالٰے کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالٰے سبھی گناہ بخش دیتا ہے وہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے"۔

اللہ تعالٰے کی رحمت بڑی وسیع ہے جب کبھی کوئی انسان اپنی خطاؤں گناہوں اور زیادتیوں سے توبہ کر کے تقوٰی کے راستے پر مستقل مزاجی کے

کُل حین باذن ربّھا" جو اپنے ربّ کے حکم سے اپنا پھل ہر موسم میں دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں تقوٰی اور یہ پھل حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنی زندگیوں میں پاک تبدیلی پیدا کرنے کی طاقت اور ہمت بخشے تاکہ ہم بھی اسکے پیارے بندوں میں شامل ہو جائیں۔ آمین!

— * * * —

حضرت امیرؒ کی یاد میں

آج حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ ہم میں نہیں ہیں لیکن اُن کی یاد، اُن کا عمل، اُن کی تلقین اور اُن کا کام سب کچھ ہم میں موجود ہے اور اس وقت تک رہے گا جب تک دنیا میں ایک بھی سلیم الفطرت انسان موجود ہے۔ حضرت امیر مرحوم نے خدمتِ دینِ متین کی تبلیغ و اشاعت کا جو ذمہ اپنے مرشد و آقا حضرت مسیحِ موعود سے لیا تھا اس کی اہمیت کا انہیں پورا پورا احساس تھا اسی لئے وہ اپنے سرمایہ فکر و عمل کو اس داؤ پر لگاتے ہوئے جو کفر و اسلام کی جنگ میں درپیش تھا اپنے خدا کا پیغام دنیا میں پہنچایا اور اسکے رسول صلعم کے کام کو اکناف عالم میں وسیع کرنے کی سعی فرمائی۔ آپ کی ان مساعی جمیلہ کی وجہ سے ہزاروں لوگ اسلام کی جان بن گئے۔ سینکڑوں کا زاویہ نگاہ بدل گیا اور خدا کے فضل و کرم نے آپ کی پیش کردہ کتب کے ذریعہ لوگوں کو مقدس دین قبول کرنے کی توفیق دی۔

اسلام کے اس عظیم و مایہ ناز خادم کی یاد کو تازہ اور قائم رکھنے کے لئے ہر سال ان کا یوم وصال منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر پیغام صلح کے خصوصی نمبر شائع ہوتے رہے ہیں اس دفعہ بھی اکتوبر کے دوسرے ہفتہ میں حضرت مولانا محمد علی نمبر شائع کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اہل قلم حضرات سے التماس ہے کہ وہ اپنے قیمتی مضامین وقتِ مقررہ سے پہلے بھیج کر نمبر کو پرکشش بنانے کی سعی فرما دیں۔

(ادارہ)

قابلِ دار میں ہوں گر جرم میرا خطا مری
پوچھتا تھا میں بار بار کچھ نہ مگر بتا سکے

خاتمِ انبیاءؐ کے بعد حضرت عیسٰیؑ آئیں کیوں
دل میں تو کہتے تھے وہی لب نہ مگر ہلا سکے

دعوٰی اُلفت ان کا میں کس طرح مان لوں ہے سچ
دستِ دعا نہ ایک دن میرے لئے اُٹھا سکے

نالہ وہ کیا اے ہمنشیں! چرخ کو جو ہلا نہ دے
آہ وہ کیا اے ہم نفس! عرش پہ جو نہ جا سکے

چین نہیں ہے ایک دم دردِ فراق سے مجھے
اُس نے ہمیں بھلا دیا ہم نہ مگر بھلا سکے

ظلّ و بروز پر رہے مجھ سے جھگڑتے عمر بھر
یہ نہ کچھ ایسی بات تھی جو نہ سمجھ میں آ سکے

میرا سلام شوق ہی دینا انہیں بصدِ نیاز
بادِ صبا تو گر کبھی ان کی گلی میں جا سکے

(خالد مرتضٰی خان حسن)

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن — سبق ۴۶

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ؈ (سورۃ البقرۃ ۲ ۔ آیات ۲۴۶ تا ۲۵۰)

ترجمہ: ”کیا تو نے موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں (کے واقعہ) پر غور نہیں کیا جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دو تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ اس نے کہا کہ تم سے کچھ بعید نہیں کہ اگر جنگ کرنا تم پر ضروری ٹھہرایا گیا تو تم جنگ نہ کرو۔ انہوں نے کہا ہمارا کیا عذر ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں حالانکہ ہم اپنے گھروں سے اور اپنے بیٹوں سے جُدا کئے گئے ہیں۔ پھر جب اُن کے لئے جنگ کرنا ضروری ٹھہرایا گیا تو ان میں سے تھوڑوں کے سوائے باقی پھر گئے اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے۔ اور اُن کے نبی نے انہیں کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ انہوں نے کہا اسے ہم پر بادشاہی کس طرح مل سکتی ہے اور ہم اسکی نسبت بادشاہی کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور اسے مال کی فراخی بھی نہیں دی گئی۔ (نبی نے) کہا اللہ نے اسے تم پر برگزیدہ کیا ہے۔ اور علم اور جسم میں اسے بہت بڑھایا ہے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک دیتا ہے، اور اللہ وسیع علم رکھنے والا ہے۔ اور ان کے نبی نے انہیں کہا کہ اس کی بادشاہی کا نشان یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینت ہے اور اس کا بقیہ ہے جو موسیٰؑ کے سچے تابعداروں اور ہارونؑ کے سچے تابعداروں نے چھوڑا ہے۔ فرشتے اس تابوت کو اٹھائے ہوئے ہونگے۔ یقیناً اس میں تمہارے لئے نشان ہوگا اگر تم مومن ہو پھر جب طالوت فوجوں کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے کہا کہ اللہ نہر کے ذریعہ تمہارا امتحان کرنے والا ہے۔ پس جو اس میں سے پانی پی لے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے اور جو اسے نہ چکھے وہ مجھ میں سے ہے سوائے اسکے جو اپنے ہاتھ سے ایک چلّو بھر لے۔ پھر اُن میں سے تھوڑوں کے سوا (باقیوں نے) اُسے پی لیا۔ پس جب وہ اُس سے گذر گیا اور وہ جو ایمان لائے اسکے ساتھ تھے انہوں نے کہا کہ آج ہم (میں) جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابلے کی طاقت نہیں۔ (مگر) جنہیں یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں وہ بولے کہ بسا اوقات چھوٹا گروہ بڑے گروہ پر اللہ کے حکم سے غالب آگیا ہے۔ اور اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے نکلے تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر کی کثرت نازل فرما اور ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ اور ہماری مدد فرما کافر قوم کے خلاف۔“

مَیں نے قرآن حکیم کے اس حصہ کو درس کے لئے اس لئے چُنا ہے کہ اس میں بہت سے سبق ہیں مسلمانوں کو اپنا دنیاوی لیڈر چُننے کے لئے، اور بہت سے اس بارہ میں غلط خیالات کا ردّ ہے۔ پھر ان آیات کے بعض حصوں کی تفسیر میں پرانے مفسرین نے بہت سی غلطیاں کی ہیں جن میں سے بعض ابھی تک دہرائی جاتی ہیں۔ جن کی وجہ سے مغرب زدہ لوگ تمسخر اڑاتے ہیں ان باتوں کا جو اپنے صحیح معنوں میں نہایت معرفت کے راز ہیں۔

اسی رکوع میں آگے آیت ۲۵۳ میں پہلے رسولوں کو جنگ کرنے پڑنے کا ذکر ہے اور آیت ۲۵۱ میں فرمایا ہے کہ اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرے تو زمین میں فساد مچ جائے (یا وہ تباہ ہو جائے)۔ اور اس سے اگلی آیت میں فرمایا کہ ”یہ اللہ کی آیات ہیں جن کو ہم ضرورتِ حقّہ کے ماتحت تجھ پر پڑھتے ہیں اور تو بھی تو رسولوں میں سے ہے۔“ (آیت ۲۵۲) یعنے اگر پہلے رسولوں کو جنگ کرنی پڑی تو تجھے بھی جنگ پیش آئیگی۔ بلکہ چونکہ تو رسولوں کا سردار ہے تو تجھے زیادہ ہی جنگیں کرنی پڑینگیں۔ تو اس سلسلہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ میں سے چند واقعات کا ذکر فرمایا جن میں طالوت اور حضرت داؤد کے جنگ کے کچھ حالات بیان فرمائے جن میں مسلمانوں کیلئے کچھ سبق ہیں۔ اسی لئے اس ذکر کو شروع فرمایا اَلَمْ تَرَ کے الفاظ سے یعنے کیا تو نے غور نہیں کیا۔ ان واقعات کا پسِ منظر یہ ہے کہ اس زمانہ میں بنی اسرائیل فلسطیوں سے بار بار شکست کھا کر مغلوب ہو چکے تھے اور بنی اسرائیل کے ہزارہا آدمی کٹ مر چکے تھے۔ اپنا ملک بھی کھو بیٹھے تھے اور ان کے بہت سے نوجوان دشمنوں کے غلام بن چکے تھے۔ یہاں مسلمانوں کو بھی ایسے ہی حالات در پیش تھے کہ مکہ کے تیرہ سال کے انتہائی مظالم کے بعد ان کو گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی۔ اپنے بال بچوں سے بھی الگ ہو چکے تھے۔ اور اب دشمن مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ تو مسلمانوں کو تاریخ سے سبق دیا کہ اگر تم تھوڑے ہو تو بھی دشمن کی کثرت سے مرعوب مت ہو اور مغلوبیت کی صلح مت کرنا بلکہ صبر سے اور ثابت قدمی سے اپنا دفاع کرنا ورنہ تم ختم ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے صابر اور ثابت قدم بندوں کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا بلکہ دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے اگرچہ وہ کثرت اور طاقت میں زیادہ ہوں۔

اب آپ ان آیات کو دیکھیں جو اس درس کے شروع میں مذکور ہیں۔ بنی اسرائیل شکستوں پہ شکستیں کھا کر رجوع کرتے ہیں اپنے نبی (حضرت سموئیل) کی طرف کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ وہ جنگ میں ہماری لیڈرشپ کرے۔ اس انتخاب کے لئے وہ سردار آپس میں رقابت کرتے تھے (افسوس ہے کہ اس زمانہ میں لیڈروں بلکہ ممالک میں بھی یہی رقابت نظر آتی ہے) اور وجہ یہ ہے کہ وہ دُنیا اور دُنیا کے عہدوں کے حریص تھے۔ اپنے نبی کی طرف انہوں نے اس لئے رجوع کیا کہ وہ آپس میں سربراہی کے جھگڑے طے نہ کر سکتے تھے۔ آج بھی دنیادار تک آپس کے جھگڑے چکانے کے لئے کسی نیک انسان کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ انہیں اس کی انصاف پسندی پر بھروسہ ہوتا ہے۔ بہرحال حضرت سموئیل نے بجائے خود کوئی انتخاب نہ کیا بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہدایت چاہی۔ تو اللہ تعالیٰ نے طالوت کو منتخب فرمایا۔ تو اللہ اور نبی کے انتخاب پر بھی بنی اسرائیل جھگڑ پڑے۔ وہ اُمیدوار تھے کہ اُن میں سے کوئی سردار چُنا جائیگا مگر اللہ تعالیٰ کے معیار کچھ اور ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسے (طالوت) ہم پر حکومت کس طرح مل سکتی ہے جبکہ ہم اس کی نسبت لیڈر بننے کے زیادہ حقدار ہیں۔ کیا یہ آجکل کی حکومت کی

طالوت شاہی یا سردار خاندانوں میں سے نہیں تھا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ غریب آدمی ہے۔ نہ حکومت کا نہ دولت کا امتیاز اسے حاصل ہے۔

تو ان کے نبی نے کیا عمدہ جواب دیئے! اول تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نیکی کی وجہ سے تم کو چھوڑ کر اُسے چُنا ہے۔ بدکردار اور بدچلن لیڈر قوم کو لے کر اُسی رستہ پر چلے گا جس پر وہ خود چل رہا ہے۔ نیک اور بدکردار کا میدانِ جنگ میں کیا فرق پڑتا ہے اس کا واقعہ سنیئے۔ جیسا کہ خلفائے راشدین کے زمانہ کے صحیح واقعات کو جاننے والے لوگوں کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں عرب کی ابھرتی ہوئی سلطنت سے ایران اور روم دونوں اس زمانہ کی بڑی طاقتوں (SUPER POWERS) کو خواہ مخواہ خطرہ پیدا ہوا اور انہوں نے اپنے اپنے طریقہ سے اس (خیالی) خطرہ کو دبانا چاہا۔ ہرقل روم نے عرب کے سرحدی قبائل کو جو اس کے زیر اثر عیسائی ہو چکے تھے ابھارا اور وعدہ کیا کہ وہ خود لشکر لے کر اُن کی پیٹھ پر ہوگا۔ (جن واقعات کی وجہ سے حضور سرورِ کائنات صلعم کو تبوک کی مہم پر جانا پڑا۔ حضور صلعم کا رعب ایسا تھا کہ وہ قبائل بھاگ گئے اور رومی لشکر بھی غائب ہو گیا۔ مگر اس عیسائی طاقت نے خلفائے راشدین کے زمانہ میں آخر جنگوں تک نوبت پہنچائی)۔ دوسری طرف ایران کی مشرک قوم نے بھی مسلمانوں کو جنگ پر مجبور کیا اور اتنا فتنہ و فساد اسلامی سرحد پر پیدا کیا کہ حضرت عمرؓ خلیفہ دوم نے حسرت سے کہا کہ کاش ہمارے اور ایران کے درمیان ایک آگ کی دیوار ہوتی۔ (جس کو ایرانی پار نہ کر سکتے اور ہم اُن کے شر سے محفوظ رہتے)۔ الغرض مسلمانوں کو بیک وقت دو محاذوں پر جنگ کرنا پڑی جو جنگی نقطۂ نظر سے نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ جسے رکھے اسے کون چکھے؟ پھر بھی صورتِ حالات یہ تھی کہ دونوں محاذوں پر اگر دشمن کی فوج ایک لاکھ ہے تو مسلمان دس ہزار ہیں۔ یہی حال دونوں محاذوں پر تھا۔ مگر شکست دشمنوں کو ہی اُوپر تلے ہو رہی تھی۔ تو ہرقل روم نے استعجاب سے اپنے وزیر اعظم سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ لشکر ہمارا دس بیس گنا ہوتا ہے، ہتھیار اور سامانِ جنگ ہمارا بڑھ چڑھ کر ہے، سپاہی ہمارے لڑائی کی مہارت رکھتے ہیں مگر فتح مسلمانوں کو ہوتی ہے؟ تو وزیر اعظم نے کہا کہ حضور اپنی سپاہ کو میدانِ جنگ میں جانے سے پہلے اور بعد میں نہیں دیکھتے؟ ہمارے سپاہی تو راتوں کو شراب خوری، جوئے بازی اور بدکاریوں میں مصروف ہوتے ہیں اور مسلمان راتوں کو اپنے رب کے آگے سر بسجود ہوتے ہیں۔ یہی فرق ہے۔

دوسری وجہ حضرت سموئیل نبی نے یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو علم اور جسم میں تم پر فضیلت دی ہے۔ چونکہ انتخاب پہلے تو جنگ میں بطور سپہ سالار کے اور بعد میں بادشاہی کے لئے تھا اس لئے علم کے معنی انہی دو معاملات کے علوم کا ہے۔ دشمن سے جنگ کامیابی سے کرنا بہت بڑا فن ہے جس کو ہمارے فوجی ساری عمر نہ صرف سٹاف کالجوں اور دوسرے اداروں میں سیکھتے رہتے ہیں بلکہ میدانِ جنگ میں اور اس سے پہلے مصنوعی جنگیں کر کے سیکھتے رہتے ہیں۔

اچھی صحت کا مالک ہونا چاہیئے۔ فوجی کمانڈر کے لئے اچھی صحت کا ہونا تو ظاہر ہے۔ سول حکومت میں بھی میں نے اپنی پبلک سروس میں دیکھا ہے کہ سربراہ مملکت یا دوسرے عہدہ داروں کی صحت کمزور ہو تو وہ اپنے فرائض بخوبی ادا نہیں کر سکتے۔

قرآنی آیاتِ محولہ بالا میں طالوت کی ان خوبیوں بلکہ فضیلتوں کے ذکر کے بعد قرآن فرماتا ہے واللّٰہ یؤتی مُلکہٗ من یّشآء" اور اللہ جسے چاہے اپنا ملک دیتا ہے"۔ غور فرمائیے کہ طالوت کی تینوں فضیلتوں کا ذکر آ چکا اور ابھی آگے اور بھی فضیلتوں کا ذکر آئیگا اور اُن کے ذکر میں "اللہ جسے چاہے دے" کہہ کر کیا خوب بات کو صاف کیا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ جسے چاہے دے یا منتخب کرے کے الفاظ آتے ہیں تو وہ بڑے محکم اصولوں پر فیصلہ کرنے کے لئے آتے ہیں نہ کہ نعوذ باللہ بغیر کسی وجہ کے من مانی کرنے کے ہوتے ہیں پھر واللہ واسعٌ علیم کے الفاظ لا کر مزید وجوہات بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ وسیع ترین ہوتی ہے۔ یعنی تمام لوگوں پر نہ کہ صرف سرداروں پر اور وہ جو مکمل علم رکھتا ہے انسان نہیں رکھتے۔

آگے طالوت کی بادشاہی کے مزید نشانات بتائے کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت ہوگی اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی وراثت ہوگی اور فرشتے اس تابوت کو اٹھائے ہوئے ہونگے بدقسمتی سے ان الفاظ کے ظاہری معنے لے کر کہا گیا کہ فرشتے سچ مچ ایک صندوق اٹھائے آئے تھے جن میں سکینہ نامی ایک شئے تھی جس کا سر بلی کی طرح تھا اور مزید برآں اس صندوق میں حضرت موسیٰؑ کی الواح (پتھر جن پر دس احکام شرعی کندہ تھے) اور حضرت ہارون کا عصا تھا جس میں بطور معجزہ شاخیں نکل آئی تھیں وغیرہ وغیرہ چیزیں تھیں۔ بالفرض اگر یہ واقعہ یونہی ہوا تھا تو بھی اس سے طالوت کی فضیلت کس طرح ثابت ہوئی؟ دراصل یہ اسرائیلی روایات ہیں جنھیں اپنانے کی ضرورت نہیں۔ لفظ تابوت کے معنی جہاں صندوق کے ہیں وہاں قلب انسانی کے بھی ہیں (دیکھو لسان العرب اور مفردات راغب) یہ ایک بہت خوب پیشگوئی تھی جو ان کے نبی نے کی تھی کہ جب طالوت تم کو لے کر میدانِ جنگ میں جائے گا تو تم دیکھو گے کہ اس کے قلب میں کیا سکینت یا تسکین اللہ تعالیٰ نے بھری ہے۔ سکینت دلوں میں نازل ہوتی ہے نہ کہ صندوق میں ماؤں بلی کی شکل میں بھیجی آتی ہے۔ خود قرآن نے جہاں مومنوں پر سکینت نازل ہونے کا ذکر فرمایا ہے وہاں واضح فرما دیا ہے کہ ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین (الفتح ۴۸ — ۴) کہ وہ اللہ ہی تھا جس نے مومنوں کے قلوب میں سکینت نازل فرمائی۔ اب یہ تو میدانِ جنگ کا تجربہ رکھنے والے ہی بخوبی جانتے ہیں کہ جنگ کے خوف و ہراس میں یا

معرکوں کی اونچ نیچ میں فوج کے کمانڈر کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور اہم چیز اطمینان قلب کا قائم رہنا ہوتا ہے۔ اگر کمانڈر گھبرا گیا تو سمجھو کہ فوج میں بھگدڑ مچ جائے گی اور سمجھو میدان ہاتھ سے گیا۔ پھر طالوت کے قلب کو ملائکہ کے اٹھائے ہوئے ہونے کے معنی ثابت قدمی کے ہیں جیسا کہ قرآن حکیم نے دوسری جگہ خود واضح فرمایا ہے کہ اذ یوحی ربک الی الملئکة انی معکم فثبتوا الذین آمنوا (الانفال ۸ - ۱۲) جب تیرا رب فرشتوں کو وحی کرتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو جو ایمان لائے ہیں انہیں ثابت قدم رکھو۔" آخری بات یہ فرمائی تھی کہ طالوت کے قلب میں موسیٰؑ اور ہارونؑ کے بقیہ نشانات ہیں۔ یہ اس زمانہ کے متعلق پیشگوئی ہے جبکہ طالوت نے بادشاہت کرنی تھی۔ حضرت موسیٰؑ نے شریعت کے احکام دیئے اور لوگوں کے جھگڑے چکانے میں عمر گذاری۔ اور حضرت ہارونؑ لوگوں کو عبادت کرایا کرتے تھے۔ تو پیشگوئی یہ فرمائی کہ جب طالوت بادشاہت کرے گا تو نہ صرف حکومت کے قوانین کا نفاذ کرے گا بلکہ لوگوں کی روحانی رہنمائی بھی کریگا۔ اسی لئے اس پیشگوئی کے پورے ہونے کو اللہ تعالیٰ نے کی طرف سے ایک نشانی فرمایا:

اب جب طالوت فوج کو لے کر چلا تو اس نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نہر سے آزمائے گا۔ نہر کے معنی بیشک دریا یا نہر دونوں کے ہوتے ہیں تو اس لئے اکثر مفسرین نے اسی ظاہری معنی کو لیتے ہوئے کہا کہ اس پیدل مارچ کرنے والی فوج کو نہر پر سے گذرنے میں آزمایا گیا اور کہا گیا کہ صرف ایک چلو پانی پینا مگر ان میں سے اکثر نے پیٹ بھر کر پانی پی لیا کوئی صاحب اس تفسیر سے راضی ہیں تو ان کا اختیار ہے۔ مجھے تو لفظ نہر کے دوسرے معنی پسند ہیں یعنے فراخی اور وسعت (مفردات راغب) کے۔ اس لئے یہاں مال غنیمت ملنے اور عیش و آرام میں پڑ جانے کی آزمائش کا ذکر ہے۔ جہاں فوج عیش و آرام میں پڑی تو پھر وہ لڑنے کے قابل نہیں رہتی۔ اس موقعہ پر مجھے وہ روایت یاد آتی ہے کہ محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں اس کی فوج کے سپاہی بھی پالکیوں میں بیٹھ کر، ململ کے انگرکھے پہنے اور پنکھا جھلتے لڑنے جاتے تھے۔ پھر ان کا جو انجام ہوا وہ عبرتناک تھا۔

آگے اس درس کی آیات مبارکہ میں دشمن کی کثرت اور مومنوں کی قلت کا ذکر فرما کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پھر بھی مومنوں کو فتح دی اپنے اذن یعنے حکم سے۔ مگر اس اذن کے ملنے کے لئے کچھ لوازم کا ذکر فرمایا اور وہ ہیں صبر و استقامت ثابت قدمی اور اللہ تعالیٰ کے آگے گر کر دعا کرنا۔ سومنات کے معرکہ میں جب محمود غزنوی کی فوج دشمن کے سینکڑوں ہاتھیوں کی یورش کی تاب نہ لا کر پسپا ہونے لگی تو محمود غزنوی گھوڑے سے اتر کر خاک پر سربسجود گر پڑا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کس طرح پانسہ پلٹا وہ تاریخ کی کتابوں میں دیکھیئے۔ ایک روایت سنا کر ختم کرتا ہوں۔ لکھا ہے کہ فتح کے بعد محمود غزنوی کے وفات شدہ روحانی مرشد اس کے پاس خواب میں آئے اور کہا کہ محمود تیرا اس وقت اللہ کے آگے خاک میں سربسجود گر پڑنا اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آیا تھا کہ تو اگر صرف میدان جنگ میں فتح کی بجائے سارے ہندوستان کے مسلمان ہو جانے کی دعا کرتا تو وہ بھی منظور ہو جاتی۔ افسوس ہے کہ صحابہؓ اور ان کے بعد ان کی ایک دو نسلوں کے سوا عام طور پر مسلمانوں نے ادھر سے بے توجہی کی ورنہ سپین سے نکالے نہ جاتے اور ہندوستان آج سارا مسلمان ہوتا۔

***

احمدی جماعت کے لئے لائحہ عمل

حضرت اقدس کا ایک ارشاد ہے۔

"اللہ تعالیٰ کو کسی کی پرواہ نہیں کرتا مگر صالح بندوں کی۔ آپس میں اخوت اور محبت پیدا کرو اور درندگی ۔۔۔۔ اور اختلافات کو چھوڑ دو ہر ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے مطلقاً کنارہ کش ہو جاؤ کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ پس ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دے۔ اللہ تعالیٰ سے ایک سچی صلح پیدا کر لو اور اس کی اطاعت میں واپس آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے اور اس سے بچنے والے وہی ہیں جو کامل طور پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کر کے اس کے حضور میں آتے ہیں۔

سو ایسا ہی تم یاد رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں صادق ٹھہرو گے تو کسی کی مخالفت تمہیں تکلیف نہ دے گی پر اگر تم اپنی حالتوں کو درست نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے فرمانبرداری کا ایک سچا عہد نہ باندھو تو پھر اللہ کو کسی کی پرواہ نہیں۔

ہزاروں بھیڑیں اور بکریاں روز ذبح ہوتی ہیں پر ان پر کوئی رحم نہیں کرتا اور اگر ایک آدمی مارا جائے تو اتنی باز پرس ہوتی ہے۔ سو اگر تم اپنے آپ کو درندوں کے مانند بیکار اور لاپرواہ بناؤ گے تو تمہارا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ چاہیئے کہ تم خدا کے عزیزوں میں شامل ہو جاؤ تاکہ کسی وبا کو یا آفت کو تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ کیونکہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک آپس کے جھگڑے اور جوش اور عداوت کو درمیان سے اٹھا دو کہ اب وہ وقت ہے کہ تم ادنیٰ باتوں سے اعراض کر کے اہم اور عظیم الشان کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔" (الحکم ۲۰۔ ۲۷ مئی ۱۸۹۸ء)

حقیقت اسلام

واضح ہو کہ اگرچہ قرآن کریم نے حقیقت اسلامیہ کی تحصیل کے لئے بہت سے وسائل بیان فرمائے ہیں مگر درحقیقت ان سب کا مآل دو قسم پر ہی جا ٹھہرتا ہے اول یہ کہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور اسکی مالکیت تامہ اور اس کی قدرت تامہ اور اسکی حکومت تامہ اور اسکے علم تام اور اسکے حساب تام اور نیز اس کے احد لاشریک اور حی قیوم اور حاضر و ناظر ذوالاقتدار اور ازلی ابدی ہونے میں اور اسکی تمام قوتوں اور جمیع جلال و کمال کے ساتھ یگانہ ہونے میں پورا پورا یقین آجائے یہاں تک کہ ہر ایک ذرہ اپنے وجود اور اس تمام عالم کے وجود کا اس کے تصرف اور حکم میں دکھائی دے۔ اور ھوالقاھر فوق عبادہ کی تصویر سامنے نظر آئے اور نقش راسخ بیدہ ملکوت السموات والارض کا جلی قلم کے ساتھ دل میں لکھا جائے یہاں تک کہ اسکی عظمت اور ہیبت اور کبریائی تمام نفسانی جذبات کو اپنی قہری شعاعوں سے مضمحل اور چیزہ کر کے ان کی جگہ لے لے اور ایک دائمی رعب اپنا دل پر جما دیوے اور اپنے قہری حملہ سے نفسانی سلطنت کے تخت کو خاک مذلت میں پھینک دیوے۔۔۔ (کلام الامام)

اخبار احمدیہ

* حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں اور استحکام جماعت و اشاعت دین کے کاموں میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ احباب جماعت حضرت ممدوح کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

مکرم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب ایم اے

چوہدری فضل داد صاحب مرحوم و مغفور

چوہدری فضل داد صاحب مرحوم و مغفور ہماری جماعت کے خاص احباب میں سے تھے ان کی خصوصیت دولت و ثروت دنیاوی وجاہت کسی بڑے عہدہ پر فائز ہونے، تجارت یا زمینداری کیوجہ سے نہیں تھی بلکہ ان کی نیکی، تقوٰی، شب بیداری، مومنانہ کردار، احمدیت کے لئے غیرت، اشاعت اسلام کے لئے قربانیاں کرنے، ہر تحریک میں حصہ لینے، ندائے امیر پر لبیک کہنے اور عملی نمونہ کیوجہ سے تھی۔ چوہدری صاحب مرحوم نے حضرت اقدس مسیح موعود کا زمانہ نہیں پایا تھا لیکن اسکے باوجود ان کے اخلاص اور جوش و عمل کا رنگ ماموز من اللہ کے متبعین کا سا تھا اور وہ ابتدائی زمانہ کے احمدیوں کے زمرہ میں شامل نظر آتے تھے جو ان کی نیک فطرت اور جبلی شرافت کی دلیل تھی۔

ابتدائی حالات

چوہدری فضل داد صاحب مرحوم ٹبہ لوٹے شاہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے اور ۱۸۹۸ء میں ان کی ولادت ہوئی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد وہ اپنے ماموں کے توسط سے فوج میں بھرتی ہو گئے یہ پہلی جنگ عظیم کا زمانہ تھا چوہدری صاحب لانس نائیک کے طور پر کام کرتے تھے اور کچھ عرصہ بعد ملٹری گراس فارم میں ان کا تبادلہ ہوگیا۔ اس زمانہ میں بھی وہ نہایت نیک عمل تھے اور تمام ان فواحش سے جن میں بوجہ نوجوانی و آسودگی اور صحبت کے اثر سے لوگ مبتلا ہو جایا کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کے فضل سے آپ بچے رہے۔ آپ پنج گانہ نمازوں اور تہجد کے پابند تھے۔ آپ عام لوگوں سے الگ تھلگ رہتے تھے اور صرف اپنے فرائض منصبی سے کام رکھتے تھے۔ آپ کی دیانتداری نیکی اور سادہ طبعی کیوجہ سے آپ کے سکھ دوست آپکو "سادھو" اور ہندو دوست "بھگت" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ فوجی ملازمت سے فارغ ہوکر آپ محکمہ امداد باہمی پنجاب میں بطور کیمپ کلرک تعینات ہو گئے۔

سلسلۂ احمدیہ میں شمولیت

بالآخر آپ کی صالح سرشت اور نیک فطرت آپ کو احمدیت میں لے آئی اور آپ نے جلسہ سالانہ کے موقع پر مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۵ء حضرت امیر مولانا محمد علی رح کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس بیعت کے بعد آپ کے تمام مخفی جوہر ابھر آئے اور آپ ایک مثالی احمدی بن گئے۔ احمدیت کا نچوڑ یہ ہے کہ بیعت کنندہ ارکان اسلام اور اسلامی تعلیمات پر صدق دل سے عمل پیرا ہو اور اس بات کا عہد کرے کہ وہ ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم کرے گا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنے تن من دھن سے جہاد کرتا رہیگا۔ چوہدری فضل داد صاحب مرحوم نے بیعت کے عہد کو خوب نبھایا اور انہیں ہر وقت یہ فکر رہتی تھی کہ ان کے کسی فعل یا ان کے وجود سے سلسلہ احمدیہ بدنام نہ ہو بلکہ وہ اس کے وقار میں اضافہ کرنے کا موجب ہوں۔ اس لئے وہ مسلسل اپنا محاسبہ کرتے رہتے تھے اور قرآن و سنت کے احکام کے علاوہ صدائے امیر پر لبیک کہنے میں ہمیشہ پہل کرتے تھے اور مرکز سے جو احکام نظام سلسلہ کے متعلق جاری ہوتے ان کی تعمیل میں دوسروں پر سبقت لیے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

چندوں میں باقاعدگی

ہمارے جماعتی نظام میں چندہ ماہوار کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ گویا یہ ہمارے جسم میں ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اور حضرت بانئے سلسلہ کا حکم ہے کہ جو شخص معقول عذر کے بغیر مسلسل تین ماہ تک ماہوار چندہ ادا نہ کرے وہ جماعت سے خارج سمجھا جائے گا۔ ہماری جماعت میں بہت سے ایسے اصحاب موجود ہیں جنھوں نے چندہ ماہوار کی ادائیگی میں کبھی ناغہ نہیں کیا اور وہ شرح مقرر کے مطابق چندہ ادا کرتے ہیں۔ ماہوار چندہ کے علاوہ امیر مرحوم و مغفور حضرت مولانا محمد علی رح جماعت میں زندگی اور قوت عمل پیدا کرنے کے لئے وقتی تحریکات بھی فرمایا کرتے تھے۔ کبھی "ارشاد الٰہی" کی تحریک ہے کبھی "سلور جوبلی" کی تحریک ہے۔ کبھی "تعمیر مساجد" کی تحریک ہے کبھی "لائبریریوں میں سیٹ بھجوانے کی تحریک ہے"۔ کبھی "صدقہ قرضہ" کی تحریک ہے۔ کبھی "وصایا" کی تحریک ہے۔ اور کبھی "تراجم قرآن فنڈ" کی تحریک ہے۔ اور ان تحریکات کے تقاضوں کے مطابق ممبران جماعت سے کبھی ایک ماہ کی آمد کا مطالبہ فرماتے کبھی دس یوم کی آمد کا مطالبہ فرماتے اور کبھی اپنی جائیداد میں سے ایک معقول حصہ انجمن کے نام وصیت کرنے کی تحریک فرماتے۔ قوم بڑی خوشی سے ان اپیلوں پر لبیک کہتی اور مسلسل مالی قربانیاں کرتی اور ان مخلصین میں چوہدری فضل داد صاحب پیش پیش ہوتے تھے۔ وہ اپنے چندہ کے علاوہ اپنی اولاد اور تمام اہل خانہ کی طرف سے چندہ ادا کرتے بلکہ تمام خویش و اقارب اور تمام رشتہ داروں کو ہر تحریک میں شریک کرتے اور سب سے چندہ جمع کر کے مرکز میں ارسال کرتے۔ ہمارے حضرت امیر مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ جماعت کو حکم الٰہی وانذر عشیرتک الاقربین کیطرف اکثر توجہ دلاتے رہتے تھے اور اس حکم پر جس قدر چوہدری فضل داد صاحب نے عمل کیا اسکی مثالیں بہت کم نظر آتی ہیں۔ چنانچہ حضرت امیر علیہ الرحمۃ نے ایک مرتبہ چوہدری فضل داد صاحب کو لکھا کہ "آپ کے خاندان کو سلسلہ کے ساتھ جو اخلاص ہے وہ اس قسم کا ہے کہ جس کی نظیر حضرت اقدس کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں ملتی ہے"۔

جوشِ تبلیغ :

چندہ کی باقاعدہ ادائیگی کے علاوہ چوہدری صاحب مرحوم ایک مبلغ کی طرح تبلیغ کرتے تھے ان کے محکمہ کا ہر شخص جانتا تھا کہ وہ احمدی ہیں اور وہ اپنے ہم مرتبہ لوگوں کے علاوہ اپنے افسران یعنی رجسٹرار و ڈپٹی رجسٹرار وغیرہ کو بھی تبلیغ کرتے تھے اور مرکز سے جو نیا لٹریچر شائع ہوتا وہ اپنے محکمہ کے تمام لوگوں اور اپنے واقف کاروں اور رشتہ داروں تک پہنچاتے تھے۔ سلسلہ کی تبلیغ کا ایک اور موثر ذریعہ سلسلہ کے اخبارات یعنی "لائیٹ" اور "پیغام صلح" کے خریدار پیدا کرنا ہے اور اس بارہ میں بھی چوہدری صاحب مرحوم نے بےمثال کام کیا۔ اخبار پیغام صلح مورخہ یکم اگست ۱۹۶۲ء میں چوہدری صاحب نے اپنی بیعت کی سرگذشت شائع فرمائی ہے اور اس میں مرقوم ہے کہ ۱۹۵۴ء تک انہوں نے پیغام صلح کو ۴۴ خریدار دیئے اور "لائیٹ" کو ۲۷ خریدار۔ چوہدری صاحب نے اپنی سوانح حیات میں ان سب خریداروں کے نام بھی درج کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف محکمہ جات کے افسران اور تعلیم یافتہ اصحاب ان کے زیر اثر تھے۔ چوہدری صاحب کی مسلسل تبلیغ اور تقسیم لٹریچر اور ان کے عملی نمونہ سے متاثر ہو کر انیس (۱۹) اصحاب ان کے ذریعہ سے جماعت میں داخل ہوئے۔ یہ بڑی اعلیٰ درجہ کی کارکردگی ہے جو جماعت کی توسیع ترقی اور استحکام کا موجب ہوئی۔ آپ کے اس عمدہ کردار کو سراہتے ہوئے حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی رح نے اپنے مکتوب مورخہ ۲/۴ ۴۶ میں چوہدری فضل داد صاحب کو لکھا "میری دعا ہے کہ آپ کی روح ساری جماعت میں سرایت کر جائے۔ اگر اس شوق سے کام کرنے والے پیدا ہو جائیں تو سالوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا دنوں میں ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکو بہت بہت جزاء خیر دے۔"

اراضیاتِ انجمن کی خدمات

چوہدری صاحب مرحوم نے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد ۶۲ سال کی عمر میں اکابرین انجمن کی خواہش کی تعمیل میں انجمن کی اراضیات واقع چک ۶/۴۸ اوکاڑہ میں پہلے بطور ویلفیئر آفیسر اور پھر بطور ایڈمنسٹریٹر کام کرنا منظور کیا۔ آپ زراعت کے ماہر نہیں تھے اور نہ اس خیال سے آپ کا تقرر ہوا تھا بلکہ اصل غرض یہ تھی کہ ان کی نیکی تقویٰ اور مومنانہ کردار سے مزارعین کو متاثر کیا جائے اور چک میں وہ فضا پیدا کی جائے جو ایک دینی انجمن کے ملکیتی گاؤں میں ہونی چاہیئے۔ چنانچہ چوہدری صاحب نے چند سال تک قابل قدر خدمات سرانجام دیں اور اپنے بزرگوں کی توقعات کو پورا کیا۔ چک میں موجود مسجد کو کشادہ کر کے از سر نو تعمیر کرایا پنجگانہ نمازوں اور درس قرآن کی رونق میں اضافہ کیا۔ اور آبادی دیہہ میں بہت سی اصلاحات رائج کیں اور مزارعین کو انجمن کا خیرخواہ بنایا اور دنیاوی معاملات اور لین دین میں دیانت داری کا اونچا معیار قائم کیا اور ہر لحاظ سے انجمن کے وقار کو بلند کیا۔ آپ نے کئی ملتوی شدہ عدالتی فیصلوں کو بغیر اخراجات کے نپٹایا اور اپنے عزیزوں کے اثر و رسوخ کو انجمن کے لئے استعمال کیا۔ چنانچہ امیر قوم حضرت مولانا صدر الدین صاحب مرحوم اور جناب شیخ میاں محمد صاحب مرحوم اور میاں غلام حیدر صاحب مرحوم افسر اراضیات نے چوہدری فضل داد صاحب کی کارکردگی پر ہمیشہ اظہار خوشنودی فرمایا اور اسے انجمن کی بےلوث خدمت قرار دیا۔

رفاہِ عامہ کے کام

چوہدری صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے رفاہ عامہ کے بہت سے کام کرنے کی توفیق بخشی۔ آپ ایک اسلامیہ ہائی سکول کے آنریری مینیجر تھے اور اس سکول کو بڑی کمزور حالت سے رات دن کی محنت کے بعد مستحکم بنیادوں پر کھڑا کر دیا۔ اساتذہ اور طلبہ کے معیار کو بلند کرنے کے لئے آپ نے بہت سی مالی امداد فراہم کی اور کئی مفید اصلاحات رائج کیں۔ یونین کونسل کا ممبر ہونے کی حیثیت سے اپنے گاؤں میں مسجد اور کنوئیں کی تعمیر کے علاوہ لڑکوں اور لڑکیوں کے مڈل سکول بنوائے اور صحت عامہ کے لئے شفاخانہ کھلوایا۔ ایک قطعہ زمین قبرستان کے لئے وقف کیا اور ان تمام ضروریات کے لئے اپنی ملکیتی اراضی بے دریغ پیش کر دی۔ انفاق فی سبیل اللہ کی عادت اللہ تعالیٰ نے آن کی فطرت میں رکھی تھی اور پانچویں جماعت میں جب انہیں دو روپیہ ماہوار وظیفہ ملا تو اس میں سے دو آنے ماہوار اپنے گاؤں کی مسجد کو دیا کرتے تھے اور یہ جوہر ترقی کرتا گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہزارہا روپیہ خدمت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ اور مخلوقِ خدا کی بھلائی کے لئے خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی، وذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

الغرض چوہدری فضل داد صاحب ۸۵ سال کی عمر میں بڑے سرخرو ہو کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئے ہیں۔ اللھم اغفرلہ وارفع درجتہ

؎ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

ارشادِ امیر

محبّت کے جوہر کو ترقی دو۔

ہمیں قرآنی اصول پر ایک کنبہ بنانے کی ضرورت ہے۔ بیوی۔ بھائی۔ بہن۔ والدین۔ اور اولاد جب ایک گھر کے اندر رہتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کی تکلیف محسوس کرتے ہیں اور اس کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تم ساری جماعت کو ایک کنبہ سمجھو اور اپنی ہمدردی بیوی۔ بھائی۔ بہنوں، والدین اور اولاد تک محدود نہ رکھو بلکہ تمام افرادِ جماعت کو اسمیں شریک کر لو۔ ان اصولوں پر بنی ہوئی جماعت صحیح طور پر رحماء بینھم کا نقشہ ہوگی غرضیکہ اپنی جماعت کو ایک کنبہ کی شکل دو ایک کو تکلیف پہنچے تو دوسرا اسے ضرور محسوس کرے اس سلسلہ میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ محبت کے جوہر کو ترقی دو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں ایک بڑی خوبی رکھی ہے اور اس میں ایک زبردست جوہر ودیعت کیا ہے وہ خوبی اور جوہر محبت کا جوہر ہے اسکو پرورش کرنے اور ترقی دینے کی ضرورت ہے۔۔۔ ۔۔۔ لوگ محبت کی صفت کی پرورش کی طرف بہت کم راغب ہوتے ہیں۔ اگر محبت کے جوہر کو ترقی دی جائے تو یہی دنیا بہشت بن سکتی ہے اگر انسان کے دل میں دوسروں کے لئے محبت پیدا ہو جائے تو پھر اس کے لئے بھی لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہو جاتی ہے۔۔

مکرم جناب مرزا محمد لطیف صاحب شاہد

عید الاضحیہ میں مسلمانانِ عالم کے ہر فرد کیلئے ایک عظیم الشان سبق

عید الاضحیہ کی آمد آمد ہے۔ یہ ایک عظیم الشان سبق ہزار ہا سال سے مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ کامل اور اصل مسلمان وہ ہے جو اس سبق پر کاربند ہو کہ کس طرح آج سے چار ہزار برس پہلے ایک باپ۔ ماں۔ بیٹا اس دنیا میں سب سے قیمتی چیز کو بغیر کسی حیل و حجت کے قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

ایک شخص جس کے قدم بڑھاپے کی دہلیز پر ہیں ایسے موقع و حالات میں انسانی قوای طبعاً کمزور ہو جاتے ہیں اگلا گھر نظر آرہا ہوتا ہے۔ پچھلوں کا فکر جوانی کے عالم سے بڑھ کر بار بار دستک دیتا ہے کہ ان کا کچھ کر کے جاؤ۔ وہ ایک رؤیا دیکھتے ہیں۔ جن کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ فلما بلغ معہ السعی قال یٰبنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ۔ قال یٰابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللّٰہ من الصّٰبرین۔ فلما اسلما وتلہ للجبین وناد ینہ ان یا براھیم قد صدقت الرؤیا.... وفدینہ بذبح عظیم۔ ... سلٰم علیٰ ابراھیم (الصّٰفٰت ۳۷۔ ۱۰۲ تا ۱۰۹) کہ اپنے لختِ جگر اسماعیل کو خداتعالےٰ کے رستہ میں ذبح کردو۔ اور بچہ بھی اتنی عمر کا ہے کہ باپ کے ساتھ اگر چلے تو اس کے ساتھ قدم ملانے کے لئے بوجہ اپنے بچپن کے ذرا قدم تیز کر کے چلنا پڑتا تھا۔ کہ اے میرے بیٹے میں تجھے اللہ کی رضا کی خاطر ذبح کرنا چاہتا ہوں۔

ذرا دل تھام کر سوچیں اور محاسبہ کریں!

نہ اس رؤیا کے دیکھنے سے باپ گھبراتا ہے نہ یہ سوچتا ہے کہ شاید قوای کی کمزوری کی وجہ سے ایسا خیال آیا ہو گا جس کو میں الہٰی اشارت سمجھتا ہوں۔ نہیں! حکم الہٰی کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور دوسری طرف زبردستی بھی نہیں کرتا۔ جیسے بعض اوقات ہمیں اپنے بچوں کو نیکی کی بات منوانے کے لئے بڑا زور دینا پڑتا ہے۔ بیٹے سے مخاطب ہوتے ہیں کہ میں نے ایسی رؤیا دیکھی ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں باپ الہٰی فرمان پا کر کس طرح بیٹے کو بشاشتِ قلب سے قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف بیٹا گھبراتا نہیں۔ ٹال مٹول سے کام نہیں لیتا۔ آنے والی نسلوں کے لئے ایک سنہرا سبق چھوڑتا ہے۔ عالمگیر صداقت سے سرشار قلب و دماغ سے ہمہ تن اطاعت گذار ہو کر باپ کے حضور عرض کرتا ہے۔

یا بت افعل ما تؤمر

اے میرے والد محترم! آپ کو جس طرح خداتعالےٰ نے مجھے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ فوراً اس حکم کو بجا لائیں۔ دنیا میں اولاد بعض اوقات زبان سے تو والدین کا حکم مان لینے کا اظہار کرتی ہے لیکن بجا نہیں لاتے یا کسی طرح اس کی اور طرح سے تعبیر کرتے ہیں یا کہتے ہیں کسی اور ذریعہ سے اس کو بجا لائیں۔ بلکہ دونوں اسلما ہو گئے۔ یہ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اسلم کا لفظ سچی۔ کامل۔ ظاہری و باطنی ہر رنگ کی فرمانبرداری کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ صرف زبان یا عمل کا اقرار نہیں۔

بعض اوقات ایسے نظارے بھی دیکھنے میں آتے ہیں

ظاہری طور پر قربانی کا اعلان کیا جاتا ہے لیکن عمل میں پس و پیش یا لیت و لعل سے کام لیا جاتا ہے یا یہ کہ لوگ کیا کہیں گے۔ ناک کی خاطر، جھوٹے وقار کی خاطر، چلو سوسائٹی میں چلنا جو ہوا۔ کر گزرو! لیکن دل ساتھ نہیں دے رہا ہوتا۔ یہاں تو دل بھی سچے خلوص سے تیار ہو جاتا ہے اور نوبت ایسی آجاتی ہے کہ ایک منٹ بھی زیادہ ہے۔ رشتہ حیات منقطع ہونے کے لئے ایک حرکت کی ضرورت ہے۔

لیکن ایک عالمگیر قانون قائم ہونے کا وقت آگیا۔

مذاہب عالم کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس واقعہ عظیمہ سے قبل انسانی جان مختلف رنگوں میں تقدس و قرب، ایثار اور وفاداری کے اظہار کے لئے قربان کی جاتی تھی۔ ایک ایسا نمونہ پیش فرما کر کہ ہر رنگ میں اس کے لئے سچے دل سے آمادہ و تیار ہیں... قد صدقت الرؤیا کہ واقعی اطاعت و فرمانبرداری کا آپ نے حق ادا کر دیا ہے۔ یہ آپ نے ایسی قربانی دی ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ اور اب اس واقعہ عظیمہ جس میں اطاعت، فرمانبرداری کا ایسا بڑا سبق مضمر ہے تخلیہ و تنہائی میں جب انسان بیٹھ کر سوچے تو انسان پر ایک اور کیفیت طاری ہو جاتی ہے

اسوۂ ابراھیم و اسماعیل میں ایک دائمی سبق

ابراہیم و اسماعیل و ہاجرہ علیہم السلام ایک ایسا درس و نمونہ دنیا میں قائم کر گئے ہیں کہ رہتی دنیا تک یہ روشنی ہدایت یا تکمیل انسانیت کے مینار ہیں۔ یہ سچی دنیا میں ایک گھاٹی ہے۔ جب تک انسان اس کو عبور نہ کرے راہِ سلوک و جذب اور رضاء مولیٰ کا حقیقی وارث نہیں بن سکتا۔

لیکن عملاً کیا ہوتا ہے؟

اس سہل سبق میں جب انسان ایک جانور کو ذبح کرتا ہے دل میں یا ماحول میں ایسے رنگ میں پہچانا جاتا ہے کہ اس نے قربانی دی ہے۔ ایسا جانور تھا۔ یا اتنے جانور قربان کئے گئے۔ کیا کبھی غور بھی کیا جاتا ہے کہ وہ اسلما والی کیفیت کے بھی حامل تھے یا کہ نہیں۔ اور یہ مال کہاں سے آیا کس ذریعہ سے اسکو حاصل کیا گیا۔ قربانی دینے والے کی کیا نیت تھی۔ وہ مال کسی کا حق مار کر کسی کو نقصان پہنچا کر یا کسی کا دل دکھا کر تو حاصل نہیں کیا۔ اور پھر جب قربانی دی۔

تو اس کو کس طرح تقسیم کیا گیا۔ کہیں یہ تو نہیں کیا۔ سوچا کہ بھائی اپنے محکمہ کے افسر جس سے کوئی غرض ہے اس کا ڈر یاد کھاوا۔ اونچا اعلان تو مدنظر نہیں رکھا گیا۔ اور وہ لوگ جن میں اس کا اکثر حصہ تقسیم ہونا چاہیئے وہ تو محروم رہے اور جن میں ان کا حصہ جانا چاہیئے۔ تو اکثر حصہ کے حقدار بنے۔ اسلام ان افسروں تعلقداروں کو نظرانداز نہیں کرتا۔ لیکن بحصہ رسدی!

ہاجرہ ایک عظیم خاتون

باپ و بیٹے دونوں نے بڑا اچھا نمونہ دکھایا۔ جتنا بھی ہم سوچیں گے اس میں ہمارے لئے ہدائیت کی قندیل روشن سے روشن تر نظر آئے گی۔ لیکن ایک ایسی ہستی جسے عورت کہتے ہیں جس کا دائرہ محدود ہوتا ہے قوٰی بھی کمزور ہوتے ہیں لیکن والد سے بڑھ کر۔ کئی گنا بڑھ کر اولاد کی محبت کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ واقعی! ماں کی اولاد سے محبت ماپنے کا آج تک کوئی پیمانہ ایجاد نہیں ہوا۔ وہ اولاد کی خاطر اتنی بڑی قربانی دیتی ہے کہ اس کی مثال نہیں دی جا سکتی۔ مجھے ایک ماں کا ذاتی طور پر علم ہے کہ اپنے لخت جگر کی خاطر چالیس دن تک نہیں سوئی۔

جب اس کے امتحان کا وقت آیا۔ بظاہر اس نے موت کو قبول کر لیا۔ درندوں کی آماجگاہ میں اپنا ڈیرہ ڈال لیا۔ نہ کوئی ساتھی نہ کوئی مونس و غمگسار۔ نہ کھانے کے اسباب نہ پینے کے لئے پانی۔ خاوند چھوڑ کر رخصت ہو رہا ہے۔ جب اس سے پوچھتی ہے کہ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہو۔ منہ سے بولتے کیوں نہیں بشریت بھی ساتھ ساتھ کام کر رہی ہے۔ آخری سوال یہ تھا کہ کیا خدا تعالےٰ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہو۔ منہ سے نہیں بولتے۔ صرف آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ قربان جائیے اس ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر۔ لق و دق صحرا میں اونچی آواز سے بولتی ہے تاکہ خاوند بھی سن لے۔ مکہ کا ذرّہ ذرّہ گواہ رہے کہ اگر یہ بات ہے تو اذًا لا یضیعنا اللہ تعالےٰ۔ یہاں بھی تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اوپر اسلما تثنیہ کا صیغہ آیا تھا۔ باپ اور بیٹا پورے شرح صدر سے قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ اب پھر تثنیہ کا صیغہ ہے آب و گیا وادی میں ایک کمزور بچہ اور ماں۔ جو دونوں قدم قدم پر سہارے کے محتاج ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو جاؤ۔ خدا حافظ۔ فی امان اللہ۔ اللہ تعالےٰ ہم کو کسی صورت میں ضائع نہیں کرے گا۔

واقعی! اسماعیلی درخت کو وہ پھل لگے اب تو ان کا شمار و حساب انسانی عقلوں سے تجاوز کر گیا ہے۔

لمحۂ فکریہ اور محاسبہ

پس اس مبارک موقع پر ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ ایمان پیدا کیا جائے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندر تھا۔ عہد کیا جائے کہ ہم ابراہیم کی اپنی عملی زندگی میں تقلید کریں گے۔ اسماعیل کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ اپنی اولادوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور حضرت ہاجرہ کی پیری ہر عورت ہاجرہ بننے کی سعی کرے۔

پس عیدالاضحیہ ہر سال ہمیں یہ سبق دیتی ہے۔ لیکن ہم یہ سبق بھولے ہوئے ہیں۔ اس کو کبھی قریب بھی نہیں آنے دیتے۔ ہم نے کئی پیمانے بنا لئے ہیں۔ زبانی الفاظ۔ ظاہرداری کو اصل عید سمجھ کر اپنے دل کو واہ واہ سے خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ عید جو ایک عظیم الشان سبق لے کر ہمیں جگانے کے لئے آتی ہے ہم اس سے دور بلکہ بہت دور ہوتے جاتے ہیں اور پھر توقع کرتے ہیں کہ

شیریں ثمر

لگیں۔ یہ میٹھے پھل تو سچے دل سے اطاعت کرنے سے ہی لگیں گے۔

اے میرے مولیٰ! اپنے فضل سے ہمیں یہ روح اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق دے تاکہ ہم اس مقام کو حاصل کر لیں۔ جو انسانیت کی پیدائش کا مقصد عظمیٰ ہے۔

——— *** ———

علاماتُ المقربین

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار + جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار

اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب + کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب

اسے دے چکے مال و جاں بار بار + ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے + وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(نشانِ آسمانی ص۴۶)

محمد علی فری ڈسپنسری

کے لئے پیغامِ صلح میں جو اپیل کی جا رہی ہے اس پر ہمارے بعض دوستوں نے توجہ دے کر اپنے عطیات بھیجے ہیں جزاہم اللہ احسن الجزا۔ یہ ڈسپنسری دکھی انسانیت کی خدمت کا ایک اہم ذریعہ ہے آپ بھی اپنے عطیات بھجوانا نہ بھولیئے۔

عطیات بھیجنے کا پتہ

چوہدری ریاض احمد صدر مقامی جماعت، دارالسلام۔ ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۱۶

ہفت روزہ پیغامِ صلح مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۸۳ء۔ جلد ۷۰ شمارہ ۳۶/۳۷

باہتمام الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد: ۷۰ { یوم چہار شنبہ ۱۳/۲۰ ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۱/۲۸ ستمبر ۱۹۸۳ء { شمارہ: ۳۸/۳۹

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

خدا کا کلام وہ ہے جس میں خدا کی عظمت، قدرت، برکت، حکمت اور بے نظیری پائی جائے

"...... پس سمجھنا چاہیئے کہ جس طرح آفتاب کی روشنی صرف آسمان سے آتی ہے آنکھ کے اندر سے پیدا نہیں ہو سکتی اسی طرح نور الہام کا بھی خاص خدا کی طرف سے اور اس کے ارادہ سے نازل ہوتا ہے یونہی اندر سے جوش نہیں مارتا۔ جب کہ خدا فی الواقع موجود ہے اور فی الواقع وہ دیکھتا، سنتا جانتا کلام کرتا ہے۔ تو پھر اس کا کلام اسی حیّ و قیوم کی طرف سے نازل ہونا چاہیئے۔ نہ یہ کہ انسان کے اپنے ہی خیالات خدا کا کلام بن جائیں۔ ہمارے اندر سے وہی خیالات بھلے یا بُرے جوش مارتے ہیں کہ جو ہمارے اندازۂ فطرت کے مطابق ہمارے اندر سمائے ہوئے ہیں مگر خدا کے بے انتہاء علم اور بے شمار حکمتیں ہمارے دل میں کیونکر سما سکیں۔ اس سے زیادہ تر اور کیا کفر ہوگا کہ انسان ایسا خیال کرے کہ جس قدر خدا کے پاس خزائن علم و حکمت و اسرار غیب ہیں وہ سب ہمارے ہی دل میں موجود ہیں اور ہمارے ہی دل سے جوش مارتے ہیں۔ پس دوسرے لفظوں میں اس کا خلاصہ تو یہی ہوا کہ حقیقت میں ہم ہی خدا ہیں اور بجز ہمارے اور کوئی ذات قائم بنفسہٖ اور متصف بصفاتہٖ موجود نہیں جس کو خدا کہا جائے کیونکہ اگر فی الواقع خدا موجود ہے اور اس کے علوم غیر متناہی اسی سے خاص ہیں جن کا پیمانہ ہمارا دل نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں کس قدر یہ قول غلط اور بیہودہ ہے کہ خدا کے بے انتہا علوم ہمارے ہی دل میں بھرے پڑے ہیں اور خدا کے تمام خزائن حکمت ہمارے ہی قلب میں سمائے ہیں۔ گویا خدا کا علم اسی قدر ہے جس قدر ہمارے دل میں موجود ہے۔ پس خیال کرو کہ یہ خدائی کا دعویٰ نہیں تو اور کیا ہے لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کا دل خدا کے جمیع کمالات کا جامع ہو جائے؟ کیا یہ جائز ہے کہ ایک ذرّہ امکان آفتاب وجوب بن جائے ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ الوہیت کے خواص جیسے علم غیب اور احاطۂ دقائق حکمیہ اور دوسرے قدرتی نشان انسان سے ہرگز ظہور پذیر نہیں ہو سکتے۔ اور خدا کا کلام وہ ہے جس میں خدا کی عظمت، خدا کی قدرت خدا کی برکت، خدا کی حکمت، خدا کی بے نظیری پائی جائے سو وہ تمام شرائط قرآن میں ہیں...... پس اگر اب بھی برہمو سماج والوں کو ایسے الہام کے وجود سے انکار ہو کہ جو امور غیبیہ اور دوسرے امور قدرتیہ پر مشتمل ہو تو ان کو اپنی آنکھ کھو لنے کے لئے قرآن شریف کو بغور تمام دیکھنا چاہیئے......

(براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۱۲۱/۱۲۲)

ر لہ ر ط لہ ا ب ا ہش ۰ ر

تحریر کرتے ہیں۔

محترم و مکرم جناب جنرل سیکرٹری صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہ

۱۔ جولائی رمضان المبارک کی اکیس اور جمعہ کا دن تھا۔ محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اُن کے صاحبزادے اور شاہد عزیز صاحب نماز میں موجود تھے۔ شاہد عزیز صاحب ہمت کر کے گھنٹہ بھر کی مسافت سے جمعہ کی نماز میں شریک ہونے آتے ہیں۔ باقی احباب اگر چہ تو آنے کی کوشش کرتے ہیں وگرنہ فاصلوں اور قلت وقت کی مشکلات سد راہ رہتی ہیں۔

۴۔ کو ہفتہ کی شام مسز جمیلہ خان کی طرف سے "دارالسلام" میں ہی افطاری کا اہتمام کیا گیا تھا۔ شرکاء کی تعداد ساٹھ کے قریب تھی۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں با جماعت ادا کی گئیں۔ ۵ کو محترمہ عزیزہ فریدہ طاہر جو امریکہ سے آئی ہوئی ہیں ایک دن کے لئے دارالسلام آئیں۔ عمارت اور اس کا محلِ وقوع انہیں بھی بہت پسند آیا۔

۶۔ کو ہالینڈ سے محترم حاجی یحییٰ محمد علی کیسکا صاحب تشریف لائے۔ ان کی آمد سے کافی رونق پیدا ہو گئی۔ انہیں سلسلہ اور تبلیغی مساعی سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے۔ اس لئے ہالینڈ کی جماعت ہائے کی سرگرمیاں اور اپنی رات دن کی اس سلسلہ میں مصروفیات اور مستقبل کے پروگراموں پر بالتفصیل گفتگو فرماتے رہے۔ ۱۱۔ کو عید الفطر منائی گئی جس کے لئے کافی پہلے پروگرام مرتب کیا گیا تھا۔ ۱۱ بجے نماز عید ہونا تھی۔ احباب ۹ بجے کے بعد آنا شروع ہو گئے۔ آہستہ آہستہ جگہ کی قلت محسوس ہو رہی تھی جس کا ہمیں پہلے سے اندازہ تھا چنانچہ ہم نے خواتین کے لئے پہلی منزل پر اپنا اور بیگم عطیہ لاکیر کا کمرہ تیار رکھا ہوا تھا۔ ۱۱ بجے تک تعداد ۱۵۰ کے لگ بھگ پہنچ چکی تھی۔ خواتین اوپر کے حصے میں منتقل ہو گئیں اور یوں نماز عید شروع ہوئی۔ چونکہ محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب جیسی بزرگ ہستی موجود ہے اس لئے فریضۂ نماز انہی کی اقتداء میں ادا ہوا۔ آپ کے خطبہ کا موضوع وفات مسیح سے متعلق تھا اور یہ کہ وہ خدا نہیں تھے۔ اس کی تائید میں آپ نے چند جدید مصنفین کی کتب کے حوالے دیئے اور حضرت صاحب کی پیشگوئیوں کی سچائی ثابت کی۔

ساتھ ہی آپ نے محترم حاجی یحییٰ محمد علی کیسکا اور محترمہ عطیہ لاکیر کے نکاح کا بھی اعلان فرمایا۔ اس موقع پر جانبین نے ایک دوسرے کو انگوٹھیاں پہنائیں اور اپنے جذبات سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ محترم کیسکا نے اپنے مخصوص انداز میں بڑی ایمان افروز تقریر کی۔ آپ نے فرمایا۔ میں ستر سال کا ہونے والا ہوں اور یہ شادی کی عمر نہیں ہے۔ میں نے عمر کا بڑا حصہ تجرد میں گزار دیا۔ چونکہ عطیہ بھی اکیلی تھی اور احمدی تھی میں نے یہ سوچ کر کہ عمر کے اس ڈھلتے ہوئے دور میں اگر ہم ایک دوسرے کے ساتھی بن جائیں تو بہت سارے بوجھ بٹ جائیں گے۔ ہم دونوں مل کر احمدیت جو اسلام کا کامل پیغام اور خوبصورت تصویر ہے دنیا کو پہنچا سکیں گے۔ آپ نے حاضرین سے اپنے اس تعلق اور ارادوں میں نصرت الٰہی کی دعا کی درخواست کی۔ اللہ اُن کے ساتھ ہو۔ آمین!

۱۳۔ کو روٹرڈم سے صدر جماعت کے چھوٹے بھائی محترم ابراہیم سنتو صاحب مع بیگم صاحبہ تشریف لائے۔ ان دنوں دارالسلام آباد معلوم ہوتا تھا۔ یحییٰ محمد علی صاحب اور عطیہ لاکیر بھی موجود تھے۔ ایک دو ہالے سے قریبی عزیز بھی دو چار دنوں کے لئے باہر سے آئے ہوئے تھے۔ جن میں ایک میرے برادر نسبتی محمد ارجمند صادق اور اخویم محترم صالح نور صاحب شامل تھے۔ اسی طرح باہم نمازوں اور جماعتی امور پر گفتگو کا زیادہ لطف رہا۔

۱۷۔ کو مسٹر اور مسز کیسکا صاحب دونوں ہالینڈ تشریف لے گئے۔ جبکہ محمد ارجمند صادق اور محترم صالح نور صاحب علی الترتیب ۱۴، اور ۱۵ کو واپس روانہ ہو چکے تھے اور جن کی طرف سے ۵۰ پونڈ جلد ملنے والے ہیں جو انشاء اللہ مرکزی اکاؤنٹ میں دو گلنگ جمع کرا دیئے جائیں گے۔

۱۸۔ کا دن سامنے کے باغ کا کچھ حصہ باڑ کے درختوں کی شاخیں تراشنے میں گذرا جس کا باقی سارا کام بعد کے چند ایام میں فرصت ملنے پر ختم ہوا۔

۲۲۔ کو محترم سنتو صاحب اور بیگم صاحبہ واپس ہالینڈ تشریف لے گئے اور اپنے قیام کے ۵۰ پونڈ مسجد فنڈ میں عطا کئے جو ۵ گلنگ مرکزی مسجد فنڈ میں جمع کرا دیئے گئے

۲۳۔ کو ایک نومسلم فلپائنی خاتون جن کی شادی پاکستان میں ہمارے ملنے والوں میں سے ایک کے ساتھ ہوئی ہوئی ہے تشریف لائیں۔ وہ ایک دن قیام کر کے دوسرے دن چلی گئی تھیں۔ ان کے ساتھ احمدیت پر اطمینان بخش گفتگو رہی اور وہ "ٹیچنگ آف اسلام" اور "ریلیجن آف اسلام" پڑھنے کے لئے لے گئیں۔

۲۶ کا دن خطوط نویسی اور لیبیا کے دو بھائیوں کے ساتھ احمدیت کے تعارف اور تعلیم پر گفتگو میں گذرا۔ انہوں نے مسلسل رابطہ رکھنے کا وعدہ کیا۔ یہ گفتگو اُن کے لئے بالکل نئی۔ نہایت معلوماتی اور دلچسپی کا باعث رہی۔

۲۷۔ کو گھانا چار آدمیوں کو اور مقامی طور پر ایک دو آدمیوں کو عند الطلب لٹریچر بھیجا گیا اور دو خاندان جن سے گہرے تعلقات تھے دارالسلام آئے۔ یہ کل سات آٹھ افراد تھے شام تک ٹھہرے لٹریچر بھی لے گئے اور ایک کاپی قرآن کریم بھی خرید کی۔

یہ بھی میں عرض کرتا چلوں کہ ہر جمعہ خدا کے فضل و کرم سے نہایت باقاعدگی سے ہوتا رہا ہے۔ دعاؤں کی درخواست کے ساتھ میں اسے ختم کرتا ہوں۔ اور جملہ بزرگوں اور احباب کی خدمت میں ہدیہ سلام عرض ہے۔

قرآن کریم کے حکم کے مطابق اپنی نمازوں کی پوری پوری حفاظت کرو

کیونکہ یہی تعلق باللہ اور دنیوی اور اخروی نجات کا ذریعہ ہیں

خطبۂ جمعہ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۸۳ء، فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز، بمقام دار السعید، جیل روڈ ایبٹ آباد

تشہد اور تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ مریم کی آیات "اولئک الذین انعم اللہ علیہم ـ ـ ـ ـ ـ فاولئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون شیئاً" (۵۸ تا ۶۰) کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ آج کے خطبہ کے لئے میں نے دراصل ایک اور موضوع منتخب کیا تھا لیکن قرآن کریم کی تلاوت کے دوران جب میں نے یہ آیات پڑھیں تو میرا دل کانپ اٹھا اور مجھ پران کا اس قدر شدید اثر ہوا کہ میں نے اپنے پہلے موضوع سے ہٹ کر آپ کے سامنے انہی آیات کے متعلق کچھ بیان کرنے کو پسند کیا۔

یہ آیات جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہیں یہ سورۃ مریم کی آیات ہیں۔ اس سورۃ میں زیادہ تر عیسائیت کا ذکر ہے ان کا ترجمہ یہ ہے۔

"یہ نبیوں میں سے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا آدم کی نسل سے اور اُن سے جنھیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ سوار کیا اور ابراہیمؑ اور اسرائیلؑ کی نسل سے اور ان میں سے جنھیں ہم نے ہدایت دی اور انہیں چن لیا جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتیں وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے پھران کے بعد نا خلف جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی سو وہ ہلاکت کو پالیں گے مگر جنھوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور اچھے عمل کئے تو یہ جنت میں داخل ہونگے اور اُن پر کچھ ظلم نہ کیا جائیگا۔"

وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ تعالےٰ نے اپنا انعام کیا۔ جنہیں اس نے چن لیا۔ انہیں ہدایت دی اور وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سن کر روتے ہوئے سجدوں میں گر پڑتے تھے ان لوگوں کا ذکر اس سورۃ کے پہلے تین رکوعوں میں آتا ہے۔ وہ حضرت زکریاؑ۔ حضرت یحییٰؑ۔ حضرت عیسٰیؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی ہارونؑ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ادریسؑ ہیں جو حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کی اولاد میں سے تھے۔ یہ سب اللہ کے پاک اور معصوم انبیاء تھے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ صرف عیسٰیؑ ہی پاک اور معصوم ہیں اور باقی سب انبیاء نعوذ باللہ گنہگار ہیں۔ ان سب انبیاء کا ذکر کر کے اور ان کی خصوصیات بیان کر کے اللہ تعالےٰ نے عیسائیوں کے اس غلط عقیدہ کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ اگر یہ خود گناہوں سے پاک اور معصوم نہ ہوتے تو اللہ تعالےٰ کے انعامات کے کیونکر مستحق اور اپنے لوگوں کے لئے نمونہ ہو سکتے تھے۔ نہ صرف انہیں بلکہ ان کے بعد جو ان کی نسل چلی ان میں سے بھی اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو چن لیا جنھوں نے اپنے ان آباء واجداد کی پیروی میں اللہ تعالےٰ سے اپنا تعلق قائم رکھا۔ حضرت نوحؑ کی اولاد سے ایک سلسلہ انبیاء کا چلا۔ حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے بے شمار انبیاء پیدا ہوئے جن کی مثال سلسلہ بنی اسرائیل اور سلسلہ بنی اسماعیل ہیں۔ یہ سب لوگ اللہ تعالےٰ سے ڈرنے والے۔ اس کے سامنے سجدہ کرنے والے اور رونے والے تھے جس کی وجہ سے وہ انعامات کے وارث ہوئے۔ لیکن ان کے بعد کچھ ایسی ناخلف اولاد بھی آئی جس نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا۔

اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا جو حقیقی ذریعہ نماز ہے اس سے وہ غافل ہو گئی۔ اسے ترک کر کے وہ نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئی۔ اس کے لئے یہ وعید ہے کہ وہ ہلاکت کو پالے گی۔ اسی سورۃ کی آخری آیت ہے "وکم اھلکنا قبلھم من قرن ھل تحس منھم من احد او تسمع لھم رکزا" اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی نسلیں ہلاک کر دیں۔ کیا تو ان میں سے کسی کو دیکھتا ہے یا اُن کی بھنک تک سنتا ہے۔ قرآن کریم میں تو چند ایک قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے لیکن اس آیت سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ بے شمار قومیں جنھوں نے اللہ تعالےٰ سے بغاوت اور سرکشی کے راستے پر قدم رکھا نیست ونابود ہو گئیں۔ اور جن کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا۔ سورۃ محمد میں بھی اسی مضمون کی یہ آیت ہے۔

"وکاین من قریۃ ھی اشد قوۃ من قریتک التی اخرجتک اھلکنھم فلا ناصر لھم۔"

اور کتنی بستیاں تھیں جو تیری اس بستی سے جس سے تجھے انہوں نے نکالا ہے طاقت میں بڑھ کر تھیں۔ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا پس ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔ اللہ تعالےٰ کسی بستی اور کسی قوم کو ہلاک کر کے خوش نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو وہ انسانوں کی رہنمائی کے لئے انبیاء کا سلسلہ ان میں جاری نہ کرتا۔ جنھوں نے انہیں ہلاکت سے بچنے کا رستہ دکھایا۔ لیکن وہ سرکشی اور بغاوت کا راستہ اختیار کر کے اپنی تباہی اور بربادی کو دعوت دیتے رہے۔ خدا سے تعلق توڑ کر کوئی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بچنے کا ایک ہی راستہ ہے جو ان آیات میں بیان ہوا ہے۔

"الا من تاب وامن وعمل صالحا فاولئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون شیئاً۔"

انسان کسی وقت بھی شہوات کو ترک کر کے توبہ کرے۔ ایمان لائے اور اچھے عمل کرے تو اس کے لئے جنت کی خوشخبری ہے۔ اللہ تعالےٰ غفور الرحیم اور ارحم الراحمین ہے۔ وہ اس کے تمام ظلموں۔ زیادتیوں۔ برائیوں اور گناہوں کو معاف کر دیتا ہے جو اس سے پہلے اس نے اپنی زندگی میں کئے ہوں۔ اور پھر اس

تعلق کو کسی حالت میں بھی نہ توڑے۔

کی ابتدا میں ہی جہاں متقیوں کی صفات کا بیان ہوا ہے یہ الفاظ ہیں:۔

"الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰة ومما رزقنٰھم ینفقون۔"

متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

غیب پر ایمان لانے سے مطلب اللہ تعالیٰ کی ہستی پر جو نہاں در نہاں ہے اور جسے ہماری یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں یہ ایمان لانا اور یقین کرنا ہے کہ وہ موجود ہے۔ یہ ایمان کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ جو چیز ظاہر ہو اور اسے ہماری آنکھیں دیکھ سکتی ہوں اس کی موجودگی سے کون عقلمند انکار کر سکتا ہے۔ اس غیب پر ایمان لانے کے بعد جو لوگ اس کی تلاش اور جستجو میں لگ جاتے ہیں وہ اپنے آپ کو ان پر ظاہر بھی کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ ہی نماز قائم کرنے کا ذکر کر دیا ہے۔ کہ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے اس کے اور تمہارے درمیان غیب کا جو پردہ حائل ہے وہ ہٹ جائے گا۔ اور تم اُسے دیکھنے لگو گے۔

ہمارے اس سائنسی انکشافات کے زمانے میں غیب کا سمجھنا مشکل نہیں۔ برقی رو کو ہم ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے لیکن جب بلب روشن ہوتا ہے یا جھٹکا لگتا ہے تو ہمیں تار کے اندر اس کی موجودگی کا یقین ہو جاتا ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی اور ان کے نشریاتی سٹیشنوں کے درمیان کسی تار کے ذریعے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن ہم آواز سن سکتے ہیں اور تصویریں دیکھ سکتے ہیں۔ وہ لہریں جو آواز اور تصویر لاتی ہیں ہماری نظریں ان کو دیکھنے سے قاصر ہوتی ہیں لیکن ان کے ذریعے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس سے ہمیں ان کی موجودگی کا یقین ہو جاتا ہے۔ آجکل وائرس کا لفظ اکثر استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی باریک جرثومہ کا نام ہے جو پودوں اور انسانوں میں بیماریاں پیدا کرتا ہے۔ زکام۔ انفلوانزا۔ چیچک اور خسرہ وغیرہ بیماریاں انسانوں میں اسی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں لیکن یہ اتنا باریک ہوتا ہے کہ ظاہری آنکھ سے تو کیا عام خوردبین کے ذریعے بھی نہیں دیکھا جا سکتا اور صرف ایک جدید قسم کی خوردبین سے جسے الیکٹرانک خوردبین کہتے ہیں دیکھا جا سکتا ہے لیکن یہ بیماریاں اس کی موجودگی کا احساس دلاتی ہیں اور انسان کو اس پر یقین ہو جاتا ہے لیکن انسان اتنی بڑی کائنات اور اس میں ایک باقاعدہ مربوط نظام کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی یہ یقین نہیں کرتا کہ اس کا کوئی خالق اور چلانے والا بھی ہے۔ قرآن کریم میں فطرتی مناظر کی طرف بار بار توجہ دلا کر اس پر غور کرنے اور نتیجہ اخذ کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے لیکن چونکہ انسانی عقل پھر بھی ٹھوکر کھا جاتی ہے اس لئے بار بار نماز کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اسی کے ذریعے ایمان اور یقین پیدا ہوتا ہے۔

نماز کا حکم تو انبیاء کو بھی ہوا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں کہ اے ہمارے رب میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزت والے اس گھر کے پاس اس وادی میں بسایا

پھر اسی سورۃ ابراہیم میں اپنے اور اپنی اولاد کے لئے دُعا فرماتے ہیں جو ہم بھی التحیات میں پڑھتے ہیں۔ "رب اجعلنی مقیم الصلوٰة ومن ذریتی ربنا وتقبل دُعاء" میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے ہمارے رب اور میری دُعا قبول فرما۔ حضرت موسیٰ کو بھی نماز قائم کرنے کا حکم ہوا ہے۔ "اننی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوٰة لذکری۔" (طٰہٰ ۱۴) میں اللہ ہوں میرے سوائے کوئی معبود نہیں سو میری عبادت کر اور میرے ذکر کے لئے نماز قائم کر۔ حضرت عیسٰیؑ فرماتے ہیں۔

واوصٰنی بالصلوٰة والزکوٰة ما دمت حیا

اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے۔

"اقم الصلوٰة لدلوک الشمس الی غسق الیل وقراٰن الفجر ان قراٰن الفجر کان مشھودا۔"

سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز کو قائم رکھو اور صبح کے قرآن کو بھی۔ صبح کے قرآن میں حضور ہوتا ہے۔ آپ کو نہ صرف یہ حکم ہے بلکہ اس سے آگے یہ بھی ہے۔ "ومن الیل فتھجد بہ نافلة لک عسٰی ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔" اور رات کے کچھ حصے میں اس (قرآن) کے ساتھ جاگتا رہ یہ تیرے لئے نفل کے طور پر ہے اُمید ہے کہ تیرا رب تجھے بڑی تعریف کے مقام پر کھڑا کرے (بنی اسرائیل ۷۹) آنحضرت صلعم کی اتباع میں اس امت کے تمام مجددین۔ اولیاء اللہ اور صالحین نے نماز تہجد کا التزام کیا اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے تعریف کے مقامات پر کھڑا کیا۔

انبیاء نے خود ہی نماز کے قیام کو اپنے اوپر لازم قرار نہیں دیا بلکہ اپنی اہل کو بھی جن میں آپ کے ماننے والے اور بیوی بچے سب ہی شامل ہیں نماز کے قیام کی تاکید فرمائی۔ حضرت اسماعیلؑ کے متعلق ہے "وکان یامر اھلہ بالصلوٰة والزکوٰة وکان عند ربہ مرضیا۔" اور وہ اپنے ساتھیوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا۔ یعنی ایک طرف تو وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہداشت کا حکم دیتے تھے اور دوسری طرف اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی یہی دُعا کی ہے کہ مجھے اور میری اولاد میں سے نماز قائم کرنے والے بنا۔ آنحضرت صلعم کو بھی یہ حکم ہے کہ "وامر اھلک بالصلوٰة واصطبر علیھا۔" (طٰہٰ ۱۳۲) اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود اس پر قائم رہ۔ جو خود نماز نہیں پڑھتا وہ دوسروں کو نماز قائم کرنے کا کیسے کہہ سکتا ہے اس کے لئے اپنا نمونہ اور مثال ضروری ہے۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ اپنے بچوں کو بچپن سے نماز کی عادت ڈالو۔ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کی ترغیب دو اور اگر بارہ سال کا ہو جائے اور نماز میں سستی کرے تو اسے مار کر پڑھاؤ۔

قرآن کریم میں نماز کے قیام اور اسکی حفاظت کا ذکر آیا ہے۔ حفاظت یہ ہے کہ ایک بہت بڑا قیمتی خزانہ ہے اسے ضائع نہ ہونے دو اس کی اسی طرح حفاظت کرو جس طرح تم کسی اپنی بہت ہی قیمتی چیز یا خزانے کی حفاظت کرتے ہو کیونکہ تمہاری جب کوئی بیش قیمت چیز کھو جاتی ہے یا تم اسے کہیں رکھ کر بھول جاتے ہو تو اس کے لئے کتنے غمگین اور فکرمند ہوتے ہو۔ اسی طرح کا غم اور فکر اپنی نمازوں کے گم ہو جانے کا بھی کرو اور کوشش کرو کہ یہ ضائع نہ ہونے پائیں۔ قیام کا مطلب یہ ہے کہ اسے گرنے نہ دو۔ اسے ایک بیگار سمجھ کر مت ادا کرو۔ اسے اس طرح سنوار سنوار کر ادا کرو کہ تمہارے دلوں کو اس سے ایک گونہ راحت اور اطمینان حاصل ہو اور تمہیں محسوس ہو کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرض کو کما حقہٗ ادا کیا ہے۔

نماز کے مقصد کے متعلق قرآن کریم میں یہ بیان ہوا ہے کہ "اقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر" نماز کو قائم رکھ۔ نماز بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے۔ شروع میں میں نے جو آیت پڑھی ہے اس میں بھی بیان ہوا ہے کہ بعد میں آنے والوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور بے حیائی کی پیروی کرنے لگ گئے جس کا نتیجہ ان کے لئے ہلاکت ہوا۔ اس لئے اگر ہلاکت سے بچنا چاہتے ہو تو بے حیائی سے بچو اور بے حیائی سے بچنا چاہتے ہو تو نماز کو قائم کرو کیونکہ ایسی نماز ہی جس کی حفاظت کی جائے اور جسے قائم کیا جائے بے حیائی سے روک سکتی ہے۔ جو آدمی نماز تو پڑھتا ہے لیکن بے حیائی سے نہیں بچتا تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ نماز کی حقیقت سے بےخبر ہے۔ وہ نماز کو محض بیگار سمجھ کر ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو ایسی نمازوں کی ضرورت نہیں۔ نماز قائم کرنا محنت اور مشقت طلب کام ہے لیکن انسان محنت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی کوشش کو پھل لگاتا ہے ہمارا کام اپنی طرف سے محنت اور کوشش کرنا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا امیدوار رہنا چاہیئے۔

بحیثیت جماعت ہمیں اس پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا ہماری نمازیں ویسی ہی ہیں جیسی قرآن کریم کے مطابق ہونی چاہیئں۔ ہمارے بزرگوں کی نمازیں ایسی ہی ہوتی تھیں جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو ان پر اللہ تعالیٰ کے خوف سے کپکپی طاری ہو جاتی تھی اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ جب سجدوں میں گرتے تو سر ہی نہیں اٹھاتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی بات منوا لیتے تھے۔ قرآن کریم میں عباد الرحمٰن کی تعریف میں یہ بیان کیا گیا ہے "والذین اذا ذکروا بایت ربھم لم یخروا علیھا صمّا وعمیانا" "اور وہ کہ جب انہیں ان کے رب کے حکموں سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے"۔ یعنی انہیں سنتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے مقام پر ہے "اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ" اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام اتارا ہے۔ کتاب جس کی باتیں ملتی جلتی دہرائی گئی ہیں۔ اس سے ان لوگوں کے دل کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کے بدن اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے نرم ہو جاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ان آیات میں جو میں نے پڑھی ہیں اور ان کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے ہمارے لئے بڑے خوف کا مقام ہے۔ ہمیں اپنی حالتوں کا جائزہ لینا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ کہیں ہم نے بھی تو اپنی نمازوں کو ضائع کرنا اور عیش و عشرت میں پڑنا تو شروع نہیں کر دیا۔ ہمیں نماز کی اصلی روح اور اس کی غرض کو سمجھ کر اسے قرآن کریم کے مطابق قائم کرنا اور اس کی حفاظت کرنا چاہیئے کیونکہ یہی ہماری فلاح اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین!

نماز جمعہ کے بعد عزیز افتخار مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ اور اس کی مغفرت کے لئے دعا کی گئی۔

— * * * —

موت العالِم موت العالَم

آہ! مرزا مسعود بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ غفرہ اللہ تعالیٰ

یہ خبر نہایت افسوس و قلبی غم کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ ہمارے بزرگ۔ عالم۔ فدائی اسلام۔ خدمت گزار عظیم انسان محترم مرزا مسعود بیگ نائب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور مورخہ ۲/۹/۸۳ بوقت ساڑھے گیارہ بجے عالم فانی سے رحلت فرما کر عالم جاودانی سدھارے

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کی رحلت ایک عظیم قومی سانحہ ہے جس پر ہر آنکھ اشکبار ہے اور ہر قلب مجروح ہے۔ ۲/۹/۸۳ بوقت ۶ بجے احمدیہ قبرستان دارالسلام میں تدفین ہوئی۔ ادارہ پیغام صلح عنقریب مرحوم کے کارناموں کے بارے میں ایک خاص نمبر شائع کرے گا۔ سردست اطلاع پر اکتفا کر رہا ہے۔

تمام افراد سلسلہ کو مرحوم کی بیگم صاحبہ، بچوں اور بچیوں محترم ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب ریٹائرڈ سول سرجن، مرحوم کے بھائی محترم مرزا مقبول بیگ صاحب اور دوسرے عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ مولیٰ کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

خطبہ عید الاضحیٰ

فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی صاحب بتاریخ ۱۸ ستمبر ۱۹۸۳ء بمقام مرکزی جامع مسجد، دار السلام، لاہور

قل اننی ھدٰنی ربّی الی صراطٍ مستقیم ۚ دینًا قیمًا ملّۃ ابراھیم حنیفًا ۚ وما کان من المشرکین ۝ قل انّ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العٰلمین ۝ لا شریک لہٗ ۚ وبذٰلک امرت وانا اوّل المسلمین ۝ (سورۃ الانعامؑ۔ آیات ۱۶۱ تا ۱۶۳)

ترجمہ:۔ کہہ، بے شک مجھ کو میرے رب نے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کی ہے، صحیح دین جو ابراہیمؑ راست رو کا مذہب تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہہ، میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور یہی مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں۔

یہ سورۃ الانعام کی تین آیات ہیں جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہیں اس سُورت کا مضمون توحیدِ الٰہی ہے۔ اس پہ جو دلائل اور شواہد قرآن پاک نے اور خصوصًا اس سورت نے دیئے ہیں ان کا میں ذکر نہیں کرتا کیونکہ وہ میرا آج مضمون نہیں ہے۔ ان آیات میں جو میں نے تلاوت کی ہیں پہلی آیت میں فرمایا کہ عالمگیر شرک کی وجہ سے جو تمام مذاہب میں پیدا ہو چکا تھا صراطِ مستقیم دنیا سے اُٹھ چکا تھا کہ میرے (محمد صلعم کے) رب نے دوبارہ صراطِ مستقیم کی طرف میری ہدایت کی۔ اس بات کو رسول اللہ صلعم کے قول کے رنگ میں فرمایا کیونکہ حضورؐ ابتدا سے شرک سے متنفّر تھے۔ اور دنیا کی اس گمراہی کی وجہ سے سخت دلگیر تھے حضورؐ کی گریہ وزاری جو غارِ حرا میں سال ہا سال سے جاری تھی اس کو اللہ تعالےٰ نے سُنا اور قرآن پاک کے ذریعہ سے نہ صرف دنیا کو دوبارہ صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کی بلکہ قرآن کریم کو حفاظتِ الٰہی میں رکھ کر صراطِ مستقیم کو دوبارہ گم ہو جانے سے محفوظ فرما دیا۔ اسی بات کو قرآن کریم نے دوسری جگہ یوں فرمایا ہے کہ ووجدک ضاۤلاًّ فھدٰی (الضحیٰ ۹۳۔ آیت ۷) "اور ہم نے تجھے (خدا کی تلاش میں) سرگرداں پایا تو تیری ہدایت کی۔"

پھر آج کی پہلی آیت میں یہ بھی فرمایا کہ یہ دین نہ صرف واحد صحیح دین ہے بلکہ یہی دین پہلے نبیوں کے ذریعہ سے بھی دیا گیا تھا۔ چونکہ بدقسمتی سے ہر قوم نے عمومًا اپنے نبی کو ہی مانا اس لئے اس عظیم الشان نبی کا ذکر فرمایا جس کو تمام قومیں مانتی ہیں یعنے حضرت ابراہیمؑ۔ (یہاں تک کہ ہندوؤں کا "برہما" بھی حضرت ابراہیمؑ تھے) ۔ اور یہ بھی تمام قومیں مانتی ہیں کہ وہ شرک کے سخت خلاف تھے۔ مگر جہاں الیوم اکملت لکم دینکم کے ماتحت قرآن کریم نے دینِ حق کی ہر رنگ میں تکمیل کی وہاں اس کے بنیادی اصول توحید کی بھی تکمیل کی جس کا ابھی میں ذکر کروں گا۔

ظاہری شرک

ظاہری شرک:۔ شرک کی عام صورت ظاہری شرک کی ہوتی ہے جو عبادت کے وقت مشرکوں سے سرزد ہوتا ہے جب وہ بتوں کو یا اپنے نبیوں کے مجسموں کو یا تصویروں کو یا گائے یا آگ یا پیپل کے درخت کو یا سانپ تک کو پوجتے ہیں۔ اردو بول چال میں ایسے پوجنے کو "عبادت" کہا جاتا ہے مگر عربی میں عبادت کے معنے عاجزی سے فرمانبرداری کرنے کے ہیں اور قرآن حکیم نے بھی نماز کے لئے لفظ "صلوٰۃ" استعمال فرمایا ہے۔ اسی لئے جو آیات اس خطبہ کے شروع میں مَیں نے پڑھی ہیں ان میں شرک کی گمراہی کی اصلاح کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے "قل ان صلاتی ..... للّٰہ رب العٰلمین" یعنے پہلے نماز کو لیا کہ میری نماز خالصتًا اللہ کے لئے ہے۔ تو یوں ظاہری مگر عالمگیر شرک کا خاتمہ فرما دیا۔

باطنی شرک:

مگر سب سے بڑا بُت انسان کا اپنا نفس ہے۔ کوئی شخص اپنے نفس کے آگے نماز تو نہیں پڑھتا یا اس کی مشرکوں کی طرح پوجا پاٹ تو نہیں کرتا۔ مگر ہر شخص اپنے نفس کی فرمانبرداری ضرور کرتا ہے یعنے جو اس کا نفس کہے وہ کرتا ہے مشرکوں کو یہ آرام ہے کہ اُن کے بت تو کوئی احکام دیتے نہیں۔ اس لئے وہ آزاد ہوتے ہیں کہ جو اپنا مَن کہے وہ کریں پھر بھی ہر مشرکانہ مذہب میں بھی تھوڑی بہت اخلاقی تعلیم ضرور ہوتی ہے۔ مگر وہ منسوب خدا تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ اور پوجا وہ غیر اللہ کی کرتے ہیں۔ تو مشرک تو اس مخمصہ میں پھنس کر کہیں کا نہیں رہتا۔ اور اکثر اپنے نفس کی فرمانبرداری میں عمر گنوا دیتا ہے۔ مگر اکثر مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے کہ نماز میں تو ایّاک نعبُدُ کہتے ہیں یعنے اے اللہ ہم صرف تیری فرمانبرداری کرتے ہیں اور نماز کے بعد اپنی روزانہ زندگی میں اکثر اپنے نفس کے کہنے پر چلتے ہیں۔ اکثر مسلمان تو ایّاک نعبُدُ کے معنے ہم صرف تیری عبادت (یعنی نماز) کرتے سمجھتے ہیں اور اس لئے اس بات کا احساس نہیں رکھتے کہ ایّاک نعبُدُ میں اقرار یہ کروایا گیا تھا کہ ہم صرف اللہ تعالےٰ کی عاجزی سے فرمانبرداری کریں گے۔ مگر جو سمجھتے ہیں وہ بھی نماز میں ایّاک نعبُدُ کہہ کر اپنی روزانہ زندگی میں جو اُن کا نفس کہے اُسی پر چلتے ہیں۔ قرآن پاک بھی صبح و شام پڑھتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ایّاک نعبُدُ میں جو اقرار فرمانبرداری ہے وہ قرآن پاک کے احکامات کی فرمانبرداری کا ہے۔ اور اس طرح یہ باطنی شرک کہ بجائے اللہ تعالےٰ کے اپنے نفس کی فرمانبرداری کی جائے ظاہری شرک سے بہت زیادہ عام ہے۔

قُربانی

قرآن کریم کی حکمت پر انسان کا دل عش عش کرتا ہے۔ اِن آیات میں جو مَیں نے پڑھی ہیں نماز میں توحید خالص (یعنے ظاہری شرک سے اجتناب) کے بعد

اگلے الفاظ ہیں ونسکی اور میری قربانی بھی خالصتہً اللہ تعالےٰ کے لئے ہے۔ بدقسمتی سے لوگ نُسکی (قربانی) کا مفہوم صرف اس جانور کی قربانی کا سمجھتے ہیں جو عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر کی جاتی ہے۔ حالانکہ جیسا کہ حضرت مجدد صد چہار دہم نے فرمایا ہے کہ ظاہری حیوان کے گلے پر چھری پھیرنا دراصل اپنے باطنی حیوان (نفس امّارہ) پر چھری پھیرنے کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے یوں فرمایا ہے کہ لن ینال اللہ لحومھا ولا دمآؤھا ولکن ینالہ التقوٰی منکم (الحج ۲۲ ـ ۳۷) کہ "اللہ کو نہ اُن (قربانی کے جانوروں کے) گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون، لیکن اُسے تمہاری طرف سے تقوٰی پہنچتا ہے"۔

گوشت اور خون کا اللہ کو نہ پہنچنے کا ذکر ضروری تھا کہ اسلام کے سوا تمام مذاہب (مثلاً ہندو مذہب یا یہودی مذہب) جن میں حیوان کی قربانی دی جاتی ہے تو وہ مندر یا معبد میں دیدی جاتی ہے اور پوجا کرنے والوں کو یہ کہا جاتا ہے کہ دیوتا اُن حیوانوں کا گوشت اور خون کھاتے ہیں (حالانکہ دراصل پنڈت اور پوجا کرانے والے اڑاتے ہیں۔) چونکہ حیوان کا جسد آنے میں بعض وقت دیر سے اس کا گوشت بوسیدہ ہو جاتا ہے اس لئے دیوتاؤں کے خون کے پیاسے ہونے کی فرضی بات بنا کر قربانی دینے والوں کو اس بات پر آمادہ کر دیا گیا کہ وہ حیوان کو مندر میں لاکر قربان کریں۔ مندروں میں جانے والوں نے دیکھا ہو گا کہ بعض دیوتاؤں کے مُنہ سے خون ٹپکتا نظر آتا ہے یعنے ان کی زبان کو خون کا رنگ دیدیا جاتا ہے۔ کلکتہ (بھارت) میں کالی دیوی کا مندر سب سے بڑا ہے۔ وہ دیوی بھی خون کی پیاسی دکھائی گئی ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک پیالہ ہے جس میں قربانی کے جانوروں کا خون بھرتے رہتے ہیں۔

تو شرک کے ہر ناپاک تصور کو قرآن پاک نے دور فرمایا ہے۔ اور قربانی کا کیا اعلےٰ تصور دیا ہے کہ ظاہری حیوان کی قربانی اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ انسان اپنے نفس کو اپنے اندر سے نکال کر ذبح تو نہیں کر سکتا۔ اس لئے ظاہر کے ایک حیوان کو لے کر ہر مسلمان سال میں ایک دفعہ تجدید عہد کرتا ہے کہ میں اپنے باطن کے حیوان (نفس امّارہ) کو اللہ تعالےٰ کے آگے قربان کرتا ہوں۔ اسی لئے قربانی دینے والا اگر خود جانور کو ذبح نہ کر سکے تو قصاب اُسے کہتے ہیں کہ آپ خود چھری کو کم سے کم حیوان کے گلے پر رکھیں آگے ذبح ہم کر دیں گے۔

نفسِ امّارہ

یہ بات کہ شرک باطنی بھی ہوتا ہے خود قرآن حکیم نے بتائی جب فرمایا کہ ارءیت من اتخذ الٰھہٗ ھوٰىہُ (الفرقان ۲۵ ـ ۴۳) "کیا تو نے اسے دیکھا جو اپنی گری ہوئی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے"۔ انسان کی زندگی میں اس کی جو پہلی حالت ہے وہ حیوانی زندگی کی ہے۔ اس کے جسم سے جو حیوانی ہے۔ (اسی لئے ڈاکٹر صاحبان دواؤں کو پہلے حیوانوں پر آزماتے ہیں اور پھر انسان کو دیتے ہیں) جو جذبات یا خواہشات اٹھتی ہیں وہ لازماً حیوانی ہوتی ہیں۔ اس حیوانی حالت میں جو لوگ ہوتے ہیں ان کی زندگی حیوانوں کی طرح کھانے پینے اور SEX یعنے جنسی تعلقات میں گذرتی ہے جس طرح آج اہلِ مغرب میں نظر آتا ہے۔ ایک وقت میں خیال تھا کہ دنیاوی تعلیم و ترقی انسان کو حیوانی سٹیج سے اُٹھائے گی مگر اہل مغرب باوجود اپنی انتہائی تعلیمی و تکنیکی ترقیات کے نہ صرف حیوانی زندگی پر اُتر آئے ہیں (کیونکہ انہوں نے اپنا مذہب جیسا کیسا بھی تھا وہ چھوڑ دیا ہے) بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہو گئے ہیں کہ حیوان فطرت کے خلاف کبھی نہیں جاتا مگر اہل مغرب اب خلافِ فطرت افعال کو قانونی جواز دیکر کھلم کھلا کرنے لگے ہیں۔

قرآن حکیم بھی کیا حکمت بھری کتاب ہے! فرمایا ان النفس لامّارۃٌ بالسوٓء یعنے نفس کو بدی کا حکم دیتا رہتا ہے۔ آگے فرمایا الا مارحم ربّیؕ ان ربّی غفور رحیمٌ۔ یعنے کس کا نفس بدی کا حکم نہیں دیتا؟ جس پر میرا رب رحم کرے۔ قرآن حکیم میں رحمت کا لفظ روحانی نعمت کے معنوں میں آتا ہے۔ یعنے وہ جس کی روحانی حالت اللہ تعالےٰ سنوار دے۔ (اور وہ اس کی مغفرت اور رحیمی کے صدقے ہوتا ہے) ـ اور یہ اس طرح قرآن پاک نے بتایا ہے کہ جب بھی روحانی تقاضوں میں اور حیوانی تقاضوں میں ٹکر ہو تو حیوانی تقاضوں کو روحانی بہتری کی خاطر قربان کر دو۔ اسی کا نام تقوٰی ہے۔ اسی کا عہد مجدد زمانہ نے ہم سے ان الفاظ میں لیا ہے کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا"۔ عیدالاضحیٰ کی قربانی میں تو حیوان پر سال میں ایک دفعہ چھری پھرتی ہے۔ آج کی آیات میں لفظ نُسکی میں سارا سال تقوٰی کی چھری اپنے باطنی حیوان پر پھیرنے کا ذکر ہے۔

محیای

آگے فرمایا کہ میری ساری زندگی اللہ تعالےٰ کے لئے ہے۔ جو انسان زندگی کا سارا عرصہ اللہ تعالےٰ کو یاد رکھتے ہوئے اپنی دنیاوی زندگی کی حیوانی خواہشات کو روحانی قدروں کے ماتحت کرنے میں لگا رہے اُس کی ساری زندگی جو اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں گذرتی ہے وہ اللہ تعالےٰ کے لئے بن جاتی ہے۔

یہ تو ایک معنی ہیں۔ مگر ایک دوسرا مفہوم بھی ہے۔ وہ یہ کہ انسان کو غور کرنا چاہیئے کہ اسکی زندگی کس کے لئے ہے؟ جس شخص کی زندگی صرف اپنے لئے ہے وہ اخلاقی اور روحانی طور پر صفر بن جاتا ہے۔ ایسے نفس پرست شخص کی دُنیا میں کوئی عزت نہیں ہوتی۔ بیوی بچوں کی پرورش بھی دراصل اپنی نفسانی غرض ہوتی ہے اور ایک حیوان بھی یہ کرتا ہے اس لئے یہ کوئی بڑا اعلےٰ مقام نہیں۔ ہاں جو شخص اس نفس پرستی پر تھوڑی چھری پھیر کر اپنے رشتہ داروں یا اُن سے بڑھ کر غیروں کی جو اس سے سوال کریں مدد کرتا ہے وہ اخلاقی اور روحانی ترقی پر قدم مارتا ہے۔ ایسے شخص کی اس کے رشتہ داروں میں یا اُن میں جو اس کے مرہونِ منت ہوں عزت ہوتی ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر اس شخص کا مقام بلند ہوتا ہے جو اپنی ساری قوم یا ملک کی خدمت کے لئے قربانیاں کرتا ہے۔ مگر سب سے بڑھ کر اُن لوگوں کا مقام ہوتا ہے جو اپنی زندگی اللہ تعالےٰ کی خدمت کے لئے وقف یا قربان کرتے ہیں۔ یہ لوگ انبیاء مجددین اور اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔ اور ان کی جو عزت دنیا میں ہوتی ہے وہ کسی کی نہیں ہوتی۔

محاتی

آخری قربانی جس کا ذکر ان آیات میں ہے وہ یہ کہ میرا مرنا بھی اللہ تعالےٰ کے لئے ہے یعنے اگر ضرورت پڑے تو میں اللہ تعالےٰ کے لئے مرنا بھی خوشی سے قبول کر دوں گا۔ رسول اللہ صلعم جو ساری عمر اللہ تعالےٰ کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرے حضورؐ کا قول حدیثوں میں مذکور ہے کہ میری سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں تو پھر مارا جاؤں اور یہ سلسلہ چلتا رہے۔ یہ فنافی اللہ کا مقام ہے۔ اور یہی قربانی کی انتہا ہے۔

رب العلمین

ان الفاظ کے معنے آپ سب جانتے ہیں۔ ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف لے جانے والا نہ صرف اس دنیا میں بلکہ اگلے جہانوں میں بھی۔ تو اگر نماز ہے تو وہ انسان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے۔ تقوٰی (نیکی) کی زندگی ہے تو وہ بھی انسان کے فائدہ کے لئے، اور جس نے اپنی ساری زندگی کو اللہ کے لئے وقف کر دیا تو اس میں جو اخلاقی اور روحانی ترقیات ہیں وہ دنیا کا طالب بن کر زندگی گذارنے میں کہاں؟ اور جو اللہ کے لئے اپنی جان دیکر فنافی اللہ ہو گیا اس کا مقام رشک کے قابل ہے۔

لاشریک لہٗ

کون ہے جو نہ صرف اس زندگی میں بلکہ اگلی زندگیوں میں انسان کی ربوبیت کرے سوائے اللہ تعالےٰ کے جو نہ صرف انسان کو پیدا کرتا ہے بلکہ اسکی جسمانی نشوونما اور اخلاقی و روحانی ربوبیت کرتا ہے اور موت کے بعد اگلی زندگیوں میں بھی اس کا رب ہے؟ کیا پتھر کا بت جو مُردہ ہے اور انسان نے خود گھڑا ہے وہ یہ کرتا ہے؟ یا گائے یا کوئی انسان (خواہ وہ کوئی پیغمبر بھی ہو) جو خود پیدا کیا گیا، ربوبیت کا محتاج رہا اور بالآخر مر گیا؟ ان کو اللہ کا شریک بنا لینا کتنی بڑی گمراہی ہے۔

وبذالک امرت

فرمایا کہ کہدو کہ یہ سب باتیں میں نے کسی جذباتی رنگ میں نہیں کہیں اور نہ اپنی طرف سے کہی ہیں بلکہ مجھے ان کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنے نہ صرف میرے لئے واجب التعمیل ہیں بلکہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمام نسلِ انسانی کو یہ حکم پہنچا دوں۔ (قل یآیہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا) تاکہ وہ بھی اس راہ پر گامزن ہو کر اُن نعمتوں کو پائیں جو اللہ تعالےٰ اپنے خاص بندوں پر کرتا ہے۔

وانا اول المسلمین

اور ان باتوں کا کہ یہ احکام الٰہی ہیں ثبوت یہ ہے کہ میں ان احکام کی فرمانبرداری کرنے میں اول ترین ہوں۔ جو شخص اپنی طرف سے من گھڑت باتیں بناتا ہے وہ ان کا سو فیصدی خود فرمانبردار نہیں ہوتا خواہ وہ مذہبی رہنما ہو یا سیاسی۔ یہ رسول اللہ صلعم کا کمال ہے کہ آپ نے احکام خداوندی پر ایسا کامل فرمانبرداری کا نمونہ دکھایا کہ قرآن پاک نے خود آپؐ کو یہ سرٹیفکیٹ دیا کہ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ جو اس رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور آپؐ کی اطاعت کامل نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہ احکام تمام قابلِ عمل ہیں اور ان میں سے کوئی بھی انسان کی استطاعت سے بڑھ کر نہیں۔

توحید خالص

اس خطبہ کے محدود وقت میں مَیں نے مختصرًا بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ توحید کا اسلام میں مفہوم صرف نماز میں توحید نہیں بلکہ اپنے نفس امّارہ کی فرمانبرداری کی بجائے اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری ہے اپنی تمام زندگی میں خواہ اس کے لئے کوئی بھی قربانی کرنی پڑے خواہ وہ اپنی زندگی کو وقف کرنے کے رنگ میں ہو یا مال و دولت کی قربانی ہو یا جان تک اللہ تعالےٰ پہ فدا کرنا ہو۔ غالب نے کیا سچ کہا:

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

— *** —

یومِ محمد علیؒ

مفسّرِ قرآن اور اسلامی دُنیا کے عظیم مفکّر حضرت مولٰنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی اشاعت اسلام و قرآن کریم کے لئے خدماتِ جلیلہ کا ذکرِ خیر ہر سال اُن کے یوم وفات پر بطور خاص ہوتا ہے۔ چنانچہ امسال بھی اُن کے یومِ وفات پر مقامی جماعت احمدیہ لاہور مورخہ ۱۳/ اکتوبر ۸۳ء بروز جمعرات بوقت ۳½ بجے شام "دارالسلام" میں ایک خصوصی نشست کا اہتمام کر رہی ہے جس میں دینِ مبین کے اس بطلِ جلیل کو جماعت کے علمائے کرام خراجِ عقیدت پیش کرینگے حضرت امیرِ قوم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب صدارت فرمائیں گے۔

جملہ احباب و خواتینِ جماعت سے استدعا ہے کہ اپنے افرادِ خانہ کے ساتھ اس اجلاس میں ضرور شرکت فرمائیں جو یقینًا ان کے ازدیادِ ایمان کا موجب ہوگا۔ ممکن ہو تو اپنے غیر از جماعت دوستوں کو بھی ہمراہ لائیں۔ اجلاس کے اختتام پر حاضرینِ مجلس کی خدمت میں عشائیہ پیش کیا جائیگا انشاءاللہ!

والسلام
خاکسار چوہدری ریاض احمد
صدر مقامی جماعت احمدیہ، لاہور

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن ——— سبق ۴۷

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّلَا شَفَاعَۃٌ ؕ وَالْکٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝ (البقرۃ۔ ۲۵۴ تا ۲۵۵)

ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے پہلے اس سے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ ہی کوئی سفارش۔ اور کافر ہی ظالم ہیں۔ اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہمیشہ سے خود زندہ اور دوسروں کو زندگی بخشنے والا ہے، خود قائم اور دوسروں کو قیام بخشنے والا ہے۔ اُس پر نہ اونگھ غالب آتی ہے نہ نیند۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ کون ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے سوائے اس کی اجازت کے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز پر احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اُسکے جو وہ چاہے۔ اسکی حکومت (یا اُس کا علم) آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ اور ان دونوں کی حفاظت اُس پر بوجھ نہیں۔ اور وہ بہت اعلیٰ ہے، عظمت والا ہے۔"

یہ سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳۴ کی پہلی دو آیات ہیں۔ اس سے پہلے کے دو رکوعوں میں رسول اللہ صلعم سے پہلے رسولوں کو جو جنگیں کرنی پڑیں ان کا ذکر ہے اور پھر فرمایا تلک اٰیٰت اللہ نتلوھا علیک بالحق ؕ وانک لمن المرسلین ۝ (۲۵۲) یعنے "یہ اللہ کی باتیں ہیں جو ہم ضرورتِ حقہ کیوجہ سے تجھ پر پڑھتے ہیں۔ اور تُو بھی تو رسولوں میں سے ہے۔" وہ ضرورتِ حقہ یہ تھی کہ اگر ان رسولوں کو مجبوراً جنگیں کرنی پڑیں تو تُو بھی تو رسول ہے اور تجھ پر بھی جنگوں کی ضرورت آئے گی۔ اس کے بعد حضرت عیسےٰؑ کا ذکر ہے ان کو جنگ تلوار سے تو نہ کرنی پڑی مگر اُن کو ایک اور قسم کا جہاد کرنا پڑا اور وہ تھا دلائل سے۔ اسی لئے فرمایا کہ واٰتینا عیسی ابن مریم البینٰت وایدنٰہ بروح القدس ؕ (۲۵۳) "اور ہم نے عیسےٰ ابن مریم کو کھلے دلائل دیئے اور رُوح القدس سے اُس کی تائید کی۔" حضرت عیسےٰؑ کو دلائل کے ساتھ جہاد کرنا پڑا اور رُوح القدس سے اُن کی تائید کرنے کا ذکر فرمایا کہ اُن کا جہاد روحانی تھا۔

اسی لئے اُن کی مدد روحانی بھی کی۔ تو حضرت عیسےٰ ابن مریم کا ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اُن کا بروز یعنے مسیح موعود جب آئے گا تو اس کو بھی تلوار سے جہاد نہیں کرنا پڑے گا بلکہ وہ دلائل سے ایک زبردست روحانی جہاد کریگا۔

تو جہاد چاہے وہ تلوار سے ہو یا دلائل سے (لٹریچر کی شکل میں) روحانی جنگ ہو اس کے لئے پیسہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کے مابعد یعنے آج کے سبق کی پہلی آیت میں فرمایا یاَیھا الذین اٰمنوا انفقوا مما رزقنٰکم "اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے۔" یعنے تم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کے گھر میں پیدا کیا ہے یا اگر تم غیر مسلم تھے تو تمہیں توفیق دی ہے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ تعالےٰ پر (جبکہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں جب یہ آیات نازل ہوئیں بدترین قسم کی بُت پرستی میں ساری دنیا مبتلا تھی اور آج دہریت دنیا میں عام ہے) تو اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو پھر جو وہ فرمائے اس پر عمل کرو۔ وہ کس طرح؟ فرمایا انفقوا یعنے اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔
میں آپ سے اپنی ساری عمر کے تجربہ کی بنا پر قطعی بات کہتا ہوں کہ عام طور پر لوگوں کیلئے دوسری عبادتیں اور احکام ماننے اتنے مشکل نہیں ہوتے جتنا کہ پیسہ خدا کے راستہ میں خرچ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک شاعر نے کہا ہے ؎

گر جاں طلبی مضائقہ نیست + تُو زر طلبی سخن درین است

یعنے اگر تُو جان مانگے تو وہ حاضر ہے۔ مگر تو جو پیسہ مانگتا ہے ہمیں اس پر اعتراض ہے۔ تو اس لئے فرمایا کہ اپنے ایمان کو اپنے عمل سے سچ کر دکھاؤ کہ پیسہ جو تم کو اس قدر عزیز ہے اُس میں سے خدا کے راستہ میں خرچ کرو۔ مما رزقنٰکم جو ہم نے تم کو پیسہ دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ اول تو فرمایا کہ جو ہم نے تم کو دیا ہے وہ سارا کا سارا ہم تم سے نہیں مانگتے۔ اس میں سے جیسی ضرورت ہو ویسا خرچ کرو۔ کچھ حصہ خرچ کرو۔ دوسرے یہ بات فرمائی کہ یہ عجیب بات ہے کہ جو پیسہ اللہ نے تم کو دیا ہے اُس میں سے وہ اگر کچھ اپنی راہ میں خرچ کرنے کو کہے تو تمہارے دل بند ہو جائیں۔ فرض کریں کہ آپ کسی کو ہزار روپے دیتے ہیں اور پھر اس سے کہتے ہیں کہ اس میں سے سو روپے میرے فلاں کام کے لئے دیدینا اور وہ نہ دے تو کس قدر ناشکری اور احسان فراموشی ہے! پھر جس کام کے لئے اللہ خرچ کرنے کو کہتا ہے وہ بہترین مصرف ہے جس پر وہ خرچ کیا جا سکے یعنے حق کی حفاظت یا اشاعت کے لئے۔ تیسرے اللہ چاہتا تو اپنے رسولوں اور مجددوں کو خود مالا مال کر دیتا اور ان کو ہم جیسے گنہگاروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑتا۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو اسی لئے کہ وہ ہم جیسے دنیا میں کھوئے ہوئے اور اپنی آخرت کے ہمیشہ کے گھر سے بے پرواہ لوگوں کو بھی موقعہ دے کہ ہم بھی آخرت کے لئے کچھ سامان کر لیں۔ کیونکہ ہمارے ساتھ اس ہمیشہ کے گھر میں وہی جانے

گا جو ہم خدا کے رستہ میں خرچ کر لیں جس کا اس نے وعدہ فرمایا ہے کہ میں دس گنا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اجر دوں گا۔ دنیا کا کون سا بزنس یا دھندا یا تجارت ہے جو کم سے کم ہزار فیصدی منافع دے؟ کیونکہ دس گنا منافع ایک سو پہ ہزار ہی بنتا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ "جو ہم نے رزق دیا ہے" اس کے بارہ میں کوئی شک نہ کرے کہ انسان کو رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انسان تو دنیا میں خالی ہاتھ ماں کے پیٹ سے آتا ہے اور خالی ہاتھ قبر میں جا لیٹتا ہے۔ دنیا کی مال و دولت تو اسی کی ہے جس نے انہیں پیدا کیا۔ اگر کوئی امیر گھرانے میں پیدا ہوتا ہے تو یہ بھی محض خدا کا فضل ہے اس کی اپنی کیا خوبی ہے؟ اگر کوئی خود مال و دولت کماتا ہے تو وہ بھی خدا کے فضل سے ورنہ اگر خدا نے انسان کو وہ دماغ اور سمجھ اور جوہر نہ دیئے ہوتے جن کی بنا پر وہ کماتا ہے تو وہ کیا کر سکتا تھا۔ پھر قابل سے قابل لوگ غریب رہ جاتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں معمولی قابلیت کے لوگ دولت مند بن جاتے ہیں۔ یہ میں نے اکثر دیکھا ہے۔ پھر جب خدا انسان کی دولت چھیننا چاہے تو کوئی قابلیت یا جوہر اس کے کام نہیں آتے۔ اس لئے جو انسان کو ملتا ہے وہ قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔

یہ جو بات فرمائی کہ اپنے ایمان کو اپنے عمل سے ثابت کرو اس میں دو بڑی حکمتیں ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ ایمان سے نیک عمل پیدا ہوتے ہیں جس کو اللہ پر یا اعمال کے محاسبہ پہ یا آخرت پر ایمان ہی نہیں اس نے ان کے لئے کیا عمل کرنے ہیں؟ دوسری عجیب حکمت یہ بتائی کہ ایمان خود نیک عملوں سے پھلتا پھولتا ہے۔ قرآن میں ایمان کو جنت کے باغوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور نیک اعمال کو نہروں سے جو اس کے نیچے بہتی ہیں۔ تو جس طرح نہریں باغوں کو سیراب کرتی ہیں نیک اعمال انسان کے ایمان کو تر و تازہ کرتے اور بڑھاتے ہیں۔ مثلاً جو ایمان لا کر نیک عمل نہیں کرتا اس کا ایمان کبھی کمزور ہوتا ہوتا بالآخر مردہ ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو ہر عمل پہ اس کا ایمان بڑھتا اور مضبوط ہوتا ہے۔

پھر فرمایا من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ یعنی "پہلے اس سے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ ہی کوئی سفارش" اس دنیا میں پکڑے آنے یا سزا کو آتا دیکھ کر لوگ پیسہ خرچ کر کے جان بچا لیتے ہیں۔ فرمایا کہ آخرت میں یہ نہ کر سکو گے۔ اگر تم نے خدا کے رستہ میں پیسہ خرچ کیا ہی نہیں تو تمہارے پاس وہاں پیسہ ہی کہاں ہوگا کہ تم وہ خرچ کر کے اپنی جان بچا سکو، اور نہ وہاں اس دنیا کی طرح بے ایمان افسر ہونگے جو پیسہ لے کر تمہیں چھوڑ دیں۔ پھر اس دنیا میں حاکموں سے دوستی خواہ وہ اپنی ہو یا دوسروں کی جو ہمارے دوست ہوں یا خریدے جا سکیں انسان کو سزا سے بچا لیتی ہے۔ فرمایا کہ آخرت میں دوستیاں کام نہ آئیں گی۔ حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ آخرت میں اگر اللہ تعالیٰ شفاعت کی کسی کے بارہ میں اجازت دینا چاہے گا تو وہ یا تو انبیاء اور صلحاء کو یہ اجازت دے گا یا پھر فرشتوں کو۔ تو جن لوگوں نے نیک عمل نہیں کئے انہوں نے نہ تو انبیاء اور صلحاء کو اپنا دوست بنایا ہوگا نہ فرشتوں کو (جو نیکی کے محرک ہوتے ہیں) اور نہ اللہ تعالیٰ کو (جو مومنوں کا ولی بن جاتا ہے جیسا کہ اسی رکوع میں آگے ذکر آئیگا) تو پھر وہ تمہارے آخرت میں کیا کام آئیں گے۔

رہا شفاعت یعنی سفارش سے اس دنیا میں چھوٹ جانا، تو آخرت میں شفاعت بڑے حدیث صرف انبیاء اور مومن اور فرشتے ہی کر سکیں گے اور وہ بھی جب اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو اجازت دیگا جیسا کہ اسی آیت میں آگے آیا ہے کہ من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہٖ ط تو جن لوگوں نے نہ تو اللہ تعالیٰ کو مائل بہ کرم کیا ہوگا اور نہ انبیاء اور مومنوں کا ساتھ دیا ہوگا نہ اپنے اندر نیکی کے محرک فرشتوں کی پرواہ کی ہوگی وہ شفاعت یا سفارش کی امید کس سے کرینگے۔

یہاں شفاعت کے موضوع پر مختصر روشنی ڈالنی ضروری ہے کیونکہ اکثر مسلمان شفاعت کے غلط مفہوم کو جانتے ہوئے جو چاہیں بے فکری سے کرتے رہتے ہیں۔ "شفع" کے معنے جوڑے کے ہیں۔ تو شفاعت تبھی ممکن ہو سکے گی جب کسی انسان نے اپنے ایمان اور اعمال کو سنوارتے ہوئے مومنوں یا رسولوں یا فرشتوں سے جوڑ یا نسبت پیدا کی ہوگی ورنہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی شفاعت کی اجازت تبھی دے گا جب وہ کسی انسان کو اس کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود اسے قابلِ معافی سمجھے گا جیسا کہ فرمایا لا یشفعون الا لمن ارتضیٰ۔ (الانبیاء ۲۱ - ۲۸) یعنی "وہ شفاعت نہیں کرینگے سوائے اس کے لئے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے" تو جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کے بارہ میں رسولوں یا مومنوں یا فرشتوں کے دلوں میں شفاعت کی تحریک کو دیکھے گا تو اسکی عزت افزائی کے لئے اس سے کہے گا کہ کیا تم اس انسان کے بارہ میں کوئی سفارش کرنا چاہتے ہو تو اسے اجازت ہو جائے گی کہ وہ رحم کی درخواست کر سکے۔

پھر فرمایا والکٰفرون ھم الظٰلمون ٥ یعنی "اور کافر ہی ظالم ہیں" اس میں فرمایا کہ کافر جن کے خلاف جہاد کے لئے تم کو خرچ کرنے کو کہا گیا ہے وہ ظالم ہیں کہ حق کو اور اس پر ایمان لانے والوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم جہاد کے لئے خرچ نہ کرو گے تو وہ تم کو اور تمہارے دین کو فنا کر دیں گے۔ یا تو رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں کافروں نے تلوار سے حق کو اور حق پرستوں کو مٹانا چاہا، یا پھر اسلام پر خطرناک زمانہ انیسویں صدی عیسوی میں آیا جب کہ کافروں نے اعتراضات کی بوچھاڑ کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانا چاہا۔ مگر اللہ تعالیٰ جو اپنے دین کا خود حامی و ناصر ہے اس نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مجدد وقت بنا کر بھیجا اور حضرت اقدس نے اور آپ کی جماعت نے تن، من، دھن قربان کر کے ایسا جہاد کیا جس کی گواہ ہسٹری (تاریخ) اور وہ بیش بہا لٹریچر ہے جو حضرت اقدس اور آپ کی جماعت نے پیدا کیا اور دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیا۔ اس لٹریچر میں نہ صرف اسلام پر تمام اعتراضات کا جواب موجود ہے اور اسلام کی حقانیت اور محاسن کو روز روشن کی طرح ثابت کیا گیا ہے بلکہ آجکل کی دنیا پرستی اور دہریت کا بھی علاج موجود ہے۔ اس لٹریچر کو آج بھی دنیا میں بکثرت پھیلانے کی اشد ضرورت ہے۔

آیت والکٰفرون ھم الظٰلمون ٥ کی جو تفسیر ہمارے مرحوم امیر حضرت

مولانا محمد علی صاحب نے "بیان القرآن" میں کی ہے وہ بھی جاننے کے قابل ہے فرمایا: "خدا کی راہ میں مال نہ خرچ کرنا جو ظلم ہے کیونکہ اس طرح خدا کا حق ادا نہیں ہوتا یہ کافروں کا کام ہے، مومن کے لئے یہ شایان نہیں۔ یا ڈرایا ہے کہ مومن کافروں سے مشابہت پیدا نہ کریں۔"

اسی سلسلہ میں راقم عرض کریگا کہ کفر کے معنے ناشکری کے بھی ہیں۔ اللہ تعالےٰ جو انسان کو سب کچھ دیتا ہے اس کی ناشکری ہے کہ جو وہ دیتا ہے اس میں سے اس کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے اور انسان کی اپنی جان پر بھی ظلم ہے کہ اس نے اپنے لئے آگے کچھ نہ بھیجا۔

اگلی آیت ہے ھوالذی لا الٰہ الا ھو ج "وہی تو اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہاں لفظ الٰہ جو آیا ہے اُس کے معنی میں پہلے ایک بلکہ زیادہ درسوں میں بتا آیا ہوں۔ اس لفظ کے اندر تین معنی ہیں معبود یعنے وہ جس کی فرمانبرداری ہو۔ سو نہ صرف تمام کائنات اللہ تعالےٰ کی فرمانبردار ہے بلکہ انسان کو بھی صرف اپنے خالق اور رب کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے کیونکہ اس نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہی انسان کا رب ہے، یعنے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف بتدریج لے جانے والا۔ تو اس کی ربوبیت سے انسان تبھی فائدہ اٹھا سکتا ہے کہ وہ اسکی فرمانبرداری کرے جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کی ربوبیت یا تربیت سے تبھی فائدہ اٹھا سکتا ہے جب وہ اُن کی فرمانبرداری کرے۔ الٰہ کے دوسرے معنی محبوب کے ہیں یعنے جس سے محبت کی جائے۔ تو اللہ سے بڑھ کر کون محبت کے لائق ہے کہ نہ صرف وہ تمام حُسن یعنے خوبیوں کا مالک ہے بلکہ وہ ان خوبیوں سے انسان کو فائدہ پہنچانے کے لئے اس کی ربوبیت فرماتا ہے اور اس طرح بطور خالق اور بطور رب وہ انسان کا محسنِ اعظم ہے۔ اور احسانات ہی سچی محبت انسان کے دل میں پیدا کرتے ہیں پھر اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مالک یوم الدین ہے اور انسان نے اُسکے آگے جوابدہی کرنی ہے۔

الٰہ کے تیسرے معنی مقصود یا مطلوب کے ہیں یعنے انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالےٰ کو تلاش کرنا، اسے راضی کرنا اور اُسے پانا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون دوسروں کو نعمتیں دینے والا ہے۔ تو انسان اس کو تبھی راضی کر سکتا ہے اور اسکے رنگ میں رنگین ہو کر اس کا قرب اور وصال حاصل کر سکتا ہے جب وہ خدا کی طرح دوسروں کو دے۔ تو جو لوگ اللہ تعالےٰ کے بتائے ہوئے کاموں پر پیسہ نہیں خرچ کرتے اُن کا الٰہ یعنے معبود، محبوب اور مطلوب اللہ نہیں ہوتا بلکہ پیسہ بن جاتا ہے کہ وہ پیسہ کمانے کے لئے ہی سب کام کرتے ہیں (معبود) تاکہ جن طریقوں سے زیادہ سے زیادہ پیسہ مل سکے اُن پر عمل کریں خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز۔ پیسہ ہی ان کا محبوب ہوتا ہے کہ پیسہ ان کی محبت ان کی تمام محبتوں پر غالب ہو جاتی ہے بلکہ ان دوسری محبتوں کو مار دیتی ہے۔ اور پیسہ کمانا ہی اُن کی زندگی کا مقصود اور مطلوب بن جاتا ہے۔ تو فرمایا کہ پیسہ کمانا، اس سے محبت کرنا اور اسکی طلب اور تلاش اور ہوس انسان کی پیدائش کا مقصد نہیں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کو پانا انسان کی پیدائش کا مقصد ہے۔ تو جہاں دوسرے مذاہب نے نجات پانے کے لئے پیسہ کمانے کو بُرا سمجھا اور راہب یا نن یا سادھو یا بھکشو بننے میں نجات بتائی اسلام نے دولت کو اللہ تعالےٰ کا فضل کہا اور اُسے کمانے کی بلا کسی روک ٹوک کے اجازت دی صرف دو شرطوں کے ماتحت کہ اوّل تو پیسے کو حلال طریقہ سے کمایا جائے اور دُوسرے اُسے اپنا الٰہ بنانے کی بجائے اُسے تمہارے اصل الٰہ یعنے اللہ تعالےٰ کی بتائی ہوئی چیزوں پر خرچ کرو۔ اور دین کے لئے خرچ کرنا جس کا یہاں ذکر ہے سب میں افضل اور بہترین مصرف ہے۔ جس پر اپنی کمائی کے مناسب حصہ کو خرچ کیا جائے یعنے جتنی ضرورت ہو اُتنا خرچ انسان کرے۔ (باقی آئندہ)

— ◆◆◆ —

پھر شعلہ زن ہے آتشِ نمرود ہر طرف
پھر صدقِ ابراہیمؑ کو اس میں اتار دے

ہاں پھر بکھیر شرک و ضلالت کی دھجیاں
وحدانیت کو پھر سے چمن کا نکھار دے

باطل کا ساتھ دے نہ کسی مرحلے میں بھی
حق بات کائنات میں کھُل کر پکار دے

مجھ کو خلوصِ لوح و قلم بھی نصیب کر
مجھ کو جگر کا سوز بھی پروردگار دے

دل میں سمولے اسمِ محمدؐ کو اے عزیزؔ
یعنی ریاضِ قلب کو اک شاہکار دے

مظفر عزیز

تضمینِ اشعار حضرت مجدّد صدِ چہاردہم

لاجرم شُد ختم ہر پیغمبرے

بادشاہ دلبریا بود شس سریر   داورِ دوراں دلے مردِ فقیر
عاجزاں را یاور و یار و ظہیر   ناتواناں را برحمت دستگیر،
خستہ جاناں را برحمت غم خورے

شُد سحابِ رحمتش ہر جا مطیر   گشتہ ہر کوہ و بیاباں زو خضیر
تاجِ قوسین و دنٰی او را سریر   آیتِ رحمٰن برائے ہر بصیر
حجّتِ حق بہرِ ہر دیدہ ورے

پاک روئے و پاک خوئے و خوشخصال   مہرِ تاباں است بر چہرِ رخِ جمال
در ہمہ اوصافِ نیکو بے مثال   ختم شد بر ذاتِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

چشمۂ فیضش رواں و لایزال   آفتابش ایمن از خوفِ زوال
ذاتِ او مراتِ ذاتِ ذوالجلال   از بنی آدم فزوں تر در جمال
وز لآلی پاک تر در گوہرے

علم و عرفاں شُد ز رویش مستنیر   خاکِ کویش سُرمۂ چشمِ ضمیر،
دستگیرِ دانش و عقلِ منیر   اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر
زیں چہ باشد حجّتِ روشن ترے

بے کس و بے مایہ را کہف و کفیل   چارۂ ہر علّتِ دل ہر علیل
نورِ چشمِ انبیاء جانِ خلیل   پہلوانِ حضرتِ ربِّ جلیل
بر میاں بستہ ز شوکت خنجرے،

باغِ رضواں از جمالش کنشۂ   دستِ بیضاء از کمالش نقطۂ
مشعلِ سینا ز نورش لمعۂ   بر لبش جاری ز حکمت چشمۂ
در دلش پُر از معارف کوثرے

---

(۲)

تاجم بسر ز گردِ نعالِ محمّد است   راحم بدل ز شوق وصالِ محمّد است
حق گفتہ خود ثنائے خصالِ محمّد است   جان و دلم فدائے جمالِ محمّد است
خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمّد است

شکرِ خدا کہ حاصلم نعمائے سرمدی است   روشن مرا بصر شدہ از کحلِ ارشدی است
ایں نورِ من یک لمعۂ از نورِ احمدی است   ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمّدی است
ویں آبِ من ز آبِ زلالِ محمّد است

ایں گنجِ شائگاں کہ سرِ راہ مے نہم   یک ذرّۂ زخرمنِ آں شاہِ خوش شیم
ایں کوثرم ز چشمۂ از فیضِ ساقیم   ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمّد است

خواہی اگر حیاتِ دل و راہِ دیں بکوش   ناھد تو نیز در رہِ مردانِ خدا کوش
در سفت چوں بگفت مسیحائے زماں دوش   دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش
در ہر مکاں ندائے جلالِ محمّد است

کافرم شاہا اگر من ترکِ ایں داماں کنم

کے بود یارب کہ دیدارِ شہ خوباں کنم   روشن از انوارِ آں خورشید چشمِ جاں کنم
تشنہ لب، تفتہ جگر، افتادہ دور از کوئے او   کے بود یارب کہ جا بر چشمۂ حیواں کنم
عقدِ پیوندِ محبّت با سگانِ کوئے او   کے بود طالع کہ من از رشتہائے جاں کنم
گر دہد بارے مرا بارے بدربارِ نبیؐ   ایں متاعِ جان ہم من نذرِ آں درباں کنم
گردِ آں شمعِ ہدایت میزنم پروانہ وار   بارِ دیگر زندہ رسمِ بوذرؓ و سلمانؓ کنم
ساغرِ دل را کنم پُر از مئے مازاغ او   از فروغِ عارضش داغِ جگر تاباں کنم
از غمِ عشقش نہاں در سینہ دارم خارہا   کے بود از زلفِ او ہر خارِ غم ریحاں کنم
کے بود یارب نہم سر زیرِ پائے مصطفیٰؐ   عرضِ احوالِ دروں با دیدۂ گریاں کنم
پادشاہا۔ سیّدا۔ جاں پرورا اے سرورا   تا بکے من زندگی در آتشِ ہجراں کنم
گرد ہندم صد ہزاراں جان اے جانِ جہاں   بد نصیبم گر نہ زیرِ پائے تو قرباں کنم
آرزو دارم بروبم از مژہ خاکِ درت   تا ازیں خاکِ شفا ہر درد را درماں کنم
چشمِ جاں را سرمۂ از گردِ پا پوشت کنم   پائے پوشت یا نبیؐ ایں دیدۂ گریاں کنم
یارسول اللہ گہر باراست چشمِ دل مرا   تا نثارِ پائے تو یک سبحۂ مرجاں کنم
نقشِ عشقت یارسول اللہ ثبت است بر دلم   پس چرا اندیشۂ فتوائے بد کیشاں کنم
چوں محمّد ہست نگیں در خاتمِ ایمان مرا   یارسول اللہ چہ خوفِ دیو نافرماں کنم
روشن از نقشِ کفِ پاکُن جبین دل مرا   تا ازیں تعویذ حرزِ جان و ہم ایماں کنم
دامنت حبلِ متین است زاہدِ کشمیر را   کافرم شاہا اگر من ترکِ ایں داماں کنم

باہتمام الحبرہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

بسلسلہ مولانا محمدؐ علی نمبر

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۵۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
پروفیسر خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۳۰ روپے
بیرونی ممالک سے ۲ پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد: ۷۰ { یوم چہار شنبہ ۲۷ ذوالحجہ / ۵ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ مطابق ۵/۱۲ اکتوبر ۱۹۸۳ء } شمارہ ۳۹/۴۰

حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی رح

انگلستان کے مشہور مصنف مسٹر ایچ ایس، لیڈر صاحب کا

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو

انگریزی ترجمۃ القرآن کی اشاعت پر خراجِ تحسین

اس انجمن کا سب سے بڑا کام بفضلہ تعالیٰ انگریزی ترجمۃ القرآن ہے۔ جو کہ اس وقت نہایت ہی دلکش اور پاکیزہ صورت میں آپ صاحبان کے سامنے موجود ہے۔ اگرچہ قرآن حمید کی اس صورت میں اشاعت کو فقط چند روز ہی ہوئے ہیں مگر اس کی طرف اطراف واکناف سے دل کھنچے چلے آتے ہیں اور اس کی پاکیزگی و اعلیٰ مراتب کی شہادت دور دور سے آرہی ہے۔ چنانچہ مسٹر ایچ ایس لیڈر جو کہ انگلستان کے ایک مشہور مصنف ہیں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کو تحریر فرماتے ہیں۔

"مجھے ترجمۃ القرآن کی ایک کاپی موصول ہوئی ہے۔ اور میں بعجلت تمام آپ کو قرآن مجید کے ایسی پاکیزہ اور دیدہ زیب صورت میں نکلنے کی مبارکباد دیتا ہوں۔ اس کتاب کو تو محض ہاتھ میں لینا ہی ایک خاص لطف رکھتا ہے لیکن جب اس کے ان خزائن علمیہ کی طرف توجہ کی جائے جو موجب ہدایت و نور ہیں تو انسان کا قلب اس محنت کے لئے جس سے یہ کتاب تیار ہوئی ہے۔ شکر و امتنان سے لبریز ہو جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ محض محبت و عقیدت کا کرشمہ ہے کہ اس قسم کی تصنیف سرانجام کو پہنچی میں اس سے خوش ہوں کہ قرآن مجید اب میری مادری زبان میں ہو گیا ہے۔ اور اس کی تصنیف ایک متقی اور علامہ مسلمان نے کی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ یہ تصنیف دنیا کی مذہبی زندگی میں ایک نیا دور شروع کر دے گی۔ یہ تصنیف مشرق کے خزائن الہیات کو مغربی دنیا کے قریب لے آئی ہے جب کہ تمام دنیا ذاتِ الٰہی کے متعلق موجودہ سے زیادہ روشن علم کے ساتھ معمور ہو جائے گی اور ایسے دن کیلئے ہم دست بدعا ہیں۔"

فی الحقیقت اس وقت تک مغربی دنیا پر حقیقی رنگ میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا نہ ہوا تھا اور جب تک کہ قرآن مجید کا ترجمہ مغربی ممالک کے سامنے پیش نہ کیا جاتا یہ فرض کس طرح سے ادا ہو سکتا تھا۔ خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ یہ خدمت حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی امیر سلسلہ احمدیہ کے ہاتھ سے سرانجام کرائی۔ گویا کہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئی کے مطابق صداقت اسلام کا آفتاب مغرب سے طلوع ہوا۔ اب یقیناً اس سے کل مغربی دنیا متاثر ہو گی جیسے کہ خود آپنے وہاں کے ایک بڑے اہل علم بزرگ کی شہادت سن لی ہے۔ اور نہ صرف مغرب بلکہ مشرق میں بھی اس سے ہر طرف نور ہی نور ہو گی۔ اس میں شک نہیں کہ علمائے اسلام نے قرآن مجید کی ہر زمانہ میں بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اور عربی زبان میں بڑی بڑی تفسیریں موجود ہیں مگر ان سب علوم کو ایک جگہ جمع کرنا اور موجودہ زمانہ کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینا اور ہر رنگ میں صداقت قرآن و صداقت اسلام کو مبرہن کرنا ایسا کام ہے۔ کہ اگر ایک جماعت علماء و فضلا کی اس کو کرتی تب بھی بہت بڑا تھا۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے قوم حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب کو اس نے توفیق دی کہ انہوں نے اپنی ہفت سالہ دن رات کی محنت سے اس خدمت کو سرانجام دیا اور ایک سال میں بس کلام پاک کی طبع کو تکمیل تک پہنچایا۔ گویا کہ آپکے اس خدمت میں پورے آٹھ سال لگے۔ اللہ تعالیٰ آپؒ کی ہمت میں اور برکت دے اور آپ سے مزید خدمات دینی سرانجام کرائے۔ آمین!

(از سالانہ رپورٹ انجمن سال ۱۶-۱۹۱۷ء)

:- مرتبہ :-

حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم مغفور

صـ ۴۲)

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مجدد صد چہاردھم کے وصال کے بعد تقریر

دشوار گذار گھاٹیوں اور خاردار

بیابانوں سے مردانہ وار گزرو

کتنا بڑا اور عظیم مقصد ہے جو آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ گو ایک عظیم الشان پہاڑ آپکے راستے میں ہے جسے اٹھا کر آپنے راستہ صاف کرنا ہے۔ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانا آسان ہے مگر یہ کام اس سے بھی اہم تر ہے جو ہمارے امام نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ اسلام کو دنیا میں پھیلانا۔ یہ کوئی چھوٹا سا کام ہے؟ یہ کوئی آسان بات ہے؟ مگر تسلی دینے والی جو بات ہے وہ یہی ہے کہ خدا کا وعدہ ہے کہ میں اس جماعت کے ذریعے اسلام کو غلبہ دوں گا پس گھبرانے اور بزدلی دکھانے کی کوئی بات نہیں۔ حضرت اقدس نے خود اپنی تحریروں میں لکھا ہے کہ خدا جانتے ہیں کہ کن دشوار گذار گھاٹیوں، خاردار بیابانوں اور سنسان جنگلات سے گذرنا ہے۔ پس جس کے پاؤں نازک ہیں اس کو چاہیئے کہ مجھ سے الگ ہو جائے۔

دوستو!! اب وہ وقت آگیا ہے کہ وہ مشکلات کی کٹھن گھاٹیاں اور خاردار جنگل اور ڈراؤنے بیابان ابھی ہمارے آگے ہیں۔ جن کو طے کر کے ہمیں اپنے پاک امام اور ہادی برحق کی بتائی ہوئی منزل مقصود پر پہنچنا ہے ..... حضرت صاحبؑ کا وجود اس زمانے میں ہمارے لئے خدا کی طرف سے ایک ابر رحمت اور سایۂ کرم تھا۔ آپنے ہمیں بدلیوں سے ہٹا کر نیکی پر قائم کیا۔ ہماری دہریت اور خشک ایمان کو تازہ اور زندہ ایمان سے بدل دیا۔ اور ہمارے دلوں میں خدا اور اس کے رسولؐ کی عزت و عظمت فولاد کی طرح بھر دی۔ ہماری حالتیں ناگفتہ بہ تھیں مگر اس نے کچھ ایسا شربت پلایا کہ نماز اور ذکر الٰہی میں لذت و سرور آنے لگا اور قرآن مجید کی محبت ہمارے دلوں میں موجزن ہوئی اور ہر ایک نفس نے اپنے مقدور اور استعداد کے مطابق نیکی میں ترقی کی ..... باوجود سخت آندھیوں کے وہ خدا کا مامور لاکھوں انسانوں کو اپنی بات منوا گیا۔ اور آپ لوگوں میں اپنی رُوح پیدا کر گیا۔ اگر اس کو لے کر ہم یہ کام کریں تو روحانی فتوحات کے دروازے ہم پر کھولے جائیں گے۔ آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ نے کیسی کیسی فتوحات حاصل کیں۔ کیوں ان کی رُوح صحابہؓ میں کام کرنے لگی تھی۔

اسی طرح حضرت صاحب کی وفات کے بعد یہ سلسلہ بند نہیں ہو گیا۔ اور ہم لوگوں کا فرض ہے۔ کہ اس مقصد عالی کو سامنے رکھ کر کام کریں اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ دینے کی کوشش کریں"

الحکم ۱۸ جولائی ۱۹۰۸ء

از قلم، مکرم نصیر احمد فاروقی، لاہور

کچھ [illegible] کچھ [illegible]

کی کچھ اور ہی بات تھی۔

نہ یہ محبت اُن کے اس عظیم الشان اور تاریخی اور نہایت قیمتی لٹریچر کیوجہ سے تھی جو انہوں نے اسلام اور احمدیت اور دیگر مذاہب (اور مختلف مذہبی اور نیم مذہبی تحریکات) کے بارہ میں لکھ کر چھوڑا ہے، اور نہ ان کی روحانیت سے بھرپور تقاریر اور خطبات کیوجہ سے تھی۔ ان وجوہات سے تو دل میں اُن کی غیر معمولی عزت ضرور پیدا ہوئی۔ مگر شدید محبت جو مجھے اُن سے تھی وہ ان اعلیٰ اخلاق اور حسنِ سلوک کیوجہ سے پیدا ہوئی جو میں نے سالہاسال ان کو قریب سے دیکھ کر بلکہ ان کے گھر میں رہ کر ان کو دن رات اور اندر اور باہر سے دیکھ کر اُن میں پائے۔ عیب نکالنے والوں نے اُس انسان میں بھی عیب نکالے اور الزامات لگائے بلکہ مشتہر کئے۔ مگر یہ دنیا کا طریق ہے۔ بدقسمتی سے ہم میں سے اکثر دوسروں کے عیبوں پر ہی نظر رکھتے ہیں۔ اور جہاں عیب نہ ہوں، جیسا کہ حضرت مولانا مرحوم میں نہ تھے تو اُن کے بےعیب ہونے یا ان کی بے نظیر خدمات کی وجہ سے جو اُن کو عزت اور شہرت ملتی ہے اس سے حسد کھا کر ان میں عیب ڈالتے ہیں مثلاً موجودہ حضرت امیر (ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب) نے مجھے سنایا کہ حضرت مجدد زماں کے وقت میں جبکہ حضرت مولانا محمد علی صاحب ابھی نوجوان تھے تو وہ اپنی انکساری اور شرم و حیا اور بے نفسی کیوجہ سے خاموشی سے آکر حضرت مجدد کی محفلوں میں شامل ہوتے تھے یا نمازوں میں شامل ہوتے تھے، اور جب نماز ختم ہوئی تو اپنی دینی خدمات بجا لانے کے لئے چلے جاتے تھے۔ اور لوگوں کی محفلوں میں بیٹھ کر گپیں نہ مارتے تھے۔ تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ انسان مغرور ہے جو حقیقت کے بالکل برعکس تھا۔ اسی طرح جب حضرت مولانا کی بے نظیر خدمات پھلی پھولیں اور جماعت میں اور جماعت سے باہر ان کی غیر معمولی عزت اور شہرت پھیلی تو حسد کھا کر لوگوں نے اُن پر فرضی اعتراضات کئے اور اچھالے۔ یہ ہمیشہ سے سب اچھے لوگوں کے ساتھ

باقی ہوں سے۔ اور اس لئے حضرت مرحوم کی شخصیت کے اس پہلو کو میں ریکارڈ پر لا رہا ہوں۔ کاش کوئی طریق ہوتا کہ اسے بھی محفوظ کر لیا جاتا جس طرح کہ اُن کی دینی خدمات اور لٹریچر محفوظ ہیں۔ خوش قسمتی سے حضرت مجدد صد چہار دہم نے اپنے اس ہونہار مرید میں اس کی جوانی میں ہی وہ آثار دیکھے جو بعد میں جا کر اور بھی پھلے پھولے اور اس کو اُن اعلیٰ اخلاق اور خوبیوں سے مزین کیا جس نے میرے جیسے لوگوں کے دل کو کھا لیا۔ حضرت اقدس نے اپنے اس نوجوان مگر ہونہار مرید کی بابت لکھا:

"ہماری جماعت میں اول درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ہیں جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے۔ اور بہت سا اپنا حرج اٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام کے لئے یعنی بعض میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں۔ اور میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا اور اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسّس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں، اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع، باحیا، نیک اندرون، پرہیزگار آدمی ہے۔ اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے۔"

ایک اور موقعہ پر حضرت اقدس نے اس نوجوان کے بارہ میں لکھا:-

"اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بارہ میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا۔ اور یقین ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تقویٰ اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہونگے۔ اے خدا تُو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔"

اس ہونہار نوجوان کے نام حضرت اقدس نے ایک دفعہ لکھا:-

"مجھے آپ پر بہت ہی نیک ظن ہے۔ اسی وجہ سے میں آپکے

لہ یہ مضمون مورخہ ۶ - اکتوبر ۸۳ء کو موصول ہوا۔ (ادارہ)

ساتھ خاص محبّت رکھتا ہوں۔ اگر آپ کی خدا تعالےٰ کے نزدیک فطرت نیک نہ ہوتی تو میرا اس قدر نیک ظن ہو نہ سکتا۔ ہرگز نہ ہوتا۔ مگر میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبّت رکھتا ہوں اور آپ کے لئے اکثر پنج وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں۔"

اگر اللہ تعالےٰ کا مامور اور مجدّد اعظم مولانا مرحوم سے "دل سے اور دلی جوش سے" محبت رکھتا تھا، اور وہ بھی جبکہ حضرت مولانا کی اخلاقی اور روحانی خوبیاں ابھی پورے عروج کو نہیں پہنچی تھیں، تو میں عاجز اور کمترین انسان اگر اُن خوبیوں کو اپنے کمال پر دیکھ کر حضرت مولانا مرحوم سے دلی محبت کرنے لگا تو اس میں غلطی کا امکان نہیں رہا۔ بہرحال میں نے ان باتوں کا صرف اس لئے ذکر چھیڑا ہے کہ حضرت مولانا کے لٹریچر کو جو کتابی شکل میں موجود ہے اس کی وجہ سے دنیا اُن کی عزت کرتی تھی، ابھی بھی کرتی ہے، اور مستقبل میں اور بھی کریگی۔ مگر اُن کے اخلاق، ذاتی محاسن اور روحانی خوبیوں کا اگلی نسلوں کو کوئی اندازہ نہیں ہوگا۔ اگر میرے جیسا گنہگار انہیں لکھ نہ جائے۔ حضرت مولانا کو جاننا ایک ایسا تجربہ تھا جو میں مرتے دم تک نہ بھولوں گا۔

ایک اور وجہ جو حضرت مولانا کو بھولنا ناممکن ہے وہ یہ کہ کوئی دن نہیں جاتا جو میں قرآن شریف کو جب کھولتا ہوں (خواہ وہ مولانا کی اردو تفسیر بیان القرآن ہو یا انگریزی کا لاجواب ترجمہ و تفسیر) تو حضرت مولانا مجھے یاد نہیں آتے اور میرے دل سے ان کے لئے دعائیں نہیں نکلتیں۔ ان دو تراجم اور تفسیروں کے کچھ خاص پہلو ہیں جن کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

بیان القرآن کی جس وجہ سے میرا رُواں رُواں حضرت مولانا کا ہمیشہ کے لئے مرہونِ منت ہے وہ نہ صرف اُن کا ترجمہ ہے جو دوسرے اُردو ترجموں سے صحیح تر ہے بلکہ وہ بیش بہا لغت ہے تقریبًا ہر عربی لفظ کی (جب وہ پہلی دفعہ) ان کے فٹ نوٹوں میں آتا ہے کس قدر محنت کر کے حضرت مولانا نے ہر لفظ کے مادہ اور مختلف لغوی معنوں کو تمام لغت کی کتابوں کو چھان کر نہایت اختصار اور عام فہم انداز میں ہمارے جیسے جاہلوں کے لئے جمع کر کے رکھ دیا ہے۔ میں نے ایک دفعہ حضرت مولانا سے عرض کی کہ میں جب کسی آیت کی تفسیر کرنے میں آپ سے اختلاف کرنے کی جسارت کرتا ہوں تب بھی آپ کا مرہون منت رہتا ہوں۔ وہ اس لئے کہ اگر کسی لفظ کے مختلف معنوں میں سے آپ نے کسی ایک معنے کو اختیار کیا ہے، اور میں کوئی اور معنی اختیار کرنے کی جسارت کرتا ہوں تو بھی آپ کا مرہون منت رہتا ہوں کیونکہ آپ نے ہی اس لفظ کے مختلف معانی میرے جیسے جاہل کے لئے لغت کی کتابوں اور ضخیم تفسیروں سے ڈھونڈھ کر اپنی تفسیر میں جمع کر دیئے ہیں۔ اور یہی صورت کسی آیت کی تفسیر کے بارہ میں آپ سے اختلاف کرنے کی جسارت کے وقت ہوتی ہے۔ تیسری عظیم افادیت بیان القرآن کی اُن اختلافی مسائل کی بحث میں ہے جو حضرت مولانا نے اپنی تفسیر میں ایسی کی ہے کہ کسی طالبِ حق کے لئے آپ کے نقطۂ نظر کو قبول کرنے کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ پھر قرآن حکیم کے مشکل مقامات کی تفسیر اور تشریح حضرت مولانا نے ایسی عمدہ کی ہے کہ بے اختیار دل سے دُعائیں نکلتی ہیں۔ کوئی مقام تعجب نہیں کہ بہت سے غیر از جماعت درس قرآن دینے والے بھی اس تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں۔

جہاں تک انگریزی ترجمہ و تفسیر القرآن کا تعلق ہے اس کے متعلق تو اس کے لکھے جانے سے سالہاسال پہلے خدا کے مامور اور مجدد اعظم نے کس تحدّی سے پیشگوئی فرمائی تھی جب دعوے کے بعد اپنی پہلی کتاب "ازالۂ اوہام" میں لکھا:۔

"سو میری صلاح ہے کہ بجائے ان واعظوں کے، عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں اور اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے انگریزی میں ترجمہ کرا کر اُن کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔"

یہ پیشگوئی کس شان سے حضرت مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ و تفسیر القرآن کی صورت میں پوری ہوئی اس کو دنیا نے مانا ہے۔ اس لئے اس تصنیف کے بارہ میں میں مزید کچھ نہیں لکھنا چاہتا سوائے اس کے کہ پچھلے دو تین سال کے دوران مجھے اس ترجمہ و تفسیر کو بیٹھ کر روزانہ گھنٹوں ایک ایک لفظ کو پرکھ کر دیکھنے کا موقعہ ملا جب دو بار اس کے ہسپانوی (   ) کے ترجمہ کرنے والوں کے ساتھ میں نے شروع سے لے کر آخیر تک اسے بغور زبان دانی کے نقطۂ نظر سے دیکھا۔ تو میں حیران رہ گیا۔ میں نے ساری عمر انگریزی پڑھی اور لکھی ہے اور بڑے بڑے انگریز ادیبوں کی مشہور تصانیف کو بھی زبان دانی کے نقطۂ نظر سے کالج کے دنوں میں اپنے کورس کی طرح پر پڑھا ہے۔ مگر حضرت مولانا نے ان سب کو مات کر دیا ہے۔ اکثر جگہ کسی خیال کے اظہار کیلئے جو لفظ چُنا ہے وہ ایسا لاجواب ہے کہ اس کے سوا یا اس سے بہتر کوئی لفظ ہو نہیں سکتا تھا۔ اور بعض دفعہ تو اس جیسا موزوں لفظ ہسپانوی زبان میں نہ ہونے کی وجہ سے اُسے ہسپانوی زبان میں ترجمہ کرنا مشکل بلکہ ناممکن ثابت ہوا۔ اور پھر بھی زبان ایسی سادہ اور سلیس ہے کہ عربی سے انگریزی میں ترجمہ کرنے میں بے مثال ہے میں ایک واقعہ لکھ کر اس موضوع کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

ہمارے دوست میاں غلام عباس (مرحوم) جو آخر میں آڈیٹر جنرل کے ممتاز ترین عہدہ سے ریٹائر ہوئے وہ ۱۹۳۷ء میں دہلی میں گورنمنٹ آف انڈیا میں ایک عہدہ پر تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا کے اس ترجمہ کو اسوقت کے گورنمنٹ آف انڈیا کے فنانس ممبر (وزیر مالیات)

اقتصادیات) کو دیا جو اعلیٰ تعلیم یافتہ انگریز تھے، ICS کے اور دوسرے خطابات سے مزین تھے، اور بذاتِ خود لٹریری آدمی تھے۔ انہوں نے کچھ عرصہ اس کتاب کو پڑھ کر واپس کرتے ہوئے میاں غلام عباس صاحب سے کہا، "میں اس کتاب کے مضمون پر تبصرہ کرنے کا اہل نہیں۔ مگر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ اس کی انگریزی اتنی اعلیٰ ہے کہ کوئی انگریز ادیب بھی ویسی نہ لکھ سکتا تھا۔" جب میں یہ سوچتا ہوں کہ یہ ترجمہ و تفسیر قادیان جیسے گاؤں میں بیٹھ کر لکھی گئی جہاں نہ کوئی انگریزی لائبریری تھی نہ انگریزی دان ایسے تھے کہ اُن سے حضرت مولانا پوچھ کچھ سکتے تھے، تو سوائے اس کے کوئی وجہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ ترجمہ و تفسیر تصرفِ الٰہی سے لکھا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے مامور نے پہلے سے اعلان کر دیا تھا۔ ہمارے موجودہ امیر (حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب) نے مجھے سنایا کہ اُن کے ایک محترم بزرگ نے حضرت مجدد زماں کی زبان سے سُنا کہ "جو فرشتہ میرے اندر بولتا ہے وہی مولوی محمد علی صاحب کے اندر بھی بولتا ہے۔"

انگریزی ترجمہ و تفسیر القرآن کی ایک اور خصوصیت اس کا دیباچہ ہے جس میں حضرت مولانا نے تمام اہم اسلامی مسائل اور قرآن کریم کے بارہ میں مختلف ضروری امور پر لاجواب روشنی ڈالی تھی۔ یہ پہلے ایڈیشن کی خصوصیت تھی۔ بعد کے ایڈیشنوں میں انہوں نے اس دیباچہ کو مختصر کر دیا غالباً اس لئے کہ ان کی دوسری شاہکار کتاب "ریلیجن آف اسلام" میں اُن میں سے بہت سے موضوع زیادہ تفصیل سے آ گئے۔ مگر جن خوش قسمتوں کے پاس ۱۹۱۷ء کا پہلا ایڈیشن ہے انہیں میرا مشورہ ہے کہ وہ اسے محفوظ کر کے رکھیں اس کا انگریزی دیباچہ بے نظیر ہے۔

اس ادبی و دینی اور ذاتی عظمت کے باوجود حضرت مولانا اس قدر منکسر المزاج اور سیدھے سادے انسان تھے کہ انہیں پہلی دفعہ دیکھنے والوں کو یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ کس عظمت اور شان اور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ مامورِ الٰہی نے جو اُن کی باطنی خوبیوں کو ان کی جوانی میں ہی اپنی بصیرت اور فراست سے دیکھ لیا تھا۔ اُن میں "غریب طبع، باحیا" صفات آخر دم تک قائم رہیں اگرچہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بین الاقوامی شہرت اور عزت بخشی۔ مولانا کی باقی خوبیاں جو مامورِ الٰہی نے اپنی باطنی نگاہ سے اس وقت دیکھی تھیں وہ بعد چار چاند لگ کر اُن میں ظاہر ہوئیں۔ اور مامورِ الٰہی نے جن توقعات کا اس زمانہ میں اظہار کیا تھا وہ سب اللہ تعالیٰ نے ایسی پوری کیں کہ حضرت مولانا واقعی حضرت اقدس "کی شاخ" اور "اُن میں ہی داخل" ثابت ہوئے۔ وہ فنا فی الشیخ کے مقام پر تھے۔ ایک مثال دیتا ہوں۔ ڈلہوزی پہاڑ پر ایک دفعہ میرے والد اور میں مولانا کے ہاں قیام پذیر تھے۔ انجمن کے ایک ضروری اجلاس کے لئے حضرت مولانا کو لاہور جانا تھا۔ اس میں منجملہ اور باتوں کے یہ معاملہ پیش تھا کہ جماعتِ قادیان کے ایک مقدمہ کے جواب میں ہماری انجمن بھی ویسا ہی مقدمہ اس پر کرے یا نہیں۔ تو

حضرت مولانا نے میرے والد سے رائے پوچھی۔ میرے والد کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ جب وہ کچھ عرصہ نہ بولے تو حضرت مولانا نے فرمایا "حضرت مسیح موعود کا یہ طریق نہ تھا کہ وہ اپنی طرف سے مقدمہ بازی کریں چاہے ان کا کیس کتنا ہی مضبوط ہو۔" اس ریمارک نے مزید غور و فکر کی ضرورت باقی نہ رہنے دی۔

حضرت مولانا کو اپنی جماعت سے بھی بے حد محبت تھی۔ ہر شخص جس کا ان سے کچھ عرصہ واسطہ پڑا وہ یہی سمجھتا تھا کہ حضرت مولانا اسی سے سب سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں۔ میں نے "مجدد اعظم" میں پڑھا ہے کہ حضرتِ اقدس کا بھی اپنی جماعت کے لوگوں سے ایسا ہی معاملہ تھا۔ دراصل روحانی اخوت وہ جنت ہے جس کی نہریں سب کو بلا روک ٹوک سیراب کرتی ہیں۔ میں اُن خوش قسمتوں میں سے ہوں جنہوں نے حضرت مولانا کی محبت کی نہر سے سیر ہو کر پیا حالانکہ میں اس کا اہل نہ تھا۔ اس بارہ میں بھی وہ اپنے پیر و مرشد کے رنگ میں رنگین تھے۔ مجھے وہ واقعہ یاد آیا کہ حضرت اقدس کے زمانہ میں حضرت مولانا نورالدین صاحب کا ایک عزیز جو فقیر اور مجذوب بنا پھرتا تھا ان سے ملنے آیا۔ اس سے قبل حضرت مولانا نورالدین صاحب اس کے سوال کرنے پر اس کی مالی امداد کر دیا کرتے تھے۔ مگر چونکہ مولانا موصوف کے منع کرنے کے باوجود اُس نے بھنگ وچرس نہ چھوڑی تو اس بار مولانا نورالدین صاحب نے بطور سزا اس کی مالی امداد کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے ایک رقعہ حضرت اقدس کو لکھا جس میں مولانا نورالدین صاحب سے اپنے رشتہ کا ذکر کیا اور اُن کے مالی امداد جاری رکھنے سے انکار کی بھی شکایت کی۔ تو حضرتِ اقدس نے خاموشی سے پانچ سو روپے لفافہ میں ڈال کر اس شخص کو بھجوا دیئے۔ تو اس جود و سخا کا لوگوں سے ذکر کرتے ہوئے اس شخص نے کہا کہ "خدا کے مامور بھی خدا کی بارش کی طرح ہوتے ہیں جو اگر گل و گلزار پر پڑتی ہے تو کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں پر بھی پڑتی ہے۔" یہی حال حضرت امیر مرحوم کے فیض و کرم کا بھی تھا۔

* * *

حکمت کے موتی

حضرت نبی کریم صلعم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:-

اے عائشہؓ، کسی مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد نہ پھیرو۔ گو چھوارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اے عائشہؓ۔ غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے نزدیک کرو تو خدا بھی تمہیں اپنے نزدیک کرے گا۔

حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علیؒ کی ایک یادگار تقریر

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سالانہ اجتماع کا افتتاح میں اس مشہور دعا سے کرتا ہوں جو ہماری شب و روز کی دعا ہے اور جس نے قرآن کے نہ ماننے والوں سے بھی خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ چونکہ دعا کرنے والا درحقیقت بارگاہِ الٰہی میں سائل کے طور پر حاضر ہوتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم بھی اپنے ظاہر اور باطن میں ایک تغیر پیدا کریں۔ ظاہری رنگ میں یوں کہ ہم بھی سب کے سب ایک سائل کی طرح کھڑے ہو جائیں۔ (سوائے ان کے جو بیماری یا کسی کمزوری کی وجہ سے کھڑا ہونے سے معذور ہوں) اور باطنی رنگ میں یوں کہ ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ جس طرح ایک سائل اپنے آپ کو عاجز اور کمزور پاکر ایک غنی کے در پر جاتا ہے ہم بھی اپنی کمزوریوں کو محسوس کرتے ہوئے خدا کے دروازے پر آئے ہیں۔ تم کتنے بھی صاحبِ علم اور مالدار ہو خدا کے سامنے تمہاری حیثیت ایک فقیر سے زیادہ نہیں۔ واللّٰہ غنی و انتم الفقراء یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللّٰہ واللّٰہ ھو الغنی الحمید تو آیئے ایک فقیر کی طرح خدا کے دروازے پر کھڑے ہو کر صدائیں بلند کریں اور اس کام میں جو ہمارے امام نے ہمارے سپرد کیا تھا اپنے عجز اور کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے اس طاقتور بادشاہ سے مدد مانگیں۔ جو پہلے بھی ان لوگوں کی جو اس کے ہو جاتے ہیں زبردست نصرت فرماتا رہا ہے اور آئندہ بھی اس کا یہ وعدہ ہے کہ جو اس کا ہو جائے گا وہ اس کی بھی اسی طرح نصرت فرماتا رہے گا جس طرح اس نے اپنے برگزیدوں کی فرمائی۔

ہم درماندہ درویشوں کی پہلی صدا اس بارگاہِ عالی پر جو تمام جہانوں کی ربوبیت فرماتا ہے یہ ہے۔ الحمد للّٰہ رب العالمین۔ اے تمام مخلوق کی ربوبیت فرمانے والے تو نے اپنے بندوں پر مادی رزق کے دروازے وسیع کھول دیئے ہیں اور زمین اور آسمان کی مادی طاقتوں کو ان کی خدمت پر لگا دیا ہے مگر مادی رزق کی فراوانی اور ظاہری کشش انہیں تجھ سے غافل کر کے ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جا رہی ہے اس لئے تو ان پر اپنے روحانی رزق کے دروازے کھول دے تاکہ یہ نسلِ انسانی تباہی اور بربادی سے بچ کر اپنے حقیقی کمال کو حاصل کر لے۔ اے خدا جو ہمیشہ انسانوں کی ربوبیت فرماتا رہا ہے اور جس نے بالآخر ساری نسلِ انسانی کی روحانی ربوبیت کے لئے اپنا آخری نبی محمد رسول اللّٰہ صلعم اور اپنا آخری اور کامل پیغام قرآن بھیجا تو اب نسل انسانی کی ربوبیت کے لئے اپنے قرآن اور پیغمبر کی قبولیت کی ہوا چلا دے۔ اور ہمیں بھی وہ سامان عطا فرما کہ ہم تیرے قرآن کو اور تیرے پیغمبر کی خوبصورت تصویر کو ساری دنیا میں پہنچا دیں۔

اور ہماری دوسری صدا اس ارحم الراحمین کے دروازے پر یہ ہے کہ الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین۔ اے رحمتوں کے سرچشمے تو اس نسلِ انسانی پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور ان کے گناہوں کی سزا بھی ان پر آئے تو تیرے مالکیت کے تقاضے سے تیری رحمت اس کے ساتھ بھی ملی ہوئی ہے۔

اور ہماری تیسری صدا اس معبودِ حقیقی کے دروازے پر یہ ہے۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین، ہم تیرے غلام ہیں اور تیری غلامی کا فخر بھی تیری مدد سے ہی مل سکتا ہے ہماری آرزو یہ ہے کہ یہ ساری نسلِ انسانی تیری غلامی کو اختیار کر کے فلاح اور بہبود پائے۔ یہ کام انسانی طاقت سے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تیرے دروازے پر آئے ہیں کہ اس میں تو ہماری مدد فرما۔ یہاں تک کہ ہم ساری نسلِ انسانی کو تیری غلامی میں داخل کر دیں۔ ہم تیرے در پر جھکتے ہیں اور ساری نسل کو تیرے در پر جھکانے کی آرزو رکھتے ہیں مگر اے قدرت اور طاقت کے مالک خدا یہ کام تیری مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ سو ہم یہ سوال لے کر تیرے در پر آئے ہیں کہ تو ہماری اسی طرح مدد فرما جس طرح تو اپنے رسولوں کی مدد فرماتا رہا ہے۔ تیرا وعدہ ہے انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا۔ اللھم انجز وعدک وانصر عبادک المستضعفین۔ اے زمین اور آسمان کے مالک تو زمین اور آسمان کی تمام طاقتوں کو ہماری مدد کے لئے لگا دے۔ اے خدا تو اپنے دین کی نصرت کے لئے اپنی ملائکہ کی افواج کے ساتھ اس زمین پر نزول فرما اور اپنے دین کی خدمت کا کام کرنے والوں کی مدد فرما۔

ہماری چوتھی صدا اس منعمِ حقیقی کے دروازے پر یہ ہے:۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

ہم تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کی آرزو رکھتے ہیں۔ ہمیں اس رستہ پر چلنے کی توفیق دے جس رستے پر وہ لوگ چلے جنہوں نے تیری بارگاہ سے بڑے انعام پائے۔ جن کی ساری نیک آرزوؤں کو تو نے پورا فرمایا۔ اور ان ٹھوکروں سے ہمیں بچا جو ٹھوکریں کھا کر ہدایت کے بعد بھی لوگ تیری ناراضگی کا محل بن گئے۔ یا صحیح رستے کو چھوڑ کر غلط رستہ پر پڑ گئے۔ اے بادشاہ تیرے انعامات کے خزانے بے حد و حساب ہیں اور وہ ہر زمانہ میں ہر مانگنے والے کے لئے کھلے ہیں۔ ہم بھی تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے کی غرض سے تیرے در پر حاضر ہوئے ہیں اور آج سب مل کر بچشم گریاں تیرے انعامات کے لئے تیرے در پر صدا بلند کرتے ہیں جن انعامات سے تو نے ہماری سرکار حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو نوازا۔ اے خداوند عالم تیرے انعامات تو ختم نہیں ہوتے ہم ناکارہ انسانوں کی وہ آہیں ہی ختم ہو جاتی ہیں جو تیرے انعامات کے دروازے کھول دیتی ہیں۔ تو ہی اپنے کرم سے ہمارے دلوں میں وہ آہیں پیدا کر۔ اے فضلوں اور رحمتوں کے مالک ان فضلوں اور رحمتوں کے دروازے ہم پر کھول دے کہ ہم تیرے قرآن اور محمدؐ کے نام کو دنیا میں روشن کرنے میں اور تیرے قرآن اور محمدؐ کے نور سے تیری دنیا کو روشن کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ آمین۔

۔۔۔۔ آخر پر پھر دعا کریں کہ اے خدا تو ہمارے سینوں میں اپنے قرآن اور اپنے رسولؐ کی آگ کی وہ چنگاری ڈال جو ہماری ہوا و ہوس کو بھسم کر دے اور اپنے رسول اور اپنے کلام کا وہ عشق عطا فرما جو ہماری دنیا کے مال کی محبت کو ٹھنڈا کر دے اے خدا تو ہمیں اپنے دیوانوں میں داخل کر دے کیونکہ حقیقی فرزانگی یہی ہے۔ تو ہمیں اپنے در پر گرنے کی توفیق دے کیونکہ طاقت اسی سے ملتی ہے۔ تو ہمارے اندر سے آرام طلبی کی روح کو اپنی زبردست قوت سے نکال دے اور اس کی جگہ جہاد کی وہ زبردست روح ہمارے اندر بھر دے جس سے ہم تیرے رستے میں کام کرتے ہوئے تھکیں نہیں اور کسی کا طعنہ کسی کی گالی کسی کی نکتہ چینی وہ اپنا ہو یا پرایا تیرے رستے میں ہمارے قدم کو ڈھیلا نہ ہونے دے۔ اے خدا ہم میں کمزوری

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، لندن،

حضرت مولانا محمد علیؒ کے ترجمہ و تفسیر انگریزی قرآن پر مشاہیر ملت اسلامیہ کی آراء

میری اصحاب حضرت مولانا محمد علی صاحب کے تراجم و تفاسیر قرآن بہ زبان انگریزی و اردو کی اہمیّت و عظمت سے ناواقف ہیں۔ بطور خلاصہ ہم ان کے ازدیادِ ایمان کی خاطر مفصلہ ذیل سطور میں اکابرینِ ملّت کی آراء پیش کی جاتی ہیں جو ایسے اصحاب کے قلم سے ہیں جو آپ کے مرید یا معتقد نہ تھے۔

۱۔ "مولانا محمد علی کے ترجمہ و تفسیر انگریزی کی افضلیت و افادیت سے انکار کرنا گویا سورج سے انکار کرنا ہے۔ ... مولانا محمد علی جوہر بھی اس کے زبردست مداح تھے۔" اس کے ذریعہ سینکڑوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور لاکھوں کے قلوب دینِ اسلام کے قریب آ گئے۔ (مولانا عبدالماجد دریاآبادی)

۲ "اگرچہ مولانا محمد علی صاحب نے اس قدر تصانیف کر ڈالی ہیں کہ جن سے ایک لائبریری بن سکتی ہے مگر آپ نے اپنے نام نامی کو جس تصنیف سے زندہ جاوید بنا لیا ہے وہ ہے آپ کا انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن ......

کسی شخص کو یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ مولانا صاحب نے قرآن کریم کے کوئی نئے معنی بیان کئے ہیں کیونکہ جہاں کہیں انہوں نے پہلے مفسرین سے اختلاف کیا ہے تو وہاں یا تو آپ کے معنے صحیح ہیں یا پھر اس کی تائید میں آپ نے لغت و محاورہ عرب اور احادیث سے حوالے دیئے ہیں۔" (حافظ غلام سرور، مترجم قرآن)

۳۔ "قرآن کریم کے اس وقت کئی ایک تراجم شائع ہو چکے ہیں مگر شرف اولیّت مولانا محمد علی صاحب کو ہی ہے۔ یہ وہ تفسیر ہے کہ جس سے نو تعلیم یافتہ طبقہ کو قرآن کریم سے دلچسپی پیدا ہوئی۔" (شیخ محمد اکرام الحق ایڈیٹر حوض مہج کوثر)

۴ "مولانا محمد علی صاحبؒ کا ترجمہ و تفسیر گویا علوم قدیم و جدید کا علمی خزانہ ہے۔ مولانا صاحب نے نہایت دانشمندی سے فرقہ بازی کی الجھنوں سے اپنے ترجمہ و تفسیر کو بلند رکھا ہے۔ نیز مخالفین کے جواب میں نئے ہتھیاروں سے خوب کام لیا ہے۔" (اخبار وکیل امرتسر)

۵ "یہ ترجمہ آئندہ کئے جانے والے تراجم کے لئے درخشاں ستارہ کا کام دے گا۔"

۶ "کسی شخص نے احیاء و تجدید اسلام کے بارہ میں مولانا محمد علی سے زیادہ قابلِ قدر و طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ آپ کی اور خواجہ صاحب کی تصانیف سے سلسلہ احمدیہ کا نام نمایاں روشن ہو گیا ہے۔" (پکتھال)

۷ "مسٹر پکتھال اور مسٹر سرور کے تراجم کا جس قدر انحصار مولانا محمد علی کے ترجمہ پر ہے اس قدر اور کسی پر نہیں۔ ... بلکہ مسٹر پکتھال کا ترجمہ تو بعض لفظی اختلافات کو نظر انداز کر کے مولانا کے ترجمہ کا نسخہ ثانی ایڈیشن کہلا سکتا ہے۔" (ڈونُم مسلم ورلڈ)

سب سے پہلا ایڈیشن ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا۔ اب تک اس کے چھ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ قریباً ایک لاکھ تعداد میں جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

۸۔ "آپ کی ذات و خدمات پر ریویو کرتے ہوئے ایک مرتبہ اخبار ڈان نے یہ لکھا تھا۔

"آپ مشرق و مغرب میں مشہور مصنفِ اسلام ہیں۔ آپ ایک زیرک مفکر زود نویس مصنف اور والہانہ مشنری آف اسلام ہیں۔"

۹۔ اس کے علاوہ آپ کی معرکۃ الآراء کتب و تصانیف پر جن کے ذریعہ احیاء و تجدید اسلام کا عالی مقصد انجام پا رہا ہے، پر اکابرین کے ریویو اکثر اخبار لائٹ میں چھپتے رہتے ہیں۔

* * *

قرار دادِ تعزیّت جماعت ملتان

مورخہ ۱/۸/۸۳ء بعد از نماز جمعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ ملتان (شاخ لاہور) کا ایک غیر معمولی تعزیتی اجلاس زیر صدارت محترم میاں نشاط احمد صاحب منعقد ہوا جس میں درج ذیل قرار دادِ تعزیّت پاس کی گئی کہ

یہ اجلاس جناب مرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ جناب مرزا مسعود بیگ مرحوم جماعت میں ایک نہایت مضبوط ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ حق گو نہایت ہمدرد و بزرگ تھے مجلس میں آپکی باتیں نہایت مدلل اور موثر ہوتی تھیں جلسہ سالانہ کے موقع پر آپکی تقریر نہایت مدلل اور پر لطف ہوتی تھی آپکی جماعتی خدمات بڑی اہم ہیں۔ آپ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپکے مضامین نہایت اعلیٰ اور موثر تھے آپ ایک مخلص دوست اور بزرگ شخصیت تھے مرزا صاحب کی وفات سے جماعت اپنے ایک مخلص اور بلند پایہ عالم سے محروم ہو گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکو جنت الفردوس میں جگہ دے اور اپنا قرب عطا فرمائے۔ آمین!

تم خدا کے نام کو زندہ کرو خدا تمہارے ناموں کو زندہ کرے گا۔

(محمد علیؒ)

یہی کی آور اپنی زندگی کا ہر لمحہ خدا تعالےٰ کی آواز کو چار دانگ عالم میں پہنچانے کے لئے وقف کر دیا۔ انہوں نے اس امر کی پرواہ نہیں کی کہ لوگ انہیں کیا کہتے ہیں اور ان کے اس کارِ خیر کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ ایسے لوگ اس کے بدلے میں کبھی طالبِ انعام نہیں ہوتے اور محض للّٰہ اسے اپنا فرض یقین کر کے ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر کیا انہیں اس کا انعام نہیں ملتا۔ یقیناً ملتا ہے مگر واہ واہ اور حبّذا کو چھوڑ کر کہ وہ اس قسم کے انعام کے خواہاں نہیں ہوتے۔ انہیں جو انعامات خدمتِ قرآن کے عوض میں خدا کے حضور نعماءِ جنّت کے رنگ میں ملیں گے ان میں تو کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں مگر اس دنیا میں حقیقی انعام انہیں اس وقت یقیناً ملتا ہے جب ان کی اس خدمت کے نتیجہ میں نیک فطرت روحیں آستانہ الوہیت پر سجدہ ریز ہو کر خدا کے نام لیواؤں میں شامل ہو جاتی ہیں۔

اس دورِ پُر آشوب میں جب کہ لوگ ایک کالم لکھنے کا بھی معاوضہ وصول کرتے ہیں ایک ایسا بے لوث انسان پیدا ہوا جس نے اپنی تمام تر زندگی خدمتِ قرآن کے لئے وقف کر دی اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ اور اس کے عوض سوائے رضائے الٰہی کے کسی چیز کا طالب نہ ہوا۔ اس شخص کو تمام زمانہ مولانا محمد علی مفسرِ قرآن کے نام سے جانتا ہے۔ آپ نے اردو اور انگریزی میں قرآنی علوم کو بالتفصیل منتقل کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور اس راہ میں وہ جانفشانی دکھائی کہ کوئی اور کیا دکھلائے گا۔ ایسے لوگ صدیوں کے بعد بھی بمشکل پیدا ہوتے ہیں ہزارہا لوگ محض آپ کی تفسیر کو پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے کیا آپ کے لئے اس دنیا میں یہ کم انعام ہے کہ آپ کو قرآنی نور سے ہزارہا سینوں کو منور کرنے کی توفیق ارزاں ہوئی۔ کیا یہ توفیق خدا تعالےٰ کے خاص فضلوں کے بغیر مل سکتی ہے۔ سچ ہے۔ ۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ارشادِ باری ہے وجاھدوا فی اللّٰہ حق جہادہ کہ خدا کی راہ میں جہاد کرو یہاں تک کہ جہاد کرنے کا حق ادا کرو۔ مولانا موصوف نے اپنی تمام تر مساعی کو اسی راہ میں صرف کیا۔ آپ کے مندرجہ ذیل الفاظ آپ کی عملی زندگی کا نچوڑ ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"آؤ ہم لیں اپنی پوری طاقت اور قوت کو اللّٰہ تعالےٰ کے دین کی تمہارے ناموں کو زندہ کرے گا"

آپ نے اس عہد کو خوب نبھایا اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ خدا کے دین اور اس کے کلام کی سربلندی کے لئے وقف کر دیا اور اس راہ میں جان دے دی۔

جزاھم اللّٰہ احسن الجزاء

بعض لوگ محض قرآن کریم کو اعلیٰ کتابت کے ساتھ خوشنما کاغذ پر دیدہ زیب رنگوں میں شائع کرنے کو خدمتِ قرآن تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ کام تو عیسائی اور ہندو بھی کر سکتے ہیں۔ اور کر رہے ہیں۔ ذرا حضرت مولانا مرحوم کا زاویۂ نگاہ ملاحظہ ہو۔ حضور فرماتے ہیں۔

"ہمارا کام ہی قرآن کو دنیا میں پہنچانا ہے اس لئے میں آپ کو اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہم قرآن کے فیوض سے دنیا کو اس وقت فائدہ پہنچا سکتے ہیں جب ہمارے دل پاک ہو جائیں اور ہمارا تعلق خدا سے ہو جائے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ انسان کا دل پاک اسوقت ہوتا ہے جب خدا کی محبت کے سوا دل سے ساری محبتیں دور ہو جائیں۔"

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ خدا تعالےٰ خدمتِ قرآن کی سعادت صرف انہیں کو عطا فرماتا ہے جو اس کے مقرب ہوتے ہیں اور جن کے قلوب انوارِ الٰہیہ سے روشن ہوتے ہیں۔ یہ کام عقل والوں کا نہیں ہے اس میں جنون کام آتا ہے اس میں عشق کو دخل ہے اور اس راہ میں خلیل اللہ کا عشق چاہیئے۔ تاکہ "بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق" کا مظاہرہ ہو۔ جس نے اپنی تمام تر زندگی کو قرآنی علوم کو ایک زمانے تک پہنچانے کا بیڑہ اٹھایا ہو وہ جب تک جنون کی حد تک عشقِ قرآن میں غرق نہ ہو گا وہ رضائے الٰہی کے موتی کیسے چنے گا۔ کچھ یہی حال حضرت مولانا محمد علی کا تھا۔ آپ اپنے مرشد کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

"آپ کے زبردست اندرونی جذبات کا کوئی حصہ کسی نے لیا کوئی کسی نے۔ میرے مردہ دل کو آپ کا جذبۂ تبلیغ زندہ کر گیا۔ وہی آپ کے انوارِ قلب کی کوئی کرن ہے جو میرے دل پر نشان ڈال گئی جس نے میرے اندر یہ جذبہ پیدا کر دیا کہ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیئے ..."

—— *** —— (ماخوذ)

از محترمہ زکیہ شیخ صاحبہ لاہور

عظیم المرتبت

۱۳۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء کا دن اور دس محرم الحرام کی تاریخ تھی۔ اور یہ وہ دن تھا جب جنت الفردوس میں خدا اور اس کے رسول کے محب اور سچے عاشق کی آمد آمد کی تیاریوں میں فرشتے کبھی گہما گہمی میں لگے ہوئے تھے۔ اور یہ سب کچھ کیوں نہ ہوتا اس لئے کہ اس دنیائے فانی سے ایک عظیم مفسر قرآن۔ عاشق قرآن۔ صاحب خُلق۔ دین کا خادم احمدیت کا مجدد۔ جماعت احمدیہ لاہور کا امیر و معمار نفسِ مطمئنہ کا مالک اپنے رب سے ملاقات کی تیاریوں کے آخری مراحل میں تھا۔ یہ عباد الرحمٰن میں سے ذاتِ باری تعالےٰ کا ایک عبد محمد علی تھا جسے جنت کی بشارت مل چکی تھی جس نے کچھ عرصہ پہلے یہ رؤیا دیکھا تھا اور ان الفاظ میں بیان کیا۔

"اس وقت ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک چھوٹے بچے کی شکل میں ایک خوبصورت اور وجیہہ انسان کی گود میں ہوں۔ اور مجھے تفہیم ہوئی ہے کہ وہ شخص خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اس شخص نے مجھے اپنے سینے سے اس طرح چمٹا لیا جس طرح ماں وفور محبت سے اپنے بچے کو سینے سے لگا لیتی ہے تو مجھے بھی محبت نے اس قدر بیقرار کیا کہ میں نے اس شخص کے قمیص کے بٹن کھول کر (گویا درمیان میں قمیص بھی حائل نہ رہے) دونوں بانہیں ڈال کر اپنے آپ کو اس شخص سے چمٹا لیا اور میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے اللّٰھم انت محبّی فاجعلنی من احبّائک۔ (اے اللہ تو مجھ سے محبت کرتا ہے پس تو مجھے اپنے سے محبت کرنیوالوں سے بنا)"۔

تو دس محرم الحرام کو اللہ تعالیٰ کی گود وا ہوئی اور اس کا یہ بندۂ عالی مقام اپنے محبوب کی محبت سے فیض یاب ہونے کے لئے اس دنیا کی حدود کو پار کر گیا۔ خدا کے اس بندے نے بھی ایک کربلا سے گزر کر جام شہادت پیا۔ اپنے احباب میں سے ہی بعض نے یہ کربلا کا سامان پیدا کیا اور خدا تعالےٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے اپنے اس محب کو راحتِ ابدی کے لئے اپنے پاس بلا لیا۔ اللہ اللہ یہ موت نہیں بلکہ وہ زندگی ہے جس کو پانے کے لئے اس بندے نے اپنی دنیاوی زندگی داؤ پر لگائی ہوئی تھی اور پھر اس کی زندگی اس دنیا میں بھی ختم نہیں ہوئی کیونکہ جب تک اسلام زندہ ہے محمد علیؒ کا نام بھی زندہ ہے۔

جب تلک فلک پہ مہر منور کو ہے قیام
روشن رہے گا دہر میں اس نامور کا نام

اس خدائی قلم کے مالک کی معرکۃ الآرا تصانیف نے جو پچاس ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں اسلامی دنیا اور غیر اسلامی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کیا بے شمار سعید روحیں ان کے مطالعہ سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئیں اور بے شمار اسلام کی معقولیت کی معترف ہوئیں۔ یہ شخص جس نے اتنا بڑا انقلاب پیدا کیا وہ انسان تھا جو سادگی کا مجسمہ۔ پُر نور چہرے والا جس کی پیشانی پر ذہانت ٹپکتی تھی جس کے لبوں پر ہر وقت ایک پاکیزہ مسکراہٹ کھیلتی تھی اور چہرے پر ایک اطمینان کی لہر تھی جو ہر بے چین دل کو ایک ایسا سکون بخشتی تھی جس کا بظاہر کوئی جواب نہ تھا۔ ذہنی خداداد صلاحیتوں کے مالک تو صدیوں بعد دنیا میں پیدا ہوتے ہیں لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ وہ کون سی صفات تھیں جن کی وجہ سے یہ شخصیت اسقدر مقبول ہوئی۔ تو آئیے اس شخص کی زندگی کے ان پہلوؤں پر غور کریں جن کو ہر کوئی اپنی کوشش سے پا سکتا ہے۔

اب اس شخص کو میں اباجی کے نام سے پکاروں گی کیونکہ یہ میرے پیارے اباجی تھے ان کی حیاتِ طیبہ کو قلم کے احاطے میں لانا مجھ گنہگار کی استطاعت سے باہر ہے لیکن ایک ناچیز کوشش ہے کہ شاید اُن کا کوئی سبق میں بھی اپنا لوں یا اپنانے کیلئے پیش کر سکوں۔

اباجی کی تمام زندگی دین و دنیا کا ایک حسین امتزاج تھی۔ یوں تو خدا کو پانے کیلئے کئی شاہراہیں کھلی نظر آتی ہیں اور بہت صوفیا اور علماکرام دنیا سے قطع تعلق کر کے راہب بن جاتے ہیں اور خدا کو پانے کے لئے یہ طریق اختیار کرتے ہیں لیکن زندگی کی پیچیدہ راہوں پر چل کر تقوےٰ کی باریک راہوں کو پانا اور بشر کے لئے نمونہ بننا اصل میں خدا کو پانا ہے جو زندگی کا اصل مقصد ہے۔

اباجی بچپن سے ہونہار تھے اور اُن کے والد ماجد نے بچپن سے ہی ان کے کانوں کو قرآن پاک کی تلاوت سے آشنا کیا اور ان کو کیا معلوم تھا کہ یہ بچہ حقیقی معنوں میں صبغۃ اللہ میں رنگین ہوگا۔ اباجی کی غیر معمولی ذہانت اور علمی قابلیت بہت جلد آشکارہ ہوئی اور جبکہ ان کے لئے دنیوی اعلےٰ مراتب کی کمی نہ تھی۔ مجدد وقت نے ان کو دین کی خدمت کے لئے پکارا اور انہوں نے لبیک کہا اور دنیا کے پُرکشش مستقبل کو پسِ پشت ڈال کر قادیان میں ان کے قدموں میں جا بیٹھے۔ یہ تھا اباجی کا پہلا عمل دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب سے قرآن پاک کے حقائق و معارف کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی باطنی نگاہ سے اباجی کو دیکھا جس نتیجے پر پہنچے اس کا ذکر یوں کیا ہے۔

"ہماری جماعت میں اول درجہ کے مخلص دوستوں میں سے محمد علی صاحب ایم۔ اے ہیں جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں امتحان پاس کیا ہے اور بہت سا اپنا حرج اٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام کے لئے یعنی بعض میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں اور میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا۔ اخلاق اور دین اور شرافت کی رُو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع۔ باحیا۔ نیک اندرون۔ پرہیزگار آدمی ہے۔ اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے ہونہار لڑکے جو ہمہ صفت موصوف ہوں اور ہر طرح سے لائق اور معزز درجہ کے آدمی تلاش کرنے سے نہیں ملتے۔"

اس کے بعد اکتوبر ۱۸۹۹ء میں ایک اور موقعہ پر فرمایا :-

" اور مجھے اس سے بہت خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا کے فضل کو پاکر ہماری جماعت میں داخل ہوا ہے ۔ یعنی حبی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ایم ۔ اے پلیڈر ہیں ۔ میں ان کے آثار بہت عمدہ پاتا ہوں ۔ اور وہ ایک مدت سے دنیاوی کاروبار کا حرج کرکے خدمتِ دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب سے حقائق و معارف قرآن شریف سن رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کریگی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا ۔ اور مجھے یقین ہے وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تقوٰے اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھلائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے ۔ اے خدا تو ایسا ہی کر ۔ آمین ثم آمین !"

ایک جگہ اپنے خط میں حضور اقدس اباجی کو قادیان میں رہنے کی دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

"۔ ۔ ۔ مجھے آپ پر نہایت نیک ظن ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ آپ اس عرصہ میں بہت ترقیات کر لیں گے ۔ میرا مدت سے ارادہ ہے کہ اپنی جماعت کو دو گروہوں میں تقسیم کردوں ۔ ایک وہ گروہ جو کچھ دنیا کے ہیں اور کچھ دین کے اور بڑے بڑے امتحانوں کی برداشت نہیں کرسکتے اور دین میں بڑے کام نہیں کرسکتے ۔ دوسرا وہ گروہ جو پورے صدق اور پوری وفاداری سے اس دروازے میں داخل ہوتے ہیں اور درحقیقت اپنے تئیں اس راہ میں بیچتے ہیں ۔ سو میں چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو دوسرے گروہ میں کرے "

اور اباجی حضرتِ اقدس کی خواہش اور دعا کی کسوٹی پر پورے اترے ۔

قادیان میں رہائش کے اولین حصہ میں اباجی نے مختلف کام سرانجام دیئے اور ان میں ایک کام یہ بھی تھا کہ یورپین مفکروں اور مصنفوں کی تصنیفات جمع کرکے خود مطالعہ کرتے اور حضرت صاحب کو ترجمہ سناتے اور ان لوگوں کے اسلام پر اعتراضات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت صاحب کے مضامین وغیرہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا کرتے تھے اور اپنے بھی مضامین تصنیف فرماتے تھے اس کے علاوہ ریویو آف ریلیجنز پہلا انگریزی کا رسالہ نکلا اور وہ اس کے ایڈیٹر تھے اور تقریباً تمام کا تمام رسالہ اباجی کے مضامین سے پُر ہوتا تھا اور بڑے بڑے قیمتی مضامین اس میں اسلام پر شائع ہوتے رہے ۔ اسلام کے متعلق انگریزی خواں دنیا کا نقطہ نظر بدلنے میں اس زمانے میں سب سے پہلا ذریعہ یہی رسالہ تھا ۔ اور ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے کے علاوہ کثرت سے غیر ممالک میں بھیجا جاتا تھا ۔ اس رسالے کی زبان اس قدر اعلیٰ انگریزی تھی کہ بڑے بڑے اہل زبان یہ شک کرتے تھے کہ قادیان میں کوئی انگریز چھپا بیٹھا ہے جو انگریزی کے یہ مضامین لکھتا ہے ۔

اباجی کی زندگی کے اس زاویے سے ہٹ کر اب ان کی پاکیزہ زندگی کے خانگی معمول کی طرف آیئے ۔ سادگی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی ۔ لباس خوراک گفتگو ۔ طرز رہائش غرضیکہ ہر بات سادگی کا پہلو لئے ہوئے تھی

انداز بیان جو بے حد پرکشش اور پُرمعارف ہوتا تھا اس قدر سادہ تھا کہ دقیق سے دقیق مسائل کو معمولی ذہانت کا انسان بھی سمجھ سکے بیری کئی ملنے والیاں مجھ سے یہ کہہ کر اباجی کا انگریزی اور اردو قرآن شریف خریدنا چاہتی ہیں کہ ان کے ترجمہ و تفسیر قرآن سے وہ قرآن کو بآسانی سمجھ لیتی ہیں ۔ اور ان کے بچے بھی اسکو پڑھنا پسند کرتے ہیں اور یہ بھی کہ اس میں دیگر مفسروں کے خیالات بھی دیئے ہوتے ہیں تاکہ پڑھنے والا خود موازنہ کرلے ۔ اسی طرح ان کی دیگر کتب بھی مقبول ہیں خاص کر بیرونی ممالک میں ۔

طبیعت میں حد درجہ کی میانہ روی تھی ۔ جذبات کے اظہار میں کبھی افراط و تفریط کا پہلو نہیں لیا ۔ اپنے دوست احباب سے بے حد محبت تھی لیکن اظہار نہایت سنجیدہ تھا کھینچ کھینچ کر گلے لگانا یا دیگر ایسی حرکات کے عادی نہ تھے ۔ اظہار میں چھچھورپن یا زبانی جمع خرچ نہ تھا لیکن اپنی نیم شبی دعاؤں میں سب کو یاد رکھتے تھے ۔ زندگی کے ہر پہلو میں وہ میانہ روی پر تھے اور یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس پر وہ تمام عمر عمل پیرا رہے ۔ کیا گھر والے اور کیا باہر والے سبھی یہ سمجھتے تھے کہ اباجی ان کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں اور سب کے دکھ درد میں شریک تھے ۔ یہ ان کا خلق عظیم تھا ۔ ورنہ آجکل فی زمانہ بیشتر تعلقات اور معاملات خاص حالات کے تحت ہوتے ہیں ۔ اور تعلقات میں انفرادی تفریق بے شمار طریقوں سے ظاہر ہوتی ہے ۔

انسان کی کمزوریوں سے سب سے زیادہ اس کے گھر والے واقف ہوتے ہیں ۔ شوہر و بیوی ایک دوسرے کے رازداں ہوتے ہیں ۔ دیکھئے اس سلسلہ میں ان کی رفیقۂ حیات کیا لکھتی ہیں ۔

" اپنی ازدواجی زندگی کے اولین ایام میں جس چیز نے میرے دل پر سب سے زیادہ اثر کیا وہ اپنے شوہر کی نیکی اور محبت تھی ۔ وہ مجسم اخلاق تھے اور دن بدن ان کی گھریلو شخصیت نمایاں ہوتی چلی گئی ۔ وہ علم کے شیدائی تھے اور سب سے پہلے انہوں نے مجھے قرآن کا ترجمہ و تفسیر پڑھانی شروع کی ۔ ۔ "

پھر ایک جگہ لکھتی ہیں :-

" اس زمانے میں کہ وہ قرآن کریم کے ترجمے کا معرکۃ الآراء کام کر رہے تھے عربی و انگریزی کی متعدد دقیق و ضخیم کتب زیر مطالعہ تھیں ساتھ ہی ساتھ اردو ترجمہ بھی زیر قلم تھا سلسلے کے کام جدا تھے ۔ درس قرآن مجید بھی دیتے تھے اکثر راتوں کو بیٹھ کر کام کیا کرتے تھے مگر باوجود اس قدر مصروفیت و انہماک کے وہ گھریلو کاموں میں بھی میرا ہاتھ بٹاتے تھے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ پچھلی رات نماز تہجد میں مصروف ہیں کہ کسی بچے کے رونے کی آواز سنی ۔ سلام پھیر کر آ گئے ۔ بچے کے لئے دودھ گرم کرکے دیا یا کوئی اور کام کر دیا اور اسی وقت جاکر پھر یادِ الٰہی میں مشغول ہوگئے ۔ اکتالیس سال کے طویل عرصہ میں ایک بار بھی انہوں نے کسی قسم کی بدسلوکی یا معمولی سی بھی سخت کلامی نہ کی ۔ اگر کبھی کوئی غلطی مجھ سے ہوجاتی تھی تو نہایت نرمی سے سمجھا دیتے ۔ مقدور بھر مجھے آرام و آسائش پہنچانے کی کوشش کی اور میری ذرا سی تکلیف سے بے چین ہوجاتے تھے ۔ ان کی محبت و نفرت لِلّٰہ فی اللہ خدا

کے لئے تھے اور وہ نبی کریم صلعم کی اس حدیث کی زندہ تصویر تھے کہ خیرکم خیرکم لاھلہ پھر ایک جگہ لکھتی ہیں۔

"میرے متعلق ان کے خیالات اول سے لے کر آخر تک ایسے رہے کہ اگر میرا رواں رواں بھی خداوند کریم کا شکر یہ ادا کرے تو بھی کم ہے میں اپنی بے بضاعتی اور ان کی ہر پہلو سے مکمل ہستی کو دیکھتی تو بارگاہِ الٰہی میں سجدۂ شکر بجا لاتی کہ اس نے مجھے ایسا شوہر عطا کیا ہے۔"

نومبر ۱۹۴۹ء کی بات ہے کہ اباجی انجمن کے کسی کام کے لئے کراچی تشریف لے گئے اور اس اثناء میں اماں جی سخت بیمار ہو گئیں تو انہوں نے اباجی کو خط لکھا:

"مجھے یہ فکر اکثر رہتا ہے کہ آپ نے تو اس قدر خدمت اسلام کی اور اتنی عبادت بجا لائے۔ بارگاہِ خداوندی میں آپ کا درجہ بہت اعلیٰ و ارفع ہو گا اور جنت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کوئی بہت ہی بلند مقام رکھا ہو گا مگر میں تو بہت ہی کمزور و گنہگار ہوں۔ اگرچہ مولا کریم کی رحمت سے امیدوار ہوں تاہم آپ کی برابری نہیں ہو سکتی اس لئے دوسری ابدی زندگی میں ہم کہاں ایک ساتھ رہ سکیں گے۔"

تو اباجی نے ان کو تسلی کا خط لکھا جس کے چند فقرے یہ ہیں:۔

"جس خدا نے مجھے اس دنیا میں آپ جیسی نعمت عطا فرمائی۔ یقین رکھئے وہ آخرت میں اس نعمت سے مجھے کبھی محروم نہیں رکھے گا۔ آپ کا ساتھ میری زندگی کا جزو ہے اور خدا تو بڑا مہربان ہے۔ وہ وہاں بھی مہربان ہو گا۔ اور اس ہمیشگی کی زندگی میں مجھے آپ کا ساتھ اور آپ کو میرے ساتھ رکھے گا۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔"

یقیناً خدا نے اباجی کی دعا سنی اور قبول کی ہو گی۔ کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ہم چھوٹے چھوٹے بچے تھے تو اماں جی کھانا برتایا کرتی تھیں اور اباجی انتظار میں رہتے تھے کہ کب وہ فارغ ہوں تو کھانا شروع کریں اور پھر دونوں ایک پلیٹ میں سے کھانا کھاتے تھے۔ دنیا کا رزق انہوں نے اس طرح اکٹھا کھایا تو یہ دونوں پاک ہستیاں وہاں بھی اللہ تعالیٰ کے روحانی رزق اور نعمتوں سے اکٹھی محظوظ ہو رہی ہوں گی۔ آمین!

اباجی کی کن کن صفات کو گنواؤں۔ مہمان نوازی میں بھی بے مثال تھے گھر آئے ہوئے مہمان کا ہر طرح خود بھی خیال رکھتے تھے اور بچوں والی مہمان بی بی کے متعلق تاکید فرماتے تھے کہ ان کے کمرے رات کو دودھ وغیرہ رکھا جائے تاکہ وقت بے وقت تکلیف نہ ہو۔

ان کی مہمان نوازی کی بے شمار مثالوں میں سے صرف ایک درج کرتی ہوں جو ملک فضل الٰہی صاحب مہتمم مہمان خانہ احمدیہ بلڈنگس نے تحریر کی۔

"پھر ایک دفعہ ڈلہوزی جانے کا اتفاق ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ڈلہوزی پہنچے تو وہاں بارش ہو رہی تھی اور کافی سردی تھی۔ ہم لوگ ٹھنڈے کپڑوں میں تھے۔ راستہ پوچھتے پوچھتے حضرت مولانا کے بنگلے پر پہنچے اور باورچی خانے کا رخ کیا کہ آگ سینک لیں۔ مولانا صاحب کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے بلوایا اور تعجب کا اظہار کیا۔ کہ اتنی ٹھنڈ میں سوتی کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ پھر ہمیں ایک کمرے میں ٹھہرایا پانچ منٹ میں خود چائے کی ٹرے ہاتھ میں لئے ہوئے آ گئے کہ ابھی چائے پی کر گرم ہو جائیں کھانا بعد میں کھائیے گا۔ ہم دونوں چائے پیتے رہے کہ مولانا صاحب پھر دوبارہ تشریف لائے۔ دو کمبل اور خشک کپڑے اٹھائے ہوئے تھے اور ایک نوکر سلگتی انگیٹھی لئے آ رہا تھا۔ بعد میں سب نے اکٹھے کھانا کھایا وہ قادیانی صاحب بڑے حیران تھے اور بعد میں کہتے تھے کہ اللہ اللہ یہ امیر قوم ہیں ایک معمولی سے آدمی کی اتنی آؤ بھگت ہو رہی ہے جیسے کوئی بڑا آدمی آ گیا ۔ ۔ ۔"

اسوقت جماعت کے سیکرٹری مولوی احمد یار صاحب مرحوم کے الفاظ ہیں:۔

"دفتر کے ہر کارکن کو وہ اپنے عزیزوں کی طرح سمجھتے تھے اگر کوئی بیمار ہوتا تو اسکی بیمارپرسی فرماتے تھے۔ اگر کوئی مالی تکلیف ہوتی تو اس کے ازالے کے لئے ہر ممکن سعی فرماتے ۔ ۔ ۔ جماعت کے ہر فرد کے لئے ان کے دل میں درد تھا۔ جب کوئی دوست کسی درد میں مبتلا ہوتا تو اس کے لئے دعا فرماتے اور پھر دریافت کرتے رہتے کہ اس کا کیا حال ہے۔" انہی کے الفاظ میں اپنے امیر کے متعلق کچھ اور سنئیے:

"باوجود عظیم المرتبت شخصیت ہونے کے عجز و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کبر و نخوت تکبر اور بڑائی کا شمہ تک آپ میں نہ تھا۔ ہر چھوٹے بڑے امیر و غریب سے یکساں طور پر پیش آتے تھے۔ آپکو ہر اس آدمی سے محبت تھی جو اسلام کا عاشق اور دین کا خادم ہو۔ غیبت اور شکوہ شکایت کرنے کی آپکو قطعاً عادت نہ تھی بسا اوقات لوگ آپکے سامنے یہ ذکر کرتے کہ فلاں آدمی آپکے متعلق یہ کہتا ہے تو آپ صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ اس کے لئے دعا کریں کہ خدا اسے اس بری عادت سے ہٹا کر نیکی کے راستے پر لگا دے۔"

اباجی کی زندگی میں ایسے بے شمار سبق ہیں۔ اباجی کی اولاد یہ جماعت ہے اور وہ ایک گرانقدر اثاثہ جو ان کا لٹریچر ہے چھوڑ گئے ہیں۔ اسکی حفاظت ہمارا اولین فرض ہے اور اس روشنی کا دنیا میں پہنچانا۔ وہ ایک خیر کثیر ہے جس کے ختم ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا لیکن فکر کی بات یہ ہے کہ ہم لوگ کتنا فائدہ حاصل کرتے ہیں اور بحیثیت جماعت اسکے جوابدہ ہیں۔ سب ہی کا دل چاہتا ہو گا کہ ان کی یاد کو خراج عقیدت پیش کریں تو بہترین خراجِ عقیدت یہی ہے کہ اس جماعت کو مضبوط بنائیں اور ان روایات کو زندہ رکھیں جن کا وقت کو تقاضا ہے۔ اپنی امارت کی قدر کریں اور اطاعت کریں جن کے کندھوں پر اس جماعت کی زندگی کا انحصار ہے دنیاوی اور ذاتی اغراض سے بالاتر ہو کر صرف دین کی خدمت کو ملحوظِ خاطر رکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری کسی کوتاہی یا بے راہ روی سے اس جماعت کو کوئی نقصان پہنچے۔ جس کو محمد علی نے اپنے خون سے اور اپنے رفقائے کار کی معاونت سے سینچا تھا۔ اسوقت اسکی یہ پیاری جماعت اندرونی و بیرونی خطرے کی گہرائیوں سے دوچار ہے تو آئیے مسیح موعود کی بیعت کو تازہ کریں اور جماعت کی بقاء کے لئے پوری کوشش کریں تاکہ ہم اللہ کی کسی گرفت میں نہ آ جائیں۔ کیونکہ دین کے ساتھ اللہ تعالیٰ ادنیٰ مذاق برداشت نہیں کرے گا۔ راتوں کو خدا کے حضور گڑگڑائیں جس طرح محمد علی نے کر کے دکھایا اور جماعت کے ہر فرد کو تاکید کرتا رہا کہ ہم صرف دین کے طالب ہیں۔ اور اسکی اشاعت کر کے اسکی نصرت کے حقدار بننے کے لائق ہوں۔ آمین ثم آمین! اللہ ہمیں توفیق دے۔

دین و دنیا میں ترقی کیلئے اپنے اندر قربانی کا جذبہ زندہ رکھنے کی ضرورت ہے

دین کی سربلندی کے لئے اپنے نفس، جان اور مال کی قربانی ضروری ہے

آج کا دن ہمیں اسی کی یاد دلاتا ہے

خطبہ عید الضحیٰ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۸۳ء - فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز، بمقام دار السعید ایبٹ آباد

تشہد و تعوذ اور سورۃ البلد کی گیارہویں آیت فلا اقتحم العقبۃ تک تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس سورت کی پہلی چار آیات "لا اقسم بھٰذا البلد وانت حِلٌّ بھٰذا البلد۔ ووالدٍ وما ولد۔ لقد خلقنا الانسان فی کبد" ہیں اللہ تعالیٰ نے آج کی اس یادگار تقریب کی ساری حقیقت اور تاریخ بیان فرمائی ہے۔ ہم گویا یہ تقریب ہر سال مناتے ہیں۔ اس کے متعلق آپ سال ہا سال سے خطبات سنتے آئے ہیں جن میں ایک ہی نقشے کو بار بار دہرایا جاتا ہے کسی بات کو بار بار دہرانے کا مقصد اسے یاد دلانا اور دل و دماغ کے اندر راسخ کرنا ہوتا ہے تاکہ اس کے اندر جو سبق اور روح پنہاں ہے اس سے انسان غافل ہو کر اپنی زندگی کے اصل مقصد سے ہٹ نہ جائے اور اس کے ساتھ کامیابی کے جو وعدے ہیں وہ پورے ہوں۔ فارسی کا ایک شعر بھی اس مفہوم کو اس طرح ادا کرتا ہے۔ ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

اگر تو اپنے سینے کے داغوں کو تازہ رکھنا چاہتا ہے تو ان سے متعلق واقعات کے قصے کو کبھی کبھی پھر پڑھ لیا کر۔ اس لئے اس کہانی کو بار بار سنایا جاتا ہے کہ ہمیں یہ سبق یاد رہے کہ انسان خواہ نبی اور رسول ہو یا ایک عام انسان بغیر محنت، مشقت اور قربانی کے کسی بلند مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

اس عظیم الشان تقریب کی تاریخ کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ لآ اقسم بھذا البلد۔ نہیں میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں یعنی اس شہر کی ساری تاریخ کو جب سے یہ وجود میں آیا ہے اور آج تک اس پر جو گذرتی رہی ہے۔ بطور گواہ پیش کرتا ہوں۔ یہ شہر مکہ کا عظیم شہر ہے جو آج دنیا کے چند دولت مند ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے قرآن کریم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کی پیدائش یہیں ہوئی اس کے قریب واقع جدہ کے شہر کو جدہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں نسل انسانی کی دادی بی بی حوا کی قبر ہے قرآن کریم میں ہے ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبرکا وھدًی للعٰلمین۔ "پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا یقیناً وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ وہ بابرکت ہے اور اس میں لوگوں کے لئے ہدایت ہے"۔ مکہ کا یہ شہر زمانے کے نشیب و فراز اور انقلابات کی وجہ سے اجڑتا اور بستا رہا یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ آ پہنچا جن کی تاریخ کی طرف اس سورۃ البلد کے الفاظ "ووالدٍ وما ولد" میں مختصراً اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے کہ میں اس عظیم باپ اور اس کے عظیم بیٹے کی زندگیوں کو بھی بطور گواہ پیش کر کے کہتا ہوں کہ لقد خلقنا الانسان فی کبد ہم نے انسان کو سخت ہی مشقت اور جان جوکھم میں پڑنے۔ کامیابی کی راہیں تلاش کرنے اور ترقی کی منزلیں طے کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی عظمت یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے "وابراھیم الذی وفّیٰ" کہہ کر آپ کی تعریف کی ہے۔ اور ابراہیم جس نے وفا دکھلائی کیونکہ "واذا ابتلیٰ ابراھیم ربّہٗ بکلمٰت فاتمّھن جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند احکام سے آزمایا تو اس نے ان کو پورا کیا۔

خدا کی توحید کو قائم کرنے کے لئے آپ آگ میں پڑے۔ اپنے وطن عراق سے ہجرت کر کے مصر میں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں آپ کو حضرت اسماعیلؑ عطا کئے لیکن ساتھ ہی حکم ہوا کہ اپنی بیوی اور بچے کو ہمارے بیت المحرم میں چھوڑ آؤ۔ آپ لے کر چلے گئے اور فرمایا" ربنآ انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرعٍ عند بیتک المحرم۔ ہمارے رب۔ میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے پاس اس وادی میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں۔ نہ کھانے کا سامان ہے اور نہ پینے کا۔ یہ شہر مکہ اس وقت اجڑا ہوا تھا۔ یہ آپ کی بی بی ہاجرہ اور آپ کا شیر خوار بیٹا حضرت اسماعیلؑ ہیں۔ یہ سارا گھرانہ ہی قربانیوں اور وفاداریوں کا مجسمہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جب واپس جانے لگتے ہیں تو بی بی ہاجرہ پوچھتی ہیں آپ ہمیں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں۔ یہ ایک فطرتی بات ہے ویران و سنسان وادی نہ آدم نہ زاد اور نہ کوئی کھانے پینے کا سامان لیکن جب حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں کہ اللہ کے حوالے کر کے جاتا ہوں تو حضرت ہاجرہ فرماتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کریگا۔ بچے کو پیاس لگتی ہے تو پانی کی تلاش میں آپ صفا اور مروہ کے درمیان بے تابی سے سات چکر لگاتی ہیں اور مایوس ہو کر جب واپس آتی ہیں تو بچے کی ایڑیاں رگڑنے کی جگہ سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑتا ہے جو ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی نہ کبھی خشک ہوا اور نہ اس میں پانی کی کمی واقع ہوئی۔

ہر سال لاکھوں لوگ پینے اور برتن بھر بھر کر اپنے ساتھ اپنے وطن تحفہ کے طور پر لے جاتے ہیں لیکن اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ یہ بھی ایک قربانی کا صلہ ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اس کے ساتھ ہی یہ فرمایا تھا اور دعا کی تھی "ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون (ابراہیم، ۳۷) تیرے حکم سے انہیں یہاں بسانے کی غرض یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم کریں اور تیری رضا حاصل کریں۔ کوئی دنیوی غرض اور مفاد مدنظر نہیں سو تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے رزق دے۔" اللہ تعالےٰ نے فرمایا "واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق"۔ لوگوں میں حج کے لئے پکار دے وہ تیری طرف آئیں گے۔ پیدل اور دبلی سواریوں پر جو ہر دور کے رستے سے آتی ہوں گی۔" آج یہ نظارہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ہستی پر انسان کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے کہ آج سے تقریباً پانچ ہزار سال قبل کی گئی دعا کو کیسی قبولیت حاصل ہوئی۔ لوگ پیدل، بسوں، بحری جہازوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے وہاں پہنچتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں جب اللہ تعالےٰ نے مجھے حج کی توفیق بخشی تو تین لاکھ مسلمانوں نے حج کیا تھا اور آج یہ تعداد دس لاکھ بتائی جاتی ہے۔ حج میں کیا کیفیت ہوتی ہے وہ زبان سے الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔ اس کا تعلق دل کے جذبات اور احساسات سے ہے جنہیں انسان خود ہی محسوس کر سکتا ہے۔ دوسرے کو کسی ذریعے سے منتقل نہیں کر سکتا۔ ایک ہی لباس میں ملبوس جو دو چادروں پر مشتمل ہوتا ہے لاکھوں انسانوں کی زبانوں پر یہ الفاظ ہوتے ہیں۔ لبیک اللھم لبیک۔ لا شریک لک لبیک۔ ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک۔ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اے اللہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ ساری تعریف اور سارا شکر تیرے لئے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ ساری وادیٔ مکہ ان الفاظ سے گونج اٹھتی ہے۔ وہاں رنگ نسل۔ آقا و غلام۔ محکوم۔ حکمران۔ امیر غریب اور زبان کی ساری تفریقات مٹ جاتی ہیں اور وحدت و مساواتِ نسلِ انسانی کا عجیب منظر آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

حضرت ہاجرہ کے سات پھیروں کو بطور یادگار آنے والی نسلوں کی خاطر صفا اور مروہ کو ایک نشان اور سے حج کے ارکان میں شامل کر دیا کہ ہر حاجی ان دو ٹیلوں کے درمیان سات مرتبہ دوڑے۔ قرآن کریم نے اس کے متعلق فرمایا ہے ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما ومن تطوع خیراً فان اللہ شاکر علیم۔ صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں میں سے ہیں۔ پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے اور جو کوئی شوق سے نیکی کرتا ہے تو اللہ بڑا قدردان جاننے والا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ کے اضطراب اور بےتابی سے ادھر ادھر بھاگنے کی کس قدر قدر افزائی کی ہے کہ صفا اور مروہ کو اپنی نشانیاں بنا دیا ہے۔ یہ وہ MONUMENTS ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانی کی یاد میں قائم کر رکھی ہیں۔

ایک سب سے بڑی اور کڑی آزمائش جس پر پورا اترنا ایک عام انسان کے لئے قریباً قریباً ناممکن ہے اور جو حضرت ابراہیم کو پیش آئی اس کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے فبشرنٰہ بغلٰم حلیم۔ فلما بلغ معہ السعی قال یٰبنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ۔ قال یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصٰبرین۔ فلما اسلما وتلہ للجبین۔ ونادینٰہ ان یا ابراھیم۔ قد صدقت الرؤیا انا کذالک نجزی المحسنین۔"

اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں حضرت ابراہیم کو حضرت اسماعیل جیسا بردبار بیٹا عنایت کیا۔ سو جب وہ اس کے ساتھ ادھر ادھر دوڑنے بھاگنے اور کام کاج کی عمر کو پہنچا تو حضرت ابراہیم نے اس سے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا اے میرے باپ جو کچھ تجھے حکم دیا جاتا ہے کر۔ تو مجھے انشاء اللہ صبر کرنیوالوں میں پائے گا۔ سو جب دونوں نے حکم مانا اور اسے (حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو) ماتھے کے بل لٹایا اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

خدا کے رسولوں اور ماموروں کو اپنے خوابوں کی سچائی پر بھی یقین ہوتا ہے اور رؤیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ملے اس پر عمل کرتے ہیں حضرت ابراہیم نے اپنے خواب کی بات کو سچ کر دکھایا۔ یہ باپ کتنا عظیم ہے اور یہ بیٹا بھی کتنا عظیم ہے۔ باپ بیٹے کے گلے پر چھری رکھنے کو تیار ہو جاتا ہے اور بیٹا خدا کے حکم کے سامنے اپنی گردن رکھ دیتا ہے۔ ان دونوں کی اس فرمانبرداری اور قربانی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے وہ قابلِ غور ہے۔" وفدینٰہ بذبحٍ عظیم۔ وترکنا علیہ فی الاٰخرین۔ سلٰم علیٰ ابراھیم اور ہم نے ایک بھاری قربانی اس کا فدیہ دیا اور ہم نے پچھلے لوگوں میں اس کا ذکر (خیر) باقی رکھا۔ ابراہیم پر سلام ہو۔ حضرت اسماعیل کی قربانی کے دن سے پہلے دنیا کی قوموں میں اپنے دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے نوجوان خوبصورت لڑکوں اور لڑکیوں کی قربانی کا رواج چلا آرہا تھا۔ اس دن کے بعد یہ رواج ختم ہو گیا۔ اور جانوروں کی قربانی دی جانے لگی۔ آج حج کے موقعہ پر اور باقی دنیا میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں اس دن کی یاد میں کروڑوں جانور ذبح کئے جائیں گے لیکن اس قربانی کا مقصد جانور ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا نہیں اور تقسیم کرنا ہی نہیں اس کی تہ میں ایک روح اور فلسفہ پنہاں ہے اور وہ کیا ہے۔ لن ینال اللہ لحومھا ولا دمآؤھا ولکن ینالہ التقوٰی منکم۔" اللہ کو تمہاری ان قربانیوں کے نہ گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون لیکن اسے تمہاری طرف سے تقوٰی پہنچتا ہے۔ اور یہ تقوٰی کا مقام اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی طرح انسان اپنے آپ کو کلیتًا اللہ تعالےٰ کے سپرد نہ کر دے۔ جانور کے گلے پر چھری پھیرنا ایک ظاہر صورت ہے اس بات کی کہ انسان اپنے اندر کے حیوان کے گلے پر چھری پھیرے۔ اور یہ حیوان نفسِ امّارہ یا وہ ادنیٰ اور گری

ہوئی خواہشات ہیں جو انسان کو ہر لحظہ مغلوب کرکے فکر میں لگی رہتی ہیں۔ جب تک ان خواہشات کا خون نہ بہایا جائے اس وقت تک سلم علیٰ ابراھیم کی بشارت سنائی نہیں جا سکتی۔ انسان اللہ کی پناہ اور سلامتی میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن سلامتی کا یہ مقام بڑی مشکلات۔ مصائب۔ آزمائشوں اور امتحانوں میں سے گذرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ فرمایا ہے کہ لقد خلقنا الانسان فی کبد یقیناً ہم نے انسان کو مشقت کے لئے پیدا کیا ہے۔ دنیا میں بھی انسان محنت اور مشقت اٹھا کر اور امتحانوں میں سے گذر کر ہی کسی اعلیٰ مقام کو پہنچتا ہے۔ یہی قانون روحانی دنیا میں بھی کارفرما ہے۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوتا جس کا مفہوم قربانی کے لفظ میں موجود ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کو قربانی کا صرف یہی صلہ نہیں ملا کہ انسانوں کی قربانی موقوف ہو گئی اور جانوروں کی قربانی دی جانے لگی بلکہ آپ کو اس سے کہیں بڑھ کر یہ اجر ملا کہ آپ ابوالانبیاء ہوئے۔ آپ کی نسل میں سے بے شمار انبیاء پیدا ہوئے اور حضرت اسماعیلؑ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے گردن نہاد ہونے کا یہ اجر ملا کہ آپ کی نسل سے انسانیت کے سب سے بڑے محسن اور رحمۃ للعلمین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے جن پر سارے کمالات نبوت ختم ہو گئے اور آپ خاتم الانبیاء ٹھہرے۔ دوسرے بے شمار نبی حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسحٰق کی اولاد میں سے تھے اور حضور نبی کریم صلعم آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت نبی کریم صلعم فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا کا پھل ہوں۔ اور وہ دعا یہ تھی۔

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم ؕ انک انت العزیز الحکیم۔

”اے ہمارے رب! اور ان میں انہی میں سے ایک رسول اٹھا جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے تو غالب حکمت والا ہے۔“

اور یہ دعا اس وقت کی ہے:-

”اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ؕ ربنا تقبل منا ؕ انک انت السمیع العلیم۔“

جب ابراہیمؑ گھر (خانہ کعبہ) کی بنیادیں اٹھاتا تھا اور (اس کے ساتھ اسماعیلؑ بھی) اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما۔ تو سننے والا جاننے والا ہے۔“

اس دعا کی قبولیت کے نتیجے میں رسول صلعم تشریف لائے۔ انہوں نے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھیں انہیں کتاب و حکمت بھی سکھائی اور انہیں پاک بنا دیا۔ علم و معرفت کے وہ چشمے بہائے کہ قیامت تک نسلِ انسانی ان سے سیراب ہوتی رہے گی۔ (اس بے پایاں علم و معرفت کے سمندر کی تعریف میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:-

این چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرۂ زبحرِ کمالِ محمدؐ است

علم و معرفت کا یہ چشمہ جو میں اس زمانے میں لوگوں کے لئے بہا رہا ہوں یہ تو محمدؐ کے کمالات کے سمندر میں سے ایک قطرہ کے برابر ہے۔ مرتب)۔

یہ وہ شہادت ہے جو مکہ اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی پیش کر کے فرمایا گیا۔ لقد خلقنا الانسان فی کبد۔ ہم نے انسان کو مشقت کے لئے پیدا کیا ہے۔ آپؐ کو جو مشقتیں اٹھانی پڑیں ان کو ان مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وانت حلٌ بھذا البلد

یہ مکہ وہ شہر ہے جو حرمت والا ہے۔ اس کی ہر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز حرمت والی ہے۔ یہاں کے کیڑے مکوڑوں حتیٰ کہ گھاس کے تنکے تک کو نقصان نہیں پہنچایا جاتا۔ یہ امن والا شہر ہے یہاں کی ہر چیز کو اس کی حالت پر محفوظ رکھنے کا حکم ہے۔ لیکن تیرے لئے یہاں کے ظالموں نے یہ حرمت ختم کر دی ہے۔ تجھ پر جو ظلم و ستم انہوں نے ڈھائے ہیں اور ڈھا رہے ہیں ان کا کوئی شمار نہیں۔ ان مظالم اور ایذاؤں کی انتہا یہ ہے کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے وطن مکہ سے ہجرت کرنا پڑی۔ جاتے وقت حضور صلعم نے مکہ کی طرف مڑ کر دیکھا اور فرمایا مکہ تو مجھے بہت عزیز ہے لیکن تیرے رہنے والے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب مظالم کو دیکھ رہا تھا اور ان کے نتیجے میں جو کچھ ہونا تھا اسے بھی جانتا تھا۔ والد وما ولد کہہ کر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے واقعات کی طرف توجہ دلائی کہ دیکھیں آپ کے ان دو بزرگوں کو کن کن آزمائشوں میں سے گذرنا پڑا۔ اور کتنی قربانیاں دینا پڑی ہیں۔ ان تمام میں سے کامیابی کے ساتھ گذر جانے کے بعد انہیں جو مقام حاصل ہوا وہ بھی آپؐ کے سامنے ہے۔ یہ مظالم، یہ ستم یہ ایذائیں اور یہ صعوبتیں کامیابی کا زینہ ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جو مقام حاصل ہوا وہ کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ وہی شہر مکہ جس سے آپ کو نکالا گیا اس میں آپ بطور فاتح داخل ہوئے اور سب ظالموں کو معاف کر دیا۔ اور آپ کی روحانی فتوحات کی تو کوئی انتہا نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں سے اگر انبیاء پیدا ہوئے تو آپؐ کی روحانی اولاد میں سے مجددین کا سلسلہ چلا جن کے متعلق آپؐ نے فرمایا ہے:-

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

قربانی ایک ہی قسم کی نہیں ہوتی۔ ہر وہ کوشش جو مقرب الٰہی بننے کے لئے کی جائے وہ قربانی ہے خواہ وہ جان و مال کی ہو۔ اولاد اور عزت کی ہو اور خدا کے دین کے لئے اپنے وقت اور علم کی ہو۔ یا مخلوقِ خدا کی بھلائی کے لئے کسی اور قسم کی کوشش ہو۔ قربانی کے اس جذبہ کو ہمیں اپنے دلوں میں زندہ رکھنا چاہیئے۔

ایک اور بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمیں حج سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ہمیں اس سے شکستہ خاطر اور دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت نبی کریم صلعم پر بھی حج بند کر دیا گیا تھا لیکن آخر آپ نے مکہ فتح کر لیا۔ ان لوگوں کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے روکتے ہیں اور سب سے پہلی مسجد کعبہ ہے ان کے متعلق قرآن کریم میں ہے:۔

" ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا ۔۔۔ لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم "

" اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے۔ کہ ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے ۔۔۔۔۔۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ "

یہ ان لوگوں کی خدا سے جنگ اور ہمارے لئے امتحان ہے جس کے لئے ہمیں استعینوا بالصبر والصلوٰۃ کے حکم خداوندی کے مطابق صبر اور نماز کے ذریعے اس سے مدد طلب کرنی چاہیئے اور یہ دُعا مانگنی چاہیئے کہ ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظٰلمین۔ اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہماری حفاظت فرما۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قربانی کی اصل روح کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

* * *

مکرم و محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجلس منتظمہ کے اجلاس مورخہ ۸۳-۱۰-۷ میں سب سے پہلے محترم مرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات پر مجلس منتظمہ نے مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس کیا۔

مجلس منتظمہ کا یہ اجلاس جناب مرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے مرحوم انجمن کے نہایت سرگرم رکن اور بے شمار صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انہوں نے مختلف حیثیتوں سے انجمن کی گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ ان کا وجود انجمن کے لئے بڑی تقویت کا موجب تھا۔ ان کی وفات سے انجمن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

یہ اجلاس اللہ تعالیٰ کے حضور مرحوم کی مغفرت اور بلندئ درجات کے لئے دست بدعا ہے اور ان کے اہل و عیال اور جملہ لواحقین سے اس عظیم سانحہ پر دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

شریک غم

جنرل سیکرٹری

از حضرت مولانا محمد علی رحؒ

ہمارے دو کام

ہماری جماعت کے سامنے دو کام ہیں ایک کام ہے مسلمانوں کو اخلاقی رنگ میں درست کرنا ان کو قرآن کا عامل بنانا جیسے حضرت مسیح موعودؑ کا الہام ہے۔

چو دور خسروی آغاز کردند + مسلماں را مسلماں باز کردند

یہ تو خدا نے آپ کے سامنے ایک کام رکھا ہے وہ مسلمان ہیں لیکن ان کو صحیح معنوں میں مسلمان کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرا کام ہے غیر مسلموں میں قرآن کا پہنچانا۔ ان کو محمد رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا گرویدہ بنانا۔

یہ دو کام آپ کے سامنے ہیں۔ لیکن میں آپ کو صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ صرف لفظوں سے آپ ان کاموں کو نہیں کر سکتے صرف لیکچروں سے سرانجام نہیں دے سکتے صرف تصنیف و تالیف سے نہیں کر سکتے۔ صرف تعلیم و تدریس سے نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمارے اندر رسول صلعم کے اخلاق کا نمونہ نظر آنا چاہیئے۔ وہ جماعت جو مسلمانوں کو مسلمان بنانے یا غیر مسلموں کو اسلام پہنچانے کے لئے کھڑی ہوتی ہے اسکو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ان دونوں کاموں کو نہیں کر سکتی اگر محمد رسول اللہ صلعم کا نمونہ ان کے اندر پیدا نہیں ہوتا۔ فرداً فرداً ایسے نمونے اب بھی ہوں گے احمدیوں میں بھی ہونگے غیر احمدیوں میں بھی ہونگے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک جماعت اس رنگ میں رنگی ہوئی ہو۔

حضرت امیر مرحوم کا پیغام نوجوانوں کے نام

" جماعت کے نوجوانوں میں بیداری کے یہ آثار جو جگہ جگہ نظر آتے ہیں ہمارے لئے نہایت ہی حوصلہ افزا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ جماعت لاہور کے نوجوانوں کے اندر اپنی ذمہ داریوں کا ایک زبردست احساس پیدا ہو رہا ہے۔ خدمت دین کی ایک عظیم الشان عمارت اس وقت تیار ہو چکی ہے اور ہم سب کو اس کی فکر کرنی چاہیئے کہ ہماری نئی نسل میں وہ جذبہ موجود ہے اور علم دین حاصل کرنے کی تڑپ موجود ہے کہ وہ اس عمارت کو ہمارے بعد سنبھال سکے بلکہ اسکو ترقی دے سکے۔ اگر نہیں تو ہر جگہ جماعت کو سب سے پہلے اسکو پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے اور اگر ہے تو اسکو صحیح راہ پر لگانے اور نوجوانوں کی ہمت افزائی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہر جگہ جماعت کے بزرگوں میں یہ احساس ہونا چاہیئے کہ وہ کتنا ہی خدمت دین کا کام کر لیں لیکن اگر انہوں نے یہی احساس نئی نسل کے اندر پیدا نہیں کیا تو ان کا کام ان کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا "

(۱۶-۱۰-اکتوبر ۱۹۴۳ء)

از ماسٹر محمد عبداللہ صاحب آف امریکہ

قصر امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کا ترجمان "رسالہ اشاعت الحق"، جس کے اڈیٹر اور پبلشر جناب محبوب عالم خاں صاحب ہیں۔ ہر ماہ سرینگر کشمیر سے باقاعدہ شائع ہوتا ہے۔ یہ رسالہ گذشتہ دو سال سے خاکسار کے پاس بھی آتا ہے اڈیٹر کے دلچسپ اور سلجھے ہوئے مضامین میری خاص دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں۔

اسی رسالہ کے ایک شمارہ میں بستی دارالسلام لاہور کے بارے میں ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں "قصر امیر" کا ذکر بھی آیا ہے جسکو بہت سراہا گیا ہے۔ اس کو پڑھ کر مجھے ربوہ (مرکز احمدیہ جماعت ربوہ) میں میری ایک بزرگ سے ملاقات کا واقعہ یاد آگیا جو ۱۹۷۶ء میں جبکہ مجھے ربوہ جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ ہوئی تھی۔ امید ہے اس کا ذکر قارئین پیغام صلح کے لئے باعث دلچسپی ہوگا۔

ربوہ بس سے اترتے ہی میری ملاقات ایک سفید ریش بزرگ سے ہوگئی۔ سلام علیک اور مختصر تعارف کے بعد اس بزرگ نے قصر خلافت کے دیکھنے کی دعوت دی خاکسار نے فوراً جواب دیا "جناب میں امریکہ سے آیا ہوں جہاں ہر جانب شاندار عمارتیں نظر آتی ہیں۔ میں یہاں آپ کی جماعت کے بزرگوں کی ملاقات کے لئے آیا ہوں نہ کہ عمارات کو دیکھنے کے لئے۔" اسکے بعد وہ بزرگ مجھے سیکریٹری صاحب کے دفتر میں لے گئے اور سیکریٹری صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ "قصر خلافت" کا دو لفظی جملہ میرے دل و دماغ پر ایسا ذہن نشین ہوگیا ہے کہ جب تقریباً پانچ سال کے بعد مجھے اشاعت الحق کے مضمون "دارالسلام" پڑھنے کا موقعہ نصیب ہوا تو پرانی یاد تازہ ہوگئی اور یہ خیال دامنگیر ہوا کہ یا تو اڈیٹر صاحب اشاعت الحق نے ربوہ جاکر قصر خلافت کی زیارت کی ہے یا قصر خلافت کا ذکر ربوہ کے کسی اخبار میں پڑھا ہے۔

مجھے قصر خلافت کے اندرونی حصہ کو دیکھنے کا موقعہ نصیب نہ ہوسکا لیکن دور سے یہ عمارت دوسرے مکانوں کے مقابلہ میں ممتاز دکھائی دیتی ہے لیکن اس مکان کو جسے اشاعت الحق میں "قصر امیر" کے نام سے منسوب کیا گیا ہے اس میں مجھے قیام کرنے کا موقعہ بھی ملا ہے۔ یہ مکان پانچ چھ کمروں پر مشتمل ہے جن میں کچن ڈائیننگ روم بھی شامل ہیں اور اسی سائز کا مکان اس سے ملحقہ بستی کے سپرنٹنڈنٹ کے لئے ہے گویا کہ مکان کے لحاظ سے امیر جماعت اور سپرنٹنڈنٹ میں کوئی امتیاز پیدا نہ کرکے صحیح اسلامی تہذیب کا نمونہ پیش کیا گیا ہے

خداوند کریم کا شکر ہے کہ ہماری جماعت کے بزرگ اور سربراہ حضرت مولانا نورالدینؓ۔ حضرت مولانا محمد علیؒ، حضرت مولانا صدرالدین نے اپنی رہائش کے لئے انجمن سے کبھی عالیشان کوٹھیاں بنوانے کی خواہش ظاہر نہیں فرمائی۔ فقیرانہ زندگی اختیار کی۔ اور نمائش ظاہری شان و شوکت کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ یہی حالت موجودہ امیر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی ہے۔ اسی بستی دارالسلام میں عالیشان کوٹھیاں بن گئی ہیں اور بن رہی ہیں۔ آپ نے کبھی انجمن سے "امیر جماعت" کے لئے بڑی کوٹھی بنوانے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ جو مکان رہائش کے لئے مل گیا۔ اسی کو غنیمت خیال فرمایا۔ تعجب ہے کہ ہم دنیاوی کر و فر کے اسقدر متوالے ہوگئے ہیں کہ ہم اپنے روحانی پیشواؤں اور لیڈروں کی روحانیت کا اندازہ ان کی زندگی کے ظاہری کر و فر سے لگاتے ہیں اور خلفائے راشدین کے نمونہ کو بھول گئے ہیں۔ کہ ان کو خداوند کریم نے ایک وسیع سلطنت کا مالک بنا دیا تھا لیکن حالت یہ تھی کہ انہوں نے نہ تاج اور تخت بنوائے تھے اور نہ رہنے کے لئے قصر اور محل۔ بادشاہ ہوتے ہوئے انہوں نے فقیرانہ طرز زندگی اختیار کی۔

ایک امریکن فیملی کا نمونہ

تواضع ز گردن فرازاں نکوست ✦ گدا گر تواضع کند خوئے اوست

۲۷ اگست کو خاکسار کی پوتی اور عزیزی جلال الدین محمد اکبر کی بیٹی نبیلہ اکبر کی شادی خانہ آبادی جناب چوہدری رفیق احمد و بیگم رفیق احمد کے فرزند چوہدری اسرار احمد سے ہوئی۔ نکاح اور دعوت طعام کا بندوبست چیمپین محمد علی باکسر کی کوٹھی پر کیا گیا۔ چونکہ یہ کوٹھی جناب ہربرٹ (جابر) محمد کی تحویل میں تھی اور اس میں کوئی مکین نہ تھا اس لئے انہوں نے مناسب خیال کیا تھا کہ وہ اس کوٹھی کی صفائی خود ہی کرائیں چنانچہ ہمیں یہ معلوم کرکے حیرت ہوئی کہ اس چار منزلہ مکان کی صفائی کا کام بیگم ہربرٹ محمد نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور وہ اپنے بچوں کے ساتھ متواتر تین دن مکان کی صفائی میں مصروف رہیں اور تمام سونے کے کمروں کے بستر بچھونے کی درستی، غسل خانوں کی صفائی اور آراستگی کچن کی صفائی۔ ڈائننگ روم اور ہال کی آراستگی کافی محنت طلب کام تھا جو انہوں نے بخوشی کیا اور اسی میں اپنی عزت افزائی خیال کی۔ مسٹر ہربرٹ محمد کے اہل و عیال کی سادگی، سپرٹ اور خلوص کا اسقدر گہرا اثر میرے دل پر ہوا کہ خاکسار نے خطبہ نکاح پڑھنے سے پہلے تمہیدی طور پر مندرجہ بالا دو فارسی کے شعر پڑھے اور بتایا کہ مناسب ہوگا اگر مسٹر ہربرٹ محمد معہ اہل و عیال پاکستان جاکر وہاں کے امراء کو خدمت خلق کا سبق دیں اور اپنی سادگی کا نمونہ پیش کریں کیونکہ ہمارے ملک میں جھاڑو دینا۔ مکان کی صفائی کرنا خاکروب یا چمار کا کام تصور کیا جاتا ہے یہاں تک کہ درمیانی طبقہ کے مسلمان بھی اسے کسر شان خیال کرتے ہیں۔

<u>عید الاضحیٰ کی تقریب</u>:۔ عید الاضحیٰ امریکہ میں بروز شنبہ ۷ ستمبر منائی گئی۔ جماعت کی طرف سے نماز عید کا انتظام ایک مقامی ہال میں کیا گیا۔ خطبہ عید جناب چوہدری مسعود اختر بی اے ایل ایل بی نے پڑھا۔ اور نماز کی اقتدا بھی آپ ہی کی۔ عید کے بعد نمازیوں اور مہمانوں کی تواضع فواکہات چائے۔ کافی سے کی گئی۔ خطبہ میں امام نے ایک غیر مسلم خاتون کو خصوصاً اور دیگر نمازیوں کو عموماً مخاطب کرتے ہوئے حضرت اسمٰعیل کی قربانی۔ حضرت ابراہیم اور حضرت مسیح کی صدق گوئی پر روشنی قرآن کریم اور بائبل سے بخوبی ڈالی جس سے معلومات کا اضافہ خاص طور پر ہوا۔ غیر مسلم خاتون نے تو برملا کہہ دیا کہ اس کا تو شروع ہی سے بائیبل کے قصوں پر یقین نہیں ہے۔

* * * *

مرزا مسعود بیگ صاحبؒ کی وفات

ہماری جماعت کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ ہے

حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ

مرزا مسعود بیگ صاحب کی وفات حسرت آیات کی اندوہناک خبر سن کر مجھے بے حد دکھ ہوا اور صدمہ ہوا ہے جس کو الفاظ میں بیان کرنا میرے لئے ممکن نہیں میں اپنے دل کی کیفیت اور جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا کیونکہ مرزا صاحب کی وفات سے نہ صرف اُن کے عزیزوں رشتہ داروں اور دوستوں کو ہی ایک صدمۂ عظیم پہنچا ہے بلکہ یہ ہماری جماعت کے لئے بھی ایک بہت بڑا سانحہ اور ناقابلِ تلافی قومی نقصان ہے۔ اُن کے چلے جانے سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پُر ہونا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا ہاں اللہ تعالیٰ ہمارے اس نقصان کو پورا کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ ہم انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے سوا اور کر بھی کچھ نہیں سکتے۔ قضا و قدر کے فیصلے کے سامنے ہمیں اپنا سر جھکانا ہی پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوف، بھوک۔ اموال، جانوں اور ثمرات کے نقصان کے ذریعے آزماتا رہتا ہے۔ کہ کون اسکی راہ میں صدق دکھاتا ہے اور اس کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے جو اس کی طرف سے آنے والے ان امتحانات میں سے ثابت قدمی کے ساتھ گذرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ انا للہ وانا الیہ راجعون ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان الفاظ میں کہ:-

اولٰئك عليهم صلوٰت من ربهم ورحمة قف واولٰئك هم المهتدون

بڑی تسلی کا سامان ہے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے اور یہی وہ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔ زندگی کے متعلق قرآن کا بیان کردہ یہی ایک فلسفہ ہے جو انسان کے غم اور صدمہ کے بوجھ کو ہلکا کرتا اور اسے بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت مایوس نہیں ہونے دیتا۔ اپنے اوپر وارد ہونے والے اس حادثۂ عظیم میں ہمیں بھی قرآن کریم کے اس فلسفۂ حیات کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے سامنے سر جھکا کر صبر و استقامت اور دُعا سے کام لینا چاہئیے کہ وہی ہمارے زخموں پر مرہم لگائے۔ ہمیں اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے اور ہدایت پانے والوں میں شامل فرمائے۔

مرزا صاحب مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ میں انہیں ان کے بچپن سے جانتا تھا جب میں لاہور میں میڈیکل کالج کا طالبعلم تھا اور احمدیہ بلڈنگس میں میرا کثرت سے آنا جانا ہوتا تھا۔ حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحبؒ کی تربیت اور صحبت نے ان پر احمدیت کا گہرا رنگ چڑھا دیا تھا۔ احمدیہ بلڈنگس میں اس دور کی روحانی زندگی سے مرزا صاحب نے عملی اور علمی رنگ میں بھی بہت وافر حصہ لیا۔ اور آپ کا یہ رنگ آخر وقت تک قائم رہا۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طویل مدت تک آپ سے جماعت کی بیش بہا خدمات انجام دینے کا کام لیا۔ ایک مختصر مدت کے سوا جب آپ کو آپ کی تعلیم کے میدان میں قیمتی خدمات کے اعتراف کے طور پر گورنمنٹ سروس میں لے لیا گیا۔ آپ نے اپنی ساری زندگی مختلف حیثیتوں میں انجمن کی خدمت میں گذاری۔ آپ انجمن کے اسسٹنٹ سیکرٹری مسلم ہائی سکول ۱ اور ۲ کے یکے بعد دیگرے ہیڈ ماسٹر۔ افسر تعلیم جنرل سیکرٹری سیکرٹری فارن مشنز کمیٹی اور نائب صدر رہے۔ جو فرض بھی آپ کو سونپا گیا آپ نے باوجود اپنی بیماری کے اُسے نہایت خوبی اور محنت سے انجام دیا۔ بعض پیچیدہ معاملات بھی آپ کی بر وقت صائب رائے کی وجہ سے سلجھ جاتے۔ آپ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ کسی معاملہ میں اختلاف رائے رکھنے کے باوجود آپ نے کبھی دوسروں پر اپنی رائے ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی اور اکثریت کے فیصلے کے سامنے اپنی رائے کو کبھی اہمیت نہ دی۔

حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب مرحوم جو کام کرتے تھے اس کا کرنے والا اب مجھے اور کوئی نظر نہیں آتا۔

مرزا صاحب مرحوم ایک نہایت دردمند دل رکھنے والے انسان تھے وہ بہت رقیق القلب تھے۔ ہر کسی کے دُکھ اور مصیبت پر آپ رو پڑتے تھے۔ آپ کی رقت کا یہ عالم تھا کہ تقریر کے دوران میں اگر کسی بزرگ کا ذکر آ جاتا تو اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکتے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے اور آپ تھوڑی دیر خاموش رہ کر اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے۔ بعض اوقات تو روتے روتے ہی آپ اپنی تقریر ختم کرتے۔

آپ کی تحریر و تقریر میں بھی بڑا اثر ہوتا تھا۔ آپ کی تقریر اتنی موثر ہوتی تھی کہ سامعین پر جادو کا سا اثر ہو جاتا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ مرزا صاحب بولتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔ آپ کا طرزِ بیان منفرد تھا۔ اس کے پیچھے کسی قسم کا تصنع اور بناوٹ نہیں ہوتی تھی بلکہ خلوص اور درد ہوتا جس کا ہر ایک پر اثر ہوتا تھا۔ وہ اپنی تقریر کو بڑے بڑے الفاظ اور تراکیب استعمال کر کے لچھے دار بنانے کی کبھی کوشش نہیں کرتے تھے۔ سادہ اور عام فہم الفاظ میں دریا کی سی روانی ہوتی تھی۔

تاثیر کے لحاظ سے آپ کی تحریر آپ کی تقریر سے مختلف نہ تھی۔ "یادِ رفتگان" کے سلسلہ میں جس میں ہمارے گذرے ہوئے بزرگوں کے حالات زندگی اور احمدیت قبول کرنے کے واقعات ہیں مرزا صاحب نے ایک چھوٹی سی کتاب "آئینہ صدق و صفا" کے نام سے اپنے دو عظیم چچاؤں حضرت مرزا یعقوب بیگ" اور حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب رض کی سوانح عمری لکھی ہے۔ اس کتاب کے ہر لفظ میں انہوں نے اپنے دل کا سارا درد، پیار اور اخلاص سمو دیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے والا سخت سے سخت دل انسان کبھی روئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی تحریریں درد و سوز کا عنصر بڑا غالب تھا۔

اور زندگی میں آپ کے کردار کا یہ نمایاں پہلو تھا۔

مرزا صاحب ایک خاموش عالم تھے آپ نے کبھی اپنے علم کا چرچا نہ خود کیا آپ کو اردو۔ انگریزی اور عربی پر کافی عبور حاصل تھا۔ انگریزی اور اردو میں آپ کی تحریر بامحاورہ۔ سادہ اور سلجھی ہوئی ہوتی تھی۔ دفتری ڈرافٹنگ میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اس میں بہت کم کمی بیشی کی گنجائش ہوتی تھی۔ غرض اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو اپنے فضل و احسان سے اس رنگ میں بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔

گذشتہ نو دس سال مجھے مرزا صاحب مرحوم کے بہت قریب رہنے کا موقع ملا۔ انہوں نے میرا دست و بازو بن کر میرے ساتھ ہر طرح تعاون کیا۔ اور ہر کام میں میرا ہاتھ بٹایا خصوصاً دفتری خط و کتابت کا بوجھ زیادہ تر آپ کے کندھوں پر ہی پڑا رہتا جسے وہ بڑی خوش اسلوبی سے نمٹاتے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا ہے۔

اس سال ہمیں یکے بعد دیگرے بڑے صدمات برداشت کرنے پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا رحم فرمائے۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ مرزا صاحب کی روح پر اپنی رحمتوں اور مغفرت کی بارش نازل فرمائے اور اپنے مقرب بندوں میں داخل کرے۔ اور آپ کے پسماندگان کو یہ صدمہ صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان کا خاندان ہی ایک شفیق سرپرست سے محروم نہیں ہوا ساری جماعت ہی ایک بہت بڑے انسان سے محروم ہو گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس چھوٹی سی جماعت کے لئے یہ صدمات ناقابل برداشت ہیں ہمیں دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور اپنے اس مشن کو جاری رکھنے کے لئے اپنی جناب سے ہمارے لئے معاون اور مددگار پیدا فرمائے۔ آمین!

* * *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری کی موت! ہاں بے وقت موت کی خبر سن کر بڑا دکھ ہوا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

دماغ سوچنے سے عاجز ہے کہ کیا لکھوں کیا نہ لکھوں۔ مرحوم کی خوبیوں کی داستان چھیڑوں یا اپنی محرومیوں کا نوحہ۔

یہ سال ۱۹۸۳ء ہمارے لئے صبر آزما گذر رہا ہے اور ہم سے بعض ایسی ہستیاں چھین کر لے گیا ہے کہ بقول شاعر "خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں"۔ مرحوم مرزا صاحب قرآن کریم کی اس آیت کی عملی تفسیر تھے۔

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینهم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا امنا فاکتبنا مع الشٰھدین۔

اور جب اُسے سنتے ہیں کہ جو رسول کی طرف اتارا گیا تو تُو دیکھے گا کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ کہتے ہیں ہمارے رب ہم ایمان لائے سو تو ہم کو گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

وہ دل میں اترنے والی تقریر۔ وہ روحوں کو تڑپانے والا خطاب جاتے جاتے وہ نغمہ چھیڑ گیا کہ مدتوں یاد رہیگا۔ ۱۹۸۲ء کے جلسہ سالانہ پر سیرۃ نبویؐ پر خطاب مدتوں یاد رہیگا۔ کافی عرصہ تک ایمان کو تازہ کرتا رہے گا۔

حضرت امیر قوم! مجھے مرحوم مرزا صاحب کے لواحقین کا پتہ معلوم نہیں ہے آپ کو خط اس لئے لکھا ہے کہ آپ جماعت کے افراد کے روحانی باپ کے مقام پر ہیں۔ اور جو دکھ باپ کو اولاد کے بچھڑنے کا ہوتا ہے وہی آپکے دل میں احباب جماعت کے بچھڑنے کا ہے۔ اس وقت آپ سے زیادہ حزن و ملال اور کس کو ہوگا کہ جماعت کے ستون باری باری گرتے جا رہے ہیں۔ مرزا مسعود بیگ صاحب نے بھی جانے میں بہت جلدی کی جیسے کہہ رہے ہوں:

انشا جی اٹھو اب کوچ کرو۔ اس شہر میں جی کو لگانا کیا۔

مرزا صاحب! ہماری منزل بھی تو وہی ہے جس پر آپ پہنچ گئے۔ ہم بھی پہنچنے والے ہیں۔ گھڑی دو گھڑی آگے پیچھے ہو جاتے تو ہو جاتے۔ ہاں ہم جیسے لوگ مرنے کے بعد مر جاتے ہیں اور آپ جیسے لوگ موت کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق + ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(بقیہ کالم ملا پر)

بقیہ:-

زیادہ کیا لکھوں خداوند کریم مرحوم کو غریق رحمت کرے، اپنے مقربین میں جگہ دے۔ اور آپ کو، جماعت کو اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام

آپ کا شریک غم روحانی فرزند

عبدالعزیز۔ اڈیکسلا

* * *

از قلم: مکرم نصیر احمد فاروقی صاحب، لاہور

کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

یہ لکھتے ہوئے میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے کہ ہمارے نہایت مکرم اور محترم دوست اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور کے وائس پریذیڈنٹ جناب مرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے ہیں۔ مرحوم کو دل کی تکلیف تو عرصہ سے تھی اور کئی دفعہ وہ اس کی وجہ سے صاحب فراش بھی ہو گئے۔ طبیبوں نے اور عزیزوں نے بارہا انہیں کہا کہ وہ انجمن کے جنرل سیکرٹری کے بوجھل فرائض چھوڑ کر آرام کریں، مگر انجمن سے ان کا ساری عمر کا تعلق ایسا گہرا تھا اور جماعت کے کاموں سے انہیں ایسی دلچسپی تھی کہ وہ انہیں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ پھر بھی دو تین سال سے اُن کی صحت ایسی خراب رہنے لگی تھی اور ان کی ہمت نے جواب دینا شروع کر دیا تھا کہ انہوں نے کئی دفعہ کہا کہ انہیں سبکدوش کر دیا جائے مگر وہ جو مثل مشہور ہے کہ فقیر تو کمبل چھوڑنا چاہتا ہے پر کمبل فقیر کو نہیں چھوڑتا وہ اُن پر صادق آئی۔ انجمن ایسے قابل اور قیمتی انسان کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوتی تھی خصوصاً اس لئے کہ ان کی جگہ لینے والا کوئی دوسرا نظر نہ آتا تھا۔ بالآخر جب اُن کی صحت اور ہمت بالکل جواب دیتی نظر آئی تو انجمن نے ان کو وائس پریذیڈنٹ کے عہدہ پر ترقی دیکر ان سے درخواست کی کہ وہ بلاد غیر کا کام اپنے ذمہ لیں اور تصنیف و تالیف کا کام جو وہ عرصہ سے کرنا چاہتے تھے اُسے شروع کریں۔

مگر اللہ تعالےٰ کو کچھ اور منظور تھا۔ ۲۹ اور ۳۰ ستمبر کی درمیانی رات کو ½۱۲ بجے انہیں دل کا دورہ پڑا جو ہمیشہ سے زیادہ سخت تھا۔ انہیں میو ہسپتال لے جایا گیا جہاں فوری علاج شروع ہوا۔ یکم اکتوبر کی شام کو میں مزاج پرسی کے لئے گیا تو معلوم ہوا کہ دل کی تکلیف تو نہیں رہی مگر تیز بخار اس دن چڑھا۔ شام تک وہ بھی اتر گیا تھا مگر بے حد کمزوری اور غنودگی میں وہ بے خبر پڑے تھے۔ اگلے دن یعنے یکم اکتوبر کو انہیں ایکسرے اور دوسرے ٹیسٹ لینے کے لئے پہیّوں والی کرسی پر لے گئے واپس آئے تو ان کا دم اکھڑ گیا تھا۔ بستر پر لیٹنے کے بعد ان کا دم تو بظاہر ٹھیک ہو گیا مگر انہوں نے اپنی زوجہ محترمہ سے (جو دن رات ان کی تکلیف میں اُن کی تیمارداری میں سب کچھ بھولے ہوئے تھیں) کہا کہ مجھے نیند آئی ہے بقول محترمہ موصوفہ "مگر وہ ایسے سوئے کہ ہمیشہ کی نیند سو گئے"۔ اس پر مجھے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا وہ شعر یاد آتا ہے جو انہوں نے اپنے صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات پر لکھا تھا۔

کہا کہ آئی ہے نیند مجھ کو، یہی تھا آخر کا قول لیکن
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے بھی ہم پھر جگا جگا کر

کیسا قابل رشک انجام تھا! کیا پر سکون موت تھی۔ اور مرحوم کے چہرہ پر جو مسکراہٹ تھی وہ اُن کے نیک انجام اور اگلی خوش آئیند زندگی کی نشانی تھی۔ مرحوم تو جنت میں گئے۔ مگر جو ہمارا نقصان ہوا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔ ایسا قابل، ایسا عالم دین، ایسا وفادار خادم قوم ہمیں کہاں ملے گا۔ کیا اُن کی تقریر ہوتی تھی کہ ہونٹوں سے پھول جھڑتے تھے۔ ان کی تقریر سننے سے کبھی انسان اکتاتا نہ تھا۔ علم و فضل کے علاوہ تقریر اتنی دلچسپ ہوتی تھی اور بیچ بیچ میں پاکیزہ مزاح اُسے ایسا دلکش بنا دیتا تھا کہ سننے والے کبھی تھکتے نہ تھے۔ بولنے کی طرز ایسی تھی کہ معمولی سے معمولی تقریر کریں تو وہ بھی لوگ شوق سے سنتے تھے۔ انہوں نے تو یہاں تک کمال کر دیا تھا کہ جلسہ سالانہ پر انجمن کی سالانہ رپورٹ جو عام طور پر خشک اور انتہائی بور کر دینے والی چیز ہوتی ہے وہ ان کی طرز تقریر سے دلچسپ بن جاتی تھی اور لوگ شوق سے اُسے سنتے تھے۔ تحریر میں وہ فاضل انسان اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ میں انہیں مذاقاً "منشی" کہتا تھا۔ جو بھی تحریر وہ لکھیں خواہ وہ اردو میں ہو یا انگریزی میں وہ قابل رشک ہوتی تھی۔ اور تو اور مجلس منتظمہ اور مجلس معتمدین کے فیصلہ جات کو لکھنا جو نہایت دشوار چیز ہے **ان کا خاص** ہنر تھا۔ اکثر ایسا ہوا کہ مجلس میں گرما گرم بحث ہو رہی ہوتی تھی اور بظاہر کوئی اتفاق کی صورت نظر نہ آتی تھی کہ مرحوم جو خاموشی سے تحریر میں لگ جاتے تھے کھڑے ہو کر فیصلہ کا ایسا متن سناتے تھے کہ بحث ختم ہو جاتی تھی۔ وہ ہنر اُن کے ساتھ قبر میں چلا گیا۔

مرحوم جوانی سے انجمن سے متعلق رہے۔ وہ ایم۔ اے بی ٹی تھے اور محکمہ تعلیم میں انہیں معزز عہدہ ملا۔ مگر اسی وقت حضرت امیر مرحوم (مولانا محمد علی صاحب) کی نگاہِ حسن انتخاب نے انہیں تاکا اور انہیں انجمن کا اسسٹنٹ سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ اس جوانی کے زمانہ میں بھی حضرت امیر مرحوم کو اُن کے ڈرافٹ پسند آتے تھے حالانکہ وہ خود سلطان القلم تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا صدرالدین صاحب کا جو مرحوم کی نسبت حُسنِ ظن اور اعتماد تھا وہ ان کے امیر بننے کے بعد بھی جاری رہا حالانکہ اختلافات نمودار ہو گئے تھے۔ میں نے کبھی حضرت مولانا صدرالدین صاحب کو مرزا مسعود بیگ صاحب کی بات رد کرتے نہیں دیکھا

اکثر جب صورتِ اختلاف ہوتو وہ مرزا مسعود بیگ صاحب کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان کی بات کو قبول کرتے تھے۔ یہ بھی مرحوم کی قابلیت اور قابلِ اعتماد ہونے کی نمایاں گواہی ہوتی تھی۔

انجمن کے پُرانے معاملات کی اور احبابِ جماعت کی (خواہ وہ دور دراز کے ہوں یا بلا دِ غیر کے) انہیں ایسی خبر تھی کہ انہیں چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ایسا واقف اور باخبر انسان ہمیں کہاں ملے گا۔ میں نے انہیں بارہا کہا کہ وہ جماعت احمدیہ لاہور کی ۱۹۱۴ء سے تاریخ لکھیں اور انہوں نے جنرل سیکرٹری کے عہدہ سے ریٹائر ہونے پر یہ کام شروع کرنے کا ارادہ بھی کرلیا تھا مگر موت نے انہیں مہلت نہ دی۔ ایک اور سلسلہ تصنیف جو وہ لکھنا چاہتے تھے وہ بچوں کے لئے مذہبی اور اسلامی تاریخ کی چھوٹی چھوٹی کتابیں تھیں جن کی مانگ بلادِ غیر کے مسلمانوں میں بہت ہے۔ مگر وہ کام بھی رہ گیا۔

مجھے ایک اطمینان ہے کہ مرنے سے پہلے انہوں نے اپنے اہل وعیال کیلئے اپنا مکان مسلم ٹاؤن کی مسجد کے قریب بنالیا۔ جب اس کام پر انہوں نے ہاتھ ڈالا تو بہت لیٹ ہوچکا تھا۔ اور ہر چیز کی قیمت نہ صرف آسمان سے باتیں کررہی تھی بلکہ آسانی سے ملتی نہ تھی۔ خود وہ انجمن کے کام کاج میں مصروف تھے اُن کے دونوں بیٹے ملک سے باہر تھے۔ اس لئے یہ کام کس طرح انجام کو پہنچا اس میں خاص تائیدِ ایزدی تھی۔ حُسنِ اتفاق سے اُن کا چھوٹا بیٹا جو دوبئی میں ملازم ہے حال میں ہی رخصت لے کر وطن آیا۔ اس نے مکان کے لئے ضروری سامان خریدنے اور اسے قابلِ رہائش بنانے میں ان کی بہت مدد کی۔ گویا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ مرزا صاحب کے اہل وعیال آرام سے اپنے گھر میں بیٹھ جائیں پہلے اس سے کہ مرزا صاحب اپنے اصلی گھر کے لئے چلے جائیں اور وہ اس اطمینان سے گئے کہ اُن کے پیچھے رہ جانے والوں کے سر پر کم از کم اپنی چھت تو ہوگی۔

مرزا صاحب مرحوم کے اہل وعیال نے بھی اس غم والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑنے پر صبر ورضا کا بہت اعلےٰ نمونہ دکھایا۔ سب میں بڑی چوٹ تو ان کی بیگم صاحبہ کو لگی تھی مگر انہوں نے جو راضی برضا ہونے اور صبر کا بلند نمونہ دکھایا وہ دوسری مستورات کے لئے قابلِ تقلید ہے۔ اسی طرح مکرم ومحترم ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب جو مرزا صاحب مرحوم کے خُسر تھے ان کا صبر اور حوصلہ دیکھ کر رشک آتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو جوان اولاد کی وفات کے بار بار صدمے اٹھانے پڑے ہیں اور اب ان کی بیٹی بیوہ ہوگئی۔ مگر جس صبر اور تحمل سے وہ تجہیز وتکفین کے تمام کاموں کو دیکھ رہے تھے اور تدفین کے اختتام تک وہیں کھڑے رہے حالانکہ خود بیمار اور کمزور ہیں وہ قابلِ ہزار آفرین ہے۔

اس عظیم قومی نقصان کی تلافی تو صرف تبھی ہوسکتی ہے کہ کچھ اور لوگ خدمتِ دین کے لئے آگے آئیں اور مرزا صاحب مرحوم کی جگہ لیں۔ یہ سچ ہے کہ مرزا صاحب مرحوم ساری عمر درویشانہ حالت میں رہے۔ انہوں نے بہت سے دنیاوی مفاد کو بھی دین کی خدمت کے لئے ترک کیا مگر یہی دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو پورا کرنے کا طریق ہے۔ یہ چند روزہ زندگی تو کسی نہ کسی طرح گذر جاتی ہے۔ مگر آخرت بن جاتی ہے۔ میں قرآن پاک سے بڑھ کر اعلیٰ الفاظ پر اس مضمون کو ختم نہیں کرسکتا۔

بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا ۵ صلے والاٰخرۃ خیرٌ وابقیٰ ۵

"بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے"

———— **** ————

اخبارِ احمدیہ :-

* حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ایبٹ آباد سے لاہور واپس تشریف لے آئے ہیں۔ اور خدمات دینیہ میں مصروف ہیں۔ احباب کرام حضرت ممدوح کی صحت وعافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

* اعلانِ نکاح :

ملتان سے حافظ عبدالرؤف صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ مورخہ ۱/۸۳ء میں نے مرزا محمد حنیف صاحب کی دو صاحبزادیوں کا نکاح بہراہ مرزا مشتاق احمد و مرزا عبدالستار پسران مرزا محمد یعقوب صاحب پڑھایا۔ اس خوشی کے موقع پر مرزا محمد یعقوب صاحب نے مبلغ یکصد روپے بمد اشاعتِ اسلام عنایت فرمائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تعلق کو جانبین کے لئے موجب ثمراتِ حسنہ بنائے۔ آمین!

* ولادت باسعادت :

جناب مولوی رحمت اللہ صاحب مبلغ جھنگ نے اپنی پوتی کی پیدائش کی خوشی میں مبلغ ۵۰ روپے بمد اشاعتِ اسلام عنایت فرمائے ہیں۔ جزاک اللہ۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بچی کی عمر دراز فرمائے۔ آمین! اور خاندان کے لئے موجب برکت بنائے۔

مکتوب تعزیت ، چوہدری مسعود اختر صاحب ، امریکہ

آہ ! میرزا مسعود بیگ صاحب

عزیزم ظفر عبداللہ صاحب نے فون پر جناب مرزا مسعود بیگ صاحب کی رحلت کی خبر دی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

خبر تو سُن لی لیکن ذہن جیسے قبول نہیں کرتا کہ ایک ایسی ہستی جو نصف صدی سے ہماری جماعت اور انجمن میں ایک بھرپور کردار ادا کرتی رہی ہو اب ہم میں موجود نہیں رہی ہستی و نیستی کا چکر تو ابد تک یونہی چلتا رہیگا لیکن بعض ہستیاں اپنے گہرے نقوش چھوڑ کر جاتی ہیں جو اُن کے بعد بھی عرصہ تک ان کو احباب و عوام دلوں میں زندہ رکھتے ہیں مرحوم مرزا صاحب انہی لوگوں میں سے تھے ۔

شاید ہی کوئی اور صاحب انجمن کی تاریخ اور گرم و سرد ادوار سے ان سے زیادہ واقف ہوں گے ۔ میرزا صاحب مرحوم ایک طرح سے ہماری انجمن اور جماعت کی ایک جیتی جاگتی "تاریخ" تھے ۔ تمام واقعات اور تمام اصحاب جو کسی واقعہ سے کسی صورت کوئی تعلق رکھتے تھے مرزا صاحب کے ذہن میں ایک فلم کی طرح محفوظ تھے جن کو نہایت بر موقع بیان فرمانے کا ان کو ملکہ حاصل تھا ۔ ۴۹ ۔ ۱۹۵۰ء کا ذکر ہے مسلم ٹاؤن کی مسجد میں کئی بار میں نے مرزا صاحب کو مغرب کی نماز کے وقت حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی صاحب رح کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے دیکھا ۔ ادب و احترام کا جو انداز وہ اپنی گفتگو میں ان سے برتتے وہ ان کا ہی حصہ تھا ۔ وضع داری و آداب محفل کو ملحوظ رکھنے والے تھے اور ان معاملات میں ایسی طرز اختیار کرتے تھے کہ ان سے کم عمر لوگ ان کو دیکھ کر کچھ سیکھ سکیں ۔ اُن ایام میں میں تھا تو وہ "میاں مسعود" کہہ کر مخاطب کرتے تھے لیکن جیسے میری عمر بڑھتی گئی میاں چوہدری صاحب یا چوہدری صاحب کہہ کر مخاطب کرتے ۔ اور میرا جی کئی بار چاہا کہ ان سے کہوں آپ مجھے "میاں مسعود" ہی کہہ کر مخاطب کر لیا کریں لیکن ان کی مشفقانہ طرز زندگی نے ہمت نہ دی کہ اعتراض کر پاؤں ۔

جب کبھی کسی نوجوان کو جماعت کے معاملات میں ذرا سے شوق کا مظاہرہ کرتے پاتے تو ہر طرح سے اس کی ہمت افزائی کرتے اور اگر کسی کو کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا تو اس کو بھی نہایت احسن طریق سے اپنا نقطۂ نگاہ سمجھانے کی کوشش کرتے ۔ میں جب ان کو کسی سے اس طریق سے محو گفتگو دیکھتا تو خیال آتا مرزا صاحب نے میرزا مسعود بیگ ٹیچر کو ہمیشہ زندہ رکھا ۔ وہ استادوں کی سی شفقت بھی احباب سے برتتے تھے اور استادوں جیسی نصیحت آمیز گفتگو بھی کرتے تھے ۔

۱۹۷۴ء کے واقعات نے میرے ذہن پر بہت گہرے اثرات چھوڑے تھے اور زندگی کے متعلق میری سوچ کو یکسر بدل دیا تھا ۔ اُن دنوں میں نے سرینام میں بطور مبلغ جانے کی پیشکش کی جو سرینام جماعت کی طرف سے پیش کردہ بعض شرائط کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکی ۔ جناب مرزا صاحب نے اس فیصلہ سے قبل ہی مجھ سے کہا ۔ "چوہدری صاحب آپ سرینام کے لئے موزوں نہیں ہیں اور سرینام آپ کے لئے موزوں نہیں ۔ وہاں تو کوئی مولوی قسم کا آدمی چلے گا" ۔

بعد ازاں میں نے مرزا صاحب کو بطور جنرل سیکرٹری کام کرتے دیکھا تو اُن کی عظمت میرے دل میں گہری ہوتی چلی گئی ۔ مجالس میں ہر طرف سے اُن پر سوالات و اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی اور یہ ان کا ہی حوصلہ تھا کہ وہ ان تمام اعتراضات و سوالات سے احسن طریق سے نہ صرف جواب دیتے بلکہ حفظ مراتب کا خیال بھی رکھتے ۔ ساتھ ہی میں نے مشاہدہ کیا کہ وہ غیرت مند بھی بہت تھے جب کچھ اصحاب آداب مجلس یا حفظ مراتب سے پہلو تہی کرتے تو مرزا صاحب مرحوم ان کے ساتھ سختی سے پیش آتے اور ایسی ڈانٹ ڈپٹ کرتے جو اُستاد شاگردوں کو اس وقت کرتے ہیں جب اُن سے کوئی نالائقی کی حرکت سرزد ہو جاتی ہے ۔

ایک ایسا وقت بھی آیا کہ احباب کی ٹیم سے متاثر ہو کر میں نے جناب مرزا صاحب کو سیکرٹری جنرل کے عہدہ سے ہٹانے کے لئے تجویز پیش کر دی ۔ نہ صرف یہ بلکہ دیگر جماعتوں کے نمائندگان کو بھی اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ کو جماعت کی بھلائی منظور تھی اور ہماری کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں ۔ عین انتخاب کے وقت لاہور لوکل جماعت کے نمائندگان میں اس معاملہ میں اختلاف رائے ہو گیا ۔ اور تجویز کے حامی صاحبان کو اپنی تجویز واپس لینا پڑی ۔ جناب مرزا صاحب مرحوم کو خوب معلوم تھا کہ کون کون اسوقت اس تجویز کا حامی تھا اور کون اس کا محرک تھا لیکن انہوں نے کبھی نہ تو اس واقع کا ذکر کیا نہ اپنے تعلقات میں فرق آنے دیا ۔ وہی شفقت وہی محبت بدستور رہی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی عظمت میرے دل میں دوگونہ ہو گئی ۔ بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ ہمارا اقدام غلط تھا ۔ ہر بار سیکرٹری جنرل کے انتخاب کا سوال اُٹھتا تو یہ سوال تمام لوگوں کے ذہنوں پر اُبھرتا کہ ان کا موزوں بدل کون ہو گا دوسری طرف ان کی صحت کی حالت ایسی تھی کہ ان کو آرام کی ضرورت تھی ۔

ابھی سال دو پہلے کی بات ہے کہ افواہ گرم تھی کہ فلاں صاحب مرزا صاحب کی جگہ سیکرٹری جنرل منتخب ہو رہے ہیں ۔ ان صاحب کو قریب سے جاننے کے بعد میں نے بعض احباب کو خط لکھا کہ کیا یہ اقدام سوچ سمجھ کر کیا جا رہا ہے ۔ دونوں کی شخصیتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ کہیں یہ اقدام جماعت کیلئے نقصان دہ ثابت نہ ہو ۔

اور ابھی چند روز قبل میرزا صاحب کی طرف سے ایک خط موصول ہوا کہ تبلیغ بلاد غیر کا چارج ان کے پاس ہے اور انہوں نے بلاد غیر کی تمام جماعتوں کو تفصیلات فیصلہ جات ماضی کی روشنی میں زیادہ مستعدی سے کام کرنے کے لئے اپیل کی تھی ۔

یہاں آنے کے بعد اور یہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد میرا یہ خیال رہا ہے کہ اگر کسی صورت جناب فاروقی صاحب یا مرزا صاحب مرحوم میں سے کوئی صاحب چند سال کیلئے یہاں تشریف لے آتے اور ہم لوگ ہفتہ میں ایک بار ریڈیو پر ان کا ایک گھنٹہ کے لئے درس قرآن ہی نشر کرتے تو اس علاقہ میں اسلام اور ہماری جماعت کے لئے بہت مفید ثابت ہوتا ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا ۔ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ ان کی وفات سے جماعت میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا محال نظر آتا ہے

قرآنِ کریم پڑھنے کا طریق

حضرت امیر مرحومؒ نے فرمایا!

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ قرآن کی تلاوت فرماتے وقت آیت رحمت پر خدا کی رحمت مانگتے تھے۔ عذاب کی آیت پر عذاب سے پناہ مانگتے تھے آپ بھی تلاوت کریں تو جہاں خدا کی رحمت کا ذکر ہو (اور اس سے قرآن بھرا پڑا ہے) تو یہ دعا کرو کہ وہ اس ساری زمین پر اپنی رحمت کی بارش برسائے اپنی جماعت پر رحمت کی دعا مانگو کہ اس وقت قرآن کو دنیا میں پہنچانے کا بوجھ اس کے سر پر ہے۔ انعام پانے والوں کا ذکر آئے تو وہ سب انعام اپنے لئے مانگو جو پہلے راستبازوں پر خدا نے کئے۔ ہاں وہ انعام مانگو وہ کامیابیاں مانگو جو حضرت محمد مصطفٰے صلعم کو اللہ تعالےٰ نے دیں۔ اللہ تعالےٰ کی اس زبردست طاقت کا ذکر آئے کہ کس طرح وہ حق کو غالب کرتا چلا آیا ہے تو تمہارے دل سے یہ فریاد اٹھے، دنیا پر آج ظلمت چھائی ہوئی ہے تو اپنی اس زبردست طاقت کا نشان آج بھی دنیا کو دکھا ..... قرآن کی عظمت کا ذکر آئے کہ قرآن کو ہم نے شفاء اور رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یا یہ کہ یہ قرآن مُردوں کو زندہ کریگا مشکلات کے پہاڑوں کو اڑا دے گا۔ زمین کے کناروں تک پہنچ جائے گا تو تم وہاں ٹھہر جاؤ اور تمہارے دل سے یہ دُعا اُٹھے کہ اے خدا آج بھی اس قرآن کے ذریعے مشکلات کے پہاڑوں کو اڑا دے اور وہ سامان ہمیں عطا فرما کہ ہم تیرے اس قرآن کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں۔ خدا کی بارش سے مُردہ زمین کو زندہ کرنے کا ذکر آئے تو تمہارے دل سے یہ دُعا نکلے کہ اے خدا یہ زمین جو روحانی طور پر مر چکی ہے۔ تو اس پر روحانی بارش برسا اور اس کو روحانی طور پر زندہ کر دے۔ اور انسانوں کے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کر دے۔ انبیاء اور مومنین کی نصرت کا ذکر آئے تو وہی نصرت اپنے لئے مانگو کیونکہ مقصود تمہارا بھی وہی ہے کہ خدا کا نام دنیا میں بلند ہو۔ پچھلی ہلاک شدہ قوموں اور ان کی نافرمانیوں کا ذکر آئے تو تمہارے دل کانپ اٹھیں کہ تیری یہ قوم جو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے اٹھی تھی۔ اس اپنے رسولؐ کی اُمت کو اپنے رسولؐ کی نافرمانی سے بچا اور ان کو قرآن کے حامل بنا۔ اللہ تعالےٰ کے ان وعدوں کا ذکر آئے کہ وہ حق کو دنیا میں غالب کرے گا۔ تمہارے دل سے یہ تڑپ اٹھے کہ اے خدا تو اس زمانے میں بھی حق کو غالب فرما۔ یہ آواز بھی بے کسی میں تمہارے دل سے اٹھے کہ اے خدا یہ میری آرزو ہی نہیں یہ تیرا وعدہ ہے تو اپنے وعدے کو پورا فرما..... تو نے اپنے رسولؐ کو رحمۃ للعلمین بنا کر بھیجا تھا مگر دنیا میں بے شمار قومیں ابھی اس رحمت سے محروم ہیں..... اے خدا ہماری مدد فرما کہ ہم اس قرآن کو ساری دُنیا میں پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں۔ اے خدا تیری نصرت یقیناً آتی ہے اور آتی رہے گی۔ تیرے افضال نازل ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔ مگر ان کو جذب کرنے والے دل دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر اور دنیاوی نمائش اور بڑائی کے طالب ہو کر سست ہو گئے ہیں۔ تو اپنی جناب سے ان میں قوت پیدا کر دے۔ آمین

(مجاہد کبیر صفحہ ۳۲۶)

روضۂ مطہرۂ نبویؐ پر حضرت امیر مرحومؒ کی دُعا

بذریعہ شیخ محمد اسماعیل صاحب لائلپوری مرحوم

اے خدا تیرا دین نہایت بے کسی کی حالت میں ہے۔ دُنیا تیری دی ہوئی نعمتوں سے بھری ہوئی ہے۔ سونے اور چاندی کے پہاڑ بھی دُنیا میں موجود ہیں مگر اے مالک تیرے دین کو، ہاں اس دین کو جس کے متعلق تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ اسے سب ادیان پر غالب کروں گا۔ جس کے متعلق تیرا حکم تھا کہ اسے دُنیا کے کناروں تک پہنچایا جائے۔ دُنیا میں پہنچانے کے لئے سامان نہیں ملتا۔

اے خدا! تثلیث اور کفارہ کے پھیلانے کے لئے دنیا کا مال پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ اور دُنیا کی طاقت اس کی پشت پر ہے مگر تیرا دینِ حق اس بے کسی کی حالت میں ہے کہ مسلمانوں کے دل بھی اس کے لئے نرم نہیں ہوتے۔ تیرے پیغمبرؐ کے پروانے تو بہت ہیں مگر اس کی محبت کی آگ میں اپنے آپ کو جلانے والے نظر نہیں آتے۔

اے خدا! تیرے مسیح نے ایک قوم تیار کی تھی کہ وہ تیرے دین کو دُنیا میں پہنچائے اور تیرے وعدوں کے پورا ہونے کا نظارہ دکھائے۔ مگر آہ وہ قوم بھی سیاست میں بہہ گئی اور ایک چھوٹا سا گروہ جو دُنیا کی نظروں میں حقیر ہے۔ باقی رہ گیا ہے مگر اے خدا وہ بھی کمزور ہے اور تیری امانت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔

اے خدا! تو ان کے سینوں میں وہ درد اپنے دین کا پیدا کر دے جو تو نے اپنے پاک رسولؐ کے سینے میں پیدا کیا تھا۔ اور اپنے دین کے غم میں ان کی وہ حالت کر دے جو تو نے اپنے پاک رسولؐ کی کی تھی۔ لعلك باخع نفسك الا يكونوا مؤمنين۔

اے خدا تو ان کی دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کر اور اپنی محبت کی ایسی آگ ان کے سینوں میں جلا کہ وہ سب خس و خاشاک کو جلا دے اور اس کی حرارت سے مُردہ دلوں کے اندر زندگی پیدا ہو جائے۔

اے خدا! تو اپنی نصرتوں کی ہوائیں اس گروہ پر چلا اور اپنے فضلوں کی بارش ان پر برسا اور اپنی رحمتوں کے دروازے ان پر کھول دے۔ اے خدا تو اس گروہ کو یہ توفیق دے کہ تیرے کلام کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا دے۔ اے خدا تو ہماری زندگیوں میں یہ نظارہ دکھا کہ دجال کی مملکت میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوں اور مسجدیں بن جائیں۔ اور تیرا نام فضاؤں میں گونجنے لگ جائے۔ اے خدا! ہمیں وہ نظارہ دکھا جو تو نے اپنے رسولؐ اور اس کے سچے نام لیواؤں کو دکھایا ہے کہ ان کے ہاتھوں پر فوج در فوج لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ آمین ثم آمین

(پیغام صلح - ۲۶ جنوری ۱۹۳۸ء)

قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اپنے دلوں میں ایک دیوانگی اور تڑپ پیدا کرو

ــــ جماعت کے نام ــــ

حضرت امیر مرحوم کا ایک مکتوب

"برادران محترم! ــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کسی کی صحت یا میری بیماری یا جب وقت مقرر آجائے، موت کوئی غیر معمولی چیز نہیں یہ خدا کا قانون ہی جو دنیا میں جاری ہے۔ میں ۷ اگست کو بیمار ہوا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ میں دو دفعہ ایک طور پر بیمار ہو چکا ہوں اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق میں بستر پر لیٹ گیا اور آج خدا کے فضل سے مجھے بیٹھنے کی اجازت ملی ہے۔ ان ایام میں چالیس دن جو گذرے کئی بار میں محسوس کرتا تھا کہ اب وقت مقرر آچکا تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھے کچھ اور مہلت دی گئی ہے وہ کب تک ہے اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے مگر ان اوقات میں جب میں موت کو اپنے سامنے کھڑا دیکھتا تھا ایک ہی خواہش دل میں تھی۔ اور یہی دعا تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کا اور کام مجھ سے لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے مجھے مہلت عطا فرمائے اور سامان بھی عطا فرمائے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا تھا قرآن کو دنیا میں پہنچانا۔ وہ گو ہم کر رہے ہیں مگر ہمارا قدم بہت ہی سست ہے۔ میرے دل پر اس بات کا صدمہ ہے کہ ابھی بہت سے لوگ ابھی تک اس کام میں حصہ نہیں لے رہے حالانکہ کوئی کام بھی دنیا میں نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے لئے ایک جماعت کے دلوں میں دیوانگی پیدا نہ ہو۔ اسلام کی تاریخ کو اٹھا کر دیکھ لیجئے یہی دیوانگی تھی جس نے ایک سو سال سے بھی کم عرصہ میں خدا کے پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا۔ حالانکہ اس وقت کوئی سامان سہولت کے اس قدر موجود نہ تھے مگر آج ہمارے لئے اس قدر سامان سہولت کے موجود ہیں مگر ہمارے دلوں میں اس کام کے لئے دیوانگی اور تڑپ نہیں جس کی اس کام کے لئے ضرورت ہے۔ اس لئے میں اس حالت میں کہ ابھی بستر پر ایک شکستہ استخواں کی طرح پڑا ہوا ہوں اور ابھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور کس قدر مہلت دے گا میں آپ لوگوں سے اپنی جماعت کے عزیزوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کیلئے اپنے دلوں میں دیوانگی اور تڑپ پیدا کرو۔ وہ دیوانگی اور تڑپ جو دنیا کو بھی نظر آجائے۔ دنیا سے کسی عزت اور جاہ کے طالب مت ہو۔ خدا کے ہاں اپنے مرتبے کو بلند کرنے کی کوشش کرو...

اے خدا تو میری آنکھوں پر سے اس پردہ کو ہٹا دے اور اپنے نور کے جلوے سے میرے دل کو روشن کر دے کہ میں تیری دنیا کو اس نور سے روشن کر دوں۔ یہ دعا بھی کریں مگر اس کے ساتھ ہی جدوجہد میں بھی اپنا قدم آگے بڑھائیں۔ میرے پیارو یاد رکھو کہ یہ دنیا کی زندگی جس کی کشش نے آپ کو خدا کے اس نور سے غافل کر رکھا ہے محض ایک خواب ہے۔ یاد رکھو یہ خدا کا وعدہ ہے پورا ہو کر رہے گا۔ میں ان چالیس دنوں میں یہ دعا کرتا رہا ہوں کہ اگر اے خدا تیرے علم میں میرا وقت آچکا ہے تو میری جماعت کے اندر ایک زبردست قوت پیدا کر دے۔ اور اپنے دین کے لئے اور اپنے قرآن کے لئے کوئی جنون پیدا کر دے تاکہ میرے بعد تیرے اس کام کو نقصان نہ پہنچے۔

والسلام
محمد علی

پیغام صلح ۵ ...

ابو ارشد!

بیاد امیر مرحوم

اہل دل، اہل قلم، اہل خبر روئیں گے ۔ یاد آئے گی تیری تو اہل نظر روئیں گے

رہبر قوم تجھے راہگذر روئیں گے ۔ ایک دو بار نہیں شام و سحر روئیں گے

ہاتھ پھیلائیں گے تربت پہ تیری آ کے علوم

فاتحہ پڑھنے کو اتریں گے فرشتوں کے ہجوم

بجلیاں جس میں ہوں پوشیدہ وہ تحریر کہاں ؛ دل میں چپکے سے اتر جائے وہ تقریر کہاں

مشکلیں جس سے ہوں آساں وہ تدبیر کہاں ؛ جس سے ماحول درخشاں ہو وہ تنویر کہاں

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیا شمس و قمر

ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نور سحر

تشنگی دیں کے پیاسوں کی بجھانے والے ؛ نور فرقاں سے ہر اک دل کو جلانے والے

خواب و مستی سے زمانہ کو جگانے والے ؛ قوم کو راہبر اقوام بنانے والے

ہم اگر ڈھونڈنے جائیں تو کہاں پر جائیں

رہنما قوم کو تجھ سے جو میسر آئیں

باغ دیں میں تھا ترے دم سے بہاروں کا قیام ؛ مئے عرفان سے لبریز تھا ہر پھول کا جام

اٹھ رہا اٹھا ہر اک دشمن ایماں کا خرام ؛ دین کے قافلہ سالار تجھے میرا سلام

قوم زندہ ہے تو یہ زندہ دلی تیری ہے

یہ کرامت ہے جو اللہ کے ولی تیری ہے

* * * *

رپورٹ لندن مشن

از جناب محمد انور۔ ایم۔اے نائب امام مکرم جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں لکھتے ہیں:۔

یکم اگست کو انگلینڈ کے علاقہ "ویلز" سے ایک کنبہ کے افراد تشریف لائے کنبہ کا سربراہ ایک انگریز نومسلم تھا۔ ان کا قیام چار پانچ گھنٹے رہا۔ کافی دیر تک سلسلہ کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ انہیں لٹریچر دیا گیا۔ انہوں نے قرآن کریم کا ایک نسخہ بھی خریدا۔ نیز باقاعدہ رابطہ رکھنے کا یقین دلایا اور ہمیں "ویلز" آنے کی دعوت بھی دی۔ اسی روز ہم دونوں میاں بیوی بارہ میل دور والستھم سٹو محترم قاضی منیر اقبال صاحب اور ان کے اہل خانہ سے ملنے گئے۔ قاضی صاحب سے درخواست کی گئی کہ وہ اب جماعت سے فعال تعلق قائم کریں۔

مسٹر عزیز شورا صاحب ووکنگ کے قریب خالد اقبال صاحب کے گھر پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اطلاع ملنے پر شاہد عزیز کی معیت میں شورا صاحب کو دارالسلام لایا گیا۔ انہی ایام میں ایک ہوٹل سے مسٹر جوہان آفندی صاحب آف انڈونیشیا کا فون ملا۔ جن کے بارہ میں مجھے مرکز سے پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی کہ وہ مرکز میں کچھ دن رہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے شورا صاحب کی معیت میں اُن کے ہوٹل پہنچکر ان سے ملاقات کی۔ دارالسلام واپس آنے سے پہلے آفندی صاحب کی خواہش پر ہم تینوں نے ووکنگ لاگنے روڈ کا پرانا مرکز بھی دیکھا۔ شورا صاحب ۵ اگست کو تشریف لے گئے اور آفندی صاحب کو ۸ اگست ہالینڈ کے لئے ائیرپورٹ پر خدا حافظ کہا گیا۔

۷۔ اگست کو یہاں ایگزیکٹو باڈی کی میٹنگ تھی جس میں جماعت کے بعض معاملات پر غور کیا گیا اور مرکز سے ایک آمدہ خط پر بالاتفاق۔ اتفاق رائے رہا۔ ہالینڈ سے آنیوالی ایک فیملی جو کہیں دوسری جگہ ٹھہری ہوئی تھی۔ مہمان اور میزبان دونوں ۹۔ اگست کو ہمارے ہاں تشریف لائے۔ باہم مل کر ہم نے کھانا کھایا اور مختلف امور پر باتیں ہوئیں۔

لاہور سے محترم چوہدری رفیق صاحب مع اہل خانہ تشریف لائے، ۱۱ و ۱۲۔ اگست ان کے ساتھ رہ کر مصروفیت میں گذارا۔ جمعہ کی نماز میں دوسرے احباب کے علاوہ یہ فیملی بھی شریک تھی۔

۱۴۔ اگست کو یہاں مسٹر عزیز علی و بیگم شہلا عزیز علی کی بیٹی کی شادی کے نتیجے میں ایک استقبالیہ تھا۔ خاکسار نے "اسلام میں عورتوں کا مقام اور ازدواجی زندگی کے حقوق و فرائض" پر تقریر کی۔ اس موقعہ پر نماز ظہر احباب کے ساتھ مل کر ادا کی گئی۔ فجی کے ایک طالبعلم اسلم خاں صاحب لندن سے کافی دور ایک یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں ۲۲۔ اگست کو تشریف لائے۔ وہ تین دن رہ کر اٹھنے بیٹھنے اور نمازوں میں ہمارے ساتھ شریک رہے جانے وقت اپنے ذاتی خرچہ کے علاوہ ساٹھ پونڈ مرکز کو عطیہ بھی دیا۔

۲۶۔ اگست جمعہ تھا۔ ۱۱ بجے کے قریب مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب اپنی صاحبزادی کے ہمراہ تشریف لائے دوسرے احباب بھی نماز جمعہ سے پہلے وقت پر پہنچ گئے۔ نماز کے بعد احباب کچھ دیر بیٹھے رہے اور مل کر چائے نوش کی۔ ماہ زیر رپورٹ میں باہر سے آنے والے خطوط کے جوابات دیئے گئے اور ایک لائبریری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کو کتابوں کا سیٹ پیش کیا گیا۔ نیز ہیڈ پارک کارنر کے مقام پر جا کر لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ آخر پر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں دعاؤں کی استدعا ہے۔ احباب اور بزرگانِ جماعت کی خدمت میں سلام و احترام عرض ہے۔

نذرانۂ عقیدت

در دلم جوشد ثنائے سرورے آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے
آنکہ در بِرّ و کرم بحرِ عظیم آنکہ در لُطفِ اتم یکتا دُرّے
آنکہ در جُود و سخا ابرِ بہار آنکہ در فیض و عطا یک خاورے
آں رحیم و رحمِ حق را آیتے آں کریم و جودِ حق را مظہرے
احمدِ آخر زماں کز نورِ او شد دلِ مردم زخور تاباں ترے

اطاعتِ امیر بہر حال ضروری ہے!

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو شخص امیر قوم میں ایسی چیز دیکھے جسے وہ ناپسند کرے تو چاہیئے کہ وہ صبر کرے (اور معاملہ پر غور کرتا رہے شائد وہ خود غلطی پر ہو) پس جو شخص بھی جماعت سے ایک بالشت جدا ہو (اور جماعت میں انتشار پیدا کیا) وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔"

حدیثِ نبویؐ:

"ایماندار تاجر قیامت کے روز نبیوں کی صف میں ہوگا۔"

باہتمام المیزہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۵/۱۲ اکتوبر ۱۹۸۳ء جلد ۷۰ شمارہ نمبر ۳۹/۴۰

جلد: ۷۰ | یوم چہار شنبہ ۱۲/۱۹ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹/۲۶ اکتوبر ۱۹۸۳ء عیسوی | شمارہ ۴۱: ۴۲ ۴۳

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

متقی کو اسی دنیا میں خدا ملتا ہے

یہ ایک نعمت ہے کہ ولیوں کو خدا کے فرشتے نظر آتے ہیں۔ آئندہ کی زندگی محض ایمانی ہے لیکن ایک متقی کو آئندہ کی زندگی یہیں دکھلائی جاتی ہے۔ انہیں اسی زندگی میں خدا ملتا ہے۔ نظر آتا ہے اور اُن سے باتیں کرتا ہے۔ لیکن اگر ایسی صورت کسی کو نصیب نہیں تو اس کا مرنا اور یہاں سے چلے جانا نہایت خراب ہے۔ ایک ولی کا قول ہے کہ:

جس کو ایک سچا خواب عمر بھر نصیب نہیں ہوا اس کا خاتمہ خطرناک ہے۔ جیسے کہ قرآن مومن کا یہ نشان ٹھہراتا ہے۔ پس جس میں یہ نشان نہیں اس میں تقویٰ نہیں اس لئے ہم سب کی یہ دعا ہونی چاہیئے کہ یہ شرط ہم میں پوری ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، الہام۔ خواب۔ مکاشفات کا فیضان ہو۔ کیونکہ یہ مومن کا خاصہ ہے اس لئے یہ ہونا چاہیئے۔ بہت سی اور بھی برکات ہیں جو متقی کو ملتی ہیں۔ مثلاً سورۃ فاتحہ میں جو قرآن شریف کے شروع میں ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ دعا مانگیں:

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین (س-۱) یعنی ہمیں راہ سیدھی بتلا ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام و فضل ہے۔ یہ اس لئے سکھائی گئی ہے کہ انسان عالی ہمت ہو کر اس سے خالق کا منشاء سمجھے اور وہ یہ ہے کہ یہ اُمت بہائم کی زندگی بسر نہ کرے۔ بلکہ اس کے تمام پردے کھل جاویں۔۔۔۔۔ اس دعا سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے پہلے سے ارادہ کر رکھا ہے کہ جو متقی ہو اور خدا کی منشاء کے مطابق ہو تو وہ ان مراتب کو حاصل کر سکے جو انبیاء اور اصفیاء کو حاصل ہوتے ہیں

* * * *

جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا

ہر چیز میں خدا کی ضیاء کا ظہور ہے ۔۔۔ پر پھر بھی غافلوں سے وہ دلدار دور ہے
جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا ۔۔۔ اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما
عاشق جو ہیں وہ یار کو مر مر کے پاتے ہیں ۔۔۔ جب مر گئے تو اسکی طرف کھینچے جاتے ہیں
ناپاک زندگی ہے جو دوری میں کٹ گئی ۔۔۔ دیوار زہد خشک کی آخر کو پھٹ گئی
زندہ وہی ہیں جو کہ خدا کے قریب ہیں ۔۔۔ مقبول بن کے اسکے عزیز و حبیب ہیں
وہ دور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دور ہیں ۔۔۔ ہر دم اسیر نخوت و کبر و غرور ہیں
تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو ۔۔۔ کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو

* * *

ہمارا واحد مقصد دنیا میں قرآن کریم کا نور پھیلانا ہے

اس راہ میں ہمیں جو بھی مشکلات پیش آئیں انہیں صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنا چاہیے

خطبۂ جمعہ مورخہ ۹/۹/۸۳ فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، بمقام — دار السعید - ایبٹ آباد

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورۂ آل عمران کی یہ آیات تلاوت کیں "وکاین من نبی قتل معہ ربیون کثیر .... بل اللہ مولٰکم ج وھو خیر النصرین" (۱۴۶ تا ۱۵۰)

ان آیات کا ترجمہ اور تشریح بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

اور کتنے نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے ربانی لوگ لڑے پھر اس وجہ سے جو اُن کو اللہ کی راہ میں مصیبت پیش آئی وہ نہ سست ہوئے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ انہوں نے (دشمنوں کے سامنے) عاجزی اختیار کی اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور ان کی بات سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ انہوں نے کہا ہمارے رب ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمیں بخش دے اور ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ اور ہم کو کافر قوم پر مدد دے۔ سو اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا اچھا ثواب دیا اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم ان کی اطاعت کرو گے جو کافر ہوئے تو وہ تم کو الٹے پاؤں لوٹا دیں گے پس تم نقصان اٹھانے والے ہو کر پھر جاؤ گے بلکہ اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے اور سب سے اچھا مددگار ہے۔

سلسلہ نبوت حضرت آدم سے شروع ہوا اور آنحضرت صلعم پر آکر ختم ہو گیا۔ اس دوران میں جتنے بھی نبی آئے ہیں ان کا ساتھ دینے والوں کو قرآن کریم نے ربی کے لفظ سے یاد فرمایا ہے کیونکہ ان کی غرض اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا ہوتی ہے دنیا ایسی جماعت کی دشمن اور اسے مٹانے پر کمربستہ ہو جاتی ہے۔ مخالف قوتیں اسے ختم کرنے کے لئے ہر حربہ اختیار کرتی ہیں اور اپنی چالوں میں ناکامی کی وجہ سے وہ آخر کار اس جماعت کے خلاف ہتھیار اٹھا لیتی ہیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے تو نبی اور اس کے ساتھیوں کو بھی اپنے دفاع اور حفاظت کے لئے ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

قرآن کریم سے ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی نبی یا مامور الٰہی نہیں آیا جس کی مخالفت نہ ہوئی ہو۔ "یحسرۃ علی العباد ج ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون (یٰس ۳۰) ہائے افسوس بندوں پر کوئی رسول اُن کے پاس نہیں آتا مگر وہ اس سے ہنسی کرتے ہیں۔ اُسے حقیر جان کر اسے مذاق اور استہزاء کا نشانہ بناتے ہیں۔ اُسے اور اس کے ساتھیوں کو ذلیل اور رسوا کرنے کی تدبیریں کرتے اور منصوبے باندھتے ہیں۔" وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا ولو شاء ربک ما فعلوہ فذرھم وما یفترون۔ یہی ہوتا آیا ہے کہ ہر نبی کے خلاف انسانوں اور جنوں میں سے شیطن دشمن پیدا ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکانے اور دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں وسوسہ اندازی کرتے رہتے ہیں۔ اگر تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے سو اُن کو چھوڑ دے اور اسے جو وہ افترا کرتے ہیں۔ (الانعام ۱۱۲) اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حق اور باطل میں تمیز کرنے اور اس کی اشاعت کے لئے مخالفت ضروری ہے تاکہ مفتریوں کا انجام سامنے آجائے۔ اس آیت میں دو قسم کے دشمنوں کا ذکر ہے ایک انسان اور دوسرے جن۔ اور ان دونوں کو شیطان بھی کہا ہے کیونکہ یہ خود بھی سرکشی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس پر ابھارتے ہیں۔ انسان دشمن جنوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ جن تو صرف وسوسہ اندازی سے کام لیتے ہیں لیکن انسان اس کے علاوہ دکھ اور ایذا بھی دیتا ہے۔

ان کی مخالفت کا یہ طریق ہوتا ہے کہ "اسروا النجوی ق الذین ظلموا ق ھل ھذا الا بشر مثلکم ج افتاتون السحر وانتم تبصرون .... بل قالوا اضغاث احلام بل افترٰہ بل ھو شاعر ج فلیاتنا بایۃ کما ارسل الاولون۔ یہ خفیہ مشورے کرتے۔ لوگوں میں اسے بدنام کرنے اور نفرت پھیلانے کے لئے پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ تم دیکھتے نہیں ہو یہ تمہاری طرح ہی کا ایک انسان ہے تم اس کے جادو کو قبول کرتے ہو۔ یہ جو کہتا ہے کہ مجھے وحی و الہام ہوتا ہے یہ محض پریشان خوابیں ہیں۔ یہ باتیں یہ اپنے پاس سے گھڑ کر ہمیں سناتا ہے بلکہ یہ تو شاعر ہے۔ اگر یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ہے جیسا کہ یہ دعویٰ کرتا ہے تو اس کے ثبوت میں وہ پہلوں کی طرح ہمارے پاس کوئی نشان لائے۔ غرض اس قسم کے پروپیگنڈے سے وہ لوگوں کو متنفر کرتے ہیں۔ اگر اس میں کامیاب نہ ہوں تو ایذا دیتے اور قتل کی سازشیں کرتے ہیں۔ اگر اس میں بھی ناکام ہو جائیں تو پھر جنگ پر آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی جنگ کو پسند نہیں کرتے جیسا کہ کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم پر جنگ کرنا لکھا گیا ہے اور وہ تم کو ناگوار ہے۔ خدا کے مامور دنیا میں لوگوں کی اصلاح اور صلح اور امن کے لئے آتے ہیں۔ جنگ سے لوگوں کو سیاسی طور پر مغلوب تو کیا جا سکتا ہے ان کے دل اور ذہن میں کوئی انقلاب نہیں پیدا کیا جا سکتا۔ سیاسی غلبہ کسی وقت بھی

ختم ہو سکتا ہے لیکن جب دل اور دماغ فتح کر لئے جائیں تو وہ ہمیشہ کے لئے مغلوب ہو جاتے ہیں اور انہیں کوئی بدل نہیں سکتا۔ مگر جب اپنے وجود کو قائم رکھنے اور حق و صداقت کی حفاظت کے لئے اور کوئی چارہ کار نہ رہ جائے تو مظلوم کو بھی اپنے بچاؤ کے لئے مجبوراً تلوار اٹھانا پڑتی ہے خواہ اُسے یہ پسند ہو یا ناپسند جیسا کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جنگوں سے ظاہر ہے۔ مکہ میں تیرہ سال تک بڑے صبر و سکون سے ہر قسم کی صعوبتیں اور دُکھ برداشت کئے۔ جب حق کی اشاعت ناممکن بنا دی گئی اور ایذائیں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے پاس پناہ لینے کا حکم دیا۔ کفار نے وہاں بھی پیچھا کیا لیکن نامراد واپس لوٹے۔ پھر مدینہ کو ہجرت کا حکم ہوا۔ وہاں بھی کفار نے چین نہ لینے دیا حتٰے کہ مدینہ پر چڑھائی کر دی اور ۳۱۳ کے ایک قلیل التعداد دستے نے بدر کے میدان میں اپنی جانوں کی قربانی پیش کر دی" قتل معه ربیون کثیر کا اصلی نظارہ ہمیں جنگِ اُحد میں نظر آتا ہے۔ جب انہوں کی غلطی سے فتح شکست میں بدلنے لگی۔ حضور صلعم شدید زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ آپ کی شہادت کی افواہ اڑ گئی۔ اس نازک وقت میں آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے آپ کے گرد ایک حصار بنا لیا۔ ایک گرتا تو دوسرا فوراً اس کی جگہ لے لیتا۔ خود زخمی اور شہید ہو کر اپنی جان آپؐ پر قربان کر دی۔ آپ کے دائیں۔ بائیں اور آگے پیچھے ہو کر لڑے۔ ان ربیون کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اتنا زخم کھانے اور تکلیف اٹھانے کے باوجود نہ وہ سست ہوئے اور نہ کمزور اور نہ انہوں نے کوئی عاجزی اختیار کی۔ دشمن کے لئے وہ ایک ناقابل تسخیر چٹان بنے رہے۔ جس کا ثمرہ انہیں یہ ملا کہ فاٰتھم اللّٰہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاٰخرۃ۔ انہیں دنیا میں بھی اللہ تعالےٰ نے بدلہ دیا اور آخرت کا اچھا ثواب بھی۔

آپ نے فرمایا کہ نوجوانوں کو آنحضرت صلعم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے اس کے بعد بھی آپ کو کئی اور جنگیں لڑنا پڑیں جن میں آپ کو فتوحات نصیب ہوئیں اور اللہ کے وعدے سچے ہو کر رہے۔ وہ ذلت اور رسوائی جو کفار آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے چاہتے تھے وہ ان کا اپنا مقدر بن گئی جس کی وجہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت۔ آپ کا اپنا نمونہ اور آپ کے ساتھیوں کی ثابت قدمی اور ایثار تھا۔ انہوں نے اپنے عزیز و اقارب، اپنے گھر بار، جائیدادیں اور اپنا وطن چھوڑا۔ اس راہ میں اپنے مال اور جانیں پیش کر دیں اور ان کے پائے ثبات میں ذرا بھر لغزش نہ آئی بے مثال کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ وہ خدا کے بھی پیارے بن گئے اور دنیا کے بھی۔

آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کا جسدِ خاکی اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے لیکن آپؐ کا روحانی سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ وہ قیامت تک مجددین اولیاء اللہ اور صالحین کی صورت میں زندہ رہے گا۔ اسلام کے باغ کی آبیاری کے لئے مجدد آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔ چودھویں صدی کے مجدد اور مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہیں۔ آپ اس زمانے کے مامور ہیں۔ مجددین کی بعثت بھی علیٰ منہاج نبوت ہوتی ہے۔ آپ حضرت محمدؐ کے روحانی جانشین ہیں۔ انہیں آپ کی معیت حاصل ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کو حضور صلعم کی کامل متابعت کی بدولت اللہ تعالےٰ سے مکالمہ مخاطبہ کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے آپ کی مخالفت اور عداوت میں الہام سے بھی انکار کر دیا جس کا ثبوت ہمیں قرآن کریم۔ احادیث اور صلحاء امت کے اقوال سے ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ تو غیر ماموروں سے بھی کلام کرتا ہے آخر اس کے مامور اس سے کیوں محروم رہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ اپنی ازلی ابدی صفتِ کلام سے نعوذ باللہ محروم ہو گیا ہے۔ اگر اس میں یہ نقص پیدا ہو گیا ہے تو پھر وہ "اللہ" نہیں کہلا سکتا کیونکہ اللہ وہی ہو سکتا ہے جو تمام صفاتِ حسنہ کا کامل مجموعہ ہو اور اس کی کوئی صفت کسی وقت معطل نہ ہو۔ یہ تو بتوں کی صفت ہے کہ وہ کلام نہیں کر سکتے۔

حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں" فسئلوھم ان کانوا ینطقون۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو اپنے ان بتوں سے پوچھ لو کہ انہیں کس نے توڑا ہے۔ (الانبیاء ۶۳) اور وہ جواب دیتے ہیں لقد علمت ماھٰؤلآء ینطقون تو تو جانتا ہے کہ یہ بات نہیں کرتے (الانبیاء ۶۵) فراغ الیٰ اٰلھتھم فقال الا تاکلون۔ مالکم لا تنطقون (الصّٰفّٰت ۹۱-۹۲) حضرت ابراہیمؑ بتوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتے ہیں کیا تم کھاتے نہیں۔ اور جواب نہ ملنے پر فرماتے ہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم بولتے نہیں۔ اس سے وہ اپنی بُت پرست قوم پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میرا اللہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور تمہارے بُت اس صفتِ کلام سے محروم ہیں۔ یہی اللہ تعالےٰ کی ہستی کا ایک یقینی ثبوت ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ خدا بولتا نہیں ہے تو پھر اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک خشک درخت ہے جس میں نہ پھول آتے ہیں اور نہ اُسے پھل لگتے ہیں۔ اس لئے ایک انسان کی دشمنی میں اللہ تعالےٰ کو تو مُبت نہ بناؤ کیونکہ سلسلہ الہام منقطع ہو جانے سے نہ تو اسلام کا خدا زندہ خدا ثابت ہوتا ہے نہ اس کا رسُول زندہ رسول اور نہ اس کا قرآن زندہ قرآن۔ حالانکہ قرآن میں کلمۂ حق یعنی اسلام کو ایک ایسے درخت سے تشبیہہ دی گئی ہے جو ہر موسم میں اپنا پھل دیتا ہے تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا (ابراہیم ۲۵) اور اس کے یہ پھل مجددین۔ اولیاء اللہ اور صالحینِ امت ہیں جن سے اللہ تعالےٰ کلام کرتا اور اس طرح اپنی ہستی کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ ان صادقین کا ساتھ دینا آنحضرت صلعم کا ساتھ دینا ہوتا ہے۔ اور جو لوگ ان کا ساتھ دیتے ہیں وہ بھی ربیون کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ اگر انہیں حق کو مٹانے کا ارادہ رکھنے والوں کے خلاف نبرد آزما ہونا پڑے اور اس راہ میں انہیں شدائد و مصائب اٹھانی پڑیں۔ اپنی جان۔ مال۔ اولاد اور عزت کی قربانی دینی پڑے تو اس سے گھبرا کر انہیں وھن۔ ضعف اور استکانت نہیں دکھانی چاہیئے۔ آنحضرت صلعم نے" وھن" کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ "حب الدنیا وکراھیۃ الموت" کہ انسان دنیا کی محبت اور موت کے خوف کی وجہ سے حق کا ساتھ چھوڑ دے۔ ضعف ہمتوں کے پست ہو جانے اور حوصلہ ہار جانے کو کہتے ہیں۔ اور استکانت تن آسانی اور عیش و عشرت میں

میں پڑ جانے کو کہتے ہیں۔ دراصل یہ سب کچھ دنیا کی محبت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والوں نے ان سے بچنے کے لئے ہمیشہ دعا سے کام لیا ہے کہ اے اللہ ہمارے رب ہمارے گناہ اور ہماری زیادتیاں بخش دے۔ ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ اور ہمیں کافر قوم پر مدد دے۔ ایسے لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت غالب اور دنیا کی محبت سرد ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ہر قسم کے خوف اور حزن و ملال سے آزاد ہوتے ہیں مسلمان جب تک آنحضرت صلعم کی تعلیم پر کاربند رہے دنیا میں غالب اور فتح مند رہے۔ لیکن جب رفتہ رفتہ اس راہ سے دور ہوتے گئے تو ان میں ہر قسم کی کمزوریاں پیدا ہوتی گئیں اور وہ مغلوب ہوتے گئے اسی وجہ سے مسلمانوں کی جو حالت آج ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔

حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا تھا علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین المہدیین تمہیں میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرنی چاہیئے جو ہدایت یافتہ ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا فضل اور احسان ہوا کہ اس نے اس خطرناک فتنوں کے دور میں جس سے ہر نبی نے اپنی امت کو ڈرایا تھا اور فرمایا تھا کہ اس زمانے سے زیادہ خطرناک زمانہ نہ پہلے ہوا ہے اور نہ اس کے بعد ہوگا۔ آنحضرت صلعم کا ایک روحانی خلیفہ اور مہدی بھیجا جس نے اللہ تعالیٰ سے علم پاکر ان فتنوں کی نشاندہی کی اور اپنی قوم کو اس سے آگاہ کیا چونکہ از روئے حدیث یہ زمانہ جنگوں کا نہیں بلکہ علوم و فنون کا زمانہ تھا اور تحریر و تقریر کے ذریعے عوام کو متاثر کرنے کا دور تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحریر و تقریر اور دلائل و براہین کے اسلحہ سے مسلح کیا جس کے استعمال سے آپ نے باطل پر وہ کاری ضربیں لگائیں کہ اس کا کچومر نکال کے رکھ دیا۔ آپ کے ساتھ بھی ربیون کی ایک جماعت ہوگئی جس نے اس جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے بھی دشمن کے مقابلے میں نہ وھن دکھایا اور نہ ہی ضعف اور نہ استکانت دکھائی۔ انہوں نے بھی دعاؤں سے کام لیا اور اپنے موقف پر ثابت قدمی سے جمے رہے۔ حضرت صاحب بھی اپنے بعد اپنا یہ مشن ان کے سپرد کر گئے اور وہ اب یہ بار امانت ہمارے کندھوں پر ڈال گئے ہیں۔ ہم بھی اسی وقت کامیاب ہوسکتے ہیں جب ہم آنحضرت صلعم اور آپ کے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو اپنائیں گے۔ قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کی سنت جسے امام وقت نے تازہ کیا ہے ہمارے سامنے ہے۔ آنحضرت صلعم اور آپ کے خلفاء سے جو باتیں ثابت نہیں وہ ہمیں نہیں کرنی چاہئیں ایسی باتیں جو آپ نے نہیں کیں اور اب ہمارے اندر لوگوں کے دیکھا دیکھی رواج پا رہی ہیں یہ سب بدعتیں ہیں مثلاً یہ قل۔ سوئم۔ ختم۔ چہلم اور یونہی ہاتھ اٹھا کر فاتحہ خوانی نہ حضرت نبی کریمؐ سے ثابت ہیں اور نہ حضرت مسیح موعود سے لیکن افسوس ہے کہ دن بدن یہ ہم میں داخل ہو رہی ہیں۔ ان سے بچنا چاہیئے۔ بعض اوقات لوگ کہتے ہیں اس میں حرج کیا ہے میں یہی کہوں گا کہ ہر وہ بات جو قرآن و حدیث و سنت سے اور حضرت مسیح موعود کے عمل سے ثابت نہیں وہ خلاف اسلام ہے اس لئے اس میں بہت بڑا حرج ہے۔ میں اپنی جماعت سے پُر زور الفاظ میں یہ کہوں گا کہ ان سے احتراز کریں۔ حضرت صاحب ہمیں ان بدعتوں سے چھڑا کر ایک بامقصد کام پر لگانے آئے تھے ہم ان باتوں کے پیچھے پڑتے جارہے ہیں اور وہ کام جس پر ہماری پوری توجہ ہونی چاہیئے وہ پیچھے پڑتا جا رہا ہے۔ اگر ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ماموروں کا ساتھ دینے والے گروہ یعنی ربیون میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی درپیش مشکلات میں دنیا کی محبت کو سرد کرنا اور اپنے حوصلے بلند اور قدم مضبوط کرنے ہوں گے کیونکہ اس کا صلہ ہمارے لئے بھی وہی ہوگا جس کا اس آیت میں ذکر ہے" فاٰتٰهم الله ثواب الدنيا وحسن ثواب الاخرة والله يحب المحسنين۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کا اچھا ثواب بھی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی نصیب ہوئی۔

آپ نے فرمایا کہ اس سے اگلی آیت میں ہے کہ تمہارے مخالفین تمہیں اس راستے سے ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے اگر تم لوگوں کے کہنے اور ان کے خوف سے اس راہ سے ہٹ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ تم خود ہی نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ لیکن اگر اس راستے پر صبر و استقامت کے ساتھ چلتے رہو گے تو بل الله مولٰكم وهو خير النٰصرين۔ تو پھر اللہ تعالیٰ ہی تمہارا مولیٰ اور سب سے اچھا مددگار ہے مگر اس کی نصرت اور تائید حاصل کرنے کے لئے ہمیں آنحضرت صلعم کی سنّت اور حضرت صاحب کی اتباع کرنا ہوگی۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں ؎

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

اللہ تعالیٰ ہمیں ربیون اور اپنے نیک بندوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

* * *

اخبار احمدیہ

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں احباب سلسلہ حضرت کی پُر انوار اور برکاتِ الٰہی سے بھرپور لمبی زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی دعائیں جاری رکھیں تاکہ آپ کی قیادت میں عروج روحانیت کی راہ پر گامزن یہ جماعت قدم آگے سے آگے بڑھاتی چلی جائے۔

اعتذار

کاتب پیغام صلح جناب محمد بشیر احمد کو کالا موتیا کی تکلیف شروع ہوگئی ہے جس سے وہ پریشان ہیں۔ اور قارئین سے دعائے صحت کے ملتجی ہیں۔ پرچہ لیٹ شائع ہونے کی بھی یہی وجہ ہے اب ہم پرچہ وقت پر شائع کرنے کی انتہائی کوشش کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

اسلامی آئین کیا ہو

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب، بتاریخ ۹ ستمبر ۱۹۸۳ء، بمقام مرکزی جامع مسجد، دارالسلام، لاہور

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا ۙ وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا

(النساء ۴۔ آیت ۵۸)

ترجمہ:۔ "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہوں۔ اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو۔ بے شک یہ بہت ہی عمدہ بات ہے جس کی تمہیں اللہ نصیحت کرتا ہے۔ (یاد رکھو کہ) اللہ سُن رہا ہے، دیکھ رہا ہے۔"

آج کل پھر ملک اور قوم کے سامنے یہ اہم ترین مسئلہ ہے کہ پاکستان کا آئین کیا ہو؟ یہ مسئلہ اس طرح پیدا ہوا ہے کہ پچھلے (۳۶) سال میں تین آئین بنے اور ناکام رہے۔ پاکستان جب بنا تو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء جو آئین وقت تھا اس کے تحت حکومت چلتی رہی یہاں تک کہ ۱۹۵۶ء کا آئین بنا اور نافذ ہوا۔ وہ آئین ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء لگنے پر اگر بالکل ختم نہیں ہوا تو بھی اس کی کمر ٹوٹ گئی۔ پھر ۱۹۶۲ء میں صدارتی آئین بنا اور وہ چھ سال تک نافذ رہا۔ ۱۹۶۹ء میں پھر مارشل لاء لگا اور ۱۹۷۳ء تک نافذ رہا یہاں تک کہ اس سال پھر ایک آئین بنا۔ مگر ۱۹۷۷ء میں پھر مارشل لاء لگانا پڑا جو آج تک قائم ہے۔

یہ سوال کیوں پیدا ہوا ہے کہ پاکستان کا اگلا آئین کیا ہو؟ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کو دوبارہ نافذ کیا جائے اور نیا آئین بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ آئین پارلیمانی طرز حکومت پر مبنی تھا۔ اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پارلیمانی طرزِ حکومت ہی اصل جمہوری نظام ہو سکتا ہے۔ دراصل یہ خیال ہمارے دل اور دماغ میں انگریز ٹھونس گیا۔ انگریز جہاں بھی گیا وہ اپنی طرز حکومت کو بھی لے گیا۔ ہمارے برصغیر ہند اور پاکستان میں بھی انگریز نے شروع دن سے اسی طرزِ حکومت کو جاری کرنے کی کوشش کی۔ ہر شخص اپنی چیز کو پسند کرتا ہے۔ برطانیہ کے لوگوں کو خصوصاً اپنی چیزوں سے اندھی محبت ہوتی ہے۔ ان کا مقولہ مشہور ہے (چاہے وہ کسی چیز کی بابت ہو) کہ "یہ برٹش ہے، اس لئے یہ بہترین ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ پارلیمانی طرزِ حکومت اگر کسی قوم کو راس آئے تو وہ نہایت عمدہ نظام ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ وہ ہماری قوم کو بلکہ کسی مسلمان قوم کو کبھی راس نہیں آیا۔ آج سارے اسلامی ممالک میں کہیں بھی پارلیمانی طرزِ حکومت اپنے اصل رنگ میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ جہاں بظاہر پارلیمنٹ ہے اور وزیر اعظم ہے وہاں یا تو صرف ایک پارٹی کی حکومت ہے یا اصل طاقت کسی طاقتور آدمی کے ہاتھوں میں ہے جو یا تو صدر ہے یا پارلیمنٹ سے باہر کوئی اور لیڈر ہے۔ حالانکہ صحیح پارلیمانی طرزِ حکومت میں طاقت و اختیارات کا سرچشمہ پارلیمنٹ اور وزیر اعظم ہوتے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ پارلیمانی طرز حکومت کو ہمارے ملک میں آزمانے کا پورا موقعہ نہیں ملا۔ یہ بات صحیح نہیں۔ اس برصغیر (ہند اور پاکستان) میں پہلا باقاعدہ آئین گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء میں تھا جس کے ماتحت انتخابات ہو کر ۱۹۲۱ء میں برصغیر کے تمام صوبوں میں پارلیمانی طرزِ حکومت قائم ہوا جس میں انتظامی امور اور مالیاتی معاملات کے علاوہ بہت سے صوبائی امور منتخب وزراء کے اختیار میں تھے۔

اس نیم پارلیمانی آئین کو بھی ہمارے اس وقت کے وزراء نے ایسا چلایا کہ خود ہمارے عوام کو سخت شکایات پیدا ہوئیں۔ دوست نوازی، کنبہ پروری، سفارش بازی اور اس کے نتیجہ میں حق داروں سے بے انصافی، پارٹی نوازی یا سیاسی جوڑ توڑ کی شکایات عام تھیں۔ اگر اس آئین کے ماتحت انگریز کی گرفت حکومت پر مضبوط نہ ہوتی تو بعد کے زمانہ کی طرح آئین کو معطل کر کے گورنر راج لگانا پڑتا۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء کے آئین کے ماتحت جب انگریز کی گرفت کمزور پڑی تو بار، بار صوبوں میں آئین کو معطل کر کے گورنر راج لگانا پڑتا رہا۔ یہی حال پاکستان بننے کے بعد بھی جاری رہا۔ بلکہ ۱۹۵۶ء کے آئین کے نافذ ہونے کے بعد تو مرکزی حکومت میں بھی آئے دن حکومتیں بننے اور ٹوٹنے لگیں۔ جب ملک میں سیاسی استحکام نہ ہو اس میں اقتصادی استحکام بھی باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ ۱۹۵۸ء میں ملک دیوالیہ ہونے لگا تھا۔

۱۹۵۸ء کے مارشل لاء اور بعد میں صدارتی نظام حکومت میں چونکہ سیاسی استحکام پیدا ہوا اس لئے اقتصادی حالت بھی ملک کی اس قدر سنور گئی کہ پھر کبھی نہ ہوئی۔ مگر ملک میں پھر گڑبڑ پیدا ہوئی اور ۱۹۶۹ء میں پھر مارشل لاء لگانا پڑا۔ اس کے بعد جو سیاسی تبدیلیاں ہوئیں ان کی تفصیل میں میں نہیں جانا چاہتا۔ قصہ مختصر یہ کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں جو پارلیمانی طرز حکومت قائم ہوا اس میں پھر عوام کو اس قدر شکایات پیدا ہوئیں (جو صرف ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں دھاندلیوں کی نہ تھیں) کہ دوبارہ مارشل لاء لگانا پڑا۔

میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ ملک کا اگلا آئین پارلیمانی ہو یا صدارتی۔ اس کا فیصلہ ہمارے سیاستدان کریں یا حکومت کرے۔ میں صرف اتنا کہوں گا کہ آزمائے ہوئے کو پھر آزمانا کوئی عقلمندی نہیں۔ اگر ہمارے سیاست دان ذاتی مفاد سے علیحدہ ہو کر ملک کے مفاد کے لئے کیا نظام بہتر ہوگا۔ یا کیا طرز انتخاب مناسب رہے گا اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ اُن کی راہنمائی فرمائے گا۔ مگر یہ نکتہ ضرور سمجھنا چاہیئے کہ ہر ملک اور ہر قوم کے حالات مختلف ہوتے ہیں بلکہ سیاسی مزاج (POLITICEL GENIUS) الگ الگ ہوتا ہے اس لئے کسی اور ملک کا آئین خواہ وہ برطانیہ ہو یا امریکہ وہ ضروری نہیں کہ ہمارے ملک میں کامیاب آئین ہو۔ ہمیں اپنے ملک کے پچھلے پچاس، ساٹھ سال کے سیاسی تجربہ اور اپنی قوم کے سیاسی مزاج کو سامنے رکھ کر اپنے لئے خود اپنا آئین بنانا چاہیئے جو ضروری نہیں کسی اور ملک کے آئین کا چربہ ہو۔

چونکہ آجکل یہ ذکر ہے کہ ہمارے ملک کا آئین اسلامی ہو اس لئے میرے اس خطبہ کا موضوع یہی ہے کہ اسلام میں حکومت کا کیا تصور ہے خطبہ کا وقت محدود ہونے کیوجہ سے میں زیادہ تر قرآن حکیم کے حوالوں تک اپنے آپ کو محدود کر دوں گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ چونکہ قرآن حکیم تمام ملکوں، تمام قوموں اور تمام زمانوں کے لئے شمع ہدایت ہے اس لئے اس نے کوئی آئین نہیں دیا بلکہ کچھ بنیادی اصول دیئے ہیں۔ یہ اسی لئے کہ ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانہ کے حالات علیحدہ، علیحدہ ہوتے ہیں۔ اور چونکہ قرآن حکیم سیاسی آئین کی کتاب نہیں بلکہ اس نے انسان کی دُنیا اور آخرت سنوارنے کے لئے ہدایات دی ہیں اس لئے اس میں اگر کوئی سیاسی آئین کے لئے اصول ملتے ہیں یا بطور نتیجہ اخذ کئے جا سکتے ہیں تو وہ اس لئے کہ وہ اصول انسان کی دنیوی فلاح کے لئے سود مند ہیں۔ ان اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہر قوم کو اختیار ہے کہ وہ اپنے پچھلے سیاسی تجربات کی روشنی میں یا اپنے سیاسی مزاج کے مطابق اپنا آئین بنا لے۔

ہر آئین بناتے وقت پہلا سوال یہ تشریح طلب ہوتا ہے کہ اس آئین کے ماتحت اصل طاقت یا اختیارات کا سرچشمہ (SOVEREIGNTY) کہاں ہے۔ چونکہ بائیبل یا عیسائیت میں اس بارہ میں کوئی آسمانی ہدایت نہیں تھی تو اہل مغرب نے اس سرچشمہ کو عوام میں سمجھا۔ مگر عوام آخر انسانوں کے مجموعہ کا نام ہے اور انسان غلطی کر سکتا ہے، ٹھوکریں کھا سکتا ہے یا اپنے اختیارات اور طاقت کا غلط استعمال کر سکتا ہے۔ اور عوام کو دھوکا بھی دیا جا سکتا ہے قرآن حکیم نے نہایت عمدہ اور صحیح بات فرمائی ہے کہ زمین و آسمان کا اصل شہنشاہ اللہ تعالےٰ ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور اسی کے قوانین اس میں چل رہے ہیں۔ ہر فرد اور ہر قوم کی زندگی انہی قوانین کے ماتحت ہے۔ تو جس کے قوانین نافذ ہوں اور اُن کے توڑنے پر اس کی طرف سے گرفت اور سزا ہو تو اصل حاکم اور بادشاہ وہی ہے اور تمام طاقت اور اختیارات کا سرچشمہ بھی وہی ہے۔ قرآن حکیم نے اس امر پر بہت سی جگہ روشنی ڈالی ہے۔ اُن میں سے چند آیات پیش کرتا ہوں۔

ان اللہ لہٗ مُلک السمٰوٰت والارض (سورۃ توبہ ۹۔ آیت ۱۱۶)

"بے شک آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کے لئے ہے"۔

الم تعلم ان اللہ لہٗ مُلک السمٰوٰت والارض

(البقرۃ ۲۔ آیت ۱۰۷)

"کیا تُو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کی ہی ہے"۔

اگلے عالم کے آسمانوں کا تو ذکر کیا اس عالم کے محیّر العقول اور عظیم الشّان آسمانوں اور زمین میں آج سائنس نے تصدیق کی ہے اُس بات کی جو آج سے چودہ سو سال پہلے کوئی نہیں جانتا تھا۔ مگر قرآن حکیم نے نبی امیّ صلعم کی زبان سے کہلوائی تھی کہ یہ تمام کائنات کا ایک ہی خالق ہے اور تمام کائنات اسی کے قوانین کے ماتحت چل رہی ہے بلکہ اب تو آکر سائنس نے بھی اعتراف کر لیا ہے کہ اس کائنات کا خالق اور مالک خُدا ہے اور وہ ایک ہے کیونکہ تمام کائنات ایک ہے اور ایک ہی قوانین کے ماتحت چل رہی ہے۔ انہی آسمانی قوانین کی فرمانبرداری کر کے انسان فضا میں گیا یا چاند پر اُترا۔ اور زمین میں جو اللہ تعالےٰ کے قوانین نافذ ہیں یا چیزیں اللہ تعالےٰ نے پیدا کی ہیں اُن کی ماہیّت جاننا اور ان قوانین کا علم سائنس کہلاتا ہے۔ اسی علم کو حاصل کر کے انسان نے تمام ترقیات کی ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس کائنات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ اس اہم موضوع پر بھی قرآن حکیم وہ روشنی ڈالتا ہے جو اور کسی الہامی کتاب نے نہیں ڈالی۔ فرمایا:۔

واذ قال ربُّک للملٰٓئکۃ انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ (البقرۃ ۲: ۳۰)

"جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے لگا ہوں"۔

اس کے بعد آدمؑ کی پیدائش، اس کو تمام علوم دیئے جانے اور علوم کے ذریعے تمام کائنات کا اس کے لئے مسخر کئے جانے کا ذکر ہے۔ تو انسان دراصل اس احکم الحاکمین کا خلیفہ ہے جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اب یہ سب کو معلوم ہے کہ بادشاہ اپنے وائسرائے (خلیفہ) کو جو اختیارات چاہے تفویض کرے یا دے۔ اس بارہ میں قرآن کریم فرماتا ہے۔

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہٗ ظاہرۃً وباطنۃ (لقمان ۳۱۔ ۲۰)

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے یا زمین میں وہ تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو پورا کیا ہے۔"

وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعًا منہ (الجاثیہ ۴۵ - ۱۳)

"اور اللہ تعالےٰ نے جو جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔"

تو آسمانوں اور زمین کو انسان کے لئے کام میں لگا دیا گیا ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے وہ انسان ہی کے لئے ہے جیسے فرمایا:۔

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا (البقرۃ ۲ - ۲۹)

یعنے "وہی تو ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے پیدا کیا۔"

اللہ تعالےٰ کا کتنا بڑا احسان انسان پر ہے کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ انسان کے لئے ہے۔ تو حکومت اللہ تعالےٰ کی ہے مگر انسان اس کا خلیفہ ہے اور زمین اور آسمانوں کو انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے مگر یہ تسخیر اور یہ اختیار انسان کے دماغ میں فرعونیت پیدا کر دیتا ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں ہی بادشاہ ہوں اور میرے اوپر کوئی نہیں۔ اس بارہ میں بھی قرآن نے ہماری اصلاح کے لئے فرمایا:۔

قل اللّٰھم مٰلک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء۔ (آل عمران ۳ - ۲۵)

یعنے "کہہ کہ اے اللہ بادشاہت کا مالک تو تو ہی ہے تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے حکومت کو چھین لے اور جسے چاہے عزّت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔"

فرمایا کہ انسان اصل بادشاہ نہیں۔ اصل بادشاہ تو اللہ ہی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ دنیا کی حکومت جسے چاہے وہ دے اور جسے چاہے اس سے چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے اُسے ذلیل کرے۔ قرآن میں جہاں اللہ تعالےٰ کے لئے آیا ہے کہ جسے چاہے دے یا جو چاہے کرے تو اس کے معنے یہ نہیں کہ نعوذ باللہ سکھا شاہی ہے کیونکہ اس کی صفات علیمٌ حکیمٌ ہیں یعنے وہ سب سے بڑھ کر علم رکھتا ہے اور سب سے بڑھ کر دانائی بھی۔ وہ جو بات کرتا ہے صحیح اور مکمّل علم پہ مبنی ہوتی ہے جو انسان کو میسّر نہیں، اور وہ جو بات کرتا ہے وہ دانائی اور حکمت پر مبنی ہوتی ہے تو انسان کے غرور اور دھوکے کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس دنیا میں بھی اصل بادشاہت اللہ کی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ جسے چاہے زمین میں اپنا خلیفہ یا حاکم بنائے اور جسے چاہے ہٹا دے۔ ایسا نہ ہوتا تو کوئی بادشاہ یا صدر یا وزیرِ مملکت اپنی جگہ سے نہ ہٹتا اور مغربی اقوام اپنی عالمگیر سلطنت نہ کھو بیٹھتیں۔ پھر انسان حکومت کے ذریعے عزّت چاہتا ہے۔ یہ بھی انسان کے اختیار کی بات نہیں۔ اچھا خاصا آدمی عزّت سے گھر بیٹھا ہوتا ہے جو شامت آتی ہے تو وزارت یا حکومت کی طرف دوڑتا ہے اور ساری قوم کی نگاہوں میں اس کے عیب و ثواب آنے لگتے ہیں اور اکثر ذلیل ہو جاتا ہے، اپنی عزّت کھو بیٹھتا ہے الّا ماشاء اللہ یہاں بھی عزّت اور ذلّت اللہ تعالےٰ انسان کے اپنے اعمال کے نتیجہ کے طور پر دیتا ہے۔ الغرض نہ انسانوں کی حکومت رہتی ہے نہ قوموں کی۔ انگریز کے عروج کو یاد کرو۔ تمام دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ کہاوت تھی کہ سورج سلطنت برطانیہ پر کبھی غروب نہیں ہوتا۔ مگر کہاں رہی وہ سلطنت؟ آج اس کے گھر میں کالے لوگ گھسے جاتے ہیں۔ انگریز سے لے کر امریکنوں کو غلبہ دیا۔ آج وہ قوم آزمائش میں ہے۔

تو جہان میں اصل بادشاہت اللہ تعالےٰ کی ہے اور انسان اس کا خلیفہ ہے اس لئے اسے چاہیئے کہ اپنے اصل بادشاہ کے قوانین اور فرمانوں کو مانے ورنہ وہ بادشاہ اسے معزول اور ذلیل کر سکتا ہے۔ وہاں پھر سوال اٹھتا ہے کہ کیا کوئی حاکم یعنے صدر یا وزیر یا رکن اسمبلی خدا کے سوا کسی اور کے آگے بھی جوابدہ ہے یا نہیں۔ ذرا دیکھنا کہ آج سے ۱۴۰۰ سال قبل جب کہ یہ جمہوری تصوّر کسی انسانی دماغ میں نہ تھا قرآن نے ایک اُمّی (صلعم) کی زبان سے کہلوایا:۔

واذ قال موسٰی لقومہٖ یٰقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکًا۔ (المائدۃ ۵ - ۲۰)

یعنے "جب موسٰے نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی جو نعمت تمہارے اُوپر ہے اُسے یاد کرو کہ اس نے تمہارے درمیان نبی بھیجے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔"

حضرت موسٰی جو ایک جلالی رنگ کے بادشاہ تھے ان کی زبان سے کہلوایا کہ بادشاہت قوم کی ہوتی ہے نہ کہ کسی فرد کی۔ قوم جس کو چاہے اپنا حاکم مقرر کرے اور اگر چاہے تو اسے علیحدہ کر دے۔ اس اختیار کو استعمال کرنے کے لئے پرانے زمانہ میں قوم کے لوگ مل کر اور مشورہ کر کے اپنا سردار یا بادشاہ چُن لیتے تھے۔ آج اسی کام کو ووٹ کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔

اگر قوم کی حاکمیت ہے تو کیا قوم کا ہر فرد کہہ سکتا ہے کہ میں ہی حاکم رہوں اور دوسرا مجھ پر کیوں فوقیت رکھے یا ساری قوم کیوں نہ حکومت کرے تو قرآن یہاں بھی انسان کی رہنمائی فرماتا ہے کہ ایسے کام نہیں چل سکتا۔ دُنیا کے کام چلانے کے لئے انسانوں میں درجات کا ہونا ضروری ہے۔ اگر تمام لوگ برابر ہوں اور ہر شخص حاکم ہو تو دُنیا کا کام کیسے چلے چنانچہ فرمایا:۔

وھو الّذی جعلکم خلٰئف الارض و رفع بعضکم فوق بعض درجٰت لیبلوکم فی ما اٰتٰکم۔ (الانعام ۶ - ۱۶۶)

یعنے "وہی تو ذات ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے

بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ تمہیں آزمائے اس کے بارہ میں جو تم کو دیا ہے"۔

بجائے واحد لفظ خلیفہ کے جمع کا لفظ خلیفے استعمال کر کے بتایا کہ جیسے دنیا میں صرف ایک انسان یا صرف ایک قوم خدا کا خلیفہ (دنیاوی رنگ میں) نہیں بلکہ مختلف قومیں مختلف حالات میں ہیں اسی طرح کسی ایک قوم کے اندر مختلف لوگ جدا جدا کام کرتے ہیں اور کسی کا درجہ نیچا اور کسی کا اونچا ہوتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ نچلے درجے والا گھاٹے میں ہے یا اونچے درجے والا فائدہ میں۔ بلکہ جس کو جو دیا گیا ہے اس میں اس کی زیادہ آزمائش ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ دنیا ایک سٹیج ہے۔ ضروری نہیں کہ بادشاہ کا پارٹ ادا کرنے والا سب سے اچھا کام کرنے والا ہو۔ بہت ممکن ہے کہ ایک معمولی کام کرنے والا اپنا کام زیادہ اچھا کر دکھائے۔ بہرحال جسے تھوڑا دیا اس کی تھوڑی آزمائش ہے جسے زیادہ اس کی زیادہ آزمائش ہے۔ اللہ تبارک تعالےٰ کا یہ منشا ہے کہ حکومت و سلطنت جو اسکی امانت ہے وہ ہر قوم اپنے اشخاص کے سپرد کرے جو اسکے اہل ہوں۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا:۔

ان اللہ یأمرکم ان تؤدّوا الامانات الیٰ اھلھا ج واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ط ان اللہ نعما یعظکم بہ ط ان اللہ کان سمیعًا بصیرًا ۝ (النساء۔ ۵۸)

یعنی "اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے سپرد کرو جو اُن کے اہل ہوں اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو وہ فیصلہ عدل و انصاف سے ہو۔ بے شک اللہ تمہیں جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہترین ہے۔ بے شک اللہ تعالےٰ سنتا اور دیکھتا ہے"۔

اس آیت کی تفسیر خوش قسمتی سے خود آنحضرت صلعم نے فرما دی ہے۔ چنانچہ صحابہ رضؓ کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ "امانات" امورِ سلطنت ہیں تو جہاں فرمایا کہ حاکمیت ساری قوم کی ہے نہ کہ فردِ واحد کی ہے یا کسی طبقہ کی وہاں ساری قوم کو حکم دیا کہ تم امورِ سلطنت کو بطور امانت اُن لوگوں کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہوں۔ یعنے حکومت کو منتخب کرتے وقت امیدوار کی اہلیّت کو دیکھو نہ کہ اس بات کو کہ وہ تمہاری برادری میں سے ہے یا نہیں۔ تمہاری پارٹی کا ہے یا کسی دوسری کا۔ بلکہ ووٹ اس کو دو جو حکومت کا اہل ہو یعنے اپنے کیریکٹر اپنی قابلیّت کے لحاظ سے بہترین ہو۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے کرو۔ یہاں معنے نہ صرف یہ ہیں کہ جب حاکم منتخب کرلو تو وہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلے کریں۔ (نہ کہ پارٹی بازی سے یا برادری کی طرفداری سے اور نہ اس خیال سے کہ اس نے ہمیں ووٹ دیا تھا یا ہماری مدد کی تھی یا نہیں) بلکہ یہ بھی معنی ہیں کہ جب تم امیدواروں کے درمیان جو انتخاب کے لئے کھڑے ہوتے ہیں فیصلہ کرو تو اس موقعہ پر بھی عدل و انصاف سے فیصلہ کرو کہ کون اہل ہے۔ اس میں برادری یا پارٹی بازی کا لحاظ نہ ہو اور انتخاب کے بعد حاکم بھی جب لوگوں میں فیصلہ کریں تو عدل و انصاف سے نہ کہ برادری اور پارٹی بازی کی بنا پر یا اس امر کے پیشِ نظر کہ ہمیں ووٹ دیا تھا یا نہیں، مدد کی تھی یا نہیں، کاش اس زرّیں اصول پر عمل ہوتا تو اسمبلیوں کے ممبر اور وزراء انتخاب کے بعد بدنام نہ ہوتے اور اپنے عہد سے کبھی نہ پھرتے۔ اور کاش قوم کے لوگ ووٹ صرف ان لوگوں کو دیں جو اس کے اہل ہیں نہ کہ محض اس بنا پر کہ وہ ان کی برادری یا پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔

لیجیئے انتخابات ہو گئے۔ حاکم چُنے گئے۔ انتخاب کے وقت اور اسکے بعد حکومت کے دوران عدل و انصاف سے کام لئے جانے کا حکم مل گیا۔ مگر بدقسمتی سے انتخاب کے بعد جو کامیاب ہوتے ہیں۔ وہ حکومت کے نشہ میں بھول جاتے ہیں کہ ان پر بھی کوئی حاکم ہے اور وہ من مانی کرنے لگتے ہیں اور پھر قوم میں اور حاکموں میں بھی اختلافات، شکایات بلکہ بغاوتیں، اور ان کو دبانے میں ظلم و ستم ہونے لگتے ہیں۔ ان حالات کے لئے ہمیں قرآن میں کیا ہدایت ملتی ہے؟ اس کتاب کے قربان جائیے کہ کوئی موقعہ نہیں یا کوئی مسئلہ یا اُلجھن نہیں جس کا اس میں حل نہیں ملتا۔ فرماتا ہے (اور یہ مذکورہ بالا آیت کے معًا بعد کی آیت ہے):۔

یٰایھا الذین اٰمنوآ اطیعُوا اللہ و اطیعوا الرّسول واُولی الامر منکم ج فان تنازعتم فی شیءٍ فردّوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ط ذالک خیرٌ واحسن تاویلاً ۝ (النساء۔ ۵۹)

یعنے "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے حاکم ہوں ان کی بھی پس اگر تم میں کسی بات پہ جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے یہ بہتر ہے اور انجام کار تمہارے لئے فائدہ مند ہے"۔

چونکہ اصل بادشاہ اللہ تعالےٰ ہے اور انسان محض اس کا خلیفہ ہے اس لئے مقدم اطاعت اللہ تعالےٰ کی ہے چاہے انسانی حاکم ہو یا محکوم قوم ہو۔ اللہ تعالےٰ کی اطاعت تو اس طرح کہ اس نے اپنی مرضی اور منشاء کو قرآن کریم میں بتا دیا ہے۔ پھر رسول اللہ صلعم نے قرآن کے احکام کو مختلف حالات پر چسپاں کر کے دکھا دیا حضور صلعم کی ہی یہ شان ہے کہ محکوم و مغلوب رہ کر اپنی امت کے لئے اُن حالات کے لئے بھی بہترین نمونے قائم کئے جو کسی رعیت کو پیش آتے ہیں اور حاکم اور بادشاہ بن کر نہ صرف اعلےٰ ترین نمونہ چھوڑا بلکہ قرآن کے احکامات کو حالات پہ چسپاں کر کے ان کی تفصیل پیش کی۔ پس حاکم ہوں یا محکوم

ان کے لئے سب سے مقدم قرآن اور اس کے بعد حدیث سے جو ہدایت ملتی ہے وہ لازم ہے مگر تمام باتیں قرآن اور حدیث میں موجود نہیں اور ایسے نئے حالات پیدا ہو سکتے ہیں جن میں قوم کو خود فیصلہ کرنا پڑ سکتا ہے۔ ایسا فیصلہ قرآن اور حدیث اور سنّت کی روشنی میں کرو اور اگر وہاں سے رہنمائی نہ ملے تو جو لوگ صاحب حکومت ہوں یا اسمبلیاں وہ فیصلہ کریں اور قوم کا فرض ہے کہ ان فیصلوں کو مانیں سوائے اسکے کہ ان فیصلوں کو ماننے میں اللہ تعالےٰ یا اسکے رسولوں کی نافرمانی ہوتی ہو کیونکہ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کو یہاں اولی الامر کی اطاعت سے مقدم کیا ہے یعنی حاکم لوگ فیصلہ کرنے میں اگر قرآن اور حدیث کے خلاف جائیں تو پھر ایسا فیصلہ قابلِ اطاعت نہیں۔

اسی لئے فرمایا کہ اگر رعایا اور حاکموں میں جھگڑا ہو تو پھر اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے فرمان کے مطابق (یعنے قرآن اور حدیث کے مطابق) کرو۔ یہاں فرمایا کہ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو ایسا ہی کرو کیونکہ اللہ تو حاضر و ناظر اور اصل حاکم ہے کہ جس سے چاہے حکومت چھین لے اور جسے چاہے دیدے اس لئے وہ اس دنیا میں ہی سزا دے سکتا ہے اور اگر کسی کو اس دنیا میں سزا نہ ملی تو آخرت کے دن تو کوئی بچ نہ رہے گا۔

مَیں نے جو اُوپر قابلِ اطاعت ہستیاں لکھی ہیں یعنے اللہ تعالےٰ اور اس کا رسولؐ اور پھر اولی الامر (یعنے صاحب اختیار لوگ۔ حاکم) اس کی تائید قرآن کی مذکورہ بالا آیت کے علاوہ سنت نبویؐ میں بھی ملتی ہے حضور صلعم نے جب معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو مدینہ کے باہر تک حضورؐ خود تشریف لے گئے۔ رستہ میں پوچھا کہ لوگوں میں کس طرح فیصلہ کرو گے؟ معاذ نے کہا کہ اللہ کی کتاب سے حضور صلعم نے پوچھا کہ اگر کوئی بات کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے رسولؐ کے فرمان اور عمل کے مطابق۔ حضور صلعم نے پوچھا کہ اگر اس میں بھی اس بات کو نہ پاؤ تو پھر؟ معاذ نے عرض کیا تو پھر میں اجتہاد کروں گا۔ یعنے اپنی عقل کو استعمال کر کے جو بات صحیح معلوم ہوگی (جس میں اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی نہ ہو) اسی طرح کروں گا۔ اس پر حضور صلعم بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالےٰ کا شکر یہ ادا کیا کہ اللہ تعالےٰ نے ایسے صائب الرائے اصحاب آپ کو عطا کئے۔ پھر آپؐ نے جو نصیحت کی وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے منجملہ اور باتوں کے فرمایا لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا تنگی نہ پیدا کرنا۔ لوگوں کے دل بڑھانا ان کے حوصلے پست نہ کرنا اور مظلوم کی آہ سے بچنا کہ اُس کے اور عرش کے درمیان کوئی روک نہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو مقدم کرنے کے اصول کے یہ معنے نہیں کہ صرف علمائے دین ہی حکومت کے اہل ہیں۔ اگر ان میں کوئی حکومت کا اہل ہو تو سبحان اللہ۔ مگر حکومت کی اہلیت صرف علم دین سے نہیں۔ خود قرآن مجید نے اس بات کو صاف کر دیا ہے۔ فرماتا ہے:

وقال لھم نبیّھم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاؕ قالوآ انّٰی یکون لہ الملک علینا ونحن احقّ بالملک منہ ولم یؤت سعۃً من المالؕ قال ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہٗ بسطۃً فی العلم والجسمؕ واللہ یؤتی ملکہ من یّشآء ۔۔۔۔۔۔ واللہ واسعٌ علیمٌ ۝ وقال لھم نبیّھم ان اٰیۃ ملکہٖ اَن یاتیکم التّابوت فیہ سکینۃٌ من ربّکم ۔۔۔۔ الخ (البقرۃ ۲۔ ۲۴۷ و ۲۴۸)

اس آیت کا ترجمہ لکھنے سے پہلے میں یہ بتا دوں کہ اس آیت کے مُاقبل ذکر ہے کہ بنی اسرائیل کے سرداروں نے اپنے وقت کے نبی (حضرت سموئیلؑ) سے کہا کہ ہم میں سے ایک بادشاہ مقرر کر دیجیئے تاکہ ہم فلسطینیوں سے (جنہوں نے بنی اسرائیل کو ان کے ملک سے نکال دیا تھا اور ہزارہا کو قتل کر دیا تھا) جنگ کر کے اپنا ملک واپس لیں اور بدلہ لیں۔ اب اگر صرف مذہبی راہنما ہونا ہی حاکمیت کا اہل بنانے والا ہوتا تو ان لوگوں میں صرف ایک معمولی مذہبی راہنما نہیں بلکہ خدا کا نبی موجود تھا جو اللہ تعالےٰ کی قرآن وحی اور ہدایت کے ماتحت تھا۔ تو چاہیئے تھا کہ اللہ تعالےٰ حضرت سموئیل کو ہی بادشاہ بنا دیتا۔ مگر ایسا نہ ہوا اس لئے کہ اس نبی سے بڑھ کر اہل ایک اور انسان تھا اور وہ طالوت تھا۔ جب اللہ تعالےٰ نے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا تو وہ سردار جل اُٹھے کیونکہ انہیں اُمید تھی کہ انہی میں سے کسی کو بادشاہ بنایا جائے گا۔ اب مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ سنیئے:۔

”اُن کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ انہوں نے کہا اسے ہم پر بادشاہی کس طرح مل سکتی ہے اور ہم اس کی نسبت بادشاہی کے زیادہ حقدار ہیں اور اسے مال میں سے فراخی نہیں دی گئی۔ (نبی نے) کہا بلاشبہ اللہ نے اسے تم پر برگزیدہ کیا ہے اور علم اور جسم میں اسکو بہت بڑھایا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک دیتا ہے اور اللہ کی نگاہ وسیع ہے اور علم وہ رکھنے والا ہے اور ان کے نبی نے انہیں کہا کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین ہوگی۔۔۔“

بنی اسرائیل کے سرداروں نے طالوت کے بادشاہ مقرر کئے جانے پر دو اعتراض کئے۔ اول تو یہ کہ سردار ہونے کیوجہ سے ہم بادشاہت کے زیادہ حقدار ہیں۔ دوسرے طالوت کے پاس مال بھی نہیں۔ دنیا میں حکومت انہی دو طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے یا تو سردار یعنے لیڈر ہو جو حاکم بنے۔ یا دولت مند اپنی دولت کو

استعمال کر کے حکومت حاصل کرنا ہے۔ خود حاکم نہ بھی بنے تو حاکموں کو خرید لیتا ہے اور ان سے جو چاہتا ہے کرواتا ہے۔ یہ آج تمام مزعومہ جمہوری ممالک کا حال ہے۔ انتخابات لڑنے کے لئے بھی دولت چاہیئے۔ سیاسی پارٹیاں اکثر دولت مندوں سے دولت لیکر پھر اُن کی مرہونِ منت ہو جاتی ہیں۔ حضرت سموئیل نے کہا کہ اللہ تعالے نے انتخاب اہلیّت کی بناء پر کیا ہے۔ حکومت کے لئے سب سے پہلے حکومت کرنے کا علم ہونا چاہیئے۔ مثلاً آجکل حاکم یعنے صدر یا وزراء کے لئے ان باتوں کا علم ہونا ضروری ہے جو حکومت کے دوران ان کے سامنے آئیں گے مثلاً اقتصادیات یعنے اکنامکس کا قوم کی روزانہ زندگی پر گہرا اور دوامی اثر ہے۔ تعلیم کے محکمہ کے لئے تعلیمی مسائل سے واقفیت ضروری ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو وزراء یا حاکم وہ ہونے چاہیئں جو یہ علوم اپنے اندر رکھتے ہیں۔ یہ کہہ دینا کہ حکومت ملنے پر سیکھ لیں گے یا ہمارے سیکرٹری جوان باتوں کے ماہر ہیں وہ معاون ہوں گے صحیح نہیں۔ وزارت کتنے دن ملتی ہے کہ کوئی اقتصادیات کو وزارت ملنے پر سیکھ لے گا اور اگر سیکرٹری صاحبان کے کہنے پر چلنا ہے تو پھر وزیر برائے نام حاکم ہوگا۔

دُوسری وجہ یہ بتائی کہ اللہ تعالے نے طالوت کو جسم طاقتور دیا ہے۔ یاد رکھئے کہ اسوقت جنگ کرنے کے لئے بادشاہ مقرر کئے جانے کا مطالبہ تھا۔ اُن دنوں جنگ کرنے میں سپہ سالار آگے آگے ہوتا تھا اور اس کا جسمانی طور پر طاقتور ہونا نہایت ضروری تھا اس لئے کہ اُن دنوں جنگ ہوتی ہی تھی جسمانی طاقت اور پہلوانی کے زور پر۔ آج حکومت کے لئے پہلوانی کی ضرورت نہیں مگر جسمانی صحت اور طاقت کی ضرورت ہے۔ میں نے اپنے دورانِ ملازمت میں ایک گورنر جنرل اور کئی وزراء کو دیکھا کہ وہ اپنی جسمانی کمزوریوں اور بیماریوں کیوجہ سے حکومت کے دن رات کے پیٹھ توڑ دینے والے بوجھ کو کماحقہٗ برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اس سے ملک کو بہت نقصان ہوا۔

یہاں ضمناً توجّہ دلاؤں کہ طالوت کے بادشاہ مقرر ہونے کی وجوہات بتا کر یہ الفاظ آتے ہیں کہ "اللہ جسے چاہے اپنا ملک دیتا ہے" جس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے مگر معقول وجوہات کی بناء پر نہ کہ اندھا دھند یا جو دل میں آیا کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالے کی نگاہ وسیع تر ہے وہ صرف سرداروں یا کسی وقت پر نہیں بلکہ تمام قوم پر ہے اور وہ ان باتوں کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔ تم کبھی بادشاہ یا حاکم چُنتے وقت صرف سرداروں یعنے لیڈروں یا امیروں کو نہ دیکھو بلکہ ساری قوم میں سے جو اہل ترین ہو اُسے چنو۔

تیسری بات یہ فرمائی کہ طالوت کی بادشاہت کی مزید نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے جس میں تسکین و اطمینان ہو۔ یہاں تابوت کے معنے صندوق لے کر مفسرین نے اکثر اسرائیلی روایات کو لے لیا ہے جن کا نفسِ مضمون سے کوئی واسطہ نہیں۔ تابوت کے معنے جہاں صندوق کے ہیں وہاں تابوت کے معنے قلب یعنے دل کے بھی ہیں تو بادشاہ یا حاکم کے لئے تیسری ضروری بات یہ ہے کہ وہ مشکلات مصائب یا جنگ یا شکست کے وقت گھبرائے نہیں بلکہ تسکین و اطمینان سے قوم کی راہنمائی کر سکے۔ خود بائبل نے تابوت کے معنے دل لئے ہیں جب کہا کہ :-

"اور ایسا ہوا کہ جونہی اس نے (طالوت نے) سموئیل سے رخصت ہو کے پیٹھ پھیری وہیں خُدا نے اسے دوسری طرح کا دل دیا۔" (سموئیل ۱۰:۹)

خود الفاظ قرآنی اس بات کے مؤید ہیں کہ سکینت قلب پر نازل ہوا کرتی ہے نہ کہ صندوق میں بند ہو کر آتی ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ (الفتح ۴۸-۴)

یعنے "وہی تو ذات ہے جس نے سکینت کو مومنوں کے دلوں پر اُتارا۔"

حکومت کے دوران اقتصادی۔ معاشی اور امن و امان کے بارہ میں بحران پیدا ہوتے ہیں۔ اُن میں گھبرا جانے والا انسان کبھی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا اور جنگ آن پڑے تو ظاہر ہے کہ تسکین و اطمینان قلب اگر حاکموں میں نہ ہو تو قوم کا کیا حال ہوگا۔

حاکموں (وزراء و صدر اور دوسرے اعلےٰ افسران) کے لئے قرآن کریم ایک نصیحت فرماتا ہے جسے تمام حاکموں کو غور سے پڑھنا اور پلّے باندھنا چاہیئے۔ فرماتا ہے :-

يَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ (صٓ ۳۸-۲۶)

میں ضمناً ذکر کر دوں کہ قرآن کریم نے حضرت داؤد کی بادشاہت کو مثالی طور پر پیش کیا ہے۔ یہاں فرماتا ہے :-

"اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے پس لوگوں کے درمیان فیصلہ جدھر حق ہو اُدھر کرنا اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرنا ورنہ وہ تجھے اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں گی۔ وہ لوگ جو اللہ تعالے کے رستہ سے بھٹک جاتے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے کہ وہ یوم حساب کو بھول گئے۔"

یہاں حاکموں کو حکم دیا کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ جدھر حق ہو اُدھر کرنا (نہ کہ برادری۔ پارٹی بازی یا سیاسی طرفداری کے زیر اثر) اور اپنے نفس کی خواہشات اور جذبات انسان کو اس اعتدال کے رستہ سے گمراہ کر دیتے ہیں جس پر انسان کو اللہ تعالے نے پیدا کیا ہے۔ آج کتنے حاکم ہیں جو خدا کا خوف کر کے (اس لئے کہ وہ اس کے خلیفہ ہیں) حق داروں کو ان کا حق دیتے ہیں، اور دھڑے بازی۔ دھاندلی۔ برادری کی طرف داری۔ اپنی سیاسی پارٹی کی طرف داری اور سیاسی چالبازی سے کام نہیں لیتے۔ یا نفسانی خواہشات کے ماتحت اپنے لئے فوائد

اپنے اقرباء کی پرورش اور اپنے دوستوں کو خوش کرنے کے لئے قوم اور ملک کے حقوق کو بھول نہیں جاتے۔ حالانکہ حلفِ عہدہ لیتے وقت انہوں نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر انصاف و عدل سے کام لینے اور ملک اور قوم کو اپنے نفس کے اوپر ترجیح دینے کا پختہ عہد کیا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ جو حساب کے دن کو بھول جائیں ان کے لئے سخت عذاب ہے جو اس دنیا میں بھی آتا ہے اور آخرت میں تو آنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلعم نے بھی اس بارہ میں فرمایا:۔

کلکم راعٍ و مسئولٌ عن رعیتہٖ۔

یعنے تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے حساب لیا جائے گا اس کی رعیت کے بارہ میں۔ بادشاہ حاکم ہے اور اس سے سوال کیا جائے گا اس کی رعایا کے بارہ میں۔ ہر انسان اپنے گھر کا حاکم ہے اور اس سے سوال کیا جائے گا ان کے بارہ میں جو اس کی نگرانی میں ہیں۔ عورت اپنے خاوند کے گھر کے لوگوں میں حاکم ہے اور اس سے ان کے بارہ میں سوال کیا جائے گا اور نوکر حاکم ہے اس مال کے بارہ میں جو اس کے سپرد ہے اور اس سے سوال کیا جائے گا اس کے بارہ میں۔" (بخاری ۱۱:۱۱)

گویا اس طرح حاکم بھی ایک نوکر کی طرح ذمہ دار ہے اور محاسبے کے ماتحت ہے جس طرح ایک نوکر کے سپرد اپنے مالک کا مال ہوتا ہے جس کے بارہ میں وہ اپنے مالک کے آگے ذمہ دار ہے اسی طرح وہ لوگ جنہیں حکومت اور اس کی دولت سپرد کی گئی ہے (چاہے وہ کسی بھی عہدہ پر ہوں) اور جن کے ذمہ رعیت کے لوگ اور ان کے حقوق کی حفاظت ہے وہ بھی اپنے فرائض صحیح طور پر بجا لانے کے بارہ میں اول تو احکم الحاکمین کے روبرو جوابدہ ہیں اور اس کے بعد اپنی قوم کے سامنے جس نے انہیں یہ امانت سپرد کی تھی۔

قرآن کریم میں آج سے چودہ سو سال قبل ایک عظیم الشان جمہوری اصول مقرر کیا گیا جو اس زمانہ میں کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ فرمایا:۔

وامرھم شوریٰ بینھم (الشوریٰ ۴۲۔ ۳۸)

یعنے "اُن کی حکومت آپس میں مشورہ سے ہو"

اور مشورہ کی اتنی اہمیت تھی کہ خود اللہ کے رسولؐ کو حکم ہوا کہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرے۔

وشاورھم فی الامر (النساءؔ ۔ ۱۵۸)

یعنے "اُن لوگوں کو کام کاج (امور حکومت) کے مشورہ میں شامل کرو"

حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جو جنگِ اُحد میں بھاگ نکلنے کی وجہ سے زیرِ عتاب تھے مگر انہیں معاف کر دیا گیا اور قومی مشوروں میں شامل کیا گیا۔ شوریٰ کے اصول پر آنحضرت صلعم نے اس قدر سختی سے عمل کیا کہ نہ صرف قومی کاموں میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیتے تھے بلکہ ذاتی کاموں میں بھی۔ جنگ بدر جنگِ اُحد غزوہ خندق اور بے شمار دوسرے موقعے تھے کہ صحابہ رضؓ سے مشورہ کیا اور بعض دفعہ اپنی اور بعض اکابر صحابہ رضؓ کی مرضی کے خلاف قدم اٹھایا صرف اس لئے کہ صحابہ کی اکثریت دوسری طرف تھی آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ نے بعض دفعہ اجتہاد کے بارہ میں بھی کثرتِ رائے کی اتباع کی۔

حضرت ابوبکر رضؓ اور آپ کے بعد تینوں خلفائے راشدہ مشورہ سے ہی چُنے گئے۔ حضرت ابوبکر رضؓ جو فنا فی الرسول کے انتہائی مقام پر تھے جب خلیفہ چُنے گئے تو آپ نے جو تقریر کی وہ ہر حاکم کے علم میں ہونی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا:۔

"تم نے مجھے خلیفہ چنا ہے مگر میں تم پر کسی برتری کا دعوٰے نہیں رکھتا۔ تم میں سے قوی ترین آدمی میرے لئے کمزور ترین ہے جب تک کہ میں دوسرے کے حقوق جو اُس پر ہیں انہیں نہ دلا دوں۔ اور تم میں سے کمزور ترین آدمی میرے لئے قوی ترین ہے جب تک کہ میں اس کے حقوق اُسے نہ دلوا دوں ۔۔۔۔۔۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا ۔۔۔۔۔ اور اگر میں ٹیڑھی راہ اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دینا ۔۔۔۔۔ میری اطاعت کرنا جب تک کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں تو میرا کوئی حق نہیں کہ تم میری فرمانبرداری کرو"

میں پہلے بھی قرآن کے بار بار کے حکم اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول سے استدلال کر چکا ہوں کہ اللہ و اس کے رسولؐ (یعنے قرآن اور حدیث و سنت) کی اطاعت سب پر مقدم ہے۔ و اولی الامر منکم (یعنے صاحب حکومت لوگ) بعد میں آتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضؓ کی تصدیق اُوپر مذکور ہے۔ خود آنحضرت صلعم سے ثابت ہے کہ:۔

"لوگوں کی حکومت کے متعلق یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے قوانین اور احکامات کی اطاعت کریں جب تک کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی نہ ہو۔ حکومت کے احکام جن میں اللہ تعالیٰ کی معصیت ہو قابلِ اطاعت نہیں"

(بخاری ۵۶:۱۰)

اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ:۔

"افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم حاکم کے سامنے سچی بات کہہ دی جائے مگر حکومت کی کھلم کھلا مخالفت یا بغاوت جائز نہیں سوائے اس کے کہ کھلم کھلا اللہ تعالےٰ سے فسق (نافرمانی) ہو اور اس بارہ میں اللہ تعالےٰ سے کھلی دلیل ہو" (بخاری ۹۳ : ۲)

یعنے حاکم اللہ تعالےٰ کے صاف حکم کے خلاف چلیں۔

حدیث شریف میں حکومت جن کے سپرد ہو انہیں مزید احکامات دیئے گئے ہیں۔ مثلاً فرمایا کہ:۔

"کسی آدمی کو اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر حکومت دی ہو پھر وہ اُن کے معاملات ان کے فائدہ کے لئے نہ کرے تو وہ شخص جنّت کی میٹھی خوشبو نہ سونگھے گا"۔ (بخاری ۹۴: ۸)

حاکموں کو حکم تھا کہ لوگوں سے نرمی برتیں انہیں خوش رکھیں اور ان میں حکومت کے برخلاف نفرت نہ پیدا ہونے دیں۔ (بخاری ۶۴: ۶۲)

پھر حاکموں کو حکم ہے کہ:۔

"وہ سادہ زندگی بسر کریں اور لوگوں کے لئے انہیں ملنا آسان ہو"۔
(مشکوٰۃ ۱۷: ۱)

خدا کا خوف کریں (بخاری ۹۴: ۱۶)

لوگوں پہ ان کی حیثیت طاقت اور برداشت کے مطابق ٹیکس لگائیں اور ان کی خبر گیری کریں جو خود نہ کما سکیں۔ اور غیر مسلموں کے حقوق کی اتنی ہی حفاظت کریں جتنی کہ مسلمانوں کے حقوق کی۔ (بخاری ۶۲: ۸)

حکومت کا فرض تھا کہ:۔

"جن لوگوں کا کوئی نگران نہ ہو اُن کی خبر گیری کرے اور وہ ذاتی قرضے جو ضروری امور کے لئے حاصل کئے گئے تھے مگر کسی مجبوری کی وجہ سے ادا نہ ہوئے تھے انہیں ادا کرے۔ (بخاری ۴۳: ۱۱)

اسلامی حکومت میں مکمل مذہبی آزادی کا حکم قرآن کریم میں ہے:۔

لاَ اکراہ فی الدین (البقرۃ۲۔ ۲۵۶)

"یعنے دین کے معاملہ میں کوئی بات زبردستی منوانا نہیں"۔

اسی طرح اسلام میں مکمل آزادی رائے ہے مشہور واقعہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے عورتوں کے مہر کم باندھنے کا حکم دیا تو بر سرِ عام ایک بڑھیا نے انہیں ٹوک دیا کہ اللہ تعالیٰ تو ہیں دیتا ہے اور تو روکتا ہے اور پھر وہ آیت شریفہ پڑھی کہ اگر تم نے عورتوں کو سونے چاندی کے ڈھیر بھی دیئے ہوں تو ان سے واپس نہ لو۔ تو حضرت عمرؓ نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

اسلام میں (اشتراکیت کے خلاف) جائیداد رکھنے کا حق ہے (مرد اور عورت دونوں کو بلکہ بچوں اور یتامیٰ کو بھی) اور اسی لئے قرآن کریم میں صراحت سے وراثت کے احکام آئے ہیں۔ پھر عورت اور مرد کے مساوی حقوق رکھے گئے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف و للرجال علیھن درجۃ (البقرۃ۲۔ ۲۲۸)

یعنے "عورتوں کے لئے ویسے ہی مردوں پر حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے عورتوں پر ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک فضیلت ہے"۔

یعنے میاں بیوی کے حقوق مساوی ہیں۔ اگر ان میں اختلاف رائے ہو جس کو وہ سلجھا نہ سکیں تو پھر مرد کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ نہ صرف اس لئے کہ وہ اپنے گھر کے تمام امور کے لئے خدا کے آگے ذمہ دار ہے، نہ صرف اس لئے کہ اکثر امور میں مال کا خرچ ہوتا ہے جسے مرد کما کر لاتا ہے بلکہ اس لئے بھی کہ میاں بیوی کے اختلافِ رائے کو گھر کے اندر طے کرنے کا صرف ایک یہی طریقہ ہے۔ آخر باہر دنیا میں مردوں کو بھی اپنے سے اُوپر کے عہدہ داروں کی بات ماننی پڑتی ہے چاہے وہ صحیح ہو یا غلط۔

مندرجہ بالا وہ اصول ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے آئین کے بارے میں دیئے ہیں۔ ان کے ماتحت ایک مسلم قوم اپنے حالات اور ضروریات کے مطابق اپنا آئین بنا سکتی ہے۔ اسلامی شریعت کا مشہور اصول ہے کہ جسے اللہ اور رسولؐ نے منع نہیں کیا وہ جائز ہے۔ اور یہی اصول اب عالمگیر طور پر رائج ہے۔ اس لئے جن چیزوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے منع نہیں کیا وہ اگر ضرورت ہو تو اختیار کی جا سکتی ہے۔ یہ اصول آئین سازی، فوجداری قانون اور دیوانی قانون تینوں پر چسپاں ہوتا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

* * *

ایک ضروری تصحیح

گذشتہ شمارہ ۳۹/۴۰ کے صفحہ ۱۶ پر مندرجہ مضمون کے عنوان "نصرامر ایدہ اللہ تعالیٰ" میں "قیصر" "کو" "دو قوموں" کے درمیان پڑھا جائے۔ ادارہ پیغام صلح اس سہو کتابت پر معذرت خواہ ہے۔

(ادارہ)

واپسی

خاکسار پانچ ماہ ممالک غیر میں گذارنے کے بعد اپنی ڈیوٹی پر واپس پہنچ گیا ہے اور خدمت دین کے اس کام میں صاحب دل احباب سے دعا کی امداد کا خواستگار ہے۔ (عبدالرؤف نائب مدیر پیغام صلح)

باہتمام الحبدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۹/۲۶ اکتوبر ۱۹۸۳ء ۔ جلد ۷۰، شمارہ ۴۱/۴۲

جلد ۷۰ } یوم چہار شنبہ ۲۶ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ مطابق ۲ نومبر ۱۹۸۳ء } شمارہ ۴۴

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

تقویٰ کیا ہے؟ ہر قسم کی بدی سے اپنے آپ کو بچانا۔

"لوگ بڑے بڑے اور کھلے گناہوں سے تو اکثر پرہیز کرتے ہیں۔ بہت سے آدمی ایسے ہونگے جنھوں نے کبھی خون نہیں کیا۔ نقب نی نہیں کی یا اور اس قسم کے بڑے بڑے گناہ نہیں کئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ لوگ کتنے ہیں جنھوں نے کسی کا گلہ نہیں کیا یا کسی اپنے بھائی کی ہتک کر کے اس کو رنج نہیں پہنچایا۔ یا جھوٹ بول کر خطا نہیں کی؟ ... میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ ایسے لوگ بہت ہی کم ہونگے جو ان باتوں کی رعایت رکھتے ہوں اور خدا تعالے سے ڈرتے ہوں۔ ورنہ کثرت سے ایسے ملیں گے جو تقریباً جھوٹ بولتے ہیں اور ہر وقت ان کی مجلسوں میں دوسروں کا شکوہ شکایت ہوتا رہتا ہے اور وہ طرح طرح سے اپنے کمزور اور ضعیف بھائیوں کو دکھ دیتے ہیں۔

اس لئے خدا تعالے فرماتا ہے کہ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے۔ میں اس وقت برے کاموں کی تفصیل بیان نہیں کر سکتا۔ قرآن شریف میں اول سے آخر تک اوامر و نواہی اور احکام الٰہی کی تفصیل موجود ہے اور کئی سو شاخیں مختلف قسم کے احکام کی بیان کی ہیں۔

خلاصتہً یہ کہتا ہوں کہ خدا تعالے کو ہرگز منظور نہیں کہ زمین پر فساد کریں۔ اللہ تعالے دنیا پر وحدت پھیلانا چاہتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنے بھائی کو رنج پہنچاتا ہے ظلم اور خیانت کرتا ہے۔ وہ وحدت کا دشمن ہے جب تک یہ بد خیال دل سے دور نہ ہوں کبھی ممکن نہیں کہ سچی وحدت پھیلے۔ اس لئے اس مرحلے کو سب سے اول رکھا۔

تقوٰے کیا ہے؟ ہر قسم کی بدی سے اپنے آپ کو بچانا۔ پس خدا تعالے فرماتا ہے کہ ابرار کے لئے پہلا انعام شربت کافوری ہے۔ اس شربت کے پینے سے دل برے کاموں سے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اس کے بعد ان کے دلوں میں برائیوں اور بدلوں کے لئے تحریک اور جوش پیدا نہیں ہوتا۔"

ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۳۷۴-۳۷۵

* * *

از جناب محمد انور صاحب، ایم۔ اے

رپورٹ لندن مشن

بابت ماہ ستمبر ۱۹۸۳ء

محترم و مکرم جناب جنرل سیکرٹری صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

معمول کی مصروفیات مثلاً خطوط کے جوابات، لٹریچر کی ترسیل، مکان سے متعلق امور، مقامی جماعت کی کتب کی فروخت، احباب جماعت سے رابطہ اور آمد و رفت، فرائض جمعۃ المبارک اور مہمانوں کی آمد و رفت میں خاطر خواہ اضافہ ہو رہا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ تا حال ہر امر اطمینان بخش طور پر انجام پا رہا ہے۔

جنوبی افریقہ سے ایک خاتون کی طرف سے حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی رح کی جملہ کتب کا آرڈر ملا ہے جو وہاں تبلیغ اسلام میں کوشاں ہیں۔ گھانا سے اکثر خطوط برائے ترسیل لٹریچر آتے ہیں جن کے مناسب جواب مع لٹریچر دیئے جاتے ہیں۔ انگلینڈ کے مختلف مقامات سے بھی مختلف لوگوں کے خطوط برائے قرآن و دیگر کتب ملتے ہیں۔ طالب علم اکثر مفت حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں جس کے متعلق محدود سطح پر مقامی جماعت کچھ انتظام کرنے کا سوچ رہی ہے۔

جماعت کے بعض احباب اب دور دور سے بھی گاہے گاہے وقت نکال کر تشریف لاتے ہیں۔ کیمبرج سے محترمہ صغیرہ صاحبہ دختر ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب مع اپنی صاحبزادی دو دفعہ تشریف لائیں۔ اسی طرح بعض اور غیر از جماعت دوست بھی لندن سے باہر گھنٹہ دو گھنٹہ کی مسافت سے عید پر تشریف لائے۔ عید الاضحیٰ ۱۷ کو منائی گئی۔ اور باوجود بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر بعض احباب نہ آسکنے کے تعداد اسی۸۰ سے زیادہ تھی۔ یہ تقریب گو سادہ۔ محدود مگر نہایت پُر لطف تھی۔ ہمدردانِ جماعت میں محترم شیخ عماد الدین صاحب مع اپنی دو صاحبزادیوں کے شریک تھے۔ اسی طرح دو غیر از جماعت ہمدرد ڈاکٹر آفتاب احمد اور ڈاکٹر ناراین حسب معمول تشریف لے آئے۔ LETDS نامی جگہ سے ہمارے دوست محمد حنیف مع اپنے بال بچوں کے تشریف لاتے۔ WORIL سے فجی کے اسلم خان، کیمبرج سے محترمہ صغیرہ ضیاء صاحبہ مع صاحبزادی۔ ناٹنگھم سے ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب مع فیملی اور ہماری نہایت محترمہ بزرگ رضیہ فاروقی صاحبہ اور ہماری بہن ثریا فاروقی صاحبہ بھی باوجود مشکلات سفر کے تشریف لے آئی تھیں۔ حسب پروگرام گیانا کے اسماعیل صاحب، محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اُن کے اہل خاندان۔ صدر صاحب سیکرٹری صاحب، چوہدری سعادت احمد صاحب، ڈاکٹر فاروق عبداللہ مع فیملی۔ زمان شاہ مع فیملی اور مجید علی صاحب موجود تھے۔ فریضہ نماز کی ادائیگی اس عاجز کے سپرد تھی۔ گو محترم بزرگ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی موجودگی میں اکثر میری خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہم ان سے مستفید ہوں۔ بہر حال سب نے مل کر نہایت خشوع و خضوع سے نماز عید ادا کی۔ پھر خاکسار نے اپنے خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ ہم ایک لمبے اور پُر ابتلاء عرصہ کے بعد اپنی دوسری عید اپنے اس خداداد مرکز میں منا رہے ہیں۔ خاکسار نے قرآن کریم کی سورۃ البقرہ کی حضرت ابراہیمؑ سے متعلق آیات مبارکہ کی روشنی میں ان قربانیوں کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کے اس عظیم بندے نے خدا کی راہ میں اس کے حکم پر بلا چون و چرا کی تھیں۔ اور یہی وصیت انہوں نے اپنے بیٹوں کو بھی کی تھی۔ جد و جہد انسانی کا مقصد حصول رضائے الٰہی ہے۔ باقی ہر شئے جو اس سے ماسوا ہے ثانوی درجہ اور کم حیثیت رکھتی ہے۔ جو مقصد انسانی نہیں ہے۔ لہٰذا ہر وہ شئے جو رضائے الٰہی کے حصول میں روک ہو یا اس کے حصول کی قربانی چاہتی ہو کا قربان کرنا ہی حق الیقین اور تعلق و وفا کا تقاضا ہے۔ فرمانبرداری کی یہ درخشندہ مثالیں اور قربانیوں کا ایک لگاتار سلسلہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے دیگر انبیاء اور راستبازوں میں بھی ملتا ہے جن کی نئے سرے سے تجدید اور مکمل تکمیل آج کے روحانی زندگی کے بادشاہ اور بانی حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے وجود اقدس سے ہوئی۔ اور آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی بعض اُن یادگاروں کو قائم رکھ کر بنی نوع انسان اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے ایک دائمی شمع روشن فرما دی۔ آپ کی مقدس زندگی کا ایک ایک لمحہ حصول رضائے الٰہی اور ہمدردی بنی نوع انسان کے لئے قربانیوں کا ایک لازوال سلسلہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ فیضِ روحانی کا جو سلسلہ اس عظیم الشان انسان کاملؐ سے قائم ہوا ہے وہ تا قیامت جاری رہے گا۔ اور اسکی بدولت راہِ حق میں قربانیوں کی تجدید اب آپؐ کے غلاموں کی مثالوں سے ہوتی رہے گی۔ یہ غلام۔ مجددین کے رنگ میں ہر صدی میں جلوہ گر ہوں گے۔ چنانچہ صدی گذشتہ کے عظیم امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب رح نے نہ صرف اپنے وجود سے تبلیغ و برتری اسلام کے لئے خود نمونہ قائم کیا بلکہ ایک ایسی دیوانہ وار تڑپ رکھنے والی جماعت قائم کر گئے جس کا مقصد اشاعتِ اسلام کے لئے ہر قسم کی قربانی تھا۔ آپ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس بات پر امام وقت کے ہاتھ پر خدا کے ساتھ عہد کیا ہوا ہے۔ آئیے اپنے دلوں اور بٹوؤں کو اس کی راہ میں کھول دیں۔ رسول کریمؐ نے فرمایا ہے اسکی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرو۔ وہ کھلے طور پر دے گا۔ اگر تم اپنا ہاتھ تنگ کرو گے تو وہ بھی تنگ کر دے گا۔ چنانچہ اس طرح عید مبارک کا یہ مرحلہ اپنے اختتام کو پہنچا اور سو پونڈ سے زیادہ چندہ جمع ہو گیا۔

جمعۃ المبارک گذشتہ چند ماہ سے باقاعدگی سے ہوتا ہے گذشتہ چند ہفتوں سے محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی سرپرستی میں یہ ذمہ داری خاکسار ہی ادا کرنا ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اکثر تشریف لے آتے ہیں۔ مگر ہر بار آنا اُن کے لئے ممکن نہیں ہوتا تاہم ۹ ر کے جمعۃ المبارک کے دن محترم صاحب، شاہد صاحب مع فیملی۔ عبدالعزیز شورہ صاحب (کشمیر) میاں کامران شیخ صاحب اور محترمہ مسز انور میر صاحبہ مع اپنی محترمہ بہو صاحبہ موجود تھیں۔ اسی طرح بعض اوقات محترم محمد حسن صاحب (جن کا تعلق جماعت ربوہ سے تھا) اب کسی کسی جمعہ کو یہیں تشریف لے آتے ہیں۔ اُن کا گھر کوئی گھنٹہ بھر کے فاصلہ پر ہے۔ وگرنہ وہ ہر جمعہ کو آجاتے۔ ۲۳ ر کے جمعۃ المبارک کے دن گیانا سے آئے ہوئے محترم اسماعیل صاحب مع اپنے بیٹے اور بیٹی کے موجود تھے اور محترم مجید علی صاحب بھی باوجود علالت کے تشریف لے آئے تھے۔ آنے والے مہمانوں میں محترمہ صغیرہ ضیا صاحبہ، محترم خالد صاحب خلف الرشید مولانا عبدالمنان عمر صاحب، فجی کے طالب العلم اسلم خان صاحب اور محترم عزیز شورہ صاحب ۲۲

موسم مثالی ہیں۔ مکان کی بیرونی تمام لکڑی کے رنگ و روغن کا کام الحمد للہ بارشیں شروع ہونے سے قبل ہی تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ احباب جماعت اچھے ہیں اور کام حسب توقع اطمینان بخش طور پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے [illegible]

قرآن کریم پر عمل کرنے والی کوئی قوم کبھی ناکام نہیں ہوئی

آنحضرت صلعم، آپ کے صحابہ رضؓ اور اس اُمت میں پیدا ہونے والے اولیاء اللہ اور مجددین کی زندگیاں اس پر گواہ ہیں

آج بھی جو قوم اس پر عمل کرے گی وہ ضرور کامیاب ہوگی

خطبہ جمعہ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۸۳ء فرمودہ مکرم حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز، بمقام دار السعید، ایبٹ آباد

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آٹھ آیات " طٰہٰ ۚ ما انزلنا علیک القراٰن لتشقیٰ ۙ .... اللہ لا الٰہ الا ھو ط لہ الاسماء الحسنیٰ ۝ " تلاوت کیں اور فرمایا کہ یہ سورۃ طٰہٰ جس کی پہلی آٹھ آیات میں نے پڑھی ہیں ابتدائی مکی زمانہ کی ہیں اور یہ زمانہ غالباً پانچواں سال بعثت کا ہے۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں صرف چالیس کے قریب مردوں اور خواتین نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پر لبیک کہا جن میں اکثریت غلاموں، مزدوروں اور غریب لوگوں کی تھی۔ یہ چھوٹا سا گروہ کھلے بندوں اور آزادی سے اپنی عبادت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ قریشِ مکہ کے مظالم سے بچنے کے لئے انہوں نے حضرت ارقم رضؓ کے گھر دارِ ارقم میں پناہ لے رکھی تھی جہاں سے اسلام کی تبلیغ کا کام جاری رکھا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی روزافزوں ترقی کو دیکھتے ہوئے قریشِ مکہ اس گروہ کو ہر طرح سے مٹانے کے درپے تھا اور اُن کی ایذاؤں کا سلسلہ دن بدن شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اِن مایوس کن حالات میں اللہ تعالےٰ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے " طٰہٰ ما انزلنا علیک القراٰن لتشقیٰ " اے انسانِ کامل۔ ہم نے قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تو ناکام رہے۔ قرآن کریم میں آپ کو کئی دوسرے ناموں۔ نبی۔ رسول یٰسین۔ سراج۔ قمر وغیرہ سے بھی یاد کیا گیا ہے لیکن اس نام "طٰہٰ" میں ایک خاص بشارت ہے اور وہ یہ کہ آپ ہیں تو ایک انسان لیکن جو کام اس بدترین الکفر۔ اجڈ۔ ضدی اور طرح طرح کے گندوں میں ڈوبی ہوئی قوم کی اصلاح کا آپ کے سپرد ہوا ہے۔ وہ ایک عام انسان کی طاقت میں نہیں۔ یہ وہی کر سکتا ہے جو اپنی استعدادوں اور قویٰ میں عام انسانوں سے بڑھ کر ہو۔ انسان اپنے بہن بھائیوں اور بیوی بیٹوں کی اصلاح نہیں کر سکتا لیکن آپ کے سپرد نہ صرف اپنی قوم بلکہ تمام نسل انسانی کی اصلاح کا کام ہوا ہے اور حالت اس وقت یہ ہے کہ دشمنوں سے چھپ چھپ کر تبلیغ اور عبادت کرتے ہیں اور کہیں اِکا دُکا آدمی آپؐ کی بات سننے کو تیار ہوتا ہے۔ اس کمزوری کی حالت میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہونیوالے اِن چند الفاظ میں آپ کی کامیابی اور قرآن کی تاثیرات کے ذریعے دُنیا میں بے نظیر انقلاب بپا ہونے کے لئے کتنی بڑی بشارت ہے۔ آپؐ کے دل کو ان سے کس قدر اطمینان اور سکون حاصل ہوا ہوگا۔ ہم آج اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

قرآن کریم کے اثر اور ارقم سے نکل کر کھلے عام اسلام کی تبلیغ اور حرم کعبہ میں عبادت کرنے کا پہلا تاریخی واقعہ حضرت عمر رضؓ کا اسلام لانا ہے۔ یہ واقعہ کئی بار آپ نے سنا ہوگا لیکن بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کا بار بار دوہرانا تقویتِ ایمان کا موجب ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضؓ اس نئے دین کو ایک فتنہ سمجھتے تھے اور وہ اس کے بانی حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے اسے ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتے تھے۔ ایک روز حضرت عمر رضؓ تلوار لے کر اسی ارادے سے نکلے۔ راستے میں ایک شخص کے ذریعے معلوم ہوا کہ آپ کے بہنوئی اور بہن بھی مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے پہلے ان کے گھر کا رُخ کیا۔ اندر حضرت خباب رضؓ ان دونوں کو قرآن کریم پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے اندر داخل ہو کر ان دونوں کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ آخر کار اتنے زخم کھا کر آپ کی بہن نے بڑی جرأت سے فرمایا تم جو کچھ بھی کر لو ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضؓ ڈھیلے پڑ گئے اور پوچھا تم کیا پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے قرآن کریم کے وہ ورق دکھائے جن پر یہی سورۃ طٰہٰ لکھی تھی۔ جب آپؓ نے یہ الفاظ سُنے " طٰہٰ۔ ما انزلنا علیک القراٰن لتشقیٰ۔ الا تذکرۃ لمن یخشیٰ۔ تنزیلا ممن خلق الارض والسمٰوٰت العلیٰ۔ اے انسان ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تو ناکام رہے بلکہ یہ اس کے لئے نصیحت ہے جو ڈرتا ہے۔ اس کی طرف سے اتارا گیا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔" تو قرآن کریم کے یہ الفاظ آپ کے دل کو کھا گئے اور آپ قرآن کریم کی روحانی تلوار کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ اس طرح مخالفت کا یہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑا۔ اور قرآن کریم کی اس صداقت پر شہادت دے گیا۔ " لو انزلنا ھٰذا القراٰن علیٰ جبل لراٰیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ " اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے تو تُو اسے اللہ تعالےٰ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔ عربوں میں جبل نام عام تھا ان جبال پر نہ یہودیوں کی تعلیم اثر کر سکی اور نہ عیسائیوں کی۔ ان کے مقابلے میں وہ پہاڑوں کی طرح اٹل کھڑے رہے لیکن قرآن کریم کی تعلیم کے سامنے یہ نہ ٹھہر سکے اور بائیس تئیس سال کی مختصر مدت میں یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جو یہ بشارت دی گئی تھی وہ آپ کے

زمانے اور چند سال بعد تک ہی محدود نہ تھی بلکہ یہ بشارت اور وعدہ دائمی ہے تاقیامت ایسا ہی ہوتا رہے گا کیونکہ آنحضرت صلعم آخری نبی ہیں اور قرآن کریم آخری کتاب اور شریعت ہے۔ آپ سے پہلے جتنے بھی نبی آئے ان کی تعلیمات ان کے اپنے اپنے زمانے اور اپنی اپنی قوم کے لئے مخصوص تھیں۔ اور جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ان تعلیمات میں کمی بیشی کی وجہ سے بگاڑ پیدا ہوتا گیا۔ اور انکی اصلی شکل و صورت مسخ ہو کر رہ گئی۔ لیکن قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالےٰ کا یہ وعدہ ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون۔ ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم خود ہی اسکی حفاظت کرنیوالے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اسکی حفاظت اس طرح فرمائی ہے کہ نہ تو اس کے الفاظ میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور نہ ہی اسکی معنوی صورت میں کوئی تغیر پیدا ہوا ہے۔ اس کی اس قدر حفاظت اس لئے ہوئی کہ تنزیلا ممن خلق الارض والسمٰوٰت العلیٰ۔ یہ اس ہستی کی طرف سے اتارا گیا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ لہٗ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وما بینہما وما تحت الثریٰ۔ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو گیلی مٹی کے نیچے ہے۔ الرحمٰن علی العرش استویٰ۔ وہ رحمٰن ہے جو عرش پر قائم ہے۔ اس تمام کائنات کا پیدا کرنے والا الرحمٰن ہے اور اس کا مالک بھی وہی ہے۔ یہ کائنات اتنی وسیع ہے کہ انسان کا تصور بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کے نہاں در نہاں رازوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کائنات کی وسعت کی ایک ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ سائنس دانوں نے بڑی طویل تحقیق و جستجو کے بعد یہ معلوم کیا ہے کہ آسمان میں بعض ستارے جو ہمیں نظر آتے ہیں وہ زمین سے اتنے دور ہیں کہ ان کی روشنی زمین تک کروڑوں سالوں کے بعد پہنچی ہے۔ اور اس ساری نظر آنے والی اور نہ نظر آنے والی کائنات میں ایک ہی قانون کار فرما ہے جو ایک ہی قوت کی موجودگی پر دلالت کرتا ہے۔ ایک ذرہ بھی اس کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم جب ایک ایسی طاقت کی طرف سے آنحضرت صلعم پر اتارا گیا ہے تو پھر آپ کی کامیابی یقینی ہے۔ یہ کامیابی تاقیامت آپ کی طرف منسوب ہوگی کیونکہ اولیاء اور مجددین امت کے ذریعے قرآن کریم کے روحانی علوم و معارف کے انکشافات کا جو لامتناعی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا وہ آپ ہی کی کامل اتباع کا مرہون منت ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"، اگر خدا کے پیارے بننا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ میری راہ پر چلوگے تو تم سے اللہ تعالےٰ پیار کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ط وان اللہ لمع المحسنین" جو لوگ ہمارے رسول کے نقش قدم پر چل کر ہماری تلاش کی خاطر محنت اور مشقت اٹھاتے ہیں ہم خود ہی ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ نیکی کرنیوالے ہیں اس لئے انہیں اللہ تعالےٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے دل اللہ تعالےٰ کے خوف سے بھرے ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ ہیں جو علماء کہلانے کے مستحق ہیں کیونکہ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ اللہ تعالےٰ سے صرف اس کے علم والے بندے ڈرتے ہیں۔ قرآن کریم بھی تذکرۃ لمن یخشیٰ اسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔

قرآن کریم ایک پاکیزہ درخت کی طرح پاکیزہ کلام ہے جس طرح پاکیزہ درخت کی جڑیں اُسے زمین میں مضبوطی سے قائم رکھتی ہیں اور اس سے اُس درخت کے لئے خوراک بھی حاصل کرتی ہیں اور اسی مضبوطی کیوجہ سے اس کی شاخیں دور دُور تک فضا میں پھیلی ہوئی اور پتوں کے ذریعے خوراک حاصل کرتی ہیں۔ اسی طرح زمینی علوم جوں جوں ترقی کرتے جاتے ہیں وہ قرآن کریم کی تعلیمات کی صداقت پر گواہی دیتے چلے جاتے ہیں اور وحی و الہام کے ذریعے جو آسمانی علوم ہیں اور شاخوں کی طرح ہیں منکشف ہونے والی قرآن کریم کی روحانی اور اخلاقی اقدار و تاثیرات دلوں کو مسخر کرتی چلی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ آج کی ترقی یافتہ مغربی اقوام بھی جو سخت جھگڑالو ہیں اور بغیر تحقیق و دلائل کے حقائق کو آسانی سے تسلیم نہیں کرتیں وہ بھی اب یہ تسلیم کرنے لگی ہیں کہ آنحضرت صلعم ایک کامیاب ترین انسان تھے ایک امریکن مصنف ہیکل ہارٹ نے حال ہی میں "ONE HUNDRED" نامی کتاب لکھی ہے جس میں اُس نے اُن سو انسانوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے انسانی تہذیب و تمدن پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ان سب میں اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام پہلے نمبر پر رکھا ہے۔ یعنی مخالف بھی آپ کی بے مثال کامیابی کا معترف ہے یہ ہے ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ۔ ہم نے قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تو ناکام رہے۔ آج گذشتہ چودہ صدیوں میں زمانہ نے کس قدر ترقی کی ہے اس چودھویں صدی کے آخر میں آپ کی کامیابی کی ایک غیر کی زبان سے شہادت کیا اس بات کا بین ثبوت نہیں کہ قرآن اتارنے والی ہستی موجود ہے جس نے بڑے نامساعد حالات میں حضرت نبی کریم صلعم کو بڑے دعوے کے ساتھ بتا دیا کہ تو اپنے مقصد میں یعنی دنیا کی اصلاح کے مشن میں جو تمہارے سپرد ہم نے کیا ہے ضرور کامیاب ہوگا اور یہ ہو کر رہا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں

؎ قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

فانہٗ یعلم السر واخفیٰ وہ بھید کو اور اس سے مخفی بات کو بھی جانتا ہے۔ آپ نے اپنا خطبہ اسی پر ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت کے متعلق میں اپنے کسی آئندہ خطبہ میں بیان کروں گا۔

***

اپیل جلسہ سالانہ فنڈ: ۔ امسال گرانی کیوجہ سے جلسہ سالانہ کے مصارف میں بےحد اضافہ ہو جائیگا۔ لہٰذا میں پرزور اپیل کرتا ہوں کہ جلسہ فنڈ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تاکہ مرکزی انجمن کا بوجھ کسی قدر کم ہو سکے۔

والسلام

چوہدری ریاض احمد افسر جلسہ سالانہ ۱۹۸۳ء

مرتب:۔ مکرم مرزا محمد لطیف شاہد مہتمم تربیتی کلاس۔

رُوئیداد سالانہ دینی تربیتی کلاس ۸۳ء دارالسلام ۔ لاہور

از ۲۹ جولائی تا ۱۲ ۔ اگست ۱۹۸۳ء

خداتعالیٰ کے فضل وکرم سے ہر سال مرکزیہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے زیر اہتمام موسمی تعطیلات میں پندرہ روزہ طلبہ و طالبات کے لئے خصوصاً ایک دینیات کی کلاس مرکز میں منعقد کی جاتی ہے جس میں طلبہ کے علاوہ دوسرے احباب خواتین لاہور و بیرون لاہور سے بھی تشریف لاکر استفادہ کرتے ہیں۔

اس کلاس کے اجراء کا اہم مقصد یہ ہے کہ طلباء طالبات کو قرآن مجید حدیث، فقہ و اسلامی مسائل اور دیگر دینی معلومات بہم پہنچائی جائیں۔ قرآن مجید میں وارد ہے:۔ وماکان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (توبہ ۹ - ۱۲۲)

اور سب مومنوں کے لئے اکٹھے ممکن نہیں کہ وہ نکل پڑیں تو کیوں نہ ان کی ہر ایک جماعت میں سے ایک گروہ نکلے، تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور اپنی قوم کو خبردار کریں جب وہ ان کی طرف واپس جائیں۔

اس آیت میں دو لفظ قابلِ غور ہیں۔ ایک طایفہ۔ ایک مخصوص گروہ۔ اور دوسرا تفقہہ۔ فقہ کے معنے یہ ہیں علم شاہد سے غائب تک پہنچنا اور شریعت کو اچھی طرح حاصل کرنا اور اس میں خصوصیت سے تہہ تک پہنچنا۔ ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ربّی ہے۔ ایسے لوگوں کا خداتعالےٰ کی راہ میں نکلنا ایک عمل صالح ہے جس کا اجر اللہ تعالےٰ کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

ایسے دین کا علم حاصل کرنے کے لئے اپنے گھروں سے مرکز علم میں دین حاصل کرنے کے لئے جانے والوں کے بارے میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع (ترمذی) وہ شخص جو گھر سے دین سیکھنے کے لئے باہر جاتا ہے اس کا یہ سارا سفر اللہ تعالےٰ کے لئے شمار ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ واپس آجائے۔

اس کلاس کا پروگرام کئی حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

ا: تدریسی پروگرام

جس طرح کالجوں اور سکولوں میں طلبہ کو باقاعدہ کلاس کی شکل میں اساتذہ پڑھاتے ہیں اسی طرح ان کو یہاں پڑھایا جاتا ہے۔

ب: لیکچرز

تقاریر کا ہر روز ایک گھنٹہ مقرر ہوتا ہے جن میں نہایت اہم مضامین پر مقرر حضرات تقریر فرماتے ہیں۔ پھر سوال وجواب کا موقع دیا جاتا ہے اور ایسے مضامین کا انتخاب کیا جاتا ہے جن کا جاننا طلبہ کے لئے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ج: انفرادی طور پر بھی ایسے اساتذہ مقرر ہوتے ہیں جو طلبہ کی ان کی استعداد کے مطابق اور ان کی ضرورت کے تحت تعلیم دیتے ہیں۔

د: بعض بزرگانِ دین کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ کسی ایک موضوع پر طلبہ کو متعارف کرائیں۔ ازاں بعد طلبہ کو کہا جاتا ہے کہ وہ جس قسم کا چاہیں متعلقہ موضوع پر سوال کریں۔ وضاحت چاہتے ہیں تو ان کی تفصیل معلوم کریں۔ یہ تجربہ اس دفعہ کیا گیا جس کا بہت ہی فائدہ ہوا۔ طالب علموں نے اس میں نہایت شوق سے حصہ لیا اور خوب سوالات کرتے تھے حتےٰ کہ بعض اوقات وقت کے محدود ہونے کی وجہ سے زور دے کر اس کو ختم کرنا پڑتا تھا۔ ورنہ سوالات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا تھا۔

سال ہا سال سے یہ تربیتی کلاس ہوتی ہے اور جماعت کے نوجوانوں میں اس میں شمولیت کا اتنا شوق ہوتا ہے کہ وہ آپس میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ کوئی دینی پروگرام تجویز کرتے ہیں تو اس کلاس میں شمولیت کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے رہتے ہیں اور اتنا شوق ہوتا ہے کہ امسال صوبہ سرحد سے ایک آنے والے نوجوان نے مجھے کہا کہ ہم دینی تربیتی کلاس کا اس طرح انتظار کرتے ہیں جس طرح جلسہ سالانہ کا کرتے ہیں۔

امسال بیرون لاہور سے ۵۰ طالب علم شرکت کے لئے تشریف لائے۔ جن جماعتوں کی طرف سے طلبہ آئے ان جماعتوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

حیدرآباد۔ ملتان۔ اوکاڑہ۔ ڈیرہ غازی خاں۔ فیصل آباد۔ چک ۸۱ سرگودھا۔ بدوملہی۔ نارووال۔ سیالکوٹ۔ راولپنڈی۔ پشاور۔ شیخ محمدی۔ سفید ڈھیری۔ سرائے نورنگ بنوں۔ کچھی ضلع ہزارہ۔ ڈسکہ۔ منڈی بہاؤالدین اور امریکہ سے دو عزیز طالب علم جو رخصتوں پر پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے وہ بھی اس میں شامل ہوئے۔ بعض ایسے طالب علم جو ہر سال نہایت شوق سے تشریف لاتے تھے ان کے عین انہی ایام میں امتحانات شروع ہوگئے یا ایسی موانع پیش آگئیں کہ وہ لاہور تشریف نہیں لاسکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے خطوط میں اپنی محرومی پر افسوس کیا اور شامل ہونے والوں کا نہایت عمدہ رنگ میں ذکر کیا ہے۔ امریکہ سے تشریف لاکر شامل ہونے والے عزیزم کامران سعید پسر محترم جناب چوہدری سعید احمد صاحب پشاور ہیں۔ عزیز موصوف ہمارے بزرگ۔ مخیر۔ محترم میاں ظہور احمد صاحب مرحوم کا پوتا ہے۔ دوسرے محترم ندیم عالم پسر محترم مرغوب عالم صاحب مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔

دینی تربیتی کلاس کا افتتاح

۳۰ جولائی ۱۹۸۳ء صبح ½ ۸ بجے حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صدارت میں تربیتی کلاس کا افتتاحی اجلاس شروع ہوا۔ محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ خاکسار (مرزا محمد لطیف) نے تربیتی کلاس کے کوائف اختصار سے بیان فرمائے۔ محترم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب نے نہایت ہی زریں نصائح سے طلبہ کو نوازا۔ اور فرمایا کہ کس طرح ان ایام میں آپ نے اپنے اوقات کو معمور رکھنا ہے۔ اور اپنے اوقات کا تعین ایسے طور پر کریں کہ کوئی لمحہ بھی آپ کا ضائع نہ ہو۔ سارے طالب علم لائنوں میں اپنی اپنی جماعت جس سے وہ تشریف لائے ہوئے تھے اس میں بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ نے اپنی مخصوص۔ دلنواز۔ روح پرور آواز میں سورہ توبہ کا یہ حصہ تلاوت فرمایا۔ ماکان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ ---- وماکان المؤمنون لینفروا کآفۃ ؕ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طآئفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (توبہ۹۔ ۱۲۰ تا ۱۲۲)

حضرت امیر ایدہ اللہ نے ان آیات کی نہایت برموقع و برمحل تفسیر بیان فرما کر طلبہ کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلائی۔ اس درد اور محبت کے ساتھ آپ بیان فرما رہے تھے کہ ہر ایک طالب علم کے قلب و ذہن پر اثر ڈال رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے آپ کے آنے سے بے حد خوشی ہوئی ہے اور میرے دل کو تقویت حاصل ہوئی ہے۔ جس قوم کے نوجوان بچے دین حاصل کرنے کے لئے تیار ہوں وہ جماعت کبھی نہیں مرتی اور مجھے خوشی ہے کہ آپ کو دین کے حصول کا شوق ہے۔ ورنہ بچوں کو تعطیلات میں کھیل کود کا شوق ہوتا ہے۔ اب مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور میرے دل کی تڑپ ہے خدا تعالیٰ اس دینی کام کو ضرور پورا کرے گا۔ طلبہ کو خاص طور پر نماز باجماعت کی پابندی کی تلقین فرمائی۔ اور منتظمین کو بھی اپنے ارشاداتِ عالیہ سے نوازا۔

ٹرافی حافظ محمد بخش صاحب اور نقد انعامات

محترم چوہدری ریاض احمد صاحب صدر جماعت احمدیہ لاہور نے اپنے دادا جان چوہدری محمد بخش صاحب جو کہ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ کے اولین رفیقوں میں سے تھے اور آپ کے نسبی لحاظ سے بھی عزیز تھے نہایت ہی بزرگ ہستی تھے۔ اور جماعتِ احمدیہ اوکاڑہ کے بانیوں میں سے ہیں۔ ان کی نشانی ان کے صاحبزادے محترم چوہدری شبیر احمد صاحب جناب حافظ صاحب مرحوم کے نقش ثانی ہیں۔ اور ہر رنگ میں قابل رشک ہستی ہیں۔ ان کے صاحبزادے محترم ریاض احمد صاحب ہیں۔

یہ ٹرافی احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی ملکیت ہے۔ ہر سال تربیتی کلاس کے موقع پر اس جماعت کو دی جائے گی جو تعداد میں بھی زیادہ شرکت فرمائیں گے اور اس کلاس کے اغراض و مقاصد میں بھی پورے اترا کریں گے۔ نیز ریاض صاحب نے تین انعام اور نقد فرما دیئے۔ ان طلبہ کیلئے جو نماز باجماعت اور تربیتی کلاس میں عمدگی سے حاضری اور تعلیم میں دلچسپی لیں گے اور جماعتی روایات پر احسن رنگ میں کاربند ہونگے پہلا انعام دو صد روپے۔ دوسرا ڈیڑھ صد اور تیسرا یکصد روپیہ مقرر فرمایا۔ (یہ ٹرافی اور انعامات جن طلبہ نے حاصل کئے اس کی تفصیل اختتامی جلسہ میں ملاحظہ فرماویں۔

درس و تدریس اور تقاریر

فجر کی نماز کے بعد جناب محترم پروفیسر اصغر حمید صاحب سورۂ کہف کا عام فہم اور دلنشیں انداز میں ہر روز پندرہ منٹ درس دیتے تھے جس سے طلبہ کی معلومات میں بڑا اضافہ ہوا۔

صبح ½ ۸ بجے سے ½ ۹ بجے تک محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبلغ کچھی (ہزارہ ڈویژن) مسنون ادعیہ اور نماز۔ دعائے قنوت۔ نماز جنازہ کی دعا۔ اور دوسرے مسائل طلبہ کو زبانی مع ترجمہ یاد کراتے تھے۔

½ ۸ سے ½ ۹ تک ہمارے بزرگ عالم و مفسر بھائی جناب محترم نصیر احمد فاروقی صاحب قرآن مجید کا عام فہم رنگ میں نہایت ہی موثر اور پُراز معلومات قرآن مجید کا باقاعدگی سے درس دیتے رہے۔ اور درس کے بعد طلبہ کے شدید اصرار پر ان کے علمی سوالات کا نہایت خندہ پیشانی سے جوابات دیتے رہے اور ہر رنگ میں ان کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے رہے۔ اور ان کی معلومات میں ان جوابات سے بہت ہی اضافہ ہوا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

زاں بعد ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا کی تفسیر میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے گذشتہ سال بھی طلبہ کو نماز باجماعت کی فرضیت۔ ارکان صلوٰۃ کی ادائیگی اور دوسرے فقہی مسائل پر روشنی ڈالی تھی اور اس سال بھی حضرت امیر قوم نے ازراہ کرم پورے دو دن نہایت ہی عالمانہ۔ شیریں انداز میں طلبہ کی استعداد کے مطابق نماز کے بارے میں تمام مسائل بیان فرمائے جس سے بڑی عمر کے لوگوں نے بھی بڑا فائدہ اٹھایا۔ اور آں موصوف کے عملی نمونہ نے بہت ہی عمدہ اثر طلبہ پر ڈالا۔

درمیان میں نصف گھنٹہ چائے اور دوسری ضروریات سے فراغت کے لئے مقرر تھا۔

زاں بعد ½ ۱۰ سے ½ ۱۱ بجے تک درس حدیث، اختلافی مسائل اور وہ دلائل جن کی رو سے اس دور میں "رجل فارس" کے دامن کے ساتھ وابستہ ہونا تمام بنی نوع انسان کے لئے ضروری ہے۔ وہ خاکسار کے سپرد تھا طلبہ کو وہ احادیث زبانی یاد کرائی گئیں۔ جن کا ان کی عملی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ اور وہ احادیث بھی یاد کرائی گئیں جن میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جس موعود اقوامِ عالم کی بشارت دی تھی ان کو بھی ان کے سامنے اس رنگ میں تفصیل کے ساتھ پیش کیا کہ تا وہ ان کو زبانی یاد کرلیں اور علماء امت کے بعض حوالے بھی ان کو یاد کرائے گئے جن سے اس "امام" کو انھوں نے مجدد۔ مہدی اور مسیح موعود ایک ہی شخص کو تسلیم کیا تھا۔

اور وہ چودھویں صدی میں مبعوث ہونے والے مجدد اعظم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہیں۔

عام مسائل دینیہ کے بارے میں فیج اعوج کے دور میں بعض ایسی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں جن کا دور کرنا امام الزماں کا اولین فریضہ تھا۔ اس واسطے یہ بھی اہتمام کیا گیا کہ طلبہ کو ان مسائل کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کو دور کرنے کے لئے اور اصل مسائل کو صحیح رنگ میں جو ارشادات حضرت مرزا صاحب نے بیان فرمائے ہیں آپکے ارشادات۔ آپ کی مختلف تحریرات، آپکے الفاظ مبارکہ، بعینہٖ طلبہ کو بتائے جائیں۔ چنانچہ نہایت محنت۔ استقلال اور محبت سے یہ خدمت ہمارے بزرگ بھائی مولوی احمد گل صاحب باقاعدگی سے ادا کرتے رہے۔

علمی سوالات اور معلوماتِ دینیہ کے لئے ایک نیا تجربہ کیا گیا اور طلبہ کو اجازت تھی کہ جس قسم کا علمی سوال آپ کرنا چاہیں دریافت فرمائیں اس میں محترم جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب نے نہایت محنت، کوشش اور استقلال سے مختلف مسائل کے بارے میں نہایت ہی بیش بہا معلومات سے طلبہ کو مستفید فرمایا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

علمی تقاریر کا پروگرام

روزانہ ½۱۱ سے ½۱۲ بجے تک تقاریر کا پروگرام مقرر تھا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل مقررین نے حسب ذیل مضامین پر نہایت عمدہ، پُرازمعلومات تقاریر سے طلبہ کو نوازا۔

محترم مرزا مسعود بیگ صاحب نے ان ایام میں دو علمی تقاریر سے حاضرین کی معلومات میں اضافہ فرمایا۔

(۱) ایک مثالی مسلمان کی زندگی کی جھلک (۲) اس زمانہ میں مذہب کی کیا ضرورت ہے؟

(۳) محترم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب۔ وفات مسیح (۴) مرزا محمد لطیف صداقت حضرت مسیح موعود از روئے قرآن مجید وحدیث (۵) محترم جناب شیخ شریف احمد صاحب آف پٹنہ ور "ہمارا ماضی اور نئی نسل کو ہمارا پیغام"

(۶) محترم میاں محمد احمد صاحب مرحوم کی ایک تقریر جو آپ نے ۱۹۷۹ء کے جلسہ سالانہ میں فرمائی تھی جس کا کیسٹ محفوظ تھا۔ اور تقریر کا عنوان تھا "میں وہی ہوں جو اصلاحِ خلق کے لئے وقت پر بھیجا گیا۔" یہ تقریر اتنی اہم۔ ضروری اور پُر از معلومات تھی کہ لوگوں نے نہایت دلچسپی سے سنی

(۷) محترم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب ہمارے یہ بزرگ بھائی ہر سال ہماری اس کلاس میں خاص دلچسپی لیا کرتے تھے اور اپنی تقاریر اور مواعظ حسنہ سے طلبہ کو خاص طور پر نوازا کرتے تھے۔ امسال آپ کی کمی کو خاص طور پر محسوس کیا گیا۔ کیونکہ آپ اپنے بچوں کے پاس لندن میں مقیم ہیں اور وہاں سے ہمارے بھائیوں کو روحانی طور پر سیراب کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ کی کمی حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالےٰ نے ایک رنگ میں اس طرح پوری فرما دی کہ آپ کی ایک جلسہ سالانہ کی تقریر جس میں حضرت مسیح موعود کا مقام و دعویٰ۔ آپ کی جماعت میں مولانا

(حضرت نورالدین اعظم کی قیادت کے بعض واقعات۔ پھر وہ کون سے اسباب وحالات و واقعات پیدا ہوئے۔ اور ان ناخوشگوار واقعات پر آپ نے کیا کیا ارشادات فرمائے۔ اور ۱۹۱۴ء میں حضرت منصور مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کس دانشمندی۔ جرأت۔ استقلال اور بہادری سے اُن کا مقابلہ کیا۔ اور قوم کی صحیح رنگ میں راہنمائی فرمائی اور جماعت کو سلامتی کے ساتھ اس بھنور سے نکال لائے۔ آپ کی تقریر کی کیسٹ سن کر طلبہ کی معلومات میں بہت ہی اضافہ ہوا۔

(۸) محترم جناب ملک محمد ظفر اللہ خاں صاحب آف راولپنڈی نے حضرت مجدد زماں کے علم الکلام، آپکے پُرتاثیر کلام میں سے جستہ جستہ ارشادات، آپ کس غرض کے لئے تشریف لائے۔ ان کی اثر پذیری۔ آپ ہم سے کیا توقع رکھتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ ان کو نہایت موقع برمحل انتخاب کر کے اپنی تقریر کو مزین فرمایا۔ جزاھم اللہ اجرا لجزیل۔ یہ کلماتِ طیبات بھی عنقریب اخبار کی زینت بنیں گے۔ انشاء اللہ

(۹) محترم حامد الرحمٰن صاحب نے نہایت عمدہ تقریر فرمائی۔ اسلامی احکام کی فلاسفی۔ اور جس نظام حیات کو اسلام پیش فرماتا ہے ان کی اکملیت وافضلیت کو دلائل سے مزین فرما کر اپنے خیالات کو پیش فرمایا۔

(۱۰) محترم پروفیسر جناب خلیل الرحمٰن صاحب ہمارے معروف، فصیح وبلیغ مقرر ہیں۔ امسال میں نے زور دے کر ان سے درخواست پیش کی تھی کہ آں مکرم "اطاعتِ امیر" پر تقریر فرمائیں۔ میں محترم پروفیسر صاحب کا ازحد شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ میرے زور دینے پر عنوان بالا پر تقریر کے لئے تیار ہو گئے۔ بعض موانع کی وجہ سے آپ تشریف نہ لا سکے اور آپ نے تقریر لکھ کر بھجوا دی۔ خاکسار (مرزا محمد لطیف) نے یہ تقریر طلبہ اور خواتین وحضرات بھی مسجد میں تشریف لائے ہوئے تھے اور سب سے خوشکن پہلو یہ تھا کہ طلبہ کی حاضری سو فیصد تھی۔ یہ تقریر سنائی۔

تجدید بیعت اور اطاعت امیر کا اقرار

امسال تربیتی کلاس میں اٹھارہ جماعتوں کے نوجوان اس کلاس میں شامل ہوئے۔ جن کی تعداد ۷۵ تھی۔ مقامی جماعت لاہور کے طلبہ خواتین و احباب اسکے علاوہ تھے۔ تقریر ختم ہونے کے بعد تمام طلبہ جوش ومحبت سے کھڑے ہوئے اور عہد کیا کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے اور حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کے سامنے آپ کی موجودگی میں اطاعت امیر اور تجدید بیعت کا اقرار علی الاعلان کرتے ہیں اور ہماری زندگیوں کا ماٹو دس شرائط بیعت حضرت امام الزماں ہونگے۔

صرف طلبہ ہی نہیں کھڑے ہوئے۔ جماعت کے دوسرے اراکین جو اطاعت امیر کی تقریر سننے تشریف لائے ہوئے تھے وہ بھی اس اقرار میں طلبہ کے ہم نوا تھے۔ اور وہ ازخود اس اعلان و اظہار کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یہ بڑا ہی روح پرور نظارہ تھا کہ کس طرح کسی بیرونی اشارے کے بغیر دلی رغبت وشوق سے ہماری نئی نسل نے "اطاعتِ امیر"

جوکہ واجب الاطاعت ہیں اور ہم ہر معروف امر میں آپ کی اطاعت کریں گے پس پردہ خواتین و طالبات تشریف رکھتی تھیں۔ انہوں نے بھی اس قسم کا دلی شوق سے اظہار فرمایا۔

میری دانست میں ایک تو جلسہ سالانہ ۱۹۸۱ء پر ہاتھ اٹھا کر اطاعتِ امیر کا اظہار کیا گیا تھا جس میں ساری جماعت کے اکثر احباب و خواتین تشریف لائے تھے اور یہ ۸۳ء کی سالانہ تربیتی کلاس میں نئی نسل یعنی نوجوانوں کا اطاعتِ امیر کا اقرار تھا۔ ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو کر جس جوش سے اقرار تھا یہ دیدنی امر تھا۔ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ اور اس اجلاس کے بعد جو نوجوانوں کے تاثرات ہیں وہ بھی عجیب محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک نوجوان جو کہ بہت دور سے تشریف لائے تھے کہنے لگے "اب میں وہ نہیں ہوں جو لاہور آنے سے پہلے تھا۔ میں خوش قسمت ہوں کہ میں نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ کے سامنے اطاعتِ امیر کا اقرار کیا ہے۔"

نوٹ :- "تقریرِ اطاعتِ امیر" مورخہ   پیغام صلح میں شائع ہو چکی ہے۔

اس دن مسجد اسی طرح بھری ہوئی تھی جس طرح جلسہ سالانہ کے موقع پر بھری ہوتی ہے۔ خواتین و احباب میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جس نے تجدید بیعت و اطاعتِ امیر کا عہد و اقرار نہ کیا ہو۔

یہ روزانہ کا تدریسی پروگرام فجر کی نماز کے بعد سے شروع ہوتا تھا اور ۱½ بجے بعد نماز ظہر کھانے اور قیلولہ کے لئے بند کیا جاتا تھا لیکن اس دوران بھی خصوصًا وہ طلبہ جو ایسے علاقوں سے تشریف لائے تھے جہاں اردو نہیں بولی جاتی۔ ان کے لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ ان کو اگر تدریس کے دوران کوئی بات سمجھ نہ سکیں یا کوئی مشکل پیش آئے تو ان کے لئے ایسا انتظام کیا جائے کہ وہ ظہر و عصر کے درمیانی وقفہ میں رہنمائی لے لیں۔ اسی طرح بعض طلبہ چھوٹے تھے۔ خدا تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ لوگ تو عجیب و غریب باتیں نئی نسل کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ تعاون نہیں کرتے۔ بات نہیں مانتے اور یہاں گرمیوں کا موسم ہے رات کو اندر سونا پھر صبح سے مسلسل تعلیمی پروگرام کا جاری رہنا۔ اور اب آرام کا وقت ہے کسی قسم کی پابندی نہیں اور کس شوق سے مشکل مسائل یا جوابات ان کو اچھی طرح سمجھ نہیں آتی۔ یا واضح نہیں ہوئی اس کی وضاحت دریافت کر رہے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوا کہ بعض عزیز طلباء کو دوسرا وقت دینا پڑا۔ یعنی آپ عشاء کی نماز کے بعد آکر دریافت کر لیں۔ سو وہ چھوڑتے نہیں تھے۔ بلکہ دریافت کرنے آتے تھے۔

ہر روز ۸ سے ½۱۲ تدریس ذاتقادیہ کا پروگرام باوجود شدید گرمی و حبس کے کامیابی سے ہوتا رہا۔ خدا تعالےٰ کے فضل سے مجوزہ نصاب اور دوسرا علمی پروگرام وقت پر ہوتا رہا۔ طلبہ اور زائرین دلچسپی سے نوٹ لیتے رہے اور امسال سوال و جواب کا پروگرام طلبہ کی خواہش پر زیادہ کیا گیا۔ اور محترم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب، محترم جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب اور محترم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جوابات نہایت عمدہ رنگ میں دیتے رہے اور محترم فاروقی صاحب باوجود از حد مصروفیات کے وقت پر تشریف لاتے اور نہایت عمدہ جوابات دیتے رہے۔ یہ برمحل سوالات و جوابات کی مجالس سے سننے والوں کے ازدیادِ علم کا موجب بنتے رہے۔

تمام نمازیں با جماعت طلبہ مسجد میں ادا کرتے رہے اور ہر کام پروگرام کے تحت سرانجام پاتا رہا۔ نماز عصر و چائے سے فراغت کے بعد تمام طلبہ یونیورسٹی گراؤنڈ میں فٹ بال کھیلنے کے لئے تشریف لے جاتے۔ بروقت نماز مغرب پر تشریف لے جاتے، ازاں بعد حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات خاکسار (مرزا محمد لطیف) موقع کی مناسبت سے ان کا درس دیتا رہا۔

دینی معلومات کے لئے طلبہ کی تڑپ

اوپر آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے کہ صبح سے کتنا مصروف پروگرام ہوتا تھا۔ اور گرما کی بھی شدت تھی۔ ادھر نماز عشاء کے بعد رات کو کافی دیر تک طلبہ جاگتے رہتے تھے۔ مختلف سوالات کرتے۔ دن کی تعلیم میں اگر کوئی بات واضح نہ ہو سکی ہوتی اس کی توضیح طلب کرتے اور مختلف دینی سوالات کرتے تھے۔ نوجوان نسل کا اس طرح اپنی معلومات کو وسیع کرنے کا شوق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہمارے بچوں میں خدا کے فضل سے دین سیکھنے کا بڑا ہی شوق ہے اور بعض اوقات رات کے بارہ بج جاتے۔ مجبورًا اس سلسلہ کو بند کرنا پڑتا تھا۔

دینی تربیتی کلاس میں شامل طلبہ کا امتحان

مورخہ ۹/۸۳/۱۱ کو طلباء کا تحریری امتحان لیا گیا۔ ان کی سہولت کے لئے پرچے سائیکلوسٹائل کروا لئے گئے تھے تاکہ سہولت رہے۔ گذشتہ سات آٹھ سال سے میرا اس کلاس کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ امسال ایک تو خدا کے فضل سے پہلے سالوں کی نسبت زیادہ طلبہ باہر سے تشریف لائے۔ یعنی ۱۹ جماعتوں کی طرف سے آئے۔ اور ان کی موجودگی سے دارالسلام میں ایک چھوٹے جلسہ سالانہ کا گمان ہوتا تھا۔ دوسرے امتحان میں نہایت شوق سے شامل ہوئے اور نہایت عمدہ سوالات کے جوابات تحریر کئے اور پرچے جانچنے سے یہ احساس پختہ ہو گیا کہ طلباء و طالبات نے خدا کے فضل سے ان ایام سے خاص استفادہ کیا ہے اور جو کچھ پڑھایا گیا ہے اسکو انہوں نے یاد بھی کیا ہے۔ بغرض دعا اور ریکارڈ تفصیلی نتیجہ شائع کیا جا رہا ہے۔ ان تمام طلبہ و طالبات کو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی طرف سے ان کی کامیابی پر ان کو اور ان کے والدین کی خدمت میں مبارک باد پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمارے ان نونہالوں کو مزید توفیق دے کہ وہ قرآن مجید و حدیث اور دینی مسائل میں پہلے سے زیادہ سبقت حاصل کریں اور یہ تعلیم اور امتحان ان کی مزید

نرقیوں کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ آمین!

۱۔ عبدالعزیز صاحب ولد ڈاکٹر محمد دین صاحب مرحوم راولپنڈی — ۷۸/۱۰۰
۲۔ جمیل الرحمٰن صاحب ولد میاں مبارک احمد صاحب 〃 — ۷۶/۱۰۰
۳۔ ذوالفقار احمد ولد چوہدری مولا بخش صاحب چک ۱۸ سرگودھا — ۳۳/۱۰۰
۴۔ رؤف احمد ولد چوہدری سردار علی صاحب 〃 〃 — ۳۹/۱۰۰
۵۔ مدیحہ رسول بنت چوہدری نذر رب صاحب ملتان — ۷۹/۱۰۰ دوم
۶۔ منظہر رسول ابن 〃 〃 〃 〃 — ۵۴/۱۰۰
۷۔ فرخ بصیر ابن مخدوم سعد اختر صاحب ڈیرہ غازی خاں — ۶۵/۱۰۰
۸۔ بقیع حنیف ابن کرنل حنیف اختر صاحب حیدرآباد — ۴۸/۱۰۰
۹۔ طاہر احمد ابن مولوی عبدالرحمٰن صاحب کیمبلپوری — ۴۸/۱۰۰
۱۰۔ عامر عزیز 〃 عبدالعزیز صاحب 〃 — ۵۱/۱۰۰
۱۱۔ مرزا ٹیپو سلطان بیگ ابن محترم مرزا مظفر بیگ ساطع فیصل آباد — ۷۰/۱۰۰
۱۲۔ چوہدری عطا محمد صاحب ولد میاں محمد یعقوب صاحب 〃 — ۵۸/۱۰۰
۱۳۔ انعام الحق لودھی صاحب ولد شاہ زمان احمد خاں لودھی 〃 — ۷۸/۱۰۰
۱۴۔ ابرار احمد سیال صاحب ابن محترم ماسٹر اصغر علی مرحوم دارالسلام — ۸۰/۱۰۰ اول
۱۵۔ احسان اللہ ملہی ولد ہدایت علی ملہی لیسے والا بدوملہی — ۷۵/۱۰۰
۱۶۔ حسین احمد ولد عبدالحلیم خاں صاحب سرائے نورنگ بنوں — ۴۷/۱۰۰
۱۷۔ انعام اللہ خاں ولد چوہدری امان اللہ خاں ڈیرہ غازی خاں — ۵۰/۱۰۰
۱۸۔ کاظم وحید ولد عاشق وحید صاحب دارالسلام — ۳۵/۱۰۰
۱۹۔ صاحبزادہ ابرار احمد ولد صاحبزادہ محمد شفیع صاحب سرائے نورنگ بنوں — ۴۰/۱۰۰
۲۰۔ گوہر علی ولد سردار علی خاں صاحب سفید ڈھیری پشاور — ۵۵/۱۰۰
۲۱۔ محمد مصطفےٰ ممتاز ابن محترم ممتاز احمد صاحب بدوملہی — ۴۵/۱۰۰
۲۲۔ ضیاء الحسن صاحب ولد ظہور احمد خاں صاحب سرائے نورنگ بنوں — ۳۷/۱۰۰
۲۳۔ عطاء الرحمٰن صاحب ولد ضیاء الرحمٰن صاحب دارالسلام — ۵۸/۱۰۰
۲۴۔ حماد انوار الحق خالد بٹ ولد انوار الحق بٹ صاحب ڈسکہ — ۵۵/۱۰۰
۲۵۔ محمد افضل پسر مولوی شفقت رسول خاں صاحب احمدیہ بلڈنگس — ۵۴/۱۰۰
۲۶۔ اطہر رسول پسر چوہدری نذر رب صاحب ملتان — ۵۸/۱۰۰
۲۷۔ فہمیدہ ضیاء بنت ضیاء الرحمٰن صاحب دارالسلام — ۵۰/۱۰۰
۲۸۔ عمر فاروق صاحب ولد محمد شفیع صاحب فیصل آباد — ۴۹/۱۰۰
۲۹۔ ثمرین انوار الحق بنت انوار الحق خالد بٹ صاحب ڈسکہ — ۳۷/۱۰۰
۳۰۔ احسان اللہ صاحب ولد محترم ملک غلام علی صاحب شیخ محمدی — ۵۱/۱۰۰
۳۱۔ احمد شجاع صاحب ولد چوہدری ریاض احمد صاحب دارالسلام — ۳۷/۱۰۰
۳۲۔ محمد اکرم خاں ولد مولوی شفقت رسول خاں صاحب احمدیہ بلڈنگس — ۵۹/۱۰۰
۳۳۔ فاروق احمد ولد عبدالولی خاں صاحب سفید ڈھیری — ۶۱/۱۰۰
۳۴۔ سجاد عزیز صاحب ابن پروفیسر عزیز احمد صاحب اوکاڑہ — ۳۹/۱۰۰
۳۵۔ شہزاد عزیز 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 — ۵۱/۱۰۰
۳۶۔ ندیم احمد ابن چوہدری عبدالرحمٰن صاحب 〃 — ۶۰/۱۰۰
۳۷۔ ریحان احمد ولد چوہدری عبدالرحمٰن صاحب اوکاڑہ — ۶۵/۱۰۰
۳۸۔ توحیدہ انیس بنت انیس الرحمٰن صاحب دارالسلام — ۵۵/۱۰۰
۳۹۔ فواد نذیر ابن چوہدری نذیر احمد صاحب 〃 — ۷۶/۱۰۰
۴۰۔ خورشیدہ ضیاء بنت ضیاء الرحمٰن صاحب 〃 — ۷۳/۱۰۰
۴۱۔ منور احمد ولد چوہدری منظور احمد صاحب اوکاڑہ — ۵۹/۱۰۰
۴۲۔ نازیہ وحید ولد جناب عبدالوحید صاحب منڈی بہاؤالدین — ۳۳/۱۰۰
۴۳۔ رضا وحید 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 — ۳۳/۱۰۰
۴۴۔ فرمان علی ولد شوکت علی خاں صاحب سفید ڈھیری — ۵۹/۱۰۰
۴۵۔ محمد اسرائیل ولد محمد اسماعیل خاں صاحب سرائے نورنگ بنوں — ۵۹/۱۰۰
۴۶۔ مظفر احمد ولد ڈاکٹر مبارک احمد صاحب دارالسلام — ۵۴/۱۰۰
۴۷۔ مبارک علی ولد نور محمد صاحب اوساین ناڑوال — ۶۰/۱۰۰
۴۸۔ ایم مظہر الاسلام صاحب ولد ماسٹر عبدالسلام صاحب بدوملہی — ۷۰/۱۰۰
۴۹۔ ذکاء الرحمٰن ولد ضیاء الرحمٰن صاحب دارالسلام — ۳۳/۱۰۰

کچھ طلبہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے امتحان میں شامل نہ ہو سکے۔ تین طالب علموں کو اپنی ڈیوٹیوں پر جانا پڑا۔ دو کی ایک مقام پر شہادت تھی۔ تین طالب علم صاحب فراش ہو گئے۔ اور چھوٹے بچوں کا زبانی امتحان لیا گیا۔

عزیز طلبہ اور ان کے والدین کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالےٰ سے دست بدعا ہوں کہ جو علم انہوں نے یہاں حاصل کیا ہے اس پر ان کو عمل کرنے کی توفیق ملے۔ اور اس کو آگے وسعت دیں۔ اور اپنے اپنے حلقہ میں مجالس قائم کریں اور دوسرے ان کے ساتھی جو کسی وجہ سے اس کورس میں شامل نہیں ہو سکے ان کو بھی اس روحانی آب حیات سے فیض یاب کریں۔ اور پہ آپ نے قرآنی ارشاد پڑھ لیا ہے کہ ایک ایسا گروہ جو دین سیکھنے کے لئے مرکز میں آتا ہے پھر ان کا یہ بھی فرض ہے کہ اس کو آگے بڑھائیں۔ اور یہ لوگ بڑے ہی کامیاب ہونے والوں میں سے ہوتے ہیں۔ اور اپنے اپنے مقام میں ایسا گروپ قائم کریں جو آپ نے سیکھا ہے۔ ان کو بھی سکھائیں تا اگلے کورس میں وہ بھی آپ کے ساتھ شامل ہوں اور آپ کے شانہ بشانہ قرآنی علوم کے وارث بنیں۔ اللھم آمین

الوداعی تقریب

۱۱/۸/۸۳ بعد نماز عصر مسجد احمدیہ دارالسلام میں حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی صدارت میں الوداعی تقریب منعقد ہوئی۔ عزیزم عبدالعزیز صاحب آف راولپنڈی نے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ عزیزم فاروق احمد صاحب آف سفید ڈھیری نے نہایت عمدہ ترنم کے ساتھ حضرت مسیح موعود کا شیریں کلام سنایا۔ حضرت صاحب کا کلام ہو اور پڑھنے والا عزیز فاروق ہو اور نظم سبحان من یرانی تھی۔ لوگوں پر ایک گونہ وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

مہتمم تربیتی کلاس (مرزا محمد لطیف) نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ محض اپنے کرم سے یہ توفیق دی کہ یہ کلاس بحیثیت اپنی تعداد کے اور اثر پذیری کے غیر معمولی طور پر کامیاب رہی۔ اور گذشتہ ۸ سال کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ اس میں باہر سے تشریف لانے والے ۵۷ (ستاون) طلبہ تھے جو انیس (۱۹) مقامات سے تشریف لائے۔ باوجود اس کے کہ موسم بڑا گرم تھا۔ حبس بھی تھا۔ تمام نصاب اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر پڑھانے کی توفیق دی بلکہ بعض زائد علمی دینی پروگرام بھی طلبہ کے لئے قائم کئے گئے جن میں طلبہ نے شوق سے حصہ لیا۔ اور تمام اساتذہ کرام خاص شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہایت محنت سے طلبہ کو تعلیم دی۔

تاثرات

سارے طلبہ کیلئے تاثرات بیان کرنے کا وقت نہیں ہوتا۔ حالات کے مطابق چند طلبہ کا انتخاب کر لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے قلبی جذبات کا اظہار کریں۔ اور اگر ان کے ذہن میں کوئی ایسی تجویز ہو جو اس دینی تربیتی کلاس کے کورس کو مزید سود مند بنایا جا سکے تو اس کو بیان کریں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل طلبہ نے اپنے تاثرات بیان فرمائے۔

مظہر الاسلام صاحب بدوملہی۔ بقیع حنیف صاحب حیدرآباد حسین احمد خان صاحب سرائے نورنگ بنوں، منظہر رسول صاحب ملتان گوہر علی صاحب سفید ڈھیری، فرخ بصیر صاحب ڈیرہ غازی خاں مرزا ٹیپو سلطان بیگ صاحب فیصل آباد، ندیم عالم مرغوب صاحب امریکہ جمیل الرحمٰن صاحب راولپنڈی،

تقسیم انعامات

اوپر افتتاحی تقریب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ محترم چودھری ریاض احمد صاحب نے ایک نہایت عمدہ۔ خوبصورت شیلڈ تیار کر کے انجمن کو دی ہے اور یہ شیلڈ اُن کے داداجان حافظ محمد بخش صاحب آف اوکاڑہ کی یادگار ہے اور یہ ہر سال اس جماعت کو دی جایا کرے گی جو دوران سال۔ اور سالانہ تربیتی کلاس میں اس کی موثر، فعال کارکردگی کی بنا پر ہوا کرے گی اسکو دی جایا کرے گی۔ امسال سب سے پہلی دفعہ یہ شیلڈ جماعت احمدیہ سرائے نورنگ بنوں کو اپنی عمدہ کارکردگی کیوجہ سے ملی ہے۔

انعامی کمیٹی کا تقرر

پہلے دن سے ایک کمیٹی نے نقد انعامات اور شیلڈ کے لئے اپنے مفوضہ ڈیوٹی ادا کرنے کا کام شروع کر دیا۔ انعام کے حقدار ہونے کے لئے تین اہم نشان رکھے گئے تھے۔

۱۔ نماز با جماعت کی ادائیگی

۲۔ دینی تربیتی کلاس میں حاضری اور توجہ

۳۔ بقیہ اوقات میں طلبہ کی نشست و برخاست۔ مطبخ۔ کھیل کے میدان۔ عام گفتگو و بول چال اور دوسرے متعلقہ مجلسی آداب کو کس طرح ملحوظ رکھتے ہیں اور ان کی کیسی پاسداری کرتے ہیں۔

چنانچہ کمیٹی نے حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں درخواست کی کہ ہماری رائے میں ۸۳ء و ۸۴ء کے لئے اس شیلڈ کی حقدار شبان جماعت احمدیہ سرائے نورنگ بنوں قرار پائی۔

اس جماعت کا تھوڑا سا تعارف کرا دوں۔ یہ جماعت شہید احمدیت حضرت سید عبداللطیف صاحب آف افغانستان کے عزیز و اقارب پر مشتمل ہے۔ یہ بچے نہایت سعادت مند ہیں۔ ان کے اندر اطاعت۔ فرمانبرداری کا جذبہ قابلِ رشک ہے اور احمدیت کے لئے یہ بڑی غیرت اور جوش رکھتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ یہ ٹرافی ہر سال اس جماعت کو ملے گی جن کے اندر وہ صفات پائی جائیں گی جو اوپر درج کی گئی ہیں لیکن اولیت کا شرف جماعتِ احمدیہ سرائے نورنگ کو ملا ہے۔ اور انہی نوجوانوں کے بزرگ حضرت شاہ عبداللطیف صاحب نے اپنی جان اولین دور میں بشاشت قلب کے ساتھ قربان فرمائی تھی۔

صاحبزادہ محمد احمد صاحب نگران اعلیٰ

یہ شیلڈ اس وقت سرائے نورنگ میں ہے جس کے سرپرست اور نگران ہمارے نہایت ہی مکرم بھائی صاحبزادہ محمد احمد صاحب ہیں۔ اور اگلے سال کلاس کے انعقاد سے پہلے محترم صاحبزادہ صاحب موصوف اسکو واپس مرکز میں پہنچا دیں گے۔ تاکہ پھر جو جماعت اوّل آئے ان کی خدمت میں سال بھر کے لئے پیش کی جائے۔

نقد انعامات

اسی طرح محترم چوہدری ریاض احمد صاحب صدر جماعت لاہور کی طرف سے تین نقد انعامات اوّل ۲۰۰ روپے دوئم ڈیڑھ صد روپیہ، سوئم یکصد روپیہ، انہی تین شرائط کے مطابق مقرر فرمایا جو اوپر شیلڈ کے ضمن میں ذکر کر آیا ہوں۔ اول انعام کے حقدار کمیٹی کی سفارش پر محترم عبدالعزیز صاحب ابن مکرم ڈاکٹر محمد دین مرحوم آف مانسہرہ حال راولپنڈی اور جمیل الرحمٰن صاحب ابن محترم میاں مبارک احمد صاحب آف راولپنڈی دیا گیا۔ دوئم انعام مجموعی طور پر حسن کارکردگی و اطاعت و فرمانبرداری کے مظاہرہ پر شبان سرائے نورنگ، حسین احمد صاحب، ابرار احمد صاحب، ضیاء الحسن صاحب، محمد اسرائیل خاں صاحب، ہارون احمد خاں صاحب کو دیا گیا۔ اور تیسرے انعام کے تین طالب علم حقدار قرار پائے۔ سجاد عزیز ابن پروفیسر عزیز احمد صاحب اوکاڑہ، طاہر احمد صاحب ابن محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبلغ کچھی ہزارہ اور محمد اکرم خاں صاحب ابن محترم مولوی شفقت رسول خاں صاحب احمدیہ بلڈنگس لاہور اس کے اہل قرار دیئے گئے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے دست مبارک سے شیلڈ اور انعامات طلبہ کو دیئے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

سے انواع ملانے کی اور بچے بچوں نے اوقات اور دین کے فیصلے میں صرف کیا۔ باوجود اس کے ایک تو راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ پھر بھی انھوں نے نہ گرمی کی پرواہ کی نہ نیند کے پورا نہ ہونے کا شکوہ کیا۔ فجر کی اذان اُن کے کانوں میں پڑی لپک کر چارپائیوں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مسجد کا رُخ کیا۔ دن بھر بھی پروگرام بڑا مصروف ہوتا تھا لیکن وہ ہر وقت پابندئ وقت و اطاعت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے وہ انعام کے حقدار ہوئے۔ منتظمین تربیتی کلاس کی طرف سے بچوں اور اُن کے والدین کو ہدیۂ تبریک پیش کیا جاتا ہے۔ اور مولیٰ کریم کے حضور دست بدعا ہیں کہ آگے سے بڑھ کر ان کو دین کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا اختتامی خطاب

حضرت امیر قوم نے فرمایا کہ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ میں نے افتتاحی اجلاس میں بچوں کو ایک یہ تلقین کی تھی کہ آپ ایک رنگ میں جہاد کی حالت میں ہیں اس واسطے آپ اپنے اندر ان اوصاف کو پیدا کرنے کی سعی کریں جو ایک مجاہد میں ہوتی ہیں۔ اور اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے جن اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے ان میں ایک نماز باجماعت ہے ان دنوں میں اس نیکی پر خاص طور پر کاربند رہیں۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ طلبہ کا بہت ہی اچھا نمونہ دیکھا ہے اور جو باتیں ان کے لئے بیان کی جاتی تھیں چھوٹے چھوٹے بچے بھی ان کو خاص طور پر توجہ سے سنتے تھے۔ یہاں پر جو نیک باتیں آپ نے سیکھی ہیں اُن کو ساتھ لے کر جائیں اور اپنے اپنے گھروں میں بھی ان کو رواج دیں۔ جو علم سیکھا ہے اس کو ترقی دیں۔ اور یہ عہد کریں کہ جس طرح آپ یہاں نماز کے پابند رہے ہیں۔ ایسا ہی گھر میں بھی جاکر پابند رہیں۔ واصطبر علیہا۔ اور ان نیکیوں پر پختہ طور پر قائم رہیں اور دوسروں کو قائم رکھیں۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں صرف چند یوم کے لئے ایبٹ آباد سے آیا تھا اور ۵۔ اگست کو میں نے واپس چلا جانا تھا لیکن جب میں نے اتنی بڑی تعداد میں اپنے بچوں کو دیکھا اور اُن کے شوق اور تعلق اور نماز کی ادائیگی میں اور دوسرے نیکی کے کاموں میں جب وہ ایک دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کرتے تھے تو میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا۔ اور آپ کے پروگرام کی تکمیل تک میں نے اپنے قیام کو لمبا کر لیا۔

میں خداتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ سب بچوں کو باوجود شدید گرمی کے عافیت میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ آمین! بعد ازاں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی رقت و الحاح سے

اختتامی دُعا فرمائی اجلاس کے بعد مقامی جماعت لاہور کی طرف سے جس میں تمام مردوزن شامل ہوئے اور بعد میں تمام طلبہ کی خدمت میں پرتکلف عصرانہ پیش کیا گیا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

اسی طرح احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے ایک عشائیہ بھی ترتیب دیا گیا جس میں حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور مجلس معتمدین و مجلس منتظمہ کے بعض اراکین بھی شامل ہوئے۔ اس موقع پر طلبہ نے فوٹوز وغیرہ بھی لئے۔ اور طلبہ اپنے درمیان حضرت امیر قوم اور دوسرے بزرگوں کو پاکر بہت مسرور تھے۔

اسی طرح محترم چوہدری منصور احمد صاحب ہمیشہ ہی ہماری اس کلاس کی ہر رنگ میں معاونت فرماتے ہیں اور جب بھی کسی مشکل کے وقت آں موصوف کی خدمت میں عرض کیا گیا آپ بڑی ہی خوشدلی اور فیاضی سے ہمارے بہترین مددگار ثابت ہوئے۔ اس دفعہ بھی کیونکہ باہر سے طلبہ کی تعداد پہلے سالوں کی نسبت زیادہ تھی چارپائیاں۔ بستر اور دوسری چیزوں کی فراہمی کے سلسلہ میں آپ نے بہت ہی معاونت فرمائی۔ اسی طرح دو دفعہ آپ طلبہ کے لئے پھل لے کر تشریف لائے۔ اور جب بھی کسی مشکل کے وقت آپ کی طرف رجوع کیا آپ نے صدق دل کے ساتھ لبیک کہا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

مہتمم تربیتی کلاس کی طرف سے اساتذہ اور متفرق احباب کا شکریہ

حقیقت یہ ہے کہ یہ کورس اور تربیتی کلاس خداتعالیٰ کے فضل سے ہر سال منعقد کی جاتی ہے۔ ہمیشہ ہی بیرونی جماعتوں اور لاہور کے احباب میں سے [۲۴] بہت ہی عدیم الفرصت ہوتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ ہی خاکسار کے ساتھ تعاون فرمایا۔ اور ایسے صائب مشورے دیئے اور ایسی دلجوئی فرمائی کہ سارے مشکل کام خداتعالیٰ کے فضل سے آسان ہو گئے۔

بیرونی جماعتوں میں سے محترم شیخ شریف احمد صاحب آف پشاور۔ میرے خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔ اس طرح محترم ملک محمد ظفر اللہ خاں صاحب آف راولپنڈی اور محترم جناب میاں فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی نے بہت ہی تعاون فرمایا اور انھوں نے اس رنگ میں معاونت فرمائی ہے کہ دل سے اُن کے لئے دعا نکلتی ہے۔ کہ اللہ کریم اپنی جانب سے محترم میاں صاحب موصوف کو جزائے خیر دے۔ انہوں نے اس طرح ایک نہایت قیمتی نوٹ "یادرفتگاں" کے سلسلہ میں بھی تحریر فرمایا ہے جو عنقریب پیغام صلح میں شائع کیا جائے گا۔

اسی طرح طلبہ کو واقعاتی رنگ میں یہ بتانے کے لئے خداتعالیٰ کے فضل سے پون صدی سے اوپر عرصہ گذر رہا ہے۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور جو اشاعت اسلام [۲۴] اکے شیریں ثمرات پیدا ہو رہے ہیں مثال [۲۴] کی خدمت کر رہی ہے۔

[۲۴] جن جن کی خدمت میں کوئی درخواست پیش کی گئی باوجود اسکے کہ بعض ان میں سے

کے طور پر نیدرلینڈ (ہالینڈ) میں ہمارے ہزارہا احمدی بھائی ہیں۔ جو بہت ہی مخلص ہیں۔ اور خوب شعار اسلامی کے احیاء، تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں کے الزامات کا دفاع کر رہے ہیں۔ ان کی تصویری زبان میں دو کیسٹ، ان میں ایک ۷۹ء کی کنونشن کی۔ دوسری ۱۹۸۰ء کی تھی۔ وی۔سی۔آر پر دکھائی گئی۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ کی تقریر سے طلباء بہت ہی محظوظ ہوئے۔ اور خوش ہوئے کہ ہمارے اتنے احمدی بھائی ہالینڈ میں موجود ہیں۔

میں اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے محض اپنے فضل سے ہماری رہنمائی فرمائی۔ ہماری پردہ پوشی فرمائی۔ اور ایسے حالات اور اسباب پیدا فرمائے کہ یہ کلاس باوجود اس کے کہ بحیثیت تعداد پہلی کلاسوں سے زیادہ طلبہ پر مشتمل تھی۔ اللہ تعالےٰ کے فضل سے سارا پروگرام احسن رنگ میں پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اور تعاون و معاونت کی جن جن احباب سے درخواست کی گئی انہوں نے نہایت شرح صدر سے امداد فرمائی۔ جزاہم اللہ

ہماری اس کلاس کے نگران اعلےٰ محترم چوہدری منصور احمد صاحب تھے۔ اور انچارج طعام محترم چوہدری ریاض احمد صاحب، آپ نے ان دنوں میں اپنی کار بھی ہمارے لئے وقف رکھی۔ اور ہمہ وقت جس جس چیز کی درخواست کی گئی آپ نے وہ فوراً مہیا فرمائی۔ مارکیٹ سے اجناس خرید کر اور دوسری سبزیاں وغیرہ ہر روز خریدنا بڑا مشکل کام تھا لیکن آپ نے نہایت خلوص محنت جانفشانی اور محبت سے یہ سارا کام کیا۔ ہمارے یہ مخلص بھائی کی معاونت کا میں بہت ہی ممنون ہوں۔ انھوں نے ہر رنگ میں تعاون فرمایا۔ اسی طرح محترم عبدالسلام صاحب کے ذمہ بڑا مشکل کام تھا۔ آپ طلبہ کی رہائش کے انچارج تھے۔ یہ بڑا مشکل کام تھا اور طلبہ کی سہولت کے لئے ہر طرح کا سامان مہیا کرنا ان کی بروقت ضرورت کی چیز مہیا کرنا۔ محترم سلام صاحب نے نہایت ہی محنت۔ محبت اور اخلاص سے مدد فرمائی۔ اسی طرح محترم جمیل الرحمٰن صاحب سٹور کے انچارج تھے۔ یہ بڑا مشکل کام تھا۔ آپ نے یہ کام نہایت توجہ۔ محنت سے ادا فرمایا۔ اسی طرح کھانا کھلانے کا کام بھی بڑا مشکل کام ہے۔ اس میں بھی آپ نے دست تعاون عمدہ رنگ میں فرمایا۔ اسی طرح محترم ضیاء الرحمٰن صاحب اور دارالسلام کے نونہال بھی اپنی ڈیوٹیاں خوشی سے ادا فرماتے رہے۔

احمدیہ انجمن کے عملہ کارکن بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ محترم چوہدری غفور احمد صاحب اور ان کا عملہ بھی ہر رنگ میں ہماری مدد فرماتا رہا۔ اور جب بھی اُن کی ضرورت پڑی سب عملہ انجمن نے نہایت خوشدلی سے امداد فرمائی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

مہتمم مہمان خانہ عبدالقیوم صاحب بھی ہمارے خاص شکریہ کے مستحق ہیں جب بھی ان کی ضرورت پڑی دینی تربیتی کلاس کے کارکنوں کے ساتھ آپ نے عمدہ رنگ میں تعاون فرمایا۔ بشکریہ

آخر میں قارئین کرام کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ درد دل سے دُعا فرمائیں کہ موجودہ ماحول اور حالات میں ضرورت ہے کہ ہماری نئی نسل مسموم فضا سے ہر طرح سے محفوظ رہے۔ اور ان کو محفوظ رکھنے کا ایک ہی نسخہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک فرد دین کے علم سے اچھی طرح باخبر رہے۔ اس غرض کے لئے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ایسی کلاسیں جاری کرتی ہے۔ اس واسطے والدین اور جماعتوں کے صدور اور سیکرٹری صاحبان۔ ممبران مجلس معتمدین اور مبلغین حضرات سے درخواست ہے کہ جب مرکز کی طرف سے اُن کی خدمت میں ایسی اطلاع جائے کہ ایسی تربیتی دینی کلاس منعقد ہو رہی ہے وہ ذاتی دلچسپی لے کر طلبہ کو بھجوایا کریں۔ (جزاکم اللہ احسن الجزاء)

— * * * —

اخبار احمدیہ

* حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ خیریت سے ہیں اور خدمت دین کے کاموں میں منہمک ہیں۔ احباب اور شب بیدار بزرگ حضرت کی صحت و تندرستی والی لمبی زندگی کیلئے التزام سے اپنی دعائیں جاری رکھیں کہ خدمت اسلام و سلسلہ کی راہ میں اللہ تعالیٰ حضور کو اپنی تائید و نصرت سے نوازتا رہے اور آپ کا بابرکت سایہ تادیر جماعت کے سروں پر قائم و سلامت رکھے۔ آمین

* **یوم محمد علی رح**، جامع احمدیہ دارالسلام نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں ۱۳۔اکتوبر ۸۳ء کو یوم محمد علی رح منایا گیا۔ اجلاس ½ ۳ بجے شروع ہوا۔ جلسہ کی صدارت حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب چوہدری ریاض احمد صاحب نے ادا کئے۔ قاضی عبدالاحد صاحب کی تلاوت قرآن پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ ارشد علوی صاحب نے نظم پڑھی اور حضرت امیر ایدہ اللہ نے مولانا محمد علی رح کی زندگی کے متعلق ذاتی مشاہدات کے حوالہ سے تقریر فرمائی۔ مرزا محمد لطیف شاہد صاحب نے حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی۔ علمی خدمات پر روشنی ڈالی۔ جلسہ بہت کامیاب رہا۔ احباب و خواتین کو عشائیہ دیا گیا۔ عشائیہ کے بعد یہ مبارک تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

* **وفات**

محترم ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب مقیم مسلم ٹاؤن لاہور کی اہلیہ محترمہ وفات پاگئی ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحومہ کے جنت میں درجات بلند فرمائے محترم ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب کو مرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم کے بعد دُوسرا صدمہ پہنچا ہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں اور ان کے دیگر متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

باہتمام الحمد پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش صاحب)

سفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲ نومبر ۱۹۸۳ء - جلد ۷۰ شمارہ ۴۴

جلد: ۷۰ { بروز چہارشنبہ ۳ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ بمطابق ۹ نومبر ۱۹۸۳ء { شمارہ: ۴۵

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

کلام الامام

کُلٌّ یَّعمَلُ علیٰ شاکِلَتِہٖ

کل یعمل علیٰ شاکلتہ جو فرمایا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو نیکی اور پاکیزگی کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ اپنی عمدہ فطرت کے باعث ہوتا ہے۔ ہر ایک انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ ان مراتب اور مدارج تک پہنچ جاوے جن تک سعید الفطرت لوگ پہنچ جاتے ہیں۔ بعضوں کی کھوپڑی کی بناوٹ ایسی ہوتی ہے کہ وہ چوری بدکاری اور ہر قسم کی بے حیائی کو ہی پسند کرتے ہیں۔ وہ نیکوں اور پاک لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر حیران ہوتے ہیں کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ ایسا ہی نیک اور پاک لوگ ان کی مجلس میں حیران ہوتے ہیں گویا ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک سمندر حائل ہوتا ہے یا ایک دیوار کھچی ہوتی ہے۔ نہ وہ ادھر آسکتے ہیں نہ یہ ادھر جاسکتے ہیں۔ دیکھو ہماری جماعت ہے جو ہر طرح سے اپنا اخلاص ظاہر کرتی ہے ایک ہمارے مخالف ہیں جو گالیاں دینے میں ہی ثواب سمجھتے ہیں کیا ان کے دل آنکھ کان نہیں ہیں مگر وہ صم بکم عمی فھم لا یرجعون کے مصداق ہیں۔

(الحکم ۲۴ دسمبر ۱۹۰۲ء)

کلام الامام

خَیرُ الاُمُورِ اَوسَطُھَا

نیکی کی یہ بھی جز ہے کہ دنیا کے جائز لذات اور شہوات میں بھی حد اعتدال سے نہ بڑھے مثلاً کھانا پینا حرام تو نہیں مگر یہ بھی مناسب نہیں کہ رات دن کا شغل ہی یہ ہو۔ ۔ ۔ ۔ یہ لذات دنیا اس واسطے ہیں کہ نفس کا گھوڑا اس دنیا کی راہ میں کمزور نہ ہو جیسے یکّہ والے سفر میں ۶ یا ۸ کوس پر دم لیتے ہیں اور نہاری وغیرہ کھلاتے ہیں تاکہ پچھلا تکان رفع ہو جائے اسی طرح پر انبیاء علیہم السلام نے جو حظ دنیا کا لیا ہے وہ اس قسم کا ہے کیونکہ اصلاح عالم کا ایک بڑا کام ان کے سپرد تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل دستگیری نہ کرتا تو وہ ہلاک ہو جاتے۔ اسی واسطے رسول صلعم کبھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے زانو پر ہاتھ مار کر فرماتے ارحنا یا عائشۃ۔ اے عائشہ ہم کو راحت پہنچا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہ دستور نہیں ہوتا کہ وہ حظوظ دنیا میں منہمک ہو جائیں انہماک ایک زہر ہے ایک بدمعاش آدمی جو چاہتا ہے کھاتا پیتا اور کرتا ہے۔ اسی طرح ایک صالح بھی کرے تو خدا تعالیٰ کی راہیں اس پر نہیں کھل سکتیں۔

(الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء)

بیاد مرزا مسعود بیگ مرحوم و مغفور

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ لندن

"وہ بادہ کش جو پرانے تھے"

وہ بھی خزاں کی ایک گہری اور اداس شام تھی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اٹھایا تو انور صاحب امام احمدیہ مشن لندن بات کر رہے تھے۔ سلام دعا کے بعد کہنے لگے کہ ایک بہت افسوسناک خبر پاکستان سے آئی ہے۔ وہ یہ کہ مرزا مسعود بیگ صاحب رحلت فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ خبر سن کر ایک دفعہ تو دل دھک سے رہ گیا۔ خدایا! اوپر تلے یہ کیسی المناک خبریں آ رہی ہیں۔ چند ماہ میں دائیں بائیں کئی بزرگ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ جناب چوہدری فضل حق صاحب، جناب اعظم علوی صاحب، جناب ناصر اصغر علی صاحب اور اب جناب مرزا مسعود بیگ صاحب کا بلاوا بھی آ گیا۔

رات کی خاموشی اور تنہائی میں گذرے ہوئے زمانے کا منظور بندھ گیا کہ کیسے کیسے جانثار و مجاہد اس ہماری چھوٹی سی جماعت میں پیدا ہوئے ایسے ایسے بزرگ کہ زندگیاں اللہ کے نام پر وقف کر دیں خدمت اسلام و قرآن میں جانیں لٹا دیں۔ دامے درمے سخنے قدمے اس راہ میں نثار ہو گئے اور پھر بغیر کسی آہ یا واہ کے۔ نہ لیڈر بن کر اپنی ستائش کی نہ اپنی ذات کے لئے کوئی دھوم دھڑکا مچایا۔ بس راہ حق پہ قدم رکھا اور خاموشی سے سرگرم عمل ہو گئے۔ عمر عزیز نذر مولا کر دی اور پھر بھی یہی حسرت رہی کہ ؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

یہ وہ لوگ تھے کہ دنیا کے فقیر اور دین کے امیر ثابت ہوئے اور ان میں جناب مرزا مسعود بیگ صاحب کا نام بھی سرفہرست آتا ہے۔ ان کی ہستی عقل و فہم کے ساتھ زیور علم سے بھی آراستہ تھی۔ خدا نے تحریر و تقریر کی خوبی افراط سے عطا کی تھی۔ یوں تو خاموش طبع منکسر مزاج عام لوگوں میں ملے جلے انسان تھے۔ لیکن جب بولنے کھڑے ہوتے تھے تو زور بیان اور انداز گفتار کی روشنی سے ان کی ہستی جگمگانے لگتی تھی۔ ایسا مؤثر انداز بیان تھا کہ سننے والے اور وہ خود بھی اس سے متاثر ہو جاتے تھے۔

ان کا ایک خطبہ جمعہ تو مجھے بھلائے نہیں بھولتا۔ یہ وہ دور زندگی تھا کہ میرا قیام ڈیوس روڈ لاہور کے ایک بنگلے میں تھا۔ ماہ جون کی خشک گرمی اور چلچلاتی دھوپ تھی۔ دوپہر کو جیسے ہی بچہ سکول سے آیا میں نے جلدی سے کھانے پینے سے فراغت کی اور اسے ساتھ لے کر نماز جمعہ پڑھنے گھر سے نکلی۔ ان دنوں ابھی دارالسلام کی بستی نہ بنی تھی اور نماز جمعہ پڑھنے میں مسلم ٹاؤن کی مسجد میں جاتی تھی۔ یہ مسجد ہمارے گھر سے چھ میل دور تھی مگر وہاں حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی جمعہ پڑھاتے تھے۔ ان کے اتھاہ علم و معرفت کی کشش مجھے وہاں لے جاتی تھی۔ ہم دونوں سڑک پہ آئے تو کہیں دور دور کسی تانگے یا رکشہ کا پتہ نہ تھا۔ سڑک کی پکی پٹڑی جلتے توے کی طرح جھلس رہی تھی کہ پاؤں رکھنا دشوار تھا۔ اوپر سے لو کے تھپیڑے اور سورج کی کرنیں سر منہ جھلس رہے تھے۔ بچہ کملایا جا رہا تھا۔ میں تسلی دے رہی تھی کہ "نمازی کو ہر ایک قدم پہ ثواب ملتا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ بارے کافی آگے جا کر ایک تانگہ ملا اور ہم اس میں بیٹھ کر مسلم ٹاؤن پہنچے۔ مسلم ٹاؤن کی چھوٹی سی پرسکون مسجد میں بچے کو مردانے میں بھیج کر میں عورتوں کے محراب میں پس پردہ بیٹھی۔ تو خطبہ جمعہ شروع ہو گیا خطیب نے سورۃ جمعہ پڑھ کر اس کا ترجمہ کیا۔ پھر جو تفسیر شروع کی تو ایک سماں باندھ دیا۔ نماز جمعہ کی تاکید اور اس کے لئے سعی کرنے کی اہمیت پہ جو دلائل اور واقعات بیان کئے انہوں نے میری گرمی سے نڈھال اور تھکی ہوئی طبیعت کو ہلکا کر دیا۔ کیا زور بیان اور اثر تھا کہ ایک ایک بات دل میں اترتی رہی تھی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا واقعہ میں نے اس دن ہی پہلی بار سنا کہ دوسرے علماء کے کہنے پہ جب خلیفۂ وقت نے انہیں قید کر دیا اور ہتھکڑی بیڑی میں ہاتھ پاؤں جکڑے رہتے تھے تو نماز جمعہ کی اذان کی آواز سن کر وہ ان ہتھکڑیوں اور بیڑیوں سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے اور چھڑانے تھے جس سے زخمی ہو کر کلائیوں سے خون نکلنے لگتا تھا۔ جب یہ زخم بھرنے لگتے تھے تو پھر جمعہ کا دن آ جاتا تھا اور وہ از سر نو اپنے آپ کو زخمی کر لیتے تھے۔ ان کے مریدوں نے عرض کی کہ حضرت آپ کو علم ہے کہ آپ نماز کے لئے نہیں جا سکتے پھر اپنے آپ کو ہلکان کرنے سے کیا فائدہ؟ تو حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ جمعہ تلاوت کی اور فرمایا کہ "میں تو نماز جمعہ کے لئے سعی کرتا ہوں جس کا اس سورت میں اللہ نے حکم دیا ہے۔ نماز نہیں ملتی تو کیا سعی بھی نہ کروں!"

غرض اس ایمان افروز اور روح کو تازہ کر دینے والے خطبہ کے بعد امام نے نماز پڑھائی تو نماز میں قرأت بھی دل سوز و گداز اور عاجزی سے پر تھی۔ نماز پڑھ کر میں باہر نکلی تو سامنے میرے بھانجے عزیز منصور احمد کھڑے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ آج کے خطیب و امام کون تھے انہوں نے جواب دیا کہ "یہ مرزا مسعود بیگ صاحب تھے"، کیونکہ حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب غالباً ناسازی طبع کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے تھے۔ سبحان اللہ! کیسے کیسے گودڑی کے لعل اس درویشوں کی جماعت میں چھپے ہوتے ہیں۔ یہ تو ایک چھوٹا سا نمونہ ان کی خوبی تقریر کا تھا جس کا مجھے ذاتی تجربہ ہوا۔ ورنہ جماعت کے بڑے بڑے اجتماع اور جلسوں میں ان کی پرزور اور پراثر تقریروں سے ایک دنیا واقف ہے۔ تحریر کے بھی بادشاہ تھے اور اپنا مافی الضمیر نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے تحریر میں لاتے تھے۔

باوجود اس لیاقت و بلاغت کے بالکل مٹے ہوئے انسان تھے

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

صرف وحی و الہام ہی ایک یقینی ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی زندہ ہستی پر ایمان اور یقین پیدا ہوتا ہے

وحی والہام کے انکار سے دہریت کے راستے کھلتے ہیں

وحی نبوت پر مہر لگ چکی ہے لیکن حضرت نبی کریم صلعم کے کامل متبعین کے ساتھ مکالمہ و مخاطبہ کا دروازہ قیامت تک کھلا رہیگا

خطبہ جمعہ مؤرخہ ۲۳ ستمبر ۱۹۸۳ء - فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بمقام دارالسعید، ایبٹ آباد

نوٹ:۔ حضرت امیر نے اپنا ۹/۹/۸۳ کا خطبہ جمعہ سورۃ طٰہٰ کی چھٹی آیت "لہٗ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وما بینھما وما تحت الثریٰ" پر ختم کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ میں اس سورۃ کی ساتویں اور آٹھویں آیت کے متعلق کسی دوسرے موقعہ پر بیان کروں گا۔ اس لئے آپ نے اس جمعہ کے خطبہ کے لئے انہی دو آیات کو اپنا موضوع بنایا۔ چونکہ اس جمعہ میں باہر سے بھی کافی دوست شریک ہوئے اس لئے گذشتہ خطبہ کے اہم نکات کو بھی سِرے سے مختصراً دہرایا۔ (مرتّب)

تشہد و تعوذ اور سورۃ طٰہٰ کی پہلی آٹھ آیات کی تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا کہ میرے آج کے خطبہ کا موضوع یہ دو آیات ہیں "وان تجھر بالقول فانہ یعلم السر واخفی - اللہ لا الٰہ الا ھو لہ الاسماء الحسنیٰ ۔" اگر تو پکار کر بات کہے تو وہ بھید کو بھی اور اس سے مخفی بات کو بھی جانتا ہے۔ اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اچھے نام اسی کے ہیں۔

ان آیات کے مضمون کا پچھلی آیات کے مضمون کے ساتھ تسلسل اور تعلق قائم رکھنے اور اس جمعہ میں باہر سے کافی نوجوان دوستوں کی شمولیت کی وجہ سے آپ نے اپنے گذشتہ خطبہ کے اہم نکات کو دوبارہ مختصراً دہراتے ہوئے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلعم کو مخاطب کر کے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے انسان ہم نے تجھ پر یہ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو ناکام رہے آپ پر اس سورۃ کا نزول نہایت ابتدائی مکی زمانہ میں پانچویں سال بعثت میں ہوا۔ اس زمانہ میں آپ پر اور آپ کے چند ایک ساتھیوں پر قریش مکہ کی طرف سے مصائب کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے یہاں تک کہ آپ ایک مکان میں جسے دار ارقم کہتے ہیں چھپ کر عبادات بجالاتے تھے خدا کے دین کی اس نرم و نازک مٹھی سی کونپل کو مخالفین چٹ کر جانا چاہتے تھے۔ اُسے اپنے پاؤں کے نیچے مسل کر ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اس غریب اور بے چارگی کی حالت میں ان الفاظ سے آپ کی ڈھارس بندھائی اور خوش خبری سنائی جاتی ہے کہ طٰہٰ۔ مآ انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ - اے انسان ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تو ناکام رہے۔ اس کے بعد تیرہ سال تک آپ کفار مکہ کے بدترین غیر انسانی سلوک، ظلم و ستم اور اذیتوں کو برداشت کرتے رہے لیکن اسکے باوجود آپکے ساتھیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی رہی حتیٰ کہ جب یہ ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو آپ کو اور آپکے صحابہ رض کو گھر بار چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کرنا پڑی۔ ہجرت کے بعد آپ کو جو پے در پے کامیابیاں حاصل ہوئیں اور اسلام کو فروغ حاصل ہوا وہ انسانی تاریخ کا ایک محیر العقول معجزہ ہے اور آپ کی کامیابی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

یہ کامیابیاں اور فتوحاتِ اسلام آپ کے زمانہ تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ قرآن کریم کے یہ معجزات آپ کے بعد بھی رونما ہوتے رہے اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے کیونکہ یہ "تنزیلا ممن خلق الارض والسمٰوٰت العلیٰ" ہے۔ یہ اس کی طرف سے ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ اس ساری کائنات میں اسی کے احکام اور قوانین کارفرما ہیں۔ انسان کی طاقت نہیں کہ انہیں بدل سکے یا ان کے مخالف چل سکے۔ لیکن اس قرآن سے فائدہ وہی اٹھا سکتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالےٰ کا خوف ہو۔ ویسے ہی وہ انسان ہوتے ہیں جن پر اللہ تعالےٰ اپنے بھیدوں اور ان سے بھی مخفی در مخفی اسرار کا انکشاف فرماتا ہے۔ فانہٗ یعلم السر واخفیٰ۔ کیونکہ وہی ان بھیدوں اور اسرار کا اور ان سے مخفی تر کا جاننے والا ہے۔ فلا یظھر علیٰ غیبہٖ احدًا الا من ارتضیٰ من رسولٍ۔ پس وہ اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں کرتا سوائے اسکے جسے وہ اپنا رسول بنانا پسند کرے۔

بعض بھید تو ایسے ہوتے ہیں جنہیں ایک انسان کبھی اپنی کوشش اور جستجو کے نتیجے میں معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے لیکن اخفیٰ وہ بات ہے جس تک انسانی تصور کی رسائی بھی ممکن نہیں اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ فانہٗ یعلم السر واخفیٰ ۔ اللہ تعالےٰ ہی بھیدوں اور اخفیٰ کو جانتا ہے۔

قرآن کریم کے متعلق کافروں کے اس اعتراض کے جواب میں کہ "یہ تو نرا جھوٹ ہے جو اس نے گھڑ لیا ہے اور اس پر اسے اور لوگوں نے مدد دی ہے"۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ کہہ کر یہ لوگ ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور رسول صلعم کو فرمایا ہے۔ قل انزلہ

الذی یعلم السر فی السمٰوٰت والارض"۔ ان سے کہہ دے کہ اسے اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھیدوں کو جانتا ہے"۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ اپنے مقرب بندوں پر غیب کے ایسے راز کھولتا ہے جن کا معلوم کرنا کسی انسان کی طاقت میں نہیں ہوتا۔ یہ باتیں آئندہ زمانے کے لئے ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ان کا علم پا کر اللہ تعالیٰ کے یہ بندے اعلان کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں بتائی ہیں اور ایسا وقوع میں آئیگا۔ اسی لئے انہیں پیشگوئیاں کہتے ہیں کیونکہ یہ پہلے سے ہی بتا دی جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں اور بعض تو ایسی مثالیں ہیں جو قرآن کریم کے نزول کے چودہ سو سال بعد ہمارے اپنے زمانے میں پوری ہوئیں اور بعض آنحضرت صلعم کی موجودگی میں بھی پوری ہوئیں۔ ان باتوں کو پورا ہوتے دیکھ کر انسان کا ایمان اللہ تعالیٰ کی ہستی پر مضبوط ہوتا ہے کیونکہ انسان تو اپنے پاس سے گھڑ کر ایک منٹ بعد کی خبر بھی نہیں بتا سکتا چہ جائیکہ مہینوں اور سالوں بعد پوری ہونے والی باتوں اور واقعات کے متعلق کچھ بتا سکے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسولوں، انبیاء، اولیاء اللہ اور مجددین کے غیب کے متعلق علم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ اسی سے علم پا کر وہ آنے والے واقعات کے متعلق بتاتے ہیں۔ اور اسی طرح واقع ہوتا ہے جس طرح وہ بتاتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کی زندگی میں اور آپ کے بعد بے شمار مثالیں ایسی ملتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ ان میں سے چند ایک مثالیں میں آپ کے سامنے اپنا اور آپ کا ایمان تازہ کرنے کے لئے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

* آپ کے سارے ساتھی معہ اہل و عیال مکہ سے مدینہ ہجرت کر چکے تھے مکہ میں صرف آپؐ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت علی رضؓ رہ گئے تھے۔
* قریش مکہ نے یہ منصوبہ بنایا کہ قریش کے ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک مضبوط نوجوان منتخب کیا جائے اور یہ سب مل کر حضور صلعم پر حملہ کر کے آپ کو ختم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قریش کے اس ناپاک منصوبہ سے اطلاع دی اور فرمایا کہ آج تم اپنے بستر پر نہ سونا۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے تحت حضرت علی رضؓ کو اپنے بستر پر سلا دیا اور خود معہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ رات کے اندھیرے میں مکہ سے مدینہ روانہ ہو گئے۔
* راستے میں آپ نے غار ثور میں پناہ لی۔ دشمن آپ کے تعاقب میں غار کے منہ تک جا پہنچا۔ وہ ذرا غار کے اندر جھانکتا تو آپ ان کو نظر آ جاتے لیکن مکڑی نے غار کے منہ پر اپنا جالا تن دیا جس سے دشمن نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر غار میں کوئی داخل ہوا ہوتا تو یہ جالا پھٹ جاتا۔ اس حالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو خوف محسوس ہوا تو آپ نے فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا غمگین مت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ تسلی اور یقین دلانے والی یہ آواز بھی اسی کی طرف سے تھی جو بھیدوں اور مخفی تر باتوں کو جاننے والا ہے۔ اس کے اللہ نے کس طرح آپ کا ساتھ دیا اور آپ کو مسلسل کامیابیاں نصیب کیں ان کا ذکر تاریخ میں موجود ہے۔
* آپ کو ہجرت کے اسی سفر کے دوران میں یہ خوشخبری بھی سنائی دیتی ہے۔ ان الذی فرض علیک القرآن لرآدک الیٰ معاد" جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ یقیناً تجھے لوٹ کر آنے کی جگہ واپس لائیگا"۔ ایک تن تنہا انسان اپنی جان بچانے کی فکر میں ہے۔ نہ دولت ہے نہ فوج ہے اور نہ ہی کوئی طاقتور ساتھیوں کا معمولی سا جتھا ہی ساتھ ہے۔ اس حالت میں کیا کوئی خود یہ کہہ سکتا ہے کہ میں پھر اپنے وطن واپس آؤں گا؟ لیکن یہ ہو کر رہتا ہے اور اس پیشگوئی کے آٹھ سال بعد آپ مکہ میں اپنے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ بطور فاتح داخل ہوتے ہیں۔ یہ مخفی تر باتوں کے جاننے والے ہی کی طرف سے وعدہ تھا جو پورا ہوا۔
* اسی ہجرت کے سفر کے دوران میں سراقہ نامی ایک شخص سو اونٹ انعام کے لالچ میں آپؐ کو گرفتار کر کے واپس مکہ لا کر قریش کے حوالے کرنے کے لئے آپ کا تعاقب کرتا ہے۔ اس کا گھوڑا دو بار ٹھوکر کھا کر گرتا ہے اور اس کے ساتھ سراقہ بھی گر جاتا ہے۔ تیسری بار جب وہ آپ کے بالکل نزدیک پہنچ کر آپؐ پر تیر چلانا چاہتا ہے تو اس کا گھوڑا تیسری بار ٹھوکر کھاتا ہے اور اس دفعہ اس کے پاؤں ریت میں دھنس جاتے ہیں۔ سراقہ خود بعد میں یہ بیان کرتا ہے کہ اس وقت میرے دل میں خیال گذرا کہ آنحضرت صلعم کی اپنے مقصد میں کامیابی مقدر ہو چکی ہے۔ اس حالت میں حضور نبی کریم صلعم سراقہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ میں تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھتا ہوں۔ آپ کی یہ پیشگوئی اس واقعہ کے سولہ سال بعد حضرت عمر رضؓ کی خلافت کے دور میں ایران کے دارالخلافہ مدائن کی فتح کے بعد پوری ہوئی۔ حضرت عمر رضؓ نے اپنے آقا کی اس پیشگوئی کو اپنے ہاتھوں پورا کرنے کے لئے سراقہ رضؓ کو بلایا اور انہیں کسریٰ کے سونے کے کنگن پہنائے۔ سراقہ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی جان کے درپے ہے اور وہ عالم السر واخفیٰ اُسے سونے کے کنگن پہننے کی خوشخبری اپنے رسولؐ کی زبان سے سناتا ہے۔
* حضرت عبداللہ بن حذیفہ حضرت نبی کریم صلعم کا ایک خط لے کر کسریٰ کے پاس حاضر ہوئے۔ اس متکبر بادشاہ نے حضرت عبداللہ کو بہت برا بھلا کہا اور حضور صلعم کے خط کو پھاڑ ڈالا اور یمن کے اپنے گورنر باذان کو آپؐ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ گورنر نے اپنے دو آدمی آپ کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجے۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچے اور اپنا مقصد بتایا تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا بادشاہ کسریٰ اب خود اس دنیا میں نہیں ہے۔ وہ یہ سن کر سخت متعجب ہوئے۔ اور جب واپس لوٹے تو انہیں معلوم ہوا کہ اُسی رات جس رات حضور صلعم نے ان کو کسریٰ کی موت کی خبر سنائی تھی اس کے اپنے بیٹے نے اُسے قتل کر ڈالا تھا۔ یہ واقعہ سن کر یمن کے گورنر نے اسلام قبول کر لیا۔
* حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی جس نے مسلمانوں کو اپنے پاس پناہ دی اور بعد میں حضور صلعم کا خط پڑھنے کے بعد حضرت جعفر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا وفات کی خبر آپ کو پہلے سے دیدی گئی تھی۔ آپ نے اس کا جنازہ غائبانہ پڑھایا۔ اس کی اطلاع آپؐ کو بعد میں ملی کہ نجاشی فوت ہو گیا ہے۔

* جنگ احزاب کے موقعہ پر جسے جنگ خندق بھی کہتے ہیں۔ خندق کھودتے وقت ایک سخت اور بھاری پتھر آگیا جسے کوئی بھی نہ توڑ سکا۔ آنحضرت صلعم یہ دیکھ کر خود خندق میں اتر گئے اور اپنی کدال سے اس پر ایک بھاری ضرب لگائی۔ جب پتھر ٹوٹا تو اس میں سے ایک چنگاری نکلی۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا میں نے اس چنگاری میں دیکھا ہے کہ مجھے شام کے بادشاہ کے محل کی چابیاں دی گئی ہیں۔ دوسری ضرب پر پتھر سے ایک اور چنگاری نکلی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ایران کی سلطنت کی چابیاں دی گئی ہیں۔ تیسری ضرب پر وہ پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ مجھے یمن کی چابیاں دی گئی ہیں۔ اس کے بعد تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ پہلی دفعہ آپ کو قیصر روم کا محل دکھایا گیا دوسری بار کسریٰ کا اور تیسری بار صنعا کا محل دکھایا گیا جو یمن کا دارالخلافہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد میرے متبعین ان ممالک کو فتح کرلیں گے اور ایسا ہی وقوع میں آیا۔
* جنگ موتہ میں تین مسلمان جرنیل حضرت زیدؓ۔ حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور آخر کار فوج کی کمان حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں آئی اور آپ اپنی مختصر فوج کو دشمن کے ایک لاکھ کے لشکر جرار کے مقابلہ میں بڑی مہارت کے ساتھ بچالائے۔ آپ نے یہ سارا نظارہ مدینہ میں بیٹھے ہوئے دیکھا اور بیان کیا۔ جرنیلوں کا یہ ترتیب سے تقرر بھی آپ نے اللہ تعالےٰ سے علم پاکر ہی کیا ہوگا۔
* قریش مکہ نے جب صلح حدیبیہ کی شرائط عہدنامہ کو توڑ دیا تو حضور صلعم نے مکہ پر چڑھائی کی تیاریوں کا حکم دیا۔ اس موقعہ پر ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ نے مکہ میں رہنے والے اپنے رشتہ داروں کی حفاظت کی خاطر مکہ والوں کو ان تیاریوں سے باخبر کرنے کے لئے ایک خط لکھ کر ایک عورت کے بالوں میں چھپا کر اسے مکہ بھیج دیا۔ اللہ تعالےٰ نے حضور صلعم کو اس کے متعلق اطلاع دیدی۔ آپ نے اس عورت کو گرفتار کرکے واپس لانے کے لئے آدمی بھیجے اور وہ مقام بھی بتادیا جہاں وہ پہنچی تھی چنانچہ اُسے گرفتار کرکے واپس لایا گیا اور تحقیق کی گئی تو حاطب نے اپنا قصور تسلیم کرلیا اور سارا واقعہ بیان کردیا۔ آنحضرت صلعم نے اسے معاف کردیا۔ سوائے اللہ کے اس بات کا کسی دوسرے کو علم نہ تھا جس نے آنحضرت صلعم کو اس سے مطلع کردیا۔
* آنحضرت صلعم کی بعض پیشگوئیاں ایسی بھی ہیں جو ہمارے سامنے ہمارے زمانے میں چودہ سو سال بعد پوری ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک پیشگوئی اس فرعون رعمیسس ثانی کے متعلق ہے جو بنی اسرائیل کا پیچھا کرتے ہوئے حضرت موسیٰ کے زمانے میں دریا میں غرق ہوا۔ اس نے غرق ہوتے وقت کہا تھا "امنت انہ لا الٰہ الا الذی امنت بہ بنوا اسرائیل وانا من المسلمین"۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک اٰیۃ ط "سو آج ہم تیرے بدن کو بچا لیں گے تاکہ ان کے لئے جو تیرے بعد آنے والے ہیں نشان بنے۔ بائبل اور کسی دوسری مذہبی کتاب میں فرعون کی لاش کو باہر پھینکنے کا ذکر نہیں۔ یہ صرف قرآن کریم میں ملتا ہے۔ ہمارے زمانے میں یہ لاش دریافت ہوئی ہے۔
* یاجوج اور ماجوج کا ذکر قرآن کریم میں دو مقامات پر ملتا ہے ایک سورۃ کہف ۹۴ میں جہاں یہ الفاظ ہیں "ان یاجوج وماجوج مفسدون فی الارض ط یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرنے والے ہیں۔ اور دوسرے مقام پر سورۃ الانبیاء میں آیت ۹۶ میں یہ الفاظ ہیں حتیٰ اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون۔ یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے تیزی سے پھیل جائیں گے کسی کو سوائے اللہ کے یہ علوم نہ تھا کہ یہ کون ہیں لیکن آج ہمارے زمانے میں آکر امام وقت نے اس پر سے پردہ اٹھایا ہے کہ یاجوج روس ہے اور ماجوج دوسری مغربی اقوام ہیں۔ ان قوموں نے اللہ کی زمین میں جو فساد پھیلا رکھا ہے وہ سب کے سامنے ہے اور انہیں اپنی ٹیکنالوجی کی وجہ سے دوسری اقوام پر جو غلبہ حاصل ہے وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ انہیں ان دو ناموں سے اس لئے متعارف کرایا گیا ہے کہ یہ آگ اور پانی سے کام لیتے ہیں یعنی ہر قسم کی انرجی یا قوت سے۔ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو بتائی اور آپ کے ایک غلام نے اللہ تعالےٰ سے علم پاکر اس زمانے میں اس کی شناخت کرائی۔

آنحضرت صلعم کی مختلف احادیث میں انہی اقوام کے لئے ان کی ان خصوصیات کی وجہ سے کہ وہ تجارت کا مال لئے پھرتی ہیں۔ جھوٹ اور فریب سے کام لیتی اور حق کو باطل کے ساتھ ملاتی ہیں۔ زمین میں دور دور تک سفر کرتی ہیں اور ان کا پھیلاؤ اتنا ہے کہ وہ قریباً قریباً ساری زمین کو ڈھانپے ہوئی ہیں لفظ دجال استعمال ہوا ہے۔ اس کی حقیقت بھی مجدد و مسیح وقت نے کھولی۔ اب ہر ایک کی زبان پر ان کے لئے یاجوج ماجوج اور دجال کے الفاظ آتے ہیں لیکن حضرت صاحب کو ماننے سے انکاری ہیں۔
* آنے والے مسیح کے متعلق بھی آنحضرت صلعم کی بے شمار پیشگوئیاں احادیث میں مذکور ہیں۔ اور اس زمانے کے متعلق بھی جس میں مسیح پیدا ہوگا آپ نے بہت سے نشانات کا ذکر کیا ہے تاکہ لوگوں کو اسے پہچاننے میں غلطی نہ لگے لیکن جب وہ مسیح آیا تو واضح نشانات کے باوجود لوگوں نے اُسے پہچاننے اور ماننے سے انکار کردیا۔
* حضرت نبی کریم نے فرمایا ہے کہ مسیح اور اس کے ساتھی محصور ہونگے اور اللہ اسے وحی کرے گا کہ اپنے ساتھیوں کو طور پر لے جا۔ "محصور" کے لفظ سے یہ سمجھ لینا درست نہیں کہ اس زمانے میں کوئی جنگ ہوگی اور اس میں مسیح اور اس کے ساتھی محصور ہو جائیں گے۔ اگر وہ ان معنوں میں محصور ہوں گے تو وہ محاصرہ کرنے والے دشمن سے نکل کر کس طرح طور پر پہنچیں گے۔ بہت سی احادیث میں ہے کہ یہ زمانہ امن کا زمانہ ہوگا اور دین کی خاطر جنگیں نہیں ہوں گی۔ طور کے متعلق سورۃ مریم میں ہے وناديناه من جانب الطور الايمن وقربناه نجيا۔ ہم نے اسے

(موسیٰ) پہاڑ کی بابرکت طرف سے پکارا اور اپنے راز بتانے کو اپنا مقرب بنایا۔ اور سورۃ القصص میں ہے "یموسیٰ انی انا اللہ رب العلمین" اے موسیٰ میں اللہ ہوں۔ تمام جہانوں کا رب۔ اس لئے طور پر لے جانے سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرانا ہے جو تمام مشکلات سے نجات اور اس کا مقرب بننے کا ذریعہ ہے اور یہی وہ تعلق ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے راز اپنے بندوں پر کھولتا ہے۔ بے شمار راز اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود اور آپ کے ساتھیوں پر کھولے۔

* مہدی کے زمانہ ظہور کے متعلق حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا ان لمھدینا ایتین لم تکونا منذ خلق السمٰوٰت والارض ینکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان و تنکسف الشمس فی النصف منہ ولم تکونا منذ خلق اللہ السمٰوٰت والارض۔ (سنن دار قطنی)

ہمارے مہدی کے لئے دو نشانیاں ہیں اور جب سے آسمان و زمین پیدا ہوئے ہیں ان کا وقوع نہیں ہوا۔ ایک یہ کہ قمر کو ماہ رمضان میں اس کی مقررہ راتوں میں سے پہلی رات کو گہن لگے گا اور سورج کو بھی اس کے مقررہ دنوں میں سے درمیان کے دن گہن لگے گا اور ایسا جب سے زمین و آسمان پیدا ہوئے ہیں نہیں ہوا۔

۱۳۱۱ھ رمضان میں ایسا ہی ہوا۔ چاند کو (قمر) تیرہویں رات کو اور سورج کو ۲۸ کو گہن لگا یہ بات آنحضرت صلعم نے تیرہ سو سال پہلے بتائی اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلعم کو اخفی سے مطلع فرمایا اور وہ باتیں پوری ہوتی رہیں۔ یہ ساری باتیں انسان کے احاطہ علم سے بہت بعید ہیں۔ یہ سر اور اخفی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور جب چاہتا ہے اپنے مقبولوں پر ظاہر کرتا ہے۔ یہی اس کی ہستی کا ثبوت ہے۔

آنحضرت صلعم خاتم الانبیاء ہیں۔ وحی نبوت جس کے ذریعے جدید احکام شریعت نازل ہوتے ہیں ختم ہو چکی ہے لیکن کشف و الہام کے ذریعے آنحضرت صلعم کے کامل پیروؤں پر اظہار علی الغیب کا سلسلہ اس امت میں منقطع نہیں ہوا وہ قیامت تک جاری رہے گا کیونکہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کامل یقین کی حد تک پہنچ سکتا۔ دوسرے مذاہب میں زندہ خدا کا تصور ختم ہو چکا ہے۔ صرف اسلام میں اسے مقربین الٰہی کے ذریعے زندہ رکھا گیا ہے اگر اسلام میں بھی اسے ختم کر دیا جائے تو پھر نعوذ باللہ اسلام کا خدا بھی مردہ خدا ہے۔ اور اسلام کو دوسرے مذاہب پر کسی قسم کی کوئی فوقیت اور ترجیح حاصل نہیں اور مادیت اور دہریت کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ اگر سر اور اس سے مخفی تر اسرار کا علم اس کی اپنی ذات تک ہی محدود ہے۔ تو اس سے انسان کو کیا فائدہ۔ ؎

(بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے اس کو واعظ نے
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے) مرتب

ہمارا یقین اور ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے مجددین، اولیاء اللہ اور صلحاء سے ہمکلام ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں:۔ ؎

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

ہمارے پاس اس کے سینکڑوں ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد و مسیح موعود پر اپنے مخفی تر راز منکشف کئے جن کے متعلق آپ نے پہلے سے بتا دیا۔ وہ باتیں کچھ تو آپ کی زندگی میں پوری ہو گئیں اور کچھ اب تک وقتاً فوقتاً پوری ہو رہی ہیں ان میں سے صرف چند ایک اپنا ایمان تازہ کرنے کے لئے بیان کرتا ہوں۔

* قادیان کے ایک آریہ شرمپت نامی کا بھائی بشمبر داس ایک فوجداری مقدمہ میں شاید ڈیڑھ دو سال کے لئے قید ہو گیا۔ شرمپت نے حضرت صاحب سے دعا کی درخواست کی حضرت صاحب نے دعا کی اور آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کی قید نصف کر دی ہے۔ آپ نے سارا واقعہ شرمپت کو بتا دیا۔ چنانچہ چیف کورٹ میں اپیل ہوئی۔ مقدمہ دوبارہ ضلع میں واپس آیا اور اس کی قید نصف رہ گئی۔

* حضرت صاحب نے سید احمد خاں صاحب کے متعلق پیشگوئی کی کہ آخری عمر میں ان کو کچھ تکالیف پیش آئیں گی اور ان کی عمر کے دن تھوڑے سے باقی ہیں۔ چنانچہ ایک شریر ہندو خزانچی نے آپ کے تقریباً ۲ لاکھ روپے غبن کر لئے جس کا انہیں بے حد صدمہ ہوا اور اسی صدمہ سے تھوڑے سے دنوں بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

* ایک دفعہ نواب علی محمد خاں رئیس لدھیانہ نے اپنے بعض پوشیدہ مطالب کے متعلق آپ کو خط لکھا اور ڈاک میں ڈالا۔ اسی گھڑی آپ کو یہ الہام ہوا کہ اس مضمون کا خط ان کی طرف سے آنے والا ہے۔ آپ نے نواب صاحب کی طرف اسی وقت خط لکھا کہ مجھے آپ کی طرف سے اس مضمون کا خط آنے والا ہے۔ جب حضرت صاحب کا یہ خط نواب صاحب موصوف کو ملا تو وہ بہت حیران ہوئے کہ یہ غیب کی خبر کس طرح مل گئی۔ کیونکہ اس راز کی خبر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے انسان کو نہ تھی۔

* حضرت مولانا نورالدین کا ایک ہی لڑکا تھا۔ وہ فوت ہو گیا۔ تو بعض دشمنوں نے اس پر بہت خوشی منائی کہ مولوی نورالدین لاولد رہ گئے۔ حضرت صاحب نے ان کے لئے بہت دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی کہ تمہاری دعا سے ان کا ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اس کا نشان یہ بتایا گیا کہ اس کے بدن پر بہت سے پھوڑے نکل آئیں گے چنانچہ یہ لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام عبدالحی رکھا گیا۔ اور اس کے بدن پر غیر معمولی پھوڑے نکلے۔

* حضرت صاحب کے ایک مخالف اور سخت دشمن چچا زاد بھائی امام الدین نے حضرت صاحب کے گھر کے سامنے ایک دیوار بنا دی جس سے مسجد میں آنے جانے کا راستہ بند ہو گیا۔ اس کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا گیا لیکن ایک پرانی مسل کے مطابق اس زمین پر جس پر دیوار

کھڑی کی گئی تھی امام الدین کا قبضہ ثابت ہوتا تھا جس کی وجہ سے مقدمہ کے حالات ناموافق تھے۔ یہ دیکھتے ہوئے حضرت خواجہ کمال الدین نے بھی مصالحت کا مشورہ دیا۔ حضرت صاحب نے جناب الٰہی میں دعا کی تو آپ کو عربی زبان میں ایک طویل الہام ہوا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"چکی پھرے گی اور قضا و قدر نازل ہو گی۔ یہ خدا کا فضل ہے جس کا وعدہ دیا گیا ہے یہ ضرور آئے گا اور کسی کو مجال نہیں جو اس کو رد کر سکے۔ کہہ مجھے تیرے خدا کی قسم کہ یہی بات سچ ہے۔ اس امر میں نہ کچھ فرق آئیگا اور نہ یہ امر پوشیدہ رہیگا اور ایک بات پیدا ہو جائے گی۔ جو تجھے تعجب میں ڈالے گی۔ یہ اس خدا کی وحی ہے جو بلند آسمانوں کا خدا ہے۔ میرا رب اس صراط مستقیم کو نہیں چھوڑتا جو اپنے برگزیدہ بندوں سے عادت رکھتا ہے اور وہ اپنے ان بندوں کو بھولتا نہیں جو مدد کرنے کے لائق ہیں۔ سو تمہیں اس مقدمہ میں کھلی کھلی فتح ہو گی مگر اس فیصلہ میں اسوقت تک تاخیر ہے جو خدا نے مقرر کر رکھا ہے۔ تو میرے ساتھ ہے اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ تو کہہ ہر ایک امر میرے خدا کے اختیار میں ہے۔ پھر اس مخالف کو اس کی گمراہی اور ناز اور تکبر میں چھوڑ دے وہ قادر تیرے ساتھ ہے "وانہ یعلم السر وما اخفیٰ" اس کو پوشیدہ باتوں کا علم ہے بلکہ جو نہایت پوشیدہ باتیں ہیں جو انسان کے فہم سے بھی برتر ہیں وہ بھی اس کو معلوم ہیں۔ وہ ہی خدا حقیقی معبود ہے۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں وہی ہے جس کو ہر چیز کا علم ہے اور جو ہر ایک چیز کو دیکھ رہا ہے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور وہ خوبی کے ساتھ نیکی کرتے ہیں احمد کو (حضرت صاحب کو) اس کی قوم کی طرف بھیجا پس قوم اس سے روگردان ہو گئی۔ انہوں نے کہا یہ کذاب (نعوذ باللہ) اور شر پیدا کرنیوالا ہے۔ انہوں نے اس پر گواہیاں دیں اور ایک سیلاب کیطرح اس پر حملے کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میرا پیارا مجھ سے بہت قریب ہے۔ وہ قریب تو ہے لیکن لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے"۔

یہ چکی پھری۔ حضرت خواجہ کمال الدین نے ایک بہت ہی پرانی مسل کا انڈکس دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس زمین پر حضرت صاحب کے والد کا بھی قبضہ ہے۔ اور مقدمہ حضرت صاحب کے حق میں ہو گیا۔ اس مسل کے متعلق کسی کو بھی علم نہ تھا۔ یہ وہ مخفی بات تھی جو صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی اور اس نے اس الہام کے ذریعے آپ پر اس کا انکشاف کیا۔

* بنگال کی ۱۹۰۵ء میں دو حصوں میں تقسیم ایک تاریخی واقعہ ہے۔ حضرت صاحب کو ۱۱ فروری ۱۹۰۶ء کو یہ الہام ہوا "پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہو گی۔" آپ نے اس کے مطابق پیشگوئی کر دی۔ آخرکار پانچ سال بعد ۱۹۱۱ء میں دہلی دربار کے موقعہ پر تقسیم بنگال کا حکم منسوخ کر دیا گیا اور وہ پھر ایک صوبہ بن گیا۔
* ایک آریہ لالہ شیو نرائن اگنی ہوتری ایڈیٹر رسالہ "برادر ہند" نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصے کا جواب لکھنے کے متعلق آپ کو لاہور سے خط لکھنا شروع کیا۔ اللہ نے اُسی ساعت جب وہ خط لکھ رہا تھا اس کا مضمون بذریعہ کشف آپ پر ظاہر کر دیا۔ آپ نے شرمپت وغیرہ کو بلا کر اس خط کا سارا مضمون بتا دیا۔ دوسرے دن یہی آریہ ڈاکخانہ سے خط لایا اور اس کو پڑھا۔ وہ پڑھ کر حیران رہ گیا کیونکہ اس میں بلا کم و کاست وہی کچھ لکھا ہوا تھا جو حضرت صاحب پر بذریعہ کشف ظاہر ہوا۔
* حضرت صاحب کو یہ الہام ہوا۔ "آہ نادر شاہ کہاں گیا"۔ جس زمانے میں آپ کو یہ الہام ہوا اس زمانے میں "نادر شاہ" نام کا کوئی بادشاہ نہ تھا۔ یہ الہام بڑی صراحت سے ہمارے اپنے زمانے اور اپنی آنکھوں کے سامنے پورا ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۱۹ء میں امیر حبیب اللہ خان امیر کابل قتل کر دیا گیا تھا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا امان اللہ خاں امیر کابل بنا۔ بچہ سقہ نے امان اللہ خاں کے خلاف بغاوت کر کے کابل پر قبضہ کر لیا اور افغانستان کا بادشاہ بن بیٹھا۔ حبیب اللہ خاں کی فوجوں کا ایک جرنیل نادر خاں تھا جس نے ۱۹۱۹ء کی تیسری افغان جنگ میں ٹل کے مقام پر انگریزی فوج کو شکست دی تھی۔ امان اللہ خاں نے اسکو ملک بدر کر دیا تھا۔ اور اس نے فرانس میں پناہ لے رکھی تھی۔ امان اللہ خاں نے بھاگ کر اٹلی میں پناہ لی۔ نادر خاں ۱۹۳۷ء میں واپس آیا اور پشاور میں ٹھہرا۔ ایک وفد اس کو اس غرض کے لئے ملنے گیا کہ وہ بچہ سقہ سے تو آزاد کراؤں گا لیکن وعدہ نہیں کر سکتا کہ امان اللہ خاں کو واپس لاؤں گا کیونکہ یہ وہاں کے حالات پر منحصر ہے۔ لیکن آپ یہ یقین کریں کہ میں اپنے لئے کچھ نہیں چاہتا۔ اگر آپ سے کوئی یہ کہے کہ نادر کچھ بننا چاہتا ہے تو آپ اس سے کہیں کہ تو جھوٹا ہے۔ لیکن اس نے بچہ سقہ کو شکست دیکر افغانستان کو آزاد کرایا اور بادشاہ بن گیا۔ اور نادر خاں سے نادر شاہ کہلانے لگا۔ آخرکار ایک طالب علم کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اخبارات میں اس سرخی کے ساتھ "آہ نادر شاہ کہاں گیا"۔ اس کے قتل کی خبریں شائع ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا اس مخفی تر راز کا علم کس کو تھا جس نے حضرت صاحب پر اسے کئی سال پہلے ظاہر کیا۔

* حضرت صاحب کا ایک اور الہام "شاستری کی پیشگوئی غلط نکلی" ہمارے سامنے ۱۹۶۵ء میں پورا ہوا۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو کے بعد لال بہادر شاستری جو اس وقت تک ایک گمنام شخص تھا۔ ہندوستان کا وزیر اعظم بنا۔ ۱۹۶۵ء میں جب بھارت نے رات کے اندھیرے میں پاکستان پر اچانک حملہ کر دیا اور اسکی فوجیں لاہور کیطرف بڑھنے لگیں تو شاستری نے پارلیمنٹ (لوک سبھا) میں بڑے فخر سے یہ اعلان کیا کہ کل میں آپ کو ایک خوشخبری سناؤں گا۔ اس کے اس محاذ پر کمان کرنے والے جرنیل نے اُسے یہ یقین دلا یا تھا کہ وہ لاہور فتح کر لیں گے۔ اور وہ لاہور کے مشہور منٹگمری کلب میں فتح کا جشن

منائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ اور انہیں اس محاذ سے بھاگتے ہی بنی۔ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی یہ بات پوری ہوئی۔ اس پیشگوئی کے وقت نہ پکستان کا اور نہ اس سنری کا کوئی نام ونشان تھا۔ انگریز کی حکومت تھی اور آئندہ آنیوالے اس قسم کے واقعات کے متعلق کسی انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ سوائے اللہ کے جو عالم السر واخفیٰ ہے یہ باتیں کون بتا سکتا ہے؟

منکرین الہام اکثر یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی ایسا اہم واقعہ رونما ہوتا ہے تو ہم اسکی کھینچ تان کر تاویل کر کے حضرت صاحب کے الہام اور پیشگوئی پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ لیکن یہی تو الہام کی سچائی کا ثبوت ہے کہ ایک پیش آنے والے واقعہ کے متعلق پہلے سے بتا دیا جائے اور وہ بعد میں اپنے تمام لوازمات کے ساتھ وقوع میں آجائے۔ اور یہی ملہم من اللہ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا ثبوت ہے۔

- حضرت صاحب کے وفات مسیح کے متعلق الہام مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے۔ وجعلناک المسیح ابن مریم؟ کی صداقت کا ثبوت بھی ہمارے سامنے ہے۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کا بھی ۱۸۹۰ء تک یہی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ زندہ ہیں اور دوبارہ نزول فرما کر اسلام کو دنیا پر غالب کر کے دکھائیں گے۔ لیکن ۱۸۹۰ء میں آپ کو یہ الہام ہوا۔ آپ نے قرآن کریم اور حدیث کی روشنی میں تحقیق سے یہ ثابت کیا کہ واقعی مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اس پر مزید تحقیق کے بعد آپ نے پرانی تاریخی کتب کے حوالوں سے مسیح کے صلیب سے زندہ بچ جانے کے بعد ان کی اپنے وطن سے ہجرت اور سفر کے متعلق "مسیح ہندوستان میں" نامی کتاب ۱۸۹۹ء میں تصنیف کی اور ثابت کیا کہ وہ کشمیر میں وارد ہوئے اور وہیں فوت ہو کر محلہ خانیار میں دفن ہوئے۔ اب تورین جرمنی میں وہ کفن دریافت ہوا ہے جسے ہولی شراؤڈ کہا جاتا ہے اور جس میں صلیب سے اتارنے کے بعد حضرت مسیح کو لپیٹا گیا تھا۔ اس پر خون کے دھبے ہیں اور حضرت مسیح کی پوری شبیہ ہے۔ ماہرین نے اسکے کیمیائی تجزیہ سے بھی ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے تھے بلکہ زندہ اتار لئے گئے تھے۔ خود عیسائی محققین بھی اب اس بات کے قائل ہوتے جا رہے ہیں کہ مسیح فلسطین سے زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور کشمیر میں آ کر ا   انہوں نے اس قبر کو بھی دیکھا ہے جو محلہ خانیار میں ہے۔

عیسائی بھی حضرت عیسیٰ کو آسمان پر زندہ مانتے تھے اور مسلمان بھی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو تقریباً دو ہزار سال بعد اللہ تعالیٰ نے یہ راز اپنے ایک بندے پر منکشف کر کے مسیح کی حیات کے عقیدہ پر پڑی کاری ضرب لگائی اور کفارہ اور الوہیت مسیح کے جھوٹے اور بے بنیاد عقیدہ کو پاش پاش کر دیا۔ اس طرح کسر صلیب کا وہ مشن جو حضرت صاحب کے سپرد ہوا تھا پورا ہوا۔

- دلیپ سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا جو ۱۸۴۳ء میں صرف پانچ سال کی عمر میں اپنی ماں رانی جنداں کی سرپرستی میں تخت نشین ہوا لیکن ۱۸۴۹ء میں انگریزوں کے خلاف سکھوں کی دوسری جنگ میں سکھ فوج کی شکست کے بعد دلیپ سنگھ کو انگلستان بھیج دیا گیا جہاں اس نے عیسائیت قبول کر لی لیکن بعد میں اس نے دوبارہ سکھ مذہب قبول کر لیا۔ حضرت صاحب کے زمانے میں اخبارات میں بار بار اسکی پنجاب میں دوبارہ واپسی کے متعلق شائع ہوتا رہا۔ حضرت صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دکھایا کہ وہ ہرگز واپس نہیں آئیگا۔ بلکہ روکا جائے گا۔ آپ نے اپنی اس پیشگوئی کو ایک اشتہار میں بھی شائع کر دیا۔ آخر کار سکھوں کی درخواست پر برطانیہ کی پارلیمنٹ نے اسے واپس بھیجنے کا فیصلہ کر دیا اور اس کا اس طرح واپس آنا یقینی ہو گیا۔ لیکن جس بحری جہاز پر دلیپ سنگھ واپس آ رہا تھا جب وہ سنگاپور پہنچا تو اسے حکم ملا کہ واپس آ جائے۔ یہ جہاز واپس چلا گیا اور دلیپ سنگھ کا واپس پنجاب آنا رک گیا۔ وہ واپس نہ آسکا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی بات جو اس نے اپنے بندے پر ظاہر کی تھی پوری ہوئی۔

اس طرح کے ہزاروں نشانات اور پیشگوئیاں ہیں جو حضرت صاحب کے ذریعے پوری ہوئیں۔ ان خفیہ سے خفیہ باتوں کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں ہوتا۔ وہی انہیں اپنے بندوں پر ظاہر اور پورا کر کے اپنی ہستی پر شہادت پیش کرتا ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت کے مطابق کہ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ۔ یہ آنحضرت صلعم کی کامیابی کی ناقابل شکست دلیل ہے کیونکہ اس امت کے اندر مجددین اور اولیاء اللہ کو آپ کی کامل پیروی کی بدولت اللہ تعالیٰ کیساتھ مکالمہ ومخاطبہ کا جو شرف حاصل ہوا اور ان پر اللہ نے غیب در غیب جو اسرار کھولے وہ بھی آنحضرت صلعم کی کامیابی کا ثبوت ہے۔ اور یہ سلسلہ جب تک دنیا قائم ہے جاری رہے گا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ سلسلہ الہام وکلام بند ہو گیا ہے اور اب اللہ تعالیٰ ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گیا ہے وہ آنحضرت صلعم کو ایک ناکام نبی ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اس آیت کی نفی کرتے ہیں۔ فاتبعونی یحببکم اللہ میری پیروی کرو اللہ تم سے پیار کریگا۔ اگر آپ کی اتباع سے خدا کا پیار نہیں ملتا تو نعوذ باللہ آپ کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوتا ہے اور قرآن ایک ناقص کتاب ثابت ہوتی ہے۔ ایسا کہتے اور سوچتے وقت اللہ کی سخت تعزیر اور گرفت سے نڈر اور بے خوف نہیں ہونا چاہیئے۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو اپنے موجودہ حالات کا جائزہ لینا چاہیئے کیونکہ اسوقت ان کی تمام مشکلات، مصائب، ابتلاؤں اور آزمائشوں اور خطرات میں چاروں طرف سے گھرے ہونے کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی اتباع سے روگردانی اختیار کر لی ہے جس قوم کے ہاتھوں میں قرآن کریم جیسی آسمانی کتاب ہو اور آنحضرتؐ جیسا اس کا رہنما ہو اسکی ناکامی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کبھی جھوٹے نہیں ہو سکتے اگر وہ ناکام ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولؐ کی نافرمان ہے۔ حضرت صاحب تو مجدد، مسیح موعود اور مہدی معہود تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے راز منکشف کئے۔ ہم نے تو دیکھا ہے کہ اللہ نے آپکے بیشتر مریدوں سے بھی یہی سلوک کیا۔ ان پر بھی ایسی ایسی باتیں ظاہر فرمائیں جو ہو بہو پوری ہوئیں۔ ان کا ذکر پھر بعد میں کبھی کروں گی۔ اسکے بعد آپ نے اپنا خطبہ ختم کر دیا۔

از قلم مکرم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب، لاہور

درسِ قرآن ــــ سبق ۴۸

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ ج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۵ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ ط لَـہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ج وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ج وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۵ (البقرۃ ۲ - ۲۵۵)

ترجمہ:- اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ حیّ و قیوم ہے۔ اُس پر نہ اونگھ غالب آتی ہے نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ کون ہے جو اس کے پاس شفاعت کر سکے سوائے اس کی اجازت کے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز پر احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اسکے جو وہ چاہے۔ اس کا علم (یا اُسکی حکومت) آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ اور ان دونوں کی حفاظت اسکو تھکاتی نہیں اور وہ بہت اعلےٰ اور عظمت والا ہے۔

آج جو میں نے آیت پڑھی ہے وہ مشہور آیتہ الکرسی ہے جس کی فضیلت کا ذکر احادیثِ نبویؐ میں ہے اور فرض نمازوں کے بعد اسے پڑھنے کی تاکید ہے۔ پچھلے درس میں میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کی پیدائش اور زندگی کا مقصد دولت کمانا نہیں (جیسا کہ آج دنیا میں چاروں طرف نظر آتا ہے) بلکہ اللہ تعالےٰ کو تلاش کرنا اور پانا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔ چونکہ دنیاوی دولت کمانا انسان کے دل اور دماغ پر اس قدر غالب آجاتا ہے کہ انسان دولت کی محبت اور لالچ میں ایسا مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ ساری عمر اسی میں گنوا کر پھر خالی ہاتھ اس دنیا سے چلا جاتا ہے، اور چونکہ دولت کی محبت اور پرستش انسان کو اپنی اخلاقی اور روحانی ترقی سے بالکل غافل کر دیتی ہے بلکہ انسان کے اندر اخلاقی بُرائیاں پیدا کرتی ہے یہاں تک کہ وہ جرائم اور لوٹ مار، قتل و غارت تک پر اتر آتا ہے۔ اس لئے اسلام کے سوا دوسرے مذاہب نے دولت اور دنیا میں پڑنا اخلاقی اور روحانی ترقیات کے لئے اس قدر خطرناک بتایا کہ دُنیا کو چھوڑ کر راہب یا نن یا سادھو یا بھکشو بننے میں انسان کی نجات سمجھی۔ مگر تھوڑے سے ہی لوگ اس طرح دنیا کو ترک کرتے ہیں۔ اور نسل انسانی کی بھاری اکثریت کا دنیا کو بالکل ترک کرنے کو یا رہبانیت کو ردّ کرنا خود بتاتا ہے کہ رہبانیت انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ پھر اگر سارے انسان راہب بن جاتے تو تمام انسانی ترقیات جو ہوئی ہیں وہ ناممکن ہوتیں۔ اور دنیا کی تمام آبادی ایک ہی نسل میں ختم ہو جاتی کیونکہ راہب یا نن، یا سادھو یا بھکشو شادی بھی نہیں کر سکتے۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ رہبانیت میں اخلاقی و روحانی ترقیات ممکن نہیں جیسا کہ میں آگے چل کر بتاؤں گا۔

اسلام جو دینِ فطرت ہے اُس نے کسی فطرتی خواہش کو حرام نہیں کیا۔ بلکہ فطرتی خواہشات کو قابو میں لاکر اخلاقی اور روحانی ترقیات کا ذریعہ بنایا۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ کہ اسلام کیا اعلےٰ اور برتر مذہب ہے اور کس قدر ضرورت ہے کہ دنیا جو اسلام کے بغیر تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے اُسے اسلام کا نور اور ہدایت پہنچائی جائے۔ مثلاً اسی دولت کے مسئلہ کو لے لیجیئے۔ جو لوگ دولت کمانا چھوڑ کر خانقاہ یا آشرم میں یا پہاڑ پر تارک الدنیا ہو کر بیٹھ جاتے ہیں وہ علاوہ دُنیاوی ترقیات کو حرام بنانے کے بہت سے اعلےٰ اخلاق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سچ بولنا جبکہ جھوٹ بول کر انسان وقتی فائدہ اٹھا سکتا ہے یا اپنی جان بچا سکتا ہے کس قدر اعلےٰ اخلاق اور روحانی کمال ہے! مگر ایک راہب یا نن یا سادھو یا بھکشو کو اپنی خانقاہ یا آشرم یا پہاڑ کی چوٹی یا غار میں نہ تو یہ آزمائش پیش آتی ہے اور نہ وہ اس خلقِ عظیم کو حاصل کر سکتا یا رُوحانی ترقی کو پا سکتا ہے۔

اسی طرح دیانتداری کی عظیم الشان اخلاقی و روحانی خوبی بھی تبھی پیدا ہو سکتی ہے کہ انسان دنیا میں پڑے، دولت کمائے اور اس آزمائش میں پڑے کہ بد دیانتی یا حرام کھانے کے موقعے اس کے آگے آئیں اور دنیاوی زندگی کی ضروریات کی وجہ سے اُسے پیسہ کی ضرورت ہو مگر وہ دیانتداری اور ایمانداری کے لئے حرام مال پر لات مارے چاہے اُس میں اپنا کتنا ہی نقصان ہو اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں تبھی اس میں دیانتداری اپنے اصل اور اعلےٰ رنگ میں پیدا ہو سکتی ہے اسی طرح پاک دامنی یا عفت و عصمت جیسے اعلےٰ جوہر اس طرح نہیں پیدا ہو سکتے کہ مرد راہب یا سادھو یا بھکشو بن کر بالکل عورت سے دور رہیں اور عورتیں نن بن کر اپنے آپ کو ایک کانونٹ میں بند کر لیں بلکہ یہ اعلےٰ خوبیاں اسی طرح پیدا ہو سکتی ہیں کہ دنیا میں رہ کر اور مردوں عورتوں کے ملنے جلنے کے باوجود انسان مرد ہو یا عورت عفت اور عصمت کی خاطر ہر قسم کی کشش کے باوجود پاکدامنی کو ترجیح دیں۔

پھر میاں بیوی کی زندگی اور ماں باپ ہو کر جو زندگی مرد و عورت گزارتے ہیں اس میں کس قدر اعلیٰ اخلاق حاصل کرنے کے مواقع ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک خاوند جو اپنی بیوی بچوں کے لئے رزق کماتا ہے اور اپنی جائز ضروریات کو قربان کر کے اپنی بیوی بچوں کی ضروریات مہیا کرتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کو حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح ماں جو ساری عمر اپنی اولاد کی نالائقیوں اور کمزوریوں کے باوجود اولاد پر ہر طرح رحم کا سلوک کرتی ہے اور بڑی سے بڑی قربانیاں اور تکلیفیں اٹھا کر اپنی اولاد کے لئے ہر قسم کے آرام اور سکھ کو مہیا کرتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات رحمٰن اور رحیم کا رنگ اپنے اندر پیدا کرتی ہے۔

میں اس قسم کی سینکڑوں مثالیں اور بھی دے سکتا ہوں مگر میں پھر دولت کے مضمون پر آتا ہوں جس کا ذکر پچھلے درس میں آج کی آیت سے ملتا پہلے تھا۔ دوسرے مذاہب نے دولت کمانے کو روک سمجھا ہے۔ خدا کو پانے کے راستہ میں۔ اسلام وہ باجواب مذہب ہے جس نے دولت کو ذریعہ بنایا خدا کو پانے کے لئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رب العالمین، الرحمٰن، الرحیم کے ماتحت دولت کو بافراط اپنے تمام بندوں کو ساری عمر دیتا رہتا ہے۔ غریب سے غریب آدمی بھی کبھی بیٹھ کر حساب کرے تو اسے اللہ تعالیٰ اس کی عمر بھر میں لاکھوں کروڑوں روپیہ دیتا، اور کھانے پینے کی بے اندازہ سپلائی کرتا رہتا ہے، اسی طرح اس نے انسان کو اجازت دی ہے کہ وہ جتنا کما سکتا ہے دولت کو کمائے مگر تین شرطوں پر۔ اول تو وہ جو کمائے حلال کمائے حرام سے بالکل بچے چاہے اس کی وجہ سے اسے فاقے کرنے پڑیں۔ دوم جو کماتا ہے اسے اسی طرح اُن مسکینوں، یتیموں، اور ضرورت مندوں کو بے دریغ دے جس طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کو دیتا ہے۔ اور خصوصاً دینی ضروریات کے لئے جن میں حفاظت و اشاعت اسلام سب سے بڑھ کر اور اعلیٰ ضرورت ہے دل کھول کر اپنی دولت کو خرچ کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہی کرنی ہو گی جس کا وعید بار بار قرآن کریم میں آیا ہے۔ تیسرے انسان دولت کمانے میں لگ کر یہ نہ بھول جائے کہ اس کی زندگی کا مقصد دولت کمانا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو پانا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو پانے کا طریق اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا ہے جو دولت کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں پر خرچ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ میں اسی سبق میں پہلے بتا آیا ہوں۔ مثلاً بیوی، بچوں غریب رشتہ داروں یا ہمسایوں، یا بیواؤں، یتیموں کی مالی امداد کرنے میں، قرضہ میں دبے ہوئے لوگوں کو چھڑانے میں یا دوسرے حاجت مندوں کی حاجتوں کو پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی صفات ربّ یا رزّاق یا رحمٰن یا رحیم کی جھلک انسان اپنے اندر پیدا کرتا ہے اور ان تمام صفات کو پانے کا ذریعہ دولت اُن پر خرچ کرنے میں بن جاتی ہے مگر

پھر بھی دولت بذات خود انسان کی پیدائش کا مقصد نہیں، بلکہ وہ اعلیٰ مقصد جس کے لئے یہ تمام زمین و آسمان بنائے گئے اور خود اشرف المخلوقات یعنی انسان کو پیدا کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کو پانا ہے جو سب سے اعلیٰ دولت ہے۔ اللہ تعالیٰ بذات خود کیا دولت اور نعمت ہے اس کا پتہ تو صرف وہی بتا سکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو پا لیا ہو۔ اور اسی لئے تمام انبیاء، اولیاء، اور صلحا اس بڑی اور اعلیٰ دولت کو پا کر اس دنیا کی دولت اور پیسہ کو گھٹیا اور حقیر سمجھتے رہے۔

اس زمانہ کے امام اور مجدد صدی چہاردہم یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب بھی انہی بزرگوں میں سے تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پا کر کیا وجد میں آ کر لکھا ہے وہ میں آپ کو سناتا ہوں:

وہ فرماتے ہیں:۔

"کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اُس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں؟ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں؟ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔ اگر تم جانتے ہوتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے۔ ایک شخص جو ایک خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے کیا وہ ایک پیسہ ضائع ہونے سے روتا ہے اور چیخیں مارتا ہے اور ہلاک ہونے لگتا ہے؟ پھر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت کام آنے والا ہے تو تم دنیا کے لئے ایسے بے خود کیوں ہوتے۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے۔ اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک کام میں تمہارا مددگار ہے اور تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔ غیر قوموں کی تقلید نہ کرو جو بکلّی اسباب پر گر گئی

ہیں اور جیسے سانپ مٹی کھاتا ہے انہوں نے سفلی اسباب کی مٹی کھائی۔ اور جیسے گدھ اور کُتّے مُردار کھاتے ہیں انہوں نے مُردار پر دانت مارے۔ وہ خدا سے بہت دُور جا پڑے۔ انسانوں کی پرستش کی اور خنزیر کھایا اور شراب کو پانی کی طرح استعمال کیا۔ اور حد سے زیادہ اسباب پر گرنے سے اور خُدا سے قوت نہ مانگنے سے وہ مر گئے، اور آسمانی رُوح اُن میں سے ایسی نکل گئی جیسا کہ ایک گھونسلے سے کبوتر پرواز کر جاتا ہے۔ اُن کے اندر دنیا پرستی کا جذام ہے جس نے اُن کے اندرونی اعضا کاٹ دیئے ہیں۔ پس تم اس جذام سے ڈرو۔ میں تمہیں حدِ اعتدال تک رعایت اسباب سے منع نہیں کرتا، بلکہ اس سے کہ تم غیر قوموں کی طرح نرے اسباب کے بندے ہو جاؤ اور اس خُدا کو فراموش کر دو جو کہ اسباب کو بھی وہی مہیا کرتا ہے۔ اگر تمہاری آنکھ ہو تو تمہیں نظر آ جائے کہ خُدا ہی خُدا ہے باقی سب ہیچ ہے۔" (کشتی نوح ص ۔۔۔)

اللہ تبارک و تعالیٰ کا جو تصور حضرت اقدس نے مندرجہ بالا تحریر میں پیش کیا ہے اُسی کی مزید جھلک اور نور آیۃ الکرسی میں ہے جس کی تفسیر میں انشاء اللہ اگلے درس میں کروں گا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

مکتوب تعزیت

چوہدری حنیف اختر ملہی صاحب

مکرمی حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مرزا مسعود بیگ صاحب کی وفات کا کل ہی پتہ چلا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ سال ہماری جماعت کے لئے بہت کڑی آزمائش لا چکا ہے اور پتہ نہیں ہماری جماعت کے اتنے سارے مایہ ناز سپوتوں (مثلاً چوہدری فضل حق۔ مسٹر اصغر علی اور اُن کا فرزند اعظم علوی اور اب مرزا صاحب) سے جُدائی کے لئے یہی ایک سال کیوں مقدر تھا بقول علامہ اقبال زندگی کا کارواں تو تھمتا نہیں۔ ع

جاوداں پیہم رواں ہردم جواں ہے زندگی

البتہ ہمارے پرانے ساتھیوں کی یادیں بہت رلائے گی۔ اللہ اللہ جلسہ سالانہ پر اپنے مخصوص انداز میں اپنے رفتگان کی یاد دلا کر محفل کو رلانے والے اب ہم سے جدا ہو گئے۔ جب سے ہوش سنبھالا اور جلسہ سالانہ پر آنا شروع کیا۔ مرزا صاحب کو سٹیج کا ایک جزو لاینفک پایا۔ اب کتنا سُونا ہو گا یہ سٹیج۔ مرزا صاحب بہت عظیم انسان تھے خوش خلق دوست نواز، اور بہترین مقرر اور محرر، جماعت کے پس منظر اور حالات پر جتنی گہری نظر اُن کی تھی شاید ہی کسی کا حصہ ہو۔

قحط الرجال کے اس دور میں ان سے مفارقت ہم پر بہت گراں گزرے گی لیکن بقول حضرت مرزا صاحب: ۔ ع مل نہیں سکتی کسی کو کچھ قضا کے سامنے

اخبارِ احمدیہ :-

* حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز گذشتہ چند روز بعارضہ "فلو" صاحب فراش رہے ہیں۔ احباب کرام اور بزرگان جماعت التزام اور توجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ ہمارا شافی مطلق خدا حضور کو اپنے فضل و کرم سے صحت و سلامتی والی لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین
* درخواستِ دُعائے صحت :- مسلم ٹاؤن راولپنڈی سے جناب مبارک احمد صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ :-

• میرا لڑکا احمد شہزاد بعمر ۱۲ سال راستہ میں زمین پر گری ہوئی بجلی کی تار سے چمٹ کر بے ہوش ہو گیا۔ جسم کے کچھ حصے جل بھی گئے ہیں۔ بچ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُسے دوبارہ زندگی ملی ہے۔ اس سلسلہ میں بطور صدقہ مبلغ پچاس روپیہ بمد اشاعت اسلام خزانہ انجمن میں جمع کرا دیئے ہیں۔ قارئین کرام سے بچے کی جلد شفا یابی کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

پیغام صلح : دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ہونہار بچے کو اپنے فضل سے شفائے عاجلہ کاملہ عطا فرما کر والدین کی تشویش دُور فرمائے۔ آمین

وفات :- وزیر آباد سے یہ افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ والدہ صاحبہ شیخ ارشد جاوید صاحب ملتان سے جہانیاں خاں بذریعہ کار جا رہی تھیں کہ بہاولپور کے قریب حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحومہ کی میت وزیر آباد لا کر سپرد خاک کی گئی۔ مرحومہ بڑی نیک، پارسا، تہجد گذار، بردبار اور صابرہ و شاکرہ خاتون تھیں۔ زندگی میں مرکز کی ہر تحریک میں بقدر استطاعت حصہ لیتی رہیں غربا اور مساکین کا بھی بڑا خیال رکھتی تھیں۔ بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے، جن احباب نے خود آ کر یا بذریعہ خطوط اظہار افسوس کیا ہے ان سب کا شکر گذار ہوں۔ (شیخ محمد عبداللہ ولد شیخ محمد جان مرحوم)

محترم مرزا مسعود بیگ صاحب کی وفات پر مقامی جماعت احمدیہ لاہور کا تعزیتی ریزولیوشن

مقامی جماعت احمدیہ لاہور کی مجلس منتظمہ کے اجلاس مورخہ ۱۲ میں سب سے پہلے محترم مرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات پر مجلس منتظمہ نے مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس کیا ہے۔

مجلس منتظمہ کا یہ اجلاس جناب مرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم انجمن کے نہایت سرگرم رکن اور ہشیار صلاحیتوں کے مالک تھے انہوں نے مختلف حیثیتوں سے انجمن کی گرانقدر خدمات سرانجام دیں ان کا وجود انجمن کیلئے بڑی تقویت کا موجب تھا۔ ان کی وفات سے انجمن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے انا للہ و انا الیہ راجعون

یہ اجلاس اللہ تعالیٰ کے حضور مرحوم کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دست بدعا ہے اور انکے اہل و عیال اور جملہ لواحقین سے اس عظیم سانحہ پر دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اللہ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

چوہدری ریاض احمد صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور

اپیل جلسہ سالانہ فنڈ - مکرمی و محترمی احباب سلسلہ۔ السلام علیکم، جلسہ سالانہ ۸۳ء قریب آ رہا ہے روز افزوں گرانی کی وجہ سے جلسہ سالانہ کے مصارف میں بے حد اضافہ ہو جائیگا لہذا میں پُر زور اپیل کر رہا ہوں کہ جلسہ فنڈ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تاکہ مرکزی انجمن کا بوجھ کسی قدر کم ہو سکے۔ (چوہدری ریاض احمد افسر جلسہ سالانہ)

(بقیہ صفحہ ۲ سے آگے)

دنیاوی کرّ و فر اور جاہ و جلال سے بے نیاز اپنے خدمت اسلام و قرآن کے جذبے سے سرشار دن رات سرگرمی سے جماعت کے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ جلد ہی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے جنرل سیکرٹری بن گئے تھے اور جس خوبی اور تندہی سے انہوں نے اس اہم اور مشکل عہدے کو نبھایا وہ اُن کا ہی کام تھا۔ اکثر نکتہ چینیوں اور بدخواہوں کی لے دے اور طعن و تشنیع کا نشانہ بن کر بری بھلی سنتے تھے مگر وہ اُف نہ کرتے تھے۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے کسی کو سخت اور ترش جواب دیا ہو۔ اپنے عظیم و بزرگ چچا حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کی طرح بہت نرم دل اور عاجزی سے پُر طبیعت تھی۔ اور ان کی طرح ہی اکثر واقعات و حالات کا دل پر اثر لے کر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ دوستوں سے دلی محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ اور خاندانی تعلقات کا ازحد لحاظ کرتے تھے مجھے یاد ہے کہ چند سال پہلے جب میں نے ڈرتے ڈرتے مضمون نگاری کے لئے قلم اٹھایا تو دو چار مضمونوں کے بعد ہی انہوں نے باوجود اپنی ازحد مصروفیت کے مجھے ایک خط لکھا جو حوصلہ افزائی اور قدر و خوشنودی سے پُر تھا ایسے ایسے دل بڑھانے والے بزرگ ہی بہنوں کی راہنمائی کا باعث بنے اور بنتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ؎

وہ بادہ کش جو پرانے تھے اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

ان بزرگوں کے اُٹھ جانے کے بعد یہ آبِ بقائے دوام اب اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے اور جاری و ساری رہ سکتا ہے کہ ان کی چھوڑی ہوئی روشن راہ گذر پر اب ہمارے نوجوان بیٹے بیٹیاں قدم رکھیں۔ حضرت مولانا محمد علی رح کے فرمان کے مطابق اپنے بزرگوں کی نشان دار خدمت اسلام و قرآن اور قربانی و ایثار کی روایات کو ان کے فانی جسموں کے ساتھ تہہ خاک دفن کر کے محروم و نامراد نہ رہ جائیں بلکہ ان کو خود زندہ رکھ کر آبِ بقائے دوام حاصل کریں۔ یا اللہ تو ایسا ہی کر۔ آمین

(بقیہ جلسہ سالانہ ۱۹۸۳ء)

۵۔ بیرون لاہور سے تشریف لانے والے احباب اگر اپنے پہنچنے کے دن اور وقت سے پہلے اطلاع دے سکیں تو ان کے لئے مناسب ٹرانسپورٹ کا بھی انتظام کیا جا سکتا ہے۔

انشاء اللہ خاکسار اور عملہ کارکنان آپ کی خدمت کے لئے ہر وقت مستعد ہوں گے۔ پھر بھی اگر کوئی فرو گذاشت ہو جائے تو براہ کرم تحمل سے کام لیں۔ ہمارے نوٹس میں لائیں۔ اسکو دور کرنے کی پوری پوری سعی کی جائے گی۔

مجھے اُمید ہے آپ اس عاجز کو بقیہ کی رہبری سے مطلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے

والسلام

آپ کے تعاون کا متمنی

چوہدری ریاض احمد (افسر جلسہ سالانہ)

دارالسلام نمبر ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور نمبر ۱۶

جلسہ سالانہ ۱۹۸۳ء

تاریخہائے ۲۲-۲۳-۲۴-۲۵ دسمبر ۸۳ء

احباب کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت امام وقت کے ارشاد کے مطابق ہر سال دسمبر کے آخری عشرہ میں احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے زیر اہتمام جلسہ سالانہ منعقد ہوتا ہے جس میں اسلام کی حقانیت و صداقت اور دینِ اسلام کی سربلندی کے مقصد عظیم کی تکمیل اور اشاعتِ اسلام کے لئے تجاویز زیر غور آتی ہیں اور ایسے مضامین سننے اور سنانے کا موقعہ ملتا ہے جس سے ہمارے ایمان تازہ ہوتے ہیں۔ اور دلوں کو تقویت ملتی ہے۔

اس سال یہ مبارک اجتماع ۲۲ تا ۲۵ دسمبر منعقد ہو رہا ہے۔ امسال احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے اس اجتماع کے جملہ انتظامات کی ذمہ داری عاجز کے ناتواں کندھوں پر ڈالی ہے یہ فریضہ کما حقہٗ سرانجام نہیں پا سکتا جب تک کہ آپ احباب کا تعاون میرے ساتھ شامل حال نہ ہو۔ لہٰذا ان سطور کے ذریعہ سے عاجز مؤدبانہ التماس کرتا ہے کہ براہ کرم اس بابرکت کام میں میرے ساتھ تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اس ابتدائی و اطلاعی اپیل کے ساتھ چند باتیں احباب سے عرض کرتا ہوں اور آپ کے تعاون کا متمنی ہوں۔

(۱) براہ کرم ابھی سے کوشش فرما دیں کہ آپکی جماعت کے زیادہ سے زیادہ احباب و خواتین و بچے اس جلسہ میں شامل ہوں۔ اور ساتھ ہی یہ درخواست ہے کہ جملہ صدور و سیکرٹری صاحبان متوقع افراد کی تعداد سے مطلع فرمائیں تاکہ قیام و طعام کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے اور اسکے مطابق انتظام بروقت کر لیا جاوے۔

۲۔ یہ امر بار بار احباب کے ذہن نشین کرائیں کہ ہر دوست موسم کے مطابق اپنا بستر ہمراہ لائیں یہ نہایت ضروری بات ہے اس بارے میں خاص تاکید فرما دیں۔

۳۔ ایسے غیر از جماعت دوست جو دین کی معلومات حاصل کرنے کے متمنی ہوں انکو بھی ضرور ساتھ لائیں انکی تعداد سے بھی مطلع فرمائیں۔ اور سب بڑھ کر اس بات کی ہر دوست کو تاکید فرمائیں کہ جس مقصد کیلئے آپ سردی میں سفر کی تکلیف اٹھا کر تشریف لاتے ہیں وہ یہ ہے کہ جلسہ کا جملہ پروگرام اور علماء کرام کی تقاریر اطمینان سے بیٹھ کر سنیں نہایت عالمانہ و فاضلانہ لیکچرز اسلامی تعلیمات پر مبنی ہوتے ہیں۔ انکو پورے ذوق و شوق سے سماعت فرمائیں۔ بلکہ اپنی اپنی جماعتوں کی نگرانی فرمائیں تا کہ کوئی دوست بغیر کسی شرعی مجبوری کے جلسہ گاہ سے غیر حاضر نہ رہے۔

۴۔ جب آپ دارالسلام تشریف لائیں تو سب سے پہلے استقبالیہ میں اپنے نام رجسٹر فرما کر کارڈ حاصل فرما لیں۔

(بقیہ کالم ۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

باہتمام احمدیہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد فاروقی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح مورخہ ۹ - نومبر ۱۹۸۳ء — شمارہ نمبر ۴۵

جلد ٧٠ } یوم چہار شنبہ ١٠ صفر المظفر ١٤٠٤ھ مطابق ١٦ نومبر ١٩٨٣ء { شمارہ ٤٦

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

نماز وہ ہے جس میں دُعا کا مزہ آجائے

" نماز کے اندر ہی اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرو۔ سجدہ میں بیٹھ کر۔ رکوع میں۔ کھڑے ہو کر۔ ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعائیں کرو۔ بے شک پنجابی زبان میں دعائیں کرو۔ جن لوگوں کی زبان عربی نہیں اور عربی سمجھ نہیں سکتے۔ ان کے واسطے ضروری ہے کہ نماز کے اندر ہی قرآن شریف پڑھنے اور مسنون دعائیں عربی میں پڑھنے کے بعد اپنی زبان میں بھی خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگیں۔ اور عربی دعاؤں کا اور قرآن شریف کا بھی ترجمہ سیکھ لینا چاہیئے۔

نماز صرف جنتر منتر کی طرح نہ پڑھو۔ بلکہ اس کے معانی اور حقیقت سے معرفت حاصل کرو۔ خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ ہم تیرے گنہگار بندے ہیں۔ اور نفس غالب ہے۔ تو ہم کو معاف کر اور دنیا اور آخرت کی آفتوں سے ہم کو بچا۔ آجکل لوگ جلدی جلدی نماز کو ختم کرتے ہیں اور پیچھے لمبی دعائیں مانگتے ہیں۔ یہ بدعت ہے جس نماز میں تضرع نہیں۔ خدا تعالیٰ کیطرف رجوع نہیں۔ خدا تعالیٰ سے رقت کے ساتھ دعا نہیں۔ وہ نماز تو خود ہی ٹوٹی ہوئی نماز ہے۔ نماز وہ ہے جس میں دعا کا مزہ آجائے۔ خدا کے حضور میں ایسی توجہ سے کھڑے ہو جاؤ کہ رقت طاری ہو جائے۔ جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے۔ اور اسکے واسطے قید یا پھانسی کا فتوےٰ لگنے والا ہوتا ہے اسکی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے۔ ایسے ہی خوفزدہ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے جس نماز میں دل کہیں ہے اور خیال کسی طرف ہے اور منہ سے کچھ نکلتا ہے وہ ایک لعنت ہے جو آدمی کے منہ پر واپس ماری جاتی ہے اور قبول نہیں ہوتی۔

(الحکم ٣١ جولائی ١٩٠٦ء)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا ٦٩واں جلسہ سالانہ

٢٢ - ٢٣ - ٢٤ - ٢٥ دسمبر ١٩٨٣ء دارالسلام نزد نیو کیمپس میں منعقد ہوگا۔ ٢٢ دسمبر ٨٣ء خواتین کیلئے مخصوص ہے تفصیلی پروگرام جلد شائع کیا جا رہا ہے تمام احباب سے شمولیت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

ایک ضروری اعلان: جلسہ سالانہ نمبر کی تیاری کے سلسلہ میں ٢٣ نومبر ٨٣ء کے پرچہ کا ناغہ ہوگا اور ٣٠ نومبر کا شمارہ جلسہ سالانہ نمبر ہوگا۔" (ادارہ)

از محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ لاہور

تنظیم خواتینِ احمدیہ لاہور کی سرگرمیاں

رابطہ اجلاس ملتان

۲۷ اکتوبر ۹۳ء کو بذریعہ تیزگام میرے ساتھ محترمہ زکیہ شیخ صاحبہ، محترمہ زبیدہ محمد احمد صاحبہ اور محترمہ عصمت خالد صاحبہ ملتان روانہ ہوئیں۔ گاڑی لیٹ تھی آٹھ بجے کے بجائے رات کے ساڑھے دس بجے پہنچی۔ اسٹیشن پر محترمہ نصرت مبارک احمد صاحبہ اور مدیحہ رسول کو موجود پا کر سفر کی ساری کوفت دور ہو گئی۔ وہاں سے پروگرام کے مطابق محترمہ نصرت مبارک احمد صاحبہ سیکرٹری تنظیم خواتین احمدیہ ملتان کے گھر پہنچیں صبح جمعہ تھا۔ اور جمعہ کے بعد خواتین کا اجلاس۔ صبح محترمہ فرحت نشاط صاحبہ صدر تنظیم خواتینِ احمدیہ پشاور کا فون آیا۔ پروگرام پر جمعہ کی نماز سے پہلے وہاں کے مقامی احمدی گھرانوں کے افراد سے ملاقات تھی۔ لہٰذا سب سے پہلے ہم اپنے بزرگ ڈاکٹر رفیق احمد بیگ صاحب کے گھر ان کی بیگم صاحبہ کی وفات پر تعزیت کے لئے حاضر ہوئے جنھیں دیکھ کر بے حد خوش ہوئے کیونکہ وہ کافی عرصہ میرے والد مرحوم کے ہسپتال میں کام کرتے رہے۔ فالج کی وجہ سے بہت معذور ہو چکے ہیں۔ ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ وہاں سے پروفیسر ارشاد احمد صاحب کے گھر پہنچے ان کی بچی کافی بیمار تھی۔ اب تک انشاء اللہ صحت یاب ہو چکی ہوگی۔ اگلا گھر جناب خادم صاحب کا تھا وہ اور ان کی بیگم صاحبہ کو حج سے واپس آئے ہوئے ابھی دو ہی دن ہوئے تھے۔ اللہ ان کا حج قبول کرے آمین! بہت مہمان داری کے باعث جلسہ میں نہ آسکے۔ پھر محترم دوست محمد کے ہاں پہنچے۔ بڑے تپاک سے ان کی بیگم صاحبہ اور بیٹیاں ملیں۔ اور پھر مخدوم جناب یوسف گرنقی صاحب مرحوم مبلغ اسلام کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے ان کی بہو اور بچوں سے ملاقات ہوئی۔ پرانا زمانہ یاد آ گیا گرنقی صاحب مرحوم کی یاد تازہ ہوئی۔ آخر میں جناب عزیز احمد صاحب کے ہاں گئے۔ جمعہ کا وقت قریب آ گیا ہم وہاں سے محترمہ فرحت نشاط صاحبہ کے ہاں گئے۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر دوبارہ میاں مبارک احمد صاحب کے گھر گئے۔ کھانے کے بعد انہیں خدا حافظ کہا۔ مسجد کو روانہ ہوئے کیونکہ وہاں سے جلسہ کے بعد ہمیں میاں نشاط احمد صاحب کے گھر جانا تھا اور وہیں سے واپسی تھی۔ جمعہ کی نماز کے لئے فیکٹری کی مسجد میں گئے۔ میاں نشاط احمد صاحب کی پک اپ شہر سے ان تمام بہنوں کو جن کے پاس سواری کا مکمل انتظام نہ تھا۔ مدیحہ رسول کی قیادت میں لا چکی تھی۔ مسجد کا مختصر احاطہ بہنوں سے بھرا دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ پنجابی کا محاورہ یاد آیا۔ سجا دھوئے کھبے نوں تے کھبا دھوئے سجے نوں۔ میاں صاحب کی پک اپ نے کتنی بہنوں کو ہم سے ملوا دیا جو بصورت دیگر مجبوری کے تحت نہ آسکیں۔ یہ قابل تقلید مثال ہے۔

جمعہ کی نماز کے بعد خواتین کا اجلاس شروع ہوا۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکی ہوں نوجوان بہنوں اور بچیوں کو جو کہ مستقبل کی معمارِ قوم ہیں۔ آگے لانے کے لئے امسال یوم مسیح موعود کے اجلاس کا تمام انتظام اُن کے سپرد کر دیا لہٰذا پہلا اجلاس احمدیہ بلڈنگس میں۔ دوسرا بدوملہی اور تیسرا ملتان میں رکھا گیا۔ بدوملہی اور احمدیہ بلڈنگس کے کامیاب اجلاس کی رپورٹ آپ کی نظروں سے گذر چکی ہے۔ آئیے کچھ ملتان کے اجلاس کے متعلق آپکی خدمت میں حاضر ہے۔ تلاوت کے بعد خطبہ استقبالیہ کا موقع وہاں کی صدر محترمہ فرحت نشاط صاحبہ نے ہماری ہونہار مدیحہ رسول کو دیا۔

وہ ماشاء اللہ اسی عمر میں ایک شعلہ بیان مقررہ ہیں انہوں نے اپنے خطبہ میں کچھ نہایت کارآمد تجاویز پیش کیں جو انشاء اللہ ہم اپنی مجلسِ منتظمہ کی میٹنگ میں پیش کریں گے ان کے بعد میاں نشاط احمد صاحب کے بیٹے منصور نے نظم "درثمین" میں سے اور مبارک احمد صاحب نے تقریر کی جو ماشاء اللہ بہت عمدہ تھی۔ اس خوشی میں دونوں بچوں کی والدہ صاحبہ نے پانچ پانچ صد روپیہ وظائف فنڈ میں عطا کئے جزاک اللہ

سمیرا اشرف کسی تعارف کی محتاج نہیں ہماری ایک کامیاب مقررہ ہیں۔ انہوں نے حضرت صاحب کے دعوای کی سچائی پر تقریر کی۔ جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ مدلل بھی تھی۔ بیگم الفت گلزار صاحبہ نے اسے ۲۰۰ روپے انعام دیا۔ سمیرا بیمار رہتی ہے اس کے لئے سب نے دعا کی آپ بھی کریں۔ عبارت نذر رب صاحبہ اور مسرت بشیر صاحبہ ہماری پرانی کارکن بہنیں ہیں ان کی تقریر سننے کا سب کو شوق تھا لیکن دونوں بہنوں کے کسی عزیز کی وفات ہو جانیکے باعث اسدن انہیں ملتان سے باہر جانا پڑا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ دونوں بہنوں کو آئندہ صدمات سے محفوظ رکھے آمین۔ مدیحہ رسول کی تقریر کے بعد وہاں کی دو بچیاں عنبرین نسیم و سعدیہ مختار نے نظم پڑھی۔ کیونکہ انکی جلسہ میں پہلی شمولیت تھی ان کے والدین کی طرف سے محترمہ صدر صاحبہ نے پانچ پانچ سو روپیہ وظائف فنڈ کے لئے اعلان کیا۔ جزاک اللہ، اسکے بعد محترمہ زبیدہ محمد احمد نے اللہ کی راہ میں مستقل اور بھرپور کوشش کرنیکی تاکید کی اور محترمہ زکیہ شیخ صاحبہ نے بیعت کی ضرورت پر تقریر کی۔ آخر میں راقم الحروف نے ضرورتِ مجددین پر کچھ کہنے کے بعد تنظیم خواتین احمدیہ لاہور کی گذشتہ سال کی رپورٹ اور آئندہ سال کا پروگرام بتایا۔ آئندہ ۲ سال کے لئے مندرجہ ذیل خواتین کا تنظیم خواتینِ احمدیہ ملتان کے لئے چناؤ بلا مقابلہ ہوا۔ صدر، محترمہ فرحت نشاط صاحبہ، سیکرٹری۔ محترمہ نصرت مبارک صاحبہ، مجلس منتظمہ۔ بیگم رشید احمد صاحبہ، بیگم میاں نشار احمد صاحبہ، بیگم الفت گلزار صاحبہ، بیگم یاسمین ریاض صاحبہ، بیگم پروفیسر ارشاد صاحبہ، بیگم بنت یوسف گرنقی صاحبہ۔ دُعا کے بعد یہ خوشگوار اجلاس ختم ہوا۔ سموسوں اور کوکاکولا سے شرکاءِ خواتین کی تواضع کی گئی۔ جزاک اللہ۔

اجلاس کے بعد ہم محترمہ فرحت نشاط صاحبہ کے گھر آ گئے۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد پھر ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ جن کے گھر ہم حاضر ہوئے ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

بیگم میاں نشار احمد صاحبہ۔ بیگم میاں رشید احمد صاحبہ۔ بیگم الفت گلزار صاحبہ۔ بیگم یاسمین ریاض صاحبہ۔ رات آرام کرنے کے بعد صبح ملتان کی سیر ہوئی اور وہاں سے بذریعہ فلائینگ کوچ رات کے آٹھ بجے بخیریت لاہور پہنچے۔

الحمد للہ علیٰ ذالک ؛

''''

از قلم:۔ مکرم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور،

درسِ قرآن — سبق ۴۹

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ ج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ
وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ
یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ
وَمَا خَلْفَھُمْ ج وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا
بِمَا شَآءَ ج وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج وَلَا یَئُوْدُہٗ
حِفْظُھُمَا ج وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ٥ (البقرۃ ۲ - ۲۵۵)

ترجمہ:۔ اللہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہ حیّ و قیوّم ہے ۔اُس پر نہ اُونگھ غالب آتی ہے نہ نیند۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۔ وہ کون ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے سوائے اس کی اجازت کے ؟ وہ جانتا ہے جو کچھ اُنکے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے ۔ اور وہ اُس کے علم میں سے کسی چیز پر احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اسکے جو وہ چاہے ۔ اس کی حکومت (یا اس کا علم) آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ اور ان دونوں کی حفاظت اسکو تھکاتی نہیں ۔ اور وہ بہت اعلیٰ اور عظمت والا ہے ۔

یہ آیت جو آیۃ الکرسی کے نام سے مشہور ہے اس کی تمہیدی تفسیر میں پچھلے درس میں کر آیا ہوں ۔ دراصل ایک علم و معرفت کا دریا اس کوزہ میں بند ہے ۔ میں کوشش کروں گا کہ اس کی مختصر تفسیر اس درس میں کر سکوں ۔

اسلام سے باہر خدا کا تصور جو دُنیا میں عام ہے وہ تین چار قسموں کا ہے ۔ ایک پتھر کے بُت کا جسے انسان نے خود گھڑا ، جو بے جان ہے ، اور جسے انسان خود جب چاہے توڑ سکتا ہے ۔ یا ایک جانور مثلاً گائے کا جو انسان سے گھٹیا ایک معمولی حیوان ہے جو دُوسرے جانوروں کی طرح نیست سے ہست ہوتی ہے یعنے ایک وقت ہوتا ہے جو وہ کچھ نہ تھی اور پھر پیدا ہوتی ہے اور اگر ذبح نہ کی جائے تو اپنی موت مر جاتی ہے ۔ تیسرا تصور خدا کا ہمارے جیسے انسان کا ہے جو ہماری طرح نیست سے ہست ہوا یعنے پہلے اس کا کوئی وجود نہ تھا اور وہ ہماری طرح ماں کے پیٹ میں اس کے خون سے پل کر اور زندگی پاکر پیدا ہوا ، پھر ہماری طرح بھوک پیاس اور تمام انسانی کمزوریاں رکھتا تھا اور بالآخر وہ ہماری طرح مر گیا ۔ اور اگر حضرت عیسٰے کی طرح مر کر اُس نے دوبارہ زندگی پائی تو اُس میں کبھی ہم پر کوئی بھی فوقیت یا برتری نہیں کیونکہ تمام انسانوں نے مر کر دوبارہ زندگی پانا ہے اور خدا کے انبیاء اور اولیاء اللہ اور صلحاء تو نئی زندگی فوراً پا لیتے ہیں ۔ چوتھا خدا کا تصور سورج یا ستاروں کو ہے جنھیں سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ محض آگ کے بڑے ، بڑے کُرّے یا اجسام ہیں اور جو نہ صرف بے جان ہیں بلکہ کسی اور زبردست خالق و مالک کے قوانین میں جکڑے ہوئے بے جان آگ یا مادہ کے کُرّے ہیں ۔ تو ان تصورات کا جو مشرکوں نے اپنی طرف سے گھڑے لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ اس سائنس اور علم کی ترقی کے زمانہ میں انسانوں نے انہیں ردّ کر دیا اور دہریت عام ہو گئی ہے ۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کی معرفت کو انسانی دماغ جو دوسرے جانوروں کے دماغوں کی طرح ایک مادی دماغ ہے وہ خود نہیں پا سکتا تھا ۔ اور جو تصور اس نے اپنی طرف سے گھڑا بھی وہ اس قدر ناقص تھا کہ خود انسانوں نے اپنے گھڑے ہوئے تصورات کو آج ردّ کر دیا ہے ۔ ضروری تھا کہ اللہ تعالےٰ اپنی ہستی اور اپنی صفات کا خود علم دیتا ۔ اور اس نے ضرور دیا مختلف الہامی کتابوں میں مگر بدقسمتی سے وہ بالکل ضائع ہو گئیں ۔ یا اُن کے محض متضاد اور مختلف ترجمے آج ملتے ہیں یا اُن کے اندر زبردست ردّ و بدل یا تحریفیں انسانی ہاتھوں سے ہو گئیں ۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے آخری اور کامل کلام کو جو قرآن کریم میں موجود ہے اپنی حفاظت میں لے لیا اور آج غیروں کو بھی اعتراف ہے کہ جو قرآنِ پاک آج ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ من و عن وہی ہے جو رسول اللہ صلعم پر نازل ہوا ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ کا تصور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سورۃ فاتحہ سے لے کر قرآن کی آخری سورت الناس تک ہر جگہ موجود ہے ۔ آیت الکرسی جس کی مختصر تفسیر میں آج کرنے لگا ہوں یہ بھی ایک آیت میں ایک عظیم الشان تصور پیش کرتی ہے ۔

اللہ لا اِلٰہ الّا ھو یعنے اللہ اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ۔ جیسا کہ میں بسم اللہ کی تفسیر میں اپنے سب سے پہلے درس میں بتا آیا ہوں اللہ خدا تعالےٰ کا ذاتی نام ہے ۔ جب ہم کسی کا تعارف یا انٹروڈکشن کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس کا ذاتی نام بتاتے ہیں ۔ مثلاً یہ مسٹر رشید پیرخان ہیں ۔ تعجب ہے کہ خدا تعالےٰ کا ذاتی نام اور کسی مذہب نے نہیں بنایا ! صفاتی نام بتاتے ہیں جیسا کہ کسی

صاحب کے متعلق کہا جائے کہ یہ صاحب مسلمان ہیں۔ بہت اچھے آدمی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر صرف صفاتی نام بتائے جائیں اور ذاتی نام نہ بتایا جائے تو تعارف نامکمل اور مبہم رہ جاتا ہے کیونکہ ان صفتوں کے کئی آدمی ہو سکتے ہیں۔ اللہ کا نام عربی زبان میں اسلام سے قبل بھی صرف خدائے واحد کے لئے استعمال ہوتا تھا کسی دوسرے کے لئے نہیں۔ تو اسم ذات اللہ کے معنی حسن اور احسان میں کامل کے ہیں۔ یعنے نہ صرف وہ اپنی خوبیوں میں کامل ہے بلکہ اُن خوبیوں سے اپنی مخلوق کو ہر آن فائدہ پہنچاتا رہتا ہے کیونکہ کسی میں خوبیاں ہونا کافی نہیں جب تک کہ اُن خوبیوں سے دُوسروں کو فائدہ نہ پہنچے۔ ایک شخص عالم ہو مگر اس کے علم سے کسی کو فائدہ نہ پہنچے تو اس کا علم بے کار و بے فائدہ ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کی خوبیوں کا فائدہ اس کی مخلوق کو ہر آن پہنچتا رہتا ہے۔ جیسا کہ اس کی صفات رب العٰلمین، الرّحمٰن، الرّحیم وغیرہ سے ظاہر ہے۔

اللہ کا نام بتانے کے بعد فرمایا کہ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ الٰہ کے عام معنی معبود کے کئے جاتے ہیں۔ یعنے وہ جس کی عاجزی سے فرمانبرداری کی جائے۔ اس ایک لفظ میں اللہ تعالےٰ کی توحید کا زبردست ثبوت دیا ہے۔ فرمایا کہ دیکھو کہ تمام کائنات کس کی فرمانبرداری کر رہی ہے؟ یہ بات جو آج سے چودہ سو سال پہلے کہی گئی آج سائنس نے بھی ثابت کر دی ہے کہ تمام کائنات ایک ہے اور ایک ہی قانون کی فرمانبرداری کر رہی ہے اس لئے دہریہ اور عیسائی سائنس دانوں نے بھی بالآخر مانا ہے کہ اس عظیم الشان کائنات ساری کی ساری کا ایک ہی پیدا کرنے والا اور چلانے والا ہے۔ تو جب کہ ساری کائنات یہاں تک کہ انسان کا جسم بھی خدائے واحد کی عاجزی سے فرمانبرداری کر رہا ہے تو انسان کو بھی چاہیئے کہ وہ خدائے واحد کی عاجزی سے فرمانبرداری کرے اور وہ اس طرح کہ جو خدا کی کتاب یعنے قرآن میں ہدایت دی گئی ہے اس پر مکمل عمل کرے۔ الٰہ کے دوسرے معنے محبوب کے ہیں جس میں یہ مضمون ہے کہ خدا کی فرمانبرداری محبت سے کرنی چاہیئے تبھی اس فرمانبرداری کا بہترین فائدہ ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ بچہ اپنے ماں باپ کے احسانوں کو دیکھتے ہوئے اور اُنہیں اپنا خیر خواہ جانتے ہوئے اگر محبت سے اُن کی فرمانبرداری کرے تبھی وہ اُن کی تربیت سے بہترین فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اگر روتے دھوتے ان کی فرمانبرداری کریگا تو پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ تو ماں باپ کے احسانات اللہ تعالےٰ کے احسانات کے آگے کوئی چیز نہیں جو اللہ تعالےٰ نے انسان کے لئے زمین و آسمانوں کا سب نظام بنا کر اور انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنا کر اور سب مخلوق کو اس کا فرمانبردار کر کے اس پر کئے ہیں۔ پھر انسان میں اللہ تعالےٰ نے اپنی رُوح پھونکی اور اُسے اپنی معرفت بخشی اور وہ ہدایت دی جس پر چل کر وہ اللہ تعالےٰ کو پا سکتا ہے جس سے بڑھ کر کوئی لذت اور نعمت اور دولت نہیں ہو سکتی جیسا کہ میں پچھلے درس کے آخر میں بتا چکا ہوں۔ یاد رہے کہ الٰہ کے تیسرے معنے مطلوب یا مقصود کے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کو پانا انسان کی پیدائش کا مقصد اور انسان پر سب سے بڑا انعام ہے۔ اور جو شرک کریگا وہ ظاہر ہے کہ اپنے مقصد پیدائش کو نہیں پا سکتا۔

پھر فرمایا الحیّ القیّوم۔ حیّ کے معنے جو ہمیشہ سے زندہ تھا اور ہمیشہ زندہ رہیگا۔ حیّ پر الف لام لاکر بتایا کہ اس معاملہ میں بھی وہ یکتا ہے یعنے ہمیشہ سے صرف وہ ہی زندہ تھا اور ہمیشہ کی زندگی بھی اُسی کے لئے ہے۔ اور آج سائنس نے بھی بتایا ہے کہ اس تمام کائنات کی ایک عمر ہے خواہ وہ کتنی بھی لمبی ہو۔ یعنے کبھی شروع ہوئی اور کبھی ختم بھی ہو جائے گی۔ اور یہی حال اس کائنات کی ہر چیز کا بھی ہے جس میں تمام جاندار اور خود انسان بھی شامل ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کبھی بالکل نہ تھا اور کبھی پھر مر کر ختم ہو جائیگا۔ حیّ کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ وہ نہ صرف خود حی ہے بلکہ دُوسروں کو زندگی بھی وہی بخشتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہم میں سے ہر ایک نے زندگی پائی کس سے؟ ظاہر ہے کہ ہمارے پیدا کرنیوالے سے۔ اور چونکہ حیّ کے دوسرے معنے ہمیشہ زندہ رہنے والے کے ہیں تو جو انسان اللہ تعالےٰ کو راضی کر لیگا وہی ابدی زندگی کو بھی پا لیگا کیونکہ ابدی زندگی صرف وہی دے سکتا ہے۔ حیّ کے معنے جیسا کہ میں بتا آیا ہوں نہ صرف خود ہمیشہ زندگی والے کے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی زندگی بخشنے والے کے ہیں۔ ہر انسان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ کبھی نہ مرے۔ تو فرمایا کہ ہمیشہ کی زندگی چاہتے ہو تو وہ بھی صرف اللہ تعالےٰ بخش سکتا ہے۔ قیوم کے معنی یہ ہیں کہ جو نہ صرف اپنی ذات سے ہمیشہ سے قائم ہے بلکہ دوسروں کو قیام بھی وہی بخشتا ہے۔ اب انسان کی ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش کے بعد دُوسری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ انسان قائم رہے کھڑا رہے چلتا پھرتا رہے اچھی صحت میں رہے یعنے زندگی ہو تو اچھی صحت کی ہو۔ سو وہ بھی صرف اللہ تعالےٰ بخش سکتا ہے جس کا وعدہ یعنے ہمیشہ کی زندگی اور صحت کا اس نے اگلے گھر کے لئے کیا ہے جہاں انسان نے ہمیشہ رہنا ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ آج سائنس بھی اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اس تمام کائنات کو قیام اللہ تعالےٰ کی ذات سے ہے اس سلسلہ میں بہت سی کتابوں میں سے آسان اور عام فہم کتابیں

THE MYSTERIORUS UNIVERSE BY SIR JAMES JEANS

("دی مسٹرلیس یونیورس" مصنفہ سر جیمز جینیز) اور کتاب

THE UNIVERSE AND DR. EINSTEIN BY LINCOLN BARENETT

(دی یونیورس اینڈ ڈاکٹر آئن سٹائن" مصنفہ لنکن بارنٹ) ہیں۔ جیسا کہ سر جیمز جینز نے لکھا ہے۔

THE UNIVERSE EXISTS BECAUSE IT EXISTS IN A UNIVERSAL MIND-

یعنی اگر اس کائنات کو قیام ہے تو وہ اس لئے کہ وہ اس تمام کائنات کے چلانے والے قلب (یعنی اللہ تعالیٰ) کے ارادہ سے قائم ہے۔

سو وہ خدا ہی کیا جو حیّ و قیوم نہ ہو۔ یعنی نہ تو ہمیشہ سے زندہ تھا بلکہ ہماری طرح پیدا ہوا اور پھر ہماری طرح مر بھی گیا۔ نہ اُس نے دوسروں کو زندگی بخشی نہ دوسروں کو قیام بخشا اور نہ اُسے خود قیام تھا۔ اس کے برعکس کیا زبردست اور دل موہ لینے والا تصور قرآن نے اللہ تعالیٰ کا بخشا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور تصور اس سائنس اور عقل کے زمانہ میں قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔

پھر فرمایا لا تاخذہٗ سنۃٌ ولا نوم۔ نہ اُس پر اُونگھ غالب آتی ہے نہ نیند۔ اُونگھ عارضی غفلت پیدا کرتی ہے اور نیند کافی مدت کے لئے۔ یہ تصور بھی آج سائنس کے ذریعہ مسلّم ہو گیا۔ کیونکہ اگر اس کائنات کو قیام صرف اس لئے ہے کہ وہ تمام کائنات پہ محیط قلب الٰہی کے اندر قائم ہے تو اگر خدا اُونگھ جائے یا سو جائے تو یہ کائنات تو اُسی سکینڈ میں ختم ہو جائے۔ جن لوگوں نے اپنے پیغمبروں کو خدا بنا لیا وہ اس سے انکار کر نہیں سکتے کہ وہ پیغمبر اُونگھتے بھی تھے اور سوتے بھی تھے۔ ہندوؤں سے میں نے سنا کہ بُت بھی مندر یا غار میں اونگھ جاتے یا سو جاتے ہیں۔ اسی لئے پجاری گھنٹی بجا کر انہیں جگا کر پرارتھنا کرتا ہے تو وہ پیغمبر یا بُت اگر خدا ہوتے تو یہ کائنات تو ایک لمحہ میں ختم ہو جاتی۔ اور وہ خدا جو اُونگھ جائے یا سو جائے وہ ہماری ہر آن حفاظت کس طرح کر سکتا ہے؟ جیسا کہ میں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی عبارت پچھلے درس میں سنائی تھی کہ انسان جب سوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جاگتا، اُن کے دشمنوں اور خطرات کو دیکھتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔ بشرطیکہ وہ انسان خدا کے بندے بنیں۔

پھر فرمایا لہٗ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض اللہ کا ہی ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ آسمانوں کے معنے عام طور پر یہ ظاہری مادی آسمان لئے جاتے ہیں جن کا پتہ سائنس دن بدن نکال رہی ہے۔ چلیئے ایک منٹ کے لئے یہی معنے لے لیتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جو کچھ اس کائنات میں ہے وہ اس کے پیدا کرنے والے کا ہے۔ انسان تو خالی ہاتھ اس دنیا میں آتا اور خالی ہاتھ چلا جاتا ہے۔ مگر آسمانوں کے بہتر معنے وہ آسمان ہیں جن میں انسان کی اگلی زندگیاں ہیں اور بموجب قرآن وحدیث وہ سات ہیں جن میں انسان کی ابدی زندگی اور ابدی ترقیات جاری رہیں گی۔ یہ معنی لے کر اب اس آیت کے الفاظ کو دیکھئے کہ اللہ کا ہی ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے، تو اسکے معنے یہ ہے کہ اگر تم اس زمینی زندگی میں کچھ چاہتے ہو تو وہ بھی اللہ ہی دے سکتا ہے جس کا اس زمین میں سب کچھ ہے کیونکہ اس نے اس سب کچھ کو پیدا کیا۔ اور آسمانوں یعنی اگلی زندگیوں میں بھی جو کچھ ہے وہ اس کا ہے کیونکہ اُسی نے وہاں سب کچھ تمہارے لئے بنایا ہے اور وہی تمہیں دے سکے گا۔ اس لئے اس دنیا کی زندگی میں اور مرنے کے بعد اگلی زندگیوں میں انسان کا کل انحصار اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات پہ ہی ہے۔ دوسرے انسانوں نے یا اُن انسانوں نے جنہیں خدا بنا لیا گیا کیا دینا ہے جبکہ وہ خود ہر چیز کے لئے محتاج تھے۔

پھر فرمایا من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ وہ کون ہے جو اسکے پاس شفاعت کر سکے سوائے اسکی اجازت کے؟ شفاعت کے مضمون پہ میں پچھلے درسوں میں روشنی ڈال چکا ہوں۔ بدقسمتی سے یہ عام خیال ہے کہ فلاں، فلاں ہماری شفاعت کر کے ہمیں بچا لیگا اور اسی لئے پیغمبروں کو بھی پوجا جاتا ہے اور ولیوں، پیروں، فقیروں کی قبروں کو بھی۔ مذہب عیسائیت کی بنیاد ہی ہے حضرت مسیح کے انسانوں اور خدا کے درمیان شفیع ہونے پر۔ تو شرک کی بنا اس شفاعت کے مسئلہ کو غلط سمجھنے پہ ہے۔ جیسا کہ میں بتا آیا ہوں اور یہاں بھی ظاہر ہے شفاعت کی اجازت بھی دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اسلئے اسکی فرمانبرداری کر کے اُسے راضی کرو نہ کہ اُسکے شریک بنا کر اسے ناراض کرو۔ اگر کوئی شخص کسی نبی کی پوری اطاعت کر کے اس سے تعلق رکھتا ہو گا (شفاعت کے معنے جوڑ یعنے تعلق کے ہیں) اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو باوجود اسکی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے بخشنا چاہے گا تو وہ اس نبی کی عزت افزائی کے لئے اس سے پوچھا جائیگا کہ کیا تم اسکے بارہ میں کوئی شفاعت کرنا چاہتے ہو تو ہی اس نبی کو اجازت ہو گی کہ وہ سفارش کر سکے ورنہ نہیں۔ اسی طرح جو شخص اپنی نیکیوں کیوجہ سے مومنوں یا فرشتوں سے تعلق یا جوڑ رکھتا ہو گا اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو باوجود اسکی بعض کمزوریوں یا نقصوں کے بخشنا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ ان مومنوں یا فرشتوں کی عزت افزائی کے لئے ان کو اجازت دیگا کہ وہ اسکے بارہ میں سفارش کر سکیں۔ بغیر اجازت کے اگر کوئی سفارش کرتا ہے، جیسا کہ دنیا کا طریق ہے، تو اول تو جو سفارش کرنیوالا جس کے پاس سفارش کی جائے اس پر کوئی حق یا دباؤ رکھتا ہے جسکی بنا پر وہ سفارش کی جرأت کرتا ہے۔ دوئم ایسی سفارش میں مخفی یہ امر ہوتا ہے کہ اگر میری بات نہ مانی گئی تو میں ناراض ہو جاؤں گا چنانچہ میں نے ساری عمر سرکاری عہدوں پہ رہ کر دیکھا ہے کہ اگر میں نے کسی کی سفارش نہیں مانی تو وہ اگر ظاہر میں نہیں تو دل میں ضرور مجھ سے ناراض ہوا کہ میں نے اسکی بات کی پرواہ نہ کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ پہ نہ کسی کا حق یا نعوذ باللہ دباؤ ہو سکتا ہے کہ وہ اسکی بنا پر بغیر اللہ تعالیٰ کے اذن کے سفارش کر سکے اور نہ کوئی ایسی جرأت یا گستاخی کر سکتا ہے کہ اگر میری سفارش نہ مانی گئی تو مجھے بُرا لگے گا یا میرے ناراض ہو جانے کا امکان ہے۔

آیت الکرسی کے اگلے الفاظ میں ایک اور وجہ بتائی کہ کیوں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہ ہو سکے گی اور وہ الفاظ یہ ہیں۔ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم وہی جانتا ہے کہ جو اُن کے آگے ہے یا اُن کے پیچھے ہے۔ یعنے انسان کے اگلے اور پچھلے حالات کا پورا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے کسی اور کو نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ

ہی فیصلہ فرما سکتا ہے کہ وہ انسان بخشنے کے قابل ہے یا نہیں۔ انسان نے جو کچھ کیا وہ کن حالات میں کس نیت سے کیا یا آئیندہ انسان کیا کریگا۔ وہ علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہو سکتا ہے کسی اور کو نہیں۔ اس لئے اگلے الفاظ کیا عمدہ آتے ہیں ولا یحیطون بشیءٍ من علمہ الا بما شآء یعنے دوسرے اسکے علم میں سے کسی چیز پر احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اُس کے جو وہ چاہے۔ انسانوں کو جو بھی علم ہوتا ہے خواہ وہ اس دنیا کا ہو یا اگلے جہانوں کا، خواہ وہ انسان کے ظاہر کا ہو یا باطن کا وہ صرف اتنا ہوتا ہے جتنا کہ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے۔ تو فرمایا کہ اپنے ناقص علموں پر اللہ تعالیٰ کے علم کا اندازہ مت لگاؤ۔ ماضی یا حال کا علم جو انسانوں کو ہوتا ہے وہ بھی نامکمل اور ناقص ہوتا ہے جیسا کہ تاریخ دان یا سائنس دان جانتے ہیں تبھی تو سائنس کے علوم کبھی ختم نہیں ہونے پاتے اور دن بدن نئے نئے انکشاف ہو کر پچھلے علم ناقص اور نامکمل اور بعض وقت غلط ثابت ہوتے ہیں۔ مگر کُل کا علم یا علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ہاں وہ اس علم غیب کا ثبوت یوں دیتا ہے کہ اپنے رسولوں یا نیک بندوں کو پہلے سے بتا دیتا ہے یا اس نے قرآن کریم کو تو علم غیب سے بھر دیا ہے جو آج چودہ سو سال بعد پورا ہو رہا ہے اور ابھی خدا جانے کتنا اور پورا ہوگا۔ عجیب بات یہ ہے کہ آج سائنس نے بھی اللہ تعالےٰ کے علم غیب کو تسلیم کیا ہے مگر یہ بہت بڑا مضمون ہے جو کسی اور موقعہ پر میں انشاء اللہ سائنس دانوں کی زبانی سناؤں گا مگر ہمیں سائنسدانوں کی تصدیق کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم میں جو لاانتہا علم غیب موجود ہے اور رسول اللہؐ کی ہزارہا پیشگوئیوں میں جو آپؐ نے اللہ تعالےٰ سے علم پا کر کیں اور دوسرے اولیاء اللہ اور مجددین کو جو اللہ تعالےٰ نے اپنے علم غیب سے خبریں دیں اور وہ پوری ہو گئیں۔ یہ ہمارے لئے کافی ثبوت ہے۔

وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض۔ اللہ کی حکومت یا اللہ کا علم آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ کرسی کا لفظ عام طور پر اُس چیز کو کہا جاتا ہے جس پر انسان بیٹھتا ہے۔ بغیر تفصیل میں جائے ہوئے کہ اس کا وقت نہیں میں نے بتایا ہے کہ کرسی کے دونوں معنی علم یا حکومت کے ہیں۔ اور دونوں صحیح ہیں۔ چونکہ اللہ تعالےٰ نے آسمانوں کو، خواہ وہ مادی آسمان ہوں یا اگلے عالم کے آسمان، پیدا کیا ہے اس لئے اس کا علم اور اسکی حکومت آسمانوں اور زمین دونوں پر حاوی ہے علم کے ساتھ حکومت ملتی ہے۔ مثلاً انسان کا سائنس کا علم جُوں جُوں بڑھتا ہے انسان اس کائنات پر زیادہ سے زیادہ حکومت کرنے لگتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ جو زمین و آسمانوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا علم اور اسکی حکومت نہ صرف اس جہان پر ہے بلکہ اگلے جہانوں پر بھی ہے۔ تو انسان اس زندگی میں اور اگلی زندگیوں میں اللہ تعالیٰ کی حکومت سے باہر نہیں ہوگا اسکو ناراض کر کے جائے گا کہاں؟ اس دنیا کا فائدہ چاہتے ہو یا اگلی زندگیوں کا تو اللہ کو راضی کرو۔ اور وہ اس کی فرمانبرداری میں ہے۔

ولا یؤدہٗ حفظھما آسمانوں اور زمین کی حفاظت اسکو تھکاتی نہیں۔ اگر وہ تھک جائے تو زمین و آسمان ختم ہو جائیں۔ یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں اور آخرت میں اپنی حفاظت چاہتے ہو تو وہ صرف اللہ تعالےٰ کی حفاظت میں آجانے سے ہے ورنہ نہیں۔

وھو العلی العظیم۔ علیّ کے معنے ہیں اپنی صفات اور خوبیوں کیوجہ سے اعلیٰ اور بلند اور عظیم کے معنی ہیں ظاہری بڑائی یا اپنی حکومت یا طاقت کیوجہ سے عظیم۔ علیّ کو پہلے رکھا کہ صفات اور خوبیوں سے اصل بلندی ہے۔ چنانچہ انبیاء اور اولیاء جو خدائی صفات اپنے اندر پیدا کرتے ہیں وہ، وہ عزت پاتے ہیں جو ظاہری بادشاہ یا حاکم نہیں پاتے اگرچہ ظاہری حکومت یا دبدبہ کیوجہ سے بھی لوگوں کو عزت ملتی ہے تو فرمایا کہ تم اپنے اندر اخلاقی بلندی پیدا کرو تو ہی ظاہری عظمت بھی تمہارے لئے باعث عزت ہوگی ورنہ نہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ظاہری حاکم شروع شروع میں اپنے عہدے کیوجہ سے عزت پاکر پھر اپنی اخلاقی اور باطنی برائیوں کیوجہ سے ذلیل ہو جاتے ہیں۔ العلی العظیم کے الفاظ کی ترتیب میں یہ بھی فرمایا کہ تم اپنے اخلاق اور باطن کو صحیح کرو تو ظاہری اور دنیاوی بڑائی بھی اللہ تعالیٰ تمہیں دے گا۔

* * * *

اپیل برائے دستکاری

خواتینِ سلسلہ احمدیہ کے نام

جلسہ سالانہ ۱۹۸۳ء کی تاریخوں کا اعلان ہو چکا ہے ۲۲ دسمبر کا دن خواتین کے جلسہ اور نمائش دست کاری کے لئے مخصوص ہے حسب دستور نمائش دستکاری کا اہتمام ہوگا۔ خواتینِ سلسلہ سے درخواست ہے کہ اپنے جلسہ کو بارونق اور نمائش دستکاری کو کامیاب بنانے کی بھرپور کوشش فرمائیں۔ اور اپنی تیار کردہ دستکاری کے عطیات جلد از جلد منتظمات تک پہنچائیں۔ بیرون لاہور جماعتوں کی صدر اور سیکرٹری اپنے اپنے شہروں کی دستکاری کی قیمتیں مقرر کر کے پوری فہرست تیار کر کے ساتھ لائیں۔ نمائش دستکاری میں فروخت کے انتظام کے لئے اپنی رضاکار لڑکیاں نامزد کریں۔

بیگم صفیہ جاوید
معاون انچارج دستکاری
۴۵ ۔ احمد پارک ڈاکخانہ فیروز پور روڈ
لاہور ۱۶

[illegible] ساتھ بھی جاری ہے،

حضرت صاحب کے مریدوں میں بھی ایسے بہت سے بزرگ ہوئے ہیں جنہیں اللہ نے کشف و الہام کی نعمت سے نوازا،

خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز، بتاریخ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۳ء، بمقام دار السعید، ایبٹ آباد

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ حٰم السجدۃ کی ان آیات کی تلاوت کی۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ ---- نزلاً من غفور رحیم (۳۰ تا ۳۲)

ان آیات کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ان آیات میں جو میں نے ابھی تلاوت کی ہیں اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر استقامت دکھاتے ہیں یعنی موافق و ناموافق حالات میں اس سیدھے راستہ پر جمے اور ڈٹے رہتے ہیں۔ وہ ذرا ادھر اُدھر نہیں ہوتے اور نہ اُن کے پاؤں میں لغزش آتی ہے یہی لوگ ہیں جن پر فرشتے اترتے اور انہیں تسلی دیتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لئے اس میں وہ سب کچھ ہے جو تمہارے دل چاہیں اور تمہارے لئے اس میں وہ سب کچھ ہے جو تم مانگو۔ یہ تمہاری مہمانی بخشنے والے رحم کرنے والے اللہ کی طرف سے ہے۔

ترجمہ بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ گذشتہ دو خطبات میں میں نے "یعلم السر واخفیٰ" کے متعلق بتایا تھا کہ حضور صلعم کی بے شمار پیشگوئیاں آپکی اپنی زندگی میں پوری ہوئیں اور بے شمار آپ کے اس جہان سے رخصت ہو جانے کے بعد پوری ہوئیں اور قیامت تک پوری ہوتی رہیں گی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ سب کچھ آپ کو اللہ نے بتایا جو بھیدوں اور ان سے بھی مخفی تر باتوں کا جاننے والا ہے تاکہ اس کا یہ قول کہ "ما انزلنا علیک القراٰن لتشقیٰ" ہر زمانہ میں پورا ہوتا ہے اور یہ گواہی دیتا ہے کہ قرآن کریم آپ پر اس لئے نہیں اتارا گیا تھا کہ آپ اپنے مقصد اور غرض و غایت رسالت میں ناکام رہیں۔ آپ اس مشن میں یعنی غلبہ اسلام کے مشن میں اپنی زندگی میں بھی کامیاب رہے اور اسی قرآن کریم کے ذریعے آپ کے بعد بھی اسلام کا غلبہ ہر زمانے اور صدی میں جاری رہا حتیٰ کہ "واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم" کی آپ کی پیشگوئی کے مطابق اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود کے ہاتھوں یہ غلبہ اسلام ہر جہت سے اپنے کمال کو پہنچا۔

میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ چودھویں صدی میں یعلم السر واخفیٰ کے ہزاروں نشانات حضرت صاحب کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے جن کے دوست دشمن گواہ ہیں۔ حتیٰ کہ آریہ بھی جو اسلام اور اسکی سچائی کے سخت دشمن ہیں وہ بھی ان کے شاہد ہیں۔ ان کی چند ایک مثالیں بطور نمونہ مشتے از خروارے میں نے بیان کی تھیں۔ کیونکہ سعادت مند، منصف مزاج اور معقول انسانوں کے لئے چند ایک باتیں بھی تسلی اور اطمینان کا موجب ہو جاتی ہیں اس امت میں اظہار غیب کا سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا کیونکہ یہ آنحضرت صلعم کی کامیابی اور آپ کے خاتم النبیین ہونے پر بڑی بھاری دلیل ہے اس لئے کہ مکالمہ و مخاطبہ کا یہ شرف اب صرف رسول صلعم کی کامل اتباع سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اس کے بغیر نہیں۔ اس امت کے صالحین کے ساتھ بھی اللہ تعالےٰ کا یہ سلوک جاری رہا ہے۔ خود ہمارے اپنے سامنے ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ حضرت صاحب کے مریدوں میں سے ہماری جماعت کے بزرگوں میں سے بعض کو علم غیب کا کچھ کچھ حصہ ملا۔ اُن کی دعائیں قبول ہوئیں اور جس طرح اللہ تعالےٰ نے ان کو بتایا اُسی طرح پورا ہوا۔

اس کا ثبوت قرآن اور حدیث دونوں میں موجود ہے۔ ایسے لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اس پر مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رہتے ہیں قرآن کریم نے ایک دوسرے مقام پر اولیاء اللہ فرمایا ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین اٰمنوا وکانوا یتقون۔ لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ۔ لا تبدیل لکلمٰت اللہ۔ ذالک ھو الفوز العظیم۔

یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے جو ایمان لائے اور تقوا کرتے تھے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔

پہلی آیت جو میں نے پڑھی ہے اس میں ہے قالوا ربنا اللہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اس آیت میں الذین اٰمنوا جو ایمان لائے دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے وہ زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے یعنی اس پر ایمان لاتے ہیں لیکن صرف زبان سے اقرار کر لینا اور اس کا زبانی ورد کرتے رہنا کافی نہیں۔ پہلی آیت میں اس کے بعد الفاظ ہیں ثم استقاموا پھر وہ اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے ہیں اور دوسری

آیت میں جو میں نے پڑھی ہے الفاظ ہیں "کانوا یتقون" "اور تقویٰ اختیار کرتے تھے" سیدھی راہ پر مضبوطی سے ڈٹے رہنے کا مطلب ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں اور انہیں اس دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بشارتیں دیتے ہیں کہ نہ تم غمگین ہو اور نہ کسی قسم کا خوف کھاؤ کیونکہ تم اللہ کے دوست ہو۔ وہ تمہارا دوست ہے۔ وہ تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گا کیونکہ یہ اس کے منہ کی باتیں ہیں جو کبھی بدل نہیں سکتیں یعنی ابتداء سے اس کی یہی سنت اور قانون رہا ہے کہ اس نے ہمیشہ اپنے دوستوں کا ساتھ دیا ہے۔

غم اور خوف کا تعلق تو اس دنیا کی زندگی کے ساتھ ہے اس لئے اس دنیا میں بشارتیں ملنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور وہ انسانوں کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے۔ اس کے اور اس کے دوستوں کے درمیان ایک تعلق قائم ہے جس کی نشاندہی یہ بشارتیں کرتی ہیں۔ اگر اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی یہ باتیں پوری نہ ہوں اور جسے وہ فوز العظیم کہتا ہے یہ عظیم کامیابی نصیب نہ ہو۔ تو آخرت پر کیسے یقین پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ دنیا کو آخرت کی کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اعمال کا نتیجہ اس دنیا میں بھی ملنا لازمی ہے ورنہ جو چیز ہماری نظروں سے اوجھل ہے اس پر یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔

یہ بشارتیں کیا ہیں ان کی تشریح ہمیں احادیث میں ملتی ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم فرماتے ہیں "لم یبق من النبوۃ الا المبشرات کہ نبوت میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا مگر مبشرات" اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ حضور مبشرات کیا ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا: الرؤیا الصالحۃ۔ رویا صالحہ اور یہ رؤیا صالحہ کیا ہے اس کے متعلق حضرت عائشہ نے یہ بیان فرمایا ہے اول ما بدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لا یریٰ رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح، پہلے جو وحی آنحضرت صلعم پر شروع ہوئی وہ حالت خواب میں سچا رؤیا تھا۔ سو آپ جو خواب دیکھتے صبح کی روشنی کی طرح اس کی سچائی ظاہر ہو جاتی۔

یہاں رؤیا صالحہ کے لئے لفظ "وحی" استعمال ہوا ہے۔ یعنی رؤیا صالحہ بھی اقسام وحی میں سے ایک قسم کی وحی ہے۔ اسی لئے اس حدیث میں کہ الرؤیا صالحۃ جزء من ستۃ واربعین جزء من النبوۃ رؤیا صالحہ کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ بیان کیا گیا ہے

اس سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ پر فرشتے نازل ہوتے ہیں وہ انہیں بشارتیں دیتے ہیں۔ احادیث کے رو سے یہ بشارتیں رؤیا صالحہ اور مکاشفات و الہام کی صورت میں ہوتی ہیں اور وحی کی ایسی اقسام میں داخل ہیں جو نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں اور یہ سلسلہ امت محمدیہ میں جاری و ساری ہے۔ جو لوگ اس سے انکاری ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے انہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا ہے:

لقد کان فیمن کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء۔

بنی اسرائیل میں جو تم سے پہلے تھے ایسے لوگ تھے جن سے مکالمہ ہوتا تھا۔ حالانکہ وہ نبی نہیں ہوتے تھے۔ بنی اسرائیل کے مرد تو مرد ان کی عورتوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو باتیں کیں وہ تو سورۃ طٰہٰ کی آیات ۳۸، اور ۳۹ میں ریکارڈ ہو گئی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں "جب ہم نے تیری ماں کی طرف وحی کی جو اب وحی کی جاتی ہے کہ اسے صندوق میں ڈال دے پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دے تو دریا اسے کنارے پر ڈال دیگا تاکہ میرا اور اس کا ایک دشمن اسے لے لے۔"

حضرت موسیٰ کی ماں یقیناً نبیہ نہ تھیں لیکن ان کی طرف یہ وحی کی گئی۔ اس کے علاوہ حضرت مریم پر بھی وحی کی گئی جہاں انہیں حضرت مسیح کی پیدائش کی بشارت دی گئی۔ یہ سارا سلسلہ کلام سورۃ مریم کی آیات ۱۷ تا ۲۱ میں درج ہے حضرت مسیح کے حواریوں کو بھی وحی کئے جانے کا ذکر ہے۔

"واذا وحیت الی الحوارین ان امنوا بی وبرسولی ج قالوا امنا واشھد باننا مسلمون۔"

اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔" (المائدہ: ۱۱۱)

بنی اسرائیل کی عورتوں اور مردوں کو جو یقیناً نبی نہیں تھے وحی ہو تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں لیکن حضرت مرزا صاحب اگر کہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کلام کرتا ہے تو ان کے ساتھ نفرت اور دشمنی کی وجہ سے قرآن کریم کی ان آیات اور آنحضرت صلعم کی احادیث کو پس پشت پھینک دیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلعم جو خاتم الرسل اور رحمۃ للعلمین کی امت اس نعمت سے یکسر محروم ہے جو بنی اسرائیل کو دی گئی ایسا خیال کرنا اسلام، قرآن اور آنحضرت صلعم کی توہین ہے۔ خدا کا خوف کرنا چاہیئے۔ اس کا نتیجہ اسلام کو دیگر مذاہب کی طرح ایک مردہ اور ناکارہ دین ثابت کرنا ہے۔ اس امت میں جو اولیاء اللہ اور صالحین گذر چکے ہیں ان کی تو بعض ایسی کرامات کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جنھیں عقل تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اگر اس قسم کی کرامات اور معجزے اُن کے وجود سے وقوع میں آئے بھی تو انہیں بھی آنحضرت صلعم کی کامل پیروی کی طرف منسوب کرنا ہوگا کیونکہ بغیر آپ کی غلامی کا جُوا اپنی گردن میں ڈالنے کے کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس طرح کی کرامات کا ظہور بغیر تتبع آنحضرت صلعم کے اس کے اپنے وجود سے ہوا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں۔ ؎

کرامت گرچہ بے نام و نشان است
بیا بنگر ز غلمان محمدؐ

کرامت کا اگرچہ ظاہراً کوئی نام و نشان اور وجود نظر نہیں آتا لیکن اگر تم دیکھنا چاہتے ہو تو آؤ محمدؐ کے غلاموں کے ذریعے اسے دیکھو یعنی جو بھی حضور صلعم کی غلامی میں آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے نشانات و کرامات ظاہر فرمائے گا۔ جو آپ کی اور اسلام کی زندگی کا ثبوت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ میں اس سلسلے میں پچھلے خطبہ میں حضرت نبی کریم صلعم اور حضرت مسیح موعود کی بہت سی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا ذکر کر چکا ہوں اور ساتھ ہی میں نے کہا تھا کہ اس امت کے اولیاء اللہ، صالحین اور حتیٰ کہ حضرت کے مریدوں پر بھی اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں ظاہر فرماتا رہا ہے اور وہ پوری ہوتی رہی ہیں میں اپنی بات کو یہیں ختم کرنا چاہتا تھا لیکن اس روز میرے بیٹے عبدالکریم سعید نے مجھے کہا ہے کہ میں اس کے متعلق ان لوگوں کا بھی ذکر کر دوں تو ہمارے ایمان کو مزید تقویت حاصل ہو گی۔ اس لئے میں مختصراً اس کا ذکر بھی کر دیتا ہوں۔

* سب سے پہلے اولیاء اللہ تو حضرت نبی کریم صلعم کے صحابہ کرام تھے جن کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفوس آپ کے ذریعہ ہوا تھا اور جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ ان سب کا ذکر کرنا ممکن نہیں اس لئے میں آپکے خلفائے راشدین میں سے خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ فاروق کے ایک تاریخی واقعہ کا مختصراً ذکر کر دیتا ہوں انکی خلافت کا دور مسلمانوں کی فتوحات، شان و شوکت اور اسلامی سلطنت کے استحکام کا زمانہ تھا۔ ایک دفعہ آپ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ خطبہ کے دوران میں آپکی زبان سے یہ الفاظ نکلے "یا ساریۃ الجبل" سامعین حیران تھے کہ خطبہ کے موضوع سے ہٹ کر آپنے یہ کیا بات کہہ دی۔ دراصل واقعہ یہ تھا کہ کشفی طور پر آپکے سامنے اس میدان جنگ کا نقشہ لایا گیا جس میں اسلامی فوج دشمن سے برسرِ پیکار تھی۔ اس فوج کے کمانڈر حضرت ساریہ تھے۔ آپنے وہیں سے انہیں حکم دیا کہ ساریہ پہاڑ کا رُخ کرو۔ حضرت ساریہ نے بعد میں بتایا کہ امیر المؤمنین کی یہ آواز میں نے سُنی اور آن کی ہدایت پر عمل کیا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ فوج ایک دور دراز مقام پر لڑ رہی ہے اور حضرت عمرؓ میدانِ جنگ کا نقشہ مدینہ میں کھڑے خطبہ کے دوران میں دیکھتے اور وہیں سے آواز دیتے ہیں۔ یہ آواز حضرت ساریہؓ کو سنائی دیتی ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کو کس نے بتایا اور حضرت ساریہ کو یہ آواز اتنی دُور کس نے پہنچائی۔ سوائے اللہ تعالےٰ کے ایسا کرنا کس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

* اب میں چند ایک واقعات کا ذکر کرتا ہوں جو میرے ذاتی علم اور مشاہدہ میں آئے ہیں۔

* حضرت سید امیر صاحب جو پیر صاحب کوٹھہ والے کے نام سے اپنے زمانہ کے مشہور ولی اللہ گذرے ہیں۔ (کوٹھہ تحصیل صوابی ضلع مردان صوبہ سرحد کا ایک مشہور گاؤں ہے) آپ حضرت صاحب کے دعوے سے بہت پہلے وفات پا چکے تھے آپ نے اللہ تعالےٰ سے علم پاکر فرمایا "مہدی پیدا ہو گیا ہے۔ لڑکا ہے۔ پنجابی بولتا ہے۔ میرے بعض آشنا (ماننے والے) مہدی آخر زماں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور اسکی باتیں اس کے کانوں سے سُنیں گے"۔ یعنی اس کو قبول کریں گے۔ چنانچہ جب حضرت صاحب نے دعوای کیا تو میرے والد حضرت مولانا محمد یحییٰؒ اور چچا حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نے حضرت صاحب کی بیعت کر لی۔

ان کے حضرت صاحب کو ماننے کا واقعہ یہ ہے کہ میرے دادا حضرت مولانا محمد سعید صاحبؒ پیر صاحب کوٹھہ والے کے خاص مرید اور خلیفہ تھے۔ پیر صاحب اکل حلال اور تقوا سے پر بڑا زور دیتے تھے۔ ایک بار میرے دادا اور میرے والد حضرت پیر صاحب کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپنے میرے والد پر توجہ دینے کے بعد فرمایا کہ یحییٰ میں بڑی استعداد ہے اس میں شک نہیں کہ ان کو اللہ تعالےٰ نے دین و دنیا کے معاملات میں بڑی استعدادیں عطا کی تھیں لیکن جس خاص استعداد کی طرف حضرت پیر صاحب نے اشارہ کیا تھا وہ اللہ تعالےٰ کے مامور کی شناخت کی استعداد تھی۔

ایک دن میرے دادا مسجد میں شام کی نماز کے لئے وضو کر رہے تھے کہ آپ کی نظر پہلی محرم کے چاند پر پڑی۔ آپکے پاس ہی صفدر نامی ایک دوسرا آدمی تھا۔ اس سے آپ نے کہا کہ صفدر! یہ چودھویں صدی کا چاند ہے اور امام مہدی کے ظہور کا وقت ہے۔ آپنے اپنے دونوں بیٹوں میرے والد اور چچا کو وصیت کی کہ تم مہدی کے دعوے تک صبر کرنا اور جب وہ دعوای کرے تو تم اس کے پاس دوڑ کر جانا۔ دوکانداروں کے پیچھے نہ پھرنا۔ جب حضرت صاحب نے دعوای کیا تو ان دونوں بیٹوں نے آپ کو قبول کر لیا حضرت صاحب نے میرے والد کے نام اپنی کتاب (نام یاد نہیں رہا) بھیجی اور اس پر اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا "یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ۔ اے یحییٰ اس کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ آپ نے اس مضبوطی سے پکڑا کہ شدید سے شدید مصائب و آلام کا مقابلہ کیا (اور یہ دونوں بھائی حضرت صاحب کے ایسے عاشق ہوئے کہ فنا فی الشیخ ہو گئے۔ مرتب)

* حضرت سید اسد اللہ شاہ صاحبؒ کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ شاہ صاحب نے حضرت صاحب کو بھی اپنے ایک الہام کی بنا پر قبول کیا تھا۔ میری ان سے پہلے کوئی واقفیت نہ تھی ایک جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ان سے مختصر سی ملاقات اور تعارف ہوا۔ میں نے انہیں خط لکھا کہ میں غمگین رہتا ہوں۔ میرے لئے دُعا کریں۔ آپنے دعا کی اور آپ کو یہ الہام ہوا کہ "اتنا غم نہ کریں۔ بچت کریں اور حج کے لئے تیاری کریں"۔ یہ بات سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی کو معلوم نہ تھی کہ میں بچت نہیں کرتا تھا۔ جو آتا خرچ کر دیتا تھا۔ اور یہ کہ میں نے حج کا ارادہ کیا تھا لیکن بیماری کیوجہ سے ترک کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندے پر راز کھولتا ہے میرا غم ہلکا ہو گیا۔ اور حضرت شاہ صاحب سے تعلق قائم ہونے کا ذریعہ یہی الہام ہوا۔ بعد کے بہت سے واقعات نے اس کی تصدیق کر دی کہ اللہ تعالےٰ شاہ صاحب سے بولتا اور جواب دیتا ہے میں نے بچت بھی شروع کی اور اللہ تعالےٰ نے حج کی توفیق بھی بخشی۔

* جب پاکستان بن گیا تو اکثر لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ ایک نادار اور غریب ملک ہے معاشی لحاظ سے یہ کیسے قائم رہ سکے گا۔ شاہ صاحب نے دُعا کی تو آپ کو یہ الہام ہوا۔ " ملء الارض ذھبا " زمین سونے سے بھر جائے گی۔ اس الہام کی سچائی کو دیکھنا ہو تو گاؤں گاؤں جاکر دیکھیں جو سہولتیں کسی زمانہ میں شہروں میں میسر نہ تھیں وہ آج گاؤں میں نظر آتی ہیں۔
* ایک دفعہ میری بچی بیمار تھی۔ شاہ صاحب نے دعا کی تو آپ کو ۱۱ جولائی ۴۹ء کو یہ الہام ہوا۔ " نجینہ واھلہ من الکرب العظیم۔ ہم نے اُسے اور اسکے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔ پہلے تو ہم نے اس الہام کو بچی کی بیماری کے متعلق ہی سمجھا لیکن اسکے ۲۷ سال بعد ۱۱ جون ۷۶ء کو جو عظیم حادثہ ایبٹ آباد میں ہم پر گذرا اس سے اس الہام کی حقیقت ہم پر واضح ہوگئی۔ ۱۱ جولائی اور ۱۱ جون میں گیارہ کا ہندسہ قابل غور ہے۔
* ایک بیمار ڈاکٹر بہادر سنگھ ڈاڈر سینی ٹوریم میں میرے زیر علاج داخل ہوا اُسے ذیابیطیس بھی تھی اور ٹی۔ بی بھی۔ میں نے اس کا آپریشن کرنا چاہا لیکن ذیابیطیس کیوجہ سے تامل سے کام لیتا رہا کہ ٹھیک ہو جائے تو تب اپریشن کروں کیونکہ ذیابیطیس کا اپریشن خطرے سے خالی نہیں ہوتا اور زخم کو بھرنے اور مندمل ہونے میں بہت دیر لگتی ہے آخر کار میں نے اللہ تعالے پر توکل کر کے اس کا آپریشن کر ہی دیا لیکن اپریشن کے بعد مجھے اس کا بے حد غم ہوا کہ کہیں مریض ختم ہی نہ ہو جائے میں نے شاہ صاحب سے دُعا کے لئے درخواست کی۔ شاہ صاحب نے دُعا کی تو ان کو الہام ہوا " نجینہ من الغم وان تقطعت بھم الاسباب " ہم نے اُسے غم سے نجات دی اگرچہ (اس کی زندگی کے) اسباب منقطع ہو چکے تھے۔ مریض اللہ کے فضل سے صحت یاب ہوکر ڈیرہ دون چلا گیا۔
* میرے ایک عزیز مبارک عبداللہ نے دعا کے لئے درخواست کی تو شاہ صاحب کو الہام ہوا " دَلے دی بانہہ بھج گئی " یعنی دَلے کا بازو ٹوٹ گیا۔ کوئی ڈیڑھ سال کے بعد مبارک عبداللہ کا بازو ٹوٹ گیا۔
* ہمارے عزیز کرنل شوکت پٹنہ (بہار) انجینیئرنگ کالج میں پڑھتے تھے۔ اُن کا آخری امتحان تھا انہوں نے اپنی کامیابی کے لئے شاہ صاحب کو دُعا کے لئے عرض کیا۔ شاہ صاحب نے دُعا کی تو آپ کو جواب ملا "سارے ہی لنگھ گئے" سارے مسلمان لڑکے جو شوکت کے ہم جماعت تھے پاس ہو گئے۔
* شاہ عبدالعزیز صاحب داتہ کے رہنے والے ہیں انہوں نے ۲۶ نومبر ۴۷ء کو سب جج کے لئے درخواست دی اور شاہ صاحب کو دُعا کے لئے کہا دُعا کے جواب میں شاہ صاحب کو الہام ہوا۔ " ۲۲ ہفتے اور انتظار کرو " پورے ۱۵۴ دن کے بعد جو ۲۲ ہفتے ہوتے ہیں ان کی درخواست منظور ہوگئی۔ اور وہ سب جج بن گئے۔ بعد میں ترقی کر کے ہائی کورٹ کے جج ہوئے۔
* فروری ۱۹۵۰ء میں احرار تحریک کے متعلق آپ کو الہام ہوا۔ "جلد ختم ہو جائے گی" اور ختم ہوگئی۔
* اپنی جماعت کے متعلق دُعا کی تو الہام ہوا۔ الم تر الی الذین مستضعفین فی الارض ظاھریب " کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جنہیں زمین میں کمزور سمجھا جاتا تھا اور آخر کار وہ غالب آگئے (یہ الہام ابھی پورا ہونا باقی ہے۔ مرتب)
* حضرت ڈاکٹر بشارت احمدؒ کے ساتھ شاہ صاحب کو بڑا گہرا قلبی تعلق تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے بیٹے میاں ممتاز احمد فاروقی مرحوم کو بچپن میں نمونیا ہو گیا۔ شاہ صاحب کو ان کے متعلق الہام ہوا۔ " اسسٹنٹ انجینیئر ہوگا" حالانکہ انہوں نے لا کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ بعد میں میاں ممتاز فاروقی مرحوم واقعی انجینیئر بنے اور ایک اعلیٰ عہدہ پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔
* ہمارے ایک دوست ذوق اختر خاں سچا دادی بھوگر منگ کے رہنے والے ہیں۔ (یہ گاؤں ڈاڈر سے تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ مرتب) ان کے ماموں زاد بھائی محمد یونس کو قتل کے ایک مقدمہ میں سزائے موت ہوگئی۔ شاہ صاحب سے ذوق اختر نے دعا کی درخواست کی۔ شاہ صاحب مرحوم نے ۷ جون ۱۹۵۵ء کو کشف میں ایک ڈھیر دیکھا جو تین چھوٹے کپڑوں کی ڈھیریوں سے مل کر بنا ہوا تھا اس میں سے تین خون آلود دھجیاں برآمد ہوئیں۔ شاہ صاحب نے تعبیر فرمائی کہ تختۂ دار سے بچانے کیلئے مسل دوبارہ ملاحظہ ہوگی۔ اور فرمایا کہ مقدمہ کی مسل میں کوئی تین اہم نکات ایسے ہیں جن پر بحث ہوگی۔ ہائی کورٹ میں اپیل ہوئی۔ مسل منگوائی گئی۔ تو ان تین ہی نکات پہ بحث ہوئی۔ لیکن سزائے موت بحال رہی۔ وہ کچھ مایوسی کے عالم میں شاہ صاحب کے پاس آئے۔ شاہ صاحب نے انہیں اپنے خواب کی صداقت پر یقین دلایا۔ اسکے بعد فیڈرل کورٹ نے بھی یہ سزائے موت بحال رکھی۔ اس زمانے میں ڈاکٹر خاں صاحب ون یونٹ (مغربی پاکستان) کے وزیر اعلیٰ تھے۔ ان کے پاس رحم کی اپیل کی جو وہاں سے بھی نامنظور ہوگئی۔ ذوق اختر وغیرہ کو بے حد مایوسی ہوئی۔ پھانسی کی تاریخ بھی مقرر ہوگئی۔ انہیں آخری بار گورنر جنرل پاکستان کے پاس رحم کی اپیل دائر کرنے کا خیال آیا انہوں نے رحم کی اپیل میں تین ہی نکات لکھے یہ اپیل منظور ہوگئی۔ اور محمد یونس چھ سات سال کی قید کاٹ کر گھر واپس آگیا۔

شاہ صاحب کے اور بھی بے شمار الہامات ہیں جو میرے پاس ایک کاپی میں لکھے ہوئے ہیں اور وہ ہمارے سامنے پورے ہوئے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کا پورا ہونا ابھی باقی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کو جب کوئی دعا کے لئے درخواست کرتا تو اس کے لئے آپ کو بہت محنت کرنا پڑتی۔ رات کو ایک دو بجے

کے قریب اُٹھ جاتے۔ نفل پڑھتے اور اس کے ساتھ ہی کتنی ہی بار استغفار درود وغیرہ پڑھتے تب جاکر دعا کرتے اور اسکے جواب میں اللہ تعالےٰ جو کچھ آپ پر ظاہر فرماتا وہ بتا دیتے اور ویسا ہی ہو جاتا۔ یہ کوئی سنی سنائی باتیں۔ کہانیاں اور افسانے نہیں ہیں۔ یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوا ہے۔ اور ہمارے اپنے تجربہ میں آیا ہے۔ اسکے ذوق اختر اور بعض دیگر غیر از جماعت دوست بھی عینی گواہ ہیں۔ پھر ہم کس طرح یہ یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ چودہ سو سال سے خاموش ہو گیا ہے اور کوئی عاجز بندہ اسکو ڈھونڈنے اور پانے کے لئے کتنی ہی محنت کیوں نہ کرے وہ نہ اسکی دعا سنتا ہے اور نہ اسکی مدد کو آتا ہے بڑے افسوس کی بات ہے کہ حضرت صاحب سے جنھوں نے فلسفہ الہام کو زندہ کیا اور اسکے ثبوت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا عداوت اور نفرت کیوجہ سے لوگوں نے خدا کی ازلی ابدی صفات کا تعطل بھی قبول کر لیا ہے۔

میرے اپنے والد اور چچا حضرت مولانا محمد یعقوبؒ بھی صاحب کشف و الہام تھے وہ بھی اپنا بیشتر وقت یادالٰہی میں صرف کرتے۔ ان پر بھی اللہ تعالےٰ نے بڑے بڑے راز کھولے اور نشانات دکھائے۔ جو باتیں بظاہر بالکل ناممکن نظر آتی تھیں وہ ممکن ہو جاتیں۔ یہ سب کچھ حضرت صاحب کے دامن سے وابستگی کی بدولت ممکن ہوا۔ ہماری جماعت میں اور بھی کئی بزرگ ایسے ہوئے ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے کشف و الہام سے سرفراز فرمایا۔ یہ تجربہ کرنے کی بات ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جیسا کہ میں نے پہلے آیت کے ترجمہ میں بتایا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اس پر اپنے عمل کے ذریعے استقامت اختیار کرتے ہیں ان پر فرشتے اترتے اور انہیں بشارتیں دیتے ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ وحی نبوت کے بعد رؤیا۔ کشوف اور الہامات کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا ہے اور نہ ہی یہ کہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی نبوت کی طرح یہ سلسلہ بھی انبیاء کے ساتھ ہی مخصوص تھا۔ کیونکہ آیت مذکورہ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا ..... الخ میں عمومیت پائی جاتی ہے کسی قسم کی تخصیص نہیں۔ جو لوگ بھی یہ کہیں گے اور اس پر عمل کریں گے ان پر فرشتے اتریں گے اور انہیں بشارتیں دیں گے شرط یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کے کامل متبعین ہوں ورنہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ حضرت صاحب کے مریدوں میں سے بھی ایسے لوگ ہوتے جن سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا۔ اور جو کچھ بذریعہ رؤیا۔ کشف اور الہام انہیں بتاتا وہ پورا ہو کر رہتا۔

آپ نے یہ ساری باتیں سورۃ طٰہٰ کی ان آیات کی تشریح میں فرمائیں۔ وان تجھر بالقول فانہ یعلم السر و اخفی!!

الہام کے متعلق آپ نے فارسی کے یہ شعر پڑھے

عشق از الہام آمد در جہاں ۔ درد از الہام شد آتش فشاں

ہر کہ حق را یافت از الہام یافت ۔ ہر رُخے کو تافت از الہام تافت

ترجمہ:۔ اللہ تعالےٰ کے عشق کا دروازہ دنیا میں الہام ہی کے ذریعے سے کھلتا ہے۔ دل میں درد اور سوز و گداز کی آگ الہام ہی کے ذریعے بھڑکتی ہے۔ جس نے بھی حق یعنی اللہ تعالےٰ کو پایا الہام ہی کے ذریعے پایا اور جو چہرہ بھی نور سے روشن ہوا۔ وہ الہام ہی کی بدولت روشن ہوا۔ ؎

ہزار سر زنی و مشکلے نہ گردد حل ۔ چوں پیشں او بروی کار یک دُعا باشد

تو ہزار سر مارے اور ٹھوکریں کھائے کوئی مشکل حل نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر اپنی یہ مشکل پیش کرنے کے لئے تو اسکے سامنے کرے تو اس کا حل ایک دُعا ہی ہے۔

— * * * —

مکتوب تعزیت ، مولانا عبدالرحیم جگو صاحب یونریخت ہالینڈ

آہ ! مرزا مسعود بیگ صاحب بھی داغِ مفارقت دے گئے

نہایت غم و اندوہ کے ساتھ مرزا مسعود بیگ صاحب کی وفات کی خبر اخبار پیغام صلح میں پڑھی۔ دل کو ایک دھچکا لگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آج سے قریباً ۳۵ سال قبل میری ان سے واقفیت ہوئی تھی۔ اسوقت آپ لاہور میں ایک سرکاری سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ میں ان دنوں احمدیہ بلڈنگس میں دینی تعلیم کے حصول کے سلسلہ میں آیا ہوا تھا۔ آپ ہی کے مشورہ اور ہدایت پر میں نے تبلیغی کلاس میں داخلہ لیا۔ جب آپ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے جنرل سیکرٹری بنے تو اس وقت سے لے کر ان کی وفات تک میری مسلسل خط و کتابت ان کے ساتھ رہی۔ جب بھی مجھے سالانہ جلسہ میں شمولیت کا موقع ملتا تو سب سے پہلے ان کے پاس ملاقات کے لئے جاتا اور تبلیغی سلسلہ میں ان سے ایسی ہدایات حاصل کرتا۔ انکی وفات سے جماعت میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا مشکل ہے مگر ع

بلانے والا ہے سب سے پیارا + اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یوٹریخت کیطرف سے ان کے لواحقین تک اظہار تعزیت پہنچا دیجیئے۔ دُعا ہے کہ مولا کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں اونچا مقام عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ یہاں اُن کا جنازہ غائبانہ پڑھایا گیا۔

اخبارِ احمدیہ

* حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے شب بیدار اور تہجد گذار احباب اس بابرکت، فانی فی اللہ اور پُر انوار وجود کی بقا و سلامتی اور صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

یادِ رفتگاں ۔۔۔ از زاہد جنجوعہ لاہور

ہر چشم آبدیدہ

سال ۱۹۸۳ء اس اعتبار سے جماعت احمدیہ لاہور کے لئے خوش آیند نہیں رہا ۔ کیونکہ اس کے آغاز سے اب تک کئی قابل قدر ہستیاں اور قیمتی وجود پیوند خاک ہو گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ جناب محمد اعظم علوی صاحب ۔ محترمہ سلمیٰ ناصر احمد ۔ ماسٹر اصغر علی صاحب چوہدری فضل حق صاحب اور بھائی افتخار احمد کا جماعتی زندگی میں ایک منفرد مقام تھا

جناب مرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم و مغفور ایک پُر اثر خطیب اور بے مثال ادیب ہونے کے علاوہ بُرد بار و درد مند دل رکھنے والے انسان تھے ۔ مختلف تقاریب میں مدت سے آپ کی تقاریر سنتا رہا ہوں اور ہر بار ایک نئی فرحت اور تازگی حاصل ہوتی ۔ آپ کی تقریر فصاحت و بلاغت کا نمونہ ہوتی تھی اور اپنے خیالات ایسے دلنشیں پیرائے میں بیان فرماتے کہ سامعین میں دلچسپی بھی برقرار رہتی اور وہ بھرپور اثر بھی لے کر جاتے ۔ انداز گل افشانی گفتار کا یہ عالم تھا کہ ایسے ایسے لطائف و ظرائف ہو جاتے کہ اجتماع لوٹ پوٹ ہوتا رہتا لیکن بنیادی طور پر چونکہ آپ ایک رقیق القلب انسان تھے اس لئے جب کبھی سیرۃ النبیؐ یا حضرت امام الزمان کی حیات اقدس یا بسلسلہ "یاد رفتگاں" کوئی ایسا واقعہ سناتے جس میں کہ جذباتی رنگ ہوتا تو یہ آپ کے طرز بیان کا ہی اعجاز تھا کہ حاضرین مجلس پر بھی رقت طاری ہو جاتی ۔ فارسی اردو اور انگریزی ادب پر عبور رکھنے کی وجہ سے انداز بیان میں سادگی کے باوجود علمیت اور جامعیت پائی جاتی تھی ۔ آپ کی یہ خوبی ہمیشہ یاد رہے گی ۔ کہ آپ کی موجودگی میں اطفال یا نوجوان میں سے کسی نے کوئی قابل تحسین بات کہہ دی تو اُسے بھرپور انداز میں داد دیتے اور خوب حوصلہ افزائی فرماتے لیکن اگر علمی یا لفظی غلطی نکل آتی تو اس پر گرفت کی بجائے اصلاح فرماتے ۔ اس طرح کبھی کسی کو خفت نہ ہوئی ۔ مجھے اپنی تقریر کی تیاری کے لئے جب کبھی آپ کی راہنمائی اور مدد کی ضرورت پڑی تو بڑی خوشی سے اپنے پاس بیٹھنے کی سعادت بخشی ۔ اور تقریر کی تیاری کے علاوہ الفاظ کے صحیح اور تلفظ تک بھی بڑی خندہ پیشانی سے بتلاتے ۔

اللہ تعالیٰ نے آپکو ایک روشن اور صاف دماغ ، بڑی عمدہ یادداشت اور حافظے سے نوازا تھا ۔ کوئی بات کتنی پُرانی ہی کیوں نہ ہوتی اس کی جزئیات تک آپ کو بخوبی یاد رہتیں اور اگر کوئی اجنبی بھی آپ سے مل کر جاتا تو آپ کا انداز گفتگو اُسے مجبور کرتا کہ دوبارہ ملاقات کرے ۔ پُر اثر گفتگو کا راز بتلاتے ہوئے ایک بار مجھے یہ حدیث رسولؐ سنائی (ترجمہ : لوگوں سے کلام اُن کی فہم اور عقل کے مطابق کیا جائے) جماعت احمدیہ کے اکثر و بیشتر خاندانوں سے تعارف تھا اور مرحوم ان سب کی دینی و جماعتی قربانیوں سے خوب واقف تھے ۔ اور بہت سی باتیں جو قلم بند نہیں ہو سکیں ۔ جب آپ انکے حالات سنانا شروع کرتے تو ان کا بے حد گہرا اثر ہوتا اور جس کسی سے بھی ملتے اس کے گھر میں بچوں تک کے نام اور اشغال و مصروفیات آپکے علم میں ہوتیں ۔

آپ وضع دار اور مرنجان و مرنج شخصیت کے مالک تھے آپکی مقبولیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ غیر از جماعت علمی و ادبی حلقوں میں بھی آپ پہچانے جاتے تھے حتیٰ کہ جماعت احمدیہ ربوہ کے ذمہ دار لوگ بھی آپ کا نام ادب اور عزت سے لیا کرتے ہیں ۔

... آپ انجمن کے زیر انتظام چلنے والے ہائی سکول میں ایک کامیاب ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے بھی یاد رہیں گے آپ کی زندگی میں سے ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کس قدر درد مند دل رکھنے والے اور ہمدرد انسان تھے جن دنوں آپ مسلم ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے تو ایک دن آپ نے طلباء کو اسمبلی میں دیکھا کہ اکثر طلباء شدید سردی کے باوجود گرم کپڑے نہیں رکھتے آپ نے سٹاف سے وجہ معلوم کی تو پتہ چلا کہ غربت کی وجہ سے والدین اس بات کی استطاعت نہیں رکھتے کہ بچوں کو گرم کپڑے دلوا سکیں چنانچہ آپ نے ایک مخیر بزرگ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا اور اسی دوران میں آپ نے ان تمام طلباء کی تعداد بھی معلوم کر لی ۔ چنانچہ لنڈا بازار سے کوٹ منگوائے گئے اور ایک ایک کر کے طلباء آپ کے کمرے میں آتے گئے اور اپنے سائز کا کوٹ پہن کر دوسرے دروازے سے گھر جاتے رہے تاکہ اُن کے ساتھیوں کو کبھی اس بات کی خبر نہ ہو کہ یہ کپڑے کسی طرح کے خیراتی فنڈ سے دلوائے گئے ہیں ۔ مبادا اُن کی عزت نفس مجروح ہو ۔

ایک بار آپ کے ہمراہ گوجرانوالہ میں جناب منظور احمد صاحب قریشی کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا ۔ آپ نے ان کے جواں سال صاحبزادے مظفر قریشی کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے صبر اور راضی برضائے الہٰی رہنے کی تلقین ضرور فرمائی لیکن ایسی صورت حال ایک ستم رسیدہ باپ کی قلبی کیفیت پر کیا اثر ڈالتی ہے اس بارے میں آپ کے پُرسوز کلمات سن کر وہاں پر موجود ہر شخص اشکبار ہو گیا اور اب ۔۔۔۔ ؎

ہر دل ہے صرف ماتم ۔ ہر چشم آبدیدہ
دنیا سے اُٹھ گیا ہے کوئی خدا رسیدہ

---

۱ ۔ شکریہ تعزیت ۔

میں ان تمام احباب اور عزیزوں کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے قابل قدر بھائی محترم مرزا مسعود بیگ مرحوم کی وفات پر بذریعہ خطوط یا خود آ کر تعزیت فرمائی ۔ میرے لئے فرداً فرداً جواب دینا مشکل ہے بذریعہ پیغام صلح ان سب دوستوں کا اپنی طرف سے دلی شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ (میرزا مقبول بیگ احمدیہ بلڈنگس لاہور)

۲ ۔ شکریہ تعزیت : ہم اپنے دوستوں ، خیر خواہوں اور رشتہ داروں کے مشکور ہیں جنہوں نے مرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم اور میری بیوی کی وفات پر تعزیت نامے بصورت ٹیلی گرام خطوط اور ٹیلیفون ارسال کئے ۔ یا خود تشریف لائے ۔ انکی دعاؤں اور نیک تمناؤں نے ہمیں یہ غم برداشت کرنے کی طاقت بخشی ۔ خود ہمارے لئے ہر ایک کو انفرادی خط لکھنا ناممکن ہے اسلئے ہم بذریعہ پیغام صلح ان تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں ۔
ڈاکٹر عبدالعزیز و بیگم مرزا مسعود بیگ ۱۵ اسالک سٹریٹ مسلم ٹاؤن لاہور

باہتمام المدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا ۔ (چیف ایڈیٹر : ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ۔ مورخہ نومبر ۱۹۸۳ء ۔ جلد ۷۰ ، شمارہ ۴۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰی ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۰

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
ٹیلیفون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبد الرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے بیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

جلد ۔ ۷۰ | یوم چہارشنبہ ۱۷/۲۴ صفر المظفر ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۳/۳۰ نومبر ۱۹۸۳ء | شمارہ: ۴۷ - ۴۸

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

رسید مژدہ ز غیبم کہ من ہماں مردم ۔ کہ او مجدد ایں دین و رہنما باشد

فرمایا:-

"تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائیگا پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے ۔۔۔ مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئینگے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی ٹھٹھا کریں گی اور دنیا اُن کے ساتھ سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی وہ آخر فتحیاب ہونگے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائینگے"

(الوصیت ص ۹)

فرمایا:-

"اس جلسہ سے مدعا اور اصلی مطلب یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لیں کہ ان کے دل آخرت کی طرف بکلی جھک جائیں اور اُن کے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد اور تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مواخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں اور انکسار اور تواضع اور راست بازی اُن میں پیدا ہو اور دینی مہمات کے لئے سرگرمی اختیار کریں۔"

(شہادت القرآن)

میرے پاس ایک چراغ ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور وہ اس روشنی سے حصہ لے گا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست اُو خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۵۳۸

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے: تیس روپے
بیرونی ممالک سے: دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد ۔ ۷۰ | یوم چہار شنبہ ۲۳/۲۲ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ بمطابق ۲۳/۲۲ دسمبر ۱۹۸۱ء | شمارہ : ۴۷ ۔ ۴۸

ارشاداتِ حضرت مجدد صدِ چہاردہم

مژدہ رسید زیں غم کہ من ہمام ہم کہ او مجدد ایں دین رہنما باشد

فرمایا :۔

"تم خُدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائیگا پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے... مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئینگے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی ٹھٹھا کریں گی اور دُنیا اُن کے ساتھ سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی وہ آخر فتحیاب ہونگے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائینگے"

(الوصیت ص ۸ ۔ ۹)

فرمایا :۔

"اس جلسہ سے مدعا اور اصلی مطلب یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لیں کہ ان کے دِل آخرت کی طرف بکلّی جھک جائیں اور اُن کے اندر خُدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد اور تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبّت اور مواخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں اور انکسار اور تواضع اور راست بازی اُن میں پیدا ہو اور دینی مہمّات کے لئے سرگرمی اختیار کریں۔"

(شہادت القرآن)

میرے پاس ایک چراغ ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور وہ اس روشنی سے حصہ لے گا

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت ٭ میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صد چہاردہم

عاشقِ روئے جنابِ مصطفےٰ ٭ جاں نثارِ مہدئ قمر الھدیٰ

حضرت مولانا صدر الدین مرحوم و مغفور

جب تک فلک پہ مہرِ منور کو ہے قیام ٭ زندہ رہیگا دہر میں محمد علی کا نام

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ
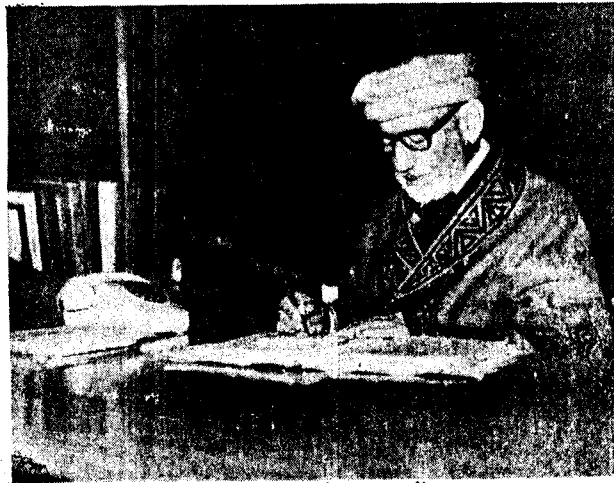
فروغِ نورِ عشق او زبام و قصرِ یاروش ٭ مگر بیند کسے آں را کہ میدارد بصیرت را

حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

"دوستو اک نظر خدا کیلئے"

جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۸۳ء میں خود بھی کثرت سے شریک ہوں اور اپنے غیر ازجماعت بھائیوں کو بھی اس میں شرکت کیلئے ترغیب دیں

ہمارا یہ سالانہ دینی اجتماع بہت سے فیوض و برکات اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنیکا موجب ہے اس سے محروم نہ رہیں

از سیّدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

جیسا کہ آپکو معلوم ہے ہمارا جلسہ سالانہ اس سال ۲۲ تا ۲۵ دسمبر ۸۳ء منعقد ہو رہا ہے میں اپنے بھائیوں۔ بہنوں۔ نوجوانوں۔ بچوں اور بچیوں کو اپنے اس دینی اجتماع میں کثرت سے شامل ہونے کے لئے دعوت دیتا ہوں اور اُن کی یاد دہانی کے لئے اپنے اس دعوت نامے کا آغاز قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے کرتا ہوں۔" ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکرؕ واولٰئک ھم المفلحون "۔ اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونیوالے ہیں۔

قرآن کریم کے اسی حکم کے مطابق حضرت صاحب نے اللہ سے الہام پاکر ان تین اغراض یعنی لوگوں کو بھلائی کی طرف بلانے، اچھے کاموں کا حکم کرنے اور بُرے کاموں سے روکنے کے لئے ایک جماعت بنائی اور جماعت میں شامل ہونیوالے ہر ایک فرد سے دس شرائط بیعت پر عمل کرنیکا عہد لیا کیونکہ کوئی جماعت دوسروں کو اسوقت تک بھلائی کی تبلیغ اچھے کام کو نیکی دعوت اور بُرے کاموں سے روکنے کا فریضہ انجام نہیں دے سکتی جب تک کہ اس کا اپنا نمونہ اچھا نہ ہو۔ اور جس بھلائی کی طرف وہ دوسروں کو بلانا چاہتی ہے وہ بھلائی اس کے اپنے اندر انفرادی اور اجتماعی طور پر نہ پائی جاتی ہو۔ وہ بھلائی کیا ہے؟ اس کا اشارہ ہمیں حضرت صاحب کے اس الہام میں ملتا ہے۔" کل برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتبارک من علم وتعلم "۔ ہر ایک خیر و برکت کا منبع اور سرچشمہ حضرت محمد صلعم ہیں پس بڑا مبارک وہ ہے جس نے تعلیم دی اور تعلیم پائی۔ وہ برکت اور بھلائی جس کا سرچشمہ حضور صلعم ہیں وہ قرآن کریم اور آپ کا لایا ہوا دینِ اسلام ہے۔ اس لئے بھلائی کی طرف بُلانے سے مراد قرآن کریم اور اسلام کی تبلیغ ہے۔ اس تبلیغ کا کام وہی جماعت سرانجام دے سکتی ہے جو خود بحیثیت مجموعی قرآن اور اسلام کی تعلیم پر عامل ہو اسی کے پیشِ نظر حضرت صاحب نے اپنی تحریرات میں بار بار تقوٰی پر زور دیا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر میں ایک متقی جماعت پیدا نہ کر سکا تو میری بعثت کی غرض پوری نہ ہو گی۔ خدا کی تائید اور نصرت مومنوں اور متقیوں کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور قرآن کریم بھی یہی فرماتا ہے" وکان حقًا علینا نصر المؤمنین "" مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے" والعاقبۃ للمتقین "" انجام متقیوں کے لئے ہے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں:۔

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو ۔ کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

جماعت کے اندر تقوٰی۔ طہارت۔ ایمان اور یقین پیدا کرنے معرفت کو ترقی دینے ایک دوسرے کے اجتماعی دعائیں کرنے، تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اپنے امام وقت کے ساتھ گہرا رابطہ اور تعلق قائم رہے یہی وجہ تھی کہ حضرت صاحب اپنے مریدوں کو ہمیشہ قادیان اپنے پاس آنے کی دعوت دیتے اور تاکید فرمایا کرتے تھے اور آپ کے مرید کثرت کے ساتھ قادیان جاتے۔ مہینوں آپکی پاک صحبت میں رہتے اور اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرتے اور اگر وہ اجازت مانگتے تو آپ فرماتے کچھ دن اور ٹھہر جائیں حضرت صاحب کی نظر اُن کے دلوں پر ہوتی۔ وہ انہیں قطرہ ہائے مصفّا بنا کر بیش قیمت موتیوں میں تبدیل کر دیتے کیونکہ قرآن کریم کا بیش قیمت پیغام بھی دنیا میں پہنچانے کے لئے ایسے ہی بیش قیمت موتیوں کی ضرورت تھی لیکن اس کے ساتھ ہی مامور من اللہ ہونے کی وجہ سے آپ کو انسانوں کی بعض مجبوریوں کا بھی علم تھا۔ اس لئے جو لوگ آپکے پاس اپنی بعض مجبوریوں کیوجہ سے نہیں آ جا سکتے تھے انہیں بھی اپنی معیت کا سال میں ایک موقع فراہم کرنے کے لئے آپ نے ۱۸۹۱ء میں جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی اور فرمایا:

"اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعف فطرت یا کمی مقدرت یا بُعد مسافت یہ میسر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کے لئے آوے ... لہٰذا قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسے کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں"۔

اس جلسہ میں کیا کچھ ہو گا اور اس کی غرض و غایت کیا ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

۱:۔ اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔

۲: ان دوستوں کے لئے (جو جلسہ میں شامل ہونگے) خاص دعائیں اور خاص توجہ

ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہِ ارحم الرحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی اُن میں بخشے۔

۳۔ نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہونگے وہ ...... اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔

۴۔ جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔

ہمارے کتنے ہی نہایت قیمتی بھائی اور بہنیں جنھوں نے گذشتہ جلسہ سالانہ کو کامیاب بنانے کے لئے نہایت جانفشانی اور محنت سے کام کیا اس سال ۱۹۸۳ء کے دوران میں ہم سے جُدا ہو گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور معلوم نہیں اگلے سال ہم میں سے کون ہوگا اور کون نہیں ہوگا۔ اس لئے خدا کے دین کے لئے جو تھوڑا بہت موقع اس کے فضل اور مہربانی سے ہی ملتا ہے فائدہ اٹھائیں معمولی معمولی تکالیف کو اپنے راستے میں رکاوٹ نہ بننے دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔

۵۔ تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جل شانہٗ کوشش کی جائے گی۔

حضرت صاحب جانتے تھے کہ بعض اوقات نہایت معمولی معمولی باتیں بھائیوں کے درمیان اجنبیت اور نفاق کا موجب بن جاتی ہیں اور جماعت جماعت نہیں رہتی۔ جماعت تو اسی وقت تک جماعت کہلا سکتی ہے جبکہ اس کے افراد میں اپنے مفوضہ مشن کے لئے اتحاد، یک جہتی، ہم آہنگی اور یک رنگی پائی جاتی ہو۔ وہ اپنی ذاتی خواہشات اور وقار سے بلند ہو کر سوچیں۔ جماعت کے مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیں اور اختلاف رائے کے باوجود جماعت کے اجتماعی فائدہ کو مدنظر رکھیں اور ہر ایسے فعل سے مجتنب رہیں جس سے اجتماعیت کو نقصان پہنچتا ہو۔ ہمارے سامنے حضرت صاحب نے تبلیغ اسلام اور اشاعتِ قرآن کا جو مشن رکھا ہے اور جس غرض کیلئے یہ جماعت بنائی گئی ہے وہ بڑا مقدس مشن ہے بحیثیت جماعت ہماری کامیابی کا دار و مدار اسی پر ہے کہ ہم اس مشن کی کامیابی اور ترقی کیلئے یکجا ہو کر سوچیں اور جس طرح بھی اس سلسلہ میں ہم جماعت کی مدد کر سکتے ہیں کریں۔

میں نے جس آیت سے اس دعوت نامہ کی ابتدا کی ہے اس سے اگلی ہی آیت میں یہ تنبیہہ خاص کر ہمارے لئے موجود ہے اور میں سمجھتا ہوں ہم ہی اس وقت اسکے مخاطب ہیں۔

ولاتکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینٰت ط واولٰئک لھم عذاب عظیم ○ اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی کھلی باتیں آ چکی تھیں اور انہی کے لئے بڑا عذاب ہے۔

جس جماعت کو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلانے۔ اچھی باتوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کا فریضہ سونپا گیا ہے اگر وہ خود ہی تفرقہ اور انتشار کا شکار ہو جائے تو وہ یہ فریضہ کس طرح ادا کر سکے گی اور ظاہر ہے بجائے کامیابی کے اس کیلئے سخت سزا ہی ہوگی۔

حضرت صاحب نے تو اپنی جماعت کو تفرقہ سے بچانے کے لئے اسکے سامنے واضح الفاظ میں یہ رکھ دیا ہے کہ جو فیصلہ کثرت رائے سے ہو جائے اسکو تسلیم کر کے اسکے سامنے اپنا سر جھکا دو۔ یعنی اپنی رائے کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بناؤ۔ اس فیصلہ کو خوش دلی، وسعت قلبی اور احسن جذبہ کے ساتھ قبول کر کے اس پر خود بھی عمل کرو اور اپنے زیر اثر دوسرے لوگوں سے بھی اس پر عمل کراؤ۔ تاکہ شیطان تمہارے درمیان وسوسہ اندازی کر کے تمہیں ایک دوسرے سے جدا نہ کرے اور اس طرح تمہارے سامنے جو مقصد ہے اسکو نقصان نہ پہنچائے۔ ساری خرابیاں حضرت صاحب کے اس واضح فیصلہ (ہدایت) کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی رہی ہیں اور اگر اب بھی ہم نے اسے نہ اپنایا تو پیدا ہوتی رہیں گی جس کا نتیجہ ہم سب کے لئے اچھا نہ ہوگا۔

ساری دنیا اس وقت امن و سکون کی دولت سے محروم ہے۔ قوموں کے درمیان تصادم کے مواقع روز افزوں ہیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں تباہی کے خطرناک سامان تیار کر رکھے ہیں لیکن وہ تباہ ہونا نہیں چاہتے اس لئے امن کی تلاش میں ہیں مگر یہ امن انہیں اسوقت تک نہیں مل سکتا جب تک اپنے پیدا کردہ تمام بتوں کو توڑ کر ایک خدا کے دامن میں پناہ نہ لے لیں۔ یہ پناہ انہیں صرف اور صرف اسلام میں مل سکتی ہے وہ اسلام جسے قرآن کریم نے تمام نسل انسانی کیلئے پیش کیا ہے یہی وہ اسلام ہے جو اس زمانے میں حضرت صاحب نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور دنیا میں یہ پیغام پہنچانے کے لئے جماعت قائم کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری جماعت خود بھی اندرونی اور بیرونی مشکلات میں گھری ہوئی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس دور میں سب سے بڑا جہاد ہے کہ مشکلات میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود ہم اس پیغام کو جو ہمارے پاس حضرت صاحب کے علم کلام اور اس پر مبنی ہمارے بزرگوں کے پیدا کردہ لٹریچر کی صورت میں موجود ہے دنیا میں پھیلانے کے لئے ایک نیا عزم۔ نیا ولولہ اور نیا جذبہ لے کر اٹھیں اور باوجود اپنی قلتِ تعداد اور کم مائیگی کے امن و سکون کی متلاشی پیاسی دنیا کو آبِ حیات کے بہتے ہوئے اس چشمہ کی طرف کھینچ کر لے آئیں اور اپنی آنکھوں کے پانی سے اپنے اردگرد بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا اہتمام کریں۔ کیونکہ :- ع

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی۔

ہم نے بھی مسیحِ وقت کی اس آواز پر کہ "من انصاری الی اللہ" یہ جواب دیا ہے کہ "نحن انصار اللہ" اور اس پر ایمان لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یا ایھا الذین امنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم" اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کرے گا۔

حضرت صاحب کی مجوزہ دس شرائط بیعت میں اس کا خلاصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا"۔ جلسہ پر آنے کی یہ دعوت جو میں آپ کو دے رہا ہوں یہ دعوت دراصل میری طرف سے نہیں بلکہ حضرت اقدس

کی طرف سے دعوت اور اس خواہش کی یاد دہانی ہے جو آپ نے ۱۸۹۱ء میں اپنی تمام جماعت کو دی اس لئے میری اپنے تمام بھائیوں، بہنوں، نوجوانوں اور بچوں اور بچیوں سے یہ درخواست ہے کہ حضرت صاحب کی اس دعوت اور آپ کی خواہش کی تکمیل کی خاطر ہر جماعت بہ کثرت سے اس جلسہ میں شامل ہونے کے لئے ابھی سے پختہ ارادہ کر لیں۔ سارا سال ہم اپنے دنیوی کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ چار دن اللہ کے لئے وقف کر دیں اس سے پہلے جلسوں میں جن لوگوں کو شمولیت کی توفیق ملتی رہی ہے وہ جانتے ہیں کہ جلسہ کے ایام میں درس قرآن ہوتا ہے اجتماعی نمازیں اور دعائیں ہوتی ہیں۔ رات کے پچھلے پہر نماز تہجد میں غلبہ اسلام کے لئے گریہ وزاری ہوتی ہے حضرت صاحب کے ملفوظات سنائے جاتے ہیں اور تقاریر ہوتی ہیں جن کے موضوعات بظاہر تو مختلف ہوتے ہیں لیکن ان سب کا مرکزی نکتہ اشاعت قرآن، تبلیغ اسلام اور تزکیہ نفس ہی ہوتا ہے۔ اور ان سب کا ماخذ قرآنی تعلیمات اور حضرت صاحب کا علم کلام ہوتا ہے۔ ہمارے پاس ایک بیش بہا خزانہ اور دولت ہے جسے قرآن کریم کے الفاظ "و مما رزقنٰھم ینفقون" کے مطابق ہمیں خرچ کرنا ہے اسے بطریق احسن اور زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کے لئے ہمیں سر جوڑ کر بیٹھنا اور تدابیر سوچنا ہے۔ اس جہاد میں شرکت کی خاطر آپ کسی رکاوٹ اور مشکل یا عذر کو اپنے راستے میں رکاوٹ نہ بننے دیں اور قرآن کریم کے حکم "فاستبقوا الخیرات" پر لبیک کہتے ہوئے بھلائی کو لینے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی تن من دھن سے کوشش کریں اور نفس کی انگیخت کو آڑے نہ آنے دیں۔

مجھے سردی کے موسم، سفر کی صعوبتوں اور مالی استطاعت کی کمی کا احساس ہے۔ آپ کو گھر جیسا آرام بھی یہاں ہماری بہترین کوشش کے باوجود میسر نہیں ہوگا لیکن جس راہ میں آپ قدم اٹھائیں گے اس کا اجر کئی گنا زیادہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ہماری آیتوں پر صرف وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب انہیں ان سے نصیحت کی جاتی ہے وہ سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ اس سے اگلی آیت ہے "تتجافٰی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا ومما رزقنٰھم ینفقون۔ ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں وہ اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے پکارتے ہیں اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا خرچ کرتے ہیں یعنی وہ اپنے رب کو خوش کرنے کے لئے اپنے آرام و راحت کو اور اپنے مال کو قربان کر دیتے ہیں۔

حضرت صاحب نے ہمیں یہی راستہ دکھایا ہے آئیں ہم سب مل کر اللہ کو راضی اور خوش کرنے کے لئے اس راہ پر چلیں۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ سب کی مشکلات آسان کرے۔ آپ کو بخیر و عافیت اپنی حفاظت میں لائے اور بخیر و عافیت اپنے اپنے مقامات پر واپس لے جائے۔ میں پھر یہ عرض کرتا ہوں کہ اس چار روزہ مجاہدہ میں شریک ہونے کے لئے جوق در جوق اور قطار اندر قطار آئیں۔ اللہ آپ سب کا حامی اور ناصر ہو۔

* * *

اطاعتِ امیر اور جماعت کی

شیرازہ بندی

جماعت کی شیرازہ بندی اطاعت امیر میں ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے میری اطاعت کی اس نے صحیح معنوں میں ہاں اس نے اللہ تبارک و تعالےٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری فرمانبرداری نہ کی (وہ میری ہی نہیں بلکہ) اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری سے بھی سرکش ہو گیا جس نے امیر قوم کی فرمانبرداری کی گویا اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے امیر کی فرمانبرداری سے انکار کیا (یقیناً) وہ میری فرمانبرداری سے نکل گیا۔ لاریب امیر بمنزلہ ڈھال کے ہے جس کی قیادت میں قتال (یا اعلائے کلمۃ اللہ) کیا جاتا ہے اور اسی کی قیادت میں ہر قسم کا بچاؤ حاصل ہوتا ہے بس اگر وہ تقویٰ اللہ کا اور عدل و انصاف کا حکم کرے تو اس کے (امیر کے) لئے بہت بڑا اجر ہے۔ اگر تقویٰ اللہ اور عدل و انصاف کے سوا حکم کرے تو گناہ کا مرتکب ہوگا۔"

اطاعت امیر بہر حال ضروری ہے!

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص امیر قوم میں ایسی چیز دیکھے جسے وہ ناپسند کرے تو چاہئے کہ وہ صبر کرے (اور معاملہ پر غور کرتا رہے شاید وہ خود غلطی پر ہو) پس جو شخص بھی جماعت سے ایک بالشت جدا ہو (اور جماعت میں انتشار پیدا کیا) وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔"

دکھ برداشت کر کے جماعت کو انتشار سے بچانا چاہیئے۔

وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ سلمہ بن یزید الجعفی نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا نبی اللہ اس بات کے متعلق ہمیں ہدایات صادر فرمائیں کہ اگر ہم پر ایسے امراء مسلط ہوں جو ہم سے اپنا حق (اطاعت) مانگیں مگر ہمارے حق (حقوق العباد) کی رعایت نہ رکھیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ان کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔ (بغاوت سے باز آؤ کیونکہ جماعت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اور کمزور ہو کر وہ تباہ ہو جائے گی۔) یقیناً وہ (امراء) اپنے کئے کی سزا پائیں گے اور تم اپنے اعمال (صبر و تحمل) کی جزا پاؤ گے (اللہ تعالےٰ خود ایسی صورت پیدا کر دے گا جس سے اصلاح حال ہو اور قوم اتفاق و اتحاد کی مضبوط چٹان بن کر کھڑی ہو جائے گی۔)

(ماخوذ)

از قلم: مکرم جناب نصیر احمد فاروقی لاہور

سالانہ جلسہ آرہا ہے۔ کیا آپ بھی آرہے ہیں؟

لا تجعلوا دعآء الرّسول بینکم کدعآء بعضکم بعضاً ط قد یعلم اللہ الّذین یتسلّلون منکم لواذاً ج فلیحذر الّذین یخالفون عن امرہٖ ان تصیبھم فتنۃٌ او یصیبھم عذابٌ الیمٌ ۝ الآ انّ للہ ما فی السّمٰوٰت والارض ط قد یعلم ما انتم علیہ ط ویوم یرجعون الیہ فینبّئھم بما عملوا ط واللہ بکلّ شیءٍ علیمٌ ۝
(النور ۲۴۔ آیات ۶۳ و ۶۴)

ترجمہ: "(مومنو!) رسول کے بلانے کو آپس میں ایسا نہ بناؤ جیسا تمہارا ایک دوسرے کو بلانا ہے۔ اللہ اُن لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے چھپ کر نکل جاتے ہیں۔ پس جو لوگ اُس کے حکم کے خلاف عمل کرتے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ ڈریں کہ وہ آزمائش میں نہ پڑ جائیں یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔ سُن لو کہ اللہ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ جانتا ہے جس حال میں تم ہو۔ اور جس دن وہ اُس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ انہیں اس کی خبر دے گا جو وہ کرتے تھے۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"

کیا خوش نصیب تھے وہ لوگ جن میں اللہ کا رسول موجود تھا! اور جب وہ انہیں بلاتا تھا تو کیا دیوانہ وار وہ دوڑے آتے تھے! یہاں تک کہ جنگ اُحد میں جب کچھ تیر اندازوں کی اللہ کے رسول کی حکم عدولی سے کفار نے مورچہ خالی دیکھ کر مسلمانوں کے (جو فتح کے بعد قیدی پکڑنے اور مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف تھے) عقب سے حملہ کر دیا تو اُن میں پریشانی پھیل گئی اور بعضوں کے پیر اکھڑ گئے تو اس حالت میں بھی جب اللہ کا رسول جو پہاڑ کی طرح مضبوط کھڑا تھا جب اُس نے چھوٹے سے ٹیلے پر چڑھ کر آواز دی الیّ عباد اللہ انا رسول اللہ "اے اللہ کے بندو میری طرف آجاؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں" (اور اس لئے یہ پکار اللہ کی پکار ہے کیونکہ حضورؐ کا کوئی دینی یا قومی حکم اللہ تعالےٰ کی وحی خفی کے سوا نہ ہوتا تھا) تو مسلمان اُلٹے پیر رسول اللہ صلعم کی طرف دوڑے۔ حالانکہ اُس میں دوبارہ دشمن کے (جو تعداد میں چار گنا تھا اور اب اس کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے) نرغہ میں پھنس جانا تھا۔ مگر رسولؐ کی آواز کافی تھی کہ وہ اپنی جان تک کا خطرہ مول لے کر حضورؐ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔

کمزور لوگ

مسلمانوں کا یہی حال ہر موقعہ پر تھا خواہ وہ جنگ میں ہو یا امن میں۔ مگر ان میں دو قسم کے کمزور لوگ بھی تھے۔ اول تو وہ منافقین جو ارادۃً مسلمانوں میں اپنے وقتی مفاد کی خاطر مل گئے تھے۔ اور یا گنتی کے چند لوگ جن کا ایمان اور عمل ابھی ایسا پختہ نہ ہوا تھا کہ بار بار کے امتحانوں میں وہ پورا اترے اور غزوۂ تبوک کے موقعہ پر انہوں نے رسولؐ کے بلانے کی پرواہ نہ کی۔ تو غزوۂ تبوک سے واپسی پر پچاس دن تک اُن کا بائیکاٹ کیا گیا یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرما کر انہیں معاف کر دیا۔

رسولوں کے بلانے کی پرواہ نہ کرنے والے اگر اس دنیا میں کسی فتنہ میں اللہ کی طرف سے نہ ڈالے جائیں یا انہیں دردناک عذاب نہ آ پکڑے جیسا کہ آیات مذکورہ بالا میں وعید ہے تو بھی آخرت میں اُن کی جواب دہی کا ذکر قرآن حکیم میں متعدد جگہ ہے مثلاً سورت القصص ۲۸ کی آیات ۶۵، ۶۶ میں فرمایا "اور جس دن اللہ انہیں بلوائے گا اور کہے گا کہ تم نے رسولوں کے بلانے کا کیا جواب دیا تو اُس دن عذر بہانے انہیں نہ سوجھیں گے اور نہ وہ اُس دن ایک دوسرے سے پوچھ (کر جواب دے) سکیں گے۔"

انمول نعمتیں

اللہ کا رسول اگر لوگوں کو بلاتا ہے تو ان امور کے لئے جن میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت مل سکتی ہے اور انسان اس کے عذاب سے بچ سکتا ہے (الاحقاف ۴۶۔ ۳۱) اور انسان کو روحانی زندگی ملتی ہے جیسا کہ فرمایا یاایّھا الّذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرّسول اذا دعاکم لما یحییکم ج واعلموا انّ اللہ یحول بین المرءِ وقلبہٖ وانّہٗ الیہ تحشرون ۝ واتّقوا فتنۃً لّا تصیبنّ الّذین ظلموا منکم خاصّۃً ج واعلموا انّ اللہ شدید العقاب (الانفال ۸۔ آیات ۲۴۔۲۵)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو جب وہ (رسول) تمہیں اس بات کی طرف بلاتا ہے جو تمہیں زندگی بخشے گی۔ اور جان لو کہ اللہ انسان کے اور اُس کے دل کے درمیان حائل ہے اور یہ کہ تم اس کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔" اس کی اگلی آیت ہے واتّقوا فتنۃً لّا تصیبنّ الّذین ظلموا منکم خاصّۃً ج واعلموا انّ اللہ شدید العقاب ۝ "اور اپنے آپ کو بچا لو اس عظیم الشان فتنہ سے جو صرف ان لوگوں پر ہی نہیں آسکتا جو تم میں سے ظالم ہیں۔ اور جان لو کہ اللہ سزا دینے میں سخت ہے۔"

خلاصہ

ان دل ہلا دینے والی آیات میں مندرجہ ذیل اہم امور سمجھائے ہیں۔

۱۔ اللہ اور اس کا رسول ایک ہیں۔ سو جب رسول بلائے تو وہ اللہ کا بھی بلانا ہے۔

۲۔ اس لئے رسول کے بلانے پر آجایا کرو خصوصاً اس لئے کہ رسول تمہیں اُس بات کی طرف بلاتا ہے جو تمہیں زندگی بخشے گی (ظاہر ہے کہ یہ روحانی زندگی ہے جو اگر انسان پالے تو پھر مرنے کے بعد بھی وہ فوراً زندہ ہو جاتا ہے)۔

۳۔ جان لو کہ اللہ تمہارے اور تمہارے دلوں کے درمیان حائل ہے۔ اس لئے اگر وہ ایک طرف تمہارے عمل کو دیکھتا ہے تو دوسری طرف وہ تمہارے دل کے رازوں کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے عذر بہانے رسول کے سامنے کر بھی لو تو اللہ سے تم اصل بات نہیں چھپا سکتے خواہ وہ تمہارے دل کی ایمانی کمزوری ہو یا کوئی اور وجہ ہو۔

۴۔ اگر اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر تم جمع نہ ہو گے تو ایک دن اللہ کے سامنے پکڑے ہوئے جمع ہو گے۔

۵۔ وہ تو آخرت میں ہو گا مگر اس دنیا میں بھی تم پر عظیم الشان فتنہ اللہ تعالےٰ بھیج سکتا ہے، اور اس فتنہ میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس سکتا ہے۔ یعنے ساری قوم

پر وہ فتنہ آسکتا ہے خواہ اُن میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم نہ کیا ہو۔
۵۔ اور جان لو کہ "دیر گیر دسخت گیرد" یعنے اللہ بہت مہلت اور ڈھیل دیتا ہے مگر جب پکڑتا ہے تو وہ سخت پکڑ ہوتی ہے۔

غزوۂ اُحد میں قصور تو ۳۹ تیر اندازوں کا تھا مگر آفت ساری جماعت پر آگئی۔ اور ایسی مصیبت کا گناہ اُن تھوڑے لوگوں کے نامۂ اعمال میں جا پڑتا ہے جن کی کمزوری سے وہ مصیبت آئی۔ مومنوں کو جنہوں نے کمزوری نہ دکھائی تھی اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا جیسا کہ اسی واقعہ کے ذکر میں فرمایا ہے۔

رسول کیوں بلاتا ہے؟

اب میں سورۃ النور کی اُن آیات کی طرف دوبارہ آتا ہوں جو اس مضمون کے شروع میں درج ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل باتیں فرمائی ہیں:۔

۱۔ رسول کا بلانا تمہارے آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح نہیں کیونکہ رسول کا بلانا اللہ تعالیٰ کی وحی خفی سے ہوتا ہے اور وہ ضروری قومی کاموں کے لئے ہوتا ہے جنہیں انفرادی یا ذاتی کاموں پر فوقیت ہوتی ہے، خواہ وہ قومی کام دینی نوعیت کے ہوں یا دنیاوی۔ دوئم وہ تمہاری اخلاقی اور روحانی بھلائی کے لئے ہوتے ہیں جو بھلائی کہ ابدی رہنے والی ہے بہ نسبت دنیاوی بھلائی کے جو عارضی ہوتی ہے نہ صرف اس لئے کہ وہ آکر چلی بھی جاتی ہے بلکہ اس لئے بھی کہ وہ آج نہیں تو کل تمہاری موت پر ختم ہو جائے گی۔ اس کے برعکس اخلاقی اور روحانی بھلائی انسان کے لئے اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحم کو لاتی ہے اور مرنے کے بعد بھی، اور دنیا میں دل کی جنت و خوشی اور آخرت میں ظاہری جنت میں انسان کو لے جاتی ہے۔ ولمن خاف مقام ربہٖ جنتان

۲۔ اور رسول کے بلانے پر جمع ہونے کے بعد تم اس کی آنکھ بچا کر کھسک جاؤ تو رسول کو نہ بھی پتہ لگے تو اللہ تعالیٰ تو اُسے ضرور جانتا ہے۔ اور پکڑنے والا یا سزا دینے والا رسول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے جو تم پر قدرتِ کاملہ رکھتا ہے۔

۳۔ سو جو لوگ رسول کے حکم کے خلاف عمل کرتے ہیں (خواہ نہ آکر یا آکر کھسک جاکر یا پھر کسی اور رنگ میں حکم عدولی کر کے) تو انہیں ڈرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ جس کی منشاء سے رسول نے بلایا تھا انہیں کسی آزمائش میں نہ ڈال دے یا کوئی دردناک عذاب میں مبتلا نہ کر دے۔

۴۔ یہ بھی جان لو کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے وہ اللہ کا ہی ہے۔ یہاں "آسمانوں" سے مراد ظاہری آسمان ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ وہ کھرب ہا کھرب میلوں بلکہ اَن گنت فاصلوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اس زمین کے کسی انسان کا اُن آسمانوں سے کوئی واسطہ نہیں نہ ہی وہ ان سے کوئی فائدہ اٹھاتا ہے۔ جیسا کہ میں بارہا واضح کر چکا ہوں "آسمانوں" کا لفظ قرآن حکیم میں اکثر جگہ انسان کی مرنے کے بعد کی زندگی کے آسمانوں کے لئے آتا ہے جن میں انسان نے مرنے کے بعد روحانی ترقی کرتے ہوئے جانا ہے۔ اُن آسمانوں کی تمام نعمتوں سے ہر انسان کو فائدہ پہنچے گا اگر وہ اُن خوش نصیبوں میں سے ہوا جو مغفرت یا معافی پاکر اُن میں داخل ہونگے

۵۔ بہرحال اس زمین میں بھی جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہی ہے کیونکہ انسان تو اس دنیا میں اپنی ماں کے پیٹ سے خالی ہاتھ آتا ہے اور قبر میں خالی ہاتھ جا لیٹتا ہے۔ اور اس زمین کی جو بھی نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش سے ہی اُسے ملتی ہے ورنہ ہر شخص مالدار ہو جاتا یا بادشاہ بن جاتا یا کبھی نہ بگڑنے والی صحت کا مالک ہو جاتا؟ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اُس کی قابلیت یا اس کی محنت سے ہی صرف وہ دنیا کی نعمتیں پاتا ہے کیونکہ قابل سے قابل لوگ بھوکے یا غریب رہتے ہیں جبکہ معمولی قابلیت اور معمولی عقل والے لوگ بعض وقت عیش و عشرت میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح محنت کے باوجود ایک مزدور کیا کماتا ہے؟ یا ایک فلاسفر کیا کماتا ہے؟ اور بعض لوگ سونا کا چمچہ منہ میں لئے پیدا ہوتے ہیں اور مزدور سے کم محنت کر کے لاکھوں کروڑوں کما لیتے ہیں۔ اس لئے رزق کی تقسیم اس دنیا میں بھی اللہ کی ہی ہے۔

۶۔ تو زمین کی نعمتوں کو چاہتے ہو یا مرنے کے بعد اگلی زندگیوں کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو تو ان کے مالک کی مرضی کے خلاف چلو گے یا اُسے ناراض کرو گے تو گھاٹے میں کون رہے گا؟ تم خود۔

۷۔ یہ بھی سن لو کہ اللہ جانتا ہے جس حالت میں کہ تم اس دنیا میں ہو۔ اس لئے اگر دنیا میں ہی تم کو پکڑ لے تو بعید نہیں۔

۸۔ بہرحال مرنے کے بعد تم اس کے آگے لائے جاؤ گے۔ تو وہ تمہیں اس کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے۔ تب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ تمہیں دیکھ رہا تھا اور تم کو جوابدہی کرنا ہوگی۔

۹۔ اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے خواہ وہ تمہارے مخفی عمل ہوں یا دل کی نیت یا تمہاری مخفی عیب۔ تو اس کی پکڑ سے تم عذر بہانے کر کے بچ نہ سکو گے اگرچہ تمہارے عذر بہانے اس دنیا میں اوروں کے آگے چل بھی جائیں۔

رسول کے معنے

اللہ تعالیٰ کے اس تفصیلی وعید کے بعد مجھے کچھ مزید کہنے کی ضرورت نہیں سوائے اس کے کہ "رسول" کے لفظ میں رسول اللہ صلعم کے خلفاء مثلاً مجدد دین بھی آجاتے ہیں اور لغت میں "رسول" کسی پیغامبر یا بھیجے ہوئے کے بھی ہوتے ہیں۔ اگر ان آیات میں لفظ "رسول" سے مراد صرف رسول اللہ صلعم ہی ہوتے تو حضور کی وفات کے بعد بھی ان آیات کو روزِ قیامت تک قرآن حکیم میں رکھنے کے کیا معنی ہیں؟

حضرت مجدد صد چہار دہم نے بھی اللہ تعالیٰ سے حکم پاکر جلسۂ سالانہ کی بنیاد رکھی۔ اور حضرتِ اقدس نے بھی وہی الفاظ استعمال فرمائے جو ان آیاتِ مبارکہ میں ہیں کہ اس جلسہ کو معمولی جلسوں کی طرح نہ سمجھو بلکہ یہ مشیت الٰہی سے جماعت کو روحانی زندگی بخشنے کے لئے مقرر ہوا ہے۔ میں اپنی ساری عمر میں صرف دو دفعہ ان مبارک جلسوں سے محروم ہوا کیونکہ والد مرحوم مجھے میرے بچپن سے اپنے ساتھ جلسۂ سالانہ پر لاتے تھے۔ ایک تو جب میں ولایت میں طالبعلم تھا۔ اور دوسرے وہ جلسہ تھا جو بجائے دسمبر کے آخیر کے ایسٹر کی تعطیلات میں ایک دفعہ منعقد ہوا تھا۔ اور میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ جب میں شامل نہ ہوا تو میں نے اپنے اندر روحانی موت کو دیکھا اور روحانی احیاء ہی ان جلسوں کا مقصد ہے جیسا کہ سورۃ الانفال کی آیت ۲۴ میں فرمایا ہے کہ یایھا الذین امنوا استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم یعنے "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو جب وہ (رسول) تمہیں بلاتا ہے تاکہ وہ تمہیں زندگی بخشے۔"

اپیل

میرے عزیز بھائیو اور بہنو! اُوپر کی باتوں کو ایک دفعہ پھر پڑھو اور میرے سوال کا جواب دو "سالانہ جلسہ آرہا ہے کیا آپ بھی آتے ہیں؟" کیا ہمارے عذر جو دفتر میں چھٹی نہ تھی، اللہ تعالیٰ کو قابل قبول ہونگے جبکہ ہم اپنے ذاتی کام کاج کے لئے

چھٹی لے لیتے ہیں۔ اور اب کے تو دو چھٹیاں جلسہ سالانہ کی تاریخوں میں آ رہی ہیں۔ یعنے ۲۳ دسمبر اور ۲۵ دسمبر، اور خدانخواستہ اگر جیسا کہ متذکرہ بالا آیات میں وعید ہے اللہ تعالےٰ کسی فتنہ میں ڈال دے مثلاً بیماری میں تو کیا ہم چھٹی نہ لیں گے؟ اس سے بہت لمبی خواہ وہ بلا تنخواہ تک ہو۔ بزنس والے کہتے ہیں کہ تجارت تو کسی کا انتظار نہیں کرتی۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو انتظار کر لیتی ہے؟ یا وہ ملک سے باہر جائیں جو کہ ہفتوں بلکہ مہینوں کے لئے ہوتا ہے تو اپنے کام کاج کی نگہداشت کے لئے کسی اور کو مقرر کر کے نہیں جاتے؟ تو کیا ان تین چار دن کے لئے نہیں کر سکتے؟ زمیندار بھائیوں کے پاس تو کوئی ایسا عذر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ نہ تو یہ فصل بونے کے دن ہیں نہ کاٹنے کے۔

باقی رہے وہ بھائی بہن جو سفر خرچ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ تو حضرت اقدس نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس مقصد کے لئے سال بھر تھوڑی بہت بچت کر کے زادِ سفر مہیا کریں۔ میں جب اضلاع میں نوکری پہ ہوتا تھا تو ہم سے صاحب مقدرت لوگ چندہ کر کے نادار بھائی بہنوں کے لئے جلسہ میں شامل ہونا ممکن بنا دیتے تھے۔

تو سوائے اُن بھائی بہنوں کے جو اس قدر علیل ہیں کہ سفر نہیں کر سکتے، ہم میں سے اوروں کا عذر اللہ تعالیٰ کے آگے کیا ہوگا؟

اور دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا عہد بھی یاد رکھیں۔ ان العھد کان مسئولاً "اور عہد کے متعلق بھی تم سے محاسبہ ہوگا"۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دن سرخرو کرے۔ اور اس دُنیا میں بھی ہماری شامتِ اعمال کی وجہ سے ہمیں فتنوں میں نہ ڈالے۔ آمین!

——— **** ———

جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علیؒ کے تاکیدی ارشادات

میں اپنی جماعت کے بہت سے دوستوں کو جلسہ سالانہ کے متعلق بڑی بھاری غلطی کا مرتکب خیال کرتا ہوں کہ اسے وہ اہمیت نہیں دیتے جو دینی چاہیئے۔ کسی جماعت میں سے ایک شخص آ جاتا ہے اور کسی میں سے دو آ جاتے ہیں حالانکہ حضرت اقدس نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جب تمام مخلصین اکٹھے ہو جائیں تاکہ ہر ایک شخص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور ان کی دینی معلومات وسیع ہوں اور معرفت ترقی پذیر ہو جس سے تبلیغ اسلام کی بُنیاد مضبوط ہو اور آپ نے فرمایا کہ آئندہ بھی ہمیشہ اس جلسہ کے یہی مقاصد رہیں گے کہ اشاعتِ دین و ہمدردی نو مسلمین امریکہ اور یورپ کے لئے احسن تجاویز سوچی جائیں۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ جلسہ سالانہ ہے سو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ سالانہ جلسہ حضرت اقدس کا قائم کردہ ایک طریق ہے جس کے بغیر کامیابی مشکل ہے اسی سلسلہ میں قومی مانع کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔ جب انسان کے دل میں تڑپ موجود ہو مگر ظاہری حالات ایسے پیش آ جاتے ہیں کہ وہ اسے مجبور کر دیتے ہیں ایسے انسان کی وہ حالت ہو گی جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے۔ تولوا واعینھم ....وما ینفقون، وہ واپس چلے گئے اور اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس غم سے کہ وہ مال نہیں پاتے جسے خرچ کریں۔ ۔سو اگر حالت ایسی ہو کہ اس قسم کا مانع پیش آ جائے کہ اس سالانہ جلسہ میں غیر حاضری کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں اور دل میں الم ہو تو بے شک قوی مانع ہے لیکن جب اپنی ضروریات کے لئے مثلاً کسی شادی میں شمولیت کیلئے گھرانوں کے گھرانے نکل پڑتے ہیں وہاں آپ کو ادنیٰ ادنیٰ عذروں کی بناء پر شمولیت جلسہ کی برکات سے خود کو محروم کر لینا جسے خدا کے مامور نے اس قدر اہمیت دی ہے بڑی بدقسمتی ہے۔

***

پروگرام جلسہ سالانہ ۸۳ء خواتین احمدیہ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور

زیر صدارت: بیگم فرحت نشاط، چیف گیسٹ بیگم کرم الٰہی
پہلا اجلاس:- سٹیج سیکرٹری: محترمہ زکیہ شیخ صاحبہ

۹ بجے سے ۱۲½ بجے تک، تلاوت کلام پاک	محترمہ طاہرہ جنجوعہ صاحبہ
نعت	زاہدہ جنجوعہ صاحبہ
ملفوظات	نگین ملک صاحبہ
تقریر، سوانح آنحضرت صلعم	پروین چوہدری اوکاڑہ
تقریر	جسارت خانم ملتان
نعت	
تقریر	محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ
"	" زبیدہ محمد احمد صاحبہ
نعت	
تقریر (ہمارے بیرونی مشن)	" رضیہ فاروقی صاحبہ لندن
"	" رضوانہ بشیر صاحبہ امریکہ
"	" سلیمہ فاروقی صاحبہ
نعت	
اپیل چندہ اور دُعا	

نمائشی دستکاری و سٹالز

زیر صدارت:
دوسرا اجلاس:- سٹیج سیکرٹری: محترمہ زبیدہ محمد صاحبہ

۲ بجے سے ۵ بجے تک: تلاوت قرآن مجید	
نعت	
ملفوظات	سلیمہ ملک

رپورٹ سیکرٹری لاہور و بیرونی جماعت ہائے

ملتان۔ بددملہی۔ اوکاڑہ۔ سیالکوٹ، پشاور، لاہور،

مذاکرہ:- احمدی خادم اسلام ہیں۔

(۱) اسلام کیا ہے؟ - محترمہ ساجدہ رحمٰن صاحبہ (۲) احمدیت عین اسلام ہے، ثمینہ ملک

بین الاقوامی شہرت کے حامل احمدی مبلغین اسلام

۱۔ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ، دختر پروفیسر سعد، (۲) حضرت خواجہ کمال الدین صاحبؒ، مدیحہ رسول صاحبہ
۳۔ مولانا صدر الدین صاحبؒ منیرہ غفور صاحبہ، (۴) حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحبؒ، سمیرا اشرف

اختتامی خطاب و دُعا	محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ

سیکرٹری تنظیم خواتین احمدیہ، لاہور

از :- مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب۔

جلسہ سالانہ کی اغراض

قیام و اجتماع جماعت کی ضرورت اور

تزکیہ و طہارت نفوس

جماعت احمدیہ لاہور کے مخلص افراد ہر سال کم از کم ایک مرتبہ اپنے مرکز میں جمع ہوتے ہیں۔ اس جلسہ کی اغراض کیا ہیں؟ سب سے بڑی اور اعلیٰ ترین غرض اس اجتماع کی یہ ہے کہ احیاء و تجدید دین کے لئے جو جماعت قائم کی گئی ہے اسکے باہم اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ ہو۔ اتحاد ایک بڑی برکت و نعمت ہے اور یہ جملہ اوصاف حمیدہ سے ہے جن سے باہمی انسانوں کو مرلوط ہونے کی عام طور پر ضرورت ہے۔ مگر جو جماعت قائم ہی اس غرض کے لئے ہو کہ وہ نیکی کو قائم کرے تو اس کے لئے بغیر اتحاد و اتفاق اور کوئی چارہ کار نہیں۔ انفرادی طور پر نیکی قائم کرنے سے ہی ایک نیک معاشرہ وجود میں آتا ہے لیکن اگر نیک افراد منتشر و الگ الگ پڑے رہیں یا باہمی اتفاق و اتحاد کے رشتوں سے منسلک نہ ہوں تو خواہ ہر فرد نیکی و خوبی میں ولی اللہ کا مقام ہی کیوں نہ رکھتا ہو کبھی وہ اثر پیدا نہیں کر سکتا جو اس صورت میں ممکن ہے جب وہ سب اتحاد کی رسّی میں جکڑے ہوئے ہوں۔ اسی لئے تو ارشاد ہوا واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا خدا تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے ہوئے یعنی نیکی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے بھی تمہیں اس عظیم امر کی حاجت درپیش ہے کہ تم باہمی اتفاق و اتحاد کا زبردست مظاہرہ کرو۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ کا ارشاد ہے

"یہ سلسلہ بیعت بمراد فراہمی طائفۃ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت جمع کرنے کے لئے ہے تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت و عظمت و نتائج خیر کا موجب ہو۔ اور وہ بہ برکت کلمہ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آ سکیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جبکہ وہ ایسی قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں۔ یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے سرانجام دینے کے لئے عاشق کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں تمام کوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان سے تمام برکات دنیا میں پھیلیں۔ اور محبت الٰہی اور ہمدردی بندگان کا پاک چشمہ ہر ایک دل سے نکل کر ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آئے۔"

دین کا خلاصہ قرآن دو کلمات میں آجاتا ہے۔ العظمۃ لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ۔ مذکورہ بالا عبارت میں کس خوبصورتی و دلکشی سے اس حقیقت کو آشکارا کر کے پھر یہ فرمایا کہ نیکیوں اور خوبیوں والے افراد ایک جگہ جمع ہوتے ہوں تو نیکی کا ایک دریا بہتا نظر آئے اور ہر ایک کے سامنے نیکی کا دریا ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دے۔

جس طرح کسی مقام پر ایک پھول اگر کھلا ہوا ہو تو وہ کبھی ایسی کشش و جذب کا موجب نہیں بن سکتا جتنا یہ کہ ایک جگہ پر ہر قسم کے رنگا رنگ پھولوں کا اجتماع ایک باغ کی شکل میں دلربائی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک اکیلا انسان ورزش کے کرتب کر رہا ہو تو وہ باعث توجہ نہیں بنتا جتنا یہ نظارہ کہ چند ہزار لوگ ایک نظم و نسق کی صورت میں فوجی پریڈ میں مشغول ہوں۔ اسی طرح دوسری جگہ حضرت اقدس اپنی بعثت کی اصل غرض ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ایمان باللہ و عمل صالحہ پر مبنی ایک اصلاح یافتہ جماعت :- "میری بعثت کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو پکی ایمان دار ہو۔ اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے، اسلام کو اپنا شعار بنائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح و تقویٰ کے رستہ پر چلے۔ اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت پائے۔ اور خدا کا منشاء پورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین کے ذریعہ ہم نے دشمن پر غلبہ پا بھی لیا اور اس کو پوری طرح زیر بھی کر لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں۔ کیونکہ اگر ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہ ہوئی تو ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔"

اسلام دلوں میں گھر کر رہا ہے مگر مسلمانوں کا نمونہ اشاعت اسلام کے لئے روک بن رہا ہے :

اسی طرح حضرت اقدس یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصول اسلام اس قدر سچے و راست ہیں کہ لوگ عام طور پر ان کو دلوں میں قبول کرتے جاتے ہیں مگر وہ اظہار اسلام نہیں کرتے کیونکہ مسلمانوں کا نمونہ روک بن رہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

"اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہا ہے۔ یورپ اور ایشیا کے لوگ اندر ہی اندر اس بات کو بخوبی سمجھ رہے ہیں کہ دیگر تمام ادیان باطل ہیں مگر دنیا سب کو محبوب ہو رہی ہے۔ یہ ایک زہر ہے جو ایک منٹ کیا ایک سیکنڈ میں ہلاک کر دیتی ہے۔ بڑا گناہ جو اس زمانہ میں پیدا ہوا ہے وہ حب دنیا ہے۔ یہ ایک باریک زہریلا کیڑا ہے جو خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کی اندرونی فرقے بھی بخوبی جانتے ہیں اور ان کے دل پہچانتے ہیں کہ کس فرقہ کے اصول عمدہ ہیں اور خدا تعالیٰ اس وقت کس طرح راضی ہو سکتا ہے۔ مگر ان کی اندرونی حالتیں خراب ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اے نبی تو کہہ دے اگر تم اللہ تعالیٰ سے پیار کرتے ہو۔ تو آؤ میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کر رہے ہیں؟ کیا ان کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سود لیتے تھے؟ یا مداہنہ کرتے تھے یا غفلت کرتے تھے یا دنیا کو دین پر مقدم کرتے تھے یا نفاق کرتے تھے؟ یہ سب باتیں ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں اور ان کی حالتیں وہ نہیں رہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متبعین کی ہوا کرتی تھیں۔ چاہیئے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زندگی بسر کیا کرتے تھے اسی طرح زندگی بسر کریں۔ تب سچے مسلمان ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کا مذہب نہیں رہا۔ مگر کتب اور آثار میں اسلامی حقیقت موجود ہے۔ صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ نہ دنیا ان سے پیار کرتی تھی اور نہ وہ دنیا سے پیار کرتے تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ایک نئی زندگی حاصل کر لی تھی۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ ان لوگوں کا قدم صحابہؓ کے قدموں پر ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس خدا تعالیٰ کا منشاء اس سلسلہ کے قیام سے یہ ہے کہ لوگ پھر اس راہ پر چلنے لگیں۔"

اجتماعی روحانیت بڑی مفید چیز ہے

ہمارا جلسہ سالانہ ایک امرِ جامع ہے

:- حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحبؒ :-

جماعت میں برکت ہوا کرتی ہے۔ جماعت میں ایک کی کمزوری دوسرے کی قوت کے ساتھ مل کر کمزوری نہیں رہتی بلکہ قوت سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ طاقتوروں کی معیت کمزور کی بھی حفاظت کا موجب ہو جاتی ہے۔ جب تک کوئی نہایت درجہ قوی روحانیت کا انسان نہ ہو اسکی تنہائی اس کی روحانیت کیلئے خطرہ سے خالی نہیں: اکیلے آدمی پر شیطانی وساوس اور غفلت و سستی کے حملے کارگر ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ طرح طرح کے وساوس کا شکار ہو کر اور غفلت و سستی کے اثر سے مذہب سے بیگانہ اور روحانیت سے عاری ہو جاتا ہے۔ یا کم سے کم اس میں وہ مذہبی جوش باقی نہیں رہتا جو ایک اسلامی مجاہد کے قلب میں ہونا چاہیئے۔

اسی لئے اسلام نے جماعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اگرچہ نماز بندہ کا اپنے رب کے ساتھ ذاتی تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے لیکن پانچ وقت میں بھی نماز کا ایک حصہ باجماعت کر دیا تا کہ رب کے ساتھ تعلق جوڑنے میں بھی جماعت کی اجتماعی روحانیت سے ایک کمزور روحانیت کا انسان فائدہ اٹھا سکے اور "اھدنا الصراط المستقیم" کی دعا مانگتے وقت برگزیدگان الٰہی کی دعاؤں کے ساتھ ایک گنہگار کی دعا بھی شرف قبولیت حاصل کر سکے۔ اس کی مثال میں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آنحضرت صلعم کی طرح بہت فیاض اور سخی تھیں۔ آپؓ کا یہ دستور تھا کہ جو کچھ وظیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں آپؓ کو بھیجتے اور بعض دفعہ بڑی بڑی رقمیں بھی بھیجتے مگر آپؓ سب خدا کی راہ میں دے دیتیں اور خود فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتیں۔ آپؓ کے ایک بھتیجے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ شکایت کی کہ آپ سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیتی ہیں ہمارے لئے پیچھے ترکہ کیا چھوڑیں گی؟ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت رنج ہوا۔ اور اپنے بھتیجے کی اس حبِ دنیا سے اس قدر بیزار ہوئیں کہ اُسے کہہ دیا کہ آئندہ میرے گھر میں نہ گھسنا۔

وہ بھتیجے صاحب بعد میں بہت پچھتائے۔ اور معافی وغیرہ طلب کرنی چاہی لیکن چونکہ اس کا مکان میں داخلہ بھی بند تھا اس لئے کامیابی نہ ہوئی۔ جب اس نے آنا چاہا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے منع کر دیا کہ میرے گھر میں نہ گھسو۔ اس نے بعض صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے عرض کی انہوں نے ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر جمع ہو کر درخواست کی کہ ہم سب کو اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا وہ بھتیجا بھی تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اندر داخل ہوتے ہی بھتیجے نے معافی مانگی اور صحابہؓ نے سفارش کی نتیجہ یہ ہوا کہ معافی مل گئی۔ گویا جماعت کے ساتھ وہ رد کیا ہوا بھتیجا بھی باریابی پا گیا۔

اللہ تعالےٰ کے حضور جو جماعت کھڑی ہوتی ہے۔ اس میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی، ان نیکوں کی دعا کے ساتھ بدوں کی بھی دعا قبول ہو جاتی ہے کیونکہ وہ ایک اجتماع کی مشترکہ اور متفقہ دعا ہوتی ہے۔ اسی کو شیخ سعدی صاحبؒ نے اس طرح فرمایا ہے:

شنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

پس جماعت کے نیکوں کے ساتھ گنہگار بھی جناب الٰہی کے دربار میں شرف باریابی پا جاتے ہیں جس طرح خدا کی رحمت کی بارش جب برستی ہے تو باغ میں جہاں پھولوں اور پودوں پر برستی ہے وہاں روڑیوں پر بھی برستی ہے۔ اسی طرح جناب الٰہی کی مغفرت اور رحمت کی بارش جب ایک جماعت پر ہونے لگتی ہے تو نیکوں اور بدوں پر بھی ہو جاتی ہے۔ پس جماعت کی نماز جماعت کی دعا جماعت کے ساتھ مل کر کوئی خدمتِ دین کرنے میں جو فضل کی ہوا اس جماعت پر چلتی ہے تو چھوٹے اور بڑے نیک اور بد سب پر کرم [illegible]

از قلم مکرم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن ——— سبق ۵۰

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرہ۔ آیات ۲۵۶ تا ۲۵۷)

ترجمہ:۔ "دین میں کوئی زبردستی (منوانا) نہیں۔ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔ پس جو شخص شیطان کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لاتا ہے اُس نے ایک محکم جائے گرفت کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والی نہیں۔ اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ اللہ اُن لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اور جو کافر ہیں اُن کے ولی شیطان ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ وہی آگ والے ہیں جو اسی میں رہیں گے۔"

اس عظیم الشان رکوع کے میرے ابتدائی درس جن اصحاب نے سُنے یا پڑھے ہونگے انہیں یاد ہوگا کہ اس رکوع سے قبل ذکر تھا جنگوں کا جو رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کو پیش آنے والی تھیں اپنے دین اور اپنی جانوں اور مالوں کو بچانے کے لئے۔ مزید برآں ذکر تھا اس جہادِ اکبر کا جو قرآن کے ذریعہ وجاھدھم بہٖ جہادًا کبیرًا کے فرمانِ الٰہی کے مطابق مسلمانوں کو ہر وقت اور خصوصًا اس زمانہ میں پیش آنیوالا تھا کیونکہ اس زمانہ میں دشمن تلوار یا تیروں سے نہیں بلکہ اعتراضات اور وساوس کے ذریعہ اسلام کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اعتراض کا جواب تلوار سے دینا حق کے علمبرداروں کا طریق نہیں بلکہ یہ تو باطل کے حامیوں یعنے کفارِ عرب کا طریق تھا جو لاجواب ہو کر اور اپنے غیض وغضب کی آگ میں بھڑک کر تلوار سے حق کو مٹانے پر اُتر آئے تھے۔ یہ کہ تلوار سے مقابلہ صرف دفاعی جنگ کے لئے جائز ہے اُن تمام آیاتِ قرآنی سے واضح ہے جن میں جنگ (جس کے لئے قرآن حکیم قتال کا لفظ استعمال فرماتا ہے) کے احکام آتے ہیں مثلًا پہلا حکم یوں ملا اُذِنَ للذین یقٰتلون بانّھم ظلموا (الحج۲۲۔ ۳۹) یعنے "اجازت دی جاتی ہے اُن لوگوں کو جن پر جنگ کی جاتی ہے اس لئے کہ اُن پر ظلم ہوا"۔ اسلام جس کے معنے ہی امن وسلامتی کا مفہوم ہے میں جنگ کی اجازت صرف تب ہے کہ دشمن مسلمانوں پر جنگ کو وارد کرے اور وہ بھی بطور ظلم۔ دوسری جگہ فرمایا وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ط ان اللہ لا یحب المعتدین ۝ (البقرہ۲۔ ۱۹۰) "اور جنگ کرو اللہ کے رستہ میں اُن لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اور زیادتی نہ کرنا۔ اللہ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا"۔ اور ذرہ اس آیت پر توجہ فرمائیں وقاتلوھم حتّٰی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلّہٗ للّٰہ ج (الانفال۸۔ ۳۹) فرمایا "اور اُن کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور **دین سب کے سب اللہ کے لئے** ہوں"۔

اسی مذہبی آزادی کے چارٹر کو آج کے درس کے ابتدائی الفاظ میں روزِ روشن کی طرح یوں دیا کہ لا اکراہ فی الدین "دین میں کوئی زبردستی (منوانا) نہیں ہے"۔ سبحٰن اللہ وبحمدہٖ کیا بلند وبرتر تعلیم قرآن پاک کی ہے! یہاں اس غلط فہمی کو بھی دور کرنا ضروری ہے کہ اسلام میں مرتد واجب القتل ہے۔ آیت مذکورہ بالا صاف بتا رہی ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اس کا اقرار خود انصاف پسند مستشرقین کو ہے جیسا کہ ہیفمنگ نے عیسائی ہونے کے باوجود "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" میں مرتد پر اپنا مضمون ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔ "قرآن میں مرتد کو صرف اگلی دنیا میں سزا کا خوف دلایا گیا ہے"۔ جو کہ صحیح ہے۔ اگر مرتد واجب القتل ہوتا تو کیا قرآن پاک میں یہ آیت ہوتی افانت تکرہ الناس حتّٰی یکونوا مؤمنین ۝ یعنے "تو کیا تو لوگوں کو مجبور کریگا یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں؟" (یونس۱۰۔ ۹۹) یا کیا مدینہ کے یہودی مسلمانوں کو ورغلانے کے لئے یہ چال چلتے کہ وقالت طآئفۃ من اھل الکتٰب اٰمنوا بالذی انزل علی الذین اٰمنوا وجہ النھار واکفروا اٰخرہ لعلھم یرجعون ۝ (اٰل عمران۳۔ ۷۲) یعنے "اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ دن کی ابتداء میں اس پر ایمان لے آؤ جو اُن لوگوں پر اتارا گیا جو ایمان لاتے ہیں اور اس کے آخر میں انکار کر دو تاکہ وہ لوٹ آئیں"۔

حالانکہ مدینہ میں رسول اللہ صلعم حاکم تھے اور ایسے مرتد ہو جانیوالوں کو خواہ وہ یہودی ہوں یا دوسرے سزائے قتل دے سکتے تھے۔ اگر مرتد کی سزا واقعی قتل کیا جانا تھا۔ یا کیا قرآن حکیم یہ اجازت دیتا کہ انّ الّذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرًا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلًا ۝ط (النساء۴۔ ۱۳۷) یعنے "بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔ پھر ایمان لے آئے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھ گئے تو اللہ یہ نہیں کہ ان کی مغفرت کرے اور نہ یہ کہ ان کو راہ پر سیدھا چلائے"۔ اور بھی کئی آیاتِ قرآنی اس بارہ میں ہیں مگر وقت کی قلت کے باعث میں اُن میں نہیں جاتا اور نہ میں احادیث کی بحث میں پڑتا ہوں۔ جن صاحب کو تحقیق کرنا ہو تو وہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی انگریزی کتاب

"دی ریلیجن آف اسلام" یا اس کے اردو ترجمہ "دینِ اسلام" میں مزید کے مضمون پر انکی بحث کو پڑھ لیں۔ اس بحث کا خلاصہ یا عطر وہ آیتِ مبارکہ ہے جس سے آج کا درس میں نے شروع کیا تھا کہ لآ اکراہ فی الدین " دین میں کوئی زبردستی (منوانا) نہیں۔

یہ مذہبی آزادی کا زبردست چارٹر یا اصول قرآنِ پاک نے آج سے چودہ سو سال قبل پہلے مقرر فرمایا جب کہ دنیا اندھیرے میں تھی۔ آج لیو۔ این چارٹر میں بھی مذہبی آزادی کے اصول کو واضح طور پر مانا گیا ہے۔ اُس چارٹر پر تمام دنیا کے ممالک نے دستخط کر کے قرآن پاک کی صداقت پر مہرِ اثبات لگائی ہے۔ اس پُرنور آیت لا اکراہ فی الدین کا تعلق پچھلی آیات سے کیا ہے؟ اُن میں ذکر فرمایا ہے کہ کفار اپنے خیالات وعقائد جن کو وہ دین سمجھتے تھے کو زبردستی منوانے کے لئے جنگ پر اتر آتے ہیں۔ تمہاری یعنے حضور سرورِ کائنات صلعم اور آپ کے ساتھیوں کی دفاعی جنگ مذہبی آزادی کے اصول کو منوانے اور دنیا میں قائم کرنے کے لئے ہونی چاہیئے۔ مگر دیکھنا کہ تم فتح پاکر جو اللہ تعالیٰ تم کو دیگا خود بھی اپنا دین زبردستی نہ منوانے لگنا۔ اور اس مذہبی آزادی کا جس کو حضور صلعم ساری عمر اپنے ماننے والوں کو سکھاتے رہے بہترین نظارہ فتح مکہ کے موقع پر نظر آیا کہ بد سے بدتر مخالفینِ اسلام بھی ایک مثال نہیں دیکھ سکتے کہ حضور صلعم نے کفار مکہ یا بعد کی کسی اور مغلوب قوم کو زبردستی اسلام منوایا۔ اللّٰھم صلّ وسلم وبارک علیٰ سیدنا ومولانا وشفیعنا محمّد وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ وخلفائہٖ اجمعین برحمتک یآ ارحم الرّاحمین۔ اسلام بھی کیا اعلیٰ مذہب ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے دین کو زبردستی منوانا ہوتا تو جس طرح ساری کائنات کو اپنی فرمانبرداری میں جکڑ دیا ہے انسان کو بھی فطرتاً جکڑ دیتا جیسا کہ مثلاً اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی ہدایت انکی فطرت میں رکھ کر اُس میں اُن کو جکڑ دیا ہے۔ مجال ہے جو کوئی جانور اپنی فطرت میں رکھی ہوئی ہدایت کے خلاف ذرہ بھی جا سکے۔ اگر انسان سے بھی ایسا کرتا تو پھر انسان حیوانی سطح سے اوپر نہ اُٹھ سکتا۔ انسان کو آزاد چھوڑ کر اللہ تبارک وتعالےٰ نے انسان پر کس قدر احسان کیا ہے! یہ تو اللہ تعالیٰ کی اپنی شان ہے کہ وہ یفعل مایرید یا فعال لما یرید کے بموجب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسی آزادیٔ رائے کیوجہ سے ہی تو انسان کو ایمان لانے یا نیک عمل کرنیکا اجر و ثواب ہے جس کا ذکر قرآن حکیم کے شاید ہر صفحہ پر ہے ورنہ اگر انسان کو کوئی بات زبردستی منوائی جاتی یا کوئی عمل زبردستی کروایا جاتا تو پھر انسان کے اس ماننے یا عمل میں کیا خوبی باقی رہتی! مثلاً اگر توحید کو جو ایمانیات کی جڑ ہے زبردستی منوایا جاتا یا سچ بولنے کو جو تمام نیکیوں کی بنیاد ہے زبردستی منوایا جاتا تو پھر توحید پر قائم ہونے یا سچ بولنے میں کیا خوبی باقی رہتی۔ خوبی تو تبھی ہے کہ انسان شرک میں مبتلا ہو سکتا ہے مگر وہ اس سے انکار کرتا ہے اور انسان جھوٹ بول سکتا ہے مگر پھر بھی وہ سچ بولے۔

انسان کیوں نہ قرآن پر قربان جائے۔ دیکھیئے اگلے الفاظ کیا آتے ہیں۔ قد تبین الرشد من الغیّ "بے شک ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے"۔ جہاں انسان کی برتری اور اخلاقی اور روحانی ترقی کا راز اس کی FREEDOM OF WILL یعنے آزادیٔ عمل میں ہے وہاں انسان کو بھٹکنے سے بچانے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدھے راستہ کو ٹیڑھے یا غلط راستوں سے واضح فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے رسول بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر ہدایت کو گمراہی سے واضح فرماتا رہا مگر وہ کتابیں ضائع ہو گئیں یا اُن میں بنیادی تحریفیں ہو گئیں اور ان کو لانے والے رسولوں کے نمونہ کو بھی مسخ کر دیا گیا۔ تو ہدایت کو قرآن پاک میں روشن ترین شکل میں رکھ کر قرآن حکیم کی حفاظت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا چنانچہ آج اسلام کے بدترین دشمن بھی اس بات کے معترف ہیں کہ قرآن پاک محفوظ کتاب ہے۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے قرآن پاک میں صدیاں گذر جانے کے باوجود ذرہ بھر بھی تبدیلی نہیں آئی۔ اسی طرح سنتِ نبویؐ ایسی محفوظ ہے کہ حضور کی زندگی کی ایک ایک بات اور ایک ایک گھڑی احادیث کی بے شمار کتابوں میں محفوظ ہے اور اگر کسی نبی کو تاریخی نبی کہا جا سکتا ہے تو وہ حضورؐ ہی ہیں اور اگر حضورؐ کی کسی بات یا کسی عمل کے متعلق اشتباہ پیدا ہو سکتا تھا تو اسکو دور کرنے کے لئے قرآن حکیم نے فرما دیا کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ " اور جو رسول کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اللہ کی ہی اطاعت کرتا ہے"۔ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کی یا بالفاظِ دیگر قرآن کریم کی ایسی مکمل اطاعت کی کہ اگر کسی حدیث یا روایت کے متعلق شبہ پیدا ہو تو اُسے قرآن پاک پر پیش کر کے دیکھ لو۔ اگر وہ قرآن شریف کے مطابق ہے تو صحیح ہے۔ اگر وہ قرآن پاک کے خلاف جاتی ہے تو وہ غلط ہے کیونکہ حضورؐ کا کوئی قول یا کوئی فعل قرآن کے خلاف نہ تھا۔

قرآن کریم نہ صرف مکمل ہدایت ہے بلکہ ہدایت کو دلائل دے کر ثابت کرتا ہے جیسا کہ فرمایا شہر رمضان الذی اُنزل فیہ القرآن ھدًی للناس وبیّنٰت من الھدٰی والفرقان (البقرۃ ۲ - ۱۸۵) یعنے "رمضان کا مہینہ وُہ ہے جس میں کہ قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لئے مکمل ہدایت ہے اور ہدایت پر اور حق و باطل میں فرق کر کے اُن پر کھلے دلائل دیتا ہے"۔ اگر ہدایت کی طرف بلاتا ہے تو دلائل دیکر۔ اگر ہدایت اور گمراہی میں فرق کر کے دکھاتا ہے تو دلائل سے۔ مثلاً اگر توحید کی تعلیم کی طرف بلاتا ہے تو دلائل دیکر، کہیں تمام کائنات کی شہادت کو پیش کرتا ہے تو کہیں انسان کی فطرت کی شہادت کی طرف توجہ دلاتا ہے، کہیں انسان کی عقل کو اپیل کرتا ہے تو کہیں تمام الہامی کتابوں اور نبیوں کی شہادت کو یاد دلاتا ہے کہیں کیا عجیب دلیل دی ہے وما کان معہ من الٰہٍ اذاً لذھب کل الٰہٍ بما خلق ولعلا بعضھم علیٰ بعضٍ سبحٰن اللہ عما یصفون ہ" اور نہ اُسکے ساتھ کوئی (دوسرا) معبود ہے اس صورت میں ہر ایک معبود نے جو پیدا کیا ہے وہ اُسے لیکر چلتا ہوتا اور اُن میں سے ایک دوسرے پر بڑائی حاصل کرنے میں لگا رہتا۔ اللہ اس سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں"۔ انسان خود تو اگرچہ سگے بھائی ہوں اپنی اپنی جائیداد لیکر علیحدہ ہو جاتے ہیں کیونکہ مثل مشہور ہے کہ سانجھے کی ہانڈی چوراہے میں پھوٹتی ہے۔ کسی ملک میں دو بادشاہ یا دو صدرِ مملکت یا دو وزیرِ اعظم نہیں ہوتے مگر اچھا خدا ہے جو آدھے پونے کا مالک ہے اور شراکت کی بندشوں اور مجبوریوں میں بندھا ہوا ہے۔ اور ایک خُدا میں تین خُدا عجیب تر ہے۔ دو بچے جُڑے ہوئے کس مصیبت میں ہوتے ہیں! تین خُدا ایک میں ہوں تو اُن کا کیا حال ہوگا؟

(باقی آئیندہ)

—— ✶✶✶ ——

از محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ لندن نزیل لاہور

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ

پردۂ دنیا پر انسان آیا تو اس کے ساتھ سفر اور سیر و سیاحت کی بنیاد بھی پڑی۔ وجہ تھی، کچھ تو حضرتِ انسان کی بے چین اور جستجو پسند طبیعت اور کچھ ضروریات و تقاضائے زندگی۔ ایک مشہور مقولہ ہے کہ "سفر وسیلۂ ظفر" کہ اپنے وطن میں بے روزگاری اور تنگی ترشی کا سامنا ہو تو چل پڑو۔ پردیس میں جا کر قسمت آزمائی کرو۔ صعوبتِ سفر اور سعی لبشر ضرور رنگ لائیگی اور اللہ کا فضل ہو جائیگا۔ یہ تو ہوا ہما شما عام لوگوں کا نقطۂ نظر۔ لیکن بڑوں کی بڑی باتیں۔ بادشاہوں سپہ سالاروں سرداروں اور طاقتور قوموں نے ملک گیری اور دنیا پر زیادہ سے زیادہ قبضہ کرنے اور اپنی ہوا لے کے لئے بڑے بڑے طویل و عریض سفر کئے۔ دشوار گذار گھاٹیاں، درّے اور کوہ و صحرا پار کئے۔

پھر جو لوگ چل پھر کر دنیا دیکھنے اور اس کے کونے کونے کا پتہ لگانے کے شوقین تھے انہوں نے ابتدائے زمانہ سے جبکہ ابھی سلسلۂ آمد و رفت کی آسانی نہ تھی سیر و سیاحت شروع کر دی۔ دنیا کی تاریخ ایسے سیاحوں اور مسافروں کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

اسکے علاوہ بھی کئی سفر دنیا میں اختیار کئے جاتے ہیں کبھی جان بچانے اور ظالم کے ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لئے کبھی خطرناک وباؤں سے بچنے کے لئے اور پھر تجارت اور ملکوں ملکوں پھر کر ساز و سامان لے جانے، بیچنے اور لانے، ادھر ادھر آنے جانے کے سفروں پر تو دنیا کے تہذیب و تمدن اور ترقی کی بنیاد پڑی۔ لیکن ان سب سفروں سے اعلےٰ و افضل بھی ایک سفر ہے۔ وہ ہے اللہ تعالےٰ کے لئے سفر اختیار کرنا۔ خدا کے بڑے بڑے پیغمبروں۔ رسولوں اور نیک و برگزیدہ بندوں کی زندگیوں میں اکثر ایسے سفر آئے اور ان کے لئے موجب خیر و برکت ہوئے۔

اب یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس موجودہ وقت میں بھی ایک ایسا سفر سال کے سال آتا ہے اور وہ ہے ہماری:

"احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا جلسہ سالانہ"

جس کی بنیاد آج سے نصف صدی سے بھی پہلے چودہویں صدی کے مجدّد اور مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی۔ جس نیک نیت اخلاص اور دردمندی سے انہوں نے اس جلسہ کی ابتداء کی۔ خدا کی شان، باوجود وقت گذرنے کے اس کی اہمیت اور خوبی۔ مقبولیت اور کامیابی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ خدا کے فضل اور اس عظیم الشان انسان کی دعاؤں سے یہ خوبیاں بڑھتی ہی جاتی ہیں۔ یہ ایک ننھا سا بیج تھا جو اس بندۂ اللہ نے قادیان کی گمنام اور چھوٹی سی بستی میں بویا۔ یہ وہاں پلا۔ بڑھا۔ پھر حالاتِ زمانہ اسے لاہور لے آئے لیکن یہ تبدیلی بھی اُسے راس آئی اور وہ زیادہ ہی پھولا پھلا۔ تر و تازہ ہوا۔ اور اب تو ماشاء اللہ اس کے چاہنے والے اور اس میں شمولیت کے مشتاق ہزاروں میل اور سات سمندروں کو پار کر کے پہنچتے ہیں۔

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ وہ جلسہ کے لئے بذریعہ ریل اور پھر بٹالہ ریلوے اسٹیشن سے یکّوں پر۔ بیل گاڑیوں پر۔ یا پیدل۔ کچی۔ اونچی نیچی دھول بھری سڑکوں پر سفر کرتے قادیان پہنچتے تھے لیکن سب تکلیفیں اور صعوبتیں اس مبارک اجتماع میں شامل ہو کر بھول جاتی تھیں۔ اور وہ یہ تین دن اللہ کے لئے دیگر آپس میں ملنے جلنے۔ میل ملاقات بڑھانے کے علاوہ جو دینی اور روحانی فیض پاتے تھے اس سے مالامال ہو کر واپس لوٹتے تھے۔

پھر میری بچپن کی یاد میں یہ جلسہ احمدیہ بلڈنگس کی چھوٹی سی مسجد اور گلیوں میں ہوتا تھا۔ جب بھی اسکی کشش اور فیض ایسا تھا کہ لوگ اس چھوٹی سی مسجد میں۔ تنگ گلیوں میں اور برانڈرتھ روڈ کے کنارے کھڑے ہو کر سنتے تھے۔ اب تو کچھ سیاسی مہربانوں نے دلوں میں فرق ڈال دیئے ہیں۔ لیکن اس زمانے میں تو نہ صرف احمدی مسلمان بلکہ اور مسلمان اور اُن کے چوٹی کے لیڈر اور سرکردہ نامور عالم اور شاعر آکر جلسہ کی رونق بڑھاتے تھے۔ خواتین کی طرف چقوں کے پیچھے اُسوقت کی بڑی بڑی پڑھی لکھی باشعور خواتین آکر بیٹھتی اور فیض حاصل کرتی تھیں۔ چندے دیتی تھیں۔

اب چند سالوں سے یہ جلسہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی نئی بستی دارالسلام میں منعقد ہوتا ہے۔ یہ بستی نہر کنارے ایک کھلی اور پُر فضا جگہ میں بنی ہے۔ ابھی تک یہاں شہر کی تنگ اور بھیڑ بھڑکے والی سڑکوں اور مکانوں سے پُر گنجان آبادی کا ماحول نہیں پیدا ہوا۔ مسجد بھی یہاں کی ماشاء اللہ زیادہ وسیع اور سادہ مگر خوبصورت ہے۔ کھلے میدان میں شامیانے اور قناتیں اُن میں دری اور کرسیاں اُوپر اور باہر بجلی کی روشنی سب مل ملا کر ایک اچھے بارونق میلے کا سا سماں پیدا کر دیتے ہیں لیکن یہ دنیا کا ہاہو سے گونجتا ہوا میلا نہیں۔ یہاں آنیوالوں کو اپنے خالق و مالک کی محبت اور دینِ اسلام اور قرآن کی خدمت کا جذبہ کھینچ کر لاتا ہے سب مل کر تین دن اللہ کی حمد و تعریف سنتے ہیں۔ مل کر عبادت کرتے اور دعائیں مانگتے ہیں اور پھر جو بزرگ ہستیاں سٹیج پر تشریف لاکر اپنے بیش بہا علم و معرفت سے پُر خیالات کا اظہار کرتی ہیں اور جو جذبہ اُن کی تقاریر سن کر دل میں پیدا ہوتا ہے اور پھر اُن کی اپیل پر جس طرح یہ چھوٹی سی جماعت اپنی بساط سے کہیں بڑھ کر دنیا کا مال و زر اسلام اور قرآن پر نچھاور کرتی ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ نہ تو یہ جذبہ کسی پیر یا لیڈر یا کسی بزرگ کی قبر کیوجہ سے پیدا ہوتا ہے اور نہ یہ قربانی کسی دنیاوی

جاہ وثروت کو حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے اسمیں شامل ہونیوالوں کو اس وقت اللہ سے لو لگی ہوتی ہے۔ اپنا دنیاوی نفع ونقصان بھول جاتا ہے فقیری امیری آسودگی تنگی ترشی کسی کا فکر نہیں رہتا۔ اکثر غریب مگر دل والے جانباز اپنی سال بھر کی بچائی ہوئی کمائی نذر مولا کر دیتے ہیں اور بجائے تہی دستی کے اپنے آپ کو مالامال محسوس کرتے ہوئے شاد کامران اور نہال نہال گھروں کو لوٹتے ہیں اس نیت کے ساتھ کہ اگلے سال پھر آئیں گے اور یونہی اللہ کی راہ میں اپنا جان و مال لٹائیں گے۔ جان یوں لٹتی ہے کہ اس جلسہ میں شمولیت کے لئے ان کو لمبے سفر جو باوجود موجودہ زمانہ کی سہولتوں کے کافی جسمانی تکلیف اور بے آرامی کا باعث ہوتے ہیں کرنے پڑتے ہیں۔ اور اپنا کاروبار اور گھر بار چھوڑ کر آنا پڑتا ہے لیکن یہ وہ مبارک سفر ہے جس کے مسافروں کے لئے اس جلسہ کے بانی خدا کے عظیم مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے دلی تڑپ اور درد کیساتھ دعائیں مانگی ہیں۔ وہ دعائیں حرف بحرف تو مجھے اسوقت یاد نہیں ہیں لیکن ان کا مفہوم یہ ہے کہ بار الہا۔ اس جلسہ میں آنیوالوں اور اس مقصد کے لئے سفر اختیار کرنے والوں کو تیری حفاظت و پناہ حاصل ہو۔ یہ سفر ان کے لئے آسان اور موجب برکت ہو۔ اللہ ان کے آل و اموال کی حفاظت فرمائے اور ان کے رنج و غم دور ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہر سال جلسہ [illegible] میں یہ پُر اثر و پُر درد مقبول دعائیں شائع کی جاتی ہیں۔ ان دعاؤں کو پڑھ کر بے اختیار دل چاہتا ہے کہ ہمیں بھی ان کے سائے میں جگہ ملے اور ان مجاہدین میں ہمارا بھی شمار ہو۔ یوں تو دنیاوی فائدہ اور نفع بھی بغیر جسمانی مشقت اٹھائے حاصل نہیں ہو سکتا لیکن اللہ کے لئے اس سفر کو اختیار کرنیوالے کو جو بے آرامی اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اس کا بدل نہ صرف اللہ تعالےٰ کی جناب سے ملنے والی جزائے خیر ہے بلکہ وہ حضرت صاحب کی مانگی ہوئی پُر اثر اور مقبول دعاؤں کے بھی حقدار ہو جاتے ہیں۔ اور ان دعاؤں کے ساتھ میں اپنے حضور و آقا نبی کریم صلعم کی ایک چھوٹی سی مگر جامع دُعا کو بھی بڑھاتی ہوں کہ اللھم انت الصاحب فی السفر و فی اہل۔ "اے اللہ تو ان آنیوالوں کا ساتھی ہونا۔ اور پیچھے ان کے اہل کا محافظ و نگہبان ہونا" یا اللہ تو اسکو بھی قبول فرما کر سب جلسہ میں شامل ہونے والوں کا ساتھی و مددگار ہو۔ آمین! ٭٭٭

اخبارِ احمدیہ:- حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بخیریت ہیں البتہ نلو سے پیدا شدہ کمزوری ہنوز باقی ہے۔ سب احباب حضور کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

جلسہ سالانہ میں شرکت کیلئے
تمام مخلصین و داخلین سلسلہ بیعت کے نام حضرت اقدسؑ کا ارشاد

قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلص لوگ خدا تعالےٰ چاہے بشرطِ صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں، سو میرے خیال میں آج کے دن کے بعد جو ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء ہے، آئندہ ہماری زندگی میں دسمبر کی ۲۷ تاریخ آجائے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کو سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے۔

اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کیجائے گی کہ خدا تعالےٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے۔

اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہونگے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناس ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ رب العزت جلشانہ کوشش کی جائے گی۔

اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہیں جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے۔

ایک ضروری تصحیح

پیغام صلح مجریہ ۱۶ نومبر ۱۹۸۳ء صفحہ نمبر (۱۰) کالم ۱ سطر ۳۳ شاہ عبد العزیز کے بجائے شاہ عبد الرشید پڑھا جائے۔ ادارہ اس سہو کتابت پر معذرت خواہ ہے۔

(ادارہ)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا

اُنہتّرواں (۶۹) جلسہ سالانہ ۱۹۸۳ء

پروگرام جلسہ

مؤرخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارک: پہلا اجلاس

زیر صدارت:- صاحبزادہ محمد احمد صاحب

وقت	عنوان	مقرر
۹-۳۰ تا ۹-۴۰	تلاوت قرآن مجید	مولوی عبدالرحمن صاحب کچھی
۹-۴۰ تا ۹-۵۰	منظوم کلام حضرت مجدد صد چہاردہم	جناب عنایت الرحمن صاحب شیخ محمدی
۹-۵۰ تا ۱۰-۰۰	ملفوظات " " "	جناب زاہد جنجوعہ صاحب
۱۰-۰۵ تا ۱۰-۳۵	افتتاحی خطاب	حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
۱۰-۴۰ تا ۱۱-۰۰	اھلاً وسھلاً ومرحبا	جناب چوہدری ریاض احمد صاحب افسر جلسہ سالانہ
۱۱-۰۵ تا ۱۱-۴۵	کس کے آگے ہم بیان درد دل کا ماجرا	جناب مرزا محمد لطیف شاہد
۱۱-۵۰ تا ۱۲-۳۰	اسلام اور کمیونزم	جناب کیپٹن عبدالواحد صاحب

(وقفہ طعام و نماز جمعہ - بوقت ۱-۳۰)

دوسرا اجلاس: زیر صدارت:- شیخ میاں خالد گل ملوک صاحب

وقت	عنوان	مقرر
۲-۳۰ تا ۲-۴۰	تلاوت قرآن مجید	مولوی شفقت رسول خاں صاحب لاہور
۲-۴۵ تا ۲-۵۰	منظوم کلام حضرت مجدد صد چہاردہم	ماسٹر عبدالسلام صاحب لاہور
۲-۵۰ تا ۳-۳۰	تقریر	ڈاکٹر جمیل الرحمن صاحب
۳-۳۵ تا ۴-۱۵	موجودہ عیسائیت میں کیا انقلاب آ رہا ہے؟	جناب محمد انور صاحب لندن

(وقفہ برائے نماز مغرب، عشاء اور عشائیہ)

تیسرا اجلاس، زیر صدارت: خان اختر علی خاں صاحب

صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ

از ۷½ تا ۹ بجے شب

زیر اہتمام مجلس شبان الاحمدیہ مرکزیہ جلسہ گاہ میں منعقد ہوگا۔

مؤرخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۸۳ء بروز ہفتہ - پہلا اجلاس

زیر صدارت:- جناب شیخ میاں عمر فاروق صاحب کراچی

وقت	عنوان	مقرر
۹-۳۰ تا ۹-۴۰	تلاوت قرآن مجید	حافظ عبدالرؤف صاحب ملتان
۹-۴۰ تا ۹-۵۰	منظوم کلام حضرت مجدد صد چہاردہم	عزیز مظہر رسول صاحب ملتان
۹-۵۰ تا ۱۰-۰۰	ملفوظات " "	جناب انوار احمد صاحب لاہور
۱۰-۰۵ تا ۱۰-۴۵	ضرورت مذہب	جناب چوہدری حنیف اختر صاحب
۱۰-۵۰ تا ۱۱-۲۰	سالانہ رپورٹ	جناب جنرل سیکرٹری صاحب
۱۱-۲۵ تا ۱۲-۳۰	تقریر "ولا تہنوا..."	حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

وقفہ طعام

(نماز ظہر و عصر ۱۲½ تا ۲¼)

دوسرا اجلاس: زیر صدارت: راس محمود صاحب آف لندن

وقت	عنوان	مقرر
۲-۱۵ تا ۲-۲۸	تلاوت قرآن مجید	قاضی عبدالاحد صاحب لاہور
۲-۲۸ تا ۲-۳۵	نظم	جناب مرزا ٹیپو سلطان بیگ صاحب فیصل آباد
۲-۳۵ تا ۳-۱۵	دین اسلام کیوں اور کیسے غالب آئیگا	جناب ڈاکٹر ظہیر الاسلام صاحب لاہور
۳-۱۵ تا ۳-۵۰	بعثت مجدد دیں	" ملک محمد ظفر اللہ خان صاحب راولپنڈی
۳-۵۰ تا ۴-۳۰	تقریر	ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب

مؤرخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۳ء بروز اتوار

زیر صدارت: ڈاکٹر نعمان الہیٰ ملک صاحب آف امریکہ

وقت	عنوان	مقرر
۹-۳۰ تا ۹-۴۰	تلاوت قرآن مجید	جناب ملک غلام علی صاحب
۹-۴۰ تا ۹-۵۰	نظم حضرت مجدد صد چہاردہم	" فاروق احمد صاحب سفید ڈھیری
۹-۵۰ تا ۱۰-۴۰	یاد رفتگان	" میاں فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی
۱۰-۴۰ تا ۱۱-۲۰	قوا انفسکم واھلیکم نارًا	" شیخ شریف احمد صاحب راولپنڈی
۱۱-۲۰ تا ۱۲-۰۰	اسلام کا تعزیری نظام	" چوہدری فتح محمد عزیز صاحب گجرات
۱۲-۰۰ تا ۱-۰۰	خدا تعالیٰ کے حضور ہماری جوابدہی	محترم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب
۱-۰۰	اختتامی خطاب و دعا	حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

نوٹ:- ہر روز از ۲۳ دسمبر ۸۳ء تا ۲۵ دسمبر ۱۹۸۳ء فجر کی نماز ۶ بجے ہوا کرے گی۔ ازاں بعد جلسہ کے تین دن جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مدظلہ حسب سابق درس قرآن مجید دیا کریں گے۔

مہتمم جلسہ سالانہ چوہدری ریاض احمد، دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن۔ لاہور

جلسہ سالانہ کے بارے میں

حضرت اقدس مجدد صد چہاردہم

کا تاکیدی ارشاد

اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ حق پر بنیاد ہے۔ (حضرت مسیح موعود)

اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور ان کے معلومات وسیع ہوں اور خداتعالیٰ کے فضل و توفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو پھر اس کے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور اس جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہوں گے۔ ماسوا اس کے اس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کیلئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام قبول کرنے کیلئے تیار ہو رہے ہیں۔ سو بھائیو یقیناً سمجھو کہ یہ ہمارے لئے ہی جماعت تیار ہونے والی ہے خداتعالیٰ کسی صادق کو بے جماعت نہیں چھوڑتا۔ انشاء اللہ القدیر سچائی کی برکت ان سب کو اس طرف کھینچ لائے گی۔ خداتعالیٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے اور کوئی نہیں کہ اس کو بدل سکے سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زاد راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدر ضرورت ساتھ لاویں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ ہرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خداتعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں جاتی اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ اسلام پر بنیاد ہے

اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خداتعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کیلئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ عنقریب وہ وقت آتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ اس مذہب میں نہ نیچریت کا نشان رہیگا نہ نیچر کی تفریط پسند اور اوہام پرست مخالفوں کا نہ خوارق کے انکار کرنے والے باقی رہیں گے اور نہ ان میں بے ہودہ اور بے اصل اور مخالف قرآن روایتوں کو ملانے والے اور خداوند تعالیٰ اس امت وسط کیلئے بین بین کی راہ زمین پر قائم کر دیگا۔ وہی راہ جس کو قرآن لایا تھا۔ وہی راہ جو رسول اللہ صلعم نے اپنے صحابہؓ کو سکھائی تھی۔ وہی ہدایت جو ابتداء سے صدیق، شہید اور صلحاء پاتے رہے یہی ہوگا اور ضرور یہی ہوگا جس کے کان سننے کے ہوں سنے۔ مبارک وہ لوگ جن پر سیدھی راہ کھولی جائے۔ بالآخر میں دعا پر ختم کرتا ہوں کہ ہر ایک صاحب جو اس للہی جلسہ کیلئے سفر اختیار کریں خداتعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجر عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم و غم دور فرما دے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی مرادات کی راہیں ان پر کھول دے اور روز آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ ان کو اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ اے خدا! اے ذوالمجد والعطا اور رحیم اور مشکل کشا یہ تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔

"آمین ثم آمین"

باہتمام البدر پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تارکا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷
مدیر اعزازی
پروفیسر خلیل الرحمٰن
بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید ۔ وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر
سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۳۰ روپے
بیرونی ممالک سے ۲ پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد :- ۷۰ | یوم چہارشنبہ یکم ربیع الاول ۱۴۰۴ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۸۳ء عیسوی | شمارہ : ۴۹

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردھم

جلسہ سالانہ کے اغراض و مقاصد

اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور ان کی معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو پھر اس کے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور اس جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہونگے ماسوا اسکے اس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں اور اسلام کے تفرقہ مذاہب سے بہت لرزاں اور ہراساں ہیں چنانچہ انہی دنوں میں ایک انگریز کی میرے نام چٹھی آئی جس میں لکھا تھا کہ آپ تمام جانداروں پر رحم رکھتے ہیں اور ہم بھی انسان ہیں اور مستحق رحم کیونکہ دین اسلام قبول کر چکے ہیں اور اسلام کی سچی اور صحیح تعلیم سے اب تک بے خبر ہیں سو بھائیو یقیناً سمجھو کہ یہ ہمارے لئے ہی جماعت تیار ہونے والی ہے خدا تعالیٰ کسی صادق کو بے جماعت نہیں چھوڑتا۔ انشاء اللہ القدیر سچائی کی برکت ان سب کو اس طرف کھینچ لائے گی خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے اور کوئی نہیں کہ اس کو بدل سکے۔ سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زاد راہ کی استطاعت رکھتے ہوں۔ اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدر ضرورت ساتھ لاویں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ حرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں ہوتی اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ اسلام پر بنیاد ہے اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ ....

جلسہ سالانہ پر لاہور آنے کی تیاری شروع کر دیجئے۔

۱۔ احمدی خواتین نمائش دستکاری میں حصہ لینے کیلئے اپنی اپنی اشیاء مکمل کر چکی ہونگی۔ نوجوان اور چھوٹی بچیوں کو انکی استعداد کے مطابق نمائش دستکاری میں حصہ لینے کی ترغیب دیں۔

۲۔ آپ نہ صرف خود شامل ہوں بلکہ دوسرے احباب کو بھی شمولیت جلسہ کیلئے آمادہ کریں اور ساتھ لائیں۔

۳۔ جلسہ سالانہ کے چار دن خالصتاً رضائے الٰہی کے حصول اسلام کی فتح و نصرت کی دعاؤں کیلئے وقف کریں کہ یہی امام وقت کا منشا تھا۔ (چوہدری منصور احمد۔ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

حضرت مجدد صد چہاردہم کا ارشاد گرامی

خُداتعالیٰ کی راہ میں تکلیف اُٹھاکر جلسہ سالانہ میں ضرور شامل ہوں

.. اس جلسہ میں جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادہ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ کاموں کی پرواہ نہ کریں۔ خداتعالیٰ مخلصوں کو ہر قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں جاتی اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ

اس جلسہ کو

معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے اور اس جلسہ کی بنیادی اینٹ خداتعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں"

۷۷۷

جلسہ سالانہ میں شرکت کرنے والوں کیلئے حضرت اقدسؑ کی دُعائیں

"ہر ایک صاحب جو اس للہی جلسے کیلئے سفر اختیار کریں۔ خداتعالےٰ اُن کے ساتھ ہو اور ان کو اجرِ عظیم بخشے۔ اور ان پر رحم کرے اور اُن کی مشکلات اور اضطراب کے حالات اُن پر آسان کردیوے اور اُن کے ہم وغم دُور فرماوے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی ہر ایک مرادات کی راہیں اُن پر کھول دے اور روزِ آخرت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے اور تا اختتامِ سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔

اے ذوالمجد والعطا اور رحیم و مشکل کشا ہماری تمام دُعائیں قبول کر۔ اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔" آمین ثم آمین!

۷۷۷

نماز میں حالتِ خشوع کا کم سے کم معیار

دل میں احساس کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے

خطبہ جمعہ مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۸۳ء ـ فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، بمقام دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

تشہد و تعوذ اور سورۃ المومنون کی پہلی گیارہ آیات "قد افلح المؤمنون ۔۔۔ اولٰئک هم الوارثون ۔ هم الذین یرثون الفردوس هم فیها خٰلدون" کی تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے جو آخری خطبہ یہاں دیا تھا اس میں بھی میں نے انہی آیات کے متعلق بیان کیا تھا۔ لیکن میں اپنا مضمون پورا نہ کر سکا تھا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے پھر موقع دیا تو اس مضمون کو مکمل کر دوں گا جو کچھ میں نے گذشتہ خطبہ میں عرض کیا تھا مختصر الفاظ میں اس کا خلاصہ بیان کر دیتا ہوں۔ تاکہ جو کچھ آج کے خطبہ میں کہوں گا اس کے ساتھ اس کا تعلق اور تسلسل قائم ہو جائے۔

خلاصہ:۔ میں نے کہا تھا کہ جو کوئی بھی سورۃ المومنون کی ان ابتدائی نو آیات پر پورے ایمان، یقین اور صدقِ دل کے ساتھ عمل کریگا اللہ تعالیٰ نے اسے جنت الفردوس کا وعدہ دیا ہے اور آنحضرت صلعم کی طرف سے بھی اُسے اسکی ضمانت دی گئی ہے اور یہی درحقیقت وہ کامیابی ہے اور مراد مندی ہے جس کا ذکر "قد افلح المؤمنون" میں کیا گیا ہے یعنی مومن یقیناً اپنی مراد کو پا گئے اور وہ مراد مندی ہے۔ "اولٰئک هم الوارثون الذین یرثون الفردوس" یہی وہ لوگ ہیں جو جنت کے وارث ہونگے ان لوگوں کی صفات پہلی نو آیات میں بیان کر دی گئی ہیں۔

میں نے کہا تھا کہ اس کامیابی اور مراد کو پانے کا جو ذریعہ قرآن کریم اور اسلام نے ہمیں بتایا ہے وہ تعلق باللہ ہے یہی وہ تعلق ہے جو انسان کے اندر اخلاقِ فاضلہ پیدا کرتا اور اسے روحانی بلندی عطا کرتا ہے اس کے بغیر اس کے لئے فلاح پانا ناممکن ہے اور نہ وہ اس مقصد کو پورا کر سکتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ اس کا بنیادی اور لازمی ذریعہ نماز ہے۔ ان آیات میں جو سات باتیں بتائی گئی ہیں ان میں سب سے پہلے نماز ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق میں نے کافی تفصیل سے ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ اللہ اپنے بندوں سے جس قسم کی نماز چاہتا ہے اس کے متعلق فرماتا ہے "الذین هم فی صلاتهم خٰشعون"، نماز وہی نماز ہے جس میں خشوع ہو۔ انتہائی درجہ کی عاجزی اور انکساری کا اظہار ہو۔ دل کے اندر یہ احساس ہو کہ میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں۔ اور اس بات کا خوف ہو کہ میری توجہ اور خیالات کہیں ادھر اُدھر نہ بھٹک جائیں اور میں جو کچھ اپنے رب سے مانگنا اور حاصل کرنا چاہتا ہوں اس میں کوئی کمی اور خامی نہ رہ جائے۔ حالت خشوع وہی حالت ہو سکتی ہے جس میں اللہ کی عظمت اور جبروت کا اثر دل پر ہو اور وہ اس انتہا کو پہنچ جائے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔ نماز ادا کرنے والا یہ محسوس کرے کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں اور اگر اسے یہ مقام حاصل نہ ہو تو کم از کم وہ یہ خیال کرے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے

اسی قسم کی نماز سے انسان کے اندر اخلاقِ فاضلہ پیدا ہوتے ہیں اور یہی نماز انسان کے روحانی درجات میں ترقی کا ذریعہ بن سکتی ہے اور یہی فلاح کی بنیادی اینٹ ہے ورنہ قرآن کریم میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں " فویل للمصلین الذین هم فی صلاتهم ساهون" یعنی ان نمازیوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جس نماز میں خشوع نہیں وہ نماز نہیں۔ وہ بے مقصد اور بے نتیجہ ہے۔ اسے کوئی پھل نہیں لگے گا۔ بلکہ وہ نمازی جو بغیر خشوع کے نماز پڑھتا ہے وہ نماز کی حقیقت سے غافل ہے اس لئے اس کے لئے تباہی ہے۔ وہ فلاح اور مراد کو کیا پائیگا؟

جنت کے متعلق میں نے بیان کیا تھا کہ جنت جس کا وعدہ دیا گیا ہے وہ صرف اگلے جہان میں ہی نہیں اس دنیا میں بھی ملے گی۔ قرآن کریم میں بھی دو جنتوں کا ذکر ہے ایک اس دنیا کی جنت ہے اور دوسری موت کے بعد ملنے والی جنت ہے۔ جو اس دنیا کی جنت کے لئے جدوجہد کرتا ہے اسے ہی آنے والی زندگی میں بھی جنت ملے گی۔ جیسے اس زندگی میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو نور عطا کرنے کا وعدہ دیا ہے وہی نور ان کے ساتھ اگلے جہان میں بھی جائے گا۔ "یوم یقول المنٰفقون والمنٰفقٰت للذین اٰمنوا انظرونا نقتبس من نورکم ج قیل ارجعوا وراءکم فالتمسوا نورا" جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے ہمارا انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے روشنی لیں (ان سے کہا جائیگا اپنے پیچھے کو لوٹ جاؤ اور نور" تلاش کرو۔ یعنی ہم بھی دنیا سے یہ نور اپنے ساتھ لائے ہیں تم بھی اگر واپس لوٹ کر دنیا میں جا سکتے ہو تو جاؤ اور وہاں سے یہ نور اپنے ساتھ لے آؤ جس طرح یہ نور اسی دنیا میں ملتا ہے اسی طرح جنت بھی یہیں ملتی ہے۔

یہ میرے پچھلے خطبے کا خلاصہ ہے جو میں نے اگلے مضمون کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے بیان کیا ہے۔

روحانی اور اخلاقی ترقی کا دوسرا ذریعہ جو ان آیات میں بیان ہوا ہے لغویات کا ترک کرنا ہے۔ ہر وہ بات جو زبان سے نکلے اور ہر وہ فعل جو انسان کے جوارح سے سرزد ہو اور جس میں مخلوق کی بھلائی نہ ہو لغو ہے۔ اس میں قیمتی وقت کا ضیاع ہے۔ ایسی تمام باتوں کو چھوڑ کر ایک پاک۔ صاف ستھری سنجیدہ اور بامقصد زندگی گذارنا مومن کا مقصود ہونا چاہیئے۔ جب ہم اپنی اور اپنے ارد گرد لوگوں کی زندگیوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ہر قسم کی لغویات سے پُر نظر آتی ہیں جن میں ساری قوم کا بہت قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے۔ ان میں نہ کسی کا اپنا کوئی فائدہ ہے اور نہ مخلوقِ خدا کا۔ آج ساری دنیا اس قسم کے بے مقصد مشاغل میں مصروف نظر آتی ہے جن کا کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ خود مسلمان بھی جن کے پاس قرآن کریم کی تعلیم ہے ان امراض میں

مبتلا ہیں۔ ہم خود بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ غور کر کے دیکھ لیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم میں بھی اس قسم کی کمزوریاں آگئی ہیں۔ حضور صلعم نے ان سے بچنے کے لئے تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے "ایاکم و ملغاۃ اول اللیل" کہ تم اول رات کی لغویات سے بچو۔ آج کل رات کے پہلے حصہ میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ لوگ رات کا کھانا کھا کر بیٹھتے ہیں اور اسی قسم کی لغویات میں صبح کر دیتے ہیں۔ ان مجالس میں غیبتیں۔ نکتہ چینیاں ایک دوسرے کے ساتھ فحش مذاق، فضول گپیں، شراب نوشی۔ سازشیں اور ایک دوسرے کو گرانے کے لئے منصوبے ہوتے ہیں۔ خاص کر ان لوگوں نے جن کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے بڑا حصہ دیا ہے اس طرح کی لغویات میں بڑی بڑی جدتیں پیدا کر لی ہیں۔ میں ان کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ آپ یہ سب کچھ جانتے ہیں۔ یہ ساری باتیں روح کو پاکیزہ کرنے سے روکتی ہیں۔

آنحضرت صلعم کے پاس باہر سے جب لوگ آتے اور کچھ دیر تک آپ کے پاس بیٹھ کر واپس جاتے تو آپ ستر بار استغفار پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجلس میں ایسی باتیں بھی ہو جاتی ہیں جن سے انسان کے دل پر غبار آ جاتا ہے جو استغفار پڑھنے سے مٹ جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اور آپ کے پاک ساتھی ایسی باتوں سے بچنے کے لئے کتنی احتیاط کرتے تھے۔ آپ کو کبھی اس بات کا تجربہ ہوا ہوگا کہ بری باتوں کے بعد انسان کا دل خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ دل میں ایک بے چینی سی پیدا ہو جاتی ہے مومن کا دل اس بات کو ضرور محسوس کرتا ہے۔ اور اس کو بہت بڑی اہمیت دیتا ہے۔ اور آئندہ کے لئے ایسی لغویات کو اپنی زندگی سے خارج کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس کی روح زنگ آلود ہو کر روحانی ترقی سے محروم نہ ہو جائے۔

تیسری بات جو فلاح اور بامرادمندی کے لئے ضروری ہے وہ ہے "ھم للزکوٰۃ فعلون" وہ اپنے نفوس کے تزکیہ اور انہیں پاک کرنے کے لئے عمل کرتے ہیں یہاں جو لفظ زکوٰۃ آیا ہے۔ یہ وہ زکوٰۃ نہیں جو مال پر دی جاتی ہے اس کے لئے قرآن کریم میں ایتاء الزکوٰۃ آتا ہے۔ نہ کہ فعلت الزکوٰۃ۔ للزکوٰۃ فعلون۔ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ اپنے نفوس کے تزکیہ کے لئے کرتے ہیں۔ تزکیہ نفس کو بڑا مقام دیا گیا ہے کیونکہ اخلاقی اور روحانی ترقی اور اعلیٰ مدارج حاصل کرنے کے لئے نفس کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک صاف کرنا نہایت ضروری ہے۔ قرآن کریم نے تزکیہ نفس اور فلاح کو اکٹھا کر دیا ہے اور فرمایا ہے۔ "ونفس وما سوٰھا. فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔ اللہ نے نفس انسانی کو پیدا کر کے اسے بالکل ٹھیک ٹھاک اور خوبصورت بنایا۔ چونکہ اس میں ہر قسم کے خارجی اور باطنی اثرات قبول کرنے کی اہلیت بھی موجود ہے اس لئے الھمھا فجورھا وتقوٰھا۔ اسے اچھے برے اور نیک و بد اثرات میں تمیز کرنے کے لئے شعور بھی عطا کر دیا ہے۔ اور اسے یہ بھی بتا دیا ہے کہ قد افلح من زکّٰھا۔ وقد خاب من دسّٰھا۔ جو عقل و شعور سے کام لے کر اپنے نفس کا تزکیہ کریگا وہ یقیناً اپنی مراد کو پالے گا لیکن جس نے اپنی خدا داد قوتوں اور استعدادوں کو دفن کر دیا اور انہیں بیدار نہ ہونے دیا وہ ناکام و نامراد رہیگا۔ اس لئے فلاح کے لئے تزکیہ نفس ضروری ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے قد افلح من تزکّٰی۔ وذکر اسم ربہ فصلّٰی۔ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور اپنے آپ کو پاک کرنے کی کوشش کی وہ کامیاب ہو گیا اور یہ اسی وقت ممکن ہو گا جب وہ خدا کی یاد کے لئے نماز پڑھے گا۔ خدا کو فراموش کر دینے سے نہ تزکیہ نفس ہو سکتا ہے اور نہ ہی فلاح مل سکتی ہے۔ تزکیہ نفس کے لئے نماز کے علاوہ صحبتِ صالحین بھی لازمی ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے "واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدٰوۃ والعشی" تو صبر کے ساتھ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ چمٹائے رکھ جو اپنے رب کو صبح و شام یاد کرتے ہیں یعنی ان کی صحبت اختیار کر۔ اس کے برعکس ان لوگوں کے متعلق جو اپنی اصلاح اور تزکیہ سے غافل ہیں فرمایا "ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھوٰہ" اور تو اس شخص کے پیچھے نہ لگ جس کا دل ہماری یاد سے غافل ہے اور جو اپنی ھوٰی کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ تزکیہ نفس کے لئے یہ بھی از حد ضروری ہے کہ آپ کا تعلق اٹھنا بیٹھنا اور مجالس ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں جو خدا کا ذکر اور نیک باتیں کرتے ہوں۔ اور ان لوگوں سے بچیں جن کی زندگی کی غرض ہی اپنی ادنیٰ خواہشات نفسانی کی پیروی ہو اور جن کے دل خدا کی یاد سے غافل ہوں ایسے لوگوں کی باتوں میں آنا اور ان سے میل جول رکھنا خدا سے دور کر دیتا ہے۔

فروج سے کام جو کہا دریجہ "والذین ھم لفروجھم حٰفظون" ہے یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہے کیونکہ قرآن کریم میں دوسری جگہ یہ الفاظ آتے ہیں "والحٰفظین فروجھم والحٰفظٰت" اپنی فروج کی حفاظت کرنیوالے مرد اور عورتیں۔ اس لئے اس حکم میں دونوں شامل ہیں۔ یعنی مرد اور عورتیں اپنے قوای شہوانی کو اپنے قابو میں رکھتے ہیں۔ وہ جنسی خواہشات سے مغلوب ہو کر بے راہروی کی زندگی اختیار نہیں کرتے۔ بے حیائی اور فحاشی سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر پاک زندگی حاصل نہیں ہو سکتی جس معاشرہ میں بے حیائی اور فحاشی پھیلی ہوئی ہو وہ معاشرہ اللہ تعالیٰ کی سخت گرفت اور اس کے عذاب سے بچ نہیں سکتا۔

پانچویں اور چھٹی بات جو فلاح کے لئے فرمائی گئی ہے وہ "والذین ھم لامٰنٰتھم وعھدھم رٰعون" ہے۔ وہ اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرتے ہیں۔ جو امانت ان کے پاس ہو اس کی ادائیگی میں وہ کوتاہی نہیں کرتے اور جو وعدہ کرتے ہیں اسے بڑی وفاداری کے ساتھ پورا کرتے ہیں۔ امانت کا صرف یہی مطلب نہیں کہ کسی نے کسی کے پاس کچھ رقم یا کوئی چیز امانت رکھدی ہے اور طلب کرنے پر لوٹا دی گئی بلکہ "ان تؤدوا الامٰنٰت الیٰ اھلھا" کے مطابق وہ تمام فرائض اور ذمہ داریاں ہیں جو کسی قوم یا جماعت کی طرف سے اس کے افراد پر عائد ہوتی ہیں۔ خواہ وہ حاکم ہوں یا رعایا کیونکہ جب ہر فرد کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کا احساس ہوگا اور وہ اپنی پوری استطاعت کے ساتھ انہیں پورا کرنے کی کوشش کریگا تو وہ قوم یا جماعت ترقی کریگی۔ اسے استحکام اور قوت حاصل ہوگی اور اس طرح ایک فلاحی معاشرہ وجود میں آئے گا۔ لیکن اگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا تو یہ جماعت ہو یا قوم افراتفری۔ بے چینی اور فتنہ و فساد کا شکار ہو جائے گی۔ اس لئے اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق کی کما حقہٗ ادائیگی ہی فلاح کی ضمانت دیتی ہے۔

وعدہ پورا کرنے کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ من لا عہد لہ لا ایمان لہ وہ جسے اپنے عہد کا پاس نہیں اس کا ایمان ہی نہیں۔ یعنی وعدہ خلافی سے انسان کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ اور اس سے انسان کی عزت اور وقار خاک میں مل جاتا ہے۔ اس پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے جس کی وجہ سے انسانوں کی زندگی میں امن و سکون باقی نہیں رہتا۔ عہد کی پاسداری نہ صرف انفرادی بلکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر بھی بہت لازمی ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلعم کا طرز عمل ہمارے لئے ایک بے نظیر مثال ہے۔ جس قوم میں سے حقوق و فرائض کی دیانت داری کے ساتھ ادائیگی کا احساس مٹ جائے اس کی بقاء کے امکانات مخدوش ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے امانت اور عہد کی رعایت کا ذکر یہاں فرمایا ہے۔

سب سے بڑا عہد وہ ہے جو انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ماموروں کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کرتا ہے۔ ہم نے بھی ایسا عہد کیا ہے اور ابھی ابھی اسے تازہ کیا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے دل میں یہ سوچنا چاہیئے کہ کیا وہ اپنے اس عہد کو ایفا کرنے کے لئے اپنی پوری پوری کوشش کر رہا ہے۔ اگر اسے اپنے دل سے جواب ملے کہ نہیں تو پھر اسے اس طرف ضرور توجہ کرنی چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ط ید اللہ فوق ایدیھم ج فمن نکث فانما ینکث علیٰ نفسہ ج ومن اوفیٰ بما عٰھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجراً عظیما۔ وہ لوگ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے ہی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ پس جو کوئی یہ بیعت توڑتا ہے اس کا نقصان اسی کو ہوگا اور جو اسے پورا کرتا ہے جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا ہے تو وہ اسے بڑا اجر دے گا۔ یہی الہام حضرت اقدس کو بھی ہوا تھا۔ اسی لئے آپ کی بیعت کرنا بھی اللہ تعالیٰ سے عہد کرنا ہے۔ جو اس کو پورا کریگا اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے اجر عظیم کا وعدہ ہے اور جو نہیں کریگا اس کا اپنا نقصان ہی ہوگا اللہ کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا۔

آخری بات جو فرمائی ہے وہ ہے والذین ھم علیٰ صلواتھم یحافظون اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔ یہاں صلوٰۃ کو پھر دہرایا ہے۔ شروع میں فرمایا تھا ھم فی صلاتھم خٰشعون وہ اپنی نمازوں میں عاجزی اور انکساری اختیار کرتے ہیں اور یہاں بیان فرمایا ہے ھم علیٰ صلاتھم یحافظون وہ اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں یعنی تعلق باللہ کے اس ذریعہ کو کمال تک پہنچاتے ہیں تاکہ یہ ان کے لئے معراج بن کر ان کی روحانی ترقیوں کا سبب بن جائے اور یہ نماز ایسی نماز ہو جس کی تعریف قرآن کریم نے ان الفاظ میں کی ہے۔

"ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر"

کہ نماز وہی نماز ہے جو انسان کو بے حیائی اور برائی سے روک دے بات کو نماز سے شروع کیا تھا اور نماز پر ہی ختم کیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ لغویات سے اعراض۔ تزکیہ نفس۔ فروج کی حفاظت۔ امانت و عہد کی پاسداری۔ یہ سب کچھ نماز کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ نماز ہی خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے اور اخلاق فاضلہ اور روحانی کمالات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ تاریخ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں بلند سے بلند اخلاق والے لوگ ہی روحانی پیشوا ہوئے ہیں کیونکہ اللہ سے ان کا تعلق کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ اولٰئک ھم الوارثون الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خٰلدون۔ جنت کی وراثت اور فلاح کی کنجی نماز ہی ہے جس پر قرآن کریم میں بار بار زور دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے قرآن کریم کے الفاظ فذکر ان نفعت الذکریٰ کو سامنے رکھتے ہوئے گذشتہ خطبہ کے آخر میں اس بات پر زور دیا تھا کہ نصیحت کرتے رہنا چاہیئے اس کا ضرور اثر ہوتا ہے، لیکن میں نے اور دوسرے دوستوں نے بھی یہ محسوس کیا ہے کہ خطبے محض وعظ ہوتے ہیں ان کا اثر کچھ نہیں ہوتا۔ بعض نے اس پر مایوسی کا اظہار کیا ہے لیکن ہمارا یہ خیال درست نہیں کیونکہ جب قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ نصیحت کرتا رہ اس سے ضرور فائدہ ہوتا ہے تو ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ جو نصیحت قبول نہیں کرتے ان کے لئے یہ الفاظ قابل غور ہیں اور یہ بہت سخت ہیں سیذکر من یخشیٰ و یتجنبھا الاشقی الذی یصلی النار الکبریٰ ثم لا یموت فیھا ولا یحییٰ۔ نصیحت وہی قبول کرتا ہے جو ڈرتا ہے اور جو بدبخت انسان نصیحت قبول نہیں کرتا اور اس سے دور رہتا ہے وہ ایک بڑی آگ میں داخل ہوگا اور پھر نہ اس میں مرے گا اور نہ جیئے گا۔ وہ لوگ جو نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے انہیں اپنے انجام بد کی فکر کرنی چاہیئے۔

ایک دوسری آیت میں ہے" وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین" اور نصیحت کرتا رہ نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے۔ جو نصیحت قبول نہیں کرتے اور اپنے انجام سے جس کا میں قرآن کریم کے الفاظ میں اوپر ذکر کر آیا ہوں غافل ہیں وہ خود سوچ لیں کہ وہ کس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے جو مومن ہیں یا ان سے جن کے دل ایمان اور خدا کے خوف سے خالی ہیں۔ میں نے پچھلے خطبہ میں بھی کہا تھا اور اب بھی یہی کہتا ہوں کہ نصیحت سن کر اس پر ضرور عمل کرنا چاہیئے۔ اللہ مجھے بھی اپنے بیان سے اور آپ کو بھی نفع پہنچائے۔

— * * * —

تبدیلی پتہ

گوجرانوالہ سے محترم ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب ریٹائرڈ سول سرجن کراچی منتقل ہو گئے ہیں۔ احباب جماعت ان سے حسب ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

ڈاکٹر شیخ فضل الرحمٰن صاحب
ریٹائرڈ سول سرجن
معرفت ڈاکٹر سیف الرحمٰن صاحب
آئی سپیشلسٹ
ای۔ ۱۰۔ کوسی ہومز
گلشن اقبال کراچی

مکرم فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی

ہمارا جلسہ سالانہ

بانئے سلسلہ احمدیہ کے سوانح مطالعہ کرنیوالوں پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ خلعت ماموریت پانے سے قبل آپکی طبیعت خلوت اور عزلت گزینی کی طرف مائل تھی ۔ آپ تنہائی کے لمحات میں قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ۔ احکام ربانی پر غور کرتے اور کلام معجز نظام کی آیات پر غور و تدبر کرتے ۔ اٹھتے بیٹھتے قرآن مجید پڑھنے کا شغل جاری رہتا ۔ علم قرآن کے حصول کے لئے بہت دعائیں کرتے مسجدوں میں جناب الٰہی میں گریہ وزاری کرتے آپ کو شہرت سے نفرت تھی اور جلوت کو آپ بارگراں سمجھتے تھے ۔ ان واقعات کا ذکر آپ کے ان اشعار میں ملتا ہے ۔ ؎

کچھ ایسا فضل حضرت رب الورای ہوا + میں خاک تھا اسی نے ثریا بنا دیا

میں تھا غریب و بیکس و گمنام بے ہنر + کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر

لوگوں کی اس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی + میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی

جب باری تعالیٰ نے آپ کو خلعت مجددیت سے سرفراز فرمایا اور ماموریت کا تاج پہنایا تو آپ نے ان معارف قرآن کو اور حقائق اور انوار اسلام کو جو آپ نے خدائے علیم و خبیر نے سکھلائے تھے پھیلانے کے لئے بحکم ربی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور دوستوں اور دشمنوں کو دعوت عام دی کہ آؤ میرے پاس رہو میں تمہیں زندہ خدا کے زندہ نشان دکھلاؤں ۔ گناہوں اور ظلمتوں کے جن بوجھوں تلے تم دبے ہوئے ہو ان سے تمہیں نجات دوں تمہیں نئی زندگی کی راہ دکھلاؤں ۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے + لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

حضرت بانئے سلسلہ نے مجددیت کا دعوٰی ۱۸۸۴ء میں کیا اور بیعت کا اعلان یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو ہوا مگر حضرت اقدس نے سب سے پہلے ۱۸۸۹ء کی ابتدا میں بیعت لینی شروع کی بیعت کی شرائط میں آخری شرط یہ تھی ۔

" اس عاجز (یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب) سے عقد اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا ۔ اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلٰے درجہ کا ہو گا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو "

اس شرط کے مطابق مبائع کے لئے ضروری تھا کہ حضرت بانئے سلسلہ کی خدمت میں جتنی دفعہ ممکن ہو حاضر ہو کر ان برکات سماویہ اور انوار الٰہیہ سے حصہ لے جو آپ پر نازل ہو رہے تھے ۱۸۹۱ء کے دسمبر میں حضرت اقدس نے جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی اور پہلا سالانہ جلسہ ۲۷ سے ۲۹ دسمبر ۱۸۹۱ء قادیان میں منعقد ہوا ۔ اس جلسہ کی غرض و غایت بیان کرنے کے لئے آپ نے ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء کو ایک اعلان شائع فرمایا ۔ اس میں آپ فرماتے ہیں ۔

" اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعف فطرت یا کمی مقدرت یا بعد مسافت یہ میسر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کے لئے آوے ... لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسے کے لئے مقرر کئے جائیں جس پر تمام مخلصین اگر خدا تعالٰے چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں ۔ سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ ۲۷ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک قرار پائے "

اس اعلان کے بعد ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ دسمبر ۱۸۹۲ء کو سالانہ جلسہ منعقد ہوا ۔ پچھلے سال ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو منعقد ہونے والے جلسہ میں ۷۵ مخلصین شریک ہوئے تھے ۔ ۱۸۹۲ء کے اجلاس میں ان احباب کی تعداد جو محض للہ جلسہ میں شرکت کے لئے دور دور سے تشریف لائے تھے ان کی تعداد ۳۲۷ تھی ۔ ان مخلصین کے اسمائے گرامی معہ پتہ آئینہ کمالات اسلام میں درج ہیں ۔ اسی کتاب کے آخر میں حضرت اقدس کے ناظرین کی توجہ کے لائق " ایک اعلان کیا ۔ اس میں آپ فرماتے ہیں ۔

" اس بات کے سمجھنے کے لئے کہ انسان اپنے منصوبوں سے خدا تعالٰے کے کاموں کو روک نہیں سکتا یہ نظیر نہایت تشفی بخش ہے کہ سال گذشتہ میں جب ابھی فتوٰی تکفیر میاں بٹالوی صاحب کا طیار نہیں ہوا تھا اور نہ انہوں نے کچھ بڑی جدوجہد اور جانکنی کے ساتھ اس عاجز کے کافر ٹھہرانے کے لئے توجہ فرمائی تھی صرف ۷۵ ۔ احباب اور مخلصین تاریخ جلسہ پر قادیان میں تشریف لائے تھے ۔ مگر اب جبکہ فتوٰی طیار ہو گیا اور اب بٹالوی صاحب نے ناخنوں تک زور لگایا اور آپ بصد مشقت ہر یک جگہ پہنچ کر اور سفر کی ہر روزہ مصیبتوں سے کوفتہ ہو کر اپنے ہم خیال علماء سے اس فتوای پر مہریں ثبت کرائیں ۔ اور وہ اور ان کے ہم مشرب علماء بڑے ناز اور خوشی سے اس بات کے مدعی ہوئے کہ گویا اب انہوں نے اس الٰہی سلسلہ کی ترقی میں بڑی بڑی روکیں ڈال دی ہیں تو اس سالانہ جلسہ میں بجائے ۷۵ کے ۳۲۷ ۔ احباب شامل جلسہ ہوئے اور ایسے صاحب بھی تشریف لائے جنہوں نے توبہ کر کے بیعت کی "

میر ناصر نواب صاحب نے حضرت اقدس کی خصوصی دعوت پر پہلی بار ۱۸۹۲ء کے جلسہ میں شرکت کی تھی ۔ جلسہ کی کیفیت کے بارے میں ان کے تاثرات بعنوان " کیفیت جلسہ سالانہ " قادیان ضلع گورداسپور تاریخ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۲ء بر مکان جناب مجدد وقت مسیح زماں میرزا غلام احمد صاحب اور اس پر بندہ کی رائے جو ملاقات میرزا صاحب موصوف اور معائنہ جلسہ اور اہل جلسہ کے بعد قائم ہوئی ۔ " قابل غور ہے آپ لکھتے ہیں ۔

" میں ۲۷ تاریخ دسمبر کو دوپہر سے پہلے قادیان میں پہنچا اسوقت مولوی حکیم نورالدین صاحب میرزا صاحب کی تائید میں بیان کر رہے تھے اور قریب ختم کے تھا ۔ افسوس کہ میں نے پورا نہ سنا لوگوں سے سنا کہ بہت عمدہ بیان تھا ۔ پھر حامد شاہ صاحب نے اپنے اشعار میرزا صاحب کی صداقت اور تعریف میں پڑھے لیکن چونکہ مجھے ہنوز رغبت نہیں تھی اور میرا دل غبار آلود تھا کچھ شوق اور محبت سے نہیں سنا ۔ لیکن اشعار عمدہ

تھے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جب میں میرزا صاحب کو ملا اور وہ اخلاق سے پیش آئے تو میرا دل نرم ہوا گویا میرزا صاحب کی نظر سرمہ کی سلائی تھی جس سے غبار کدورت میرے دل کی آنکھوں سے دور ہو گیا اور غیظ و غضب کے نزلہ کا پانی خشک ہونے لگا اور کچھ کچھ دھندلا سا مجھے حق نظر آنا شروع ہو گیا اور رفتہ رفتہ باطنی بینائی درست ہوئی۔ میرزا صاحب کے سوا اور کئی بھائی اس جلسہ میں ایسے تھے کہ جن کو میں حقارت اور عداوت سے دیکھتا تھا۔ اب ان کو محبت اور الفت سے دیکھنے لگا اور یہ حال ہوا کہ کل اہل جلسہ میں جو میرزا صاحب کے زیادہ محب تھے وہ مجھے بھی زیادہ عزیز معلوم ہونے لگے بعد عصر میرزا صاحب نے کچھ بیان فرمایا جس کے سننے سے میرے تمام شبہات رفع ہو گئے۔۔۔

اس جلسہ پر تین سو سے زیادہ شریک اور نیک لوگ جمع تھے جن کے چہروں سے مسلمانی نور ٹپک رہا تھا۔ امیر، غریب، نواب، انجینئر، تھانہ دار، تحصیلدار، زمیندار، سوداگر، حکیم غرض ہر قسم کے لوگ تھے۔ ہاں چند مولوی بھی تھے مگر مسکین مولوی۔ مولوی کے ساتھ مسکین اور منکسر کا لفظ یہ میرزا صاحب کی کرامت ہے۔ ہر صدی میں ہزاروں اولیاء (جن پر ان کے زمانہ میں کفر کے فتوے بھی ہوتے رہے ہیں) گذرے ہیں اور کم و بیش ان کے مریدان کے فرمانبردار اور جان نثار ہوتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے سچی خدا کے ساتھ دلی محبت کا۔ میرزا صاحب کو چونکہ سچی محبت اپنے مولیٰ سے ہے اس لئے آسمان سے قبولیت اتری ہے اور رفتہ رفتہ باوجود مولویوں کی سخت مخالفت کے سعید لوگوں کے دلوں میں میرزا صاحب کی الفت ترقی کرتی جا رہی ہے۔ (اگرچہ ابوسعید صاحب خفا ہی کیوں نہ ہوں)۔۔۔ میرزا صاحب کے پاس (جو بزعم مولوی صاحب کافر بلکہ اکفر اور دجال ہیں) گھر بیٹھے لاہور، امرتسر، پشاور، کشمیر، جموں، سیالکوٹ، کپورتھلہ، لدھیانہ، بمبئی، ممالک شمال و مغرب اودھ، مکہ معظمہ وغیرہ بلاد سے گھر سے بوریا باندھے چلے آتے ہیں۔ پھر آنے والے بدعتی نہیں، مشرک نہیں، جاہل نہیں، کنگال نہیں بلکہ موحد، اہل حدیث، مولوی، مفتی، پیرزادے، شریف، امیر، نواب، وکیل اب ذرا سوچنے کا مقام ہے کہ باوجود مولوی محمد حسین صاحب کے گرانے کے اور اکثر مولویوں سے کفر کے فتوای پر مہریں لگوانے کے لئے اللہ جل شانہٗ نے میرزا صاحب کو کس قدر چڑھایا اور کس قدر خلق خدا کے دلوں کو متوجہ کر دیا کہ اپنا آرام چھوڑ کر وطن سے جدا ہو کر روپیہ خرچ کر کے قادیان میں آ کر زمین پر سوتے بلکہ ریل میں ایک دو رات جاگتے بھی حاضر ہوئے اور کئی پیادہ چل کر بھی حاضر ہوئے۔ میں نے ایک شخص کے بھی منہ سے کسی قسم کی شکایت نہیں سنی۔ میرزا صاحب کے گرد ایسے جمع ہوتے تھے جیسے شمع کے گرد پروانے۔ جب میرزا صاحب کچھ فرماتے تھے تو ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے چند نفر تقریباً چالیس پچاس شخص اس جلسہ پر مرید ہوئے۔۔۔۔"

دیکھو خدا نے ایک جہاں کو جھکا دیا + گمنام پا کے شہرۂ عالم بنا دیا۔

میرزا صاحب نواب صاحب کے تاثرات پڑھ کر اس جلسہ کے اغراض و مقاصد کی صداقت پر یقین محکم پیدا ہوتا ہے۔ اعلان جلسہ سالانہ (۱۸۹۱ء) میں حضرت بانیٔ سلسلہ نے اس جلسہ کے اغراض و مقاصد بیان فرماتے ہوئے لکھا:

"اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔ اور ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائیگی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہونگے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائیگا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔ اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جل شانہٗ کوشش کی جائے گی۔ اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد و منافع ہونگے جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے۔۔۔"

حضرت بانیٔ سلسلہ نے اس اجتماع کو ایک روحانی جلسہ قرار دیا جس میں روحانی فوائد اور منافع کی بشارت دی۔ حقائق و معارف کے سنانے۔ دلوں میں خشیت اللہ رجوع الی اللہ پیدا کئے جانے کی دعائیں۔ تودد اور محبت کو بڑھانے اور خشکی اور اجنبیت کے دور کئے جانے کے لئے اجتماعی دعاؤں کے مواقع کا ذکر کیا۔ جب دسمبر ۱۸۹۱ء میں حضرت اقدس کی طرف سے اعلان جلسہ سالانہ ہوا تو لاہور کی مسجد چینیاں والی کے مولوی رحیم بخش صاحب نے ایسے اجتماعات کی تجویز کو محدثات میں سے قرار دیا جن کے لئے کتاب اور سنت میں کوئی سند نہیں اور ان جلسوں پر جانا بدعت بلکہ معصیت ٹھہرایا۔ خدا کی شان ہے مولوی صاحب کی زندگی میں ہی انجمن حمایت اسلام جمعیت اہلحدیث اور پھر جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کے سالانہ جلسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مگر جماعت احمدیہ کا جلسہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں یورپ اور امریکہ اور دوسرے غیر ممالک کے لئے دینی ہمدردی اشاعت اسلام اور ہمدردی نومسلمین کے لئے احسن تجاویز۔ دنیا میں نیک چلنی اور نیک بختی اور تقوی طہارت اور اخلاقی حالات کے ترقی دینے کے لئے اور اخلاق اور عادات دینیہ اور رسوم قبیحہ کو قوم میں سے دور کرنے کی کوششیں اور تدبیریں کی جائیں گی۔

حضرت اقدس کی زندگی میں ان اغراض و مقاصد پر پورا عمل ہوتا رہا۔ تودد اور محبت کے بڑھانے میں یہ روحانی اجتماع بڑے مفید ہوئے۔ ان دنوں جو حقائق و معارف سنائے جاتے ان سے ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق فیض یاب ہوتا رہا۔ بے علم علم سے اور سچے دینی شعور سے مالا مال ہوتے رہے اور مخالفین اسلام کا مقابلہ کرنے میں طاق ہوتے چلے گئے۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ ایسے لوگ بھی تھے جو جلسہ میں شرکت کے لئے قادیان جاتے تو لباس کے رکھ رکھاؤ سے جاتے مگر واپسی پر ایسے سرشار ہو کر نکلتے کہ لباس کی کوئی سدھ بدھ نہ رہتی ایسا دکھائی دیتا کہ میخانہ سے مست نکل رہے ہیں۔

تیرا میخانہ جو اک مرجع عالم دیکھا + خم کا خم منہ سے بصد حرص لگایا ہم نے

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سالانہ جلسوں پر بھی روح افزا مناظر دیکھنے میں آتے رہے۔ دن کو جماعت کے علماء فضلاء حقائق اور معرفت کے دریا بہاتے۔ رات کو احباب سلسلہ کئی مقامات پر جمع ہو کر اپنے مسائل اور ان کے حل کی

تدبیریں پیش کرتے۔ یہ سلسلہ سحر تک جاری رہتا اور پھر مسجد احمدیہ بلڈنگس میں تہجد گزاروں کی قطاریں احباب سلسلہ کے زیر تبلیغ رہتے۔ کچھ ایسے بھی ہوتے جو جماعت کی خدمات دینیہ اور خصوصیات سے متاثر ہو کر سلسلہ میں شامل ہوتے تھے۔ آج بھی ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم سالانہ جلسہ کی ان اغراض و مقاصد کو مدنظر رکھیں جو حضرت بانئے سلسلہ نے تجویز کی تھیں۔ ہم جلسہ میں شریک ہوں تو اس نیت سے کہ ہم نے علم دین حاصل کرنا ہے۔ نومبائعین سے متعارف ہونا ہے۔ دکھی بھائیوں سے ان کا دکھ درد بانٹنا ہے۔ اور ان سے محبت اور اخلاص کو بڑھانا ہے اور اپنے نفس کی اصلاح کرنی ہے۔ خدمت دین۔ تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے لئے کچھ دینا ہے۔ اور اپنے اوقات ان تین دنوں میں خالصتاً دینی اور روحانی امور کے لئے وقف کر دینا ہے۔ اپنے اندر اتفاق۔ اتحاد اور یک جہتی کو فروغ دینے کے لئے اپنے بھائی بندوں سے مل کر تدابیر اور تجاویز سوچنا ہے اور پھر آئندہ سال ان پر عمل کرنا ہے۔ اور

گر یہ نہیں تو بابا یہ سب کہانیاں ہیں۔

آیئے ہم خدا ذوالجلال والاکرام کا نام لے کر اس جلسہ میں بطیب خاطر اور نیک نیت سے شریک ہوں کہ ہم نے تلافی مافات اور آئندہ سال کے لئے نئے عزم۔ ولولہ اور جوش سے دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ عزیز سمجھنا ہے۔

اعتذار

درس قرآن کا سبق نمبر ۵۱ کاتب پیغام صلح کی بیماری کے باعث زیر نظر شمارہ میں شریک اشاعت نہیں ہو سکا۔ اسے قارئین کرام ۱۴ دسمبر ۱۹۸۳ء کے پرچہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

(ادارہ)

جلسہ فنڈ:-

ہر احمدی دوست کو جلسہ فنڈ میں حسب حیثیت چندہ دینا چاہیئے۔

(ادارہ)

یہی ہے التجا میری خدا سے
خدا کے عشق کی دل میں تڑپ ہو
محبت ہو محمد مصطفیٰ سے
نبی پاک احمد مجتبیٰ کی
اطاعت میں کروں صدق و صفا سے
کلام اللہ کا پروانہ بنوں میں
لگاؤں لو میں اس شمع ہدیٰ سے
خدا کے دین کی خدمت کروں میں
قلم سے مال و دولت سے دعا سے
ملے دین و دنیا میں سربلندی
خدا کے فضل اور جود و عطا سے
نہ آئے مجھ پہ کلفت کا زمانہ
رہوں محفوظ ہر رنج و بلا سے
مقدر سے نہ کچھ مجھ کو گلہ ہو
رہوں راضی میں خالق کی رضا سے
خدا کا آستاں ہو اور مرا سر
نہ ہو مجھ کو تعلق ماسوا سے
بزرگوں کا ادب پیش نظر ہو
جھکی گردن رہے شرم و حیا سے
مجھے چھوٹوں پہ شفقت کی ہو عادت
کروں میں درگزر ان کی خطا سے
کٹے اس طرح میری زندگانی
خدا راضی ہو مجھ سے میں خدا سے
رضائے حق مجھے مدنظر ہو
اگر ناراض دنیا ہو بلا سے
رہے پیوند میرا تا دم مرگ
مسیح وقت حضرت میرزا سے

—: مولانا مرتضیٰ خان حسن

از قلم: جناب مولوی احمد گل صاحب اسلم ٹاؤن لاہور

باہمی محبّت کے تقاضے

سلام ——— مصافحہ ——— اور معانقہ

انسانی معاشرے میں شروع سے یہ رسم چلی آرہی ہے کہ ایک آدمی جب کسی دوسرے سے ملتا ہے تو دونوں ایک دوسرے کو خیر سگالی کے طور پر کسی خاص کلمے یا کسی مخصوص طریق پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے افراد میں آئندہ کے لئے باہمی تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے۔ خوشگوار اور امید افزا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسلام سے پہلے اہل عرب جب ایک دوسرے سے ملتے تھے تو انعم اللہ بك عینا وانعم حیاۃ کے الفاظ استعمال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے اور تیری ہر صبح نعمتوں میں گذرے۔ اگرچہ یہ دعائیہ کلمات ہیں مگر ان میں جامعیت نہیں پائی جاتی۔ اس لئے اسلام نے ان کلمات کی بجائے السلام علیکم جیسے مکمل اور جامع الفاظ مسلمانوں کے لئے تجویز کئے جن میں ہر قسم کے امن اور ہر قسم کی سلامتی کے لئے دُعا کی جاتی ہے۔

سلام کی اہمیّت

السلام علیکم! یہ ایسا جملہ ہے کہ جس کے ذریعہ ایک شخص دوسرے کو سلامتی کی دعا دیتا ہے۔ اگر یہ دُعا خلوص قلب سے ہو تو اس سے عظیم الشان نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس دعا کو تحیّۃً من عند اللہ مبارکۃً طیبۃً کہہ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت اور رحمت کا تحفہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت رسول کریم صلعم نے ان قرآنی الفاظ کے مفہوم کو اپنے ان الفاظ میں نکن بوکنے علیك وعلیٰ اھل بیتك بیان فرما کر بتا دیا کہ سلام کہنے والا اور اسے قبول کرنے والا دونوں خیر و برکت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ خیر و برکت "سلام" کے لفظ میں پائی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں ان السلام اسم من اسماء اللہ تعالیٰ وضعہ فی الارض فافشوہ بینکم۔ یعنے السلام علیکم میں لفظ السلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو اہل زمین میں متعارف ہے۔ اسلئے سلام کو رواج دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو سکے (کنز الاعمال)

حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت میں بھی یہی مفہوم ادا کیا گیا ہے جس کے الفاظ ہیں اذا ارا احدکم السلام فلیقل السلام علیکم فان اللہ ھو السلام فلا تبد وا فبل اللہ بشیٔ یعنے السلام علیکم کہنے والے کو چاہیئے کہ کلام شروع کرنے سے پہلے اللہ کے نام السلام کو اپنے کلام پر مقدم سمجھے۔

حضرت نبی کریم صلعم نے جہاں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چند ایک حقوق کا ذکر فرمایا ہے وہاں سلام کہنے کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ رواہ مسلم علیہ اذا لقیہ یعنے جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملے تو اسے سلام کہے۔ (دارمی) سلام دو مسلمانوں میں تعلقات بڑھانے اور محبت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے مسلمانوں کو توجہ دلائی اولا ادلکم علیٰ شیٔ اذا فعلتموہ تحاببتم افشوا السلام بینکم۔ کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جس پر عمل کرنے سے تم میں ایک دوسرے سے محبت پیدا ہو جائے؟ وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کہا کرو۔ (مسلم)

سلام کی اہمیّت کا اندازہ صحابہ کرام کی زندگیوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ کہ انہیں سلام کے پھیلانے میں کس قدر جوش پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے اپنی کتاب مؤطا میں طفیل بن ابی کی ایک روایت درج کی ہے طفیل فرماتے ہیں کہ ایک دن میں عبد اللہ بن عمر کے ہاں گیا تو انہوں نے مجھے اپنے ساتھ بازار جانے پر مجبور کیا۔ میں نے کہا کہ تم بازار میں جا کر کیا کرو گے؟ جب بھی تم بازار جاتے ہو نہ کسی دکان پر ٹھہر کر سودا چکاتے ہو اور نہ خرید و فروخت کرتے ہو اور نہ ہی بازار کی مجلسوں میں بیٹھنے میں دلچسپی لیتے ہو جبکہ بازار میں جا کر کوئی کام ہی نہیں کرتے تو وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ آؤ ہم یہیں بیٹھ کر باہمی باتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ اس پر عبد اللہ نے کہا کہ اے طفیل میں اس لئے بازار جاتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم کے اس ارشاد پر عمل کر سکوں سلم علیٰ من عرفت ومن لم تعرف۔ وہاں جا کر میں ہر ایسے شخص کو سلام کرتا ہوں جس سے میری جان پہچان ہے۔ اور اس سے بھی جسے میں نہیں جانتا۔

پہلے سلام کون کرے۔

سلام کہنے میں سبقت کرنے کو آپ نے بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ ایک دفعہ صحابہ رضہ نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! دو شخص جب ملیں تو ان میں سے کون پہلے سلام کرے۔ آپ نے فرمایا ان اولی الناس باللہ تعالیٰ من بداھم بالسلام جو شخص اللہ کی رحمت، فضل اور اس کی رضا کو زیادہ حاصل کرنے کا آرزومند ہے وہ پہلے سلام کرے (ترمذی)

سلام کا جواب

اسلام نے السلام علیکم کا جواب دینے کی بھی بہت تاکید کی ہے حضرت علی رضہ فرماتے ہیں السلام تطوع والرد فریضۃ" یعنے سلام کہنا ایک پسندیدہ نیکی ہے اور اس کا جواب بطور فرض ضروری ہے۔ (دیلمی) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا ان اللہ کان علیٰ کل شیٔ حسیبا۔ (النساء: ۸۶) یعنی جب تم کو کسی دُعا کے ساتھ دعا دی جائے تو تم اس کے جواب میں اس سے بہتر دعا دو یا کم سے کم اسی کو

لوٹا دو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ یہاں نہ صرف سلام کا جواب دینا ضروری قرار دیا گیا ہے بلکہ بہتر طریق پر جواب دینے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ آیت کے آخری حصہ میں ان لوگوں کو جو سلام کے جواب دینے میں کوتاہی کرتے ہیں یہ کہہ کر تنبیہ فرما دی ہے کہ تمہیں اللہ کے حضور اس معاملے میں جواب دہ ہونا پڑیگا آیت کے الفاظ فحیوا باحسن منھا میں جن کلمات کو بڑھانے کا اشارہ پایا جاتا ہے ان کی اہمیت اور فضیلت حضرت نبی کریمؐ نے ان الفاظ میں بیان فرما دی ہے۔ ترجمہ: "سلام کے جواب میں جو شخص بعینہٖ اسی جملہ (السلام علیکم) کو دھراتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو دس نیکیوں کا اجر دیتا ہے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے پر بیس نیکیاں اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر جواب دینے پر تیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

سلام کا جواب اشارے سے

مسلمان کہلانے والے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو مغربی تہذیب کے زیر اثر سلام کا جواب سر کے اشارے سے یا ہاتھ کی جنبش سے دیتے ہیں۔ یہ طریقہ اسلامی روایات کے خلاف ہے اس سے تکبر اور خود آرائی کا اظہار ہوتا ہے۔ نبی کریم صلعم فرماتے ہیں "یہود اور نصاریٰ کے طریق پر سلام نہ کیا کرو۔ یہود انگلیوں کے اشارے اور عیسائی ہاتھ کی جنبش سے سلام کرتے ہیں" (ترمذی)

حضرت مرزا صاحبؒ مسلمانوں میں سے ایسے طبقہ کے متعلق جو یورپ کی تقلید کو پسند کرتے ہیں فرماتے ہیں، "دین سے وہ بالکل بے خبر اور تقویٰ سے خالی ہیں اور غرور سے بھرے ہوتے ہیں۔ اگر ایک غریب ان کو السلام علیکم کہے تو اسکے جواب میں وعلیکم السلام کہنا اپنے لئے عار سمجھتے ہیں بلکہ غریب کے منہ سے اس کلمہ کو ایک گستاخی کا کلمہ اور بے باکی کی حرکت خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ پہلے زمانہ کے اسلام کے بڑے بڑے بادشاہ السلام علیکم میں اپنی کوئی کسر شان نہیں سمجھتے تھے مگر یہ لوگ تو بادشاہ بھی نہیں ہیں۔ پھر بھی بے جا تکبر سے ان کی نظر میں ایسا پیارا کلمہ جو السلام علیکم ہے جو سلامت رہنے کے لئے ایک دعا ہے حقیر کر کے دکھایا ہے" (چشمۂ معرفت ص ۳/۲)

ہر نئی ملاقات پر سلام

بار بار ملنے اور ہر نئی ملاقات کے بارے میں حضور صلعم کا ارشاد ہے اذا لقی احدکم اخاہ فلیسلم علیہ فان حالت بینھما شجرۃ او جدار او حجر ثم لقیہ فلیسلم علیہ۔ تم میں سے کوئی جب اپنے بھائی سے ملے تو السلام علیکم کہے۔ پھر جب کوئی درخت یا دیوار یا پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہو جائے یعنی وہ ایک دوسرے سے اوجھل ہو جائیں اور بعد میں فوراً ہی آپس میں ملیں تو پھر ایک دوسرے کو سلام کہیں۔ (ابو داؤد)

ہر ملنے والے کو سلام کہنا چاہیئے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں میں سلام کے متعلق کچھ غلط طریقے رواج پا گئے ہیں جو سنتِ نبویؐ کے خلاف ہیں۔ عام طور پر اپنے واقف کاروں اور دوستوں کو سلام کہہ کر دعا دی جاتی ہے مگر ناواقف اور اجنبی افراد کو اہل خانہ اور بچوں کو اس سے محروم رکھا جاتا ہے۔ گھر میں آنے اور اہلِ خانہ کو سلام کرنے کے بارے میں حضرت قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اذا دخلتم بیتاً فسلموا علیٰ اھلہ واذا خرجتم فاودعوا اھلہ بسلام۔ "جب تم گھر میں آؤ تو اہل خانہ کو سلام کرو اور جب تم گھر سے باہر نکلو تو پھر بھی انہیں سلام کر کے نکلو" (بیہقی)

جن لوگوں سے جان پہچان نہیں ان کے متعلق فرمایا: السلام علیٰ من عرفت ومن لم تعرف۔ ہر ملنے والے کو خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو سلام کرنا چاہیئے (بخاری) مسلمان بچے جو مشفقانہ سلوک کے محتاج ہیں اور انہیں السلام علیکم کے کہنے کا عادی بنانے کی ضرورت ہے۔ ایسے بچوں کے متعلق حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم جب بچوں کے پاس سے گذرتے تو انہیں السلام علیکم کہتے تھے۔ (ترمذی)

مصافحہ اور معانقہ

جس طرح السلام علیکم کے الفاظ مسلمانوں میں محبت، اخوت اور تعلقات پیدا کرنے اور ایک دوسرے کو متعارف کرانے کا ذریعہ بنتے ہیں اسی طرح مصافحہ (ہاتھ ملانا) اور معانقہ (بغل گیر ہونا) بھی دو ملنے والے افراد پر اچھے اثرات چھوڑتے ہیں۔ آنحضرت صلعم مصافحہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں تصافحوا یذھب الغل عن قلوبکم۔ آپس میں مصافحہ کیا کرو کیونکہ ایسا کرنے سے دل کی کدورتیں دور ہو جاتی ہیں۔ (کنز العمال جلد ۵)

حضرت نبی کریم صلعم کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ روزمرہ ملنے والوں کو السلام علیکم کہہ کر دعا دیتے تھے اور ایک مدت بعد ملنے والوں سے مصافحہ بھی کرتے۔ اور جو شخص زیادہ عرصہ یا لمبا سفر طے کرنے کے بعد ملتا اس سے معانقہ کیا کرتے تھے حضرت جعفر بن ابی طالب بیان کرتے ہیں فخرجنا حتیٰ اتینا المدینۃ فتلقانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعتنقنی کہ جب ہم سرزمین حبش سے واپس مدینہ آئے تو آنحضرت صلعم سے ملے آپؐ نے مجھے اپنے گلے لگا لیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

معاشرے کو پُرامن بنانے کے لئے ہمیں چاہیئے کہ آنحضرت صلعم کے ارشادات کو سامنے رکھیں اور آپ کے پاک نمونہ کی اقتدا کریں تا کہ اخوت اسلامی کے قیام میں مدد مل سکے۔

***

ایک ضروری اعلان

مقامی جماعت احمدیہ لاہور کے ممبران مجلس انتظامیہ کے انتخابات مورخہ ۶ رجنوری ۱۹۸۴ء بروز جمعہ مبارک بعد از نماز جمعہ ہونگے

آپ سب احباب جماعت سلسلہ سے درخواست ہے کہ اس میں شرکت فرما کر ممنون فرمائیں۔

چوہدری ریاض احمد۔ صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور

از جناب محمد انور صاحب ایم - اے

لندن مشن کی تبلیغی سرگرمیاں رپورٹ بابت ماہ اکتوبر سنہ ۸۳ء

محترم و مکرم جناب جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں لکھتے ہیں کہ :-

۱/ اکو تقریباً ۱۰۰ میل دور سے آنے والے مہمان جن میں سے ایک مرد اور دو خواتین برطانوی تھے ۔ ان کا قیام چار پانچ گھنٹہ رہا اور دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھایا ۔ زیادہ وقت اسلام اور ارکان اسلام خصوصاً توحید ، نماز ، اور روزہ وغیرہ پر گفتگو رہی ۔ جو اُن کے لئے نئی ہونے کے باعث بڑی دلچسپی کا موجب بنی ۔ اس امر کی وضاحت کرنے کی حسب توفیق پوری کوشش کی گئی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تمام الہامی کتب اور تمام انبیاء و مرسلین چاہے وہ دنیا کے کسی حصے میں آئے ہوں کسی دور میں آئے ہوں ۔ جو ہمیں معلوم ہوں ۔ یا نہ ہوں پر ایمان کو لازمی قرار دے کر ایک ایسی انسانی وحدت کی بنیاد رکھتا ہے جس میں رنگ نسل ۔ زبان ۔ علاقائی حدود اور معاشی اونچ نیچ کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا ۔

۲ / اکتوبر کو تشریف لانے والے معزز مہمان شیخ کامران صاحب تھے جو تین چار دن کے لئے اپنے مرکز میں قیام کے بلند جذبہ کے تحت آئے تھے ۔ ان کے آنے سے اچھی رونق رہی ۔ ۳ ۔ اکتوبر کو محترم شاہد عزیز صاحب کے ساتھ مری نگر سے آئے ہوئے معزز بزرگ جناب عبدالعزیز شورہ صاحب دو دن شاہد صاحب کے ہاں قیام فرما کر مرکز میں تشریف لائے ۔ اور ۵ / کو عازم وطن ہوئے ہوائی اڈہ سے انہیں خدا حافظ کہا گیا ۔

۳ تاریخ کو ہی ہمیں محترم و مکرم بزرگ جناب مرزا مسعود بیگ صاحب کی وفات حسرت آیات کی دلفگار خبر محترمہ صغیرہ ضیا صاحبہ آف کیمرج سے ملی انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

گو جماعتی زندگی کو ایک بہت بڑا اور ناقابل تلافی دھچکا لگا ہے پر رضائے خداوندی کے آگے سر تسلیم خم ہے ۔ مرحوم و مغفور کے سوگوار مگر نہایت شریف النفس اور نیک بچے ڈاکٹر سلمان مسعود آئرلینڈ سے اور صاحبزادی بیگم طاہرہ النہاب مع اپنے بلند اخلاق شوہر اور صاحبزادی کے پاکستان جاتے ہوئے ۴ کو یہاں مرکز میں پہنچے ۔ چونکہ مرحوم و مغفور مرزا صاحب کی وفات کی خبر جماعت کے لئے بڑے رنج کا باعث ہوئی تھی اس لئے ڈاکٹر سلمان مسعود اور بیگم طاہرہ النہاب کی آمد کا سن کر کافی دور سے اُن کے عزیز بھی آ گئے تھے اور جمیلہ صاحبہ فیض خان ۔ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب ۔ عزیز احمد صاحب و بیگم عزیز احمد صاحب بھی بعد شام اظہار تعزیت و ہمدردی کے لئے آ گئے ۔ اگلے دن ۵ کو یہ سوگوار خاندان پاکستان روانہ ہو گیا ۔

۶ کو مرکز میں تشریف لانے والے معزز مہمان جنوبی افریقہ کے عبداللہ ڈسیائی صاحب تھے ۔ انہوں نے دو دن قبل لندن پہنچ کر اپنی آمد سے بذریعہ فون مجھے آگاہ کیا تھا ۔ اور محترم حافظ شیر محمد صاحب کا تعارفی خط لائے تھے ۔ موصوف گو جماعت میں شامل نہیں ہیں پر جماعت کی مسلمہ اور مقبول بین الاقوامی خدمت اسلام کی بنا پر اس کے سچے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں ۔ وہ ۱۱ بجے صبح سے دوپہر تین بجے تک مرکز میں رہے اور مختلف موضوعات پر گفتگو رہی ۔ انہوں نے وہاں تبلیغ اسلام کی جماعتی کوششوں کو سراہا ۔ اور تفصیلات سے آگاہ فرمایا ۔

۸ ۔ کو لندن سے چالیس میل باہر ایک مقام سے دو پاکستانی احباب تشریف لائے ۔ کافی دیر مذہبی گفتگو رہی ۔ اُن میں سے ایک کا رشتہ کا تعلق ایک احمدی خاندان سے ہے ۔ وہ اپنے کسی انگریز دوست کے لئے قرآن کریم کا ایک نسخہ عاریتاً لے گئے ۔

۱۲ / کو شام کو ہماری ایک انگریز دوست کھانے پر مدعو تھیں ۔ ان سے کافی دلچسپ گفتگو رہی ۔ وہ مذہباً کیتھولک ہیں ۔ مگر اب تثلیث کے ناقابل فہم عقیدہ کو قبول نہیں کرتیں ۔ تاہم انجیل اور حضرت مسیحؑ کے معجزات کی قائل ہیں ۔ دوران گفتگو میں نے ان سے عرض کیا ۔ آپ میری ان معروضات پر غور کریں ۔ ممکن ہے آپ کے لئے کوئی نئی بات نکل آئے ۔

(۱) اگر حضرت عیسیٰ جنہیں مانے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا اگر فی الواقع خدا کے بیٹے تھے اور خدا کسی خاص مقصد کیلئے مجبور ہو کر انسانی قالب میں ڈھل چکا تھا تو کیا اس مقصد کی ضرورت حضرت عیسیٰؑ سے پہلے گذری ہوئی بے شمار نسلوں کے لئے نہیں تھی (یہاں دو ہی صورتیں میرے نزدیک ممکن ہو سکتی ہیں) یا (۱) پہلے کی ساری نسلیں بے عیب اور پاک صاف تھیں ۔ اس صورت میں ہابیل ۔ قابیل اور دیگر مذہبی کتب میں مندرج واقعات نعوذ باللہ محض زیب داستاں ٹھہریں گے ۔ ان کے خدا کو العیاذ باللہ یہ بے بسی کا آخری قدم اٹھانے کی ضرورت ہی نہ پڑی ۔ اور (۲) یا وہ نسلیں ابھی اس مقام تک نہ پہنچی تھیں جس مقام پر حضرت عیسیٰ کی قوم تھی ۔ کہ خدا انہیں سزا نہ دے سکتا یا اُن کی اصلاح نہ کر سکتا ۔

(۲) ایک طرف انجیل کی اخلاقی تعلیم ہے ۔ پہاڑی کا وعظ اور دس احکام ہیں جن پر بڑا زور ہے اور دوسری طرف کفارہ یعنی مسیح کی صلیبی موت اور خدائی پر ایمان کی پاکیزگی ۔ مغفرت اور براہ راست بہشت ۔ تو پھر دس احکام پر عمل اور پابندی بالکل بے معنی ہے کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان احکامات پر عمل کیا جائے جبکہ منہ کے دو بولوں سے ایک گنہگار بالکل اس جیسا ہو جاتا ہے جس نے ساری عمر دس احکام پر عمل کئے رکھا ۔

اس کے برعکس قرآن کریم فرماتا ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ چال یہ گفتگو ہماری مہمان کے لئے ایک معنی خیز خاموشی پیدا کر گئی ۔

۱۴ر کو ایک صاحب محمد یعقوب نامی جو دو دن قبل فون پر گفتگو فرما چکے تھے اور جماعت کی اسلامی خدمات اور انگریزی تفسیر قرآن از مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کی دنیا میں بے حد مقبولیت کے زبردست مداح کا بڑا ایمان افروز خط ملا۔ جس میں چار عدد قرآن کریم کے نسخوں کا آرڈر اور رقم لاگت کا چیک شامل تھا۔ مذکورہ خط میں نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں برائے اشاعت ارسال کر دیا تھا صاحب موصوف کو قرآن کریم بذریعہ ڈاک ارسال کئے گئے۔

۱۶ر کو جماعتی اجتماع تھا۔ مرزا صاحب مرحوم و مغفور کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ ازاں بعد محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے مرحوم و مغفور کی زندگی کا خاکہ اور ان کی دینی و جماعتی خدمات بیان فرمائیں۔ اسکے بعد محترم شیخ عماد الدین صاحب نے حسب پروگرام بڑا خوبصورت لیکچر دیا۔ جو مومنین کی تفسیر و معانی پر مشتمل تھا۔ یہ عرض کرنا بھی یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب موصوف اسلام کے زبردست شیدائی ہیں۔ اور گاہے گاہے اپنے انفرادی رنگ میں قرآن کریم کی بعض آیات اور سورتوں کی تفسیر بھی فرماتے ہیں۔ ان کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ وہ جماعت کے ہر فنکشن میں شریک ہوں۔ موصوف تبلیغ اسلام کے کام میں ہر مرحلہ پر پیش پیش ہوتے ہیں۔ گو وہ جماعت میں شامل نہیں ہیں۔ محترمہ جمیلہ خان (صدر جماعت) اور مسٹر نعیض خاں چونکہ شیخ صاحب کے قریب رہتے تھے۔ اس لئے وہ جب بھی آئیں شیخ صاحب موصوف کو اپنے ساتھ لانے کی کوشش کرتی ہیں۔ مسز جمیلہ خان کو اللہ تعالیٰ نے بڑے اوصاف سے نوازا ہے۔ وہ نہایت ان تھک خاتون۔ ہر حال میں رات دن جو وقت بھی میسر آسکتا ہے۔ جماعت کے کاموں میں مصروف نظر آتی ہیں اور اگر مسٹر نعیض خان کی انہیں معاونت نہ ہو تو ظاہر ہے اس طرح وقت دینا مسز جمیلہ خان کے لئے ممکن نہ ہو سکے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس طرح کا خاص انتظام فرما کر اپنا خاص فضل و رحم کیا ہوا ہے الحمدللہ۔

۱۶ر کو ایک مسلم کتب فروش صاحب کا فون آیا۔ کہ انہیں محمد علی رح کا انگریزی ترجمۃ القرآن کی فوری طور پر ضرورت ہے اور یہ کہ انہوں نے ہمارا پتہ اسلامک سینٹر یا ٹمپنی مسجد سے لیا ہے۔ انہیں یہ قرآن کریم لبنان سے آنے والے ایک صاحب کے آرڈر پر ضرورت تھا۔ دوسرے دن ۱۷ر کو لبنان کے وہ صاحب محمد کبانی نامی فون کر کے بنفس نفیس آپہنچے اور دو قرآن کریم انہوں نے خرید کئے۔ انہیں تحریک سے پوری طرح آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی اور انہوں وہ تمام علم الکلام اور کتب دکھائی گئیں جو حضرت اقدس اور مولانا محمد علی رح کی رشحات قلم کا نتیجہ ہیں۔ انہیں ٹیچنگ آف اسلام اور تحفہ لغداد تحفتہً پیش کی گئیں۔ موصوف کی بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ جب بقول ان کے وہ لبنان سے لندن آنے لگے تو ان کے ایک دوست نے ان سے فرمائش کی تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے محمد علی رح کا انگریزی ترجمۃ القرآن ضرور لے کر آنا۔ میں نے انہیں اپنا مکمل پتہ دیتے ہوئے آئندہ بھی ان کے ہر حکم کی تعمیل کا انہیں یقین دلایا۔ بعد میں میں نے متعلقہ دکان سے دو دفعہ رابطہ قائم کر کے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ تاکہ سلسلہ کی کتب کی بابت بالمشافہ ان سے گفتگو کر سکوں۔ اگر وہ خریدنے یا اپنی دکان پر رکھنے پر راضی ہو جائیں۔ بہر حال وقتی طور پر ممکن نہ ہو سکنے پر میں نے انہیں فہرست کتب اور اپنی معروضات بذریعہ ڈاک بھیج دیں۔

۲۰ر کو محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ کی عیادت کے لئے کرائیڈن گئے۔ جن کی طبیعت چند دن سے ناساز تھی۔ الحمدللہ۔ اب بخیریت ہیں۔ ان کی مشفقانہ مادرانہ محبت ہمارے لئے بڑی تقویت اور حوصلہ افزائی کا موجب ہوتی ہے

۲۳ر کو جماعتی پروگرام اس امید پر رکھا گیا تھا کہ محترم عبداللہ ڈیبائی صاحب دورۂ ساؤتھ لینڈ سے واپس آچکے ہوں گے۔ اور اس طرح احباب کو جنوبی افریقہ کے حالات کا علم ان کی زبانی براہ راست ہو سکے گا۔ سوئے اتفاق ایسا نہ ہو سکا۔ چنانچہ ۷-۱ کی میٹنگ کا انعقاد قرار پایا۔

۲۴ر کو پھر محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ کے ہاں ان کی خواہش پر چند امور کی سرانجام دہی کے لئے گئے انہوں نے وہاں کی لوکل دو لائبریریوں کو قرآن کریم کا ایک ایک نسخہ بھی پیش فرمایا۔

۲۸ر کو عبداللہ ڈیبائی صاحب شام کو تشریف لائے۔ ان کی آمد کی اطلاع دینے پر شام محترمہ جمیلہ خان صاحبہ نعیض خاں۔ محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب عزیز احمد صاحب اور شاہد عزیز صاحب بھی تشریف لے آئے۔ چنانچہ شام کا کھانا سب نے مل کر کھایا۔ اور کچھ گھنٹے یہ محفل سرگرم رہی۔

۲۹ر کو محترم ثریا فاروقی صاحبہ کے ہاں گئے۔ گو وہ کافی دور رہتی ہیں اور صحت بھی ان کی زیادہ اچھی نہیں تاہم پھر بھی جماعتی اجتماعات میں ہمت کر کے آجاتی ہیں۔ ان کے ہاں جانے کی بڑی وجہ ان کی صاحبزادی کی عیادت تھی۔ جو ایک حادثہ میں زخمی ہو گئی تھیں۔ الحمدللہ جان بچ گئی۔ گو کچھ فریکچر ہوئے اور اب کافی حد تک رو بصحت ہیں۔

علاوہ ازیں نماز جمعہ خدا کا شکر ہے پوری باقاعدگی سے ہوتی ہے۔ اور اس ماہ میں خاکسار نے مختلف لائبریریوں کے لئے اسی سیٹ کی تیاری بھی مکمل کر لی ہے جس میں لندن سے باہر کے آٹھ نو سیٹ صحیح بھی دیئے گئے باقی کا فیصلہ محترمہ جمیلہ خان اور دیگر احباب نے اس طرح کیا ہے کہ ہر ایک ممبر اپنے قریب قریب کے مقامات کی لائبریریوں میں ذاتی طور پر تقسیم کریں امید ہے انشاءاللہ ایک دو ماہ تک یہ کام تکمیل کو پہنچ جائیگا۔

احباب جماعت الحمدللہ بخیر و عافیت ہیں۔ اور امور دین میں سرگرم مجید علی صاحب کی صحت کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

خطوط اور بیرون ملک لٹریچر اور کتب کی ترسیل حسب معمول جاری ہے۔ احباب اور بزرگوں کی خدمت میں سلام اور درخواست دعا۔

***

باہتمام امیدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

۴۵ ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۸۳ء۔ جلد نمبر ۷۰، شمارہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام
ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمدِ مختار ہیں
وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ : تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
پروفیسر خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید   وپائے محمدیاں برمنارِ بلندتر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۳۰ روپے
بیرونی ممالک سے ۲ پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد : ۷۰ } یوم چہار شنبہ ۸ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۸۳ عیسوی { شمارہ : ۵۰

ہدیۂ نعت

بحضور

سرکارِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم

کلام الامام

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است

میرے جان و دل محمدؐ کے جمال پر فدا ہیں۔
اور میری خاک آلِ محمدؐ کے کوچے پر قربان ہے،

دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش
در ہر مکاں ندائے جلالِ محمدؐ است

میں نے دل کی آنکھوں سے دیکھا اور عقل کے کانوں سے سنا
ہر جگہ محمدؐ کے حسن کا شہرہ ہے

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرہ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است

معارف کا یہ دریائے رواں جو میں مخلوقِ خدا کو دے رہا ہوں
یہ محمدؐ کے کمالات کے سمندر میں سے ایک قطرہ ہے،

ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمدیؐ است
یہ میری آگ محمدؐ کے عشق کی آگ کا ایک حصہ ہے،

دیں آبِ من ز آبِ زلالِ محمدؐ است
اور میرا پانی محمدؐ کے مصفا پانی میں سے لیا ہوا ہے۔

(از حضرت مجدد چہاردہم)

جلسہ سالانہ ۸۳ئ کی تاریخیں ۲۲-۲۳-۲۴-۲۵ دسمبر مقرر ہیں اس بابرکت اجتماع میں شمولیت کیلئے احباب پا بہ رکاب ہونگے خدا تعالیٰ آپکے لئے ساتھ ہو (ادارہ)

از محترم مولانا احمد گل صاحب فاضل دیوبند

آنحضرت صلعم کی شانِ جمال کی چند جھلکیاں

فتح مکہّ: جاں نثارانِ اسلام نے شہر مکہ تسخیر کر لیا ہے۔ خانہ کعبہ سے بتوں کا عمل دخل اٹھ چکا ہے۔ رسول اللہؐ صلعم عدالت کی کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ سامنے تمام مکہ بحیثیت ایک مجرم کے حاضر ہے۔

ابوسفیان: سب سے پہلے جس شخص کو آپؐ کے سامنے لایا گیا وہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن، ابوسفیان تھا۔ اسکے تمام پچھلے کارنامے اور ایک ایک جز اسکے قتل کی دعویدار تھی۔ بزعم خود اسلام کی بیخ کنی کی کوشش۔ عداوت کیوجہ سے مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال اور حضرت رسول کریمؐ کے خفیہ قتل کرانے کی سازش۔ یہ چیزیں اسکے خون کی قیمت ہو سکتی تھیں۔ یہ دو باتیں، کہ ابوسفیان جیسا دشمن اور اسکے لئے عفو۔ بظاہر متضاد نظر آ رہی تھیں لیکن رحیم وکریم اور رحمۃ للعالمین کی ذات باصفات کے سامنے یہ کوئی انہونی چیز نہ تھی۔ آخر کار عفو نبویؐ نے اسکی تمام خطاؤں کو معاف فرما کر اسے چھوڑ دیا جس کا اثر اس پر یہ ہوا کہ وہ کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گیا۔

ہبّار: ہبار نامی ایک مشرک، مجرم ہونے کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے جس کے جرائم نہایت سنگین، خطرناک اور شرمناک تھے۔ اس نے آنحضرتؐ کی دختر نیک اختر زینبؓ پر پتھر برسائے تھے جبکہ ان کا پاؤں بھاری تھا اور مدینہ کی طرف ہجرت فرما رہی تھیں خوش قسمتی سے مدینہ تو پہنچ گئیں مگر ضربات اور صدمے کیوجہ سے جلد وفات پا گئیں۔ ہبار کا یہ جرم ایسا نہ تھا جسے نظر انداز کیا جا سکتا۔ خود اسے اور دیگر مشرکین مکہ کو یقین تھا کہ موت کی سزا دی جائے گی مگر باایں ہمہ اپنوں اور غیروں کے قیاسات کے خلاف رحمت دو جہاں کی شان کریمی کا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ آپؐ نے اس سنگدل ظالم کی جان بخشی فرما کر سزا کو معاف کر دیا۔

وحشی: آپؐ کے سامنے ایک اور مجرم کو لایا جاتا ہے جو وحشی کے نام سے مشہور ہے۔ فی الحقیقت اسم بامسمّٰی بھی ہے اس بدبخت اور نالائق نے حضرت رسول خدا صلعم کے چچا حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ جن کی موت کا صدمہ حضور صلعم اور آپؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کو ازحد تھا۔ اس وجہ سے عام خیال یہی پایا جاتا تھا کہ وحشی کی موت یقینی ہے کیونکہ آپؐ اس سے سخت برہم تھے۔

وحشی نے آپؐ کے چہرۂ مبارک کو ایک نظر سے دیکھا اور عرض کی کہ حضورؐ! میں اسلام کی صداقت کو قبول کر کے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ حضور صلعم نے وحشی کے ان کلمات کو سن کر اسے سزائے قتل سے معاف فرما دیا۔

عکرمہ: آپؐ کی خدمت میں ایک عورت گھبرائی ہوئی پریشانی کے عالم میں حاضر ہوئی اور اپنی مصیبت کی داستان اسطرح شروع کی کہ میرا خاوند فتح مکہ کے موقعہ پر بھاگ کر روپوش ہو گیا ہے۔ میرے بچے باپ کے لئے رو رو کر نڈھال ہو رہے ہیں۔ خدارا مجھ پر اور میرے بچوں پر رحم فرمائیں۔ آپؐ نے از راہ ہمدردی اسے تسلی دی اور پوچھا کہ معاملہ کیا ہے۔ ذرا کھل کر بیان کرو۔ تسلی رکھو تمہاری درخواست رد نہیں کی جائیگی بلکہ اس پر ہمدردانہ طریق پر غور کیا جائیگا۔ عورت نے اطمینان کا سانس لیکر کہا۔ میں عکرمہ کی بیوی ہوں۔ اس نے فتح مکہ کے دن دو مسلمانوں کو شہید کر دیا ہے مجرم ہے اور جرم کی سزا کے خوف سے بھاگ گیا ہے خدا کے لئے اس کی تقصیرات معاف فرمایئے۔ سروپا رحمت نبی کریمؐ نے اپنی وسعت قلبی کیوجہ سے اس درخواست پر پہلے تو شہیدوں کے وارثوں کو خون کی معافی پر رضامند کیا۔ پھر ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی جان بخشی کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد عکرمہ کی بیوی نے دوڑ دھوپ کے بعد اپنے شوہر کو ڈھونڈ نکالا۔ سفارشی حیثیت سے اسے حضرت رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپؐ عکرمہ کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آئے۔ آپکا خلقِ عظیم اور مشفقانہ سلوک دیکھ کر آخر کار عکرمہ مسلمان ہو گیا۔

ہندہ: آپؐ کے سامنے کئی عورتیں بغرض بیعت حاضر ہیں۔ وہ اپنے سابقہ زمانۂ جاہلیت کے غلط عقائد کی بیزاری کا اعلان کرنا چاہتی ہیں۔ ان کے درمیان ایک رئیس العرب "عتبہ" کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں بھی نقاب اوڑھے بیٹھی ہے۔ اپنے آپ کو چھپائے پھرتی ہے۔ اسکی کوشش ہے کہ میں بھی بیعت کر کے کسی نہ کسی طرح اپنے گناہوں اور خطرناک جرائم کی پاداش سے بچ سکوں۔

ادھر اسکے متعلق دوستوں اور دشمنوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں کہ یہ عورت قاتلہ ہے۔ مجرم اور گنہگار ہے۔ اس نے غزوۂ بدر میں قریشی خواتین کی راہنمائی کی ہے جنہوں نے اشعار پڑھ کر لشکر کفار کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کر کے خون ریزی پر آمادہ کیا۔ حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کروا کر ان کے ناک کان کاٹ کر ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کا پیٹ چاک کر کے اور کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا۔

اسے ضرور موت کی سزا دی جائیگی۔ رحم وکرم اور درگذر کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ جب اس نے بیعت کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو رسول کریمؐ نے اسے پہچان لیا۔ ہندہ! ابوسفیان کی بیوی۔ وہ فوراً قدموں پر گر کر کہنے لگی۔ مجھ پر اپنے جھوٹے بتوں کی حقیقت اور کمزوری پورے طور پر ظاہر ہو گئی ہے۔ میں خدائے واحد لاشریک لہٗ پر صدق دل سے ایمان لائی ہوں۔ اب میرا معاملہ آپؐ کے ہاتھ میں ہے جو فیصلہ کریں مجھے بسر وچشم منظور ہے۔ رحمۃ للعالمین صلعم نے اسکی تمام سیاہ کاریوں کو معاف فرما کر جان بخشی فرما دی۔ اللّٰھم صلے وسلّم علیہ وآلہٖ۔

———— * ** ————

ارشادِ باری تعالےٰ

"اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے یہ مت کہو کہ تو مؤمن نہیں"

مکرم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

اُسوۂ حسنہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرًا

(سورۃ الاحزاب ۳۳- آیت ۲۱)

ترجمہ:- "یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کی اُمید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔"

اس مختصر آیت میں پانچ باتیں فرمائی گئی ہیں۔ اول تو یہ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول یا پیامبر ہیں۔ ہر نبی نے اللہ تعالے کا پیغام اپنی اپنی قوم کو پہنچایا اور اس طرح رسالت کا حق ادا کر دیا مگر اس معاملہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جو کمال ہے وہ کسی اور نبی کا نہ تھا۔ پہلے تو یوں کہ آپ سے پہلے تمام نبی صرف اپنی اپنی قوم کے لئے پیامبر تھے مگر آپ کے ذمہ یہ عظیم الشان کام تھا کہ نسل انسانی کو خدا کا پیغام یعنی قرآن کریم پہنچائیں۔ مثلاً قرآن کریم کے بعد سب سے بڑا مرتبہ تورات کا ہے پر وہ صرف حضرت موسیٰؑ کی قوم کے لئے تھی جیسا کہ فرمایا:-

ولقد ارسلنا موسیٰ بایٰتنا ان اخرج قومک من الظلمٰت الی النور۔ (سورۃ ابراہیم ۱۴- آیت ۵)

"ہم نے موسیٰؑ کو اپنی آیتوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں میں سے نور کی طرف نکال لا۔"

مگر اسی سورت کے ہی شروع میں یہ فرمایا تھا:-

"الٓرٰ کتٰبٌ انزلنٰہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور۔ (سورۃ ابراہیم-)

"میں ہوں اللہ دیکھنے والا۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری تاکہ تو نسلِ انسانی کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالے۔"

اس عظیم الشان کام کے لئے آپؐ نے ایک قوم تیار کی جو قرآن کریم کو لے کر دنیا میں پھیل گئی۔ آج بھی ہر مسلمان کا اولین فرض قرآن کریم کی دنیا میں اشاعت ہے۔ جیسا کہ آیت وجاھدھم بہٖ جہادًا کبیرًا (یعنی اس قرآن سے تمام مذاہب اور قوموں کا مقابلہ کرو جو کہ جہاد کبیر ہے) بتاتی ہے۔

پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کے پیغام کو پہنچانے کا وہ کام کیا جو کسی اور نبی نے نہیں کیا۔ اور وہ یہ کہ آپؐ واحد رسول ہیں جنہوں نے اپنی الہامی کتاب کو اپنی زندگی میں ہی مکمل طور پر لکھوا دیا۔ بلکہ جیسے ہی کوئی سورت یا آیت اترتی آپؐ کاتبوں کو بلا کر اس کی صحیح جگہ پر لکھوا دیتے اور حفاظ کو یاد کروا دیتے۔ دوسرے کسی نبی نے یہ کام نہ کیا حالانکہ ان میں لکھنے پڑھنے والے تھے جیسے حضرت عیسےٰؑ یا حضرت موسیٰؑ جنہوں نے صرف دس احکام شرعیہ کو تو خود ہی لکھا مگر باقی کی ضخیم تورات کو نہ تو خود لکھا نہ کسی سے لکھوایا۔ نہ ہی حضرت عیسےٰؑ نے لکھا یا لکھوایا۔ حالانکہ وہ خود بخوبی لکھتے پڑھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تورات صدیوں بعد اور انجیل کوئی ۱۰۰ برس بعد مختلف نسخوں کی شکل میں لکھی گئی اور آج یہ مسلّمہ ہے کہ نہ صرف یہ ہوا کہ تورات اور انجیل کی اصل عبارت دنیا میں ناپید ہے بلکہ ان دونوں کتابوں کے پیرو خود مانتے ہیں کہ ان میں زبردست تحریفیں ہو گئی ہیں۔ اس کے برعکس تمام مذاہب کے محققین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم جو آج دنیا میں رائج ہے یہ مکمل طور پر وہی قرآن پاک ہے جو آنحضرت صلعم پر اترا تھا۔ حضور صلعم خود اُمّی تھے۔ آپؐ کی قوم اُمیّوں کی تھی مگر آپؐ نے وہ کام کیا جس کا کسی نبی کو خیال نہ آیا کہ اپنی کتاب کو تحریر میں لا کر یا حفظ کرا کے محفوظ کر دے۔

اسی کمال کی وجہ سے قرآن کریم میں آپؐ کو الرسول یا النبی یعنی THE MESSNGER یا THE PROPHET کے لقب سے پکارا گیا ہے کہ رسول یا نبی کہلانے کے بہترین مستحق آپ تھے۔ اور منجملہ اور وجوہ کے یہ بھی ایک وجہ تھی کہ معراج میں جب بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام موجود تھے تو حضرت جبریل نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو دوسرے تمام انبیاءؑ کی امامت کے لئے کھڑا کر دیا۔

مگر ایک غیر مسلم یہ کہہ سکتا ہے کہ ہمیں قرآن اور حدیث مت سناؤ۔ وہ تو تمہاری کتابیں ہیں سو آیئے دیکھیں کہ غیر مسلم کتابیں کیا کہتی ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جو کہ مشہور عالم اور مستند علمی کتاب ہے اس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ دنیا کی اصلاح کرنے کے لئے جو پیغمبر کھڑے کئے گئے اُن میں محمد (صلعم) کامیاب ترین تھے۔ اسی طرح دنیا کی سب سے بڑی کثرت کے مذہب یعنی عیسائیت کے بانی مبانی حضرت عیسےٰؑ کا قول خود انجیل میں مذکور ہے کہ ابھی میں نے تمہیں بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر تم اُن کی تاب نہیں رکھتے۔ پر جو "روحِ حق" میرے بعد آئیگا وہ تمہیں تمام سچائیاں جو اللہ تعالے اس کے منہ میں ڈالے گا وہ تمام کی تمام تم کو بتا دے گا۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب مرحوم کی کتاب میثاق النبیین (جو دارالکتب الاسلامیہ دارالسلام لاہور ۵ عثمان بلاک نیوگارڈن ٹاؤن لاہور ۱۶ سے دستیاب ہو سکتی ہے) اُسے پڑھیئے کہ تمام انبیاء اور الہامی کتب نے کس طرح آنحضرت صلعم کی تعریف اور فضیلت کے گن گائے ہیں۔ بہرحال واقعات یا تاریخ کی گواہی ٹھوس ہوتی ہے اور رد نہیں کی جا سکتی۔ اور وہ یہ ہے کہ کسی نبی نے خدا کے پیغام کو نہ تو لکھوایا نہ ایسا محفوظ کیا کہ آج قرآن کریم کی ایک ایک زیر و زبر اسی طرح ہے جس طرح آنحضرت صلعم کے اوپر اتری۔ تو رسالت کے اولین فرض میں یعنی خدا کی کتاب کو لوگوں تک پہنچانے میں آپ نے وہ کمال کر دکھایا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

جس آیت شریفہ سے میں نے اس تحریر کو شروع کیا ہے اس میں آنحضرت صلعم کا دوسرا کام یہ فرمایا گیا ہے کہ اسوہ حسنہ یعنی بہترین نمونہ قائم کریں۔ نبی کا کام نہ صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کے پیغام کو یا الہامی کتاب کو پہنچائے بلکہ اس پر عمل کر کے دکھائے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اس کتاب کی کوئی تعلیم قابلِ عمل نہیں۔ اس معاملہ میں بھی جو کمال آنحضرتؐ نے کر دکھایا وہ کوئی نبی نہ کر سکا مثلاً حضرت عیسےٰؑ کی تعلیم۔ کہ اگر تیری ایک گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسری گال بھی اسکی طرف کر دے نہایت مشہور اور دلکش تعلیم ہے مگر اس پر عمل نہ تو

حضرت عیسیٰؑ نے خود کر کے دکھایا اور نہ آج عیسائی اقوام کر کے دکھا سکتی ہیں۔
اس کے برعکس قرآن کریم پر آنحضرت صلعم کا عمل ایسا کامل و مکمل تھا کہ آپ کی بابت یہ شہادت خود قرآن کریم میں مذکور ہے کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (النساء ۴ آیت ۸۰) یعنی جو رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے وہ یقیناً اللہ کی اطاعت کرتا ہے ''کتنا زبردست خدائی سرٹیفکیٹ ہے جو آپ کے سوا کسی نبی کو نہیں ملا۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بہت عرصہ کے بعد کچھ نوجوان جنہوں نے حضورؐ کو نہ دیکھا تھا حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ رسول اللہ صلعم کے اخلاق ہمیں سنائیں تو آپ نے فرمایا خلقہ القرآن (یعنے آپ کے اخلاق معلوم کرنے ہوں تو قرآن کو پڑھ لو۔ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہی آپ کے اخلاق تھے) بیوی سے بڑھ کر کون اپنے خاوند کی کسی کمی یا نقص کو جان سکتا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کس نے رسول اللہ صلعم کو زیادہ قریب سے دیکھا تھا اور قرآن کریم سے بڑھ کر کون سی الہامی کتاب اپنی تعلیم کی تفصیل اور جامعیت میں بڑھ کر ہے۔ اس تمام تعلیم پر ایسا عمل کر کے دکھانا جو قیامت تک کے لئے تمام نسل انسانی کے لئے بہترین نمونہ ہو کتنا عظیم الشان کام ہے جو رسول اللہ صلعم نے کر کے دکھا دیا۔

تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ محمد (صلعم) بہترین نمونہ اس کے لئے ہیں جو اللہ کو پانا چاہتا ہے کسی نبی نے اللہ کی تلاش اور اس کے پانے کو ایسا واضح اور واحد مقصد انسانی نہ بتایا جیسا کہ حضور صلعم نے بتایا۔ آپ نے سورۃ فاتحہ کو قرآن کریم کا خلاصہ (ام الکتاب) کہا۔ سورۃ فاتحہ کا خلاصہ وہ واحد دعا ہے جو اھدنا الصراط المستقیم میں مذکور ہے یعنی ہمیں سیدھے راستے پر لے کر چل۔ ہر راستہ کی کوئی منزل ہوتی ہے یا مقصود ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جو یہ واضح کرتی ہیں کہ وہ سیدھا راستہ جس پر چلنا مقصد حیات انسانی ہے اس کا مقصود خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ان میں سے ایک یہ ہے۔ فاما الذین اٰمنوا باللّٰہ واعتصموا بہ فسیدخلھم فی رحمۃ منہ وفضلٍ ویھدیھم الیہ صراطاً مستقیماً ○ (النساء ۱۷۵) جس کا ترجمہ یہ ہے "سو وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کو مضبوط پکڑا تو ان کو اللہ عنقریب (یعنی اسی دنیا میں) اپنی روحانی نعمتوں سے نوازے گا اور دنیاوی فضل بھی کریگا۔ اور انکو اپنی طرف سیدھی راہ پر چلا لے گا" غرض وہ سیدھی راہ جس پر چلنا انسان کی پیدائش کا مقصد ہے۔ وہ راہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف لے کر چلتی ہے۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اس راہ پر خود چل کر اللہ تعالیٰ کو ایسا پایا کہ معراج میں ع بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی۔

آپ نے تمام انبیاء سے نزدیک تر ہو کر اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور سب سے بڑھ کر اس کا قرب پایا۔ یہاں تک کہ آپؐ محبوب الٰہی کے لقب کے واحد حقدار ہوئے۔ آپ نے نہ صرف خدا کو پایا بلکہ جو بھی آپ کی اتباع کرے اس کو خدا کو پانے کی خوشخبری مندرجہ ذیل آیت میں مذکور ہے۔

قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ قف علیٰ بصیرۃٍ انا ومن اتبعنی (سورۃ یوسف ۱۲۔ آیت ۱۰۸) "کہہ دے یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں نے نہ صرف خود اللہ کو دیکھ لیا بلکہ جو بھی میری اتباع کریگا وہ بھی دیکھ لے گا۔"

چوتھی خصوصیت آنحضرت صلعم کی یہ بتائی گئی کہ جو یوم آخر کو چاہتا ہے اسکے لئے بھی آپؐ بہترین نمونہ ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم بل تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا ○ والاٰخرۃ خیرٌ وّ ابقیٰ ○ (سورۃ الاعلیٰ ۸۷ - آیت ۱۶ - ۱۷)

یعنی "تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی چیز ہے"۔ پر ایسا عمل کر کے دکھایا کہ آپؐ کو دنیا کی ہر لالچ دی گئی۔ دولت کی۔ بادشاہت کی۔ عورت کی۔ مگر آپ نے سب کو ٹھکرا دیا مگر آخرت کی بھلائی کو نہ چھوڑا۔ آپؐ جب بادشاہ بھی بن گئے تو پہلے کی طرح جھونپڑی میں لیٹتے اور زمین پر سوتے تھے اور فاقوں سے رہتے تھے۔ لاکھوں روپے آپ کے پاس آئے اور گئے پر آپ نے کبھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ جب حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ ہمیں ہمارا اجر آخرت میں ملے جو ہمیشہ کی اور بہتر زندگی ہے۔ بلکہ آپؐ نے یہی فرمایا کہ ایک شخص کو اختیار دیا گیا کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اجر لے گر اس نے آخرت کو ترجیح دی۔ اور وہ شخص آپؐ خود تھے۔ پانچویں بات جو اس آیت شریفہ میں مذکور ہے جس سے تمہید شروع کی گئی تھی وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ اسکے لئے بھی بہترین نمونہ ہیں جو اللہ کو بہت یاد کرے۔ اس سلسلہ میں بھی آنحضرتؐ نے وہ کمال کر دکھایا جس کی نظیر کسی نبی کی زندگی میں نہیں ملتی حضور صلعم کی زندگی کا ایک ایک دن بلکہ ایک ایک گھڑی ان بے شمار حدیث اور سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے جو اسلام کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ آپؐ کا تمام وقت خدا کی طرف بلانے میں۔ قرآن پڑھنے اور نماز یا دوسری طرح کی عبادتوں میں گزرتا تھا مگر اس کے علاوہ بھی دن یا رات کا کونسا موقعہ تھا جس میں آپؐ نے خدا کو یاد نہیں کیا۔ اسکی کچھ جھلک دیکھنی ہو تو میری کتاب مسنون دعائیں نامی پڑھیں کہ کس طرح آنکھ کھلنے سے رات سونے تک ہر آن آپؐ خدا کو یاد کرتے تھے۔ اس کا عشر عشیر بھی بطور ثبوت کسی اور نبی کی زندگی میں نہیں ملتا بلکہ انکی زندگی کے حالات تک محفوظ نہیں۔ دنیا کا تاریخی نبی اگر کوئی ہے تو وہ محمد صلعم ہیں جتنا آپؐ نے خدا کو یاد کیا کس نے کرنا ہے۔ ایک اور بات ہے جو زیر عنوان آیت میں فرمائی گئی ہے اور وہ یہ کہ اسوۂ حسنہ یعنی اعلےٰ اخلاق کو پیدا کرنے کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے ایک تو خدا پہ ایسا ایمان ہو جو کہ قرآن اور محمدؐ نے سکھایا ہے کہ خدا ہر آن میرے ساتھ ہے۔ (ھو معکم این ما کنتم) ترجمہ:۔ "اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو"۔ وہ سمیعٌ بصیرٌ ہے یعنی تمہاری بات کو سنتا ہے اور تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔ اور وہ علیمٌ بذات الصدور ہے یعنی تمہارے سینہ کے رازوں کو جانتا ہے"

دوسری بات جو اخلاق سدھارنے کے لئے ضروری ہے وہ یوم آخرت پر ایمان ہو کہ وہ خدا اگر اس دنیا میں نہ پکڑے تو ایک دن یعنی مرنے کے بعد میں نے اسکے آگے حاضر ہو کر ہر عمل بلکہ اپنے دل کی حالت تک کا جواب دینا ہے اور اپنی اصلاح دنیا میں نہ کی تو سزا بھگتنی ہوگی

تیسری بات یہ ہے کہ خدا چونکہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا اس لئے انسان اسے یاد بار بھول جاتا ہے اس کا علاج ذکروا اللّٰہ کثیراً میں ہے کہ انسان اللہ کو بکثرت یاد کرے اور اس کا بہترین نمونہ بھی حضور صلعم تھے جس کا کچھ اندازہ ان دعاؤں سے ہوگا جو میں نے اپنی کتاب میں بطور نمونہ لکھی ہیں اور دوسری مسنون دعاؤں کی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے آگے مرنے کے بعد سرخرو ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ آپ کے نمونہ کی پیروی کی کم سے کم کوشش تو کریں پیشتر اسکے کہ ہمیں پیغام اجل آ جائے ٭٭

از قلم: مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن ۔ سبق ۵۱

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۗ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(البقرۃ ۲ ۔ آیات ۲۵۶ ۔ ۲۵۷)

ترجمہ :۔ "دین میں کوئی زبردستی (منوانا) نہیں ۔ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے ۔ پس جو شخص شیطان کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لاتا ہے اس نے ایک محکم جائے گرفت کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والی نہیں ۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۔ اللہ اُن لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے ۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور جو کافر ہیں اُن کے ولی شیطان ہیں ۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں ۔ وہی آگ والے ہیں جو اسی میں رہیں گے ۔"

پچھلے درس میں میں نے لا اکراہ فی الدین کے زرّیں اصول کی بنیادی وجہ خود قرآن کریم کے اگلے الفاظ کی طرف توجہ دلا کر بیان کی تھی کہ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ۔ وہ ہدایت دینے والا اللہ تبارک و تعالیٰ ہے جس نے ہمیشہ نبی اور کتاب بھیج کر نہ صرف اس زمانہ کے لوگوں کی ہدایت کی بلکہ گمراہی جو پہلے ان پر واضح نہ تھی (اور اسی لئے وہ اس میں مبتلا تھے) اسے بھی واضح فرما دیا ۔ اور وہ بھی دلائل دے کر جو انسان کی عقل اور فطرت کو اپیل کرتے ہیں ۔ مگر لوگ بدقسمتی سے اپنی ، اپنی الہامی کتابوں کو کھو بیٹھے یا ان میں ایسی تحریفیں کر ڈالیں کہ ہدایت پھر گمراہی سے خلط ملط ہو گئی ۔ اور نبیوں کے نمونہ کے ساتھ بھی انہوں نے ایسا ہی کیا ۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کو قرآن کریم میں مکمل فرما کر اس کی حفاظت کو اپنے ذمہ لے لیا ۔ اور نبی آخر الزمان صلعم کا نمونہ بھی سنت کی شکل میں ایسا محفوظ ہے کہ کسی نبی کا نہیں ۔ اور جہاں اس نمونہ کے بارہ میں کوئی شک ہو تو اس کا حل یوں فرما دیا کہ قرآن پاک جو بالکل محفوظ ہے اس پر پیش کر کے فیصلہ کرو کیونکہ رسول اللہ صلعم فداہ ابی و امی نے کبھی کوئی عمل اور کوئی بات قرآن پاک کے خلاف نہیں کی بلکہ اس کی مکمل اطاعت میں حضورؐ کے تمام اعمال و اقوال تھے ۔ اس کی تفصیل میں پچھلے درس میں کر چکا ہوں ۔

تو جب کہ ہدایت یا سیدھے راستہ کو گمراہی یا غلط راستوں سے واضح کر دیا گیا ہو تو پھر انسان کی عقل اور اس کی فطرت ہمیشہ سیدھے راستہ کو اختیار کرنے کی ہدایت کریگی اور غلط راستوں سے بچنے کو کہے گی ۔ مگر انسان کا بدترین دشمن یعنے شیطان ہمیشہ کوشش میں لگا رہتا ہے کہ انسان کے جذبات اور خواہشات کو بے قابو کر کے اس کی عقل اور فطرت صحیحہ پر پردہ ڈال دے اور انسان کو یوں اندھا کر کے سیدھے راستہ سے گمراہ کر دے ۔ اسی لئے کیا حکمت بھری کتاب قرآن پاک ہے کہ اگلے الفاظ ہیں فمن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ ؟ لا انفصام لھا ۔ "پس جو شیطان کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک محکم جائے گرفت کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والی نہیں ۔"

اب یہاں شیطان سے انکار کے معنی اس کی ہستی سے انکار کے تو ہو سکتے ہی نہیں کیونکہ شیطان کی ہستی کا علم خود قرآن پاک نے دیا ہے ، بلکہ انکار کے معنی شیطان کی بات ماننے سے انکار کا ہے ۔ اور اس بات کو قرآن حکیم نے اتنی بار واضح فرمایا ہے کہ ان تمام موقعوں کا ذکر اس مختصر درس کو ایک طویل داستان بنا دے گا ۔ صرف ایک جگہ سے چند آیات سناتا ہوں ۔

الم اعھد الیکم یٰبنیٓ اٰدم ان لا تعبدوا الشیطٰن ۚ انہ لکم عدوٌّ مبین ۙ وان اعبدونی ۭ ھٰذا صراطٌ مستقیم ۝ ولقد اضلّ منکم جبلًّا کثیرا ۭ افلم تکونوا تعقلون ۝ ھٰذہٖ جھنّم التی کنتم توعدون ۝ اصلوھا الیوم بما کنتم تکفرون

(سورۃ یٰسٓ ۳۶ ۔ آیات ۶۰ تا ۶۴)

"اے آدم کے بیٹو ! کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا ۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ اور یہ کہ تم میری عبادت کرو ۔ یہ سیدھا راستہ ہے ۔ اور یقیناً اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا ، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے تھے ؟ یہ (تمہارے سامنے) وہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا تھا ۔ آج اس میں داخل ہو جاؤ اس کی وجہ سے جو تم نے میری نافرمانی کی ۔"

قرآن حکیم کی اس موضوع پر بے شمار آیات میں سے مذکورہ بالا آیت کو میں نے اس لئے چنا ہے کہ وہ آج کے درس کی آیات کی بھی تفسیر کرتی ہیں ۔ مندرجہ بالا آیات کی تفسیر سے پہلے میں یہ جتا دوں کہ بدقسمتی سے اکثر لوگ عبادت کے معنی نماز پڑھنے کے کرتے ہیں حالانکہ عبادت کے لغوی معنی ہیں فرمانبرداری کرنے کے ۔ نماز کے لئے قرآن حکیم میں لفظ صلوٰۃ آتا ہے ۔ اور اگر بعض بزرگوں نے عبادت کے معنے کہیں نماز کے کئے ہیں تو صرف اس لئے کہ نماز اظہار فرمانبرداری ہے ۔ شیطان کے آگے تو کوئی

ہاتھ باندھ کر نماز نہیں پڑھتا۔ اس لئے مندرجہ بالا آیات میں پہلی بات تو یہ فرمائی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آدم کی اولاد کو فرمائے گا کہ کیا میں نے تم کو حکم نہ دیا تھا اے آدم کی نسل کہ تم شیطن کی فرمانبرداری نہ کرنا؟ یہ حکم حضرت آدم کے واقعہ سے جو ملا (اسی لئے بنی آدم فرمایا) تو تمام نبیوں کے ذریعہ اور الہامی کتابوں میں ملتا رہا۔ اور قرآن حکیم میں بالکل واضح طور پر بار بار آیا ہے۔ آج کے درس کی آیات اور سورۃ یٰسٓ کی مندرجہ بالا آیات میں بھی ہے۔ تو جہاں شیطان کی فرمانبرداری نہ کرنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی دلیل دی کہ "بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔ جیسا کہ میں حضرت آدم اور اماں حوّا کے واقعہ والی آیات کی تفسیر میں بتا آیا ہوں کہ جس جنت سے وہ نکالے گئے وہ اگلے جہان کی جنت نہ تھی (جہاں نہ تو شیطان کا گذر ہوگا اور نہ اس جنت سے بموجب آیت وماھم منھا بمخرجین کوئی نکالا جائے گا) بلکہ وہ دل کی جنت تھی جس میں انسان اس دنیا میں پیدا کیا جاتا ہے۔ تو شیطان نے نہ صرف حضرت آدم اور اماں حوّا کو دل کی جنت سے نکلوا دیا بلکہ نسل آدم میں جو بھی شیطان کی بات کو مانے تو وہ اپنے دل کی جنت کھو بیٹھتا ہے۔ مثلاً جہاں انسان نے رشوت لی تو اسکے دل کا سکون و بے فکری گئی اور اگر پکڑا گیا تو پھر حزن آلیتا ہے۔ اسی لئے مومن کے لئے قرآن حکیم میں کئی جگہ فرمایا گیا ہے کہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یہی دل کی جنت ہے جو مومن کو اسی دنیا میں ہمیشہ حاصل رہتی ہے شیطان کو کھلا دشمن اس لئے کہا کہ شیطان کی جتنی تحریکات ہیں وہ کھلے طور پر انسان کی عقل اور فطرت کے خلاف ہوتی ہیں۔ اسی لئے شیطانی باتوں کو انسان کی عقل برا بتاتی ہے اور فطرت اُن سے نفرت کرتی ہے جن کی عقل اور فطرت شیطان کی اتباع میں مسخ بھی ہو جاتی ہے وہ بھی جب کوئی دوسرا ان سے وہی برائی کرے تو اسکو برا مانتے ہیں۔ خود گالی دے لیتے ہیں مگر دوسرا انہیں گالی دے تو اتنا برا لگتا ہے کہ قتل و خون تک پر اتر آتے ہیں۔

سورۃ یٰسٓ کی مندرجہ بالا آیات میں اگلے الفاظ ہیں کہ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ "میری فرمانبرداری کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے"۔ یہاں اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری کے حکم کے ساتھ بھی دلیل دی کہ وہ تم کو سیدھے راستہ پر لے کر چلے گا۔ انسان کو پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے کہ اس نے انسان کو کس مقصد یا مقام کو حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اور کس راستہ پر چل کر وہ اس مقصد کو پا سکتا ہے۔ آگے فرمایا کہ "اس (یعنے شیطان) نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا۔ تو کیا تم عقل سے کام نہ لیتے تھے؟" مثلاً انسان کی عقل چوری کو برا بتاتی ہے۔ اور جو انسان جذبات اور خواہشات نفسانی سے جنھیں شیطان ابھارتا ہے خود چوری پر اتر بھی آتا ہے تو چوری کے مال کی تقسیم کے وقت ساتھی چور سے لڑ مرتا ہے۔ آیت کے اس حصہ میں کیا حکمت کی بات فرمائی ہے کہ جب ہم نے ہدایت یا سیدھے راستہ کو گمراہی سے واضح کر دیا تھا تو کوئی عقلمند سیدھے راستہ کو چھوڑ کر گمراہ کرنیوالے راستہ پر کب جاتا ہے؟ مگر تم نے اپنی خدا داد عقل سے کام نہ لیا اور سیدھے راستہ کو اختیار نہ کیا۔ قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ مندرجہ بالا تحریر میں میں نے "کیا تم عقل سے کام نہ لیتے تھے؟" کے الفاظ کو جب وہ پہلی دفعہ اس درس میں آئے تو جلی قلم سے لکھا ہے اور دوسری دفعہ اُن کے نیچے خط کھینچ کر آپ کی توجہ کو ان الفاظ پر غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس لئے کہ لا اکراہ فی الدین کے زریں اصول کو اس رکوع میں قائم کرنے کی منجملہ اور وجوہات کے یہ وجہ بھی ہے کہ اگر دین کو زبردستی منوایا جائے تو پھر انسان کی عقل پر تالا لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ جو خالق نسل انسانی ہے اس کی منشاء (مبنی بر حکمت) یہ ہے کہ انسان کو جو اس نے عقل کی بیش بہا نعمت دی ہے (جو اس نے کسی اور مخلوق کو نہیں دی) اسکو استعمال کر کے انسان اپنے نفع اور نقصان کو خود سمجھے اور خود اختیار کرے تبھی تو وہ نیکی کو اختیار کرتا اور بدی کو چھوڑتا ہے۔ اگر دین کو زبردستی منوایا جائے تو عقل پر تالا لگائے جانے کے علاوہ ایسا ایمان نہ نیکی بنتا ہے نہ (اگر وہ جھوٹا دین ہے تو) بدی۔ زبردستی یا مجبوری کے عمل میں نہ نیکی رہتی ہے نہ بدی۔ ایک قیدی اگر چوری نہیں کرتا تو نہ تو وہ نیک ہونے کا دعوای کر سکتا ہے اور نہ یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ قید کی مجبوری سے چھوٹ کر پھر چوری نہیں کریگا۔ میں جب قرآن کریم کی حکمتوں کو اور قرآن کے علم و معرفت کے رازوں کو عیاں کرتا دیکھتا ہوں تو میرا دل پگھل کر آستانہ الٰہی پر سر بسجود ہو جاتا ہے اور بے اختیار میرے منہ سے نکلتا ہے سبحٰن ربّی الاعلیٰ اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی زندگی کے ہر لمحہ بس یہی کہتا رہوں سبحٰن اللّٰہ وبحمدہٖ سبحٰن اللّٰہ العظیم

شیطن خود آگ میں سے پیدا ہوا ہے۔ اُدھر انسان کا حیوانی جسم بھی گرمی سے زندہ ہے (اسی لئے مُردے کا جسم ٹھنڈا پڑ جاتا ہے) اور اس جسم میں سے جو جذبات اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں ان کی بجھ بھی گرم ہے۔ گرمی ایک حد تک اور جب وہ قابو میں ہو تو تمام حرکت اور عمل کا باعث بنتی ہے۔ مگر شیطان اس کو بھڑکا کر اور جذبات اور خواہشات کو بے قابو کر کے انسان کے دل کے اندر اس زندگی میں ہی ھل من مزید کی آگ کو بھڑکا دیتا ہے جو مرنے کے بعد ظاہر کی جہنم کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں جیسا کہ قرآن حکیم کی سورت الھمزہ ۱۰۴ میں واضح فرما دیا گیا ہے۔ سورۃ یٰسٓ کی زیر غور آیات میں سے آخری آیت میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ تو انسان کو اپنے جذبات اور خواہشات کو قابو میں رکھ کر ان سے قوت عمل اور اخلاقی اور روحانی ترقیات کرنا سکھاتا ہے مگر جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے کے بجائے شیطان کی فرمانبرداری کرتے ہیں وہ اپنے لئے اس آگ کو خود بھڑکاتے ہیں جس میں انسان کو مرنے کے بعد ظاہری جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

اور جب وہ اپنے کئے کا مزہ چکھے گا تبھی اس کی اصلاح ہوگی۔ تھوڑی کٹے انسان کی بنیادی اصلاح نہیں ہوتی۔ اور جتنی پرانی بیماری ہوگی اور جتنی جڑیں اس کی پھیل گئی ہونگی اتنا ہی لمبا عرصہ علاج بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

سورۃ لیسین کی آیات کے پس منظر کو میں نے اس لئے بیان کیا ہے کہ وہ آج کے درس کی آیات کی تفسیر کرتا ہے۔ آج کے درس کی پہلی آیت میں یہ فرمانے کے بعد کہ ہدایت کو گمراہی سے اس دینِ حق میں واضح کر دیا گیا ہے مگر شیطان جو تمہارا دشمن ہے وہ تم کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا اس لئے اس کے بہکانے سے بچتے رہنا۔ اگلی بات یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر امن میں آ جاؤ (جو ایمان کے معنوں میں سے ہے)۔ اس ایمان کو پیدا کرنے کے لئے خدا کی ہستی اور توحید پر دلائل قرآن حکیم بار بار دیتا ہے۔ اسی رکوع میں پچھلے درس میں آیت الکرسی کی تفسیر میں ان دلائل کو بیان میں نے کیا تھا۔

اب آج کے درس کی آیات کو پھر لیتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ پر ایمان لا کر تم ایک ایسی محکم جائے گرفت کو تھام لو گے جو ٹوٹنے والی نہیں۔ اس دنیا کی زندگی میں غلط خیالات اور اعتقادات کے بہاؤ اسی طرح آتے ہیں جس طرح سیلاب میں آتے ہیں اور موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں۔ اور بھنوروں میں انسان پھنس جاتا ہے جس طرح کہ کوئی دریا یا سمندر میں تیرنے والا موجوں کے تھپیڑے کھاتا اور بھنوروں میں پھنس کر ڈوبنے لگتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر کوئی تھامنے کی چیز یا پکڑ اُسے مل جائے تو اس کی جان میں جان آ جاتی ہے۔ مگر اکثر ایسے سہارے جو وہ پکڑتا ہے وہ خود دریا کے بہاؤ یا سمندر کی موجوں کے تھپیڑوں سے ٹوٹ جاتے ہیں اور تیرنے والا ڈوب کر مر جاتا ہے۔ آج کل کے زمانہ میں مادہ پرستی۔ شرک دنیا پرستی۔ زر پرستی۔ دہریت، اشتراکیت اور نت نئی تحریکات اور غلط نظریئے جو پیدا ہوئے ہیں وہ ایسی ہی موجیں ہیں جو انسان کو بہا کر لے جا رہی ہیں۔ رسم و رواج اور فیشن بھی سیلاب کی طرح لوگوں کو بہاتے ہیں۔ زندگی کے ابتلاء مثلاً غربت۔ بیماریاں، موت اور ٹھوکریں جو انسانوں کو لگتی ہیں ان میں لوگ اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں اور کبھی ادھر بھٹک کر جاتے ہیں تو کبھی اُدھر اور بعض تو خودکشی تک کر بیٹھتے ہیں۔

تو ان زندگی کے تھپیڑوں اور بھنوروں میں اللہ تعالیٰ پر ایمان ایک محکم جائے گرفت کا کام دیتا ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتی۔ تمام تاریخ کو دیکھ لیجئے جن لوگوں نے زندگی کے ابتلاؤں میں ثابت قدمی دکھلائی ہے تو وہ وہی تھے جن کو خدا پر مضبوط ایمان تھا۔ ایسا ایمان انہیں تسلی دیتا ہے کہ جو بھی ابتلاء آئیں وہ مشیت ایزدی سے آتے ہیں اور ان میں انسان کی اخلاقی اور روحانی بہتری مقصود ہوتی ہے۔ اس لئے انہیں صبر اور دعا کے ذریعہ سے سہنا چاہیئے۔ قرآن بھی کیا پیاری کتاب ہے! اگلے الفاظ آتے ہیں "واللہ سمیع علیم" "اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے"۔ زندگی کے ابتلاؤں میں انسان بے اختیار خدا کو پکارتا ہے تو فرمایا کہ ضرور پکارو کہ وہ تمہاری دعا کو سننے والا ہے۔ اور اگر تم نہ بھی پکارو جیسے کہ ناگہانی اور اچانک آفت میں ہو سکتا ہے تو وہ بہرحال تمہارے حالات کو جاننے والا ہے۔ وہ تمہارے بن پکارے بھی تمہاری مدد کو آئیگا اگر تم اُسکے بندے بنو۔ میں نے تو دیکھا کہ سینکڑوں ہزاروں موقعوں پر وہ ان خطرات سے اپنے بندے کو بچا لیتا ہے جن کا علم انسان کو اس خطرہ کے گذر جانے کے بعد ہوتا ہے۔ اس لئے اس نے خدا کو پکارنا کیا تھا۔

اگلی اور آخری آیت ہے کہ "اللہ مومنوں کا ولی ہے۔ وہ انہیں اندھیروں میں سے نور کی طرف لاتا ہے"۔ اللہ! اللہ! مومن کی کیا عزت فرمائی کہ اللہ تمہارا دوست بن جاتا ہے۔ کارساز بن جاتا ہے۔ گویا ہر مومن ولی اللہ بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی کارسازی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ تمہیں اندھیروں میں سے نور میں لاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا کی گمراہیاں اور غلط تحریکات بھی تاریکیاں ہوتی ہیں جن میں انسان کو نظر نہیں آتا کہ کیا کرے۔ کدھر جائے مگر انسان کا اپنا باطن سب سے بڑی تاریکی ہے جس میں سے وہ گذر رہا ہے کیونکہ انسان اپنے باطن کو دیکھ نہیں سکتا مگر انسان کا باطن ہی ہے جو اسکی ظاہری زندگی میں اسے لے کر چلتا ہے اور پھر انسان کی زندگی کا ہر قدم خود اس کے باطن پر اثر ڈالتا ہے۔ اس کے "نفس" کی شکل و صورت بناتا چلا جاتا ہے۔ اور نفس کی صحت یا بیماری کا باعث بنتا ہے۔ اب قرآن کی حکمت کو دیکھئے کہ باطن کی تاریکیوں یا باہر کی ظلمات (غلط خیالات، فاسد تحریکات) میں سے مومن کو گذارنے کے لئے جو روشنی اللہ تعالیٰ مومن کو بخشتا ہے اس کے لئے لفظ "نور" استعمال فرمایا۔ نور اور معمولی روشنی میں یہ فرق ہے کہ ظاہری روشنی تو صرف چیزوں کے ظاہر پر پڑتی ہے اور جس ظاہر کو وہ بتاتی ہے وہ ممکن ہے کہ اصلیت نہ ہو۔ مثلاً ظاہری روشنی اگر ایک چیز کو سرخ رنگ کا دکھاتی ہے تو دراصل وہ چیز سرخ نہیں ہوتی بلکہ اس کی سطح میں ایسی خاصیت ہوتی ہے کہ وہ روشنی کے باقی چھ رنگوں کو تو جذب کر لیتی ہے مگر سُرخ رنگ کو لوٹا دیتی ہے اور ہماری آنکھ کی پتلیوں پر پڑ کر ہمیں اس چیز کو سُرخ دکھاتی ہے۔ یہ سائنس کے انکشافات ہیں۔ اس کے برعکس "نور" وہ روشنی ہے جو ظاہر اور باطن دونوں کو روشن کر دیتی ہے۔ تو چونکہ وہ دونوں کو اور خصوصاً باطن کو بھی روشن کر دیتی ہے تو انسان دھوکا نہیں کھاتا۔ تو مومن اور معمولی انسان میں یہ فرق ہے کہ معمولی انسان یا تو اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتا اور بھٹکتا پھرتا ہے اور یا زیادہ سے زیادہ چیزوں کے ظاہر کو دیکھتا ہے جو کہ بقول سائنس کے اصلیت نہیں۔ مومن کو اس نورِ بصیرت سے جو اللہ تعالےٰ اُسے بخشتا ہے ظاہر اور باطن دونوں نظر آتے ہیں اور وہ ٹھوکروں اور گمراہی سے بچ جاتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالك

آخری آیت کے اگلے الفاظ ہیں والذین کفروا اولیٰهم الطاغوت یخرجونهم من النور الی الظلمت ط اولٰئك اصحٰب النار ج هم فیها خٰلدون۔ کفر کے معنی انکار کرنا یا ناشکری کرنا دونوں ہیں۔ تو

جو لوگ اس ہدایت اور نور کا جو اللہ تعالےٰ نے قرآن میں اتارے ہیں (اسی لئے قرآن کو ھدًی و نور دوسری جگہ فرمایا ہے) انکار کرتے اور یوں ناشکری کرتے ہیں یا زبانی ایمان تو لاتے ہیں مگر اس ہدایت اور نور سے عملی فائدہ نہ اٹھا کر اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ وہ پھر کس کی پیروی کرتے ہیں جیسا کہ آجکل کے دہریے زندگی گذارتے ہیں ؟ اپنے دل کی یعنی اپنے جذبات اور خواہشات کی، اور ان کو بھڑکانے والا شیطان ہے، شیطان ہی کے لئے یہاں لفظ طاغوت استعمال فرمایا جس کے معنی حد سے گذرنے والا کے ہیں۔ تو جذبات اور خواہشات جن پر حد تقویٰ کے ذریعہ قرآن لگانی چاہتا ہے۔ وہ جذبات اور خواہشات جب حد کے اندر نہ رکھی جائیں تو اس کے دو نتائج ہوتے ہیں۔ اول تو اس نور عقل پر جو اللہ تعالےٰ نے انسان کو بخشا ہے پردہ پڑ جاتا ہے جیسا کہ ہم ہر گنہگار اور مجرم کے افعال میں دیکھتے ہیں۔ اور یوں انسان نور باطنی سے اندھیرے میں ہو کر ٹھوکریں کھاتا اور بھٹکتا ہے۔ اسی کو فرمایا کہ یخرجونھم من النور الی الظلمٰت۔ دوسرے جذبات اور خواہشات جو بذات خود گرم ہیں وہ شیطان کے بھڑکانے سے جو کہ آگ میں سے پیدا ہوا ہے بھڑک کر ھل من مزید کی آگ اسی دنیا میں انسان کے دل میں لگا دیتی ہیں۔ یوں ایسا انسان نہ صرف اس دنیا میں باطن میں دوزخی زندگی میں پڑ جاتا ہے۔ بلکہ مرنے کے بعد وہ باطنی آگ جو اس کے نفس میں مخفی اگلی دنیا میں نفس کے عالم ظاہر میں آجانے کی وجہ سے ظاہر ہو کر بھڑک کر آخرت کا جہنم بن جاتی ہے۔ قرآن حکیم باطنی امور کو واضح کر کے کیسی اچھی طرح بتاتا ہے جو کہ ہدایت اور "نور" کا کام ہے جیسا کہ میں اوپر بتا آیا ہوں۔

اخبار احمدیہ

سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز بفضلہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ جماعت کے سب بیدار احباب حضور کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

شادی خانہ آبادی

گذشتہ دنوں عزیز محمد ارجمند صادق (خلف الرشید جناب حبیب الرحمان صادق مرحوم و مغفور) کا نکاح ہمراہ عزیزہ فرح بعوض پچاس ہزار روپیہ حق مہر کراچی میں پڑھا گیا۔ دعوتِ ولیمہ کا اہتمام اسلام آباد میں تھا جس میں ازراہ شفقت سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے بھی شرکت فرمائی۔ دولہا نے اس خوشی کے موقعہ پر مبلغ ایک ہزار روپیہ بمد اشاعت اسلام انجمن کو مرحمت فرمایا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس تعلق کو جانبین کے لئے بابرکت اور ثمر بہ ثمرات حسنہ بنائے۔ آمین!

در عشق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

از حضرت مجدد صد چہاردہم

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خوبتر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اس پہ ہر اک نظر ہے بدر الدجیٰ یہی ہے

پہلے تو رہ میں ہارے پار اس نے ہیں اتارے
میں جاؤں اس کے وارے بس ناخدا یہی ہے

پردے جو تھے ہٹائے اندر کی رہ دکھائے
دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے

وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی
دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے

وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے
وہ طیب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے

حق سے جو حکم آئے اس نے وہ کر دکھائے
جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے

آنکھ اس کی دور بیں ہے دل یار سے قریں ہے
ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیاء یہی ہے

جو راز دیں تھے بھارے اس نے بتائے سارے
دولت کا دینے والا فرمانروا یہی ہے

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

وہ دلبر یگانہ علموں کا ہے خزانہ
باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا
وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

ہم تھے دلوں کے اندھے سو سو دلوں پہ پھندے
پھر کھولے جس نے جندے وہ مجتبیٰ یہی ہے

اے میرے رب رحمٰں تیرے ہی ہیں یہ احساں
مشکل ہو تجھ سے آساں ہر دم رجا یہی ہے

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

از جناب: مکرم مرزا محمد لطیف شاہد

جلسہ سالانہ کی عظیم الشان برکات

جلسہ سالانہ کی آمد آمد ہے جو کہ امسال ۲۲ تا ۲۵ دسمبر ۱۹۸۳ء دار السلام لاہور میں انشاء اللہ انعقاد پذیر ہوگا۔ جلسہ کے دن بڑی ہی برکتوں والے ہوتے ہیں۔ اور ہر سال جملہ افراد جو کہ حضرت امام الزمان مسیح موعودؑ کے دامن کے ساتھ وابستہ ہیں اور وہ جو حق کی تحقیق میں مصروف ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں قال اللہ اور قال الرسول کی بابرکت مجالس میں شامل ہونے کی خواہش ہوتی ہے اور صحبتِ صالحین کے طالب ہوتے ہیں تشریف لاتے ہیں۔ انہی مجالس کے بارے میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :۔

" اجلس بنا ساعۃ نکن مومنا " کہ جب مسلمان آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں اور دین کی باتیں کرتے ہیں ان کے اندر اگر کوئی کمزوری ہوتی ہے وہ دور ہو جاتی ہے اور وہ مومن ہو جاتے ہیں کیونکہ دور رہنے کی وجہ سے، فرصت نہ ملنے کی وجہ سے، انسان کے اندر کئی روحانی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان کا علاج حضرت نبی کریم صلعم نے صحبتِ صالحین قرار دیا ہے۔

یہ ہمارا خدا کے فضل سے انہترواں (۶۹) جلسہ ہے اور ہر شامل ہونے والا اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتا ہے۔ ایسی مجالس کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ صادقوں کی معیت اختیار کرو۔ صادقین کا گروہ پاکیزہ افراد ہیں۔ جن کی زندگی کا مقصد وحید یہی ہوتا ہے کہ حق کی اشاعت کی جائے۔ دین کو دنیا پر مقدم کیا جائے۔ اور گم شدہ روحانی متاع کو دوبارہ دریافت کیا جائے۔ اور حق کے طالبوں کو راہِ حقیقی دکھایا جائے۔ اور التباسِ حق کرنے والوں کو سیدھا راستہ دکھایا جائے ایسا ہی ایک پاکباز، راست باز ہمارے زمانے میں تشریف لایا جو اس مشن کو لے کر کھڑا ہوا۔

اس مشن کی تکمیل کے لئے اس نے ایک جماعت تیار کی اور ان کو یہ نصیحت فرمائی :۔

" تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے یہ غرض ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو جائے اور اپنے مولیٰ کریم اور رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آجائے۔ اور ایسی حالتِ انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفرِ آخرت مکروہ معلوم نہ ہو۔ لیکن اس غرض کے حصول کے لئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تا کہ اگر خدا تعالےٰ چاہے تو کسی برہانِ یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دور ہو اور یقینِ کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولہ عشق پیدا ہو جائے۔ سو اس بات کے لئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیئے۔ اور دُعا کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ یہ توفیق بخشے اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیئے۔ کیونکہ سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پرواہ نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہوگی "

(اطلاع منسلکہ آسمانی فیصلہ)

احباب و خواتین کرام سلسلہ احمدیہ! اس اطلاع کا ایک ایک لفظ غور سے مطالعہ فرمائیں کہ حضرت امام الزماں ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تکمیل ایمان کے لئے صحبت میں رہنا کتنا ضروری ہے اس سے اندازہ لگائیں کہ یہ چار دن جو سال میں صرف ایک دفعہ آتے ہیں۔ ان کی کتنی اہمیت ہے اور ہماری روحانی زندگی میں ان کی کتنی ضرورت ہے۔ صرف فکر اور محاسبہ کی ضرورت ہے۔ احساس بیدار کرنے اور عزم پختہ کرنے سے تمام موانع یک دم دور ہو جاتے ہیں۔ پھر افتاں و خیزاں انسان پہنچتا ہے۔ اور دنیوی موانع اس کے راستے میں روک نہیں بنتے۔

بعض اوقات معمولی دنیاوی کاروبار انسان کے راستہ میں حائل ہو جاتے ہیں حضرت مجدد صد چہاردہم ان لوگوں سے جنھوں نے آپ کی بیعت کی ہے ان کو کیا نصیحت فرماتے ہیں۔

" یاد رکھو کہ یہ جماعت اس بات کے واسطے نہیں کہ دولت اور دنیا داری میں ترقی کرے اور زندگی آرام سے گذارے ایسے شخص سے تو خدا بیزار ہے۔ چاہیئے کہ صحابہ رضوان اللہ کی زندگی کو دیکھو وہ زندگی سے پیار نہ کرتے تھے ہر وقت مرنے کے لئے تیار تھے۔ بیعت کے معنے ہی یہ ہیں کہ اپنی جان کو بیچ دینا جب انسان زندگی وقف کر چکا ہو تو پھر دنیا کے ذکر کو درمیان میں کیوں لاتا ہے "

(ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۱۸۵)

جلسہ سالانہ کی غرض و غایت

حضرت مسیح موعود اس جلسہ کی غرض و غایت اور اہمیت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :۔

" اس جلسہ سے مدعا اور اصل مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کر لیں کہ ان کے دل آخرت کی طرف بکلی جھک جائیں اور ان کے اندر خدا تعالےٰ کا خوف پیدا ہو۔ اور وہ زہد اور تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مؤاخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں اور انکسار اور تواضع اور راست بازی ان میں پیدا ہو اور دینی مہمات کے لئے سرگرمی اختیار کریں "

(شہادت القرآن)

میرے پیارے بھائیو! حضرت صاحب کی تحریر کا ایک ایک لفظ ایک ایک فقرہ بار بار پڑھیں اور خوب غور سے پڑھیں اور دیکھیں کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ جنھوں نے خداتعالیٰ سے حکم پاکر ایک کشتی تیار کی اور اس میں سوار ہونے والوں کے لئے اب یہ نصائح فرماتے ہیں۔ اور ان اغراض کے حصول کا ایک بڑا ذریعہ اس سالانہ جلسہ کو قرار دیتے ہیں۔

جلسہ سالانہ علم و معرفت کا ایک ذریعہ ہے۔

یہ دور خاص طور پر "علم" کا ہے۔ آپ اس روشنی کے بغیر تاریکی کو دور نہیں کر سکتے۔ تاریکی دور کرنے کا پہلا زینہ علم ہے۔ قرآن مجید نے علم پر بڑا زور دیا ہے۔ اور جو اس نور سے بے بہرہ ہیں ان کی جانوروں سے مشابہت دی ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"جو شخص علم کی تلاش میں گھر سے نکلے خداتعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ فرشتے ایسے طالب علم سے خوش ہو کر اپنے پر اس کے آگے بچھا دیتے ہیں۔ اور عالم کے لئے زمین و آسمان کے رہنے والے بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔ یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی اس کے حق میں دعا کرتی ہیں۔"
(ترمذی کتاب العلم)

حضرت امام الزماں کیا خوب فرماتے ہیں۔

"مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں سے آخری راہ ہوں۔ اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔" (کشتیٔ نوح)

پس آپ کتنے خوش قسمت ہیں اور اس پر خداتعالیٰ کا جتنا بھی شکر کریں کم ہے کہ اب اس علم کو حاصل کرنے، جلا بخشنے اور معرفت میں ترقی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہر سال آپ کے لئے ایک موقع فراہم کرتا ہے۔ اب اس میں تشریف لا کر عملی ثبوت اس بات کا مہیا فرما دیں کہ ہم وہ لوگ جو اپنے عہد کو نبھاتے ہیں جو ہم نے امام وقت سے کیا ہے۔ کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے جلسہ سالانہ پر ضرور تشریف لادیں۔ اور معمولی موانع کو اس کار خیر کے راستہ میں روک نہ بننے دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور اس کی توفیق دے۔ آمین!

جلسہ سالانہ اور اس کی اغراض

اوپر میں نے ایک حدیث درج کی ہے۔ اجلس بنا ساعۃ نکن مؤمنا اس پر شارحینِ حدیث نے ایک بہت عمدہ نوٹ تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اکمل المومنین تھے۔ دنیا و آخرت میں روحانی طور پر جو مقام آپکو خداتعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے وہ نہ کسی کو پہلے ملا تھا اور نہ اب قیامت تک کسی اور کو ملے گا۔ اسی طرح جو مقام آپؐ کے صحابہ رضٖ کا ہے اور جس پر خداتعالیٰ کی رضامندی مستزاد ہے (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ) کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مقام نہ پہلے کسی کو ملا ہے نہ آئندہ ملے گا۔ اس پر مؤمنا فرمایا یعنی مومن بن جائیں گے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان کے بعد معرفت کا سمندر ایک لاانتہا وسعتوں کا حامل ہے۔ جتنی دفعہ بھی مومن ملتے ہیں ان کا ایمان صیقل اور علم میں وسعت اور معرفت میں جلا اور بصیرت پیدا ہوتی ہے جس کا احاطہ انسانی عقول نہیں کر سکتیں۔

پس اے میرے احمدی بھائیو اور بہنو! اسی معرفت کو پیدا کرنے کا ذریعہ ہمارے بانیٔ سلسلہ احمدیہ اس جلسہ کو قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں ہوتی (اشتہار دسمبر ۱۸۹۲ء)

"ہر ایک مخلص کو بالمواجہ (آمنے سامنے میل ملاپ۔ ناقل) دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور ان کے معلومات وسیع ہوں اور خداتعالیٰ کے فضل و توفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو۔" (آسمانی فیصلہ)

"صرف طالب علم اور مشورہ امداد — اور ملاقات اخوان کے لئے یہ جلسہ تجویز کیا گیا ہے۔" (آسمانی فیصلہ)

قابل توجہ!

احباب کا اس نیت کے ساتھ جلسہ سالانہ میں تشریف لانا کہ وہ پوری توجہ کے ساتھ درس قرآن مجید اور جلسہ کی تقاریر کو غور سے سنیں گے بلکہ ممکن ہو تو NOTES بھی لیں گے۔ ان کا یہ فعل حدیث نبوی کے بموجب طلب علم میں شمار ہوگا۔ جلسہ میں معمولی رکاوٹوں کی وجہ سے نہ آنا۔ یا اس کی اہمیت سے صرف نظر کرنا۔ اور اپنے روحانی دوستوں کو آکر نہ ملنا بہت بڑی محرومی کا ذریعہ بنتا ہے۔

آئے دن دوستوں سے جب ملاقات کرنے کا موقع ملتا ہے اکثر ایسے دوست ملتے ہیں جو اپنی نئی نسل سے بڑے پریشان اور شاکی ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت میں ادب سے درخواست ہے کہ بچوں کو دیندار بنانے اور دین کی محبت پیدا کرنے اور اس پر عامل بنانے میں ایک بڑا ذریعہ جلسہ سالانہ بھی ہے۔ اس واسطے آپ سب کو پوری تیاری کے ساتھ جلسہ سالانہ میں شریک ہونا چاہیئے اللہ تعالیٰ ہمارے سب بھائیوں کو اس میں شامل ہونے کی سعادت و توفیق عطا فرما دے۔ آمین!

باہمی محبت و اخوت

حضرت مسیح موعود اس جلسہ میں شمولیت کی دوستوں کو مختلف رنگوں میں تحریص و ترغیب دلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہونگے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے بھائیوں کا منہ دیکھ لیں گے اور روشناس ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اس جلسہ میں تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جل شانہ کوشش کی جاتی رہے گی۔ اور اس روحانی جلسے میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے۔"
(آسمانی فیصلہ)

دعائے مغفرت

فرماتے ہیں۔ "جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر

کہ جائیگا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔"

(آسمانی فیصلہ)

دین کے کاموں میں مسابقت

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ اے مومنو فاستبقوا الخیرات۔ کہ آپس میں نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اور حدیث میں ہے کہ،

من استوا یومین فھو مغبون۔ کہ جس مومن کے دو دن برابر ہوں وہ گھاٹے میں ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضورؐ دن تو سارے برابر ہوتے ہیں انسان گھاٹے میں کس طرح ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ انسان دنیا میں کچھ وقت کے لئے آیا ہے جس نے آخر ایک دن ختم ہو جانا ہے۔ پس یہ کوشش کرو کہ آج جو آپ کو نیک کام کرنے کی توفیق ملتی ہے کل آنے والے میں زیادہ نیکی کرو۔

اس میں ہمارے لئے ایک عظیم سبق ہے کہ ہم ہر سال جلسہ سالانہ میں شامل ہوتے ہیں۔ امسال پوری کوشش کریں۔ انفرادی رنگ میں اور اجتماعی رنگ میں اور اجتماعی صورت میں ہر مقام اور جماعت اور خاندانوں سے زیادہ افراد جلسہ میں شرکت فرمادیں۔

دعا ہے کہ مولیٰ کریم ہم سب کو اس بابرکت جلسہ میں پورے رنگ میں شامل ہوکر استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین!

* * *

آپ آئیں گے تو

گلشن میں بہار آئے گی

آپ آئیں گے تو گلشن میں بہار آئے گی
ایک رونق سی جو بے حد و شمار آئے گی

آپ کے آنے سے ہر دل کو سکوں پہنچے گا
آپ جو آئیں گے اک موجِ قرار آئے گی

آپ لائیں گے جو تصویرِ اخوت کی یہاں
ولولے دیں کے وہ ہر دل میں نکھار آئے گی

استدعا ہے یہ بزرگوں سے کہ وہ آئیں ضرور
اُن کے آنے سے اخوت بکنار آئے گی

نوجوانوں کو یہ لازم ہے کہ وہ بڑھ کر آئیں
اُن کی "ہمت" سے جو ہر کام سنوار آئے گی

مل کے ہم سوچیں گے جب دیں کی اشاعت کیلئے
حق سے نصرت کی جھلک قرب و جوار آئے گی

اپنا پیغام نہیں صحنِ چمن تک محدود
یہ صبا چاروں طرف جا کے پکار آئے گی

دیں کی عظمت کیلئے راہیں نئی سوچیں گے
دل کی دھڑکن ہمیں منزل پہ اُتار آئے گی

کب بگولوں سے صداقت کے چمن اُجڑے ہیں
گرد اُٹھے گی جو ہمرنگ غبار آئے گی

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
وہ جو دیکھیں گے اُنہیں اپنے سے عار آئے گی

فضل احمدؐ سے ہو مسعود جو یہ جشنِ طرب
تو مسیحا کی دُعا بن کے بہار آئے گی

آپ میدانِ ریاضت میں دکھائیں جوہر
طبع جولاں بھی خیالوں پہ سوار آئے گی

—— (الوارشد)

مکتوبات تعزیت

بر وفات میرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم و مغفور

قرارداد تعزیت جماعت کراچی

جناب مرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات پر جماعت کراچی کا ایک ہنگامی اجلاس زیر صدارت جناب میاں رحیم بخش صاحب منعقد ہوا جس میں درج ذیل تعزیتی قرارداد پاس ہوئی۔ (۱) جماعت کراچی جناب مرزا مسعود بیگ صاحب کی وفات پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم و مغفور نے طویل عرصہ تک مرکزی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بحیثیت جنرل سیکرٹری دینی خدمات انجام دیں۔ انتظامی امور میں مہارت رکھنے کے علاوہ آپ ایک عالم بھی تھے۔ آپ تقریر و تحریر میں اپنا منفرد مقام رکھتے تھے۔ بڑے نیک نفس تھے اور اپنے ماتحتوں کے لئے ایک شفیق باپ کی حیثیت رکھتے تھے۔ غرضیکہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق بخشے۔

(۲) نیز قرار پایا کہ اس قرارداد کی ایک نقل دفتر پیغام صلح کو اور ایک نقل مرحوم و مغفور کے لواحقین کو بھیجی جائے۔ "خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"

مکتوب تعزیت ۔ سرینگر

حضرت امیر قوم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'۔ بعد از سلام عرض ہے کہ یہ خط جناب کی خدمت میں اس حالت میں بھیج رہا ہوں کہ میرے دل پر ایسا دکھ ہے کہ خدا ہی جانتا ہے۔ اب غم بڑا کہ بیان نہیں کر سکتا ہوں۔ یہ سب کچھ ایک ایسے بزرگ اور کریم بھائی کی وفات کی خبر سے ہوا جس کے ساتھ مجھے کافی محبت تھی۔ میری مراد مرکزی انجمن کے جنرل سیکرٹری جناب مرزا مسعود بیگ کی ذات سے ہے۔ امیر قوم مولانا صدر الدین صاحب، حضرت امیر مولانا محمد علی کے فرزند جناب محمد احمد صاحب، چوہدری فضل حق صاحب اور محترم محمد اعظم علوی کی وفات سے ہمارے دل پہلے ہی زخمی تھے۔ اس تازہ مصیبت نے ان زخموں کو چھیل ڈالا۔ مرحوم ایک عالم فاضل باکمال منتظم۔ صاحب اسلوب مضمون نگار اور تقویٰ شعار بزرگ تھے۔ جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے آپ نے حق کا بول بالا کرنے کے لئے خدمات جلیلہ انجام دیں۔ خاصکر اس پر آشوب دور میں جب احمدیت کا وجود ہی خطرہ میں پڑ گیا۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ کی ان خدمات کو بھلا دیا جائیگا۔

غرض ان کی وفات سے ہم ایک باصلاحیت بزرگ سے محروم ہو گئے۔ اس لئے ان کی وفات پر صبر کرنا ایک بہت مشکل کام ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی کو بھی صبر کے بغیر چارہ کار نہیں۔ آہ و زاری سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے ہم وہی کہیں گے جو ہمارے آقائے نامدار نبی کریم محمد مصطفےٰ نے اپنے لخت جگر ابراہیم کی وفات کے وقت فرمایا تھا۔

"دل پر غم کا پہاڑ ہے۔ آنکھ اشک بار ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔" (بخاری)

مکتوب تعزیت : از ماسٹر محمد عبد اللہ، امریکہ

مخدوم و محترم حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، محترمی مرزا مسعود بیگ صاحب کی وفات حسرت آیات کی دلخراش خبر سننے کے بعد آپ کی خدمت میں تعزیت نامہ لکھنے کے لئے کئی بار قلم اٹھایا لیکن قلم کے چلنے میں رکاوٹ ہی پیش آتی رہی۔ آخر کہاں تک اسکو میں ملتوی کرتا رہوں گا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون کے الفاظ لکھنے تو چنداں مشکل نہیں ہیں۔ بدقسمتی سے اس سال کے دوران میں ان الفاظ کو کئی بار تحریر میں لا چکا ہوں۔ میرزا مسعود بیگ صاحب نے اپنی زندگی اسلام اور سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں گزاری۔ وہ کون فرد اس جماعت میں ہوگا جسکو اس قیمتی وجود کی اچانک جدائی شاق نہ گزری ہو۔ اللہ کریم مرحوم کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ اور جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمادے۔ ان کی رفاقت آپکی تقویت کا باعث تھی۔ آپ کو مرحوم کی ذات پر پورا اعتماد تھا۔ جو صدمہ اُن کی جدائی سے ہوا ہوگا یا ہو رہا ہے اس کا خاکسار اندازہ نہیں لگا سکتا۔ پھر صرف میرزا صاحب کا رنج ہی نہیں ان کے ہمدم رفیق جو ایک ہی دفتر میں کارکن تھے یکے بعد دیگرے دو تین ماہ کے دوران میں اپنے مولا سے جا ملے ہیں۔ اور اپنی جدائی سے ایک بھاری خلا چھوڑ گئے ہیں۔ جناب میرزا صاحب کو میں ساٹھ برس سے جانتا ہوں۔ جبکہ آپ مسلم ہائی سکول میں طالب علم تھے اور خاکسار اسلامیہ کالج میں زیر تعلیم تھا۔ کئی ایک جلسوں میں اُن کی اسلام، سیرت نبی کریم صلعم پر انگریزی اور اردو میں تقاریر سننے کے مواقع پیش آئے۔ مجھے ان کی پُر جذبہ اور پُر مغز تقاریر سن کر رشک آتا تھا اور میں نے اپنے تصور میں بٹھا لیا تھا کہ یہ لڑکا اسلام کا سپاہی بنے گا۔ اور ہماری جماعت اس پر فخر کرے گی۔ امراء کے گھروں میں رہنے والے نوجوں کا رُخ آرام طلبی ہوتا ہے اور اسے مذہب سے دلچسپی مقابلتاً کم رہتی ہے۔ لیکن میرزا مسعود بیگ کی طرز زندگی بسلسلہ پرستی صوم و صلوٰۃ میں باقاعدگی سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ ایک امیر گھرانے کے پروردہ ہیں۔

ایک لمبے عرصہ کی جدائی کے بعد جناب میرزا صاحب مرحوم سے اتفاقاً ملاقات شکاگو یونیورسٹی کے کیمپس پر ہوئی۔ یہ ۱۹۶۳ء کا واقعہ ہے۔ آپکو گورنمنٹ نے ایک خاص ٹریننگ پروگرام کے لئے بھیجا ہوا تھا۔ آپ پنجاب محکمۂ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس یا ڈپٹی ڈائریکٹر کے ممتاز عہدہ پر فائز تھے۔ چونکہ میں خود ہندوستان میں مدرس رہ چکا ہوں مجھے معلوم تھا کہ اس پوزیشن کے آفیسر کس شان و شوکت اور کرّ و فر سے رہتے ہیں۔ میں نے آپ کی سادہ زندگی کو دیکھ کر یہ محسوس نہیں کیا کہ آپ ایک اعلیٰ عہدہ دار ہیں۔ آپ نے شکاگو یونیورسٹی میں رہ کر نماز جمعہ کا بندوبست کیا۔ مسلمان طلبہ آپ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور آپ کی اقتدا میں نمازیں پڑھتے تھے۔ آپ کی واپسی پاکستان سے چند روز پیشتر آنریبل ایلیاح محمد سے ملاقات کا خاکسار نے بندوبست کرا دیا تھا۔ یہ واقعہ دس بارہ سال پہلے کا ہے۔

باہتمام الحبہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس براندرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۸۳ء ۔ جلد ۷۰، شمارہ ۵۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸۰
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
پروفیسر خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید — و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک وہند سے — تیس روپے
بیرونی ممالک سے — دو پونڈ (علاوہ ڈاک)

جلد ۷۰ | یوم چہار شنبہ ۱۵ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ بمطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۸۳ء | شمارہ: ۵۱

ارشادات حضرت مجدد صد چہار دہم

جلسہ سالانہ میں شریک ہونے والوں کیلئے
حضرتِ اقدس مجدد صد چہاردہم کی دعائیں

"ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں۔ خدا تعالےٰ اُن کے ساتھ ہو اور اُن کو اجرِ عظیم بخشے اور اُن پر رحم کرے اور اُن کی مشکلات اور اضطراب کے حالات اُن پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم و غم دور فرماوے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور اُن کی ہر ایک مرادات کی راہیں اُن پر کھول دے اور روزِ آخرت میں اپنے ان نیک بندوں کے ساتھ اُن کو اٹھاوے جن پر اس کا فضل اور رحم ہے اور تا اختتامِ سفر اُن کے بعد اُن کا خلیفہ ہو۔

اے خدا اے ذوالمجد والعطا اور رحیم اور مشکل کشا۔ ہماری تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔"

خواتینِ سلسلہ

اپنی روشن روایات کو قائم رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں جلسہ سالانہ میں شریک ہو کر یہ ثابت کر دیں کہ وہ ایک زندہ اور فعال جماعت کی خواتین ہیں۔ (ادارہ)

جلسۂ سالانہ کے

اغراض و مقاصد

از:- حضرت محمد صدچہار دہم

اس جلسہ کی اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور انکی معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو۔ پھر اس کے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور اس جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہونگے۔ ماسوا اس کے اس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں اور اسلام کے تفرقہ مذاہب سے بہت لرزاں اور ہراساں ہیں چنانچہ انہی دنوں میں ایک انگریز کی میرے نام چٹھی آئی جس میں لکھا تھا کہ آپ تمام جانداروں پر رحم رکھتے ہیں اور ہم بھی انسان ہیں اور مستحق رحم۔ کیونکہ دین اسلام قبول کر چکے ہیں اور اسلام کی سچی اور صحیح تعلیم سے اب تک بے خبر ہیں سو سمجھا ہو یقیناً سمجھو کہ یہ ہمارے لئے ہی جماعت تیار ہونے والی ہے۔ خدا تعالیٰ کسی صادق کو بے جماعت نہیں چھوڑتا۔ انشاء اللہ القدیر سچائی کی برکت ان سب کو اسطرف کھینچ لائے گی۔ خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے اور کوئی نہیں کہ اس کو بدل سکے۔ سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے۔ ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زاد راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدر ضرورت ساتھ لاویں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ ہرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے۔ اور اسکی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں ہوتی۔ اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ عنقریب وہ وقت آتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ اس مذہب میں نہ نیچریت کا نشان رہے گا اور نہ نیچر کے تفریط پسند اور اوہام پسند مخالفوں کا نہ خوارق کے انکار کرنے والے باقی رہیں گے اور نہ ان میں بے ہودہ اور بے اصل اور مخالف قرآن روائیوں کو ملانے والے اور خدا تعالیٰ اس امت وسط کے لئے بین بین کی راہ زمین پر قائم کر دے گا۔

ذکرِ الٰہی کے تین دن

حضرت امیر قوم مولانا محمد علیؒ کی ایک خواہش

جلسۂ سالانہ ایک ایسا دور ہے جو اگرچہ صرف تین دن کا اجتماع ہے لیکن اس میں ایک ایسا زبردست ماحول پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ بہت سے برے اثرات کو دور کر کے دلوں پر ایک ایسا نقش کر دیتا ہے جو بعد میں تھوڑی سی توجہ سے سارا سال قائم رہتا ہے۔

ہمارا سالانہ اجتماع عام اجتماعوں کی طرح نہیں بلکہ خدا کے فضل سے یہ تین دن ایک طرح پر صبح سے شام اور شام سے صبح تک ذکر الٰہی کے دن بن جاتے ہیں تقریروں کی غرض صرف قرآن کریم کی عظمت، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت، اسلام کی عظمت کا دلوں پر نقش کرنا ہے۔ نیز بتایا جاتا ہے کہ یہ عظیم الشان کام جو ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلی تڑپ یعنی کلمۂ حق کا دنیا میں پہنچانا اس میں ہم نے اب تک کیا کچھ کیا ہے اور آئندہ کیا کچھ کرنا ہے۔

باہم دوستوں کی میل ملاقات ہو تو اس میں بھی یہی ذکر ہو۔ دن ہے تو مسجد میں سب اکٹھے ہو کر خدا کے سامنے گر رہے ہیں، رات ہے تو اپنی اپنی جگہ گریہ زاری کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کا بول بالا کر دے۔ غرض سارے مجمع پر ذکر الٰہی کا ایک ایسا رنگ چڑھا ہوا ہوتا ہے، جو کسی دوسرے مجمع میں نظر نہیں آتا۔ اس پاکیزہ مجمع میں آپ بچے آئیں گے تو یقین رکھئیے کہ وہ ایک نہایت نیک اثر لے کر جائیں گے اور مادہ پرستی اور دہریت کی اس لہر کیلئے جس کے اندر انہیں سال بھر رہنا پڑتا ہے یہ ایک نہایت مؤثر تریاق ہے۔

میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر نوجوانوں کو خاص طور پر مخاطب کیا جائے اور ان کے سامنے ایک ایسا لائحہ عمل رکھا جائے جس سے وہ اپنے آپ کو خود اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اپنے عزیزوں اور اقرباء کے لئے، مخلوقِ خدا کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکیں۔ اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ جلسہ سالانہ کے اس موقع پر

بارہ سال کے اوپر کے سب نوجوانوں کو شامل کیا جائے

از قلم مکرم میاں احمد فاروقی صاحب لاہور

درسِ قرآن ـــ سبق ۵۲

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ج قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ج فَمَنْ
یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ
الْوُثْقٰی ج لَا انْفِصَامَ لَہَا ط وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ اَللّٰہُ وَلِیُّ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا یُخْرِجُہُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَالَّذِیْنَ
کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـُٔہُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَہُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی
الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج ہُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ۝

(البقرۃ ـ آیات ۲۵۶ ـ ۲۵۷)

ترجمہ :۔ "دین میں کوئی زبردستی (منوانا) نہیں ۔ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے پس جو شخص شیطان کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لاتا ہے اس نے ایک محکم جائے گرفت کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والی نہیں ۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۔ اللہ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے ۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے ۔ اور جو کافر ہیں اُن کے ولی شیطان ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں ۔ وہی آگ والے ہیں جو اسی میں رہیں گے ۔"

پچھلے درس میں میں نے لا اکراہ فی الدین کے زریں اصول کی بنیادی وجہ خود قرآن کریم کے اگلے الفاظ کی طرف توجہ دلا کر بیان کی تھی کہ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ۔ وہ ہدایت دینے والا اللہ تبارک و تعالیٰ ہے جس نے ہمیشہ نبی اور کتاب بھیج کر نہ صرف اس زمانہ کے لوگوں کی ہدایت کی بلکہ گمراہی جو پہلے اُن پر واضح نہ تھی (اور اسی لئے وہ اس میں مبتلا تھے) اُسے بھی واضح فرما دیا ۔ اور وہ سبھی دلائل دے کر جو انسان کی عقل اور فطرت کو اپیل کرتے ہیں ۔ مگر لوگ بدقسمتی سے اپنی ، اپنی الہامی کتابوں کو کھو بیٹھے یا اُن میں ایسی تحریفیں کر ڈالیں کہ ہدایت پھر گمراہی سے خلط ملط ہو گئی ۔ اور نبیوں کے نمونہ کے ساتھ بھی انہوں نے ایسا ہی کیا ۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کو قرآن کریم میں مکمل فرما کر اسکی حفاظت کو اپنے ذمہ لے لیا ۔ اور نبی آخر الزماں صلعم کا نمونہ بھی سنت کی شکل میں ایسا محفوظ ہے کہ کسی نبی کا نہیں ۔ اور جہاں اس نمونہ کے بارہ میں کوئی شک ہو تو اس کا حل یوں فرما دیا کہ قرآن پاک جو بالکل محفوظ ہے اُس پر پیش کر کے فیصلہ کر و کیونکہ رسول اللہ صلعم فداہ ابی و اُمّی نے کبھی کوئی عمل اور کوئی بات قرآن پاک کے خلاف نہیں کی بلکہ اس کی مکمل اطاعت ہی حضورؐ کے تمام اعمال و اقوال تھے ۔ اس کی تفصیل میں پچھلے درس میں کر چکا ہوں ۔

تو جب کہ ہدایت یا سیدھے راستہ کو گمراہی یا غلط راستوں سے واضح کر دیا گیا ہو تو پھر انسان کی عقل اور اس کی فطرت ہمیشہ سیدھے راستہ کو اختیار کرنے کی ہدایت کرے گی اور غلط راستوں سے بچنے کو کہے گی مگر انسان کا بدترین دشمن یعنی شیطان ہمیشہ کوشش میں لگا رہتا ہے کہ انسان کے جذبات اور خواہشات کو بے قابو کر کے اس کی عقل اور فطرتِ صحیحہ پر پردہ ڈال دے اور انسان کو یوں اندھا کر کے سیدھے راستہ سے گمراہ کر دے ۔ اسی لئے کیا حکمت بھری کتاب قرآن پاک ہے کہ اگلے الفاظ ہیں فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ ج لا انفصام لہا ط "پس جو شیطان کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اُس نے ایک محکم جائے گرفت کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والی نہیں ۔" اب یہاں شیطان سے انکار کے معنیٰ اسکی ہستی سے انکار کے تو ہو سکتے ہی نہیں کیونکہ شیطان کی ہستی کا علم خود قرآن پاک نے دیا ہے ، بلکہ انکار کے معنی شیطان کی بات ماننے سے انکار کا ہے ۔ اور اس بات کو قرآن کریم نے اتنی بار واضح فرمایا ہے کہ اُن تمام موقعوں کا ذکر اس مختصر درس کو ایک طویل داستان بنا دے گا ۔ صرف ایک جگہ سے چند آیات سناتا ہوں ۔

الم اعہد الیکم یٰبنی اٰدم ان لا تعبدوا الشیطٰن ج
انہٗ لکم عدوٌّ مبین ۝ وان اعبدونی ط ھٰذا
صراطٌ مستقیم ۝ ولقد اضلّ منکم جبلًّا کثیرًا ط افلم
تکونوا تعقلون ۝ ھٰذہٖ جہنّم التی کنتم توعدون ۝
اصلوھا الیوم بما کنتم تکفرون ۝ (سورۃ یٰسٓ ۳۶ آیات ۶۰ تا ۶۴)

" اے آدم کے بیٹو ! کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا ، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ اور یہ کہ تم میری عبادت کرو ۔ یہ سیدھا راستہ ہے ۔ اور یقیناً اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا ، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے تھے ؟ یہ (تمہارے سامنے) وہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا تھا ۔ آج اس میں داخل ہو جاؤ اس کی وجہ سے جو تم نے میری نافرمانی کی ۔"

قرآن حکیم کی اس موضوع پر بے شمار آیات میں سے مذکورہ بالا آیات کو میں نے اس لئے چنا ہے کہ وہ آج کے درس کی آیات کی بھی تفسیر کرتی ہیں ۔ مندرجہ بالا آیات کی تفسیر سے پہلے میں یہ جتا دوں کہ بدقسمتی سے اکثر لوگ عبادت کے معنی نماز پڑھنے کے کرتے ہیں حالانکہ عبادت کے لغوی معنیٰ ہیں فرمانبرداری کرنے کے ۔ نماز کے لئے قرآن حکیم میں لفظ صلوٰۃ آتا ہے اور اگر بعض بزرگوں نے عبادت کے معنے کہیں نماز کے کئے ہیں تو صرف اس لئے کہ نماز اظہار فرمانبرداری ہے ۔ شیطان کے آگے تو کوئی ہاتھ باندھ کر نماز نہیں پڑھتا ۔ اس لئے مندرجہ بالا آیات میں پہلی بات تو یہ فرمائی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آدم کی اولاد کو فرمائے گا

کہ کیا میں نے تم کو حکم نہ دیا تھا اے آدم کی نسل کہ تم شیطان کی فرمانبرداری نہ کرنا؟" یہ حکم حضرت آدمؑ کے واقعہ سے جو ملا (اسی لئے بنی آدم فرمایا) تو تمام نبیوں کے ذریعہ اور الہامی کتابوں میں ملتا رہا۔ اور قرآن حکیم میں بالکل واضح طور پر بار بار آیا ہے آج کے درس کی آیات اور سورۃ یٰسٓ کی مندرجہ بالا آیات میں بھی ہے۔ تو جہاں شیطان کی فرمانبرداری نہ کرنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی دلیل دی کہ "بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔ جیسا کہ میں حضرت آدمؑ اور اماں حوّا کے واقعہ والی آیات کی تفسیر میں بتا آیا ہوں کہ جس جنت سے وہ نکالے گئے وہ اگلے جہان کی جنت نہ تھی (جہاں نہ تو شیطان کا گذر ہوگا اور نہ اس جنت سے بموجب آیت و ما ھم منھا بمخرجین کوئی نکالا جائے گا) بلکہ وہ دل کی جنت تھی جس میں انسان اس دنیا میں پیدا کیا جاتا ہے۔ تو شیطان نے نہ صرف حضرت آدم اور اماں حوا کو دل کی جنت سے نکلوا دیا۔ بلکہ نسلِ آدم میں جو بھی شیطان کی بات کو مانے تو وہ اپنے دل کی جنت کھو بیٹھتا ہے۔ مثلاً جہاں انسان نے رشوت لی تو اس کے دل کا سکون و بے فکری گئی اور اگر پکڑا گیا تو پھر حزن آ لیتا ہے۔ اسی لئے مومن کے لئے قرآن حکیم میں کئی جگہ فرمایا گیا ہے کہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔ یہی دل کی جنت ہے جو مومن کو اسی دنیا میں ہمیشہ حاصل رہتی ہے شیطان کو کھلا دشمن اس لئے کہا کہ شیطان کی جتنی تحریکات ہیں وہ کھلے طور پر انسان کی عقل اور فطرت کے خلاف ہوتی ہیں۔ اسی لئے شیطانی باتوں کو انسان کی عقل بُرا بتاتی ہے۔ اور فطرت اُن سے نفرت کرتی ہے جن کی عقل اور فطرت شیطان کی اتباع میں مسخ بھی ہو جاتی ہے وہ بھی جب کوئی دوسرا اُن سے وہی برائی کرے تو اسکو بُرا مانتے ہیں۔ خود گالی دے لیتے ہیں مگر دوسرا انہیں گالی دے تو اتنا بُرا لگتا ہے کہ قتل و خون تک پر اُتر آتے ہیں۔

سورۃ یٰسٓ کی مندرجہ بالا آیات میں اگلے الفاظ ہیں کہ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ "میری فرمانبرداری کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے"۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے حکم کے ساتھ بھی دلیل دی کہ وہ تم کو سیدھے راستہ پر لے کر چلے گا۔ انسان کو پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے کہ اُس نے انسان کو کس مقصد یا مقام کو حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اور کس راستہ پر چل کر وہ اس مقصد کو پا سکتا ہے۔ آگے فرمایا کہ "اُس (یعنی شیطان) نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا۔ تو کیا تم عقل سے کام نہ لیتے تھے؟" مثلاً انسان کی عقل چوری کو بُرا بتاتی ہے۔ اور جو انسان جذبات اور خواہشات نفسانی سے جنہیں شیطان ابھارتا ہے خود چوری پر اُتر بھی آتا ہے تو چوری کے مال کی تقسیم کے وقت ساتھی چور سے لڑ مرتا ہے۔ آیت کے اس حصہ میں کیا حکمت کی بات فرمائی ہے کہ جب ہم نے ہدایت یا سیدھے راستہ کو گمراہی سے واضح کر دیا تھا تو کوئی عقلمند سیدھے راستہ کو چھوڑ کر گمراہ کرنے والے راستہ پر کب جاتا ہے؟ مگر تم نے اپنی خدا داد عقل سے کام نہ لیا اور سیدھے راستہ کو اختیار نہ کیا۔ قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ مندرجہ بالا تحریر میں میں نے "کیا تم عقل سے کام نہ لیتے تھے؟" کے الفاظ کو جب وہ پہلی دفعہ اس درس میں آئے تو جلی قلم سے لکھا ہے اور دوسری دفعہ اُن کے نیچے خط کھینچ کر آپکی توجہ کو ان الفاظ پر غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس لئے کہ لا اکراہ فی الدین کے زریں اصول کو اس رکوع میں قائم کرنے کی منجملہ اور وجوہات کے یہ وجہ بھی ہے کہ اگر دین کو زبردستی منوایا جائے تو پھر انسان کی عقل پر تالا لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو خالق نسلِ انسانی ہے اس کی منشاء (مبنی بر حکمت) یہ ہے کہ انسان کو جو اس نے عقل کی بیش بہا نعمت دی ہے (جو اس نے کسی اور مخلوق کو نہیں دی) اُسکو استعمال کر کے انسان اپنے نفع اور نقصان کو خود سمجھے اور خود اختیار کرے تبھی تو وہ نیکی کو اختیار کرتا اور بدی کو چھوڑتا ہے۔ اگر دین کو زبردستی منوایا جائے تو عقل پر تالا لگائے جانے کے علاوہ ایسا ایمان نہ نیکی بنتا ہے نہ (اگر وہ جھوٹا دین ہے) تو بدی۔ زبردستی یا مجبوری کے عمل میں نہ نیکی رہتی ہے نہ بدی۔ ایک قیدی اگر چوری نہیں کرتا تو نہ تو وہ نیک ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ قید کی مجبوری سے چھٹ کر پھر چوری نہیں کریگا۔ میں جب قرآن کریم کی حکمتوں کو اور قرآن کے علم و معرفت کے رازوں کو عیاں کرتا دیکھتا ہوں تو میرا دل پگھل کر آستانۂ الٰہی پر سر بسجود ہو جاتا ہے اور بے اختیار میرے مُنہ سے نکلتا ہے سبحٰن ربی الاعلیٰ اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی زندگی کے ہر لمحہ بس یہی کہتا رہوں سبحٰن اللہ و بحمدہٖ سبحٰن اللہ العظیم

شیطان خود آگ میں سے پیدا ہوا ہے۔ اُدھر انسان کا حیوانی جسم بھی گرمی سے زندہ ہے (اسی لئے مُردے کا جسم ٹھنڈا پڑ جاتا ہے) اور اس جسم میں سے جو جذبات اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں اُن کی تپش بھی گرم ہے گرمی ایک حد تک اور جب وہ قابو میں ہو تو تمام حرکت اور عمل کا باعث بنتی ہے۔ مگر شیطان اسکو بھڑکا کر اور جذبات اور خواہشات کو بے قابو کر کے انسان کے دل کے اندر اس زندگی میں ہی ھل من مزید کی آگ کو بھڑکا دیتا ہے جو مرنے کے بعد ظاہری جہنم کا رنگ اختیار کر لیتی ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی سورۃ الھمزۃ ۱۰۴ میں واضح فرما دیا گیا ہے۔ سورۃ یٰسٓ کی زیرِ غور آیات میں سے آخری آیت میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو انسان کو اپنے جذبات اور خواہشات کو قابو میں رکھ کر ان سے قوت عمل اور اخلاقی اور روحانی ترقیات کرنا سکھاتا ہے مگر جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے کی بجائے شیطان کی فرمانبرداری کرتے ہیں وہ اپنے لئے اس آگ کو خود بھڑکاتے ہیں جس میں انسان کو مرنے کے بعد ظاہری جہنم میں داخل کیا جائیگا۔ اور جب وہ اپنے کئے کا مزہ چکھے گا تبھی اس کی اصلاح ہوگی۔ تھوڑی کٹے انسان کی بنیادی اصلاح نہیں ہوتی۔ اور جتنی پُرانی بیماری ہوگی اور جتنی جڑیں اس کی پھیل گئی ہونگی اتنا ہی لمبا طبعی علاج بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

سورۃ یٰسٓ کی آیات کے پس منظر کو میں نے اس لئے بیان کیا ہے کہ وہ آج کے درس کی آیات کی تفسیر کرتا ہے۔ آج کے درس کی پہلی آیت میں یہ فرمانے کے بعد کہ ہدایت کو گمراہی سے اس دینِ حق میں واضح کر دیا گیا

ہے مگر شیطان جو تمہارا دشمن ہے وہ تم کو گمراہ کرنے کی کوشش کریگا اس لئے اس کے بہکانے سے بچتے رہنا، اگلی بات یہ فرمائی کہ اللہ تعالےٰ پر ایمان لاکر امن میں آجاؤ (جو ایمان کے معنوں میں ہے) اُس ایمان کو پیدا کرنے کے لئے خدا کی ہستی اور توحید پر دلائل قرآن حکیم بار بار دیتا ہے۔ اسی رکوع میں پچھلے درس میں آیت الکرسی کی تفسیر میں ان دلائل کو بیان میں لے کیا تھا۔

اب آج کے درس کی آیات کو سمجھ لیتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ پر ایمان لاکر تم ایک ایسی محکم جائے گرفت کو تھام لوگے جو ٹوٹنے والی نہیں۔ اس دنیا کی زندگی میں غلط خیالات اور اعتقادات کے بہاؤ اسی طرح آتے ہیں جس طرح سیلاب میں آتے ہیں اور موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں، اور بھنوروں میں انسان پھنس جاتا ہے جس طرح کہ کوئی دریا یا سمندر میں تیرنے والا موجوں کے تھپیڑے کھاتا اور بھنوروں میں پھنس کر ڈوبنے لگتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر کوئی تھامنے کی چیز یا پکڑ اُسے مل جائے تو اسکی جان میں جان آجاتی ہے۔ مگر اکثر ایسے سہارے جو وہ پکڑتا ہے وہ خود دریا کے بہاؤ یا سمندر کی موجوں کے تھپیڑوں سے ٹوٹ جاتے ہیں اور تیرنے والا ڈوب کر مرجاتا ہے۔ آج کل کے زمانہ میں مادہ پرستی، شرک، دنیا پرستی۔ زر پرستی دہریت، اشتراکیت اور نت نئی تحریکات اور غلط نظریئے جو پیدا ہو رہے ہیں وہ ایسی ہی موجیں ہیں جو انسان کو بہا کر لے جارہی ہیں۔ رسم و رواج اور فیشن بھی سیلاب کی طرح لوگوں کو بہاتے ہیں۔ زندگی کے ابتلاء مثلاً غربت بیماریاں، موت اور ٹھوکریں جو انسان کو لگتی ہیں ان میں لوگ اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں اور کبھی ادھر بھٹک جاتے ہیں اور کبھی اُدھر اور بعض تو خودکشی تک کر بیٹھتے ہیں۔

تو اِن زندگی کے تھپیڑوں اور بھنوروں میں اللہ تعالےٰ پر ایمان ایک محکم جائے گرفت کا کام دیتا ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتی۔ تمام تاریخ کو دیکھ لیجئے۔ جن لوگوں نے زندگی کے ابتلاؤں میں ثابت قدمی دکھلائی ہے تو وہ وہی تھے جن کو خدا پر مضبوط ایمان تھا۔ ایسا ایمان انہیں تسلی دیتا ہے کہ جو بھی ابتلا آئیں وہ مشیت ایزدی سے آتے ہیں اور ان میں انسان کی اخلاقی اور روحانی بہتری مقصود ہوتی ہے۔ اس لئے انہیں صبر اور دعا کے ذریعوں سے سہنا چاہیئے۔ قرآن بھی کیا پیاری کتاب ہے! اگلے الفاظ آتے ہیں واللّٰہ سمیعٌ علیمٌ، "اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے"۔ زندگی کے ابتلاؤں میں انسان بے اختیار خدا کو پکارتا ہے تو فرمایا کہ ضرور پکارو کہ وہ تمہاری دعا کو سننے والا ہے۔ اور اگر تم نہ بھی پکارو جیسے کہ ناگہانی اور اچانک آفت میں ہوسکتا ہے تو وہ بہرحال تمہارے حالات کو جاننے والا ہے۔ وہ تمہارے بن پکارے بھی تمہاری مدد کو آئیگا اگر تم اسکے بندے بنو۔ میں نے تو دیکھا کہ سینکڑوں ہزاروں موقعوں پر وہ اُن خطرات سے اپنے بندے کو بچا لیتا ہے جن کا علم انسان کو اس خطرہ کے گذر جانے کے بعد ہوتا ہے اس لئے اس نے خدا کو پکارنا کیا تھا۔

اگلی اور آخری آیت ہے کہ "اللہ مومنوں کا ولی ہے۔ وہ انہیں اندھیروں میں سے نور کی طرف لاتا ہے"۔ اللہ! اللہ! مومن کی کیا عزت فرمائی کہ اللہ تمہارا دوست بن جاتا ہے، کارساز بن جاتا ہے۔ گویا ہر مومن ولی اللہ بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی کارسازی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ تمہیں اندھیروں میں سے نور میں لاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا کی گمراہیاں اور غلط تحریکات بھی تاریکیاں ہوتی ہیں جن میں انسان کو نظر نہیں آتا کہ کیا کرے، کدھر جائے مگر انسان کا اپنا باطن[*] ہی ہے جو اس کی ظاہری زندگی میں اُسے لے کر چلتا ہے اور پھر انسان کی زندگی کا ہر قدم خود اس کے باطن پر اثر ڈالتا ہے، اس کے "نفس" کی شکل و صورت بناتا چلا جاتا ہے، اور نفس کی صحت یا بیماری کا باعث بنتا ہے۔ اب قرآن کی حکمت کو دیکھئے کہ باطن کی تاریکیوں یا باہر کی ظلمات (غلط خیالات، فاسد تحریکات) میں سے مومن کو گذارنے کے لئے جو روشنی اللہ تعالیٰ مومن کو بخشتا ہے اس کے لئے لفظ "نور" استعمال فرمایا۔ نور اور معمولی روشنی میں یہ فرق ہے کہ ظاہری روشنی تو صرف چیزوں کے ظاہر پر پڑتی ہے اور جس ظاہر کو وہ بتاتی ہے وہ ممکن ہے کہ اصلیت نہ ہو۔ مثلاً ظاہری روشنی اگر ایک چیز کو سُرخ رنگ کا دکھاتی ہے تو دراصل وہ چیز سرخ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی سطح میں ایسی خاصیت ہوتی ہے کہ وہ روشنی کے باقی چھ رنگوں کو تو جذب کر لیتی ہے مگر سُرخ رنگ کو لوٹا دیتی ہے اور وہ ہماری آنکھ کی پتلیوں پر پڑکر ہمیں اس چیز کو سُرخ دکھاتی ہے۔ یہ سائنس کے انکشافات ہیں۔ اس کے برعکس "نور" وہ روشنی ہے جو ظاہر اور باطن دونوں کو روشن کر دیتی ہے۔ تو چونکہ وہ دونوں کو اور خصوصاً باطن کو بھی روشن کر دیتی ہے تو انسان دھوکا نہیں کھاتا تو مومن اور معمولی انسان میں یہ فرق ہے کہ معمولی انسان یا تو اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتا اور بھٹکتا پھرتا ہے اور یا زیادہ سے زیادہ چیزوں کے ظاہر کو دیکھتا ہے جو کہ بقول سائنس کے اصلیت نہیں۔ مومن کو اس نور بصیرت سے جو اللہ تعالیٰ اُسے بخشتا ہے ظاہر اور باطن دونوں نظر آتے ہیں اور وہ ٹھوکروں اور گمراہی سے بچ جاتا ہے فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔

آخری آیت کے اگلے الفاظ ہیں:۔

والذین کفروا اولیٰئھم الطّاغوت یخرجونھم من النّور الی الظلمٰت ط اولٰئک اصحٰب النّار ج ھم فیھا خٰلدون ہ

کفر کے معنی انکار کرنا یا ناشکری کرنا دونوں ہیں۔ تو جو لوگ اس ہدایت اور نور کا جو اللہ تعالےٰ نے قرآن میں اتارے ہیں (اسی لئے قرآن کو ھدًی و نور دوسری جگہ فرمایا ہے) انکار کرتے اور یوں ناشکری کرتے ہیں۔ یا زبانی ایمان تو لاتے ہیں مگر اس ہدایت اور نور سے عملی فائدہ نہ اٹھا کر اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ وہ پھر کس کی پیروی کرتے ہیں جیسا کہ آج کل کے دہریئے زندگی گذارتے ہیں۔ وہ اپنے دل کی یعنے اپنے جذبات اور خواہشات کی، اور ان کو بھڑکانے والا شیطان ہے شیطان کے لئے یہاں لفظ طاغوت استعمال فرمایا ہے جس کے معنی حد سے گذرنے والا کے ہیں۔ تو جذبات اور خواہشات جن پر حد تقویٰ کے ذریعہ قرآن لگام لگانی سکھاتا ہے وہ جذبات اور خواہشات جب حد

---

[*] سب سے بڑی تاریکی باطن ہی کی ہے جس میں سے وہ گذرتا ہے کیونکہ انسان اپنے باطن کو دیکھ نہیں سکتا مگر ... باطن

کے اندر نہ رکھی جائیں تو اس کے دو نتائج ہوتے ہیں۔ اول تو اس نور عقل پر جو اللہ تعالے نے انسان کو بخشا ہے پردہ پڑ جاتا ہے جیسا کہ ہم ہر گنہگار اور مجرم کے افعال میں دیکھتے ہیں۔ اور یوں انسان نور باطنی سے اندھیرے میں ہو کر ٹھوکریں کھاتا اور بھٹکتا ہے۔ اسی کو فرمایا کہ یخرجونہم من النور الی الظلمٰت دوسرے جذبات اور خواہشات جو بذاتِ خود گرم ہیں۔ وہ شیطان کے بھڑکانے سے جو کہ آگ میں سے پیدا ہوا ہے بھڑک کر ھل من مزید کی آگ اسی دنیا میں انسان کے دل میں لگا دیتی ہیں۔ یوں ایسا انسان نہ صرف اس دنیا میں باطن میں دوزخی زندگی میں پڑ جاتا ہے بلکہ مرنے کے بعد وہ باطنی آگ جو اس کے نفس میں مخفی اگلی دنیا میں نفس کے عالمِ ظاہر میں آ جانے کی وجہ سے ظاہر ہو کر بھڑک کر آخرت کا جہنم بن جاتی ہے۔ قرآن حکیم باطنی امور کو واضح کر کے کیسی اچھی طرح بتاتا ہے جو کہ ہدایت اور "نور" کا کام ہے جیسا کہ میں اوپر بتا آیا ہوں۔

— ٭٭٭ —

مکتوب تعزیت بوفات مرزا مسعود بیگ مرحوم و مغفور
از جناب نور الدین زاہد سرینگر (بھارت)

سرینگر۔ کشمیر

۲۵۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء۔ میلادی

الیٰ حضرت سیّدنا الامیر الدکتور سعید احمد خان سلّمہُ الرحمٰن

السلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاتہٗ۔ بعد فانی اُقدّم الیٰ جنابکم العالی خطابی ھذا وبقلبی من الالم مالم یعلمہٗ الا اللّٰہ۔ ومن الحزن مالا نہایة لہٗ وکیف لا یبلغ بقلبی الالم مداہ والحزن غایتہٗ وقد جرّحہٗ نعی وفاة رجلٍ عظیمٍ کریمٍ کنت اُحبّہٗ من بنات النبی۔ اعنی الامین العام فی ھیئتنا المرکزیة السید مسعود بیک المرزا (نور اللّٰہ مرقدہٗ)

وقد کانت قلوبنا من قبل جرحیٰ بفقد محبوبنا الامین سیدنا ومولانا صدر الدین وفقد السید محمد احمد ابن العلامہ الفہامہ الفاضل الشہیر سیدنا وسندنا ومولٰنا محمد علیؒ وبموت شوھدری فضل حق وبوفاة الفاضل النبیل محمد اعظم علوی رحمہم اللّٰہ وھٰذہ المصیبة الاخیرة تنکا الجراحات

کان المرحوم عالمًا فاضلًا منتظمًا بارعًا وکاتبًا ذا اسلوبٍ ومتورّعًا۔ ولا یمکن ان تنسیٰ خدماتہٗ الجلیلة لاعلاء الحق بصفة الامین العام خصوصًا لما نزلت المصیبة الکبریٰ التی ھددت کیان الاحمدیة فی الباکستان

وبالاختصار فقدنا بفقد السید مسعود بیک رجلًا عظیمًا من اصحاب المواھب ولھٰذا الصبر علیٰ ھٰذہ المصیبة من اشق الامور۔ ولکن الحقیقة انّہٗ لا غنیً لاحدٍ عن الصبر۔ لان البکاء لا یجدیہ ولھٰذا لا نقولُ الّا ما قال نبیّنا محمدؐ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عند ما خلا ابنہ العزیزؓ ابراھیم۔ و قال (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) القلب یحزن والعین تدمع ولا نقول الّا یرضیٰ بہ ربّنا۔۔۔ (رواہ البخاریؒ) وحسبنا ان المرحوم ذھب الیٰ ربہ راضیًا ومرضیًا عنہ وانّ مصیرہٗ الیٰ الجنّة وللّٰہ درّ القائل اذ قال ؎

لیس من مات فاستراح بمیتٍ
انّما المیت میّت الاحیاء

وفی الختام اسال اللّٰہ تعالیٰ ربّنا الکریم ان یلھمنا الصبر والسلوان وان یتغمد الفقید برحمتہ الواسعة۔ اٰمین

(ترجمہ)

حضرت امیر قوم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد از سلام عرض ہے کہ یہ خط جناب کی خدمت میں اس حالت میں بھیج رہا ہوں کہ میرے دل پر ایسا دکھ ہے کہ خدا ہی جانتا ہے۔ ایسا غم پڑا کہ بیان نہیں کر سکتا یہ سب کچھ ایک ایسے بزرگ اور کریم بھائی کی وفات کی خبر سے ہوا جس کے ساتھ مجھے کافی محبت تھی۔ میری مراد مرکزی انجمن، کے جنرل سیکرٹری جناب مسعود بیگ مرزا کی ذات ہے۔

محبوب امیر قوم مولانا صدر الدین صاحب، اور حضرت مولانا محمد علیؒ کے فرزند جناب محمد احمد صاحب، چوہدری فضل حق صاحب اور محترم محمد اعظم علوی صاحب کی وفات سے ہمارے دل پہلے ہی زخمی تھے۔ اس تازہ مصیبت نے ان زخموں کو چھیل ڈالا۔

مرحوم ایک عالم فاضل۔ باکمال منتظم۔ صاحبِ اسلوب مضمون نگار اور تقویٰ شعار بزرگ تھے۔ جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے آپ نے حق کا بول بالا کرنے کے لئے خدمات جلیلہ انجام دیں۔ خاص کر اس پُر آشوب دور میں جب احمدیت کا وجود ہی خطرہ میں پڑ گیا یہ ناممکن ہے کہ آپ کی ان خدمات کو بھلایا جا سکے۔

غرض ہم ان کی وفات سے ایک باصلاحیت بزرگ سے محروم ہو گئے۔ اس لئے ان کی وفات پر صبر کرنا ایک بہت مشکل ام ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی کو بھی صبر کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ آہ و زاری سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں اس لئے ہم وہی کہیں گے جو ہمارے آقائے نامدار نبی کریم صلعم نے اپنے لختِ جگر ابراہیم کی وفات کے وقت فرمایا تھا۔

"دل پر غم کا پہاڑ ہے۔ آنکھ اشک بار ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو" (بخاری)

ہمارے لئے یہ یقین کافی ہے کہ مرحوم خدا تعالےٰ کے پاس اس حالت میں گئے کہ وہ خدا سے راضی اور خدا اس بندے سے راضی ہے۔ اور اس کی منزل جنت ہے۔ شاعر نے خوب کہا ہے۔ ؎

ترجمہ:۔ "مردہ درحقیقت وہی ہے جو اس زندگی میں ہی (روحانی طور پر) اپنے آپ کو مارتا ہے"

آخر پر میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ہمیں صبر و سکون بخشے اور ہم سے جدا ہونے والے کو اپنی رحمتِ بے پایاں سے نوازے۔ آمین!

— ٭٭٭ —

مولوی اور فتویٰ

قارئین کی خدمت میں راہ گیر آج بصد احترام پروفیسر آصف صاحب کا ایک مکتوب پیش کرنا چاہتا ہے جس کا تعلق مولوی صاحبان کے "شوقِ فتوےٰ بازی" سے ہے لکھتے ہیں ۔

"آج کل مولوی اور فتوای دونوں لازم و ملزوم سے ہو گئے ہیں ۔ کوئی مولوی اس وقت تک "پکے بند" اور "واجب التعظیم" مولوی صاحبان کی فہرست میں شامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ دو چار اُس نے "بڑے بڑے" "تکفیر" پر مبنی فتوے جاری کر کے اپنے محلے حلقے اور علاقے کے شرفاء کا ناطقہ بند کر کے علاقے بھر میں اپنا مولویانہ رعب نہ قائم کر لیا ہو۔

یہ اور بات ہے کہ اس کی یہ تعظیم اکثر و بیشتر اس کے "شوق فتوای بازی" کے شر سے بچنے کے لئے ہی کی جاتی ہے

دوسری بات جو اکثر دیکھنے میں آئی ہے کہ جو مولوی جتنا جاہل اور کم تعلیم یافتہ ہوتا ہے ۔ وہ کسی فرد ۔ جماعت یا طبقے کے متعلق فتوای جاری کرنے کے معاملہ میں اتنا ہی مستعد پایا گیا ہے ۔ اور تیسری بات یہ کہ یہ ذاتِ شریف جس فعل یا جس ایجاد کے متعلق فتوای صادر کرتی ہے ۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد خود بھی اسی ایجاد کی دالہ و شیدا اور اسی فعل کی عادی نظر آتی ہے ۔

مولوی کے ان تینوں جبلّی امتیازات کے کرشمے ہیں اسلام کی گذشتہ چودہ سو سالہ تاریخ کے اوراق پر جگہ جگہ بکھرے دکھائی دیتے ہیں ۔ عوام و خاص کا تو کیا ذکر اس ذاتِ شریف کے "شوق تکفیر" سے تو امتِ مسلمہ کے جید اکابر علماء ربانی بلکہ ائمہ کرام تک نہ بچ سکے ۔

- امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رح کو جاہل ۔ بدعتی ۔ زندیق اور کافر قرار دے کر انہیں قید خانے میں اس نے ڈلوایا جہاں آپ کو زہر دے دیا گیا ۔
- امام محمد بن ادریس شافعی کو ابلیس اس نے قرار دیا ۔ رفض کی طرف نسبت کر کے آپ کو قید کیا گیا ۔ آپ کے مرنے کی دعائیں مانگی گئی ۔ اور یمن سے بغداد تک آپ کو پابہ جولاں سخت بے ادبی ، بے حرمتی اور بے عزتی سے لے جایا گیا اور
- اسی طبقے کے فتو و ۔ ۔ امام فقہ حضرت احمد بن حنبل رح کو اٹھائیس ماہ قید میں رکھا گیا ۔ پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں ۔ مجالس میں بلا کر ذلیل کیا گیا ۔ منہ پر طمانچے مارے گئے اور تھوکا گیا ۔ اور ہر شام جیل سے نکال کر کوڑے مارے جاتے رہے ۔

لاؤڈ سپیکر اور مولوی

آج تو کوئی مولوی لاؤڈ سپیکر سے ہٹ کر کھانسنا بھی معیوب سمجھتا ہے لیکن ایک زمانہ وہ تھا جب لاؤڈ سپیکر پر خطبہ دینا ۔ یا تلاوت قرآن پاک کرنا بھی اس کے نزدیک کفر صریح تھا ۔ اگلے دن ایک بڑے پڑھے لکھے بزرگ نے بتایا کہ ۴۸-۱۹۴۷ء کی بات ہے جب وہ پہلے پہل لاہور گئے تو نواحی بستی چاہ میراں میں ٹھہرے ۔ نماز کا شوق تھا ۔ ملاؤں کے طریق کار سے مطمئن نہ تھے ۔ لہٰذا ہر جمعہ نئی مسجد میں نماز پڑھتے ۔ اسی شوق میں ایک دن جمعہ کی نماز کے لئے اسٹیشن کے قریب آسٹریلیا بلڈنگ کی مسجد میں جا پہنچے اور اسے دوسری مساجد سے قدرے مختلف پایا کیونکہ اس کے صحن کے ایک کونے میں ریڈیو رکھا تھا جس کا سلسلہ منبر کے قریب رکھے ہوئے مائیکروفون سے تھا ۔ اس مسجد کے امام صاحب بھی سوٹ پہنے ہوئے تھے ۔ خطبہ شروع ہوا تو ریڈیو سے آواز بلند ہونے لگی ۔ گو وہ حیران تھے کہ یہ کیسی مسجد ہے اور یہ کیسے امام صاحب ہیں کہ انگریزی سوٹ پہن کر خطبہ ارشاد فرمانے میں کوئی بھی جھجک نہیں ۔ بہرحال انہیں مسجد اور امام کی یہ ادا دونوں پسند آئیں اور وہ باقاعدگی سے یہیں نماز جمعہ ادا کرنے لگے ۔ ان امام صاحب کی جو خاص بات انہیں پسند آئی وہ یہ تھی ۔

" وہ پنجاب یونیورسٹی کے گریجویٹ تھے اور انہیں اپنے خطبہ میں عقل کی باتیں کرنے میں کبھی کوئی عار نہ تھی "

ابھی انہوں نے وہاں تین چار جمعے ہی پڑھے تھے کہ ایک دن شہر کی دیواروں پر جہازی سائز کے پوسٹر چسپاں نظر آئے جن میں فتوای دیا گیا تھا کہ

"لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانا اور پڑھنا حرام ہے" ۔ اور اس فتوے کے نیچے بے شمار علماء کرام کے دستخط تھے ۔ جن میں سنہری مسجد ، مسجد وزیر خان اور شاہی مسجد کے امام پیش پیش تھے ۔

لیکن اس فتوے کا اُلٹا اثر ہوا ۔ اس طرح کہ جو لوگ رجعت پسند ملاؤں سے نجات چاہتے تھے وہ جوق در جوق نماز جمعہ کے لئے اب آسٹریلیا بلڈنگ کی مسجد میں آنے لگے ۔ ان امام صاحب کے بعد جن کا نام غالباً عبدالحمید تھا ایک اور ترقی پسند مولانا (جو انہی کی طرح گریجویٹ بھی تھے) کا نام چمکا ۔ یہ مولوی محمد بخش مسلم تھے ۔ جنہوں نے امامت کا آغاز لوہاری دروازے کے باہر باغ میں واقع مسجد سے کیا تھا ۔

دوسروں کو نصیحت

اور اب فتوای باز مولوی صاحبان کے دوسرے شغل کے بارے میں (کہ جس بات سے دوسروں کو منع فرماتے ہیں ۔ جلد ہی خود اس کے عادی بن جاتے ہیں) آغا شورش کی زبانی سن لیجیئے ۔ انہوں نے اپنی کتاب "چہرے" میں لاہور کے ایک مولوی صاحب ابوالبرکات اور ان کے بھائی کے بارے میں لکھا ہے ۔

" تمام عمر تکفیر میں کٹی ۔ جب تک انگریز رہا ان کی نگاہ میں اقبال بھی کافر تھا ۔ ظفر علی خاں بھی کافر ۔ عطا اللہ شاہ بھی کافر ۔ سیف الدین کچلو بھی کافر ۔ اور ابن مسعود سرتاپا کشتنی "

"ایک دفعہ دونوں بھائیوں نے اپنے والد محترم ثانی مولانا دیدار علی شاہ کی ہمنوائی میں فتویٰ صادر کر دیا تھا کہ جو شخص "زمیندار" پڑھتا ہے وہ بھی کافر ہے اور اس کی بیوی کا نکاح فسخ ہو گیا ہے۔ راقم الحروف کی معلومات کے مطابق وہ فتویٰ ابھی تک واپس نہیں ہوا ہے لیکن گردش دوراں ہے کہ آپ کی تصویریں بھی زمیندار میں چھپتی ہیں"

گھڑی کے خلاف فتویٰ

لاؤڈ سپیکر تو خیر ایک ایسی ضرورت ہے جس کی اہمیت بڑے بڑے اجتماعات و تقریبات ہی میں اجاگر ہوتی ہے ان حضرات کی مشق ستم سے تو بیچاری "گھڑی" بھی نہیں بچ سکی۔ جو دورِ حاضر کی ایک اہم ترین ضرورت ہے ہر شخص کے لئے اور جو وقت پر نماز کی ادائیگی میں بھی بڑا ہی خاموش اور اہم رول ادا کرتی ہے۔ شیخو پورہ کے جماعت اہل حدیث کے امیر مولوی محمد حسین نے ایک دفعہ یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ :-

"تحقیق کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے اذانیں دیں۔ اور نمازیں ادا کیں بحساب اوقات گھڑیوں مروّجہ کے۔ اور ترک کیا سنت رسول صلعم کو اور نہ حساب رکھا سایہ کا واسطے نماز اور اذان کے روزانہ اور توڑا تعلق سنت سے براہ راست"

پھر اسی مسند افتیٰ سے ایک اور حکم جاری ہوا کہ :-

"اور وہ لوگ بھی ظالم ہو کر کافر ہوئے جنہوں نے مسجد میں گھڑیاں لٹکا دیں اور پھر مسجدوں پر رات اور دن کے حصے میں تالے لگا دیئے اور وہ لوگ بھی شیطان کے پیروکار ہو کر کافر ہوئے جنہوں نے داڑھی مونڈی یا منڈوائی اور مطمئن ہوئے"۔ اللہ رحم کرے اس غریب و مظلوم امت پر۔ ان نام نہاد علماء سوء کے فتوؤں کی رُو سے بڑے بڑے ائمہ مفسرین قرآن۔ محدثین اور علماء و فقہاء تک نہ بچ سکے۔

* کسی کو قتل کیا گیا۔
* کسی کی کھال کھنچوائی گئی۔
* کسی کو سر بازار کوڑوں سے پیٹا گیا۔
* کسی کا گھر جلایا گیا۔
* کسی کی قبر پر گدھوں کے ہل چلوائے گئے۔
* کسی کو سر بازار گھسیٹا گیا۔
* کسی کی کتابیں جلائی گئیں۔
* ظلم کی انتہا اور کیا ہو گی کہ کسی بزرگ کی لاش کو قبر سے نکال کر پامال کیا گیا

جانے وہ خوش بخت سحر کب طلوع ہو گی جو اسلام کے سچے عاشقوں کو ان فتویٰ بازوں اور فتویٰ فروشوں کے ہاتھوں جان و مال اور عزت کے تحفظ کی نوید سنائے گی۔ ساڑھے تیرہ سو سال سے عوام و خاص اسی صبح خوشگوار کے منتظر ہیں۔

مصنف "امہات الامۃ" کافر

اور یہ تو کل کی بات ہے جب ڈپٹی نذیر احمد پر کفر کا فتویٰ لگا۔ صرف اس لئے کہ ان کے ہمعصر علماء کرام کو ان کی تصنیف "امہات الامۃ" تحریر پسند نہ آئی تھی۔ کیونکہ وہ ان کے عقل و فہم سے بالا تھی۔ لہٰذا "پیسہ اخبار" لاہور دہلی میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا جس میں "امہات الامۃ" کے اکثر مندرجات پڑھ کر سنائے گئے۔ جس کے بعد متفق اللفظ ہو کر وہاں کے مولوی صاحبان نے فتویٰ دیا کہ امہات الامۃ کا مصنف کافر ہے اُن کے ساتھ کھانا پینا سب بند، حقہ پانی ترک اور پھر یہ فتوے مہر ثبت کر کے شائع کر دیا۔

"لطیفہ در فتویٰ"

مولوی صاحبان کے اسی فتوے کا ذکر کرتے ہوئے شمس العلماء علامہ شبلی فرماتے ہیں کہ امہات الامۃ کی تصنیف کے بعد جب ندوہ کا جلسہ دہلی میں ہونے والا تھا۔ تو میں نے جلسے کا اشتہار دیتے ہوئے۔ ہندوستان کے نامور علماء کی فہرست بھی شرکت جلسہ کے لئے چھاپی تھی۔ اس میں مولوی نذیر احمد کا نام بھی تھا۔

وہ اشتہار کہیں مولوی نذیر احمد خاں کے پرانے حریف کی نظر پڑ گیا ہو تو انہوں نے مجھے بھی صرف اس بنیاد پر کافر قرار دے کر فتویٰ چھپوا دیا کہ نذیر احمد کے نام کے ساتھ میں نے لفظ مولوی کیوں لکھا۔"

بشکریہ روزنامہ امن کراچی

—— * * * * ——

جلسۂ سالانہ

بہت سی برکات کا جاذب ہے اس مبارک موقع پر زیادہ سے زیادہ دوستوں کو ہمراہ لائیں تاکہ ان پر اس سلسلہ الٰہیہ کی ضرورت و اہمیت واضح ہو۔ اور ہم سب مل کر خدا تعالےٰ کے حضور نہایت تضرّع سے دعا کریں کہ ہم پر رب العزت کی بارگاہ سے فضل و کرم اتریں۔ جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور اس روحانی اجتماع پر انوار الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (ادارہ)

اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں

" لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لادیں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں۔۔۔۔ خدا تعالےٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت ضائع نہیں جاتی اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں، یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے۔"

(حضرت مجدد صد چہاردہم)

—— * * * ——

ہمارا سالانہ رُوحانی اجتماع

اھلاً وسھلاً ومرحبا

امسال ہمارا جلسہ سالانہ ۲۲-۲۳-۲۴-۲۵ دسمبر ۱۹۸۳ء کو منعقد ہو رہا ہے جس میں شمولیت کیلئے احباب کرام رختِ سفر باندھ رہے ہونگے۔ دراصل اس جلسہ کی بنیاد حضرت مجدد صد چہاردہم نے خود اپنے ہاتھوں سے دسمبر ۱۸۹۱ء میں رکھی۔ اس سال یہ جلسہ ۲۷ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک منعقد ہوا۔ اس کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے حضرت اقدس نے ایک اعلان میں جو آپ کی کتاب "فیصلہ آسمانی" میں شائع ہوا فرمایا:-

"اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعفِ فطرت یا کمیٔ مقدرت یا بُعد مسافت یہ میسر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کے لئے آوے ... لہٰذا قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسے کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرطِ صحت و فرصت و عدمِ موانع تو یہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں۔ آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷ دسمبر کی تاریخ آجاوے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض ربانی باتوں کے سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے۔ اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائیگی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہونگے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلّ شانہٗ کوشش کی جائیگی۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اسکے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہونگے جو ان شاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے ...."

کتنے خوش نصیب اور بلند بخت تھے وہ لوگ جنھیں حضرت صاحب کی زبانِ مبارک سے ربانی باتیں اور حقائق و معارف سننے، آپ کے ساتھ نمازیں پڑھنے اور دعاؤں میں شامل ہونے کیوجہ سے تزکیہ نفس کا موقع ملا لیکن آپ کے بعد بھی آپ کے شاگردوں اور تربیت یافتہ بزرگوں نے اس رسم و راہ کو منقطع نہ ہونے دیا بلکہ پھر قائم رکھنے کی کوشش کی اور کچھ اسی رنگ میں رنگین سوز و گداز کے نظارے دیکھنے میں آئے۔ جو پیالۂ علم و عرفاں انہوں نے قادیان کے ایک مرد درویش کے قدموں میں بیٹھ کر اپنے پیاس آشنا ہونٹوں سے لگایا اُسی کے نشہ میں مخمور انہوں نے بھی اپنی عبادت میں وہی خضوع و خشوع اور دعاؤں میں وہی دلسوزی پیدا کی اور اس سے اپنے ساتھ ملنے والوں کو بھی سیراب کیا۔

ایک ایک کر کے ان مردانِ باصفا و باوفا سے یہ میخانہ خالی ہوتا جا رہا ہے لیکن ہمارے لئے وہ اپنے پاؤں کے کچھ نشان باقی چھوڑ گئے ہیں انہی نشانوں کے طفیل ہم اپنے آنیوالے جلسے تک پہنچ سکتے ہیں۔

جن قوموں میں زندہ رہنے کا جذبہ سرد نہیں ہوتا وہ اپنے بزرگوں کی روایات کو بڑے عزم و خلوص اور پیار و محبت سے اپنے سینے سے لگائے رکھتی ہیں اور ان کے شب و روز اس غم میں بسر ہوتے ہیں کہ کس طرح وہ اپنی ان روایات کو زندہ رکھیں اور اپنی آنیوالی نسلوں یک اس رنگ میں منتقل کریں کہ ان کی کشش اور تاب تاب کی پہلے سے فزوں تر ہو اور وہ اس دنیا سے اس اطمینان کے ساتھ گذریں کہ انسانی کوششوں کی امکانی حد تک انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

ہماری روایات دیگر سلسلوں اور جماعتوں کی روایات سے بالکل مختلف ہیں اور ہمارا راستہ ان کے راستوں سے بالکل جُدا ہے۔ ہمارا سیاست سے کوئی رشتہ اور تعلق نہیں۔ نہ رہا ہے اور نہ رہے گا۔ ہمیں حکومت اور اقتدار کی کوئی آرزو اور تمنا نہیں ہم نے تو اپنا دامن سیاست سے اس حد تک چھڑا لیا ہے کہ اپنے حق رائے دہی کو بھی ترک کر دیا ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ہمارے سامنے جو مقصد اور مشن رکھا ہے وہ صرف یہ ہے اور یہی ہماری روایت اور غم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ دنیا پر روشن ہو۔ آنحضرت صلعم کا نور دنیا میں ظاہر ہو اور کون و مکان میں پھیل جائے۔ قرآن کریم کی ازلی اور ابدی صداقتیں دنیا کو اپنی طرف کھینچیں تاکہ ہماری باہمی نفرتیں، عداوتیں اور خصومتیں مٹ جائیں اور یہ عالمِ انسانیت امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے۔ جہاں ہر قسم کی تفریقات ختم ہو کر انسان، انسان کا دوست اور ہمدرد بن جائے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مہمانوں کو خیریت سے لائے اور بخیر و عافیت واپس لے جائے اور جس غرض کے لئے وہ یہ تکلیفیں اٹھا کر تشریف لائیں گے اللہ تعالیٰ سے ان کی دعاؤں اور قربانیوں کی بدولت پوری کرے۔ آمین! ح

"اے آمدنت باعثِ آبادیٔ ما"

(ادارہ)

— • • • —

مکرم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب پی۔ایچ۔ڈی۔لاہور

حدیث کے لغوی اور اصطلاحی معنوں میں فرق

لغوی معنے سے مراد کسی لفظ کا وہ بنیادی تصور اور بنیادی ترکیب ہوتی ہے جس کے لئے اہل زبان نے اسے ابتداء ہی سے وضع کیا ہوتا ہے اس کے برعکس اصطلاحی معنوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لفظ مذکور کو کسی خاص مقصد اور خاص مفہوم کے لئے استعمال کیا جائے۔ مثلاً لفظ حدیث اپنی وضع کی رُو سے اور بنیادی اعتبار سے بمعنے "بات" گفتگو۔کہانی۔یا قصہ یا کسی خاص واقعہ یا کسی چیز کے ذکر کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن پاک کی آیت (۴ : ۸۸) ومن اصدق من اللہ حدیثًا۔ اللہ تعالےٰ سے کون زیادہ سچا ہے۔ بات کے لحاظ سے یہاں لفظ حدیث بات اور گفتگو کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یہاں اس سے مراد وہ اصطلاحی حدیث نہیں ہے۔ میں چند اور مثالیں اسی ضمن میں عرض کرتا ہوں۔

فرمایا:۔ فما لھٰؤلآء القوم لا یکادون یفقھون حدیثًا (۴ : ۷۸) یہاں بھی حدیث بمعنے بات کے ہے۔ (ترجمہ) ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔

حدیث عیسےٰ ابن ھشام: ایک مشہور ادیب ناول نگار المنفلوطی المصری کی عربی ادب پر ایک کتاب ہے لیکن یہ اصطلاحی حدیث نہیں کہلا سکتی۔ اس کے علاوہ اور حوالہ ملاحظہ کیجئے۔

(۱) اما بنعمۃ ربک فحدث۔ یہاں بھی اس مادہ سے ایک واقعہ یا ایک حقیقت مراد ہے جس کا اصطلاحی استعمال کے ساتھ کچھ دخل نہیں۔

پھر ملاحظہ ہو: قرآن پاک میں ذکر ہے کہ جب نبی اکرم صلعم کے ہاں تم لوگ کھانے پر مدعو ہو تو کھانا کھانے کے بعد رخصت لے کر چلے جاؤ۔ کھانے کے بعد کسی گفتگو میں مشغول نہ ہو جاؤ کیونکہ اس سے نبی علیہ السلام کو کوفت ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے عظیم اخلاق کی وجہ سے آپکو کچھ نہیں کہتے۔ یہاں بھی "حدیث" کا لفظ گفتگو وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے فرمایا لا مستانسین لحدیث (الاحزاب آیت ۵۳) ایک اور جگہ فرمایا: ولا یکتمون اللہ حدیثا۔ اور وہ اللہ سے کوئی بات نہیں چھپا نے۔ (سورۃ النساء آیت ۴۳)۔ پھر ملاحظہ کیجئے۔

حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہٖ۔ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ (سورۃ الانعام آیت ۶۸)

قرآن پاک میں لفظ حدیث متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ آیت ھل اتاک حدیث الغاشیۃ۔ یہاں بھی واقعہ۔ قصہ مراد ہے اصطلاحی حدیث نہیں۔

ایسا ہی سورۃ التحریم کی آیت ۳ میں فرمایا گیا ہے۔ واذ اسر النبیُّ الی بعض ازواجہ حدیثا۔ جب نبی علیہ السلام نے اپنی ایک زوجۂ محترمہ کو ایک بات بطور راز بتائی۔ یہاں بھی لغوی معنے مراد ہیں۔

سورۃ یوسف کی آیت رب قد اٰتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث (یوسف۔آیت ۱۰۲) "اے میرے رب تو نے مجھے ملک عطا کیا اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عنایت فرمایا۔"

طوالت کے خوف سے میں صرف بعض آیات کے ذکر پر اکتفا کروں گا جن میں لفظ حدیث محض لغوی طور پر استعمال ہوا ہے۔

۱۔ ومن یکذب بھٰذا الحدیث" اس بات یا قول کو کون جھٹلا سکتا ہے (القلم آیت ۴۴)

۲۔ افبھٰذا الحدیث انتم مدھنون (الواقعہ آیت ۸۱)

۳۔ فلیاتوا بحدیثٍ مثلہٖ (سورۃ الطور۔آیت ۳۴)

۴۔ افمن ھٰذا الحدیث تعجبون۔ (سورۃ النجم آیت ۵۹) "کیا اس بات پر تعجب کرتے ہو۔"

۵۔ ھل اتاک حدیث موسیٰ (سورۃ طٰہٰ آیت ۹) "کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنا ہے۔"

۶۔ اور اسی طرح حوالہ" وما کان حدیثًا یفتریٰ" (یوسف آیت ۱۱) "یہ کوئی بناوٹی بات نہیں۔"

میرا خیال ہے ہمارے دوست مسٹر ارفاق صاحب جنھوں نے امریکہ سے شائع ہونیوالے ایک رسالہ اسلامک ریویو میں اپنا مضمون " احادیث القرآن " شائع کرایا ہے انہیں قرآن پاک کی چند آیات سے مغالطہ لگا ہے۔ مثلاً آیت تلک اٰیٰت اللہ نتلوھا علیک بالحق فبایّ حدیث بعد اللہ و اٰیٰتہٖ یؤمنون" (اسی طرح آیت فبای حدیث بعد اللہ وایاتہ یؤمنون) یعنی اللہ تعالیٰ کی ان آیات کی موجودگی میں آپ کون سی حدیث کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہاں حدیث کے معنے نہایت آسان اُردو میں نشانات ہیں جس کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ قرآن کریم کے مقابلہ میں حدیث نبوی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ حالانکہ یہاں بھی حدیث کے لغوی معنے ہی مراد ہیں۔ اور اس سے اصطلاحی معنے ہرگز نہیں لئے جاسکتے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلعم کو مخاطب کر کے فرمایا:

فلعلک باخعٌ نفسک علیٰ اٰثارھم ان لم یؤمنوا بھٰذا الحدیث اسفا۔ (۶ : ۱۸۲)

"کیا آپ اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے اس لئے کہ لوگ اس بات یا حکم پر ایمان نہیں لاتے۔"

پس نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں جہاں لفظ حدیث استعمال ہوا ہے وہ اصطلاحی معنوں میں نہیں ہوا۔

ہمارا اس امر پر یقین کامل ہے کہ قرآنی آیات بذریعہ وحی نازل ہوئی ہیں۔ اس لئے آیات القرآن کے لئے "احادیث القرآن" کی اصطلاح استعمال کرنا نہایت غلط ہے قرآن کی رو سے آیات القرآن کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ جیسے تلک آیٰت الکتٰب ۔ والذی انزل الیک من ربک الحق ولکن اکثر الناس لا یؤمنون ۔" یہ قرآن پاک کی آیات ہیں اور جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں مانتے "

یہ یاد رہے کہ اسلامی اصطلاح میں حدیث کا لفظ ایک خاص مقصد کیلئے استعمال ہوتا ہے اور کسی اور مفہوم کے لئے استعمال نہیں ہو سکتا چنانچہ اصول حدیث کی ایک نہایت معتبر کتاب نخبۃ الفکر میں حدیث کی اصطلاحی تعریف ابن حجر العسقلانی کے حوالہ سے یوں کی گئی ہے۔ الحدیث ماجاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث کا لفظ اصطلاحی لحاظ سے صرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے جو روایت بذریعہ مختلف راویوں کے بیان کی گئی ہو کے لئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ حدیث کے لئے سلسلہ روایت ضروری ہے مگر قرآنی آیات میں انسانی روایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہاں تو اس حد تک احتیاط ہے کہ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً ۔ پھر احادیث کی بے شمار اقسام ہوتی ہیں جن کا دارو مدار راویوں کے کیرکٹر اور شخصیت سے ہوتا ہے ۔ حدیث صحیح کہلاتی تب ہے جب راوی اعلے پیمانے کے ہوں اور اگر ایسا نہیں تو حدیث ضعیف بھی ہو سکتی ہے اور قابل عمل نہیں ہوتی ۔ حدیث ہمیشہ قرآن پاک کے تابع ہوتی ہے مگر قرآن کریم کی آیات کے متعلق ارشاد ہے :

" انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون"

" ہم نے ہی یہ قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی صحت کے محافظ اور نگہبان ہیں "

مگر حدیث کے لئے کوئی ایسی ضمانت نہیں دی جا سکتی ۔ قرآن شریف کے متعلق یہ فرمان ہے ۔ ذالک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین ۔ اور پھر فرمایا :۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی ۔ علمہ شدید القوی

یہ اللہ تعالے کی طرف سے وحی اور الہام سے نازل ہوا ہے محمد صلعم کا اپنا کلام نہیں ۔ مگر حدیث خاص طور پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنا ذاتی کلام ہوتا ہے اور حدیث کی تعریف بھی یہی ہے کہ ما جاء عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم ۔ یعنی وہ بات یا قول جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کہ حضور صلعم نے ایسا فرمایا ۔

مجھے یہ چند سطور لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ہمارے ایک دوست جنھیں اسلام سے گہرا لگاؤ ہے اور وہ اکثر اپنے قلمی نام ارفاق کے تحت مختلف اخبارات اور رسائل میں مضمون لکھتے رہتے ہیں میں نے ان کا ایک مضمون "احادیث القرآن" ہمارے انگریزی رسالہ مسلم ریویو میں پڑھا۔ یہ رسالہ امریکہ سے شائع ہوتا ہے اس مضمون میں ارفاق صاحب نے قرآن شریف کو اللہ کی احادیث ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے لفظ حدیث سے غلطی کھائی ہے حالانکہ قرآن میں لفظ حدیث صرف لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے جس کی میں نے اپنے مضمون میں کافی تشریح کر دی ہے مجھے یہ خدشہ ہوا کہ چونکہ مسلمانوں میں ایک بڑا فرقہ ہے جو اپنے آپ کو اہل قرآن کا نام دیتا ہے اور آیت فبای حدیث بعد اللہ وآیاتہ یؤمنون - یعنی "قرآن کی موجودگی میں کسی حدیث کی ضرورت نہیں"۔ ایسے لوگ حدیث کے منکر ہیں اور اس لئے ان کی کوشش ہے کہ صرف قرآن سے استفادہ کر کے عمل کیا جائے اور اسی وجہ سے انہوں نے نماز ۔ روزہ اور دیگر ارکان اسلام کے سمجھنے میں بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے ۔ بلکہ وہ اسلام سے بہت دور چلے گئے ہیں اہل قرآن گروہ کے نزدیک نمازوں کی تعداد اور ان کی نوعیت وہ نہیں ہے جو احادیث اور سنت نبوی سے سمجھ آتی ہے ۔

اسی طرح سے ان کے لئے دیگر ارکان مثلاً حج وعمرہ وغیرہ ایک زائد چیز بن گئے ہیں بظاہر ان کا دعوی قرآن پر ہے حالانکہ اللہ تعالے قرآن میں فرماتا ہے ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۔ یہ لوگ صریح طور پر حکم قرآنی کی نافرمانی کرتے ہیں ۔ اللہ تعالے کا حکم ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول

نبی کریم صلعم کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے:

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

اس لئے حدیث نبوی اور سنت رسول صلعم ہمارے لئے نہایت ضروری ہے ۔ کیونکہ نبی کریم صلعم کی مکمل پیروی کئے بغیر انسان ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا ۔

امت مسلمہ کے نزدیک قرآن پاک اللہ تعالے کا آخری اور مکمل ترین ضابطہ حیات ہے ۔ قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے سنت رسول کا درجہ ہے یعنی رسول کریم صلعم کا عملی نمونہ ۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام کے اقوال اور ارشادات یعنی احادیث نبوی ۔ حدیث ہماری راہنمائی کرتی ہے اور جب سنت اور حدیث سے مسئلہ صاف نہ ہو تو پھر ہمیں اجازت ہے کہ قرآن ۔ سنت اور حدیث کی روشنی میں اجتہاد سے مدد لیں ۔

لیکن بقول ہمارے اہل قرآن حضرات کے کہ صرف قرآن ہی کو سامنے رکھا جائے اور سنت اور حدیث نبوی پر عمل نہ کیا جائے ۔ یہ بہت بھاری غلطی ہے ۔ قرآن خود اس کا شاہد ہے کہ نبی صلعم کا قول اور عمل ہمارا راہنما ہے ورنہ ہم دین کے سمجھنے میں غلطی کر سکتے ہیں ۔ اللہ تعالے ہمیں ایسی غلطی سے بچائے آمین !!

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم خود احکام قرآن کی سختی سے پیروی کرتے تھے چنانچہ اسی لئے قرآن پاک میں ارشاد ہے:

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین
لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین

حضور علیہ السلام اس حد تک محتاط تھے کہ قرآن میں آیا ہے :

انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم ۔ (یونس ۱۵)

چنانچہ اس حقیقت سے قطعاً انکار نہیں ہو سکتا کہ سنت رسولؐ اور قول رسولؐ کی راہنمائی کے بغیر ہمارا دین مکمل نہیں ہو سکتا۔

لفظ حدیث تو عام گفتگو اور بات چیت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ استعمال ہمیشہ لغوی معنوں میں ہوتا ہے نہ کہ اصطلاحی معنوں میں۔

ایک جگہ سورۃ یوسف میں یوں آیا ہے:

رب قد اٰتیتنی من الملك و علّمتنی من تاویل الاحادیث

(سورۃ یوسف ۱۲: ۱۰۲)

"اے میرے رب تو نے مجھے حکومت میں مرتبہ عطا کیا اور مجھے تعبیر رؤیا کا علم دیا۔"

آخر میں حضرت علامہ اقبال مرحوم کا ایک حوالہ عرض کرتا ہوں جس میں لفظ حدیث کے معنے بات یا قول کے استعمال ہوا ہے۔ فرماتے ہیں:

حدیث بے خبراں است زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

طلسم بے خبری وکافری و دینداری

حدیث شیخ و برہمن فسون و افسانہ

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم

حدیث عشق بیباکانہ گفتم

(اقبالؒ)

اُمید ہے ہمارے دوست شدہ قرآنی آیات کو احادیث القرآن نہیں سمجھیں گے۔

اخبارِ احمدیہ

- سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں اور بدستور خدمات دینیہ میں مصروف ہیں۔ احباب کرام توجہ اور التزام کے ساتھ حضور کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں کہ اللہ تعالےٰ آپ کا پُربرکت سایہ جماعت کے سروں پر تا دیر قائم و سلامت رکھے۔ آمین!

حضور کے ارشاد پر جامع احمدیہ دارالسلام میں نماز جمعہ (۱۶/۱۲/۸۳) مکرم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب نے پڑھائی۔

- درخواست جنازۂ غائبانہ۔

صوفی پورہ (سرینگر) سے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں محمد صادق بٹ صاحب نے یہ افسوسناک اطلاع بھیجی ہے کہ ہمارے ایک مخلص ممبر جلال الدین شیخ (صوفی پورہ) وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔

- حاجی اللہ رکھا صاحب ساکن گھٹالیاں ضلع سیالکوٹ وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ مخلص احمدی تھے۔ جماعت ربوہ کو چھوڑ کر آپ جماعت لاہور میں شامل ہوئے۔ تبلیغ کا بڑا شوق تھا۔ ان کی تدفین اپنے گاؤں میں ہی ہوئی۔ احباب کرام سے دونوں مرحومین کے جنازۂ غائبانہ کی درخواست ہے۔

۱: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) ہند کے خصوصی اجلاس میں تعزیتی قرارداد بروفات مرزا مسعود بیگ مرحوم و مغفور

۶ نومبر ۱۹۸۳ء آج احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) ہند کا ایک خصوصی اجلاس بمقام صدر دفتر جامع احمدیہ قلمدان پورہ سرینگر زیر صدارت ایم۔ دائی تاثیر جنرل سیکریٹری منعقد ہوا۔ اجلاس میں جماعت سرینگر صوفی پورہ اور یاری پورہ کے ممبران مجلس منتظمین کے علاوہ جماعت بھدرواہ کے ایک نوجوان بھی شریک ہوئے۔ جس میں اور امور کے علاوہ جناب مرزا مسعود بیگ صاحب مرحوم کی وفات کے سلسلہ میں حسب ذیل تعزیتی قرارداد پاس کی گئی۔ (۱) جناب مرزا مسعود بیگ صاحب کی اچانک وفات ۲ اکتوبر ۱۹۸۳ء کی خبر مرکزی انجمن لاہور نے تار برقی اور اخبار پیغام صلح کے ذریعہ ملی۔ یہ افسوسناک خبر موصول ہوتے ہی جماعت سرینگر نے جامع احمدیہ قلمدان پورہ، جماعت یاری پورہ نے جامع احمدیہ دارالسلام یاری پورہ، جماعت صوفی پورہ نے جامع احمدیہ صوفی پورہ جماعت بھدرواہ نے جامع احمدیہ بھدرواہ اور جماعت جموں نے جامع احمدیہ پیر مٹھا جموں میں جنازہ غائبانہ ادا کیا۔

(۲) آج یہ اجلاس باتفاق رائے محترم مرزا مسعود بیگ صاحب کی وفات کو جماعت کے لئے ناقابل تلافی نقصان قرار دیتا ہے۔ مرحوم کے دل میں اسلام و احمدیت کی ترقی کے لئے حقیقی تڑپ موجود تھی۔ آپ یقیناً تقوی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۳) یہ اجلاس خداوند کریم کے حضور دست بدعا ہے کہ وہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین! قرار پایا کہ اس کارروائی کی نقول اپنے قومی اخبارات کے علاوہ سیدنا حضرت امیر قوم ایدہ اللہ کی خدمت میں بھیجی جائے۔

۲: مرزا مسعود بیگ صاحب کی وفات ایک جماعتی سانحہ ہے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ دیر سے اخبار پیغام صلح دیکھا جناب مرزا مسعود بیگ کی وفات سے دلی دکھ اور رنج ہوا۔ بے شک اس انجام سے ہر ایک کو دوچار ہونا ہے لیکن بعض افراد کی ہستی ایسی اہم ہوتی ہے کہ اُنکے جانے سے پیداشدہ خلا پُر ہونا ممکن معلوم نہیں ہوتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرزا صاحب کی رحلت اُن کے اعزہ و اقرباء کے لئے ہی دُکھ کا باعث نہیں بلکہ یہ ایک جماعتی سانحہ ہے۔ خدا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

۳: احمدیت کا ایک سچّا خادم چل بسا۔

جناب مرزا مسعود بیگ کی وفات سے دل کو بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ ایک صالح، شریف النفس، مخلص، فہم و فراست کے مالک اور شکل و صورت سے جوان معلوم ہوتے تھے دل میں جماعت کا بڑا درد تھا۔ ان کی اچانک وفات سے بڑا خلا پیدا ہوا ہے جس کا پُر ہونا خدا کے فضل سے ہی ممکن ہے۔ خدا کو ایسا ہی منظور تھا اسکی رضا پر شاکر رہنا اور صبر کا نمونہ دکھانا ہمارا فرض ہے۔ سب نے ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے ہاں ابدی جدائی کے احساس سے دل مغموم ضرور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت میں اعلیٰ مقام نصیب کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین (مرزا حبیب الرحمٰن، ماڈل ٹاؤن لاہور)

باہتمام المدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر ناصر احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۱۔ دسمبر ۱۹۸۳ء جلد ۷۰ شمارہ ۵۱